جلد ہفتم

الہلال

۱۰ جون تا ۹ دسمبر ۱۹۲۷

ابوالکلام آزاد

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

فہرست تصاویر

جون ۱۹۸۶ء میں جب اتر پردیش اردو اکادمی کی تشکیلِ نو ہوئی اور میں کوئی چار سال کے وقفے کے بعد اس کی مجلس انتظامیہ کا ایک بار پھر چیرمین نامزد کیا گیا تو میرے ذہن نے اس کا جو ترقیاتی منصوبہ مرتب کیا، اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدسالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کو سرِ فہرست جگہ ملی، اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں کسی طرح یہ عہدہ قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا لیکن چھ ماہ کی طویل کشمکش کے بعد میرے اندازِ فکر میں تبدیلی رونما ہوئی اور اس جذبے نے میری انفعالی کیفیتوں کو شکست دے دی کہ مولانا کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کو عام کرنا ہمارے واجبات میں ہے اور اردو اکادمی اس قومی کام میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

میں نے جب اکادمی کی مجلس انتظامیہ کے اراکین سے آزاد صدی کے مختلف پہلوؤں پر غیر رسمی گفتگو کی تو ان کے اندر اس منصوبے کی تکمیل کا ذوق مجھ سے کہیں زیادہ ملا اور آخر کار مجلس انتظامیہ نے اپنی پہلی نشست میں الہلال کی مکمل فائلوں کے عکس کی طباعت و اشاعت کا منصوبہ بڑے عزم و حوصلے کے ساتھ منظور کر لیا۔ مجلس انتظامیہ نے محسوس کیا کہ مولانا آزاد کو اس سے زیادہ مخلصانہ خراجِ عقیدت اور کیا ہوگا کہ الہلال کا عکس ملک کے کونے کونے میں پہنچا دیا جائے۔

اکادمی کا سالانہ بجٹ محدود اور متعین ہوتا ہے۔ اس کی مدیں مقرر ہیں اور ریاستی حکومت ان مدوں کے پیشِ نظر ہر سال گرانٹ دیتی ہے۔ آزاد صدی کا بجٹ الگ سے مرتب کیا گیا اور حکومت کو منظوری اور اضافی گرانٹ کے لیے بھیج دیا گیا۔

بجٹ، ضمنی بجٹ، گرانٹ، اضافی گرانٹ، متواتر اور غیر متواتر گرانٹ ــــــ یہ ایسے موضوعات ہیں جن کی جزئیات ہمیشہ میرے دائرۂ فہم سے باہر رہی ہیں۔ ایک مدت تک جب اضافی گرانٹ کے سلسلے میں حکومت سے کوئی جواب نہیں ملا اور اکادمی کے افسروں نے اس کے مالہ وماعلیہ کی تفصیلات مجھے بتائیں تو میرے شب و روز کے معمولات متاثر ہوگئے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ الہلال کے عکس کی اشاعت کیوں کر ممکن ہوگی۔ عوام و خواص سے کسی طرح کا چندہ وصول کرنا ہمیشہ اور ہر حال میں میرے معمولات سے خارج رہا ہے۔ جب کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو میں نے گرانٹ کی منظوری کی توقع پر کام کا آغاز کر دیا۔

اسی اثنا میں گورکھپور ایرپورٹ پر جناب ویربہادر سنگھ (سابق وزیر اعلا) سے ملاقات ہوگئی اور میں نے آزاد صدی کا ذکر چھیڑ دیا۔ انھوں نے اس خیال سے اتفاق کیا کہ اتر پردیش میں "آزاد صدی تقریبات" اس طرح منائی جائیں جو ہر لحاظ سے مولانا آزاد کے شایانِ شان ہوں۔ انھوں نے اضافی گرانٹ کے سلسلے میں کہا کہ اس کی فکر نہ کیجیے، لکھنؤ آجایے، گرانٹ مل جائے گی۔ میں نے ۲۲ مارچ ۱۹۸۸ء کو جب شری ویر بہادر سنگھ سے لکھنؤ میں ملاقات کی تو انھیں ایرپورٹ والی بات یاد آگئی۔ بجٹ کے جو کاغذات اکادمی سے بھجوائے گئے تھے، ابھی ان کی نظر سے نہیں گذرے تھے مگر انھوں نے بطیبِ خاطر ایک دوسرے کاغذ پر پانچ لاکھ کی رقم منظور کی اور کہا کہ جتنی مزید رقم کی ضرورت ہوگی، حکومت ادا کرے گی۔

جون ۱۹۸۸ء میں جناب نراین دت تیواری نے وزیر اعلا کا عہدہ سنبھالا۔ ۱۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو اکادمی کی مجلس عام کا اجلاس منعقد ہوا جس میں تیواری جی نے بھی شرکت کی۔ اکادمی کی صدر بیگم حامدہ حبیب اللہ نے آزاد صدی تقریبات کے لیے مزید پانچ لاکھ کی رقم کا مطالبہ کیا۔ تیواری جی نے اسی اجلاس میں اس مطالبے کو منظور کر لیا اور اس طرح آزاد صدی تقریبات کے لیے ریاستی حکومت نے مجموعی طور پر دس لاکھ روپے کا عطیہ منظور کیا۔

الہلال کے عکس کی اشاعت کوئی اہمیت رکھتی ہے کہ نہیں، اس سوال کا جواب ــــ منفی تو ہرگز نہیں۔ ہمارے سامنے اس کے بہت سے مثبت پہلو ہیں۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ مولانا آزاد پر کوئی تحقیقی اور تنقیدی کام اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک الہلال کے سارے شماروں کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر لیا جائے۔ مولانا آزاد کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں صرف اس لیے راہ پاگئی ہیں کہ الہلال کی فائلیں کمیاب ہیں اور خواہش کے باوصف لوگوں کو اس کے مطالعے کا موقع نہیں ملتا۔ الہلال مولانا کی دینی، سیاسی، علمی اور ادبی شخصیت کا حرفِ آغاز بھی ہے اور حرفِ آخر بھی۔

اہم معروضات

- الہلال کے عکس کی اشاعت سات جلدوں میں کی جارہی ہے جن کی تفصیل یہ ہے :

جلد اوّل	۱۳، جولائی ۱۹۱۲ء	تا	۲۵، دسمبر ۱۹۱۲ء	۲۳	شمارے
جلد دوم	۸، جنوری ۱۹۱۳ء	تا	۲۵، جون ۱۹۱۳ء	۲۴	شمارے
جلد سوم	۲، جولائی ۱۹۱۳ء	تا	۲۴، دسمبر ۱۹۱۳ء	۲۵	شمارے
جلد چہارم	۷، جنوری ۱۹۱۴ء	تا	۲۴، جون ۱۹۱۴ء	۲۱	شمارے
جلد پنجم	یکم، جولائی ۱۹۱۴ء	تا	۱۸، نومبر ۱۹۱۴ء	۱۸	شمارے
جلد ششم	(البلاغ) ۱۲، نومبر ۱۹۱۵ء	تا	۳۱، مارچ ۱۹۱۶ء	۱۱	شمارے
جلد ہفتم	۱۰، جون ۱۹۲۷ء	تا	۹، دسمبر ۱۹۲۷ء	۲۴	شمارے

شماروں کی مجموعی تعداد ۱۴۶

- البلاغ کو تسلسل قائم رکھنے کے لیے الہلال میں شامل کرلیا گیا ہے اور اکادمی نے اس کا ذکر جلد ششم کی حیثیت سے کیا ہے۔
- الہلال کی سات جلدوں کو تین مجلّدات میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ ان کی مجموعی قیمت کچھ کم ہوجائے۔ مجلّدات کی تفصیل یہ ہے۔

جلد اوّل اور جلد دوم ———————— ایک ساتھ مجلّد ہیں

جلد سوم اور جلد چہارم ———————— ایک ساتھ مجلّد ہیں

جلد پنجم، جلد ششم اور جلد ہفتم ———————— ایک ساتھ مجلّد ہیں

- الہلال کا متن لائن نگیٹو سے طبع ہوا ہے: تصویریں ہاف ٹون نگیٹو سے چھپی ہیں۔
- کوشش کی گئی ہے کہ الہلال میں شائع شدہ سارے اشتہارات کا عکس بھی شائع ہوجائے۔
- متن میں (اور صفحات کے تسلسل میں بھی) کئی جگہ غلطیاں نظر آئیں لیکن ان کی تصحیح صرف اس لیے نہیں کی گئی کہ ہم 'نقل مطابق اصل' کے اصول سے انحراف نہیں کرنا چاہتے۔
- بعض جلدوں کی فہرست الہلال میں شائع ہوئی تھی۔ اسے متعلقہ جلدوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ جن جلدوں کی فہرست الہلال نے شائع نہیں کی تھی، اسے اکادمی نے مرتب کرکے متعلقہ جلدوں میں شامل کردیا ہے۔
- یوں تو الہلال میں صفحہ نمبر کی صراحت ہوتی تھی لیکن اشتہارات صفحہ نمبر سے عاری ہوتے تھے۔ آسانی کے لیے اکادمی اڈیشن کے صفحہ نمبر کا بھی اندراج کردیا گیا ہے جو اشتہارات اور تصاویر کو بھی محیط ہے۔ اکادمی اڈیشن کا صفحہ نمبر نیچے نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔
- الہلال کی فروخت سے اکادمی اپنی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتی اس لیے یہ لاگت سے کم قیمت پر فراہم کیا جارہا ہے۔

ان موضوعات کا کون سا ایسا نکتہ ہے جس کی تصریح الہلال میں نہیں ہے۔ آزاد اور الہلال لازم و ملزوم ہیں اس لیے اگر آزاد صدی کے موقع پر بھی مولانا آزاد کا مطالعہ ادھورا رہتا ہے تو موجودہ نسل ہمیشہ مورد الزام رہے گی کہ وہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہوئی۔ اترپردیش اردو اکادمی اس الزام سے اپنے معاصرین کو بری کر رہی ہے۔

الہلال کسی الف لیلوی داستان کے زمرے میں شامل ہوتا جا رہا ہے اردو کے مختلف درجات کے نصاب میں مولانا آزاد کی تحریریں بجا طور پر شامل کی گئی ہیں اور جب اساتذہ ان تحریروں پر درس دیتے ہیں تو الہلال اور اس کی گوناں گوں خصوصیات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ طلبہ کے اندر الہلال کے دیدار کی خواہش بیدار ہو جاتی ہے۔ مگر اساتذہ ان کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے کہ الہلال ایک جنس نایاب ہے۔ اگر کہیں کسی کے پاس کوئی شمارہ ہے بھی تو وہ اتنے پراسرار طریقے سے اس کی جلوہ گری کا سامان بہم کرتا ہے کہ یہ جلوہ گری" ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے" کہ ذیل میں آ جاتی ہے۔ الہلال کے عکس کی اشاعت سے نئی نسل کی شکایت دور ہو جائے گی۔ کم از کم اتنا دعویٰ تو وہ کر سکتی ہے کہ اصل الہلال کو نہ سہی اس نے اس کا عکس تو دیکھا ہے۔ الہلال کی یہ نئی جامہ پوشی اس کے انداز قد کی بہرحال غمازی کرے گی۔

اسلاف علم و ہنر اور سیم و زر کے مابین جو امتیازی لکیر کھینچتے آئے ہیں، اس کی حقانیت کا بارہا تجربہ ہوا لیکن الہلال کی فائلوں کی تلاش نے اسے آئینہ کر دیا۔ اس کی اشاعت کے لیے ریاستی حکومت سے گرانٹ قبول گئی لیکن اس کے صحیح سالم اوراق کی فراہمی مرحلۂ جوئے شیر ثابت ہوا۔ میں ۱۹۵۸ء میں گورکھپور آ گیا تھا اور برابر یہاں کے ذاتی کتب خانوں کی تلاش اور ان سے استفادے میں معروف رہا بعض ذاتی کتب خانوں کی فہرستیں بھی میں نے مرتب کر لی تھیں، مجھے یقین تھا کہ الہلال کے سارے شمارے مجھے گورکھپور میں مل جائیں گے اور اگر دو چار شماروں کی کمی ہوگی تو وہ باہر کے کتب خانوں سے پوری ہو جائے گی۔ میرے اس یقین نے دھوکا نہیں دیا، قریب قریب سارے شمارے یہاں مل گئے بلکہ بعض بعض شماروں کی تو چھ چھ کاپیاں ملیں لیکن دستبرد زمانہ نے ان شماروں کی جو گت بنا دی تھی، اس نے میرے عزم و حوصلے کو متاثر کر دیا۔ کسی کا سرورق غائب ہے، کسی کے بیچ کے صفحات غیر حاضر، بعض فائلیں ناقص الاول، بعض ناقص الآخر اور بعض ناقص الطرفین نکلیں بعض شماروں سے تصویریں غائب تھیں ـــــ اور اعجوبے کی حد یہ تھی کہ بعض شماروں کے ایک کالم کو دیمک چاٹ گئی تھی اور بعض کے دوسرے کالموں کو۔ غرض الہلال کی دستیابی کی جہاں خوشی تھی وہاں اس کا غم تھا کہ اس کا عکس کیوں کر لیا جائے گا۔

بہت سی تدبیریں اور ترکیبیں ذہن میں آئیں لیکن میں نے یہ کیا کہ سب سے پہلے سارے شماروں کے کارڈ بنا لیے اور اس کے اندراجات اس طور پر مکمل کیے جن سے بعض علمی اشارات کی نشاندہی بھی ہو جائے اور عاریت دینے والوں کے نام اور شماروں کی ہیئت کذائی بھی واضح ہو جائے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے میں نے سارے شماروں کے الیکٹرواسٹیٹ عکس حاصل کر لیے۔ اصل مرحلہ اس کے بعد پیش آیا جسے میں تنہا طے نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی بیوی کے سامنے مسائل رکھے اور اس سے کہا کہ میں ہفتے دو ہفتے کے لیے سارے گھر کو اس کام میں لگانا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ گھر کے معمولات میں فرق بھی نہ آئے اور اپنی اپنی بساط کے مطابق گھر کا ہر فرد اس کام میں میری مدد بھی کر دے۔ ہاں کا حکم ہوا تو میرا بیٹا مشہود اور بیٹیاں عذرا، بشریٰ، قدسیہ، فوزیہ اور زیبا الہلال کے کام میں لگ گئیں۔ سارا گھر الہلال کی اصل فائلوں اور ان کی الیکٹرواسٹیٹ کاپیوں سے بھر گیا کرسیوں پر، میزوں پر، فرش پر، ہر جگہ الہلال کے شمارے بکھرے ہوئے تھے اور اللہ کا نام لے کر ہم سب نے ہر شمارے کے ایک ایک ورق کو دیکھنا شروع کیا اور جہاں کوئی نقص نظر آتا اسے فوراً اسی شمارے کی دوسری کاپیوں کی مدد سے درست کر لیا جاتا۔ اس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ متاثرہ عبارت پر صاف عبارت والا فوٹو چپکا دیا جاتا اور پھر اس طرح کے اوراق کا دوبارہ الیکٹرواسٹیٹ کرایا جاتا تاکہ اس کی نیگیٹیو بننے میں دشواری نہ ہو۔ دن بھر بلیڈ سے کاٹ کاٹ کر زخمی اوراق پر پینبۂ مرہم رکھا جاتا اور شام کو ان کا الیکٹرواسٹیٹ کرایا جاتا۔ صبح کو تین چار بجے جب میں سو کر اٹھتا تو ان نئے اوراق کا حرفاً حرفاً مطالعہ کرتا اور اوریجنل سے موازنہ کرتا تاکہ کہیں کوئی نقطہ یا حرف متاثر تو نہیں ہو گیا ہے۔

ہر چند ہم نے کوشش کی ہے کہ الہلال کا ایک ایک لفظ اصل حالت میں قارئین کے سامنے آ جائے لیکن ہم انسان ہیں، ہم سے ضرور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ہم عفو و درگذر کے مستحق ہیں۔

جن لوگوں نے الہلال کی فراہمی اور اس کی ترتیب میں میری مدد کی ہے ان کا شکریہ ادا کرنا میرے واجبات میں داخل ہے۔ احسان کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن جن لوگوں کے احسانات مجھے ہر موقع پر اور ہر حال میں یاد رہیں گے، اُن میں سب سے پہلے جناب مصطفےٰ کمال، اسسٹنٹ لائبریرین، گورکھپور کا نام آتا ہے۔ موصوف ایم۔ اے میں میرے شاگرد رہ چکے ہیں، انھوں نے الہلال کی فراہمی میں بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ روزنامہ قومی آواز کے سب ایڈیٹر جناب قطب اللہ نے الہلال کے بعض شمارے صرف فراہم نہیں کیے بلکہ گھنٹوں کھڑے رہ کر ان کی فوٹو کاپیاں نکلوائیں۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے بھی بعض شماروں کی فراہمی میں بروقت مدد کی۔ ڈاکٹر رضیہ حامد نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ الہلال کی ایک فائل میرے پاس بھجوا دی۔ میں ان سب کا اپنی طرف سے اور اکادمی کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر ریاض الدین اور ڈاکٹر تحریر انجم نے فہرست سازی اور ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی لی، ڈاکٹر محمد شعیب نے کتابت اور تزئین کا بار سنبھالا۔ یہ تینوں میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔ شاگرد بھی اولاد کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان کا شکریہ ادا کیے بغیر میں اپنے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

یہ کام مجلس انتظامیہ کے فیصلے سے انجام پذیر ہوا ہے۔ اس نے مجھے جو حکم دیا، میں نے اس کی تعمیل کی۔ میں مجلس انتظامیہ کے ہر رکن کا فرداً فرداً شکریہ ادا کر رہا ہوں۔

"آزاد صدی تقریبات" کے لیے مجلس انتظامیہ نے جس سب کمیٹی کی تشکیل کی تھی، اس میں ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، جناب احمد سعید ملیح آبادی، چیف ایڈیٹر آزاد ہند، کلکتہ اور پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی، صدر شعبۂ اسلامیات، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر خصوصی مدعوئین کی حیثیت سے شامل کیے گئے تھے۔ ان حضرات کے سرگرم تعاون کو اکادمی ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اگر الہلال کے اس عکسی ایڈیشن کی پذیرائی ہوئی تو جناب سید ظہیر مسعود رضوی، پبلیکیشن آفیسر اور جناب رام کرشن ورما، سکریٹری اکادمی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ طباعت و اشاعت کا سارا بار انھوں نے اٹھایا تھا۔ اس میں جو خامیاں ہیں تو صدق دل سے میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ میں آنا ضرور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے احساس فرض کو کبھی مرنے نہیں دیا۔ میں نے اپنی علمی زندگی کی تشکیل میں مولانا آزاد کی تحریروں سے ہمیشہ کام لیا۔ میری خواہش رہی ہے کہ نئی نسل بھی ان تحریروں سے استفادہ کرے۔ الہلال کی اشاعت نو میں مجھے اس خواہش کی تکمیل کے آثار نظر آتے ہیں!

اترپردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
یکم اگست ۱۹۸۵ء

محمود الٰہی
چیرمین، مجلس انتظامیہ

مضامین وتصاویر کی فہرست

الہلال

جلد ہفتم

۱۰ جون ۱۹۲۷ء تا ۹ دسمبر ۱۹۲۷ء

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

جلد ہفتم

الہلال

۱۰ر جون تا ۹ر دسمبر ۱۹۲۷

ابوالکلام آزاد

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ — القرآن الکریم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱ | کلکتہ : جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۴۵ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, June 10, 1927.

فہرس

اعتذار

(۱) الہلال کی اشاعت میں اندازہ سے زیادہ تاخیر ہوئی۔ امید تھی کہ نئے ٹائپ کی مطلوبہ مقدار پہلی مئی تک مل جائیگی اور پہلے ہفتہ سے پرچہ نکل جائیگا، لیکن پہلی مئی کی جگہ مئی کے اواخر تک بھی ٹائپ کی کافی مقدار طیار نہوسکی، اور سارا مہینہ اسی انتظار میں نکل گیا - اب بھی جسقدر ٹائپ مہیا ہوا تھا وہ کافی نہ تھا - کم از کم ایک ہفتہ اور انتظار کی ضرورت تھی لیکن چونکہ اب زیادہ تاخیر نا قابل برداشت تھی، اسلئے کسی نہ کسی طرح پہلا نمبر مرتب کرکے شائع کر دیا جاتا ہے - امید ہے کہ اس ہفتہ ٹائپ کی پوری مقدار حاصل ہوجائیگی، اور جرمنی اور قاہرہ کا ٹائپ بھی پہنچ جایگا جسکا ایک عرصہ سے انتظار تھا۔

(۲) اسی سبب سے اس نمبر کے بعض اہم مضامین درج ہونے سے رہگئے - "باب التفسیر" کا حصہ ٹائپ کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا، لیکن ٹائپ کی کمی کی وجہ سے کمپوز نہ ہوسکا اور اسی طرح "مطبوعات جدیدہ" کا ایک صفحہ دیکر فارم پورا کردیا گیا - حالانکہ اسکی جگہ اس فارم میں نہ تھی - انشاء اللہ آیندہ نمبر سے تمام ابواب اپنی اصلی ترتیب میں درج ہوسکینگے۔

(۳) ایک اہم سوال آیندہ الہلال کے مضامین اور انکے طرز بیان کا ہے - یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسکا دایرۂ بحث و نظر عام فہم نہو - اور عام فہم جبھی ہوسکتا ہے جبکہ مطالب کے سہل ہونے کے ساتھہ انکا اسلوب بیان اور زبان بھی سہل ہو - لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقہ پر بیان کرنا آسان نہیں، بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کتنا ہی کھول کر بیان کیا جائے، ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور ہونگے - اس مشکل کا ہم نے یہ حل سوچا ہے کہ آیندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کئے جائیں بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو، لیکن کچھہ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو - اس طرح عوام و خواص، دونوں کے ذوق و نظر کا سامان مہیا ہوجایگا - باقی رہا زبان کا معاملہ، تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جائیگی، کسی درجہ کا موضوع ہو، لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہوگا۔

کی رہائی سے نئی امیدیں فروغ پانے لگیں، ہندو مسلمان کے باہمی تفرقہ اور اسکے پیچ در پیچ معاملات کے جنکی ابتدا سنہ ۱۹۲۳ میں ہوچکی تھی، اب زیادہ وسیع اور گہری حالت اختیار کرلی، اور اسلئے اصلاح حال کی کوششوں کی اہمیت اور مقدار بھی دہ چند ہوگئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنوں نے ہفتوں کی شکل اختیار کی، ہفتے تیزی کے ساتھہ مہینے بنے، اور مہینوں نے دیکھتے دیکھتے برس کا دائرہ پورا کردیا۔ اس طرح سنہ ۱۹۲۴ - کا خاتمہ بھی سامنے آگیا اور مجھے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملی۔

***

اب جو چیز میرے ارادوں کی تعمیل میں سب سے بڑی روک تھی، وہ مسٹر سی، آر، داس کا وجود تھا۔ وہ کسی طرح بھی اس پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ میں کلکتہ کا قیام ترک کروں، اور میں محسوس کرتا تھا کہ میرے تمام ارادوں کی تعمیل کے لئے کلکتہ کا قیام ترک کرنا سب سے پہلی چیز ہے۔ کئی ماہ اس کشمکش میں نکل گئے۔ بالآخر ستمبر سنہ ۲۴ - میں میں نے ارادہ کرلیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ منزل طے کرلینی چاہیے۔ چنانچہ دہلی کے قیام کا ارادہ کیا اور نقل مکان کے تمام ضروری انتظامات عمل میں لانا شروع کردیے۔ یہانتک کہ اواخر دسمبر میں کتب خانہ بھی صندوقوں میں بند ہوکر کلکتہ سے دہلی پہنچ گیا کہ میرے نقل مکان کی سب سے بڑی متاع یہی تھی۔

لیکن جنوری سنہ ۱۹۲۵ - میں جب بلگام کانگرس سے واپس ہوا اور میرے نقل قیام کے معاملہ نے شہرت پائی، تو مسٹر سی، آر، داس اپنے اوصاف و محاسن کی ساری گیرائیوں اور محبت و رفاقت کی تمام کششوں کے ساتھہ کچھہ اس طرح راہ روک کر کھڑے ہوگئے کہ میرے لئے دہلی کی طرف قدم اٹھانا ناممکن ہوگیا۔ یقیناً میرا ارادہ متزلزل نہ ہوتا اگر ان کے ساتھہ ملک کے بعض اہم مقاصد کی امیدیں بھی صف آرا نہ ہوجاتیں۔ یہ وہ وقت تھا جب ملک کی عام حالت کی طرف سے میں نہایت افسردہ دل رکھتا تھا، اور نہایت اضطراب کے ساتھہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر کانگرس کے ہندو رہنماؤں میں سے ایک اولوالعزم شخص بھی ایسا نکل آئے جو ہر طرح کی سیاسی مشغولیتیں اور انکے سود و زیاں کی آلودگیاں چھوڑ کر صرف ملکی مسئلہ کے حل کے لئے اٹھہ کھڑا ہو، تو میں باوجود ہر طرح کے افسردہ کن حالات کے امید و مراد کا ایک کامیاب قدم اٹھا سکتا ہوں۔ میرے دل پر اس جوانمرد سیاست کی خوبیاں نقش تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ مہاتما گاندھی کے بعد یہی ایک شخص ہے جو اگر آمادۂ کار ہوگیا تو بہت ممکن ہے راہ کی رکاوٹیں دور کی جاسکیں۔ وہ مجھے ہمرہی و رفاقت کا یقین دلاتے تھے اور مستعد تھے کہ بنگال کونسل کے آیندہ معرکہ کے بعد ہمہ تن اس کام کیلئے وقف ہوجائینگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی دور تک قدم اٹھا دینے کے بعد، پھر واپس لوٹنا پڑا اور اس سلسلہ میں وقت و مصارف کے جو گراں قدر نقصانات پیش آئے، برداشت کرلینے پڑے

لیکن اس اثنا میں مشیت الٰہی ایک دوسرا ہی فیصلہ کر چکی تھی۔ مسٹر داس مجھے روک کر دارجلنگ گئے، لیکن وہاں پیام اجل خود انہیں روک لینے کی طیاری کر رہا تھا۔ جولائی میں یکایک ان کا انتقال ہوگیا۔ اور کلکتہ واپس آئے تو اس طرح واپس آئے کہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکے تھے، اور انکے ساتھہ وقت کی وہ امیدیں بھی رخصت ہوچکی تھیں جنکی مقت کھڑی کرکے انہوں نے پانچ ماہ پہلے میری راہ روکی تھی!

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

***

بہر حال کہانتک اس افسردہ کن داستان کو طول دیا جائے؟ مختصر یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رہے کہ وقت جو اپنی تیز رفتاری میں کبھی ہمارے حالات کی پروا نہیں کرتا، برابر نکلتا گیا، اور دیکھتے دیکھتے سنہ ۱۹۲۳ - کی جگہ سنہ ۱۹۲۶ - کا خاتمہ سامنے آگیا!

یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

اب بھی طبیعت کا میلان کسی ایسی ذمہ داری قبول کرنے کی طرف نہ تھا۔ لیکن انسانی طبیعت کے انفعال و تاثر کا کچھہ عجیب حال ہے۔ گزشتہ ستمبر میں اشغال کے پے در پے التوا اور ملک کی اجتماعی و ذہنی ضروریات کے تقاضے سے طبیعت کچھہ اس طرح متاثر ہوگئی کہ جب ایک موقعہ پر بعض دوستان عزیز نے خصوصیت کے ساتھہ الہلال کی اشاعت پر زور دیا اور اس کی ضرورت کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دلائی تو طبیعت انکار کی طرف مائل نہ ہوسکی۔ خیال ہوا کہ میرے ذاتی حالات کا مقتضا کچھہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن ترجیح وقت کی ضرورت ہی کو ہے، اور کام کرنے والوں کیلئے ناگزیر ہے کہ اسکے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔

ایک حقیقت بالکل واضح تھی اور اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر سنہ ۱۲ - اور سنہ ۱۶ - میں الہلال ضروری تھا تاکہ مقصد و عمل کی مسدود راہ قوم پر کھول دے، تو سنہ ۲۷ - میں بھی وہ کم ضروری نہیں ہے تاکہ سفر کی سب سے بڑی نازک اور پر خطر منزل میں وقت کی رہنمائی کرے۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ اگر تقسیم عمل کے فقدان سے اس ضرورت کا کوئی دوسرا انتظام موجود نہیں، تو چاہیے کہ اپنی تمام نارسائیوں اور درماندگیوں کے ساتھہ غیرت و عمل سے مختلف گوشوں میں جسقدر بھی کام کرسکتے ہیں، کرتے رہیں۔ اگلا قدم اٹھانے سے باز نہ آئیں۔ سعی کی تکمیل اور توفیق کی مساعدت مشیت الٰہی کے فیصلہ پر موقوف ہے، اور جو اسکے کرنے کی چیز ہے وہ اسی کے حوالہ کردینی چاہیئے۔

***

الہلال کے تیسرے دور کا پہلا پرچہ شائع کرتے ہوئے مقتضائے وقت کے فکر و تصور کے ہر گوشے میں جنبش پیدا کردی ہے۔ افکار و مطالب کا ہر طرف سے ہجوم ہے۔ قلم کی درماندگی اور گنجائش اوراق کی کوتاہی کسی طرح بھی اسکا ساتھہ نہیں دے سکتی۔ جی چاہتا ہے، گیارہ سال کی خاموشی کی تلافی ایک ہی مجلس میں کردیجیے:

روی بازار مراد امروز تری با ماست
دیدۂ تر می فروشم دامن تر می خرم!

لیکن مشکل یہ ہے کہ طبیعتیں طوالت بیان کی متحمل نہیں اور رشتۂ بیان کا یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ کھل جائے تو پھر جلد لپیٹا نہیں جا سکتا:

ایں رشتہ بہ انگشت نہ پیچی کہ دراز ست!

مجبوراً قلم روکتا ہوں۔ آج کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ باقی مطالب جو اس موقعہ کے لحاظ سے ضروری تھے، انکے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔ اب گیارہ برس کے بعد یہ برہم شدہ مجلس دیرینہ پھر آراستہ ہوتی ہے تو جہانتک جوش بیان اور ذوق سماع ساتھہ دیگا، مجھے کہنا ہے اور حریفان بزم کو سننا ہے:

زخمہ بر تار رگ جاں می زنم
کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مئے کہ می رود امروز در گلوے دو کون
کمینہ جرعۂ تہ شیشہ ہائے دوش من است!

الحمد للہ وحدہ - الہلال کا پہلا نمبر جون سنہ ۱۹۱۲ - میں شائع ہوا تھا اور آخری نمبر نومبر سنہ ۱۹۱۴ میں - پھر نومبر سنہ ۱۹۱۵ سے دوسرا سلسلۂ اشاعت " البلاغ " کے نام سے شروع ہوا اور مارچ سنہ ۱۹۱۶ میں ختم ہوگیا - اب یہ تیسرا سلسلۂ اشاعت ہے جو کامل گیارہ برس کے بعد از سر نو شروع ہوتا ہے :

ربنا آتنا من لدنک رحمة وهيء لنا من امرنا رشدا .

* * *

اس دنیا میں انسان کی بے چارگی اور مشیت الہی کے حکم و سلطان کا سب سے بڑا مظہر انسانی ارادوں کی ناکامی اور قضاء مشیت کا فیصلہ ہے - اسی لئے بعض عرفاء نے کہا ہے کہ " عرفت ربي بفسخ العزائم " یہ عجیب بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ - کے اواخر سے لیکر گذشتہ ستمبر تک کوئی خیال بھی میرے ذہن سے اسقدر بعید نہ تھا جسقدر الہلال کی سہ بارہ اشاعت اور اسکی ذمہ داریاں قبول کرنے کا خیال تھا - میری شخصی زندگی اور اسکی احتیاجات، نیز قومی و علمی مقاصد اور انکا مقتضی، دونو اس بات کے مخالف تھے کہ الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کی ذمہ داری تیسری مرتبہ اپنے اوپر لیتا - جہانتک میری شخصی حالت کا تعلق ہے، سب سے پہلا سوال صحت کا تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ روز بروز کمزور ہو رہی ہے، اور یہ زندگی کی ابتدائی احتیاطوں کے خلاف ہوگا اگر سنہ ۱۹۱۲ اور سنہ ۱۹۱۶ کی سی محنتیں پھر اسکے لئے مہیا کی جائیں - قومی و علمی مقاصد کا یہ حال تھا کہ بعض اہم تصنیفات کی تکمیل و اشاعت عرصہ سے ملتوی چلی آتی تھی، اور الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کا بار اٹھا لینے کے بعد مشکل تھا کہ انکے لیے فراغ خاطر میسر آسکتا - اسکے علاوہ طبع و فکر کی کامجوئیوں اور طلب و نظر کی وسعت پیمائیوں نے بے شمار ارادے نہاں خانۂ دل میں جمع کر رکھے تھے - ان سب کیلئے بھی اوقات فراغ کی ضرورت اور خلوت و انزوا کی جستجو تھی - یہی وجہ ہے کہ ۶ - جنوری سنہ ۱۹۲۳ - میں جب قید خانہ سے نکلا تو اس بارے میں ایک طے شدہ ارادہ اپنے سامنے رکھتا تھا - خیال تھا کہ جونہی وقت کی سیاسی مشغولیت مہلت دیگی، پہلا کام یہ کرونگا کہ چار پانچ سال کیلئے کسی ایسے گوشے میں کہ صحت کی درماندگیوں کیلئے سودمند اور چند رفقاء علم و عمل کی موجودگی سے دلپسند ہوگا، مقیم ہوجاونگا اور اپنے پیش نظر علمی و عملی مقاصد کی مشغولیت و تکمیل کے سوا اور کسی کام سے علاقہ نہیں رکھونگا :

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے !

احباب و مخلصین میں جن حقیقت شناسوں کی نظر ان کاموں کی اہمیت پر تھی وہ تو انہی کے متمنی تھے، لیکن عام طور پر لوگوں کو طلب الہلال کی تھی - کوئی وقت بھی اسکی طلب و اصرار سے خالی نہیں جاتا تھا، تاہم میری طبیعت کا یہ حال تھا کہ کسی طرح بھی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوتی تھی - تمام تر جستجو اسی بات کی تھی کہ فراغ خاطر اور یکسوئی طبع کے ساتھ اپنی علمی زندگی میں مشغول ہوجاؤں اور ان ارادوں کی تکمیل کی سعی کروں جو مدتوں سے وقت و مہلت کے منتظر ہیں -

* * *

لیکن اس تمام طلب و جستجو کا بالآخر نتیجہ کیا نکلا ؟

یہ نکلا کہ وقت کے تقاضے، احباب کے پیہم اصرار اور التوا و انتظار عمل کی ناقابل برداشت حالت سے عاجز آکر مشغولیت کی وہی صورت اختیار کرلینی پڑی جس سے سالہا سال تک اس درجہ گریز رہا تھا - یعنی فیصلہ کرلینا پڑا کہ الہلال جاری کردیا جائے، اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھی کوشش کی جائے ۔ اگر دونوں کاموں کا بہ یک وقت انجام دینا دشوار ہے تو دشواری پر غالب آنا چاہئے - اگر صحت ساتھ نہیں دیتی تو کیا مضائقہ ؟ اسے ساتھ لینا چاہئے - ضرورت ہماری درماندگیوں اور کمزوریوں کا انتظار کیوں کرے ؟ کیوں وہی ہو جو ہماری پسند اور انتخاب ہے ؟ کیوں وہ نہ ہو جو وقت کا حکم اور مشیت الہی کا فیصلہ ہے ؟

سالہا سال سے جس تمناے فراغ اور کیمیاے سکون کی جستجو تھی، بالآخر اسکا نتیجہ نکلا تو یہ نکلا ؛

این رسم و راہ تازہ ز حرمان عہد ماست
عنقا بہ روزگار کسے نامہ بر نبود !

* * *

جنوری سنہ ۲۰ - سے لیکر دو سال تک کا زمانہ تحریک ترک موالات و لا تعاون کا زمانہ تھا اور اسکی خود فراموشانہ سرگرمیوں میں اتنی مہلت ہی نہیں مل سکتی تھی کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے - لیکن ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو جب میں گرفتار ہوگیا، اور اسکے چند ماہ بعد مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر تحریک کی عملی سرگرمیاں ختم ہوگئیں، تو قید خانہ کی کوٹھری میں موقعہ ملا کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھاؤں اور وقت کی ضرورتوں اور اپنی استعداد کو دیکھتے ہوئے آئندہ کاموں کا فیصلہ کروں - میں نے فیصلہ کیا، اور اسی منصوبہ سے دل و دماغ لیکر ۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو باہر نکلا، لیکن باہر نکلنے کے بعد ملک کی جو صورت حال سامنے آئی، وہ بھی ایسی نہ تھی کہ نظر انداز کردی جاتی - تحریک کی عملی قوتیں ختم ہوچکی تھیں، تفرقہ و انتشار ہر گوشے میں نمایاں تھا، کانگریس دو متحارب جماعتوں میں بٹ گئی تھی، اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی شروع ہوگئی تھی - ضروری تھا کہ بقدر استطاعت اصلاح حال کی کوشش کی جاتی - لیکن جب کوشش شروع کی تو بتدریج اسکا دامن پھیلتا گیا - یہانتک کہ پورا سنہ ۱۹۲۳ - اسی میں نکل گیا ۔

جنوری سنہ ۲۴ - میں حالات نے نئی صورتیں اختیار کیں - کانگریس کی ایک جماعت نے اسمبلی اور کونسلوں کیلئے کوشش کی اور ملک کی سیاسی خاموشی میں ہلچل پیدا کردی - مہاتما گاندھی

مذاکرہ علمیّہ

ذرۂ آب کی سرگزشت

علمی مطالب کے بیان کا ایک دلچسپ اور دلنشیں طریقہ یہ ہے کہ تمثیلات و حکایات کے پیرایہ میں بیان کیے جائیں تاکہ وہ لوگ بھی دلچسپی لے سکیں جو علمی مطالب کے خشک مباحث کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ یورپ کے بعض اہل قلم اس قسم کی ادبیات لکھنے میں شہرت و امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ منجملہ انکے مسٹر ور شیلڈ ہیں جو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے رسالہ سائینٹفک امریکن میں ایک دلچسپ سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا جسکے ہر نمبر میں کوئی ایک علمی موضوع بطریق تمثیل و حکایت بیان کرتے تھے۔ ہم آج اس سلسلہ کا پہلا نمبر ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ذرۂ آب کی سرگزشت ہے اور خود اسی کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ پانی کا وہ چھوٹا سے چھوٹا خوردبینی (Microscopic) ذرہ جو چشم غیر مسلح (Naked eye) سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اپنے نشو و بلوغ کے مختلف درجوں سے گزر کر کس طرح ایک عظیم اور بے کنار سمندر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور پھر ابتدا کی اس بے مایگی سے لیکر انتہا کی عظمت بے پایاں تک کیسے کیسے عجیب تغیرات و تاثرات اس پر گزرتے ہیں؟ وہ کبھی بادلوں کی چادر ہے۔ کبھی بارش کی بوند ہے۔ کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سطح منجمد ہے۔ اور کبھی نہروں کی روانی کی صورت میں گنگا جمنا اور دجلہ و فرات ہے۔ حکمت الہی اور فطرۃ کائنات کے یہ تمام عجائب اس مختصر سی داستان میں آپ سن لینگے۔ اس مضمون کے ساتھ دو تصویریں بھی درج کی جاتی ہیں جو ذرۂ آب کے تبدلات کے دو مختلف منظر پیش کرتی ہیں۔ ایک تصویر میں پہاڑی نہر کا منظر دکھلایا ہے جب وہ جم کر بالکل برف ہو گئی ہے۔ دوسری تصویر میں قلم فطرۃ کی نہایت ہی عجیب گلکاری ہے۔ یعنی منجمد پانی کے وہ بلوری مربع ہیں جن میں طرح طرح کے نقوش بن گئے ہیں۔

میں پانی کا ایک ننھا سا ذرہ ہوں۔ اتنا چھوٹا ہوں کہ انسانی آنکھ لاکھ کوشش کرے مجھے دیکھ نہیں سکتی۔ قوی سے قوی خوردبین میں بھی میں نظر نہیں آسکتا۔ تاہم میں موجود ہوں۔ یقینی طور پر موجود ہوں۔ میرے وجود میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کرسکتا۔ میں اپنے ہی جیسے ننھے ننھے ذروں سے مل کر موسلادھار مینہ کی صورت میں شور برپا کرتا ہوں، دریا کی شکل میں موجیں مارتا ہوں، پھر بے پایاں سمندروں کی نیلگوں سطح بنکر زمین کے چاروں طرف پھیل جاتا ہوں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہوں۔ میں تمام حیوانات و نباتات کے جسموں میں موجود ہوں۔ بلکہ اکثر جسم مجھی سے بنے ہیں۔ میں زمین کے بھی تقریباً ہر مادہ میں موجود ہوں۔ حتی کہ سنگلاخ چٹانوں اور ٹھوس دھاتوں تک میں سمایا ہوا ہوں۔ میری سرگزشت بہت طولانی ہے۔ اگر سننا چاہتے ہو تو مجھے انکار نہیں۔

(میری پیدایش)

میں کس طرح پیدا ہوا؟ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ کم سے کم دس کروڑ برس پہلے میں پیدا ہوا تھا۔ اس تمام مدت کے اندر کیسے کیسے عجیب و غریب حالات مجھپر گزرے؟ یہ ایک نہایت طویل داستان ہے۔ تم اسے شروع سے آخر تک کسی طرح بھی نہیں سن سکتے۔ اس کیلئے کئی سو برس درکار ہونگے۔ تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سو برس کی ہوتی ہے حالانکہ یہ بمشکل میری زندگی کی ایک ساعت ہے!

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب میں پانی نہ تھا۔ کوئی دوسری ہی چیز تھا۔ پھر ایک عجیب طریقہ پر میری ہستی کی ابتدائی بنارت ہوئی۔ یہ کروڑوں برس پہلے کی بات ہے۔ دراصل میری ولادت ایک آتش فشاں پہاڑ یعنی آگ کے پہاڑ کی گردن میں ہوئی تھی۔ یہ پہاڑ اب موجود نہیں ہے۔ بجھکر خاک ہوگیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب زمین نئی نئی جمی تھی۔

میں اس طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح نر اور مادہ کے ملنے سے حیوان اور پھول پتے پیدا ہوتے ہیں۔ میری پیدائش دو ذاتوں سے نہیں، تین ذاتوں سے ہوئی ہے۔ "ہیڈ روجین" کے دو جوہر "آکسیجن" کے جوہر سے مل گئے۔ ایکے ملتے ہی میں اچانک ظاہر ہوگیا!

یہ تین جوہر جنکے ملنے سے میری خلقت ہوئی ہے، بہت پہلے سے موجود تھے۔ اتنے پہلے سے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میرے ان اجداد کی تاریخ ضرور عجیب اور عظیم الشان واقعات سے لبریز ہوگی۔ اگر مجھے کسی طرح معلوم ہوجاتی تو میں آفتاب کی اصلیت اور ستاروں کے گزشتہ انقلابات کے تمام اسرار فاش کردیتا۔ یہ تینوں جوہر اثیر (ایتھر) یا لامتناہی فضا میں موجود تھے جس سے وہ آفتاب کی تکوین ہوئی ہے۔ پھر جب ستارے آفتاب سے جدا ہوئے تو میرے ان تینوں بزرگوں نے اپنے لئے زمین پسند کر لی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ زمین ہی زندوں کا مسکن بنیگی، لہذا انہوں نے کمال دانشمندی سے باقی تمام ستاروں پر اسے ترجیح دی۔ صرف ترجیح ہی نہیں دی بلکہ یہ احسان عظیم بھی کیا کہ اسے دریا بننے کیلئے جس ابتدائی سروسامان کی ضرورت تھی، اسکے بنانے میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ حالانکہ وہ خود اس وقت نہایت کمزور اور کم مقدار تھے۔

میری تکوین کے وقت یہ تینوں حضرات، جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں، آتش فشاں کی گردن میں معلق تھے۔ انکے لئے پہاڑ کے آتشیں پیٹ میں باہم ملاقات و معانقہ ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سخت گرمی تھی اور دباؤ بھی بے حساب تھا۔ لہذا وہ اوپر کو چلے۔ یہاں انہوں نے حرارت میں جوذرا کمی پائی تو بے صبری سے بیچ گردن ہی

فتوح الشام كي سرياني تاريخ

پہلي صدي ہجري كي اسلامي فتوحات پر عربي زبان ميں تاريخ كا وافر ذخيرہ موجود هے ' ليكن يه كمي هميشه محسوس كي گئي هے كه تمام تر بعد كے مورخين كے قلم سے مدون هوا هے . خود اُس عہد كي كوئي قلمي شهادت موجود نہيں - يہي وجه هے كه فتوحات مصر و شام كي تاريخي روايات پر زمانۂ حال كے نكته چينوں نے اعتراضات كئے هيں ' اور بعض سرگزشتوں كي نسبت خيال كيا هے كه مبالغه سے خالي نہيں هيں .

ليكن حال ميں مشہور انگريز مستشرق ڈاكٹر رالٹ كو ايك سرياني تاريخ كا پته چلا هے - خيال كيا جاتا هے كه يه دمشق كے كسي مسيحي عالم كي تحرير هے جو فتوحات شام كے زمانه ميں موجود تها اور اكثر واقعات اپني آنكهوں سے ديكهه چكا تها - بد قسمتي سے اسوقت تک پوري كتاب دستياب نہيں هوئي هے - صرف ايك صفحه ملا هے - وہ بهي دست برد زمانه سے محفوظ نہيں - اُس ميں كل ۲۹ سطريں هيں - سات ابتدائي سطريں تو كيڑوں نے بالكل كہا ڈالي هيں - باقي سطور ميں بهي جا بجا الفاظ مٹ گئے هيں يا كرم خوردہ هيں - زمانۂ حال كے مشہور جرمن مستشرق پروفيسر نولڈك Noeldeke نے اس صفحه كي عبارت حل كي هے اور اُس پر ايك مختصر رساله شائع كيا هے - چونكه يه ايك نہايت قيمتي تاريخي شہادت هے اسلئے اسكا خلاصه بعض ضروري تشريحات كے ساتهه هم شائع كر ديتے هيں .

إس صفحه ميں جنگ يرموک كا حال لكها هے - معلوم هے كه فتوحات شام ميں يه جنگ سب سے بڑي اور فيصله كن جنگ تهي - إسي لئے يه كرم خورده صفحه مورخين كي نظر ميں غير معمولي اهميت ركهتا هے - ذيل ميں اُسكي هر سطر كا ترجمه ملاحظه هو :-

۱ — ۷ ... (پڑهي نہيں گئي)

۸ — ... كانون ثاني (جنوري) ميں معاهده قرار پايا اور هماري جانيں بچيں .

۹ — حمص اور دوسرے بہت سے گاؤں برباد اور اُنكے باشندے قتل هوے .

۱۰ — ... (كرم خورده) ... محمد ... مقتول اور قيدي بكثرت تهے .

۱۱ — ... (كرم خورده) جليل سے بيت ...

۱۲ — عرب اطراف (دمشق ؟) ميں پهيل گئے -

۱۳ — هر جگهه نمودار هوے -

۱۴ — اور آئے ... اور ... انكي طرف ... اور ... دوران -

۱۵ — سنه ... اور بيس ميں فوج كا هراول روانه هوا اور بهيڑوں كے گلے ضبط كر لئے .

۱۶ — اطراف حمص ميں ' اور رومي اُنكے مقابله پر آگئے -

۱۷ — ... اور تاريخ دس

۱۸ — ماه آب - (يعني اگست) ميں رومي دمشق سے مفرور هوگئے .

۱۹ — ... انكي تعداد دس هزار كے قريب تهي ' اور

۲۰ — ايک سال بعد رومي آئے اور ماه آب (اگست) كي ۲۰ تاريخ سنه

۲۱ — ۹۴۷ ميں رومي جابيه كے مقام ميں جمع هوئے .

۲۲ — اور روميوں كے بہت زياده آدمي قتل هوئے

۲۳ — تقريباً پچاس هزار

۲۴ — سنه (۷) ۹۴ ميں ... ۲۵ — ... اور پهيل گئے

۲۶ — ... خوش هوے ۲۷ — ...

۲۸ — ... ۲۹ — ليكن رومي رنجيده هوے

(قوسين كے مابين جتنے الفاظ هيں مستشرق نولڈك كے بڑها ئے هيں)

إس كرم خورده صفحه نے ايک اهم اور قيمتي بات دنيا كي معلومات ميں اضافه كردي هے - اب تک جنگ يرموک كي ٹهيک تاريخ معلوم نہيں تهي - اسلامي مورخين نے كوئي معين تصريح نہيں كي هے - اُنكا بيان صرف اس قدر هے كه رجب سنه ۱۵ ھ ميں هوئي تهي - ليكن إس سرياني صفحه نے اُسكي تاريخ متعين كردي - إسميں ۲۰ آب سنه ۹۴۷ مذكور هے - يه سنه مسيحي نہيں " سلوكيدي " هے - سلوكيدي تاريخ شاه " سوليكوس " كي تخت نشيني سے شروع هوتي هے - يه سكندر اعظم كي وفات كے بعد (سنه ۳۲۳ قبل مسيح) شام كا بادشاه تها - قديم زمانے ميں يہي تاريخ شام ' عراق ' فلسطين اور اناطوليه وغيره ممالک ميں رائج تهي - يہوديوں كي بول چال ميں إس سنه كا نام " منيان هشطاروت " هے - غرضكه إس سرياني سند كے بموجب جنگ يرموک ۲۰ آب سنه ۹۴۷ سلوكيدي ميں هوئي تهي - يعني ۲۰ - اگست سنه ۶۳۶ عيسوي ميں - هجري حساب سے يه تاريخ ٹهيک ۱۲ - رجب سنه ۱۵ هوتي هے .

إس صفحه سے ايک اور اهم نقطه بهي حل هوجاتا هے - يعني جنگ كے اصلي محل كا تعين - عرب مورخ اُسے خود " يرموک " ميں قرار ديتے هيں - ليكن يه سرياني مورخ " جابيه " بتاتا هے . جابيه درياے يرموک سے كچهه فاصله پر هے - غالباً لڑائي جابيه هي ميں هوئي تهي - ليكن چونكه يرموک عرب ميں زياده مشہور تها اس لئے عربي مورخين نے اُسے يرموک هي كي طرف منسوب كرديا - پهر يه وجه بهي هوسكتي هے كه اسلامي لشكر نے اپنا پڑاؤ يرموک هي كے كنارے ڈالا هوگا - كيونكه يه لڑائي اگست كے مہينه ميں هوئي هے جبكه شام ميں پاني كي قلت هوتي هے - ضروري هے كه عرب دريا كے قريب رهنے پر مجبور هوئے هوں .

عرب مورخوں نے إس جنگ ميں رومي فوج كي تعداد كئي لاكهه بتائي هے - مورخ بلاذري وغيره قريب دو لاكهه كے قرار ديتے هيں - مقتولين كي تعداد بهي بلاذري نے تقريباً ستر هزار بتائي هے - بعض يورپين مورخ اِسے مبالغه كہتے تهے - ليكن إس سرياني صفحه نے عرب مورخين كي تصديق كردي - إس ميں رومي مقتولين كي تعداد كا تخمينه پچاس هزار هے جو عرب مورخين كے بيان كے قريب قريب هے - ظاهر هے مقتولين كي إتني بڑي تعداد اُسي فوج ميں هوسكتي هے جو ڈيڑه دو لاكهه سے كم نه هو .

میں ہم آغوش ہوگئے۔ اُنکا ملنا نہ تھا۔ ایک طلسم تھا۔ فوراً میرا وجود ظہور میں آگیا!

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اِن تینوں بزرگوں کو صرف ایک ہی فرزند نصیب ہوا۔ ایک اکیلا میں ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرے ساتھ ایک وقت میرے کروڑوں بھائی بہن بھی پیدا ہوگئے تھے۔ سب ٹھیک میری ہی طرح پیدا ہوئے اور بالکل میرا ہی سا قد و قامت پایا۔ میں کیا کہوں ہم سب کس دوزخ میں تھے؟ ہماری جنم بھومی میں قیامت کی گرمی تھی۔ دم منھہ کو آتا تھا۔ گلا گھٹا جاتا تھا۔ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر اِسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ کسی طرح باہر نکل بھاگیں۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ اوپر پہاڑ کی گردن تک پہنچے۔ یہاں جو ذرا دباؤ میں کمی ہوئی اور ہماری قوت بڑھی، تو ہم سب نے ایک ساتھہ زور مارا اور اچانک باہر کود پڑے۔ ہمارا نکلنا کوئی معمولی سی بات نہ تھی۔ ایک ہولناک دھماکا تھا۔ پہاڑ کی پوری چوٹی اُڑکر ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر ہم نے فوراً بھاپ کے ایک ستون کی شکل اختیار کرلی۔ یہ ستون بہت لمبا تھا۔ ہم سیدھے اوپر کی طرف اُٹھتے رہے۔ اب ہم اپنی سب سے پہلی قید سے آزاد ہوگئے تھے۔

(فضا میں پرواز)

پہاڑ کی چوٹی توڑ کر جب ہم باہر نکلے تو میں نے اپنے آپکو فضا میں اڑتے گرم ہوا میں بہت اونچی بلندیوں پر لے گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کتنی دور تک پہنچے۔ مجھے [illegible] کا کوئی [illegible] نہ تھا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ زمین سے دس میل تو ضرور اوپر ہونگا۔ وہاں پہنچکر میں تھر [illegible] آکسیجن اور نائٹروجن کے عناصر جن سے ہوا مرکب ہے، مجھے محسوس ہوئے۔ میرے گرد کروڑوں آبی ذرے رقص کر رہے تھے۔ کسی کو قرار نہ تھا۔ حیرت انگیز سرعت سے اوپر نیچے ہوتے رہتے تھے۔ ساتھہ ہی سخت تصادم بھی جاری تھا۔ ہر لمحہ لاکھوں ذرے آپسمیں ٹکریں مارتے اور ہوا کے عناصر بھی انسے متصادم ہوتے۔ میں کہہ نہیں سکتا کس غرض سے یہ تمام رقص و تصادم جاری تھا؟ بلکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں اُنکے وجود سے مقصود اصلی کیا تھا؟ میں صرف اپنا مشاہدہ بیان کررہا ہوں۔ اسرار اور علل کا شناسا نہیں ہوں۔

برف کے بلوری ذرے جس طرح کہ خوردبین میں نظر آتے ہیں

بہر حال ہواؤں نے ہمیں اپنی گود میں اٹھا لیا اور مشرق کی سمت لے چلیں۔ تم کہوگے مشرق کی طرف کیوں لے گئیں؟ یہ اِس لئے کہ اُن بلندیوں پر ہوائیں ہمیشہ پچھم سے پورب ہی کی طرف چلتی ہیں۔ ہواؤں کی گود میں آرام سے بیٹھکر میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں آبی اور خاکی ذروں کے ساتھہ پورے کرۂ زمین کا پہلی مرتبہ دورہ لگایا۔

یہ بڑے اچھے دن تھے۔ ہمارے لئے خوشی ہی خوشی تھی۔ ہوا نہایت لطیف تھی۔ ہم پانی کے ذرے پوری آزادی اور وسعت کے ساتھہ چلتے پھرتے تھے۔ یہ آزادی ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ کیونکہ حرکت ہماری فطرت میں ہے۔ ہم ایک دم بھی ٹھہر نہیں سکتے۔ اُس وقت حرکت کی ہمیں پوری آزادی تھی۔ لیکن اِسکا نتیجہ یہ ضرور تھا کہ ہم میں ہر وقت سخت تصادم جاری رہتا تھا۔ ایک لمحہ میں لاکھوں مرتبہ باہم ٹکراتے تھے!

اُس زمانہ میں ہمارا مسکن بادلوں اور ہواؤں کے اوپر تھا۔ یہ تمام چیزیں نشیبی فضا میں رہتی ہیں اور ہم اُنسے بلندی پر تھے۔ ہم اپنے اوپر آسمان کو سیاہ دیکھتے اور آفتاب کمال دکھائی دیتا۔ تارے ہمیں ٹھیک دوپہر کو بھی نظر آجاتے تھے۔ وہاں ہوا از بس لطیف ہے۔ زمین سے دسواں حصہ بھی اُس میں کثافت نہیں۔ لیکن ہوا کی اِس لطافت نے آفتاب کی شعاعیں بہت تیز کردی تھیں۔ کیونکہ لطیف ہوا دھوپ بہت کم جذب کرتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ وہاں سردی بھی بلا کی پڑتی ہے۔ سورج کی شعاعیں بہت تیز تھیں لیکن مجھپر انکا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ انکا اثر صرف انہیں جسموں پر پڑسکتا ہے جو بہت سے ذروں سے مرکب ہوکر بنے ہوں۔ مجھپر کیسے اثر پڑتا؟ میں تو محض ایک ننھا سا ذرہ تھا۔

(بادلوں میں داخلہ)

مدت دراز تک ہم اِسی حالت میں رہے۔ پھر ہوا کا ایک حصہ ٹھنڈا پڑگیا جہاں ہم تھے۔ میں فوراً اپنے لاکھوں ساتھیوں کے ساتھہ خاک کے ایک ذرہ سے لپٹ گیا جو پاس ہی اُڑرہا تھا۔ [illegible]

[illegible] ہوا نہ میں اب تک [illegible] ایک [illegible] قطرہ [illegible] یہ قطرہ نہایت ہی چھوٹا اور ہلکا [illegible] ہوا میں [illegible] قطرہ کی طرح [illegible] اور [illegible] صورت میں [illegible] اُس وقت [illegible] ہماری [illegible] [illegible] زمین کی سطح پر اگر وہ اُس وقت آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے تو انہیں اِس گنبد نیلگوں میں بادل کی ایک خوبصورت چادر ہلتی نظر آتی:—

اِس اثنا میں کبھی کبھی ہوا کی ہلکی موجیں ہم سے ٹکراتی تھیں اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کردیتی تھیں۔ اِس حالت میں ہمارا بادل غائب ہوجاتا تھا۔ کیونکہ ہوا کے تصادم سے گرمی بڑھ جاتی تھی اور ہماری بخاری فطرت غالب آکر اوجھل ہوجاتے تھے۔ یہ عمل مدت تک جاری رہا۔ آخرکار ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم اتفاق سے نشیبی فضا میں سیر کر رہے تھے۔ اچانک ہوا کی موجیں آکر ٹکرا گئیں۔ اِس وقت اُنکی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ اِس سرعت کا لازمی نتیجہ حرارت کی زیادتی ہوئی۔ ہم نے غبار کا ایک ذرہ پھر سہارا لینا چاہا۔ مگر اچانک سیال پانی کی ننھی بوند بنکر رہگئے۔ یہی حال میرے دوسرے بھائی بندوں کا بھی ہوا۔ سب پانی کی بوندیں بن گئے۔ پھر اِن سب بوندوں نے مل کر ایک چھوٹی سی ندی بدلی کی شکل اختیار کرلی۔ یہ بدلی کی دوسری حالت تھی جو ہم پر طاری ہوئی۔

ہماری یہ دوسری بدلی آہستہ آہستہ بھاری اور موٹی ہوتی گئی۔ کیونکہ بے شمار آبی ذرے اُس میں آکر جمع ہونے لگے۔ ہوتے

تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی کے قیام میں بلکہ تو اس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے کہ خود شاہ پسندوں میں پھوٹ پڑ گئی ہے - اُنکی دو پارٹیاں ہوگئی ہیں اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے -

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں کے لیڈر دو ضدی عورتیں ہیں - دونوں میں سخت عداوت ہے - ایک دوسری کو پیس ڈالنے پر تلی ہوئی ہے اور پس پردہ سخت جنگ ہو رہی ہے - صدیوں کے بعد آج جرمنی پھر عورتوں کی سازشوں کا آماجگاہ بن گیا ہے .

یہ دونوں لڑنے والی عورتیں کون ہیں ؟ ساس اور بہو! سابق قیصر ولیم کی نئی دلہن اور سابق ولی عہد کی بیگم - یہ ہیں وہ دو آتش مزاج اور اولوالعزم عورتیں جو پروشیا کے تخت کے لئے خانہ جنگی کی طیاریاں کر رہی ہیں !

یہ ایک کھلا راز ہے کہ شاہزادی ہرمائن (سابق قیصر کی دوسری بیوی) اپنے بڈھے شوہر کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہے - خود قیصر ولیم امریکا کے ایک مشہور اخبار میں ایک حد تک اِس کا اعتراف کرچکے ہیں - قیصر نے اپنے مضمون میں اپنی دو محبتوں کی سرگزشت لکھی تھی - پہلی محبت کا تعلق متوفی ملکہ آگسٹا سے ہے - اِس کے بارے میں قیصر نے یہ جملہ لکھا تھا : "اُسکی جدائی کا داغ میرے قلب سے کبھی مٹنے والا نہیں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ داغ مٹ گیا اور بدنصیب شہنشاہ کے آنسو زندگی کی ایک نئی دلچسپی نے بہت ہی جلد خشک کردیے - ایک دن یہ غمزدہ انسان اپنی ڈاک کا تھیلا دیکھ رہا تھا - اچانک ایک خط نظر آیا - یہ خط ایک بیوہ کے لڑکے نے لکھا تھا .

قیصر کہتا ہے "مجھے فوراً اپنے ایک مرحوم وفادار افسر کا نام یاد آگیا اور اس مناسبت نے دلچسپی پیدا کردی" چنانچہ خط و کتابت جاری ہوگئی اور قیصر کے دل میں محبت کی گُدگُدی پیدا ہونے لگی - شاہزادی ہرمائن کی شادی اِسی اتفاقی خط و کتابت کا نتیجہ ہے - قیصر نے بڑی گرم جوشی سے اپنی نئی بیوی کا ذکر کیا ہے - ڈورن میں آنے جانے والے واقف ہیں کہ بڈھا شہنشاہ کس طرح اپنی نئی دلہن کے قبضہ میں ہے - سابق ملکہ کے ساتھ وہ ایک سخت گیر شوہر تھا - مگر اب وہ پورے معنوں میں مطیع خاوند ہے .

یہ واقعہ ہے کہ جنگ میں ناکامی کے بعد قیصر کی طبیعت بجھ گئی تھی - وہ بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنا چاہتا تھا - مگر شاہزادی ہرمائن نے آکر اُس میں ایک نئی روح پھونک دی - یہ اُسی کے اِصرار کا نتیجہ تھا کہ قیصر نے کھوئے ہوئے تاج و تخت کا پھر خیال کیا اور برلن واپس جانے کی کوشش شروع کردی .

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہرمائن کیسی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج عورت ہے ؟ وہ اپنے سر پر تاج دیکھنے کیلئے سخت بیچین ہے - ممکن ہے وہ پورے جرمنی کی ملکہ نہ بن سکے - لیکن پروشیا کے ابھی تخت پر بیٹھنے کا تو اُسنے عزم مصمم کرلیا ہے . قیصر کی اِس وقت بھی یہی ضد ہے کہ اُسے سب لوگ "امپریس" (شہنشاہ ملکہ کے) لقب سے پکاریں .

میدان میں ایک طرف ہرمائن ہے اور پوری قوت سے کام کر رہی ہے - دوسری طرف شاہزادی سیسیلیا سابق ولی عہد کی بیوی کھڑی ہے - یہ شاہزادی اپنے شوہر کی طرف سے بالکل نا اُمید ہوگئی ہے - اب اُسکی اُمیدوں کا مرکز اُس کا لڑکا ہے جسکی عمر اس وقت ۲۱ برس کی ہوگی - یہ اُسی کو مسند شاہی پر بٹھانا چاہتی ہے - قیصر ولیم کا یہ پوتا نہایت خوبصورت، خوش اخلاق، ملنسار اور بہادر ہے - دنیا جرمنی اُس سے محبت کرتا ہے - اُس کی شخصیت کے متعلق طرح طرح کے عقیدتمندانہ قصے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں .

اِن دونوں شاہزادیوں میں جان توڑ مقابلہ ہو رہا ہے - دونوں اس جنگ میں غیرمعمولی ہمت و مہارت ظاہر کر رہی ہیں اور دونوں نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کرلیا ہے - مگر ایسے آثار موجود ہیں جو ہرمائن کی فتحمندی کا زیادہ یقین دلاتے ہیں - بلکہ اس وقت تک وہ کئی کامیابیاں حاصل بھی کرچکی ہے - چنانچہ اپنے اور اپنے شوہر کیلئے حکومت سے دو لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین اور ایک لاکھ پونڈ نقد حاصل کرچکی ہے - روز بروز اُسکا اقتدار بھی بڑھتا جاتا ہے . بظاہر اُسکی کامیابی قریب ہے - معزول قیصر کی واپسی کے خلاف جو قانونی بندش کئی سال سے قائم تھی، چند مہینے بعد ختم ہو جائیگی - خیال کیا جاتا ہے کہ اُس وقت قیصر کو کوئی قوت بھی جرمنی میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتی !

یہ عجیب بات ہے کہ اس لڑائی میں دونوں کے شوہر بڑی حد تک بے غرض ہیں - معزول قیصر کی زندگی ختم ہونے پر ہے - اِس لئے اُسے اپنی ذات کے لئے اب کچھ ہونا نہیں ہے - صرف اپنی محبوب بیوی کی رضا جوئی پیش نظر ہے - اسی طرح سابق ولی عہد بھی تاج و تخت سے بیزار ہے - صرف اپنے بیٹے کی محبت اُسے مجبور کر رہی ہے کہ اپنی بیوی کی کوششوں کا ساتھ دے .

پاؤں کی کیلیں

بعض آدمیوں کے پیروں میں کیلیں نکل آتی ہیں - یہ کیلیں کئی طرح سے مختلف ہوتی ہیں - مثلاً پڑتا ہے کہ اُس جگہ پاؤں کی کھال موٹی ہو جاتی ہے - کیل میں بھی کھال موٹی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی گوشت میں آهنی کیل کی طرح ایک سخت سی کیل بھی پڑ جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے - عام طور پر اسے کاٹ دیا جاتا ہے اور عارضی آرام ہو جاتا ہے مگر یہ پھر بڑھ جاتی ہے اور پریشان کرتی ہے - بہت سے لوگ اُسے دوا وغیرہ سے داغ دیتے ہیں مگر زیادہ فائدہ نہیں ہوتا .

یہ کیلیں تنگ جوتا پہننے سے پیدا ہوتی ہیں - کبھی پاؤں کے تلوے میں ہوتی ہیں - کبھی انگلیوں کے اوپر اور کبھی اُن کے درمیان پڑ جاتی ہیں - تنگ جوتے سے جس مقام پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے وہاں التہابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اگر جوتا اتارا نہ جائے تو کھال کٹ جاتی ہے لیکن اُتارنے کے بعد یہ التہاب اکثر کیل کی شکل اختیار کرلیتا ہے .

یہ کیلیں تندرستی کے لئے نہایت مضر ہیں - سینہ اور حلق پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں اِس سے بچنے کے لئے عام طور پر ڈھیلے جوتے پہنے جاتے ہیں - انگریز اِس بارے میں سب سے زیادہ محتاط ہیں - حتیٰ کہ کبھی کبھی اُن کے جوتے اِتنے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ برے معلوم ہوتے ہیں - انگریزوں کی احتیاط کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ لارڈ ولنگٹن سے پوچھا گیا سپاہی کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے ؟ اُنہوں نے کہا : "تین چیزوں کی : ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا"

برید فرنگ

جمهورية اور شهية کي نئي کشمکش

تاج کیلئے دو جرمن عورتوں کي مخفي جنگ

الهلال کے مقاله نگار مقیم برلن کے قلم سے

(اصل انگریزي سے ترجمه کیا گیا)

چند دن هوئے برلن کي سڑکوں نے ایک هیبت ناک منظر دیکھا - شاهراهوں پر اِس طرح گولیاں چلتیں اور لاشیں گرتي تهیں جس طرح عام بغاوتوں کے زمانه میں هوا کرتا هے - یه لڑائي جمهوریت پسندوں اور شاه پسندوں کے درمیان تهي - پولیس بهي بے دھڑک فیر کر رهي تهي اور علانیه جمهوریت پسندوں کے خلاف تهي - لڑائي کي اهمیت کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا هے که پریسیڈنت هیڈنبرگ کا حریف هرٹیلان بهي اِس میں شریک تها اور سخت زخمي هوا .

سابق قیصر جرمني

لیکن یه لڑائي کتني هي سخت هو' مجهے اُس کي تفصیلات پر بحث کرنے کي ضرورت نہیں - ریوٹر ایجنسي نے اِس فرض سے سبکدوش کردیا هے - مجهے اِس وقت اصلي معامله پر غور کرنا هے - یه لڑائي اور اِس جیسي بہت سي لڑائیاں جو جرمني میں هوتي رهتي هیں' بجاے خود زیاده اهمیت نہیں رکھتیں - اصلي اهمیت اِس سبب کو حاصل هے جو اِن خانه جنگیوں کا موجب هے .

دنیا جانتي هے که جرمني میں اگرچه جمهوري حکومت قائم هوگئي هے مگر ملک کا عام رجحان شاهي کي طرف هے - جرمني آج بهي اُسي طرح تاج و تخت کي پرستش کرتا هے' جس طرح جنگ سے پہلے کرتا تها - معزول قیصر اِس وقت بهي جرمن دلوں کا ویسا هي دیوتا هے جیسا اپنے عروج کے زمانه میں تها - جرمني میں جمهوري حکومت اِس لئے قائم نہیں هوگئي هے که باشندوں کي اکثریت اُسے چاهتي هے' بلکه اِس وجه سے هے که جرمني کے لئے انگلستان اور فرانس کو خوش رکھنا ضروري هے اور وه سابق قیصر اور خاندان هوهنزولرن کي حکومت پسند نہیں کرتے .

پھر دنیا یه بهي خوب جانتي هے که اب اِن دونوں طاقتور حریفوں کا رعب کم بلکه تقریبا زائل هوگیا هے - اب جرمن علي الاعلان اپنے شاه پسندانه میلان کا اظہار کرتے اور جنگي سپہسالار اپنے آقا ولہلم کي وفاداري کے کهلے بندوں مقر هیں - خود جنرل هنڈنبرگ موجوده رئیس جمهوریت بهي اپنے اِس رجحان کے لئے مشہور هوچکا هے - اب مرتد تو اُس نے صاف صاف اعلان کردیا تها که " سابق قیصر کي وفاداري کي جو قسم میں نے کهائي تهي' اُس سے ابتک آزاد نہیں هوا هوں " یهي باعث هے که جب وه رئیس جمهوریت منتخب هوا تو عام طور پر دنیا نے خیال کیا که یه قیصر کے واپس آنے کي تمہید هے - یه خیال بے بنیاد بهي نه تها - یه واقعه هے که اِس بوڑھے جنرل نے سیاسي زندگي کي بوجهل ذمهداریاں زیاده تر اِسي مقصد سے قبول کي که اپنے پرانے آقا کے لئے زمین طیار کرے - برلن کے سیاسي حلقوں میں تو یہانتک کہا جاتا هے که هنڈنبرگ نے یه منصب خود قیصر کے اصرار و حکم سے قبول کیا هے - صرف هنڈنبرگ هي نہیں' جو جماعت اِس وقت برسر حکومت هے' اُسکي اکثریت بهي سراسر شاه پسند هے .

میں جس پہلو پر روشني ڈالنا چاهتا هوں' وه ابتک عام نظروں سے تاریکي میں هے - باوجود شاه پرستي کے عام میلان کے ابتک شاهي حکومت کا قیام کیوں وجود میں نہیں آسکا ؟ یه سوال اکثر دلوں میں پیدا هوتا هے مگر صاف جواب حاصل نه هونے سے معدوم هو جاتا هے .

نئي برف نے آکر اُسے ٹھوس یخ بنا دیا - اب میں سخت اور شفاف برف کي چٹان کا ایک جزء بن گیا تها - قدرت کے کرشمے دیکھو ! ایک وقت میں بهاپ کا ذره تها' هر طرف اُڑتا پھرتا تها - اب ایک نہایت ٹھوس جسم کا جزء بن گیا - جب تک هوا میں رها' آزادي سے حرکت کرتا تها - سمندر میں بهي زیاده بندش نه تهي - لیکن برف میں پڑکر مجهے صدیوں ایک تنگ اور سرد قیدخانه میں رهنا پڑا - نه وهاں روشني نظر آتي تهي - نه کسي طرف جنبش کرسکتا تها - اندهیرا گهپ - موت کي سي خاموشي - قبر سے بدتر قیدخانه !

(سمندر میں واپسي)

صدیاں گزر گئیں - میں نا امید هوچکا تها - سمجهتا تها کبهي رهائي نصیب نه هوگي - مگر یه بهي میري غلطي تهي - جس برف میں میں مقید تها وه برابر پیچهے اُترتي جاتي تهي - دراصل اُسنے ایک برفاني سیلاب کي شکل اختیار کرلي تهي - اُترتے اُترتے وه زمین کے کنارے پہنچ گئي - میں بالکل غافل تها - اچانک اُسکا ایک بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا اور زور کا دهماکا هوا - میں سمجها پہاڑ پهٹ پڑا هے - پھر خاموشي چهاگئي اور میري نا امیدي لوٹ آئي - لیکن بالاخر ایک دن جبکه میں غافل تها' برف کا وه ٹکڑا ایک چٹان سے ٹکراکر پاش پاش هوگیا' اور میں قید سے آزاد هوگیا - اب میں پھر اُسي سمندر میں پڑا تیر رها هوں جس سے کبهي زمانه میں هوا قید کرکے آسمان پر لے آئي تهي - یه هے میري سرگزشت کا ایک حصه - باقي حصے کسي دوسري فرصت میں بیان کرونگا .

اسنے مجھے دیکھتے ہی جوش کے ساتھ کہا "میرا نام ایلن ہے" ایلن واقعی اپنے پورے معنوں میں منظر جمال ہے - قد رمیانی ' جسم سڈول ' نہ فربہ نہ لاغر ' ہاتھہ پاؤں تناسب اعتدال کا نمونہ - اسکا رنگ صاف بتا رہا تھا کہ یہودی نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے -

میرے خیال میں اسکی سب سے زیادہ عجیب چیز اسکی آنکھیں ہیں - سچ مچ کی سحر کار ' جادو بھری آنکھیں ' نہ چھوٹی نہ بڑی ' صاف اور سنہری ' دراز پلکوں کے نیچے ساکن ' لطیف ابروں کے سایہ میں مطمئن ' لیکن ہزاروں معانی و مطالب حسن سے لبریز!

اپنے خندۂ جانستاں سے بجلیاں گراتی ہوئی میرے استقبال کو بڑھی - رسمی سلام و کلام کے بعد ایک صوفے پر بیٹھہ گئی اور بعد کسی انتظار کے اپنی باریک ' تھنڈی ' مگر سنجیدہ آواز میں گفتگو شروع کردی :

"اب مجھے بے لاگ حقیقت کا اعلان کردینا چاہئے" اسنے کہا "میں بہت دن خاموش رہی لیکن کب تک خاموشی کے ساتھہ دنیا کی تہمتیں برداشت کرتی رہوں؟ میں نے سخت عذاب جھیلا ہے - آہ! کیسا نا قابل تحمل عذاب! عالمگیر انسانی تحقیر کا عذاب! دشمنوں نے دنیا بھر میں مشہور کردیا ہے کہ میں ایک بد ... ن اور آوارہ گرد عورت ہوں! کیا میں بد چلن عورت ہوں؟ یہ کیسی خوفناک تہمت ہے!"

اب اسکے چہرہ پر ہلکی سی زردی چھا گئی :

"لوگوں نے سب ہی کچھہ کہا اور لکھا - وہ کون سا برا لفظ تھا جو میری نسبت نہیں لکھا گیا - کیا یہ سچ نہیں ہے؟"

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اسنے پھر تقریر شروع کی :

"دشمنوں نے دنیا کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی کہ مجھہ میں وہ تمام رذالتیں جمع ہیں جو کسی عورت میں ہوسکتی ہیں - میں ساحرہ ہوں - غارت گر ہوں - آوارہ ہوں - ہرجائی ہوں - پرنس کارل کو برباد کرنے والی ہوں - اسکی بیوی بچے سے اسے جدا کرنے والی ہوں - میں اسے بھگا لائی ہوں - اسکے خاندان میں پھوٹ ڈالنے والی ہوں - آہ! غریب و ناتواں ایلن رومانیا کی جملہ مصائب کی تنہا ذمہ دار ہے! جب میں اپنی انگلی یوں ہلاتی ہوں (اسنے اپنی مخروطی انگلی اٹھاکر کہا) تو رومانیا کا قدیم شاندار تخت شاہی لرز جاتا ہے - الٹ کر پاش پاش ہوجاتا ہے!"

اس نے ایک غم ناک قہقہہ مارا "بلا شبہ یہ عجیب ہے اگر ہولناک نہیں ہے" یہ کہکر وہ کرسی سے اٹھہ کھڑی ہوئی - پھر بیٹھہ گئی اور سنجیدگی سے کہنے لگی :

"میں تمہیں حقیقت بتاتی ہوں - تم نے سنا ہوگا میں گزشتہ سال میلانو میں تھی - تمام اخباروں نے لکھہ مارا کہ پرنس کارل میرے ساتھہ بھاگ آیا ہے - حالانکہ یہ قطعاً جھوٹ تھا - اصلیت صرف اتنی ہے کہ رومانیا میں سخت سیاسی مشکلات در پیش تھیں - مصائب نے پرنس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا - اتفاقیہ میری اس سے ملاقات ہوگئی - اسے ایک سچے رفیق و مونس کی ضرورت تھی - اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے اس کی رفاقت و ہمدمی کا فیصلہ کر لیا"

اس نے پہلو بدلا اور کرسی اپنی انگلی سے کریدنے لگی :

"تم سمجھہ سکتی ہو" اس نے رنجیدہ پیرایہ میں کہا "میں کیسی سخت مشکل میں پڑگئی تھی؟ صرف یہی ایک خیال مجھے تسلی دیسکتا تھا کہ سچی دوستی کے معنی ہیں نفس کی کامل قربانی ' اور میں اپنی قربانی کرکے فرض دوستی ادا کر رہی ہوں - بلا شبہ جب کبھی میں دشمنوں کی تہمتیں سنتی تو میرا دل پاش پاش ہوجاتا - لیکن پھر صبر و عزم سے کام لیتی اور سمجھتی کہ یہ حالت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی - دراصل دشمنوں کی یہ تمام شرارت اسلئے تھی کہ شاہزادہ کو ہمیشہ کے لئے ... کردیا جائے اس میں شک نہیں شرارت بہت دنوں تک کامیاب رہی - حتی کہ ایسا وقت بھی ہم پر گزرچکا ہے جب اس دنیا میں ایک انسان بھی ہمارا ہمدرد نہ تھا"

"تم نے بر وقت کیوں ان تہمتوں کی اصلیت ظاہر نہیں کردی؟" میں نے سوال کیا -

"میں متکبر تھی" اس نے تیزی سے جواب دیا "ہاں میں متکبر تھی - میری خودداری کو سخت ٹھیس لگی تھی - اس دنیا کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتی تھی - میں اس دنیا سے جو سنگ دل انسانوں سے بھری ہوئی ہے نفرت کرتی ہوں - شاید میں ہمیشہ نفرت کرتی رہوں - میں کیوں دنیا کی کمینہ تہمت تراشیوں کے جواب میں اپنے آپ کو نمایاں کرتی؟ تم خود دیکھتی ہو معاملہ بالکل صاف تھا - کسی صفائی کی ضرورت ہی نہ تھی - مجھے یقین ہے کہ میرا دامن بے داغ ہے - پھر میں اپنی صفائی کی کیوں کوشش کرتی؟ جو آدمی اپنی صفائی کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اوپر تہمت اوڑھ لیتا ہے"

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی :

"اس تمام قصہ کی بنیاد صرف اتفاق پر ہے - بالکل اتفاقیہ طور پر پرنس سے میری ملاقات ہوگئی - میں پرنس سے دوستی کا رشتہ جوڑنے پر مجبور ہوگئی کیونکہ اس وقت اسے دوستی کی ضرورت تھی - میں نے کوشش کی کہ ٹھیک وہ روش اختیار کروں جو ایسے حالات میں کسی مخلص دوست کی ہوسکتی ہے - کیا ایک دوست کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ اپنی دوستی کیلئے اپنی برئیت ثابت کرے؟"

"پھر اب کیوں تم نے رائے بدل دی؟ کیا تمہارے اور پرنس کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے یا عنقریب ہونے والی ہے؟" میں نے سوال کیا -

اسنے شانے ہلا کر بے صبری سے جواب دیا :

"ہمارے درمیان کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوسکتی ہے - کیونکہ ہمارا معاملہ ایسی محبت کا معاملہ نہیں ہے جو ہوا و ہوس کی محبت ہو اور جیسا کہ لوگ یقین کررہے ہیں - ہمارا علاقہ نفس انسانی کے ان پست درجوں سے کہیں بالا تر ہے - کہا جاتا ہے کہ دوستی ' حقیقی دوستی : سورج کے نیچے کمیاب ہے - اور مرد اور عورت کے درمیان تو اور زیادہ - لیکن میں یہ کہنے کی جرات کرتی ہوں کہ میں نے اس دنیا میں ایک انسان کے ساتھہ دوستی کی ہے - پرنس کو ایک دوست کی ضرورت تھی - میں اسکی دوست بن گئی - اسے ابتک دوست کی ضرورت ہے ' اس لئے میں ابتک اسکے ساتھہ ہوں - میں چونکہ اسکی دوست ہوں اسلئے اسکی تمام مصالح و فوائد کی بھی دوست ہوں ' اور ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کرسکتی کہ اسکی خوشحالیوں کی راہ میں روک ثابت ہوں"

مادام جوش سے تقریر کررہی تھی - وہ مجھے یقین دلانا چاہتی تھی کہ پرنس اور اسکی بیوی ہیلینا کے ملاپ اور مفاہمت کو وہ ناپسند نہیں کرتی -

حسن و عشق اور تاج و تخت

رومانیا کا تخت شاهي ایک فتنه گر حسن کے رحم پر

(قیس کي داستان لیلی کي زباني)

الهلال کے مقاله نگار پیرس کے قلم سے

اس وقت دنیا کے کسي ملک میں بھي وہ عجیب صورت حال درپیش نہیں ہے جو ایک برس سے رومانیا کو ایک سخت داخلي اضطراب میں مبتلا کیے ہوئے ہے - ملک میں ہر وقت خانه جنگي اور خونریزي برپا ہو جانے کا اندیشه ہے - نہیں کہا جاسکتا حالات کي یه نازک صورت حال کس حد تک پہنچکر رکیگي ؟

یه تمام اضطراب و اختلال کیوں ہے ؟ صرف اسلیے که پرنس کارل سابق ولي عہد رومانیا پر کماندار عشق کا بے پناہ تیر چل گیا اور وہ ایک فتنه گر حسن کي نگاہ برق پاش کا مقابله نه کرسکا :

عشق ازین بسیار کرد ست و کند !

دوران جنگ میں جب جرمن فوجیں بخارست (دارالحکومت رومانیا) پر قابض تہیں، تو یه شاہزادہ اپني فوج کے ایک افسر کي لڑکي پر فریفته ہوگیا اور اُس سے اوڈیسا میں خفیه شادي کرلي - لیکن جنگ کے بعد جب دونوں رومانیا واپس آئے تو بادشاہ پر یه رشته گراں گزرا اور اسنے علحدگي کا حکم دیدیا.

ملکه اور بھي زیادہ سخت تھي - عرصه تک کشمکش جاري رہي - بالاخر شہزادہ کو مجبور ہوجانا پڑا اور اپني بیوي کو طلاق دیدي - ایک شیر خوار بچه اُسکي گود میں تھا - طلاق کے بعد مع اپنے بچے کے رومانیا سے جلا وطن کردي گئي.

اِسکے بعد شاہزادہ کي شادي یوناني شاہزادي ہیلینا سے کردي گئي - اُسوقت عام طور پر یقین کیا جاتا تھا که اب ولي عہد مطمئن ہوکر شاہي زندگي بسر کریگا اور یه ناگوار حادثه فراموش ہوجائیگا - لیکن واقعات اِسکے برخلاف ثابت ہوئے - چند ہي برس بعد شاہزادہ کو اپني نئي بیوي سے نفرت ہوگئي اور اُس نفرت نے عشق و اُلفت کا ایک نیا محل ڈھونڈھ نکالا - دسمبر سنه ۱۹۲۵ کي صبح کو اچانک معلوم ہوا که شاہزادہ بخارست سے پوشیدہ نکل گیا ہے، اور میڈم لوپسکو نامي ایک عورت بھي اسکے ساتھه فرار ہوگئي ہے - شہزادہ کي ایک تحریر اُسکي نشست کے کمرہ سے ملي - اِس میں لکھا تھا که میں اب ولي عہدي سے دست بردار ہو جاتا ہوں - جس ولي عہدي سے مجھے اپني زندگي کي ابتدائي راحت بھي نہیں مل سکتي، بہتر ہے که اُسے کسي دوسرے کیلئے چھوڑ دوں !

اس واقعه نے تمام یورپ میں ہلچل مچادي - ۴ - جنوري سنه ۱۹۲۶ - کو روماني پارلیمنٹ کا جلسه ہوا اور اُسنے طے کیا که شہزادہ کا پانچ برس کا لڑکا جو پرنس ہلینا کے بطن سے ہے ولي عہد مقرر کیا جاے - ساتھه ہي اعلان کیا گیا که بیس برس کیلئے پرنس کارل کا داخله رومانیا میں ممنوع قرار دیا جاتا ہے.

پرنس پر یه کارروائي شاق گزري - اب وہ اپنے ملک میں واپس آنا اور اپنا حق واپس لینا چاہتا ہے - اِس صورت حال کا نتیجه یه ہے که ملک دو گروہوں میں بٹ گیا ہے - حلقۂ حکومت پرنس کے خلاف ہے، مگر رعایا کي اکثریت اُسکي حمایت پر تلي ہوئي ہے - پرنس کي مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرم خود اُسکي ماں ہے - اس ملکه کي سختي اِس حد تک پہنچ گئي ہے که اُسے "دل میں خنجر رکھنے والي ماں" کے لقب سے خود روماني پکارنے لگے ہیں.

ولي عہد کي موجودہ روش کي تمام ذمه داري اُسکي نئي محبوبه میڈم لوپسکو کے سر ڈالدي گئي ہے - یورپ کے اخبارات اُسکے خلاف مضامین شائع کر رہے ہیں - اور اسے "خوفناک ساحرہ" اور "قزاق" کا لقب دیا جا رہا ہے - وہ سال بھر تک تو خاموش رہي، لیکن اب پہلي مرتبه زبان کھولي ہے - حال میں ایک انگریز اخبار نویس خاتون اِس سے پیرس میں ملي تھي - اس خاتون نے اپني ملاقات کي سرگذشت حسب ذیل بیان کي ہے :

"میں نے رومانیا کا تخت شاہي نہیں ہلایا - نه پرنس کارل میري وجه سے تخت شاہي سے دست بردار ہوا ہے جیسا که دنیا نے ہمارے دشمنوں کے کہنے سے یقین کر رکھا ہے - میں نه تو ساحرہ ہوں - نه قزاق ہوں - میں محض پرنس کي ایک مخلص دوست ہوں - میں پرنس کے فرائض کي راہ میں کبھي رکاوٹ نہیں بن سکتي"

اِن الفاظ سے مدام لوپسکو نے اپني گفتگو شروع کي :

"میں نے پرنس کارل کو تخت شاہي سے علحدہ نہیں کیا" میڈم نے کہا "میں اُنہیں بادشاہ بننے سے ہرگز نہیں روکتي - میں تو محض اُنکے رنج میں شریک اور جلاوطني کي رفیق ہوں - اِس سے زیادہ میري کوئي حیثیت نہیں"

انگریز خاتون لکھتي ہے : مدام لوپسکو پیرس کے مضافات میں مقیم ہے - مکان اچھا خاصه دو منزله ہے - مکان کے گرد آہني احاطه ہے اور اسمیں مضبوط دروازے لگے ہیں - ہمیشه خفیه پولس کے دو آدمي نگراني کرتے ہیں - پھاٹک کي کنجي ایک وفادار دربان کے پاس رہتي ہے - وہي کھولتا اور بند کرتا ہے.

مکان کے اندر میں نے ہر چیز آراستہ اور گھریلو پائي - نرم ریشمي فرش بچھا تھا - جابجا نفیس کرسیاں رکھي تھیں - خوبصورت گلدستے قرینے سے میزوں پر چنے تھے - غرضکه گھر کي مجموعي ہیئت صاف بتا رہي تھي که اِس میں کوئي باسلیقه عورت رہتي ہے.

میرے لیے دروازہ کھلا - میں معترف ہوں که مدام لوپسکو کو اچانک اپنے سامنے دیکھکر میں دم بخود رہ گئي - یہي وہ سرخ بالوں والي ساحرۂ حسن ہے جسنے رومانیا کي پوري سلطنت اپني چشم و ابرو کے ایک اشارہ سے ہلا ڈالي ! یہي وہ شہرۂ آفاق مگر پر اسرار عورت ہے جسے بہت کم آدمیوں نے دیکھا ہے مگر سب نے اُسکے بارے میں خیال آفریني کي ہے ! اِسي کي نسبت مشہور ہے که اسکي جانستاں اداؤں نے مستقبل کے ایک بادشاہ سے اُسکا تاج و تخت چھڑوا دیا ! میں تسلیم کرتي ہوں که میں نے اسکي جو تصویر اپنے ذہن میں کھینچ رکھي تھي، وہ اُس سے بالکل مختلف نکلي.

یه ایک نہایت حسین عورت ہے - عمر بیس برس سے کچھ ہي کم ہوگي - بال سرخ نہیں ہیں جیسا که عام طور پر مشہور ہوگیا ہے - اُسکے بالوں کا رنگ پکے گیہوں کا رنگ ہے جب ڈوبتے ہوئے سورج کي زرد شعاعوں سے وہ چمک دار ہوجاتا ہے - چہرہ کے گرد گھنے، ریشمیں، سنہري، بالوں کا ہجوم ہے - بال نہایت شاندار ہیں - نئے فیشن کے خلاف اپني پوري درازي رکھتے ہیں - وہ عورت نہیں ہے - گلاب کا نازک، تازہ، شگفته، خنداں، اور دلفریب پھول ہے !

یونانی زبان کو حاصل تھا - اس عہد کی صنعت کتابت و تزئین کے آثار بھی محفوظ ھیں - یعنی ایسی کتابیں بھی محفوظ ھیں جو مطلا و مذھب یا مصور لکھی گئی تھیں ' اور کاغذ کی جگہ ھرن کی جھلی استعمال کی گئی تھی - مذھبی اعمال و رسوم کی بعض اشیاء بھی پائی جاتی ھیں جو اسپین کے آخری مسیحی فرمانروا راڈرک کے استعمال میں آتی تھیں ۔

عمارت کا ایک دوسرا حصہ اندلس کے اسلامی عہد تمدن کی یادگاروں پر مشتمل ہے - اسمیں تقریباً دو ہزار مجلدات عربی کتابوں کی ھونگی - کچھہ دخیرہ تصاویر و نقوش اور صنعتی اشیاء و نوادر کا بھی ہے ۔

(اسکوریال کی خاموش شہادت)

لیکن کیا اندلس کے آٹھہ سو برس کے اسلامی تمدن کا صرف اتنا ھی ذخیرہ دنیا کے حصہ میں آیا تھا جو اسکوریال میں محفوظ ہے ؟ اور کیا یہ ذخیرہ بھی اندلس کے دوسرے مسیحی دور کی علمی حفاظت کا نتیجہ ہے ؟

نہیں ' تاریخ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتی ہے ۔

دنیا کی تاریخ میں شاید ھی علم و تمدن کیلئے ایسے تاریک و المناک ایام آئے ھوں جیسے اسلامی حکومت کے زوال و اخراج کے بعد اندلس میں آئے - سنہ ۱۴۹۱ع میں جب غرناطہ کا آخری مسلمان فرمانروا ابو عبد اللہ اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ھوکر مجبور ھوگیا کہ غرناطہ دشمن کے حوالہ کردے ' تو اسوقت فرڈی ننڈ اور اھالی غرناطہ میں ایک معاھدہ ھوا تھا - اسمیں ۶۷ شرطیں تھیں جو آجتک صفحات تاریخ پر ثبت ھیں - ان شرطوں میں بعض شرائط اسلامی مدرسوں اور کتب خانوں کے بارے میں بھی تھیں - جس طرح فرڈی ننڈ نے مسلمانوں کی مذھبی آزادی اور شہری و مدنی حقوق کے احترام کا عہد کیا تھا ' اسی طرح اس بات کا بھی عہد کیا تھا کہ تمام اسلامی مدرسے قائم رکھے جائینگے ' اور اسلامی کتب خانے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کئے جائینگے - لیکن اس معاھدہ اور اسکی ۶۷ شرطوں کا نتیجہ کیا نکلا ؟ مشہور مورخ لارس اور رامبو کے لفظوں میں یہ نکلا کہ " دنیا میں شاید ھی کسی انسانی گروہ نے انسانوں کے قتل ' آبادیوں کی ویرانی ' علم و مدنیۃ کی بربادی ' اور وحشت و بربریۃ کی اشاعت میں ایسی مجنونانہ بونابی دکھلائی ھوگی جیسی کہ اسپین کے علم برداران مسیحیت نے دکھلائی - پچاس برس کے اندر نہ صرف مسلمانوں سے ' بلکہ علم و مدنیۃ کی تمام علامتوں اور نشانیوں سے پورا جزیرہ نماے اندلس صاف کر دیا گیا " !

اسپین میں علوم و کتب کی موجودگی اسلامی حکومت کی سمت سے بڑی خصوصیت تھی ' لیکن جب مسیحی حکومت کا علم لہرانے لگتا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدرسوں کی عمارتیں منہدم ھوجاتیں اور کتابیں کے انبار آگ کے حوالے کردیے جاتے - کامل ڈیڑھ سو برس تک (جو اندلس میں اسلامی حکومت کے زوال اور مسیحی اقتدار کے عروج کا زمانہ ہے) اسکا سلسلہ جاری رھا - جب کسی شہر سے عرب خارج کئے جاتے ' تو فاتح جماعت کا پہلا کام یہ ھوتا کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھکر کتابیں جمع کی جاتیں اور آگ کے حوالے کردی جاتیں - آخری کتب خانہ جو جلایا گیا ' وہ غرناطہ کا شاھی کتب خانہ تھا جسکی حفاظت کا خصوصیت کے ساتھہ فرڈی ننڈ نے معاھدۂ تسلیم میں عہد کیا تھا - مورخین یورپ نے اس کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھہ تک بیان کی ہے - تاریخ

کے جس انسان کو اتنے بڑے ذخیرۂ علم و مدنیۃ کے غارت کردینے کی لا زوال شہرت حاصل ھوئی ' وہ تاریخ اسپین کا مشہور کارڈینل فرانسسکو زی مینس Cordinal Francisco Ximens ہے ۔

کارڈینل مذکور کو اسپین کی تاریخ میں وھی درجہ حاصل ہے جو ایک دوسرے کارڈینل ریشیلیو Richelieu کو فرانس کی تاریخ میں حاصل ھوا ہے - دونوں مذھبی حلقہ سے نکلکر حکومت و فرمانروائی کے حلقہ میں آئے ' اور ترقی کرتے کرتے نائب السلطنت کے عہدہ تک پہنچ گئے - یہی وجہ ہے کہ مورخین نے دونوں معاصروں کا مقابلہ کیا ہے اور انکے خصائص پر بحثیں کی ھیں - زمانہ حال کے بعض مورخوں نے زی مینس کو ریشیلیو پر ترجیح دی ہے ' کیونکہ وہ آخر الذکر سے کہیں زیادہ علم و فن کا شائق تھا - یہ کہتے ھیں کہ اسی کی کوشش سے اسپین کی پہلی یونیورسٹی وجود میں آئی جو الکالا Alcala میں قائم ھوئی تھی اور جسکی نسبت فرانسس اول نے کہا تھا " تمہارے زی مینس نے تنہا وہ کام کیا جو فرانس میں بادشاھوں کی ایک پوری صف کرسکتی ہے " اور پھر یہ اسی کی محنت و توجہ کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۵۱۷ ع میں کتب مقدسہ کی متعدد زبانوں کا ایک مکمل ایڈیشن مع ضمیموں اور تشریحات کے چھہ جلدوں میں چھپکر شائع ھوا ۔

تاہم مذھبی تعصب و جنون کی یہ کیسی عجیب مثال ہے کہ سنہ ۱۴۹۹ میں یہی کارڈینل جو یونیورسٹی کا موسس اور فن طباعت کا قدردان ہے ' ایک دوسرے مقدس آدمی فرڈیننڈ ڈی ٹالویرا Ferdinand de Talavera کے ساتھہ ملکر یہ فتوی صادر کرتا ہے کہ غرناطہ کا شاھی کتب خانہ جلا دیا جائے ' کیونکہ خود اسی بانی دارالعلوم کے لفظوں میں " اسکی کتابیں انجیل کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں " !

مشہور مورخ کانڈی Conde لکھتا ہے :

" ان اسی ھزار کتابوں کے علمی مطالب کی قدر و قیمت کا تو ذکر ھی کیا ' ان میں سے ھر کتاب کی جلد اس درجہ نقش و نگار اور عجیب و غریب صنعتوں سے آراستہ ھوتی تھی کہ لوگوں کے جلد ھوتے تھے [illegible] جلدوں کی [illegible] کسی طرح چاندی اور قیمتی پتھروں کی بڑی مقدار حاصل کرلیں "

یہ معاملہ یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ھوگیا - شاھی کتب خانہ کے جلادینے کے بعد محکمہ تفتیش مقدس Inquisition نے عام حکم دیا کہ ھر شہر میں جہاں جہاں مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے اور عربی کی جس قدر کتابیں ملیں ضبط کرلی جائیں - مشہور ولندیزی مستشرق پروفیسر ڈوزی Dozy کی تاریخ مسلمانان اندلس Histoire des Musalmans d' Espagne کی شہادت کے مطابق اس تدبیر نے علمی ذخیرہ کے باقی ماندہ حصہ کا بھی اسی طرح خاتمہ کر دیا ۔

کتب خانۂ اسکندریہ کے جلائے کی کہانی میں بیان کیا جاتا ہے کہ کتابیں چھہ مہینے تک شہر کے حماموں میں ایندھن کی جگہ جلتی رھی تھیں - افسانہ میں کتابیں چھہ ماہ تک جلسکتی ھیں - لیکن حقیقی واقعہ میں آگ کا عمل اتنا کمزور نہیں ھوسکتا کہ چھہ ماہ تک کتابوں کو مہلت زندگی دیدے - غرناطہ کا حادثہ افسانہ نہیں ہے واقعہ ہے ' اس لئے جو کچھہ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ " کامل سات دن تک کتابوں کے ڈھیر جلتے رہے " !

ان حالات کے بعد ظاہر ہے کہ اندلس کے اسلامی تمدن کا کوئی علمی ذخیرہ ایسا باقی نہیں رھا تھا جو موجودہ دنیا تک پہنچ سکتا -

وہ اچانک کرسی کی پشت سے ٹیک لگاکر بیٹھہ گئی اور چھت کی طرف نظر اٹھاکر دیکھنے لگی - مجھے سخت حیرت ہوئی کیونکہ اب اسکے ایک دلربا نازنین کی جگہ اچانک ایک حکیم اور فلسفی کا لب و لہجہ اختیار کرلیا تھا :

" دوستی اُس چیز سے بہت بلند ہے جسے محبت کہتے ہیں - دوستی سراسر قربانی اور اعتماد ہے ' مگر محبت سراسر انانیت اور خود پرستی ہے - یہی سبب ہے کہ جب میں دیکھتی ہوں لوگ ہمارے باہمی تعلق کو عشق و محبت کا تعلق بتاتے ہیں تو میرے جذبات سخت مجروح ہوجاتے ہیں - اگر ہم میں عشق ہوتا تو میں اِتنی خوش نصیب اور مطمئن نہ ہوتی جتنی اِس وقت ہوں - محبت چند ہفتے ' چند مہینے ' شاید چند برس رہتی ہو - لیکن دوستی زندگی کا ایک ابدی معاہدہ ہے - جوں جوں وقت گذرتا ہے ' اسکا جوش افسردہ نہیں پڑتا بلکہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے "

" اصلی خیال ہے " میں نے اسکی تصدیق کی " لیکن اب کیا ارادہ ہے ؟ آیندہ کا پروگرام کیا ہے ؟ "

مادام لوپسکو کرسی سے اٹھہ کر کھڑکی کے پاس گئی - ریشمیں پردہ ہٹاکر سورج پر نظر ڈالی - پھر لوٹ آئی :

" سچ یہ ہے میں نے ابتک کچھہ بھی غور نہیں کیا ہے " اُس نے بے پروائی سے جواب دیا " در اصل کوئی پروگرام نہیں ہے - قدرتی طور پر معاملہ کا دار مدار ...... " وہ اچانک رک گئی " میں پیرس میں بہت خوش ہوں " بات ٹالنے کے لئے کہنے لگی " میری دلی تمنا ہے کہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں - بالکل بھول جائیں - میں خاموش زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں "

یہ اُس نے سچ کہا - یہ عجیب عورت پیرس سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلہ پر مقیم ہے - مگر تین تین ہفتہ تک شہر نہیں جاتی - واقعی وہ تنہائی پسند ہے -

" میں یہاں رہنا پسند کرتی ہوں " اُس نے کہا " کیونکہ یہاں ہر طرف خاموشی ہے - موسم بہار میں یہ درخت ہرے بھرے ہو جائینگے "

میں نے اِس افواہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں عاشق و معشوق عنقریب سیاحی شروع کرنے والے ہیں - اُس نے جواب دیا :

" مجھے سیاحی کا شوق نہیں ہے - میرے خیال میں رومانیا دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت ملک ہے "

در حقیقت یہ نازنین حیرت انگیز جاذبیت اور کشش رکھتی ہے - کوئی شخص بھی اُس کے تاثیر جمال سے اپنی حفاظت نہیں کرسکتا - اُس کی شخصیت سادہ لیکن پورے معنی میں موثر ہے - اِس ملاقات کے بعد مجھے کوئی تعجب نہیں اگر رومانیا کا تخت شاہی اِس عورت کے خوف سے تھر تھرا رہا ہے !

اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقش قدم

(نفیسۂ اسکوریال کے عربی آثار)

اندلس (اسپین) کے موجودہ دارالحکومت میڈرڈ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان مسیحی خانقاہ " اسکوریال " کے نام سے موجود ہے جسے شاہ فلپ ثانی نے سنہ ۱۵۸۴ میں تعمیر کیا تھا - جہانتک عمارت کے طرز و قسم کا تعلق ہے ' وسعت و بزرگی کے سوا اسمیں کوئی خاص بات ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو - اندلس کے آخری مسیحی عہد کی تمام عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی تعمیری فنون لطیفہ کی تمام خوبیوں سے خالی ہے - با ایں ہمہ اسکی دلکشی میں کلام نہیں - ہمیشہ دنیا کے سیاح اور محقق اسکی زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں اور دنیا کی مشہور عمارتوں کے سلسلے میں اسکا نام بھی برابر لیا جاتا ہے -

یہ اسلئے ہے کہ اسی عمارت کے ایک حصہ میں اندلس کا شاہی کتب خانہ محفوظ ہے - اندلس کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام عہد کے متعلق جو کچھہ بھی موجودہ دنیا کی وراثت میں آیا ہے ' وہ اسی خانقاہ کی سنگین دیواروں کے قبضہ میں ہے ' اور اسلئے علم و تاریخ کے سراغ رسانوں کیلئے یہ مقام بھی لندن کے برٹش میوزیم ' پیرس کے قومی کتب خانے ' قاہرہ کے دارالآثار ' اور برلن کے کتب خانۂ مشرقی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا - بلکہ بعض حالتوں میں کہیں زیادہ قیمتی ہے -

(کتب خانے کے دو حصے)

اس کتب خانے میں تقریباً ۴۵ ہزار نسخے کتابوں کے محفوظ ہیں - پرانے سکوں ' تصویروں ' نقوش ' اور مختلف قسم کی تاریخی اشیاء و نوادر کی بھی ایک کافی مقدار جمع کی گئی ہے - ایک حصہ اُن کتابوں اور تاریخی آثار کا ہے جو اندلس کے قبل از اسلام عہد سے تعلق رکھتے ہیں - دوسرا حصہ وہ ہے جسکا تعلق عہد اسلام کے آثار سے ہے - ان دونوں حصوں کی موجودگی بجائے خود تاریخ کی ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے !

پہلے حصہ میں قبل از اسلام عہد کے وہ تمام نوادر و آثار موجود ہیں جنکی اُس عہد کی تمدنی استعداد دیکھتے ہوئے توقع کی جا سکتی ہے - تورات و انجیل کا وہ نسخہ جو اسپین کے مسیحی حکمرانوں کی تلاوت کا خاص نسخہ تھا ' اپنی کامل و اصلی حالت میں موجود ہے - ایک سو سے زیادہ لاطینی زبان کی مذہبی کتابیں بھی اُس عہد کی یادگار ہیں - ایک بڑی تعداد اُن نوشتوں کی بھی ہے جو قدیم اندلسی زبان میں لکھے گئے تھے اور اندلس کے ملکی و سیاسی انقلابات انکے وجود پر کوئی مخالفت اثر نہ ڈال سکے - ایک خاص مقدار مسیحی مذہبی کتب کی یونانی زبان میں بھی ہے ' اور اس سے اُس مذہبی و علمی اقتدار کا سراغ لگتا ہے جو ازمنۂ وسطی میں

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

بہ بدمستی منہ دگر تہم ساز د مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بود ارزد

یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو زمانہ سب سے زیادہ باہر کے اسلامی معاملات کے انہماک کا زمانہ تھا، یعنی حرکت خلافت کا زمانہ، اُس وقت کسی شخص کو بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ باہر کے اسلامی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا ہندوستانی قومیت کے نقطۂ خیال سے کہاں تک موزوں ہو سکتا ہے؛ یا یہ کہ نام نہاد پان اسلامیزم اور ہندوستانی نیشنلزم دو متضاد جذبے ہیں جو بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ اُس وقت بھی ایک گروہ حرکت خلافت کا مخالف تھا، لیکن اُس میں ہندو مسلمان دونوں تھے، اور اُس کی مخالفت بھی اس بنا پر نہ تھی کہ یہ معاملہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کا ہو، بلکہ اس لئے تھی کہ وہ اس قدر دُور تک جانا پسند نہیں کرتا تھا جس قدر دور یہ حرکت جانا چاہتی تھی۔ مطالبات خلافت پر موقوف نہیں، خود ہندوستان کے سیاسی مطالب کے لئے بھی وہ اس طریق عمل سے متفق نہ تھا۔

لیکن جونہی ۱۹۲۲ء میں حرکت کی سرگرمیاں رُکیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے فوراً طرح طرح کی بحثیں اور کاوشیں شروع ہو گئیں۔ اب ہر شخص سوچنے لگا کہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کے معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا کہاں تک قومیت و وطنیت کے جذبات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مسلمانوں سے گزر کر اسلام کی تعلیم تک پہنچ گیا۔ اب سیکڑوں دماغ و قلم ہیں جنھیں اس سوال کی بحث و کاوش سے فرصت نہیں ملتی کہ اسلام کی دینی تعلیم کی روح قومیت کے موافق ہے یا مخالف؟

یہ حالت بظاہر کتنی ہی عجیب معلوم ہوتی ہو مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ علم الاجتماع کے مطالعہ کرنے والے ایسے ہی احوال و تغیرات میں جماعت کے ذہنی قوانین کی جستجو کیا کرتے ہیں۔ جب آدمی بیکار ہوتا ہے تو ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتا ہے۔ مشغول آدمی کو زیادہ خیال آرائیوں کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ یہی حال جماعتوں اور قوموں کا بھی ہے۔ جس وقت تک وہ عملی زندگی میں مشغول رہتی ہیں، ذہن و فکر کو ضرورت سے زیادہ دقیقہ سنجیوں کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جونہی ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں، ذہن و خیال اُبھر آتا ہے اور اپنی کارستانیاں شروع کر دیتا ہے۔ پہلے ارادہ کی ساری قوت عمل میں مشغول تھی۔ اب عمل کی جگہ تخیل کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ پہلے کسی کو ذہنی بلند پروازیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب جس کسی کو دیکھو غیر ضروری بحثوں، بے محل کاوشوں، فرضی صورتوں، تخمینی سوالوں، بے قید تخیلات، اور مطلق العنان اوہام و ظنون سے سرگراں ہو جاتا ہے!

ذہن و عمل کے قوا کا یہی عدم توازن ہے جس سے جماعتوں کی زندگی میں عملی استعداد کی افسردگی اور تعطل کی بنیاد پڑتی ہے، اور بعض اوقات یہ علت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ عمل کی استعداد بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ یا اس درجہ کمزور پڑ جاتی ہے کہ کوئی نمایاں اور عظیم قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

ہر قوم کی تاریخ میں اس حالت کی مثالیں ڈھونڈھی جا سکتی ہیں۔ قومی عروج کے زمانے پر نظر ڈالو گے تو وہ سرتاپا عمل نظر آئے گا، لیکن تنزل کا عہد دیکھو گے تو عمل کی جگہ تخیل کی فرمانروائی ہو گی۔ پہلی حالت میں تخیل محدود مگر قدم بے روک ہوتا ہے۔ دوسری حالت میں قدم رُک جاتا ہے مگر خیال آسمان پیمائیاں شروع کر دیتا ہے۔ قرون اولیٰ جب روم اور ایران کے تخت اُلٹ دئے تھے تو اُن کی سادگیٔ فکر کا یہ حال تھا کہ قضا و قدر کے مسئلہ میں وہم و گمان کا دخل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب قضا و قدر اور جبر و اختیار کی گتھی سلجھانے کے لئے اُنھوں نے پچاس سے زیادہ مذہب گھڑ ڈالے، تو وحشی تاتاریوں کے جولان قدم سے اُن کے تمام دار الخلافے پامال ہو رہے تھے!

آج بھی یورپ کی قوموں میں اس کی مثالیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ اینگلو سیکسن نسل کے مقابلے میں فرانسیسی قوم زیادہ ذہنی اور تخیل پسند ہے، اور اسی لئے کسی طرح بھی اپنا روز افزوں تنزل روکنے پر قادر نہیں ہے۔

۱۹۲۱ء میں حالات کی رفتار نے ذہن و تخیل کو زیادہ بے لگام ہونے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت کو محض اس کی سادہ اور عملی شکل میں دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے اس سے زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ مسلمانوں کا مطالبہ حق و انصاف کے خلاف نہیں ہے، اور اگر ہندوؤں نے اُن کا ساتھ دیا تو اس سے دونوں کے دل زیادہ قریب و متحد ہو جائیں گے۔ وہ اصل یہ کہ

کہ اس کی موجودہ منزل حیات میں اس سے زیادہ کاوش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور قبل اس کے کہ ذہن و خیال کو چون و چرا کی مہلت ملے، کام شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند مہینوں کے اندر ایک عام حرکت ظہور میں آ گئی۔ مطالبۂ خلافت ہندو مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں ہندوؤں نے اسی ویسی ہی گہری اور بے ریا دلچسپی ظاہر کی جیسی خود مسلمان ظاہر کر رہے تھے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض حالتوں میں خود مسلمانوں سے بھی آگے قدم پیش پیش تھے۔

لیکن جب عملی مشغولیت کا دَور ختم ہو گیا تو رد و فعل کا عمل در آمد شروع ہو گیا۔ وہی چیز جو چند دن پہلے ملک کا سب سے زیادہ مقبول عمل تھی، اب ایک مشتبہ اور بحث طلب چیز بن گئی، اور فکر و خیال نے طرح طرح کی کاوشیں شروع کر دیں۔ جس وقت ہزاروں کی تعداد میں لوگ قید خانے جا رہے تھے تاکہ ٹرکی کے ساتھ انصاف کیا جائے، اُس وقت کسی کو بھی یہ بات نہ سوجھی کہ اس مطالبہ کا اس درجہ انہماک ہندوستانی قومیت کے ساتھ میل کھاتا ہے یا نہیں؟ لیکن اب ہر شخص اسی خیال سے متفکر ہے، اور کوئی قلم و زبان نہیں جس پر یہ سوال طاری نہ ہو!

ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو نکتہ چینی کے رنگ میں اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں، دوسری طرف مسلمان اہل قلم ہیں، اور چونکہ خود اُنکے سامنے بھی کوئی صاف اور واضح حقیقت نہیں ہے اس لئے کچھ عجیب طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اعتدال کے پہلے صفحات اس قسم کی بحثیں دیکھی تھیں کہ اسلام کی وسعت نظر وطنیت کی تنگ نظری کی متحمل نہیں، چونکہ بات کے محل و موقعہ پر ان کی نظر نہیں ہے، اس لئے وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام "نیشنلزم" کا مخالف ہے اور کسی مسلمان کو "نیشنلسٹ" نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمانان ہند کی سیاسی بے حسی سے سخت نالاں ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ باہر کے اسلامی مسائل کے لئے اُن میں جس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اُس قدر خود اپنے ملک کے لئے نہیں ہوتی تو وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی وسعت نظر کا احساس ہی اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب اسے خیرباد کہہ دینا چاہئے۔ حالانکہ نہ تو اسلام کی وسعت نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ قومیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، نہ قومیت کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اسلامی اخوت کا دائرہ تنگ کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط میں داخل ہیں، اور ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی حقیقت اطراف میں نہیں بلکہ وسط میں ڈھونڈھنی چاہئے۔

وہ "وسط" کیا ہے؟

اس تحریر سے مقصود اُسی کی جستجو و تحقیق ہے۔ چونکہ مسئلہ کے اطراف وسیع ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اُنھیں چند حصوں میں منقسم کر دیا جائے۔ آج پہلا حصہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

۱

حیاۃ اجتماعیہ اور اس کا سلسلۂ ارتقاء

"قومیت" کیا ہے؟ انسان کی اجتماعی زندگی کے احساس و اعتقاد کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ یہ انسانوں کے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہے اور اس کے ذریعہ اُس کی ایک بڑی جمعیت باہم مربوط ہو کر زندگی بسر کرتی اور اجتماعی زندگی کے کشاکش سے عہدہ برا ہوتی ہے۔ اس سے قبل اس کے کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیم و دعوت پر نظر ڈالی جائے خود انسان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے اجتماعی رشتوں اور رشتوں کے احساس و اعتقاد کا کیا حال ہے؟

جس طرح کائنات ہستی کی ہر شئے پر قانون نشو و ارتقاء جاری ہے۔ یعنے ہر چیز ابتدائی حالت سے انتہائی درجہ تک، طفولیت سے رُشد و بلوغ تک، تنگی سے وسعت تک، پستی سے بلندی تک، اور نقص سے کمال تک بہ تدریج ترقی کرتی ہے، اور اس رفتار ترقی میں اُسے مختلف درجوں اور منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، اُسی طرح انسان کا احساس اجتماع بھی تدریجی ترقی کا ایک پورا ارتقائی سلسلہ ہے۔ یہ ایک نہایت محدود اور تنگ دائرہ سے شروع ہوتا ہے لیکن بہ تدریج بڑھتا اور پھیلتا ہے

عالم شرق و اسلام

شام کی حــرکت استقــلال

فرانسیسی مظالم کے چند خونیں مناظر

الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے

شام کی حرکت استقلال پر کامل بیس مہینے گذر چکے - ان بیس مہینوں کے اندر اسکے فرزندوں کا خون جس بے دردی کے ساتھ بہایا گیا ہے ' اور خود انہوں نے بھی جس بے پروائی کے ساتھ اپنا خون بہنے دیا ہے ' وہ ایک ایسی سرگزشت ہے جو ظلم و مظلومی ... و استبداد کی تاریخ میں ایک بڑے ہی دردانگیز داستان کا اضافہ کرتی ہے !

میں آج آپ کو چند تصاویر بھیجتا ہوں - فرانسیسی حکومت نے محکمہ ڈاک اور تار پر جیسا جابرانہ احتساب قائم رکھا ہے ' اسے دیکھتے ہوئے امید نہیں کہ یہ بسلامت پہنچ سکیں - لیکن اگر پہنچ گئیں تو کم از کم ایک لمحہ کے لئے آپ ان قتیلان حریت و استقلال کی یاد سے اپنا دل و دماغ غمگین کر سکینگے جنہیں بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں یورپ کی سب سے بڑی متمدن قوم نے علانیہ قتل کیا ہے ' اور صرف اسلیے قتل کیا ہے کہ اپنے وطن عزیز کی غارتگریوں پر دل دردمند اور زبان ماتم سرا رکھتے تھے !

فرانس ' " انقلاب فرانس " کے مبادی حریت و استقلال کا فرانس ' بے شمار انسانوں کا علانیہ قتل جائز رکھتا ہے - اسلیے کہ وہ اپنے وطن کیلیے حق اور استقلال کا لفظ بولنے کی جرات کرتے ہیں !

ان تصویروں میں پہلا منظر دو شہیدان وطن کی نعشوں کا ہے جنہیں دمشق کے میدان مرجہ (ساحة المرجة) میں پھانسی دی گئی تھی اور پھانسی کے بعد انکی نعشیں چھوڑ دی گئی تھیں تاکہ دو دن تک لٹکتی رہیں ' اور تمام باشندگان دمشق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جرم وطن پرستی کی سزا اس دنیا میں کیا ہے ؟

ان میں پہلی نعش جسکے سر پر طربوش ہے شیخ احمد خیاط کی ہے - یہ مشہور شامی زعیم حرکة سعید عکاش کا عزیز تھا - دوسری نعش جسکے سر پر عمامہ ہے شیخ عبد العزیز سلامی کی ہے - یہ اطراف دمشق کے ایک دروزی قبیلہ کے شیخ تھے .

ان دونوں شہیدان وطن کا جرم کیا تھا ؟ یہ تھا کہ ۱۹ مئی سنہ ۲۶ کو دروازۂ دمشق کے سامنے دروزی قبائل کی ایک جانفروش جماعت نے فرانسیسی فوج کو سخت ہزیمت دی تھی ' اور اُس ہزیمت کی ذلت مٹانے کیلئے .اس مہذب قوم کو ضرورت تھی کہ چند بے گناہ انسانوں کا خون بہاکر اپنے دل انتقام پرست کو تسکین دے - چنانچہ بہت سے آدمی گرفتار کئے گئے اور انمیں سے شیخ خیاط اور شیخ سلامی کو فوراً پھانسی پر چڑھا دیا گیا - ان کا جرم یہ قرار دیا گیا کہ یہ شیخ سعید عکاش کے دوستوں میں سے ہیں جسکا گروہ دمشق سے باہر فرانسیسی فوجوں کو پے درپے شکستیں دیرہا ہے - جب انسے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عکاش کے دوستوں میں نہیں ہیں ؟ تو ان دونوں سرفروشان حق نے بے تامل جواب دیا " شام کا کون ایسا بے عزت انسان ہوسکتا ہے جو عکاش جیسے بہادر اور جانفروش وطن کی دوستی سے انکار کرے ؟ "

دوسرے موقع میں بھی ایک نعش سولی پر لٹک رہی ہے' یہ بھی ایک وطن پرست نوجوان کی ہے جسے "باغیوں" میں شمار کیا گیا - اسکا نام احمد دباغ تھا اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے فرانسیسی فوج کی خدمت و اعانت سے انکار کردیا تھا - اگر آپ تصویر کو غور سے دیکھینگے ' تو نعش کے سینے پر چند حروف لکھے نظر آئینگے - دراصل یہ ایک کاغذ ہے جو پھانسی دیدینے کے بعد ہر نعش کے سینے پر چسپاں کر دیا جاتا ہے اور اسپر " مجرم " کے جرم کی نوعیت اور مقدار لکھدی جاتی ہے - جب تک نعش لٹکتی رہتی ہے یہ کاغذ بھی چسپاں رہتا ہے تاکہ جس کسی کسی شخص کی نظر پڑجائے تو وہ اُسکا جرم و گناہ معلوم کرلے - کونسا جرم ؟ کونسا گناہ ؟ حقوق وطن کی حفاظت کا جرم ! اور حق کی طلب کے ... گناہ ! اس سے بڑھکر آج یورپ کی عدالت میں دوسرا کوئی جرم نہیں ہے :

فمن شاء فلینظر الی فمنظری
نذیر الی من ظن ان الھوی سہل

اکتوبر سنہ ۲۵ سے لیکر اسوقت تک جتنے آدمیوں کو پھانسی کے ذریعہ قتل کی سزا دی گئی ہے انکی تعداد سینکڑوں سے کسی طرح کم نہوگی - صرف دمشق کے میدان مرجہ میں ستر سے زیادہ آدمی سولی کے تختے پر کھڑے ہوچکے ہیں - انمیں سے چند سولیوں کی تصویر لینے کا ایک مقامی عکاس کو موقعہ ملگیا تھا - بعض ذرائع سے انکی نقلیں مجھ تک پہنچ گئیں - اگر آیندہ ذریعہ ان مناظر شائع ہوسکے تو ممکن ہے برادران ہند کی آنکھیں چند لمحات کیلئے ... نہ کریں - ان جاںدادگان عشق وطن کیلئے آنسوؤں کے چند قطرے بھی بہت قیمتی ہونگے - ... کی قربانی اسوقت تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ' اور ... سزا ... مدتوں انتظار کرنا ہے .

ومکان کی وحدت نمایاں ہوئی اور اس نقطۂ وحدت نے نسلی دائرہ سے زیادہ وسیع وعام دائرہ اپنے گرد کھینچ لیا - یہ دائرہ مختلف قبیلوں اور نسلوں کو باہم دگر مربوط ومتحد کردیتا ہے۔

"وطنیۃ" کے بعد جذبۂ اجتماع کے لئے "جنسیت" کی منزل نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے مقصود انسانی علاقہ کا ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے، اور ان سب بالاتر رشتۂ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ رشتہ کسی خاص اصل پر مبنی ہو۔ کہیں وطنیۃ نے ایک زیادہ وسیع صورت اختیار کرلی ہے اور دوسری وطنیتوں کو بھی اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی بعید تاریخی نسل کا اشتراک نقطۂ اتحاد بن گیا ہے اور جس قدر انسانی جماعتیں اس سے وابستگی پیدا کرسکتی ہیں، پیدا کرلیتی ہیں، اگرچہ مختلف اقطاع ارضی میں آباد ہوں۔ رنگ اور زبان بھی اسمیں وجہ اشتراک کا کام دیتی ہے اور وہ تمام مختلف وطنیتیں اور نسلی جماعتیں شامل ہوجاتی ہیں جو رنگت میں یا زبان کے ابتدائی مواد میں اشتراک رکھتی ہوں "جنسیت" کا یہ دائرہ تمدن کی وسعت وترقی اور ملکی وسیاسی مقاصد کی کش مکش سے بہ تدریج ظہور پذیر ہوا۔ مختلف وطنیتوں نے دیکھا کہ وہ وطنیۃ کے دائرہ سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اتحاد اور ہمرشتگی کا پیدا کرسکتی ہیں جو مختلف وطنیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گا، اس لئے انھوں نے "جنسیت" کی طرف قدم بڑھایا۔ آریکن جنسیت دنیا کی مختلف نسلوں اور وطنیتوں کا مجموعہ ہے۔ فرانسیسی جنسیت ہر اس فرد کو اپنے میں شامل کرلیتی ہے جو چند خاص اجتماعی ومعیشتی عقائد واعمال میں شریک ہوجاتا ہے۔ لاطینی جنسیت اُن تمام قوموں کو منسلک کرتی ہے جو لاطینی حلقہ کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ سفید، سُرخ، زرد، اور گندمی رنگت کی بھی تقسیم پیدا ہوگئی، اور جنس کا کام دینے لگی۔

بہرحال احساس اجتماع کا یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے اور انسانوں کی بڑی بڑی تعداد اسمیں سمٹ آتی ہے۔

"جنسیت" کے بعد اس سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اُس رشتہ کا پیدا ہوجاتا ہے جو جغرافیہ کی بڑی بڑی تقسیموں سے پیدا ہوگیا ہے۔ مثلاً ایشیا، افریقہ، مشرق، مغرب، اس دائرہ میں پہونچکر انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے باہمی علائق کی دُنیا وطن وجنس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ایشیا کا باشندہ تمام ایشیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے، اور یورپ کا باشندہ تمام براعظم یورپ میں اپنے لئے جذبۂ وطنیۃ محسوس کرتا ہے۔

جغرافیہ کی تقسیم پر پہنچکر اضافی وسعت کی تمام کڑیاں ختم ہوجاتی ہیں، اور وہ منزل سامنے آجاتی ہے جو حقیقت کے عموم واطلاق کی آخری منزل ہے اور جہاں پہونچکر یہ سلسلۂ ارتقا درجۂ بلوغ وتکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ منزل "انسانیت" اور "ارضیۃ" کی منزل ہے۔ یہاں پہونچکر انسان محسوس کرتا ہے کہ رشتوں، علاقوں کی تمام حدبندیاں اور اضافی نسبتیں جو اُسنے بنا رکھی تھیں، ان میں سے کوئی بھی حقیقی وفطری نہیں ہے۔ حقیقی رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کرۂ ارضی انسان کا وطن ہے، تمام نسل انسانی ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے - اس منزل پر پہونچکر انسان کے اجتماعی علائق کا سفر ختم ہوجاتا ہے اور وحدۃ نسلی، وحدۃ مکانی اور وحدت جنسی کی جگہ فاطر السماوات والارض کی بنائی ہوئی ایک ہی وحدۃ انسانی اپنی کامل اور بے پردہ صورت میں آشکارا ہوجاتی ہے!

انسانی علم ومعرفت کے سفر میں یہ منزل وحدت اور کل کی منزل ہے، اُس کا ہر سفر جزو وفرد سے شروع ہوتا ہے، اور کل اور نوع کی وحدۃ پر ختم ہوجاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تعین اور نسبتیہ کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں، اضافت اور نسبت کی تمام تنگ نظریاں اور حدبندیاں دور ہوجاتی ہیں، اور عارف منزل شناس دیکھ لیتا ہے کہ اس کائنات کثرت میں حقیقت بجز وحدۃ کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر گوشہ میں پہلے کثرت ہے، افراد ہیں، اجزاء ہیں، لیکن اگر جستجوئے حقیقت کا قدم رُکے نہیں تو بالآخر وحدۃ، نوع، اور کل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ نسل، وطن، قوم، جنس، سفید، سیاہ، افریقی، ایشیائی، بہت سے اسماء گڑھ لئے گئے تھے، حالانکہ مسمّٰی ایک سے زیادہ نہ تھا اور وہ صرف "انسان" ہے:

عبارا تنا شتّٰی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

وحدت سے کثرت کی طرف

تم نے نوع انسانی کو اُس کی طفولیت کے گہوارہ میں دیکھا؟ یہ وہی انسان ہے جس کی وسعت نظر وعلائق کے لئے آج کرۂ ارضی کا پورا دائرہ بھی کافی نہیں ہے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے کہ نظام شمسی کے دوسرے ستاروں سے اپنا رشتۂ وجود جوڑلے، لیکن اُسوقت کیا حال تھا؟ اُسوقت اس کے ادراک واحساس کی غفلت ومحجوبیت کا یہ حال تھا کہ خود اپنے وجود کی وسعت ونوعیت کی بھی خبر نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس طرح باہدگر علیحدگی اور بے رشتگی کی زندگی بسر کرتا تھا گویا ایک نوع کی جگہ مختلف انواع کے افراد ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کے علم وادراک کی بند آنکھیں کھلنے لگیں۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ اپنے انفرادی وجود میں تنہا نہیں ہے، ایک ایسے مجموعہ کا فرد ہے جس کا ہر فرد اُسی کی طرح انسان ہے۔ لیکن چونکہ علم واحساس کی یہ رفتار قرب سے بُعد کی طرف تھی، اس لئے سب سے پہلے وہ رشتہ نمایاں ہوا جو سب سے زیادہ قریب تھا، اور سب سے آخر اُس رشتہ کا سرا اُبھرا جو سب سے زیادہ دُور تھا۔ قرب وبعد کے ان دونوں کناروں کے درمیان جس قدر منزلیں پیش آئیں، اُن میں سے ہر منزل اپنی ماقبل منزل سے دُور تر لیکن مابعد منزل سے قریب تر تھی۔ انسانی ادراک واحساس کے لئے سب سے زیادہ قریبی اور سامنے کا رشتہ کیا تھا؟ ماں باپ کا رشتہ، اس لئے سب سے پہلے اُسی کا احساس بیدار ہوا۔ سب سے زیادہ دُور کا رشتہ کیا تھا؟ "انسانیۃ" اور "انسانی اخوت" کا رشتہ۔ اس لئے سب سے آخر اسی منزل کی نمود ہوئی۔

انسانی اخوت کا رشتہ دُور کا رشتہ اس لئے ہوا کہ یہ ایک غیر محدود کثرت کو وحدت میں لانے کے بعد نمایاں ہوسکتا تھا اور چونکہ ہمیشہ کثرت وتعدد کی وسعت میں انسانی عقل گم ہوجایا کرتی ہے، اس لئے وحدت تک پہنچتے پہنچتے اُسے بہت دیر لگ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کائنات ہستی وحدت وکثرت کی صورت آرائیوں کا ایک عجیب فریب طلسم ہے، اس لئے جب کبھی کاروانِ عقل جستجوئے حقیقت میں نکلتا ہے، تو اُسے کثرت سے وحدت کی طرف بڑھنا پڑتا ہے، اور جب تک منزل بہ منزل پوری مسافت طے نہیں کرلیتا، حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق ہستی کے ہر گوشہ میں انسانی علم کی تاریخ ایک پوری داستان سیاحت ہے - درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل علم نے ترقی کی ہے اور جستجو نے سُراغ پایا ہے۔ جس طرح انسان کو صرف اتنی بات معلوم کرنے کے لئے کہ ایک ہزار ہمشکل جالور ایک ہزار ہستیں نہیں ہیں، بے شمار زمانہ مطلوب تھا، اسی طرح وہ خود اپنے وجود کی نوعی وحدت اور اسکے عالمگیر رشتے کا علم واحساس بھی فوراً حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ ناگزیر تھا کہ ایک پوری مسافت منزل بہ منزل طے کی جائے، چنانچہ طے کی گئی، اور بالآخر وحدت انسانی کی منزل نمودار ہوگئی!

انسان کی حیات انفرادی

یہ انسان کی نوعی زندگی کی سرگزشت تھی اب کچھ دیر کے لئے اُس کی انفرادی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لو۔ نوعی زندگی کے علم کے لئے تاریخ کے اوراق اُلٹنے پڑے تھے، لیکن فرد کی زندگی کا صفحہ تو ہروقت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہاں بھی دیکھو، کس طرح احساس اجتماع کا فطری سلسلۂ ارتقا درجہ بدرجہ ظہور کرتا ہے اور منزل بہ منزل آگے لے جاتا ہے؟ جب ایک بچہ ماں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے تو ماں کے سوا اور کسی انسانی رشتے کا احساس نہیں رکھتا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کا ادراک اُبھرتا اور پھیلتا ہے، اور احساس کی وہ کڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جو قرب سے بُعد کی طرف اُس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ پہلے صرف ماں باپ ہی کے دامن سے لپٹا تھا، یہ "اُمومۃ" اور "اُبوۃ" کی ابتدائی کڑیاں تھیں۔ پھر اُس کے گھر کی چار دیواری اُسکی دُنیا ہوگئی۔ نظر طفولیت کی نارسائی اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی یہ "عائلہ" کی منزل تھی۔ پھر اُس کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو اپنے گھرانے اور خاندان کے تمام رشتہ داروں کو بھی جاننے پہچاننے لگا اگرچہ وہ اُس کے گھر کی چار دیواری میں نہ رہتے ہوں۔ یہ وہی منزل ہے جسے پہلے "قبیلۃ" کے نام سے پہچان چکے ہو۔ اس اثنا میں مسکن ومکان کا رشتہ بھی بوجہ قریبی ہونے کے دائرہ احساس وادراک میں آجاتا ہے۔ پہلے اپنے ہمسایہ سے پھر اپنے محلے کے لوگوں سے، پھر پوری بستی اور شہر سے مانوس ہوجاتا ہے۔ یہ وہی منزل ہے جو "بلدیۃ" کے نام سے نوع کو پیش آچکی ہے۔

ان ابتدائی احساسات کے بعد وہ وقت آتا ہے جب طفولیت کا عہد ختم ہوجاتا ہے اور نظر وادراک اس حد تک نشو ونما پالیتے ہیں کہ مشاہدہ کی طرح سماع سے بھی علم واحساس حاصل کریں، تو تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی ذہنیت اسی سانچے میں ڈھلنا شروع ہوجاتی ہے جو انسان کی تمدنی زندگی نے پیدا کرلی ہے۔ لیکن اب بھی احساس اجتماع کی رفتار وہی رہتی ہے جو قرب سے بُعد کی طرف ہوتی جاتی ہے۔ وہ اپنے دل میں پہلی کشش وطن کی طرف پاتا ہے۔ پھر قوم وجنس کا سرا کھنچتا ہے، سب سے آخر میں انسانیت آتی ہے اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دینے لگتی ہے!

اگر ایک بچہ کو باقاعدہ تعلیم وتربیت کی ہوا نہ لگے، تو اس صورت میں بھی اُسے ایسی ہی منزلیں پیش آئیں گی - البتہ بعض کڑیاں جو تہذیب وتمدن کے افکار وعقائد سے پیدا ہوگئی ہیں اُس کے سامنے نہ آئیں۔ وہ قدرتی طور پر پہلے اپنے مولد ومسکن کا رشتہ محسوس کرے گا۔ پھر اطراف وجوانب کی طرف کھنچے گا۔ پھر اپنے ملک واقلیم کا تصور کرے گا، اور سب سے آخر دنیا اپنے رشتۂ انسانیۃ کے ساتھ نمود کریگی!

اور بالآخر وسعت و بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح اُس کی بھی ایک کڑی ابتدائی ہے اور ایک انتہائی ہے۔ ابتدائی کڑی میں اُس کا احساس اُس کے جسم و دماغ کی طرح گہوارۂ طفولیت میں سوتا نظر آتا ہے۔ پھر جوں جوں دماغی ادراک نشوونما پاتا ہے، اجتماعی رشتوں، علاقوں کا احساس بھی وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے اُس نقطۂ بلوغ و کمال تک پہنچ جاتا ہے جو اس سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔

حلقات سلسلۂ ارتقا

انسانی حالت پر ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے: نوعی اور انفرادی۔ نوعی سے مقصود یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک نوع کے اُس پر جو کچھ گزر چکا ہے اس کی جستجو کی جائے۔ انفرادی سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ایک انسانی وجود پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی تحقیق کی جائے۔ پہلی کے لئے تاریخ و آثار کا اور دوسری کے لئے خود انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر انسان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی احساس و ادراک کا یہ سلسلۂ ارتقا نوع اور فرد دونوں زندگیوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اور اس کی بڑی اور اصولی کڑیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) اموتہ۔

(۲) ابوۃ۔

(۳) عائلہ۔

(۴) قبیلہ۔

(۵) بلدیۃ۔

(۶) وطنیۃ۔

(۷) جنسیت و قومیۃ۔

(۸) براعظمیت یا تقسیم بلحاظ جغرافیہ۔

(۹) انسانیت و ارضیۃ۔

"اموتہ" کے معنی عربی میں ماں ہونے اور ماں کے رشتے کے ہیں۔ اس سے مقصود انسان کی وہ ابتدائی حالت ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی سا‌ری دنیا صرف ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس ابتدائی منزل میں انسان کا علاقۂ اجتماع صرف "اموتہ" میں محدود ہوتا ہے۔ فطرۃ کا فرشتہ اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے معصوم ہاتھ ماں کی گردن میں حمائل ہو جاتے ہیں۔ یہ فردیۃ سے اجتماعیت کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے۔

"ابوۃ" سے مقصود باپ کا رشتہ ہے۔ ماں بچے کو باپ کے آغوش محبت میں رکھ دیتی ہے اور اب وہ ماں کے ساتھ ایک دوسرے وجود کا رشتہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

تمدن کے وجود میں آنے سے پہلے انسان انفرادی اور خلقی زندگی بسر کرتا ہوگا۔ اُس وقت ازدواج مدنی (یعنی تعین و التزام کے ساتھ مرد و عورت کے ملنے) کا وجود نہ تھا۔ ممکن ہے عام حیوانات کی طرح ولادت کا بنیادی رشتہ محض اموتہ کا رشتہ ہو اور ابوۃ کا تعین اور تشخص بوجود میں نہ آیا ہو۔ میں نے "ممکن ہے" کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس بارے میں علمائے علم الانسان کے نظریات مختلف ہیں اور کوئی واضح روشنی موجود نہیں۔ بہرحال ابتدا میں ابوۃ کا تشخص ہو یا نہ ہو، جس دن سے یہ تشخص شروع ہوا ہے، اموتہ کے بعد احساس اجتماع کی دوسری منزل یہی ہے۔

"عائلہ" عربی میں خاندان کو کہتے ہیں لیکن خاندان کا لفظ ہماری زبان میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ "عائلہ" کا اطلاق اُس سے کمتر دائرے پر ہوتا ہے۔ اس سے مقصود وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے اکٹھے ہونے سے ایک گھرانے کی مشترکہ زندگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ اس سلسلۂ ارتقا کی تیسری کڑی ہے۔ انسان نے جب انفرادی زندگی کی جگہ مل جلکر رہنا شروع کیا تو اس کا پہلا منظر یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا حلقہ بنا کر رہتا تھا تاکہ زندگی کی کش مکش میں تنہا رہنے کی جگہ ایک جتھا پیدا ہو جائے۔ "قریبی رشتہ داروں" کے اس احساس ہی سے اجتماعی ارتقا کی تیسری منزل وجود میں آئی ہے۔ کیونکہ اب ماں باپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی رشتہ محسوس کیا جانے لگا اور اجتماعیۃ کے احساس میں وسعت ہو گئی۔

"قبیلہ" اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ اور یہ بہ نسبت "عائلہ" کے زیادہ وسیع حلقہ مہیا کرتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی ایام میں جب کچھ عرصہ تک "عائلہ" کا نظام جاری رہا تو ہر خاندان کی نسل بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ پانچ دس دس پشتیں گزرنے کے بعد ہر خاندان کے افراد کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی تعداد صرف عائلہ کی چار دیواری میں سمٹ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ایک وسیع تر حلقۂ تعارف پیدا ہو گیا، اور باوجود مختلف جگہوں میں رہنے کے ہر فرد اُس حلقہ کی نسبت سے پہچانا جانے لگا۔ جنگ و صلح کے موقع پر بھی یہ حلقے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتے ہونگے۔ اس طرح "قبیلہ" کی بنیاد پڑی، اور اب اس منزل میں پہنچکر وہی انسان جس کا احساس اجتماع صرف "اموتہ" اور "ابوۃ" میں محدود تھا، اپنے آپ کو ایک وسیع حلقۂ انسانی کا رکن سمجھنے لگا۔ یہ پورا حلقہ ایک خاص مورث اعلیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا اور اس کے وجود کو اپنی رشتہ داریوں اور قرب جوئیوں کے لئے اعتقاد و شرف کا مرکز ٹھہراتا۔ یہیں سے نسب کی بنیاد چلی اور اُس کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ عرب، افریقہ، ہندوستان، امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں آجتک قبائل کا نقش قدم ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔ عرب میں تو قبائل کی تقسیم اور نسب کی حفاظت کا ایسا دور دورہ رہا کہ تمدنی اور شہری زندگی کا اختلاط بھی اُسے نہ مٹا سکا۔ اسوقت بھی اندرون عرب میں ہر قبیلہ بہ حیثیت قبیلہ کے اُسی طرح موجود ہے جس طرح چھٹی صدی عیسوی سے پہلے تھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں کے مختلف نسلی سلسلے اور سورج بنسی اور چندر بنسی کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ جو نسل انسانی کی آج بڑی بڑی اصولی تقسیمیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً سامی، آرین، منگولین، تو ان کی بھی بنیاد جب پڑی ہوگی، اسی "قبیلہ" کی منزل میں پڑی ہوگی۔ اب اگرچہ نسل انسانی اس منزل سے بہت آگے بڑھ چکی ہے لیکن اس کی انفرادی زندگی میں یہ اب بھی ویسی ہی درمیانی منزل ہے، جیسی بہ حیثیت نوع کے تاریخ میں پیش آئی تھی۔ اب بھی جب انسان کا بچہ بڑا ہوتا ہے اور طفولیت کے سادہ احساسات کی جگہ تربیت و سماع کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں، تو وہ اپنے گھرانے کے حلقے سے ایک زیادہ وسیع حلقۂ رشتہ داریوں کا محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس "عائلہ" کے بعد "قبیلہ" کا احساس ہے۔

اس چوتھی کڑی پر نسل کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، اور مکان کا رشتہ ظہور کرتا ہے۔ ابتک انسان کا احساس اجتماع صرف نسل کے رشتے میں محدود تھا۔ کیونکہ اُس کے دماغ کے لئے سب سے زیادہ قریبی رشتہ یہی تھا اور ہمیشہ اُس کے ادراک کا سفر قرب سے بعد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اب ایک دوسرا رشتہ بھی دعوت اعتقاد دینے لگا۔ ابتدا میں انسان کی زندگی محض انفرادی زندگی تھی، پھر عائلہ اور خاندان کی بنیاد پڑی، لیکن پھر بھی وہ عرصہ تک ویسی ہی غیر شہری زندگی بسر کرتا رہا جیسی آجکل بھی صحرائی قبائل یا ایشیا اور یورپ کے جپسیوں کی زندگی ہے۔ وہ پانی، چارہ، اور غذا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب ایک کافی مدت اس حالت پر گزر گئی، تو ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کوئی خاص حصۂ زمین مسکن و مولد کی شکل میں متعین ہو گیا۔ مثلاً کوئی خاص قبیلہ تھا جو خزاں میں ایک جگہ رہتا اور بہار میں دوسری جگہ چلا جاتا۔ عرصہ کے تواتر قیام سے یہ دونوں مقام اُس کے لئے مسکن و موطن بن گئے۔ یا کسی جماعت نے کسی ایک ہی مقام پر قیام اختیار کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اس جگہ میں اپنے لئے خصوصیت محسوس کرنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا بھی ہوا کہ مختلف قبائل کسی ایک ہی حصۂ ارضی میں آس پاس رہنے لگے اور عرصہ تک قریب رہنے کی وجہ سے ان میں باہمی قرب و علائق کی ایک خاص حالت پیدا ہو گئی۔ ان اسباب سے اُس اجتماعی احساس اور جذبہ کی بنیاد پڑی جسے میں نے "بلدیۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس احساس کی پانچویں منزل ہے۔ اس منزل میں پہنچکر انسان ایک نیا رشتہ محسوس کرنے لگا جو کسی ایک ہی جگہ رہنے سہنے اور وہیں پیدا ہونے کے اشتراک کا رشتہ ہے۔

ایک مدت تک جس مقام پر انسان رہتا ہے قدرتی طور پر اُس سے زیادہ مانوس ہو جاتا ہے۔ اس اُنس کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ اوّل تو اُس مقام کی ارضی خصوصیات کے ساتھ اُس کی زندگی کے حالات کچھ اس طرح مل جل جاتے ہیں کہ وہاں کے ہر موسم اور ہر حالت کے ساتھ اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی حالت وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس کے تصور میں اُس کے لئے کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ثانیاً، مشاہدہ کے استمرار و تواتر میں بجائے خود حیوانی دماغ کے لئے تاثیر ہے۔ جن چیزوں سے اُس کا لگاتار واسطہ رہتا ہے قدرتی طور پر اُن سے زیادہ مالوف ہو جاتا ہے۔ ثالثاً، مکان و قیام کے ساتھ نسل و رفاقت کے بھی تمام رشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ جس مقام پر انسان پیدا ہوا ہو اور پرورش پائی ہو وہیں اس کے تمام عزیز و اقارب اور جانے پہچانے ہوئے آدمی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی محبتوں کی یاد وہاں کے چپہ چپہ میں بس جاتی ہے۔ غرضکہ انسان نے نسل کے بعد مکان و توطن کا رشتہ بھی محسوس کیا اور بہ تدریج اس کی گہرائیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ اس کے جذبات محبت کا مرکز اور مکانی دل بستگی کے ولولوں کا محور بن گیا:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ

بواد، وحولی اذخر وجلیل!

"بلدیۃ" کے بعد چھٹی کڑی "وطنیۃ" کی آتی ہے۔ وطنیۃ "بلدیۃ" کے رشتہ کی ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ جب تمدن میں مزید ترقی و وسعت ہوئی، بکثرت آبادیاں اور شہر بس گئے، اور انسان کے باہمی علائق بھی زیادہ وسیع ہوئے، تو "بلدیۃ" کے جذبات میں بھی وسعت شروع ہو گئی، اور اب انسان نہ صرف اپنے مسکن و مولد ہی کو بلکہ اُس تمام علاقے کو اپنا وطن محسوس کرنے لگا جس کے ایک گوشہ میں وہ آباد تھا۔ پھر بتدریج اس دائرہ میں اور وسعت ہوئی، چھوٹے چھوٹے علاقوں کی جگہ زمین کے بڑے بڑے حصے داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اب ایک پوری اقلیم بھی مفہوم وطنیۃ میں داخل ہو جاتی ہے!

نسل کے اجتماعی احساس نے افراد کی کثرت کو نسل کے نقطۂ وحدت میں سمیٹ دی تھی۔ اب مکان

علم ترقی کرے گا ان عناصر کے شمار میں تخفیف ہوتی جائے گی. بہت ممکن ہو ایک زمانہ آئے جب ہم دعویٰ سے کہہ سکیں کہ صرف ایک ہیڈروجین ہی تمام عناصر و کائنات کی اصل ہو، سب کچھ اُسی سے ظہور پذیر ہوا ہو"

میں "شاباش! اگر کائنات، ہیڈروجین سے بنی ہو تو بتاؤ کہ تو کی وہ منزہ پرداری کیونکر وجود میں آئی جسنے پہلا انڈا دیا تھا؟ ظاہر ہے وہ خود تو انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

وہ "یہ سب پہلی مرغی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظہور پذیر ہوئی تھی"

میں "کس چیز سے ظہور پذیر ہوئی؟"

وہ "میں نہیں جانتا"

میں "تو تم اُس کا وجود ثابت نہیں کرسکتے؟"

وہ "میں ہر چیز کا عالم نہیں ہوں"

میں "تمھارے اس صریح اعتراف عجز کی داد دیتا ہوں. لیکن تم کہہ چکے ہو کہ اولین مادۂ حیات پیدا نہیں کیا گیا. اب ہم کائنات کی اصل و ابتدا کے موضوع پر پہنچگئے - ہیڈروجینی انڈے کی بحث پر مگر تم نے اپنے جہل کا اعتراف کرلیا اور نہیں بتا سکے کہ وہ انڈا پیدا کیا گیا یا پیدا نہیں کیا گیا؟"

وہ "یہی سہی. لیکن میں برابر مدعی ہوں کہ کائنات اُس طرح پیدا نہیں ہوئی جس طرح توراۃ میں لکھا ہو"

میں "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کائنات کس طرح خلق ہوئی ہو بہرحال کسی نہ کسی طرح وجود میں ضرور آئی ہو"

وہ "میں صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ علم اس گتھی کے سلجھانے میں ناکام رہا ہو اور بقول "سٹرلاینگ" کبھی مستقبل میں اس کا فیصلہ ہو سکے گا"

میں "تمھارے اس اعتراف جہل کی بھی میں قدر کرتا ہوں. اچھا اب بحث کا رخ ذرا پھیر دیں. کیا تم یقین کرتے ہو کہ تمام نوری مخلوقات سبزیاں، اور حیوانات صرف ایک ہیڈروجین کے مختلف مرکبات ہیں"

وہ "ہاں"

میں "کیا خالی ظرف سے کسی چیز کا نکالنا ممکن ہو؟"

وہ "ہرگز نہیں. لیکن جناب! میں نے یہ کب کہا کہ ہیڈروجن ایک خالی ظرف ہو؟"

میں "لیکن میں بھی تو یہ نہیں کہتا، اچھا یوں سہی، کیا کسی ظرف سے اُتنا نکالا جا سکتا ہو جتنا اُس میں نہیں ہو؟"

وہ "نہیں"

میں "تو کیا ہیڈروجین سے اُتنا حاصل کیا جا سکتا ہو جتنا اُس کے اندر نہیں ہو؟"

وہ "نہیں"

میں "کیا تم خیال کرتے ہو کہ مادۂ حیات ہیڈروجین سے وجود میں آیا ہو؟"

وہ "بیشک، تمام اجسام (Organisms)، نباتات، حیوانات تمام اہل فن، مصور، شاعر، مصنف، فلاسفر، علماء، غرضکہ تمام کائنات اُسی اصلی ہیڈروجینی انڈے کی پیداوار ہیں"

میں "اس عجیب طلسمی انڈے کے خواص و ممیزات کیا ہیں؟"

وہ "اسمیں کوئی طلسم یا جادو نہیں - یہ نیچر کائنات کی اصل ہو"

میں "ہاں واللہ اعلم! لیکن ضرور ہو کہ اس اصلی ہیڈروجینی انڈے میں کچھ خاصیتیں تھیں. خود ہیڈروجین کہاں سے آیا؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "یہ عجیب خواص اُس میں کیونکر پیدا ہوگئے؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "تم قائل ہو کہ ہیڈروجین میں کچھ خاصیتیں تھیں جنھوں نے بتدریج کائنات کو ظاہر کیا. لیکن کیا تم یہ تصور کرسکتے ہو کہ ہیڈروجین میں یہ خواص بغیر کسی صاحب ادراک اور عاقل ہستی کے عمل کے خود بخود موجود ہو گئے؟"

وہ "موضوع نہایت دقیق ہو. میری ناقص عقل اُس کے فہم کی قابلیت نہیں رکھتی"

میں "میرا سوال یہ ہو کہ ان عجیب خواص کا انڈا یا ہیڈروجینی کتلہ جس سے تمام کائنات رونما ہوئی اور جس سے مادۂ حیات اُچھل کر برآمد ہوا، ممکن ہو کہ بغیر کسی ذہانت اور عقلی قوت کے وجود کے موجود ہوگیا ہو؟ اگر ہیڈروجین میں عقل و ادراک نہیں تو تم جو اس سے بنے ہو، کیونکر عاقل اور صاحب ادراک ہو؟"

وہ "میں آج مزید گفتگو نہیں کرسکتا. شب بخیر"

تیسری مجلس

میں ایک رسالہ اُٹھا کر دیکھنے لگا. اتفاق سے اسمیں یہ قصہ درج تھا کہ ایک شہزادے نے اپنی محبوبہ کو ایک آہنی انڈا تحفتہً بھیجا. محبوبہ اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوئی اور اُسے زور سے زمین پر دے مارا. انڈا ٹوٹ گیا، اُس کے اندر سفیدی چاندی کی تھی، زردی سونے کی زردی کی ڈلی کے اندر چھوٹا سا طلائی تاج اور الماس کی انگوٹھی رکھی تھی - یہ قصہ پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ شاہزادہ کا بھیجا ہوا یہ انڈا اس عظیم انڈے کے مقابلہ میں ہیچ ہو جس کے اندر سورج، چاند، ستارے ثریا، زمین، عالم نباتات و حیوان اور دُنیا بھر کی عقل و حکمت بھری ہوئی ہو. میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھائی آگیا اور کہنے لگا:

"کس سوچ میں ہو؟"

میں "کیا تم بتا سکتے ہو کہ دُنیا میں کوئی دریا بھی ایسا ہو جو کسی سرچشمہ سے نہ پھوٹا ہو؟"

وہ "بالکل معمولی سوال ہو - نہیں"

میں "کیا اثرات، بغیر موثرات کے موجود ہو سکتے ہیں؟"

وہ "ہر اثر کے لئے موثر و سبب کا وجود ضروری ہو. لیکن بواعث و اسباب کی بحث نہایت پیچیدہ ہو، شاید آپ ڈیوڈ ہیوم کے اس قول سے متفق نہیں کہ مسبب اور سبب کے مابین وہی تعلق ہو جو رات اور دن کے درمیان؟"

میں "ہاں میری یہ رائے نہیں، رات، دن کے بعد ضرور آتی ہو لیکن دونوں میں کوئی سببی علاقہ نہیں ہو. خیر آؤ، ہم اُسی عجیب طلسمی انڈے پر غور کریں. - نیچر کیا ہو؟ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ کب آیا؟ کیا تم "نیچر" کی تعریف بیان کر سکتے ہو؟"

وہ "نیچر کی تعریف آسان نہیں، بقول ایک حکیم کے "آسمان کے نیچے چلو اور نیچر کی تعلیمات و قوانین سے آگاہ ہو" یا بقول ایک دوسرے حکیم کے "نیچر کی بوقلمونی پر نظر کرو. ذرّے باہم وابستہ ہیں، جذب کرتے ہیں اور جذب ہوتے ہیں. نیچر کا قرب تمھیں اُس کے وصل سے شادکام کردے گا"

میں "تم کہہ چکے ہو کہ نیچر نے سب سے پہلا انڈا طیار کیا اور اُسے مختلف الاشکال زندہ پُرجمال مرکبات بنانے کی قوت بخشی. میں بغیر مزید معلومات حاصل کئے نیچر کی یہ قابلیت تسلیم نہیں کرسکتا. آخر بتاؤ تو نیچر ہو کیا بلا؟ فرشتہ ہو؟ بھوت ہو؟ کیا نیچر سنٹی کلاز (فرضی گلابی رنگ کا بوڑھا جو کرسمس میں اچھے بچوں کے لیے تحفے لاکر غائب ہوجاتا ہو) ہو، رات کو چپ چپاتے آتا اور صبح ہوتے ہی غائب ہوجاتا ہو؟"

وہ "براہ عنایت مذاق نہ کیجئے"

میں "تم کہتے ہو نیچر ہر چیز کی ماں ہو اور اُس کی اولاد سمندر کے کناروں پر بچھی ہوئی ریگ کے ذرّوں سے بھی زیادہ ہو لیکن پھر بھی تم میری اس سے تعریف نہیں کراتے"

وہ "نیچر ہر قسم کی تعریف و تعارف سے برتر ہو. اُس کے دامن میں زمین آسمان دونوں بچّوں کی طرح پڑے ہیں"

میں "تمھارے خیال میں نیچر ایک اَن دیکھی قوت نہیں ہو جسکی شخصیت، ذرات سے الگ ہو کر کارفرمائی کرتی ہو؟"

وہ "ہرگز نہیں حکیم سٹورٹ مِل کہتا ہو - نیچر ہر ہونے والی چیز کا نام نہیں ہو بلکہ وہ صرف اُس چیز کا نام ہو جو انسان کی قوت و ذات کے بغیر واقع ہوتی ہو" وہ نیچر ہی ہو جسنے ہمیں آسمان، زمین، پھول، پتی، مکھیاں اور سمندر کی مچھلیاں بخشی ہیں"

میں "لیکن تم کہہ چکے ہو کہ ہر چیز اولین ہیڈروجینی انڈے سے ہوئی ہو. اور اس طلسمی انڈے نے اپنی قوت نیچر سے حاصل کی ہو پس اب بتاؤ اس انڈے اور نیچر میں کیا فرق ہو؟"

وہ "دونوں کا تجزیہ و فصل بہت مشکل ہو. لیکن یہ یقینی ہو کہ ایک دوسرے کا مسبب نہیں ہو"

میں "خیر ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شروع میں ہیڈروجینی انڈا موجود تھا اور اُسی سے تمام کائنات وجود میں آئی. لیکن کیا تم یہ نہیں تسلیم کروگے کہ اس انڈے کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے اور اُسی خالق کو اُس کا نگراں اور مربی ہونا چاہیے؟ کائنات کا یہ ارتقا صرف ازلی و ابدی خدا ہی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہونا چاہئے"

وہ "میں یہ تسلیم نہیں کرتا"

میں "پھر خدا کی جگہ پر کسے رکھتے ہو؟ اگر انڈا فعلاً موجود تھا تو اُس کے لئے کسی عاقل ہستی کا وجود ضروری ہو. اگر انڈا خود بخود موجود ہوا اور خود اُسی نے اپنے آپ کو بنایا ہو اور خود ہی اپنا مربی و محافظ تھا تو بس: یہی وہ ہستی ہو جسے ہم خدا کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اگر اُس انڈے میں اپنے سنبھالنے اور حرکت کرنے کی ذاتی قوت نہیں تو ضرور کوئی اُس سے بھی بڑی قوت ہوگی جسنے اُسے حرکت دی اور اُس میں حسب مرضی تصرف کیا"

اسپر اُسنے غور کرنے کی مہلت مانگی.

چوتھی مجلس

دوسرے دن آنے کے ساتھ ہی کہنے لگا:

"جس چیز کو تم خدا کہتے ہو وہ محض "نظام" ہو جو کائنات میں جاری و ساری ہو. سٹوارٹ مل کہتا ہو: بلا استثنا تمام مظاہر اٹل قوانین کے ماتحت ہیں جن کی راہ میں کوئی طبیعی یا غیر طبیعی قوت حائل نہیں ہو سکتی"

میں "مل نے واقعی، علم منطق پر نفیس کتابیں تصنیف کی ہیں. کیا اچھا ہوتا اگر فلسفہ پر گفتگو کرتے وقت بھی وہ منطق ہی کی پیروی کرتا. مگر افسوس اس بحث میں آکر وہ اپنی ساری منطق بھول جاتا ہو. وہ کہتا ہو "تمام ظواہر یعنی ستاروں کی حرکت، آلو کی پیدائش، کرکٹ کا کھیل، شراب کا نشہ" اگر وہ گفتگو صرف ستاروں ہی تک محدود رکھتا تو شاید ہم مخالفت میں زبان نہ کھول سکتے. مگر جب آلو، کرکٹ کے ذکر پر آکر ہم اُسے نا ۔۔۔ کر سکتے ہیں ۔۔۔ وہ کہہ سکتا ہو کہ ان امور کا کسی دوسری قوت سے کوئی تعلق نہیں لیکن عقلمند جانتا ہو کہ اٹل قوانین کے اندر کوئی حقیقی قوت موجود ہو جو نیکی اور نیکوں کی طرف آدمی کو لے جاتی ہو. خود مل نے بھی اپنی منطقی کتاب میں تصریح کی ہو کہ اٹل قوانین کے اندر ۔۔۔ قوت مخفی ہو - یہ قوت اگرچہ حکومت نہیں کرتی مگر موجود ضرور ہو. پس اب بتاؤ "نیچر" سے تمھارا مقصود کیا ہو؟ "نیچر" اور نیچر کے قوانین میں کیا فرق ہو؟ میں ۔۔۔ اور ۔۔۔ وغیرہ کی کتابیں پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ خواص، اعضاء، نبض، کیمیا، نباتات، حیوانات، وغیرہ مباحث پر بڑے سلیقہ سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن جہاں فلسفہ میں آئے اُنکے حواس گم ہوگئے، محض ادنیٰ سطح کے آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں - اُن کی تمام تر ذہانت اسپر صرف ہوتی ہو کہ "خدا"، "معجزہ" اور "خلق" کے الفاظ پر بحث شروع کردیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہنر دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ "نیچر"، "فطرت"، "قانون"، "تاریخ" سے بدل دیتے ہیں. میں "نیچر" اور "قانون" دونوں کی علحدہ علحدہ تعریف جاننا چاہتا ہوں. تم کہتے ہو قانون، قوت فعالہ ہو یعنی زبردست محرک. لیکن اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے. یہ محض زخرف

بصائر و حکم

مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟

مومن اور منکر کا ایک دلچسپ مکالمہ

جدال فی اللہ بغیر علم!

چھ مجلسیں

پہلی مجلس

میرا بھائی ایک ایسا ہی "آزاد خیال" شخص ہو جیسے آنادخیال اشخاص بیسویں صدی کی عام پیداوار ہیں۔ بحث و مناظرہ کا اسے بہت شوق ہو۔ اپنے تیز اور تلخ خیالات کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کرتا اور جب کبھی گفتگو کرتا ہو تو اس کا معارضہ سخت اور حجت بے جھجک ہوتی ہو۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا:

"مجھے یقین نہیں آتا کہ "بلعام" کی گدھی بولی ہو جیسا کہ تورات میں بیان کیا گیا ہو!"

میں نے جواب دیا:

"میں نہایت خوش ہوں گا اگر دنیا بھر کے گدھوں کا منہ باندھ دیا جائے اور وہ کبھی اپنی کرخت آواز دنیا کو نہ سنا سکیں"

میرا جواب بھائی نے مذاق پر محمول کیا وہ سنجیدہ تھا اور علمی مباحث میں ہرگز مذاق گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسنے چین بجبیں ہو کر کہا:

"میں مہمل گفتگو پسند نہیں کرتا۔ سنجیدہ دقیق مباحث میں میرا جی لگتا ہو"

میں نے کہا:

"بہت بہتر۔ کوئی سنجیدہ مسئلہ پیش کرو تاکہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کروں"

ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہنے لگا:

"تعجب ہو آپ ہمیشہ مجھی سے سوال چاہتے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہو کہ سدا میں ہی حملہ آور رہوں اور آپ مدافعت کریں؟ آج خود آپ ہی کیوں نہ پہلا گولہ پھینکیں؟ کیا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے؟"

میں نے جواب دیا:

"کیوں نہیں! کسی عمارت کا ڈھا دینا تعمیر سے زیادہ آسان ہو لیکن مشکل یہ ہو کہ تم کوئی عمارت ہی نہیں رکھتے۔ تمھارے پاس کوئی مثبت چیز ہے ہی نہیں۔ صرف انکار اور منفی پہلو ہو۔ پھر میں کس چیز پر حملہ کروں؟ تاہم ایک مسئلہ میں تمھاری زبان سے ائمۂ الحاد کے فتوے سننا چاہتا ہوں"

اُسنے وعدہ کیا کہ میرے ہر سوال پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرےگا اور ملحدین کے افکار پوری وضاحت سے پیش کرے گا۔

میں نے سوال کیا۔

"مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟"

ساتھ ہی میں نے کہا:

"سوال بالکل آسان اور صاف ہو۔ معتقد علمائے نے اسے ضرور حل کیا ہوگا، تمھاری کیا رائے ہو؟"

وہ کچھ گھبرا سا گیا:

"یہ سوال بے فائدہ معلوم ہوتا ہو۔ اسپر بحث کی کیا ضرورت ہو؟"

اسنے جواب دیا۔

"ممکن ہو تمھارا خیال صحیح ہو"

میں نے کہا:

"لیکن اگر میری ذاتی رائے پوچھتے ہو تو میں اس سوال کو بہت اہم سمجھتا اور تمھارے جواب کا بےچینی سے منتظر ہوں۔ خود تم نے مجھ سے سوال کی خواہش کی تھی۔ اب تمھیں جواب سے گریز نہیں کرنا چاہئے"

وہ "یہ سوال بظاہر بالکل معمولی ہو لیکن دراصل اپنے اندر ایک دقیق فلسفی بحث چھپائے ہو۔ یا تو آپ اسے کسی دوسری شکل میں پیش کیجئے یا اپنا مقصود واضح کر دیجئے"

میں "تم بہت ڈر رہے ہو۔ حالانکہ تمھیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ یہ سوال کچھ جال نہیں ہو جس میں پھنس جاؤ گے۔ مجھے اس موضوع کے متعلق صرف اتنی ہی واقفیت ہو کہ انڈا مرغی کے پیٹ سے نکلتا ہو اور مرغی بچے سے بنتی ہو"

اُسنے میری تصدیق کی۔ پھر میں نے کہا:

"اگر یہ سچ ہو تو کیا علم طبقات الارض کے ماہر سر چارلس لائل نے یہ اصل قرار نہیں دے دی ہو کہ "ماضی کو حاضر کے دلائل سے واضح کرنا چاہئے؟"

وہ "بیشک"

میں "تو انڈے اور مرغی کا یہ معاملہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آ رہا ہو؟"

وہ "ہاں"

میں "تو ضرور ہو کہ پہلی مرغی اور پہلے انڈے کا وجود اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہوگا؟"

وہ "بیشک"

میں "اگر یہ صحیح ہو تو پہلی مرغی انڈے سے پہلے وجود میں آئی کیونکہ وہ انڈے سے پیدا نہیں ہوئی ہو۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو سر چارلس لائل کا اصول ٹوٹ جاتا ہو۔ کیونکہ حاضر کا مشاہدہ اس کے خلاف ہو اور ماضی کو واضح نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں ہر مرغی انڈے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حاضر کی اس دلیل و مشاہدہ سے ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ہمیشہ مرغی انڈے ہی سے پیدا ہوتی رہی ہو۔ مگر تمھیں ابھی تسلیم کرنا پڑا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

اسپر وہ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا:

"آپنے بلا بحث یہ کیسے تسلیم کر لیا کہ سب سے پہلی مرغی بغیر انڈے کے موجود ہوئی؟ خود مرغی کوئی مستقل وجود نہیں ہو۔ اُسی انڈے کی ترقی یافتہ مکمل صورت ہو۔ اگر ہم صحیح علمی اصول کی روشنی میں غور کریں تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انڈا پہلے ہوا ہو، لہذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلی مرغی بھی انڈے ہی سے وجود میں آئی ہو"

میں "بہت خوب۔ تو اب یہ طے پا گیا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا ہوئی ہو۔ یعنی انڈے کا وجود مرغی کے وجود سے پہلے ہوا یعنی سب سے پہلا انڈا مرغی کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بھی لائل کا نظریہ ٹوٹ جاتا ہو۔ کیونکہ حاضر، ماضی کی تائید نہیں کر رہا ہے سراسر مخالف ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہر انڈا مرغی ہی سے پیدا ہوتا ہو۔ پھر یہ بھی بتاؤ کہ اگر سب سے پہلا انڈا مرغی سے پیدا نہیں ہوا تو کہاں سے آیا؟ کیونکر آیا؟ کب آیا؟"

وہ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ انڈا خدا نے پیدا کیا"

میں "میں سائل ہوں، مجیب نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہو کہ آسمانی کتابوں کے قائل اس سوال کا یہ صاف اور معمولی جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں کہ سب سے پہلا انڈا خدا نے خود پیدا کیا تھا لیکن یہ بے دلیل ہو۔ اگر تم علمی دلائل و براہین سے کوئی فیصلہ کن جواب دے سکو تو میں نہایت ممنون ہوں گا"

وہ "کیا انڈے کا مسئلہ تمام حقائق کائنات پر چسپاں ہو سکتا ہو؟"

میں "بیشک۔ ضرور ہو کہ شروع شروع گیہوں کا سب سے پہلا دانہ موجود ہوا ہو، سب سے پہلی بلی ہو، سب سے پہلی گائے ہو، سب سے پہلی بکری ہو، سب سے پہلا انسان ہو۔۔۔ اگر تم انڈے کی گتھی سلجھا دو تو میں باقی تمام کائنات کو اُسی پر قیاس کر لوں گا، اور ہم آفرینش کا راز دنیا پر کھول سکیں گے"

وہ "آفرینش کا سوال بہت قدیم سوال ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہو کہ کائنات، تدریجی ارتقا کے ساتھ وجود میں آئی ہے"

میں "سچ ہو۔ لیکن اصل حیات اس سے مستثنیٰ ہو۔ زندگی کا پہلا تخم ضرور ہو کہ پیدا کیا گیا ہو۔ نظریۂ ارتقا مجھے مرعوب نہیں کر سکتا ارتقا کے لئے ضروری ہو کہ پہلے سے کوئی وجود موجود ہو، اور اُس میں تدریجی ترقی ہوئی ہو۔ لیکن عدم محض میں کیونکر ترقی ممکن ہو؟ ضرور ہو کہ پہلے انڈے کا وجود تسلیم کرو پھر اُس پر خلقت کی عمارت کھڑی کرو۔ پس میرا سوال یہی ہو کہ وہ سب سے پہلا انڈا کہاں سے آیا؟"

وہ "میں ڈاکٹر باسٹن کے اس نظریہ سے بالکل متفق ہوں کہ ہر جاندار غیر عضوی بے جان مواد سے وجود میں آیا ہو"

میں "لیکن کھسلے اور انڈال نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہو اور تمام علماء نے وہی قدیم نظریہ تسلیم کیا ہو کہ جاندار جاندار سے موجود ہوا ہو"

اسپر وہ لاجواب سا ہو گیا اور کہنے لگا باقی گفتگو کل ہوگی۔

دوسری مجلس

دوسرے دن میں نے اُس سے کہا:

"کل میں زندگی کی اصل کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ میرا سوال ایک ایسے انڈے کے متعلق تھا جو زندہ عناصر سے مرکب ہو لیکن تم نے ڈاکٹر باسٹن کا قول پیش کر دیا کہ انڈا غیر جاندار مواد سے وجود میں آیا ہو۔ حالانکہ میرا سوال جاندار انڈے کے متعلق تھا، مردہ انڈے سے بحث نہ تھی۔ لیکن خیر میں تمھاری خاطر فرض کئے لیتا ہوں کہ سب سے پہلا غیر عضوی مردہ مواد سے ظہور پذیر ہوا تھا مثلاً ہم کہیں سب سے پہلے انڈے کی اصل، ریت کا ایک ذرہ تھا مگر یہ کہنے کے بعد بھی سوال بدستور قائم رہتا ہو۔ اب اُس کی صرف لفظی شکل بدل جاتی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ وہ ریت کا ذرہ کہاں سے آیا؟"

وہ "ریگ کا ذرہ اور ہر عنصر بہت سے ایسے دقیق ذرات واجزا سے مرکب ہو جنھیں انسانی نگاہ کسی طرح بھی مشاہدہ نہیں کر سکتی لیکن باوجود اس کے ہم ان غیر مرئی ذرات کے وجود کے قائل ہیں۔ سردست ہم عناصر کا وجود تسلیم کیا جاتا ہو لیکن جو جن

میں "عجیب سہی، معجزہ نہ سہی"

اس کے بعد میں نے سوال کیا۔

"کیا تم اسپنسر کے متبعین کا یہ عقیدہ تسلیم کرتے ہو کہ تمام ظواہر زمین و آسمان۔ ایک مجہول مخفی قوت کا اعلان ہیں جو اُن کے پسِ پردہ کارفرما ہو؟ اسی قوت کا نام میری بول چال میں "خدا" ہو"

اُسنے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا:

"انسان اپنے افعال و اعمال میں کچھ اختیار رکھتا ہو یا محض مشین کے ایک پرزے کی طرح بغیر اپنے ارادہ و اختیار کے عمل کرتا ہے؟"

وہ "کاؤن کا مذہب یہ ہو کہ انسان مجبور محض ہو، قاتل اس لئے قتل کا ارتکاب کرتا ہو کہ وہ اس پر مجبور ہوتا ہو۔ قضا و قدر سے وہ بالکل بے بس ہو چکا ہوتا ہو"

میں "اس عقیدے کے ماننے والوں کا علاج یہ ہو کہ سب ایک ساتھ پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں اور ہمیشہ کے لئے دنیا کو ان سے نجات دے دی جائے"

آخر میں میں نے ایک سوال کیا۔

"ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں؟"

وہ "موت کی طرف۔ موت ہی ہم سب کی منزل مقصود ہو۔ جس دن تم مرو گے، اُس دن سے تم معدوم ہو گئے۔ یہ سچ ہو کہ جسم کے ذرات غیر فانی ہیں، ہمیشہ باقی رہینگے۔ لیکن وہ چیز جسے تم شخصیت یا ضمیر کہتے ہیں، دائمی طور پر فنا ہو جائے گی۔ مجھے قیامت یعنی دوسری زندگی کا ہرگز یقین نہیں ہو۔ میں دوبارہ زندگی کے لطف اُٹھانے کا متمنی نہیں ہوں۔ مرتے ہی، عدم محض طاری ہو جائے گا۔ روز لوگوں کو مرتے دیکھتے ہو۔ اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہو۔ آخری سانس کے ٹوٹتے ہی عقلی قوی ختم ہو جاتے ہیں اور انسان خاک میں ملجاتا ہو، خاک ہی سے اُٹھا تھا، خاک ہی میں مل گیا۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا، نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ!"

میں "تو تمھارا نظریۂ ارتقا، ایک منحوس مذہب ہو اور آخرت میں اُس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، وہ انسان کو کس قدر جلد فنا کر دیتا ہو؟ پہلے تو وہ انسان کو ابدیت کا سبز باغ دکھاتا ہو اور جب وہ مسکین قبضہ میں آجاتا ہو تو نا امید کر کے چھوڑ دیتا ہو اس کے پاس بدبخت انسان کے لئے آمید اور یقین کا کوئی سراغ نہیں"

وہ "ہمیں حقیقت کی پیروی کرنا چاہئے، نتائج کو چھوڑ دینا چاہئے"

میں: "تو تمھارا عقیدہ ہو کہ عمر ختم ہونے پر جسم انسانی کے اجزا اور عناصر مضمحل ہو کر اپنا عمل چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی قوت اصلیہ محرکہ ختم ہو جاتی ہو اور پورا کارخانہ اچانک رُک جاتا ہو۔ اگر یہی ہو تو پھر وہی طلسمی انڈا ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے قدرتی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ انڈے میں کوئی محدود قوت پوشیدہ کر دی گئی تھی، جبھی تو ایک معین زمانے کے بعد وہ ہاتھ پاؤں ڈال دیتا ہو۔ اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں؛ یا تو دائمی موت یا نئی زندگی کا آغاز، میرے دوست کیا یہ ممکن نہیں کہ جس نیچر نے ایک مرتبہ ہمارے طلسمی انڈے کو اپنی قوت کا مظہر بنایا تھا وہی کچھ مدت آرام لینے کے بعد پھر انگڑائی لے کر اُٹھے اور نئی قوت نئی مستعدی اور نئے جولے میں اپنی نمود کرے؟ یہ خیال ہماری خودداری اور شرف کے کس قدر خلاف ہو کہ ہمارا آغاز نُطفہ سے ہو اور خاتمہ دائمی فنا پر ہو جائے! یہ زندگی اور یہ موت دونوں نہایت مکروہ و نامبارک ہیں! انسان میں جو چیز سب سے افضل ہو یعنی اُس کی شخصیت، ضمیر، عقل، اور اگر خفا نہ ہو تو کہا کی روح، یہ سب تو فنا ہو جائیں اور ادنیٰ چیزیں، گوشت، پوست

ڈیاں کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ برقرار رہیں؟ یہ کیسی عجیب منطق کیسی عجیب معقولیت، اور کیا عجیب فلسفہ ہو؟"

اس گفتگو پر میرے مخاطب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگا "پھر ملینگے"۔

استدراک

مضمون مندرجۂ صدر ایک انگریز اہل قلم مسٹر جیکب ارڈر کی کتاب سے ماخوذ ہو جو حال میں شائع ہوئی ہو۔ ہم نے یہاں "ترجمہ" کی جگہ "اخذ" کا لفظ اس لئے اختیار کیا کہ اُردو میں انگریزی تحریر کے مطالب بہ تصرف منتقل کر دئے گئے ہیں۔ انگریزی عبارت کا بجنسہ ترجمہ نہیں کیا گیا ہو۔ ہمارا خیال ہو کہ اس قسم کے مطالب کو کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کا بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہو۔ بعض مقامات میں حذف و اضافہ بھی کیا گیا ہے جو ہمارے خیال میں ضروری تھا۔

تفریح و ترویح فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے

انگلستان میں ایک مشہور ممثل (ایکٹر) تھا اُس کے زمانہ میں کوئی آدمی بھی اس فن میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، ایک مرتبہ وہ اپنا تھیٹر لے کر مانچسٹر گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق دیکھنے آئی۔ خیال کیا گیا کہ ایکٹر یہاں بہت کامیاب ہوگا۔ مگر اتفاق سے اُنھیں دنوں میں ایک خوبصورت رقاصہ بھی مانچسٹر پہونچی۔ یہ عورت اگرچہ اپنے فن میں ذرا بھی مہارت نہیں رکھتی تھی، لیکن تھی نہایت حسین اور دلفریب، پبلک نے تو ایکٹر کو چھوڑ کر رقاصہ کی طرف رُخ پھیر دیا۔ شہر کے ایک معزز آدمی نے یہ حالت دیکھی تو فن سے دلچسپی ظاہر کرنے کے لئے ایکٹر کے پاس گیا، اور ہمدردی کی راہ سے کہنے لگا "افسوس، لوگوں کو فن کی قدر نہیں۔ تمھارے جیسے ماہر کو چھوڑ کر اُس جاہل عورت کے ہو گئے ہیں!" ایکٹر نے فوراً جواب دیا "نہیں حضرت! افسوس نہ کیجئے، فن، نیچر کا مقابلہ نہیں کر سکتا" ایکٹر کا مقصود یہ تھا کہ میں تو صرف فن کا ماہر ہوں، لیکن رقاصہ، نیچر کی دولت یعنی حُسن کی مالک ہو، میرا اُس کا کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہو؟

ایک مرتبہ انگلستان کی ایک کمسن شاہزادی اپنی ماں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے لندن کی ایک سڑک پر جا رہی تھی۔ راستہ میں فاقہ زدہ مزدوروں کی ایک بڑی بھیڑ دکھائی دی جو غل مچا رہی تھی، شاہزادی نے اپنی ماں سے دریافت کیا "یہ کون لوگ ہیں اور کیوں چلا رہے ہیں؟" ماں نے جواب دیا "یہ مزدور ہیں، روٹی کے لئے پریشان ہیں" شاہزادی نے تعجب سے کہا "روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں خرید لیتے!"

پرنس آف ویلز کے متعلق مشہور ہو کہ بچپن میں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں تھے۔ دسترخوان پر بڑے بڑے معزز لوگ جمع تھے اور بادشاہ اُن سے گفتگو میں مصروف تھا۔ کھانے کے دوران میں ولیعہد نے اچانک بادشاہ سے کہا "بابا، بابا!" بادشاہ نے لڑکے کو جھڑک دیا اور خاموش رہنے کا حکم دیا، جب گفتگو ختم ہوئی تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا "کہو کیا کہتے تھے؟" ولیعہد نے کہا "اب کچھ نہیں، اُس وقت آپکے کیک میں ایک کیڑا تھا، میں اُسی کی بابت کہنا چاہتا تھا مگر آپنے مجھے چپ کر دیا اور کیڑا کھا گئے!"

شاہ ایڈورڈ کا قصہ ہو کہ ولیعہدی کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا اور ۵ پونڈ طلب کئے۔ ملکہ نے روپیہ کے بجائے لمبا چوڑا خط بھیجا اور کفایت شعاری کی خوبیاں بتائیں۔ ایک ہفتہ بعد ولیعہد نے ماں کو شکریہ کا خط لکھا "آپکا خط موصول ہوا۔ اب مجھے ۵ پونڈ کی ضرورت نہیں ہو، کیونکہ میں نے آپ کا خط ۲۰ پونڈ میں فروخت کر ڈالا!"

موجودہ شاہ جارج کے متعلق مشہور ہو کہ بچپن میں انھوں نے اپنی ایک کھلائی سے فرمائش کی کہ انھیں کوئی کہانی سُنائے۔ کھلائی نے کہا نہیں تم خود کوئی کہانی لکھ کر مجھے سُناؤ۔ چنانچہ شہزادہ نے حسب ذیل کہانی لکھی:

"ایک حقیر جھونپڑے میں میاں بیوی رہتے تھے، دونوں الکل مفلس تھے۔ کچھ بھی کھانے کو نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دو دن گزر گئے اور انھیں کھانے کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملا۔ شوہر نے اپنی بیوی کو روتے دیکھکر پوچھا:

"پیاری کیا بات ہو؟"

"بھوک سے میرا دم نکلا جاتا ہو" عورت نے روتے ہوئے جواب دیا۔

شوہر نے کہا "میں ابھی بندوبست کرتا ہوں"

چنانچہ وہ اُٹھا، گھنٹی بجائی، خادم دوڑا آیا، اور اُسنے اُس سے کہا "میری بیوی کے لئے ابھی پلیٹ میں روٹی اور مکھن لاؤ"

۱۹۱۵ء میں مسٹر لائڈ جارج اپنی موٹر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں شام ہو گئی۔ ڈرائور موٹر روک کر اُترا اور لالٹین جلانے لگا۔ مسٹر لائڈ جارج بھی اُتر پڑے اور پیچھے کی بتی دیکھنے لگے۔ ڈرائور اپنے کام سے فارغ ہو کر تیزی سے اپنی جگہ پر آبیٹھا اور موٹر چھوڑ دی، اُسے کیا معلوم تھا کہ لائڈ جارج گاڑی کے پیچھے کھڑے ہیں، موٹر چلدی اور یہ پیچھے کھڑے چلاتے رہ گئے، اب رات اندھیری ہو گئی تھی۔ لائڈ جارج سخت پریشان تھے، اُن کا مکان ۵ میل دور تھا، مجبوراً پیدل چلے تھوڑی دور پر پاگل خانہ تھا، اُنھوں نے خیال کیا شاید یہاں کوئی سواری مل جائے، اطمینان سے آگے بڑھے اور پھاٹک پر دستک دی، دربان آرام کر رہا تھا، دستک سُنکر خفا ہوا، اور دروازہ کھولا، وزیر نے اپنی معذرت بیان کی اور موٹر کے لئے درخواست کی، مغرور دربان نے حقارت سے سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے لگا۔ لائڈ جارج نے اُسے روکا اور کہا "تم جانتے نہیں میں وزیر مال ہوں!" دربان نے کہا "درست، درست! وزیر صاحب اسوقت ہمارے پاگل خانے میں آپ جیسے چند وزیر بند ہیں، اگر پسند کریں تو آن سے حضور کی ملاقات کرا دوں! بہتر یہ ہے کہ اسی سڑک پر سیدھے چلے جاؤ، زیادہ مسافت نہیں ہو۔ تڑکے تڑکے گھر پہنچ جاؤ گے!"

وزیر کی پھر کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی اور خاموش روانہ ہو گئے، مگر خوش قسمتی سے ڈرائور اُن کی تلاش میں موٹر لئے واپس آیا۔

ایک مرتبہ ایک دولتمند عورت نے اپنے محلہ کے تمام لڑکوں کی دعوت کی۔ لڑکے کھاتے جاتے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا "کل میرے باپ نے مجھے ایک چمچہ خرید کر دیا ہو جس پر لکھا ہو "باپ کا تحفہ بیٹے کو" اس پر دوسرے لڑکے نے کہا "بہت شیخی نہ بگھارو کل میرے باپ نے بھی مجھے ایک چمچہ دیا ہو جس پر لکھا ہو "سیوائے ہوٹل" اس طرح لڑکے نے اپنے باپ کی چوری نادانستہ کھول دی۔

ایک فلسفی کہتا ہو "شادی کا مطلب یہ ہو کہ ۳ ہفتے تعارفات کے تین مہینے محبت کے، تین سال باہمی تکرار اور جھگڑے کے، پھر تیس سال درگذر اور چشم پوشی کے!"

نہیں بلکہ سراسر دعوئی ہی دعوئی ہو"

وہ " لیکن اب تمام علماء بالاتفاق یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر چیز بلا کسی آمیزش کے "قانون" ہی کے ذریعہ واقع ہوتی ہو"

میں " ہمارے ملک کی تمام تجارت "مال" کے ذریعہ چل رہی ہو لیکن ظاہر ہے خود مال اپنے ارادہ سے تجارت نہیں چلا رہا ہو۔ مال، قادر یا جاندار قوت نہیں ہو۔ تمام سلطنت قانون سے چل رہی ہو۔ مگر خود قانون حکمران نہیں ہو بلکہ جج اور مجسٹریٹ قانون کے بموجب عمل کرتے ہیں، کہا جاتا ہو نیچر میں کچھ قدیم موروثی قوی ہیں اور ڈاروِن کے بقول وہی فعّال و مؤثر قانونی قوت ہو جو نظام عالم میں جاری و ساری ہے۔ بہت بہتر۔ مگر آپ کچھ بہت دُور کی کوڑی نہیں لائے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کرتے کہ "خدا" کے لفظ کی جگہ دو لفظ: نیچر اور قانون رکھ دیے۔ یعنی وہ اندھے، بہرے، گونگے وجود۔ تو تو اُن یونانیوں سے بھی بدتر ہو جو ایک نامعلوم دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ وجود میں کوئی ایک قوت یا فعّال ہستی موجود ہو، یا یہ کہ ہیڈروجینی انڈے میں حیات پائی گئی۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ آخر یہ انڈا بنا کیسے؟ کیونکر محفوظ رہا؟ کس طرح ایسے عجیب رُوپ بھر سکا جو انتہائی عقل و ذہانت پر دال ہیں؟ سچ یہ ہو تم واجب الوجود خدا کی جگہ ایک غیر موجود کو بٹھاتے ہو حالانکہ ساتھ ہی ایک فعّال قوت کے وجود کو بھی مانتے ہو اور یہ کہ ذرات، ازلی ابدی قوتوں سے رُونما ہوئے ہیں۔ اب براہ عنایت مجھے بتا دو کہ اس ہیڈروجینی انڈے کا جھٹا کس سے لگا؟ کیونکر لگا؟ کب لگا؟ کون اُس کے نیچے اپنے پیٹ کے نیچے رکھ کر سینے بیٹھا؟ کس نے بچہ پیدا کرایا؟ تمھیں "خدا" پسند نہیں "قانون" اور "نیچر" کے لفظوں پر فریفتہ ہوگئے ہو بہت بہتر، یہ رشتہ مبارک ہو اور پھل پھول لائے، لیکن تم یہ بتانے پر راضی نہیں کہ آخر "میاں قانون" نے "بی نیچر" سے کیونکر شادی کی اور بچے کیسے جنے؟ انسانی قلوب میں کوئی حکمران قوت ضرور موجود ہو لیکن ہربرٹ اسپنسر کہتا ہو" ہم اس قوت کو ہرگز نہیں جان سکتے" میں تم سے اس معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ عقل، حق کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہو، مسٹر اسپنسر بھی کہتا ہو کہ "نیچر ایک نامعلوم قوت کا مظہر ہو اور یہ کہ انسان اس قوت کے بھید سے قطعاً جاہل ہو" لیکن اسپنسر کیونکر سمجھ سکے کہ قانون قدرت کے پیچھے ایک قوت موجود ہو؟ نیز مسٹر ڈینٹل نے اس خیال کی کس بنا پر تائید کی اور کیوں یقین قائم کیا کہ ہم سبب اول کا علم کسی طرح بھی حاصل نہیں کرسکتے" ان اقوال کی روشنی میں تم دیکھ سکتے ہو لا مذہبوں اور اہل مذاہب میں فقط لفظی جھگڑا ہو۔ اہل مذاہب جس چیز کو "خدا" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں بعینہ اُسی چیز کو لامذہب "نیچر کے مافوق قوت" بتاتے ہیں، دونوں گروہ اس قوت کو فعّال اور ازلی ابدی قرار دیتے ہیں۔ سارا جھگڑا صرف لفظ "خدا" میں ہو"

وہ "لیکن فلاسفہ تمھارے خدا کا مذاق اُڑاتے ہیں کیونکہ تم نے اُسے ایک خاص شخصیت، اخلاق، اور عقلی و ذہنی اوصاف کا مالک بنا رکھا ہو"

میں "لیکن تم بھی تو تسلیم کرتے ہو کہ اگر وہ مافوق فطرت قوت معدوم ہوجائے تو کائنات میں کوئی چیز بھی رونما نہیں ہوسکتی۔ یہ تسلیم کرکے تم بھی میرے اس ایمان میں شریک ہوجاتے ہو کہ ایک فعّال قوت موجود ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہ قوت کوئی ایسا اثر ظاہر کرسکتی ہو جو اُس کے اندر ذاتی طور پر موجود نہیں؟ زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر وہ قوت خود عاقل و مدرک نہیں تھی تو اُس نے تمھیں کیونکر عاقل و مدرک بنا دیا؟ تمھارے اندر یہ ذہانت و عقل کس سرچشمہ سے آئی؟"

وہ "مجھے اپنے آباء [illegible] سے ورثہ میں ملی ہو"

میں "درست! اور یہ بھی مسلّم ہو کہ تمھارے ایک جدِ امجد حضرت بندر بھی ہیں؟"

اس جملہ پر وہ خفا ہوگیا۔ میں معذرت کرکے آگے بڑھا:

"اسپنسر وغیرہ فلاسفہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر کے پرے ایک مجہول قوت موجود ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی بکواس کرتے ہیں۔ ذرات و جزیات کا ذکر کرتے ہیں، اُن کا حجم و وزن بتاتے ہیں اور اُنھیں جمع کرنے والی قوت کا بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر جب میں پوچھتا ہوں یہ ذرات و جزیات کیا چیز ہیں؟ تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں "۶۴ عنصر موجود ہیں اور یہ سب ہیڈروجینی کی مختلف شکلیں ہیں" بہتر لیکن خود ہیڈروجینی کیا ہو؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ جواب ندارد۔ اصل یہ ہے فلاسفہ کا گروہ علم اور دین دونوں سے بے بہرہ ہو۔ قانون کشش کو بڑے شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی قانون کے بموجب سیب زمین پر گرتا ہو۔ سورج، زمین کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور زمین، سورج کو۔ مانتا ہوں مگر خود کشش، جذب، جاذبیت کیا چیز ہو؟ کوئی جواب نہیں ملتا۔ "ایتھر" کا ذکر کرتے ہیں جو ہوا سے کہیں زیادہ لطیف ہو۔ اور کہتے ہیں "روشنی اسی ایتھر کے اہتزاز و ارتعاش کا نتیجہ ہو" بہت خوب۔ مگر خود "ایتھر" کیا ہو؟ خاموشی! آخر مجبور ہو کر لانگ تک کو اعتراف کر لینا پڑا کہ "ہمیں یقین ہو ہم اشیاء کی ماہیت و حقیقت نہیں جانتے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی یقین ہو کہ اشیاء کا سلسلہ معقول ہو"

اس پر گفتگو ختم ہوگئی۔

پانچویں مجلس

دوسرے دن پھر میں نے کہا:

"کیا تمھیں یقین ہو کہ ذرہ سے لیکر سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان حتیٰ کہ انسان تک کی پوری زنجیر میں کوئی کڑی الگ نہیں ہو؟"

وہ "ہرگز نہیں۔ اگرچہ پروفیسر ولیس کہتا ہو کہ نیچر میں متعدد ایسے دور اور بکثرت ایسے حالات پائے گئے ہیں جن میں خارجی مؤثرات نے مداخلت کی ہو لیکن ڈاروِن نے اس قول سے اختلاف کیا ہو۔ اہل الفکر کی رائے اگرچہ قابل احترام ہو لیکن محض ایک بے دلیل دعویٰ ہے"

میں "ولیس یہ بھی تو کہتا ہو کہ انسان میں موسیقی، ریاضی، ذہانت اور رقت کے اوصاف اُسے ہرگز اپنے اسلاف حیوانات سے ورثہ میں نہیں ملے ہیں"

وہ "یہ دعویٰ ہے مگر دلیل؟"

میں "نیز وہ کہتا ہو: انسان میں جو ایک خاص قابلیت ہو وہ اُس کے اندر ایک خاص روح یا طبیعت کا پتہ دیتی ہو"

وہ "لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں"

میں "اگر ہم اس علامہ کے قول سے متفق نہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ نیچر ایک اندھی بڑھیا تھی، اُس کے پیٹ میں مرکزہ اندھی غبار کے ذرات بھرے پڑے تھے جو تاریکی میں محض اتفاقات سے بڑھے اور پلے حالانکہ اس فیلسوف کا نظریہ یہ ہو کہ "عالم مادہ میں ایک دوسرا عالم روح بھی ہو جو ذرات کی امداد کرتا اور اُن میں قوت و حرکت پیدا کرتا ہو"

وہ "لیکن یہ بھی دلیل نہیں"

میں "تم قائل ہو کہ بسائط (غیر مرکب) یا جزئیات یا ذرات اولین مادہ ہیں، یہی سب سے پہلے جوہر ہیں اور تمام کائنات انھی سے بنی۔ نیز تم یہ بھی مانتے ہو کہ یہ بسائط یا ذرات اپنی حرکت اور نشو و نما کے لئے ایک اور قوت کے محتاج تھے۔ لیکن جب میں تم سے اُس قوت کی حقیقت دریافت کرتا ہوں تو تم سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ تمھاری پرواز یہ ہوسکتی ہو کہ گزشتہ دنیا پر دیکھ کر اُس قوت کے متعلق کچھ سرسری رائے ظاہر کردو۔ لیکن ہربرٹ ولیس کا نظریہ یہ ہو کہ غیر معنوی ہوا سے [illegible] تخم حیات پہنچ گیا۔ اس تخم سے نباتات کا ظہور ہوا، نباتات سے حساس حیوان پیدا ہوا اور حساس حیوان سے عاقل و ذہین حیوان یا انسان ظاہر ہوا۔ یہ علامہ کہتا ہو "یہ تمام ادوار ایک عجیب دانائی اور مکمل نظام پر دلالت کرتے ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر یقین ہوجاتا ہو کہ ایک عالم رُوحانی ضرور موجود ہو جس کی ہمہ گیری کے سامنے عالم مادی محض دوسرے درجہ کی چیز ہو"

وہ "یہ تو اس علامہ کا قول ہو مگر عالم روح کے وجود کا ثبوت؟"

میں "قطعی ثبوت پیش کرنا تو بہت مشکل ہو۔ لیکن ہمیں تمام نظریوں کو سامنے رکھ کر اُس نظریہ کو بہرحال قبول کرنا پڑتا ہو جو عقل سے زیادہ قریب ہو۔ جذب، اتصال، کشش یعنی یہ مقناطیسی قوت کہاں سے آئی؟ نظریۂ ارتقاء ہمیں کوئی جواب نہیں دیتا۔ نیچر کا قانون ہو کہ سیب آسمان پر اُڑ کر نہیں چلا جاتا بلکہ ہمیشہ ٹوٹ کر زمین ہی پر گرتا ہے۔ لیکن کل میری بیوی اس قانون کی راہ میں سدِّ راہ ہوگئی۔ اُس نے سیب ہاتھ سے روک لیا اور زمین پر گرنے نہیں دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ کوئی اور مخفی قوت بھی ضرور موجود ہے!"

وہ "اگر تم اُس عالم روح کا مجھے یقین دلا دو تو ازحد ممنون ہونگا"

صحبت کل کے لئے ملتوی ہوگئی۔

چھٹی مجلس

میں: "مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش سے پست ترین اقوام تک میں بھی مذہب موجود تھا؟"

وہ "ہاں"

میں "تو انسان میں مذہب کا خیال اُسی طرح جبلّی ہو جس طرح چڑیوں میں اپنا گھونسلہ بنانے کا اور شہد کی مکھی میں چھتا طیار کرنے کا؟"

وہ "ہاں"

میں "مذہب کا یہ خیال انسان کی فطرت میں کیسے پیدا ہوا؟"

وہ "ترقی و ارتقاء کے ذریعہ"

میں "یعنی جس طرح سیب جنگلی سیب سے، بادام جنگلی بادام ترقی کرکے ظاہر ہوا ہے اُسی طرح انسان نے بندر کے درجہ سے ترقی کی ہو؟"

وہ "ہاں، علماء و فلاسفہ کا یہی خیال ہو"

میں "تو بندر میں بھی، کہ جس سے انسان نے ترقی کی ہو، ضرور ناقص اخلاقی شعور یعنی ضمیر موجود ہوگا؟ ضرور ہو کہ حیوانات میں اس قسم کا کچھ نہ کچھ شعور موجود ہو، ورنہ اُن کی ترقی یافتہ صورت انسان میں ہرگز نہ پایا جاتا... اگر یہ صحیح ہو تو انسان کی اخلاقی ذہنیت نے اسی بندر سے بتدریج ترقی کی ہوگی اور وہ آہستہ آہستہ مذہب و عقائد وغیرہ پر غور کرنے لگا ہوگا پھر مثلاً اُس نے تورات بنائی، اُس نے انجیل لکھی، قرآن مرتب کیا، اور دنیا میں مذہب پھیل گیا؟"

وہ "بیشک"

میں "تو اب ہمیں بندر سے اُتر کر سانپ بچھو، مچھلی اور چڑیوں کی بابت بھی یہی کہنا چاہیے کہ ان میں بھی یہ دینی شعور موجود تھا، پھر اور نیچے اُتر کر کیڑے کو دیکھنا چاہیے جو مادۂ حیات کا ابتدائی سرچشمہ ہو۔ پھر چونکہ کیڑے ننھے ننھے ذرات و جزیات سے مرکب ہو اس لئے ان ذرات میں بھی اس شعور کو تسلیم کرنا چاہیے۔ پھر اور چند سیڑھیاں نیچے اُتر کر ہیڈروجین یعنی اُسی انڈے کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہیے جو تمام کائنات کی اصل الاصول ہو اور بعد ادب مان لینا چاہیے کہ اس انڈے میں بھی یہ شعور موجود تھا۔ واقعی یہ عجیب انڈا تمام معجزوں کا باپ ہو"

وہ خفا ہوگیا کیونکہ میں نے معجزہ کا لفظ استعمال کیا تھا، کہنے لگا:

"معجزہ بکیے مگر براہ عنایت معجزہ نہ کہیے"

کے ختم ہونے سے پہلے اُن کی تعداد ۔۔۹ تک پہنچ جائے گی، وزارت کا ایک بڑا کارنامہ، وہ قانون ہے جو حکام کے لئے بنایا گیا ہے، اِس قانون نے حکام کے فرائض و اختیارات صاف صاف واضح کردیئے ہیں اور اُنھیں بے سبب معزولی کے خطرہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا ہے"

تعزیری قوانین کے متعلق وزیر نے بیان کیا:

"۔۔ ضابطۂ قوانین صرف دس مہینے سے جاری ہوا ہے، پہلے ضابطہ میں صرف ۲۶۰ دفعات تھیں مگر اس میں ۶۴۰ دفعات ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے انصاف کی جو راہیں بند تھیں، اب کھل گئی ہیں۔ پہلے انصاف، سب کے لئے یکساں نہ تھا، امیروں اور طاقتوروں کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں اور غریبوں اور کمزوروں کا حق مارا جاتا تھا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے۔ قانون کی نظر میں سب بالکل برابر ہوگئے ہیں"

وزیر کے بیان میں سب سے اہم حصہ وہ تھا جس میں اُنھوں نے موجودہ ترکی عدالتوں کی حیثیت کے متعلق یورپین مبصروں کی شہادتیں پیش کی تھیں، اُنھوں نے کہا۔

"معاہدۂ لوزان کے بموجب ہمنے ۵ سال کے لئے چار یورپین قانونی مشیر ملازم رکھے تھے۔ ہم نے اُن سے اپنی عدالتوں کی موجودہ حیثیت کے متعلق رپورٹ طلب کی تھی۔ اُنھوں نے اب یہ رپورٹ پیش کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں" اِس تمام مدت میں ترکی عدالتوں کے خلاف ہمارے سامنے ۹ شکایتیں پیش ہوئیں۔ ہم نے جانچ کرکے معلوم کرلیا کہ وہ سب کی سب بالکل بہتان ہیں۔ ہماری ملازمت عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ ہم اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے اور ہر جگہ یہ اعلان کرینگے کہ موجودہ ترکی عدالتیں، اپنے افسروں کی دیانت، قابلیت، انصاف پسندی، اور مقدمات کے جلد سے جلد فیصلہ کرنیکی وجہ سے دُنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ عدالتوں سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہیں"

وزارت تعلیم

مصطفےٰ نجاتی بک وزیر تعلیم نے اپنے محکمہ کے متعلق بیان کیا:

"سنہ ۱۹۲۶ء میں ابتدائی مدارس کی تعداد ۶۵۰،۵ تھی، مدرسوں کی تعداد ۳۹ ۱۰،۵۔ اور طالب علموں کی ۵۹ ۳۴۶،۴ تھی لیکن اب مدرسے ۸۸۰،۵ ہیں، مدرس ۷۶۹، ۱۱ ہیں اور طالب علم ۴۵۵،۸۵ ۳ ہیں"

اِس کے بعد وزیر نے پوری تفصیل سے اپنی وزارت کی کوششوں پر تبصرہ کیا اور بتایا ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں کیا کیا ترقیاں ہوئی ہیں۔ پھر تعلیم و تربیت کے اُس بورڈ کا ذکر کیا جو انگورہ میں قائم ہوا ہے۔ نیز تعلیمی انسپکٹروں کی کارگزاریاں سنائیں جو تمام ملک میں دَورہ کرتے پھرتے ہیں، اُنھوں نے اپنی تقریر اِس تصریح پر ختم کی

"اِس سے پہلے ہمارے ملک میں تعلیم نہ دنیا کے لئے مفید تھی نہ دین کے لئے، لیکن اب اُس کی حالت بالکل بدل گئی ہے اب ہماری تعلیم ہر قسم کے بار سے آزاد ہے، دل و دماغ کو آزاد کرتی ہے۔ جدید ترین علمی اصول پر جارہی ہے۔ ترکی قومیت کا جذبہ جگاتی ہے، ترکی قوم کو صحیح معنوں میں زندہ قوم بنارہی ہے۔ مختصر یہ کہ اب ہماری تعلیم کا مطمح نظر ترکی صدر جمہوریت کے لفظوں میں یہ ہے۔

"تعلیم کی غرض یہ نہیں ہونی چاہئے کہ اُس سے مستفید ہوکر لوگ باتونی اور مغرور بنیں۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنی مادی و معنوی زندگی میں کامیابی حاصل کی جائے"

بحری و بحری فوج

رجب بک وزیر جنگ نے بری فوج کے متعلق یہ نہایت مختصر مگر اہم تصریح کی:

"جمہوری فوج، اپنے جملہ تعلقات و ترتیبات کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ فوج کی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے میں صرف اسی قدر کہونگا کہ وہ مستقبل قریب میں وطن مقدس کی حفاظت کے لئے پوری طرح آراستہ ہے۔ مستقبل قریب سے میری مُراد یہ ہے کہ "کل"!

وزیر بحر احسان بک نے کہا،

"بحری وزارت جمہوری بیڑے کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے"

ہیٹ کا قضیہ

جزیرۂ قبرص کے شرعی محکمہ نے ایک مسلمان کو اِس جرم پر میراث پانے سے محروم کردیا ہے کہ اُس نے ہیٹ پہننا شروع کردیا ہے۔ ٹرکی میں یہ خبر پہنچی تو اخبارات کے نامہ نگار یہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے سوال کیا۔ مفتی کا جواب حسب ذیل تھا:

"ٹرکی میں لاکھوں مومن، ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر اِس سے اُن کے دینی عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ قبرص کے شرعی محکمہ کا یہ حکم، جہالت، تعصب اور ریاکاری پر مبنی ہے۔ شریعت کی نظر میں اِس کی کوئی قدر و قیمت نہیں"

مزدوروں کا قانون

عنقریب انگورہ کی قومی پارلیمنٹ اُس مسودۂ قانون پر غور کرنے والی ہے جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے متعلق طیار کیا گیا ہے۔

اِس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ دس سال سے کم عمر بچوں کو مزدور نہیں بنایا جائے گا۔ مزدوری کا وقت روزانہ دس گھنٹے ہوگا جن میں ایک گھنٹہ آرام کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اگر کوئی ناگزیر ضرورت پیش آجائے تو حکومت کی اجازت سے بارہ گھنٹے بھی مزدوروں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مگر اِس صورت میں زیادہ گھنٹوں کی مزدوری دُگنی دی جائے گی اور اِس کے بعد مزدور کو بارہ گھنٹے آرام کے لئے دیئے جائیں گے۔ کوئی مزدور اچانک کام سے علحدہ نہیں کیا جاسکے گا۔ طرفین کو پندرہ دن پہلے نوٹس دینا ضروری ہے۔ علحدگی کے وقت مزدور کو اُس کی پوری اُجرت دی جائے گی۔ کارخانہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی تندرستی کی حفاظت کریں۔ اُنکے لئے مفت دواخانے اور ڈاکٹر مہیا کریں اور اُنھیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش کریں۔ جو مزدور کام کے دَوران میں مرجائیں، اُن کی تجہیز و تکفین کارخانہ داروں کے ذمہ ہوگی۔ نیز اُنکے خاندان کو اُن کی روزانہ مزدوری کا چھ سو گنا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

پٹرول کے چشمے

عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر کا قائم کردہ صنعتی و تجارتی بنک "موفقہ" اور "شارکوئی" کے علاقہ میں پٹرول کے چشمے تلاش کررہا ہے۔ حکومت نے اُسے زمین کھودنے کی اجازت دے دی ہے اگر چشمے مل گئے تو اُن سے کام لینے کے لئے بنک سرمایہ داروں سے معاملہ طے کرے گا۔

ترکی کلب

جدید قومی حرکت کے ساتھ اناطولیہ کے طول و عرض میں بکثرت کلب قائم ہوگئے تھے، یہ کلب پچھلے نازک زمانہ میں وطنی جہاد کے مرکز تھے، اور اب امن کے زمانہ میں قومیت کے مدرسے بن گئے ہیں۔ حال میں تمام کلب گھروں کی ایک جلسی کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی، دو سو دس نمائندے مختلف علاقوں سے منتخب ہوکر شریک ہوئے۔ محمود آسعد بک وزیر محاکم عدالت نے صدارت کی۔ اُن کا خطبہ اِس جملہ سے شروع ہوا "جمہوریت ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ترکی کلب قائم ہیں" اور اِس عبارت پر ختم ہوا "قومی جذبہ جیسا کہ ہمارا وطنی شاعر کہتا ہے، ایک بے روک سیلاب ہے جو زمانہ کا شکم توڑ کر بہتا اور راہ کی تمام رکاوٹیں اپنی قوت قاہرہ سے دُور پھینک دیتا ہے" میں اِس پر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ قومی جذبہ، روشن حقیقت کا سیلاب ہے جو تمام تاریکیاں نابود کردیتا ہے اور قوموں کو اُن کی قومی زندگی کی درخشاں صبح میں پہنچا دیتا ہے"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔
منیجر "الہلال" کلکتہ

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

جدید وزارت

عدلی پاشا یکن کی وزارت پچھلے دنوں مستعفی ہوگئی تھی۔ استعفا کا سبب بالکل معمولی تھا۔ پارلیمنٹ میں مصری بنک کی اعانت کے سلسلہ میں بعض ممبروں نے تجویز پیش کی تھی کہ اِس اعانت پر وزارت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مجلس نے اتنی ذرا سی بات پر شکریہ غیر ضروری سمجھا اور تجویز مسترد کردی۔ وزارت نے پارلیمنٹ کے اِس فعل کو بے اعتمادی پر محمول کیا اور استعفا دیدیا۔ حالانکہ یہ محض غلط فہمی تھی جیسا کہ سرکاری طور پر اعلان ہوچکا ہے۔ لیکن چونکہ استعفا پیش کیا جاچکا تھا اِس لئے وزارت نے واپس لینے میں اپنی سُبکی دیکھی اور فیصلہ پر قائم رہی۔

مقام مسرت ہے کہ اِس واقعہ سے سیاسی پارٹیوں کے اتحاد میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ مصر کے برطانی "دوستوں" نے اِس کی بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ نئی وزارت میں پارٹیوں کا وہی تناسب ہے جو پُرانی وزارت میں تھا۔ بلکہ اُس کے تمام رُکن بھی وہی ہیں جو سابق وزارت میں تھے۔ صرف سابق وزیر اعظم عدلی پاشا نہیں ہیں لیکن اُنھی کی پارٹی کے ایک رُکن عبدالخالق ثروت پاشا وزیر اعظم ہیں۔

مصر ٹرکی کی روش اختیار کررہا ہے

ٹرکی کے موجودہ انقلاب نے مصر کی اجتماعی و ذہنی حالت پر بہت اثر ڈالا ہے۔ مصر اگرچہ موجودہ تمدن سے مدت ہوئی متاثر ہوچکا تھا لیکن علماء ازہر کا رسمی اقتدار نئی اصلاحات کا مخالف تھا، اور نیا طبقہ اِن کی مخالفت پر قادر نہ تھا۔ اب ترکی انقلاب نے ملک میں ایک نئی ذہنیت پیدا کردی ہے۔ مواد پہلے سے پختہ ہوچکا تھا۔ ایک نئی جنبش کی ضرورت تھی اور وہ ٹرکی کے انقلاب سے پیدا ہوگئی۔ اب اچانک صورت حال اِس درجہ منقلب ہوگئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ازہر کا اقتدار بھی ختم ہوچکا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور موجودہ پارلیمنٹ، دونوں کی کوشش ہے کہ ٹرکی کی طرح مصر کی سیاسی زندگی پر سے بھی سرکاری علماء کا اقتدار اُٹھادیں تاکہ سیاسی اصلاحات بے روک ٹوک نافذ کی جاسکیں۔ لیکن جو لوگ قدیم و جدید کی نزاع میں معتدل روش رکھتے ہیں وہ اِس پر اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ علماء قدیم کے جمود کا یہ رد عمل درجۂ افراط و تفریط تک پہنچ جائے گا۔

یہ جدوجہد اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحوں، پارلیمنٹ کے جلسوں، مقرروں کی تقریروں، اسکولوں کے کمروں حتیٰ کہ خانگی حلقوں تک میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ علماء بُری طرح لے دے ہو رہی ہے اور اُنھیں ترقی و اصلاح کا دشمن ثابت کیا جارہا ہے۔ یہ جدوجہد اتنی وسیع اور قوی ہے کہ علماء اُس کے مقابلہ میں پیچھے ہٹتے چلے جارہے ہیں اور شکستوں پر شکستیں اُٹھارہے ہیں۔ چنانچہ نکاح و طلاق اور تعدد ازدواج کے مسائل میں علماء ازہر کی رائے کے خلاف حکومت نے بے تامل فیصلہ کردیا۔ نئے اصلاحی قوانین معیشت کے سلسلے میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔

علماء ازہر کی بے وقعتی کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ گزشتہ پارلیمنٹ میں شیخ الازہر پر خیانت، غبن، اور فریب دہی کا علانیہ الزام لگایا گیا، اور سربرآوردہ ممبروں نے مطالبہ کیا کہ اُن پر مقدمہ چلایا جائے۔ اِس معاملہ کا تعلق اُس خلافت کانفرنس سے تھا جو دو برس پہلے علماء ازہر نے منعقد کی تھی۔ شیخ ازہر نے محکمۂ اوقاف سے تین ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) یہ کہکر وصول کئے تھے کہ دینی مدارس پہ خرچ کئے جائیں گے، لیکن اب یہ راز طشت ازبام ہوگیا ہے کہ یہ تمام

بریدِ شرق

مکتوبِ انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

ٹرکی اور بلغاریہ

مشہور "معاہدۂ ٹیرانا" کے بعد بلقان میں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ معاہدہ اٹلی اور البانیا کے مابین اسی سال ہوا ہے اور اس کی رُو سے البانیا تقریباً اٹلی کی ماتحتی میں آگیا ہے۔ اس معاہدہ نے یوگوسلاویا (سرویا) کو بہت ناراض کردیا ہے، اور اٹلی کے میدان میں آجانے کے بعد بلقان کا سیاسی توازن ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد ہی اٹلی نے ہنگری سے بھی ایک معاہدہ حال ہی میں سرانجام دیا ہے اس نے صورتِ حال میں اور بھی زیادہ پیچیدگی پیدا کردی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عنقریب رومانیا بھی اٹلی کی گود میں جا رہا ہے۔ اور کوشش کی جارہی ہے کہ بلغاریہ کو بھی ملا لیا جائے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بلقان میں ایک نئی سرگرمی رونما ہوئی ہے اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ کا جتھا بن گیا ہے یا عنقریب بن جانے والا ہے۔ اس جتھے کی اصلی غرض کیا ہے؟ دو سمجھی جاتی ہیں:

(۱) البانیہ پر اٹلی کا قبضہ

(۲) بالشویک روس کے خلاف مشرقی یورپ کی سلطنتوں کا اتحاد۔

درحقیقت یہ صورتِ حال برطانیہ کی خارجہ پالیسی نے پیدا کی ہے اور روس کے خلاف عالمگیر جہاد شروع کرنے کی طرف یہ اہم کا خطرناک عملی قدم ہے۔

اس بلقانی پیچیدگی نے یوگوسلاویا کی پوزیشن بہت خراب کردی ہے، وہ اس جتھے میں شریک نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ البانیہ پر اٹلی کا اقتدار اُسے کسی حال میں بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہے اور اُس کی سلامتی کو واقعی خطرہ درپیش ہے۔ یوگوسلاویا کے بعد اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ اثر ٹرکی پر پڑتا ہے، کیونکہ بلقان کی ہر تبدیلی اُس کے حال و مستقبل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی بھی پریشان ہے اور یوگوسلاویا کے ساتھ علانیہ ہمدردی ظاہر کر رہا ہے۔

ٹرکی کی بظاہر یہ کوشش ہے کہ مذکورۂ بالا جتھے کے مقابلہ میں یوگوسلاویا، بلغاریہ، یونان اور ٹرکی مل کر ایک جتھا قائم کریں۔ مگر اس راہ میں سخت مشکلات ہیں۔ یوگوسلاویا، بلغاریہ کے بہت سے علاقے دبائے بیٹھا ہے اس لئے بلغاریہ اُس سے ملنے پر طیار نہیں۔ ادھر یونان اپنی ناقابلِ فراموش بربادیوں کی وجہ سے ٹرکی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ تاہم کوشش ہو رہی ہے۔ اس کوشش کی ایک تازہ مثال وہ اہم مضمون ہے جو محمود بک نے اپنے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" میں بلغاریہ کے متعلق شائع کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ترکی جمہوریت نے بلغاریہ سے تعلقات بڑھانے میں ہر ممکن سعی کی اور پورے اخلاص سے کام لیا۔ چنانچہ ایک خاص سفیر صوفیا بھیجا اور تجارتی معاہدہ کے لئے گفت و شنید کی۔ بڑی جد و جہد کے بعد بالآخر معاہدہ پر دستخط ہوگئے۔ مگر بعض مخفی اسباب کی وجہ سے دوستانہ تعلقات پھر بھی قائم نہ ہوسکے۔ ہمیں تعجب ہے کہ بلغاریہ کا سرکاری اخبار "ابلکارہ" بلقانی اتحاد پر شرح و بسط سے گفتگو کرتا ہے مگر اس سلسلہ میں ٹرکی کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ بلغاریہ، بلقانی جتھے میں تنہا شامل ہو جانا چاہتا ہے مگر اپنے قریبی پڑوسی، ٹرکی، کا کوئی خیال نہیں کرتا۔"

اس کے جواب میں بلغاری اخبار کا یہ جملہ بہت معنی خیز ہے:

"محمود بک بلغاریہ کو الزام دیتے ہیں مگر یہ حقیقت بالکل بھول جاتے ہیں کہ بلغاریہ نے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ بلقانی اتحاد کی بحث درپیش ہے، لیکن اسے بلغاریہ نے پیش نہیں کیا ہے، بلغاریہ اس وقت اپنی داخلی مشکلات میں اس درجہ منہمک ہے کہ ہرگز اس قسم کے کسی اتحاد کا خیال نہیں کرسکتا۔ اٹلی سے بلغاریہ کے تعلقات دوستانہ ہیں اور اُن کی بنیاد بلقان کے امن و سلامتی پر ہے۔ پھر ترکی جمہوریت اور اُس کے محترم صدر سے بھی ہمارے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ ہم ٹرکی کے موجودہ انقلاب کی پوری عزت کرتے اور اُس کے حیرت انگیز نتائج سے ہرگز چشم پوشی نہیں کرسکتے۔"

بہرحال ۱۹۱۲ء کی طرح اسوقت بھی بلقان کی گتھی بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے۔ مستقبل کے متعلق سردست پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

پورا ملک سپاہی بنجائے

قومی مدافعت کی کمیٹی نے اُس مسودۂ قانون کو تحقیقاتی کمیٹی نے پاس کرکے وزارت کے حوالہ کردیا ہے جو تمام ملک کو سپاہی بنا دینے کے متعلق ادھر ایک برس سے زیر غور تھا۔ وزارت نے بھی اسے منظور کرلیا ہے اور عنقریب پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے والی ہے۔

اس مہتم بالشان قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ بیس سال کی عمر سے ۴۶ سال کی عمر تک ہر باشندہ فوجی خدمت کے لائق ہے۔ فوجی خدمت جبری ہوگی۔ پیدل فوج میں خدمت کی مدت ڈیڑھ سال ہے، جنگی موسیقی میں دو سال۔ جندرمہ میں ڈھائی سال اور بحری فوج میں تین سال۔ بحری فوج، جندرمہ اور افسروں کے مدرسہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی رضاکار منظور نہیں کیا جائے گا۔

اس قانون نے طالب علموں کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کردی ہیں اعلیٰ تعلیم یافتوں کے لئے فوجی خدمت کی مدت صرف ۶ مہینے رکھی گئی ہے۔ ثانوی (سکنڈری) تعلیم پانے والوں کے لئے ۸ مہینے ابتدائی ڈگری حاصل کرنے والوں کے لئے دس مہینے۔ نیچے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علم اُسوقت تک معاف ہیں جب تک اپنی تعلیم ختم نہ کرلیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ زمانہ انتیس ۲۹ سال کی عمر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ جو طالب علم اس عمر میں بھی فارغ التحصیل نہیں ہوگا اُسے فوجی خدمت میں زبردستی داخل کردیا جائے گا، جو لوگ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنا چاہتے ہیں اُنھیں چھ سو ترکی پونڈ ادا کرنا چاہئے۔ نیز کم از کم ۶ مہینے کسی مقام پر جنگی قواعد سیکھنا چاہئے۔

اس قانون سے حکومت کا صاف مقصد یہ ہے کہ پوری ترک قوم کو سپاہی بنا دینا چاہتی ہے، یہ موجودہ حکومت کی بیدار مغزی اور دور اندیشی کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے نتائج مستقبل قریب میں نہایت شاندار ظاہر ہونگے۔

ٹرکی کا میزانیہ

۱۹۲۶ء کے میزانیہ (بجٹ) کی تحقیقات ختم ہوگئی۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی ۴۵،۸۰،۱۵۵،۱۹۰ ترکی پونڈ ہے اور خرچ ۱۹،۴۴،۱۴۴،۷،۴،۴۰۰ پونڈ ہے۔ یعنی آمدنی خرچ سے کسی قدر زیادہ ہی ہے۔

کمیٹی کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بری بحری فوج، جندرمہ (یعنی فوجی پولیس) اور چند دوسرے محکموں کے علاوہ حکومت کے پاس ۲۰،۷۴۸ چھوٹے بڑے عہدے دار اور ۸۱،۷۷۹ معمولی ملازم اور خدمت گار ہیں۔

ذیل کے نقشہ سے موجودہ سال کے مصارف کی اہم مدیں معلوم ہونگی:

مد	رقم	
قومی پارلیمنٹ	۱۹،۹۶،۱۴۴	پونڈ ترکی
صدر جمہوریت کا عملہ	۳،۱۳،۰۳۴	"
محکمہ حسابات	۴،۴۴،۳۳۵	"
محکمہ مشورت	۲،۳۴،۴۲۴	"
صدر معاملات مذہبی کا عملہ	۱۷،۹۹،۲۴۰	"
وزارت مال	۲،۹۳،۸۱،۸۱۱	"
عام قرضے	۹۸،۷۴،۷۰۹	"
وزارت داخلیہ	۵۸،۷۲،۷۷۴	"
ڈاک اور تار	۵۴،۷۱،۵۶۸	"
امن عام	۵۹،۵۵،۶۳۳	"
جندرمہ	۵۱،۹۵،۲۹۲	"
مہاجرین کی آبادی	۲۵،۷۵،۸۵۹	"
وزارت خارجہ	۳۲،۱۴،۰۹۶	"
مطبوعات	۳،۹۴،۰۶۸	"
محکمہ حفظان صحت	۳۲،۰۲،۸۸۰	"
محکمہ عدالت	۵۱،۹۵،۷۵۶	"
وزارت تعلیم	۶۱،۵۸،۹۳۰	"
پبلک ورکس	۲،۵۷،۲۳،۰۴۲	"
وزارت تجارت	۱۰،۰۵،۶۱۱	"
بندرگاہوں کا محکمہ	۴،۲۴،۱۲۳	"
وزارت زراعت	۳۷،۲۷،۲۹۸	"
وزارت جنگ	۵،۸۰،۹۶،۱۳۴	"
جنگی ضروریات	۵۱،۹۰،۴۵۷	"
محکمہ نقشہ کشی	۷،۴۵،۰۶۷	"
وزارت بحر	۵۶،۲۷،۱۸۰	"

محکمہ قانون و عدالت

بجٹ پر بحث کے سلسلہ میں حکومت کے مختلف شعبوں کی کارگزاری پر بھی پارلیمنٹ میں دلچسپ تبصرے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ محمود اسعد بک نے محکمہ عدالت کے متعلق حسب ذیل تصریحات کیں۔

"عدالتوں کی وزارت پوری کوشش کر رہی ہے کہ اپنے عہدے داروں کو خوش حال بنا دے تاکہ وہ دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں کی تنخواہ پہلے ۱۹۰ پونڈ تھی اب ۴۰۰ پونڈ (ترکی) ماہوار کردی گئی ہے۔ اسی طرح تمام عہدہ داروں کی تنخواہ میں ۵۰ فی صدی کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں سات سو سے زیادہ چھوٹی بڑی عدالتیں موجود ہیں۔ وزارت نے پوری کوشش کی ہے کہ اُس کے تمام ملازم، مدارس کے باقاعدہ تعلیم یافتہ ہوں۔ چنانچہ خاص اس مقصد سے اُس نے بکثرت تعلیم گاہیں جاری کی ہیں، وزارت کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس قلیل مدت میں اُس کے ۸۰ فیصدی ملازم باضابطہ تعلیم یافتہ ہوگئے ہیں، انگورہ کے مدرسۂ قانون (لا کالج) میں جو صرف ۲ سال پہلے جاری ہوا ہے، اس وقت ۶۰۰ طالب علم موجود ہیں۔ سال رواں

"مسجد کا انتظام شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقات کے ہاتھ میں ہے۔ مسجد کے لئے تین امام اور ایک مفتی مقرر کیا گیا ہے۔ ان چاروں کا فرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی مختلف ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں"

مراکشی حاجیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو موصوف نے کہا:

"گزشتہ برسوں میں مراکش اور شمالی افریقہ کے حاجیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کیونکہ حجاز کی حالت ابتر اور بدامنی عام تھی۔ مگر اب جبکہ سلطان ابن سعود نے حجاز میں امن امان قائم کر دیا ہے تو شمالی افریقہ کے مسلمانوں میں حج کا شوق بھی عام ہو گیا ہے۔ اس سال بکثرت حاجی جا رہے ہیں"

جزیرۃ العرب اور مسیحی تبلیغ کا مجنونانہ عزم

مسیحی یورپ، جزیرۃ العرب کی آزادی سلب کرنے پر ہی قانع نہیں ہے بلکہ اب اس کے تبلیغی حلقے کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کے اس گہوارے کو مسیحیت کا حلقہ بگوش بنا لیا جائے۔ یہ کوشش زیادہ تر برطانیہ کی تبلیغی جماعتوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ مثال وہ اعلان ہے جو حجازی حکام کے ہاتھ فلسطین میں لگا ہے۔ یہ اعلان "انجمن تبلیغ مسیحیت در عالم و جزیرۃ العرب واقع نمبر ۱۹ ہلینڈ روڈ، پر نورووڈ۔ لندن" کی طرف سے خفیہ عیسائیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس پر مسٹر راشد صدر انجمن اور پادری پارکر کے دستخط ثبت ہیں۔

مصری اخبارات نے یہ اعلان شایع کر دیا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

یسوع مسیح جزیرۃ العرب کے لئے

"دیکھ میں ایک نئی چیز کروں گا۔ اب وہ نمود ہوگی۔ کیا تم اس کا لحاظ نہ کرو گے؟ ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا"

(یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۱۹)

"عرب کے لئے نماز پڑھو"

"عرب کا رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔ آبادی ۵۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تک ہے۔ لیکن اب تک وہاں انجیل نہیں پہنچی ہے۔ باشندے بت پرستی کی موت مر رہے ہیں۔ جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ ہے اسی میں کعبہ ہے جس کی طرف ۲۲ کروڑ مسلمان شیطان کی ترغیب سے منہ کرتے ہیں تاکہ روزانہ جھوٹی اور ریاکارانہ نماز پڑھیں۔ اے مسیحو! عرب کے لئے نماز پڑھو اور دعائیں کرو تاکہ خدا انھیں نجات دے۔ انھیں شیطان نے دھوکہ دیا ہے اور ان کے لئے ایک جھوٹی کتاب بنائی ہے۔ یہ کتاب "قرآن" ہے۔ یہ قرآن، خدا کے زندہ اور نجات دینے والے کلمہ کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ عرب تک انجیل کون پہنچائے گا؟ وہ کون مرد خدا ہے جو اپنے گھر سے نکلے گنہگاروں پر روئے، اچھی کھیتی کرے، اور خوش و خرم اپنی لگائی ہوئی کھیتی کاٹے؟

یسوع مسیح نے یہ حکم دیئے ہیں:

(۱) "اور دیکھو، جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو"

(لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)

(۲) اور اس نے ان سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو" (مرقس باب ۱۶، آیت ۱۵)

(۳) "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور انھیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو اور انھیں یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں کو مانیں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہر روز تمھارے ساتھ رہوں گا"

(متی باب ۲۸، آیت ۱۹ و ۲۰)

"مسیح کے حکم پر عمل ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے"

"یسوع نے پاس آ کر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا" (متی باب ۲۸، آیت ۱۸)

"لفظ" اور "دنیا کے آخر تک" کے صاف معنی یہ ہیں کہ مسیح کا حکم ہر زمانہ میں اس کے شاگردوں کے لئے عام ہے۔ اور ہم بھی اسکے مخاطب ہیں۔ مسیح سب کی طرف سے فدیہ ہو کر مرا اور مر کر زندہ ہو گیا۔ وہ تمھاری طرف سے فدیہ ہوا، میری طرف سے فدیہ ہوا اور عرب کی طرف سے فدیہ ہوا۔ پس جو مسیح کے حکم کا مطیع ہے وہ یہ دعوت لیکر عرب میں جائے۔

"بے شمار حاجی سالانہ عرب کا ریگستان طے کر کے مکہ حج کو جاتے ہیں اسی شہر میں ..... نبی پیدا ہوا تھا (نبی کے ساتھ "کاذب" کا لفظ ہے) مدینہ میں اس کی زیارت کرتے ہیں، اسی میں اس کی قبر ہے۔ پس مسیح کے حاجیوں میں کون ہے جو ان بے شمار حاجیوں کی ہدایت کے لئے جائے تاکہ وہ ایک اکیلے مسیح کے حاجی بنجائیں؟ اگر ہم عذاب جھیلنے میں مسیح کے شریک ہوئے ہیں تو ہم ملکوت الٰہی میں بھی اس کے شریک بنیں گے۔ اللہ نے بیٹے سے کہا تیرا تخت ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پس اے مسیح کے حاجیو! چلو۔ آؤ دوڑیں اور بادشاہت لے آئیں!

"وہ برّے سے لڑینگے، اور برّہ ان پر غالب آئے گا۔ کیونکہ وہ خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جو بلائے ہوئے اور برگزیدہ اور وفادار اس کے ساتھ ہیں وہ بھی غالب آئیں گے"

(مکاشفہ باب ۱۷، آیت ۱۴)

"اور خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے، شیطان کو تمھارے پاؤں سے جلد کچلوا دے گا۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تمھارے شامل حال ہو"

(رومیوں باب ۱۶، آیت ۲۰)

"اسرائیل کے بیٹوں سے کہہ کہ آگے بڑھیں۔ ملک عرب کی طرف — تمام جہان کی طرف کیونکہ . . . کیونکہ بادشاہ کا حکم فوری تھا"

(سموئیل اول باب ۲۱، آیت ۸؟)

"مسیح کے ساتھ میں نے نماز پڑھی۔ میں زندہ نہیں ہوں بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے جسم کے اندر میری زندگی در اصل ایمان کی زندگی ہے خدا کے بیٹے کی زندگی جسنے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے اپنی جان دی اور انھوں نے شہر آگ سے جلا دیا"

(یشوع باب ۶ آیت ۲۴ (؟))

"سو نڈر مبلغوں کی شدید ضرورت ہے۔ وہ بے خوف و خطر قبائل عرب میں جائیں اور انھیں انجیل کی دعوت پہنچائیں۔ وہاں ستّر قبیلے ایسے موجود ہیں جنھیں انجیل کی دعوت آسانی سے پہونچائی جا سکتی ہے۔ یہ قبیلے خیموں میں ویسی ہی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی "ابراہیم" بسر کرتے تھے۔ ان میں ایک قبیلہ "صلیبی" کہلاتا ہے اور آن قدیم "صلیبی مجاہدوں" کی نسل سے ہے جنھیں عربوں نے قید کر لیا تھا۔ دو مرتبہ مجھے زیارت میسر آ چکی ہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ زیارت کا خواہشمند ہے۔ اس قبیلہ کے لوگ ابتک چند انگریزی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً "گو" (یعنی جاؤ) کام کرنے والے کم ہیں۔ کیا ان قبیلوں کو فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دینا روا ہے؟ کیا اللہ کے کنیسہ کو، جسے اس نے اپنے خون سے خریدا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی دعوت کو لبیک کہے؟ اے شخص! تیرا جواب کیا ہے؟ کیا تو ندامت میں گرنا اور ہمیشہ کے لئے حقارت کا مورد بننا چاہتا ہے؟ یا تو اس عمل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہے جو اس ذات کو پسند ہے جسنے ہم سے محبت کی، ہماری طرف سے فدیہ ہوئی اور اپنے خون سے ہمارے گناہ دھو ڈالے؟

"کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری بابت اور دوسروں کی بابت ابد الآباد تک، کہا جائے کہ تیرے اور تیرے بھائیوں کے گناہ مسیح کے سب سے زیادہ قیمتی خون سے دھوئے گئے؟ تم نے اس کے حکم جان لئے۔ ضرورت معلوم کی، خدا کی پکار سنی، مسیح سے قوت و حاجت حاصل کی، مگر اسکے بعد بھی تم نہیں گئے؟

"میری تجھ سے درخواست ہے کہ عرب کے لئے دعا کر۔ خود عرب میں جا۔ دوسروں کو عرب میں بھیج۔ کتاب مقدس عرب میں لیجا۔ کبھی اپنی نماز میں عرب اور عربوں کو نہ بھول۔ عرب اور عربوں کو مسیح کی طرف بلا۔ ۲۲۰ ملین مسلمانوں کو دین مسیح کی طرف دعوت دے۔ سو مبلغوں کے لئے دعا کر کیونکہ عرب میں ان کی سخت ضرورت ہے۔ دعا کر کہ کتاب مقدس عرب میں پہنچ جائے۔ دعا کر کہ خدا سو مبلغوں کو برکت دے۔ مسیح نے کہا ہے: "میں بہت جلد آؤں گا" آمین"

اس اعلان کی مجنونانہ و متعصبانہ اسپرٹ دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیسویں صدی کی ایک صدائے دعوت ہے جو جدید تمدن کے مرکز اعظم لندن کی ایک مشنری سوسائٹی سے بلند کی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہی ہے، اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان کی مذہبی جماعتیں عرب کی طرف کس نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ یقیناً تاریخ اسلام کے اوراق شریف حسین اور اس کے اولادوں کو کبھی معاف نہ کریں گے جسنے عرب کا دروازہ یورپ کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

فلسطین کی چٹھی

بحر میت۔ شرق اردن۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)

(عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

بحر میت سے نمک

کچھ مدت سے تجویز تھی کہ بحر میت (مردہ سمندر) کے پانی سے نمک کیا جائے۔ اب مجھے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ تجویز عملی صورت اختیار کرنے والی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم کام یہ والا ہے کہ دو ریلوے لائن قائم کی جائیں گی۔ ایک شہر [illegible] شروع ہو کر عمان اور حیفا تک جائے گی۔ دوسری خود [illegible] متصل کرے گی۔ ان دونوں لائنوں سے بیشمار فوائد [illegible] نہر سویز سے یہ علاقے بلکہ دور دور کے علاقے بھی بے نیاز ہو [illegible] یہی نہیں بلکہ پورے مشرق قریب میں بحر میت کا نمک جرمنی کے [illegible] مقابلہ کر سکے گا اور فلسطین میں ایک نیا تجارتی مرکز قائم ہو [illegible] انہی اسباب سے یہودی سرمایہ دار ان علاقوں میں زمینیں [illegible] لگے ہیں۔ عربوں کو ابھی صورت حال سے پوری واقفیت [illegible] لئے زیادہ قیمت کی لالچ میں آ کر اپنی زمینیں فروخت کر رہے ہیں۔

شرق اردن میں نئی بیداری

عربی قوم کے حالات سمجھنے والے اس صورت حال سے متعجب [illegible] جو اچانک شرق اردن میں رونما ہو گئی ہے۔ اب سے پہلے [illegible] میں کوئی سیاسی حرکت موجود نہ تھی۔ لیکن گزشتہ ہفتہ عرب باشندوں نے برطانوی وصایت اور شریف عبداللہ کی نام نہاد حکومت کے [illegible] بہت موثر طریقہ پر آواز بلند کی ہے۔

دار الحکومت عمان میں پہلی مرتبہ سیاسی انجمن قائم ہوئی ہے [illegible] تمام سربرآوردہ عرب مشائخ اور روشن خیال نوجوان شریک [illegible] نے برطانیہ اور امیر عبداللہ سے اپنے وعدے پورے کرنے [illegible] ہے۔ انجمن کے نمایندوں نے امیر عبداللہ سے ملاقات کی [illegible] مجلس یا پارلیمنٹ کے قیام پر زور دیا۔ امیر عبداللہ نے [illegible] کی مہلت طلب کی ہے اور وعدہ کیا کہ وہ انگریزی حکومت سے گفت و شنید کرینگے۔

انجمن نے اپنے عام جلسے میں اعلان کر دیا ہے کہ امیر عبداللہ کی حکومت کو برطانیہ سے براہ راست معاہدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور یہ کہ وہ تمام معاہدے کالعدم ہونگے جو ملک کی باضابطہ منظوری حاصل کئے بغیر کئے جائینگے۔ انجمن نے بلا تامل یہ اعلان بھی کر دیا ہے "اگر شرق اردن میں ظلم و استبداد کا اسی طرح دور دورہ رہا تو باشندگان فلسطین خطرناک سے خطرناک راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"

برطانوی حلقوں کی پریشانی کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ عربی قبائل میں

رتم خلافت کانفرنس پر صرف کردی گئی۔ اخبارات نے اس معاملہ کو بہت اچھالا اور علماء کے خلاف مظاہرہ شروع کردیا حتیٰ کہ بات پارلیمنٹ تک پہنچ گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخ ازہر کی حیثیت محض ایک عالم اور پرنسپل ہی کی نہیں ہے اُن کا درجہ مصر میں وہی تھا جو ٹرکی میں شیخ الاسلام کا تھا وہ ہمیشہ اس لقب سے مخاطب بھی کئے جاتے تھے۔ مگر دوران بحث میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے صاف اعلان کردیا کہ "مصر میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہے" اس اہم اعلان پر کسی ممبر نے اعتراض کیا نہ مدد نے ٹوکنے کی ضرورت محسوس کی۔ گویا عملاً مان لیا گیا کہ مصر کسی شیخ الاسلام کا وجود تسلیم نہیں کرتا!

یہ اور اسی قسم کے واقعات یقین دلاتے ہیں کہ مصر میں بھی ٹرکی جیسا ایک انقلاب انگیز ذہنی انقلاب جلد رونما ہونے والا ہے۔ در اصل بلادِ اسلامیہ کے لئے اب اس انقلاب کی منزل سے گزرنا اگزیر ہوگیا ہے۔ علماء قدیم اصلاح و تجدید کی جگہ اصلاح کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ زمانہ کا مزاج اس کا متحمل نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی معتدل اور صحیح امتزاجی حالت کی جگہ ردِ عمل شروع ہوجاتا ہے۔ پہلے افراط تھی، اب تفریط کا دَور دورہ ہوجاتا ہے۔ ٹرکی میں یہی ہوا، مصر میں ہو رہا ہے؛ اور دیگر اسلامی ممالک بھی جلد یا بدیر اسی حالت میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ شاید اس افراط و تفریط کے بعد اعتدال و قوام کا دَور شروع ہو۔ بظاہر حال تو اصحاب اعتدال کے لئے کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی۔

عربی انسائیکلوپیڈیا

مصر میں علمی بیداری غیر معمولی وسعت اختیار کررہی ہے۔ جنگ کے بعد سے رفتار ترقی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اچھے اچھے اہل علم و قلم پیدا ہوگئے ہیں۔ بڑی سرگرمی سے کوشش ہورہی ہے کہ ملک جلد سے جلد متمدن ملکوں کے قریب پہنچ جائے۔ اسوقت تصنیف و ترجمہ کی سطح بھی سابق سے بلند ہوگئی ہے۔ قومی اخبارات نے بھی بہت زیادہ ترقی کی ہے اور قریب ہے کہ یورپین اخبارات کے درجہ پر پہنچ جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم تجویز عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کی تجویز ہے۔ یہ تجویز اگرچہ پرانی ہے اور گیارہ جلدوں کی ایک ابتدائی دائرۃ المعارف موجود بھی ہے لیکن اُس پر پہلے کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا تھا اب خود حکومت نے اس کی طرف عملی قدم اُٹھایا ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم دونوں نے ملکر ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر غور کرے۔ وزیر اعظم نے تصریح کی ہے کہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں کی انسائیکلوپیڈیا کا عربی زبان میں حذف و اضافہ کے ساتھ ترجمہ عربی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کی بہترین صورت ہے۔ ملک کے علمی حلقے اس رائے کی تائید کررہے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے متعدد مقالات کا ترجمہ بھی شروع کردیا ہے۔ ایک موقر مصری اخبار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اُس کی انڈیکس (یعنی فہرست اسماء و الفاظ) ترجمہ کرلی جائے تاکہ علمی اصطلاحات کے وضع و انتخاب کا مرحلہ طے ہوجائے۔ عربی انسائیکلوپیڈیا کی تجویز جس درجہ اہم ہے، حاجت بیان نہیں لیکن ہمیں اس رائے سے قطعاً اختلاف ہے کہ انگریزی اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ حصول مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ بغیر مستقل ادارۂ تصنیف و ترتیب کے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا اور جب خود حکومت کا محکمۂ تعلیم اس کے لئے آمادہ ہوگیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس درجہ کا اہتمام ناقابل عمل ہو۔

عربی کا موجودہ ملک الشعراء

چند دن ہوئے مصر میں بڑی ادبی چہل پہل دیکھی گئی۔ اسمیں تقریباً تمام سربرآوردہ ادباء و شعراء نے حصہ لیا۔ صرف مصری کے ادباء نے نہیں بلکہ فلسطین، شام، عراق، بحرین وغیرہ عربی ممالک نے بھی کافی دلچسپی ظاہر کی۔ بہت سے ادیب و شاعر بنفس خود آکر شریک ہوئے، بہتوں نے اپنا کلام بھیجا۔ تقریب یہ تھی کہ مصر کے مشہور اور سابق درباری شاعر احمد شوقی بک کے کمال فن کے اعتراف میں قومی مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مؤتمر عربی (عربی کانفرنس) منعقد کی جائے، سلطان مصر نے مؤتمر کی سرپرستی کی اور جملہ ارکانِ حکومت اور اسلامی سلطنتوں کے سفراء شریک ہوئے۔

مؤتمر کے جلسے کئی روز تک جاری رہے۔ عربی زبان اور اُسکی شاعری پر مبسوط مضامین پڑھے گئے۔ جست تہنیتی قصیدے سنائے گئے۔ فلسطین کے مفتی اعظم سید امین حسینی اور بہودیوں کے "حاخام اکبر" بھی مؤتمر کی شرکت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔

در اصل مصریوں میں وطنیت کے جذبات بہت ترقی کرگئے ہیں وہ اپنے وطن کی عزت بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کبھی کبھی حد اعتدال سے بھی تجاوز کرجاتے ہیں۔ مثال میں خود یہی واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ احمد شوقی موجودہ عصر کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ مگر اس درجے نہیں جو مصریوں نے اپنی مبالغہ پسندی سے انھیں دے دیا ہے۔ انھیں "امیر الشعراء" اور "ملک الشعراء" کا خطاب دینا اصلیت سے زیادہ ہے وقت کے عربی شعراء میں ان سے بلند پایہ رکھنے والے شعراء خود مصر میں موجود ہیں۔

ہمارے خیال میں عراق کے مشہور فلسفی شاعر جمیل صدقی زہاوی نے شوقی پر صحیح تنقید کی ہے۔ ہم اُسے یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زہاوی لکھتے ہیں:

"شوقی بڑے شاعر ہیں مگر ملک الشعراء نہیں ہیں۔ شوقی حال کے نہیں ماضی کے شاعر ہیں۔ شوقی آگے کی طرف چل رہے ہیں مگر اُن کا چہرہ پیچھے کی طرف مڑا ہوا ہے۔ موجودہ عربی نسل انھیں اس لئے پسند کرتی ہے کہ اُن کا کلام اُس کی ذہنیت و ذوق کے مطابق ہے۔ لیکن جب عربی عقل و ذہنیت مستقبل قریب میں اپنی موجودہ سطح سے بلند ہوجائے گی تو شوقی کا شعر مرجائے گا۔"

بہرحال یہ مظاہرہ نہایت شاندار اور پُراثر تھا کئی دن تک عظیم الشان اجتماع جاری رہا جسمیں تمام ادباء و شعراء عصر کے برقی اور بریدی پیام نظم و نثر سنائے گئے اور نثر نگاروں نے تقریریں کیں۔ تیسرے دن رات کو ایک عالیشان ڈنر ہوا۔

مسٹر فلبی اور حجاز

مشہور انگریز مستشرق مسٹر فلبی جو کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں، پچھلے دنوں مصر آئے تھے۔ مصری اخبارات نے اُن کی حسب ذیل گفتگو شایع کی ہے:

"میں حجاز کی موجودہ تاریخ مرتب کررہا ہوں۔ اسمیں شریف حسین کی خود مختاری کے دن سے سلطان ابن سعود کے قبضہ تک تمام مستند حالات جمع کئے جائیں گے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں جزیرہ نمائے عرب کی مفصل تاریخ لکھوں گا۔ کیونکہ ایک انگریزی کمپنی نے اس کی فرمائش کی ہے"

سلطان ابن سعود کی شخصیت کے بارے میں مسٹر فلبی نے کہا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ابن سعود موجودہ زمانہ کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے۔ وہ صرف سپہ سالار اور مدبر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ بلاشبہ اب تک دُنیا نے اُنکی صرف جنگی قابلیت ہی دیکھی ہے، انتظامی قابلیت نہیں دیکھی ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انتظامی قابلیت میں کم درجہ ہیں۔ انتظامی قابلیت ملک کی تنظیم و ترتیب اور سیاسی اصلاحات کا نام ہے۔ یہ چیز ہفتوں اور مہینوں میں ظاہر نہیں ہوسکتی۔ ابن سعود کی انتظامی قابلیت کا یہ کارنامہ ہی کیا کم ہے کہ اُنھوں نے نہایت قلیل مدت کے اندر حجاز میں ایسا امن امان قائم کردیا جیسا اس ملک میں عرصہ سے نہیں دیکھا گیا ہے"

"مسئلہ خلافت" کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا:

"مجھے نہیں معلوم ابن سعود منصب خلافت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں لیکن مجھے بتحقیق معلوم ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کررہے ہیں۔ مجھے جہاں تک اس شخص کی ذہنیت کا پتہ چلا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خود کسی چیز کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے الا یہ کہ وہ خود انکے سامنے آجائے۔ فتح حجاز کی بھی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ خود بخود حاصل ہوگئی"

یمن و نجد کی کشیدگی کے متعلق اُنھوں نے کہا:

"ابن سعود نے بار بار اعلان کردیا ہے کہ اُنھیں امام یحییٰ سے جنگ کرنے کا ہرگز شوق نہیں۔ وہ اس لڑائی کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور بغیر شدید مجبوری کے اس کی طرف کبھی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ شدید مجبوری کی خود اُنھوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ امام یحییٰ اُن کی سرحدوں پر علانیہ حملہ کردیں۔ میرے خیال میں امام یحییٰ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ اٹلی انھیں اسپر مجبور کردے"

مسٹر فلبی کے اس آخری جملہ کو مصری اخبارات نے بہت اہمیت دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اٹلی کا عرب کے دونوں بادشاہوں کی لڑائی میں بہت نفع ہے۔ اٹلی خوب جانتا ہے کہ امام یحییٰ ابن سعود کو کامل شکست دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ انکے حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابن سعود بھی حملہ آور ہونگے۔ اُسوقت اٹلی سیاسی میدان میں آکودیگا اور سلطان نجد سے مطالبہ کرے گا کہ یمن میں پیش قدمی نہ کریں کیونکہ یمن کے ساتھ اس کا معاہدہ حمایت ہوچکا ہے اس طرح اسے عرب کے معاملات و مسائل میں مداخلت کا پورا موقع مل جائے گا۔

جدید انگریزی نجدی معاہدہ کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا

"ابھی تک معاہدہ طے نہیں پایا ہے لیکن گفت و شنید جاری ہے۔ اُمید ہے طرفین جلد ایسی شرطوں پر پہنچ جائیں گے جو دونوں کے لئے باعزت اور مفید ہوں گی"

مسجد پیرس

سلطان مراکش کے وزیر تشریفات (چیمبرلین) قاہرہ آئے ہیں۔ ان کا نام سید قدور بن غبریط ہے۔ یہ مراکش کے سربرآوردہ شخص ہیں جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں۔ اپنے درباری عہدہ کے علاوہ شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقاف کے صدر بھی ہیں۔ پیرس میں جو عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہے وہ زیادہ تر انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ آج کے مصری اخبارات میں ان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا ہے:

"میں مصر اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے مخیر اور فیاض مسلمانوں سے مسجد پیرس کی بعض ملحقہ نامکمل عمارتوں کی تکمیل کے لئے امداد حاصل کروں۔ یہاں سے میں فلسطین اور شام بھی جاؤں گا۔ شام میں میری ایک کوشش یہ بھی ہوگی کہ فرانسیسی حکام کو حجاز ریلوے کے دوبارہ اجراء پر آمادہ کروں تاکہ حاجیوں کو سفر میں آسانی ہو"

مسجد پیرس کی تاریخ تعمیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"پیرس میں جامع مسجد تعمیر کرنے کا خیال ۵۰ برس سے موجود تھا مگر عمل میں نہ آسکا۔ پہلے فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ لیکن حالات میں جلد جلد تبدیلی ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ظاہر ہے اب مسجد کا قیام ضروری تھا چنانچہ سلطان مغرب "مولائی یوسف" اور امراء الجزائر کی فیاضیوں نے یہ عظیم الشان مسجد عروس البلاد پیرس میں تعمیر کردی

مسجد ۸ ہزار مربع میٹر کے وسیع رقبہ میں بنائی گئی ہے۔ اُس کے ساتھ اندلسی وضع کا نہایت دلفریب باغچہ ہے۔ صحن میں پانی کا عظیم الشان فوارہ ہے اور اُس کے گرد عربی طرز کے خوبصورت ستون کھڑے کئے گئے ہیں۔ مسجد کے ساتھ شفاخانہ بھی ہے ہفتہ میں تین دن اُس کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے یہ اگرچہ ابتدائی حالت میں ہے لیکن بتدریج ترقی کرجائے گا۔ اُس میں وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں گی جو دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ایک علمی ایوان بھی ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم علماء و ادباء جمع ہونگے اور مبادلۂ خیالات کریں گے۔ ساتھ ہی مشرقی طرز کا ایک حمام بھی بنایا گیا ہے جو تمام یورپ میں اپنی وضع کا تنہا حمام ہے۔ ایک مشرقی ہوٹل بھی کھولا گیا ہے۔ اس میں مشرقی عربی کھانے معتدل قیمت پر ملتے ہیں۔ چائے خانہ بھی ہے جس میں جوق جوق فرانسیسی آتے ہیں اور عربی قہوہ پیتے ہیں۔

والے پُری سنجیدگی سے لکھتے ہیں اور اُن کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے فوٹو بھی بھیجتے ہیں۔ صرف فوٹو ہی نہیں بلکہ اپنی آمدنی کا تخمینہ (اندازہ) مع بنک کی رسیدیں بھی روانہ کردیتے ہیں تاکہ اخبار نویس انھیں معمولی آدمی خیال نہ کرے۔

اخبارات کے بعض مباحث خاص طور پر ان مجنونوں کا جنون خط نویسی اُبھار دیتے ہیں۔ مثلاً روحانیات، نباتیات، نسائیات وغیرہ۔ ان مباحث پر اخبار میں ایک مضمون بھی ہماری بدبختی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہر طرف سے مجنونوں کے خط آنا شروع ہوجاتے ہیں۔

مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ جنون مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں میں ہے۔ ویسے بھی عورتوں کی ایک جنسی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں لکھنے کے لئے کسی مناسبت اور ربط مقصد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُنکے ہر خط میں ایک نئے موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر مجنون خاتون اپنے رازوں کے لئے کسی ایک اخبار نویس کو "صندوق" بنا دینا ضروری تصور کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے بھی ایک خاتون نے ایک مرتبہ اس عزت کا مستحق سمجھا۔ مسلسل تین سال تک ہر روز ایک خط پہنچ جاتا۔ ان خطوط میں اُس کی مفصل سوانحعمری ہوتی تھی۔ خانہ داری کے جھگڑے، شوہر کے معاملات، محبت کے اثرات، بیوفائی کے شکوے، غرضکہ کوئی بات نہ تھی جو ان خطوں میں تفصیل سے موجود نہ ہو۔ میں نے کبھی کسی خط کی رسید نہیں بھیجی۔ مگر محترم خانم کو رسید کی چنداں پرواہ نہ تھی اُسے صرف خط لکھنے سے کام تھا۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

لیکن یہ سلسلہ ایک مرتبہ اچانک ٹوٹ گیا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہ محترم خاتون اب اپنے جنون سے شفا پاگئی۔ اور مجھے بھی نجات ملگئی!

عورتوں کا سب سے سخت جنون، مذہبی جنون ہوتا ہے۔ جب یہ کسی "خوش نصیب" اخبار نویس سے خوش ہوجاتی ہیں تو اپنے خطوط کے ساتھ گنڈے تعویذ بھی بھیجا کرتی ہیں، اور بڑی بڑی منتیں دلاکر مرسل الیہ کو مجبور کرتی ہیں کہ یہ تعویذ ضرور استعمال کرے۔ لیکن جس اخبار نویس سے وہ ناراض ہوئیں تو بس اُس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ وہ کون گالی ہے جو اُسے دی نہیں جاتی؟ اتنی بددعائیں اور لعنتیں آتی ہیں کہ غریب اخبار نویس کتنا ہی مستقل مزاج ہو ضرور کانپ اُٹھتا ہے!

بلاشبہ ہم مجنونوں کے خط پڑھنے پر مجبور نہیں ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بہت سے مجنون خط کتابت ہی کافی نہیں سمجھتے بذات خود بھی ملاقات کو تشریف لے آتے ہیں اور یہ مصیبت بالکل لاعلاج ہے!

ایک دن دفتر میں چپراسی نے ایک ملاقاتی کارڈ میرے حوالہ کیا۔ "مسیو گمونزل" نیچے کی سطر میں یہ لفظ تھے "ایک اہم شخصی معاملہ" میں نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ پہلی نظر میں خیال ہوا اچھا خاصہ سنجیدہ باوقار آدمی ہے۔

"جناب! میں آپکی کوئی خدمت بجالاسکتا ہوں؟" خاموش ملاقاتی سے میں نے سوال کیا۔

"آپ اُس معاملہ سے واقف ہیں جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں" اُسنے متین آواز میں جواب دیا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ انکار کرنا پڑتا ہے" میں نے عاجزی سے کہا۔

"تجاہل عارفانہ نہ برتئے۔ آپ خوب جانتے ہیں" حضرت کا جواب تھا۔

"جناب، آج پہلی مرتبہ مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے"

"لیکن آپ اپنے مضامین میں رمضیرا ذکر کرتے ہیں!"

"عجیب! یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں اسم گرامی سے واقف ہوا ہوں"

"ریاکاری چھوڑ دیجئے۔ بیوقوف نہ بنایئے۔۔۔۔۔ میں روزانہ آپکے مضامین میں اپنا ذکر پڑھتا ہوں" اچانک اُس کی صورت بدل گئی۔ غصہ سے کانپنے لگا "تم میرے خاندان کے راز جانتے ہو۔ اپنے گندہ مضامین میں یہ راز لکھ کر مجھے روزانہ رُسوا کرتے ہو۔۔۔ آہ! لیکن خیر اب اس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ اپنے آپ کو اور دُنیا کو تمہاری شرارتوں سے نجات دیدوں۔۔۔" آپ میری حیرانی کا اندازہ کرسکتے ہیں جب میں نے اس عجیب سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر اچانک سُنا "میں قتل کرڈالونگا"

فوراً جیب سے بھرا ہوا پستول نکالا۔۔۔ "خدایا کیا کروں؟" میں نے خیال کیا "اب میرا کام تمام ہوا۔۔۔ عنقریب میرے دوست میرا جنازہ اُٹھانے آئیں گے۔۔۔ لیکن خود اس پاگل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ عدالت جنون کے عذر پر اسے رہا کردے گی۔۔۔ میں نے ارادہ کیا اس عجیب ملاقاتی پر ٹوٹ پڑوں اور پستول چھین لوں لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ میری ایڈیٹری کا ٹراسیر ہمارے مابین حائل تھا۔ افسوس اخبار نویسی کا منحوس میز! میں نے اپنے حواس بجا کئے:

"سگریٹ پیجئے" میں نے مصنوعی بے خوفی سے کہا اور فوراً کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی خوشنما ڈبیا نکالکر پیش کردی۔ خلاف توقع سگریٹ نے اُس کا غصّہ بالکل فرو کردیا۔ وہ خاموش بیٹھکر دھواں اُڑانے لگا۔

"واقعی میں خطاوار ہوں۔ مگر براہ عنایت مجھے وہ مضمون بتلائیے جسمیں آپ کو رُسوا کرنے کی میں نے جرأت کی ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے بڑی لجاجت سے کہا۔

مجنون نے جیب سے ایک پلندا نکالا اور میرے سامنے پھینک دیا میں نے غور سے تمام مضمون دیکھے۔ اُن میں کوئی ایک بھی شخصی معاملات پر نہ تھا۔ کسی میں مکانوں کی گرانی پر بحث تھی۔ کسی میں بازار کے نرخ پر کسی میں علمی نمائش پر، اور کسی میں عورتوں کے کترے ہوئے بالوں اور اونچے لباس پر گفتگو تھی۔ اسی طرح عام معاشرتی معاملات سے سب کا تعلق تھا۔ میں نے حیرت سے مجنون کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ میرا تعجب سمجھ گیا۔ کھڑا ہوگیا۔ اخبار اُٹھاکر جابجا سے پڑھنا اور ہر ہر فقرے پر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھنا شروع کردیا۔ آخر میں اُسنے عورتوں کے کترے ہوئے بالوں پر مضمون پڑھنا شروع کیا اور جوش سے چلایا۔

"یہ دیکھو۔ اب بھی انکار کروگے؟ کیسے بند بند لفظوں میں میرے خاندان کا مضحکہ اُڑایا ہے؟ اس فقرے کے کیا معنی ہیں" جو عورت اپنے بال کٹواتی ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور گنجی ہوجائے گی" یہ میرے چچا ڈاکٹر بیگو رنل پر کھلی چوٹ ہے! غلط کہتا ہوں؟ میرا چچا گنجا ہے۔ ایک دن وہ میڈم۔۔۔ پر خفا ہوئے۔ لیکن میں تفصیل کیوں بیان کروں؟ تمھیں سب معلوم ہے۔ میرے چچا کو بھی جانتے ہو۔ اس میڈم کو بھی اور اُس کی خفگی کے سبب کو بھی۔ تمھیں سب راز معلوم ہے۔ تم ہمیں بدنام کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ تم کمینہ ہو!"

خوش قسمتی سے اس سخت لفظ نے اُس کا غصہ پھر کم کردیا میں نے گھنٹی بجائی۔ نوکر کے آنے پر مجھے اطمینان ہوا۔ مجنون نے ایک پُر از حقارت نظر مجھ پر ڈالی اور کہا۔

"جناب! اس مرتبہ معاف کرتا ہوں۔ آئندہ احتیاط رہے مجھے اور میرے خاندان کو نہ چھیڑیئے ورنہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل ڈالونگا۔"

وہ بغیر سلام کئے چلا گیا۔ میں نے بھی شائستگی کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور میں خیال کرتا ہوں اس ضرورت کے عدم احساس پر کوئی صاحب مجھے ملامت کرنا پسند نہ کرینگے۔

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار

علماء تاریخ نے ہر زبان کی ادبیات کی طرح عربی علم ادب کے بھی تین دَور قرار دیے ہیں۔ پہلا دَور تحریر و تدوین کا ہے۔ دوسرا تکمیل و تنقیح کا۔ تیسرا توسیع و تہذیب کا۔ اس آخری دَور نے تصنیف و تالیف کی صناعت میں جو نئی نئی وسعتیں پیدا کیں، اُن میں ایک خاص قسم اُن کتابوں کی ہے جنھیں متاخرین "موسوعات" اور "مجامیع" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "موسوعات" سے مقصود ایسی کتابیں ہیں جو کسی ایک موضوع پر نہیں لکھی جاتی تھیں بلکہ متعدد علوم و فنون کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ بعض علماء نے اس کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ تمام علوم و فنون اور ان کی چھوٹی بڑی شاخیں اسمیں آگئیں۔ اس قسم کی "موسوعات" بیس سے لیکر ۵۰۰ جلد تک کی لکھی گئیں!

دراصل یہ موسوعات ایک طرح کی انسائیکلو پیڈیا تھیں، اُس عہد کے علماء موسوعات کا تاریخ علوم میں وہی درجہ ہے جو یورپ کی سترہویں صدی کے انسائیکلو پیڈین علماء کا موجدہ تاریخ علوم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موسوعات کی ترتیب علوم کی ترتیب تھی جو ایک خاص حد تک پھیلکر ختم ہوجاتی ہے مگر انسائیکلو پیڈیا کے لئے لغت و قوامیس کی ترتیب اختیار کی گئی جس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس عہد کی کتب موسوعات میں دو کتابوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی تھی شہاب الدین احمد نویری کی نہایۃ الارب اور ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار، پہلی کتاب تیس سے زیادہ جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور دوسری کم و بیش بیس جلدوں میں ہے۔

ان دونوں کتابوں کے مکمل نسخے عزیز الوجود تھے۔ پچھلے دنوں مصر کے مشہور محقق کتب احمد زکی پاشا نے عرصہ کی محنت و کاوش کے بعد انکے دو صحیح و کامل نسخے مرتب کئے انکا بڑا حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے بذریعہ عکس حاصل کیا گیا تھا۔ چار سال ہوئے حکومت مصر نے ان دونوں کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور کتب خانۂ خدیویہ کے "احیاء کتب عربیہ" کے سلسلہ میں ان کی طباعت شروع ہوگئی۔ گذشتہ سال دونوں کتابوں کی تین تین جلدیں چھپ گئی تھیں اب دو جلدیں مزید چھپکر شائع ہوگئی ہیں اور ہمارے سامنے ہیں۔

اگرچہ یہ عہد متاخرین کی تصنیف ہیں اور جو کچھ ہے جمع و تالیف ہے تاہم چونکہ اب وہ ذخیرہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جو ان کتابوں کے عہد تالیف میں موجود تھا، اس لئے ان دونوں کتابوں سے تاریخ و علوم کے مختلف اہم مسائل پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ ہم عنقریب ان دونوں نئی جلدوں کے بعض مفید مطالب ہدیۂ قارئین کرینگے۔

مذہب اور دُنیائے جدید

حال میں پروفیسر وائٹ ہیڈ کی ایک تصنیف: "Religion in the Making" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ان کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گذشتہ سال بوسٹن یونیورسٹی میں کی تھیں۔ جو حضرات انگریزی کی جدید الطبع مصنفات پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے پروفیسر موصوف کی وہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی جو پچھلے دنوں "علم اور دنیائے جدید" کے نام سے شائع ہوئی تھی، وہ بھی ان کی بعض تقریروں کا

نجدی تحریک نہایت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ بکثرت قبیلے نجدی مذہب اختیار کر چکے ہیں اور بہت سے اختیار کرنے کی طیاری میں ہیں برطانوی حکام اس دینی تحریک سے خائف ہیں اپنے علاقوں میں پھیلانا پسند نہیں کرتے۔ ابھی چند دن ہوئے برطانی حکام نے دو عرب سرداروں بنیال باشا الجالی شیخ الشائخ اور مشقال باشا الفائز شیخ قبائل صخر کو طلب کیا تھا اور بڑی آؤ بھگت کی تھی۔ مگر انھوں نے حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔

اس علاقہ کے باشندوں میں یہ تحریک بھی پھیل رہی ہے کہ امیر عبداللہ کی حکومت الٹ دی جائے اور ملک کا تعلق براہ راست برطانوی حکام سے ہو جائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اگر ملک برطانی اقتدار سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تو کم از کم برائے نام عربی حکومت کی دوہری مصیبت سے تو نجات حاصل کر لے۔ یقیناً برطانیہ کی براہ راست حکومت اس سے کہیں زیادہ بہتر اور ذمہ دار ہوگی جس قدر اس کے بٹھائے ہوئے پتلے امیر عبداللہ کی ہے۔

(فوجی قانون کا اعلان)

شرق اردن کی مذکورہ بالا بیداری اور دروزی مجاہدین کی آمد و رفت کی وجہ سے امیر عبداللہ نے علاقہ "ازرق" میں فوجی قانون (مارشل لا) کا اعلان کر دیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک طرف ملک کی عام رائے مرعوب کر دی جائے، دوسری طرف فرانس بھی خوش ہو جائے۔ فرانس مدت سے شاکی تھا کہ دروزی مجاہدین اس علاقہ میں پناہ لیتے اور یہاں سے تر و تازہ ہو کر واپس آتے ہیں۔

یہودی بیت المال

لز ستساد و یہودی کا بیت المال کی آمدنی ۷۷،۰۱۷ پونڈ یعنی ۱۰۲۶۵۵ روپے ہوئی۔ امریکہ کے یہودیوں کا عطیہ ۳۲۸۰۲ پونڈ کینیڈا کا ۲۰ ہزار ۳۲۶ پونڈ اور برطانیہ کا ۷۰۵۳ پونڈ ہے۔ دنیا کی ترقی خواہ قوموں کی اولوالعزمیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہماری ہمتوں کا جو حال ہے وہ معلوم ہے!

حضرت یوسف کی قبر

فلسطین کے ایک قدیم شہر "سیخم" میں کھدائی ہو رہی ہے اگر یہ تحقیقات کامیاب ہوئی تو بہت سی صدیوں کے راز دنیا کے سامنے آ جائیں گے۔ اس شہر میں یورپین محققین کی ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تلاش کر رہی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس شہر سے بے شمار اسرائیلی روایات وابستہ ہیں اور اُن پر سے جلد پردہ اٹھنے والا ہے۔

بروایت توراۃ سیخم ہی میں حضرت ابراہیم نے محراب بنائی تھی اور شاہ بلوط کے ایک بڑے درخت کو بطور مقدس علامت کے قرار دیا تھا۔ نیز اسی شہر میں حضرت یعقوب نے عامر کی اولاد سے زمین خریدی اور مقدس محراب بنائی۔ نیز سنگلاخ زمین میں ایک کنواں بنایا تھا جو ۸۰ فٹ گہرا اور ۹ فٹ کے قطر میں تھا۔ لیکن شیشام بن عامر جسنے زمین بیچی تھی، یعقوب کی لڑکی "دینا" پر عاشق ہو گیا اور اُسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ عقد سے پہلے ہی اُس کے ساتھ زن و شوئی زندگی بسر کرے۔ اس پر یعقوب کے لڑکوں کو غصہ آیا اور انھوں نے "سیخامیوں" کو قتل کر ڈالا۔ پھر یعقوب (علیہ السلام) اس علاقے سے چلے گئے۔ مگر جانے سے پہلے انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مخالف قبیلے کے تمام دیوتا اور عبادت کے آلات ایک غار میں پھینک دیئے جائیں۔

موجودہ کھدائی سے ایک غرض ان دیوتاؤں کی تلاش بھی ہے سیخم میں یعقوب علیہ السلام کا کنواں ابتک موجود ہے۔ روایت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی لاش بھی مصر سے لاکر اسی علاقہ میں دفن کی گئی تھی۔ ایک مقبرہ عرصہ سے حضرت یوسف کی طرف منسوب ہے چونکہ یہ عربی قبائل کے تحت و تصرف میں تھا اس لئے اب تک اسکی تحقیقات نہ ہو سکی۔

لیکن اب ڈاکٹر ارنسٹ سیلین کو، جو اس تحقیقاتی جماعت کے صدر ہیں، قبر کھولنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف کی لاش مومیائی ہوئی صحیح و سالم دستیاب ہو جائے گی۔ نیز قدیم مصری کاغذ پر لکھی ہوئی تحریریں بھی نکلیں گی کیونکہ پہلے مصر میں انکی نعش مصری طریقہ پر دفن کی گئی تھی، وہاں سے کنعان میں لائی گئی۔ اگر یہ اُمیدیں کامیاب ہوئیں تو یقیناً اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ حضرت یوسف کے عہد کا فرعون کون تھا؟

اسی شہر میں ایک ٹیلہ پر کھدائی کرتے ہوئے ایک اور قدیم شہر اور تمدن کے نشان ملے ہیں۔ ماہر آثار کا خیال ہے کہ یہ عمارت مشہور اسرائیلی بادشاہ "غزبوم اول" کا قلعہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے اسی ٹیلہ میں حضرت یعقوب کی قوم کے دیوتا اور دوسری یادگاریں بھی مدفون ہیں۔

سیخم فلسطین کا ایک نہایت ہی قدیم شہر ہے۔ اس کی تاریخ کا آغاز اُس وقت سے ہوا ہے جب نئے نئے عبرانی کنعان کی سرزمین پر نمودار ہوئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک اس شہر کے بہت سے آثار دستیاب ہو چکے ہیں۔ اُس کی شہر پناہ اور دو بہت ہی عظیم الشان پھاٹک نکل آئے ہیں۔ نیز ایک محل کی بنیادیں بھی ملی ہیں جو ۹ ستونوں پر قائم تھا اور اُس کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی مل گئے ہیں۔

غرضکہ یہ تحقیقات دنیا کے علم میں معقول اضافہ کریں گی اور اسرائیلی تاریخ کے وہ پہلو روشنی میں آ جائیں گے جو اب تک تاریکی میں ہیں۔

(پارٹیوں کا اتحاد)

سیاسی جماعتوں کے اختلافات کی بنا فلسطین میں بھی انگریزی قبضہ کے ساتھ پہنچی اور قومی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ مسلمین مدت سے کوشش کر رہے ہیں کہ سیاسی پارٹیوں میں اتحاد قائم ہو جائے مگر آج تک کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اب کچھ مدت کی خاموشی کے بعد پھر اس قسم کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، بظاہر کامیابی کی امید نہیں۔ کیونکہ اکثر لیڈر اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔

ارتھوڈکس مسیحی

کل ارتھوڈکس مسیحیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی، عیسائیوں میں یہ فرقہ یہاں سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ کیونکہ کوئی طاقت و سلطنت اُس کی پشت پناہی پر موجود نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ فرقہ بھی اپنے حقوق کے لئے عملی کوشش شروع کرنے والا ہے۔

شریف علی

مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ شریف علی سابق شاہ حجاز بہت جلد یہاں آنے والے ہیں۔ آمد کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ محض تبدیل آب و ہوا مقصود ہے۔ لیکن بعض حلقوں میں یقین کیا جاتا ہے کہ اُنھیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں میں برطانیہ کے موافق جذبات کو ترقی دیں۔ فلسطین میں شریف حسین اور اُن کے خاندان کا پروپیگنڈا سالہا سال سے جاری ہے۔ عوام کی ایک جماعت اُس سے متأثر ہو چکی ہے۔ برطانیہ کا ایک زمانہ میں خیال تھا کہ اگر اس ملک نے براہ راست برطانی حکومت منظور نہیں کی تو یہاں بھی شریف حسین کا کوئی لڑکا بٹھا دیا جائے گا، مگر بعد کے حالات نے یہ خیال پورا نہ ہونے دیا۔

شرفاء مکہ کے اس خاندان کی بدبختی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ برطانیہ کے ہاتھوں ایسا روز بد دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اُس کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ عراق میں امیر فیصل عبودیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ شرق اردن میں امیر عبداللہ غلام بنا ہوا ہے، اور اب امیر علی فلسطین کو گمراہ کرنے آ رہے ہیں!

تذکرہ

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے زمانۂ نظر بندی کی یادگار تصنیف تاریخ دعوت کے علاوہ حقائق دین اور معارف تجدید و دعوت کے اہم مباحث کا مجموعہ۔ آخر میں اپنے سوانح و خواطر حیات پر بے نظیر تحریر اب درجہ اوّل کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا۔

درجہ دوم قیمت ہے درجہ سوم عار

منیجر البلاغ پریس۔ ۱۱۔ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

اخبار نویس کی ڈاک

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب اس نام سے فرانس میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں فن اخبار نویسی کے تیس فرانسیسی ائمہ نے اپنی اپنی صحافتی زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار واقعہ لکھا ہے۔ کتاب از حد مقبول ہوئی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اُس کے نسخے نکل چکے ہیں۔ کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے شائع ہو گئے ہیں ناظرین کی دلچسپی و آگاہی کے لئے ہم اُس کا ترجمہ بالاقساط درج کرینگے۔ آج اُس کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو۔ یہ مشہور اخبار نویس سیوکلیتان دڈیل نے حسب ذیل سرخی سے لکھا ہے:

اخبار نویس اور مجنوں

مجھ سے دماغی امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا:

"میں اپنے مریض سے پہلا سوال یہ کرتا ہوں "کیا تم اخبار نویسوں سے خط و کتابت رکھتے ہو؟ اگر وہ اقرار کرتا ہے تو سمجھ لیتا ہوں اسکے علاج میں کافی وقت لگے گا"

"یہ کیونکر؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار نویسوں سے خط کتابت کرنے والے سب لوگ مجنوں ہوتے ہیں" اُسنے جواب دیا، "لیکن مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے اکثر ضرور پاگل ہوتے ہیں!"

مدت کے بعد مجھے ڈاکٹر کی سچائی پر ایمان لانا پڑا۔ میرا تجربہ بھی یہی ہے کہ پراگندہ دماغ اور پاگل ہی زیادہ تر اخبار نویسوں سے خط و کتابت کرتے ہیں۔ اس مصیبت کو میرے ہم پیشہ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

روز ڈاک میں میرے پاس ہزاروں خطوط آتے ہیں۔ لکھنے والے ان کی تزئین و آرائش میں غیر معمولی محنت کرتے ہیں، قسم قسم کی روشنائی استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی عبارت سرخ ہے، کوئی نیلی، کوئی سبز کہیں بڑے بڑے حروف، کہیں ہر حروف کے گرد پھول پتیاں بنی ہوئیں۔ بسا اوقات عبارت کا آغاز سنجیدگی سے ہوتا ہے مگر چند سطروں کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی مجنوں کا خط ہے!

مثلاً ایک واقعہ سنئے۔ پیرس کے باشندوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ موٹروں کی کثرت نے راستہ چلنا مشکل کر دیا ہے۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر ہوا۔ اب کیا تھا؟ ہزاروں خط روزانہ ہمارے پاس آنا شروع ہو گئے۔ ہر خط میں اس مشکل کا ایک نیا حل موجود ہوتا تھا۔ کیسا حل؟ ایسا حل کہ اگر میں بیان کروں تو شاید آپ یقین نہ کریں۔ ایک صاحب نے لکھا "اس مشکل کا بہترین حل یہ ہے کہ دریائے سین اسفلٹ سے پاٹ دی جائے اور شہر کی سڑکوں کے بجائے اُسی پر موٹر چلیں!"

اور سنئے امن و امان کے حامیوں نے یہ تجویز لکھ بھیجی "تمام یورپ ایک جمہوریت کے ماتحت ہو جائے!" یہی نہیں بلکہ از راہ عنایت اس "افلاطونی جمہوریت" کا دستور العمل بھی مرتب کر کے بھیج دیا!

ایک "ماہر اقتصادیات" نے لکھا "حکومت، پارے کے بنک نوٹ تیار کرے تاکہ اقتصادی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اُن کا رنگ وزن، اور نرخ بھی خود بخود تبدیل ہوتا رہے"

یہ عاقلانہ تجویزیں، مذاق سے پیش نہیں کی جاتیں۔ اُنکے سوچنے

اطلاع ضروري

افسوس ہے کہ الہلال کي اشاعت کي ابتدائي مشکلات يکے بعد ديگرے پيش آتي رهيں - اور تاريخ اشاعت تک ان کا سلسلہ جاري رها - يہ پہلا نمبر جسکي تاريخ اشاعت ۱۰ - جون تهي، متعدد وقتوں کي وجہ سے آج ۱۲ - جون کو ڈاک ميں ڈالا گيا ہے - اب آيندہ جمعہ تک صرف تين دن باقي رهگئے هيں، ممکن نهيں ہے کہ نمبر ۲ وقت پر نکل سکے - اسليے مجبوراً آيندہ جمعہ ناغہ کرينگے ' اسکے بعد کے جمعہ سے اشاعت شروع کي جائيگي - بجاے اسکے کہ آيندہ ايک دن کي بهي تاخير پيش آئے ' بہتر ہے کہ ابتدا ميں ايک مرتبہ چند دنوں کي تاخير گوارا کر لي جاے -

مدير

Printed and Published by
Masud-Hasan Zuberi at The Al-Hilal Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor: Maulana Abu-al-Kalam Azad.

مجموعہ تھی۔ یہ دونوں کتابیں ایک مکمل نظریۂ علم و مذہب کی متضمن ہیں پہلی کتاب میں علم کے مستقبل پر نظر ڈالی ہے۔ اور اس میں اُسی اصول نظر کے ماتحت مذہب کے مستقبل پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ۴ باب ہیں (۱) مذہب کی تاریخ (۲) مذہب اور عقائد (۳) جسم اور روح (۴) تبصرہ۔

ان ابواب میں سب سے زیادہ اہم باب "جسم اور روح" کے مسئلہ پر ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"ہم اس مادی دنیا کے باہر اور اُن ظاہری اجزا کے علاوہ جو اس کی وضع و ترتیب میں شامل ہیں کوئی واقفیت نہیں رکھتے یہ اجزاء کیا کیا ہیں؟ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہے:

(۱) خالقیت (Creativity) جو ہر وجود کے وقتی ارتقا میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) خیالی موجودات و اشکال کا عالم جو خود تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا مگر حقیقت رکھنے والی چیزیں ایک خاص مناسبت کے ساتھ متشکل ہوجاتا ہے۔

(۳) وہ حقیقی مگر غیر مادی قوت جس کا تصور کرتے ہوئے ہم ایک ایسی معین قوت کا تصور کرنے لگتے ہیں جس کے کاموں میں قصد اور ارادہ کو دخل ہونا چاہیئے"

پروفیسر موصوف کے خیال میں "یہی غیر مادی اور حقیقی ہستی وہ ہے جسے انسان خدا کہتا ہے۔ وہی خدا جو ہر ذی عقل مذہب کا خدائے بزرگ و برتر ہے"

مذہب کے حقائق کی طلب و جستجو کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ یہ سفر کس نقطہ سے شروع کیا جائے؟ جن جن قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے صرف اس لئے کھائی ہے کہ قدم اُٹھائے گئے مگر اس کا فیصلہ نہیں کیا کہ کس رخ سے قدم اُٹھانا چاہیئے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جس قدر بڑھتے گئے منزل مقصود سے دوری بھی بڑھتی گئی!

اسی لئے قرآن حکیم نے اس بارے میں عقل انسانی کی رہنمائی کی۔ وہ بتلاتا ہے کہ خدا کی ہستی اور اس کے اعمال و صفات کی جستجو دائرہ ہستی سے الگ ہو کر نہیں بلکہ خود اس کے اندر سے کرنی چاہیئے اور اس سفر کی صحیح جہت یہ ہے کہ کائنات کے حسن و جمال اور نظم و اتقان کے مطالعہ و تفکر کے نقطہ سے قدم اٹھائے جائیں۔

مذہب و عقل کے سلسلے میں پروفیسر موصوف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انھوں نے کتب سماویہ کی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی۔

بے شبہ حکیم کانٹ کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی ہستی کا تصور دنیا کے نظام اخلاق کی ایک ضرورت ہے مگر پروفیسر موصوف اس سے متفق نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "کائنات ہستی کے ہمہ گیر حسن و جمال کے مطالعہ ہی سے ہم عالم ایجاد کا عقدۂ تخلیق حل کرسکتے ہیں۔ کانٹ کا نظام اخلاق کیا ہے؟ وہ بھی اسی نظام جمال کا ایک منظر ہے"

پروفیسر موصوف نے صفات الٰہی کے موضوع پر بھی نظر ڈالی ہے اور ان کی نظر اُسی پہلو پر گئی ہے جو متکلمین اسلام میں معتزلہ نے اختیار کیا تھا۔ معتزلہ کی نظر تنزیہہ کی طرف گئی تھی اور اشاعرہ کی نظر قدرت کی طرف۔ اس لئے معتزلہ خدا کی طرف کسی اعتبار سے بھی شر کی نسبت گوارا نہیں کرتے لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت و خلقت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں البتہ اس کے تمام احکام و اعمال حکمت و عدالت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح یہی علم کلام میں نفی شر کا مسئلہ سینٹ آگسٹائن کی طرف منسوب ہے۔

پروفیسر موصوف کہتے ہیں:

"خدا کی اچھائی ہی خدائی ہے۔ خدا کی ایسی ہستی ہی کامل کہی جا سکتی ہے جو شر کے منافی ہو"

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خدا کی قدرت اور اس کے اعمال صرف خیر ہی میں محدود ہیں تو یہ قدرت کا نقص ہوا یا نہیں ...

"اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے البتہ ہم حق، حسن اور خیر کا ایک ہمہ گیر نظام محسوس کر رہے ہیں۔ یہ خود ہم میں بھی موجود ہے اور اس کا مبدء و خدا کی کامل ہستی ہے۔ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اذعان ہوجاتا ہے کہ اس ابدی و ازلی مبدء میں شر کی گنجائش نہیں"

دراصل پروفیسر موصوف نے اس منزل پر پہونچکر سخت غلطی کی اور اسی لئے سوال اور جواب، دونوں حقیقت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ موقعہ بحث و تشریح کا نہیں، قارئین الہلال باب التفسیر کے مباحث کا انتظار کریں۔

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ١ — کلکتہ : جمعہ ٢٣ ذوالحج ١٣٤٥ ہجری — نمبر ٢

Calcutta : Friday, June 24, 1927.

فہرس

اطلاعات ضروری

(١) ہر چیز کی ابتدا ہوتی ہے اور تکمیل - الہلال کے یہ دو نمبر نئے سلسلۂ اشاعت کی ابتدا تھی - ہمیں امید ہے کہ تیسرے نمبر سے اسکی ظاہری و معنوی تکمیل شروع ہو جائیگی -

(٢) ان دونوں نمبروں میں متعدد اہم ابواب شروع نہ ہوسکے - اب آئندہ نمبر کی ترتیب ابتدا سے ایسی اختیار کی جائیگی کہ زیادہ سے زیادہ ابواب و اقسام کی گنجایش نکل آئے - خاص مضامین میں سے ملکی و سیاسی مباحث اور باب التفسیر کے مختلف عنوان' اور عام قسم کے مضامین میں سے افسانہ و تاریخ کا حصہ اہم ہے - امید ہے کہ آیندہ نمبر سے شروع ہو جائیگا -

(٣) تصاویر کا بھی مطلوبہ ذخیرہ طیار ہوگیا ہے - ٹائپ کے حصہ کے تمام مضامین تقریباً مصور ہونگے - ایک خاص صفحہ صرف تصاویر کا بھی بڑھا دیا جائیگا - بعض مضامین کیلئے متعدد رنگوں میں چھپی ہوئی تصاویر ضروری تھیں - انکی لوحیں بھی بنکر طیار ہوگئی ہیں -

(٤) مصر اور جرمنی کا ٹائپ بھی آگیا ہے - امید ہے کہ مزید حسن و زیبائش کا باعث ہوگا -

(٥) عالم شرق و اسلام کے مشاہیر اہل قلم کے متعدد اہم مقالات (علاوہ ہفتہ وار چٹھیوں کے) پچھلی ڈاک میں آگئے ہیں - اور آیندہ درج ہونگے

(٦) شائقین الہلال سے امید ہے کہ توسیع اشاعت کیلئے پوری کوشش کرینگے' کیونکہ الہلال کے گرانقدر مصارف صرف اسکی غیر معمولی اشاعت ہی سے پورے کیے جاسکتے ہیں -

(٧) رسالہ کی خریداری وغیرہ امور کے متعلق جو خطوط ہوں' براہ عنایت انہیں مولانا ابوالکلام کے نام نہ بھیجئے تو اسکی وجہ سے تعمیل میں تاخیر ہو جاتی ہے - براہ راست " منیجر " کے نام آنا چاہئیں -

منیجر

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے -

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي	- - -	سات روپیہ
قیمت في پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے - لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاهیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ دو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(حکایت برق و خرمن)

اس بارے میں میرے اجزاء فکر اور اوراق نظر کی پریشان حالیوں کا بھی کچھ عجیب حال ہے - علم کی زندگی سیاست کی زندگی سے کچھ اس طرح مختلف واقع ہوئی ہے کہ دونوں کا ایک وقت اور ایک محل میں جمع ہونا بہت مشکل ہے - میری زندگی کی مشکلات میں پہلی مشکل یہ واقع ہوئی کہ میں نے چاہا دونوں کو بہ یک وقت اور بہ یک محل جمع کردوں :

پنبہ را آشتی ایں جا بہ شرار افتادست !

دراصل ذوق کی وسعت، طلب کی عدم قناعت، نظر کی بلند پیمائیاں، اور فکر کی مشکل پسندیاں نہ تو ایک راہ پر صبر کرسکتی ہیں، نہ سہل و آسان روشیں اختیار کرسکتی ہیں - دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ہیں، اور استعداد و صلاحیت کے دائرے بناکر ان میں لکیریں کھینچ دی ہیں، تاکہ تقسیم عمل کے حدود قائم ہوجائیں - لیکن یہ تقسیمیں اور حد بندیاں ہمیشہ نہیں چل سکتیں - کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیعت کا جوش اور فکر کی وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کی تنگ نائیوں میں قانع نہیں رہسکتی، اور حد بندیاں توڑکر باہر نکل جاتی ہے - میں فکر کی یکسوئی اور ایک ہی راہ پر پڑ جانے کی آسانیوں سے بے خبر نہیں ہوں - لیکن کیا کروں ؟ مبدء ازل نے طبیعتیں تقسیم کرتے ہوئے مجھ کا مراد ایسی ہی پسند کیا کہ ہر راہ کی پیمائش اور ہر کوچے کی کاوش کا اضطراب اسمیں ودیعت کردیا جائے - علم کا استغراق اور سیاست کی خود فروشیاں دنیا کیلیے متضاد ہوں تو ہوں، لیکن میرے لیے تو ایک ہی دماغ کا سودا اور ایک ہی دل کی تپش تھی :

روے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست !

جہاں تک بن پڑا، آب و آتش کی اس یک جائی اور برق و خرمن کی اس بزم آرائی میں کوتاہی بھی نہ ہوئی - سیاسی زندگی کی سرگردانیاں ایسی ہی سخت کیوں نہ رہی ہوں، لیکن ذہن و فکر کی مشغولیتوں میں کبھی خلل نہ ڈال سکیں - لوگوں نے گوشہ ہائے چمن کے سکون اور مکتب خانوں کے بے خلل استغراق میں علم و نظر کے مرحلے طے کیے ہیں، لیکن یہاں جو کچھہ پیش آیا یہ تھا کہ سیاسی و ملکی صف آرائیوں کے ہنگامے تھے، یا نظر بندی کی سختیاں اور قید خانے کی آزمائشیں تھیں - تاہم دماغ اپنے کاموں میں مشغول اور فکر اپنی کاوشوں میں سرگرم تھا :

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ نہ دارم

لیکن اس کارخانۂ طبیعت میں کوئی چیز بھی اپنے قدرتی خواص معطل نہیں کردے سکتی - برق کے لیے کوندنا اور خرمن کے لیے جلنا ناگزیر ہے - نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف ذوق علم کاغذ و قلم کے انبار لگا رہا تھا، دوسری طرف سیاسی مشغولیت کی آتش افروزیاں بھی اپنے کام میں سرگرم تھیں :

متاعی جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا !

سنہ ۱۶ سے لیکر سنہ ۲۱ - تک یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رہے کہ ایک طرف میں اپنا سرمایۂ فکر جمع کرتا جاتا تھا - دوسری طرف دست برد زمانہ انہیں پوری بے دردی کے ساتھہ منتشر کرتا جاتا تھا - اور چونکہ یہ خود اپنی اختیار کردہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا، اس لیے صبر کے سوا چارۂ کار بھی نہ تھا :

ایں کار چو خود کردم، با خود چہ توانم کرد؟

(سنہ ۱۶ - سے ۲۱ - تک)

سنہ ۱۶ - میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچی گیا، تو یہ وہ وقت تھا کہ البلاغ اور دار الارشاد کی مشغولیت کے ساتھہ میں نے اپنے افکار و تحقیقات کی تحریر و ترتیب بھی شروع کردی تھی - جن امور کی تکمیل و ترتیب پیش نظر تھی، وہ کسی ایک ہی موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے - بے شمار گوشے سامنے آتے تھے، اور ہرگوشۂ نظر میں اس کثرت سے متفرق اور منتشر حقیقتیں نمایاں ہوتی تھیں کہ ان سب کا جمع کرنا، اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نہ تھا - ضرورت تھی کہ عرصہ تک فکر و کاوش کا معاملہ جاری رہے - بہت سی چیزیں ابتدائی شکل میں مرتب ہوئی تھیں - بہت سی ناتمام تھیں - برسوں سے دماغ اس کا عادی ہوگیا ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی گوشۂ تحقیق کی فکر اور کسی نہ کسی عقدۂ کار کے حل میں مشغول رہتا ہے، اور ایسی بے شمار یاد داشتیں جو فی الحقیقت کسی نہ کسی معاملۂ علم و تحقیق کی اصولی بنیادیں ہوتی ہیں، قلم سے نکلتی رہتی ہیں - اسوقت تک کم از کم ایک ہزار چھوٹے بڑے پرچے تو صرف یاد داشتوں ہی کے سیاہ ہوچکے ہونگے !

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا !

یہ تمام ذخیرہ، دماغ کا حاصل اور زندگی کا سرمایہ تھا - اسمیں سے کچھہ حصہ تو اپنے ساتھہ رانچی لے گیا تھا - باقی حصہ کلکتہ کے سکونتی مکان میں چھوڑ دیا تھا - کیونکہ اسوقت حالات کی رفتار کچھہ عجیب طرح کی تھی - نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مستقبل میں کیا پیش آتا - لیکن جب پانچ ماہ کے بعد حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کیے، تو ایک ہی وقت میں رانچی اور کلکتہ، دونوں جگہ خانہ تلاشی کی گئی - اور پھر اُس وقت سے لگاتار سلسلہ اس کا جاری ہوگیا - رانچی میں دو مرتبہ اور کلکتہ میں تین مرتبہ یہ معاملہ پیش آیا - کلکتہ میں نہ صرف میرے سکونتی مکان اور مطبع ہی کی تلاشی لی گئی بلکہ ان تمام مکانات کی بھی لی گئی جہاں کوئی ادنیٰ سا شبہہ بھی میرے کاغذات کی موجودگی کا ہوسکتا تھا - کاغذات زیادہ تر متفرق مسودات تھے - یاد داشتیں تھیں - مجمل اشارات تھے - میں عموماً یاد داشت فارسی میں یا عربی میں لکھا کرتا ہوں کیونکہ اردو میں اختصار ممکن نہیں - تلاشی کا کام زیادہ تر انگریز حکام یا بنگالی ماتحتوں کے ذمہ تھا - اور ان میں کوئی مسلمان تھا بھی تو ٹوٹی پھوٹی اردو کے سوا کچھہ نہیں جانتا تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کاغذ پُر اسرار اور ہر سطر سیاسی راز بنگئی، اور سب کو ایک ڈھیر کی شکل میں جمع کرکے قبضہ میں لے لیا گیا - کاش احتیاط کے ساتھہ جمع کرتے اور احتیاط کے ساتھہ رکھتے - لیکن ان میں کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ہوتا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشی کے وقت کی بے احتیاطیوں میں ضائع گئے، اور نصف جو باقی رہے، انہیں بھی اس بے احتیاطی کے ساتھہ اِدھر اُدھر جوڑ دیا گیا کہ کوئی ایک چیز بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی - پھر اس پر طرہ یہ کہ یہ برباد شدہ ذخیرہ بھی پورا واپس نہیں ملا - جو کاغذات کلکتہ سے لیے گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ کچھہ دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں رہے تھے - اتفاقاً وہاں کے ایک گوشہ میں آگ لگ گئی - اور دفتر کے سامان کے ساتھہ بعض اوراق بھی جل گئے - پولیس کے دفتر میں آگ بھی لگی تھی تو اسی وقت، جب یہ دفتر پریشاں وہاں جمع تھا !

گری تھی جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

الہلال کا تیسرا دور

باز نوائے بلبـــلی عشق تو یاد می دهد !
هر که بعشق نیست خوش عمر به باد می دهد !

(مقاصد و مطالب)

جب کسی چیز کے اوصاف اسکی خصوصیات کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں تو پہر ذات اور صفات کی تفریق اُٹھہ جاتی ہے۔ ذات کا تصور ہی اوصاف کے تصور کیلئے کافی ہوتا ہے - الہلال کے ظاہری و باطنی اوصاف جتنے بہی تہے اور جیسے کچہہ بہی تہے، خصوصیات کا درجہ رکہتے تہے، اور اب بہی کہ گیارہ برس کی کافی مدت گزر چکی ہے، بدستور خصوصیات ہیں - پس جہانتک مقاصد و مطالب کا تعلق ہے، کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں - صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ الہلال تیسری مرتبہ اسلئے نکل رہا ہے تاکہ تیسری مرتبہ الہلال نکلے - الہلال کے مقاصد و مطالب کی تشریح میں اگر صفحے کے صفحے لکہڈالے جائیں، جب بہی اِتنی وضاحت نہ ہوسکے گی، جتنی اس ایک جملہ میں موجود ہے :

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

لیکن ممکن ہے بعض طبیعتوں کیلئے کہ معانی و حقیقت سے کہیں زیادہ صورت و لفظ سے آشنائی رکہتے ہیں، یہ کافی نہو اور انکا انتظار باقی رہے، اسلئے بہتر ہوگا کہ چند الفاظ اس بارے میں بہی حوالۂ قلم کردیے جائیں -

(مقاصد خاص و مقاصد عام)

الہلال جب سنہ ۱۹۱۲ - میں نکلا تہا تو اُس کے پیش نظر کچہہ مقاصد تو خاص قسم کے تہے اور کچہہ عام قسم کے

عام مقاصد کا تعلق عام علم و ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تہا، اور مقصود یہ تہا کہ اردو زبان میں ہر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایہ رسالہ وجود میں آجائے جو زمانہ کی رفتار ترقی کا ساتہہ دے سکے، اور فکر و نگارش کے ہر میدان میں ایک نئی قسم کی بلندی پیدا کردے -

خاص مقاصد کا تعلق اس کی "دعوت" سے تہا - وہ دعوت جو مذہب میں مجتہدانہ نظر و فکر کا ایک نیا دروازہ کہولدینی تہی، اور سیاست میں آزادی فکر و عمل اور علوئے نظر و رائے کی طرف مسلمانوں کو لیجانا چاہتی تہی - اس کی دعوت کا معاملہ اس درجہ وسیع اور گہرا ہے کہ یا تو صرف مجمل اشارہ کیا جا سکتا ہے، یا پوری تفصیل کی جاسکتی ہے - ادہوری تفصیل یا تفصیل نما اجمال سود مند نہوگا - اس لئے صرف اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں -

بہر حال اس کے مقاصد کا ایک حصہ "دعوت" تہا اور یہ خاص تہا - ایکحصہ علم و ادب اور صحافت و کتابت کے اعلی نمونوں پر مشتمل تہا اور یہ عام تہا - اس کی "دعوت" نے اگر قوم کی سیاسی و دینی ذہنیت (منٹیلٹی) میں انقلاب پیدا کرنا چاہا تہا، تو تحریر و کتابت نے اردو ادبیات کی رفتار بدل دینی چاہی تہی - ان دونوں قسموں کے مقاصد میں اُسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کے جواب کا معاملہ اب تاریخ کے سپرد ہوچکا ہے - بہتر ہے کہ اس میں مداخلت نہ کی جاے -

دنیا اور دنیا کے ساتہہ ہندوستان گیارہ بارہ برس آگے بڑھچکا ہے، سنہ ۱۲ اور ۲۷ کے درمیان تغیر و ترقی کی ایک بڑی مسافت حائل ہے - تاہم جہانتک الہلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق ہے، صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اسکے لئے اب بہی دونوں میدان عمل ویسے ہی منتظر و باز ہیں، جیسے سنہ ۱۲ اور ۱۶ میں تہے - اب بہی اسکی "دعوت" کیلئے وقت کی احتیاج راہ تک رہی ہے - اور اسکی تحریر و کتابۃ اور آرایش اوراق و صحائف کی جگہ بزم سخن میں خالی ہے - البتہ حالات کی تبدیلی نے سفر میں نہیں لیکن منزل کے محل میں ضرور تبدیلی کردی ہے پہلے اگر اسکا سفر ابتدا کے نقطہ سے شروع ہوا تہا تو اب بعد کی منزلوں سے شروع ہونا چاہیے پہلے دعوت کی ضرورت اسلئے تہی کہ راہ کہلے اور سفر شروع ہو، اب کہ دروازہ کہل چکا ہے اور قدم بہی رسم و راہ سفر سے نا آشنا نہ رہے، اسکی صدائیں اسلئے مطلوب ہیں کہ راہ کی مشکلیں حل کی جائیں، اور سعی و طلب کے جو قدم اُٹہہ چکے ہیں وہ بے راہ روی سے محفوظ رہیں :

مرا بنو خضر عقل نیز باید از چپ و راست
نه نم رهی نه کنشم ور نه عزم راه خطاست !

اِس سلسلہ میں اگرچہ بہت سی چیزیں اہم ہیں اور انہیں جلد از جلد بیان میں آنا چاہئے، لیکن خصوصیت کے ساتہہ تین موضوع وقت کی ضروریات کے اصلی موضوع ہیں، اور اسلیے الہلال کے صفحات پر انکا خصوصیت کے ساتہہ انتظار کرنا چاہئے :

(۱) ملک کی موجودہ سیاسی زندگی کے عملی مسائل .

(۲) مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا موجودہ ذہنی اور عملی انتشار جو پچہلی حرکت کے رد فعل (ری ایکشن) کی صورت میں نمایاں ہوا، اور اسکے عملی مسائل و مباحث .

(۳) مسلمانان ہند کی قومی و اجتماعی ذہنیت کی تشکیل اور اسکے اہم مباحث .

(الہـــلال کے دینی اور علمی مباحث)

اِنکے علاوہ ایک اَور قسم بہی اہم ہے - الہـلال نے اپنے دینی و علمی مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازہ کہولا تہا، لیکن وہ محض ابتدا تہی - ضرورت تہی کہ ان بنیادوں پر عمارتیں اُٹہائی جاتیں - بارہ سال گزر گئے - لوگ انتظار کرتے کرتے تہک گئے انتظار و طلب نے مایوسی کی شکل اختیار کرلی - لیکن مجہے مہلت نہ ملی کہ اس کام کی تکمیل و اشاعت کی طرف متوجہ ہوتا - جو اصحاب علم و ذوق اُن چیزوں کے طالب گار تہے، اُن پر میری عملی مشغولیتیں شاق گزرتی تہیں - وہ چاہتے تہے، ہمہ تن انہی کاموں کیلئے وقف ہو جاؤں - میں اپنی سیاسی مشغولیت ترک کر دینے پر قادر نہ تہا - اب بہی قادر نہیں ہوں - لیکن ساتہہ ہی یقین رکہتا ہوں کہ نہ صرف علمی و دینی تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ خود قوم کی عملی زندگی کی صحیح نشوونما کیلئے اُن کاموں کی تکمیل سب سے زیادہ ضروری ہے -

موجودہ ترکي شاعري کا ايک نمونہ

شاعــر اور بلبل

موجودہ عہد کے ترک اهل قلم نے جديد ترکي علم ادب کو دو قسموں ميں منقسم کر ديا هے - پہلي قسم "قبل از دستور" کي هے - دوسري "بعد از دستور" کي - "دستور" سے مقصود سنہ ۱۹۰۸ کا انقلاب هے جب عثماني پارليمنٹ قائم هوئي تهي -

عہد "بعد از دستور" کے شعرا ميں ضياء الدين خسرو زادہ خصوصيت کے ساتهہ قابل ذکر هيں - عالمگير جنگ سے پہلے انکے کلام کا ايک مجموعہ "نغمۂ فلک" کے نام سے شائع هوا تها اور اس درجہ مقبول هوا تها کہ فرانسيسي اور طلياني زبانوں ميں بهي اسکا ترجمہ هوگيا - اب انکے کلام کا ايک نيا مجموعہ "نغمۂ ارض" شائع هوا هے - "نغمۂ فلک" ميں اجرام سماوي کي بزم طرب آراستہ کي گئي تهي - ليکن نغمۂ ارض زمين کے مناظر حسن اور سامان جمال کي طرف دعوت نظر اور صلاے ذوق هے !

اِس مجموعہ ميں پہلي نظم "شاعر اور بلبل" کے عنوان سے هے اور چار حصوں ميں ختم هوئي هے - هم اُسکے ايک حصہ کا ترجمہ آج شائع کرتے هيں - اُردو کے شائقين ادب اِس سے اندازہ کرسکينگے کہ موجودہ ترکي شاعري کے ذوق و تخيل کا کيا حال هے ؟

***

"شاعــر اور بلبل"

شعراء نے بلبل ديکهي اور اُس سے سوال کيا :

"گانا ختم کرنے کے بعد تيري جگهہ کہاں هوگي ؟"

بلبل نے جواب ميں اپنے شيريں راگ شروع کرديے - سب کے دل گرما گيے - سب کے سر جهک گئے - ايک لمحہ کامل خاموشي ميں گزر گيا !

آخر ايک شاعر نے سر اُٹهايا :

"کيسي عجيب چڑيا هے ! دنيا کي تمام زبانيں سمجهتي هے - اسي ليے روئے زمين کے سب ملکوں کي سياحت کرچکي هے !"

دوسرے نے کہا :

"بے شک يہ تمام زبانيں سمجهتي هے - ليکن خود ايک ايسي زبان بولتي هے جسے گو سمجهتے سب هيں مگر بول کوئي نہيں سکتا ـــ"

سب گردنيں جهکاکر بحر خيال ميں ڈوب گئے - پهر کسي نے ايک لفظ بهي نہ کہا !

***

شاعر جمع تهے - رات کا وقت تها - تاريکي پهيلي هوئي تهي - چمن زار سے بلبل نکلي - قريب کے درخت پر آبيٹهي دلکش نغمے بلند هوگئے - هر شاعر کا سر بے اختيار اُٹهہ گيا -

مجمع پر [illegible] خاموشي چهائي تهي !

راگ دلفريب اور فضا غمناک تهي !

ايک شاعر کي آنکهيں اشکبار هوگئيں :

"جا ' جا ' ـــ اُو خوش گلو گويے جا ـــ دوست عزيز ـــ آہ تو نے ميرے وطن [illegible] شفاف آسمان کے نيچے پرورش پائي هے ـــ ميرے دل کے دروازے تيرے لئے کهل گئے ـــ ميں تجهسے محبت کرتا هوں ـــ وطن عزيز اور ميرے دوستوں کا حال سنا ـــ مجهے وہ دل کشا باغ و چمن ياد هيں ـــ وہ بلوري نہر ـــ وہ جهوٹي سي پہاڑ کي چوٹي ـــ زرافشاں کرنوں ميں چمکتي هوئي ـــ وہ آباد شہر مجهے سب کچهہ ابتک ياد هے ـــ تيري شيريں آواز نے فراموشي کے بادل ميرے دماغ سے هٹا ديے ـــ ياد داشت رفتہ واپس آگئي ـــ تذکار معززين نے پهر زخم دل نکو نشتر چهو ديا - آہ ! مجهے ايسا محسوس هوتا هے کہ ميرے کان پاني بہنے کا شور سن رهے هيں ـــ پہاڑوں اور جنگلوں سے پاني لہراتا هوا باغوں ميں چلا آ رها هے - هرے بهرے باغ ـــ سرد و شيريں پاني ـــ افسوس ! ميں پرديس کي مصيبتيں کيوں جهيل رها هوں ؟ رنج و کلفت ميں کيوں اسير هوں ـــ ؟"

بلبل نے راگ ميں جواب ديا :

"آسمان پر سورج چاند کي جوڑي هميشہ بني رهے ! ستاروں کي بزم عشرت کبهي برهم نہ هو ! هم هر وقت اُنسے لطف اُٹهاتے هيں ـــ چشموں کے منہ هر انسان کيلئے کهلے هيں ـــ اميدوں کا طائر ميموں هر دل پر بازو کهولے اُڑ رها هے ـــ محبت کي ديوي سب سے هم آغوش هونے کو طيار هے ـــ مسرت کي مقدار لا متناهي هے ـــ عيش حيات کي صراحي کبهي خالي نہيں هوئي ـــ کامراني کا جام هميشہ سے گردش ميں هے ـــ جتنا جي چاهے پي او ـــ آخر کار هم ايک هي مکان کے صحن ميں جمع هونگے ـــ وهاں ' اُس آخري وطن ميں ' اپنے محبوب عزيز کو گلے لگائينگے ـــ"

روتے هوئے شاعر نے ٹهنڈي سانس بهري اور چپ هوگيا -

***

دوسرے شاعر کي اکهڑي آواز بلند هوئي :

"ميرے وطن کي سرحديں کس طرح طے کيں ؟ ـــ خوبصورت چڑيا ! هم وطنوں نے تجهے کيوں جانے ديا ؟ ـــ کسي نے بهي تجهے نہيں روکا ؟ ـــ کيا تو پهر وهاں جائيگي ؟ ـــ اگر جائيو تو مجهے بهي ساتهہ ليتي جائيو ـــ پهولوں سے لدے پهندے باغ اپنے ساتهہ لے چل! آہ وہ باغ جنکي مخملي زمين پر ميري مسين بهيگي تهيں ـــ ميں يہاں غمزدہ هوں ـــ زندگي اور کامراني کا بوسہ حاصل کرنے سے پہلے هي قبر کي آغوش ميں چلا جاؤنگا - آہ ' زندگي اور کامراني کا بوسہ ـــ نئے چمکتے هوئے آفتاب کا بوسہ ـــ ماہ دو هفتہ کي سرد اور پر عيش کرنوں سے هم آغوشي ـــ ليکن ميري قبر پر ايک ناتمام آنسو بهي نہيں بهايا جائيگا ـــ"

بلبل نے جواب ديا :

"آفتاب و ماهتاب کي جوڑي سلامت رهے ـــ زندگي ميں سب اُنسے مسرت لوٹتے هيں ـــ هم سب کے سروں پر آسمان کي نيلي شبنمي تني هے ـــ هر دل ميں آرزوئيں هيں - [illegible] روح

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں :

تاریخ معتزلہ - سیرۃ شاہ ولی اللہ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ - خصائص مسلم - امثال القران - شرف جہاں قزوینی پر تبصرہ - مقدمۂ تفسیر کے کا تمام اجزاء - ترجمان القران کا مسودہ سورۂ ھود تک - تفسیر البیان سورۂ نساء کے ابتدائی حصہ تک - مضامین اور یاد داشتوں کا ذخیرہ انکے علاوہ ہے - قیام رانچی کے ابتدائی زمانے میں دو رسالے لکھنا شروع کیے تھے - ایک وحدۃ قوانین کائنات پر - دوسرا قانون انتخاب طبیعی اور معنویۃ کائنات پر - انکے اوراق بھی اسی ذخیرہ میں شامل ہوگئے -

اسکے بعد رانچی کی زندگی میں وہاں کی مقامی خدمات سے جسقدر وقت بچا' تصنیف و تالیف میں صرف ہوا - مقدمہ' ترجمہ' اور تفسیر کے بارے میں بہت سی تبدیلیاں فکر و خیال میں ہوگئی تھیں - تقریباً از سر نو کام شروع ہوا تھا - جنوری سنہ ۲۰ - میں اپنا تمام نیا ذخیرہ لیکر رانچی سے نکلا - اس مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ کم از کم ترجمان القران کسی نہ کسی طرح شائع کر دینا چاہئے - اسی خیال سے متن قران کی کاپیاں ایک دوست عزیز کے اپنے اہتمام و صرف سے لاھور میں لکھوالیں' اور ترجمہ کی کتابت کا کام بھی ستمبر ۱۹۲۱ - میں شروع ہوگیا -

اگر پانچ چھہ ماہ تک بھی یہ حالت باقی رہتی' تو باوجود ہر طرح کی سیاسی مشغولیتوں کی سرگرانیوں کے' عجب نہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ ایک چیز مکمل ہوجاتی - لیکن اسے کیا کیجیے کہ اگر ایک طرف ان خرمن سازیوں اور سرمایہ اندوزیوں کی کوششیں جاری تھیں - تو دوسری طرف نگاہ برق کی دعوت میں بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی - ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو میں گرفتار ہوا' اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا - مختلف اغراض سے (جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں) پے در پے تلاشیاں کی گئیں -

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بے شمار مسودات و اوراق' بلکہ کتابت کی ہوئی کاپیوں کا بھی تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ہوکر پولیس کے قبضہ میں چلا گیا - ۹ - جنوری سنہ ۲۳ - کو جب رہا ہوکر واپس آیا' تو سنہ ۱۹۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۰ - تک کی تمام محنت تقریباً رائگاں ہوچکی تھی!

و متی یسا عدنا الوصال و دھرنا * یومان' یوم نوی و یوم صدود

عرصہ کی رد و کد کے بعد اوراق واپس ملے' لیکن تمام تر ناقص' منتشر' اور برباد شدہ تھے - اب بغیر نئی محنت کے ان کا کوئی حصہ بھی کام نہیں دے سکتا تھا - یہ بربادی پہلی بربادی سے بھی زیادہ ہمت شکن تھی' لیکن چونکہ خود اختیاری حالت کا نتیجہ تھی اس لئے جس طرح پہلی مرتبہ صبر و خاموشی کے ساتھ برداشت کرلی گئی تھی' اس مرتبہ بھی برداشت کرلینی پڑی - حتی کہ آج سے پہلے شاید اسکا تذکرہ بھی قلم و زبان سے آشنا نہیں ہوا -

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کی خبر ہے' وہ جانتے ہیں کہ ایک مفکر اور اہل قلم کے لئے یہ بات کتنی مشکل اور اذیت دہ ہوتی ہے کہ اپنی لکھی ہوئی چیز برباد دیکھے اور دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور ہو - مشہور ہے کہ جب کارلائل کی تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ جل گیا' تو عرصہ تک اس کا یہ حال تھا کہ قلم پکڑتا اور بغیر ایک حرف لکھے چھوڑ دیتا - کارلائل کا حادثہ اتفاقی تھا - اس لیے اسے شکایت زیب دیتی تھی اور اس کی بے تابی بھی قابل ملامت نہیں - لیکن میرے لیے جو حوادث پیش آئے' اتفاقی نہ تھے - اختیاری تھے - اس لیے دل کے لیے جتنے ھی درد انگیز اور ہمت شکن ہوں' لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئی وجہ شکایت نہیں ہوسکتی تھی - مجھے دونوں مرتبہ تسلیم کرلینا

پڑا کہ یا تو اس طرح کی زندگی اختیار نہیں کرنی تھی - کی ہے تو پھر اس کے تمام لازمی نتائج گوارا کرلینے چاہئیں - مرشد کا فیصلہ صرف ایک کشتۂ عشق ھی کیلیے نہیں بلکہ انسان کی تمام مصیبتوں کیلئے عام و ابدی فیصلہ ہے :

یا تن برضاء دوست می باید داد * یا قطع نظر ز یار می باید کرد !

قصد کے خلاف اس حصۂ بیان میں بہت طول ہوگیا - مختصر یہ ہے کہ جہانتک میری مذہبی اور علمی تدوینات کا تعلق ہے' حالات کی رفتار کچھہ عجیب طرح کی رہی ہے - عرصہ کے انتظار و التواء اور بار بار کی تعمیر و تخریب سے طبیعت کچھہ اس طرح اکتا گئی ہے کہ اب نہ تو ترتیب و ضبط کی طرف مائل ہے' نہ آرائش گفتار اور زینت بیان کا شوق ہے - صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی بنے' اور جس شکل و حالت میں بھی ممکن ہو' وہ تمام مطالب و تحقیقات ایک مرتبہ شائع ہو جائیں' جو اس تمام مدت کی دماغی گردش و جستجو کا نتیجہ ہیں -

چنانچہ اب کہ الہلال تیسری مرتبہ شائع کرنا پڑا ہے' اسکے صفحات کا ایک خاص حصہ اس مقصد کیلئے بھی وقف رہیگا -

البتہ یہ یاد رہے کہ نہ تو ہر طبیعت ان مباحث کی شائق ہے اور نہ ہر مخاطب انکے بار فہم کا متحمل :

بزم میں اہل سخن بھی ہیں تماشائی بھی !

رسالہ کی حسن ترتیب بھی اسکی متحمل نہیں کہ کوئی ایک ھی قسم کی چیز زیادہ جگہ روک لے - اسلئے ناگزیر ہے کہ حسب گنجائش جستہ جستہ جگہ نکالی جائے' اور ترتیب اشاعت ایسی اختیار کی جائے کہ صحبت کا ذائقہ بدلتا رہے - ایک ھی سلسلۂ بیان سے طبیعتیں اکتا نہ جائیں -

(عام مقاصد)

لیکن اگر ان خاص مقاصد سے قطع نظر کرلی جائے' جب بھی عام مقاصد کی ضرورت و اہمیت کا یہ حال ہے کہ اگر الہلال کے درجہ کے دس رسالے بھی ملک میں شائع ہوں جب بھی ضرورت پوری نہوگی -

چند حقیقتیں صاف اور تسلیم شدہ ہیں - یقیناً ان میں دو رایوں کی گنجایش نہیں : موجودہ زمانہ "پریس" اور مطبوعات کا زمانہ ہے - نہ صرف علم و ادب کی ترقی کیلئے بلکہ قومی و اجتماعی زندگی کی نشو و نما کیلئے بھی انکا وجود ناگزیر ہے - علم و ادب کی صحیح ترقی بجائے خود قوم کے اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی ہے - جیسی جیسی اسکی سطح بلند ہوگی' اتنی ھی قومی زندگی کی سطح بھی بلند ہوتی جائیگی - جہانتک "پریس" اور صحافۃ (جرنلزم) کا تعلق ہے' دنیا اسقدر آگے نکل چکی ہے کہ اب دس برس پیشتر کی صحافۃ صدیوں کی پرانی چیز معلوم ہوتی ہے - قومی زندگی کی تعمیر کیلئے ایک بنیاد کی اینٹ زبان ہے' زبان کی ترقی کے لئے پہلی چیز اسکی ادبیات (لٹریچر) ہیں' ادبیات کی نشو و نما بغیر اعلی درجہ کے رسائل و مطبوعات کے ممکن نہیں -

یہ' اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو معروف و معلوم ہیں' اگر صحیح ہیں' تو کیا اسکی ضرورت لوگ محسوس نہیں کرتے کہ تمام براعظم ہند میں کم از کم ایک رسالہ اردو کا ایسا موجود ہو جو اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات میں دنیا کی ترقی یافتہ صحافۃ کا نمونہ پیش کرسکے ؟

دنیا نے انیسویں صدی کے اوائل میں طباعت و صحافۃ کا کام جس نقطہ پر چھوڑا تھا' اردو زبان کی صحافۃ سنہ ۱۹۲۷ - میں اس پر قناعت کیے ہوے ہے - آخر یہ حالت کب تک باقی رہیگی ؟

کیا یورپ میں عربي نسل موجود ھے ؟

مندرجۂ صدر سوال کے جواب میں ڈاکٹر احمد شاھین ایک مصري اھل قلم نے ایک دلچسپ کتاب شائع کي ھے جو مصر کي تازہ ڈاک میں آئي ھے - اِس میں مختلف تاریخي اور جغرافیائي مصادر سے ثابت کیا ھے کہ اسوقت تک براعظم یورپ کے مختلف مقامات میں عربي نسل کي آبادیاں موجود ھیں - غالباً اس موضوع پر یہ پہلي کتاب ھے جو تاریخي تحقیقات کا ایک نیا میدان اھل نظر کیلئے مہیا کرتي ھے - مصنف نے فرانس کي عربي النسل آبادي کے بارے میں جو کچھہ لکھا ھے' ھم اس کا خلاصہ یہاں ترجمہ کر کے درج کرتے ھیں :

"ساتویں صدي کے اوائل میں عربوں نے فرانس پر حکمراني کي تھي - کاسون کے علاقہ پر اُنکا پورا قبضہ تھا اور یگور' رویگ' جیود' وان ڈگلے' لورا' اور وادي رون تک اُنکي فوجیں بڑھتي رھتي تھیں - اُنکا سب سے بڑا حریف ڈیوک ڈائکن تھا' اور برابر مقابلے کر رھا تھا - لیکن جب اُسکا ایک نیا دشمن پرنس چارلس مارٹل پیدا ھو گیا' تو اُس نے عربوں سے صلح کرلي اور اپني لڑکي عرب سپہ سالار عثمان بن علي سے بیاہ دي - اسکے بعد سنہ ۲۵۵ ھ میں خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئي - سپہ سالار عثمان نے خلیفۂ اندلس سے الگ ھو کر خود مختاري کا اعلان کر دیا - خلیفہ نے اُسکي سرکوبي کیلیے ایک فوج گراں بھیجي - اھل یورپ نے یہ حالت دیکھي تو باھم متفق ھوکر عربوں کے مقابلہ پر آ گئے اور "براتیہ" کا تاریخي معرکہ واقع ھوا - عربوں کو شکست ھوئي' اور وہ فرانس میں ھرطرف بھاگ نکلے - فرانس کے عام باشندوں نے انکے ساتھہ بد سلوکي نہیں کي' بلکہ مفرورین کا گرم جوشي سے خیر مقدم کیا - اُنکي شرافت' نیکي' اور اخلاق کي شہرت وہ مدت سے سنتے آ رھے تھے -

فرانسیسیوں کا یہ حسن ظن آج تک باقي ھے - دیہاتوں میں ابتک عربوں کي شجاعت اور فیاضي کي داستانیں پھیلي ھوئي ھیں جب کاموں سے فارغ ھوکر فرانسیسي کسان رات کے وقت بیٹھتے ھیں تو یہ پراني کہانیاں ایک دوسرے کو سنایا کرتے ھیں -

مقام مونٹر کسویل کے قریب ایک گاؤں "کرنلیہ" نام موجود ھے - یہاں کے باشندے عام فرانسیسیوں سے بالکل علحدہ زندگي بسر کرتے ھیں - اُنسے رشتہ داریاں بھي منظور نہیں کرتے - اِنکي زبان بھي خاص ھے دوسرے لوگ اُسے نہیں سمجھتے - کیونکہ اُس میں عربي الفاظ بکثرت موجود ھیں - یہ لوگ شادي کي تقریب میں فرانسیسیوں کي طرح ناچ کے جلسے بھي نہیں کرتے - اپني عورتوں کو باھر نکلنے سے بھي روکتے ھیں - اُنکي اکثر عورتیں ابتک برقعہ پہنتي ھیں -

فرانس کے ... علاقوں میں بکثرت ایسے دیہاتي موجود ھیں جو اپنے رنگ' ذھانت' اور محنت و مشقت میں عام فرانسیسیوں سے بالکل مختلف ھیں - یہ لوگ بھي دراصل عربي نسل سے ھیں - ملک کي آب و ھوا نے اُنپر زیادہ اثر نہیں ڈالا - صرف زبان بدل گئي ھے - تاھم "اللہ" کا تلفظ اسوقت تک صاف ہوتے ھیں - اِس لفظ کا استعمال اُنکي زبان میں عام ھے - اور بھي بہت سے عربي لفظ اُنکي بول چال میں موجود ھیں -

یہي باعث ھے کہ مشہور فرانسیسي مورخ مسیو حمر نے لکھا ھے :

"جب کسي کسان کو دیکھو' سانولا' تیز نظر' اور جري پاؤ' تو سمجھہ لو کہ وہ قدیم عربوں کي نسل سے ھے"

ایک دوسرا مورخ تصریح کرتا ھے :

"میں نے بہت سے فرانسیسي کسان ایسے دیکھے ھیں جنکے نام ابتک عربي ھیں - مثلاً فتح اللہ' عبد اللہ' باب اللہ وغیرہ - اُن کي زبان بھي عربي ھے اگرچہ بگڑ گئي ھے - میرے سوال پر اُنھوں نے بتایا کہ اُن کا نسب محفوظ ھے اور یہ کہ وہ عربي النسل ھیں"

فرنسب اور ڈوریان بوگے کے علاقوں کے باشندے ابتک عربوں کو یاد کرتے اور اُن کي بڑي تعریفیں کرتے ھیں - وہ تمام قدیم آثار اور شکستہ قلعوں کو عربي بتاتے ھیں - مغربي اور متوسط فرانس میں ابتک بہت سي عربي یادگاریں مثلاً پھاٹک اور قلعے وغیرہ موجود ھیں - اُن کے نام بھي عربي ھیں - اگرچہ اُنھیں فرانسیسي لب و لہجہ نے مسخ کر ڈالا ھے -

تاریخ' عربي فتوحات کي برکتوں کے ذکر سے لبریز ھے - اُنھوں نے صرف یہي نہیں کیا کہ اُن تاریک زمانوں میں علم کا نور فرانس میں پھیلایا بلکہ ھر طرح کي تمدني اصلاحات بھي جاري کیں - چنانچہ آب پاشي کے ذرائع اُنھي نے مہیا کیے اور باشندوں کو اُنسے فائدہ اٹھانے کے طریقے سکھائے - مختلف قسم کے غلے لے گئے اور اُنکي کاشت رائج کي - الپس کے پہاڑوں پر عمدہ گھاس مویشیوں کیلئے اُنھي کي پیدا کي ھوئي ھے - اوبوسون کے علاقے میں دري اور قالین بننے کے کارخانے قائم کئے - کورتین نامي گاؤں میں ابتک اِن کارخانوں کے عرب مزدوروں کي نسل موجود ھے - عربوں کے جانے سے پہلے فرانسیسي کشتي اور جہاز بنانا نہیں جانتے تھے - عربوں ھي سے اُنھوں نے یہ فن سیکھا - موسیو فرومنتین اور کتلوجید زندیہ مورخین نے اپني کتابوں میں ثابت کیا ھے کہ اھل فرانس نے فن تعمیر بھي عربوں ھي سے سیکھا تھا - اِسکا زندہ ثبوت ابتک موجود ھے - فرانس کا موجودہ فن تعمیر صاف بتا رھا ھے کہ عربي ذوق اُس میں کار فرما ھے"

میں امیدوں کا بسیرا ہے — سب کا مسرت میں حصہ ہے — نہ تو سورج کی کرنوں نے کبھی بخل کیا - نہ چاند کی بخشش جمال میں کبھی کوتاہی ہوئی — آخر کار ہم سب ایک ہی چار دیواری میں جمع ہونگے — وہاں اپنے محبوب عزیز کے بوسہ ہاے عشق سے لذت دوام حاصل کرینگے !"

***

عین اُس وقت کالی گھٹائیں ہٹ گئیں - ستاروں کے جھرمٹ میں بدر منیر جھومتا ہوا بر آمد ہوا -

تمام تاریکیاں معدوم ہوگئی تھیں - آسمان کی مجلس شب افروز آراستہ تھی - نور کے فرشتے صف بستہ کھڑے تھے !

ایک شاعر نے دبی زبان سے کہا :

" بلبل اپنی نغمہ سرائی میں صادق اور اپنے زیر و بم میں معصوم ہے — یہ دیکھو ماہتاب سامنے ہے — اُسکی روپہلی چاندنی ہمیں دعوت نشاط دے رہی ہے ! آخر کار دوستوں سے ملاقات یقینی ہے — پھر ہم کیوں رنج کریں ؟ کیا سورج کی چمک ' چاند کی مسکراہٹ ' ستاروں کی شب افروزی ' پھولوں کا قہقہہ ' شاخوں کا رقص ' باد صبا کی اٹکھیلیاں ' دریاؤں کی خوش خرامی ' اور پھر فطرت کے اس تمام جلوہ زار عیش و جمال کے سامنے اس مطرب کائنات کی نغمہ سنجی ' ہمارے سرور روح کیلیے کافی نہیں ؟ "

سب کے چہروں پر اطمینان کا سکون پھیل گیا - لبوں پر تبسم دوڑنے لگا - گویا اِس طائر میمون نے فکروں کا پہاڑ سر سے گرا دیا -

اب ہجر و فراق کا تلخ جام سب کے سامنے سے ہٹ گیا تھا - عیش دوام کی صراحی سب کے منہ سے لگی تھی !

***

آتش دان کے سامنے ایک بڑھا چپ بیٹھا تھا - افسردہ نگاہیں آگ پر تھیں - ٹھنڈی سانس لیکر بولا :

" آہ ! میں اِس ایندھن کی طرح ہوں — قریب ہے کہ سب لکڑی جل جائیگی — بالکل جل جائیگی — اِسی طرح میں بھی عنقریب جل جاؤنگا — سر تا سر جل جاؤنگا — "

لیکن فوراً بلبل کی آواز کان میں آئی - مایوس بڑھا جھنجھلاکر بولا :

" چپ اَو زبان دراز چڑیا چپ — جوانی کے دن یاد نہ دلا — وہ دن جب جسم میں قوت اور چستی تھی — جب نہ آنکھیں دیکھنے سے تھکتی تھیں ' نہ کان سننے سے — خوشی کے دنوں کی یاد تازہ نہ کر — میں اب زندہ اور پر امید انسان کی جگہ ہڈیوں کا ایک ڈھیر ہوں — مجھے پچھلا زمانہ بھول جانے دے — "

بلبل نے جواب دیا :

" ماضی بعینہ مستقبل ہے — اگر مستقبل تاریک ہے تو ماضی کی یاد اُسے روشن کردیگی — ماضی کی روح پرور نسیم ' حاضر کی گرمی ہلکا کردیگی — آفتاب زندگی ہر وقت درخشاں ہے — خود ہم اُسے اپنے فکروں کے بادلوں سے چھپا دیتے ہیں — "

ماضی ' حاضر ' مستقبل ' تینوں بڑھے کے دماغ میں آئے اور مل جل گئے - دل میں گدگدی پیدا ہوئی - آرزوں کے معطر پھول شگفتہ ہوگئے - وہ پھول جو چالیس برس کی عمر میں کلیوں کی پنکھڑیاں توڑ کر مسکرائے تھے !

بڑھے نے آہستہ سے کہا :

" بلبل نے سچ کہا — بے شک زندگی کا آفتاب ہر وقت روشن ہے — شباب اور پیری ایک ہی ہے — عاقل پیری کو بھی جوانی بنا سکتا ہے — بشرطیکہ جوانی کا پر جوش پانی بڑھاپے کے ساکن پانی میں ملا دے — مسرت کے دنوں کی یاد سے بڑھکر بھی کیا اس دنیا میں کوئی مسرت ہو سکتی ہے ؟ "

پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور بلبل کے نغموں میں بے خبر سو گیا !

ماں

(مادری محبت و شعور پر چند خیالات)

" دنیا کا سب سے زیادہ دلکش اور موثر منظر کیا ہے ؟ ماں کے وجود کا منظر ہے جب وہ اپنے بچہ کو ماں کا بھری نظروں سے دیکھتی ہے ! اِس سے زیادہ دلفریب نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہر قسم کے افکار و خیالات سے خالی الذہن ' سادہ دل بچہ کودتا اچھلتا پھرتا ہے ' اور اُسکی ماں مادرانہ محبت و ہوشیاری سے اُسکی معصومانہ حرکتوں کی نگرانی کر رہی ہے ! " (ناصق دمال)

***

" اُس احساس سے زیادہ خوشگوار احساس شاید کوئی نہیں جو ماں کے دل میں اپنے بچہ کو کھلانے کے وقت پیدا ہوتا ہے - اس احساس سے زیادہ الم ناک احساس کوئی نہیں جو ماں اپنے بچہ کو تکلیف میں دیکھکر محسوس کرتی ہے - اِس باب میں عورت ' مرد سے کہیں زیادہ زندگی اور زندگی کی حقیقت کا شعور رکھتی ہے "

" انسان ' باپ سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے - سب سے پہلی صورت جو ہمارے ذہن میں قائم ہوتی ہے وہ ہماری ماں ہی کی صورت ہوتی ہے - ہم زندگی بھر اُس صورت سے متاثر رہتے ہیں - جب ہم حسن کا احساس کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اپنی ماں کا وہ چہرہ آجاتا ہے جو ہمیں ہنسایا کرتا تھا - کبھی ہم اُسی کے خط و خال کو نا دانستہ حسن کا معیار قرار دیتے ہیں - ہم اپنی ماں کے کس قدر مزاج داں ہوتے ہیں ؟ صرف اُس کی آنکھیں دیکھکر ہم سمجھہ جاتے ہیں کہ وہ خوش ہے یا ناخوش ' حالانکہ ہم بالکل بچہ ہوتے ہیں اور ہمارا سادہ ذہن دنیا کی کوئی بات بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا " (بوفی)

***

" دنیا کی کوئی زبان بھی مادری محبت کی قوت ' خوبصورتی ' اور بہادری کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی - مرد جھجک کر رہ جاتا ہے - اُس کی قوت جواب دے جاتی ہے ' مگر ماں اپنے بیٹے کی محبت میں کبھی کمزور اور سست نہیں پڑتی - ماں ہمیشہ امانت و اخلاص کا ستارہ بنکر زندگی کے اِس صحرا میں اپنے بچے کی رہنمائی کرتی رہتی ہے " (شاہین)

***

" باپ بے اعتنائی کرسکتا ہے - بھائی دشمن بن سکتا ہے - زن و شو میں عداوت پیدا ہوسکتی ہے - لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا - وہ زندگی بھر یکساں حالت میں تر و تازہ رہتی ہے - لڑکا کتنے ہی قصور کرے ' ماں کی محبت برقرار رہتی ہے - وہ ہمیشہ آس لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کبھی نہ کبھی دن اُس کا لخت جگر نادم ہوکر اُس کی شفقت بھری گود میں ضرور آجائیگا - ماں زندگی بھر بچہ کی مسکراہٹ یاد رکھتی ہے - وہ مسکراہٹ جو اُس کے سینہ کو مسرت سے لبریز کردیتی تھی ! اِس یاد کی بیخودیگی میں وہ کسی طرح بھی اپنی مادری محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتی " ([illegible])

درجہ جسم انسانی تک پہنچ جاتی ہیں - یہ اثر اگرچہ خطرناک نہیں ہے مگر کافی گھبراہٹ اور دہشت طاری کردیتا ہے - اس مچھلی کی یہ برقی قوت ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد پھر عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور جب تک کچھ عرصہ سکون و آرام کی زندگی بسر نہ کرلے کام نہیں دےسکتی ۔

تارپیڈو کی تقریباً بیس قسمیں گرم اور نیم گرم سمندروں کے متفرق حصوں میں پائی جاتی ہیں ۔

(نیل کی برقی مچھلی)

برقی مچھلیوں کی دوسری جنس دریائے نیل میں پائی جاتی ہے ' جس کو علمی اصطلاح میں الکٹریکس مالپٹیرورس (Electricus Malapterurus) کہتے ہیں - اس کی صورت تارپیڈو مچھلی سے مختلف ہے - یہ ایک چھوٹی سی مضبوط وزن دار مچھلی ہے جس کی کھال چکنی اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - اسکی مونچھیں بھی ہوتی ہیں مگر چھوٹی - بھورے جسم پر چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ ہوتے ہیں - اس مچھلی کا بھی برقی آلہ تقریباً تارپیڈو مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے ۔

(ستارہ بیں)

برقی مچھلیوں کی تیسری قسم داغدار ہے - اس کا اصطلاحی نام استروسکوپس گوٹیٹس (Astrascopus guttatus) ہے - اسکی شکل سب سے علحدہ اور عجائب ہوتی ہے یہ ایک چھوٹی مگر قوی الجثہ مچھلی ہے جو ایک فٹ لمبی اور صورت میں مینڈک سے مشابہ ہوتی ہے - اسکا سر بڑا اور اوپر کی طرف چپٹا ہوتا ہے - اسکے تیوس اور کھردرے بدن پر چھوٹے چھوٹے چھلکے ہوتے ہیں جسم کے اوپر کا حصہ چھوٹے چھوٹے گول داغوں سے بھرا ہوتا ہے

تارپیڈو برقی مچھلی

اس کی اصلی خصوصیت اسکے سر کی ساخت ہے - یہ سر ایک مربع بکس کی طرح ہوتا ہے - دونوں آنکھیں سرے پر اس طرح لگی ہوتی ہے کہ ادھر ادھر یا نیچے نہیں دیکھ سکتیں - یہی وجہ ہے کہ اسکا نام ستارہ بیں (Star gazer) رکھا گیا ہے -

اس مچھلی کی آنکھوں کے پیچھے دکنے جوڑے کے دو چھوٹے چھوٹے برقی خزانے ہوتے ہیں - پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر الرک ڈاہلگرن (Ulric Dahlgren) نے اس برقی خزانے کے اجزاء کا مطالعہ کیا ہے - اس برقی آلہ کی ساخت بالکل نئی وضع کی ہے - اس میں بہت سے مسطح پرت مساوی مقدار کے ہوتے ہیں جنکو الکٹروپلیکس (Electroplax) کہتے ہیں ' اور ہر دو پرتوں کے درمیان ایک گاڑھا قوام ہوتا ہے - ستارہ بیں مچھلیوں کی بہت سی دوسری قسمیں جاپان اور یورپ کے ساحلوں پر ملتی ہیں - چونکہ یہ مچھلیاں گوشت خوار ہیں ' اسلئے قرینہ یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں برقی صدمے سے بیحس ہوکر انکے وسیع دہانے کا نوالہ بن جاتی ہونگی -

(برقی ایل)

جس مچھلی میں سب سے زیادہ برقی قوت ودیعت کی گئی ہے وہ برقی ایل (Eel) ہے جسکا اصطلاحی نام الکٹریکس الکٹروفورس (Electricus Electroforus) ہے - یہ مچھلی برازیل اور گائنا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے - ایل مچھلی کو ھندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں اور کھائی بھی جاتی ہے - برقی ایل اگرچہ اپنی لمبی اور سانپ نما شکل میں بام مچھلی سے مشابہ ہوتی ہے مگر علم حیوانات کی تحقیقات میں اسکی داخلی ساخت بام سے مختلف ہے -

برقی ایل اپنی برقی قوت میں تمام برقی مچھلیوں سے زیادہ طاقتور ہے - یہ برقی آلات کے دو جوڑے رکھتی ہے اور دونوں میں بہ کثرت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی ہیں - اس برقی آلہ کا ایک جوڑا اسکی دم کے اوپر ہوتا ہے ' دوسرا پچھلے بدن کی جڑ میں برازیل کی برقی ایل کی لمبائی چھ فٹ تک ہوتی ہے - اس کا برقی صدمہ ایسا تیز و شدید ہوتا ہے کہ مس ہوتے ہی جسم کو بالکل سل کر دیتا ہے ۔

ڈاکٹر ایم ' ای ' بلاک (M. E. Block) اپنی کتاب مچھلیوں کی طبعی تاریخ (Natural History) میں برقی ایل پر متعدد تجربوں کا بیان کرتے ہیں - ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مچھلیاں جب [illegible] میں ہوتی ہیں [illegible] برقی صدمہ [illegible] [illegible] [illegible] لہر اٹھنے لگتی ہے - اسلئے جسقدر سخت صدمہ آئیگا ' اتنا ہی زیادہ برق کا صدمہ بھی شدید ہوگا - جب یہ اپنی آزادی کی حالت میں پانی کے اندر ہوتی ہیں تو ان میں برقی قوت زیادہ رہتی ہے ' مگر جب قید کرلی جاتی ہیں تو گھٹ جاتی ہے -

تارپیڈو کا برقی خزانہ ایکس رے کی تصویر میں

جب برقی مچھلی مرنے لگتی ہے تو اسکی برقی قوت بھی کم ہوتی جاتی ہے - یہانتک کہ مرنے کے بعد بالکل زائل ہوجاتی ہے - ان مچھلیوں کی برقی لہر دھات کی اشیا اور تمام برق بدرو conductor اشیاء میں فوراً سرائت کرجاتی ہے مگر شیشہ اور ریشم پر اثر نہیں کرتی - چھوٹی مچھلیاں ان سے مس ہوتے ہی شل ہو جاتی ہیں اور یہ بہ آسانی اُن کا شکار کرلیتی ہیں ۔

بعض لوگوں نے دعوا کیا ہے کہ اگر دھات کے دو ٹکڑوں سے یہ مچھلی چھو دی جائے تو دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک برقی شرارہ پیدا ہوجائگا - مگر یہ دعوی ابھی تجربے کا محتاج ہے - ایک ماہر بیان کرتا ہے کہ اٹھائیس آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑکر حلقہ میں کھڑے ہوگئے ' اور اس حلقہ کے ایک سرے پر برقی ایل کا جسم چھو دیا گیا - معاً حلقہ کے تمام آدمیوں کو اسی طرح کا برقی صدمہ محسوس ہوا جیسا کسی بہت بڑے برقی آلہ کے استعمال سے ہوسکتا ہے !

برقي مچھلیاں

حکمت الٰہی کي کارفرمائیاں بھي کیسي عجیب و غریب هیں! انسان نے لاکھوں برس کي سراغ رسانیوں کے بعد کائنات کي ایک سب سے بڑي قوت کا کھوج لگایا جسکا نام قوت برق هے - یه قوت آج اس کي کاربراري کا سب سے بڑا خزانه هے - زمین اس سے روشن هوتي هے - آسمان پر طیارے اسي کے ذریعه اڑتے هیں - سواري کیلئے سب سے بڑا مرکب یهي هے - کارخانوں کیلئے سب سے بڑي قوت حرکت اسي سے ملتي هے - خبر رساني میں اسي کي پیغام بري پر آج معجزه نما دار و مدار هے - زمین کي طاقت کے تمام خزانے خالي هو جائیں' لیکن اس لازوال خزانے کے ختم هو جانے کا کبهي اندیشه نهیں -

لیکن جب انسان نے اس عجیب خزانۀ قوت پر قبضه کرکے فخر و غرور سے سر اٹھایا' تو قدرت نے اپنے پردۀ اسرار کا ایک نیا گوشه کهول دیا - انسان نے دیکھا اور دیکھکر ششدر رهگیا که جس چیز کو وه اپني طاقتوں کا سب سے بڑا خزانه سمجھکر اسقدر مغرور هو رها هے' وه قدرت کے کارخانۀ حیات میں اس سے زیاده قدر و قیمت نهیں رکھتي که چند حقیر اور مجهول جانوروں کے جنگ و شکار کا ایک معمولي سا هتهیار هے!

قدرت نے هر جاندار کو اسکي غذا کے حصول کیلئے مختلف قسم کي قوتیں اور طرح طرح کے آلات دیے هیں - کسي جانور کے پاس بڑے بڑے پنجے هیں - کسي کے پاس لمبے لمبے دانت هیں' کوئي سینگ کے هتهیار سے لڑتا هے' کوئي کبهي کبهي سانس کے ذریعه اپنا شکار کھینچ لیتا هے - ایسا هي ایک هتهیار برقي قوت کا خزانه (بیٹري) بھي هے - جن جانوروں کے پاس یه خزانه هے' وه اسے ایک هتهیار کي طرح کام میں لاتے هیں - جب انکا شکار قریب آتا هے' تو برقي قوت کي لہر اسے بے هوش یا شل کردیتي هے' اور وه اسے به آساني اپنا نواله بنا لیتے هیں!

ان جانوروں کا برقي خزانه انکے دوران خون کي حرارت سے کچهه ایسا عجیب تعلق رکهتا هے که همیشه برقي قوت اس سے حاصل کي رهتي هے - قوت کي تیزي اور اجراء کیلئے محرک کي ضرورت هے - یه کام انکے جوش اور غضب کے هیجان سے لیا جاتا هے - جونهي وه جوش میں آتے هیں' غضب و هیجان کي حرارت برقي خزانه کیلئے تازه قوت بهم پہنچا دیتي هے' اور برقي لہریں تیزي کے ساتهه اٹهنے اور ٹکرانے لگتي هیں!

ان جانوروں میں سب سے زیاده عجیب برقي مچھلیاں هیں - آج هم انکي بعض اقسام کي تشریح کرتے هیں - یه تشریح اس دلچسپ اور محققانه مضمون سے ماخوذ هے جو رساله سائنٹفک امریکن کي پچهلي اشاعت میں شائع هوا هے -

([illegible])

سنه ۱۸۸۲ ع کے موسم سرما میں جب [illegible] کي ویسٹ Key west کي مچھلیوں کي [illegible] تحقیق میں سرگرم تها' تو ایک [illegible] چهوٹي سي مچھلي اسکے هاتهه میں لگي [illegible] - اس نے [illegible] مچھلي [illegible] اس سے مس هوا [illegible] هوگیا!

برقي مچھلي کا یه پهلا [illegible] هے -

([illegible])

یه مچھلي اس جنس کي [illegible] Torpedo یا برقي رے (Electric ray) کہتے هیں - [illegible] سب سے چهوٹي قسم کي مچھلي هے - بہاما (Bahama) اور کي ویسٹ (Key west) کے ماهي گیر اسے "[illegible]" (numb fish) یعني شل کردینے والي مچھلي کہتے هیں - [illegible] هوگي - [illegible]

ان مچھلیوں کا جسم [illegible] عموماً [illegible] هوتي هے - یه برقي مچھلیاں [illegible] ساحل کے قریب [illegible] بحر الکاهل کي تارپیڈو کہلاتي هیں - انکا طول [illegible] هوتا هے اور وزن ایک من [illegible] هے - عام طور پر [illegible]

تمام تارپیڈو مچھلیوں کا برقي آله ساخت [illegible] هوتا هے - یه آله ایک بڑي تهیلي کي طرح هوتا هے جس میں شهد کي مکھیوں کے چھتے کي طرح چهوٹي چهوٹي مسدس [illegible] بني هوتي هیں - بڑي جسموں میں ایسي کوٹھریاں چارسو تک دیکهي گئي هیں - اس طرح کي تهیلیاں کهال کے نیچے' سر کے دونوں جانب' آنکھوں کے پیچھے' اور بازؤں کے پٹهوں کے جڑ سے ملي هوئي پائي گئي هیں - اس تهیلي کي هر کوٹهري گویا جسم کے پٹهوں کي ایک تبدیل شده صورت هے - وه ایک شفاف اور متحرک گاڑهے قوام (Jelly) سے بهري هوتي هے -

تارپیڈو مچھلي میں اس تهیلي کا برقي خزانه سب سے بڑا هوتا هے - وه اپنے دشمن پر اسي هتهیار سے حمله کرتي اور اسے شل کردیتي هے - چاقو' برچهي' تلوار سے اس پر حمله نهیں کیا جاسکتا کیونکه دهات کي اشیاء فوراً برقي لہر قبول کرلیتي هیں اور ان کے

موجودہ زمانے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علوم و تمدن کی ترقی اور سیر و حرکت کے حیرت انگیز وسائل نے قوموں اور ملکوں کا تفرقہ دور کر دیا ہے ' بحر و بر کے ڈانڈے مل گئے ہیں ' اور ساری دنیا ایسی ہوگئی ہے ' جیسے ایک مسلسل آبادی کے مختلف محلے اور حصے ہوتے ہیں !

لیکن اس پر بھی ہم دیکھہ رہے ہیں کہ قوموں اور ملکوں کے مکان کا تفرقہ جسقدر کم ہوتا جاتا ہے ' دل اور دماغ کا تفرقہ اُتنا ہی بڑھتا جاتا ہے - جسقدر تیزی سے بیسویں صدی کی موٹریں اور طیارے دوڑ رہے ہیں ' اُتنی ہی تیزی سے قوموں کے دل بھی ایک دوسرے سے برگشتہ ہو رہے ہیں !

لیکن اب سے تیرہ سو برس پہلے جب دنیا موجودہ زمانے کے تمام وسائل قرب و اجتماع سے محروم تھی ' بحر احمر کے کنارے ' ریگستان عرب کے وسط میں ' حجاز کی " چٹیل اور بے زراعت وادی " کے اندر ' ایک صداء اجتماع بلند ہوئی ' اور نسل انسانی کے منتشر افراد کا ایک نیا گھرانا آباد کیا گیا - انسانی اجتماع و یگانگت کی یہ پکار صرف اتنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ ملکوں کی سرحدیں اور جغرافیہ کی حدیں ایک دوسرے سے قریب ہوجائیں '

الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدہ ۲۸ - مئی کے مراسلہ میں لکھتے ہیں :

" آجکل بحر احمر کا یہ ساحلی مقام تمام کرۂ ارضی کے انسانوں کا مرکز بن گیا ہے - خشکی اور تری ' دونوں راہوں سے قوموں اور ملکوں کے قافلے پہنچ رہے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدہ کی زمین شق ہوگئی ہے اور انسانوں کے انبوہ اُگل رہی ہے -

اخبارات سے آپکو معلوم ہوچکا ہوگا کہ برطانی نمائندہ جدہ میں مقیم تھا تاکہ سلطان ابن سعود سے نئے معاہدہ کے مواد پر گفتگو کرے - نمایندہ [illegible] سکریٹریوں کا بھی ایک بڑا اسٹاف تھا ایک دن میں نے مغرب کی نماز ساحل کی ریگ پر ادا کی جہاں بعض رؤساء جدہ کے ذوق کی طرح ایک زیبائش [illegible] " [illegible] الصلوۃ " کے نام سے قائم ہوگیا ہے - نماز کے بعد جب میں لوٹا اور بازار کے قریب پہنچا ' تو دیکھتا ہوں برطانی نمایندہ کے اسٹاف کے چند انگریز کھڑے بازار کے نظارہ میں غرق ہیں - ان میں ایک شخص مسٹر رابرٹس نامی تھے جن سے میں ایک دو مرتبہ مل چکا تھا - میں نے انسے پوچھا " آپ کس چیز کے نظارہ میں اسقدر [illegible] ہو رہے ہیں ؟ " انہوں نے کہا :

عرفات میں حاجیوں کا اجتماع !

بلکہ اس کا مقصد نسل انسانی کے بکھرے ہوئے دلوں اور برگشتہ روحوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دینا تھا -

یہ پکار سنی گئی - کرۂ ارضی کے سارے گوشوں اور خشکی اور تری کی ساری راہوں سے اس پکار کی بازگشت بلند ہوئی - انجن اور برق کی برق رفتار سواریوں کے ذریعہ نہیں ' تار اور لاسلکی کے کڑکتے ہوئے ستونوں پر سے نہیں ' بلکہ دل کے اعتقاد اور روح کے ایمان کے ذریعہ اُسکی پکار سب نے سنی ' اور اسکی پکار کا جواب سب کی زبانوں سے نکلا !

یہ اسلام کی پکار تھی ! یہ اسلام کا فریضۂ حج تھا !

اس نے ملکوں کو اکٹھا کر دیا ' قوموں کو جوڑ دیا ' نسل اور زبان و مکان کے سارے تفرقے دور کر دیے ' گورے کو کالے کے ساتھہ اور بادشاہ کو فقیر بے نوا کے ساتھہ ایک ہی مقام میں ' ایک ہی وضع و لباس میں ' ایک ہی صورت و اعتقاد کے ساتھہ ' اسطرح جمع کر دیا کہ انسانی گمرہی کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ گئے ' انسانی اخوت و وحدت اپنی اصلی صورت میں بے نقاب ہوگئی !

" دیکھو ' یہ ہندوستانیوں کا گروہ ہے - یہ [illegible] جاوی ہوتے ہیں - انکے ساتھہ ایک چینی کی [illegible] جا رہی ہے - دوسری طرف ایک افغانستانی [illegible] کی بڑی سی پگڑی ہے - انکے پیچھے ایک [illegible] جیسے پہلے جا رہا ہے اور انکے ساتھہ [illegible] ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے - تیسری طرف دو حبشی کھڑے ہیں اور ایک مصری طربوش انکے پیچھے نظر آرہی ہے [illegible] قوموں کی آبادیاں جغرافیہ کے نقشے میں ڈھونڈھنی چاہیں ' تو دیکھیے کیسے عظیم سمندر اور بے کنار صحرا ان میں حائل نظر آتے ہیں ' لیکن یہاں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے - مثال کے اس موسم میں [illegible] دنیا کے تمام گوشے اس جگہ یکجا ہوجاتے ہیں - [illegible] حصے میں بھی ایسا منظر نظر آسکتا ہے ؟ [illegible] کوئی منظر ہے جو انسانی اجتماع کی [illegible] کا پتہ دے ؟ میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے ہاتھوں [illegible] کا سرا ہے جس سے بحر و بر کے یہ تمام گوشے کھینچ [illegible] ہیں ؟

اسلام کے ہاتھہ میں ! چھٹی صدی کے صحراء عرب [illegible] اسلام آج بھی انسانی اخوت کی سب سے بڑی زندہ قوت ہے "

ع

عالم شرق و اسلام

حج سنہ ۱۳۴۵

" وادي غير ذي زرع " میں قوموں کا هجوم اور ملکوں کا اتصال !

و اذن في الناس بالحج یاتوک رجالاً و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق !

منی میں حاجیوں کا ورود
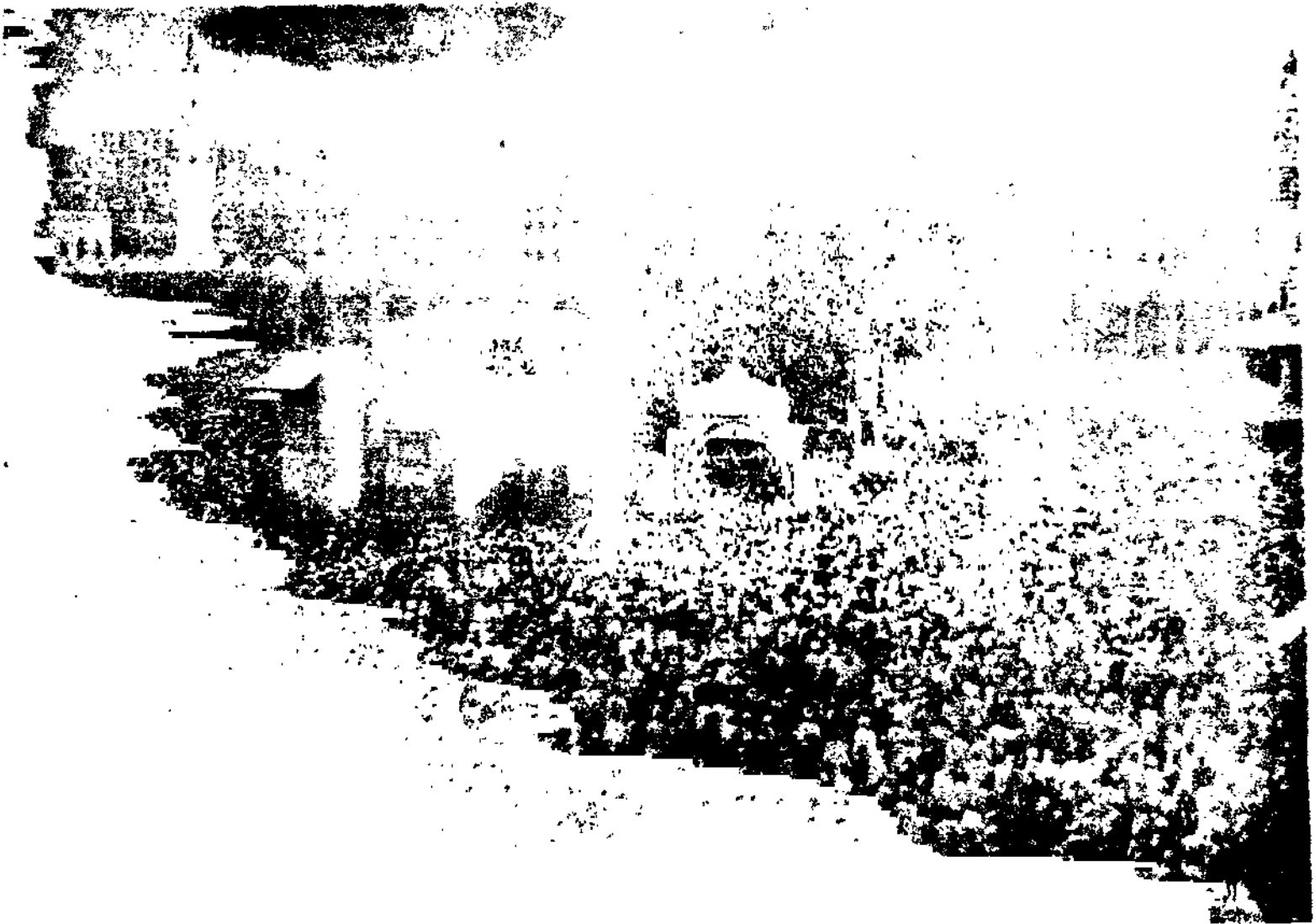
موسم حج میں مسجد حرام کا اجتماع جمعہ

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنی زندگی کے آخری اوقات میں

امام علی علیہ السلام

ایک مغربی شاعر کہتا ہے: "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل اور ضمیر و معنویت کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ انتظار کرو جب موت کا دروازہ اُس پر کھل جائے۔ اُس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائینگے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیا کرتا ہے۔ اُس کی روح شوق کی دستکش ہو کر سب سے نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے۔" یہ بالکل صحیح ہے۔ انسانی حقیقت کا بے پردہ معائنہ صرف اُس کی زندگی کے آخری لمحوں ہی میں کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہمیں خیال ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و مشاہیر کے صرف وہ حالات جمع کر دئے جائیں جن کا تعلق اُنکی زندگی کی آخری گھڑیوں سے ہے، تو یہ اخلاق، حکمت اور موعظت کا نہایت عبرت انگیز مجموعہ ہوگا، اور انسانی طبیعت و اخلاق کے بے شمار نکتے اُن سے حل ہو جائینگے۔ چنانچہ اس خیال سے مشاہیر عالم کے حالات پر نظر ڈالی گئی، اور جستجو و تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اس میں تاریخ اسلام کے تمام اکابر و مشاہیر خلفاء راشدین سے لیکر علماء و حکماء تک آگئے ہیں۔ انکے علاوہ عام مشاہیر عالم کی وفات کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ بہ حیثیت مجموعی جب اس ذخیرہ پر نظر ڈالی گئی، تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی متفرق حالات جو اپنی انفرادی صورت میں کوئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے اب یکجا ہو کر تاریخ عالم کی کیسی مفید، پُر تاثیر، اور قیمتی چیز بن گئے ہیں؟ آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آیندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود صرف قبل از موت حالات کا بجنسہٖ جمع کر دینا ہے۔ کسی طرح کی بحث و نظر مقصود نہیں ہے۔ البتہ حالات کے جمع کرنے میں پوری کاوش و جستجو کی گئی ہے۔

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی: امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی اور اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ "خوارج" کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اُس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسنے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرار دی تھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہذا وہ کوفہ اور دمشق، دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں چھپکر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دینگے۔ اور اُنھوں نے بدل ہی دی۔

عمرو بن بکیر تمیمی نے کہا: "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے!"

برک بن عبد اللہ تمیمی نے کہا: "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کروں گا کیونکہ اسنے شام میں قیصریت قائم کی ہے!"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالآخر عبد الرحمن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی: "میں علی کو قتل کر دوں گا!"

ان ہولناک جرموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دو پہلے شخص اپنی مہم میں ناکام رہے۔ لیکن عبد الرحمن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مکہ سے چلکر عبد الرحمن کوفہ پہونچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ عبد الرحمن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلۂ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اُسکی ملاقات ہو گئی۔ انھی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عامر بھی تھی۔ عبد الرحمن اُس پر عاشق ہو گیا۔ سنگ دل نازنین نے کہا: "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر طلب کروں وہ ادا کرو۔" ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا: "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز، اور علی کا قتل!" عبد الرحمن نے کہا: "منظور، مگر علی کو کیونکر قتل کروں؟" خونخوار معشوقہ نے جواب دیا: "چھپکر اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا۔" عبد الرحمن نے مطمئن ہو کر یہ شعر پڑھے:

ثلاثة آلاف وعبد وقينة ... وضرب علي بالحسام المصمم
فلا مهر اغلى من علي وان غلى ... ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم

(طبقات ابن سعد۔ کامل مبرد وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبد الرحمن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے: "خدا کی قسم، مجھے آں حضرت صلعم نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی۔"

عبد الرحمن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے آیا مگر آپنے لوٹا دیا۔ تیسری دفعہ آیا تو فرمایا: "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا) اس کے خون سے (سر کی طرف اشارہ کر کے) ضرور رنگ جانے والی ہے۔" (ابن سعد)

کبھی کبھی جب اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے: "تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے، اور انھیں مجھ سے راحت دے۔" (ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا: "قسم اس پروردگار کی جسنے بیج اگایا اور جان پیدا کی! یہ اس سے ضرور رنگ جانے والی ہے (اپنی ڈاڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین! ہمیں اُس کا نام بتائیے ہم ابھی اُس کا فیصلہ کر ڈالیں گے۔" فرمایا: "تو تم ایسے آدمی کو قتل کروگے جسنے مجھے ابھی قتل نہیں کیا ہے؟"

عرض کی گئی: "تو پھر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔" فرمایا: "نہیں، میں تمھیں اُسی حال میں چھوڑ جاؤنگا جس حال میں تمھیں رسول اللہ صلعم چھوڑ گئے تھے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دینگے؟"

فرمایا: "کہوں گا: خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ گیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کرے اور چاہے انھیں بگاڑ دے۔" (مسند امام احمد۔ مسند علی)

حادثہ سے پہلے

آپکی کنیز ام جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپکے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپنے سر اُٹھایا۔ پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا: "حیف تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی۔" (ابن سعد)

آپکے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا کچھ پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: "امیر المومنین! ہوشیار رہئے۔ یہاں کچھ لوگ آپکے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔" (الامامۃ والسیاسہ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی: "ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلۂ مراد کے کچھ لوگ آپکے قتل کی فکر میں ہیں۔" (ابن سعد)

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اُس سے کہا: "مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔" اُسنے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ اُنھوں نے کہا: "تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا نہیں؟" عبد الرحمن نے کہا: "میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں۔" اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علی کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا: "آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں۔" آپنے جواب دیا: "لیکن اُسنے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے!" (الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سنا کہ وہ دانت پیسکر کہہ رہا ہے: "واللہ میں انھیں تیرے شر سے نجات دیدوں گا۔" امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر لوٹے تو لوگ اُسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا۔ آپنے فرمایا: "لیکن ابھی تک اسنے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ چھوڑ دو۔" (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اُسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ارید حباءه ويريد قتلي ... عذيرك من خليلك من مراد

ابن ملجم برابر برأت ظاہر کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا: "جو بات ہونے والی ہے ضرور ہو کر رہیگی۔"

اسپر بعض لوگوں نے کہا: آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟ فرمایا: "اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟" (کامل)

صبح شہادت

اقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم، اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا

شام کي حرکت استقلال

فرانسيسي مظالم کے چند خونين مناظر!
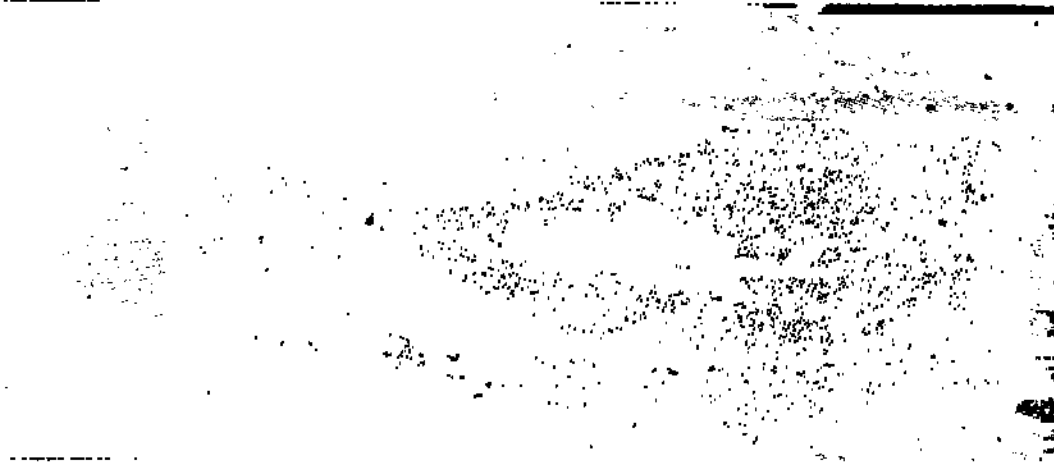
غوطه (دمشق) ميں دو وطن پرست عيور گوليوں سے مار ڈالے گئے اور انکي نعشيں سڑک پر چھوڑ دي گئيں

۷ - اکتوبر کے حادثه کے بعد بے شمار آدمي پھانسي پر چڑھاے گئے - ايک پھانسي کا منظر جسميں تين نعشيں لٹک رهي هيں!

دمشق کے محله ميدان کا ايک منظر - بے گناه اور غير مسلم آبادي کا قتل عام - بے شمار لاشيں سڑک پر پڑي هيں - عرصه تک يه اسي طرح پڑي رهيں!
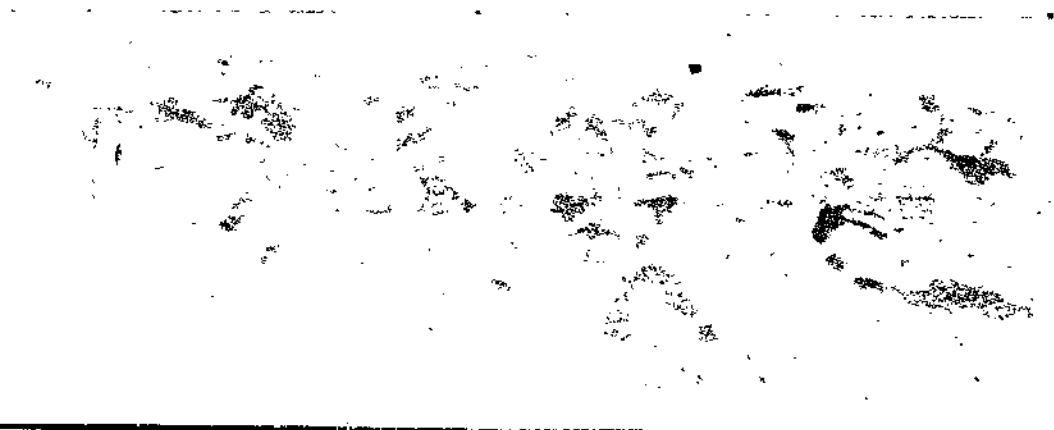
میں تمھیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں - تمھارے لئے سلامتی اور رحمت چاہتا ہوں"

اس کے بعد "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ (طبری جلد ٦)

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسن نے مسجد میں خطبہ دیا:

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہوگیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیشقدمی کر گئے اور نہ پچھلے اُس کی برابری کر سکیں گے۔ رسول اللہ صلعم اُسے جھنڈا دیتے تھے اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہو جاتی تھی۔ اُسنے چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر . . ۷ درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے" (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا) (مسند حسن)

زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ پہنچی - سنتے ہی تمام شہر میں کہرام پڑ گیا - کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو - بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا - جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ کے بھیتجے کی موت سنکر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کرکے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی - اُنھوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال ! آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں - لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموش لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں "دوسرے دن مشہور ہوا ام المومنین رسول اللہ کی قبر پر جا رہی ہیں - مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے - مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں، نہ بولتی تھیں! . . . . . شدت گریہ سے زبان بند تھی - دل تنگ تھا - چادر تک سنبھلتی نہ تھی - بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا لڑکھڑا جاتیں - بدقت تمام پہنچیں - لوگ پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے - حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! اے ابو القاسم تجھ پر سلام! اے رسول اللہ! آپ پر اور آپکے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپکے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپکو سنانے آئی ہوں! میں آپ کو آپکے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں! بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز، قتل ہوگیا! واللہ وہ قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی! واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا! میں رونے والی غمزدہ ہوں! میں اُس پر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں! اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور معزز ترین وجود قتل ہوگیا! . . . " (عقد الفرید ج ٢)

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں، کوئی اُنھیں روکنے والا باقی نہیں رہا" (استیعاب)

مرثیہ

آپکے مشہور صحابی ابو الاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے:

الا ابلغ معاویۃ بن حرب ٭ فلا قرت عیون الشامتینا

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

لا تقل دارہا بشرقی نجد
کل نجد للعامریۃ دار!

(٢)

انسان اپنی ذہنی زندگی میں اپنے اجتماعی رشتوں کی مختلف منزلوں سے درجہ بدرجہ کیونکر گزرا؟ اُس کی انفرادی زندگی میں آج بھی یہ تمام منزلیں کس طرح یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں؟ اسکی مختصر سرگذشت تمھاری نظروں سے گزر چکی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

(١) قومیت اور وطنیت انسان کے اجتماعی رشتہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ ایک سلسلۂ درازکی مختلف کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے۔

(٢) یہ سلسلہ "انسان کی اجتماعی زندگی اور اجتماعی ربط و علائق کے احساس و اعتقاد" کا سلسلہ ہے۔ جس طرح کائنات ہستی کی ہر چیز اپنے ابتدائی نقطہ سے شروع ہوکر بہ تدریج بلوغ و کمال تک پہنچتی ہے اور جس طرح انسان نے اپنے علم و عمل کے ہر گوشے میں بہ تدریج ترقی کرکے حقیقت و کمال تک رسائی حاصل کی ہے، اسی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کا سفر ابتدا سے انتہا تک، طفولیت سے رشد و بلوغ تک، اور نقص سے کمال تک پہنچا اور ختم ہوتا ہے۔ اس ارتقائی سلسلہ کی ابتدائی کڑی "امومۃ" اور انتہائی "انسانیۃ" ہے۔ جس رشتہ کو قومیت اور جنسیت سے آج تعبیر کیا جاتا ہے، وہ در اصل اس سلسلۂ ارتقا کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

(٣) چونکہ درمیانی کڑی ہے، اس لئے وہ اجتماعی رشتہ کی کوئی حقیقی حالت نہیں ہے۔ محض ایک اضافی چیز ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں انسان نظر کی تنگی اور علم کی کوتاہی سے صرف "امومۃ" اور "ابوۃ" یا "عائلہ و قبیلہ" کے رشتہ پر قانع تھا، اُسی طرح جب وسعت علائق کے ایک دو قدم اور آگے بڑھے، تو قومیت و جنسیت کا دائرہ پیدا ہوگیا۔ بلاشبہ یہ دائرہ پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے، لیکن فطرۃ کی حقیقی وسعت کے مقابلے میں پھر تنگ اور ناتمام ہے۔ فطرۃ اور حقیقت کی اصلی وسعت کیا ہے؟ "انسانیت" اور "ارضیۃ" کا عالمگیر رشتہ۔ یہی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک ہی فطری رشتہ ہے۔ باقی سب اضافی، اور اس لئے غیر حقیقی ہیں۔

(٤) اس معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اسی قسم کی دوسری حالتیں بھی سامنے لائی جائیں۔ انسان نے صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے سے باہر کی بھی ہر چیز اسی طرح پائی ہے۔

اُسنے پہلے زمین کے اُس ٹکڑے کو سب کچھ سمجھا تھا جس میں پیدا ہوا تھا۔ اب بھی جب پیدا ہوتا ہے تو گھر کی چار دیواری ہی اس کی دنیا ہوتی ہے۔ اُسنے زمین کی عام مخلوقات پر نظر ڈالی، اور اُن میں سے ہر قسم اور نوع کو مدتوں کے بعد پہچان سکا۔ اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی، اور ہزاروں لاکھوں برس کے بعد یہ حقیقت معلوم کر سکا کہ سورج کا ایک نظام اجتماع ہے اور خود کرۂ ارضی بھی اُسی کا ایک ذرہ ہے۔

علم و ادراک کے ان تمام سفروں میں اُن کی درمیانی منزلیں جو درجہ رکھتی ہیں، وہی درجہ یہاں کی بھی درمیانی منزلوں کا ہے۔ زمین کے بارے میں انسانی علم کی ایک درمیانی منزل یہ تھی کہ آبادی صرف اس کے نصف حصہ میں ہے باقی سمندر ہے۔ یہ منزل علم اور حقیقت کی منزل تھی، یا جہل اور محجوبیت کی؟ اگر علم اور حقیقت کی منزل نہ تھی، تو پھر بعینہ وطنیۃ اور جنسیت بھی اس سفر کی ویسی ہی درمیانی منزلیں ہیں۔ یہ انسان کے جہل و نقص کی منزلیں کیوں نہ ہوں؟ انسان نے جب پہلے پہل جہاز رانی شروع کی تھی تو (مثلاً) ہر سمندر کے گوشہ کو پانی کی ایک مستقل دنیا یقین کر لیا تھا اور اُنکے جُدا جُدا نام رکھ دیئے تھے۔ پھر ایک وقت آیا جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُسکے علم و نظر کی ناتمامی تھی۔ در اصل زمین کا سمندر ایک ہی ہے۔ اُسی کے مختلف گوشے ہیں جو اِدھر اُدھر پھیل گئے ہیں۔ جب اُسنے ایک سمندر کو بجائے سمندر خیال کیا تھا، تو یہ منزل علم و حقیقت کی منزل تھی، یا نقص و جہل کی؟ اگر نقص و جہل کی تھی تو انسانی جہل و اعتقاد کی وہ حالت کیوں جہل و نقص کی حالت نہ ہو جب وہ یقین کرتا ہے کہ انسانیۃ کا ایک ہی رشتۂ اجتماع، ایک ہی رشتۂ اجتماع نہیں ہے، بلکہ اس کے ٹکڑے اور بے شمار قسمیں ہیں؟ بلاشبہ جس طرح زمین کے ایک حصہ کا علم و یقین، اُس حالت کے مقابلے میں جب انسان کو زمین کا اتنا علم بھی حاصل نہ تھا، علم کی وسعت تھی اور حقیقت سے قرب تھا۔ اُسی طرح یہاں بھی قومیت و جنسیت کی حالت اُس حالت کے مقابلے میں جب انسان عائلہ اور قبیلہ کے تنگ دائروں پر قانع تھا، علم کی زیادہ وسعت اور حقیقت سے زیادہ قرب ہے، لیکن یہ ایک اضافی حالت ہوئی۔ علم اور حقیقت نہیں ہے۔ علم و حقیقت کی منزل اگر مقصود ہو جائے تو پھر وہ کمال کا نقطہ اور ارتقا کی انتہا ہوگی۔ اُس وقت کسی پچھلی منزل پر قانع رہنا ترقی نہیں ہوگی، تنزل ہوگا۔

اگر آج ایک شخص امریکہ کے وجود سے منکر ہو اور کرے کرہ کا صرف ایک ہی حصہ آباد ہو، تو تم کیا کہوگے؟ یقیناً یہی کہوگے کہ چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے دنیا طیار نہیں ہو سکتی۔

اچھا، تم اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کہتا ہے کہ انسان کو نسل و مکان یا جنس و قوم کے رشتے پر قناعت کر لینی چاہئے کیونکہ ایک زمانے میں اُس کا علم و ادراک انہی دائروں میں محدود تھا؟ تم نے ابھی کہا تھا کہ "دنیا چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے طیار نہیں" کیا اب تمھیں ٹھیک اُسی طرح یہ نہیں کہہ دینا چاہئے کہ "دنیا ہزاروں برس پیشتر کا جہل قبول

رہا۔ اُسنے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو بھی اپنا شریک بنالیا تھا۔ دونوں تلوارلے کر چلے اور اُس دروازے کے مقابل چھپ گئے جس سے امیرالمومنین نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اُس رات امیرالمومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن سے روایت ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا "فرزند! رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپکی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی" فرمایا "دعا کر خدا تجھے ان سے چھٹکارا دیدے" (کامل)

اسپر میں نے دعا کی "خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انھیں مجھ سے بدتر ساتھی دے" (ابن سعد)

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں اسی وقت ابن النباح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "الصلوٰۃ!" (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اُٹھے۔ ابن النباح آگے تھا۔ میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپنے پکارا "لوگو، نماز!" روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جگاتے پھرتے تھے (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارنے پر آپ اُٹھے نہیں۔ لیٹے رہے۔ مؤذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اُٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اُس کی آواز دینے پر آپ بہ مشکل اُٹھے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے:

اشدد حیازیمک للموت فان الموت لاقیکا

(موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنیوالی ہے)

ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیکا

(موت سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہوجائے)

(احیاء العلوم جلد ۴)

"فزت برب الکعبۃ!"

آپ جوں ہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری!" شبیب کی تلوار طاق پر پڑی۔ لیکن ابن ملجم کی تلوار آپکی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اُتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے "فزت برب الکعبۃ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) (احیاء ج ۴)

نیز پکارے "قاتل جانے نہ پائے" لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمٰن نے بھی تلوار گھمانا شروع کر دی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اُس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا (الکامل)

قاتل اور مقتول

امیرالمومنین گھر پہنچائے گئے۔ اپنے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا "اے دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟" اُسنے کہا "ہاں" فرمایا "پھر تونے یہ حرکت کیوں کی؟" وہ کہنے لگا "میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے" فرمایا "میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرتا ہوں تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے" (طبری جلد ۶)

آپکی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "او دشمن خدا تو نے امیرالمومنین کو قتل کر ڈالا!" کہنے لگا "میں نے امیرالمومنین کو قتل نہیں کیا البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہے!" انھوں نے کہا "واللہ میں امید کرتی ہوں امیرالمومنین کا بال بیکا نہ ہوگا" کہنے لگا "پھر کیوں شور مچاتی ہو!" پھر بولا "بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بے وفائی کرے تو خدا اسے غارت کردے" (ابن سعد)

امیرالمومنین نے حضرت حسن سے کہا "یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو، نرم بچھونا بچھا دو۔ اگر زندہ رہا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہونگا۔ قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔

(ابن سعد) اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو اور کہو کہ "امیرالمومنین قتل ہوگئے! امیرالمومنین قتل ہوگئے!" خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن اگر میں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اُسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب کرنا کیونکہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سُنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسنے مجھے مارا ہے لیکن اگر معاف کردو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کامل) دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بیہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا "خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" آپنے جواب دیا "میں تمھیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ (اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا "میں تم دونو کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمھارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اُس پر رونا۔ ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کھانا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی ہونا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا"

پھر اپنے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا "جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تونے حفظ کرلی؟" اُنھوں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا "میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر انکی رائے کے کوئی کام نہ کرنا"

پھر امام حسن و حسین (علیہما السلام) سے فرمایا "میں تمھیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمھارا بھائی ہے۔ تمھارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے محبت کرتا تھا"

پھر امام حسن سے فرمایا "فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی۔ ٹھیک اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک وضو کرنے کی کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز مقبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ غصہ پی جانے کی۔ رشتے جوڑنے کی۔ بردباری کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن کی مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسن سلوک کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی" (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا "خدا سے ڈرتے رہو اُس کی اطاعت کرو۔ جو تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے اُس کا غم نہ کرو۔ اپنے پروردگار کی عبادت پر کمربستہ رہو، چست و چالاک بنو سست نہ بنو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر۔ ہمیں اور انھیں دنیا سے بے رغبت کردے۔ ہمارے اور انکے لئے آخرت اول سے بہتر کر" (الامامۃ والسیاسۃ)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی "یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب ملکر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابوالقاسم (رسول اللہ صلعم) کو فرماتے سُنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اُن سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان کردے گا۔ اور ہاں، یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ اُنکے منہ میں خاک نہ ڈالو۔ وہ تمھاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور دیکھو تمھارے پڑوسی! تمھارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمھارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید تم انھیں ورثہ میں شریک کر دینگے۔ اور دیکھو، قرآن قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمھارے دین کا ستون ہے۔ اور تمھارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا! اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوٰۃ! زکوٰۃ! پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں، تمھارے نبی کے ذمی! تمھارے نبی کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمھارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو اُن پر تمھارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمھارے نبی کے صحابی! تمھارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے۔ اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! انھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمھارے غلام! تمھارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہیں کروگے تو خدا تمھارے دشمنوں سے تمھیں محفوظ رکھے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ تمھارے اشرار تم پر مسلط کر دئے جائینگے، پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہونگی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمھیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد رکھو

کی بولی میں "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جب کسی عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہو، تو اُس کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہو۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور یہ اُسی وقت دی جا سکتی ہو جبکہ دو باتیں موجود ہوں:

ایک یہ کہ جس بات کی گواہی دی جائے، اُسپر گواہ کو پُورا پُورا یقین ہو۔ ایسا یقین جیسا اپنی آنکھ سے دیکھی بھالی چیز پر ہوتا ہو۔

دوسری یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جس کی سچائی اور حقیقت پوشیدہ ہوگئی ہو اور دنیا میں عام طور پر اسے جھٹلایا جا رہا ہو، اس لئے ضرورت ہو کہ اُسپر گواہی دیکر اُسے نمایاں اور عالم آشکارا کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو اُس کے لئے "شہادت" کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔ اظہار خیال کے دوسرے الفاظ کافی ہونگے۔

یہی وجہ ہو کہ اسلام نے "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جن جن امور کا اعلان کیا ہو، وہ تمام تر وہی ہیں جو عقائد و ایمان کی بُنیادی سچائیاں ہیں اور جن کی حقیقت انسان کے جہل و گمراہی سے اس درجہ پوشیدہ ہوگئی تھی کہ اُنکے جھٹلانے پر تمام دُنیا نے ایکا کر لیا تھا۔ ضرورت تھی کہ اُنکے لئے نوع انسانی کے دل و زبان سے از سرِ نو گواہی دلوائی جائے۔ تاکہ ایک طرف اُنکے یقین و اعتقاد کا اعلان ہو جائے، دوسری طرف اُنکے جھٹلانے کی تکذیب ہو جائے۔ پھر اس شہادت کے بھی مراتب اور اقسام ہیں لیکن ان کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔

اب غور کرو کہ اس دعا میں جس طرح توحید اور رسالت کا اقرار لفظ "شہادت" کے ساتھ کیا گیا ہو، ٹھیک اُسی طرح انسانی برادری کی حقیقت پر بھی "شہادت" دی گئی ہو۔ اس سے تین باتیں واضح ہوگئیں:

اوّل یہ کہ اسلام کے نزدیک انسانی برادری کا قیام اس درجہ اہم تھا کہ اس کے اقرار کے لئے بھی "شہادت" کا لفظ اختیار کیا گیا جو اُسنے ایمان و عقائد کی بُنیادی صداقتوں کے اقرار کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔

دوسرے یہ کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لئے زیادہ سے زیادہ مضبوط یقین و ایمان مطلوب تھا۔ ایسا یقین جو ایک گواہ گواہی دیتے ہوئے کسی بات کی واقعیت پر رکھتا ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی۔ اور چونکہ جھٹلائی جا رہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اُسپر "گواہی" دی جائے، اور اُس کی گواہی ہمیشہ کے لئے قائم کر دی جائے۔

انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑی روک چار چیزیں تھیں: نسل۔ وطن۔ رنگت۔ زبان۔ انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے، اور انسانیت کا ایک دائرہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے انکار کیا، بلکہ انکے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلانات کر دیئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ "نسل" کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہو۔ "وطن" کی نسبت کہدیا کہ عرب ہو یا عجم، سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ "زبان" اور "رنگت" کی نسبت فیصلہ کر دیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب و ہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہو۔ کہیں کی آب و ہوا دوسرا رنگ۔ کہیں ایک خاص طرح کی زبان ادائے مطلب کے لئے وجود میں آگئی۔ کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ اختلافات انسان کے امتیاز اور تفرقہ کی بنیادیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی اُسنے اپنے اعمال کا جو نظام طیار کیا، اُس کے ہر گوشہ کی وضع و قطع ایسی رکھی جس کے ساتھ امتیاز نسل و قوم جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ روزانہ اعمال و عبادات میں ایسی چیزیں رکھ دی گئیں کہ ہمیشہ انسانی وحدت و مساوات کا عملی اعتراف ہوتا رہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج! سب میں یہ روح کام کر رہی ہو۔ انسانی اخوۃ کے قیام و نفوذ کا ایک پُورا نظام ہو جو اپنے ہر فرد کو مجبور کر دیتا ہو کہ اس حقیقت کا اقرار کرے، اُس کے سامنے سر اطاعت خم کر دے، اس کے یقین و ایمان کی عملی تصویر بنجائے!

اس بارے میں بے شمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں لیکن یہاں ذکر ضمناً آگیا ہو، اس لئے صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ انسانی برادری کا گم گشتہ حلقہ قائم ہو گیا یا نہیں؟ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن تاریخ اور مشاہدہ کا یہ فیصلہ تو بلا نزاع مسلم ہو کہ:

(۱) عرب کی نسلی اور وطنی عصبیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر سر نہ اُٹھا سکی۔

(۲) عرب سے باہر وہ جہاں جہاں پہنچا، ایک ایسی انسانی اخوۃ کی دعوت جو وطنی اور نسلی امتیازات سے بالاتر تھی، اُس کے ساتھ ساتھ گئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی قبائلی زندگی "عائلہ" اور "قبیلہ" کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی، اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوۃ کا پیغام سنا رہا تھا!

(۳) اُسنے ایک ایسا عالمگیر معاشرتی نظام قائم کر دیا جو ہر طرح کے نسلی و وطنی تعصبات سے بالاتر ہو، اور جس کی بنیاد انسانی اخوۃ اور وحدۃ پر ہو۔

(۴) قرون وسطیٰ (ڈرل ایجز) کے بعد یورپ کے تمدن کا نیا دور شروع ہوا، اور اسنے قومیت و جنسیت کا صور [illegible] سے پھونکا کہ تمام دُنیا اس کی صدائے بازگشت سے گونج [illegible]۔ اب "انسانیۃ" کی راہ میں جنسیت و قومیت کی کڑی حائل [illegible] ہو لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام کڑیاں [illegible] کر لی تھیں۔

(۵) اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا عام حلقہ پیدا نہ ہو سکا۔ بلکہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ بن گیا، تو یہ صحیح ہو لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی:

اوّلاً یہ قصور زمانے کی استعداد کا ہو نہ کہ اسلام کی دعوت کا۔ مختلف وجوہ سے جن کی تشریح آگے آئے گی دُنیا کو لا منزلِ انسانیت تک پہنچنے کے لئے ابھی بڑا وقت درکار تھا۔

ثانیاً اگرچہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ پیدا ہو گیا مگر کیسا وسیع حلقہ؟ ایسا وسیع حلقہ کہ اسوقت تک کے تمام تمدنی حلقوں میں سب سے زیادہ وسیع حلقہ وہی ہو۔ بلاشبہ وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہو گیا، لیکن کیسی چار دیواری؟ اس درجہ وسیع چار دیواری کہ دنیا کے تمام بنائے ہوئے حلقے اُس کے پھیلاؤ کے اندر آگئے۔ اُسنے کسی گوشے، کسی دائرے کسی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری سے باہر رہنے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہو کہ کم از کم اسلام کی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کر دیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر اور صرف ایک ہی دائرہ مطلقہ انسانیۃ سے نیچے ہو۔ وہ انسان کو تمام پچھلے درجوں سے بلند کر کے ایک ایسی سطح تک پہونچا دیتا ہو جہاں سے "انسانیت" کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہو۔ وہ [illegible] قدم اُس سطح تک پہنچا دیتا ہو جہاں سے صرف ایک قدم آ[گے] بڑھنا رہجاتا ہو۔ حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے منزلوں کی منزلیں باقی ہیں!

اس اعتبار سے اگر رشتۂ اجتماع کی تمام کڑیوں پر نظر ڈالی جائے، تو اُن میں ایک نئی کڑی سا[...] کڑی [...] اور پھر آخری "انسانیۃ واضحیۃ" سے نیچے بڑھا دینی پڑے۔ اور اس سلسلۂ ارتقا کی نو منزلوں کی جگہ دس منزلیں [...] گی:

(۱) اموّۃ
(۲) ابوّۃ
(۳) عائلہ
(۴) قبیلہ
(۵) بلدیۃ
(۶) وطنیۃ
(۷) قومیت و جنسیت
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ
(۹) اسلامیت
(۱۰) انسانیۃ واضحیۃ

"اسلامیت" کی سرحد "انسانیۃ" کی سرحد [...] اگر دنیا چاہے تو صرف ایک قدم میں منزل [...] جا سکتی ہو!

لیکن کیا دُنیا میں اس کی طلب موجود ہو [...] کے لئے ہمیں دوسری مجلس کا انتظار کرنا چاہئے۔

کرنے کے لئے طیار نہیں"؟ کیسی عجیب بات ہے کہ تم ایک ہی چیز کو ایک جگہ ٹھکراتے ہو اور دوسری جگہ اپنے سر پر جگہ دیتے ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر انسان کی عالمگیر غفلت و محجوبیت کا کوئی منظر ہو سکتا ہے کہ اُسے چھ سو برس پیچھے ہٹنے سے تو انکار ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ ہزاروں برس پیچھے دھکیل دیا جائے؟

۳

اسلام اور عصبیت قوم و جنس

ان مقدمات کی تشریح کے بعد اب دیکھنا چاہیے کہ اسلام نے اس بارے میں دنیا کو جس طرف لیجانا چاہا تھا، وہ کونسی منزل اور کونسا نقطہ ہے؟

وہ منزل "انسانیۃ" کی منزل ہے۔ وہ نقطہ اس سلسلۂ ارتقا کا نقطۂ کمال ہے!

چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو دنیا کے قدم "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا، اور عرب کی آبادی قبیلوں کا مجموعہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی نسلی جنسیت کے دائرہ کے اندر محدود تھا، اور اُس سے باہر کی کوئی وسعت قبول نہیں کرتا تھا۔ ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و غرور، نسل انسانی کی تحقیر و تذلیل، اور بالآخر غلبہ و تسلط کے جس قدر مہلک جذبات پیدا ہوجایا کرتے ہیں (جن کی تشریح آگے آئے گی) وہ سب کے سب اس شدت و قوت کے ساتھ اُن کے خمیر میں سرایت کر چکے تھے کہ شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر مل سکے۔ اُن میں کا ہر فرد اپنے قبیلہ کے انتساب سے بڑھکر دنیا کی کوئی عظمت و برائی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں جانیں اُن کی آن میں قربان ہوجاتی تھیں تاکہ قبیلہ کے شرف و غرور کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ معاملہ اس درجہ معلوم و مسلم ہے کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ حماسہ میں آج بھی انکے اشعار پڑھتے ہیں تو جذبات نسل و نسب کی شدت و حرارت سے دل و دماغ تنور کی طرح گرم ہوجاتا ہے۔ دنیا کی کسی قوم کی شاعری ان جذبات میں عرب جاہلیۃ کا مقابلہ نہیں کرسکتی!

عربی میں قبیلہ، خاندان، نسل، و مکان کی اس حد بندی کے اعتقاد اور اس کے غلو کو "عصبیت" سے تعبیر کرتے تھے۔ اس عصبیت کی پہلی بنیاد عربیت پر تھی، یعنے غیر عرب کے مقابلہ میں عرب کی فضیلت، اور اس کے بعد عربیت میں بھی ہر قبیلہ اپنے نسلی امتیاز کے غرور سے سرگراں تھا۔

عرب سے باہر بھی دنیا کا تمام آبادحصہ قبیلہ اور وطن سے زیادہ وسیع دائرہ کوئی نہیں رکھتا تھا۔ رومی تمدن نے رومن قومیت کی بنیادیں اُستوار کی تھیں، لیکن اُس کی بنیاد بھی نسل اور وطن ہی پر تھی۔ سسلی کے حاکم نے جب ایک رومانی کو گرفتار کرکے کوڑوں سے پٹوایا تھا تو وہ اُسکی ہر ضرب پر چیختا تھا "میں رومانی ہوں"۔ مشہور رومی خطیب سیسرو نے اس حاکم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "ایک تعامانی قوم کے وسط میں لٹایا جاتا ہے اور کوڑوں سے پیٹا جاتا ہے۔ وہ تو درد و اذیت کی شکایت کرتا ہے۔ نہ تو روتا ہے۔ صرف اس جملہ کی تکرار کرتا ہے کہ میں رومانی ہوں، اہلے مجلس تعاماۃ! اس مظلوم کو یقین تھا کہ میں اپنے آپ کو رومانی کہکر ساری تکلیفوں اور بے عزتیوں سے بچا سکتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ رومانی ہونا ہر جنبان کے لئے حفاظت اور شرف کی سب سے بڑی ضمانت تھی"۔ یہ سیسرو کی رومانی تقریروں میں سب سے زیادہ فصیح تقریر خطیبانہ کی گئی ہے...

اسپر زور دیا کہ وہ رومانی تھا۔ یہ نہیں کہا کہ انسان تھا۔ اُسے انسانیت کا نہیں، رومانیت کا استغراق تھا!

لیکن اسلام ان منزلوں میں رُک نہ سکا۔ اسنے اُن تمام رشتوں اور رشتوں کی بنیادوں سے انکار کردیا جو انسان کے ظلم و نظر کی کوتاہیوں نے بنا رکھے تھے۔ وہ نسل، وطن، جنس، رنگ، زبان، کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم نہ کرسکا۔ اُسنے انسان کو صرف ایک ہی رشتے کی دعوت دی۔ انسانیت اور انسانی برادری کے فطری رشتہ کی!

یا ایہا الناس! انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ علیم خبیر (۴۹: ۱۳)

"اے جمع انسانی! ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، پھر ایسا کیا کہ تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دے دی، بہت سے گروہوں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لئے ہوا تاکہ ایک گروہ سے دوسرا گروہ پہچانا جاسکے۔ باقی رہی یہ بات کہ انسان کے شرف و عزت کا معیار کیا ہے تو اسکی بنیاد یہ طرح طرح کی گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی ہے۔ اللہ کے حضور وہی سب سے زیادہ شریف ہے جو سب سے زیادہ اپنے کاموں میں پرہیزگار ہے"!

اس آیت کی ساری روح "لتعارفوا" کے لفظ میں ہے۔ اس لفظ نے اس حقیقت کا اعلان کردیا کہ انسانوں کے گروہوں اور جماعتوں کے جتنے بھی حلقے بنے ہیں، خواہ وہ نسل کی بنا پر بنے ہوں خواہ وطن و جنس کی بنا پر، ان کی ساری قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ باہم دگر پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اثر نہیں رکھتے۔ تمام کرۂ زمین پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کے لئے ضروری تھا کہ مختلف حصوں اور گروہوں میں منقسم ہوجائے اور جب منقسم ہوگئی تو ناگزیر ہوا کہ ایک گروہ کو دوسرے سے پہچاننے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعۂ تعارف پیدا ہوجائے۔ یہ تمام حلقے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ یہ افریقی ہے، یہ عربی ہے۔ یہ آرین ہے، یہ منگولین ہے۔ اس طرح ہر جماعت کی پہچان ہوجاتی ہے۔ لیکن اس تقسیم میں نہ تو کوئی امتیاز ہے، نہ یہ کوئی حقیقی تقسیم ہے۔ حقیقی امتیاز صرف ایک ہی ہوسکتا ہے، اور وہ انسان کی سعی و عمل کا امتیاز ہے۔

اب تمام نسل انسانی ایک سطح اور ایک صف میں کھڑی ہوگئی۔ حقیقت کسی کو بلندی نہیں دیتی، مگر اُس کو جو اپنے عمل سے شرف و رفعت کا استحقاق ثابت کردے!

جو بڑھ کر خود اُٹھالے ہاتھ میں، مینا اُسی کا ہے!

رشتۂ انسانیت کی وحدۃ و اخوۃ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کردیا کہ "خلقناکم من ذکر و انثی"۔ تمام نوع انسانی ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان، ایک ہی گھرانا ہے۔ پس جب فی الحقیقت نہ تو نسلی امتیاز ہے کہ نسل ایک ہی ہے۔ نہ وطن میں تفرق ہے کہ وطن بھی سب کا ایک ہی کرۂ ارضی ہے، تو پھر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو؟ کیوں ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں؟

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اشارہ ہے۔ من جملہ اُن قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدۃ کا اعلان کرتی ہیں، وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جمع انسانی کی اصل وحدۃ تھی۔ تفرقہ گمراہی اور فطرۃ الٰہی سے دوری کا نتیجہ ہے:

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا، ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینہم فیما فیہ یختلفون (۱۰: ۱۹)

اسلام کے داعی اول کی تعلیم اور عمل کا جو کچھ حال تھا، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپنے نسل و جنس کے غرور و تنگ نظری کو عصبیۃ جاہلیۃ سے تعبیر کیا اور بار بار اعلان کردیا کہ "لیس منا من مات علی العصبیۃ۔ لیس منا من دعی الی العصبیۃ۔ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی عصبیت کے تعصب پر دنیا سے جائے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔ حجۃ الوداع یعنی آخر حج کے موقعہ پر جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا، آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی۔ کلکم ابناء آدم" (صحیحین)۔ "لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی۔ الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب۔ (رواہ الجامع) آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ اب نہ کسی عرب کو عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہوسکتی ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔ فضیلت اسی کے لئے ہے جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اس لئے سب ایک ہی صنف ہیں اور ایک ہی درجہ کے ہیں!

اسلام کی دعوت میں انسانی وحدت و اخوۃ کی حقیقت کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ آنحضرت (صلعم) سے جو دعائیں پانچ وقت کی نماز میں ثابت ہیں، اُن میں سے ایک دعا یہ ہے۔ زید بن ارقم نامی ایک راوی کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے: (کان رسول اللہ صلعم یقول فی دبر کل صلوٰۃ):

اللھم ربنا و رب کل شی۔ انا شہید انک انت الرب وحدک لا شریک لک! اللھم ربنا و رب کل شی، انا شہید ان محمدا عبدک و رسولک! اللھم ربنا و رب کل شی، انا شہید ان العباد کلہم اخوۃ (مسند امام احمد و ابوداؤد)

"خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تو ہی پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی نہیں۔ خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ محمد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تیرا بندہ ہے اور تیرا رسول ہے! خدایا! ہمارا اور تمام کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں لیکن تو نے اُن سب کو ایک ہی رشتۂ انسانیت میں جوڑ دیا ہے"!

غور کرو، اس دعا میں یکے بعد دیگرے تین شہادتیں ہیں۔ پہلی پروردگار عالم کی توحید و ربوبیت کی ہے۔ دوسری رسول کی رسالت اور بندگی کی ہے۔ یہ دونوں شہادتیں اسلام کے دینی عقائد کی بنیاد اور اولین اصول ہیں۔ اب ان دو اہم ترین عقیدوں کی شہادت کے ساتھ ہی تیسری شہادت جس بات کی دی جارہی ہے ضروری ہے کہ وہ بھی اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس درجہ اہم ہو کہ ان دونوں کے بعد تیسری جگہ پاسکے۔ وہ کیا ہے؟ "ان العباد کلہم اخوۃ" خدایا! اگرچہ انسان نے تیری بنائی ہوئی انسانی برادری چھوڑ کر طرح طرح کی نئی برادریاں اور رشتے بنا رکھے ہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح تیری وحدانیت اور تیرے رسول کی رسالت برحق ہے، اُسی طرح یہ بھی برحق ہے کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے جہل و محجوبیت سے کتنا ہی یہ مقدس رشتہ بھلا دیا ہو، لیکن یہ رشتہ حقیقی ہے اور قائم ہے!

داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان عالم کرنا چاہتا تھا، وہ انسان کی انسانی برادری تھی!

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن و اسلام

دوسری سیٹھ بدری پرشاد کی جو وہاں کے مالکان آراضی میں سے ہے اور ہندوستان کی زمیندارانہ خصائل کا کامل نمونہ ہے۔ مصنف کے قلم کو "پریم" سے زیادہ بدری پرشاد کی تصویر کھینچنے میں کامیابی ہوئی ہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہندوستانی زندگی کے جس افسانہ پر مسٹر اوڈو وائر کے قلم سے دیباچہ نکلے گا، سیاسی حیثیت سے اُسکی روح کیا ہوگی؟ افسانہ کا معاشرتی ماحصل جو کچھ بھی ہو لیکن سیاسی ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان کی اصلی آبادی دیہات کی آبادی ہے۔ اُس کے حقیقی اور عملی مسائل اقتصادی اور زرعی ہیں بلکہ سیاسی ضرورت اُنہی کے حل اور اصلاح کی ہے۔ سیاسی نظام کی ترقی نہ تو ضروری ہے نہ سود مند!

قصہ کوتہ گشت ورنہ دردِ سر بسیار بود!

آشور اور بابل کی نئی تاریخ

Ancient Records of Assyria And Babylonia

آشور (اسیریا) اور بابل کا مابین النہرین تمدن، تاریخ قدیم کی وہ عجیب داستان ہے جو صرف ہزاروں برس پہلے کے کھنڈر اور زیر زمین اینٹوں ہی کی زبانی سنی جاسکتی ہے۔ قلم و کتابت کے ذریعہ بہت کم صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ علمائے آثار نے اس عہد کے آثار سے بہت کچھ ذخیرۂ علم حاصل کرلیا ہے۔ یہ اب تاریخ کی ایک مستقل شاخ ہوگئی ہے۔ تاہم بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

حال میں شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک پروفیسر مسٹر ڈی۔ ڈی لکنبل (D. D. Luckenbill) نے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جو پچھلے ماہ شائع ہوگئی۔ اسمیں کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی معلومات آثار قدیمہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، وہ سب تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کردی جائیں۔ تاریخ کی ابتدا اُس زمانہ سے کی ہے جو تاریخ کی ابتدائی روشنی کا زمانہ ہے، اور ختم اُس عہد پر کیا ہے جب سرزمین نینوا تباہ ہوجاتی ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ:

"اس تاریخ کا تمام تر دار و مدار آثار قدیمہ ہے۔ آثار سے جو معلومات حاصل کی جاتی ہیں وہ بہت حد تک ایک خاص طریق استدلال پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر اس طریق استدلال کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بھی غلط ثابت ہوجائے تو نتائج کا بہت بڑا سلسلہ نظر انداز کردینے کے قابل ہوجائے گا۔ اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان استدلالی طریقہ کی جگہ استنباط و استخراج کے سادہ طریقہ پر قناعت کروں لیکن یہ ہر جگہ کام نہیں دے سکتا تھا۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ استدلال کے بغیر قدم بڑھایا ہی نہیں جاسکتا۔ ایسے موقعوں پر طریق استدلال کام میں لایا گیا ہے مگر یہ احتیاط کرلی ہے کہ اول تو صرف مستند علمائے آثار کے بیانات پر قناعت کرلی جائے۔ ثانیاً حتی الوسع استدلال میں بھی قریبی اور صاف استدلال سے نکالے ہوئے نتائج لئے جائیں"

قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت

Indian Serpent-Lore or The Nagas in Hindu Legend

نامی کتاب مسٹر ووگل Vogel نے مندرجہ عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ہندوؤں کے علم الاصنام میں سانپ کے وجود نے کیوں اہمیت حاصل کرلی؟ اور کس طرح اس کی پرستش کا رواج ہوا؟ اس کتاب میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے پہلے ہندوستان میں سانپوں کی کثرت اور انکے اثرات پر بحث کی ہے۔ پھر "ناگ" اور اس کے تخیل پر نظر ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں وہ تمام افسانے بھی درج کردیئے ہیں جن کا تعلق ناگ بادشاہوں اور ناگ کی قوم سے ہے۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہے اگرچہ تحقیقات کا پایہ بلند نہیں ہے۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ آئندہ شائع کریں گے۔

تجہیز و تکفین کی فضول خرچیاں

Funeral Customs: Their Origin and Development

مسٹر بی۔ اس۔ پکل Puckle نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہے کہ مسیحی رسوم کے مطابق تجہیز و تکفین کے جو طریقے یورپ میں رائج ہیں، ان پر تاریخ و فلسفہ کے نقطۂ خیال سے نظر ڈالی جائے، اور اقتصادی حیثیت سے اُن کا مسرفانہ پہلو بھی واضح کیا جائے۔ کتاب کا موضوع اگرچہ صرف یورپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے لیکن تجہیز و تکفین کا مسئلہ عام ہے، اس لئے جا بجا نہایت دلچسپ اور مفید مباحث آگئے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ موت جو زندگی کا خاتمہ اور حسرت و ماتم کا پیغام ہے، اُس ساز و سامان سے علحدہ نہ ہوسکی جو انسان نے زندگی کی شان و شوکت اور ہنگامہ آرائیوں کے لئے اختیار کئے تھے؟ وحشی قوموں سے لے کر موجودہ عہد کی متمدن قوموں تک، کوئی بھی اسپر راضی نہیں ہوتا کہ موت کا مرحلہ محض خاموشی و غمگینی کے ساتھ طے کرلے؟ مصنف اس کے جواب میں چار سبب بتلاتا ہے:

(۱) یہ قدیم اور عالمگیر اعتقاد کہ بعض رسوم کی ادائگی پر میت کی آئندہ عافیت موقوف ہے۔

(۲) اگر میت کے ساتھ انصاف اور فیاضی ملحوظ نہ رکھی گئی تو وہ زندوں کو ستانے لگے گا۔

(۳) رائے عامہ جسے حق حاصل ہے کہ جنازوں کی شان و شوکت یا سادگی و بے وقعتی پر اظہار خیال کرے۔

(۴) میت کے عزیزوں قریبوں کے دماغ کی وہ عام غفلت جو کچھ عرصہ کے لئے دنیا اور دنیا کے تمام مصالح و فوائد سے بے پروا ہوجاتی ہے اور فضول خرچی کی مضرتوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔

لوزان کی آئندہ مسیحی کانفرنس

معلوم نہیں قارئین الہلال کو اُس کانفرنس کا حال معلوم ہے یا نہیں جو ۱۹۲۵ء میں اس لئے قائم کی گئی تھی تاکہ تمام مسیحی ممالک کے مذہبی عقائد و نظام کی وحدت و یکجہتی کے لئے مسلسل کوشش شروع کی جائے؟ یہ کانفرنس لوزان میں منعقد ہوئی تھی جس کا نام ترکی معاہدۂ صلح کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کرچکا ہے۔ اب آئندہ اگست میں اس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوگا۔ پچھلی ڈاک کے تمام اخبارات اس کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ یہ مسیحی مذہب کا حال ہے جسنے اول دن سے اصول و عقائد کے تفرقہ میں پرورش پائی تھی۔ لیکن اسلام کی بنیاد اس حالت میں پڑی کہ کلیسا اور کلیسا کے اختلافات کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رکھی گئی تھی۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے اسمیں کوئی عبرت نہیں ہوگی؟ کاش ہندوستان میں بھی کسی "لوزان" کی صدا بلند ہو!

ٹرکی کی جدید مردم شماری

ترکی حکومت نے نئی مردم شماری کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار نیر ایسٹ لندن نے لکھا تھا کہ "ٹرکی حکومت کی جانب سے بار بار ظاہر کیا گیا ہے کہ اُس کی موجودہ آبادی ساڑھے تیرہ ملین (ایک کرور پینتیس لاکھ) سے کم نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہت کم ہے" اسپر سلطت بے نے جو موجودہ ترکی حکومت میں دیوانی امور کے ڈائرکٹر جنرل ہیں، ایک بیان شائع کیا ہے اور نیر ایسٹ کی تغلیط کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ تخمینہ تمام سرکاری کاغذات سے ثابت شدہ ہے، اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ مردم شماری میں اس سے بھی زیادہ تعداد ثابت ہو"۔

آزادی پر دنیا کی نئی نظر

مئی کے کنٹم پریری ریویو میں مسٹر ہربرٹ سیموئل نے ایک مطول مقالہ "لبرٹی" (آزادی) کے عنوان سے لکھا ہے۔ انگلستان کے درمیانی طبقہ کا زاویۂ نگاہ معلوم کرنے کے لئے یہ ایک نہایت مفید تحریر ہے۔ یہ نہ تو اس میدان میں زیادہ دور تک بڑھا چاہتا ہے۔ نہ اسپر قانع ہے کہ قدم نہ اُٹھائے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اُسے ایک درمیانی جگہ مل گئی ہے۔

مقالہ نگار نے آزادی کی وہی پانچ قسمیں کی ہیں جو آجکل عام طور پر کی جاتی ہیں:

(۱) شخصی
(۲) دماغی
(۳) سیاسی
(۴) اقتصادی
(۵) قومی

پھر بتلایا ہے کہ ان میں سے ہر آزادی کا ایک حلقہ ہے لیکن مشکل یہ پیش آجاتی ہے کہ ہر حلقہ دوسرے حلقہ سے متناقض ہو جاتا ہے۔ مجبوراً ان سب میں اتنی کمی بیشی کردینی پڑتی ہے کہ مجموعی حالت میں اعتدال پیدا ہوجائے۔ کبھی شخصی آزادی گھٹا دی جاتی ہے تاکہ سیاسی آزادی کو صدمہ نہ پہنچے۔ کبھی سیاسی آزادی محدود کردی جاتی ہے تاکہ شخصی آزادی کا درجہ گھٹ نہ جائے۔ ان تمام حلقوں کے ایسے حدود قائم ہوجانا جو باہمدگر موافق و مطابق ہوں، دنیا کی علمی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہے۔ جس دن ہم یہ مشکل حل کرلینگے، آزادی کا علمی عقدہ بھی حل ہوجائے گا۔

جدید روس کا جدید تمدن

اسی رسالہ میں مسٹر سی۔ ایچ ہرفورڈ کا ایک نہایت دلچسپ مقالہ "بالشوزم کی تہذیب" پر نکلا ہے۔ مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"بالشویسٹ روس کو ہم اسوقت تک صرف تعصب ہی کی عینک میں سے دیکھتے رہے ہیں لیکن یہ حالت کب تک باقی رہے گی؟ کب تک حقیقت سے زیادہ ہم اپنے متعصبانہ جذبات کا پاس کرتے رہیں گے؟ روس کے اس انقلاب کو ہم دنیا کا تنزل

عالم مطبوعات و صحائف

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نیچے وہ تمام مفید اور دلچسپ معلومات جمع کی جاسکیں جو مشرق و مغرب کی مطبوعات و صحائف سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔ "صحائف" کے ساتھ "مطبوعات" کا لفظ اس لئے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ اخبارات و رسائل کے علاوہ ہر قسم کی مطبوعہ چیزیں بھی اس کے دائرۂ نظر میں آجائیں۔ ہر ہفتہ دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد کتابوں کی شائع ہوتی رہتی ہے۔ ان کا بڑا حصہ ایسا ہے جو یا تو بآسانی میسر آجاتا ہے یا کم از کم علمی اخبارات و رسائل کے ذریعہ انکے ضروری مطالب و فوائد معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس عنوان کے نیچے اُن کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ضروری مطالب اخذ و نقل کئے جاسکیں گے، اور بعض حالتوں میں مختصراً نقد و تبصرہ بھی ہوجائے گا۔

اخبارات و رسائل کا یہ حال ہے کہ اگر تمام زبانوں کے اخبارات میں سے صرف انگریزی، عربی، اور ترکی زبان کے اخبارات ہی چن لئے جائیں اور ان میں سے بھی صرف وہی لئے جائیں جو نہایت وسیع و مدوجہ کے ہیں، جب بھی ان کی تعداد اتنی بڑی ہوگی کہ نہ تو بآسانی خریدی جاسکتی ہے، نہ ہر شخص اپنے اوقات فراغ میں اُن سب کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس لئے علم و اطلاع کا بہتر و سہل ذریعہ یہی ہے کہ اُن کا خلاصہ نظر سے گزر جائے۔ ہر اخبار میں خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو کام کی چیزیں چند ہی ہوتی ہیں اور وہ بآسانی چن لی جاسکتی ہیں۔ یہی حال کتابوں کا ہے۔ یورپ کی زبانوں میں متعدد رسائل کا موضوع یہی ہے۔ اُردو پریس نے ابھی تقسیم عمل کے اس درجہ تک کہاں ترقی کی ہے کہ ہر قسم کے پرچے شائع ہوں؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ چند صفحات اس کے لئے مخصوص کردئے جائیں۔ الہلال میں یہ باب اسی غرض سے قرار دیا گیا ہے۔

اس باب کی اہمیت اور نفع کا اندازہ شاید فوراً نہ ہوسکے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نمبر میں بہت کم جگہ اس کے لئے نکل سکی۔ لیکن اگر چند ہفتوں تک اس کا مطالعہ جاری رہا تو آپ محسوس کرلیں گے کہ یہ کس درجہ مفید اور دلچسپ چیز ہے؟ الہلال کے ان چند صفحات کا مطالعہ کرلینا مغرب و مشرق کی مطبوعات کے تمام وسیع ذخیرہ کا مطالعہ ہوگا۔

الہلال کے ان چند کالموں کے لکھنے کے لئے جس محنت و صرف کی ضرورت ہے، مشکل ہے کہ آپ اس کا اندازہ لگا سکیں۔ جو چیز ہفتہ بھر کی انتہائی کاوش کے بعد لکھی جائے گی، وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کے اندر آپ پڑھ لیں گے۔ ممکن ہے مطالب کی دلچسپی اتنا وقت بھی محسوس نہ ہونے دے۔ تاہم اس واقعہ سے آپ کو بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ سینکڑوں روپیہ کے صرف اور ایک اہل قلم کے پورے سات دن کی محنت سے یہ چند کالم تیار کئے جاتے ہیں۔ بسا اوقات اس کی صرف ایک سطر لکھنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ کئی کئی سو صفحوں کی کتاب یا اخبارات و رسائل اول سے لیکر آخر تک پڑھ ڈالے جائیں، اور بعض اوقات تو ایسا ہوگا کہ سینکڑوں کے صفحے پڑھ کر رکھ دینے پڑیں گے اور ایک سطر بھی میسر نہ آئے گی!

اسوقت دفتر الہلال میں مغرب و مشرق کے وسیع اخبارات و رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہفتہ وار آتا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، طلیانی، جرمن، اسپینی، عربی، ترکی، فارسی اور جاپانی زبان کے روزانہ، سہ روزہ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی، ہر قسم کے اخبار و رسائل مہیا کئے گئے ہیں۔ طلیانی اور اسپینی زبانوں کے سوا باقی تمام زبانوں کے مطالعہ اور اخذ و ترجمہ کا انتظام موجود ہے۔ اور اُمید ہے کہ بہت جلد ان دو زبانوں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ یہی حال نئی کتابوں کا ہے۔ شاید ہی کوئی ہفتہ اس سے خالی جاتا ہو کہ نئی مطبوعات کا ذخیرہ یہاں نہ پہنچتا ہو۔ ہم کوشش کرینگے کہ حتی الوسع اس تمام ذخیرہ کا بہترین خلاصہ ہر ہفتہ جمع کردیا کریں۔

یہ واضح رہے کہ "عالم مطبوعات و صحائف" کا باب "مطبوعات جدیدہ" سے مختلف ہے۔ "مطبوعات جدیدہ" کا عنوان اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ نئی کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا جائے، یا اگر کسی خاص کتاب کا کوئی اہم حصہ قابل اشاعت ہو تو اسے بجنسہ نقل کرلیا جائے، لیکن عالم مطبوعات و صحائف کا دائرۂ نظر عام و وسیع ہے۔ اسمیں ہر طرح کی مطبوعات سے ہر طرح کی ضروری معلومات منتخب کرکے جمع کی جائیں گی۔

تاریخ کبیر ذہبی

تاریخ اسلام کے عہد متاخرین میں امام شمس الدین الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) کو علم و تصنیف کا جو درجہ حاصل ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ اُن کا عہد آئمۂ فن کا عہد تھا، تاہم جو قبولیت و شہرت اُن کی مصنفات کو حاصل ہوئی، اُس سے اُن کے بڑے بڑے معاصر حتیٰ کہ شیوخ و اساتذہ بھی محروم ہیں۔ اُنکی مصنفات میں ایک بڑا حصہ تاریخ و رجال کا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تک میزان الاعتدال کے سوا (جسے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک عالم مولانا عبد الحئی مرحوم فرنگی محلی نے چھپواکر شائع کیا) اُن کی کوئی مطول کتاب شائع نہ ہوسکی۔

تاریخ میں ان کی سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر الاسلام" ہے جو تاریخ کبیر ذہبی کے نام سے مشہور ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد اسلام کی جس قدر تاریخیں لکھی گئیں، سب کی سب اس سے ماخوذ ہیں۔ کوئی متأخر مؤرخ ایسا نہیں جو اس کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ اس کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تمام ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے کسی ایک مقام پر بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں۔

یورپ کے مستشرقین اور مستشرق جماعتوں کا ایک خاص طریق کار یہ ہے کہ وہ جب کوئی خاص کتاب شائع کرنی چاہتے ہیں تو پہلے اُس کے تمام موجودہ نسخوں کی ایک یادداشت طیار کرلیتے ہیں۔ یہ یادداشت نہایت قیمتی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا کے مختلف مقامات میں اس کے کون کون سے نسخے موجود ہیں، اور کیونکر اُن سب سے اس کا ایک مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کیا جاسکتا ہے! ۱۸۹۹ء میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر دی گوئے Goeje de نے ایک یادداشت اس کتاب پر شائع کی تھی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی اور پانچویں جلد پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسری اور چوتھی آکسفورڈ میں ہے۔ تیسری روم اور قاہرہ میں ہے۔ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے۔ نویں سے لے کر بارہویں جلد تک قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایاصوفیہ میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر جلدیں ناقص ہیں اور جب تک اُنکے ناقص اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے نسخوں سے کامل اجزاء نہ مل جائیں مکمل نسخہ کی ترتیب مشکل ہے۔ اس یادداشت میں ان اجزاء کا بھی حال درج تھا، اور امید کی گئی تھی کہ مکمل نسخہ مرتب ہوجائیگا۔

ہندوستان میں بھی اس کے نسخے جا بجا پائے جاتے ہیں مگر مکمل نسخہ کہیں نہیں ہے۔ رامپور کے کتب خانے میں تین جلدیں ہیں۔ لکھنؤ کے کتب خانۂ مولانا حامد حسین مرحوم میں بھی تین ہیں۔ بانکی پور میں ایک جلد ہے۔ مولانا ابو الکلام . . . کے کتب خانہ میں دو جلدیں ہیں: دوسری اور چوتھی۔ غالباً حیدرآباد میں بھی بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب کی ایک کتابت میں بارہ جلدیں ہیں اور ایک میں تیرہ۔ مصنف نے ابتداء اسلام سے اپنے عہد تک یعنی ساتویں صدی ہجری تک کے حالات و تراجم جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ پوری مدت ستر بابوں میں منقسم ہے یعنی ہر بیس برس کے لئے ایک باب ہے۔ ہر باب میں پہلے وقائع و حوادث بہ ترتیب سنین جمع کئے ہیں۔ پھر وفیات و تراجم بہ ترتیب حروف تہجی بیان کئے ہیں۔ دوسری اور چوتھی جلد جو مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں ۴۱ھ سے ۱۳۰ھ تک کے، اور ۱۹۱ھ سے ۲۴۰ھ تک کے حالات ہیں۔

دنیا اس کتاب کی اشاعت سے مایوس ہوچکی تھی۔ لیکن اب شائقین علم یہ سنکر نہایت خوش ہونگے کہ نہ صرف اس کا مکمل نسخہ مرتب کرلیا گیا ہے، بلکہ اُس کی طباعت کا کام بھی شروع ہوگیا ہے۔ چنانچہ جرمنی سے پروفیسر ہارٹ من لکھتے ہیں کہ تاریخ کا مکمل نسخہ جو گذشتہ پندرہ سال سے زیر تصحیح و تکمیل تھا اب مکمل ہوگیا ہے۔ اور پہلی جلد کی چھپائی بھی شروع ہوگئی ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ خط مولانا ابو الکلام کے نام آیا ہے جن سے اُن کی خط و کتابت ۱۹۱۲ء سے جاری ہے۔ اسمیں انھوں نے مولانا کے کتب خانہ کی دونوں جلدیں طلب کی ہیں، اور اس کام کی نہایت دلچسپ تاریخ بھی بیان کی ہے تاکہ الہلال میں شائع کی جائے۔ پروفیسر موصوف یورپ کے اُن مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جنھوں نے ازراہ عنایت الہلال کے لئے تحریر مقالات کا وعدہ فرمایا تھا۔ ہم آیندہ اُن کی تحریر کا ترجمہ بسلسلۂ مقالات شائع کرینگے۔

پریم

A. Tale of Modern India

مندرجۂ صدر نام سے مسٹر ایچ۔ کے۔ گورڈن نے ایک ناول لکھا ہے جو پچھلی ڈاک کی نئی کتابوں میں ہمارے پاس پہونچا ہے۔ اس میں پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے، اور مصنف کا بیان ہے کہ یہ داستان نہیں ہے ایک سچی سرگزشت ہے۔ سر مائیکل اوڈوائر (سابق گورنر پنجاب) نے اسپر دیباچہ لکھا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ "زمانۂ حال کی ہندوستانی زندگی کے مسائل سمجھنے میں یہ سرگزشت بہت مدد دے گی"

اس افسانہ میں اگرچہ متعدد سیرتیں (کیرکٹرز) دکھائی گئی ہیں لیکن دو سیرتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک تو خود "پریم" کی جو اپنی کاشتکاری کی پرصعوبت زندگی شروع کرتا ہے

بریدِ شرق

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

دو تاریخی دشمن رُو در رُو

سابق خدیو مصر کا مقدمہ

عباس پاشا حلمی، دورِ حاضر کے سربرآوردہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جنگ عمومی کے آغاز تک مصر کے فرمانروا تھے۔ برطانیہ سے اِن کی مخالفت تاریخی واقعہ بن گئی ہے۔ باہمی عداوت کی سرگزشت خود لارڈ کرومر نے اپنے پُرزور سیاسی قلم سے لکھی ہے اور "عباس ثانی" کے نام سے دُنیا کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لارڈ موصوف نے عباس کی مذمت میں اپنی تمام قوت کتابت صرف کر دی ہے۔ مگر شروع سے آخر تک کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد اس کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہ خدیو برطانیہ کا دشمن تھا" کیونکہ "برطانیہ نے اس کے ملک کا غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا"

یہاں ہم خدیو کی وطن پرستی کی تاریخ بیان کرنی نہیں چاہتے لیکن یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آخر کار اسی وطن پرستی نے عباس حلمی کو اپنے تاج و تخت سے محروم کرایا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برطانیہ نے مصر میں اُس کی تمام ذاتی جائداد ضبط کر کے پورا پورا انتقام لے لیا۔

آج مصر میں خدیو کی کوئی ملکیت باقی نہیں ہے حالانکہ جنگ سے پہلے وہ مصر کا سب سے بڑا صاحب املاک تھا۔ خدیو کی سابق دولت کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ وہ اپنے عہد حکومت میں دنیا کے چند سب سے زیادہ دولتمند فرمانرواؤں میں سے تھا

بہرحال وہ قدیم تاریخی دشمنی آج پھر منظر عام پر آگئی ہے۔ پہلے اُس کا دائرہ شاہی محل، انگریزی ریزیڈنسی، اور سیاسی حلقوں میں محدود تھا۔ آج وہ عدالت کے ایوان میں جلوہ آرا ہے، اور جج اُس پر محاکمہ کرنے بیٹھے ہیں۔"

مقدمہ کی نوعیت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خدیو نے قسطنطنیہ کی مخلوط اعلیٰ عدالت میں حکومت برطانیہ پر دعویٰ دائر کیا ہے اور اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کیا ہے جو دوران جنگ میں ضبط کر لی گئی تھی۔ خدیو کا دعویٰ یہ ہے کہ برطانیہ نے اُس کی جائداد ضبط کرنے کے بعد اُسے صرف ۶،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ معاوضہ ادا کیا۔ یہ رقم بہت کم ہے۔ اُسے ۲۸،۲۳،۸۰۲ پونڈ معاوضہ ملنا چاہئے۔

مدعا علیہ کا جوابِ دعویٰ

دعویٰ اپنے اجمال میں صاف اور سادہ ہے۔ لیکن تفصیلات نے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں جن کے حل کرنے میں اس وقت ترکی، مصر، برطانیہ، اور بعض دوسرے یورپین ملکوں کے قابل ترین علمار قانون مشغول ہیں۔ یہ پیچیدگیاں دراصل برطانیہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں۔ برطانوی وکیل موریس اموس نے کل عدالت میں اپنے اعتراضات پیش کئے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ عدالت، جس کے سامنے مقدمہ پیش ہے، اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی۔ برطانی نمایندے نے اس کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول مدعی کی شخصیت۔ ثانیاً دعوے کا موضوع۔

انگریزی وکیل نے کامل تین گھنٹے تقریر کی۔ اور (ان) دونوں نقطوں پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی۔ اُس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"مدعی کی شخصیت، موجودہ عدالت کے دائرہٴ اختیار سے باہر ہے۔ یہ اس لئے کہ خدیو کی جنسیت مصری ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس عدالت کے سامنے صرف اُنھی لوگوں کے دعوے آسکتے ہیں جو ترکی جنسیت رکھتے ہوں اور برطانیہ یا اُس کی رعایا کے خلاف دعویٰ رکھتے ہوں" اپنے دعوے کے ثبوت میں وکیل نے کہا "ابتک مصری حکومت سابق خدیو کو "مصری" ہی گردانتی ہے اور اُن کی ترکی جنسیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں مصری اور ترکی حکومت میں گفت و شنید بھی ہو چکی ہے۔ مگر مصری حکومت اپنے فیصلہ پر قائم ہے۔ میرے لئے سرکاری کاغذات پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پاس موجودہ مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کا خط موجود ہے جو اُن سے خاص اس موقعہ کے لئے حاصل کیا گیا ہے"

اس کے بعد وکیل نے وزیر اعظم مصر کا خط پیش کیا جو حسب ذیل ہے:

"آپ کا خط پہونچا۔ افسوس جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اس کا اصلی سبب وزارت کا استعفا تھا۔ اسی استعفا کی وجہ سے اُس نوٹ پر دستخط بھی دیر سے ہوئے جو سابق خدیو عباس پاشا کے متعلق مصری حکومت ترکی سفیر کے حوالے کرنے والی تھی۔ آج اس نوٹ پر دستخط ثبت ہو گئے اور ترکی سفیر کو دے دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصری حکومت سابق خدیو کی جنسیت کی تبدیلی تسلیم نہیں کرتی۔۔۔ میں آپ کی اس مہم میں پوری کامیابی کا خواہشمند ہوں"

خط سنانے کے بعد انگریزی وکیل نے کہا:

"اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ عباس حلمی مصری ہیں۔ ترکی نہیں ہیں۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے مصر پر اپنے حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کا اعلان کیا۔ اُس وقت سے خدیو انگریزی رعایا ہو گئے۔ لہذا اُن کا موجودہ دعویٰ برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ یعنی برطانیہ کی ایک رعایا نے حکومت برطانیہ پر دعویٰ کیا ہے۔ موجودہ عدالت کو ایسے مقدمات سننے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ بنا بریں عدالت کو اس مقدمہ پر غور نہیں کرنا چاہئے"

اس کے بعد وکیل نے دوسرے نقطہ پر بحث شروع کی:

"خدیو اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ عدالت کو معاوضہ کے دعوؤں پر غور کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عدالت، معاہدہٴ لوزان کے بموجب وجود میں آئی ہے اور اُس معاہدہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ ترکی برطانی عدالت صرف اُن دعوؤں پر غور کرے گی جو ترکی یا دول اتحاد طرفین یہ کسی جائداد کے متعلق دائر کرینگے بشرطیکہ اُس جائداد کا طرفین کو علم ہو۔ لیکن خدیو کسی جائداد کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ معاوضہ کا معاملہ اس عدالت کے اختیار سے باہر ہے"

یہ کہکر وکیل نے معاہدہٴ لوزان کی دفعہ ۵۸ پڑھی جس کا مضمون یہ ہے:

"ترکی اور دول اتحاد باہمی رضامندی سے اُن تمام نقدی معاوضوں کے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں جن کا تعلق یکم اگست ۱۹۱۴ء سے تاریخ معاہدہ تک طرفین کی جائداد سے ہے عام اس سے کہ وہ جائدادیں تباہ ہو گئی ہوں یا ضبط کر لی گئی ہوں"

وکیل نے کہا "اس تصریح کے بعد خدیو کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے" یہاں پر انگریزی وکیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ "لوزان کا معاہدہ اُن معاہدوں سے بالکل مختلف ہے جو دول اتحاد نے جرمنی، آسٹریا، اور بلغاریہ سے کئے ہیں۔ یہ معاہدے غالب اور مغلوب کے مابین ہوئے تھے، اسی لئے اُن میں غالب کی سخت شرطیں موجود ہیں۔ لیکن لوزان کا معاہدہ دو برابر کے حریفوں میں ہوا تھا غالب اور مغلوب میں نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اُس کی تمام شرطوں کی بنیاد مساوات پر ہے"

یہ تاریخی واقعہ بھی اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ "لوزان کانفرنس میں اتحادیوں نے ترکی کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ تین کرور پونڈ تاوان جنگ طلب کیا تھا۔ مگر ترکی نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ کرور طلب کیا۔ اسپر بھی ترکی راضی نہ ہوا۔ آخر ایک کرور بیس لاکھ پر اصرار کیا گیا۔ مگر ترکی نے اس بارے میں گفتگو کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مجبوراً اتحادیوں کو مذکورۂ بالا دفعہ ۵۸ پر راضی ہونا پڑا، جس کی رُو سے طرفین ہر قسم کے مالی معاوضوں سے دست بردار ہو گئے"

اس کے بعد وکیل نے معاہدہ کی دفعہ ۶۵ اور ۶۶ پر بحث کی "بلاشبہ ان دفعوں میں طرفین نے تسلیم کیا ہے کہ ضبط شدہ جائدادیں واپس کر دیں گے یا اُن کی قیمت ادا کر دیں گے۔ مگر اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ ایسے دعوے اُس عدالت میں پیش ہو سکتے ہیں جو طرفین خاص اسی غرض سے مقرر کرینگے موجودہ عدالت کی یہ حیثیت نہیں ہے، لہذا اس مقدمہ پر غور کرنا اُس کے اختیار سے باہر ہے"

اس کے بعد وکیل نے یہ اعتراض پیش کیا کہ "معاہدہٴ لوزان کی رُو سے طرفین ایسی ہی جائدادوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو کسی ایک فریق کے قبضہ میں ہیں۔ کیونکہ اگر قبضہ میں نہیں ہیں تو اُن کی واپسی بھی ناممکن ہے۔ مدعی عباس پاشا کی فی الحال کوئی

بتلاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہو کہ وہ طرح طرح کے تمدنی اور تعلیمی ترقیاں کے مدارج پُورے سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہو۔ وقت آگیا ہو کہ ہم ہر طرح کے تعصبات سے الگ ہوکر اعتدال فکر کے ساتھ روسی انقلاب کا مطالعہ کریں"

ترک اور نسل ابراہیمی

پچھلے دنوں پروفیسر حقی بے نے جو جامعۂ قسطنطنیہ میں اسلامی تاریخ کے مدرس ہیں، ایک عجیب نظریہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔ ماحصل اس کا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نسل سے تھے جو ترکوں کی نسل ہو۔ نظریہ کے اثبات میں لغات قرآن، اور علم الاقوام سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جتنی باتیں ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر نکالی گئی تھیں، ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو اہل علم کے لئے قابل التفات ہو۔ خصوصاً قرآن سے استدلال تو نہ صرف غیر مفید بلکہ عدم فہم و تدبر پر مبنی تھا۔

پچھلی ڈاک کے ترکی اخبارات میں پھر یہ بحث چھڑ گئی ہو۔ توحید افکار میں ایک اہل قلم نے طول طویل مضمون لکھا ہو، وقت کے مقالہ نگار نے اُس کے رد پر زور قلم صرف کردیا ہو۔ توحید افکار کا مضمون حقی بک کی تائید میں ہو۔ وقت کا مضمون تغلیط میں۔ ضمناً یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ قدیم تقسیم اقوام کی بنا پر منگولین نسل کا ایک حلقہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن یہ کہاں تک نکتہ چینیوں سے محفوظ ہو؟ توحید افکار کے مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ قدیم تاتاری نسل اپنی ایک مستقل شاخ رکھتی ہو۔ مشرق اقصیٰ اُس کا محض وطن نہ تھا۔ یہ دنیا کے وسطی حصوں سے وہاں پہنچی تھی۔

اس سلسلہ میں لفظ "تارخ" اور "آزر" کی اصلیت نے بھی ایک سخت نزاع پیدا کردی ہو۔ یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" اصلاً ایک ہی لفظ ہیں یا دو مختلف نام ہیں؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو "آزر" کا بیٹا بتلایا گیا ہو: اذ قال ابراھیم لابیہ آزر" لیکن توراۃ میں "تارخ" ہو۔ مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہو کہ "آزر" حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا چچا تھا۔ باپ "تارخ" ہی تھا۔ لیکن چونکہ اُسی نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی۔ نیز عربی میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے "آزر" کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا۔

بہر حال یہ، اور اس طرح کی بحثیں ایک طرح کی کاوش فکر اور تفنن طبع ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی وقعت نہیں جہاں تک حضرت ابراہیم کے باپ کی شخصیت کا سوال ہے، صاف بات یہی معلوم ہوتی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" سے ایک ہی شخصیت مراد ہو۔ قدیم الفاظ و اعلام میں اس طرح کے تبدلات بکثرت ہوئے ہیں۔

امریکہ کے شامی اور استقلال شام

قارئین الہلال کو غالباً معلوم ہوگا کہ امریکہ میں شامی مہاجرین کی بڑی بڑی نو آبادیاں ہیں۔ انھوں نے امریکن جنسیت قبول کرلی ہو۔ اور عام امریکن آبادی کی طرح تمول و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے خاص عربی اخبارات ہیں، کلب ہیں، مجلسیں ہیں، جہاز رانی کی کمپنیاں ہیں۔ اور خاص نیویارک میں بڑے بڑے آباد محلے ہیں۔ غالب تعداد دین کیتھولک کی ہو۔ کچھ مسلمان بھی ہیں۔

چونکہ ان کی جدید تمدنی زندگی کی ابتدائی نشوونما فرانس کے زیر اثر ہوئی تھی، اس لئے قدرتی طور پر جذبات کا میلان اُسی طرف رہتا ہو۔ جنگ کے بعد جب فرانس نے شام پر غاصبانہ قبضہ کیا، تو انھوں نے شام کو مبارکباد دی۔ پھر جب شامیوں نے فرانسیسی مظالم سے عاجز آکر اعلان جنگ کردیا، تو ان کے اخبارات علانیہ فرانس کے حامی اور دروزیوں کی وحشت و جہالت اور ناشکرگزاری پر ماتم سنج تھے!

چونکہ مہاجرین امریکہ ابنا شام کی سب سے بڑی متمول اور طاقتور جماعت ہیں، اس لئے قدرتی طور پر انکے خیالات کا مسئلہ شام پر نہایت مضر اثر پڑتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر متعدد شامی لیڈروں نے امریکہ کا سفر کیا۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر گئے تھے، جنھوں نے امریکہ کی تمام شامی آبادیوں میں لیکچر دئے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ اُنکے بعد مشہور شامی زعیم، امیر شکیب ارسلان نے اسی غرض سے امریکہ کا سفر کیا اور کئی ماہ تک مقیم رہے۔ اب معلوم ہوتا ہو کہ یہ تمام کوششیں پوری طرح بار آور ہوئی ہیں اور امریکن شامیوں کی رائے عامہ میں بہت کچھ تبدیلی ہوگئی ہو کئی ہفتہ سے امریکہ کے جس قدر عربی اخبارات آرہے ہیں، سب سے اس تبدیلی کا پتہ چلتا ہو۔ پچھلی ڈاک کے البیان اور الہدیٰ میں کئی مضامین شام کے مسئلہ استقلال پر نکلے ہیں۔ سب میں وہی نقطۂ خیال پیش کر رہا ہو جو شام کا مخلصانہ وطنی نقطۂ خیال ہو۔ الہدیٰ لکھتا ہو:

"بلا شبہ ہم فرانس کے علم و ادب کے مقروض ہیں۔ ہمیں اس قرضہ کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہم اس کے لئے طیار نہیں کہ اس کے معاوضہ میں اپنا وطن عزیز اور اُس کا وطنی استقلال غنیمت کی طرح حوالہ کردیں۔ ہم فرانس کے آگے عبودیت و محکومیت کا سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں"

پارہ کا فوری علاج

ہر شخص جانتا ہو کہ کچا پارہ اگر جسم کے اندر چلا جائے تو نہایت مضر ہوتا ہو۔ پارہ کا کھا جانا مشہور ہو۔ ایک مدت سے طبی حلقوں کو تلاش تھی کہ اسکا کوئی فوری اور قطعی علاج معلوم ہوجائے اب امریکہ کے مشہور طبی رسالہ "جرنل آف دی میڈیکل ایسوسی ایشن" میں اس کا مجرب اور سہل علاج بتلایا گیا ہو۔ امریکہ کے تمام مستند طبی حلقے اس کی تائید کرتے ہیں:

"اگر کوئی شخص پارہ کھا گیا ہو تو پہلے ایک یا دو گلاس دودھ پلا دو۔ پھر چند کچے انڈے کھلا دو۔ یہ چیزیں جب پارے سے ملتی ہیں تو فوراً ایک نمک طیار ہوجاتا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ معدہ میں پارہ ہضم نہ ہو سکے گا اور دودھ اور انڈے کی چکناہٹ معدہ کی دیواروں کو چکنا بھی کردے گی تاکہ پارہ جذب نہ ہو سکے۔ البتہ یاد رہو کہ ہر حال میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ پارہ کھانے کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو یہ علاج عمل میں آجائے۔ دوسرے یہ کہ معدہ کی صفائی اچھی طرح کردی جائے"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں نیز نام اور پتہ صاف ہونا چاہئے ورنہ تعمیل میں دیر ہوگی۔
منیجر الہلال، کلکتہ

مکتوبِ فلسطین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)
(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

جامعۂ عبرانی

فلسطین کی عبرانی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہو کہ وہ عربی زبان کا شعری لغت مرتب کر رہی ہے۔ اس سے مقصود لغت کی ایک ایسی کتاب ہو جس میں اُن تمام لفظوں اور محاوروں کی تحقیق کی جائے گی جو عربی اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہ تجویز نہایت اہم اور ایک بڑی ضرورت پوری کرنے والی ہو عربی علم ادب سے مہارت رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت اور مولدین کے کتنے اشعار محض اس لئے مشکل ہو گئے ہیں کہ موجودہ کتب لغت میں اُن کے الفاظ اور محاوروں کی پوری تحقیق موجود نہیں۔

تحقیقات سے مجھے معلوم ہوا کہ اس غرض کے لئے یونیورسٹی نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی ہو۔ مشہور یہودی علامہ ہرقنر اس کے صدر ہیں۔ کام شروع ہو گیا ہو۔ لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً پندرہ برس لگیں گے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایک اور تجویز بھی قابل ذکر ہو۔

عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر بیکر کا نام سنا ہوگا۔ یہ اس وقت پروشیا کے وزیر تعلیم ہیں اُنھوں نے سالہا سال کی کوششوں سے عربی زبان کی بکثرت قدیم قلمی تحریریں جمع کی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کا مجموعہ نہایت نادر اور قیمتی سمجھا جاتا ہو۔ فلسطین کی یہودی یونیورسٹی نے گزشتہ ماہ یہ تجویز منظور کی ہو کہ پروفیسر مذکور سے یہ تاریخی مجموعہ خرید لیا جائے اور پورے اہتمام کے ساتھ شایع کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہو کہ اگر یہ مجموعہ شایع ہوا تو دس جلدوں میں ختم ہوگا۔

عبرانی یونیورسٹی کے کارناموں میں مشرق کی اکثر قوموں کے لئے بڑی ہی عبرت ہو۔

عبرانی اپنے بولنے والوں کی پراگندگی و بربادی کے بعد خود بھی برباد ہو گئی تھی۔ مردہ زبانوں میں اُس کا شمار تھا۔ مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کے باہر اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا لیکن سخت جان یہودیوں کی تیس برس کی کوششوں نے آج اُسے ایک زندہ زبان بنا دیا ہو۔ اسوقت فلسطین میں عربی کے بعد سب سے زیادہ مستعمل یہی زبان ہو۔ عدالتوں اور بازاروں تک میں بولی جاتی ہو، اسمیں نئے علوم و فنون ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہو۔ اپنی خاص یونیورسٹی رکھتی ہو جس کا شمار موجودہ عہد کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہو!

عبرانی یونیورسٹی کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہو کہ دو سال کی قلیل مدت میں اُسنے ایک لاکھ ۴۰ ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر لی ہیں جو تمام تر یہودی علوم اور یہودی قوم سے تعلق رکھتی ہیں!

قومی مؤتمر

فلسطین کی قومی مؤتمر (کانگرس) نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کی دعوت شایع کی ہو۔ اس سے غرض اُس قانون پر بحث و اعتراض ہو جو گورنمنٹ نے فلسطینی قومیت یا جنسیت کے متعلق عمل میں بنایا ہو۔ یہ قانون اُن تمام لوگوں کو فلسطینی جنسیت سے خارج کرتا ہو جو فلسطین کے باہر بود و باش رکھتے ہیں۔ نیز اُنھیں اپنے ملک میں واپس ہونے سے بھی منع کرتا ہو۔ اس قانون کی وجہ سے باشندے سخت ہیجان میں ہیں۔

مجلس تشریع

ملک میں مجلس تشریع (لیجسلیٹو کونسل) کے قیام کا مطالبہ عام ہو گورنمنٹ بھی اسپر غور کر رہی ہو۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹ یہ ہو کہ جن لوگوں پر قوم کو اعتماد ہو، حکومت اُنھیں پسند نہیں کرتی۔ اور حکومت کے آدمیوں پر قوم کو اعتماد نہیں۔ اس صورت میں کونسل کا قیام کیسے ہو سکتا ہو؟ حکومت ڈرتی ہو کہ اپنا ایک نیا دشمن کیوں پیدا کرے؟ قوم خیال کرتی ہو حکومت کے ہاتھ میں ایک نیا ہتیار کیوں دے؟ لیکن متعدد سیاسی رہنماؤں نے اعلان کیا ہو کہ ہم حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ سچائی کے ساتھ قومی مطالبے کی طرف عملی قدم اُٹھائے۔ ایسے معاملات میں "سچائی" کی قید ہمیشہ مشتبہ ہوتی ہو!

ایک اہم انکشاف

پروفیسر ولیم یہاں آثار قدیمہ تلاش کر رہے ہیں۔ حال میں اُنھیں "تل مشیا" پر زمین کے اندر ایک دیوار ملی ہو۔ سولہ سے بیس فٹ تک موٹی ہو۔ خیال کیا جاتا ہو یہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔

ڈاکٹروں کی تعداد

آخری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اسوقت فلسطین میں کل ۵۴۲ ڈاکٹر ہیں۔ ان میں ۳۷۳ یہودی ہیں، ۴۰ عرب ہیں ۱۲۳ یورپین ہیں۔ یہودی ڈاکٹروں میں ایک تہائی عورتیں ہیں۔

امیر عبداللہ

اخبارات نے امیر عبداللہ کی ایک ملاقات کا حال شایع کیا ہو جو اُنھوں نے ایک مصری اخبار نویس سے حال میں کی تھی۔ امیر نے کہا:

"مصر میں ذہنی بیداری اس طرح اُبل رہی ہو جس طرح کہ لاوا اُبلتا ہو۔ اس کے مستقبل اور نتیجہ کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا قدیم خیالات و افکار کے باب میں فکر کی آزادی میرے نزدیک نہایت مستحسن ہو۔ تجدید و اجتہاد میں جو چیز مجھے بہت پسند ہو وہ اعتدال ہو جلد بازی اور شرقی فضائل و اخلاق کی تحقیر مجھے پسند نہیں"

مصر کی سیاسی بیداری کے متعلق امیر نے گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنی تصریح کی "مصر کے دوستوں کو یہ بیداری بہت مرغوب ہو"

اپنی ریاست کے متعلق اُنھوں نے کہا "میں اپنے ملک کو وہ تمام دستوری (پارلیمنٹری) حقوق دینا پسند کرتا ہوں جو اُسکے لئے مضر نہ ہوں" اور اُس کی "عقلی استعداد" کے مطابق ہوں"

انگریزی معاہدہ کے متعلق کہا "معاہدہ ابھی آخری منزل میں نہیں پہونچا ہو۔ البتہ گفت و شنید ختم ہو گئی ہو۔ ممکن ہو مزید ترمیم ہو بہر حال مجھے یقین ہو کہ یہ ویسا ہی معاہدہ ہوگا جیسا برطانیہ نے عراق سے کیا ہو"

اپنے والد شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بارے میں انھوں نے کہا "اپنی آخری حاضری کے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں اقامت اختیار کریں۔ مگر اُنھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے والد قبرص میں محض اپنی خوشی سے مقیم ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہیں جس ملک میں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"

فلسطین کی ایک بڑی شخصیت

فلسطین کے ایک ممتاز اور معزز سیاسی رہنما موسیٰ کاظم پاشا سینی ہیں۔ شروع سے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ قومی انجمن کے فی الحال صدر ہیں۔ اخبارات نے اُن کی ایک سیاسی گفتگو شایع کی ہو۔ یہ فلسطین کی عام رائے کی صحیح ترجمانی کرتی ہو۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

"ملک کا مطالبہ یہ ہو کہ قومی حکومت دستوری بنیادوں پر قائم ہو۔ قومی مجلس اُس کی پشت پناہ اور نگراں ہو دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی صرف ملکی مجلس ہی کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہم برطانوی حکمرداری تسلیم نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک معین مدت تک کے لئے اپنے خارجی معاملات اجنبیوں کے ہاتھ میں رہنے دیں۔ لیکن ہم کامل اندرونی آزادی چاہتے ہیں ہم سر دست اپنے ملک کے لئے وہی سیاسی حیثیت چاہتے ہیں جو عراق کو حاصل ہو۔ یعنی ہم انگریزوں سے اس شرط پر معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ملک کی اندرونی آزادی محفوظ رہے اور دستوری حکومت قائم کرنے دیجائے۔ ہماری راہ میں سب سے بڑی مشکل یہودی قوم ہو ہم یہودیوں سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ملک میں اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مگر وہ زیادتی کرنا چاہتے ہیں ہمارے ملک کو غصب کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ عربوں کو برطانیہ سے بیشمار شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہو کہ اُسنے اُن کی آزادی سلب کر لی۔ دوسری شکایت یہ ہو کہ تقریباً تمام اعلیٰ اور درمیانی عہدے یہودیوں اور انگریزوں کے لئے خاص کر دیے، تیسری یہ کہ انگریزی حکومت نے ہماری تعلیم اپنے قبضہ میں کر لی ہو جس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہو۔ چوتھی یہ کہ بیشمار ٹیکس غریب ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ظالمانہ قانون جاری کئے گئے ہیں۔ اس قانون سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ حکومت جسے مشتبہ سمجھے ۶ مہینے کے لئے بغیر مقدمہ چلائے قید کر سکتی ہو"

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)
(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

مصر و برطانیہ کی نزاع

"قوم کی روح کو نہ جنگی قانون مغلوب کر سکتا ہو نہ ظالم کا ظلم، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت"

(سعد پاشا زغلول)

مصر کی موجودہ سیاسی جد و جہد کی پوری تاریخ اس ایک جملہ میں پنہاں ہو۔ برطانیہ نے ہر ممکن ذریعہ سے اس چھوٹی سی قوم کو مغلوب و مقہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس نہتی قوم نے مغلوب ہونے سے ہمیشہ انکار کیا۔ برطانیہ کو مجبوراً ظلم و جبر کے ہتیار رکھ دینا پڑے۔ سیاسی بازی گری شروع کی۔ مگر اس قوم نے فریب کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ برطانیہ کا آخری اور خطرناک حربہ، زیور پاشا کی وزارت تھی۔ یہ شخص مصری تھا مگر برطانیہ سے زیادہ مصر کے لئے مضر تھا۔ اپنے ملک کی سیاسی زندگی کا گلا گھونٹنے کی پوری کوشش کی، مگر قوم نے اُسے بھی چشم زدن میں گرا دیا۔ آج مصر پر حکومت خود مصر ہی کی ہو۔ آج مصر کی حکومت، عام رائے کے ماتحت ہو۔ عام رائے برطانیہ کے خلاف ہو، اس لئے ملک کی حکومت بھی برطانیہ کے خلاف ہو۔ عام رائے ملک میں برطانیہ کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھ

جائداد بھی برطانیہ کے قبضہ میں نہیں ہو۔ کیونکہ مصر اب ایک خود مختار سلطنت ہو اور برطانیہ کو اُس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق باقی نہیں رہا"

"علاوہ بریں" وکیل نے مزید استدلال کرتے ہوئے کہا "معاہدۂ لوزان نے یہ بھی تصریح کر دی ہو کہ برطانیہ اُنہی ملکوں کی جائدادیں واپس کریگا جو اس معاہدہ کے وقت ٹرکی کے قبضہ سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کا شمار ایسے ملکوں میں نہیں ہو، مصر جنگ سے پہلے ہی ٹرکی سے علحدہ ہو چکا تھا"

اس موقعہ پر وکیل نے لاہائی کی عدالت عالیہ کے مشہور جج موسیو کوبر کا یہ قول نقل کیا کہ کسی ملک کے اپنی سلطنت سے علحدہ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہو کہ وہ سلطنت یہ علحدگی تسلیم بھی کرے فعلاً کسی ملک کی حکومت کا بے اختیار ہو جانا اس کے لئے کافی ہو کہ اُسے حکومت کے اختیارات سے محروم تسلیم کر لیا جائے"

اس قول سے وکیل نے یہ استدلال کیا کہ "ٹرکی نے اگرچہ مصر کی علحدگی سرکاری طور پر اُس وقت تسلیم نہیں کی تھی۔ مگر مصر فعلاً اُس سے علحدہ ہو چکا تھا اور اگر اُس وقت کی علحدگی قانوناً جائز نہ ہو تو پھر ۱۹۱۴ء میں انگریزی حمایت نے تو مصر کو قطعاً الگ کر دیا تھا اور دوَل نے بھی اسے تسلیم کر لیا تھا۔ اگر یہ بھی معتبر نہ ہو تو مارچ ۱۹۲۲ء میں مصر کے اعلان خود مختاری پر تو کوئی رد و قدح نہیں ہو سکتی۔ یہ اعلان صرف دول یورپ ہی نے نہیں بلکہ خود ٹرکی نے بھی تسلیم کر لیا ہو"

غرضکہ انگریزی وکیل نے ہر ممکن دلیل سے ثابت کرنا چاہا کہ خدیو عباس کا موجودہ دعویٰ اگر بے بنیاد نہ ہو تو بھی اس عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ عدالت میں ۶۰ سے زیادہ سربرآوردہ ترک اور سفراء دول موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی انگریزی وکیل کی تقریر پسند نہیں کی۔ اُس کی تقریر غیر دلچسپ اور افسردہ کن تھی تمام حاضرین اس بات پر مسکرا رہے تھے کہ وہ بار بار جوش میں آکر تمسخر انگیز حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ سب سے زیادہ تمسخر انگیز منظر اُس کی عینک میں تھا۔ وہ اپنی عینک کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بار بار ناک پر رکھتا اور پھر گھبرا کر اُتار دیتا۔ جب رکھتا تھا تو اس طرح ججوں کو دیکھنے لگتا تھا گویا کتاب پڑھ رہا ہو۔ جب اُتار دیتا تھا تو اس طرح نظریں اُٹھا دیتا تھا گویا اندھیرے سے اچانک روشنی میں آگیا ہو!

برخلاف اس کے خدیو کے پیروکار بڑے سلیقہ اور وقار کے وکیل تھے۔ انکے سرگروہ مشہور قانون داں طاہر بک ہیں۔ یہ آستانہ کے مدرسۂ قانون کے مہتمم ہیں اور لوزان کانفرنس میں ترکی وفد کے قانونی مشیر تھے۔

خدیو کے وکلاء کی بحث

خدیو کی طرف سے تین وکیل تھے۔ تینوں نے انگریزی وکیل کی بحث کے تین اہم نقطوں کو باہم تقسیم کر لیا تھا۔

طاہر بک نے خدیو کی جنسیت پر بحث کی۔ اُنھوں نے کہا:

"خدیو، ترکی رعایا ہیں۔ کیونکہ ترکی قانون جنسیت انھیں ترکی رعایا قرار دیتا ہو اور مصری قانون جنسیت انھیں مصری تسلیم نہیں کرتا۔ خود برطانیہ معترف ہو کہ ۵ر نومبر ۱۹۱۴ء تک خدیو کا شمار ترکی رعایا میں تھا، پھر اس تاریخ کے بعد بقول اُس کے خدیو مصری رعایا ہو گئے۔ حالانکہ ۱۹۲۶ء کے مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ خدیو کو مصری جنسیت سے خارج کر رہی ہو۔ کیونکہ مصر میں اُن کی عدم موجودگی اور مصر میں اُن کے داخلہ کی ممانعت کی وجہ سے وہ شرطیں حاصل نہیں ہوتیں جو مصری رعایا ہونے کے لئے قانون میں درج ہیں۔ اس قانون میں صاف لکھا ہو کہ وہی لوگ مصری رعیت ہیں جو ۵ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مصر میں موجود تھے اور اسکے بعد بھی برابر وہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ خدیو عباس میں یہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ بلاشبہ ۱۹۱۴ء میں خدیو اپنے ملک واپس جانا چاہتے تھے مگر خود انگریزی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے اُنھیں واپسی سے روک دیا"

اس کے بعد طاہر بک نے مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کے مذکورۂ بالا خط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"یہ نام نہاد خط، اس مقدمہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طرفین نے عدالت کے سامنے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ ایسے کاغذات پیش نہیں کئے جائیں گے جو پہلے سے طرفین کے معائنہ میں نہیں آچکے ہیں۔ انگریزی وکیل نے یہ کارروائی بالکل خلاف اصول کی ہو۔ تاہم میں اس خط پر چند لفظ کہے بغیر نہیں رہ سکتا یہ خط محض شخصی اور نجی کا خط ہو۔ سرکاری دستاویز نہیں ہو سکتا خود میرے پاس ترکی حکومت کے سرکاری کاغذات موجود ہیں جن سے میرے موکل کی ترکی جنسیت پوری طرح ثابت ہوتی ہو مگر میں نے پیش نہیں کئے کیونکہ میں کوئی کارروائی باہمی معاہدہ کے خلاف نہیں کرنی چاہتا۔ ثروت پاشا کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے ثابت ہو جاتا ہو کہ یہ خط صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہو کہ مدعا علیہ مقدمہ پر اپنے موافق اثر ڈالے۔ نیز یہ ایک ایسی حکومت کے وزیر اعظم نے لکھا ہو جس کی مصلحت اسی میں ہو کہ میرا موکل مقدمہ ہار جائے۔ کیونکہ اُس کی جائداد اسی حکومت کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس سے متمتع ہو رہی ہو۔ اس خط کو تبھی اہمیت دی جائے گر وہ مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ کو باطل نہیں کر سکتا جسنے خدیو کو مصری جنسیت سے محروم کر دیا ہو"

اس کے بعد ترکی وکیل نے اپنے حریف کے اس بیان کی تردید کی کہ خدیو کی جنسیت کے بارے میں مصری اور ترکی حکومتوں کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی حکومت نے اس بارے میں مصری حکومت سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ترکی حکومت پوری تاکید سے خدیو کو ترکی سمجھتی رہی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے صاف معاملہ پر گفتگو کر کے اُسے مشتبہ کیسے بنا سکتی تھی؟ ممکن ہو یہ حقیقت ثروت پاشا کے لئے تکلیف دہ ہو۔ ممکن ہو حکومت برطانیہ کو موجودہ شکل سے نکالنے کے لئے مصری حکومت اپنے سر ذمہ داری لے لے مگر ان تمام کوششوں کے بعد بھی حقیقت، حقیقت ہی رہے گی۔ خدیو، ترکی سے مصری نہیں ہو جائیں گے۔ ہمارے موکل نے انگریزی وکیل کے اس بیان پر عصمت پاشا کو توجہ دلائی تھی۔ اس پر انھوں نے جو جواب بھیجا ہے وہ میں عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں"

اس کے بعد انھوں نے عصمت پاشا کا حسب ذیل خط پڑھ کر سنایا:

"آپکی جنسیت کے متعلق ہمیں حکومت مصر کے کسی اعتراض کا آجتک علم نہیں۔ ہماری وزارت خارجیہ بھی اب تک ناواقف ہو کہ مصر میں ترکی سفیر کو مصری حکومت نے اس بارے میں کوئی نوٹ دیا ہو۔ آپکی جنسیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ معاملہ کسی حال میں بھی معرض بحث میں نہیں لایا جا سکتا"

طاہر بک کے بعد خدیو کے دوسرے وکیل مسیو برگریہ نے اس نقطہ پر بحث کی کہ مصر، ٹرکی سے کب علحدہ ہوا؟ اُنھوں نے ثابت کیا کہ ٹرکی مصر سے معاہدۂ لوزان کے وقت سے دست بردار ہوا ہو نہ کہ اس سے پہلے۔ معاہدہ کی دفعہ ۱۷ میں صاف لکھا ہو کہ ٹرکی اپنی حدود کے باہر جملہ مقبوضات سے دست بردار ہوتا ہو پھر مصر اور سوڈان کے متعلق اسی دفعہ میں مزید تصریح موجود ہو کہ ان دونوں ملکوں سے دست برداری ۵ر نومبر ۱۹۱۴ء سے تصور کی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ مصر کی باضابطہ علحدگی معاہدۂ لوزان سے ہوئی ہو۔ نہ کہ کسی اور معاہدہ یا واقعہ سے۔

اس کے بعد خدیو کے تیسرے وکیل مسیو گارز نے وکیل کے اس اعتراض پر بحث کی کہ موجودہ عدالت اس مقدمہ پر غور نہیں کر سکتی اُنھوں نے کہا:

"میرے موکل کی جائداد مصر میں تھی۔ برطانیہ نے اُسے ضبط کر لیا۔ ثبوت یہ ہو کہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جبکہ یہ واقعہ پیش آیا مصر برطانیہ کے قبضہ میں تھا اگرچہ اس قبضہ کا باضابطہ اعلان ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہوا ہو"

اس کے بعد وکیل نے بین الاقوامی قوانین کی بہت سی کتابوں کے حوالے پڑھ کر بتایا کہ کسی ملک پر قبضہ اگر فعلاً موجود ہو اور اس قبضہ کے لئے کوئی معاہدہ یا اعلان نہ بھی ہوا ہو جب بھی وہ قبضہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ فعلاً اُس کا موجود ہونا اُس کی موجودگی کی سب سے بڑی دلیل ہو۔ تمام علماء قانون نے قبضہ کی تعریف یہ کی ہو کہ کسی ملک کی مدافعت کی ذمہ داری اور اُس کے معاملات میں مداخلت کا نام قبضہ ہو۔ یہ چیز اُس وقت سے موجود تھی جب سے برطانیہ کی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں وکیل نے لارڈ ملنر اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں کی تصریحات بھی پیش کیں اور بتایا کہ مصر فعلاً انگریزی حمایت میں تھا اگرچہ اُس کا باضابطہ اعلان ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ وکیل کی سب سے بڑی دلیل، جسنے پوری عدالت کو سکتہ میں ڈال دیا، انگریزی سپہ سالار مصر کا وہ اعلان تھا جو اُسنے اگست ۱۹۱۴ء میں شائع کیا تھا اور اسمیں لکھا تھا کہ برطانیہ نے اُسے مصر کی حمایت و مدافعت کے لئے مقرر کیا ہو۔

غرضکہ وکیل نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۴ء میں جبکہ خدیو کی جائداد ضبط ہوئی ہو، مصر برطانیہ ہی کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد وکیل نے اُن تمام اعتراضوں کو ایک ایک کر کے رد کر دیا جو انگریزی وکیل نے معاہدۂ لوزان پر بحث کرتے ہوئے ضبط شدہ جائدادوں اور اُن کے معاوضہ کے متعلق پیش کئے تھے۔

ترکی حکومت کا بیان

تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد ترکی حکومت کے نمائندے صفی راشد بک نے عدالت کے سامنے ۱۹ بڑے صفحوں پر لکھی ہوئی ایک دستاویز پیش کی۔ اسمیں ترکی حکومت نے مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اسکے بعد ترکی وزیر خارجیہ کا یہ پیغام پڑھا گیا:

"عباس حلمی پاشا ترکی جنسیت رکھتے ہیں۔ ہم نے مصری حکومت سے جو گفت و شنید کی تھی وہ خدیو کے بارے میں نہیں بلکہ مصری قانون جنسیت کے بارے میں تھی۔ چونکہ خدیو جنگ عمومی کے قبل ہی سے قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اس لئے مصری قانون کی دفعہ ۲ و ۳ کی رُو سے وہ مصری رعایا نہیں ہو سکتے"

آخر میں عدالت نے انگریزی وکیل سے پوچھا کہ اُسے کچھ اور کہنا ہو؟ وکیل نے انکار کیا۔ اس پر عدالت برخواست ہوگئی فیصلہ کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

کرینگے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اُسوقت مصر کے وزیر اعظم برطانیہ کے ساختہ پرداختہ احمد زیور پاشا تھے۔ انھوں نے اس اہم واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب لارڈ جارج کی سیاحت نیل نے یہ سوال مصری پارلیمنٹ میں پیدا کردیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ لارڈ جارج مصر میں برطانوی نمائندے کیونکر ہوسکتے ہیں جبکہ اُنھوں نے شاہ مصر کے سامنے اپنے کاغذات پیش نہیں کئے؟

اس قانونی سوال کا جواب وزیر اعظم نے یہ دیا ہے کہ سفراء کا اپنے کاغذات پیش کرنا، قرون وسطی کی رسم ہے جبکہ بادشاہ باہم ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ رسم کوئی معنی نہیں رکھتی اور بعض حکومتوں، مثلاً سوئٹزرلینڈ نے اسے بالکل موقوف کردیا ہے۔ تاہم ابتک یہ رسم اکثر ملکوں میں باقی ہے اور مصر میں بھی تھی۔ لہذا اگرچہ زیور پاشا کی وزارت نے برطانوی نمائندے کی اس فروگذاشت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم ابھی وقت ہے، موجودہ وزارت حکومت برطانیہ سے اس بارے میں گفتگو کریگی۔

"ہائی کمشنر"؟

دوران بحث میں ایک اور قانونی سوال پیدا ہوگیا۔ برطانوی نمائندہ ہائی کمشنر کیوں کہلاتا ہے؟ حالانکہ عام طور پر سیاسی نمائندے اس لقب سے نہیں پکارے جاتے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم نے بیان کیا۔ بین الاقوامی کتب قانون میں عام طور پر سیاسی نمائندوں کا لقب "Minstre Plenipotenitare" "Ambassadeur" ہے لیکن بعد میں ایک نیا لقب ہائی کمشنر کے نام سے رائج ہوگیا ہے۔ یہ لفظ بین الاقوامی کتب قانون میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا ہے۔ بین الاقوامی طریق عمل نے بھی اس کے معنی ابتک پوری طرح متعین نہیں کئے ہیں۔ تاہم اس قدر ... ہے کہ یہ لقب ایسے دو ملکوں کے سیاسی نمائندوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کے سیاسی علائق صاف بنیادوں پر قائم نہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ معاہدہ لوزان سے پہلے جدید ٹرکی میں انگلستان اور فرانس کے سیاسی نمائندے "ہائی کمشنر" کہلاتے تھے۔ اسی طرح اسوقت ولایات متحدہ امریکہ میں کنیڈا کا سیاسی نمائندہ ہائی کمشنر کہلاتا ہے۔ حالانکہ ایک لمحہ کے لئے بھی کنیڈا کو امریکہ کے زیر اثر نہیں کہا جاسکتا۔ اعلان خود مختاری سے پہلے مصر میں انگریزی نمائندہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے اب تک اسی لقب سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی علائق متعین اور صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہیں"

محمل مصری

اس سال محمل مصری کہ معظمہ نہیں گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ گزشتہ سال موسم حج میں ایک ناگوار واقعہ پیش آگیا تھا۔ کئی صدیوں سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ محمل کے ساتھ ایک مصری فوج اور توپخانہ جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اُس وقت حجاز میں امن پوری طرح قائم نہ تھا اور مقامی حکومت، محمل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی جب عادت گزشتہ سال بھی محمل کے ساتھ مصری فوج گئی۔ نجدیوں سے اُس کا بعض امور میں اختلاف ہوا اور اختلاف نے کشت و خون کی صورت اختیار کرلی۔ اس نزاع میں بہت سے نجدی مارے گئے کیونکہ وہ نہتے تھے اور مصری فوج کا کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سلطان ابن سعود نے حکومت مصر کو لکھا کہ آئندہ سے محمل کے ساتھ مسلح فوج نہ آئے۔ مصری حکومت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ گزشتہ سال کے واقعہ کے بعد خطرہ کا امکان اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محمل کی روانگی ملتوی رہی۔

سلطان ابن سعود نے اپنی خواہش کے جواز پر تین دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ اب حجاز میں ہر طرح امن امان ہے اور حجاز کی حکومت محمل اور حجاج کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی سلطنت میں غیر سلطنت کی مسلح فوج کا داخل ہونا، اُس کی خود مختاری کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ شرعی احکام کے بموجب بھی یہ مناسب نہیں کہ ہتیار بند فوج بلا ضرورت حدود حرم میں داخل ہو۔

مصری حکومت نے اپنے انکار کی دو وجہیں قرار دی ہیں: ایک یہ کہ کئی صدیوں سے برابر یہ رسم چلی آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسے حکومت حجاز کی اس ذمہ داری پر پورا اطمینان نہیں ہے کہ وہ محمل اور مصری حاجیوں کی حفاظت کرسکے گی۔

بہرحال اس سال محمل نہیں گیا۔ البتہ مصری حاجیوں کی ایک بڑی تعداد حج کے لئے روانہ ہوگئی ہے۔

مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

اس وقت چین کی کیا حالت ہے؟

یہ سوال ہے جو بیرونی دنیا میں عام طور پر پوچھا جارہا ہے۔ مگر کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ برطانی دعایۃ (پروپیگنڈا) نے اصلیت پر پردے ڈال دئے ہیں اور اس قدر غلط فہمیاں پھیلادی ہیں کہ حقیقت معلوم کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

برطانیہ کو پورے چین سے پرخاش نہیں ہے۔ شمالی حکومت تو اُس کے زیر اثر ہے۔ اس لئے باوجود صد درجہ بدنظمی اور عام بدامنی کے اس حکومت کے خلاف اُس کی زبان نہیں کھل سکتی۔ بلکہ اُلٹی تعریفیں کی جارہی ہیں۔

لیکن چین کی جنوبی حکومت کے خلاف اُس کے پریس کی تمام قوتیں وقف ہوگئی ہیں۔ جتنی بھی برائیاں ہیں۔ سب اُس کے سر تھوپی جارہی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکومت قوم پرستوں کی حکومت ہے اور برطانی لک گیر پالیسی کے خلاف شمشیر کف ہے!

بیرونی دنیا کو یقین دلایا جارہا ہے کہ جنوبی چین کمیونسٹ روس کے اثر و اقتدار میں ہے۔ وہاں سرے سے کوئی باضابطہ حکومت ہی نہیں ہے۔ قتل و غارت اور بدامنی عام ہے۔ حالانکہ یہ صریح کذب و افترا ہے۔

قوم پرست چین ہرگز روسی کمیونسٹوں کے اثر میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس میں کمیونسٹوں کو بہت قوت حاصل ہے۔ مگر وہ کمیونسٹ روسی نہیں خود چینی ہیں۔ کمیونزم کچھ روس کی ذاتی جائداد نہیں ہے۔ وہ معاشرتی عقائد کا ایک مذہب ہے اور ہر قوم اُسے قبول کرسکتی ہے بغیر اس کے کہ کمیونسٹ روس کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ بلاشبہ قوم پرست چین، روس کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس کی وجہ بالکل معقول ہے۔ وہ روس ہی ہے جس نے دول یورپ کے حلقے سے نکلکر چین کے ساتھ انصاف کیا اور وہ تمام مراعات از خود چھوڑ دیں جو اُسے پچھلے غاصبانہ معاہدوں کی رو سے حاصل تھیں اور جن کے برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ جنگ پر تلا ہوا ہے اور تمام دول یورپ اور امریکہ کو ٹھہرکا رہا ہے۔

اسی طرح قومی حکومت کی سرحدوں میں امن امان بھی عام ہے اتنا عام جتنا دنیا کی باقاعدہ سے باقاعدہ حکومت میں ہوسکتا ہے۔ یہاں چوری قزاقی کی وارداتیں سنی نہیں جاتیں۔ تقریباً روزانہ بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان جلوس اور مظاہرے نکلتے رہتے ہیں، مگر انتظام ایسا مکمل ہے کہ کبھی کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ پھر یہاں ہندوستان کی طرح مذہبی جھگڑے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی مقام نہیں جہاں بودھ، کنفیوشس اور اہل اسلام موجود نہ ہوں۔ بہت سے علاقوں میں دیسی عیسائیوں کی بھی آبادیاں ملی جلی موجود ہیں۔ لیکن سب امن و صلح کے ساتھ رہتے ہیں۔ حکومت قومی ہے اس لئے کبھی کوئی باہمی نزاع پیدا ہی نہیں ہوتی۔

دنیا بھر میں یہ بھی مشہور کردیا گیا ہے کہ جنرل چنگ کے شیک کی علیحدگی کے بعد قومی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ بلاشبہ جنرل مذکور یورپین اثرات سے متأثر ہوکر قومی حکومت سے باغی ہوگیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے ماتحت ایک بڑی فوج بھی ہے۔ کئی علاقوں پر قابض ہے اور نان کنگ اُس کا صدر مقام ہے لیکن اس سے مرکزی حکومت کی قوت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ آج بھی کافی طاقتور ہے اور اُسکی مظفر و منصور فوجیں شمالی چین کو فتح کرتی ہوئی برابر بڑھ رہی ہیں۔

پھر جنرل کے شیک کی بغاوت بھی ابتک ایک معما ہے۔ اسوقت تک مرکزی حکومت سے اُس کا کوئی قابل ذکر تصادم نہیں ہوا۔ اُسنے ہانکو پر حملہ نہیں کیا بلکہ سیدھا شمالی چین کی طرف روانہ ہوگیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بغاوت برطانیہ کے لئے عملاً کچھ مفید نہ ہوسکی بلکہ سراسر نقصان ہی پہنچا۔ پہلے اُس کے حلیف شمالیوں پر صرف کنٹن کا دباؤ تھا۔ اب یہ جنرل الگ ہوکر نئی طاقت سے دہرا دباؤ ڈال رہا ہے۔

علاوہ بریں اگر قوم پرست حکومت کو اس باثر سپہ سالار کی علیحدگی سے نقصان پہونچا تو ساتھ ہی قدرت نے اُس کی فوراً تلافی بھی کردی عین وقت پر چین کا مشہور عیسائی جنرل "فینگ" (جو کئی سال تک پیکن کا حاکم رہ چکا ہے) اُس سے آملا اور اپنی تازہ دم منظم فوج لاکر اُس کی قوت میں نمایاں اضافہ کردیا۔ یہ جنرل اپنی جنگی قابلیت کی ایک پوری تاریخ رکھتا ہے۔ تمام یورپ و امریکہ اور جاپان کے اخبارات اسے چند سال پہلے تسلیم کرچکے ہیں کہ جیسی باقاعدہ فوج اس کے پاس ہے کسی دوسرے چینی جنرل کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ وہ کمیونسٹ ہوکر قوم پرست حکومت کے جھنڈے تلے آگیا ہے تو کہا جارہا ہے کہ اُس سے بڑا مکار و مفسد کوئی نہیں!

یہ اسی جنرل کے اتحاد کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست فوجیں تیزی سے پیکن - ہانکو ریلوے" اور "ٹین سن - پاکو" لائن پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی قوت میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ نئی نئی قومیں اُن کی فتوحات دیکھ کر اُن سے ملتی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم خبر یہاں کے چینی حلقوں میں یہ پھیلی ہوئی ہے کہ عنقریب صوبہ "شانسی" کا جنگی حاکم جنرل "ین ہی شان" قوم پرستوں کی جماعت میں شامل ہونے والا ہے۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو قومی تحریک کو غیر معمولی قوت حاصل ہوجائے گی۔ (۱۳ - جون کی سرکاری خبر مظہر ہے کہ یہ جنرل قوم پرستوں سے مل گیا۔ الہلال)

غرضکہ اسوقت چین کی حالت قومی نقطۂ نظر سے نہایت مسرت اور امید افزا ہے۔ قومی حکومت روز بروز طاقتور ہورہی ہے۔ پیکن کی (شمالی) حکومت کو سخت زوال ہورہا ہے۔ برطانیہ اور دوسری سلطنتوں میں اس صورت حال سے سخت بےچینی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ پیکن کے بچانے کی فکر کررہی ہیں۔ لیکن کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ [illegible]

دینا نہیں چاہتی، اس لئے حکومت بھی برطانوی امتیازات اُٹھا لینے پر تلی ہوئی ہے۔

مصر کی خود مختاری تسلیم کر لینے کے بعد بھی برطانیہ نے اپنے لئے کئی حاکمانہ امتیازات باقی رکھے ہیں۔ انگریزی فوج مصر کی سرزمین پر موجود ہے۔ مصری فوج کا سپہ سالار انگریز ہے۔ متعدد انتظامی محکموں پر انگریز عہدہ داروں کی نگرانی ہے۔ طور سینا اور طرابلس کے سرحدی علاقے انگریز افسروں کی ماتحتی میں ہیں۔

ظاہر ہے یہ امتیازات ملکی آزادی اور قومی خود مختاری کے قطعی منافی ہیں۔ ان کی موجودگی میں مصر کا اعلان خود مختاری بالکل بے معنی اور مضحکہ انگیز رہجاتا ہے۔ مصر نے سالہا سال صبر کیا، لیکن اب وہ طیار ہو گیا ہے کہ اپنے حقوق کا آخری مطالبہ شروع کر دے۔

انگریز افسروں اور سپہ سالار کی موقوفی

اس سلسلہ میں مصری حکومت کی پہلی کارروائی یہ تھی کہ اُسنے انتظامی محکموں کے تمام انگریز عہدہ دار برخاست کر دیئے صرف محکمہ عدالت، محکمہ مال، اور بعض دوسرے عہدوں پر گنتی کے انگریز رہنے دیئے، لیکن انکے لئے بھی خاص خاص شرطیں مقرر کر دی گئیں یہ واقعہ عدلی پاشا کی وزارت میں ہوا تھا۔ اب ثروت پاشا نے آکر دوسرا قدم اٹھایا ہے، اور یہ قدم نہایت نتیجہ خیز ہے۔ مصری پارلیمنٹ کی جنگی کمیٹی نے طے کر دیا کہ سردار سپاہ کا عہدہ توڑ دیا جائے اور اُس کے اختیارات ایک جنگی مجلس کے سپرد کر دیے جائیں۔ حکومت نے بھی یہ تجویز پسند کی اور اُسے جاری کرنا چاہا۔ مگر انگلستان اپنے غاصبانہ دعووں سے دست بردار ہونے کے لئے طیار نہیں ہے۔

برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کی تصریح میں یہ طے پا گیا ہے کہ مصری فوج انگریزی سردار سپاہ کے ماتحت رہے گی۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے۔ اس تصریح میں فوج کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ صرف اس تصریح میں بلکہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک کے کسی معاہدہ یا گفت و شنید میں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ مصری حکومت کی حجت یہ ہے کہ انگریزی حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کے زمانہ میں مصری فوج "سردار" کے ماتحت تھی لیکن اب اعلان خود مختاری کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ قدیم نظام باقی رکھا جائے۔

غرضکہ اس وقت یہ مسئلہ برطانیہ اور مصر کے درمیان سخت نزاع کا موجب ہو گیا ہے۔ طرفین اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا منظور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ انگریز سپہ سالار کی ماتحتی میں مصری فوج رہنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں ہیں کہ یہ فوج بھی انگریزوں ہی کی ہے۔ برطانیہ خوب سمجھتا ہے کہ "سردار" کی موقوفی کے بعد مصر کو جنگی قوت حاصل ہو جائے گی اور زبردستیوں کا وہ سلسلہ بند ہو جائے گا جو مدت سے برطانیہ جاری کئے ہوئے ہے۔

لارڈ جارج لائڈ کی بے ضابطگی

ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک اور نئی مشکل پیدا ہو گئی۔ یہ مشکل برطانوی ہائی کمشنر لارڈ جارج لائڈ نے پیدا کی ہے۔ موصوف چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ ہندوستان سے انگلستان واپس گئے اور فوراً مصر بھیج دیے گئے۔ مصر پہونچکر اُنھیں یاد نہیں رہا کہ اب ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو ہندوستان کی طرح برطانیہ کے ماتحت نہیں ہے۔ بات بات میں حاکمانہ شان دکھانے لگے۔ قاہرہ میں اُن کی آنکھیں شاہی استقبال اور مظاہر عبودیت ڈھونڈھتی تھیں۔ جہاں اس کا امکان نہ تھا یا یہ سن ہوکر دیہاتی علاقوں پر نظر ڈالی۔ وہاں علاقہ "منیا" میں چند قدیم الدار خاندان موجود ہیں۔ اُنھوں نے ممدوح کی خواہش پوری کر دی۔ ایک پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپشل ٹرین پر دھوم دھام سے پہنچے۔ خشوع و خضوع کے مظاہرے قبول کئے، اور کسانوں میں بالکل ویسی ہی حاکمانہ تقریر کی جیسی تقریروں کے وہ ہندوستان میں عادی ہو چکے ہیں۔

لیکن جب اخبارات میں یہ خبر شایع ہوئی، تو عام رائے میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ ہر طرف سے اعتراض شروع ہوا کہ برطانوی ہائی کمشنر کو اس کارروائی کا کیا حق تھا؟ اخبارات سے گزر کر یہ معاملہ پارلیمنٹ تک پہنچا۔ وہاں ممبروں نے نہایت سخت نکتہ چینی کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ جواب طلب کرے۔

سب کو معلوم ہے کہ مصری پارلیمنٹ پر زغلول پاشا کی وطن پرست پارٹی حاوی ہے۔ اس واقعہ سے فائدہ اُٹھا کر انگریزی اخبارات نے لکھنا شروع کر دیا ہے کہ برطانیہ کی مخالفت صرف یہی جماعت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ برطانیہ کی مخالفت پر تمام جماعتیں متحد ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباس صرف اُن تقریروں کے دیتے ہیں جو معتدل جماعت کے سربرآوردہ ممبروں نے اس معاملہ پر پارلیمنٹ میں کی ہیں۔

حسین یوسف عامر آفندی نے کہا "ہمیں برطانوی نمایندہ سے صاف کہدینا چاہئے کہ مصر اپنی آزادی کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اگر ہم نے برطانیہ کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی پسند کی تھی تو صرف اس لئے کہ ہمیں یہ پالیسی مصر کی خود مختاری کے لئے مفید معلوم ہوئی تھی۔ اگر برطانیہ ہماری ملائمت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو ہم اپنی پالیسی بدل ڈالنے میں ایک لحظہ بھی پس و پیش نہیں کرینگے"

ابراہیم دسوقی آفندی نے کہا "برطانوی نمائندے کو حق ہے کہ ملک کے جس حصہ میں چاہے سیر کرے۔ نیز ملک کے خاندانوں کو بھی حق ہے کہ جس طرح چاہیں اُس کی آؤ بھگت کریں لیکن ساتھ ہی برطانوی نمائندے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مصر ایک آزاد ملک ہے، اور یہ کہ اس سرزمین میں جب 'ملک' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود صرف وہ ہستی ہوتی ہے جو مصر کے تخت پر بیٹھی ہے۔ میں اُس پالیسی کے ہرگز کوئی معنی نہیں سمجھتا جس کا نتیجہ ملک کی خود مختاری کی قطعی پامالی ہو"

طلعت علی آفندی نے کہا "مصر کی مصالحانہ پالیسی کو اُس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمارے پاس حق ہے اور ہم حق کی قوت سے قوی ہیں"

سب سے زیادہ اہم اور پُر زور تقریر، معتدل جماعت کے مشہور زعیم ابراہیم لہبادی بک کی تھی۔ یہ وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں برطانیہ کے بڑے مداح اور مخلص خدمت گذار تھے۔ ۱۹۰۶ء کے مشہور حادثہ "دنشوائی" میں انہی نے انگریز مجرموں کی طرف سے قانونی پیروی کی تھی اور اُنھیں سزا سے بچا لیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بہت سی تقریریں ہو چکی ہیں۔ لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ میں بھی گفتگو کرنے پر مجبور ہوں۔ دنیا دیکھ لے کہ میں نوجوان نہیں ہوں، میرا سر سفید ہو گیا ہے۔ بڑھاپا اپنی جملہ کمزوریوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ مصری پارلیمنٹ پُرجوش نوجوانوں کے تہور کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں سعد پاشا کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں مصری ہوں، اور چونکہ تمام مصر برطانوی نمائندے سے نالاں ہے اس لئے قدرتی طور پر میں بھی نالاں ہوں۔ اس برطانوی نمائندے نے سیاسی دستور العمل کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُسنے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے..."

پارلیمنٹ میں اُس مصری پولیس افسر پر بھی لے دے ہوئی تھی جسنے "منیا" میں لارڈ جارج لائڈ کی تقریر ترجمہ کی تھی۔ ایک مقرر نے اس مناسبت سے نپولین اعظم کا یہ تاریخی واقعہ بیان کیا "ایک جنگ میں دشمن فوج کے ایک بڑے افسر نے نپولین کے لئے جاسوسی کی تھی جس سے بالآخر بادشاہ کو فتح ہوئی۔ فتح کے بعد جاسوس طرح طرح کی امیدیں لے کر نپولین کے خیمہ کی طرف دوڑا۔ وہ یقین کرتا تھا کہ نپولین اس شاندار خدمت پر اُس سے مصافحہ کرے گا اور اپنے سینہ سے لگائے گا۔ لیکن نپولین نے جونہی اُسے دیکھا، ناگواری کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک لمبی لاٹھی کے سرے پر اشرفیوں کی تھیلی باندھی اور جاسوس سے کہا "یہ ہے تیرا صلہ، لے لے۔ تیرے جیسے خائن کو میں اپنا ہاتھ مس کرنا پسند نہیں کرتا"

ابراہیم لہبادی بک نے سلطان عبد العزیز کا بھی ایک عجیب واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا "ستر برس گزرے سلطان عبد العزیز نے فرانس کی سیاحت کی تھی۔ ایک دن وہ پیرس میں جا رہے تھے۔ نپولین ثالث شاہ فرانس اُنکے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سلطان فرانسیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن ترکی وزیر خارجہ راشد پاشا جانتے تھے اور دونوں فرمانرواؤں کی گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نپولین نے راشد پاشا سے کہا "سلطان المعظم سے کہو کہ جزیرۂ کریٹ میں اپنی رعایا پر رحم کریں اور نئے انتظامات جاری کریں" راشد پاشا نے اس جملہ کا ترجمہ ترکی میں اپنے آقا کو سنایا۔ اس پر سلطان کا جواب کیا تھا؟ وہ بالکل خاموش ہو گئے، گویا سنا ہی نہیں۔ نپولین نے خیال کیا سلطان مطلب نہیں سمجھے۔ راشد پاشا سے پھر ترجمہ کرنے کو کہا۔ مگر انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ناراض ہو گئے ہیں چنانچہ دوبارہ ترجمہ کرنے سے معذرت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی عالی پاشا وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً راشد پاشا وزیر خارجہ کو برطرف کر دو۔ وزیر کو اس اچانک عتاب پر سخت تعجب ہوا۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا۔ سلطان نے کہا "راشد پاشا نے ایک ایسے جملہ کا ترجمہ مجھے سنایا جو ہرگز سنانا نہیں چاہئے تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ بطور مترجم کے نہیں تھے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے تھے۔ میرے وزیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کون بات میری سلطنت کے مصالح اور عزت کے مطابق ہے کون مخالف ہے۔ جب ایک اجنبی بادشاہ نے ایک ایسی بات مُنہ سے نکالی تھی جس سے میری سلطنت کے معاملات میں مداخلت پائی جاتی ہے تو میرے وزیر خارجہ کا فرض تھا کہ اُس بات کا مجھے ترجمہ سنانے سے صاف انکار کر دیتا!"

ایک اور مشکل

لارڈ جارج لائڈ کی اس کارروائی نے ایک اور معاملہ کی یاد بھی تازہ کر دی ہے۔ عام سیاسی دستور یہ ہے کہ جب کسی سلطنت کا سفیر یا نمائندہ دوسرے ملک میں پہنچتا ہے تو اُس ملک کی حکومت کے سامنے اپنی تقرری کے کاغذات پیش کرتا اور اُس کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ مصر میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ جنگ سے پہلے تک جتنے برطانوی نمائندے آئے اپنے کاغذات خدیو کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لارڈ کچنر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن دوران جنگ میں یہ رسم موقوف ہو گئی کیونکہ اب مصر خود مختار نہیں رہا تھا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ملک تھا۔ مصر کے اعلان خود مختاری کے بعد سب سے پہلا برطانوی نمائندہ، یہی لارڈ جارج لائڈ تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پہنچے۔ خیال تھا کہ اپنے کاغذات شاہ مصر کے سامنے پیش

کے لئے موت! لیکن جری دل موت سے کب ڈرتے ہیں؟"

اضطراب و مسرت!

پورا پیرس ہمہ تن گوش تھا۔ دو دن گزر گئے۔ دوشنبہ کی شام کو میدانوں اور پبلک مقاموں میں ایسا ہجوم تھا جیسا جنگ کے بعد کبھی دیکھا نہیں گیا۔ مضطرب دل اور لڑکھڑاتی زبانیں چلا رہی تھیں "خبر! خبر؟" "یہ لو خبر آگئی!" اچانک شور مچا "نجیسر پہنچ گیا!" اخبارات کے ضمیموں کی جلی سرخی تھی۔ بھیڑ اخبار فروشوں پر ٹوٹ پڑی۔ کش کش اور ہجوم میں بہت سے اخبار پھٹ گئے۔ ایک خریدتا تھا اور دس اُس کے ہاتھ سے چھینتے تھے۔ کئی عورتیں بھیڑ میں گر پڑیں۔ کئی لوگ کچل گئے "سفید چڑیا نیویارک کے آسمان پر دیکھی گئی!" یہ خبر تھی جو اخبارات نے شایع کی تھی۔ اب کیا تھا؟ مسرت اور قومی فخر و غرور کی عام لہر دوڑ گئی۔ مصافحے اور معانقے ہونے لگے۔ ہر ہونٹ پر ہنسی تھی اور ہر آنکھ میں مسرت کے آنسو تھے۔

کپتان کی ماں!

اچانک مجمع میں ایک طرف جنبش ہوئی۔ انسانوں کا سیلاب ایک خاص گوشہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہجوم سے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ جن بھی اپنی باگیں چھوڑ دیں۔ لاکھوں آدمی کی بھیڑ ایک سہ منزلہ مکان کے سامنے پہنچکر رک گئی۔ یہ کپتان کی ماں کا گھر تھا۔ سخت کش مکش تھی سب کی خواہش تھی کہ میڈم کے کمرے میں پہنچ جائیں۔ خوش قسمتی سے مجھے اوپر چڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ ساٹھ برس کی ایک پُر وقار بوڑھی خاتون ہمارے سامنے تھی! مسرت نے اُس کا عجب حال کر دیا تھا۔ ہر لمحہ شادی مرگ کا اندیشہ تھا۔ اسوقت وہ پورے فرانس کی ماں تھی پورا پیرس اُسے کھڑا سلام کر رہا تھا!

یقینی خبر

دو دن پھر گزر گئے۔ "سفید چڑیا" کی کوئی خبر نہیں آئی۔ آج پورا پیرس اُداس ہے۔ سب کے دل دھڑک رہے ہیں۔ انتظار سے تنگ ہوکر پیرس پھر میدانوں کی طرف چلا۔ پہلے سے کہیں زیادہ ہجوم تھا۔ لیکن تمام آوازیں بند ہوگئیں۔ کامل سکوت چھا گیا۔ ایک لمحہ کے بعد تالیوں کا شور بلند ہوا۔ بیک وقت لاکھوں تالیاں بجر رہی تھیں۔ پھر یکا یک نعرے بلند ہونے لگے "نجیسر پہنچ گیا!" "سرکاری طور پر تصدیق ہوگئی!"

سرکاری عمارتوں پر جھنڈے اُڑا دئے گئے۔ پوسٹ پوسٹ سے "مبارک! سلامت!" کے پیغام حکومت فرانس کے نام آنے لگے۔ اب عیسی پیرس کی خوشی ناقابل بیان تھی! فرانس نے آمریکہ کو شکست دیدی!!

لیکن...

"لیکن؟"

"لیکن" کا حال کوئی پیرس کے دل سے پوچھے! "افسوس! خبر غلط تھی" اخبارات کی اس سرخی نے پیرس کا تمام سرور و عیش رنج و الم سے بدل دیا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ جو آئیک کے آسمان پر جو "سفید چڑیا" سنڈلاتی نظر آئی تھی، وہ فرانسیسی جہاز نہ تھا۔ آمریکہ ہی کا ایک ہوائی جہاز تھا۔

اسوقت تمام پیرس اُداس ہے، کیونکہ اُس کے قومی فاتح کا کہیں پتہ نہیں۔ کیا وہ بحر اعظم کی موجوں پر ہے؟ کینیڈا کے پہاڑوں پر ہے؟ آئرلینڈ کے جنگلوں میں ہے؟ خدایا! وہ کہاں ہے؟ ہر زبان یہی سوال کرتی ہے مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ کپتان کے دو بھائی ہیں۔ ایک اُسے انگریزی آبنائے میں تلاش کر کے نا امید واپس آچکا ہے۔ دوسرا ساحل آمریکہ میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ مگر ابتک کہیں کوئی سراغ نہیں ملا!

عقاب موت

پیرس کی بیچینی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس بہادرانہ عزم سے پہلے بھی نجیسر اُسے محبوب تھا۔ دوران جنگ میں اس نوجوان نے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے تھے کہ اُس کا جنگی لقب "عقاب موت" ہوگیا تھا۔ جنگ میں اسے بار بار کاری زخم آئے۔ ۴۴ آپریشن کئے گئے۔ ڈاکٹروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اب یہ فوج کے لائق نہیں رہا۔ مگر زخم بھرتے ہی وہ پھر فوج میں تھا۔ سپہ سالار نے کہا "تم فوج میں قبول نہیں کئے جاسکتے" اُسنے فوراً جواب دیا "لیکن میں فوج کو قبول کر سکتا ہوں" چنانچہ برابر لڑتا رہا۔ ۴۴ ہوائی معرکے سر کئے ۰۷ دشمن جہاز برباد کر ڈالے۔ فرانس کا سب سے بڑا جنگی تمغہ حاصل کیا۔ ۴۴ چھوٹے تمغے اور ستارے پائے۔ یہ سب حکومت فرانس کی طرف سے تھے۔ برطانیہ اور آمریکہ کے تمغے اِن کے علاوہ ہیں۔

کپتان کی ماں سے ملاقات

کپتان کی بوڑھی ماں کا کیا حال ہے؟

خوش قسمتی سے اس معزز خاتون نے چند لمحے مجھے بھی بخشے۔ میں اُس کی ملاقات کو بے اختیار اور بغیر اطلاع کے پہنچ گیا تھا۔ دروازہ پر میں نے دستک دی، دستک کے ساتھ ہی پٹ کھل گئے اور میں نے ایک مضطرب آواز سُنی: "کوئی خبر لائے ہو؟" یہ غمزدہ ماں کی آواز تھی۔ افسوس، میرے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ فرط تاثر سے میری آواز بند ہوگئی "خبر کا نہ ہونا خود اچھی خبر ہے" خاتون نے سر ہلا کر شکستہ آواز میں کہا۔ اس سے اُس جانگداز اندیشہ کا پتہ چلتا تھا جس میں اس کا الم زدہ دل مبتلا تھا! بایں ہمہ اس کے صبر و تحمل کا وقار بدستور قائم تھا۔ وہ اب بھی ہنستی تھی مگر ایسی ہنسی جس میں ہزاروں نالہائے درد کی چیخیں پوشیدہ تھیں۔

"تمام دنیا آپکے قلق میں شریک ہے" میں نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا

"صاحب تمھیں بھی امید ہے نہ؟" خاتون نے اضطراب سے کہا۔

"بلاشک! مجھے کیا بہتوں کو یقین ہے کہ کپتان آمریکہ کے کسی غیر آباد علاقے میں پہنچ گیا ہے" میرا جواب تھا۔

میڈم اب اپنے آنسو روک نہ سکی۔ "ماما! روو نہیں" اُس کے ایک لڑکے نے کہا۔

"کیا؟" خاتون نے سخت جد و جہد سے اپنے کو سنبھال کر کہا "میں روتی نہیں ہوں۔ مجھے اب تک یقین ہے۔ وہ ضرور لوٹ آئے گا۔ تین مہینے گزر جائیں۔ ۹ مہینے گزر جائیں، مگر یہ امید میرے دل میں برابر زندہ رہے گی!"

میں اس گھر میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ بمشکل مجھ کو اجازت مانگی گئی۔ سڑک پر پہنچتے پہنچتے میرا رومال بھی تر تھا!

شاید اسوقت بھی وہ گرجا میں قربان گاہ کے سامنے اپنے گھٹنوں پر جھکی ہوئی "پیارے بیٹے" پیرس کے گم شدہ محبوب کے لئے دعا مانگ رہی ہے۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد بن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدت سے نا پید ہو گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ تصویر میں چھپی ہے۔ قیمت ۸ آنے (علاوہ)

مہتمم الہلال کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جو حال میں شایع ہوئی ہے اور جس میں تیس فرانسیسی اخبار نویسوں نے اپنی اپنی زندگی کے اہم واردات و حوادث بیان کئے ہیں۔ اِس کتاب کی ایک سرگزشت پچھلی اشاعت میں آپکی نظر سے گزر چکی ہے۔ آج ایک دوسری سرگزشت درج کی جاتی ہے۔ یہ موسیو گسٹن شیرو کے قلم سے نکلی ہے جو ایک مدت تک اخبار طان پیرس کے مشرقی مقالہ نگار رہ چکے ہیں۔ اِس سرگزشت میں انھوں نے اپنے قیام طرابلس کے زمانے کے بعض واردات لکھے ہیں جب اٹلی اور اندرون طرابلس کے عربوں میں لڑائی جاری تھی:

صحرا کے خونی ایرا!

یورپین تہذیب سے دُور، طرابلس، صحرائے افریقہ کے دامن میں پوشیدہ پڑا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں یکایک اٹلی نے حملہ کیا اور مغربی ممالک پر اُس کے بند دروازے کھل گئے!

مجھے وہ رات عمر بھر یاد رہے گی جو میری اخباری زندگی کی سب سے زیادہ عجیب رات ہے۔ یہ رات مجھے طرابلس میں پیش آئی تھی۔

میں اپنے ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ وہ نوجوان عرب کمرے میں آیا جو میری خدمت کرتا اور روز صبح گھوڑا تیار کر دیتا تھا۔ اُسنے کمرے میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور میرے تنہا ہونے کا پورا یقین حاصل کر کے کہنے لگا:

"محمد سعید ملاقات کرنی چاہتا ہے۔ اگر آپ رازداری کا وعدہ کریں تو میں آج ہی رات آپکو اُسکے پاس لے چلوں"

پھر مجھے متعجب دیکھ کر بولا:

"آپ اُسے نہیں جانتے مگر وہ آپکو جانتا ہے"

میں غور کرنے لگا۔

علی میرے زین کی رکاب صاف کرنے لگا۔

"ملعون یوسف آج پھر رکاب صاف کرنا بھول گیا" علی بڑبڑا رہا تھا۔

"آج رات جب ڈاکخانہ سے نکلئے گا تو میں آپ کا پیچھا کروں گا بشرطیکہ کوئی ساتھ نہ ہو" اُسنے مجھے مخاطب کئے بغیر کہا۔

اُسوقت طرابلس محفوظ نہیں تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی یورپین کے لئے موت کا باعث تھی۔ میرا فرانسیسی ہونا، میری زندگی کے لئے ضمانت نہ تھا۔ کسی طرف سے اچانک ایک گولی آکر میرا خاتمہ کر سکتی تھی۔ میں متردد تھا کہ بغیر کچھ معلوم کئے محمد سعید کے پاس چلا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ میرا قاعدہ تھا کہ روز رات کو تار گھر جاکر اپنے دن بھر کی معلومات پیرس کے اخبارات کو بھیجا کرتا تھا۔

شاید گیارہ بجے میں تار گھر سے نکلا۔ رات نہایت تاریک تھی سڑکوں پر کوئی روشنی نہ تھی۔ میں تنہا نہ تھا۔ ایک اطالین اور ایک فرانسیسی اخبار نویس بھی میرے ساتھ تھے۔ تھوڑی دُور چلکر وہ دونوں اپنے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ اب مجھے اپنے ہوٹل کی طرف تنہا جانا تھا۔

ایک چوراہے پر پہنچکر مجھے محسوس ہوا کہ کسی کی پرچھائی میں نے دیکھی ہے۔ میرا خیال صحیح تھا۔ میرا خدمتگار علی میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

بریدِ فرنگ

جرمنی کی چٹھی

کمزور قوموں کے لئے عبرت و موعظت

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

گزشتہ جنگ عظیم میں جتنی بربادیاں جرمنی پر آئیں، اُن کا تصور بھی بیرونی دنیا نہیں کرسکتی۔ جنگ نے جرمنی کو بالکل دیوالیہ کردیا تھا۔ تمام خزانے خالی ہوگئے تھے۔ صنعت و حرفت فنا ہوگئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں نوجوان قتل ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں بیکار ہوگئے تھے۔ پورا ملک فقر و فاقہ میں مبتلا تھا پھر جنگ، شکست پر ختم ہوئی۔ ایسی شکست جس کی نظیریں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ تمام بیرونی مقبوضات نکل گئے۔ ۱۳ فی صدی اصلی ملک کم ہوگیا۔ ۱۰ فیصدی آبادی نکل گئی۔ ۲۵ سے ۷۵ فی صدی تک قیمت کی خام پیداوار جاتی رہی۔ مزید برآں یہ کہ اس برباد شدہ ملک پر تاوانِ جنگ کا اتنا بھاری بوجھ ڈالدیا گیا کہ جس کی مثال دنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

جرمنی کے دوست اور دشمن دونوں یقین کرتے تھے کہ اب اس ملک کی تاریخ ختم ہوگئی۔ اتنی سخت ضربوں کے بعد بھی کبھی کوئی بچا ہے؟ لیکن پورے دس برس بھی ابھی اسے نہیں گزرے تھے کہ یہ مردہ پھر قبر سے نکل آیا اور اس طرح زندہ ہوگیا کہ سچ مچ طلسم معلوم ہوتا ہے۔ جرمنی نے جو معجزہ دکھایا ہے اُس کے بیان کے لئے ہومر جیسے شاعر کی ضرورت ہے۔

آج جرمنی، پھر اول درجہ کی یورپین طاقت بنتی جاتی ہے۔ مجلس اقوام میں اسوقت اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے جو برطانیہ اور فرانس کو ہے جنھوں نے آج سے ۸ برس پہلے ورسیلز کے محل میں بٹھاکر اُس کا گلا گھونٹا تھا۔ آج سے دو برس پہلے جرمنی کا سکہ تباہ ہوگیا تھا۔ نجات کی کوئی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر آج جرمنی دنیا کی تیسری اقتصادی قوت ہے اور برطانیہ اور امریکہ کے بعد سے بڑی تجارت کا مالک بن گیا ہے۔ اسوقت اُس کی صنعت و حرفت نہایت تیزی سے اُس سطح تک آرہی ہے جہاں جنگ سے پہلے تھی!

آخر اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا ہے؟ جواب بالکل صاف ہے۔ اس ملک پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوجاتا ہے۔ جرمنی کو جس چیز نے موت کے منہ سے نکالا وہ اُسکی ہمت، محنت، اشتراکِ عمل، اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ لگا لینا ہے۔ جرمن قوم کی یہ امتیازی صفت ہے کہ فتح و شکست، دونوں حالتوں میں ہموار رہتی ہے۔ قوم کے تمام افراد اور جماعتوں میں اتنی بڑی خود اعتمادی موجود ہے جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں پائی نہیں جاتی۔ دراصل یہی خود اعتمادی اُس کی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

جرمنی کی موجودہ ترقی صرف پچھلے تین سال سے شروع ہوئی ہے۔ یہ ملک تقریباً اُن تمام اقتصادی مشکلات پر غالب آگیا ہے جو یورپ کی اکثر سلطنتوں کی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جرمنی نے سب سے پہلے اپنے سکے کی طرف توجہ کی۔ اسوقت دنیا میں جرمنی ہی وہ ملک ہے جس کا سکہ اپنی حقیقی قیمت پر قائم ہے۔

جن لوگوں نے جرمنی کو دورانِ جنگ میں دیکھا ہے وہ موجودہ حالت میں دیکھ کر ضرور دنگ ہوجائیں گے۔ جرمنی کے تاریک دن نکل گئے۔ درخشاں مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔ برلن اب پھر عروس البلاد ہے۔ جنگ سے پہلے پیرس، وائنا، اور برسلز میں بھی وہ عظمت و جلال موجود نہ تھا جو آج برلن میں ہر طرف دیکھا جاسکتا ہے!

فتحمند فرانس منحوس دنوں کا انتظار کر رہا ہے جیسا کہ ایک فرانسیسی وزیر نے حال میں اعلان کیا ہے۔ سرف دولتمندوں نے پیرس کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے، اس لئے فرانس کے پائے تخت پر ہر جگہ اُداسی چھاگئی ہے۔ لیکن برلن کے تھیٹر اور کلب گھر عیش پسند امیروں سے لبریز ہیں۔

آج جبکہ تمام یورپ فقیر ہورہا ہے اور روز بروز دولت کم ہو رہی ہے، جرمنی کی دولت میں روز افزوں ترقی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ سال جرمن عورتوں نے صرف اپنے لباس پر ۷۳ کروڑ روپیہ صرف کیا تھا! ممکن ہے آپ خیال کریں بحالاتِ موجودہ یہ جرمن عورتوں کا تباہ کن اسراف ہے، لیکن ایک جرمن مدبر نے جس روشنی میں اسے دیکھا ہے وہ آپکے خیال سے بالکل مختلف ہے۔

وزیر موصوف نے عورتوں کے اس اسراف کے بارے میں کہا "گزشتہ زمانہ میں ہمارے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دیکر عورتوں کو مطمئن کردیتے۔ ایک جوڑے میں بھی کام نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے سال بھر کے کپڑوں میں جتنا خرچ ہوتا تھا اُس سے زیادہ اب عورتوں کی رنگین جرابوں میں صرف ہوجاتا ہے۔ اگر گھر میں کم سے کم بارہ جوڑے موجود نہ ہوں تو عورت شکایت کرتی ہے کہ "پہننے کو کچھ بھی نہیں ہے!" لیکن میں عورتوں کو ہرگز ملامت نہیں کروں گا۔ دراصل ہمیں اُن کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ اس اسراف سے وہ ملک کی بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ جنگ نے ہماری ہمتیں پست اور دلوں نے نمرد کرڈالے تھے۔ ہم کرکھولکر کاہلی کی زندگی پر اتر آئے تھے۔ مگر ہماری عورتیں اُٹھیں دل کھولکر خرچ کرنے لگیں، اور اس طرح مردوں کو مجبور کردیا گیا وہ سے زیادہ محنت کرکے ملک کے لئے دولت پیدا کریں"

تازہ ترین اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت افراد کی شخصی آمدنی ۵۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ مارک سالانہ ہے۔ گویا ہر فرد کی آمدنی ۷۹۰ مارک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اپنی جنگ سے پہلے کی خوشحالی کے قریب پہنچ گیا ہے۔ جنگ سے پہلے افراد کی آمدنی اس سے صرف ۱۵ فیصدی زیادہ تھی۔

جرمنی کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں برآمد کی قیمت ۵۵۰,۰۰۰,۰۰۰ مارک تھی لیکن ۱۹۲۶ء میں بڑھ کر ۹,۸۸۹,۰۰۰,۰۰۰ مارک تک پہنچ گئی ہے۔ جرمنی کا تجارتی بیڑہ تباہ ہوگیا تھا لیکن اب پھر اس کا بیڑہ سمندروں میں پھیلا نظر آرہا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ بیڑہ صرف ۷۰۰,۰۰۰ ٹن وزن کا تھا۔ اب ۱۹۲۷ء میں اُس کا وزن ۳,۲۰۰,۰۰۰ ٹن ہوگیا ہے۔ جرمنی کی خوشحالی اب اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ حکومت نے ارادہ کیا ہے "ایپن" اور "مالمیڈی" کے دونوں زرخیز علاقے بلجیم سے خریدلے!

جرمنی کی موجودہ خوشحالی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اسوقت کام کرنے والوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جنگ سے پہلے جو لوگ بیکاری کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہ کام کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اسوقت ملک میں ۱۷,۵۰۰,۰۰۰ آدمی شدید محنت کے کام کر رہے ہیں، حالانکہ جنگ سے پہلے ایسے محنتی کارکنوں کی تعداد اس سے آدھی تھی۔

مکتوبِ فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

فرانس کی عظمت!

۸ مئی کو تڑکے تڑکے پیرس کے آسمان پر ایک عظیم نقش اُبھری دکھائی دی۔ اس پر ایک بڑی انسانی کھوپڑی، دو بیٹھی ہڈیوں اور تڑور شن شعوں کی تصویریں بنی تھیں!

یہ نقش نہ تھی، فرانس کی قومی عظمت تھی، اور تاریخ کی ابدیت کی طرف جارہی تھی۔ یہ علم و حکمت اور انسانی اولوالعزمی کے میدان میں فرانس اور امریکہ کا مقابلہ تھا، اور بالآخر خوفناک موت کی طرح جانے والا تھا۔

امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا تھا "ہم بحر اعظم اٹلانٹک کو فضائی ایک ہی پرواز میں عبور کرلیں گے۔ نیویارک سے اُڑینگے اور پیرس میں جاکر دم لیں گے!" فرانس نے سُنا تو اُسے اس اعلان میں اپنی عظمت کی تحقیر محسوس ہوئی۔ اُسے کہا "قبل اس کے کہ تم پیرس آؤ اور تاریخ کی لازوال شہرت حاصل کرو، ہم تم سے بازی لے جائیں گے اور نیویارک پر اپنے جلال کا پرچم اُڑائیں گے!"

یہ بہادرانہ الفاظ تھے جو فرانس کی طرف سے کپتان "ننجیسر" نے کہے۔

۳۵ سال کی عمر، بھرپور جوانی، دلفریب مردانہ حسن، نازنینانِ پیرس کی دل پسندیوں کا مرکز۔ یہ "ننجیسر" ہے! مگر فرانس کی عظمت سے بالاتر ہے!

وہ اُٹھا، اپنے ایک رفیق کو ساتھ لیا۔ اور ہوائی جہاز میں اُڑ چلا۔ اتنی بڑی مہم اور صرف ایک انجن کا جہاز! مخلوق چلائی "موت! موت!" مگر کپتان نے جواب دیا "ہاں فرانس کی عظمت

ہم دونوں شہر کے بازار سے گزر کر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ پورا شہر سو رہا تھا۔ بندوقوں کی آواز بھی بہت کم سنائی دیتی تھیں۔

میں نے اپنے تئیں اچانک عربوں کے محلہ میں پایا۔ الف لیلہ کے پُراسرار اور اونچی دیواروں سے گھرے ہوئے مکانات میرے دونوں طرف تھے!

علی ایک پست اور گول دروازے کے سامنے رُک گیا، اپنے دونوں ہونٹھ بھینچے اور ایک خاص قسم کی شیریں آواز میں چلایا:

"محمد! محمد!"

فوراً دروازہ کھلا۔ میں اندر داخل ہوا۔ خادم کے ہاتھ میں شمع تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک بھاری بھرکم شیخ دکھائی دیا۔

"آپ محمد سعید کے گھر میں ہیں" شیخ نے اپنی فصیح زبان میں کہا "گویا آپ خود اپنے گھر میں ہیں۔ محمد سعید میں ہی ہوں۔ میں آپکا منتظر تھا۔ میری زندگی آپکے لئے حاضر ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں گے؟ یہاں جتنے لوگ ہیں، سب میرے فرمانبردار اور آپکے دوست ہیں"

محمد سعید کی ظاہری ہیئت بتاتی تھی کہ مالدار ہے اور دوسرے بہت سے شیخوں کی طرح اس فتنہ کی وجہ سے خانہ نشین ہو گیا ہے۔ وہ مجھے ایک غلام گردش میں لے چلا میں نے دیکھا وہاں بہت لوگ سو رہے ہیں۔ پھر ہم ایک بڑے ایوان میں پہنچے۔ شیخ نے تالی بجائی اور ایک خادم نے پیتل کی سینی لاکے رکھدی۔ سینی میں ٹھنڈے پانی سے لبریز گلاس، مٹھائی کی تشتری اور قہوہ کی پیالیاں تھیں

محمد سعید نے ایک بلند بیٹھک پر مجھے بٹھایا۔ سبز دبیز اور نرم قالین بچھا تھا۔ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں اپنے مکان میں آپ کا استقبال کرتا ہوں" محمد سعید نے میرے چہرے پر اپنی تیز سیاہ آنکھیں جما کر کہا "یہاں آپکو آنے کی زحمت دیکر میں نے عربی اخلاق کے خلاف عمل کیا ہے۔ معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے یقین تھا۔ آپ ایک ایسے شخص کو تسلی دینے کی غرض تکلیف گوارا کریں گے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے اور جو یہاں اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ملک کی بربادی دیکھ رہا ہے۔ میں بغیر کسی تمہید کے اپنی دعوت کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ یہاں طرابلس میں آپ تین فرانسیسی موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ ان غاصب طلیانوں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ محمد سعید اُس شخص کا بیٹا ہے جس نے آپ کی قوم کے ایک بڑے آدمی کی خدمت کی تھی اور اُس سے اپنے خدمت پر اعلیٰ سندیں حاصل کی تھیں۔ میرا باپ ٹیونس میں فرانس کے سپہ سالار اعظم ماسکوآٹ کا معتمد تھا"

محمد سعید نے میرا تعجب محسوس کر لیا۔ وہ مسکرایا: "چند دن ہوئے آپ خود اُس کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے خبر پہنچ چکی ہے" شیخ نے پہلو بدل کر کہا "مجھے آزادی سے گفتگو کرنیکی اجازت دیجئے۔ میں مطمئن ہوں کہ خدا کے سامنے بے خوف کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ مجھے اپنا کوئی ایسا گناہ معلوم نہیں جسپر میں نادم ہوں۔ لیکن اس بدنصیب ملک کی قسمت معلوم کرنے سے پہلے مرجانا میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ آپنے خود اپنی آنکھوں سے پرسوں چودہ لاشیں پھانسی پر لٹکی دیکھی ہونگی۔ خدا انھیں کبھی معاف نہ کرے گا جنھوں نے ان معصوموں کی جان لی ہے! میں نے سنا ہے آپ نے ان بے گناہوں کے لئے چند کلمے شفقت کے کہے تھے۔ آپ میری بات غور سے سنئے اور صاف جواب دیجئے۔ کیا واقعی میری قوم فنا کر دالی جائے گی؟"

میں نے مضطرب شیخ کو ہر طرح اطمینان دلایا اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے واپسی کا خیال کیا۔ وہ سمجھ گیا:

"میں آپکے ساتھ دو آدمی بھیجنے کو مستعد ہوں۔ وہ آپ کو حفاظت سے پہنچا دیں گے۔ لیکن ممکن ہے کسی کی تجسس نظریں پڑ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے آپ یہیں سو جائیں؟ صبح قریب ہے؟"

اُسنے پھر تالی بجائی۔ خادم کو قالین لانے کا حکم دیا۔ مجھ سے کہنے لگا: "آپ اسی جگہ سوئیں گے جہاں بیٹھے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کس چیز پر آپ بیٹھے ہیں؟ آپ محمد سعید کی تھوڑی سی مگر پوری دولت پر بیٹھے ہیں"

یہ کہکر اُسنے اُس بیٹھک کا فرش حقارت سے اُلٹ دیا جسپر ہم بیٹھے تھے اور اوپر کا تختہ ہٹا کر جوش سے کہنے لگا:

"دیکھو"

میں نے دیکھا۔ مگر کیا دیکھا؟ عمر بھر اسے نہ بھولوں گا۔ میں نے دیکھا عظیم صندق میں سونا اس طرح بھرا پڑا ہے جس طرح کوٹھی میں غلہ بھرا ہوتا ہے!

"یہ سب مجھے اپنے چچاؤں سے ملا ہے۔ قافلہ والوں سے اور خود میں نے کمایا ہے" اُسنے سادگی سے کہا "اگر اس سب کے لٹا دینے سے میری قوم کی جان بچ سکتی ہے تو میں اسے لٹا دینے پر بخوشی تیار ہوں"

پھر اُسنے بے پرواہی سے ڈھکنا چھوڑ دیا۔ وہ زور سے صندق پر گرا۔ اور محمد سعید باہر چلا گیا۔ اُسنے اپنے خزانہ میں قفل تک نہیں لگایا۔ میں نے عربی شب بخیر کی آواز سنی اور پھر اُس کا پرجوش چہرہ غائب تھا!

میں آرام کی نیند سو گیا۔ میں اس قدر متاثر تھا کہ یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ میں صحرا کے خزانہ پر لیٹا ہوں!

کیا یہ خواب تھا؟

نہیں، لیکن جب غور کرتا ہوں تو یہ واقعہ بھی کم از خواب نہیں! محمد سعید کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ ٹریپولی اُس کی قوم کے لئے آزاد نہ ہو سکا۔ مگر اس کا پُراسرار خزانہ مجھے کبھی اب بھی مجھے اُس عظیم تر خاک صندوق کی یاد آجاتی ہے!

بیسویں صدی کا آدم خور گروہ

یورپ کی زبانوں میں ایک لفظ قدیم سے موجود ہے جس کا تلفظ انگریزی میں Cannibalism ہے۔ یعنی انسانی گوشت کھانے کا مذہب اور طریقہ۔ ازمنۂ وسطیٰ (ڈَل ایجز) کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یورپ میں انسانی گوشت کھایا جاتا تھا۔ صلیبی لڑائیوں کے مسیحی مجاہدین جب اسلامی ممالک میں پہنچے تھے تو جب کبھی غذا کی قلت ہوتی انسان کا گوشت کھانا شروع کر دیتے تھے۔ مشہور مورخ گبن اور دیگر شہادت دیتے ہیں کہ انطاکیہ، طرابلس، عکا، اور خود بیت المقدس میں صلیبی مجاہدین انسانی گوشت کا علانیہ استعمال کرتے تھے!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پیرؤں سے اب بھی سرزمین یورپ خالی نہیں ہے۔ پچھلی ڈاک کے انگریزی اخبارات میں ایک عجیب تفصیل آئی ہے۔ وسط یورپ سے ایک اخبار لکھتا ہے کہ "زیگوسلاویا میں چھبیس آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ مرغوب غذا آدمی کا گوشت ہے!

پولیس کی تحقیقات ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ ایک جنگل کے قریب خیموں میں رہتے تھے۔ اُس طرف سے جو آدمی نکلتا تھا اُسے قتل کر کے کھا جاتے تھے۔ مجرموں نے عدالت میں اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے ایک مہینے کے اندر صرف ۶ آدمی نوشجان کئے۔ پانچ عورتیں اور ایک طالب علم! یقیناً انکے نزدیک انسانی گوشت کی ایک خاص قسم طالب علم کا گوشت ہوگا!

اُنھوں نے اپنا عذر یہ بیان کیا کہ "ہم کام نہ ملنے کی وجہ سے بالکل غریب ہو گئے تھے۔ گوشت خرید نہیں سکتے تھے۔ صرف چاول اور آلو پر گزر تھی! مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا"!

اُنھوں نے آدمی شکار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے: "جب کوئی شخص اُس راستہ پر نظر آتا تھا، ہم اُس سے بڑے اخلاق سے ملتے تھے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے اور دم دلاسا دیکر اپنے خیموں میں لے آتے تھے۔ پھر اُسے مانوس اور غافل کرنے کے لئے یورپ کی اقتصادی و سیاسی حالت پر گفتگو شروع کر دیتے تھے۔ جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا اور وقت کے سیاسی مباحث میں غور و فکر کرنے لگتا تو پیچھے سے اُس کے سر پر کلہاڑی مار دیتے تھے۔ پھر اُس کے کباب بنا کر کھا لیتے تھے!"

اس بیان کی سادگی اور واقعیت کا تو اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلہاڑی مارنے کے فیصلہ کن عمل سے پہلے "اقتصادی اور سیاسی مباحث" کا تذکرہ کیوں ضروری سمجھا گیا تھا۔

طالب علم جسکی عمر صرف ۷۰ برس ہے!

پچھلے دنوں فرانس کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی سوربون کے ایک علمی امتحان میں ایک طالب علم دیکھا گیا جس کی عمر صرف ۷۰ برس ہے۔ حاضرین کو زیادہ حیرت اس لئے بھی ہوئی کہ یہ عجیب طالب علم ملک کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کا نام مسیو لوئی اندریہ ہے۔ یہ فرنچ پارلیمنٹ کا ایک سابق ممبر، پولیس کا سابق کمشنر اور مدت تک فرانس کا دوسرے ممالک میں سفیر بھی رہ چکا ہے!

لوگوں کی حیرت دیکھ کر اُسنے سنجیدگی سے کہا "میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا علمی شغف بدستور جوان ہے!"

اسنے کامل ۳ گھنٹہ امتحان کی کمیٹی کے روبرو زبانی امتحان دیا۔ اور قوی دلائل سے اپنا تاریخی موضوع بحث ثابت کر دیا۔ ممتحنوں نے بڑی سختی برتی اور اعتراض کرنے میں اُس کی عمر کی کوئی رعایت نہیں کی۔ جب پوری طرح اُس کا علمی تبحر ثابت ہو گیا تو فن تاریخ میں ڈاکٹری کی سند دی گئی۔

امتحان کا ایوان بڑے بڑے علماء و مشاہیر سے پُر تھا۔ مشہور مسیو کلیمنشو بھی موجود تھے۔ یہ طالب علم کے پرانے دوست ہیں۔ کامیابی پر سب سے پہلے انہی نے تالی بجائی۔ پھر تحسین و آفرین کی صداؤں سے پورا ایوان گونج اُٹھا۔

یہ "طالب علم" اپنی حاضر جوابی میں قدیم سے مشہور ہے۔ اُس کا یہ واقعہ اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا۔ ایک ممبر نے اُٹھکر اُسپر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ مقرر نے طعنہ زنی کی راہ سے معترض کو مخاطب کیا "میں "نامعلوم" محترم ممبر کا نہایت شکر گزار ہوں گا اگر وہ مجھے اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں" معترض نے غصہ سے کہا "مسیو اندریہ! میں نامعلوم نہیں ہوں، آپ مجھے خوب جانتے ہیں" مقرر نے فوراً یہ مسکت جواب دیا "میں نے کب کہا کہ آپ میرے لئے "نامعلوم" ہیں۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ دنیا کے نزدیک بھی "معلوم" ہیں!"

۱۹۱۳ء

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD

لا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين (القرآن الكريم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۳ و ۴ | کلکتہ : جمعہ ۱ - و ۸ - محرم ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 1 & 8 July 1927.

فہرست

پنجاب هائیکورٹ کا ایک فیصله

کیا هندوستان میں دلآزار اور نفرت انگیز مذهبی حملوں کی روک کیلئے کوئی قانون نہیں ہے ؟

مولانا ابوالکلام کے حسب ذیل تحریر بغرض اشاعت بھیجی ہے :

جناب من ! بکثرت لوگوں نے بذریعہ خطوط اور بالمشافہت کہا ہے کہ " رنگیلا رسول " نامی کتاب کی اپیل کے فیصلہ سے جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے ' اسکی نسبت میری راے کیا ہے ؟ میں چاہتا ہوں مندرجہ ذیل سطور اس بارے میں شائع کردی جائیں ۔

میرے خیال میں بلاشبہ اس فیصلہ سے وقت کا ایک نہایت ضروری سوال پیدا ہوگیا ہے - وہ صرف مسلمانوں ہی کیلئے نہیں بلکہ اُن تمام لوگوں کیلئے قابل غور ہے جو چاہتے ہیں کہ ملک کی اخلاقی اور دماغی فضا شائستہ اور پاک رہے ' اور لوگ قلم و زبان کی گندگیوں سے آلودہ نہوں - هندوستان جیسے مختلف المذاهب ملک میں تو صلح و امن کا قیام بھی بہت کچھ اسی پر موقوف ہے - اگر فی الحقیقت اس بارے میں کوئی قانونی روک موجود نہیں ' تو ہمیں منتظر رہنا چاہیے کہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب اور اسکے رہنماؤں کو علانیہ گالیاں دینا شروع کردیگا اور ظاہر ہے کہ اسکے نتائج کیا ہونگے ؟

میں نے کتاب زیر بحث نہیں دیکھی ہے ' لیکن اب اسکے دیکھنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی - جسٹس کنور دلیپ سنگھ اپنے فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ " کتاب بقینا بانی (داعی) اسلام کی هجو پر مشتمل ہے - طرز تحریر معاندانہ ہے - اور مسلمانوں کے احساسات مجروح ہونے کا احتمال ہے - بلکہ ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے کا خیال بھی حق بجانب ہے " با ایں همه

دو نمبروں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اس نمبر کی قیمت ۷ - آنہ ہے - نہ کہ ۵ - آنہ جیسا کہ لوح پر ہے -

هر جمعه کو نمبر ۱ ۱ - دائی گدم سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے -	سوله روپیه
قیمت شش ماهی -	سات روپیه
قیمت فی پرچه -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے هونی چاهیے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی هے

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تلف بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسری جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامی ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری مراسم (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

دشمني اور نفرت کے جذبات بڑھرہے هیں اور اُنکا سب سے بڑا باعث اسي طرح کي مذهبي بد زباني اور مذهبي دلآزاري کي کوششیں هیں؟ کیا یه واقعه نہیں هے که اب مسلمانوں اور آریا سماجیوں سے بھي گزر کر معامله مسلمانوں اور هندؤں کا بن گیا هے' اور اس قسم کے حملوں سے روز بروز دونوں جماعتوں کے دلوں کي برگشتگي بڑھ رهي هے؟ یقیناً جج کي نظر قانون پر رهني چاهیے - لیکن قانون پر نظر رکھنے کے معني یه نہیں هیں که وه تعزیرات هند کے صفحات سے باهر کے لیے اپني آنکھیں میچ لے - یقیناً جج کے لیے ضروري هے که وه بیروني اثرات سے متاثر نهو' لیکن بیروني اثرات سے متاثر نهونے کا یه منشا نہیں هے که مقدمه کي نوعیت اور حالات کي اُفتاد کے لیے بھي اُسکے پاس کوئي گوشهٔ نگاه نهو -

یاد رکھنا چاهیے که قانون اور اخلاق' دونوں کا حکم بہت حد تک حالات اور گرد و پیش کے تابع هوتا هے - ایک هي فعل ایک وقت اور جگہه میں جرم نہیں هوتا' مگر دوسري جگہه اور دوسري حالت میں جرم هوجاتا هے - میں تسلیم کرتا هوں که اگر یورپ یا امریکه میں اس قسم کي کتاب حضرت مسیح کي نسبت لکھي جاے' اور وهاں دفعه ۱۵۳ الف - کے مضمون کي کوئي دفعه موجود هو' تو اُسکي زد میں کتاب نہیں آئیگي - اُسے قانوني گرفت میں لانے کے لیے کسي دوسرے قانون کي ضرورت هوگي - یا غالباً گرفت میں لانے کي ضرورت هي پیش نه آئے - لیکن هندوستان جیسے ملک کي حالت وهاں سے بالکل مختلف هے - یہاں اگر ایک شخص اسطرح کي مذهبي بد زباني اور هجو سرائي کرتا هے' تو قطعاً اُسکے اثرات بہت زیاده شدید اور بہت زیاده وسیع هوتے هیں' اور اسکي وجهه سے صرف لکھنے والے هي کے برخلاف نہیں' بلکه اُسکے هم مذهبوں کے خلاف بھي نفرت کے خیالات پھیل جاتے هیں - کہا جاسکتا هے که هندوستان کے عوام کي یه ذهنیت غلط هے اور اس میں اصلاح هوني چاهیے - لیکن میں یاد دلاؤنگا که قانون اور عدالت کا فرض اصلاح (ریفارم) نہیں هے' بلکه صورت حال کے مطابق لوگوں کے عقائد و جذبات کا اعتراف کرنا هے - یه صورت حال اچھي هو یا بري لیکن موجود هے یا نہیں؟ اگر موجود هے' تو جب تک موجود هے' دفعه ۱۵۳ - الف کي زد میں اس طرح کے تمام مذهبي حملے آنے چاهئیں - تعزیرات هند کا مجموعه هندوستان کي دماغي اصلاح کیلیے مرتب نہیں هوا هے - امن و انصاف کے قیام کے لیے مرتب هوا هے - اُسے اس سے کوئي غرض نہیں که کیا هونا چاهیے؟ وه صرف یه دیکھتا هے که کیا هو رها هے؟ اور جو کچھه هو رها هے' اُسے ملحوظ رکھتے هوے باشندوں کے جذبات و مصالح کا کیونکر تحفظ کیا جا سکتا هے؟

اب دوسري دفعه ۲۹۸ - پر نظر ڈالیے - اپنے مقصد اور مقصد کے بیان میں یه کسقدر واضح هے؟ مگر جسٹس موصوف کہتے هیں' اس قسم کے افعال کے لیے یه بھي سودمند نہیں - دفعه میں "دلآزاري" کا لفظ هے - وه خود تسلیم کرتے هیں که کتاب دلآزار هے - تاهم اُنکے خیال میں یه دلآزاري وه "دلآزاري" نہیں هے جو ۲۹۸ - میں مقصود هے - وه کہتے هیں که اگر اس قسم کي کتابیں اس دفعه کے ماتحت لائي جائیں' تو نتیجه یه نکلیگا که هر طرح کي آزادانه نکته چیني جرم هوجائیگي - کیونکه کوئي نکته چیني کسي پیشواے مذهب کے خلاف کتني هي معتدل کیوں نهو' اُس کے پیرؤں کیلیے ضرور دلآزار هوگي -

مجھے افسوس کے ساتھه کہنا پڑتا هے که یہاں جسٹس موصوف کي تنقیح پہلي تنقیح سے بھي زیاده تعجب انگیز هے - اگر یه طرز تنقیح تسلیم کرلیا جاے تو مجھے خوف هے که صرف ۲۹۸ - هي نہیں بلکه تعزیرات هند کي پانچ سو گیاره دفعات میں سے اکثر دفعات کا نفاذ مشتبه هوجائیگا!

تین چیزیں هیں' اور تینوں کا حکم ایک نہیں هوسکتا - ایک چیز نکته چیني هے - ایک سخت نکته چیني هے - ایک بدزباني اور هجو هے - دفعه ۲۹۸ - مذهبي "دلآزاري" کو روکتي هے - دیکھنا یه چاهیے که ان تینوں قسم کي چیزوں میں سے کونسي چیز اس "قانوني دلآزاري" کے ماتحت آتي هے؟ بلا شبه هر مذهب کے ماننے والوں میں ایسے غیر روادار لوگ موجود هیں جو اپنے عقیده کے خلاف کسي طرح کي نکته چیني بھي نہیں سن سکتے - هر طرح کي نکته چیني ان کے لیے دلآزار هوجاتي هے مگر یه معلوم هے که اس طرح کے معاملات میں قانون کسي خاص انتہائي حالت کا اعتراف نہیں کرتا' بلکه هر طرح کي نرم و گرم حالتوں سے ایک معتدل اور مناسب اوسط نکال لیتا هے - دلآزاري کے احساس کي ایسي حالت ایک انتہائي درجه کي حالت هے - قانون اسکا لحاظ نہیں کریگا - وه هر طرح کي گرم اور نرم طبائع سامنے رکھکر معلوم کریگا که اس بارے میں احساس دلآزاري کا اوسط درجه کیا هوسکتا هے؟ یه اوسط بالکل واضح هے یه ایک ایسے آدمي کا جماعت کا احساس هے جو ایک طرف تو هر انسان کے آزادانه حق راے زني کا پورا احترام کرتا هے دوسري طرف اس حق کا بے اعتدالانه اور حمله آورانه استعمال بھي گوارانه نہیں کرتا - ایسے شخص یا ایسي جماعت کیلیے مذهبي نکته چیني' اگرچه کتني هي آزادانه کیوں نهو' کبھي "دلآزار" نہیں هوسکتي البته هر طرح کي بد زباني' هجو' تذلیل و تحقیر' اور تمسخر اڑانے کي کوشش ضرور "دلآزار" هوگي - یہي "دلآزاري" دفعه ۲۹۸ - کي زد میں آتي هے' اور اگر زیر بحث رساله کي روش اور زبان ایسي هي هے (اور خود جسٹس موصوف نے تسلیم کیا هے که ایسي هي هے) تو پھر کوئي وجه نہیں که کیوں وه اس دفعه کي زد میں نه آئے؟

بهر حال هندوستان کي اعلی عدالتوں میں سے ایک عدالت کا فیصله اسکے خلاف هوچکا هے' اور اب سوا چاره نہیں که ایک صاف اور غیر مشتبه قانون کے ذریعه اسطرح کي مذهبي دلآزاریوں کا (نه که نکته چیني کا) سد باب کردیا جاے - هز ایکسلنسي گورنر پنجاب نے بھي مسلمانان پنجاب کے وفد کا جواب دیتے هوے اسکي ضرورت تسلیم کرنے پر میلان ظاهر کیا هے - میں بہت زیاده تفصیل کے ساتھه اس بارے میں اپنا نقطهٔ خیال ظاهر کرونگا -

---

اطلاع

افسوس هے که همارا پچھلا اندازه صحیح نه نکلا اور طباعت و اشاعت کي مشکلات دور نه هوسکیں - اب اسکے سوا چاره نه تھا که هر هفته کے پرچے یکجائي نکالدیے جائیں - چنانچه یه نمبر ۳ اور ۴ کا مجموعه هے جو شائع هو رها هے - اسکے بعض فارم پہلے چھپ چکے تھے جنکي پیشاني پر صرف یکم جولائي هے - لیکن بعد کو جو فارم چھپے اُنپر ۱ — ۸ جولائي کردیا گیا هے - ضخامت بھي اسکي اس سے زیاده هے جسقدر آخري صفحه کے عدد سے معلوم هوتي هے ٹایپ کے آخري حصه میں ۱۲ الف - سے ۱۲ د تک چار صفحے مزید بڑھا دیے گئے هیں' اور رساله کي ضخامت پوري دو جزء هے -

همیں اس بد نظمي کے لیے جسقدر افسوس هے اُسکا اظہار الفاظ میں سودمند نه هوگا جب تک عمل کے ذریعه ظہور میں نه آئے - هم اس بارے میں بجز اسکے اور کچھه کہنا نہیں چاهتے که انتہائي کوشش جو مطبع کي دقتیں دور کرنے کے لیے کي جاسکتي هیں هم کر رهے هیں' اور انشاءالله همیں اُمید هے که یه اس مطبع کي آخري بدنظمي ثابت هوگي اور آینده هر نمبر ٹھیک اپنے وقت پر شائع هوگا -

متعدد باب جو اس وقت تک شروع نه هوسکے تھے' وه بھي آینده نمبر کے لیے کمپوز هو رهے هیں -

مینیجر

وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا فعل دفعہ ١٥٣ - الف کی زد میں نہیں آتا جو پراسیکیوٹر کی طرف سے لگائی گئی ہے - کیونکہ انکے لفظوں میں " یہ دفعہ ایسے وسیع مفہوم کیلیے وضع نہیں ہوئی ہے - یہ صرف اسلیے وضع ہوئی ہے کہ کسی شخص یا جماعت پر جو اسوقت زندہ موجود ہے کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہو - گذشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف حملے ' اگرچہ کیسے ہی شرارت انگیز اور سفیہانہ کیوں نہوں ' اسکے مفہوم میں داخل نہیں ہوسکتے "

دوسرے لفظوں میں جسٹس موصوف کی رائے یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ ١٥٣ - الف کا تعلق ایسی تحریر و تقریر سے ہے جسکے ذریعہ کسی جماعت کے خلاف دوسری جماعت میں دشمنی و نفرت پیدا کی جائے - لیکن اگر ایک شخص کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف بد زبانی کرتا ہے ' تو اسے یہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اُس نے دو جماعتوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا کرنی چاہی ہے - کیونکہ یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے - اسکی وجہ سے خود اُسکی ذات اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک قابل نفرت ہو جاسکتی ہے' لیکن اِسے " دو جماعتوں میں دشمنی و نفرت پیدا کرنا " نہیں کہا جاسکتا -

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ جسٹس موصوف نے دو صورتیں قرار دی ہیں : ایک یہ کہ مثلاً ایک شخص کوئی ایسی کتاب لکھے جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندؤں کے اندر یا ہندؤں کے برخلاف مسلمانوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا ہو سکتی ہے - دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف دلآزار حملہ کیا جائے - وہ کہتے ہیں دفعہ ١٥٣ - الف کا تعلق پہلی صورت سے ہے - دوسری صورت سے نہیں ہے -

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صورتیں مختلف ضرور ہیں - اس میں بھی شک نہیں کہ دفعہ ١٥٣ - الف کا ابتدائی مفہوم جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ افراد سے - لیکن اسکے ساتھہ ہی میں انکے اس خیال سے متفق نہیں ہوسکتا کہ زیر بحث معاملہ پر اس دفعہ کی زد نہیں پڑتی اور وہ اس دائرۂ اثر سے بالکل باہر ہے -

بلاشبہ میں ماہر قانون نہیں ہوں - میں یہ بھی پسند نہیں کرونگا کہ جسٹس موصوف کی قانونی قابلیت کے اعتراف میں کوتاہی کروں - لیکن میں سمجھتا ہوں ' معاملہ اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اسمیں کسی طرح کی قانونی موشگافی کی - ضرورت ہی نہیں ہے - ہر شخص جو قانون کے منشاء ' الفاظ ' اور حالات پر معمولی درجہ کی نظر بھی رکھتا ہے ' بغیر کسی کاوش کے معلوم کرلے سکتا ہے کہ جسٹس موصوف کی نظر صرف ایک ہی پہلو پر گئی ہے - دوسرا پہلو اُنہوں نے نظر انداز کردیا ہے -

علاوہ بریں اگر دفعہ ١٥٣ - الف کی زد اسطرح کے افعال پر نہیں پڑتی تو دفعہ ٢٩٨ - بھی موجود ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ جسٹس موصوف کی تنقیح میں اسطرح کے معاملات دفعہ ٢٩٨ - کے ماتحت بھی نہیں آسکتے -

پہلے میں چند الفاظ اِن دونوں دفعات کی نسبت کہنا چاہتا ہوں -

سنہ ١٨٦٨ - میں جب ایکٹ نمبر ٤٥ - یعنی مجموعہ تعزیرات ہند نافذ ہوا ' تو اس میں کوئی دفعہ ایسی موجود نہ تھی جسکے ذریعہ " مختلف طبقات میں دشمنی و نفرت پیدا کرنے " کے افعال صاف اور صریح لفظوں میں روکے جاسکیں - اسمیں آٹھواں باب ان جرائم کی نسبت موجود تھا جو آسودگی عامۂ خلائق میں خلل انداز ہوسکتے ہیں - لیکن اسکی تمام دفعات زیادہ تر بلوے اور بلوے کے اشتعال وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں - البتہ ایک باب " جرائم متعلق مذہب " موجود تھا - اسمیں ٢٩٥ - سے لیکر ٢٩٨ - تک چار دفعات رکھی گئی تھیں - پہلی دفعہ کا تعلق مذہبی معابد اور متبرک مقامات کی توہین سے تھا - دوسری کا مذہبی اعمال و رسوم سے ' تیسری کا اموات و قبور سے - چوتھی دفعہ ٢٩٨ - تھی' اور اُس کے الفاظ یہ تھے :

" جو شخص سونچ بچار کر مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے' یا کوئی آواز نکالے ' یا کوئی حرکت کرے ' یا کوئی چیز سامنے لائے ' تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی "

واضعان تعزیرات ہند نے خیال کیا تھا کہ یہ دفعات کافی ہیں ' لیکن بعد کو تجربے سے معلوم ہوا کہ کافی نہیں ہیں - سنہ ١٨٩٨ - میں ایکٹ نمبر ٤ - کے ذریعہ تعزیرات ہند کی ترمیم کی گئی اور دفعہ ١٥٣ - الف - کا اضافہ کیا گیا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس دفعہ کے الحاق سے اصلی مقصود گورنمنٹ کی سیاسی اغراض کا پورا کرنا تھا ' لیکن میں یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ اِس کا دائرہ اس درجہ تنگ ہے جس درجہ جسٹس موصوف نے قرار دیا ہے - اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں :

" جو کوئی ایسی باتوں کے ذریعہ جو تلفظ سے ادا کی جائیں ' یا لکھی جائیں ' یا اشاروں کے ذریعہ ' یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ ' یا اور کسی ذریعہ سے ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت کے خیالات بڑھائے ' یا بڑھانے کا اقدام کرے ' تو اُسے ایسی قید کی سزا دی جائیگی .... الخ "

اب تعزیرات ہند میں دو دفعہ ہوگئیں - ٢٩٨ - اور ١٥٣ - الف -

پہلی دفعہ ہر طرح کی مذہبی " دلآزاری " کو جرم قرار دیتی ہے جو عمداً عمل میں لائی جائے - دوسری دفعہ ہر ایسے فعل کو جس کے ذریعہ برطانی ہندوستان کی دو مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کے خیالات پیدا ہوں یا ہوسکتے ہوں ' تعزیری جرائم میں شمار کرتی ہے -

میں نے اپنی عادت کے خلاف بار بار یہ دفعات پڑھیں اور صورت حال پر غور کیا مگر کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ اس قسم کی تحریریں جیسی کہ زیر بحث تحریر ہے ' کیوں ان دونوں دفعات کی زد میں نہیں آتیں ؟ جسٹس دلیپ سنگھ کہتے ہیں " ایسے کتنی ہی دلآزار اور سفیہانہ کیوں نہ ہوں' اس کی زد میں نہیں آتیں " مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگرچہ کتنی ہی کم دلآزار اور کم سفیہانہ کیوں نہوں ' ہوں لیکن اگر وہ واقعی دلآزار اور سفیہانہ ہیں ' تو اِن دفعات کی زد سے بچ نہیں سکتیں -

امر تنقیح طلب صرف یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں سے " دو مختلف جماعتوں میں دشمنی اور نفرت کے خیالات " پیدا ہوتے ہیں یا نہیں ؟ نیز اِس سے " کسی فرد یا جماعت کی دلآزاری " ہوتی ہے یا نہیں ؟ سب سے پہلے دفعہ ١٥٣ - الف کو لیجیے - جسٹس موصوف کی نظر صرف فرد اور جماعت کے فرق کی طرف گئی ہے - بلا شبہ یہ فرق پیش نظر رکھنا چاہیے - مگر سوال یہ ہے کہ دفعہ کا منشا صرف فعل کی صورت اور اُسکی لفظی نسبت سے تعلق رکھتا ہے ' یا اُسکا زور فعل کے اثر اور نتائج پر ہے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے ' اور میں امید کرتا ہوں کہ قانونی نقطۂ خیال سے اسکا صرف یہی جواب ہوسکتا ہے' تو پھر معاملہ کا فیصلہ نہایت آسان ہے - یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے - تمامتر واقعہ سے تعلق رکھتا ہے - دیکھنا یہ چاہیے کہ اس قسم کی مذہبی بد زبانی اور ہیجدگوئی کا برطانی ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے ؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برسوں سے ملک کی دو جماعتیں یعنی مسلمانوں اور آریا سماجیوں میں با همدگر

آئرلینڈ کا ایک عملاق جس کا قد ۲۵۵ سنٹي میٹر تھا -

ایک جرمن عورت جس کا قد ۲۴۵ سنٹي میٹر تھا

عمالیق یا دراز قد آدمی

دراز ي قد کي علمي توجیهه

قد کي درازي اگر ایک خاص معتدل حد تک هو تو حسن و جمال کي دلاویزیوں میں سے شمار کي جاتي هے - خواجه حافظ نے اسي قد کي درازي میں اپني " عمر دراز " کي " کوتاهي " کا پیغام سنا تھا :

بالا بلند' سروقد خوش خرام من
کوتاه کرد قصهٔ عمر دراز من !

لیکن یهي " بالا بلندي " جب حد سے گزر جاتي هے تو حسن و دلاویزي کي جگه عجائب الخلقة میں شمار هونے لگتي هے - مختلف قوموں میں ایسے عجیب الخلقة دراز قد آدمي پائے گئے هیں اور اب بهي پائے جاتے هیں - عربوں کي ایک قدیم شاخ نے مصر پر حمله کیا تھا - اسکے اکثر افراد قد آور تھے - اسي لیے عربي میں انکا نام " عمالیق " پڑگیا تھا - غیر معمولي دراز قد کو عربي میں " عملاق " کہتے هیں -

تھوڑي مدت گزري نیویارک میں ایک عجیب آدمي ظاهر هوا تھا اسکي عمر ۲۴ سال تھي - یه شخص اس قدر لانبا تھا که جب موٹر میں نکلتا تو اسکي چھت میں سوراخ کرنا پڑا تاکه اسکا سر باهر نکلا رهے - کیونکه وه کسي طرح بهي موٹر میں سما نه سکتا تھا - بازاروں میں لوگوں نے اسے دیکھا تو تصویریں لینے لگے - اسکا قد ۸ - فٹ تھا !

سنه ۱۹۲۴ع میں ومبلي (لندن) کي مشهور نمائش میں ایک عملاق نمودار هوا تھا - اسکي عمر صرف ۲۳ سال تھي مگر قد دو میٹر ۸۴ - سنٹیمتر تھا - وه لندن اس لئے آیا تھا که اجرت لیکر اپني نمائش کرے - وه اپنے قد کي درازي کي وجه سے همیشه اپني خاص چارپائي اور پاني کا ٹب ساتھه رکھتا تھا - کیونکه یه دونوں چیزیں اسکے مناسب حال کہیں بهي دستیاب نہیں هوتي تھیں - اسکي خوراک کتني تھي ؟ اسکا اندازه اس سے هو سکتا هے که اسکے روز کے ناشته میں ۱۵ - انڈے ' ۳ - بڑي مچھلیاں ' ۵ - پلیٹ سالن کے ' ۱۲ - روٹي ٹکیاں ' اور ۸ - پیالیاں چاے کي هوتي تھیں !

آج کل یورپ کے بعض علمي رسائل میں یه بحث چھڑ گئي هے که اس طرح کي غیر معمولي دراز قدي کي علت کیا هے ؟

عام طور پر علماء کا خیال هے که اسکي علت دماغي گلٹي هے - مشاهده سے معلوم هوچکا هے که هر انسان میں دماغ کے نیچے اور ناک کے پیچھے ایک گلٹي هوتي هے - اسے عربي میں " الغدة النکفیة " اور انگریزي میں Parotid gland کہتے هیں - یهي گلٹي قد کي کمي بیشي کي علت هوا کرتي هے -

انساني جسم گلٹیوں سے بھرا پڑا هے - یهي اسے قائم رکھتي هیں اور اسکے اجزاء سے جسم کا توازن برقرار رهتا هے - چنانچه فربهي و لاغري ' بلند قامتي و پسته قدي ' ذهانت و بلادت ' دوران خون کي تیزي و سستي ' سب کا تعلق انهي گلٹیوں سے هے - اس دماغي گلٹي کا ایک اهم کام یه بهي هے که وه ایسے مواد خارج کرتي رهتي هے جو خون کے ساتھه جاري رهتے اور هڈیاں بڑهاتے رهتے هیں - جب ان مواد کا اخراج کم هو جاتا هے تو انسان پسته قد رہ جاتا هے - جب ضرورت سے زیاده هو جاتا هے تو هڈیاں غیر معمولي طور پر بهي بڑهتي هیں اور آدمي کا قد بهي بہت بڑھ جاتا هے -

یه دماغي گلٹي دو حصوں میں منقسم هے : ایک حصه آگے هوتا هے - دوسرا پیچھے هوتا هے - دونوں ایک عظمي (هڈي کے) صندوقچه میں بند هوتے هیں - یه صندوقچه کھوپڑي کے اندر بطور ایک چھوٹي سي کوٹھڑي کے رکھا هوا هے - زیادتي مشاهدوں کے ذریعه تحقیق هوا هے که اگلے آدمیوں

موجوده زمانے کا سب سے بڑا عملاق ایک روسي ماشذوف نامي هے - قد ۲۸۵ سنٹي میٹر -

نکلا تھے - معلوم هوتا هے ریگ کے بوجھه سے انکا چھلکا چٹک گیا تھا اور ریگ کے ذرے اندر پہنچ گئے تھے - امتداد زمانه سے اندروني اور بیروني دونوں حصے پتھرا گئے هیں اور لاکھوں برس سے قائم هیں .

اسکے علاوه بعض اور یادگاریں بهي دستیاب هوئي هیں - شاید وه ان انڈوں سے بهي زیاده قیمتي ثابت هوں - وه یادگاریں پتھرائے هوئے انساني دانت هیں اور کئي هزار برس کے پرانے هیں - وهاں انکي موجودگي اس بات کا قطعي ثبوت هے که کسي زمانه میں یه صحرا انسانوں سے معمور تھا - تحقیقات سے ثابت هوا هے که یه دانت غاروں میں رهنے والے انسانوں کے نہیں هوسکتے (کیونکه ان زمانوں میں زمین پر غار موجود هي نه تھے) خیال کیا جاتا هے که انسان نهروں اور جھیلوں کے کنارے رهتے هونگے - مکان بهي نه تھے - آسمان کي چھت کے نیچے سوتے هونگے - اسکے بعد بتدریج گھر بنانا شروع کیا - پھر پتھر کے اوزار طیار کئے - اسي لئے اس عهد کو " عهد حجري " کہتے هیں .

یه تحقیقاتي کمیشن اس صحراء میں ابهي تین سال اور رهیگا - اسے یقین هے که مزید تحقیقات کا دروازه عنقریب کھلنے والا هے - دنیا کا تمام حلقهٔ علم اسکے آخري نتائج کي راه تک رها هے -

انسان کی تخلیق و ظہور کا اولین محل

(صحراء "گوبی" انسانیت کا اولین گہوارا ہے)

ایک نیا نظریہ

صحراء "گوبی" واقع منگولیا میں یوروپین علماء کی ایک جماعت تحقیقات میں مصروف ہے - اسکی غرض یہ جدید نظریہ ثابت کرنا ہے کہ یہی صحراء انسانیت کا اصلی گہوارہ ہے - یہیں سے نکل کر انسان کی نسل تمام دنیا میں پھیلی ۔

اِس جماعت کے صدر پروفیسر انڈروز نے یورپ و امریکہ کے علمی رسائل میں حسب ذیل بیان شائع کیا ہے :

"اِس بات کے ثبوت میں متعدد دلائل موجود ہیں کہ انسان نے اپنی سب سے پہلی نشوؤنما صحراء گوبی میں حاصل کی ہے - یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اُن نہایت پرانے زمانوں میں جبکہ تمام یورپ اور امریکا برف سے ڈھکا ہوا تھا، وسط ایشیا میں ایک خطہ ایسا موجود تھا جو طوفان برف سے محفوظ تھا - وہ خطہ یہی صحراء تھا - اُس وقت صرف یہی ایک زمین زندگی کی نشوؤنما کی صلاحیت رکھتی تھی -

پھر ہمارے سامنے اِس امر کے بھی دلائل موجود ہیں کہ انسان جس راستہ سے دنیا کے دوسرے خطوں میں آباد ہونیکے لیے پہنچا، وہ راستہ یورپ اور امریکا کے درمیان واقع تھا - علماء کو فرانس اور امریکا کی زمینوں کے اندر سے ایسے آثار دستیاب ہوے ہیں جو باہمدگر پوری مشابہت رکھتے ہیں، اور صاف بتا رہے ہیں کہ انکی اصل اور سرچشمہ ایک ہی ہے - نیز اُنسے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا سے تعلق رکھتے ہیں -

اکثر علماء یقین کرتے ہیں کہ ہماری زمین ایک کروڑ برس پہلے عظیم الخلقت حیوانوں سے آباد تھی - یہ تمام حیوان نابود ہوگئے - بعض کی ہڈیاں ملتی ہیں - امیں سب سے اہم حیوان وہ تھے جنہیں آجکل علماء علم حیوان "ڈینو سر" اور "مسٹوڈن" کے نام سے موسوم کرتے ہیں - صحراء گوبی اِن حیوانوں سے لبریز تھا - اسی نامعلوم زمانہ میں وہ منتشر ہوے - ایک طرف سے چین پہنچے، دوسری طرف سے امریکا میں وارد ہوے - یہی سبب اُس مشابہت کا ہے جو امریکا اور مشرق قریب کے زیر زمین آثار میں ہم دیکھ رہے ہیں ۔

ممکن ہے اعتراض کیا جاے کہ ایسے بے آب و گیاہ ریگستان میں زندگی کیونکر قائم رہ سکی ؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ تقریبا ایک کروڑ سال پہلے یہ صحراء ریگستان نہ تھا - بلکہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا - ہر طرف درختوں کی کثرت تھی، دریا بہہ رہے تھے، زمین صاف تھی، اور پھلوں اور ترکاریوں سے لبریز تھی - اُس وقت یہ صحراء انسان کے ظہور اور نشوونما کیلیے سب سے زیادہ موزوں مقام تھا ۔

زندگی یہاں برابر بڑھتی اور ترقی کرتی رہی - یہانتک کہ رینگنے والے جاندار ظاہر ہوے - پھر چھاتیاں رکھنے والے حیوان پیدا ہوے - پھر انسان نے ظہور کیا - قدیم انسان موجودہ انسان سے بہت کچھ مختلف تھا - امتداد زمانہ کے ساتھہ ساتھہ اُسنے بھی ترقی کی - اُسکی نسل بڑھتی گئی - یہانتک کہ یہ علاقہ اُسکے لیے ناکافی ہوگیا - پھر یہ مصیبت بھی پیش آئی کہ یہاں کا جنگل خشک ہونا شروع ہوگیا - آہستہ آہستہ درخت سوکھنے لگے - پانی کم ہونے لگا - مجبوراً انسان نے ہجرت کی، اور یہ جنگل ریگستان ہوگیا، جیسا کہ اِس وقت ہم دیکھہ رہے ہیں۔

یہاں سے نکل کر انسان سب سے پہلے چین، ہندوستان، روس، فرانس، جرمنی، برطانیا، اور امریکا پہنچا - اُسکی جماعتیں برابر آگے بڑھتی اور نئی نئی زمینیں تلاش کرکے آباد ہوتی گئیں - حتی کہ تمام قابل بود و باش سرزمینوں پر اُسکا قبضہ ہوگیا "

یہ اِس جدید نظریہ کا خلاصہ ہے - پروفیسر انڈروز کی جماعت بحث و تفحص کے بعد ایسے نتائج پر پہنچی ہے جو اس نظریہ کی پرزور تائید کرتے ہیں - چنانچہ اُسے "ڈینوسر" اور "مسٹوڈن" اور جماتی رکھنے والے حیوانات کی ہڈیاں ملی ہیں - اِن ہڈیوں کی کثرت اِس یقین پر مجبور کرتی ہے کہ یہ حیوانات اس صحراء میں باہر سے آئے ہوے مسافر نہیں تھے - بلکہ مقیم تھے - یہ ماننے کے بعد قدرتی طور پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُس وقت یہ مقام صحراء نہ تھا - سرسبز جنگل تھا - اور یہ کہ اسمیں سے بعض حیوانوں کی بلندی چھہ میٹر سے بھی زیادہ تھی ۔

اِس تحقیقاتی کمیشن کو سب سے اہم چیز جو ہاتھہ لگی ہے، وہ ڈینو سر جانور کے انڈے ہیں - ایسے قرائن موجود ہیں جنسے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ڈینوسر کی مادہ نے حسب عادت ریت کے نیچے دبا کر انڈے دیے تھے - مگر اچانک آندھی آئی اور ریگ نے انڈوں کو چھپا لیا - لاکھوں برس نیچے رہنے کے بعد بالآخر یہ انڈے

صحراء گوبی کے ایک سرسبز گوشہ کا منظر

عمدگي سے کيے جاسکتے هيں - ليکن اگر دوسري صورت هوتي هے تو حيوان سے کام ليتا هوں - مثلاً اُن مقامات ميں جهاں ريل اور سڑکيں نهيں هيں باربرداري کا کام جانور زياده اچها کرسکتے هيں - آخري درجه ميں انسان سے کام ليتا هوں - يه اصول اگرچه همارے اسلاف کو معلوم تها مگر اُن سے عملاً کام لينا صرف پچاس برس هي سے شروع هوا هے -

اب غور کرنا چاهئے ' اهل و قابل اشخاص کا انتخاب کيونکر کيا جاے ؟ فرض کرو' حکومت امريکا کو ايک مرد يا عورت کي ضرورت هے - امريکا کي آبادي دس کروڑ هے - وه کيا صفتيں هيں جو مطلوبه مرد اور عورت ميں هوني چاهئيں ؟

عام طور پر پهلي شرط يه قرار دي جاتي هے که وه شخص امريکن هو - يهيں پيدا هوا هو' يا امريکن قوميت اختيار کرچکا هو - دوسري شرط يه سمجهي جاتي هے که اُسکي عمر سوله برس سے زياده اور ساٹهه سے کم هو - اِس شرط کي رو سے دو ثلث آبادي دائرۂ انتخاب سے باهر نکل جاتي هے -

حالانکه انتخاب ميں هميں کسي ايک شرط يا صفت هي پر اڑ جانا نهيں چاهئے - کيونکه کبهي عمر کا معامله قوميت سے زياده اهم هوتا هے - کبهي تربيت ' قدرتي قابليت سے زياده کار آمد هوتي هے - کبهي تجربه ' قابليت سے زياده ضروري هوتا هے - هميں اگر اصلح انسان کي ضرورت هے تو اسکے ليے قوميت ' وطنيت ' اور عمر کي شرطيں ابتدائي شرطيں کيوں سمجهي جائيں ؟

طويل غور و فکر اور تجربه کے بعد ميں نے انساني انتخاب کا ايک پيمانه طيار کيا هے - اُسميں ۲۳ - درجے رکهے هيں - انتخاب کے وقت اِس پيمانه سے فائده اٹهانا چاهئے - ذيل ميں اُسکي تفصيل ملاحظه هو :

(۱) قوميت (۲) نسل
(۳) شهريت (۴) عمر
(۵) ابتدائي تربيت يا وراثت (۶) ذهني قابليت
(۷) جسماني قابليت (۸) عملي قابليت
(۹) اولين ماحول (۱۰) تعليم
(۱۱) عام تربيت (۱۲) تجربه
(۱۳) فطري قابليت (۱۴) فني مهارت
(۱۵) مزاج (۱۶) سيکهنے کي قابليت
(۱۷) حرکات و سکنات (۱۸) علم ذهني يا بدني شکل
(۱۹) قد و قامت (۲۰) سختي يا نرمي
(۲۱) رنگ (۲۲) کاٹهي
(۲۳) مجموعي هيئت

جب مجهے کسي آدمي کي ضرورت هوتي هے تو ميں يه پيمانه سامنے رکهه ليتا هوں اور هر شخص کو اِن تيئيس وجوه انتخاب کي بنا پر جانچتا هوں - جسکے نمبر زياده نکلتے هيں ' اسے انتخاب کرليتا هوں - البته جانچنے والے کيليے بهي صاحب نظر هونا ضروري هے -

عام طور پر لوگ انتخاب ميں فني مهارت (اکسپرٹ نس) کو ديکهتے هيں اور دوسري تمام صفات نظر انداز کر جاتے هيں - حالانکه يه سخت غلطي هے - جانور اور چڑياں پالنے والے مذکورۂ بالا صفات تمام کے تمام ملحوظ رکهتے هيں - کيونکه وه سب ضروري ' اور انسان و حيوان کے مفيد و مضر هونے کا سبب هوتي هيں -

اِن تيئس وجوه انتخاب پر نظر ڈالنے سے معلوم هوگا که ان ميں کچهه تو ايسے هيں جنکے ليے خارجي معلومات حاصل کرنے کي ضرورت هوگي - مثلاً تعليم ' جنسيت ' تربيت وغيره - اور کچهه ايسے هيں جنکے ليے بے خطا قيافه شناسي کي ضرورت هوگي - قيافه شناسي کي يه استعداد بغير اسکے حاصل نهيں هوسکتي که انساني دماغ و جسم کے علوم ميں سے هر علم سے ضروري واقفيت حاصل کرلي جاے -

انساني مزاج اور قابليت کا صحيح طور پر معلوم کرنا بهت مشکل هے - قد و قامت ' رنگ روپ ' اور جسم کي کاٹهي سے بهي طبيعت کا اندازه کرنا آسان نهيں - اِس بارے ميں انسان ' حيوان سے بهت کچهه مختلف هے - طويل تجربه کي ضرورت هے که انسان ' انسان شناس نگاه پيدا کرلے - بارها ايسا هوا که ميں کسي مرد کي ذهانت يا کسي عورت کے حسن سے دهوکا کها گيا هوں -

اِنهي تجربوں کي بنا پر ميري پخته راے هے که اگر کسي شخص کے متعلق يقين هوجاے که وه زندگي بهر کام ميں لگا رهے گا ' تو اُسکے امتحان ميں دس بيس هزار ڈالر اور چار پانچ سال خرچ کرڈالنا کچهه بيجا نه هوگا -

بلا شبه مناسب اور اصلح آدمي کا انتخاب مشکل هے - ليکن مذکورۂ بالا پيمانه اگر کام ميں لايا جاے تو بڑي حد تک آساني هوجاتي هے اور انتخاب ميں زياده غلطي نهيں هوتي -

(ايک مثال)

کچهه مدت پہلے ريلوے ميں ايک معمولي جگه خالي هوئي تهي - اسکے لئے آدمي کا انتخاب ميرے سپرد کيا گيا - ميں نے اخبارات ميں حسب ذيل اعلان شايع کيا :

" ريلوے ميں کام کرنے کيلئے ايک امريکن نوجوان کي ضرورت هے - اُسے تجربه کار اور خوش اخلاق هونا چاهئے - ساٹهه ڈالر تنخواه دي جائيگي - تين مهينے امتحان کيا جائيگا - پهر اضافهٔ و ترقي کا سوال پيدا هوگا - درخواست کرنے والوں کو اپني تين تصويريں بهيجني چاهئيں : ايک اپنے رخسار اور کنپٹي کي - دوسري پورے چهره کي - تيسري پورے قد کي "

تين سو درخواستيں آئيں اور چهه گهنٹے معاينه ميں صرف هوئے - ۲۹۰ - ميں نے پهلي هي نظر ميں مسترد کرديں - کيونکه اُنکي شکلوں ميں کوئي نماياں عيب موجود تها - بعضوں کے لباس اور خط و خال سے صاف معلوم هوتا تها که محض ناکاره هيں - بعضوں کي هيئت اور قطع بتلا رهي تهي که بڑے ضدي هيں - سيکهنے کي قابليت نهيں رکهتے - بعضوں کے دل و دماغ اور اخلاق کي کمزوري عياں تهي -

باقي دس تصويروں کي ميں نے پوري ديده ريزي سے جانچ کي - دو آدمي مطلوب تهے - مگر جانچ ميں چار پورے اترے - اور تجربه نے بتا ديا که ميري جانچ درست تهي - خود آدميوں سے ملاقات کرنے سے يه کهيں بهتر هے که اُن کي تصويريں منگا لي جائيں اور اُنکا دقت نظر کے ساتهه مطالعه کيا جاے "

(چار تصويريں)

اسکے بعد مصنف نے نو آدميوں کي تصويريں درج کي هيں اور هر تصوير کے نيچے صاحب تصوير کے اوصاف بهي درج کرديے هيں :

(۱) دماغي آدمي — يه شکل ايک ايسے آدمي کي هے جو سنجيده ' مطمئن ' حليم هے - کم منفعل هوتا هے - زياده غور کرتا هے - سوچ سمجهکر راے قائم کرتا هے اور اُس سے کبهي هٹتا نهيں - حال سے زياده ماضي پر نظر رکهتا هے - سست عمل هے - مگر هوشياري سے کام کرتا هے - هميشه ايک هي طريقه پر رهتا هے -

مطبوعات جدیدہ

قابلیت کا مقیاس و میزان

انسان کے انتخاب میں انتخاب اصلح

هر شخص جانتا ہے که دنیا میں وهي کام کامیاب هوسکتا ہے جسے اُس کا اهل اور قابل آدمي انجام دے - بهتر سے بهتر کام بهي کامیاب نہیں هوگا ' اگر اسکے لیے اهل آدمي میسر نه آئینگے -

لیکن هر کام کیلئے اُسکي ضرورت کے مطابق اهل آدمي کیونکر چنا جائے ؟ اسکا فیصله آسان نہیں ہے -

دنیا میں قدرت الهي کے قوانین عمل میں سے ایک قانون " اِنتخاب اصلح " کا ہے - یعنے قدرت هر چیز میں اصلح اور بهتر کو چهانٹ لیتي ہے - غیر صالح اور کمتر کو چهوڑ دیتي ہے - زندگي ' صحت ' طاقت ' اور کامراني کي ساري بنیاد اسي قانون پر ہے - افسوس انسان کي نَا مرادي پر ' اگر وہ خود اپني جنس کے انتخاب میں ایسا نه کرسکے !

موجودہ زمانے میں " اهل آدمي کا انتخاب " ایک مستقل علمي موضوع هو گیا ہے - اسکے بڑے بڑے ماهر فن هیں - حال میں اس فن کے ایک بہت بڑے امریکن ماهر نے اس موضوع پر ایک کتاب لکهي ہے جو امریکه کي ایک تجارتي انجمن کے اهتمام سے شائع هوئي ہے - یه دراصل اُن مقالات کا مجموعه ہے جو مصنف کتاب نے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر لکهے تهے ' اور امریکه کے مختلف علمي رسائل میں شائع هوے تهے - کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہے ' اور چونکه ایک خالص نظري مسئله کو عملي اُصول و قواعد کي شکل دي گئي ہے ' اسلیے علمي حلقوں نے اُس کا نہایت پرجوش استقبال کیا ہے - هم وقتاً فوقتاً اسکے بعض ضروري مباحث الهـلال میں شائع کرتے رهینگے - آج اسکے بعض ابتدائي مباحث کا ترجمه هدیۂ قارئین کرتے هیں -

پہلے باب میں انتخاب اهل کي ضرورت پر بحث کرتے هوے مصنف لکهتا ہے :

(انتخاب اصلح)

" تمام کام جبهي انجام پاسکتے هیں جب اهل آدمیوں کے سپرد کئے جائیں ' ورنه آلات کي ایجاد ' بجلي کے استعمال ' اور کوئله کي کفایت سے کوئي فائدہ حاصل نه هوگا - یه چیزیں کام میں مدد دیتي هیں ' لیکن کام کو کامیاب نہیں بنا سکتیں - کامیابي صرف اهل و اصلح کارکنوں کے انتخاب پر موقوف ہے .

هم هر چیز انتخاب کرتے هیں - کوئي چیز خرید انتخاب کرکے خرید. - هیں - تم بازار میں ایک دانه سیب لیدے جاتے هو تو ایک ایک چن کر لیتے هو - یه نہیں کہتے ند سب سیب هي هیں ' بغیر انتخاب کے لے لیں - یهي حال آدمیوں کا بهي ہے - سیب کي طرح سب آدمي بهي یکساں نہیں هوتے - کچهه اچهے هوتے هیں ' کچهه برے - کچهه اهل هوتے هیں ' کچهه نا اهل - لہذا انمیں بهي انتخاب هونا چاهئے - اچها اور قابل لے لینا چاهئے - برا اور نا کارہ چهوڑ دینا چاهئے - پهر محض اتناهي کافي نہیں ہے که اهل و قابل کا انتخاب کرلیا جاے ' بلکه اُسے اُسي حیثیت میں بهي رکهنا چاهئے جسکا وہ مستحق ہے - مثلاً اگر ایک موسیقي داں کو موسیقي کي خدمت کیلئے منتخب کیا جائے ' تو اُسے در بدر پهرکر روٹي کمانے سے مستغني کردینا بهي ضروري ہے - تاکه بے فکر هوکر اپني پوري قابلیت سے فائدہ پہنچاسکے "

(معیار انتخاب)

اِسکے بعد اس سوال پر بحث کرتے هوے که " هر کام کیلئے اهل اور صالح شخصیت کے انتخاب کیلئے کوئي معیار اور قاعده بن سکتا ہے یا نہیں " ؟ لکهتا ہے :

" میرے دفتر میں چالیس آدمي کام کرتے هیں - جب میں کوئي نیا کام شروع کرتا هوں اور نئے آدمیوں کي ضرورت محسوس هوتي ہے ' تو سب سے پہلے غور کرتا هوں که یه کام آله کے ذریعه سے لیا جاسکتا ہے ' حیوان کے ذریعه ' یا آدمي کي ضرورت ہے ؟ اگر پہلي صورت ممکن هوتي ہے تو وهي کام میں لاتا هوں - کیونکه آلات حیوان و انسان سے بهتر کام کرتے هیں - مثلاً پن چکي ' آب پاشي ' بهاري بوجهه اٹهانا - ظاهر ہے یه کام آلات کے ذریعه آساني اور

میں یه گلٹي بہت بڑي هوتي ہے ' اور بونوں میں بہت هي چهوٹي هوتي ہے - اِس گلٹي کي ایک خاصیت یه بهي بیان کي جاتي ہے که وہ خون میں نمکین مادہ کو معتدل رکهتي ہے ' اور اُسے اُتني مقدار میں کردیتي ہے ' جتني سمندر کے پاني میں هوتي ہے -

تاریخ میں بہت سے عمالیق کے نام محفوظ هیں - فرانس میں ایک شخص " جان ٹورنر " نامي گزرا ہے - ۱۵ - برس کي عمر میں اُس کا قد غیر معمولي سرعت سے بڑهنے لگا - یہاں تک که ۸ - فٹ ۳ - انچ تک پہنچ گیا - اُس کا جوتا ۱۴ - انچ لمبا هوتا تها -

مرنے پر اُس کے دماغ کا وزن کیا گیا تو دو سیر تهائي اونس تها سر کي جانچ کرنے پر معلوم هوا که اُس کي دماغي گلٹي بہت بڑي تهي -

ڈاکٹروں کا خیال ہے که وہ زمانه جلد آنے والا ہے جب انسان چند نشتر کي پچکاریاں (یعني انجیکشن) لیکر اپنا قد جتنا چاہے گا بڑها لے گا - اگر کتے کو انجیکشن دیدیا جائیگا تو وہ گهوڑے کے برابر هو جائیگا - یه بات بظاهر عجیب معلوم هوتي ہے - مگر علم جس سرعت سے ترقي کر رها ہے ' اُسے دیکهتے هوے اب کوئي بات بهي عجیب نہیں رهي ہے -

فرانسیسی اولوالعزمی کی قربانی

کپتان ننجیسر کي مفقود الخبري !

بیسویں صدي کے تمام وسائل علم و احاطه کي شکست !

انسان کي علمي اولوالعزمیوں اور قدرت کي قهرمان حکومت میں ایک مسلسل جنگ جاري هے !

اُس نے سمندر کے طوفانوں کا مقابله کیا اور طاقتور سے طاقتور جهاز طیار کر لیے !

اُس نے زمین کي پهنائي کا مقابله کیا ' اور بهاپ اور بجلي پر قبضه کرکے ایسی سواریاں بنالیں ' جو ایک مدت میں دو دو میل طے کرلیتي هیں !

اُسنے آسمان کي طرف دیکها - هوا میں پرند هر طرف اڑ رهے تهے ' لیکن انسان کیلیے کوئي جگه نه تهي - بالآخر اُس نے یہاں بهي کامیابي حاصل کي ' اور ایسے طیارے ایجاد کرلیے جو تمام کرۂ ارضي کي فضا میں چکر لگا رهے هیں !

ان پے درپے کامیابیوں کے بعد اُسنے دم لیا ' اور فخر و غرور سے سر اٹهایا - خشکي ' تري ' هوا : تینوں مسخر هو چکے هیں !

لیکن قدرت ! اٹل ' بے پروا ' بے مہر ' اور قهرمان قدرت ! کیا اُسکے حاکمانه قوانین بهي مسخر هونگے ؟ کیا سچ مچ کو انساني اولوالعزمي نے اُسے شکست دیدي ؟

اولوالعزم انسان کا سر اپني بے بسي کے تصور سے جهک گیا - کیونکه اُس نے دیکها که ان ساري اولوالعزمانه کامرانیوں کے بعد بهي اُس تناسب میں کوئي فرق نہیں آیا هے جو اُسکي بے بسي اور قدرت کي حاکمانه سطوت کا روز اول سے قائم هوچکا هے !

پہلے وه چهوٹي چهوٹي باد باني کشتیوں ' جانوروں کي سواریوں اور دشت و جبال کے قافلوں میں قوانین قدرت کے سامنے بے بس تها - اب بیسویں صدي کے دخاني جهازوں ' زیر آب کشتیوں ' برق رفتار ریلوں ' اور باد پیما طیاروں کے اندر بے بس هے !

قدرت آگے بڑهنے سے نہیں روکتي - خود اُکساتي رهتي هے که آگے بڑهے - لیکن یه گوارا نہیں کرتي که اُسکي بے بسي کي حدیں ٹوٹ جائیں - وه برابر بڑهتا رهیگا - قدرت اُسے برابر دعوت اقدام دیتي رهیگي -

لیکن اُس کي بے بسي ' بیچارگي ' بے دست و پائي : تو وه اٹل هے ' اٹمت هے ' نا قابل تغیر هے ' ابدي هے ' اُس کي پیشاني خلقت کي سرنوشت هے جو قلم قدرت نے صبح ازل کي روشني میں نقش کردي هے - اُس کا مقام بدلتا رهیگا - کل تک وه جس جگه کهڑا تها ' آج اُس سے سیکڑوں کوس اونچا هوگیا هے - کل اِس سے بهي بلندي پر هوگا - مگر فضاء عالم لا متناهي هے - وه کتنا هي بلند هوتا جائے ' پهر بهي بلندي باقي هي رهیگي !

قارئین الهلال کپتان ننجیسر کي هوائي مہم اور اُسکے نتیجه سے بے خبر نہیں هیں - گذشته نمبر میں همارے مقاله نگار پیرس کي چٹهي شائع هوچکي هے جس نے نہایت موثر پیرایه میں اس مہم کي مفقود الخبري کي سرگذشت سنائي تهي - اب کئي هفته اور گزر چکے - اس عرصه میں رائٹر نے دو مرتبه ایسی خبریں دیں ' جیسے امید بندهتي تهي که از کم کپتان کي موت کا سراغ لگ جائیگا - لیکن بعد کو پهر انکي تغلیط کردي گئي - نتیجه یه نکلا که دنیا اب تک اس اولوالعزمي کے نتیجه سے بے خبر هے !

هر ایجاد کي طرح طیاروں کي ایجاد بهي علمي قربانیوں کي ایک بہت بڑي داستان هے ' لیکن موجوده عہد میں هوائي مہموں کي مفقود الخبري کا یه غالباً چهٹا یا ساتواں واقعه هوگا - اس سے پہلے انگلستان ' امریکه ' اٹلي ' اور فانمارک کے متعدد طیارے مفقود الخبر هوچکے هیں -

کپتان ننجیسر

لیکن موجوده عہد میں انساني قافلوں کي مفقود الخبري ' اس درجه عجیب واقعه هے ؟ ریل ' تار ' تار برقي ' لاسلکي ' نے تمام دنیا کو ایک کردیا هے ' خشکي اور تري کا چپه چپه اور گوشه گوشه ایک دوسرے سے ملگیا هے '

بیسویں صدي کي معلوم ' محکوم ' اور مسخر دنیا هے ' اور انسان کي علمي اور عقلي فتح مندیاں اپنے منتہاء عروج تک پہنچ چکي هیں - تاهم قدرت کي حاکمانه سطوت کے مقابلے میں انسان اب بهي اسدرجه بے بس هے که دنیا کے تمام وسائل علم و اطلاع جواب دیچکے هیں اور اب تک نه تو اس هوائي مشین کا کچهه سراغ لگ سکا هے ' نه اُسکے اولوالعزم سائق کا کچهه پته چلا هے - دنیا فرانس اور امریکه کے هوائي مقابله کے نتیجه کیلئے مضطرب تهي ' لیکن اُسے ایک دوسرے هي مقابله کے نتیجه کي خبر سنني پڑي - وه مقابله ' جسمیں ایک طرف قدرت الہي کي اٹل حاکمانه سطوت هے ' دوسري طرف انسان کے ناقص اور محدود علم کي بلند پروازیاں هیں ! و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا

نمبر ۱

(۲) دماغي عملي آدمي — اپنے آپ کو بہت کچھہ سمجھتا ہے - بلند همت ہے - محنتي ہے - مضبوط ارادہ رکھتا ہے - شک کو پاس آنے نہیں دیتا - فصیح اللسان ہے - اپني قوت اور اپنے کام کي اهمیت پر یقین رکھتا ہے - صاف دماغ کا مالک ہے -

(۳) عملي دماغي آدمي — خوش کلام - دلوں کا محبوب - سب کو راضي رکھنے والا ' بلند همت ' فراخ دل ' ترقي اور محنت کا شیدائي - بہت حرکت کرنے والا ' بہت نفع پہنچانے والا ' تنہائي میں کام کرنے والا ' مستقل مزاج -

(۴) عمل کي قوت نفوذ رکھنے والا آدمي — مضبوط ارادہ ' مضبوط رائے ' سخت مزاج ' سنگ دل ' جلد منفعل هوجانے والا ' تنہائي پسند ' بھروسہ اور اعتماد کے لائق - اس کي مثال اُس هیرے کي سي ہے جو خراد سے هنوز محروم ہے -

(۵) مستعد عملي آدمي — سخت اور درشت مزاج ' عزم صادق کا مالک ' کم غور کرنے والا ' اپنے نفس پر بھروسہ رکھنے والا ' کتني هي مشکلات هوں مگر اپنے ارادہ پر عمل کرنے والا -

(۶) دماغي عملي آدمي — خوش گفتار ' بڑي بڑي اسکیمیں سوچنے والا ' دوسروں پر اثر ڈالنے والا ' اپنے اصلي خیالات چھپانے والا ' اپني رائے پر جما رهنے والا ' گرد و پیش پر نظر رکھنے والا ' اپنے اوپر بہت بھروسہ رکھنے والا ' صاف دماغ کا مالک -

(۷) دماغي عملي آدمي — مستقل رائے رکھتا ہے ' زیادہ نفع پہنچاتا ہے - معاملات پر صحیح رائے رکھتا ہے - خوش تقریر ہے - صاف بیان ہے - فراخ دل ہے - ترقي اور رفاہ عام کے کام زیادہ پسند کرتا ہے -

(۸) دماغي آدمي — نرم مزاج ' محبوب ' حلیم ' مضبوط رائے رکھنے والا ' سست عمل ' مفکر ' متاثر نہیں هوتا ' حق کو سنتا ہے اور قبول کرلیتا ہے -

نمبر ۲

(۹) دماغي عملي آدمي — صاف رائے رکھتا ہے ' بحث میں قوي دلیلیں لاتا ہے ' مخلص ہے ' حق کا جویا ہے ' زندہ ضمیر کا مالک ' معتمد ہے ' مخاطب کو اپني گفتگو سے قائل کردیتا ہے -

ان نو قسموں میں اصولي قسمیں در اصل چار هیں : دماغي ' عملي ' دماغي عملي ' عملي دماغي - اور انهي کے متعدد نمونے دکھائے گئے هیں - دماغي اور عملي کا مطلب واضح ہے - " دماغي عملي " سے مقصود ایسي شخصیت ہے جسکے خصائل میں اگرچہ عملیت کا عنصر بھي موجود ہے لیکن غلبہ دماغیت کو ہے - " عملي دماغي " اسکے برعکس ہے - اسمیں عملیت غالب اور دماغیت مغلوب هوتي ہے - خالص " دماغي " عملي قوت سے ' اور خالص " عملي " دماغي اوصاف سے عاري هوتا ہے -

هم اس مضمون کي وضاحت کے لیے چار تصویریں اسي کتاب سے نقل کردیتے هیں جن سے چار اصولي قیافے واضح هو جائینگے :

(۱) دماغي

(۲) عملي

(۳) دماغي عملي

(۴) عملي دماغي

تصویر نمبر (۱) خالص دماغي کي ہے - هر شخص جو انسان شناسي کي کچھہ بھي نظر رکھتا ہے ' پہلي نگاہ هي میں رائے قائم کرلیگا کہ اسکے خط و خال کي مجموعي شہادت ذهن و فکر کا اعلان ہے - عملیت سے خالي ہے - مگر نمبر (۲) اسکے برعکس ہے - یہ ایک شخص عملي قیافہ ہے جسمیں ذهنیت کي هلکي سي جھلک بھي نظر نہیں آتي - نمبر (۳) اور (۴) میں پہلي ذهنیت کے غلبہ اور عملیت کي موجودگي کا پتہ دیتي ہے ' اور دوسري میں عملیت کے غلبہ کے ساتھہ ذهنیت کا عنصر بھي نمایاں ہے -

نمبر ۳ نمبر ۴

جولائی سنه ۱۹۲۷ مین جولائی سنه ۱۹۲۵ پر ایك نظر!

دیش بندھو چترنجن داس

۱۷ - جون سے پہلي جولائي تک تمام ملک نے دیش بندھو چترنجن داس کي یادگار میں جلسے منعقد کیے هیں - یه دیکھکر بے اختیار خیال سنه ۱۹۲۵ - کي طرف منتقل هوگیا - سنه ۲۵ - اور سنه ۲۷ - میں صرف دو برس کي مدت حائل هے ' لیکن ان دو برسوں کے اندر ملک کي سیاسي و قومي زندگي میں کیسي کیسي عظیم تبدیلیاں هوگئیں ؟ سنه ۲۵ - اگرچه سنه ۲۰ - اور سنه ۲۱ - نه تھا - مگر پھر بھي سنه ۲۵ - تھا - ۲۶ - اور ۲۷ - نه تھا - کاش سنه ۲۷ - میں هم سنه ۲۵ - کي زندگي هي واپس لا سکیں !

اس تقریب سے مسٹر سي - آر - داس کي شخصیت بھي سامنے آگئي - في الحقیقت ملک کو اسکي موجوده منزل حیات میں ایسے هي سیاسي رهنماؤں کي ضرورت تھي - دو سال گزر گئے مگر ابتک داس کي جگه ملکي رهنماؤں کي صف میں خالي هے ' اور نهیں معلوم کب تک خالي رهیگي !

جولائي سنه ۲۵ - میں مسٹر داس کي وفات پر ایک تحریر حوالۂ قلم هوئي تھي ' تاکه ایک مقامي انگریزي اخبار کے خاص نمبر میں شائع هو - مناسب معلوم هوا که اس موقعه پر اسے شائع کردیا جاے - جولائي سنه ۲۷ - میں جولائي سنه ۲۵ - کے افکار و خیالات پر یه ایک نظر باز گشت هے !

(تاریــــخ کا انتظار)

فرانس کے مشهور مصنف ویکٹر هیوگو Victor Hugo نے والٹیر Voltaire کي صد ساله یادگار مناتے هوے کہا تھا " زندگي کتني هي شاندار و عظیم هو لیکن تاریخ اپنے فیصله کیلئے همیشه موت کي منتظر رهتي هے " اگر یه سچ هے تو هندوستان کے مورخ کا انتظار ختم هوچکا - دیش بندھو چترنجن داس کي زندگي کي عزت اب تاریخ کے اوراق کیلئے ایک فیصل شده واقعه هے - وہ اپني زندگي میں اپنے لیے جو بات نهیں بتلا سکے تھے ' اپني موت سے دنیا پر آشکارا کرگئے !

هندوستان نے اپني جدید تاریخ میں شاید هي کسي قومي رهنما کي موت پر ایسا عالمگیر ماتم کیا هوگا ' جیسا دیش بندھو کي ناگہاني وفات پر هوا - ۱۹ - جون کو جب اُنکي نعش کلکته کي طولاني سڑکوں پر سے گزري تو اس عظیم الشان شہر نے اپني پوري آبادي استقبال کیلئے صف بسته کردي تھي - ماتمي انسانوں کا ایک صحرا تھا جو ایک کناره سے دوسرے تک پھیلا هوا تھا - غمگین دلوں اور اشکبار آنکھوں کي وه آن گنت تعداد اسکے علاوه هے جو راس کماري سے لیکر کشمیر تک ' هر جگه هندوستان میں دیکھي جا سکتي تھي !

پہلي جولائي کي مغموم اور خاموش سه پہر کے اضافه نے اس ماتم کي تاثیر اور زیاده مکمل کردي - اس دن بر اعظم هند کے گوشے گوشے میں ماتمي مجلسیں منعقد هوئیں جنکي روئداد سے اسوقت تک اخباروں کے صفحے رنگے هوتے هیں -

هندوستان جو بد قسمتي سے زندگي کے هر گوشے میں طرح طرح کے تفرقوں میں بٹ چکا هے ' موت کے اس ماتم میں کس طرح متحد هوگیا تھا ؟ مذهب ' نسل ' جماعت ' کوئي اختلاف بھي یه اتحاد نه روک سکا - سب نے بیک وقت محسوس کیا که هم میں سے ایک بڑي زندگي جدا هوگئي هے - ان میں بہت سے ایسے بھي تھے جو انکي زندگي میں انکي بهروسي نه کرسکے تھے - بہت سے ایسے بھي تھے جنکے قدم همیشه انکے خلاف اٹھا کرتے تھے - تاهم جب وہ مرگئے ' تو ان میں سے کوئي بھي اپنے آپکو انکي عزت سے نه روک سکا - زندگي کیلئے موت کا یہي فیصله هے جسکا تاریخ انتظار کیا کرتي هے !

(موت کا ماتم اور زندگي کے آثار)

هندوستان کے کروڑوں دلوں کا یه متحده احساس هندوستان کي موجوده تاریخ کا ایک اهم واقعه هے - ایسے هي واقعات سے احساس قومیت کے ضعف و قوت اور اس کے نشو و نما کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا هے - اس میں صرف ایک هر دلعزیز انسان کي موت کا غم هي نهیں هے - بلکه کروڑوں دلوں کي زندگي کي جھلک بھي دکھائي دے رهي هے - یه موت کي مایوسي میں زندگي کي امید هے - اس سے معلوم هوتا هے که ملک کي عام زندگي میں غفلت اور افسردگي کتني هي نمایاں هوگئي هو ' لیکن اس کي تہه میں ایک گہري اور حقیقي بیداري جگه پکڑ چکي هے ' اور جیسا که تاریخ کا تجربه شہادت دیتا هے ' بیداري کي یه اندروني روح جب ایک دفعه جگه پکڑلے تو پھر اسے پامال نهیں کیا جاسکتا - وہ اپنے نشو و نما اور تکمیل میں همیشه سے اٹل رهي هے اور همیشه اٹل رهیگي !

(دیش بندھو کي کامیابي کا راز)

لیکن میں اسوقت اتنا دور نهیں جانا چاهتا - میں صرف اس بات پر غور کرنا چاهتا هوں که اس شخصیت نے ایک [illegible] سیاسي رهنما کے جو کامیابي حاصل کي ' اسکا راز کیا هے ؟ هر شخص کو معلوم هے که ان کي ملکي رهنمائي کي عمر کوئي بڑي عمر نهیں هے - ان کي نمایاں قابلیتوں پر اگرچه مدت سے نظریں پڑ رهي تھیں اور سنه ۱۹۱۷ میں وہ اچھي طرح بنگال والوں کي نظر میں نمایاں هوگئے تھے ' تاهم ان کي رهنمائي کا اصلي زمانه تحریک لا تعاون (نوان کوا پریشن) سے شروع هوتا هے - یه زیاده سے زیاده پانچ سال کا زمانه هے - اتنے قلیل عرصه کے اندر هي انهوں نے هندوستان کي تاریخ میں اپني نمایاں جگه بنالي اور تمام ملک نے دعوت تسلیم کرلیے - همیں معلوم کرنا چاهیے که اس غیر معمولي کامیابي میں انکے ان غیر معمولي اوصاف کو زیاده دخل تھا ؟

جس طرح ایک مکمل تصویر بنانے کیلیے کوئي ایک رنگ هي کافي نهیں هوتا - اسي طرح ایک بڑے آدمي کیلیے بھي کوئي ایک قابلیت کافي نهیں هو سکتي - کتنے هي مختلف رنگ چاهئیں جنسے کمال اور بڑائي کي ایک شاندار تصویر کھینچي جا سکتي هے - دیش بندھو میں یه مختلف اوصاف اپني کافي مقدار میں جمع هوگئے تھے - وہ دماغي اور اخلاقي ' دونوں طرح کے وصفوں سے مالدار تھے - انکي ذهانت غیر معمولي تھي - اُنکي زاہت تعجب انگیز حد تک صائب اور بحث و استدلال کي قوت علی درجه

بات کے قائل نہیں تھے کہ انتظار کرو اور سونچو - " جو پتھر راستے میں آجائے اسے فوراً ھٹا دینا چاھیے اور رکنا نہیں چاھیے " یہی آنکے سفر کا دستورالعمل تھا - شکسپیر نے ھملٹ میں انسانی دماغ کی وہ حالت بتلائی ھے جب وہ حیران ھوکر سونچتا ھے " کروں یا نہ کروں ؟ " یہ " کروں یا نہ کروں " اُن میں نہ تھا !

اُنکا دوسرا وصف بھی ایک طرح اسی وصف کے ساتھہ بیان کیا جا سکتا ھے - ھندوستان کی قومیت کی راہ میں سب سے زیادہ مشکل روک ھندو مسلم مسئلہ کی پیچیدگیاں ھیں - حالات ایسے گہرے اور شدید ھیں کہ بسا اوقات ایک بڑا سے بڑا ھندوستانی محب الوطن بھی فرقہ وارانہ تنگ نظری سے اپنے دماغ کی نگہبانی نہیں کر سکتا - بڑی ھی ھمت، عشق وطن اور جنون آزادی کا بڑا ھی طاقتور جذبہ چاھیے جو ھمیں ایسی بلندی پر پہنچادے جہاں تک اِن نچلے جذبات کی رسائی نہو - میں وثوق کے ساتھہ

جن لوگوں کو ھندو مسلم مسئلہ کی حالی مشکلات کا علم ھے، وہ جانتے ھیں کہ معاملہ کس درجہ مشکل اور پیچیدہ ھے ؟ معاملہ کی کوئی جانب اختیار کی جائے، ضروری ھے کہ مشکلوں اور مزاحمتوں کا ایک طوفان عظیم سامنے آ جائے - گزشتہ فروری (سنہ ۱۹۲۴) میں دھلی کی آل پارٹیز کانفرنس نے کامل ایک ھفتہ تک نشست جاری رکھی لیکن بالاخر بلا کسی فیصلہ کے منتشر ھوگئی - ایسا مشکل اور ھمت آزما معاملہ جب دیش بندھو کے سامنے اچانک آ گیا تو انہوں نے کیا کیا ؟ میں پہلی مرتبہ لوگوں کو بتلانا چاھتا ھوں کہ صرف پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کردیا !

یہاں میں نے پانچ منٹ تھوڑے وقت کے معنی میں مجازاً استعمال نہیں کیا ھے - بلکہ سچ مچ گھڑی کے پانچ منٹ مراد ھیں - بنگال لیجس لیٹو کونسل کے انتخاب سنہ ۲۳ - سے جب ھم فارغ ھوے، تو مخالفین نے کانگرس کو ناکام رکھنے کے

کہہ سکتا ھوں کہ چترنجن داس نے ایسی بلندی حاصل کرلی تھی اور وہ کسی حال میں بھی اُس سے اُترنے کیلئے طیار نہ تھے - اِس بارے میں اُنکا دل فراخ اور فیاض تھا - وہ ملک کی آزادی اور نجات کیلئے وہ ساری چیزیں قربان کر دینے کیلئے طیار تھے، جو اس اعلی مقصد سے کمتر درجہ کی ھو سکتی ھیں - صرف یہی روح ھندوستان کا مسئلہ حل کر سکتی ھے - افسوس کے ساتھہ اعتراف کرنا پڑتا ھے کہ یہ مقام اسوقت تک بہت کم ھندوستانی رھنماؤں کو حاصل ھو سکا ھے -

(میثاق بنـــگال)

ھندو مسلم مسئلہ کے سلسلے میں " میثاق بنگال " (بنگال پیکٹ) ان کی زندگی کا مشہور واقعہ ھے - اس پر موافق مخالف، دونوں طرح کی رائیوں کا نہایت پر جوش مظاھرہ ھوچکا ھے - لیکن اسوقت تک بہت کم لوگوں کو معلوم ھوگا کہ یہ میثاق وجود میں کیونکر آیا تھا ؟

لئے ھر طرح کے ھتیار آزمانا شروع کردیے - ان میں سب سے زیادہ موثر اور آزمودہ ھتیار فرقہ وارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑ دینا تھا - اُس وقت کونسل کے اندر اور باھر، دونوں جگہ جماعت کی کامیابی بہت کچھہ اسپر موقوف تھی کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار کرتے ھیں ؟ جیسا کہ معلوم ھے، مسلمان دو جماعتوں میں منقسم تھے : ایک جماعت کانگرس کے ساتھہ تھی - ایک باھر - کانگرس کی کوشش تھی کہ تمام مسلمان کانگرس کا ساتھہ دیں - مخالفین کوشش کر رھے تھے کہ ھندو مسلم مسئلہ چھیڑ کر انہیں اس سے باز رکھا جائے - اس اثناء میں وہ ایک عجیب چال چلے - انہوں نے ممبران کونسل سے کہا کہ اگر کانگرس پارٹی میں شامل ھی ھونا چاھتے ھو تو کم از کم اس کا فیصلہ کرلو کہ مزید سیاسی حقوق ملنے پر مسلمانوں کی نمائندگی کا کیا حال ھوگا ؟ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ اُن کا خیال تھا، مسلمانوں کی جانب سے جو مطالبات پیش ھونگے، اُنھیں کانگرس

۱۹ - جون سنہ ۱۹۲۵ - کو کلکتہ کی تمام آبادی سڑکوں پر جمع ہوگئی تھی تاکہ مسٹر داس کی نعش کا استقبال کرے۔
لیکن اپریل سنہ ۲۶ - میں بھی آبادی سڑکوں پر دوبارہ جمع ہوگئی تاکہ ایک
دوسرے کا سر پھوڑے۔

پارٹي منظور نہ کر سکے گي- نتیجہ یہ نکلیگا کہ مسلمان مایوس ہوکر الگ ہو جائینگے ' اور مسلمانوں کي علحدگي کے بعد کانگرس پارٹي نہ تو کونسل کے اندر کچھہ کر سکیگي - نہ باہر مضبوط ہو سکیگي -

چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کي ایک فہرست ایک بڑے سرکاري افسر کے یہاں طیار کي گئي - اچانک ایک دن صبح مجھے معلوم ہوا کہ آج مطالبات پیش کیے جائینگے - میں نے اُسي وقت مسٹر داس سے بذریعہ ٹیلي فون گفتگو کي- میں نے دریافت کیا کہ

دوسرا خطرہ پیدا ہوگیا - یعنے مخالفت کا وہ طوفان عظیم جو اس کے خلاف شروع ہوا - لیکن اسکے فرو کرنے کیلئے بھي ہم اس وقت کافي طاقتور تھے -

(کارپوریشن کي میرشپ)

شاید کلکتہ سے باہر بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگي کہ جب کارپوریشن کلکتہ کے پچھلے انتخابات میں کانگرس کو کامیابي ہوئي ' اور کارپوریشن کے پہلے میر کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا '

دارجلنگ میں جنازہ کا کلکتہ کي طرف کوچ

اگر یہ مطالبات پیش ہوے تو آپکا طرز عمل کیا ہوگا ؟ انہوں نے بلا کسي تامل کے جواب دیا " میں فوراً منظور کر لونگا - کوئي وجہ نہیں کہ ایک معقول مطالبہ منظور نہ کیا جاے اگرچہ بے موقعہ پیش ہوا ہو" - یقیناً انہوں نے یہ فیصلہ پانچ منٹ سے بھي کم میں کردیا تھا !

اس طرح ایک سخت خطرہ سے فوراً نجات ملگئي - البتہ ایک

تو مسٹر داس بالکل طیار نہ تھے کہ خود میر منتخب ہوں - پہلي مرتبہ جب اس بارے میں مجھہ میں اور اُن میں مشورہ ہوا تو انہوں نے زور دے کر کہا " میں چاهتا ہوں پہلا میر ایک مسلمان ہو - یہ اُس روح کا عملي ثبوت ہوگا جو کانگرس پارٹي نے مسلمانوں کي نسبت ظاہر کي ہے - اور چونکہ بجز تمہارے اور کوئي مسلمان ایسا موجود نہیں جسے ہم سب بالاتفاق منتخب کرلیں' اسلیے تم اسکے لیے

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلہم؟
(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

مغرب اقصیٰ اور اندلس پر ایک نظر اعتبار!

ایک مصری سیاح کے تاثرات

الجزائر

۹۰ سال سے الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہے۔ فرانسیسیوں کی چستی و چالاکی، ذہانت و ذوق مشہور ہے۔ الجزائر اس کی بہترین نمائش گاہ ہے۔ ملک کا اکثر حصہ، جنت کا نمونہ بن گیا ہے۔ اسمٰعیل پاشا خدیو نے مصر کے لئے دعا کی تھی کہ "افریقہ کا یہ خطہ یورپ بن جائے" خدا نے الجزائر میں اُن کی دعا قبول کرلی! محال ہے کہ کوئی سیاح اسے نیم متمدن افریقہ سمجھے۔ اب یہ یورپ کا ایک ٹکڑا اور بہترین ٹکڑا ہے، فرانس کا ٹکڑا ہے، بلکہ فرانس کا سب سے بہتر ٹکڑا — پیرس ہے!

الجزائر "پیرس" بن گیا ہے۔ یعنی الجزائر کی سرزمین لیکن اس سرزمین کے باشندوں کا کیا حال ہے؟ کیا انھیں بھی "پیرس" کے باشندوں کی زندگی حاصل ہے؟ افسوس اس زمین "بہشت" بن گئی ہے مگر اس کے بدنصیب باشندوں کے لئے غلامی اور غلامی کی زندگی کے "جہنم" کے سوا کچھ نہیں ہے! وہ نہ تو "الجزائری" رہے اور نہ "فرانسیسی" بن سکے۔ فرانسیسی تمدن اس سرزمین پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور وہاں کے اصلی باشندے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں گویا نئی تہذیب انہیں دھکیل رہی ہے، اور ملک کے اُن گوشوں کے اندر قید کر رہی ہے جو علم و تمدن کی روشنی سے محروم ہیں۔

الجزائر کے بڑے شہروں میں دیسی باشندوں کا کوئی گھر نظر نہیں آتا، بازاروں میں ان کی کوئی بڑی دوکان نہیں چاہے خانہ سیرگاہوں، درجہ اول کی گاڑیوں میں کبھی الجزائری نظر نہیں آئے گا۔ گویا پورا ملک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہو گیا ہے بڑی تلاش کے بعد شہروں میں دو چار حقیر اور میلے کچیلے محلے ملتے ہیں۔ الجزائری انھیں محلوں میں قید ہیں۔ یورپین محلوں اور بازاروں میں اگر آتے بھی ہیں تو بھیک مانگنے، مزدوری کرنے، گاڑیاں چلانے وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون!

الجزائر میں الجزائریوں کی تعداد برابر کم ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی بڑھ رہے ہیں۔ اُن کا ٹڈی دل یورپ سے چلا آ رہا ہے اور الجزائری جوق جوق پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں حتیٰ کہ اسوقت ان کی آبادی چھ میں ایک رہ گئی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کی تعداد اور بھی کم ہے۔ پائے تخت میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونگے!

اگر تاریخ کا افسانہ صحیح ہے اور قومیں اُسی طرح فنا ہو جاتی ہیں جس طرح افراد اور حیوانات و نباتات، تو تاریخ کو اپنے دامن میں ایک نئے افسانۂ زوال کے لئے گنجائش نکال لینی چاہیے۔ عنقریب ایک بڑی قوم صفحۂ روزگار سے حرف غلط کی طرح مٹ جانیوالی ہے۔ یہ قوم الجزائر کی سرزمین پر پڑی سسک رہی ہے زیادہ سے زیادہ سو برس اُسے دم توڑنے میں اور لگیں گے۔ کون کہتا ہے جہل و غفلت کے ہاتھ پاؤں نہیں؟ جسے دیکھنا ہو الجزائر میں آئے۔ یہاں جہل کے ہاتھ ایک قوم کا گلا گھونٹ رہے ہیں، اور غفلت اپنے پیروں سے اُسے کچل رہی ہے!

مراکش

مراکش اور الجزائر میں بہت فرق ہے۔ زمین میں بھی اختلاف ہے۔ باشندوں کے طبائع و خصوصیات میں بھی اختلاف ہے۔ مراکش زیادہ سرسبز اور خوبصورت ہے۔ مراکش، اسپین سے بہت مشابہ ہے۔ وہ دراصل اسپین ہی ہے صرف سمندر کی گردن نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ مراکش اور اسپین کے باشندوں میں بھی بہت مشابہت ہے۔ ایک ہی خاندان کی دو شاخیں معلوم ہوتے ہیں!

اہل مراکش کی معاشرتی زندگی اور قدیم تاریخ، دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں یہ قوم بہت بڑے تمدن کی مالک تھی، مشرق اور مغرب کے مابین درمیانی کڑی تھی۔ آسمان تمدن پر ایک روشن سورج تھی اور چار دانگ عالم کو روشن کر رہی تھی۔ لیکن جس قدر اس کی ترقی کی رفتار تیز رہی تھی، اُسی قدر اس کا زوال بھی سریع السیر رہا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اسپر قبل از وقت بڑھاپا آگیا مراکشیوں کی موجودہ معاشرتی زندگی کی ایک عجیب خصوصیت اُنکے ہر طبقہ اور ہر درجہ کی یکساں معنویت ہے۔ ایسی معنویت جو ایک ادارۂ و تمدن رفتہ کی خبر دیتی ہے۔ سب پرانے بادشاہوں کا سا دراز اور طویل الذیل لباس پہنتے ہیں۔ سب کے چہروں پر بادشاہوں کی سی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے۔ ہر مراکشی اپنی داڑھی اور وضع قطع میں ایک پیر مرشد اور ثقہ عالم معلوم ہوتا ہے۔ سکون سکوت، آہستگی، سنجیدگی، ہر حال میں ملحوظ رہیگی۔ ہاتھ ہلائینگے تو رُک رُک کر، سر گھمائیں گے تو سوچ سوچ کر، بولیں گے تو ٹھہر ٹھہر کر، چلیں گے تو متانت و تمکنت سے دامن لباس سنبھالتے ہوئے! میرے خیال میں یہ لباس عیش پسند بادشاہوں کا تھا لیکن پوری قوم عیش پسند ہو گئی اور سب نے بادشاہوں کا لباس پہن لیا!

ممکن ہے کہ آج کے مراکشی نے اسپین فتح کیا ہو اور آدھا فرانس تہ و بالا کر ڈالا ہو۔ نازک جوتیاں پہننے والا پہاڑوں پر کیسے دوڑ سکتا ہے؟ لمبے لمبے جبے، بھاری بھاری عمامے، انسان کو کب چستی و چالاکی بننے دے سکتے ہیں؟ لیکن نہیں وہ بھی مراکشی تھے۔ اسوقت مراکش جوان تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہے!

مراکشیوں اور جزائریوں میں فرق

اہل مراکش کے چہروں پر مجھے وہ نیکی دکھائی دی جو اہل جزائر کے چہروں پر موجود نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ محض ظاہری فرق ہے یا حقیقی ہے؟ مراکشی داڑھیوں کی پرورش کرتے ہیں۔ خدا انکے گھنے بالوں میں برکت دے! برخلاف انکے جزائری کلوں کی صفائی کرتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔ خدا انھیں طول و عرض میں پھیلائے! مراکشی کتنے ہی غیظ و غضب کا اظہار کرے مگر بغض و کینے سے اُس کا دل خالی ہے، وہ واقعی نیک اور پاک دل ہوتا ہے۔

مراکشی کی ساکن نظریں اُس کے باطنی سکون کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن اس سکون کے ساتھ غفلت بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے اور بسا اوقات حماقت تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اُن میں یہ غفلت و حماقت کہاں سے آئی؟ حالانکہ وہ شراب اور ہر قسم کے نشوں سے قطعی طور پر دُور ہیں۔ اگر واقعی ان میں غفلت و حماقت موجود ہے تو یہ اُس عیش و راحت کا نتیجہ ہو گی جس میں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں۔

میرے خیال میں مراکشی غفلت و حماقت کے اس قدر شکار نہیں ہوئے ہیں جس قدر مصائب نے اُنکے حواس گم کر دیئے ہیں ہر طرف سے اُن کے وطن پر اغیار کی یورش ہے۔ وہ بے بس ہو گئے ہیں۔ چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ اس حالت نے اُنھیں مدہوش بنا دیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں مدہوش نہیں ہیں: وتری الناس سُکاریٰ، وما ہم بسکاریٰ، ولکن عذاب اللہ شدید!

برخلاف اِن کے جزائری کی نظریں تیز اور ولولوں سے لبریز ہیں۔ لیکن کمزوری اُنھیں نیچا کئے دیتی ہے۔ اُن کی نظروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا بیمار شیر ہیں، اور زنجیروں میں کسے ہوئے ہیں۔ اُن میں زندہ دلی بھی ہے، اور اتنی ہے کہ اگر میدان خالی پائے تو خطرناک صورت اختیار کرلے!

اہل مراکش کی عربیت میرے لئے بہت مشکل تھی۔ برخلاف اس کے الجزائر کی زبان مصر و شام کی عربی سے زیادہ قریب ہے البتہ الجزائر کی زبان میں یہ خرابی بہت نمایاں ہو گئی ہے کہ انھوں نے بکثرت فرانسیسی لفظ داخل کر لئے ہیں فصیح عربی وہاں تقریباً مفقود ہوتی جاتی ہے۔

اندلس

اندلس (اسپین) اسلام و عرب کی آٹھ صدیوں کا افسانہ بہت مفصل ہے۔ لاکھ مختصر کیا جائے مگر اُس کا نقشہ کھینچا نہیں

طیار ہو جاؤ " اسوقت تک الڈرمین کا انتخاب بھي نہیں ہوا تھا - انہوں نے پانچ الڈرمین میں ایک نام میرا اسي غرض سے رکھا تھا تاکہ مجھے میر منتخب کیا جاسکے -

لیکن میں نے نہایت اصرار کے ساتھہ اس سے اختلاف کیا - میں نے کہا - جہانتک میري ذات خاص کا تعلق ہے میں نہ تو اب اور نہ کبھي آئندہ اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے مستعد کرسکتا ہوں - میري زندگي کي رفتار ابتدا سے دوسري ہے - وہ کسي طرح ان مناصب کے ساتھہ جمع نہیں ہوسکتي - باقي رہا کسي مسلمان کا میر ہونا' تو بلا شبہ مسلمانوں کو پوري کشادہ دلي کے ساتھہ موقعہ دینا چاہیے - لیکن اسوقت ہر اعتبار سے ضروري ہے کہ آپ ہي میر منتخب کیے جائیں - خود مسلمانوں کي بھي خواہش یہي ہے -

(میرا اُن کا باهمي تعلق)

میں چند الفاظ اپنے اور اُن کے باهمي تعلقات کي نسبت کہے بغیر نہیں رہ سکتا - اُن کي برادرانہ محبت کي یاد میرے دل کا ایک نا قابل اندمال زخم ہے - ہمارا ایک دوسرے سے تعارف سوسائٹي میں نہیں ہوا - نہ ہم میں اور کسي طرح کا ذاتي تعلق تھا - محض قومي خدمت کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے روشناس ہوے - لیکن طبیعتوں کي مناسبت نے بہت جلد دلي علاقہ کي صورت اختیار کرلي - حتی کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ دو بھائیوں کي طرح ایک دوسرے سے منسلک ہوچکے ہیں -

سنہ ۱۹۱۷ - سے پہلے ان کي شہرت زیادہ تر بہ حیثیت ایک کامیاب بیرسٹر کے تھي - اسي سنہ میں وہ پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں ہوئے - میں اسوقت نظر بند ہوچکا تھا اور رانچي میں مقیم تھا - اخبارات میں ان کي سرگرمیوں کا حال پڑھتا رہا - جنوري سنہ ۲۰ میں جب رہا ہوکر واپس آیا' تو پہلي مرتبہ اُن سے شناسائي ہوئي - ایک دعوت میں جو مجھے دي گئي تھي' وہ بھي شریک تھے - لیکن یہ شناسائي محض سرسري تھي - اس کے بعد ہي "نان کواپریشن" کي تحریک کا ابتدائي زمانہ شروع ہوگیا اور اگست میں کانگریس کا خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس موقعہ پر وہ اس نظام عمل سے متفق نہ ہوسکے - سال کے آخر تک مخالف رہے - اور اس لئے یہ زمانہ ہم دونوں نے باهمي مخالفت میں بسر کیا - وہ ناگپور کانگریس کے لئے مخالفانہ طیاریاں کر رہے تھے - میري کوششیں موافقانہ تھیں -

ناگپور کانگریس میں وہ اس لائحہ عمل سے متفق ہوگئے' اور پھر ہم دونوں از سر نو ملے تاکہ بنگال کے کاموں کي نسبت مشورہ کریں - في الحقیقت اسي زمانہ سے میرے اُن کے تعلقات کا اصلي زمانہ شروع ہوتا ہے - اس تاریخ سے لیکر اُن کے انتقال تک میرا اُن کا شب و روز ساتھہ رہا - روز بروز باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے - انہیں مجھہ پر اعتماد تھا - اور میرے دل پر ان کي خوبیاں نقش تھیں -

باهمي علائق کا یہ زمانہ کچھہ عجیب گونا گوں حالت میں بسر ہوا - اس میں دسمبر سنہ ۲۱ - کا وہ یادگار وقت بھي شامل ہے جب سب سے پہلے بنگال میں "سول ڈس اوبیڈینس" کا قدم اٹھایا گیا اور دو هفتہ کے اندر اس نے حکومت کو مجبور کردیا کہ سختي و مقابلہ کي جگہ صلح و آشتي کا ہاتھہ بڑھائے - اس زمانہ میں ہم رات کے دو بجے تک اکٹھے بیٹھتے' اور دوسرے دن کا پروگرام تجویز کرتے - ۹ دسمبر سنہ ۲۱ - کو ہمیں معلوم ہوگیا کہ اب ہماري گرفتاري میں تاخیر نہیں کي جائیگي - اُس دن رات کے گیارہ بجے مسٹر کیرن شنکر رائے کے مکان پر ہمارا آخري اجتماع ہوا' اور دوسرے دن سہ پہر کو بہ یک وقت گرفتار کرلیے گئے - قید خانہ میں بھي ہماري یک جائي قائم رہي - البتہ اُنہیں چھہ ماہ کي سزا دي گئي تھي - مجھے ایک سال کي - اس لیے وہ مجھہ سے چھہ ماہ پہلے رہا ہوگئے -

۲ - جنوري سنہ ۲۳ - کو جب میں رہا ہوا' تو کانگریس دو جماعتوں میں بٹ چکي تھي - اور نئي سواراجیہ پارٹي کے لیڈر مسٹر داس تھے - دونوں جماعتیں مجھے اپني طرف کھینچ رہي تھیں لیکن میں کسي میں بھي شریک نہیں ہوا' اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کر دیا کہ کسي طرح یہ اختلاف دور ہوجائے - یا کم از کم ایسي شکل اختیار کرلے کہ کانگریس کي مجموعي طاقت باهمي جنگ و جدال میں ضائع نہ جائے - چونکہ دونوں طرف جماعت بندي کے شدید جذبات کام کر رہے تھے' اور متحدہ نقطۂ عمل اپني جگہہ سے ہٹ چکا تھا' اسلئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں - بالآخر کامل آٹھہ ماہ کي جد و جہد کے بعد مجھے اپني کوشش میں کامیابي ہوئي اور دهلي کے خاص اجلاس کانگریس میں ایک متفقہ فیصلہ ہوگیا -

اس کوشش کے اثنا میں مسٹر داس کا جو طرز عمل ظاہر و باطن رہا' اسنے میرے دل پر انکي غیر معمولي صفات کا اثر اور زیادہ گہرائي کے ساتھہ نقش کردیا - میں اس کام میں بہ حیثیت ایک صلح جو (پیس میکر) کے مجبور تھا کہ حسب ضرورت دونوں طرف رد و کد کروں' اور کبھي ایک جماعت کو دباؤں - کبھي دوسري کو - بارہا ہم میں نہایت تیز اور سخت بحثیں بھي ہوئیں - مجھے جس طرح "نو چینجرز" کے جمود و تقلید سے اختلاف تھا - اسي طرح "پرو چینجرز" کي بے قیدي سے بھي متفق نہ تھا - با ایں همہ ان تمام حالات کے اندر بھي جو حقیقت برابر مجھہ پر کھلتي گئي' وہ بہ حیثیت ایک سیاسي قائد اور مدبر کے مسٹر داس کي شخصیت تھي -

جہانتک ہندو مسلم مسئلہ کا تعلق ہے' میرا انکا معاملہ کچھہ عجیب طرح کا تھا - میں ڈرتا ہوں کہ ملک کي موجودہ آب و ہوا میں بہت کم لوگ اسے ٹھیک طور پر سمجھہ سکینگے - ہم جب کبھي اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے' تو بلا مبالغہ ہمیں ایک ادنی احساس بھي کسي طرح کي تفریق کا نہیں ہوتا تھا - بارہا وہ کسي معاملہ میں ہندوں کي کسي جماعت کے نقطۂ خیال کے خلاف رائے دیتے - اور میں مسلمانوں کے کسي گروہ کي رائے سے متفق نہ ہوسکتا - میرے دل میں کبھي یہ گمان بھي نہیں گزرتا کہ ان میں میرے ہم مذهبوں کے خلاف کوئي فرقہ وارانہ جذبہ ہے - اسي طرح وہ بھي کبھي اس کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ میري حق پسندي فرقہ وارانہ خود غرضي سے آلودہ ہو سکتي ہے - وہ تمام معاملات جو آج ملک میں فرقہ وارانہ نزاعات کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں' ہمارے سامنے آتے تھے' اور ہم اس آساني کے ساتھہ فیصلہ کرلیتے تھے کہ ہم دونوں کے علاوہ کسي تیسرے کو کانوں کان خبر بھي نہیں ہوتي تھي - بارہا ہم نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا کہ کیا تمام ملک کے اندر دس بیس انسان بھي ایسے پیدا نہیں ہو سکتے جو اسي طرح انصاف اور حق پسندي کے ساتھہ ہر معاملہ پر نظر ڈالیں ؟

بے خبر نہ تھا۔ عاشورہ کی مجلس کا خاتمہ ابھی نازنینوں کے ہاتھوں پر ہوا کرتا تھا۔ انکے چہرے کھلے ہوئے نہ تھے لیکن حسن سے تر آنکھوں سے شوخی ٹپک رہی تھی، اداہیں مستانہ۔ اور ہاتھوں میں جام اور بلوری صراحیاں، آ موجود ہوئیں۔ دَور چلنے لگا۔ کس چیز کا دَور؟ پانی کا؟ نہیں۔ شربت کا؟ نہیں۔ مے کا!! درویشوں کی اصطلاح میں "شراب طہورہ" کا! محرم کی مجلس! حسین علیہ السلام کا ماتم! اور ساغر و پیمانہ! یہ ساقی! یہ سال بھر کے بھوکے خانقاہ نشین درویش!

ساقی نے تین پھیرے کئے۔ یاران قدح نوش پرستی طاری کچھ عجب "سرور" کا عالم ہوا۔ ہر پہلو میں ایک ایک ساقی نے جگہ لے لی۔ پھر نغمۂ معرفت" شروع ہوا۔ تمام حاضرین نے وجد کے ساتھ گانا شروع کیا۔ صرف ایک میں اپنی خشک طبعی کی وجہ سے اس "سعادت" سے محروم رہا تھا۔

اس "نغمۂ معرفت" کے چند بند ملاحظہ ہوں:

"کاف اور نون "(کن) کے خطاب سے بھی پہلے ہم موجود تھے۔ قبل اس کے کہ کسی کو دیدار ربانی حاصل ہو، ہم رب سے "قاب قوسین او ادنیٰ" تھے!"

"آدم سے پہلے، حوا سے پہلے ہم حق تھے اور حق کے ساتھ "بستر مبہم" میں ہم آغوش تھے!"

"ہم ایک رات مریم بتول کے ساتھ لیٹے (معاذ اللہ) ہم ہی عیسیٰ مسیح کے باپ تھے!" (معاذ اللہ)

"ہمیں کو موسیٰ کلیم نے پکارا تھا "رب ارنی" (خدایا مجھے اپنا جلوہ دکھا)

"ہمیں نے موسیٰ کو جواب دیا تھا "لن ترانی" (تو مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتا)

"ہم ہی طور سینا پر جلوہ گر ہوئے تھے!......"

جب رات زیادہ گئی۔ درویش اور نازنین حجروں کی طرف مڑے تو میں اپنے رفیق کے ساتھ دن بھر کی پیاس سے قریب موت، بیٹا سے نیچے اُتر رہا تھا۔

حکومت نے اب "غم ماتم" کی یہ مجلسیں موقوف کردی ہیں۔ استنبول کے عیاش، سابق خانقاہ نشین درویش، اُنکے غم میں رو رہیں گے۔

موجودہ ترکی حکومت کی اصلاحات الحاد و بے دینی سے تعبیر کی جاتی ہیں کہ اُسنے اس طرح کے تمام "مذہبی" اور "مقدس" اعمال و رسوم بند کردیئے ہیں۔ لیکن کیا آپکے قارئین کرام میں سے کوئی بزرگ مجھے بتلائیں گے کہ اسلام کے نقطۂ خیال سے اس طرح کی رسوم کیا حکم رکھتی تھیں؟ اور ان کا انسداد "الحاد" اور "بے دینی" ہے یا امر بالمعروف" اور نہی عن المنکر" کا قیام ہے؟

امیر البحر بریسٹل اور ترکی انقلاب

امیر البحر برسٹل، ٹرکی میں امریکہ کے سیاسی نمائندے ہیں اس ہفتہ انھوں نے ترکی انقلاب کے متعلق اپنے خیالات یہاں کے اخبارات میں شایع کئے ہیں۔ اُنکے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"مشرق قریب میں میری زندگی کے یہ ۸ برس میری پوری پچھلی زندگی کے اہم ترین سال ہیں۔ میں نے اس مدت میں بے شمار عقلی و ذہنی فوائد حاصل کئے۔ میں نے ایک قوم کی موت اور اُس کی دوبارہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی!

"ٹرکی کا موجودہ انقلاب، درحقیقت تاریخ جدید کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ انقلاب اچانک نہیں ہوگیا جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ یہ سالہا سال سے اندر ہی اندر اپنی منزلیں طے کر رہا تھا، یہاں تک کہ شتاب موقعہ پر نمایاں ہوگیا۔ بلاشبہ انقلاب بہت جلد ہوگیا۔ لیکن اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے ٹرکی کو عین وقت پر ایسے اولوالعزم، مدبر، بہادر اور قابل رہنما مل گئے، جو بجا طور پر تاریخ کی عظیم ترین شخصیتوں کے ساتھ شمار کئے جاسکتے ہیں۔ ان ترکی رہنماؤں نے اپنی ان تھک کوششوں اور حیرت انگیز جوش سے ایک نہایت قلیل مدت کے اندر وہ نتائج حاصل کرلئے جنکے لئے قوموں کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے!

"کوئی شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ ٹرکی کی آخری جنگ، وطنی حکومت کا قیام، پھر سابق حکومت کی برطرفی اور جمہوریت کی تاسیس، ایسے عظیم الشان واقعات ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے، اور اُنکے ساتھ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور اُنکے رفقاء کے نام بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے!

سنہ ۱۹۱۹ء میں جب میں یہاں پہونچا، تو قریب تھا، یہ ملک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے۔ لیکن آج کیا حال ہے؟ آج ٹرکی صحیح معنوں میں خود مختار، طاقتور اور نو ملک ہے۔ ایک امید افزا مستقبل اُس کے سامنے ہے۔ میں بغیر کسی جھجک کے اعلان کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھے ٹرکی کی جنگ آزادی کا خیال آتا ہے، میرا سر شرافت اور بہادر قوم کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے!

"تلوار کا جہاد ختم ہوچکا۔ اب تجارتی و اقتصادی جہاد شروع ہوا ہے۔ یہ جہاد پہلے جہاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور عظیم قربانیاں طلب کرتا ہے۔ اس میدان میں بھی ترک پوری طرح ساعی ہیں، لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک انھیں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ملک کی ناتجربہ کاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوششیں جاری رہیں تو ترک یہ میدان بھی سر کرلینگے۔ نئی ریلوں کا جاری ہونا، نئی بندرگاہوں کا کھلنا، نئی سڑکوں کی تعمیر، زراعت کی ترقی، تعلیم کا عموم، حفظان صحت کا اہتمام اور اقتصادی معاملات سے عام دلچسپی، یہ ساری باتیں ایک نہایت روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہیں!

"عدل و انصاف اور امن امان کا دَور دورہ اور ماہرین فن مالیات و اقتصادیات کی کثرت ہمیں بہت کچھ امیدیں دلا رہی ہے۔ پھر ٹرکی کا صلح جویانہ مسلک، اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات جنگی قوت کے عاجلانہ استعمال سے پرہیز، ایسی باتیں ہیں جو دنیا بھر میں ٹرکی کو معزز بنا رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرکی، بدامنی اور فساد کے اس منبع (مشرق قریب) کی ہمیشہ یوں ہی نگرانی کرتا رہیگا اور اُسے کبھی پھٹنے نہیں دیگا"۔

"میں خیال کرتا ہوں کہ اب امریکہ، ٹرکی کو پہلے سے زیادہ جاننے پہچاننے لگا ہے۔ اہل امریکہ عملی لوگ ہیں، اور ہمیشہ صرف نتائج ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ قدیم ٹرکی کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ حکومت نے موجودہ مساوات کو ہمیشہ کے لئے قائم کردکھایا (جیسا کہ مجھے امید ہے کہ وہ کردکھائیگی) تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ میں بہت جلد عزت و عظمت حاصل نہ کرلے"۔

انگورہ - قیصریہ ریلوے

گزشتہ ہفتہ "انگورہ، قیصریہ" ریلوے ..... لائن کا افتتاح ہوگیا۔ یہ ریلوے مختلف حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے تو یہ ٹرکی کے لئے بمنزلۂ روح ہے۔ جنگ آزادی کے زمانے میں ترکوں نے یہ حقیقت معلوم کرلی تھی۔ دشمن انگورہ کے دروازوں پر کھڑا دستک دے رہا تھا اور ترکی فوجیں دُور دراز علاقوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ اندرون ملک میں کافی ریلوے لائنیں نہ تھیں۔ پہلے انگورہ سے قیصریہ تک گھوڑوں اور گاڑیوں پر چھ اور نو دن لگتے تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لئے اس سے بھی زیادہ مدت صرف ہوتی تھی۔ اب ریل بنجانے کے بعد یہ پوری مسافت صرف چند گھنٹوں کی مسافت ہوا۔

تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ریلوے بہت مفید ہوگی۔ اندرون ملک کی پیداوار بہ آسانی ہر جگہ منتقل کی جاسکے گی اور ضروری اشیاء بہ آسانی وہاں پہنچ جایا کرے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ریلوے نے ترکی عزم و ہمت کا ناقابل رد ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ یہ ریلوے صرف ترکی علم اور ترکی محنت سے طیار ہوئی ہے۔ باہر کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ جب ترکی پارلیمنٹ نے اس کی اسکیم منظور کی تھی تو یورپ کے سرمایہ دار ہنستے تھے۔ وہ کہتے تھے ترک یہ کام تن تنہا انجام نہیں دے سکیں گے۔ لیکن ترکوں نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ انجام دے دیا اور یورپ کی زبانیں حیرت سے بند ہوگئیں۔

یہی سبب ہے کہ اس کے افتتاح پر تمام ملک نے مسرت کا عام مظاہرہ کیا۔ افتتاحی جلسہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس جلسہ میں عصمت پاشا وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"قیصریہ کے باشندے ۴۰ سال سے کوشاں تھے کہ کسی طرح اُنکے زرخیز علاقے میں ریل جاری ہوجائے۔ مگر پچھلی حکومتوں کو اس کی توفیق نہ ملی۔ موجودہ جمہوریت نے ملکی آزادی کی طرف سے اطمینان حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام اپنے سامنے یہی رکھا تھا جسکی تکمیل آج ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم نے اپنے داخلی پروگرام پر عمل کرنا چاہا اور ریلوے لائنوں کی تعمیر کا ارادہ کیا، تو ہر طرف سے صدائیں اُٹھیں "یہ ناممکن ہے" ہم نے کہا "ناممکن کیسے ہے؟ ہر باشندے کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی خوشحالی کے لئے کوشاں ہو۔ فرض بھی کبھی ناممکن ہوا کرتا ہے؟" ہم اپنی قدرت و قابلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر دوسرے حلقوں سے ہماری بے چارگی اور بے قدرتی کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن آج کسی کو ہمیں ناقابل کہنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ یہ ریلوے درحقیقت ہماری ایک داخلی اور خارجی فتح ہے۔ لیکن جس طرح ہماری جنگی فتوحات نے ہمیں مغرور اور غافل نہیں کیا تھا، اسی طرح یہ فتح بھی ہماری ہمتوں کو اور آگے بڑھائے گی۔ یہ ریلوے محض ایک ابتدا ہے۔ کئی اور اہم لائنیں طیار ہورہی ہیں بہت سی عنقریب شروع کی جانے والی ہیں۔ ہم جلد تمام ملک میں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی خطوط کا جال بچھا دینگے"

روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی!

ادھر کئی مہینہ سے انگلستان اور روس کے تعلقات کی کشیدگی نے خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ ابھی تک جنگ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ لیکن اگر جلد تصفیہ نہ ہوا تو مستقبل قریب میں جنگ یقینی ہے۔ اگر یہ جنگ ہوئی تو اُس میں ٹرکی کی کیا حیثیت ہوگی؟

یہ سوال ہے جو اسوقت انگلستان، روس، اور خود ٹرکی میں ہر جگہ پوچھا جارہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس جنگ میں ٹرکی کو اپنے جغرافی محل وقوع کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگی۔ طرفین کوشاں ہیں کہ اُسے اپنے ساتھ ملالیں۔ مگر جہاں تک ترکی کی عام رائے کا تعلق ہے، روس کی طرف رجحان عام ہے۔ ترکی اخبارات روس کی حمایت میں مضامین شایع کررہے ہیں اور کہتے ہیں روس نے ٹرکی کی اُسوقت مدد کی تھی، جب انگلستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر اُسے نیست و نابود کردینے کی

جاسکتا۔ اسپین کے چپہ چپہ میں عبرتیں ہیں۔ مقدس زمانے کی یادگاریں بھی اس سے پہلے کی، اور اس کے بعد کی یادگاریں ہیں۔ لیکن متمدن تعلیم کے سافر سیاں عربی یادگاروں ہی کی قدر کرتے ہیں، اور انہی کے مشاہدے کے لئے تمام دنیا سے شد رحال کر کے آتے ہیں۔

اندلس میں ابتک بہ کثرت عربی آثار باقی ہیں اگرچہ متعصب جاہل اسپینیوں نے اُن کے مٹانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی انھوں نے عرب اور عربوں کو انہے دینی جوش کے ساتھ برباد کیا عربوں کا سمندر تک پیچھا کیا، اور اب خود عربی ممالک میں ان کا قلع قمع کر رہے ہیں!

اسپینیوں نے عربی یادگاریں محو کرنے کی پوری کوشش کی مگر چند یادگاریں اتنی سخت جان تھیں کہ ابتک موجود ہیں۔ پتھر اور چونے کی یادگاروں کے علاوہ بہت سی معنوی یادگاریں بھی ایسی قائم ہیں کہ انھیں کوئی انسانی قوت مٹا نہیں سکتی۔ اسپینی زبان، بے شمار عربی الفاظ سے لبریز ہے۔ ان الفاظ کا نکال دینا ناممکن ہے۔ انکے نکال دینے کے بعد اسپینی زبان، زبان ہی نہیں رہے گی۔ پھر اسپین میں کتنے بے شمار چہرے ہیں، جو پکار پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم عربی ہیں! پیشانی کی ساخت، ناک کی قطع، بالوں کی سیاہی، نرمی، اور پیچ و خم، سب عربی ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جو عربی سیاح کی آنکھوں سے لپک کر معانقہ کرتی ہیں اور زبان حال سے پکارتی ہیں:

وانا نری اقدامنافی نعالہم وانفنا بین اللحی والحواجبا!

پھر اسپین کی پوری سرزمین، اور اُس سرزمین کا ذرہ ذرہ عرب شہیدوں کے خون سے ترہے! اسپینی لاکھ کوشش کریں، اپنی سرزمین سے شہیدوں کا خون جلا وطن نہیں کر سکتے!

اسپین میں ابتک عربوں کے محلے موجود ہیں اگرچہ عرب اُن میں آباد نہیں ہیں۔ مکیں نہیں رہے۔ لیکن مکان اب تک موجود ہیں! عربی بازار ہیں، عربی قلعے ہیں، عربی محل ہیں، عربی باغ ہیں۔ مسجدیں بھی ہیں جن کے میناروں پر اب موذن کی صداؤں کی جگہ سنہری صلیبوں کی نمائش ہوتی ہے!

عبرت کے مقامات میں بھی کبھی کوئی ہنسا ہے؟ لیکن میں نے اپنے تئیں اندلس کی عبرتگاہوں میں حیرت سے دیکھا کہ مسکرا رہا ہوں! میں "قصر الحمراء" کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے وہ بادشاہ اور امراء سرنیچے کئے اور کمر جھکائے رینگتے نظر آتے تھے جنھوں نے آباؤ اجداد کی عظمت اپنی عیش پسندی کی نذر کر دی اور خود ذلیل و خوار ہو کر خس و خاشاک کی طرح بہ گئے! میں نے انھیں پکار کر کہا "قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟"

لیکن میرا یہ جذبہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ فوراً دل نے آہ کی اور دل کی آہ نے آنکھوں میں پہونچکر قطرات اشک کی صورت اختیار کر لی۔ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ میری زبان پر تھی: کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم، ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین! کذالک واورثنا قوما آخرین۔ فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین!

(علی عبدالرازق)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادتگاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

منیجر "الہلال" کلکتہ

بریدشرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ٹرکی کا محرم۔ امیر البحر برسٹل کا بیان۔ انگورہ قیصریہ ریلوے۔ روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ٹرکی کا محرم

ہجری سال ختم ہو رہا ہے۔ نئے سال کی آمد آمد ہے۔ یہاں چائے خانوں میں آجکل بعض لوگ جماہیاں لے رہے ہیں۔ انھیں سال نو کی ذرا بھی خوشی نہیں۔ محرم کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ محرم کے پرانے جلسوں اور مجلسوں کی موقوفی پر!

ان کا غم ایک حد تک بجا ہے۔ واقعی ٹرکی خصوصاً قسطنطنیہ کا محرم بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ نئی حکومت نے جہاں اور بہت سی پرانی رسمیں موقوف کر دی ہیں، محرم کے جلسے بھی روک دیئے ہیں حکومت کی یہ کتنی ہی بڑی اصلاح کیوں نہ ہو لیکن جنھیں ان جلسوں کی چاٹ پڑ چکی ہے، انھیں ناراض ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ وہ کہتے ہیں "زندگی کا آدھا مزہ جاتا رہا"

حکومت نے ۱۹۲۵ء میں محرم کے مراسم موقوف کر دیئے۔ آج وہ افسانہ بن گئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ دنیا انھیں فراموش کرے یا تاریخ اپنے صفحات میں ان کے لئے جگہ نکالے، ہم ایکبار تو اور انھیں یاد کر لینا چاہتے ہیں۔

میں جو کچھ لکھنے والا ہوں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں چشم دید واقعات ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف خانقاہوں کے محرم کا ذکر کروں گا۔

حالت یہ تھی کہ خانقاہوں کے بے فکر ملا اور نام کے صوفی سال بھر تک محرم کا بے چینی سے انتظار کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کی کمائی اور خوش وقتی کا اصلی موسم یہی تھا۔ پہلی محرم سے خانقاہوں میں سیاہ پردے پڑ جاتے تھے۔ اُنکے پر اسرار رہنے والے اپنے سفید اور سبز جامے اتار کر سیاہ جامے پہن لیتے تھے۔ پانی کے نل بند کر دیئے جاتے تھے۔ لاکھ پیاس لگی ہو مگر وہاں پانی مل نہیں سکتا تھا۔ پانی کے ظروف تک ہٹا دیئے جاتے تھے۔ جاہل سمجھتے تھے یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں، پانی تک نہیں پیتے! حالانکہ یہ محض فریب تھا۔ یہ محرم بھر سیراب رہتے تھے۔ پانی رنگین لوٹوں میں بھر کر مکان کے کونوں، غسل خانوں، اور پاخانوں میں رکھ دیا جاتا تھا! اور یہ محرم کے روزے دار وہاں جا جا کر اپنی پیاس بجھا لیا کرتے تھے!

مجھے بارہا خانقاہوں میں محرم کی مجلسیں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ سب سے آخری مجلس کی یاد ابتک میرے دل میں تازہ ہے۔ چونکہ یہ سب سے آخری مجلس تھی۔ اس کے بعد قانون نے اس طرح کی مجلسیں ممنوع ٹھہرا دیں۔ اس لئے اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے میں اُس کا مختصر حال درج کئے دیتا ہوں۔

پرانی خانقاہ

باسفورس کی نیلگوں سطح کے کنارے، ایک سرسبز بلند پہاڑ پر، ایک عظیم خانقاہ تھی۔ محرم کے دنوں میں ایک دوست کے ساتھ میں اس خانقاہ میں گیا۔ تیسرا پہر تھا۔ پہاڑ دشوار گزار تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار پانی مانگا۔ اپنی غلطی پر میں اب تک نادم ہوتا ہوں۔ ہر طرف سے درویشوں کی سیاہ تیز آنکھیں مجھ پر اٹھ گئیں اور غیظ و غضب سے گھورنے لگیں ایک آواز بلند ہوئی "خارجی!" دوسری آواز بلند ہوئی "یزیدی!" تیسری آواز بلند ہونے والی تھی کہ میرے دوست نے اُسے روک دیا۔ درویش میرے رفیق سے واقف تھے۔ اُسنے انھیں یقین دلایا کہ یہ شخص (یعنی میں) خارجی نہیں ہے۔ محب اہل بیت کرام اور صوفیوں کا معتقد ہے۔ یہ حرکت محض نادانستہ ہو گئی ہے!" اگر میں اس مکاری اور ریاکاری کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً متاثر ہوتا اور عجب نہیں ان درویشوں کے ہاتھ چوم لیتا جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں پیاسے رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک وسیع ایوان میں مدعو کئے گئے۔ نماز باجماعت ہوئی۔ پھر مرثیہ شروع ہوا۔ واقعی نہایت پُرتاثیر مرثیہ تھا۔ حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔

نماز کی جگہ دسترخوان

مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم سمجھے اب نماز ہوگی۔ مگر نماز کے بجائے ہم "عاشورا کی دعوت" پر بلائے گئے۔ درویشوں کو ہماری یہ حرکت بہت ناگوار گذری کہ ہم نے کھانے پر نماز پڑھنے کو کیوں مقدم رکھا؟ جب ہم دسترخوان پر پہونچے تو گھنی داڑھیوں کے اندر اُنکے گال غصے سے لال نظر آرہے تھے!

کھانا پُرتکلف تھا۔ مگر پانی کا نام نہیں۔ میں شروع ہی سے بہت پیاسا تھا۔ حلق میں لقمے اٹکتے تھے۔ مگر خوف سے پانی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کھانا ختم ہو گیا۔ اب پانی کی امید بندھی مگر بالکل عبث۔ جہنمی پیاس کے ساتھ بیٹھا میں دل ہی دل میں اپنے رفیق کو کوس رہا تھا۔

سیاہ پوش پریوں کا غول!

اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایوان میں سیاہ پوش پریوں کا غول داخل ہو گیا! مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ حقیقت سے

فلسطین

قومیں مر کر پھر کس طرح جی اٹھتی ہیں؟

اسرائیل کے منتشر گھرانے کا اجتماع!

صیہونی تحریک

اس ہفتہ کی ڈاک میں ہمارے مقالہ نگار فلسطین کی کوئی تحریر نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ لیکن مصری معاصر "السیاسہ" میں اُس کے نامہ نگار کی ایک نہایت دلچسپ تحریر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ اس کا موضوع اہم اور ضروری ہے اس لئے ہم بہ تذکرہ مشرق کے سلسلہ میں اس کا ترجمہ یہاں درج کر دیتے ہیں۔

یہودیوں کی پراگندگی

پہلی صدی مسیحی میں رومن بیڑے نے اسرائیل کی بیٹیوں کا سراغ لگا لیا، اور پھر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس گھرانے کا پورا گلہ یا تو ہلاک ہوگیا، یا منتشر ہوگیا۔ اپنے وطن سے بھاگ کر یہودی دنیا بھر میں بکھر گئے۔ لیکن جہاں کہیں بھی پناہ لی، مارے، ستائے، اور ذلیل کئے گئے۔ لیکن یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ ہر قسم کی بربادیوں اور قتل عام پر بھی زندہ رہی۔ صرف زندہ ہی نہیں رہی بلکہ اپنا اجتماعی شیرازہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ رکھا۔

عربوں یا مسلمانوں کا عہد، یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ اسلامی ملکوں میں وہ ظلم و ستم سے محفوظ ہوگئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں پوری شہری اور مذہبی آزادی حاصل ہوگئی۔ وہ اپنے تمام مذہبی شعائر قائم رکھ سکتے تھے اور اپنے تمام اجتماعی و جماعتی اعمال میں خود مختار تھے۔ متعدد یہودی مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ اگر اسلام کی سیاسی قوت قائم نہ ہو جاتی، تو یہودی قوم قطعاً برباد ہو جاتی!

اپنی آخری بدنصیبی کے ابتدائی دور کے بعد اس قوم کے لئے سب سے زیادہ سخت زمانہ وہ تھا جب اسلامی سلطنتیں تہ و بالا ہونے لگیں اور مسیحیت نے از سر نو سنبھالا لیا۔ اس منحوس عہد میں یہودیوں کی پراگندگی آخری حد تک پہنچ گئی۔ تاریک قرون وسطیٰ (مڈل ایجز) کے مسیحی تعصب نے انھیں بری طرح برباد کیا۔ کوئی مسیحی مملکت تھا جہاں یہودیوں پر عام جہاد کا اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ ان کے معبد بند کر دیئے گئے۔ ان کی انجمنیں توڑ دی گئیں۔ ان کی کتابیں جلا دی گئیں۔ انکے علماء پھانسی پر لٹکائے گئے۔ انھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا دین چھوڑیں یا قتل اور آگ میں جلنا منظور کریں!

بالآخر یہ تاریک دن بھی نکل گئے۔ نئی تہذیب کا سورج ظلمت کدۂ مغرب میں طلوع ہوا اور "اسرائیل" کی مردہ لاش نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا۔ دنیا سمجھی تھی یہ قوم فنا ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتی ہے کہ اس میں زندگی کے آثار پوری طرح موجود ہیں۔ اب یورپین ملکوں میں یہودیوں کو دینی و اجتماعی آزادی مل گئی اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مگر یہ دن زیادہ دراز نہیں نکلے۔ مسیحی یورپ نے یہودیوں سے سیاسی خطرہ محسوس کیا اور از سر نو ظلم شروع کر دیا۔ اس مرتبہ دینی تعصب کی جگہ سیاسی تعصب کارفرما تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تو یہی حالت رہی۔ یہودیوں کی مخالف تحریک کو اُس وقت کی بول چال میں «L' ANTI-SEMETIONE» یعنی مخالف سامی تحریک کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں کو غیر سامی قرار دینا خود ایک سخت ظلم تھا۔ یہودی ہی دنیا میں خالص ترین سامی ہیں۔

یہودی مفکرین نے نہایت دانشمندی سے اب یہ طے کیا کہ اس ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنی ظاہری قومی خصوصیات، مثلاً زبان، لباس، طرز بود و باش سے دست بردار ہو جائیں، اور جس ملک میں رہیں، اسی کی وضع و قطع اختیار کر لیں تاکہ مخالفین کا تعصب اور ظلم کم ہو جائے۔ لیکن یہ تجویز بھی کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ خصوصاً روس میں جہاں یہودیوں کا قتل عام جاری تھا۔

وطنی مرکز کی طرف عود

اب یہودیوں میں اچانک ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی یاد ہر زمانہ میں انھیں بےچین رکھتی تھی۔ لیکن یہ یاد محض روحانی تھی۔ اب جو خیال پیدا ہوا اُس نے فلسطین کو ایک نئے روپ میں دکھایا۔ انھیں نظر آیا کہ یہ مقدس وطن جس سے نکلے ہوئے دو ہزار برس ہو چکے ہیں، از سر نو اُن کا وطن بن سکتا ہے۔

اس دعوت کا مبشر ایک روشن خیال، متدین، آسٹریا کا یہودی اخبار نویس تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر تھیوڈور ہرٹزل تھا۔ اس نے اپنی دعوت اُس وقت شروع کی جبکہ روس اور فرانس میں یہودیوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔ اس نے سنہ ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "یہودی سلطنت" کے نام سے شائع کی اور قوی دلائل سے ثابت کیا کہ "یہودی مسئلہ کا تنہا حل یہی ممکن ہے کہ تمام یہودی ایک ملک میں جمع ہو جائیں، اور تمام سلطنتیں اُنکے ملک کی خود مختاری تسلیم کر لیں۔"

یہ دعوت دنیا بھر کے یہودیوں نے پسند کی اور سنہ ۱۸۹۷ء میں اپنی پہلی کانفرنس شہر "بال" میں منعقد کی۔ اس میں مختلف ملکوں کے دو سو یہودی نمائندے شریک ہوئے تھے۔

اب سے تیس برس پہلے روس کے یہودیوں میں فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کی تحریک موجود تھی۔ کئی سو یہودی ہجرت کر بھی چکے تھے اور بیت المقدس میں ایک انجمن "محبین صیہون" کے نام سے قائم بھی ہوگئی تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی دعوت دی جائے۔ مگر یہ انجمن کامیاب نہیں ہوئی۔ صرف چند زراعتی نوآبادیاں فلسطین میں قائم ہو سکیں۔

لیکن "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظور کی اور اسے یہودیوں کی قومی تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کا نام "صیہونی تحریک" قرار پایا (صیہون، ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی بابت توراۃ میں لکھا ہے کہ بیت المقدس اسی پر تعمیر ہوا تھا) اور اُس کے لئے ایک قابل عمل پروگرام طیار کیا گیا۔ پروگرام حسب ذیل تھا:

"صیہونی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ایسا قومی وطن پیدا کیا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذمہ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کئے جائیں:

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دستکاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔

(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔

(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام قوم میں جگایا جائے۔

(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کر لینے پر آمادہ کیا جائے۔

عملی جدوجہد کا آغاز

اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے وائنا میں مرکزی انجمن قائم کی گئی اور ڈاکٹر ہرٹزل نے جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۸۹۹ء سے سنہ ۱۹۰۲ء تک کئی مرتبہ سلطان عبدالحمید سے ملاقاتیں کیں اور انھیں یہ تجویز قبول کر لینے پر بہت بہت راغب کیا، مگر وہ برابر انکار ہی کرتے رہے۔ جب ادھر سے بالکل ناامیدی ہوگئی تو ڈاکٹر نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کی اور [illegible] نمائے سینا میں یہودی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت چاہی۔ برطانیہ نے اسے منظور کر لیا، اور مصری حکومت بھی آمادہ ہوگئی کہ یہ علاقہ یہودیوں کے حوالہ کر دے۔ مگر بعد میں اس تجویز پر عمل نہیں کیا جا سکا، کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ صحرا آبادی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر ہرٹزل نے پھر انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُسنے یہودیوں کو جنوب افریقہ میں ایک وسیع علاقہ پیش کر دیا۔ لیکن چھٹی یہودی کانفرنس نے اسے بھی نامنظور کر دیا کیونکہ زمین کے ماہروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا "یہ سرزمین بھی آبادی کے لئے موزوں نہیں ہے"

ڈاکٹر ہرٹزل کا سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوگیا۔ لیکن مرنے سے پہلے دو کام ایسے کر گیا جو یہودی قومیت کے لئے عملی بنیاد بن گئے۔ ایک "یہودی نوآبادی بینک"، اور دوسرا "یہودی [illegible]"

اس کے بعد بھی یہودی کانفرنسیں برابر منعقد ہوتی رہیں اور یہودیوں میں قومی روح پھونکتی رہیں۔ اُن کی نظر فلسطین پر لگی ہوئی تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ترکی حکومت اس بات پر راضی [illegible] نہیں ہوتی تھی۔ خود فلسطین کے مسلمان اور عیسائی باشندے بھی اسے گوارا کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔

عالمگیر جنگ عالم

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ [illegible] اور اس کے ساتھ یہودیوں میں بھی نئی [illegible] پیدا ہوگئی۔ انکے [illegible] [illegible] کہ جرمنی، ترکی اور [illegible] کے اتحادیوں کی فتح سے [illegible] [illegible] ہوگا [illegible] ہوگا۔ لہذا [illegible] برطانیہ کا ساتھ دیا اور جنگ میں اپنی دولت و اثر سے [illegible] بڑی مدد کی۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ یہودیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ ۲ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء کا دن ان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تجویز منظور کی۔ یہ یادگار دستاویز "تصریح بالفور" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اُس وقت لارڈ بالفور برطانیہ کے وزیر خارجہ تھے۔ انہی نے انگلستان کے مشہور یہودی سرمایہ دار لارڈ راتھچائلڈ کے نام سرکاری مراسلہ بھیجا تھا۔ اس مراسلہ کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

تصریح بالفور

"میں انتہائی مسرت سے حکومت برطانیہ کی جانب سے آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی قومی وطن کا قیام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ برطانیہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے

ٹھان لی تھی۔

اس سوال پر ترکی حکومت بھی سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، کیونکہ جنگ کی صورت میں اُسے لامحالہ کسی ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔

مکتوب عراق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بغداد کے قلم سے)
(عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

تعلیم

مجھے اپنے اس پہلے مراسلہ میں عراق کی تعلیمی حالت پر کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرنا چاہئے۔ کیونکہ تعلیم کا معاملہ نہایت اہم ہے خصوصاً عراق جیسے ملک کے لئے جو خودمختاری کے لئے بے چین ہے مگر فقدانِ علم کی وجہ سے اپنی آرزو پوری نہیں کرسکتا۔

بدنصیبی سے عراق میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی درسگاہ موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراقیوں کو بیرونی دنیا پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر طالب علم قسطنطنیہ اور بیروت جاتے ہیں۔ کچھ لندن بھی بھیجے گئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جانے والوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔

موجودہ حکومت نے یا تو اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی یا کچھ موانع حائل ہوگئے۔ بہرحال عراق میں اعلیٰ تعلیم بالکل مفقود ہے۔ البتہ حکومت ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں زیادہ مستعدی کا اظہار کر رہی ہے۔ اسوقت ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد ۲۳۸۰۰ ہے۔ مکاتب میں ۱۳۴۵۵ ہے۔ اور شبینہ مدرسوں میں ۲۰۷۸ ہے یعنی کل تعداد ۳۹۳۳۳ ہے۔ یہ تعداد اگر گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں رکھی جائے، تو تقریباً ڈیوڑھی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی (سکنڈری) تعلیم کا درجہ ہے اور اسی تناسب سے اُس کی ترقی بھی ہونا چاہئے۔ لیکن یہاں صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے بغداد، موصل، نجف، بصرہ، حلہ، عمارہ، کرک، سلیمانیہ میں ثانوی مدرسے قائم کئے ہیں مگر طالب علموں کی تعداد ابتک ۷۶۱ سے زیادہ نہیں ہوسکی!

ابتدائی اور ثانوی کے علاوہ دو مدرسے معلمین کی تعلیم کے لئے بھی ہیں۔ ایک مَردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اول الذکر میں طالب علموں کی تعداد ۲۹۵ ہے اور ثانی الذکر میں ۸۸۔

تعلیم کی زبان عربی ہے اور درجۂ تعلیم کچھ زیادہ پست نہیں ہے۔ البتہ مدرسۃ الحقوق (یعنی مدرسۂ قانون) اور مدرسۃ الہندسہ (یعنی انجینیری کے اسکول) میں تعلیم کا معیار نہایت ناقص ہے۔ اس لئے کہ یہاں بھی تعلیم عربی ہی میں ہوتی ہے۔ اور عربی زبان میں ان علوم پر کتابیں بہت کم ہیں۔ عراقی طالب علم چونکہ کوئی یورپین زبان جانتے نہیں، اس لئے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہے کہ صرف اُن یادداشتوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے جو طلبا اساتذہ کی تقریروں سے تیار کر لیتے ہیں۔

البتہ ایک بات بہت امید افزا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب حکومت نے اپنے خرچ سے طالب علموں کو یورپ اور امریکہ بھیجنا شروع کردیا ہے۔ اسوقت ان طالب علموں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے لیکن اسی سال ۲۰ کا اور اضافہ بھی ہونے والا ہے۔ انکے علاوہ چند طالب علم وزارت جنگ نے انگلستان بھیجے ہیں اور محکمہ بیطری نے چند لڑکوں کو کلکتہ کی درسگاہوں میں بھیجدیا ہے۔

امیر فیصل سے ملاقات

چند دن ہوئے امیر فیصل "شاہ عراق" نے ایک مصری اخبار نویس کو اپنی ملاقات کا موقعہ دیا۔ مقامی اخبارات نے ملاقات کی حسب ذیل تفصیل شائع کی ہے:

انگریزی عراقی معاہدہ کے متعلق امیر فیصل نے کہا "اس معاہدہ کی مدت ۱۹۲۸ء کے آغاز میں ختم ہوجائیگی۔ معاہدہ میں ایک دفعہ اس بارے میں موجود ہے کہ ہر چار سال بعد معاہدہ کی تجدید یا ترمیم ہوا کرے گی۔ عراق میں جوں جوں قابلیت پیدا ہوتی جائیگی برطانیہ اُسے زیادہ آزادی اور حقوق دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) کا ممبر ہوجائے گا، اور دنیا کے دوسرے خودمختار ملکوں کی طرح ایک خودمختار ملک کی زندگی بسر کرسکے گا"

امیر فیصل نے کہا "مجھے یقین ہے عراق بہت جلد یہ درجہ حاصل کرلے گا۔ بہت جلد سے میری مراد ایک دو سال ہے"

مجھے اُمید ہے آپکے قارئین کرام کا ذوق سیاسی اس سے مستغنی ہوگا کہ میں امیر کے بیان پر رائے زنی کروں۔

عراق کی حکومت کو اب تک بیرونی سلطنتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کے متعلق امیر فیصل نے کہا:

"ہماری نظر میں اس مسئلہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جن سلطنتوں کے فوائد عراق سے وابستہ ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ہماری حکومت کے اعتراف پر ضرور مجبور ہوجائیں گی۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ مستقبل قریب میں ہم ٹرکی سے سیاسی تعلقات قائم کرسکیں گے۔ حکومت ایران کے نمائندے نے اگرچہ مجلس اقوام میں عراقی حکومت کا وجود تسلیم کرلیا ہے مگر طہران کی مرکزی حکومت نے اب تک عملی اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں دیا"

اب تک عراق کے قنصل دوسرے ملکوں میں موجود نہیں ہیں۔ بیرونی دنیا میں عراق کے معاملات کا ذمہ دار صرف برطانیہ ہے۔ اس صورت حال کی تاویل ہمارے "خودمختار بادشاہ" نے یہ کی:

"عراق کو اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ کیونکہ بجز ایران اور ٹرکی کے بیرونی دنیا میں ہمارے مصالح کہیں بھی نہیں ہیں۔ جب ان دونوں پڑوسیوں سے ہماری مفاہمت ہوجائے گی تو ہم سیاسی نمائندوں کا تبادلہ کریں گے۔ دوسرے ملکوں سے اس طرح کے علائق پیدا کرنے کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہے!"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عراق کی "دو سال کے اندر ملنے والی "خودمختاری" کے ساتھ یہ توجیہ کہاں تک جمع ہوسکتی ہے؟ مصر کے موجودہ ذہنی انقلاب کے متعلق امیر نے یوں اظہار خیال کیا:

"میں نے اس ذہنی انقلاب کی پوری تحقیق نہیں کی ہے: اس لئے میری رائے چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم اپنی محدود واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مصر برابر اسی طرح ذہنی ترقی کرتا گیا تو بہت جلد مغربی قوموں کے برابر ہوجائے گا۔ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ ذہنی انقلابوں کی بنیادیں ہمیشہ قومی روایات پر قائم ہونا چاہئیں۔ اسوقت مصر، تمام عربی ممالک کے لئے شمع ہدایت بنا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکی ذہنی ترقی صالح روایات پر مبنی ہو، تاکہ دوسری عربی قومیں بھی اپنی عربیت و قومیت قائم رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قومی بیداری صرف عقل و ذہن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ عملی بیداری بھی ہونی چاہئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری محض ذہنی و نظری ہے۔ حالانکہ قومیں عملی بیداری ہی سے کامل قومی ترقی حاصل کرسکتی ہیں"

عراقی فوج اور برطانیہ

انگریزی عراقی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۸ء میں معاہدہ پر نظر ثانی کی جائے گی، اور برطانیہ اپنی تمام فوجی قوت ملک سے ہٹالے گا۔

اب جبکہ یہ مدت ختم ہو رہی ہے تو قدرتی طور پر عراقی حکومت کو خیال ہوا کہ اپنی قومی فوج میں اضافہ کرے۔ چنانچہ اُسنے جبری بھرتی کی تجویز منظور کرلی۔ برطانی ہائی کمشنر پہلے تو برابر خاموش رہا، لیکن جب حکومت نے عملاً کارروائی شروع کردینی چاہی تو اُسنے اعتراض کیا اور اس تجویز سے حکومت کی مخالفت ظاہر کی۔

اُسنے اپنے نوٹ میں لکھا ہے

"عراق کی مدافعت صرف عراقی فوج نہیں کرسکتی۔ اُسے برابر انگریزی قوت کی ضرورت ہے۔ عراق کے پاس ہوائی بیڑہ موجود نہیں ہے۔ اس بیڑے اور فوج کی تنظیم کے لئے کافی روپیہ بھی نہیں ہے۔ لہذا جبری بھرتی کی تجویز ناقابل عمل ہے۔ علاوہ بریں یہ غیر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ برطانیہ اپنی "دوستی" میں برابر "وفادار" ہے اور عراق کی مدافعت کی ذمہ داری قبول کرچکا ہے"!

یہ ہے ہمارے امیر کی وہ موعودہ خودمختاری جس کا دو تین سال کے اندر انہیں انتظار ہے!

برطانی ہائی کمشنر کے اس اعتراض پر عراقی وزارت نے اپنا استعفا پیش کردیا۔ مگر امیر نے منظور نہیں کیا اور اصرار کیا کہ حکومت برطانیہ سے مزید گفت و شنید جاری کی جائے۔

اسوقت صرف یہ فوج ہی کی مشکل درپیش نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی درپیش ہے۔ عراقی حکومت نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ریلوے اور بندرگاہ سے دست بردار ہوجائے جیسا کہ اُسنے وعدہ کیا تھا مگر برطانیہ اس پر آمادہ نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ کیوں آمادہ ہو؟

کویت کی پنچایت

نجد و عراق میں کئی سال ہوئے ایک معاہدہ ہوا تھا اور فریقین نے اتفاق کیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عراقی اور نجدی نمائندوں کی پنچایت منعقد ہوا کرے اور قبائل کے تمام باہمی معاملات کا فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک پنچایت اسی ماہ کویت میں منعقد ہونے والی ہے۔ کیونکہ ادہر عراقی نجدی قبائل میں کئی لڑائیاں اور غارت گریاں ہوچکی ہیں۔

کردستان

سلیمانیہ کی کمشنری میں کردوں کے دو علاقے "شاہ بانارہ" اور "بنجوین" اب تک حکومت عراق کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان علاقوں کے باشندے قرب و جوار کے علاقو پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس ہفتہ حکومت نے "بنجوین" کے شہر پر فوجی قبضہ کرلیا ہے اور مشہور کردی زعیم شیخ محمود سے لڑائی ہو رہی ہے۔

ہے کہ ملک میں ہم نے پوری طرح امن امان قائم کر دیا ہے اگرچہ کبھی کبھی ہتیار بند ٹولیاں غارت گری کر جاتی ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ بیان صحیح ہے۔ بلاشبہ اسوقت درروز کوئی قابل ذکر جنگی کاروائی نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں ہر شخص جانتا ہے اور خود حکومت فرانس بھی جانتی ہے کہ یہ سکون، ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

شام کی قومی تحریک

اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ آخر شام کی قومی تحریک کیا ہے؟ اُس کے مقاصد کیا ہیں؟ اُس کی تاریخ کیا ہے؟ جواب کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ اِس مراسلہ میں ممکن نہیں۔ تاہم ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ آپکے قارئین حقیقت حال سے بے خبر نہ رہیں۔

شام کی قومی تحریک کے متعلق یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ وہ فرانس کی خصومت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ تحریک جنگ عمومی سے پہلے بھی موجود تھی اور خود عثمانی حکومت کے مقابلہ میں شروع ہوئی تھی۔

جنگ عام میں شام کا رجحان دول اتحاد کی طرف تھا اور اسی رجحان کی وجہ سے شام کو مرحوم جمال پاشا کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ اتحادیوں کی طرف یہ رجحان محض اس لئے تھا کہ شام امید کرتا تھا وہ اتحادیوں کے ذریعہ اپنی وطنی آزادی حاصل کر سکے گا۔ اتحادیوں میں فرانس سے اُسے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ فرانس ۵۰ برس سے یہاں اپنا اثر پھیلا رہا تھا، اور شامی تحریک کی علانیہ پیٹھ ٹھونکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنگ کے خاتمہ پر فرانس کو شام کی وصایۃ (مینڈیٹ) ملی تو ملک میں مسرت کے نعرے بلند ہوگئے اور سادہ لوح باشندوں نے یقین کیا کہ اب فرانس کے ہاتھوں آزادی کی دولت ضرور ملجائے گی۔ مگر اُنھیں جلد ہی اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ فرانس ترکوں سے بھی زیادہ مستبد اور سخت گیر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ آزادی دینی نہیں چاہتا، بلکہ اُن کی قومیت بھی برباد کر ڈالنا چاہتا ہے۔

فرانس نے قبضہ حاصل کرتے ہی یہ کیا کہ ملک کے چار ٹکڑے کر ڈالے، اور چاروں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظام اور دستور کے ماتحت رکھا۔ چنانچہ لبنان ایک علیحدہ "جمہوریت" بنا دی گئی۔ دمشق کی حکومت الگ کر دی۔ جبل حوران کو بھی ایک علیحدہ قطعہ بنا دیا۔ اور اسی طرح بلاد علویین کو بھی ایک مستقل ملک قرار دے دیا۔ اِس سے اِس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے ان چاروں حصوں میں کسی قسم کا سیاسی، اجتماعی، اور انتظامی رشتہ و ارتباط باقی نہ رہے، بلکہ الگ الگ ہو کر ایک دوسرے کی مخالفت شروع کر دیں۔

یہی نہیں بلکہ ہر حصہ ملک میں فرقہ وارکش مکش بھی پیدا کر دی جو شرق میں مغربی حکومتوں کا سب سے بڑا آلہ کار ہے۔ پہلے مسلمانوں مسیائیوں، یہودیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ کی مختلف شاخوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔ عرب اور غیر عرب کا جھگڑا، شیعہ اور سنی کا جھگڑا، ترکوں اور چرکسیوں کا جھگڑا، ارمنی اور یہودیوں کا جھگڑا، غرضکہ بے شمار فتنے پیدا کر دیئے۔

لیکن باوجود ان تمام ریشہ دوانیوں کے مجموعی طور پر شام کے وطن پرست اب تک اپنی اصلی تحریک بچائے ہوئے ہیں۔ اُن کا مطالبہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ فرانس شام کو خالی کر دے۔ وطنی جماعت سے اگر کر مستقل پارٹی ہے، اور اُسکا مطالبہ یہ ہے کہ شام کی موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔ تیسرا گروہ ابن الوقت لوگوں کا ہے۔ وہ فرانس کے بھی حامی ہیں اور گاہ گاہ ملک کے بھی حامی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح برطانیہ نے عراق اور شرق یردن میں دو برائے نام بادشاہ بٹھا دیئے ہیں، اسی طرح فرانس کو بھی شام میں ایک "بادشاہ" کا پتلہ بٹھا دینا چاہئے۔ اِس سلسلہ میں متعدد شاہزادوں اور امیروں کا نام لیا جاتا ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن زیادہ میلان عباس حلمی سابق خدیو مصر یا ان کے چھوٹے بھائی پرنس محمد علی اور پرنس یوسف کمال کی طرف ظاہر کیا جاتا ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

انگریزی مصری نزاع

پچھلے مکتوب میں اِس نزاع اور اُس کے بنیادی نقطوں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نزاع کی اصلی بنیاد درحقیقت مصری فوج کا معاملہ ہے۔ مصری حکومت انگریزی "سردار" کا عہدہ منسوخ کر کے فوج اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے۔ برطانیہ اسے منظور نہیں کرتا۔ اور مصر کو مصنوعی آزادی اور نام نہاد خود مختاری دیکر بدستور محکوم رکھنا چاہتی ہے۔

اِس نزاع میں برطانیہ نے اپنے وہ تمام حربے استعمال کئے جن کا وہ مدت سے عادی ہے۔ سر آسٹن چمبرلین نے پارلیمنٹ کے ایوان میں کھڑے ہو کر اپنا وہی پرانا راگ الاپا " یورپین باشندوں کی زندگی خطرے میں ہے! ساتھ ہی جنگی جہاز بھی بھیجدیئے۔ مزید براں تمام یورپ میں مصر کے خلاف دعایۃ (پروپگنڈا) شروع کر دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے یورپین ممالک کے اخباروں نے مصر کے خلاف زہر اُگلنا اور برطانیہ کو سخت سے سخت کارروائی کا مشورہ دینا شروع کر دیا۔ درحقیقت فرانس اور اٹلی، دونوں مصر کی بیداری سے اُسی طرح خائف ہیں، جس طرح خود برطانیہ ہے۔ اٹلی کو خوف طرابلس کی وجہ سے ہے فرانس کو الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور خود شام کی وجہ سے۔

لیکن ان تمام دھمکیوں اور تہدیدوں کا اثر کیا ہوا؟ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مصری حکومت انگریزی قوت کے سامنے فوراً جھک جائے گی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانے لد گئے جب اِس طرح کے مظاہرے رعب پیدا کر دیا کرتے تھے۔ مصری حکومت خلاف توقع اسوقت تک اپنے مسلک پر قائم رہی ہے۔

جان بُل کی عادت ہے کہ جب دھمکی سے حریف مرعوب نہیں ہوتا تو خود نرم پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ مصری حکومت کی استقامت دیکھتے ہی لارڈ لائڈ جارج بہت کچھ نرم پڑ گئے ہیں اور اپنے مطالبات ہلکے کرتے جاتے ہیں۔ ابھی تک نزاع ختم نہیں ہوئی ہے۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ امروز فردا میں نرم گرم تصفیہ ہو جائے گا۔

انگریزی مصری گفت و شنید پردۂ راز میں ہے۔ لیکن یہاں کے اخبارات نے وہ بنیادی نقطے شایع کر دیئے ہیں جن پر مصری حکومت کی آخری یادداشت مبنی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصری پارلیمنٹ بدستور تنفیذی قوت کی نگرانی کا حق رکھتی ہے۔

(۲) وزارت جنگ اور اُس کی تمام شاخوں پر مصری پارلیمنٹ کا اقتدار قائم رہے گا۔

(۳) وزارت جنگ کی تمام مجالس بدستور قائم رہیں گی اور اُن کی موجودہ قوت و اختیارات میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) تمام سرزمین مصر پر مصری حکومت کا اقتدار برقرار رہے گا، اور پوری مملکت کی نگرانی مصری پارلیمنٹ کے ہاتھ میں رہے گی۔

اگر برطانیہ نے یہ بنیادیں تسلیم کر لیں، جس کا قوی امکان ہے، تو موجودہ نزاع کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مصر کی ذہنی و اجتماعی ترقی

جنگ عظیم کے بعد مصر نے صرف سیاسی ترقی ہی نہیں کی بلکہ اُس کی ذہنی و اجتماعی حالت میں بھی عظیم تغیرات ہوئے۔ یہ تغیرات کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہے۔ بیرونی دنیا اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ البتہ سیاسی ترقی، ہمیشہ ذہنی و اجتماعی ترقی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مصر کی موجودہ سیاسی بیداری سے اُس کی ذہنی و اجتماعی بیداری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پچھلے دنوں یہاں "مؤتمر عربی" منعقد ہوئی تھی، جس کا تذکرہ اپنے پچھلے خط میں کر چکا ہوں۔ اِس مؤتمر میں دوسرے عربی ممالک کے جو فضلاء آکر شریک ہوئے تھے، انھیں مصر کی حالت دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ذیل میں صرف ایک مشہور شامی فاضل علامہ محمد کرد علی کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن کا اظہار اُنھوں نے شام میں جا کر کیا ہے۔ موصوف کہتے ہیں:

"سب سے پہلے میں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں مصر کی زیارت کی تھی آخری سفر کا ۲۶ سال کے بعد اب اتفاق ہوا۔ مجھے وہ انقلاب عظیم دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو اِس چوتھائی صدی کے اندر مصر پر طاری ہوگیا ہے۔ میں نے اپنے اِس آخری سفر میں مصر کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ہر طبقہ کو غور سے دیکھا۔ تقریریں سنیں، قصیدے سُنے، انجمنیں دیکھیں۔ تھیٹر دیکھے۔ اخبارات کا معائنہ کیا۔ کتبخانوں کی سیر کی۔ غرضکہ ہر پہلو پر نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر میں نے یہ اثر قبول کیا کہ مصر نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ سب سے زیادہ نمایاں حقیقت میں نے یہ دیکھی کہ فرانسیسی تہذیب، جس کی تخم ریزی فرانسیسی علماء نے انیسویں صدی کے اوائل میں کی تھی وہ مصر کے انگریزی اقتدار سے مغلوب نہ ہو سکی، بلکہ اُسنے انگریزی تہذیب کی خصوصیات کو شکست دیدی۔ مصر نے اِس تمدن میں تراش خراش کر کے ایسی تبدیلی پیدا کر لی ہے کہ وہ فرانسیسی کی جگہ مصری یا عربی تمدن بن گیا ہے۔ اسوقت کا قاہرہ، پُرانے زمانہ کا بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ ہے، اسے صحیح معنوں میں تمام عربی دنیا کا علمی و ذہنی مرکز تسلیم کرنا چاہئے۔ اسوقت ملک میں دس ہزار مکتب جاری ہیں لیکن مصری حکومت اسے کافی نہیں سمجھتی۔ دس ہزار مزید جاری کرنا چاہتی ہے۔"

دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ یہ تصریح صیہونی انجمن تک پہونچا دیں"

یہ تصریح دراصل ڈاکٹر حائم ویزان کی کوششوں سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ اُسوقت صیہونی انجمن کی انتظامی مجلس کے ممبر تھے اور اب اُس کے صدر ہیں۔ اس تصریح کے صادر ہوتے ہی فرانس، اٹلی، جاپان، اور امریکہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ یہودیوں نے ایک لمحہ ضایع کئے بغیر عملی کارروائیاں شروع کردیں۔ ڈاکٹر ویزان کی صدارت میں ایک نمائندہ وفد فلسطین بھیجا گیا تاکہ برطانوی حکام کی تائید سے یہودیوں کی ہجرت اور آبادی کا سامان مہیا کرے۔

یہودیوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مجلس اقوام سے بھی اس کی تصدیق چاہی۔ چنانچہ فلسطین کی برطانی وصایت (مینڈیٹ) کی دستاویز کے دیباچہ میں تحریر ہے "تمام دول اتحاد اس بات پر متفق ہیں کہ برطانی سلطنت اُس تصریح کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے ذمہ دار ہے جو ۲ ارنومبر کو اُس کی جانب سے ظاہر کی گئی ہے"

اس دستاویز کی دفعہ ۲ میں ہے:

"حکمبردار حکومت اس امر کی ذمہ دار ہے کہ ملک (فلسطین) میں ایک ایسی سیاسی، انتظامی، اقتصادی صورت حال پیدا کردے جو یہودی وطن کے قیام کے لئے ضروری ہے"

چوتھی دفعہ میں ہے:

"یہ طے پاگیا کہ یہودیوں کی نمائندہ مجلس فلسطین میں ایک ذمہ دار مجلس تسلیم کی جائے گی، اور اُن تمام اقتصادی و اجتماعی معاملات میں اُس سے مشورہ لیا جائے گا جن کا تعلق "یہودی وطن" سے ہے۔ یہ بھی طے پاگیا کہ صیہونی انجمن ہی ایک ایسی مجلس ہے جو یہودیوں کی قائم مقام اور ذمہ دار ہے۔ لہذا وہ اُسوقت تک یہودیوں کی نمائندہ تسلیم کیجائے گی جب تک اپنی یہ حیثیت برقرار رکھیگی۔ لہذا صیہونی انجمن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشورہ سے وہ تمام تدابیر اختیار کرے جن سے "قومی وطن" کے لئے دُنیا بھر کے یہودیوں سے امداد و اعانت حاصل کی جاسکتی ہو"

غرضکہ اس دستاویز میں اسی طرح کی اور بھی کئی تصریحیں موجود ہیں۔

اجرا، عمل، اور ترقی!

جس دن سے بالفور کی تصریح جاری ہوئی ہے، یہودی اپنی تجویز کو حیرت انگیز سرگرمی اور جوش سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اُنھوں نے کئی مجلسیں بنا رکھی ہیں:

(۱) عام صیہونی انجمن۔ اس کی ۷۶ شاخیں ہیں اور دُنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس انجمن میں ہر یہودی مقررہ فیس ادا کرکے داخل ہوسکتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۶ لاکھ تیس ہزار تھی۔ اس انجمن کی سالانہ کانفرنس درحقیقت صیہونی تحریک میں سب سے زیادہ بااختیار مجلس ہوتی ہے۔ یہی پروگرام بناتی، عزل و نصب کرتی، میزانیہ منظور کرتی اور سال کے لئے مختلف مجلسیں منتخب کرتی ہے۔

ان کمیٹیوں میں سب سے زیادہ اہم اُس کی جمعیۃ عاملہ اور مرکزی جمعیۃ ہے۔ جمعیۃ عاملہ میں دس ممبر رہتے ہیں۔ ۵ ہمیشہ لندن میں رہتے ہیں اور ۵ بیت المقدس میں۔ ان کا کام اُن تمام اقتصادی سیاسی مسائل کا حل کرنا ہے جن کا تعلق فلسطین کے یہودیوں سے ہے۔

(۲) مالی مجالس۔ ان سے مقصود یہودی وطن کی مالی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ یہ مجالس دراصل تین بینک ہیں:

(۱) یہودی نوآبادی بینک۔ اس کا دفتر لندن میں ہے اور راس المال تین لاکھ پونڈ ہے۔

(۲) فلسطینی انگریزی انجمن۔ اس کا راس المال بھی ۳۰ لاکھ پونڈ ہے

(۳) یہودی بیت المال۔ اس کا دفتر بھی لندن میں ہے اور سرمایہ ۲۲ لاکھ پونڈ ہے۔

یعنی یہودیوں کی قومی تحریک کے پاس اسوقت ۲۰۰ لاکھ پونڈ ۳۰ کروڑ روپیہ موجود ہے۔

یہ ہے وہ عملی قوت جس سے قومیں مرکر زندہ ہوتی ہیں! یہ وہ قوم تھی جس کا جنازہ عالم خاتمہ کرچکے تھے۔ جس کی پیشانی پر ذلت و مسکنت کی مُہر لگ چکی تھی۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں مظلوم، بے بس، اور تباہ حال تھی۔ جس کی کل تعداد چند ملین نفوس سے زیادہ نہیں۔ بااینہمہ جب اُسنے زندہ ہونے اور زندہ رہنے کا فیصلہ کرلیا تو دُنیا کی کوئی رکاوٹ بھی اس کی راہ نہ روک سکی۔ حتی کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں کو بھی راستہ خالی کردینا پڑا!

لیکن اُس کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہے؟ اُن مشرقی اقوام کا کیا حال ہے جو صدیوں سے حکمرانی کرتی آئی ہیں۔ جو اب بھی حکومت کی عزت سے محروم نہیں، جنھیں حکومت کے تخت سے اُترے ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں گزری ہے۔ جن کی تعداد کروڑوں نفوس سے متجاوز ہے۔ اور جو اپنی قومی کامرانیوں اور فتحمندیوں کی ایک مسلسل اور قریبی تاریخ رکھتی ہیں؟

جواب کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب غفلت دُور ہوگی اور دانش رفتہ واپس آجائے گی؟ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وہو شہید!

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

شام کا مستقبل

شام کے فرانسیسی ہائی کمشنر ایم ہنری پونسو، مدت سے پیرس میں مقیم ہیں۔ ملک میں عام طور پر خیال کیا جارہا ہے کہ ان کی غیر حاضری محض اسوجہ سے ہے کہ نئی اصلاحات کے اجرا کے لئے وہ مرکزی حکومت سے مشورے کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا اُن کی اس پُراسرار غیر حاضری کی اصلی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کی وجہ سے ملک میں عام بےچینی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک گروہ اس صورت کو نیک شگون سمجھتا ہے اور بڑے بڑے ہوائی قلعے بنا رہا ہے۔ دوسرا گروہ اسے شگون بد سمجھتا ہے اور ناامیدی کا اظہار کر رہا ہے۔ شاید ہائی کمشنر کے رُوپوش کردینے میں حکومت کی بھی یہی مصلحت تھی کہ ملک کے جذبات میں اختلاف حال پیدا ہوجائے اور متحدہ مطالبے کی قوت کمزور پڑجائے۔ اگر یہی مصلحت تھی تو اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک حد تک کامیاب ہوئی ہے!

آئندہ شام کا نظام حکومت کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب اسوقت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ حتی کہ خود فرانس بھی نہیں دے سکتا۔ شام کے بارے میں فرانس کی پالیسی ابتک نہایت مضطرب رہی ہے۔ کبھی وہ چاہتا ہے اس ملک کو الجزائر کی طرح اپنا ایک محکوم نوآباد علاقہ بنالے۔ کبھی سوچتا ہے ٹیونس کی سی برائے نام ریاست قائم کردے۔ کبھی امیر عبدالقادر الجزائری مرحوم کی اولاد کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے۔ کبھی شام کے تخت کے لئے سلطان عبدالحمید کے کسی لڑکے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ کبھی شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بیٹوں پر اُس کی نظر پڑتی ہے۔ غرضکہ اُس کا مسلک ابتک استوار نہیں ہوا ہے۔

شام کی موجودہ مشکلات درحقیقت اسی سیاسی اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ جب تک فرانس اپنی روش مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں کرے گا، اُسوقت تک یہ مشکلات دُور نہیں ہوں گی۔

ایک نیا نظریہ

آجکل دمشق میں مغرب اقصیٰ کے ایک وزیر سید قدور بن غبریط آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی آمد کی غرض یہ بتائی ہے کہ پیرس کی مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں کی عام رائے اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں یہ کام اتنا اہم نہ تھا کہ اس کے لئے ایک وزیر اپنے فرائض وزارت چھوڑ کر اتنا طویل سفر اختیار کرتا۔ پھر اگر یہ کام اتنا ہی اہم تھا تو بھی شام میں چندہ کی تحریک کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ملک اندرونی شورشوں سے برباد ہو رہا ہے۔ چندے کے لئے سب سے مناسب مقام، مصر اور ہندستان تھے۔ (ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سب سے مناسب مقام" اب اگر صرف مصر ہی کو سمجھا جائے تو ہندوستان کو کوئی شکایت نہ ہوگی! ـ الہلال)

پھر آخر سید قدور بن غبریط کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب وہی دیا جارہا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں، یعنی فرانس کی سیاسی حکمت عملی کا اضطراب۔ خیال کیا جاتا ہے اب فرانس، شام کو مراکش کے ماتحت کردینا چاہتا ہے۔ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی ہے کہ سلطان مراکش کے بھائی یا لڑکے کو شام کا "بادشاہ" بنا دیا جائے گا۔ اور حکومت کی باگیں مراکش کے فرانسیسی حکام کے ہاتھوں میں رہیں گی!

اگر یہ افواہ صحیح ہے تو بدنصیب شام کی طرح فرانس کے تدبر پر بھی ماتم کرنا چاہئے۔ شام، مراکش سے کہیں زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ بھلا شامی یہ تجویز ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کرسکتے ہیں کہ مراکش کے ماتحت ہو جائیں؟ جب سے یہ افواہ مشہور ہوئی ہے ہر طرف عام ناراضی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ شام کے باشندے بڑے مہمان نواز ہیں، مگر اس افواہ نے اُنھیں سید قدور سے سخت متنفر کردیا ہے۔ چند دن کی بات ہے کہ دمشق کی بلدیہ (میونسپلٹی) کے رئیس نے مراکشی مہمان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور معززین شہر کو خطوط کے ذریعہ دعوتیں بھیجی تھیں۔ مگر چونکہ اُسوقت تک یہ افواہ پھیل چکی تھی، اس لئے چھ سات آدمیوں سے زیادہ دعوت میں مجمع نہ ہوسکا اور اس مہمان "عزیز" نے معلوم کرلیا کہ شام اب اُنھیں اُنکے مقصد سفر سے الگ کرکے نہیں دیکھ سکتا!

جہاد آزادی

"دروز" ابتک جہاد آزادی سے تھکے نہیں ہیں۔ بلاشبہ اُنھیں سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ مٹھی بھر قوم اور فرانس جیسی سلطنت سے جنگ! تاریخ کی بڑی سے بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ مگر یہ بہادر قوم کسی طرح بھی ہتیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی!

دروزیوں کی موجودہ قوت کیا ہے؟ اُن کا پروگرام کیا ہے یہ بات بھی ویسی ہی مبہم ہے جیسی خود فرانس کی حکمت عملی ہے۔ ہائی کمشنر نے پیرس میں تقریر کرتے ہوئے شام کی حالت یہ بتائی

اولاد میدانِ عمل میں ہمیشہ سرگرمی دکھاتی رہی۔ پنجاب میں آباد ہونے والے عام یونانیوں کے برعکس اس کی جدوجہد برابر جاری رہتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسی باختری یونانیوں نے ۲۰۰ قبل مسیح میں دوبارہ ٹیکسلا اور دیگر قریبی علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔

تورانیوں کا دور

یونانیوں نے ٹیکسلا پر کچھ اوپر ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد سیستان کے رہنے والے تورانیوں نے جو ہندوستان میں آکر شاکا کہلائے تھے، دریائے اٹک کو عبور کرلیا اور پنجاب پر حملہ کردیا۔ قریب ایک صدی قبل مسیح میں ٹیکسلا پر ان کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اُن کے بعد اہل پارتھیا پہنچے اور اُن کا دور دورہ رہا۔

اہل کشان کا حملہ

سنہ ۵۰ء یا ۶۰ء میں اہل کشان نے جو اول اول چین کے شمال مغرب سے آئے تھے، اہل پارتھیا کو مغلوب کرکے وادیٔ کابل اور ٹیکسلا پر قبضہ کرلیا۔ دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کا ایک عظیم الشان بادشاہ کنشک تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت وسط ایشیا سے حدود بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ پشاور (پرش پور) اس کا سرمائی دارالخلافہ تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک اہل کشان کا عروج رہا۔ پھر ان کا زوال شروع ہوگیا۔ ٹیکسلا کی کھدائی میں بہت سے ساسانی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل کشان کے زوال کا ابتدائی باعث کوئی ساسانی حملہ ہوا تھا۔

ٹیکسلا کی تباہی

لیکن اس خاندان کی آخری اور مکمل تباہی اس وحشی قوم کے ہاتھوں ہوئی جس کو ہناتی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ۴۵۰ء میں ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ کشان کی سلطنت زیرنگیں کرلی۔ اور خاندان گپتا کی عظیم الشان سلطنت کو بھی تباہ اور برباد کردیا۔ ایک چینی سیاح فاہیان نامی نے ۴۰۰ء میں ٹیکسلا اکر بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مذہب کی زیارت گاہیں بہت آباد اور مشہور تھیں۔ لیکن ان ہناتی وحشیوں نے یہ تمام علاقہ بڑی بے دردی سے ویران کردیا۔ ٹیکسلا اور دوسرے مقامات کی خانقاہیں اور مندر انہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ اس ہناتی فتنہ کے بعد ٹیکسلا کو پھر کبھی عروج نصیب نہیں ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ٹیکسلا سلطنت کشمیر کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اور مقامی حکام کی خانہ جنگیاں اس کے باقی ماندہ مندروں اور خانقاہوں کی تباہی کا باعث ہورہی تھیں

موجودہ آثار

اب ہم ان خانقاہوں مندروں اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو ٹیکسلا کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔

دھرما راجیکا ستوپہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے قابل ذکر "دھرما راجیکا" ستوپہ ہے (ابتدا میں لفظ "ستوپہ" صرف ان ٹیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو اس کا اطلاق ان ٹیلوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو بدھ یا بدھ کے حواریوں کے برکات محفوظ کرنے یا کسی متبرک مقام کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنائے جانے لگے) یہ ستوپہ، چیر ٹوپ کے نام سے بھی مشہور ہے بڑا ستوپہ تمرا نالہ کی سطح سے بہت اوپر ایک اونچے میدان میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر اور پجاریوں کے رہنے کے مکان بھی ہیں۔ بڑا ستوپہ گول ہے۔ اس کے گرد ایک بلند چبوترہ ہے جس میں چاروں طرف زینے لگے ہیں۔ یہ چبوترہ ستوپے کے گرد طواف کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چھوٹے ستوپوں میں سے ایک ستوپے کا تبرک خانہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس خانے کے اندر سے ایک ڈبیالی ہے جو چار انچ اونچی ہے۔ اس ڈبیا کے اندر ایک اور چھوٹی سی ڈبیا ہے اور اس میں کچھ جلی ہوئی ہڈی، کچھ راکھ، اور سونے، موتی، اور ہڈی کے چند دانے پائے گئے ہیں۔ اسی خانہ میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ستوپہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے نیچے کی طرف لعل، بلور، سنگ سلیمانی، یاقوت، نیلم، عقیق، فیروزہ، صدف، پکھراج، اور ہڈی کے سُفتہ دانے اور نگینے کافی تعداد میں موجود تھے۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کے تبرک خانہ سے کئی پرانے سکے سیفٹی پن کی طرح سونے کا ایک زیور نیلم، بلور، اور یاقوت کے دانے، اور مونگے کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں سرکار ہند نے لنکا کے پیروانِ بدھ کو تحفہ کے طور پر دیدی ہیں اور اب لنکا کے ایک مندر میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مندروں میں چونے اور مٹی کی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں ایک اور چھوٹے ستوپے کے اندر سے چاندی کی ڈبیالی ہے۔ جس کے اندر ایک اور چھوٹی سنہری ڈبیا تھی اس میں ہڈیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور جسم انسانی کی سوختہ راکھ کی نسبت علمار آثار نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خود بدھ اعظم کے نعش کی راکھ ہے، لیکن اس وقت تک بدھ کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں اُن سے اس قیاس کی پوری طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بدھ اعظم کی نہیں لیکن دوسرے اکابر مذہب کی نعش کا بقیہ ہے۔ غالباً یہ دوسرا قیاس ہی قرین صواب ہے۔

ایک مندر میں بدھ کے ایک مجسمہ کا ٹکڑا ملا ہے اس میں صرف پاؤں اور لباس کا نچلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہ پاؤں ایڑی سے انگوٹھے تک ۵ فٹ ۳ انچ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسمہ قریباً ۲۵ فٹ بلند ہوگا! ایک اور چھوٹے ستوپے سے سلطنت کشان کے ۵ طلائی سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ان ستوپوں اور مندروں کے ساتھ بعض دوسری عمارات بھی ہیں۔ ایک گلی میں بدھ کی دو بڑی بڑی مورتیں پائی گئی ہیں جن کے سر ضائع ہوچکے ہیں لیکن مورت کی وضع سے حالت استغراق ظاہر ہوتی ہے۔ ان ستوپوں سے ذرا آگے ایک کھلے میدان میں ایک تالاب برآمد ہوا ہے جس کے پہلوؤں میں چار چھوٹے چھوٹے ستوپے اور ہیں۔ یہ تالاب تورانی یا پارتھیائی عہد کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ستوپہ کے اندر سے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ اور عہد کنشک کے چند سکے بھی ملے ہیں۔

ان کے علاوہ اور کئی طرح کے تبرکات اور بدھ کی مختلف حالتوں کی مورتیاں اور قدیم سکے بھی ملے ہیں جن سے ٹیکسلا کی تاریخ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔

کنال ستوپہ

دوسرا ستوپہ جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے وہ ستوپہ کنال کے نام سے موسوم ہے۔ ہیون چوانگ (چین کا مشہور سیاح) جب ٹیکسلا آیا تھا تو وہ اسی شہر میں مقیم ہوا تھا۔ اسے آجکل سرسکھ کہتے ہیں۔ شہر کے مضافات میں جن چار بدھ یادگاروں کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک راجہ ایلاپترا کا تالاب تھا۔ یہ متبرک تالاب حسن ابدال میں واقع تھا جسے سکھ آجکل پنجہ صاحب کہتے ہیں اور جس کے متعلق اُن کی کئی عجیب غریب روایات مشہور ہیں۔ دوسرا ایک ستوپہ ہے جس سے بدھ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق خزانہ برآمد ہونا چاہئے تھا۔ تیسرا یہ سر دالا ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے تعمیر کرایا تھا۔ چوتھا وہ ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے اس مقام پر بنوایا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹے کنال کی آنکھیں اُس کی سوتیلی ماں نے نکلوادی تھیں۔

ستوپہ کنال شہر سرکپ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کی کرسی شمالاً جنوباً ۵۰ افٹ لمبی، اور شرقاً غرباً ۴۶ فٹ چوڑی ہے یہ ستوپہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا ستوپہ اس ستوپے کے اندر سے بھی برآمد ہوا ہے۔

ستوپہ کنال کے نزدیک ایک خانقاہ بھی ہے۔ اس کی دیواریں جو ۱۳-۱۴ فٹ بلند تھیں اب بھی کہیں کہیں باقی ہیں۔ یہ خانقاہ قریباً دو سو فٹ لمبی اور ڈیڑھ سو فٹ چوڑی ہے۔ چاروں طرف برآمدے اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

شہر سرکپ

شہر سرکپ کے کھنڈروں سے تمام شہر کا پورا پورا نقشہ ظاہر ہوتا ہے۔ مکانات، بازار، دکانیں، گلیاں، چوک، شاہی محل، چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر، یونیورسٹی کی عمارات، تمام کی تمام نمودار ہوچکی ہیں

برآمد شدہ اشیار

اس شہر کی کھدائی سے ایک کثیر تعداد مختلف اشیار کی برآمد ہوئی ہے۔ جن کا صرف اجمالی ذکر کیا جاسکتا ہے:

مٹی کے مختلف برتن۔ پانی پینے کے پیالے۔ بڑے بڑے گھڑے۔ پختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ کھلونے۔ سادہ اور نقش دار طشتریاں۔ آہنی برتن، پھاوڑے۔ کرسیاں۔ تپائیاں۔ گھوڑوں کی لگامیں۔ کنجیاں۔ تلواریں۔ تیر۔ کانسی اور تانبے کے برتن عطر دان۔ کئی ہزار سکے۔ سونے چاندی کے زیور... مثلاً طلائی کنگنوں کی جوڑیاں۔ طلائی بالیوں کا ایک جوڑا۔ طلائی جھمکے طلائی جھومر۔ سونے کی انگشتریاں۔ طلائی زنجیریں۔ طلائی ہار۔ طلائی تعویذ طلائی آویزے جن میں یاقوت کے نگینے لگے ہوئے ہیں۔ طلائی سکے۔ طلائی تمغے۔ عقیق۔ یاقوت اور شیشے کے نگینے۔ مختلف سکے اور سکے ڈھالنے کے سانچے وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزیں جو اُس وقت کی تہذیب، تعلیم، تاریخ اور تمدن پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دستیاب ہوچکی ہیں۔

جنڈیال کے ٹیلے

شہر سرکپ کے شمال کی جانب کچا کوٹ سے گزر کر جنڈیال کے دو اونچے اونچے ٹیلے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے کی کھدائی سے ایک مندر کے کھنڈر... برآمد ہوئے ہیں۔ یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلے پر جو سطح زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کا طول ۱۵۸ فٹ ہے۔ اب تک یقینی معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مندر کس مذہب کا ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ تورانی یا پارتھیائی عہد میں جب ٹیکسلا میں زرتشتیوں کا زور تھا، تعمیر ہوا تھا۔

دوسرا ٹیلہ پہلے ٹیلے سے ذرا پچھم کی طرف ہے۔ اس ٹیلے پر بھی ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر... موجود ہیں انہی ٹیلوں کے قریب دو اور چھوٹے ٹیلے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر سے ایک ستوپہ برآمد ہوا ہے اور دوسرے سے ایک ستوپہ کے آثار۔

شہر سرسکھ

سرکپ والے مندر سے قریب ڈیڑھ میل خانپور کی طرف شہر سرسکھ کے کھنڈرات ہیں۔ یہ شہر ٹیکسلا کا سب سے آخری اور جدید شہر ہے۔ غالباً راجہ کنشک نے آباد کیا تھا۔ شہر کی فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے۔ اور فصیل کے باہر برج ہیں۔ سرسکھ کا عام نقشہ قریب قریب مستطیل ہے۔ یہاں سو چند تانبے کے سکے

آثار عتیقہ

ٹیکسلا

ہندوستان قدیم کا ایک مکمل منظر زمین کے نیچے!

دنیا کے ایک عظیم تمدن کی سرگزشت اطلال و آثار کی زبانی!

پیروان بدھ کے شہر، دار العلوم، خانقاہیں

(از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد)

راولپنڈی کے قریب ایک قدیم شہر کے جو آثار برآمد ہوئے ہیں، اور جن کا ذکر "ٹیکسلا یونیورسٹی" کے نام سے تمام دنیا کے اخبارات میں ہو چکا ہے، موجودہ عہد میں علم الآثار کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس اثر کی یہ ہے کہ یہ ایک پرانی آبادی کا مکمل نقشہ دنیا کے سامنے نمایاں کر دیتا ہے۔ پورا شہر، شہر کی تقسیم، اس کے محلے، اس کی سڑکیں، اس کی عمارتیں، اس کے دینی و علمی حلقے، سب اس طرح سامنے آجاتے ہیں، گویا حوادث و ایام کے قلم نے پرانے کھنڈروں اور افتادہ تودوں کی سیاہی سے صفحۂ ارض پر ایک دیوان لکھ دیا ہے:

تلک آثارنا تدل علینا ... فانظروا بعدنا الی الآثار!

کسی پرانے تمدن کا آثار [illegible] ایسا اثر بہت کم میسر آیا ہے۔

اس اکتشاف کے جستہ جستہ حالات اگرچہ شائع ہو چکے ہیں لیکن اس وقت تک پوری شرح و تفصیل کے ساتھ کوئی نظر نہیں ڈالی گئی تھی۔ امید ہے میر ولی اللہ صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ٹیکسلا کے ضروری نقوش و تصاویر بھی شائع کریں گے۔

جغرافیائی محل

راولپنڈی کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر ٹیکسلا ریلوے سٹیشن کے شمال مشرق، ایک قطعۂ زمین ہے۔ یہاں آج سے چند سال پہلے صرف بے رونق زمین، اونچے اونچے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی خشک پہاڑیاں تھیں، اور اب کچھ عرصے سے زمین سے نکلے ہوئے مکانوں، خانقاہوں، مندروں کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آج سے ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے اسی قطعہ میں عظیم الشان شہر آباد تھے۔ ایسے شہر جن کی دولت و شوکت اور علمی کارناموں کو یونان اور ایران کی شاندار سلطنتیں بھی حیرت و رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں!

یہ علاقہ ایک شاداب وادی میں واقع ہے جو دریائے ہرو اور اس کے دو معاونوں لنڈی اور تمراہ سے سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقہ کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک طرف مارگلہ اور دوسری طرف مری اور ہزارہ کے پہاڑوں سے ایک قلعہ بنا دیا ہے۔ یہی دریا اور پہاڑ زمانۂ قدیم میں ٹیکسلا کی آبادی اور رونق کا باعث تھے۔ چونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی شاہراہ پر واقع ہے، اس لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ میں اس علاقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان پر جتنی بیرونی قومیں حملہ آور ہوئیں، سب کی سب اسی راستے سے داخل ہوئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اس علاقہ پر یکے بعد دیگرے کئی قومیں تھوڑے تھوڑے عرصے تک حکمراں بھی رہی ہیں۔

اکتشافات

چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں یاترا کی غرض سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے سفرنامہ کی ان یادداشتوں نے جو ٹیکسلا کے متعلق تھیں، غالباً سب سے پہلے آثار قدیمہ کے ماہرین کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ ایک مدت سے گرد و نواح کے زمینداروں کو اس علاقہ میں پرانے سکے اور دیگر آثار ملتے رہتے تھے اور علم الآثار کے بعض انگریز شائقین بھی یہاں سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈھ نکالتے تھے۔ لیکن آثار کے ان بیش بہا دفینوں کی باقاعدہ اور منظم کھدوائی چند سال ہوئے سرجان مارشل سی، آئی، ای، ڈائرکٹر جنرل محکمۂ آثار قدیمۂ ہند نے شروع کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے تین شہروں کے قریب قریب مکمل کھنڈر اور مختلف قوموں کے بے شمار سکے، زیور، برتن، اور بتوں کا ایک عدیم المثال عجائب خانہ موجود ہے!

ریلوے سٹیشن ٹیکسلا کا نام پہلے "سرائے کالا" تھا۔ اب چند سال سے اسے ٹیکسلا کہتے ہیں۔ سٹیشن کے قریب جو گاؤں آباد ہے، اس کا نام سرائے کالا یا "ڈھیری شاہان" ہے۔ ممکن ہے یہ نام شاہان قدیم کے بسائے ہوئے شہروں کے ان کھنڈروں کی وجہ سے پڑ گیا ہو جو اس علاقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

تین شہر

اب تک تین چار میل کے فاصلے کے اندر تین پرانے شہروں کے کھنڈر مل چکے ہیں۔ ان میں سب سے پرانے شہر کا نام "بھڑ" ہے۔ اس شہر کے کھنڈر سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن اور تمرا نالے کے درمیان واقع ہیں۔ اس شہر کی لمبائی شمالاً جنوباً ۱۲۰۰ گز اور چوڑائی شرقاً غرباً ۳۰۰ گز ہے۔ یہ شہر یونانیوں کے آنے سے کئی سو سال پہلے آباد ہوا تھا۔

دوسرا شہر "سرکپ" ہے۔ اس کی فصیل اب تک موجود ہے۔ فصیل کا گھیرا ۶ ہزار گز اور موٹائی ۱۵ سے ۲۱ فٹ ہے۔ فصیل کے بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حفاظت کے لئے برج بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر غالباً دوسری صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا۔

ٹیکسلا کا تیسرا شہر "سرسکھ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہان کشان (غالباً راجہ کنشک) کا آباد کیا ہوا ہے۔ فصیل کا دور قریباً تین میل ہے اور دیوار ۱۸ فٹ موٹی ہے۔ فصیل کے باہر ۹۰-۹۰ فٹ کے فاصلہ پر برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ "سرسکھ" کی فصیل کے اندر آجکل تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میرپور، ٹوفکیاں اور پنڈ کا گرا آباد ہیں۔

ان شہروں کے علاوہ بدھ مذہب والوں کے بنائے ہوئے ستوپوں، خانقاہوں، اور دیگر قدیم عمارات کے آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

تاریخی حالات

اس شہر کا اصلی نام "ٹکسلا" یا "تکھ شلا" تھا۔ یونانی مورخین نے اسے "ٹیکسلا" لکھا ہے۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ اس کی تصدیق ان کتبوں سے ہوتی ہے جو نقش رستم میں دارا کی قبر پر اور خود ٹیکسلا میں بھی ملے ہیں۔ بدھ مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھی۔

سکندر اعظم کا حملہ

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا۔ ٹیکسلا کی سلطنت اس وقت دریائے اٹک سے دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شہر بلا لڑائی کے سکندر اعظم کے حوالے کر دیا گیا۔ جب سکندر نے راجہ پورس پر حملہ کیا تو راجہ آمبھی (؟) ٹیکسلا نے فوج سے سکندر کی امداد کی۔ اس کے صلہ میں سکندر نے راجہ کو نہ صرف سلطنت ٹیکسلا ہی پر بحال رہنے دیا، بلکہ اپنے مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ بھی دے دیا۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد راجہ چندر گپت نے یونانی فوجوں کو دریائے اٹک کے پار ہٹا دیا اور پنجاب اور ٹیکسلا کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آگئیں۔ چندر گپت کی حکومت کی سخت گیری سے تنگ آکر ٹیکسلا نے خود مختاری کے لئے جد و جہد کی اور بالآخر موریا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد راجہ کا ولی عہد شہزادہ اشوک آپہنچا۔ اور اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے ٹیکسلا میں بہ حیثیت نائب السلطنت کے متمکن ہو گیا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے آخری سالوں میں راجہ اشوک کی وفات پر سلطنت موریا کا شیرازہ پھر پریشان ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ٹیکسلا بھی سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار ہو گیا، اور اس کی آزادانہ حکمرانیوں کا تیسرا دور شروع ہوا۔

دوسرا یونانی دور

یونانی حملہ آوروں کی ایک جماعت جو سکندر اعظم کے ساتھ آئی تھی، باختر میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ نو آباد جماعت اور اس کی

برید فرنگ

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

شیخ سنوسی - اور آمریکہ کی کامیاب ہوائی مہم

شیخ سنوسی

اس ہفتہ اخبار "طان" نے اپنے ایک نامہ نگار کا نہایت دلچسپ مضمون شایع کیا ہے - یہ نامہ نگار ملک عسیر (یمن) گیا تھا اور مشہور مجاہد طرابلس السید احمد الشریف یعنی شیخ سنوسی سے ملاقات حاصل کی تھی - یہ مضمون دراصل اسی ملاقات کے متعلق ہے ذیل میں اُس کے اہم حصے ملاحظہ ہوں:

شیخ سنوسی کی شخصیت

شیخ سنوسی بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو کچھ مدت پہلے صاحب اختیار و قوت تھے - اُن کا نام دول یورپ کے دلوں پر رعب طاری کر دیتا تھا - اُن کی شخصیت تمام دنیا میں خاص اہمیت رکھتی تھی لیکن جس طرح جنگ عظیم نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج اُن کے سروں سے اُتار پھینکے، اُسی طرح صحرا کے اس درویش بادشاہ کو بھی اُس کی حکومت سے محروم کر دیا - آج یہ اولوالعزم انسان جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے - لیکن اسپر بھی اُس کی شخصیت اب بھی اُتنی ہی وزنی ہے جتنی کبھی تھی، بلکہ وہ معزول فرمانرواؤں میں اسوقت سب سے زیادہ با اثر، معزز، اور طاقتور ہے - یہ اس لئے کہ اُس کی بادشاہی صرف گوشت پوست کے پتلوں پر قائم نہ تھی کہ اُن کے ٹوٹتے ہی وہ بے قدر و قیمت ہو جاتا - اُسکی حکومت جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں اور روحوں پر بھی قائم تھی - وہ اب بھی قائم ہے اور کوئی انسانی قوت اُسے زائل نہیں کر سکتی -

شیخ سنوسی آجکل عسیر میں موجود ہیں - عسیر سے اُنکے دیرینہ خاندانی تعلقات ہیں - شیخ سنوسی کے دادا سید محمد سنوسی، سید احمد ادریسی کے شاگرد اور مرید تھے اور انہی کے حکم سے طرابلس گئے تھے - اس رشتہ کی وجہ سے شیخ سنوسی کا عسیر میں بہت اثر ہے - بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اسوقت عسیر کی حکومت شیخ سنوسی ہی کے ہاتھ میں ہے - عسیر میں آکر اُنھوں نے دو کام بہت اہم کئے - ایک یہ کہ امیر علی ادریسی کو معزول کر دیا جو ایک نا سمجھ نوجوان تھا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا امیر حسن ادریسی کو حاکم بنا دیا جو مدبر اور دانشمند آدمی ہے - دوسرا کام یہ کیا کہ نجد و عسیر میں معاہدہ کرا کے عسیر کو یورپین اقتدار سے بچا لیا -

عسیر کے قلعہ میں

شیخ سنوسی سے مجھے قلعہ میں شرف ملاقات حاصل ہوا - رات کا وقت تھا - دو غلام ہمارے سامنے روشن موم بتیاں لئے چل رہے تھے اور پیچھے دس بارہ سپاہی ننگی تلواریں لئے ساتھ تھے - پھاٹک پر ہم ایک لمحہ رُکنے پر مجبور ہوئے کیونکہ ایک سنتری کو بچھو نے کاٹ لیا تھا -

ہم صحن میں پہنچے - جا بجا ذکر جاکر لیٹے تھے - ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے - پھر ایک تنگ دروازے میں گھسے اور ایک دوسرے صحن میں پہنچے - یہ بالکل خالی تھا - ہم برابر ایک صحن سے دوسرے صحن میں پہنچتے رہے - یہاں تک کہ ایک مکعب شکل کی مختصر عمارت کے سامنے پہونچے - یہی شیخ سنوسی سے ملاقات کی جگہ ہے -

شیخ سنوسی کا حلیہ

میں اندر داخل ہوا تو جلیل القدر شیخ کو اپنے انتظار میں پایا - موصوف کا قد درمیانہ، جسم لاغر، صورت مراکشی، رنگ گورا ناک بڑی اور خمیدہ، داڑھی ہلکی اور چھوٹی، مونچھیں لمبی اور پتلی - لباس مراکشی - اس حال میں وہ مجھ سے ملے - ملاقات کے وقت اُن کے اعصاب میں سخت ہیجان تھا اور نہایت غضبناک معلوم ہوتے تھے - میں قالین پر بیٹھ گیا - شیخ میرے سامنے تھے - وزیر نے میرا تعارف ان لفظوں میں کرایا "یہ بڑے شریف آدمی ہیں ان کی بات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے"

شیخ سنوسی کا جوش

شیخ نے بڑے ہی جوش سے تقریر شروع کر دی - اٹلی کا نام جب جب زبان پر آتا تھا تو دانت پیستے تھے "ہم سنوسی آزادی کیساتھ زندہ رہیں گے اور آزاد ہی مریں گے" شیخ نے قہر آلود آواز میں کہا "ہم موت کے آخری لمحہ تک یورپین ملک گیری سے لڑینگے بہت ممکن ہے آج ہم فتح حاصل نہ کر سکیں - لیکن میدان سیاست میں ہمیشہ اچھے موقعے آتے رہتے ہیں - عنقریب ہمارا موقعہ بھی آجائے گا"

آزادی کی قیمت

"بعض ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں جو ہم سے کہتی ہیں "اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہم تمھیں اتنی اتنی دولت دیتے ہیں!" یہ وہ سلطنتیں ہیں جو علم و حکمت کی دعویدار ہیں - مگر وہ عربی علم النفس سے قطعاً جاہل ہیں - اگر وہ پہاڑ اُحد کے برابر بھی ہمیں سونا تول دیں، اور افریقہ کی پوری ریگ کو الماس و زمرد بنا دیں، جب بھی ہمارا یہی جواب ہوگا "نہیں!" آزادی، چاندی سونے اور ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے - وہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کی جا سکتی"

سنوسی طریقہ

یورپ میں شاید یہی سمجھا جاتا ہے کہ سنوسیت محض ایک بدوی درویشوں کا طریقہ ہے - یہ سمجھنے والوں کی غلطی ہے - ہماری ہر خانقاہ بیک وقت، مسجد، مسافر خانہ، مدرسہ اور فوجی بارک ہے - ہر خانقاہ کا شیخ بیک وقت نماز کا امام، مدرسہ کا معلم، مجلس کا واعظ اور فوج کا سپہ سالار ہے - تمام صحرا افریقہ ہماری خانقاہوں سے لبریز ہے - تمام خانقاہیں صرف ایک مرکز کے تابع ہیں اور اس مرکز کا امام خود میں ہوں!

"ہماری تحریک صرف طرابلس ہی میں عام نہیں ہے بلکہ سوڈان مصر، حجاز اور یمن تک میں پھیلی ہوئی ہے - بلاشبہ ان ملکوں میں اُسنے سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں نہیں لی ہے - لیکن جب ہم چاہیں ہزاروں مجاہد ان علاقوں سے حاصل کر سکتے ہیں"

اٹلی نے کیا حاصل کیا؟

"میری عدم موجودگی میں بھی طرابلس اور برقہ غازی میں سنوسی اٹلی سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں اور ہمیشہ یوں ہی کرتے رہیں گے - وہاں میرے چچا کا لڑکا میرا قائم مقام ہے اور ہرگز ذلت قبول نہیں کر سکتا - اتنی طویل اور خونریز جنگوں کے بعد بھی اٹلی سمندر سے کچھ زیادہ دُور تک نہ جا سکا - اندرون ملک پر اٹلی کا قبضہ محال ہے"

صحرائی جنت

"مصریوں کے ہاتھ سے "جغبوب" چھین کر اٹلی والے خوش ہو رہے ہیں کہ اب ہم سنوسیوں کو مار لیں گے!" لیکن یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے - جغبوب ہمارا ایک مقدس شہر ہے، صرف اس وجہ سے نہیں کہ وہاں محمد سنوسی (رح) کی قبر ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ ہمارا عقلی مرکز ہے - وہیں ہماری سب سے بڑی علمی جامعہ (یونیورسٹی) ہے ہم نے اس صحرائی خطہ کو جنت بنا دیا ہے - اس میں نہریں جاری کی ہیں اور پورا شہر آباد کر دیا ہے - جغبوب پر قبضہ، اٹلی کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہے - عنقریب اُسے اپنی اس حماقت کی سزا مل جائے گی - ہم اپنے اس متبرک شہر کو ہرگز اٹلی کے علم کے نیچے نہیں دیکھ سکتے - ہم اپنے خون سے اسے دوبارہ خرید لیں گے!"

طلیانی جنسیت

"ہم سے اٹلی کہتا ہے "ہماری جنسیت قبول کر لو" ہرگز نہیں! یہ ہمارا جواب ہے اور قیامت تک یہی جواب رہے گا - میں اپنی اور اپنے چچیرے بھائی اور تمام سنوسیوں کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اپنی گردنیں کٹوا دینا ہمارے لئے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ طلیانی (اٹالین) جنسیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں میں صحرا کا باشندہ تھا - اب حکومت حجاز کی رعیت ہوں - اگر حالات کبھی اس جنسیت کی محافظت نہ کرنے دیں تو میں مصری ہونا پسند کروں گا - میں مصریوں سے محبت کرتا ہوں - میں مصریوں کا شکر گزار ہوں - میں زندگی بھر اُن کا احسان مند رہوں گا - کیونکہ اُنھوں نے اپنے طرابلسی بھائیوں کی بڑی مدد کی تھی اور جغبوب کی بڑی شجاعت سے مدافعت کی تھی - وہ جغبوب جو سلطان عبدالمجید نے ہمیں مصری دولت سے بخش دیا تھا"

اسلامی روح

شیخ سنوسی بڑے غصہ، جوش، اور تلخی سے تقریر کر رہے تھے - اچانک وہ چپ ہو گئے - شاید سستانے لگے - پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا:

"جب تم یورپ پہنچنا تو اٹلی والوں سے کہدینا کہ اُنھوں نے اب تک اسلامی روح نہیں سمجھی ہے - اگر سمجھی ہوتی تو ہرگز یہ خیال نہ کرتے کہ جغبوب پر قبضہ کر کے وہ ہمیں زیر کر لیں گے - بہت سی سلطنتیں جو آج بڑی ہیں کل چھوٹی ہو جائیں گی - جرمنی اور روس کو دیکھو

ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک آئینے کا دستہ، اور شاہنشاہ اکبر کے زمانے کے کچھ پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

لال چک کے آثار

ٹکسلا کے شمال مشرق میں ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر چار چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جنھیں آجکل لال چک کہتے ہیں۔ ان ٹیلوں کے نیچے سے بدھ مذہب والوں کی ایک آبادی کے آثار نکلے ہیں۔ ان میں ستوپے، مندر، اور خانقاہیں ہیں۔ یہ غالباً چوتھی صدی عیسوی کی تعمیرات ہیں۔ ان کھنڈروں سے عہد اقتالی کے کئی نقرئی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ عمارتیں چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے پہلے جلکر پیوند زمین ہوگئیں۔ ایک ستوپے کی اندرونی بھرتی سے مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہوں کے ایک سو چالیس سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کی بنیادی چنائی میں سے سونے، یاقوت، لعل، یشب، اور سیپ کے تیس منکے ملے ہیں لیکن یادگاری ہڈی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہو۔

بادل پور کا ستوپہ

بادل پور کا ستوپہ جو موضع بھیرو کے قریب واقع ہو، دستبرد زمانہ کا زیادہ شکار ہوا۔ کرسی کے سوا اس کے آثار بہت کم باقی ہیں۔ اس ستوپے کے مشرق کی طرف ایک وسیع خانقاہ کے بھی کھنڈر ہیں جو سکے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں، وہ تمام کنشک ہوشک، اور واسودیو (یعنی شاہان کشان) کے عہد کے ہیں۔ یہ غالباً تیسری صدی عیسوی کی تعمیر ہو۔

مصوّر دیواریں

بدھ عمارات کے وہ سلسلے جو موہڑہ مرادو اور جولیان کے نزدیک واقع ہیں، بہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں بعض ستوپے ایسے ہیں جن کی تمام سطح پر تصویریں ہی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ان ستوپوں کے ساتھ خانقاہیں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بعض پرانے کنوؤں کے کھنڈر... بھی نظر آتے تھے۔ جو اب بھر چکے ہیں اور ان پر کاشت ہوتی ہو۔ خانقاہوں میں چاروں طرف حجرے تھے۔ ایک گوشہ میں غسل خانہ، مجلس خانہ، باورچی خانہ، نعمت خانہ، اور انبار خانہ تھا۔ ان مقامات پر بدھ کی حالت استغراق کی کئی مورتیاں ہیں۔

ٹکسلا کی آتشزدگی

جس آگ سے یہ عمارات تباہ ہوئیں وہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ان حجروں میں سے ایک یاقوت کی جلی ہوئی مُہر برآمد ہوئی ہو جس پر عہد گپتا کے براہمی خط میں یہ الفاظ کندہ ہیں "سری کلیشورا داسی" اسی عہد کی ایک اور تحریر بھوج پتر پر لکھی ہوئی بھی ملی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آتش زدگی کا حادثہ عہد گپتا سے پیشتر کا نہیں ہوسکتا، اور اس کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا وسط ہو۔ یہاں سے ساسانی کشانی نمونے کے چند کھوٹے سکے، آہنی میخیں، قبضے، تانبے کے زیور، اور مٹی کی مورتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

ایک زیر تنقیب حصہ

بھلّر ستوپہ کے قریب بدھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اور سلسلہ بھی زیر تنقیب (کھدائی) ہو۔ یہ سلسلہ سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن کے قریب، سرائے کالا سے ۵ میل اور دریائے ہرو سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہو۔ ہوانگ چوانگ کا بیان ہو کہ بھلّر ستوپہ شاہنشاہ اشوک نے اُس مقام پر بنایا تھا جہاں مہاتما بدھ نے اپنے سابق جنم میں اپنا سر قربان کیا تھا۔ اسوقت اُس ستوپے کا کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ جو ستوپہ موجود ہو وہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہوسکتا۔ ستوپے کے سامنے ایک وسیع صحن ہو اور چاروں طرف کمروں اور ایک خانقاہ کے آثار ہیں۔

شہر "بھڑ"

شہر بھڑ جو ٹکسلا کا سب سے قدیمی شہر ہو، موضع بھڑ درگاہی کے پاس ہو۔ یہاں سے مٹی کے برتن، مٹی کی مورتیں، چاندی کے کھوٹے سکے، طلائی زیورات (چوڑی اور آویزہ وغیرہ) موتی نیلم، یاقوت، مونگے، اور دیگر قیمتی پتھروں کے منکے، ایک تنگ و تاریک کنواں، اور اس کنویں سے خالی مٹکے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے، برآمد ہوئے ہیں۔ بعض اندرونی شہادتوں کو معلوم ہوتا ہو کہ یہ زیور.. تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں رکھے گئے تھے

مقالات

اسلام اور نیشنلزم

۳

عصبیت نسل و وطن

گذشتہ مجلس میں ہم اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کی دعوت "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی دعوت تھی۔ اس لئے اُس کا رجحان ان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن کے قبائلی امتیاز سے پیدا ہوگئے تھے۔ اب ضروری ہے کہ مختصراً عصبیت نسل و وطن کی بھی تشریح کر دی جائے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ اسلام کی روح جس چیز کی مخالف ہے، وہ صاف اور معین صورت میں کیا ہے؟

دو چیزیں ہیں: ایک نسل و وطن کا تحفظ ہے۔ ایک نسل و وطن کا تعصب ہے۔ اسلام کی روح تعصب کی مخالف ہے۔ تحفظ کی مخالف نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اس طرح کا دائرہ بنتا ہے، تو گو اس کی ابتدا تحفظ کے جذبات سے ہوتی ہے، لیکن آگے چلکر تحفظ تعصب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پہلے انسانوں کی ایک جماعت وطنیۃ اور قومیت کا دائرہ اس لئے کھینچتی ہے تاکہ اُس کے اندر رہکر دوسروں کے حملوں سے اپنی حفاظت کرے، یہ قومیت "دفاعی قومیت" ہوتی ہے۔ لیکن جب کچھ عرصہ تک یہ دائرہ قائم رہتا ہے تو پھر قومی حفاظت کی جگہ قومی برتری اور وطنی گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اور "دفاعی قومیت" اچانک "ہجومی قومیت" کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اب قومیت اپنا بچاؤ ہی نہیں چاہتی۔ دوسروں پر حملہ بھی کرنا چاہتی ہے۔ ساتھ ہی نسلی اور قومی برتری کا نشہ دوسرے انسانوں سے علیحدگی اور ان کی تحقیر و تذلیل کے جذبات بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مختلف قومی حلقوں میں باہمدگر تصادم شروع ہو جاتا ہے، اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات افسردہ ہو کر رہجاتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج صرف یہی تھا کہ حتی الامکان تنگ دائروں کا قیام ہی روک دیا جائے۔ جب کبھی کوئی تنگ دائرہ بنے گا، تو چونکہ یہ حقیقی انسانی دائرہ کی وسعت میں قطع و برید ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ وسعت نظر و احساس کی جگہ تنگی نظر و ضیق صدر کی بنیادیں پڑ جائیں۔ اسلام نے اسی لئے ان تمام تنگ دائروں کی ہمت افزائی کرنے سے انکار کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی تھی کہ اس وسعت نظر کی متحمل ہو سکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا ایک ایسا دائرہ تو بن گیا جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے لیکن نوع انسانی کی حد بندیاں نہ ٹوٹ سکیں!

وطنی و نسلی عصبیت کی اگر تحلیل کی جائے تو تین چیزیں ایسی نکلیں گی جنھیں خاص خاص لفظوں میں تعبیر کرکے بتلایا جا سکتا ہے کہ اس عصبیت کے عناصر کیا کیا ہیں:

(۱) جماعتی تنگ نظری۔

"جماعتی تنگ نظری" سے مقصود یہ ہے کہ جب انسانوں کا کوئی گروہ دوسروں سے الگ ہو کر ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر محصور ہو جاتا ہے، تو اس کا دل تنگ، نظر محدود، اور ظرف کوتاہ ہو جاتا ہے اُس کی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سکڑ کے رہجاتی ہے۔ اُس کا جماعتی دماغ نظر کی وسعت، حوصلہ کی فراخی، اور ارادوں کی بلندی پیدا نہیں کر سکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشہ میں پیمانۂ فکر وسعت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے جذبات بھی نہایت تنگ اور محدود ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے گرد اور اپنے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہے۔ اُس سے باہر کا کوئی اثر قبول نہیں کر سکتا۔ وہ انسان ہونے پر بھی نوع انسانی سے الگ رہنا چاہتا ہے۔ اُس میں اور انسانیت میں ایک ناقابل عبور دیوار کھنچ جاتی ہے!

جماعتی مزاج کی اس حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان کی ہم ذاتوں کا نظام (کاسٹ سسٹم) ہے۔ یہ دنیا کے اُس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور دیرپا یادگار ہے جب اُس کے قدم "قبیلہ" کی منزل میں جم چکے تھے۔ "قبیلہ" کی حد بندی کو منو نے ذات کی تقسیم میں منقسم کر دیا، اور جماعتی حد بندی کی حفاظت کے لئے اُنکے الگ الگ کام اور پیشے قرار دے دیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ "انسانیت" کے تمام اعلیٰ جذبات فنا ہوگئے، اور حلقہ بندی کی ساری تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہوگئیں۔ اب دنیا منو کے عہد سے ہزاروں برس آگے بڑھ چکی ہے لیکن ہندوستان اب بھی طیار نہیں ہے کہ ان حد بندیوں کی سرحد عبور کرکے انسانیت کی وسعت کی طرف قدم اُٹھائے!

(۲) نسلی اور وطنی غرور و کبر۔

دوسری چیز نسلی اور وطنی بڑائی کا گھمنڈ ہے اور اس سے بڑھکر انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے کوئی جذبہ مہلک نہیں۔ یہ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال کر دیتا ہے۔ انسانیت، عمل، استعداد، اور حق کی جگہ ایک غیر طبعی معیار فضیلت یعنے نسل اور وطن کا معیار قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے قدیم نمونے عرب جاہلیت کے غرور نسب اور ہندوستان کے برہمنوں کے نسلی گھمنڈ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ نئے نمونے یورپ کی قومیتوں اور جنسیتوں کی شکل میں دنیا کے سامنے ہیں۔ علم، استعداد اور مساوات کی اس سب سے بڑی صدی میں بھی ایک انگریز سب سے پہلے انگریز ہونے کو اور ایک امریکن سب سے پہلے امریکن ہونے پر نظر رکھتا ہے!

البتہ یاد رہے کہ "غرور" اور "خودداری" میں فرق ہے۔ جماعت اور فرد دونوں کے لئے مذموم غرور و کبر ہے۔ خودداری نہیں ہے۔

(۳) جماعتی برتری کا غلو۔

تیسری چیز وہ ہے جسے "جماعتی برتری کے غلو" سے تعبیر کرنا چاہئے۔ جب ایک دائرہ وطنیۃ اور قومیۃ کا بن جاتا ہے، تو آہستہ آہستہ اُس میں قومی برتری کے جذبات نشو و نما پانے لگتے ہیں۔ ایک خاص حد تک تو ان میں غلو نہیں ہوتا، لیکن جب اُس حد سے متجاوز ہو جاتے ہیں، تو پھر قومی گھمنڈ اور کبریائی کا ایک جنون ہوتا ہے جس کے نشہ سے قوم کا ہر فرد متوالا ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے نوع انسانی کا ہر فرد اسکی قومی برتری کے سامنے سربسجود ہو جائے اور زمین کا ہر ٹکڑہ اس کے قدموں سے پامال ہو۔ اُسکی حرص غیر محدود اور اس کے قومی مطامع لا متناہی ہوتے ہیں۔ رومتہ الکبریٰ نے ساری دنیا کو دو قسموں میں بانٹ دیا تھا: حاکم اور محکوم۔ وہ صرف اپنے کو حاکم قوم سمجھتے۔ باقی ساری دنیا محکومیت کے لئے تھی۔ نپولین کی پے درپے لڑائیوں نے فرانس کی آبادیاں جوان مردوں سے خالی کر دیں۔ اُس کی عالمگیر اولوالعزمیوں کی وجہ سے تمام یورپ فرانس کا دشمن ہو گیا۔ تاہم نپولین جو جماعتی دماغ کے بھیدوں کا سب سے بڑا نباض تھا، جب کبھی عوام کے سامنے آتا اور نعرہ لگاتا۔ "فرانس کی عظمت، فرانس کا جھنڈا، فرانس کے جھنڈے کے تین رنگ" تو فرانس اپنی ساری بربادیاں اور خونریزیاں بھول جاتا، اور وطنیۃ کے جنون سے بیخود ہو کر پکارنے لگتا "زندہ باد فرانس"۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قومی اور وطنی گھمنڈ کے اس نشہ میں وہ یہ بھی بھول جاتا کہ جس شاہی استبداد سے نجات پانے کے لئے اُس نے ہزاروں فرانسیسیوں کے سر گلوٹین کی چھری سے جدا کر دیئے تھے: وہی استبداد آج نپولین کی شخصیت میں ایک درجہ اور شدید ہو کر موجود ہو گیا ہے، اور شاہی کی جگہ "شہنشاہی" اُس پر مسلط ہے۔ وہ دیوانہ وار پکارتا "زندہ باد شہنشاہ"!

نیٹشے اور برن ہارڈی نے جرمنی کو "عالم قومیت" اور "محکوم دنیا" کا جو جام پلایا تھا، اُس کی سرمستیاں بھی دنیا دیکھ چکی ہے۔ "دنیا میں سب سے بڑی قوم جرمن کو ہونا چاہئے یا برطانیہ کو؟" اس سوال نے ۵ برس تک تمام کرۂ ارضی کو خون اور آگ کے حوالے کر دیا۔ آج "برطانی شہنشاہیت" کا بے پناہ جذبہ دنیا کی کسی قوم کو سر اُٹھانے نہیں دیتا۔ سب کو پامال اور سربسجود دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ بھی وہی قومی برتری کا غلو اور جنون ہے۔ "قومیت" کا وہی حلقہ جو کبھی اس لئے بنا تھا کہ اپنی حفاظت کرے۔ اب اس لئے باقی ہے تاکہ دنیا کی کسی قوم اور ملک کے لئے حفاظت باقی نہ رہے!

اسلام کی دعوت جس عصبیت کی مخالف تھی اور جسے اُسنے "عصبیۃ جاہلیۃ" سے تعبیر کیا، وہ یہ عصبیت ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ اُسنے "وطنیۃ" اور "قومیت" کی جس حالت سے اختلاف کیا، وہ وہی حالت ہے جب دفاع اور تحفظ کی جگہ ہجوم اور تعصب کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ البتہ چونکہ اصل بنیاد اس حالت کی یہی ہے کہ انسانیت جیسے وسیع رشتے کی جگہ تنگ اور محدود دائروں کا پیدا ہو جانا، اس لئے اس کی ذہنیت کا عام رجحان اسی طرف رہا کہ سرے سے تنگ دائرے وجود ہی میں نہ آئیں۔

۴

یورپ کی جدید قومیت

"قومیت" اپنے سادہ معنوں میں اگرچہ پہلے سے موجود تھی لیکن موجودہ زمانے میں "قومیت" کے لفظ سے جن اجتماعی معتقدات و جذبات کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، یہ دراصل یورپ کے نئے عہد تمدن کی پیداوار ہے۔ اس کی پیدائش انسانی آزادی و حقوق کی حفاظت کے لئے ہوئی تھی، لیکن اب انسان کی آزادی و حقوق کے لئے یہی چیز سب سے بڑی مصیبت بن گئی ہے۔

ادل نے کیسی سخت شکست اٹھائی؟ دوسری کس طرح پارہ پارہ ہوگئی! لیکن پھر چند دنوں کے بعد صورت حال میں انقلاب ہوا۔ آج وہ پھر دنیا کی عظیم سلطنتیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح آج اٹلی توی ہے اور ہم ضعیف ہیں، لیکن کون جانتا ہے کل کیا ہوگا؟ کیا اٹلی کے پاس کوئی ضمانت موجود ہے کہ اس کی قوت ہمیشہ یوں ہی برقرار رہے گی اور ہم کبھی کروٹ نہیں لینگے؟ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔"

غلامی یا سیاہ موت!

"میں ہرگز ہرگز اٹلی کی ملک گیر پالیسی کے آگے جھک نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے! بالکل ناممکن ہے! قیامت تک ناممکن ہے! میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے خون ریزی مرغوب ہے۔ میں ہرگز جنگ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ میں صلح چاہتا ہوں، اٹلی سے بھی صلح چاہتا ہوں۔ مگر صلح کی بنیاد کیا ہو؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں۔ غلامی سے پہلے تو سیاہ موت! پھر کیا ہو؟ اقتصادی امتیازات؟ میں شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اقتصادی امتیازات دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ اُسوقت جب طرابلس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک سپاہی بھی باقی نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ جنگ! آخری جنگ! قیامت تک جنگ!"

شیخ سنوسی کا غصہ

اب شیخ سنوسی کا غصہ حد بیان سے تجاوز کرچکا تھا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہے تھے۔ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ میں نے آجتک کبھی کسی آدمی کو اتنے غیظ و غضب میں نہیں دیکھا۔ میں ہرگز اپنی اس حالت کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہتا کہ اُن کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا تھا!

دیر تک چپ رہنے کے بعد اُنھوں نے جرمنی کی تعریف شروع کی اور ہنڈنبرگ کو بہت سراہا۔ میں سمجھا اب غصہ ٹھنڈا ہوگیا مگر اچانک وہ پھر زور سے چلائے "جنبوب! اٹلی والوں سے کہدینا کہ آزادی یا موت!..."

وہ جوش سے بالکل بیخود ہوگئے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ مگر ان کا جوش و غضب دیکھ کر میں نے یہی بات موزوں سمجھی کہ مجلس ختم ہوجائے۔ خلاف دستور میں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ شیخ بالکل خاموش ہوگئے۔ مگر تمام بدن سے کانپ رہے تھے اُنھوں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید کہہ ہی نہ سکے صرف ہاتھ کے اشارے سے مجھے خدا حافظ کہا۔

نیویارک سے پیرس تک

میں اپنے پچھلے مکتوب میں کپتان نجیسر کا مفصل ذکر کرچکا ہوں کہ کس طرح وہ پیرس سے ہوائی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا اور لاپتہ ہوگیا۔ کپتان نجیسر کی داستان، فرانس کی عظمت کی داستان تھی، اب آمریکہ کی عظمت کی داستان بھی سن لیجئے۔ آج پورا پیرس، دل شکستہ پیرس، چارلس لنڈبرگ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ ۲۲ سالہ نوجوان، آمریکہ کی پوری عظمت کا نشان ہے،

کپتان نجیسر ایک پرواز میں بحر اعظم اٹلانٹک عبور نہ کرسکا۔ اس کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔ آمریکہ کا ہوائی فاتح چارلس اس مہم میں کامیاب ہوگیا۔ آج تمام دنیا کی نظریں اس نوجوان کے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں جس کے رخسار ہنوز بچپن کے بھولے پن سے لبریز ہیں مگر جس کے دل میں نپولین اور واشنگٹن کا خون بھرا ہوا ہے!

اسنے اپنا ہوائی جہاز خود اپنی نگرانی میں بنوایا تھا اُس کا نام "گہوارۂ موت" رکھا تھا۔ اسکی چھت اکہری تھی۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ ایسے معمولی جہاز سے یہ مہم کیسے سر کی جاسکتی ہے؟ روانگی کی رات کو ہوا باز نے اپنا بہت سا وقت نیویارک کے ایک سینما میں گزارا۔ واپسی پر اُسنے خادم کو ہدایت کی کہ ٹھیک ۲ بجے رات کو جگا دے۔ چنانچہ اُسوقت سے اپنے جہاز کے پُرزوں کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر امریکن گھڑی کے حساب سے ٹھیک، بجکر ۵۲ منٹ صبح، اور یورپین گھڑی کے حساب سے ۱۱ بجکر ۵۲ منٹ دوپہر کو نیویارک کے ہوائی اسٹیشن سے اُڑا۔ یہ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۲۷ کا دن تھا۔

اس کی گود میں اُس کی عزیز سیاہ بلی بھی تھی اور وہ اُسے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا۔ مگر بعد میں یہ خیال کرکے کہ اتنی بلندی پر پہونچکر وہ شاید زندہ نہ رہیگی، اپنے ایک دوست کو یہ کہتے ہوئے دیدی "یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اسکی خوب خاطر کرنا!"

جب جہاز کے انجن نے حرکت کی تو اُس کا ایک دوست رونے لگا۔ ہوا باز نے کہا "کیوں روتے ہو؟ رونے کی کوئی وجہ نہیں، خدا حافظ!" اب "گہوارۂ موت" ہوا میں تھا!

روانگی کے بعد نوجوان کی ماں نے کہا "چارلی ضرور پیرس پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔ اگر جہاز میں جگہ ہوتی تو میں بھی اس کے ساتھ سفر کرتی!" زندہ قوم کی عورتوں کا یہ حال ہے!

۲۱ مئی کی شام کو "گہوارۂ موت" پیرس میں تھا! جہاز اُترتے ہی امریکن سفارتخانہ کا ڈاکٹر دوڑا اور ہوا باز کا طبی معائنہ کرنا چاہا۔ بہادر لڑکے نے ڈاکٹر کو روک دیا "کوئی ضرورت نہیں میں ذرا بھی تھکا نہیں ہوں"

پھر حاضرین کے اصرار پر اُسنے اپنے اس حیرت انگیز سفر کے متعلق صرف اس قدر کہا:

"نیویارک کے رصد خانے نے اُڑنے سے پہلے مجھے خبر دی کہ فضا کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ راستہ میں مجھ اس کی پوری تصدیق ہوگئی۔ ۱۶۰۰ کیلومیٹر مسافت میں نے سخت برفانی آندھیوں میں طے کی۔ میں اس طوفان سے بچنے کے لئے کبھی ۳۰۰۰ میٹر بلندی پر اُڑ جاتا تھا اور کبھی اتنا نیچا ہوتا تھا کہ سمندر کو چھو سکتا تھا میں اس حال میں سطح سمندر سے صرف ۳ میٹر بلند ہوتا تھا۔ راستہ بھر مجھے ذرا بھی نیند محسوس نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسی حالت میں تھا جو نیند کی حالت قبول نہیں کرسکتی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پیرس سے بھی آگے تک میں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے جہاز میں کافی پٹرول بچ رہا ہے"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے دن آمریکن سفارتخانے میں اُسے مدعو کیا۔ یہاں سفیر نے بے تار کی تاربرقی کے ذریعہ نوجوان کی ماں سے گفتگو کا انتظام کر رکھا تھا۔

"ہیلو" ہوا باز نے اپنی ماں کو مخاطب کیا "معاملہ کچھ بھی نہ تھا! تم خیریت سے ہوگی۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ مہم سر ہوگئی!"

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی کون سی تھی؟" اخبار نویسوں نے سوال کیا۔

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی، پیرس پہنچنے اور لاکھوں آدمیوں کے ہجوم میں گھرے ہونے کی گھڑی تھی" ہوا باز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "نیویارک سے پرواز بہت ہی تکلیف دہ تھی میں سمجھتا تھا اس سے زیادہ تکلیف پیش نہیں آئیگی۔ لیکن سمندر پر پہنچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کچھ بھی نہ تھی۔ میں اب نہایت ہی کثیف کہر میں گھر گیا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا برف کی ہولناک بارش ہورہی تھی اور میں بار بار ہمت ہارجاتا تھا میں نے بڑی کوشش کی کہ برفانی طوفان کے اوپر نکل جاؤں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اسوقت میں نے ناامیدی محسوس کی اور واپسی کا خیال کیا۔ مگر ناکامی کی ذلت، موت سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا "ایک دن مرنا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں اگر اسی سمندر میں قبر بنجائے" میں برابر جد و جہد کرتا رہا یہاں تک کہ طوفان نکل گیا اور موسم خوشگوار ہوگیا۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب مجھے سمندر میں ماہی گیروں کی چند بادبانی کشتیاں نظر آئیں۔ آہ! میری مسرت ناقابل بیان تھی۔ میں بالکل نیچے اُتر آیا۔ قریب تھا میرا جہاز کشتیوں کے مستول سے ٹکرا جائے۔ میں نے چلا کر کہا "کیا یہی آئرلینڈ کا راستہ ہے؟" وہ حیرت سے میرے جہاز کو تک رہے تھے۔ شاید مجھے مجنوں سمجھے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا یا دیا اور میں نے سنا نہیں۔ بہرحال تقریباً ۴ بجے شام کو مجھے دُور زمین دکھائی دی۔ میں پھر نیچے اُتر آیا اور غور سے وہ سنگلاخ چٹانیں دیکھیں جو سمندر میں بھوتوں کی طرح سر نکالے کھڑی تھیں۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ آئرلینڈ ہے۔ اب مجھ اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ میں آئرلینڈ اور انگلینڈ کی فضا میں بالکل نیچے اُڑ رہا تھا مگر کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راستہ بھولا نہیں۔ سیدھا پیرس آگیا۔ لیکن عین وقت پر یہاں کے ہوائی اسٹیشن کا راستہ بھول گیا۔ مگر زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اسٹیشن کی روشنی نے میری رہنمائی کی"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز کپتان نجیسر کی ماں سے ملنے گیا۔ پیرس کی نازنینوں نے جو خوبصورت تصویر کھینچی ہیں، اُسے دیکھا تو چلائیں "واقعی یہ خوبصورت ہے!"

غرضکہ وہ ہوائی مہم سر ہوگئی جو اب تک ناممکن معلوم ہوتی تھی، نیویارک سے پیرس تک ۶ ہزار کیلومیٹر کی مسافت ایک پرواز میں طے ہوگئی اور صرف ساڑھے ۳۳ گھنٹوں کی مدت میں!

۲۵ ہزار ڈالر مہم سر کرنے والے کے لئے انعام تھا۔ ۲۲ سالہ نوجوان چارلس نے اسے حاصل کرلیا!

گزر چکی ہو۔ یہ قومیت کا تحفظ نہیں ہو۔ قومیت کا تعصب ہو، یہ "انسانیت" اور "انسانی برادری" کے عین ضد ہو۔ یہ "انسانی آزادی و حقوق" کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی کے نام سے آزادی کی پامالی، اور قومیت کے نام سے صرف طاقت کی معبودیت ہو!

نئی قومیت کے محاسن و مفاسد

اگر یورپ کی قومیتوں اور ان کے اعمال پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل حقیقتیں سامنے آئیں گی:

(۱) "انسانی آزادی" اور "قومی حقوق" کے بنیادی فلسفے قائم ہوگئے اور ان کی وجہ سے یورپ کے ذہن و اجتماع کا انقلاب عظیم وجود میں آگیا۔ جدید "قومیت" کے اصول و عقائد نے جماعتوں کے اندر ایک ایسی نئی اجتماعی طاقت پیدا کر دی جو تمام پچھلی اجتماعی طاقتوں سے زیادہ منظم اور قوی تھی۔

(۲) قومیت کے نشو و نما سے پہلے یورپ مذہبی تعصبات میں مبتلا تھا۔ مسیحیت کی مذہبی جکڑ بندیاں اتنی سخت تھیں کہ ذہن و دماغ کو ہلنے نہیں دیتی تھیں۔ اب "قومیت" کے فروغ نے مذہب کے تعصبات دھیمے کر دیئے۔ مذہب کی جگہ قومیت اجتماع و ارتباط کا رشتہ بن گئی۔ قومیت نے جب سر اٹھایا تھا، تو اسے شاہی استبداد سے کہیں زیادہ پوپ اور کلیسا کے استبداد کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ والٹیر نے بیت المقدس کی جگہ انسانی آزادی کے لئے جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا۔ جب اس معرکہ میں قومیت فتحمند ہوئی تو یہ فتح شاہی اور کلیسائی، دونوں طرح کے استبدادوں پر فتح تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت جڑ پکڑتی جاتی تھی، اور مسیحی جمود اکھڑتا جاتا تھا۔

(۳) "قومیت" کے فروغ سے پہلے یورپ ذہن و اعتقاد کے جن دائروں میں بند تھا، وہ حد درجہ تنگ تھے۔ اس لئے قومیت نے پچھلے دائروں سے ایک زیادہ وسیع دائرہ مہیا کر دیا اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گوشۂ فکر و عمل میں ایک ایسی وسعت پیدا ہوگئی جس کا اس سے پہلے وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۴) مذہبی اور نسلی تعصبات کی جگہ "قومیت" کے قائم ہو جانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر تمام جماعتیں اور تمام طبقات باہمدگر متحد اور منسلک ہوگئے۔ یہ احساس کہ "فلاں انسان ہمارا ہم قوم اور ہم وطن ہو" اتنا قوی اور موثر ہو گیا کہ اس پر کوئی تعصب غالب نہ آسکا۔ مسیحیت اور یہودیت کی تاریخی اور روایتی دشمنی مسلم ہو۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بدنصیب یہودیوں نے وہ ظلم و ستم برداشت نہ کئے ہونگے جو یورپ کی مسیحی حکومتوں میں انھیں صدیوں تک جھیلنے پڑے۔ اٹھارویں صدی کے اواخر تک کسی انسان کے لئے یہودی ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن اب "قومیت" کے جذبے نے یہ تمام جذبات مغلوب کر دیئے۔ سب سے پہلے انگلستان اور فرانس نے، پھر بہ تدریج یورپ کی دوسری قومیتوں نے ان کا حق قومیت بھی اسی طرح تسلیم کر لیا، جس طرح اُن ملکوں کے مسیحی باشندوں کا تسلیم کیا تھا۔ ایک یہودی، انگریز، فرانسیسی یا جرمن ہو کر اسی طرح ان ملکوں کے شہری اور قومی حقوق سے متمتع ہونے لگا، جس طرح مسیحی باشندے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی میں انگریز یہودیوں کے لئے تمام برطانی عہدوں اور منصبوں کے دروازے کھول دیئے گئے حتیٰ کہ وزارت کے بڑے سے بڑے مقام کے لئے بھی یہودیت مانع نہ رہی۔

یہ تھا "قومیت" کے محاسن تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی:

(۱) یہ جو کچھ بھی ہوا صرف یورپ میں اور یورپ کے باشندوں میں ہوا۔ یورپ کے حدود سے باہر کے لئے نہ تو انسانی آزادی کا اعلان موثر ہو سکا، نہ قومی حقوق کا اعتقاد۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رومن اصول کے مطابق یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ دنیا برتر اور کمتر اقوام میں منقسم ہو۔ آزادی اور حقوق کے تمام اصول برتر اقوام کے لئے ہیں نہ کہ کمتر اقوام کے لئے۔ یورپ اور امریکہ دنیا کا نصف برتر حصہ ہو، بقیہ دنیا کمتر حصہ ہو۔ اس لئے اسے کوئی حق نہیں کہ انسانی آزادی اور قومی حقوق کا مطالبہ کرے جو برتر اقوام کے لئے مخصوص ہیں!

(۲) فرانس جس وقت اپنے ملک کے اندر تیسرے انقلاب آزادی کی طیاریاں کر رہا تھا، تو اُس وقت کسی فرانسیسی کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا کہ اسی آزادی کی امیر عبدالقادر جزائری اور اس کی بدبخت قوم کو بھی ضرورت ہو یا نہیں جسے فرانس نے اپنی فوجی طاقت سے غلام بننے پر مجبور کر دیا ہو؟ آج فرانس کی علم حریت "قومیت" شام میں جو کچھ کر رہی ہو، دنیا کے سامنے ہے۔ انگلستان کہتا ہو وہ چھوٹی قوموں کا محافظ ہو۔ آزادی کا پشت پناہ ہو۔ محب الوطنوں کے لئے گوشۂ امن ہو۔ لیکن یہ سب کچھ کن حالات میں اور کن کے لئے ہو؟ بلاشبہ اُسنے روس کے فراریوں کو پناہ دی، فرانس کے جلاوطنوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یونان کی آزادی کے لئے اپنا قومی شاعر بائرن پیدا کر دیا، اٹلی کے میزینی کو اپنی آبادیوں میں جگہ دے دی، اور یورپ کے بے شمار انقلابی نقشے لندن کی گلیوں اور مکانوں ہی میں کھینچے گئے؛ مگر مشرق اور ایشیا کے لئے اُس کی یہ "حریت پرور" قومیت کیا فیصلہ کرتی رہی؟ وہ روس اور آسٹریا کے مظلوموں کو پناہ دیتا رہا، لیکن خود اُس کے ظلم و تسلط کے مظلوموں کے لئے اُس کے پاس پناہ دینے کا کیا سامان تھا؟ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ آج مشرق اور ایشیا کا ہر گوشہ زبان حال سے جواب دے رہا ہو!

(۳) چونکہ "دفاعی قومیت" کی جگہ "ہجومی قومیت" کا جارحانہ مزاج پیدا ہو گیا تھا، اس لئے خود یورپ کو بھی اپنی "قومی عصبیت" کے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔ بلاشبہ غیر یورپین اقوام و بلاد کے مقابلہ میں اُسنے اپنے لئے آزادی و حقوق کا ایک بلند معیار قرار دے لیا، لیکن یہ معیار گروہ بندی کی تنگ نظری اور قومی برتری و تسلط کے جذبات پر غالب نہ آسکا جو "ہجومی قومیت" کے لازمی خواص ہیں۔ "قومی برتری" کی حرص نے تصادم و کشاکش کی حالت پیدا کر دی، اور جماعتی ذہنیتوں پر "حق" کی جگہ اُسی "طاقت" کے ...... اصول کی فرمانروائی قائم ہوگئی جس کے خلاف اس زور شور سے اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ "قومی برتری" کی اس کشاکش نے یورپین طاقتوں کے لئے ایک کبھی ختم نہ ہونے والی باہمی جنگ کی حالت پیدا کر دی ہو۔ ہر قومیت دوسری قومیت کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہو۔ مقابلہ کا ایک بڑا میدان مشرق کی کمزوریوں نے بہم پہونچا دیا۔ ہر قوم چاہتی ہو اس میدان میں سب سے بڑھ کر غاصب اور سب سے زیادہ طامع ثابت ہو۔ استعمار، تجارت، اسلحہ سازی، مادی تقدم، اور معنوی نفوذ! ہر گوشہ میں دوڑ جاری ہو۔ پچھلی عالمگیر جنگ قومی مزاج کی اسی مجنونانہ حالت کا نتیجہ تھی، اور ابھی اُس کے عالمگیر ذبح کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرے تصادم کا میدان طیار ہونے لگا!

(۴) اسی طرح قومی "عصبیت" کی ساری مزاجی کیفیتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ پیدا ہوگئیں۔ تمدن کی ترقی جذبات و امیال کی صورت بدل دیتی ہو۔ طبیعت نہیں بدل سکتی۔ مرتب جماعتیں

کا غرور اور ہندوستان کے برہمنوں کی مغرورانہ تنگ دلی ایک دوسری صورت میں اُبھر آئی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "انسانیت" کا دائرہ اب بھی ویسا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

رَدِّ فعل

ضروری تھا کہ اس حالت کا ردّ فعل پیدا ہو۔ "ہجومی قومیت" کا مجنونانہ غلو اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ اب دنیا کا تغیر پسند مزاج زیادہ عرصہ تک متحمل نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ اس کے آثار شروع ہوگئے۔ سوسائٹی کے نچلے طبقوں نے دیکھا کہ آزادی اور مساوات کی اتنی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بھی حقیقی آزادی اور مساوات بدستور مفقود ہیں۔ موجودہ نظام قومیت جو آزادی و مساوات کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، اب خود آزادی و مساوات کی راہ میں روک بن گیا ہو۔ نئے دور سے پہلے دنیا کا استبداد اور غیر مساویانہ امتیاز چند افراد اور خاندانوں میں محدود تھا۔ اب وہ بڑے گروہوں میں پھیل گیا ہو۔ اس لئے حق و مساوات کے مقابلہ میں طاقت اُتنی سمٹی ہوئی اور مرکز کی حالت میں نہیں ہو جس قدر پہلے تھی۔ تاہم جہاں تک انسانی آزادی و مساوات کا تعلق ہو، نوع انسانی اب بھی اُس سے اُسی طرح محروم ہو جس طرح پہلے تھی!

اس سے بھی زیادہ یہ کہ سرمایہ داری کی طاقت نے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اقتدار حاصل کر لیا ہو۔ پہلے انسانوں پر جو اختیار و تسلط صدیوں کی شاہی نسل اور امیرانہ روایت حاصل کر سکتی تھی اب وہ اختیار چند مہینوں اور برسوں کے اندر ایک سرمایہ دار محض روپیہ کے ذریعہ حاصل کر لیتا ہو اور دنیا کی صلح و جنگ اور ملکوں اور قوموں کی حکومت و محکومی کی باگ فوراً اُس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہو!

انیسویں صدی کے "سوشلزم" کی تخم ریزی اسی ردّ فعل کا نتیجہ تھی۔ اب یہ بڑھتے بڑھتے "کمیونزم" تک پہونچ گیا ہو، اور نہ صرف یورپ کا نظام قومیت بلکہ ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کا پورا نظام اُلٹ دینا چاہتا ہو۔

عالمگیر جنگ یورپ اس نظام قومیت کی نامرادیوں کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ ۴ سال تک خون اور آگ میں رہ کر جب دنیا نے دوبارہ سنبھالا لیا تو زندگی اور امن کی جستجو از سر نو شروع ہوگئی۔ اُن تمام لوگوں نے جن کی ذہنیت کسی قومی نظام حکومت کی غرض پرستیوں سے آلودہ نہ تھی، محسوس کر لیا کہ پچھلا نظام اب دنیا کو زیادہ عرصہ تک مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ یورپ کے حکما اور مفکرین میں ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہو جو قومیت کی اس عصبیت سے اکتا گیا ہو اور "قومیت" کی جگہ "انسانیت" کی وسیع فضا ڈھونڈھ رہا ہو۔ طرح طرح کے نئے نظریئے اور نئی تجویزیں دماغوں میں نشو و نما پا رہی ہیں۔ "دنیا کے نظام اجتماع کی نئی تقسیم" اور "انسانی برادری کا غیر مشروط حلقہ" وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ موضوع فکر ہو۔

اگر بحیثیت مجموعی دنیا کی موجودہ ذہنی فضا پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہو کہ ایک موسم ختم ہو رہا ہو اور دوسرے کی آمد آمد ہو۔ جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں، عجب نہیں مستقبل کا مورخ اسمیں عہد تمدن کے آثار کی جستجو کرے۔ نہیں کہا جا سکتا نئے موسم کا پیغام کیا ہوگا؟ لیکن یہ ضرور ہو کہ دنیا اسوقت تک جن اجتماعی دائروں میں محصور رہی ہو اُس سے ایک زیادہ وسیع

دفاعی قومیت کی پیدائش

ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے بعد جب یورپ نے کروٹ بدلی اور نئے تمدن کی نشوونما شروع ہوئی، تو اُس کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کی اجتماعی زندگی بھی نشوونما پانے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک طرف علم اور آزادی کی روح تمام یورپ میں پھیل رہی تھی، دوسری طرف شخصی حکومتوں کا استبداد اور اجنبی تسلط کا ظلم اپنی تمام پُرانی روایتوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی کشمکش شروع ہوگئی۔ ایک طرف شاہی تاج و تخت اور اس کے غیر محدود دعوے تھے۔ دوسری طرف علم و آزادی کے پیدا کئے ہوئے نئے نئے اصول اور نئے نئے ولولے تھے تاج و تخت کے مقابلے میں جب عوام کے جذباتِ آزادی جوش میں آئے تو خود بخود ایک نہایت موثر اور طاقتور لفظ وجود میں آگیا یہ لفظ پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے ساحرانہ معانی لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ اب ہر شخص کے سامنے آگئے۔ یہ لفظ "قوم" تھا، اور یہ انکشاف "قوم ہونے" یعنے "قومیت" کا انکشاف تھا۔ شاہی تاج و تخت کا دعوا تھا جیسا کہ بدنصیب لوئی شانزدہم نے بعد کو کہا: "حق اور طاقت میں ہوں" عوام اب اسے تسلیم کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔ خود بخود سوال پیدا ہوگیا کہ اگر شاہی نسل اور تاج و تخت کی وراثت، حق اور طاقت کا جائز سرچشمہ نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ وہ کونسی قوت ہو جس کے سامنے شاہی تاج و تخت کو بھی سر جھکا دینا چاہیے؟ خود بخود جواب پیدا ہوگیا کہ "قوم" ہے۔ صرف "قوم" ہی ہر طرح کے حق و طاقت کا سرچشمہ ہو۔ صرف قوم ہی کو یہ حق پہنچتا ہو کہ اپنے اوپر حکومت کرے!

"رعیت" اور "قوم"

اُس وقت تک عوام کا اعتقاد یہ تھا کہ طاقت کا مرکز شاہی تاج و تخت ہو۔ اب طاقت کا ایک نیا مرکز نمودار ہوگیا جو خود اُسی کے اندر پوشیدہ تھا مگر اُسے خبر نہ تھی۔ یہ "قوم" اور "قوم ہونے" کی طاقت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یکایک صورتِ حال میں ایک عظیم انقلاب ہوگیا۔ یعنی "رعیت" کی جگہ "قومیت" نے لے لی۔ اب عوام "رعیت" نہ تھے۔ "قوم" تھے۔ جب تک وہ "رعیت" تھے دنیا کی قوت شاہی اور شاہیت میں مرتکز تھی۔ اب وہ "قوم" ہوگئے تو ساری قوت خود اُنہی میں سمٹ آئی۔ صرف اتنی تبدیلی نے دنیا کی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل دیا۔ کارلائل CARLYLE کے بلاغت طراز لفظوں میں "رعیت کا قوم ہو جانا دنیا کا ایک ہی مرتبہ اُلٹ پُلٹ ہو جانا تھا۔ زبانوں کا کوئی لفظ بھی اُس انقلاب حال کی تعبیر نہیں کر سکتا جو صرف اِن دو سادہ لفظوں کے اُول بدل ہو جانے سے نوعِ انسانی کی تاریخ میں پیدا ہوگیا!"

دنیا میں صرف انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ الفاظ بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جس طرح ایک عظیم انسان کی پیدائش دنیا کے انقلاب کی پیدائش ہوتی ہو، اُسی طرح بعض عظیم لفظوں کی پیدائش میں بھی عظیم انقلابات مضمر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ لفظ "قوم" کی پیدائش تاریخ کا انقلابِ عظیم تھا، لیکن اگر کارلائل چند قدم آگے بڑھ سکتا تو دیکھتا کہ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب لفظ "قوم" کی پیدائش میں نہیں بلکہ "انسان" کی پیدائش میں مضمر ہو۔ کون ہو جو اُس انقلاب کی عظمت کا نقشہ کھینچ سکتا ہو؟

جن ہاتھوں نے انقلاب فرانس کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، اُن میں والٹیر Voltaire اور روسو Rousseau سب سے آگے ہیں۔ روسو کی کتاب عقد اجتماعی Social Contract دنیا کے جدید جمہوری عہد کا اولین صحیفہ سمجھی جاتی ہو۔ یہ کتاب جب لکھی گئی تھی، تو لوگ اس کی خیالی نقشہ آرائیوں پر ہنستے تھے لیکن کارلائل کے تاریخی اور ضرب المثل لفظوں میں جب اِس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اُس کی جلد باندھنے کے لئے اُن لوگوں کا چمڑا استعمال میں لایا گیا جنھوں نے اِس کی ہنسی اُڑائی تھی!

روسو نے انسانی آزادی و حقوق کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوم اور قومیت کے بھی خال و خط آراستہ کئے ہیں۔ وہ انسان کی انفرادی آزادی کے اعتقاد کے ساتھ "قوم" کا حلقۂ ارتباط بھی قائم کرتا ہو اور اسے ایک "معاشرتی معاہدہ" سے تعبیر کرتا ہو۔ وہ کہتا ہو سوسائٹی کا ہر فرد آزاد ہو اور تمام افراد کے حقوق مساوی ہیں، لیکن سوسائٹی کا انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک منظم حلقہ کی ضرورت ہو۔ یہ حلقہ قومی نظام کا حلقہ ہو۔ "قوم" اور "قوم ہونا" ہی وہ تنہا نظام ہو جسے حکم اور نظم کی ساری قوتیں حاصل ہونی چاہئیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روسو نے جس آزاد نظامِ معاشرت اور دنیا کے "آزاد اور روشن عہد" کا خواب دیکھا تھا، اُس کی تعبیر دنیا کو نہیں ملی، لیکن اُس کے "قومیت" اور "جمہوریت" کے اصول دنیا نے بغیر کسی تامل کے قبول کر لئے، اور پھر انقلابِ فرانس کا وہ خونیں سیلاب نمودار ہوا جو عہدِ قدیم کے تمام شخصی اور شاہی اصول و عقائد بہا لے گیا!

گذشتہ دو صدیوں سے دنیا "قومیت" کے انہی بنیادی اصول پر گامزن ہو۔

جدید "قومیت" کے مبادیات

یہ جدید "قومیت" جن مبادیات اور عقائد پر قائم ہوئی، اسکے اَہم اصول حسبِ ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کا جو گروہ کسی خاص جغرافیائی حدود کے اندر، نسل، یا وطن، یا زبان، یا معاشرت کی یکانگت کی بنا پر، یا تنہا، جب اُس کے افراد اپنے آپ کو ایک "قوم" محسوس کریں، تو وہ ایک "قوم" ہیں، اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ انکے "قوم" ہونے سے انکار کرے۔

(۲) ہر قوم کا پیدائشی اور فطری حق ہو کہ وہ آزاد رہو، اور اپنی پسند کے مطابق اپنے تمام معاملات کا فیصلہ کرے۔ کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ اسمیں مداخلت کرے۔

(۳) "قومی آزادی" کے حق کی بنا قدرتی حق ہو، نہ کہ طاقت اور تحفظ۔ اگر ایک قوم کمزور ہو، یا اپنے معاملات کا بہترین انتظام نہیں کر سکتی، تو اس کی وجہ سے کسی دوسری طاقتور یا زیادہ شائستہ قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ اُس پر حکومت کرے۔ طاقت کے ذریعہ کسی قوم کے حقِ قومیت کو سلب کرنا، دنیا کے عالمگیر اور قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہو۔

(۴) ہر طرح اور ہر نوعیت کی بالادستی اور اقتدار کا مرکز "قوم" ہو۔ کوئی جماعت یا کوئی فرد کوئی ایسا اختیار کام میں نہیں لا سکتا جسے براہ راست قوم سے بطریقِ جائز حاصل نہ کیا گیا ہو۔

(۵) قوم کے تمام افراد اپنے تمام شہری، معاشرتی، اور قانونی حقوق میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نسل، خاندان، اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔ معاشرتی ترقی و تنزل کا معیار ہر فرد کی قدرتی اور اکتسابی قابلیت ہو۔ نہ کہ نسل و خاندان۔

قوم، قومیت، اور قومی حقوق کے یہ مبادیات دراصل انسانی آزادی و حقوق کے اُسی مواد سے پیدا ہوئے تھے جنھیں یورپ میں نئے تمدنی عہد نے پیدا کیا تھا۔ اور جن کے واعظ والٹیر، روسو، اور فرانس کے انسائیکلوپیڈین اصحاب تھے۔ "قوم" اور "قومیت" کے حقوق اس نقطہ سے شروع ہوئے کہ انسان اور انسان کے حقوق کیا ہیں؟ اس اصل نے کہ "ہر انسان فطرۃً آزاد ہو اور اس کی آزادی کے لئے کوئی روک نہیں ہونی چاہئے جب تک وہ کسی دوسرے کی آزادی کے لئے روک نہ ہو" یہ قاعدہ بھی پیدا کر دیا کہ "ہر قوم کو آزاد ہونا چاہیے۔ اور کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ اُس کی آزادی میں خلل انداز ہو"

اِن مبادیات کا جس سرزمین نے بحیثیت ایک قوم کے دنیا میں اعلان کیا وہ امریکہ اور فرانس ہو۔ امریکہ کے اعلانات ۱۷۷۶ء اور ۱۷۸۹ء کے تاریخ میں ثبت ہو چکے ہیں۔ اُسنے انہی مبادیات کی بنا پر انگلستان کا مقابلہ کیا اور فتحمند ہوئی۔ فرانس کا اعلان اُسکے انقلاب کا اعلان ہو جو تاریخ میں "اعلانِ حقوقِ انسانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہو اور جسے فرانسیسی اسمبلی نے ۲۷ اگست ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا۔

"ہجومی قومیت"

گذشتہ تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یورپ کی جدید "قومیت" کے عناصر انسانی آزادی و حقوق کے مواد سے حاصل کئے گئے تھے، اُس کا ظہور ہجوم کے لئے نہیں بلکہ دفاع کے لئے ہوا تھا۔ یہ دراصل پورے معنوں میں "دفاعی قومیت" تھی جو شاہی استبداد اور اجنبی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ ایک طرف مظلوم اور پامال رعایا اُٹھی تاکہ بادشاہوں اور امیروں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں "قومی حق" کا علم بلند کریں۔ دوسری طرف کمزور قوموں نے سنبھالا لیا تاکہ اجنبی حکمرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکزِ "قومیت" میں اپنی منتشر قوتیں جمع کر لیں۔ انگلستان اور فرانس نے شاہی تاج و تخت کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ امریکہ نے انگلستان کی محکومیت سے انکار کر دیا۔ یونان اور بلقانی قوموں نے عثمانی شہنشاہی سے آزادی حاصل کر لی۔ پولینڈ روسی تسلط کے خلاف بار بار اُٹھا اور مقابل ہوا۔ اٹلی نے آسٹریا کی فوجیں ہمیشہ کے لئے اپنے وطن سے باہر کر دیں۔ اسی طرح یورپ کے ہر گروہ نے اپنے اپنے وطن کے جغرافیائی حدود بنائے اور اُن کے حصار میں اپنی "قومیت" کا قلعہ تعمیر کر لیا۔ نپولین کے زوال کے بعد جب یورپ کا نقشہ از سرِ نو بنایا گیا، تو یہ وطنی اور قومی حد بندیاں نقشہ کے خطوط میں داخل ہوگئیں۔

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کیا انسانی آزادی و حقوق کے وہ تمام اصول جو ان قومیتوں کا مایۂ خمیر تھے، دنیا میں قائم ہوگئے؟ کیا امریکہ کے "اعلانِ آزادی" اور انقلاب فرانس کے "اعلانِ حقوقِ انسانی" کے مبادیات نے دنیا کی تمام قوموں کے لئے حق و آزادی کی نعمت مہیا کر دی؟ کیا واقعی طاقت کی جگہ حق کا اور استبداد کی جگہ آزادی کا دعویٰ تسلیم کر لیا گیا؟

دنیا نے حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہی "قومیتیں" جو انسان کے انفرادی و قومی حقوق کی حفاظت اور دفاع کے لئے وجود میں آئی تھیں کچھ دنوں کے بعد انسانی آزادی و حقوق کی پامالی و اتلاف کا ذریعہ ہوگئیں۔ اُن کی ابتدا "دفاعی قومیت" سے ہوئی تھی لیکن اُن کا ظہور "ہجومی قومیت" کی شکل میں ہوا۔ جماعتی تنگ نظری، وطنی غرور و کبر، اور قومی برتری و اقتدار کے تمام جذبات اُبھر آئے، اور انسانی آزادی و حقوق کے مبادیات و اصول اِس لئے رہ گئے کہ ہر قوم صرف اپنے لئے اُن کا نفاذ چاہے، اور اپنے سوا سب کو اُن سے محروم دیکھے!

یہ وہی "وطنی و قومی عصبیت" کی حالت ہو، جس کی تشریح اوپر

جملہ اقسام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہو چکے ہیں قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عگہ) نمونہ کی شیشی ۸ر

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھانے والی گولیاں قیمت فی شیشی چار روپیہ (۴)

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲ر)

مفصل فہرست ادویہ مفت

منیجر کارخانہ آب حیات پنڈی بہاؤالدین (پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,
PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالی نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا ہے - آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے - ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے - زبان ایسی شستہ اور صاف ہے جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی زمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے - ہدیہ مجلد چرمی منقش عربی پندرہ روپئے - جلد اعلی منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں - نمونہ مفت

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ء سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے - آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار' اردو جرائد میں کثیر الاشاعت' سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر' عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ' دنیا کے ہر گوشہ میں پہونچنے والا' ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کریگا - نمونہ مفت - قیمت سالانہ ۲ روپیہ - ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ - سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ -

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچوں کا اتالیق' طالب علموں کا استاد' علم و دین کا خزینہ' معلومات نئی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ' ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے - زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے قیمت سالانہ ۴ روپیہ -

(محمد مجید حسن. مالک اخبار
مدینہ و غنچہ . بجنور

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ٥ | کلکتہ : جمعہ ١٥ - محرم ١٣٤٦ ہجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 15, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی -

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای - پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی -

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابلہ کر رہی ہی - کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ہی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی -

اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین - آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین - لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین -

ہماری رای مین بہترین حروف یہی ہین - اگر فارسی اور ترکی کیلیي یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیي کیون نا موزون ہون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیي - یاد رکھیي - طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی - ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین -

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي	سات روپیہ
قیمت في پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا

(۶) اگر آپ دو تین ہفتہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے - مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري مراسلات (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

مطبوعات جديدة

ايك صدى قبل ايك مغربى خاتون كى مشرقية

ايك مرد نما انگريز خاتون جو شام مين متوطن هوگئى تهى .

ليڈي اسٹن هوپ

حال ميں ايک فرانسيسي اهل قلم موسيو بلوشر نے ايک نئے قسم کے تاريخي موضوع پر کتاب لکهي هے : " اٹهارهويں صدي ميں مغرب و مشرق کا اتصال " اسميں اُن تمام يوروپين اشخاص کے حالات جمع کيے هيں جنهوں نے اٹهارهويں صدي ميں " مشرقية " اختيار کرلي تهي . " مشرقية " سے مصنف کا مقصود يه هے که مشرقي ممالک کي رسوم ' معاشرت ' وضع و قطع ' اور ذوق و فکر کا اس طرح اختيار کرلينا ' گويا مغربية ترک کر کے بسرتا سر مشرقية اپنے اوپر طاري کرلي هے !

مصنف کو اس موضوع ميں اُس سے کهيں زيادہ کاميابي هوئي هے ' جتني کاميابي کي بظاهر توقع کي جاسکتي هے - ايک بهت بڑي تعداد يورپ کي تمام اقوام کي نظر آتي هے جسنے ترکي ' مصر ' شام ' عراق ' هندوستان ' اور چين ميں توطن اختيار کرليا تها ' يا بهت زيادہ مدت تک بيٹهے مقيم هوگئي تهي ' اور اپنا مغربي جامه اُتار کر سرتاسر مشرقي جامه پهن ليا تها - سترهويں اور اٹهارهويں صدي کے هندوستان کے هندوستاني انگريزوں ' هندوستاني فرانسيسيوں ' اور هندوستاني ڈچوں کے حالات سے تو هم بے خبر نهيں هيں ' ليکن دوسرے مشرقي ممالک کے ان مشرقي مغربيوں کے حالات يقيناً همارے ليے نئي دلچسپي کا باعث هونگے -

اب زمانے کي رفتار اُلٹ چکي هے - اب مغربيوں کي مشرقية کا نهيں بلکه مشرق کي " مغربية " کا دور دورہ هے - يقيناً ايک ايسے عهد ميں يه حالات همارے ليے عبرت انگيز دلچسپي سے خالي نهونگے -

آج هم اس کتاب سے ايک انگريز خاتون کے حالات مع تصاوير کے نقل کرتے هيں - يه خاتون مشهور انگريز مدبر سر وليم پٹ کے خاندان سے تعلق رکهتي تهي - اِسے شام و لبنان کي مشرقية نے کچهه اس طرح لبها ليا تها که اپنا وطن ' اپني قوم ' اور مغربي دنيا کے تمام علائق ترک کرکے هميشه کيليے لبنان ميں مقيم هوگئي اور بالاخر وهيں پيوند خاک هوئي :

(ليڈي اسٹن هوپ)

سنه ۱۷۷۶ - ميں ايک انگريز لڑکي پيدا هوئي - باپ کي طرف سے اُسکا رشته لارڈ اسٹن هوپ سے ' اور ماں کي طرف سے لارڈ چٹهم سے ملتا تها -

لارڈ اسٹن هوپ " باغي لارڈ " کے لقب سے مشهور تها - کيونکه وہ انقلاب فرانس کا بهت بڑا مداح اور جمهوريت کا حد غلو تک حامي تها -

لارڈ چٹهم ' مشهور برطانوي وزير اعظم وليم پٹ کا باپ تها - نپولين اعظم کے نام کے ساتهه پٹ کا نام بهي هميشه زندہ رهے گا - دونوں کي دشمني ' دشمني کي حد سے بهي تجاوز کرگئي تهي . وليم پٹ نے جب جان دي ' تو اسکے آخري الفاظ يه تهے : " جنگ ' جنگ " يعنے فرانس سے جنگ !

يه لڑکي بچپن هي سے عجيب الاطوار تهي - انتها پسندي اُسے اپنے دادهيال سے ورثه ميں ملي تهي - مستقل مزاجي اور خيال کي آزادي ننهيال سے پائي تهي -

جب وہ چار برس کی تهي ' اُسکي ماں مرگئي - باپ نے نئي شادي کرلي - لڑکي اپنے باپ کي بيوي سے نباہ نه کرسکي اور اپني ناني کے گهر چلي گئي - ناني کي موت کے بعد اپنے ماموں وليم پٹ کے هاں اُٹهه آئي - يهاں اُسے انگلستان کے مشهور ترين آدميوں اور يورپ کے بڑے بڑے مدبروں کے ديکهنے کا موقعه ملا ' اور يوروپين سياست کے بهت سے راز اُس پر کهل گئے -

سنه ۱۸۰۶ - ميں وليم پٹ کا بهي انتقال هو گيا - مگر مرنے سے پہلے بهانجي کے نام پندرہ سو پونڈ سالانه وظيفه مقرر کر گيا - اب اُسنے متوفي ماموں کا گهر بهي چهوڑ ديا اور ديهات ميں اُٹهه گئي - کئي سال ديهاتي زندگي ميں بسر کردیے -

اپنے ماموں کے گهر اور ديهات ميں انگلستان کے بهت سے معزز نوجوانوں سے اُسکي دوستي هوگئي تهي - بعض کي محبت نے اُسکے دل کا التفات حاصل بهي کيا ' مگر نا معلوم اسباب کي بنا پر وہ شادي نه کر سکي ' يا شادي کرني نه چاهي -

يه بات نه تهي که وہ بد صورت هو اور مرد اُس سے نفرت کرتے هوں - اُسکا شمار حسينوں ميں تها - سرو قامت اور چهريرا بدن رکهتي تهي - ليکن اُسکے خط و خال زنانه هونے کي جگهه زيادہ تر مردانه تهے - اس ليے نسواني کشش اپنے اندر پيدا نهيں کر سکتے تهے -

(مشرق کی سياحت)

سنه ۱۸۱۰ - ميں اُسکا بهائي بهي مر گيا اِس سے وہ بڑي محبت کرتي تهي اور اپني زندگي اُسکي خدمت کيليے وقف کردي تهي - يه حادثه اسکے ليے ناقابل برداشت تها - چنانچه غم غلط کرنے کيليے سمندر کے سفر کا قصد کيا - پہلے صرف جبل طارق تک جانے کا

" اُس كي شخصيت ' ذاتي عظمت اور اُونچے اطوار سے مركب هے - اِس مركب كي تحليل كرنے كي ناكام كوشش كي جگه همیں اُسكا نام جنون ركهدينا چاهيے "

يه شاعر كي راے هے - ليكن خود خاتون نے شاعر كو اُس نظر سے ديكها ؟ وه اپني ياد داشت ميں لكهتي هے :

" يه شخص تصنع كا عادي هے - زنانه اطوار ركهتا هے - هميشه اپنے پیروں كي سبكي اور نزاكت دكهانے كي كوشش كرتا هے - مذهب كے بارے ميں جب اس سے سوال كيا جاتا هے تو صاف جواب دينے سے ڈرتا هے "

وه اپنے ملاقاتيوں كے ساتهه ايوان ميں مردوں كي طرح بيٹها كرتي تهي - گفتگو كا انداز يه تها گويا مقرر تقرير كر رها هے - رات رات بهر باتيں كرتي رهتي - يهانتك كه ملاقاتي بے اختيار هوكر سر جاتے تهے !

(بڑهاپا اور خاتمه)

اسكي زندگي كے آخري دن بڑي هي تكليف ميں كٹے - بڑهاپے كے زمانه ميں سود خوار يهوديوں كا افسون اُس پر چل گيا تها - قرض كي عادت پڑگئي تهي - اسراف كي كوئي حد نه رهي تهي - نتيجه يه نكلا كه ديواليه هوگئي - صرف چار غلام باقي ره گئے - باقي تمام خدم و حشم رخصت كرنا پڑے اور تمام جائداد هاتهه سے نكل گئي - حتى كه رليم پٹ كا وظيفه بهي قرضه كي نذر هوگيا - سنه ١٨٣٨ ميں اِس خود دار خاتون نے ملكه وكٹوريا اور وزير اعظم انگلستان كو اپني حالت زار سے آگاه كيا اور اعانت كيلیے بڑي بڑي منتيں كيں مگر كوئي شنوائي نه هوئي -

نتيجه يه نكلا كه صحـراء كي ملكه ماتم كرنے لگي - عمر كي زيادتي ' بڑهاپے كي كمزوري ' پراني عظمت كي ياد ' موجوده بے سروساماني ؛ غرضكه سيكڑوں مصيبتيں يك وقت ٹوٹ پڑي تهيں - بالاخر بيمار هوئي اور سنه ١٨٣٩ - ميں اپنے پیچهے ايك عجيب تاريخ چهوڑ كر فوت هوگئي - بيروت كے انگريز قونصل نے سنا تو فوراً پهنچا ' اور تجهيز و تكفين كے رسوم انجام ديكر محل كے باغ ميں نعش دفن كردي -

مدت كي غفلت كے بعد سنه ١٩١١ - ميں انگلستان كو يه خاتون ياد آئي اور اُس كي قبر پخته بنوادي گئي - مصنف كا بيان هے كه سنه ١٩١٣ - ميں اُس نے قلعه كے كهنڈر اور اسكي نئي بني هوئي قبر دير الياس ميں ديكهي تهي -

ليڈي اسٹن هوپ لا مارٹين كے همراه اپنے قلعه ميں
ليڈي كے سر پر پگڑي هے اور لا مارٹين برهنه سر هے -

افسانــه

محبت اور قربانی
يا
سزا اور انتقام ؟

وكٹر هيوگو كا " بشپ " اور تاريخ اسلام كا " بغدادي "

درس وفا اگر بود زمزمهٔ محبتی
جمعه به مكتب آورد طفل گريز پاى را

(١)

انگريزي تعليم يافته اشخاص ميں بہت كم لوگ هونگے جنهوں نے فرانس كے مشهور انشا پرداز وكٹر هيگو Victor Hugo كي مصنفات كے انگريزي ترجمے نه پڑهے هوں - نثر ميں اُس كي بهترين كتاب لا ميزربل Les Miserables تسليم كي گئي هے - اس قصه ميں اس نے دكهايا هے كه انساني زندگي كي تمام شقاوتيں اور مصيبتيں صرف اس ليے موجود هيں كه سوسائٹي كا نظام اور اخلاق غلط هے - اس كے پاس رحم ' محبت ' عفو ' اور اصلاح كے ليے تو كوئي جذبه نهيں ' ليكن وه قانون اور سزا پر پورا اعتقاد ركهتي هے - نتيجه يه هے كه انسان كو جرم اور مصيبت سے بچانے كے ليے وه كچهه نهيں كرسكتي - ليكن جرم پر سزا دينے اور مصيبت پر نفرت كرنے كے ليے هر وقت طيار رهتي هے !

ايك شخص جو اپني يا اپنے عزيزوں كي بهوك سے عاجز آكر چوري كرتا هے ' يا نيكي اور خدا پرستي كي تعليم نه ملنے كي وجه سے گمراه هو جاتا هے ' اُسے كتني هي سزائيں دي جائيں ' وه جرم كرتا هي رهيگا - كيونكه سزا نے نه تو اس كي بهوك كا علاج كيا ' نه اس كي روح كي تاريكي كے ليے نيكي كي روشني بهم پهنچائي - اس كا علاج رحم اور محبت هے - مگر يهي چيز سوسائٹي كے پاس نهيں هے !

وه كهتا هے ' جرم اور گناه روح كا زخم هے - يه محبت كے مرهم هي سے اچها هوسكتا هے - ليكن دنيا كے پاس مرهم نهيں هے - صرف سزا كا تازيانه هے !

ارادہ تھا - لیکن جب وہانتک پہنچ گئي تو آگے بڑھنے کا شوق دامنگیر ہوا - یہانتک کہ مشرق کے تمام مشہور مقامات یونان' ترکي' مالٹا' مصر' وغیرہ کي اُس نے سیر و سیاحت کرلي - اُس وقت یہ تمام ممالک عثماني سلطنت کے زیر نگیں تھے -

(مشرقیۃ کي ابتدا)

ایک مرتبہ اس سیاحت کے اثنا میں ایسا اتفاق ہوا کہ اُسکي کشتي سمندر میں ٹوٹ گئي - قریب تھا کہ سب ڈوب جائے - لیکن عین وقت پر بچا لیے گئے - چونکہ اس حادثہ میں اس خاتون کے کپڑے ضائع ہو گئے تھے' اسلیے ایک ترک افسر نے اپني جنگي وردي اُتار کر دیدي اور اُسنے شکریہ کے ساتھہ قبول کرلي - یہ پہلا موقعہ تھا کہ اپنا مغربي اور جنسي لباس ترک کرکے اسنے مشرقي اور مردانہ کپڑے پہنے' لیکن یہ وضع کچھہ ایسي دل کو بھا گئي کہ مدۃ العمر کے لیے مردانہ مشرقي وضع اختیار کرلي !

ازکي ایک ترک افسر کي وردي پہنے اسکندریہ میں داخل ہوئي اپني سہیلي کو بھي مردانہ لباس اختیار کرنے پر مجبور کیا - چند روز آرام کرکے فلسطین روانہ ہوئي - یہاں ترکي وردي اُتارکر مصري ممالیک کا پر شوکت لباس اختیار کرلیا - سر پر عمامہ' جسم پر قفطان اور جبہ' سنہري تلوار کمر میں' اس انگریز خاتون کي جو سر ولیم پٹ وزیر اعظم برطانیہ کي بھانجي تھي' دلپسند وضع تھي !

ملکہ زینوبیا (زباء) کي اس ویران راجدھاني کے کھنڈروں میں (کیونکہ وہ فلسطین هي میں تھي) اُسے غیر معمولي کیفیت محسوس ہوئي - یہاں اس مرد نما خاتون کو صحرا نشینوں نے ملکۂ صحراء کا تاج پہنایا !

(مشرقیۃ کا فیصلہ)

معلوم ہوتا ہے' اسي زمانہ میں اسکے اندر مشرقي توطن اور مشرقي زندگي کا خیال پیدا ہوگیا تھا' اور اُسنے اپني بقیہ زندگي کیلیے ایک آخري فیصلہ کر لیا تھا - وہ حماۃ اور انطاکیہ ہوتي ہوئي دیر الیاس نامي مقام پر پہنچي' اور یہاں آبادي سے باہر پہاڑ پر اپنے لیے ایک قلعہ طیار کروایا - یہي قلعہ اُسکا گھر اور یہي پہاڑ اُسکا وطن ہوگیا - یورپ اور یورپ والوں کو بالکل بھول گئي - عربي حقہ منھہ سے لگا کر دھواں اڑاتي - گھوڑے پالتي - غلام خریدتي - اور ایک مشرق نژاد امیر کي سي زندگي بسر کرتي - اس نے پاس چالیس غلام تھے - خود اسي نے انہیں جنگي قواعد بھي سکھائي تھي -

آہستہ آہستہ اس نے بڑي قوت اور اهمیت حاصل کرلي - اب اُسکي حیثیت ایک طاقتور شیخ قبیلہ کي ہوگئي تھي - بستي کے تمام قبائل اس کے مطیع ہوگئے تھے - یہ پوري فیاضي کے ساتھہ انہیں روپیہ دیتي' اور اُنهي کي زبان میں اُن سے باتیں کرتي - اُنکے تمام جھگڑے قضیے اِسي کے سامنے آتے - یہ تمام مقدمات کا ایک حکمران کي طرح فیصلہ کرتي اور مجرموں کو سزائیں دیتي - قرب و جوار کے سرکش لوگوں سے مقابلہ بھي جاري رہتا - اسکي دھاک تمام علاقہ میں بیٹھہ گئي تھي - لوگ اسکے رعب سے کانپتے تھے - اُسکے پاس ایک جلاد بھي نوکر تھا جو عادي مجرموں کو قتل کرتا تھا - قید خانہ بھي بنایا تھا - مجرموں کو اسمیں قید کرتي تھي -

۲۵ - برس یہاں رهي' اور اِسطرح رهي' کہ اس علاقہ کي ایک طاقتور امیر سمجھي جاتي تھي - بسا اوقات دول یورپ بھي مجبور ہوئیں کہ اُسکي خوشامدیں کریں - انگریز ہونے پر بھي وہ انگریزوں اور انگریزي حکومت سے سخت نفرت کرتي تھي - اِس جوار میں جب کبھي انگریز ریشہ دواني کرتے' یہ فوراً اسکا توڑ کردیتي - اُسوقت انگلستان کي خارجي نظارت یقین کرتي تھي کہ یہ عجیب و غریب انگریز عورت مشرق میں اُسکي ایک خطرناک دشمن ہے !

اُسکي همت' شجاعت' قوت : کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ لبنان کے مشہور دروزي سردار "امیر شہاب" جیسے جبار سے بھي اسنے مقابلہ کیا تھا !

اِس سے بھي بڑھکر یہ کہ محمد علي خدیو اول کے بیٹے ابراهیم پاشا نے جب شام پر حملہ کیا' تو اس سے درخواست کي کہ یہ غیر جانب دار رهے - یہ ابراهیم پاشا وهي تھا جس نے ایک طرف حجاز میں نجدیوں کا تخت الٹ دیا تھا' دوسري طرف سلطنت عثمانیہ کو اپنے جبروت کے آگے جھکنے پر مجبور کردیا تھا !

اسے گھوڑوں کا بڑا شوق تھا - اصیل سے اصیل عربي گھوڑے اُسکے اصطبل میں بندھے رهتے تھے - بلیوں سے بھي بہت محبت تھي - اُسکا قلعہ بلیوں سے بھرا رهتا تھا - وہ جادو' نجوم' اور تناسخ کي بھي قائل تھي -

(لامارٹین سے ملاقات)

سنہ ۱۸۳۲ - میں مشہور فرانسیسي شاعر و مصنف لامارٹین (۱) اس سے ملا تھا جب اُس نے مشرق قریب کا سفر کیا تھا - اُسوقت وہ بوڑھي ہوچکي تھي - شاعر نے اسکي بابت اپنا تاثر جن لفظوں میں ظاہر کیا ہے وہ حسب ذیل هیں :

لیڈي اسٹن ہوپ
مشرق کے سفر اور مشرقیۃ سے پہلے

(۱) لامارٹین انیسویں صدي کا مشہور فرانسیسي شاعر اور مصنف ہے جس کي نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ شعر موسیقي (لیریک) کے جدید مذهب (اسکول) کا باني رهي ہے - مشرق اور مشرقي شاعري سے بھي اسے غیر معمولي دلچسپي تھي - خیال کیا جاتا ہے' اسکے کلام کا وہ حصہ جس میں خدا کي حمد و ثنا ایک نئے اسلوب میں کي گئي ہے اور اسکي صفات و تجلیات کے مظاهر کا استغراق نمایاں ہوتا ہے' در اصل اسلامي الاهییات و تصوف کے مطالعہ کا پرتو ہے - سنہ ۱۸۳۰ - میں اُس نے اسلامي ممالک کا سفر کیا - اُسوقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم تخت عثماني پر متمکن تھے - اُنہوں نے جب اس سیاح کے حالات سنے تو ملاقات کیلیے بلایا' اور اسمرنا اور لبنان میں ایک بہت بڑا قطعۂ زمین بطور جاگیر کے بخشدیا - اُس کے بعد سے لامارٹین کچھہ عرصہ اسمرنا میں رهتا - کچھہ عرصہ لبنان میں - اسي زمانہ میں اس نے اپنا مشہور سفر نامۂ مشرق مرتب کیا اور دولۃ عثمانیہ کي تاریخ آٹھہ جلدوں میں لکھي - مندرجۂ متن رائے اُسکے سفر نامہ سے ماخوذ ہوگي' اگرچہ مصنف نے حوالہ نہیں دیا ہے - (الهلال)

" تو کیا وہ بات ٹھیک تھی " پولیس افسر نے متعجب ہوکر کہا " جو اس شخص نے ہم سے بیان کی تھی ؟ جب ہم نے اِس سے دریافت کیا کہ یہ قیمتی سامان تمھیں کیونکر ملا ؟ تو اُس نے کہا کہ......"

بشپ نے اُس کی بات ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا - خود ہی یہ کہکر پوری کردی :

" اُس نے کہا کہ یہ چیز مجھے ایک بوڑھے پادری نے دی تھی جس کے یہاں میں نے رات بسر کی تھی ' مگر تم نے اُسکی بات باور نہ کی اور گرفتار کرکے میرے پاس لے آئے - کیوں ؟ یہی بات ہے ؟ اگر یہی بات ہے تو تم نے غلطی کی "

پولیس افسر نے جین کو چھوڑ دیا - جین کی کند اور اکھڑ طبیعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس لطیف مگر حیرت انگیز طرز عمل کی نزاکت محسوس کرسکتا - صورت حال کی عجیب ' غیر متوقع ' اور انقلابی نوعیت نے اسے مبہوت کردیا - اُس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اُسے کچھہ دکھائی نہیں دیتا تھا - بشپ اُٹھا اور چاندی کے دونوں شمعدان جو اُس کی چوری سے بچ رہے تھے ' اُٹھا سامنے کردیے :

" میرے دوست ! یہ اپنی چیز لیلو اور خدا کے امن اور سلامتی کے ساتھہ جاؤ - مگر دیکھو ' جب کبھی تم واپس آؤ ' تو یاد رکھنا - تمھارے لیے بالکل غیر ضروری ہے کہ باغ میں سے گزرنے کی زحمت برداشت کرو - تم اس گھر میں ہمیشہ اُس کے صدر دروازے سے داخل ہوسکتے ہو - رات ہو یا دن - وہ کبھی اندر سے بند نہیں کیا جاتا - صرف بھڑا دیا جاتا ہے "

جین نے بغیر اس کے کہ صورت حال سمجھہ سکا ہو ' ایک ایسے آدمی کی طرح جو اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو ' ہاتھہ بڑھا دیا اور شمعدان لے لیے - اب بشپ ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور جین کے کان میں کہتا ہے :

" دیکھو یہ نہ بھولنا کہ تم نے مجھہ سے آج کیا وعدہ کیا ہے ؟ تم نے وعدہ کیا ہے کہ اِس سامان کی قیمت سے ایک راست باز آدمی کی زندگی بسر کروگے "

جین نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا - وہ تو مبہوت اور دم بخود کھڑا تھا - بشپ نے اُس کے کہنے کا انتظار نہیں کیا - اُسے جو کہنا چاہیے تھا ' وہ خود ہی اُس کی طرف سے فرض کرلیا - قبل اس کہ منظر ختم ہو ' بشپ کی زبان پھر کھلتی ہے - وہ جین کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھہ رکھتا ہے اور کہتا ہے :

" جین والجین ! میرے دوست ! میرے عزیز بھائی ! اب تم زیادہ عرصہ تک برائی کی زندگی میں نہیں رہسکتے - میں نے آج تمھاری روح تم سے خرید لی ہے - میں اُسے تاریکی سے نکال کر خدا کے حوالہ کرتا ہوں ! "

***

" میرے دوست ! تم یہ اپنے شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھی چاندی کے ہیں اور دو سو میں فروخت ہوسکتے ہیں "

میں نے جب کبھی قصہ کا یہ حصہ پڑھا ہے ' تو محسوس کیا ہے کہ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ یہاں آگئی ہے - میں خیال کرتا ہوں ' اگر وکٹر ہیوگو یہ منظر وہیں پر ختم کردیتا جہاں بشپ نے شمعدان دیکر کہا تھا " سلامتی کے ساتھہ جاؤ " تو یہ تصویر کہیں زیادہ موثر اور مکمل ہوتی - اس سے زیادہ بشپ کو خود اپنی زبان سے کہنے کی ضرورت نہ تھی - اس سیرۃ (کیریکٹر) کی ساری تاثیر اُس کی حالت کی رفعت اور کیفیت میں ہے - صراحت اور وضاحت میں نہیں ہے ـــ بسا اوقات عمل کی تاثیر ایک مقدس خاموشی ہوتی ہے جسے چھونا نہیں چاہیے - زبان کی گویائی اُس میں مخل ہوسکتی ہے مگر اضافہ نہیں کرسکتی !

***

بہر حال جین یہاں سے نکلتا ہے ' اور اب وہ وقت آتا ہے کہ زندگی بھر کی خواب گراں کے بعد اچانک اُس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ افکار و احساسات کی ایک بالکل نئی دنیا اُس کے اندر پیدا ہوگئی ہے - یہ اُس کی زندگی میں پہلا موقعہ تھا کہ نفرت ' حقارت ' اور " سزا کی جگہ رحم ' محبت ' اور عفو و بخشش کی دل نواز صدا اُس کے کانوں میں پڑی تھی - یہ پہلا موقعہ تھا کہ اُسے معلوم ہوا ' اس دنیا میں صرف " قانون " اور " سزا " ہی نہیں ہے بلکہ اِن سے بڑی ایک بلا تر حقیقت ہے جو " محبت " اور " قربانی " ہے اور جس کی وسعت اور گہرائیوں کی کوئی انتہا نہیں - وہ کتنا ہی اس حقیقت کی ٹھوکر سے بچنا چاہتا لیکن یہ اُس کا روح و دل زخمی کیے بغیر نہیں رہسکتی تھی - وہ قید خانۂ تولون کا مشہور مجرم سہی ' مگر پھر بھی انسان تھا - سانپ اور بھیڑیا نہ تھا - سانپ کا پھن اور بھیڑیے کا پنجہ بھی تو محبت اور فیاضی کے سامنے نہیں اُٹھہ سکتا ؟ نا ممکن تھا کہ وہ بشپ کی رحمت و قربانی سے اپنی شقاوت و معصیت کا مقابلہ نہ کرتا - اُس کا دل جسے سوسائٹی کی بے مہری ' قانون کی سنگ دلی ' اور زندگی کی محرومیوں نے پتھر کی طرح سخت کردیا تھا ' اب محبت کی دل نوازیوں سے بے اختیار پگھلنے لگا - سچ مچ وہ اُس کی روح اُس کی نہیں رہی تھی - اُسے بشپ کی نگاہ محبت نے خرید لیا تھا - اس خرید و فروخت میں بشپ کے چند برتن کھوئے ' لیکن جین نے اپنی پوری زندگی جو گم ہوچکی تھی واپس پالی - اگر بشپ جین کو قانون اور سزا کے حوالے کردیتا تو کیا پاتا ؟ چاندی کے چند برتن جو اُس کے گھر سے چرائے گئے تھے - لیکن چاندی کے برتن زیادہ قیمتی ہیں یا خدا کے ایک بھٹکے ہوئے بندے کی خدا کی طرف واپسی ؟ بشپ کا فیصلہ یہ تھا کہ چاندی نہیں بلکہ انسان قیمتی ہے ! اُس نے برتنوں کے ساتھہ شمعدان بھی ملادیے - کیونکہ پھر بھی یہ سودا بہت ارزان تھا !

***

اس قصه میں ایک نہایت هي مؤثر سیرۃ (کیریکٹر) ایک قصبه کے بشپ (بڑے پادري) کي هے ' اور اسي سے قصه شروع هوتا هے - یه بشپ رحم اور محبت کا پیکر تها - انسان کي شقاوت اور مصیبت کے لیے اُس کے دل میں نفرت کي جگه رحمت تهي - وہ اِس حقیقت سے بے خبر نه تها که انساني روح نفرت و بغض سے نہیں بلکه محبت اور فیاضي سے شکار کي جاسکتي هے - وہ اپني تمام بیش قرار تنخواہ بے نواؤں کي اعانت اور بیماروں کي تیمارداري میں خرچ کرڈالتا اور کہتا " یه میرے گهر کا خرچ هے " - وہ اپنا تمام وقت ابناء جنس کي خبر گیري و خدمت میں صرف کردیتا اور کہتا " یه میرے اوقات کي تقسیم هے " - جب کبهي کوئي بیمار پڑتا ' یه اس کے سرهانے پہنچ جاتا - جب کبهي کوئي مصیبت میں مبتلا هوتا ' یه اُس کے دروازہ پر دستک دیتا - جب کبهي کوئي مجرم گرفتار هوتا ' یه اُسے توبۂ و انابت کي تسکین دینے میں مشغول نظر آتا !

اُس کا دروازہ همیشه کهلا رهتا - هر آنے والے کے لیے وہ ایک هي آواز رکهتا تها " اندر چلے آؤ " اُس کي راتیں خدا کے تصور میں بسر هوتي تهیں اور دن اس کے بندوں کي محبت میں !

***

اُسي زمانه میں ایسا اتفاق هوا که فرانس کا ایک مشهور مجرم اٹهارہ برس کي سزا جهیل کر تولون کے قید خانه سے رها هوا اور اُسي قصبه سے گزرا - جاڑے کا موسم تها - ایک پهر رات گزر چکي تهي - بهوک اور تهکن سے چور چور هو رها تها - سارے قصبه کا بار بار چکر لگایا که رات بهر کے لیے کہیں پناہ مل جائے مگر میسر نه آئي - وہ ایک رها شدہ قیدي تها - کون تها جو ایسي قابل نفرت مخلوق کو اپني چهت کے نیچے دیکهنا گوارا کرتا ؟ مجبوراً اس نے ایک احاطه کي شکسته کوٹهري میں پناہ لي ' لیکن وہ کتے کا گهر تها - کتے نے بهي گوارا نه کیا که اُس کے ساتهه شب باش هو ! پهر اس نے سوچا ' میرے لیے صرف قید خانه هي میں جگه نکل سکتي هے - وہ قصبه کے قید خانه کے دروازہ پر پہنچا اور بڑي عاجزي سے درخواست کي که رات بهر کے لیے اسے جگه دیدي جائے - لیکن دروازہ کے محافظ نے کہا " یه سرائے نہیں هے - قید خانه هے - اگر یہاں آنا چاهتے هو تو پہلے اپنے کو گرفتار کراؤ "

افسوس بد قسمت انسان ! قید خانه بهي اُسے پناہ نہیں دے سکتا جب تک وہ جرم نه کرے !

***

آخر اتفاقات اُسے بشپ کے دروازہ پر پہنچاتے هیں - حسب معمول آواز آتي هے " اندر چلے آؤ " یه مکان میں جاتا هے اور اپني داستان مصیبت سناتا هے - بشپ ایک دوست اور بهائي کي طرح اُس کا خیر مقدم کرتا هے اور اپنے اور اپنے خاندان کے ساتهه میز پر بٹها کر کهانا کهلاتا هے - گرم کمرہ ' گرم غذا ' آرام و عافیت سے رات بسر کرنے کا سامان ؛ صورت حال کي یه تبدیلي جین والجین کي طبیعت میں (کیونکه رها شدہ قیدي کا یهي نام تها) شگفتگي پیدا کردیتي هے - وہ بشپ سے بے تکلف هوکر باتیں کرنے لگتا هے - لیکن وہ سخت متعجب هوتا هے جب دیکهتا هے که بشپ اُسے گفتگو میں " جناب " کرکے مخاطب کرتا هے - اُس نے اپني زبان سے لاکهوں مرتبه دوسروں کو " جناب " کہا تها ' لیکن خود اپنے لیے یه لفظ کبهي نہیں سنا تها - اُس کي ساري عمر قید خانے کے سپاهیوں کي گالیاں سننے میں بسر هوئي تهي - وہ حیران هوکر کہتا هے " میں ایک رها شدہ قیدي هوں - اگر تم میرے حال سے واقف هوتے تو ایسا نه کہتے " لیکن بشپ کہتا هے " میں تم سے واقف هوں - کیونکه تم میرے بهائي هو ! "

کهانے کے بعد وہ جین کے لیے اپنے کمرے کے ساتهه کا کمرہ طیار کرادیتا هے - چاندي کا شمع دان روشني کے لیے رکهدیتا هے ' اور شب بخیر کہکر رخصت هوجاتا هے -

جین شکر گزار هوکر سو جاتا هے - عمر بهر میں یه پہلا موقعه تها که قید خانه کے سخت اور ٹهنڈے فرش کي جگه ایک نرم اور گرم بستر سے اس کا جسم مس هوا تها !

***

اب ایسا هوتا هے که پچهلے پهر اُس کي آنکهه کهلتي هے - اس کا دماغ جو شام کي مصیبتوں سے تهک کر معطل هوگیا تها ' کئي گهنٹے آرام پا کر اپني اصلي حالت میں واپس آجاتا هے اور اپنا گرد و پیش سوچنے لگتا هے - اچانک اس کے خیالات میں جنبش هوتي هے - طمع و حرص کے مجرمانه جذبات بهڑک اُٹهتے هیں - جرم کا ذوق خفته بیدار هوجاتا هے - اسے یاد آتا هے که کهانے کي میز پر چاندي کے قیمتي برتن موجود تهے جو اسي کمرے میں ایک جگه رکهے هوئے هیں - وہ اُٹهتا هے - چلے بشپ کے کمرے میں جاتا هے - نہیں معلوم جرم و گناہ کے کیسے خوفناک ارادے اُس کے اندر کهول رهے تهے ؟ لیکن جب بشپ کے ساکن اور نوراني چهرے پر نظر پڑتي هے تو جهجهک کے رہ جاتا هے - گهبراهٹ میں جلد جلد چاندي کے برتن اُٹهاتا هے ' اور باغ کي دیوار پهاند کر روانه هوجاتا هے -

***

بشپ صبح اُٹهتا هے - وہ خیال کرتا هے که اپنے مهمان کے لیے گهر کي گائے کا تازہ دودهه مهیا کرے - لیکن اتنے میں خادمه آتي هے اور خبر دیتي هے که یه " مهمان عزیز " چاندي کے تمام برتن لیکر بهاگ گیا - بشپ سنتا هے ' لیکن اُس کي زبان سے شکایت کا ایک حرف نہیں نکلتا - وہ کہتا هے ' لکڑي یا لوهے کے برتن بهي اُسي طرح کام دے سکتے هیں جس طرح چاندي کے برتن ' وہ به آساني مهیا کرلیے جائینگے !

اتنے میں دروازہ کهلتا هے اور پولیس کے سپاهي جین والجین کو گردن سے پکڑے نمودار هوتے هیں - اُن سے معلوم هوتا هے که صبح یه قصبه سے نکل کر تیزي سے بهاگا جا رها تها - پولیس کے ایک سپاهي کو شبه هوا اور گرفتار کر لیا - شبه کي تصدیق اُس بقچه سے هوئي جو اِس کي بغل میں تها - اُس سے چاندي کے قیمتي برتن نکلے -

یهي موقعه بشپ کي سیرۃ (کیریکٹر) کي سب سے زیادہ مؤثر تصویر پیش کرتا هے - جونهي بشپ کي نظر جین پر پڑي ' بے تامل آگے بڑها :

" میرے دوست کیا تم هو ؟ " بشپ نے کہا " میں تمهیں دیکهه کر بہت خوش هوا - لیکن یه کیا بات هے که تم جاتے هوئے اپنے شمعدان یہیں چهوڑ گئے ؟ حالانکه وہ بهي تو چاندي کے هیں " اُس نے چاندي کے لفظ پر زور دیا " اور کم سے کم دو سو روپیه میں فروخت هوجا سکتے هیں ؟ "

پولیس افسر ایک دوسرے هي طرح کے معامله کا متوقع تها - یه صورت حال دیکهي تو گهبرا گیا :

انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب

یورپ کے طبي حلقے سالہا سال سے اعادۂ شباب اور درازي عمر کے جن تجربوں میں مشغول تھے ' اُن میں سب سے زیادہ کامیابي ڈاکٹر وورو نوف کو ہوئي ہے جو بندر کي گلٹیوں کي قلم انسان کے جسم میں لگا کر بڑھاپے کو جواني سے بدل دیتا ہے - اُس کي حیرت انگیز عملي کامیابیوں کا غلغلہ چار سال سے بلند ہے ' اور اب اس درجہ مشہور ہو چکا ہے کہ ہر چوتھے پانچویں ہفتے اِس بارے میں کوئي نہ کوئي خبر ریوٹر ایجنسي کے ذریعہ دنیا میں مشتہر ہوجاتي ہے -

سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۲ - میں ریوٹر نے یہہ خبر مشتہر کي تھي کہ سابق قیصر جرمني نے ڈاکٹر وورو نوف کو بلایا ہے تا کہ اس عملیہ کا تجربہ کریں - اُسکے بعد سنہ ۱۹۲۴ - میں فرانس کي ہاواس ایجنسي نے خبر دي کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو الجزائر بھیجا ہے تا کہ وہاں کي بوڑھوں پر اس عملیہ کا تجربہ کریں - اُسي زمانے میں پیرس کے مشہور مصور رسالہ لا ستراسیون نے اس عملیہ کي تاریخ اور عملي نتائج پر متعدد مضامین لکھے ' اور تھوڑے عرصہ کے بعد انگلستان کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر وورو نوف نے لندن کا سفر کیا ہے اور شاہي طبي مجلس کے زیر اہتمام ایک وسیع جلسہ میں تقریر کي ہے - اس جلسہ میں انہوں نے ایک ۷۵ - برس کا سالخوردہ آدمي بھي پیش کیا تھا جو حد درجہ کمزور ہو چکا تھا ' مگر اب اس عملیہ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ چالیس برس کا طاقتور جوان معلوم ہوتا تھا !

اس کے بعد فرانس اور انگلستان کے طبي رسالوں میں یہ مبحث از سر نو چھڑ گیا - مختلف پہلوؤں سے اس پر بحثیں ہوتي رہیں -

شاید ہندوستان ہي وہ جگہ ہے ' جہاں اس عملیہ کي کامیابي اور مقبولیت کا سب سے پہلے اور سب سے بہتر اندازہ لگایا جا سکتا تھا - بندروں کي سب سے بڑي آبادي افریقہ کے بعد ہندوستان میں ہے - اور اگر عمدہ نسل کے بندروں کي جستجو ہو تو وہ غالباً صرف ہندوستان اور اسکے جزیروں ہي میں مل سکتے ہیں - اس لیے ہر ایسے عملیہ کے لیے جس میں اِس "انسان سے ایک درجہ فروتر" جانور کي ضرورت ہو ' ضروري ہے کہ ہندوستان سے اپني ضرورت پوري کرنے کا انتظام کرے - سنہ ۱۹۲۵ع میں اچانک معلوم ہوا کہ شمالي ہند میں ایک نئي قسم کي تجارت شروع ہوگئي ہے اور خوب فروغ پا رہي ہے : یہ تجارت بندروں کے فرانس بھیجنے کي تجارت تھي - معلوم ہوا کہ فرانس کي ایک حیوانات فروش دکان سیکڑوں ہزاروں کي تعداد میں عمدہ نسل اور قسم کے بندر طلب کر رہي ہے ' اور بمبئی ' کلکتہ ' کولمبو سے ایک ایک جہاز میں سو سو بندر بھیجے جا رہے ہیں - یہ صورت حال اس بات کا قطعي ثبوت تھي کہ ڈاکٹر وورو نوف کا عملیہ کم از کم مقبول خوب ہو رہا ہے !

حال میں رائٹر ایجنسي نے پیرس سے ایک نئي خبر شائع کي تھي - اس سے معلوم ہوا تھا کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو فرانس اور اٹلي کے سرحدي مقامات میں سے ایک نہایت پر فضا اور معتدل مقام دیدیا ہے ' اور انہوں نے وہاں ایک قدیم قلعہ میں بہت بڑي تعداد بندروں کي جمع کرلي ہے - مقصود اس سے یہ ہے کہ خود یورپ میں بندر پال کر بڑي تعداد پیدا کرلي جائے ' تاکہ اس عملیہ کے انجام دینے میں سہولت ہو -

اس خبر کے دو ہفتہ بعد پیرس کے مشہور اخبار طان میں ایک ملاقات کا دلچسپ حال شائع ہوا جو اسي سرحدي مقام کے قدیم قلعہ میں (جو اب بندروں کي قیام گاہ ہے) مسٹر چرچل اور ڈاکٹر موصوف میں ہوئي تھي - ملاقات کي سرگزشت ڈاکٹر ایم - اولي فارست کے قلم سے نکلي تھي جو ڈاکٹر وورو نوف کے پرانے دوست ہیں -

چونکہ یہ معاملہ موجودہ دنیا کا سب سے زیادہ اہم طبي انکشاف ہے ' اس لیے ہم چاہتے ہیں ایک جامع تحریر اس موضوع پر شائع کردیں - ہم نے مختلف مصادر سے اس مبحث کے تین اہم حصے لے لیے ہیں اور انہیں ضروري تصاویر کے ساتھہ شائع کر دیئے ہیں - پہلا ٹکڑہ نیویارک کے مڈیکل جرنل کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے جو دنیا کے معتمد طبي رسائل میں سے ہے - دوسرا پیرس کے مشہور مصور رسالہ " لا الستراسیون " کے مضامین سے مرتب کیا گیا ہے جو اس موضوع پر شائع ہوئے تھے - تیسرا " طان " پیرس سے لیا گیا ہے جس میں مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وورو نوف کي ملاقات کي سرگزشت بیان کي گئي ہے - اس کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے بعض انگریزي اخبارات میں بھي شائع ہوگیا تھا ' لیکن اب ڈاک کے اخبارات میں " طان " آگیا ہے اور اس میں پوري سرگذشت درج ہے -

(۱)

(انساني عمر کي درازي)

زندگي کي بیمہ کرنے والي کمپنیوں کي سالانہ رپورٹیں ظاہر کرتي ہیں کہ گزشتہ صدي کے آخري پچیس برسوں میں انسان کي عمر پہلے سے بارہ برس زیادہ ہوگئي ہے - امریکن پروفیسر ڈاکٹر میو نے واشنگٹن یونیورسٹي میں پچھلے مہینہ تقریر کرتے ہوئے کہا :

نیکی اور بدی میں کشمکش شروع ہوگئی - مقابلہ سخت تھا مگر جیت نیکی ہی کیلیے تھی - جین نے تاریکی اور گناہ کا دشت بے کنار پیچھے چھوڑا ' اور ایک ہی جست میں نیکی اور خدا پرستی کی بلندیوں پر پہنچ گیا :

بال بکشا و صفیر از شجر طوبی زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی !

نیکی کی دنیا بدی کی دنیا سے کس قدر دور معلوم ہوتی ہے اور پھر دیکھو تو کتنی نزدیک ہے ؟ جب تک تم نے اسکی طرف قدم نہیں اٹھایا ' وہ اتنی دور ہے کہ اس کا نشان راہ بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا - لیکن جونہی تم اسکی طرف چلے ' وہ اتنی نزدیک ہوجاتی ہے کہ ساری مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ! یونانی علم الاصنام کی ضرب المثل تھی : " مریخ کے مندر اور عطارد کے مندر میں صرف ایک دیوار حائل ہے " کیونکہ دونوں ایک ہی احاطہ میں تھے' اور جہل و خونریزی کے مندر سے نکل کر علم و امن کے مندر میں جانے کیلیے صرف اتنا کرنا پڑتا تھا کہ بیچ کے ایک دروازے سے نکلکر دوسرے دروازے میں قدم رکھدیا - یہ اس طرف اشارہ تھا کہ علم و جہل ' محبت و جنگ ' اور نیکی و بدی کی دنیائیں کتنی ہی وسیع اور دور دراز نظر آتی ہوں ' مگر اسکے لیے جو ایک سے نکل کر دوسری میں قدم رکھنا چاہے ! اس سے زیادہ مسافت نہیں ہے کہ ایک گھر کی چوکھٹ سے نکلے اور دوسری چوکھٹ میں قدم رکھدیا !

طے می شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم !

***

بالآخر فرانس کا وہ مشہور مجرم جسکے لیے چوری پیشہ اور قتل تفریح تھی ' جسے دنیا کا قانون اور سوسائٹی کا انصاف اٹھارہ برس عذاب میں رکھہ کر بھی جرم سے روک نہیں سکا تھا ' جسکی شقاوت اور سیہ کاری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ قید خانہ سے نکلتے ہی پہلا وار اپنے محسن پر کر گزرا ' اور ذرا بھی ضمیر کی ملامت محسوس نہ کی ! اب ایک شریف ' راست باز ' خدا پرست ' اور فیاض آدمی تھا جسکی دولت بندگان خدا کی بے لوث خدمت میں اور جسکی زندگی مصیبت زدوں اور بے سرو سامانوں کی غمخواری میں صرف ہوتی تھی ! اتنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ کے احساس اور مستقبل کی طلب نے اب اسکے اندر نیکی اور ایثار کی ایک ایسی اعلی روح پیدا کردی تھی جسکی طاقت کی کوئی انتہا اور جسکی وسعت کا کوئی کنارہ نہ تھا - بشپ کا نمونہ اسے اپنی روحانی بلندی کی سطح سے بھی ایک زیادہ بلندی کی طرف دعوت دے رہا تھا !

***

انسان کتنا ہی نیک بننا چاہے لیکن سوسائٹی اسے نیک بننے نہیں دیتی - وہ اسکا زندگی کے ہر گوشے اور ہر موڑ پر تعاقب کرتی ہے - جین کچھہ سے کچھہ ہوگیا ' اسکی روح بدل گئی ' اسکا دل پلٹ گیا ' اس کا سینہ جو کبھی شیطان کا نشیمن تھا ' مقدسوں کی نیکیوں کا آشیانہ اور فرشتوں کی پاکیوں کا خزینہ بن گیا ! تاہم سوسائٹی نہ تو اسے معاف کرسکی ' نہ اسکی راہ روکنے سے باز آئی - ایک کے بعد ایک آزمایشیں آتی گئیں ' اور اسکی وہ نیکی جو بشپ نے شمعدان پکڑاتے ہوے اسکے دل کے ریشے ریشے میں اتار دی تھی ' متزلزل نہ ہوئی - وہ قربانیوں پر قربانیاں کرتا گیا - اس نے انسان کی خدمت اور محبت کیلیے اپنا سب کچھہ دیدیا - لیکن انسان اسے انصاف کا ایک کلمہ ' اعتراف کا ایک اشارہ ' عزت کی ایک غلط انداز نظر بھی نہ دے سکا !

***

افسانہ بہت طول کھینچتا ہے - سالہا سال گزر جاتے ہیں - یورپ کے بعض اہم واقعات شروع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں - " واٹرلو " کا معرکہ اور " فرانس کا تیسرا انقلاب " بھی ہو چلتا ہے ' لیکن جین کی عجیب و غریب زندگی کی مسلسل اور غیر مختتم قربانیاں ختم ہونے پر نہیں آتیں - وہ اپنی زندگی کا تمام آخری حصہ صرف کر کے جس یتیم اور مظلوم لڑکی کی پرورش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسکی زندگی کی ساری نامرادیوں اور شقاوتوں کا صلہ اس بچہ کی محبت میں مل جایگا ' وہ بھی اس سے بے پروا ہوجاتی ہے - جس شخص کی زندگی کو وہ ایک ایسے زہرہ گداز اور دہشت انگیز خطرہ میں پڑکر بچاتا ہے جس کا تصور بھی انسان کو سہمادے ' وہ بھی اسکے ساتھہ انصاف نہیں کرسکتا اور اس سے منھہ موڑ لیتا ہے - آخر وہ وقت آتا ہے جب اسی برس کی عمر میں تن تنہا بستر موت پر کروٹیں بدلتا ہے - اسوقت انسان طیار ہوتا ہے کہ اسکے ساتھہ انصاف کرے -

ساری عمر کی نیکی اور قربانی کے بعد اعتراف کی یہی چند گھڑیاں تھیں جو سوسائٹی اسے دے سکی !

***

وکٹر ہیوگو کی یہ طیار کی ہوئی سیرۃ (کیرکٹر) نہایت مقبول ہوئی ہے - یورپ کے بڑے بڑے مصوروں نے اسکا مرقع کھینچنے میں اپنے کمالات کے جوہر دکھلاے ہیں - سب سے بہتر مرقع مورس کا تسلیم کیا جاتا ہے جو گذشتہ صدی کا نامور فرانسیسی مصور تھا - اس مرقع میں اس نے وہ منظر دکھلایا ہے جب پولیس کے سپاہی جین کو گرفتار کرکے لاتے ہیں اور بشپ کے سامنے پیش کرتے ہیں - جین دم بخود کھڑا ہے - اسکے ہاتھہ میں چوری کے مال کا بقچہ ہے - بشپ مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور چاندی کے شمعدان اسے پکڑا رہا ہے - نیچے یہ عبارت درج ہے " میرے دوست ! تم رات جاتے ہوے یہ شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھی تو چاندی کے ہیں اور دو سو روپیہ میں فروخت ہو سکتے ہیں " ؟

***

کچھہ عرصہ ہوا میں سفر میں تھا اور گزران وقت کے لیے یہ قصہ پڑھہ رہا تھا - میں نے خیال کیا ' وکٹر ہیوگو نے اپنے زور تخیل سے انسانی سیرۃ کا ایک بڑا ہی بلند اور دلآویز نقشہ کھینچا ہے ' لیکن اگر اس نے مشرق کی شاعری کی طرح (کیونکہ اس نے سعدی اور حافظ کا مطالعہ کیا تھا) مشرق کے اخلاق و تصوف کا بھی مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اس طرح کی اخلاقی سیرۃ یہاں کی عملی زندگی کے واقعات رہ چکے ہیں - پھر مجھے خیال آیا کہ سید الطائفہ جنید بغدادی (رح) اور ابن ساباط کا واقعہ کس درجہ اس سے مشابہ ' اور اپنی تفصیلات میں کیسا شاندار اور موثر ہے ؟

***

" ابن ساباط " کی سرگزشت کیلیے آئیندہ مجلس افسانہ سرای کا انتظار کیجیے -

" وصاف "

ایک ۷۵ برس کا بوڑھا آدمی
عملیۂ تقلیم سے پہلے

ان تجربوں کے بعد اُس نے انسان کو لیا اور خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی - چالیس سے ساٹھہ برس تک کے آدمیوں پر تجربہ کیا گیا جنکی شرائین سخت ہوگئی تھیں' اور پیری کے جملہ لوازم اُن پر ٹوٹ پڑے تھے - جوان آدمیوں کا خون اُن کے جسم میں پہنچایا گیا اور یہ تمام عوارض دور ہوگئے - یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس طریقہ میں جوان آدمی کا بہت سا خون لیا جاتا ہے - نہیں' بہت ہی کم خون - اِتنا کم' جتنا معمولی زخم سے بہہ جایا کرتا ہے - اور وہ اِس عمل کے لیے کافی ہوتا ہے - ایک سنٹی میٹر مکعب سے دو سنٹی میٹر تک خون کافی ہوتا ہے - اِس میں اصلی شرط یہ ہے کہ دونوں کے خون کی فعالی خاصیت یکساں ہو - یہی سبب ہے کہ خون لینے سے پہلے اُس کی طبی جانچ کرلی جاتی ہے - سب سے بہتر خون باپ کے لیے بیٹے کا ہوتا ہے - لیکن بہر حال طبی معائنہ ضروری ہے -

(۲) گلٹیوں کا نظریہ

دوسرا طریقہ گلٹیوں کی عملیات کا ہے - یہ طریقہ اُس نظریہ پر مبنی ہے جو آجکل بہت عام اور مقبول ہو رہا ہے - نظریہ یہ ہے کہ جسم کے پورے نظام کا دار و مدار اُن گلٹیوں پر ہے جو خون میں بلا واسطہ اپنا مادہ پہنچاتی رہتی ہیں - اِن گلٹیوں کی مثال بالکل اُس ننھے سے پرزہ کی ہے جو موٹر میں حرکت کے وقت پہلا شرارہ پیدا کرتا ہے -

گلٹیوں کی جسم میں تاثیر مسلم ہے - مثلاً جب گردن کی " غدۂ درقیہ " (Thyroid Glend) خراب ہو جاتی ہے تو انسان میں غفلت و حماقت کی سی ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے - اِس غدود یا گلٹی کے اوپر دو گلٹیاں اور بھی موجود ہیں - یہ اِتنی چھوٹی ہیں کہ پن کے سر سے زیادہ نہیں ہیں - اگر یہ جسم سے نکال دی جائیں تو فوراً تشنج شروع ہوجائے اور زیادہ سے زیادہ چھہ گھنٹے کے اندر انسان مرجائے - اسی طرح گردوں کے اوپر کی گلٹیاں بھی اگر نکال دی جائیں تو چشم زدن میں اس طرح دم نکل جائے' گویا بجلی گر پڑی - وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں گلٹیاں ایک خاص طرح کا مادہ خارج کرتی رہتی ہیں جس کا نام " اڈرینالین " ہے - یہی مادہ قلب کی حرکت کا اصلی موجب ہے -

غرضکہ اِس قسم کی بہت سی گلٹیاں انسان کے جسم میں موجود ہیں - لیکن تجربہ کرنے والوں نے اپنے علاج میں صرف تناسلی گلٹیوں سے کام لیا ہے - یہ ثابت ہوچکا ہے کہ تناسلی گلٹیوں ہی سے وہ مادہ خارج ہوتا ہے جس سے مرد کی آواز بھاری ہوتی ہے'

چہرے پر بال نکلتے ہیں' اور وہ تمام حالات پیدا ہوجاتے ہیں جنسے مرد' مرد ہوتا اور اُس میں رونق شباب ظاہر ہوتی ہے -

(گلٹیوں کے عملیات)

اِن گلٹیوں کو قوی اور چست کیوں کر کیا جائے ؟ علماء نے اِس کے چند طریقے نکالے ہیں

ایک طریقہ یہ ہے کہ اِن گلٹیوں پر عمل جراحی کرتے ہیں اور اُن کی شرائین مختلف دواؤں کے ذریعہ تروتازہ کردی جاتی ہیں' جن سے مادۂ منویہ آتا ہے اور جو بڑھاپے میں خشک ہوجاتی ہیں - یہ طریقہ اب تک پوری طرح کامیاب نہیں ہوا ہے' اگر ہو بھی جائے تو صرف اُنھی بوڑھوں کے لیے مفید ہوسکتا ہے جن کے قوی ابھی مضبوط ہیں اور جسم میں مادۂ منویہ کافی مقدار میں پیدا ہوتا رہتا ہے - لیکن جن کے قوی بالکل کمزور ہوگئے ہیں' اُن کے لیے یہ طریقہ مفید نہ ہوگا - یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ مقبول نہیں ہوا -

دوسرا طریقہ پچکاری کے ذریعہ مواد داخل کرنے کا ہے - تندرست حیوان کی تناسلی گلٹیوں کے مواد کا خلاصہ حاصل کیا جاتا ہے' اور بوڑھے جسموں کی گلٹیوں میں پہنچا دیا جاتا ہے - لیکن یہ طریقہ بھی زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہوا - کیونکہ اول تو ایسے مواد کا حاصل کرنا مشکل ہے - پھر اِس کا اثر بھی زیادہ دیر پا نہیں ہوتا - کچھہ مدت کے بعد جاتا رہتا ہے -

یہ طریقہ سب سے پہلے ایک امریکن ڈاکٹر براؤن سیکر نے معلوم کیا تھا اور خود اپنے جسم پر اسکا تجربہ کیا تھا - یہ ڈاکٹر بہت بوڑھا ہو گیا تھا - عمر ستر سے بھی زیادہ ہوگئی تھی - علمی اشغال کی قوت باقی نہیں رہی تھی - بڑے غور و فکر کے بعد اُسے خیال ہوا کہ اِس طریقہ کا تجربہ کیوں نہ کیا جائے ؟ چنانچہ تناسلی گلٹیوں کے مواد کا خلاصہ حاصل کیا اور اپنے جسم میں پچکاری کے نشتر کے ذریعہ داخل کردیا - نتیجہ حیرت انگیز تھا - اچانک شباب کی قوتیں عود کر آئیں !

تیسرا طریقہ وہ ہے جسے پیوند یا قلم لگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جس طرح درختوں کی دو مختلف شاخوں کا باہمدگر پیوند لگایا جاتا ہے' اسی طرح ایک جسم کا کچھہ حصہ دوسرے جسم میں لگا دیا جائے - اسی لیے ہم نے اسے " تقلیم " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو عربی میں قلم لگانے کے معنی میں بولا جاتا ہے - ایک دوسرا لفظ " تطعیم " بھی ہے - لیکن اسمیں قلم لگانے سے زیادہ ٹیکہ لگانے کا مفہوم پایا جاتا ہے - مصر کے بعض رسائل نے غلطی سے اسے " تطعیم " کہنا شروع کردیا ہے - حالانکہ تطعیم اِسکے لیے موزوں نہیں

وہی ۷۵ برس کا بوڑھا
عملیہ کے بعد

ڈاکٹر کورسکی

جس نے غدودوں کے ذریعہ اعادۂ شباب کے سلسلہ میں کامیابی حاصل کی

" اعداد و شمار سے ثابت ہوگیا ہے کہ انسان کی عمر بڑھ رہی ہے۔ سولہویں صدی سے انیسویں صدی کے وسط یعنی سنہ ۱۸۵۰ع تک ' انسان کی عمر میں بیس برس کا اضافہ ہوچکا ہے۔ اس کے بعد بھی ترقی برابر جاری رہی - اس وقت انسان کی متوسط عمر ۵۸ - سال تک پہنچ چکی ہے "

پروفیسر مذکور کے خیال میں اس زیادتی کا اصلی سبب علم حفظان صحت کی ترقی اور عقل انسانی کی وسعت ہے - اب انسان بہت سے ایسے امراض پر غالب آگیا ہے جو پہلے ناقابل علاج تھے - اسنے بتایا کہ مرد کی زندگی کیلیے سب سے زیادہ خطرہ چھپّن اور اٹھاون سال کی درمیانی عمر میں ہوتا ہے - لہذا اس موقعہ پر غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے - عورت کی زندگی ۱۶ - اور ۱۸ - سال کی عمر میں سب سے زیادہ خطرے میں ہوتی ہے - تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر عورتیں اسی عمر میں مرتی ہیں

عمر کی درازی میں وراثت کو بھی بہت دخل ہے - جن خاندانوں میں عمر زیادہ ہوتی ہے ' انکی نسل زیادہ مدت تک زندہ رہتی ہے - یہ اس لیے کہ عمر کا تعلق جسم کی اُن خلایا یا تبدیلیوں سے ہے جو زندگی کی محافظ اور پرورش کرنے والی ہیں - علماء علم الحیاۃ نے اب یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ زندگی کی ان تبدیلیوں کی قوت و صلاحیت عام طور پر موروثی ہوتی ہے - لہذا طویل العمر خاندانوں کے افراد کو زیادہ عمر پانے کی امید رکھنی چاہیے - بشرطیکہ بے اعتدالیوں سے زندگی کی قوتیں قبل از وقت ضایع نہ کردیں -

حال میں مشہور روسی عالم ڈاکٹر وورونوف نے اعلان کیا ہے :

" عنقریب انسان ۱۲۵ - سال کی عمر حاصل کریگا ' اور علم کی ترقی بہت جلد اس مدت کو ۱۴۰ - سال تک بڑھا دیگی "

اور بہت سے علماء نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے - دنیا بھر میں زندگی کی درازی کیلیے ایک زبردست تحریک پیدا ہوگئی ہے -

(اعادۂ شباب)

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان اتنی عمر لیکر کریگا کیا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ساٹھہ برس کے بعد ہی بڑھاپے کی کمزوریاں اُسے مغلوب کرلیتی ہیں ' اور اس کے بعد تو اُسکی زندگی موت سے بھی بدتر ہوجاتی ہے ؟

بلا شبہ یہ سوال بہت اہم ہے -

لیکن علماء علم حیات اس سے غافل نہیں ہیں - ان کا جواب یہ ہے کہ بڑھاپے کی یہ حالت طبیعی اور اٹل نہیں ہے بلکہ عوارض کا نتیجہ ہے - اگر یہ عوارض دور کردیے جائیں تو سو برس کی عمر میں بھی انسان ویسا ہی خوش حال رہسکتا ہے - جیسا تیس برس کی عمر میں ہوتا ہے - وہ کہتے ہیں - یہ عوارض دور کردیے جاسکتے ہیں -

بڑھاپے کی لاچاریاں دور کرنے کا مسئلہ نیا نہیں ہے - قدیم سے انسان نے اس پر غور کیا ہے اور دواؤں کی شکل میں اسکے بہت سے حل تجویز کیے ہیں - مگر تجربے اور عمل سے کوئی بھی کارگر ثابت نہ ہوا - اب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ علماء شاید یہ مہم سر کرلیں -

(سائنس کانگرس کا اعلان عظیم)

گزشتہ سال سوئٹزر لینڈ میں سائنس کانگرس نے اعلان کیا تھا :

" یہ خیال محض بے بنیاد ہے کہ بڑھاپا ایک طبعی حالت ہے جو لازمی طور پر ہر انسان پر طاری ہوتی ہے - بڑھاپا بھی دراصل بیماری کی طرح ایک عارضہ ہے - جس طرح ہر بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں' اُسی طرح اس بیماری کے بھی جراثیم ہیں' اور علم نے معلوم کر لیے ہیں - اگر ان کے معدوم کر دینے میں کامیابی ہوگئی ' تو بڑھاپا بھی معدوم ہوجایگا " !

(۲)

(اعادۂ شباب کے کامیاب طریقے)

بڑھاپا دور کرنے یا بہ الفاظ علمی اس کے جراثیم معدوم کردینے کے جو طریقے اس وقت تک کامیاب ہوچکے ہیں ' وہ کچھہ کم اہمیت نہیں رکھتے - ہم مختصراً اُن تمام طریقوں کا یہاں ذکر کر دیتے ہیں -

(۱) تجدید مادۂ دمویہ

اس طریقہ کا موجد پیرس کا ایک ڈاکٹر کورسکی ہے - اس طریقہ کی طرف اسے ڈاکٹر کارل کی کیمیاوی تحقیقات سے رہنمائی ہوئی - ڈاکٹر کارل حیوان کا کوئی عضو یا عضو کا کوئی حصہ ایک عرق کے اندر جس میں دو ثلث خون اور ایک ثلث اسی حیوان کی جنین کا جوہر شامل ہوتا تھا ' رکھدیتا ' اور وہ عضو حیرت انگیز طور پر زندہ رہتا - ڈاکٹر کورسکی نے یہ دیکھکر خیال کیا کہ اگر بوڑھے حیوان کے جسم میں اُسی نسل کے جوان حیوان کا خون منتقل کردیا جائے تو اُسے جوان ہوجانا چاہیے - چنانچہ اُس نے تجربہ کیا اور کامیاب رہا - چودہ برس کا ایک بوڑھا کتا اور ۲۴ - برس کا بوڑھا گھوڑا ' دونوں جوان ہوگئے !

مشہور عالم ڈاکٹر وورونوف

جو اعادۂ شباب کے مسئلہ تحقیق کا موجد ہے

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں، دنیا عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے اندر انہیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے۔ اسی لئے فلسفۂ تاریخ کے بانی اول ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا، اتنی ہی زیادہ افسانہ سرائی اُسے اپنے حصار تخیل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بنجائے!"

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ وعلی آبائہ واجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے، محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعے نے اسلام کی دینی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے، وہ اُن کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہونگے جس قدر اس حادثہ پر بہہ چکے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو محرم گزر چکے، اور ہر محرم اس حادثہ کی یادتازہ کرتا رہا۔ امام حسین کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اُس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم و الم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے!

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے؟ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے، تو اکثر صورتوں میں اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ اسوقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد، زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینی ہے، نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات۔ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں، وہ بھی در اصل تاریخ نہیں ہیں۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے۔

اگر آج جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثۂ کربلا کی "تاریخ" ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!

ذیل میں ہم وفیات مشاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہو چکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واردات و حوادث نقل کرتے ہیں۔ یہ حادثۂ کربلا کی "تاریخ" نہیں ہے، مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک "تاریخ" کا تعلق ہے، اس حادثہ کے واقعات میں یا درہے کہ اس سلسلہ سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے، بلکہ مجرد واقعات وفات کا اس طرح یکجا کر دینا ہے کہ اُس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہو جائے۔ البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس قدر کاوش و جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے۔

تمہید

اہل بیت، شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اُسنے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور حسین بن علی علیہما السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا اس لئے وہاں اہل بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اُنھوں نے حضرت حسین کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے، ہم آپکا ساتھ دیں گے۔ آپنے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپکے دوستوں اور عزیزوں کو علم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور افسانہ سازی سے واقف تھے نیز اُنکی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے کہا "لوگ یہ سنکر بہت پریشان ہیں کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجئے" حضرت حسین نے جواب دیا "میں نے عزم کر لیا ہے۔ آج ہی کل میں روانہ ہوتا ہوں" ابن عباس بے اختیار پکار اٹھے: "خدا آپکی حفاظت کرے۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے، دشمن کو نکال دیا ہے، اور ملک پر قبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لیجائیے لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور اُن کی گردن دبائے بیٹھا ہے۔ اسکے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو اُن کا آپ کو بلانا در حقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں، وہ آپکو دھوکا نہ دیں، اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس پھر دوڑے گئے۔

"اے ابن عم" اُنھوں نے بہت کہا "میں خاموش رہنا چاہتا تھا، مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپکی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے، دغاباز ہیں۔ اُنکے قریب بھی نہ جائیے یہیں قیام کیجئے، کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپکو بلاتے ہیں تو اُن سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو، پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپکے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہونگے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے، اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے"

لیکن حضرت حسین نے جواب دیا:

"اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کر چکا"

ابن عباس نے کہا:

"آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لیجائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اُسی طرح قتل نہ کر ڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفان (رض) اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش میں آکر کہا:

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپکے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں!" (ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبد اللہ بن جعفر کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپکو سمجھایا۔ آپکے چچیرے بھائی عبد اللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا:

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجائیے۔ کیونکہ اس راہ میں آپکے لئے ہلاکت اور آپکے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اسوقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں" (ابن جریر۔ کامل۔ مقتل ابن احنف وغیر ذلک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جا کر کہا "حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کر دو" عمرو نے کہا: آپ خود خط لکھ لائیے۔ میں مہر کر دوں گا۔ چنانچہ عبد اللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:

"میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اُس راستہ سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہو اور اُس راستہ کی طرف رہنمائی کرے جس میں سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپکے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپکی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبد اللہ بن جعفر اور یحیٰی بن سعید کو آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔ انکے ساتھ واپس چلے آئیے۔ میرے پاس آپکے لئے امن، سلامتی، نیکی، احسان، اور حسن جوار ہے۔ خدا اسپر شاہد ہے۔ وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام"

ہے - اس میں ٹیکہ لگانے کے عملیہ کی طرح کوئی خارجی مادہ داخل نہیں کیا جاتا ' بلکہ ایک عضو کی قلم دوسرے عضو سے پیوند کردی جاتی ہے -

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تندرست جسم کی تناسلی گلٹیوں کا پیوند بوڑھے آدمی میں لگادیا جاتا ہے اور وہ بالکل جوان ہو جاتا ہے - سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۰ - میں ایک انگریز ڈاکٹر جان ہنٹر نے اس کا تجربہ کیا تھا - بوڑھے کتے میں جوان کتے کی گلٹیاں لگادیں اور اسکا بڑھاپا دور ہوگیا - پھر سنہ ۱۸۴۹ - میں ڈاکٹر برتھولڈ نے مرغ پر یہی تجربہ کیا اور کامیاب ہوا - انیسویں صدی کے آخر میں کئی اور پرندوں پر بھی اس عملیہ کے تجربے کامیاب ہوچکے ہیں -

لیکن یہ محض تجربے ہی تجربے تھے - ابھی اس حد تک معاملہ نہیں پہنچا تھا کہ عملی حقیقت کی طرح تسلیم کرلیا جاتا - مگر سنہ ۱۸۹۴ - میں ڈاکٹر شٹناخ نے وائنا میں از سر نو تجربے شروع کیے - انکا سلسلہ ابتک جاری ہے - اس ڈاکٹر کے تجربے زیادہ تر چوہوں پر تھے - تمام تجربے کامیاب ہوے اور ثابت ہوگیا کہ زیادہ سے زیادہ بوڑھے چوہے بھی جوان ہوسکتے اور چالیس مہینے تک زندہ رہسکتے ہیں - حالانکہ چوہوں کی عمر کا اوسط تیس مہینے سے زیادہ نہیں - اس کے معنی یہ ہوئے کہ انکی عمر میں تقریباً ۴۵ - فی صدی کا اضافہ ہوگیا - اگر اسی پر آدمی کی عمر کا بھی قیاس کیا جائے تو اسی سے سو برس تک پہنچ جانا ممکن معلوم ہوتا ہے -

(ڈاکٹر وورو نوف)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عملیہ کی آخری کامیابی کی عزت ایک روسی ڈاکٹر کے نام لکھی جا چکی تھی جو عرصہ سے پیرس میں مقیم ہے - یعنی ڈاکٹر وورو نوف -

ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربے حیوان سے شروع کیے - سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۸ - میں ۱۲ - برس کے بوڑھے دنبے میں ایک جوان دنبے کی تناسلی گلٹی کا پیوند لگایا - نتیجہ یہ ہوا کہ دو مہینے کے اندر بوڑھے دنبے کی حالت بدل گئی - پہلے اسکا سر جھکا رہتا تھا - ہاتھہ پاؤں کانپتے تھے - پیشاب بند ہو ہو جاتا تھا ' اور توالد و تناسل کی قوت بالکل مفقود ہوچکی تھی - لیکن اس علاج کے بعد اسکی جوانی واپس آگئی ' جوش شباب پیدا ہوگیا ' سینگ مارنے لگا ' اور مادہ اس سے حاملہ بھی ہوگئی - ڈاکٹر نے صرف اتنے تجربے ہی پر اکتفا نہیں کی - بلکہ کچھہ روز بعد یہ پیوند الگ کر کے دیکھا کہ اب دنبے کی حالت کیا ہوتی ہے ؟ ہوا یہ کہ پیوند کے الگ ہوتے ہی بڑھاپا لوٹ آیا - ڈاکٹر نے دوبارہ پھر پیوند لگا دیا ' وہ پھر از سر نو جوان ہوگیا !

(۸۵ برس سے چالیس برس !)

اسکے بعد ۷۵ - برس کے ایک بوڑھے انگریز پر تجربہ کیا - یہ نہایت ہی ردی حالت میں تھا - کمزوری حد کو پہنچ چکی تھی - پیٹ کی کھال لٹک آئی تھی - بینائی تقریباً جاچکی تھی - کان بھی بہرے ہونے کے قریب تھے - اس نے اپنی جوانی کا تمام زمانہ ہندوستان کے گرم و سخت موسم میں بسر کیا تھا - وہ اس قدر کمزور تھا کہ ڈاکٹر کے مطب تک بھی خود نہیں چڑھ سکا جو پہلی منزل پر واقع تھا - نوکر اسے اپنی پیٹھہ پر لاد کے لے گیا -

لیکن اس علاج کے بعد وہ جوان ہوگیا - قوت واپس آگئی ' حتی کہ سر پر بال بھی نکل آئے - حالانکہ سالہا سال سے اسکا سر گنجا ہو رہا تھا ! (صفحہ ۱۱ - کی دونوں تصویریں اسی شخص کی تصویریں ہیں)

ڈاکٹر وورو نوف کا بیان ہے کہ سب سے بہتر پیوند اس قلم کا ہوتا ہے جو جوان آدمی کی تناسلی گلٹی سے لیا جاتا ہے - علاج کیلیے بہت ہی قلیل حصے کی ضرورت ہوتی ہے - اتنے قلیل کی کہ آدمی کی صحت کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا - مگر چونکہ دنیا بھر کی قوموں کے قوانین نے اسے ممنوع قرار دیدیا ہے ' اس لیے مجبوراً ترقی یافتہ بندر کی گلٹیوں سے کام لیا جاتا ہے - کیونکہ حیوانات میں بندر سے زیادہ کوئی جانور انسان سے قریب نہیں ہے - تحلیل کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ بندر کا خون بالکل انسان کے خون کی طرح ہے -

ابتک بکثرت آدمیوں کا علاج ہو چکا ہے ' اور سب پر کامیاب رہا ہے ' سب از سر نو جوان ہوگئے ہیں - ڈاکٹر وورو نوف کا آخری اعلان یہ تھا کہ " دسمبر سنہ ۱۹۲۶ - تک وہ ایک ہزار بوڑھوں پر یہ عملیہ کر چکے ہیں ! "

(جنس اناث اور عملیۂ تلقیم)

جس طرح بوڑھے مردوں کے لیے یہ عملیہ کامیاب ہوا ہے ' کیا بوڑھی عورتوں کے لیے بھی کامیاب ہوسکتا ہے ؟ کیا آئندہ زمانے میں دونوں جنس یکساں شباب کی طرف لوٹ سکیں گے ' یا زندگی اور انتفاع کے ہر میدان کی طرح ' اس میدان میں بھی عورتیں محروم رہجائیں گی ؟

حال میں ڈاکٹر وورو نوف نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے ؟

" اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے اس کمزور سن عورت کی ملاقات کرادوں جو ۶۵ برس کی عمر اور اس کی ساری محرومیاں لیکر میرے پاس آئی تھی اور اب از سر نو جوانی بنکر واپس جا چکی ہے " !

(باقی آئندہ)

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ (ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

مکہ سے آپ عراق کو روانہ ہوگئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپنے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟" فرزدق نے جواب دیا "انکے دل آپکے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں" فرمایا "سچ کہتا ہے۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لحظہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اُس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو آسکی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہونچکر معلوم ہوا کہ آپکے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپنے سُنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون! پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا:

"اب بھی وقت ہے۔ ہم آپکے اور آپکے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ یہیں سے لوٹ چلیے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپکے خلاف کھڑے ہوجائیں گے"

آپ خاموش ہوگئے، اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہوگئے "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے" انھوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مرجائیں گے"

اسپر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہا "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں" (ایضاً)

راستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

بدوؤں کی ایک بھیڑ آپکے ساتھ ہوگئی تھی۔ یہ سمجھتے تھے کوفہ میں خوب آرام کرینگے۔ آپ اسکی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کرکے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہونچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اور عبد اللہ بن یقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرفداروں نے بیوفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہونگے"

بھیڑ نے سُنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپکے گرد وہی آدمی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے! (ایضاً)

حُر بن یزید کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے، عبید اللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہولیا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حسین کے ساتھ برابر لگا رہے، اور اُسوقت تک پیچھا نہ چھوڑے، جب تک انھیں عبید اللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچادے۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت آگیا۔ آپ تہ بند باندھے، چادر اوڑھے، نعلین پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا:

راہ میں ایک خطبہ

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے، قاصد آئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئے تاکہ خدا ہمیں آپکے ہاتھ پر جمع کردے۔ اگر اب بھی تمھاری یہی حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے کے لئے طیار ہو جن پر میں مطمئن ہوجاؤں، تو میں تمھارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں"

دشمنوں نے آپکے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو" حضرت حسین نے حُر بن یزید سے کہا "کیا تم علیحدہ نماز پڑھوگے؟" اُسنے کہا "نہیں، آپ امامت کریں، ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے"

وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپنے پھر خطبہ دیا:

دوسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر رہو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو، اور تمھاری رائے اب اُس کے خلاف ہوگئی ہو، جو تمنے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی؛ تو میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی طیار ہوں"

اہل کوفہ کے خطوط

اسپر حُر نے کہا "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں"

آپنے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوط کا ڈھیر لگا دیا۔ اسپر حُر نے کہا "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپکو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں" حضرت امام نے فرمایا "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے"

پھر آپنے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپنے خفا ہوکر حُر سے کہا "تیری ماں تجھے روئے! تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواب دیا "واللہ اگر آپکے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اُسے بتا دیتا! لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر بُرائی کے ساتھ نہیں آسکتا" آپنے فرمایا "پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اُسنے کہا "میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لیجانا چاہتا ہوں" آپنے جواب دیا "تو واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا" اُسنے کہا "واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا" جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حُر نے کہا "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپکو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کردے، اور آپکے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں" یہ بات آپنے منظور کرلی اور روانہ ہوئے۔ (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپنے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں خطبہ دیا:

"اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہد الٰہی شکست کرتا ہے، سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر

گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہو، اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اُس کی مخالفت کرتا ہو، نہ اپنے قول سے، سو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے۔ حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمھارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لیکر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کروگے۔ نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کروگے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمھارے لئے رشد و ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسین ابن علی، ابن فاطمہ، رسول اللہ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمھارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ موڑو لیکن اگر تم یہ نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ، بھائی، اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کروگے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی۔ جو بدعہدی کرے گا، خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ عجب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (ابن جریر، کامل وغیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے؟ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے؟ کوئی نہیں جو اُس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقاء الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سُنکر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا "تم بولو گے یا میں بولوں؟" سب نے کہا "تم بولو" زہیر نے تقریر کی:

"اے فرزند رسول اللہ! خدا آپکے ساتھ ہو! ہم نے آپکی تقریر سُنی۔ واللہ، اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، اور ہم ہمیشہ اُس میں رہنے والے ہوں، جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اُس کی جدائی گوارا کرلیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپکے ساتھ مرنے کو ترجیح دیں گے!" (ایضاً)

حُر کی دہمکی کا جواب

حُر بن یزید آپکے ساتھ برابر چلا آرہا تھا۔ بار بار کہتا تھا "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے" ایک مرتبہ آپنے غضبناک ہو کر فرمایا "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائیگی کہ مجھے قتل کروگے؟ سمجھ میں نہیں آتا تجھے کیا جواب دوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دہمکی سُنکر کہا تھا:

سأمضی وما بالموت عار علی الفتیٰ ۔۔۔ اذا ما نوی حقاً و جاہد مسلما!

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لئے موت، ذلت نہیں ہو جبکہ اُس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کر رہا ہو)

وآسی الرجال الصالحین بنفسہ ۔۔۔ وفارق مثبوراً یغش ویرغما

(اور جبکہ اپنی جان دیکر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز، ظالم، ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو) (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے، سوار آتے دکھائی دیئے۔ اُن کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

یا ناقتی لا تذعری من زجری ۔۔۔ وشمّری قبل طلوع الفجر

(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوع فجر سے پہلے ہمت کر چل!)

بخیر رکبان وخیر سفر ۔۔۔ حتی تحلّی بکریم النجر

(سب اچھے مسافروں کو لے چل، سب اچھے سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا)

الماجد الحرّ رحیب الصدر ۔۔۔ اتی بہ اللہ لخیر امر!

(وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اُسے سب اچھے کام کے لئے لایا ہے!)

ثمت ابقاہ بقاء الدہر!

(خدا اُسے ہمیشہ سلامت رکھے!)

حضرت حسین نے یہ شعر سنے تو فرمایا "واللہ مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے، چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں"

حُر بن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپکے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا" آپنے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کروگے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے، لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کروگے تو میں تم سے لڑوں گا" یہ سُنکر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپنے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دیکر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپکے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں کل آپکے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی" (ایضاً)

آپکے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے اُنھیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ آپکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا: منہم من قضیٰ نحبہ ومنہم من ینتظر، وما بدلوا تبدیلا! (بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں، مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اُنہیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے) خدایا! ہمارے لئے اور اُن کے لئے جنت کی راہ کھول دے، اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انھیں جمع کر!"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:

"واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپکے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپکے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے، جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ حسین سے لڑیں۔ میں آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلئے۔ میں اپنے پہاڑ "آجاء" میں آپ کو اُتاروں گا۔ واللہ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلۂ طے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپکے سامنے کھڑے ہو جائینگے۔ واللہ جب تک اُن کے دم میں دم رہیگا، آپکی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا"

آپنے جواب دیا:

"خدا تمھیں جزائے خیر دے، لیکن ہمارے اور ان کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اُس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچکے ختم ہوگا؟" (ایضاً)

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر باواز بلند کہنے لگے "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ رب العالمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپکے صاحبزادے علی نے عرض کیا "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں؟" فرمایا "جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا جا رہا ہے "لوگ چلتے ہیں اور موت اُنکے ساتھ چلتی ہے!" میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے" علی نے کہا "خدا آپ کو روز بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں" اس پر وہ بے اختیار کہہ اُٹھے: "اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پرواہ نہیں!"

یہ وہی آپکے صاحبزادے ہیں جو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ۔ ابی ابی مرتضیٰ وغیر ذلک)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حُر بن یزید اُنھیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ ہتیار بند تھا۔ حضرت حسین کی طرف سے اُس نے منہ پھیر لیا، مگر حُر کو سلام کیا، اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"حسین کو کہیں ٹھکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمھارے ساتھ رہیگا اور دیکھتا رہیگا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا "اب میں مجبور ہوں۔ آپکو بے آب و گیاہ کھلے میدان ہی میں اُترنے کی اجازت دے سکتا ہوں" زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا "ان لوگوں سے لڑنا اُس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی" مگر آپنے لڑنے سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" زہیر نے کہا "تو پھر اُس سامنے کے گاؤں میں چل کر اُتر پڑیئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے" آپ نے پوچھا "اُس کا نام کیا ہے؟" زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) یہ سُنکر آپ منقبض ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ!" (ایضاً)

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین پر پہنچکے اُتر پڑے۔ پوچھا "اس زمین کا نام کیا ہے؟" معلوم ہوا "کربلا" آپنے فرمایا "یہ کرب اور بلا ہے" یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اُسمیں ایک پہاڑی حائل تھی۔ (الامامۃ والسیاسۃ)

یہ واقعہ ۲ محرم سنہ ۶۱ ہجری کا ہے۔

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350: Oxford Street,
LONDON, W. I.

جو دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے۔

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ۔

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے اڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

ہمارے یہاں سے

ہر چھٹے ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

بریدِ شرق

مکتوبِ چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

چین کے بڑے سپہ سالار

قدیم چینی مثل ہو "فوج جمع کر لینا آسان ہو مگر اُس کے لئے سپہ سالار پیدا کرنا مشکل ہو" یہ مثل چین پر مدت سے صادق آ رہی ہو۔ چین میں قحط الرجال ہو۔ بڑے آدمی کم پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن اسوقت خلافِ عادت چند ایسے آدمی پیدا ہو گئے ہیں جو دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

"چنگ سولین"

جنگی حیثیت سے چین کا سب سے بڑا آدمی جنرل چنگ سولین سمجھا جاتا ہو۔ یہ شمالی افواج کا سپہ سالار اعظم اور پائے تخت پیکن کی حکومت کا مالک ہو۔ اب سے پہلے یہ منچوریا میں قزاقوں کا سردار تھا۔ جنگ بحیرہ کے دوران میں اُسنے شہرت حاصل کی۔ یہ اُسوقت بھی قزاقوں کی ایک بڑی ٹولی کا سردار تھا۔ یہ لوگ "سرخ داڑھی والے" کہلاتے تھے اور اُن کے نام سے باشندے تھراتے تھے۔ جنگ روس اور جاپان کے زمانہ میں بھی اسنے بہت نام پیدا کیا اور اپنے ڈاکوؤں کے ذریعہ روس کو بہت پریشان کیا۔ اُسوقت سے اسنے جاپان کی سرپرستی حاصل کر لی اور برابر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۸ء میں منچوریا کا جنگی حاکم بنا دیا گیا۔

۱۹۲۲ء میں جنرل "وو، پی، فو" سے اُس کا اختلاف ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ چنگ سولین نے شکست کھائی۔ مگر اُس کی ہمت میں فرق نہیں آیا۔ جاپان کی مدد سے اُسنے پھر قوت حاصل کر لی اور منچوریا میں اپنی کامل خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

۱۹۲۴ء میں اُسنے "وو، پی، فو" سے صلح کر لی اور دونوں نے ملکر پیکن پر فتح کیا، نئی حکومت قائم کی، اور صدر جمہوریہ چین کو نکال باہر کیا۔ پھر "وو، پی، فو" کو بھی پیکن سے بے دخل کر دیا۔ اب وہ پائے تخت کا تنہا مالک ہو۔

"وو، پی، فو"

یہ جنرل صوبہ ہونان کا حاکم ہو۔ یہ صوبہ اپنے رقبہ میں فرانس کے برابر ہو۔ گزشتہ سال اسے دریائے ینگ زی کے کنارے کنٹونیوں نے بہت سخت شکست دی۔ اس کے پاس ڈھائی لاکھ نہایت مسلح و منظم فوج موجود تھی۔ مگر قوم پرستوں سے مل گئی۔ یہ تن تنہا میدان سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ لیکن آدمی اولوالعزم تھا۔ فوراً نئی فوج مرتب کر لی۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہو۔ یہ کنفوشس مذہب کا عالم اور چینی زبان کا شاعر ہو۔

"سن، شن، فنگ" اور "شنگ، شنگ"

شمالی چین میں ان دو بڑے سپہ سالاروں کے علاوہ دو اور سپہ سالار بھی بہت مشہور ہیں: ایک مارشل "سن، شن، فنگ" دوسرا مارشل "شنگ، شنگ، شنگ" اول الذکر کو کنٹونیوں نے شنگھائی کی لڑائی میں شکست دے کر اُس کی فوج کو ینگ زی کے نیچے برباد کر ڈالا۔ دوسرا اُس کی مدد کو چلا۔ لیکن ناکام ہو کر شمال کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ یہ شخص اپنی جسمانی قوت کے اعتبار سے پورے چین میں ایک آدمی سمجھا جاتا ہو۔

جنوبی چین (یعنی قوم پرست چین) کی مشہور شخصیتیں حسب ذیل ہیں:

جنرل کے شیک

ڈاکٹر سن یٹ سن کا دستِ راست تھا۔ کنٹونی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن حال ہی میں بعض اختلافات کی بنا پر باغی ہو گیا اور نان کنگ میں اپنی علحدہ حکومت قائم کر لی۔ اپنی جنگی قابلیت، شجاعت، ایثار اور حب الوطنی میں مشہور ہو۔ اس کی فوج میں ایک آسٹرین جنرل "جلنر" بھی موجود ہو اور بہت نام پیدا کر رہا ہو۔

اوجین چن

کنٹون کا وزیر خارجہ ہو۔ لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور مدت تک وکالت کرتا رہا۔ پھر کنٹون آیا اور قومی حکومت کے سب سے بڑے سیاسی عہدے پر فائز ہو گیا۔

ایم بروڈین

مشہور روسی کمیونسٹ اور مدبر ہو۔ اس کی پوری زندگی انقلابی افکار پھیلانے میں گزری۔ ۱۹۲۲ء میں انگلستان گیا اور انگریز مزدوروں میں بغاوت پھیلانا چاہی۔ لیکن حکومت نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ قید کی مدت ختم ہونے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع نہ تھا کہ اُسنے قید خانہ کی اسیری۔ بارہا گرفتار اور قید ہو چکا ہو۔ اس وقت کنٹون میں اس سے زیادہ کسی کا اثر نہیں۔ چینی انقلاب میں اس کا بہت بڑا حصہ ہو اور اب تک اُس کی روح رواں بنا ہوا ہو۔

"ہسوان ٹنگ"

چین کے مشاہیر کے ذکر کے ساتھ ہمیں بے اختیار چین کا معزول نوجوان شہنشاہ "ہسوان ٹنگ" یاد آ جاتا ہو۔ اب سے پندرہ برس پہلے جبکہ اُس کی عمر صرف ۴ برس تھی، اپنے آبائی تخت سے معزول کیا گیا۔ اسوقت اس کی عمر ۱۹ برس ہو۔ ٹیانشین میں جاپان کے زیر سایہ مقیم ہو۔ تین سال ہوئے اسنے ایک منچوریئن شاہزادی سے شادی کی ہو اور اب خاموش بیٹھا مستقبل کا انتظار کر رہا ہو۔

چونکہ انقلاب چین کے حالات میں وہاں کے مشاہیر کا ذکر آیا کرتا ہو اور ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ان کی حیثیت کا اندازہ نہیں کر سکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج مختصراً اُن شخصیتوں سے آپ کو روشناس کر دوں جو موجودہ انقلاب میں زیادہ نمایاں حصہ رکھتے ہیں۔ ادہر چند دنوں کے اندر صورت حال میں جو نئے تغیرات ہوئے ہیں انکی نسبت آئندہ ڈاک کے خط میں بتفصیل لکھوں گا۔

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

عید الاضحیٰ۔ انگورہ کی عید۔ خلق فرقہ سی۔ بیرونی ممالک میں ترکی کی حقوق۔ ترکی کی تعمیر۔ ترکستان اور بالشویک۔ ترکی اور روس۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ۔ شورش کا استیصال۔ ایسٹرن ٹیلیگراف کمپنی اور حکومت۔ یہودیوں، یونانیوں اور ارمنیوں میں شادیاں

عید الاضحیٰ

کئی دن سے عید الاضحیٰ کے استقبال کی طیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر میں غیر معمولی چہل پہل ہو اور اجنبی سے اجنبی آدمی بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کوئی بڑا اسلامی تہوار قریب آ گیا ہو۔ میدان، قربانی کے جانوروں اور اُن کے خریداروں سے اٹے نظر آتے ہیں۔ یورپ والوں کے لئے اس سے زیادہ عجیب منظر اور کیا ہوگا کہ جدید ترین فیشن میں ملبوس، ہیٹ لگائے، ترکی عورتیں اور مرد عید کے لئے قربانی کے بھیڑ خرید رہی ہیں اور انھیں اپنی موٹروں پر ساتھ بٹھا کر چلے جا رہے ہیں۔ عرفہ کے دن (۹ ذی الحج) تو بازاروں کی یہ حالت تھی کہ خریداروں کے ہجوم سے راہ نہیں ملتی تھی۔ دکانیں آدمیوں سے لبریز تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سال بھر کے لئے پوری خرید فروخت آج ہی ہو جائیگی!

عرفہ کے دن تیسرے پہر ہی سے تمام شہر بن سنور کر دلہن بن گیا۔ جدہر دیکھو جمہوریت ترکی کے ہلالی جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ دکانوں پر بھی، مکانوں پر بھی، جہازوں اور بادبانی کشتیوں پر بھی۔ شہر کے تمام جنگی مرکزوں اور قلعوں سے توپیں دفعتاً شروع ہوئیں، اور انکی مسلسل صداؤں نے باشندوں میں مسرت کا جوش اور بھی زیادہ کر دیا۔

عید کے دن صبح تڑکے ہی سے مسجدیں نمازیوں سے لبریز ہو گئیں اور بڑی ہی شان و شوکت سے نماز ادا کی گئی۔ اخبارات کے کالم عید کے مضامین سے پر تھے۔ نیم سرکاری اخبار "ملیت" نے عید قرباں اور حج کے متعلق ایک طویل مضمون کعبہ اور عرفات وغیرہ کی تصویروں کے ساتھ شائع کیا۔ حج کے روحانی و اجتماعی فوائد بیان کئے۔ اُسے مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع قرار دیا۔ ترکوں کو حج کی ترغیب دی۔ دوسرے اخباروں نے بھی اسی قسم کے مضامین شائع کئے ہیں۔

نماز کے بعد لوگ مسجدوں سے نکلے تو دروازوں پر "اسلامی دار شفقت" کے لڑکوں نے اُن کے سینہ پر پھول لگانا شروع کئے۔ "اسلامی دار شفقت" ایک یتیم خانہ ہو۔ یہ اپنی عمارت کی بلندی، شوکت اور حسن انتظام کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہو۔ اس کے یتیم عید کے دن مسجدوں کے دروازے گھیرے کھڑے تھے۔ ہر نمازی کے کوٹ میں پھول لگا دیتے تھے اور وہ کچھ نہ کچھ اُن کے چندہ کے صندوقچہ میں ضرور ڈال دیتا تھا۔

انگورہ کی عید

استنبول کی طرح انگورہ کی عید بھی حسب معمول بہت شاندار تھی۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے قومی پارلیمنٹ کی عمارت میں لوگوں سے ملاقات کی اور عید کی مبارکباد قبول کی۔ اس کے بعد گھوڑ دوڑ

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی ۴ ہزار فوج لیکر آ پہونچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اُسنے آتے ہی حضرت حسین کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا "آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟" آپنے وہی جواب دیا جو حُر بن یزید کو دے چکے تھے: "تمھارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لئے طیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھکر ابن زیاد نے کہا:

اَلآنَ اِذ علقت مخالبنا بہ ۔ یرجو النجاۃ، ولات حین مناص

(اب کہ ہمارے پنجے میں آپھنسا ہے، چاہتا ہے نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا!)

پھر جواب لکھوایا:

"حسین سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حسین اور انکے ساتھیوں تک پانی نہ پہونچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے"

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیجدئے اور آپ اور آپکے ساتھیوں پر پانی بند ہوگیا۔ اسپر آپنے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور بیس پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمرو بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا، لیکن آپ بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسین نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لیکر اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلے اور ایک درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی لیکن لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑکر یزید کے پاس روانہ ہوجائیں" عمر نے کہا "اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائیگا" آپنے فرمایا "میں بنا دوں گا" عمر نے کہا "میری تمام جائداد ضبط کرلی جائیگی" آپنے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دیدوں گا" مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں آپنے تین شرطیں پیش کی تھیں:

(۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

(۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کرلینے دو۔

(۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیجدو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہو وہی مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا:

"خدا نے فتنہ ٹھنڈا کردیا۔ پھوٹ دور کردی۔ اتفاق پیدا کردیا۔ اُمت کا معاملہ درست کردیا۔ حسین مجھسے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے طیار ہیں ...... اس میں تمھارے لئے بھی بھلائی ہو اور اُمت کے لئے بھی بھلائی ہو"

شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہوگیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا" مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا "اب کہ حسین قبضہ میں آچکے ہیں اگر بغیر آپکی اطاعت کے نکل گئے، تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کرلیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہو کہ اب اُنھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک وہ آپکی اطاعت نہ کرلیں۔ مجھے معلوم ہوا ہو کہ حسین اور عمر باہم رات رات بھر سرگوشیاں کیا کرتے ہیں"

ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کرلی اور شمر کو خط دیکر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپکو ہمارے حوالے کردیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انھیں صحیح و سالم میرے پاس بھیجدیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہدیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا، جب تو تم اس کی اطاعت کرنا، ورنہ چاہئے کہ اُسے ہٹاکر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا۔

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی:

"میں نے تمھیں اس لئے نہیں بھیجا ہو کہ حسین کو بچاؤ، اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہو اگر وہ اپنے آپکو حوالے کردیں تو صحیح و سالم میرے پاس بھیجدو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حملہ کرو، خون بہاؤ، لاش بگاڑ دو۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد اُن کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کرلیا ہو کہ اگر قتل کروں گا تو یہ ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہوگے۔ نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤگے" (ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرات حسین

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اسکی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں اور اُنہی کے بطن سے اُن کے چار صاحبزادے: عباس، عبد اللہ، جعفر، اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اس معرکہ میں امام حسین کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا اور انکے واسطے سے حضرات ائمہ کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اسنے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اُس کے ان عزیزوں کو امان دیدی جائے اور اُسنے منظور کرلیا تھا چنانچہ اُسنے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلاکر کہا "تم میرے ماموں زاد بھائی ہو، تمھارے لئے میں نے امن و سلامتی کا سامان کرلیا ہو" لیکن انھوں نے جواب دیا "افسوس تجپر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزند رسول اللہ کے لئے امان نہیں ہو!"

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہونچایا اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف عزل آمادۂ تعمیل ہوگیا۔ (ایضاً)

فوج کی ابتدائی حرکت

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہونچا تو حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا جواب آگیا ہو اور اُس کا مضمون یہ ہو۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسین کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پرجوش آدمیوں میں جو مکالمہ ہوا اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہو۔

دونوں فوجوں میں باہمی ردوکد

حضرت امام کے طرفداروں میں سے حبیب بن مظاہر نے کہا "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اُس کے نبی کی اولاد اور اس شہر (کوفہ) کے تہجد گزار عابدوں کے خون سے اُن کا ہاتھ رنگین ہوگا" ابن سعد کی فوج میں سے عزرہ بن قیس نے جواب دیا "شاباش! اپنی خوب بڑائی کرو۔ پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو" زہیر بن القین نے کہا "اے عزرہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کردیا ہو اور ہدایت کی راہ دکھائی ہو۔ خدا سے ڈرو، اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن" عزرہ نے جواب دیا "اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟" زہیر نے کہا "ہاں یہ سچ ہو۔ میں نے حسین کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو جمع کردیا ہو۔ میں نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آگئے اور رسول اللہ کی ان سے محبت یاد آگئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے جارہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں انکی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میں ان کی مدد کروں گا اور اللہ اور اُس کے رسول کے اُس حق کی حفاظت کروں گا جسے تم نے ضائع کردیا ہو"

امام حسین کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا "اگر ممکن ہو تو آج انھیں ٹال دو، تاکہ آج رات اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں، اُس سے دعا کریں، مغفرت مانگیں، کیونکہ وہ جانتا ہو میں اُس کی عبادت کا دلدادہ، اُس کی کتاب کا پڑھنے والا، اُس سے بہت دعا و استغفار کرنے والا ہوں" چنانچہ یہی جواب دیا گیا اور فوج واپس گئی (ابن جریر و یعقوبی)

(باقی آئندہ)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

منیجر الہلال کلکتہ

امام ابن تیمیہ کے تازہ ترین رسالے

شیخ الاسلام کے حسب ذیل رسالوں کا ترجمہ مولوی عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی کے قلم سے حال ہی میں شایع ہوا ہو۔ قابل دید رسالے ہیں:

(۱) مجذوب: شریعت میں مجذوب کا کیا حکم ہو؟ وہ ولی اللہ ہوسکتا ہو یا نہیں؟ قیمت ۲ر (۲) حسین و یزید: تاریخ اسلام کی یہ سب سے زیادہ پیچیدہ گتھی سلجھا کر رکھدی ہو قیمت ۲ر (۳) صداقت رسول: پوری کا پیر بندی کا طرح سمیٹ کر جمع کردیا ہو کہ رسول اللہ صلعم کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہو قیمت ۲ر (۴) مناظرۂ ابن تیمیہ: صوفیوں سے بادشاہ کے سامنے عظیم الشان مباحثہ ہوا تھا خود شیخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہو قیمت ۲ر

منیجر تذکرہ بک ایجنسی ۹۹ پوسٹ بکس نمبر ۵۰۵۵ بالی گنج کلکتہ

انقلاب کے لئے پیشتر سے میدان کھلا ہوا اور اپنا کام کر رہا ہو۔ نئی عمارتیں بلند ہوں یا نہ ہوں، قسطنطنیہ یورپ کا ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہی وجہ ہو کہ غازی کمال پاشا نے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ شہر اب تک اُن کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن اب اُس کی اُمید بر آنے والی ہو۔ غازی تشریف لا رہے ہیں۔ مشہور شاہی محل "بیگلربیگ" اور اُسکے باغیچہ کی صفائی ہو رہی ہو۔ موصوف اسی میں اُتریں گے۔ شہر بھر میں استقبال کی عام طیاریاں ہیں۔ وہ چاہتا ہو اِس موقعہ پر اپنی عقیدت و اخلاص کا ایک تاریخی مظاہرہ کرے۔ اُمید ہو کہ دو ہفتے بعد غازی کی روانگی کی خبریں معلوم ہو جائے گی۔ (تازہ تاربرقیوں سے معلوم ہوا ہو کہ غازی موصوف قسطنطنیہ پہنچ گئے اور شہر نے عظیم الشان استقبال کیا۔ الہلال)

شورش کا استیصال

ٹرکی کے مشرقی صوبے تمدن سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ ان میں سرکشی اور شورش پسندی زیادہ پائی جاتی ہو۔ وہ موجودہ اصلاحات کے مخالف اور جمہوری عہد کو نامبارک خیال کرتے ہیں۔ پچھلے برسوں انھوں نے بغاوت بھی کر دی تھی، اور حکومت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت نے بروقت سرکوبی کر دی اور امن امان قائم ہو گیا۔

امن امان تو قائم ہو گیا، گر فساد کی جڑیں بدستور موجود رہیں۔ یہ بہت جلد نشو و نما حاصل کر لے سکتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر حکومت نے فیصلہ کیا کہ شورش پسند عناصر پوری طرح منتشر کر دئے جائیں۔ چنانچہ جدید احکام کے مطابق آئندہ ماہ اگست میں ۸۰ خاندان مشرقی صوبوں سے مغربی صوبوں میں منتقل کر دئے جائیں گے۔ اِس سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوگا کہ مشرقی صوبوں کا امن مضبوط ہو جائے گا بلکہ خود ان سرکش خاندانوں کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ متمدن علاقوں میں آکر اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو ضروریات زمانہ کے مطابق بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مشرقی خبر رسانی کی کمپنی اور حکومت

سنہ ۱۹۲۴ء میں ترکی حکومت نے یہ کمپنی بند کر دی تھی۔ کیونکہ اُس نے جدید قوانین کے ماتحت اپنے آپکو رجسٹری کرانے سے انکار کر دیا تھا نیز وہ رقم بھی ادا نہیں کی تھی جو یونانی قبضہ کے دوران میں اُسکے ذمہ واجب الادا تھی۔ لیکن اب کمپنی نے از سر نو درخواست پیش کی ہو اور حکومت کے تمام مطالبے منظور کر لئے ہیں۔ لہذا اُس کا دفتر دوبارہ کھل گیا ہو اور کام شروع ہونے والا ہو۔

اس کمپنی نے ۲۰ سال تک خبریں پہنچانے کا ٹھیکہ لیا ہو۔ سمندر کے نیچے اس کے تار بچھے ہوئے ہیں، اور بڑے بڑے اسٹیشن اقولیا، قسطنطنیہ، چناق قلعہ، کلیتیا، قاپاتیہ، ساقص میں ہیں۔

ٹھیکہ کی اہم شرط یہ ہو کہ کمپنی کے جملہ ملازم ترک ہوں گے۔ البتہ ماہر فن دوسری قوموں سے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُن کی تعداد کا اوسط دس میں ایک سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شرط بھی ہو کہ ضرورت کے وقت حکومت کمپنی کے تاروں پر قابض ہو کے خود استعمال کر سکتی ہو۔

یہودیوں، یونانیوں، ارمنیوں میں ازدواج

ترکی حکومت کے جدید قوانین کی رُو سے ہر شخص کو حق ہو کہ جس قوم کے فرد سے چاہے شادی کر لے۔ اِس سے پہلے نکاح کا معاملہ ہر قوم کے دینی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اُنکی منظوری اور تصدیق کے بغیر کوئی نکاح جائز نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ پابندی اُٹھ گئی ہو۔ اب نکاح کی مذہبی رسوم ادا کرنے اور رجسٹرار کے ہاں نام اور معاملہ ثبت کر دینے سے نکاح قانوناً مکمل ہو جاتا ہو۔ م

مقالات

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

وحدثتنی یا سعد عنہا فزدتنی
جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد!

آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہو۔ پورے تیرہ دن اِس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہو۔ لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جسنے غور کیا ہوگا کہ اِس سال اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد آوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی عظمت اور موعظت کی سرچشمگی نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دُور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور نہیں ہو گیا ہو!

جماعتی حافظہ اور اُس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرۃ (کیرکٹر) کا اندازہ اُس کے حافظہ کی آمادگی سے کر لیا جا سکتا ہو۔ ایک نیک سیرۃ آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بُری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بد اخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اُس کے حافظہ میں اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بُری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہو۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہو۔ اُنکے ادبار و تنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہو کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل اُلٹ جاتا ہو۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اِس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں، اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ اُن کی یادآوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہو کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں۔ امّد اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اِس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اُس وقت مسلمان اُٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے، آج کسی کو اُن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو باتیں آج کل کی بے شمار تقریبوں، تہواروں، یادگاروں، اور اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں، وہ اُس وقت کے کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اُس وقت اُن کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا جن کی یادداشت میں اُن کی قومی زندگی کے لئے عبرت و موعظت تھی۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہو جن کی یاد میں قومی زندگی کے لئے غفلت و اعراض ہو۔ وہ اُن چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔ ہم اُن چیزوں کو بھلا نہیں سکتے جنھیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے!

سارت مشرّقۃ وسرت مغرّباً
شتّان بین مشرّق ومغرّب!

واقعۂ ہجرۃ

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اسی اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہو، ہجرۂ نبوی کا واقعہ ہو، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہو، اور اُس کی بنیاد واقعۂ ہجرت پر رکھی گئی ہو۔ ہر سال جب ۲۹ ذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور نئی محرم کا ہلال طلوع ہوتا ہو، تو وہ اِس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں پر تازہ کر دیتا ہے۔ فی الحقیقت اِس واقعہ کی ایک جاری و قائم یادگار ہو! یہ دنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہو۔ بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہو۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہو۔ بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہو۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہو۔ محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہو۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہو جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہو جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان انسان کی روح "ہجرۃ" نے فتح کیا تھا! تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے سیح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہو۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار کی فتح فراموش کر دی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ

دیکھے گئے۔ پہلی دَوڑ میں عربی اور ترکی گھوڑے شریک تھے۔ دوسری میں انگریزی نسل کے گھوڑے بھی شامل ہو گئے تھے۔

"خلق فرقہ سی"

"خلق فرقہ سی" قومی جماعت کا نام ہے اور اسوقت ٹرکی میں صرف یہی ایک سیاسی جماعت موجود ہے۔ اس کی سالانہ مؤتمر بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ وقت اس کے جلسوں کا تھا۔ مگر انتخابات کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ موجودہ پارلیمنٹ کی مدت جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ نئے انتخابات کے لئے طیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سال کی قومی مؤتمر کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ اسمیں غازی مصطفےٰ کمال پاشا اپنا وہ طویل و عریض خطبہ سنائیں گے جس کا ٹرکی کے اندر اور باہر مدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس خطبہ میں موجودہ قومی حکومت کی پوری تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس کے سُنانے میں کئی دن صرف ہوں گے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ خطبہ اپنے موضوع، اسلوب، اور طوالت کے لحاظ سے سیاسی خطبوں کی تاریخ میں نمایاں جگہ حاصل کریگا۔ اسے خطبہ نہیں، تاریخ کی ضخیم کتاب کہنا چاہیے!

بیرونی ممالک میں ترکی حقوق

ترکی پارلیمنٹ نے حکومت کو اختیار دے دیا ہے کہ جن ملکوں میں ترکوں کی جائدادیں ضبط کی جا رہی ہیں، اُن ملکوں کے باشندوں کی جو جائدادیں ترکی سرزمین میں موجود ہیں، حکومت اُنھیں ضبط کر لے۔

پارلیمنٹ کے اس فیصلے نے بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ عام طور پر سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا ایسے ممالک موجود ہیں جہاں ترکوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے؟ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یونان اور یوگوسلاویا میں یہ صورت حال موجود ہے۔

ٹرکی کی نئی تعمیر

امریکن کمپنی "اولن" نے مرسین اور سمسون کی بندرگاہوں کی توسیع کا ٹھیکہ ترکی حکومت سے حاصل کر لیا ہے اور عنقریب کام شروع ہونے والا ہے۔ کمپنی نے کئی ریلوے خطوط جاری کرنے اور کئی نئے شہر آباد کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ مگر چونکہ کافی ضمانت پیش نہ کر سکی اس لئے حکومت نے منظوری دینے سے انکار کر دیا۔

ترکستان اور بالشویک

"ڈنیکین" اور "کولچک" کی خونریز بغاوتوں کے بعد اب یورپ کی سرمایہ دار سلطنتیں روسی ترکستان میں ریشہ دوانیاں کر رہی ہیں تاکہ اس ملک کو بالشویکوں کے برخلاف بغاوت پر آمادہ کریں اور سویٹ جمہوری نظام حکومت درہم برہم کر ڈالیں۔

ہندوستان میں کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ ترکی جمہوریت نے دُنیا بھر کے لوگوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دئے ہیں۔ ہر خیال کے لوگ یہاں جمع ہو سکتے ہیں اور اپنی تحریکیں چلا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس ملک کی اندرونی سیاست میں دخل نہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ بالشویک روس سے ترکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں، تاہم اُنھوں نے ترکستانی بغاوت پسندوں کو اپنے ملک میں رہنے اور روس کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانے کی اجازت دیدی ہے۔

ان لوگوں نے "جدید ترکستان" نام ایک اخبار جاری کیا ہے اور مغربی ترکستان میں بغاوت پھیلانی چاہتے ہیں۔ مغربی ترکستان کا رقبہ ۰۰۰،۰۰۰،۳۷ کیلومیٹر اور آبادی ۰۰۰،۰۰۰،۳۰،۱ ہے۔

لیکن باخبر لوگ جانتے ہیں کہ سرمایہ دار سلطنتوں کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوں گی۔ بلاشبہ اُنھیں چند کرائے کے ترکستانی مل گئے ہیں۔ لیکن ملک کی عام آبادی بالشویکوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جس قدر آرام، خوشحالی، اور آزادی اُسے اس عہد میں نصیب ہوئی ہے

اتنی کبھی پچھلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ زار کی حکومت اس ملک پر حد درجہ ظلم کیا کرتی تھی۔ ترکی زبان کی تعلیم موقوف تھی۔ تمام مدرسے بند کر دئے گئے تھے۔ دینی کتابوں کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ ہزاروں آدمی بے دریغ قتل کئے جاتے تھے مگر بالشویک عہد میں ملک کو پوری اندرونی آزادی حاصل ہو گئی، اور صحیح معنی میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ پھر خود روسیوں کی بھی وہاں ایک بڑی آبادی موجود ہے۔ آخری اعداد و شمار کی رُو سے مغربی ترکستان میں ۴ لاکھ روسی آباد ہیں۔ یہ سب جنگجو ہیں، اور اپنی دولت، تعلیم، ترقی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

ترکستانیوں کو پناہ دینے کی وجہ سے روس، ٹرکی پر ناراض نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ترکی قوانین سے واقف ہے۔ صرف یہی لوگ یہاں نہیں ہیں بلکہ آذربیجان اور "سفید روس" کے بغاوت پسند بھی پہلے سے موجود ہیں اور پوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔

ٹرکی اور روس

ہم اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس ترکی روسی معاہدے کا ذکر کر چکے ہیں جو ۴ سال کی مسلسل گفت و شنید کے بعد طے پایا ہے۔ اس معاہدے کے متعلق سرکاری طور پر یہی اعلان کیا گیا تھا کہ محض تجارتی معاہدہ ہے۔ لیکن اب، جبکہ روس اور برطانیہ کے تعلقات کی کشیدگی نے جنگ کا احتمال پیدا کر دیا ہے اور ساری دُنیا کی نظریں جغرافیائی موقعہ کی وجہ سے ٹرکی پر لگی ہوئی ہیں، اس معاہدے پر سے بھی پردہ اُٹھنے لگا ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ معاہدے کی اصلی شرطیں کیا کیا ہیں؟ لیکن برطانی حلقے اسے سیاسی معاہدہ قرار دیتے اور سخت اندیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

ترکی اخبار بھی معاہدے پر اظہار رائے کر رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی ہمدردیوں کا میلان روس کی طرف ہے۔ اخبار "جمہوریت" نے ایک طویل افتتاحیہ شایع کیا ہے جسمیں لکھا ہے:

"گزشتہ چند صدیوں سے خرس روس ہمارا سب سے بڑا اور خونخوار دشمن تھا۔ لیکن اس آخری معاہدے نے دشمنی کی تمام باتیں یک لخت بھلا دی ہیں۔ زار کی حکومت، جنگ عظیم کا سب سے بڑا سبب تھی۔ وہ ٹرکی کی لاش پر اپنی عمارت کھڑی کرنی چاہتی تھی۔ لیکن حرص و طمع نے اُسے ہمیشہ کے لئے کالعدم کر دیا اور انقلاب پرست نوجوان روس نمودار ہو گیا۔ اُسوقت ہم نے دیکھا کہ ہماری دوستی اور حمایت کا جھنڈا اُس کے کاندھوں پر لہرا رہا ہے!

"ترکوں کی تمنا تھی کہ بالشویک روس کامیاب ہو جائے بعینہٖ روس کی آرزو تھی کہ ترکی قوم فتحمند ہو جائے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا۔ دشمن مشترک تھا۔ میدان جنگ میں دونوں بھائیوں نے معانقہ کیا اور تلوار کے زور سے اپنی آزادی قائم کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ روس نے عین وقت پر ٹرکی کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

"اس صورت حال میں کون خیال کر سکتا ہے کہ ہم ان سرمایہ دار حکومتوں کی دھمکی میں آ کر اپنے دوست سے بیوفائی کرینگے؟ ترکی قوم کی نظر میں مادیت سے زیادہ اخلاق کا وزن ہے۔ ہم ہرگز بیوفائی کا دھبا اپنی پیشانی پر نہیں لگا سکتے"

صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ بلقان میں بھی اس معاہدہ کی وجہ سے کھلبلی پڑ گئی ہے۔ سب سے زیادہ پریشانی یونان کو ہے۔ ایتھنس کا نیم سرکاری اخبار "برتیا" لکھتا ہے:

"اس معاہدہ کو معمولی سمجھنا یا اُس سے غفلت برتنا سخت غلطی ہوگی۔ ٹرکی اور روس، دونوں کے ارباب حل و عقد بادہ

زیادہ قریب اور باہم وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اُن کا اتحاد عمل دُنیا کی قسمت پر زبردست اثر ڈالنے والا ہے۔ خصوصاً عالم اسلامی کی پوری قسمت اسی اتحاد سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں میں بالشوزم مقبول ہوتا چلا جاتا ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں یورپ کی غلامی سے اُنھیں یہی بھوت بچا سکتا ہے۔ ٹرکی کی دوستی، بالشوزم کے لئے بمنزلہ ممد کے ہے۔"

ترکی عورت اور حق انتخاب

موجودہ ترکی انقلاب کی تاثیر و قوت کا سب سے بڑا مظہر ترکی عورت ہے۔ چند سال پہلے تک ترکی عورت کو ملک کی سیاسی، اجتماعی اور ادبی زندگی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اب سے ۵۰ برس پہلے تو وہ محض ایک بے حقیقت وجود تھی۔ اُسے تعلیم سے جبراً روکا جاتا تھا۔ سخت اور غیر شرعی پردے میں زبردستی رکھا جاتا تھا، اور اُس کے حقوق کے لئے کوئی شنوائی نہ تھی۔

لیکن اب کیا حالت ہے؟ اب حالت یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ترکی عورت گزشتہ زندگی اختیار کرنے پر راضی ہو سکتی ہے۔ بکثرت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ شاعر ہیں۔ انشا پرداز ہیں۔ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر ہیں ..... لیکن ترکی عورت اسی درجہ پر قانع نہیں ہے۔ اب وہ ملکی پارلیمنٹ میں انتخاب کا حق بھی مانگتی ہے۔ اس تحریک کی لیڈر انجمن نسواں کی رئیس "نزیہہ محی الدین" خانم ہیں۔ انھوں نے پرسوں اپنا اعلان شایع کیا ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ عورتوں کو بھی حق انتخاب دیا جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ آئندہ انتخابات کے موقعہ پر ترکی عورتیں صرف اُنھیں مرد امیدواروں کے لئے کوشش کرینگی، جو عورتوں کے اس حق کے حامی ہونگے!

ترکی قانون اساسی میں تصریح مذکور ہے کہ حق انتخاب صرف مَردوں کے لئے ہے۔ ظاہر ہے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کی اکثریت کو رائے دینا چاہئے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ اس مرتبہ پارلیمنٹ میں اُن کے حامیوں کی اکثریت ہو جائے تاکہ اُن کا مطالبہ پورا ہو سکے۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ

بیزنطیہ، قسطنطنیہ، شہنشاہوں کا یہ عظیم شہر، نہیں معلوم عظمت و جلال کے کتنے جلوے دیکھ چکا ہے! روم کی عظمت اُسنے دیکھی، قسطنطین کا جاہ و جلال اُسنے دیکھا، محمد فاتح کا دبدبہ اُسنے دیکھا... مگر وہ ہنوز نئے نئے جلووں کے لئے مضطرب ہے۔ موجودہ عہد کی ایک عظیم شخصیت کے انتظار میں ہے۔ یعنی غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے لئے چشم براہ ہے!

مدت سے قسطنطنیہ کی آرزو تھی کہ غازی ممدوح اُسے اپنی آمد سے مشرف کریں۔ غازی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس شہر میں اُن کا استقبال اتنا شاندار ہوگا، جتنا کبھی کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا ہوا ہوگا۔ مگر اسپر بھی وہ اب تک نہیں آئے۔ حالانکہ اناطولیہ کے ایک ایک گاؤں کا بار بار دورہ کر چکے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ موصوف ٹھوس عمل پسند کرتے ہیں۔ دھوم دھام، شان و شوکت ناپسند کرتے ہیں۔ اناطولیہ اگرچہ ترکی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، مگر سابق سلاطین نے اُسے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور ترقی دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ موجودہ ترکی انقلاب کی تمام اُمیدیں اناطولیہ ہی سے وابستہ ہیں۔ اسی لئے غازی کمال پاشا اور اُن کے رفقا وہیں دَورے کرتے رہے اور قومیت اور زندگی کی روح پھونکتے رہے۔ قسطنطنیہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ٹرکی کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہاں ترکی

اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہی، اور بعضوں نے اُن کو اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیئے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب کتاب کے دفاتر تھے، اور حضرت عمر نے باتفاق صحابہ، دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کر لی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی، اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی وبلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کر لی گئی تھیں، تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کر لینا تھا جو ان بلاد کے حساب کتاب میں رائج تھا، اور اُس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے۔ لیکن حضرت عمر اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کر لیں، مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیئے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہو سکتی کہ صحابۂ کرام محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کار آمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اُس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اُس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمر نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں، اور اُن میں جو باتیں کار آمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تأمل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آیا، وہ ایرانیوں، رومیوں، اور مصریوں کو باصرار طلب کراتے اور اُن سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج و محصول کا تعین، اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد، اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے۔ یعنے ورثہ کی تقسیم کے اصول و قواعد۔ چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے، اس لئے حضرت عمر نے چاہا، اُس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لئے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں: "ابعث لنا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا" ایک رومی کو بھیج دو تاکہ وہ ہمارے فرائض کا حساب اُستوار کر دے۔ (صراط مستقیم حافظ ابن تیمیہ) جب حضرت عمر کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا، تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کر لینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب تاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدون و رائج سنہ چھوڑ دیئے، اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابۂ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا، وہ ایسا سانچا تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلح لفظوں میں نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات ایک بات کی علت اُس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے، لیکن اُن کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے (خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں) ذہن بلا تأمل جاتا اُسی طرف تھا جو علم و حکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی انبیاء کرام کے مقام تزکیہ و تعلیم "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (۲:۱۶۳) یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی، وہ قبول ہی نہیں کرے گا۔ صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر اُستوار ہوتی ہیں، اُن میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے اُن کے اندر ہیجان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کر سکیں۔ جب حضرت عمر نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے، لیکن اُن کی طبیعت اُن کی طرف مائل نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف و خودداری کے خلاف تھا، بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینی تھی۔

قومی زندگی کی بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے۔ جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اُس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اُس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صحیفۂ عالم پر اُس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ جا سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے، اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس، بکرماجیت، جلال الدین ملک شاہ، اور اکبر اعظم کے نام اُن کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں، اور ہمارا حافظہ اُن سے گردن نہیں موڑ سکتا!

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمر اور صحابہ کے سامنے آتا اور اُن کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہو جاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے اُن کا سنہ قبول نہ کر سکے۔ خود بخود اُنکی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ، اور ایسا ہونا چاہیئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو۔ انھوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، اُنکے حساب کتاب کے قواعد قبول کر لئے، اُنکے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا؛ لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اپنی ہو، اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، اور اسلام نے جو ذہنیت اُن کی پیدا کر دی تھی، اُسے یہی کرنا تھا!

متاخرین کی تعلیل و توجیہ

افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ، متاخرین کی نقاشیوں سے اپنے اصلی خال و خط کھو چکا ہے۔ ہر عہد کا مورخ در اصل اُسی عہد کی دماغی آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے، اس لئے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اُسی رنگ و روغن سے کام لیتا ہے جو اُس کے عہد کی آب و ہوا مہیا کر سکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابۂ کرام کے عہد پر ختم ہو گیا، اور اُس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اُس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر و قلم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا، جب صدر اول کی دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشو و نما پا چکی تھی۔ اس لئے ان مصنفوں نے جب اُس عہد کے حالات پر قلم اُٹھایا، تو بجائے اس کے کہ اُس عہد کا ذوق و مزاج پیدا کر کے اُس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اُس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتیٰ کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لیکر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں سلسل موجود ہوتیں، اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جا سکتی، تو صاف نظر آجاتا کہ صدر اول کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں، اور اُن کی تعبیر و الفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پرتو موجود ہے۔ مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں، تو تم انگلی رکھ کر بتلا سکتے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و صور میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے۔ امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے "ولو یحب التاریخات القدیمۃ" یعنے حضرت عمر ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہ معاملہ اُن کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے۔ لیکن بعد کے مورخین نے اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کر دیں۔ واقعہ کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی، نئے نئے معنی پہنانے لگے۔ میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا۔

علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، حضرت عمر اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا۔ (یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی۔ جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کر دی گئی ہے) چونکہ اسلام نے "نسئ" سے روکا تھا، اور کبیسہ پر "نسئ" کا شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت و اہمیت کے لئے اُن کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی، اور چونکہ اور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی اس لئے ناچار "نسئ" کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتحمندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اُسوقت اسی معنوی فتحمندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی: ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن، ان اللہ معنا! فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا، وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ، وکلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم! (۹: ۴۰)

تذکار محرم

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اسدرجہ المناک اور درد انگیز تھا، اور اُس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے، کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اُس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ محرم کے ورود کی تمام یادآوریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرہ و ماتم میں محدود ہوگئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ہمارے جماعتی ذہن و فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ و اعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیئے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی یاد تھی، لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کر لی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتدا

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیہ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات و مواسم کی حفاظت اور یادداشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اُسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیہ کے عام الفیل تھا، یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابۂ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرۃ مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی: اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، وان اللہ علی نصرہم لقدیر (۲۲: ۴۰) اس لئے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذن" سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت کا کام دیتی۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے نزول کے بعد "سنہ براۃ" کا بول چال میں رواج ہوا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" تھا۔ یعنے آنحضرۃ (صلعم) کے آخری حج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور ہجرۃ کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً سنۃ التمحیص، سنۃ الترفئہ، سنۃ الزلزال، سنۃ الاستئناس۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرۃ (صلعم) کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی۔ لیکن حضرت عمر (رض) کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے، اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اُسوقت تک واقعۂ ہجرت پر سترہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر کیونکر عمل میں آیا؟ کیوں حضرۃ عمر (رض) اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعہ ہجرۃ سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا، لیکن افسوس ہے کہ اسوقت تک نظر و فکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ

رفع الی عمر بن الخطاب صک محلہ شعبان فقال ای شعبان ھو؟ أشعبان الذی نحن فیہ، او الآتی؟ ثم جمع وجوہ الصحابہ فقال: ان الاموال قد کثرت وما قسمنا منہا غیر موقت فکیف التوصل الی ما یضبط بہ ذلک؟ فقالوا: یجب ان یعرف ذلک من رسوم الفرس. فعندھا استحضر عمر الھرمزان وسألہ عن ذلک، فقال ان لنا حسابا نسمیہ "ماہ روز" فعرب الکلمۃ وقالوا "مورخ" ثم طلبوا وقتا یجعلونہ اول التاریخ دولۃ الاسلام، فاتفقوا علی أن یکون المبدأ من سنۃ الھجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی - تاریخ مصر مقریزی)

"ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینا درج تھا۔ حضرۃ عمر نے کہا شعبان سے مقصود کونسا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر آپنے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں، اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ حساب و کتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہو سکیں۔ اسپر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اُنکے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرۃ عمر نے ہرمزان کو بلایا۔ اُسنے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخ" بنا لیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اُس کی ابتدا کب سے ہو؟ سبنے اتفاق کیا کہ ہجرۃ کے برس سے کیجائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا۔"

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ اسمیں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ

کان عند عمر عامل جاء من الیمن فقال لعمر أما تؤرخون تکتبون فی سنۃ کذا وکذا من شہر کذا وکذا؟ فاراد عمر والناس ان یکتبوا من مبعث رسول اللہ صلعم ثم قالوا من عند وفاتہ ثم ارادوا ان یکون ذلک من الھجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی و مقریزی جلد ۱)

"حضرت عمر کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اسنے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں اور سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی؟ اسپر حضرۃ عمر اور اور لوگوں کو اس معاملہ کا خیال ہوا۔ پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرۃ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔ لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرۃ سے سنہ کا تقرر ہو۔"

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ

ان ابا موسیٰ الاشعری کتب الی عمر انہ تأتینا منک کتب لیس لہا تاریخ وقد کان عمر دوّن الدواوین ووضع الخراج والاحکام فاحتاج الی التاریخ ولم یحب التاریخات القدیمۃ فجمع علیہ عند ذلک واستشار الناس فاتفقوا علی ان یکون المبدأ من الھجرۃ (ریاض النضرۃ)

"ابو موسیٰ اشعری نے حضرۃ عمر کو لکھا کہ آپکی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمر نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کر دیئے تھے اور خراج کے اصول و قواعد طے پا گئے تھے اور اس لئے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اختیار کریں۔ ابو موسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرۃ کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔"

ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرۃ سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعۂ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ

جمع عمر الناس فسألہم من ای یوم یکتب التاریخ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم ھاجر رسول اللہ صلعم وترک ارض الشرک ففعلہ عمر (کتاب الاوائل قلمی - مقریزی طبع ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

"جب حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن کہ حضرت نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے"

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ اُن امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے۔ سنہ ۱۶ کے واقعات میں لکھتا ہے:

وفیہا ارخ عمر الکتب واراد ان یکتب التاریخ منذ مولد رسول اللہ ثم قال من المبعث، فاشار علیہ علی بن ابی طالب ان یکتبہ من الھجرۃ، فکتبہ من الھجرۃ (جلد ۲: ۱۶۶)

"اُسی زمانہ میں حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ پہلے اُنھیں خیال ہوا آنحضرت کی ولادت سے شروع کریں پھر خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے۔ لیکن حضرۃ علی نے رائے دی کہ ہجرۃ سے شروع کرنا چاہیے"

قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے:

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمر اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر تاریخ کے تعین و تقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہوکر مدینہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ حضرۃ عمر کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے۔ (بلاذری و طبری وغیرہما) بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمر نے اس سے مشورہ کیا تو اُسنے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا، اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا۔ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے، لیکن حضرت عمر اور اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں

---

(۱) بیرونی نے یہ تفصیل میمون بن مہران کی روایت کے سلسلہ ہی میں کی ہے اور اُسکے الفاظ روایت مندرجۂ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اُسنے کوئی تخریج روایت نہیں کی تھی اس لئے حسب اصول فن روایت ان سے براہ راست استدلال نہیں کرنا مناسب نہ تھا۔ [illegible] (آثار الباقیہ صفحہ ۳۰)

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اُس نے ملک کے سیاسی، علمی، ادبی اور مذہبی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈھیگا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کی اجتماعی ذہنیت ظہور پذیر ہوئی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اِس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور متعدد اوراق کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اُس کی ظاہری خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوگئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اِس کی جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ اِن کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اِس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے سب ذیل کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں۔ ہم اِس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اِس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی تعداد بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے، اس لئے صرف اُنہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور اس میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " چہارم ۱۰ روپیہ   " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ آنہ۔ محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ہے۔

مینیجر "البلاغ پریس"

اول تو یہ اُن روایات کے خلاف ہو جا اوپر گزر چکیں، کیونکہ اُن میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہو۔ نہ کہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیاً "نسئی" مصطلحِ جاہلیہ اور "کبیسہ" مصطلحِ حساب قطعی دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس "نسئی" کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو درہم برہم کر دینا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا، اور کبھی رمضان ذوالحجہ قرار پا جاتا تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال و طاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہو جاتے تھے اور اُن کے تقرر و تعین کی اہمیت و مصلحت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن "کبیسہ" بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اُس کا مقصد دوسرا ہو، اور اُس کے اجزا کے نتائج دوسرے ہیں۔ اُس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لئے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی ہو اُسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کر دیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ پڑ جائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ حضرت عمرؓ اور اکابر صحابہؓ "نسئی" کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی "نسئی" سمجھ لیتے، یا اُنھیں کبیسہ پر "نسئی" کا شبہ ہو سکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتدا تھی۔ لیکن سو برس کے بعد یعنی دسویں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہو۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم و سنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اُس کے جواب میں انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہو۔ اُس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور صحابۂ کرام نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے اُنھیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کر کے اس کے رواج و قبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ، اور کجا یہ معاملہ جو حساب و کتاب کے ایک علمی اصول و قواعد کا معاملہ ہو! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کر دی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ و استفادہ جائز نہ ہوتا، تو حضرت عمرؓ بے شمار معاملات میں ایرانی و روم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہو کہ صحابۂ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع و تشبہ پر زور دیا، مگر وہ باتیں دوسری ہیں، اُن کا محل دوسرا ہو، مقصد دوسرا ہے، اور اثرات دوسرے ہیں۔ اس معاملہ سے اُسے کیا تعلق؟

واقعۂ ہجرت کا اختصاص

اس جملہ معترضہ نے بہت طول کھینچا۔ بہر حال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی، وہ قومی سنہ کا تقرر اور اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ بغیر کسی قدر و ناز توجیہ کے اختیار کئے، یہ بات سامنے آجاتی ہو کہ حضرت عمرؓ اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لئے قومی سنہ ضروری ہے، اور اس لئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے، اندر ہی طیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطہ تھا، واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص ہو۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں، اُن میں سے کسی چیز کی طرف اُن کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرۃ نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا،

اختیار کیا گیا، آخر اس کی علت کیا تھی؟

بہتر ہے کہ یہ بحث آئندہ مجلس پر ملتوی رکھا جائے۔ آج کی مجلس قصد سے زیادہ طولانی ہو چکی ہو۔ ممکن ہو کہ ایک ہی نشست کی اتنی طوالت بعض طبائع پر شاق گزر رہی ہو۔

ہوائے الاسکا کی پیمائش

سانفسکو امریکن میں الاسکا (خطۂ ارض مابین امریکہ و جاپان) کی پیمائش بذریعۂ طیارات پر ایک نہایت دلچسپ مضمون نکلا ہو۔ مقالہ نگار لکھتا ہے:

"تین طیاروں کے ذریعہ سے ایک سرکاری مہم نے الاسکا کے جنگلوں پہاڑوں اور جھیلوں کی صرف پندرہ دنوں میں اتنی پیمائش کر لی جو معمولی پیمائش کے ذریعہ پندرہ برس میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس مہم نے ایسے ایسے مقامات کی تصویریں لیں جہاں اب تک انسان کا قدم نہیں پہنچا تھا اور جو گنجان جنگلوں اور جھیلوں سے بھرے ہیں۔ اس ۴۰ ہزار میل کی پیمائش کی مہم میں دس ہزار میل صرف پندرہ دنوں میں ناپ لئے گئے اور طیاروں نے دس ہزار فٹ کی بلندی سے ایسے صحیح اور صاف نقشے کھینچ لئے کہ جنگلوں کے درخت بھی گن لئے جا سکتے ہیں۔"

فرانس کا جنگی نظام

سنچر گارجین میں مسٹر ڈیوڈ لوک کا ایک مضمون مندرجۂ صدر عنوان پر شائع ہوا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرانس نے گذشتہ جنگ کے بعد پہلا سلسلہ جو پیش نظر رکھا وہ اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم ہو۔ اب یہ نظم ترتیب تکمیل کے ہو سنہ ۱۹۲۷ء میں پارلیمنٹ اس پر فیصلہ صادر کرے گی۔ فرانس کا مقصد یہ ہو کہ ساری فرانسیسی قوم جنگ کے لئے ہر دم تیار رہو۔ جس وقت جنگ کا موقع آجائے تو تیاری میں وقت ضایع نہ ہو۔ یہ پوری مشین جو امن کے زمانہ میں تیار کھڑی تھی فوراً چلنے لگے۔"

کیا بحالت موجودہ دنیا امن و سکون کا وہم و گمان بھی کر سکتی ہو؟ یہ فرانس ہو۔ یعنی مجلس اقوام کا، برطانیہ کے بعد دوسرا پیامبر امن!!

جدّہ میں عربی بنک

سلطان ابن سعود نے امیر حبیب فلاح کو اس بات کی اجازت دے دی ہو کہ جدہ میں ایک عربی بنک قائم کیا جائے جس کی شاخیں پورٹ سعید، سویز، اور قاہرہ میں ہوں گی۔ اس بنک کا خاص مقصد یہ ہو کہ حجاج کے لئے سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

ترکی خواتین کا لباس

ترکی انجمن نسواں نے ترکی خواتین کے لئے ایک نیا لباس تجویز کیا ہو۔ چونکہ موجودہ لباس جو ترکی خواتین استعمال کر رہی ہیں بالکل یورپین عورتوں کا سا لباس تھا، جس پر بے اندازہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ اس لئے نئے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ لباس اقتصادی اور خوبصورتی، دونوں پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

فہرس

آیندہ سے فہرست پہلے صفحہ کی جگہ یہاں آخری صفحہ پر درج ہوا کرے گی

تصاویر

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta.

Editor :- Maulana Abul-Kalam Azad.

لاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ٦ — کلکتہ : جمعہ ۲۲ - محرم ۱۳٤٦ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 22, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون کی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔

اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

همارى راى مين بهترين حروف يهى هين ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یه نا موزون نہین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیبی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

ازمنهٔ وسطی مین عربی طبابة

عربی طبابة اور اطباء یورپ مین

روم کے کتب خانه ویٹیکن کے بعض مشرقي آثار

دنیا کے اکثر علوم وفنوں کي طرح فن طب نے بھي عربي تمدن کے ھاتھوں نشوؤ نما حاصل کي ھے - قدیم متمدن اقوام نے دیگر علوم کي طرح اسے بھي پیدا کیا' مدون کیا' اور اُس درجه تک پہنچاکر چھوڑ دیا جو ایک عمارت کي نا تمام درو دیوار کا ابتدائي درجه ھوتا ھے - چھٹي صدي عیسوي میں اسلام نے ظہور کیا اور ریگستان عرب میں انسانوں کي ایک جماعت طیار کر کے مشرق و مغرب میں پھیلادي - یه آئي' اور اس نے علم و تمدن کے ھرگوشے پر نظر ڈالي - بنیادیں ھر جگه تھیں' اور دیواریں بھي اکثر جگھوں میں اٹھنے لگي تھیں' لیکن تکمیل کہیں بھي نہیں ھوري تھي - اس نے دنیٔ علم و تمدن کي وسعت کے ھر گوشے کو ھاتھه لگایا اور ھر دیوار پر اینٹیں رکھیں - نتیجه یه نکلا که آج علم و فن کي کوئي شاخ بھي ایسي نہیں ھے جسکے سلسلهٔ وسعت و تکمیل کي ایک سب سے بڑي کڑي عربي و اسلامي تمدن کي علمي جد و جہد نہو - یہي سبب ھے که مورخین علوم نے عربي تمدن کو عہد قدیم و حاضر کیلیے " واسطة العقد " قرار دیا ھے - یعنے درمیان کي کڑي - یہي کڑي ھے جسکا ایک سرا دنیا کے تمام قدیم علوم و تمدن سے اور دوسرا جدید ترقیات سے جڑا ھوا ھے - یه عہد قدیم کو جدید سے ملاتي ھے' اور عہد جدید کي سب سے قریب ترکڑي ھے !

عرب اطباء اٹلي کے شاھي محل میں

ازمنهٔ وسطی (مڈل ایجز) میں یورپ کي تمام درس گاھوں میں عربي حکما کا فلسفه ھي نہیں بلکه طب بھي پڑھا جاتا تھا - ذکریا رازي' ابن رومیه' بوعلي سینا' ابن رشد' ابن زھر' ابن طفیل' ابن مسکویه' کي کتابیں فن کا اصلي سرمایه تھیں - جدید طب کي تاریخ میں آج تک کینن Canon یعني قانون شیخ کا ذکر موجود ھے جو سولھویں صدي تک پیرس اور روم نے طبي مدرسوں کے نصاب تعلیم میں داخل تھا - فلسفه کي طرح طب کي تاریخ میں بھي ایوي سینا Avicenna' ایویروس دي گریٹ Averroes' اور ایوے پاکا Avempaca کے نام آتے ھیں جو در اصل شیخ الرئیس بوعلي سینا' ابن رشد' اور ابن باجه کے عربي ناموں کے یورپین مخارج ھیں' اور اس سے پته لگایا جاسکتا ھے که اِن ناموں نے اُس عہد کے یورپ میں کس درجه شہرت اور قبولیت حاصل کرلي تھي ؟ روم اور میلانو کی بعض قدیم خانقاھوں کي محرابوں پر شیشے کے رنگین جوکھٹوں میں جہاں ارسطو' بقراط' اور جالینوس کي تصویریں بنائي گئي تھیں' وھاں بوعلي سینا' ابن رشد' فارابي' اور ذکریا رازي کي تصویریں بھي منقش تھیں - یه شیشے اس وقت تک پوپ کے محل میں موجود ھیں اور بعض مستشرقین نے ان کے عکس اپني مصنفات میں شائع کیے ھیں -

عربي فن طب کے اس عروج و احاطه کا سب سے بڑا زندہ ثبوت اسکي بے شمار مصطلحات ھیں جو اسوقت تک یورپ کي زبانوں میں مستعمل ھیں - اگر انھیں الگ کر دیا جاے تو طب کے بے شمار اسماء و افعال کیلیے انکے پاس کوئي ذریعهٔ بیان باقي نہیں رھیگا انگریزي زبان یورپ کي دوسري زبانوں کے مقابله میں اصلاً کم علمي ھے' تاھم انگریزي طب میں بھي سیکڑوں الفاظ ملینگے جو در اصل عربي اسماء و مصطلحات ھي سے وجود میں آئے ھیں - مثلاً :

تمر ھندي (إملي)	Tamarind
یاسمین	Jasmine
یشب	Jasper
تریاق	Theriac
قند	Candy
روغن بلسان	Balsam
عنبر	Amber
کافور	Camphar
بلور	Blawer

انساني عمر کي درازي اور اعادۂ شباب

مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وورو نوف کا مکالمہ

ڈاکٹر وورو نوف

ذیل کے مضمون میں مشہور فرانسیسي اهل قلم ایم - لولي فارست نے ڈاکٹر وورونوف سے اپني ایک ملاقات کا حال بیان کیا هے - ڈاکٹر وورو نوف اور انکے عمایه تقلیم کا حال هم گذشته اشاعت کے اسي باب میں بیان کر چکے هیں - یه اس سلسله کا تیسرا ٹکرہ هے :

" مسٹر ونسٹن چرچل ' ڈاکٹر وورونوف ' اور میں' ریویرا کے قریب ایک خوبصورت گاؤں ایز ءیں' موسیو ایم بالسن کے مہمان تھے - سه پہر کے ناشته کے وقت ڈاکٹر وورو نوف کے نئے انکشافات پر بہت هي دلچسپ گفتگو هونے لگي - اس گفتگو سے معلوم هوا که ان کے عملیه کے ذریعه صرف حیات انساني هي نهیں بڑہ جاسکتي' بلکه دنیا کي اقتصادي ترقي میں بھي غیر معمولي انقلابات رو نما هونے والے هیں -

(دنیا کا آینده اقتصادي انقلاب)

ڈاکٹر وورونوف همیں یه بتلا رهے تھے که اُنھوں نے اطالیه کے سرحد پر گریمالڈي کے قلعه میں کیوں بود باش اختیار کي هے ؟ اور ایسے نظر فریب مناظر کے درمیان جیسے که اس مقام میں هیں' اپنے بندروں کي قیام گاہ اور اپنے عمل و تجارب کا کارخانه کیوں بنایا هے ؟

ڈاکٹر موصوف نے بیان کیا که حیواني غدود کے افعال و خواص کي تحقیقات نے مجھے نئے نئے نتائج پر پہنچا دیا هے - میں نه صرف هر انسان کو از سر نو جوان بنا دے سکتا هوں' بلکه قریب هے که جانوروں کي ایک نئي نسل بھي پیدا کردوں - خصوصاً غیر معمولي قوت رکھنے والي بھیڑ جس کے گوشت اور اون کا وزن اتنا زیادہ هوجائیگا' جتنا آج تک کسي کے وهم و گمان میں بھي نہیں آیا !

مسٹر ونسٹن چرچل یه گفتگو انتہائي دلچسپي سے سن رهے تھے - دونوں میں نہایت دلچسپ گفتگو هوئي - میں لفظ به لفظ تو اُسے لکھه نہیں سکتا مگر حسب ذیل روئداد لکھتے هوئے اُس کي معنوي صحت کا ذمه دار هوں :

مسٹر ونسٹن چرچل نے پوچھا " کیا یه سچ هے که آپ اپنے grafting (پیوند) کے عمل سے هر اُس جانور کا گوشت اور چمڑے کا وزن بڑھا دے سکتے هیں جو انسان کي غذا اور دیگر ضروریات کے لئے کام میں لائے جاتے هیں ؟ "

" قطعاً - میں نے یه بھي کیا هے اور اس سے بھي بڑھکر " - ڈاکٹر وورونوف نے بغیر کسي تامل کے جواب دیا -

" کیا آپ هر انگریزي بھیڑ کے اُون کے وزن میں ایک پاؤ کا اضافه کر دے سکتے هیں ؟ " مسٹر چرچل نے مزید تشریح کي -

" بہت آساني سے - میں نے اس سے بھي زیادہ کامیابي حاصل کي هے " ڈاکٹر کا قطعي جواب تھا !

" آپ نے کتنے معمولوں (subject) پر اس کا تجربه کیا هے؟ "

" سیکڑوں جانوروں پر - بھیڑ کے تو گله کے گله پر "

" کیا میں برطانوي وفد بھیج سکتا هوں تاکه وہ اِن عملي نتایج کي جانچ پڑتال کرے ؟ "

" به خوشي - جس وقت آپ کا جي چاهے "

وہ جانور جن پر ڈاکٹر وورونوف نے اپنے تجربے کئے هیں ' **الجزائر** میں هیں ' اور آئندہ اکتوبر میں برطانوي ماهرین حیوانات اُن کا معائنه کرنے کے لیے جانے والے هیں - اب یه معلوم کرنا آسان هے که اقتصادي نقطۂ نظر سے یه انکشاف کیسي عظیم الشان اهمیت رکھتا هے ؟

مسٹر چرچل

الانبيق	Alembic

اسکا مادہ یوناني ہے لیکن یورپ میں عربي سے آیا کیونکہ الف لام موجود ہے -

الکیمیا	Alchemy
الکحل	Alcohol
البق (داغ چشم)	Albuge
لبان	Olibanum
روغن نفط	Naphtha
الاکسیر	Elixir
قرنیة العین	Carnea
شجر البان	Ben
سمسم	Sesame
جرثومہ	Germ
مسک	Musk
عرق	Arrack
نرجس (نرگس)	Nareissus
زعفران	Saffran
شقائق النعمان	Aneman
فلفل	Pepper
فاد زهر	Bezaar
لیمون	Lemon
سنا مکي	Senna
مروارید	Margaret
صابون	Soape
رب	Rab
لوز	Lozenge
فرزجہ	Pessary
شربت	Syrupus
لعوق	Linctus
ریوند	Rhie
قرنفل	Caryophylli
بورق	Borice
صندل	Santali
کرویہ (زیرہ)	Carui
کباب چیني	Cubebae
قنب (بهنگ)	Cannb
طرطیر	Tartaratum
زنجبیل	Zingiber
سنبل	Sumbul
مرح	Myrrhae
جلابہ	Jalap
شیاف	Suppo
مر	Myrrha

اسي طرح بے شمار الفاظ هیں -

(عربي عملیات طبیہ کے آثار)

پندرهویں صدي تک یورپ میں امراض کے علاج کا تمام دارو مدار عربي طب اور عرب اطباء پر تها - یورپ کے بادشاہ جب کبهي کسي پیچیدہ مرض میں مبتلا هوتے ' تو مصر و شام سے عرب اطباء اُسي طرح بلائے جاتے تهے ' جس طرح موجودہ زمانے میں یورپ کے اطباء مشرقي ممالک میں بلائے جاتے هیں - اس عهد کے بعض قیمتي آثار اس وقت تک یورپ میں موجود هیں - اِن سے عربي اطباء کے وهاں قیام کرنے اور بعض حیرت انگیز معالجات انجام دینے کا ثبوت ملتا هے - مشهور فرانسیسي مستشرق پروفیسر رینو Reinaud نے اپني تحریر "حروب صلیبیہ کے بعد یورپ اور مشرق کے علمي اتصال" میں اِس طرح کي پانچ تصویریں نقل کی هیں جن میں سے تین تصویریں شاهان یورپ کے معالجات سے تعلق رکهتي هیں - ان میں سے ایک تصویر هم آج الهـــلال میں شائع کرتے هیں -

یہ مرقع یورپ کے محل میں صقلیہ (سیسلي) کے قدیم اوراق و کتب کے ساتهہ آیا تها - جن اهل نظر نے اس کي جانچ کي هے وہ متفق هیں کہ :

(۱) یہ تصویر تیرهویں یا چودهویں صدي کي هے - اور سیسلي میں طیار کي گئي هے -

(۲) شاهان سیسلي میں سے ایک بادشاہ کو اس حالت میں دکهلایا گیا هے کہ عرب اطباء اس کا معالجہ کر رهے هیں -

(۳) یہ معالجہ ' داغ دینے کا عملیہ تها - یہ اُس کي حالت ' اُس کے طریقے ' اور اس کے اوزار کي شکل و قطع واضح کرتي هے - عربي میں اِس طرح داغ دینے کو "کي " کهتے هیں - اب بهي بعض ممالک میں داغنے کا طریقہ رائج هے - لیکن جدید طب نے اِسے غیر ضروري قرار دیدیا هے -

(۴) شاهان سیسلي میں سے یہ کس کي تصویر هے ؟ اس بارے میں اهل نظر نے مختلف رائیں قایم کي هیں - بعض کا خیال هے کہ یہ فریڈریک دوم کي تصویر هے جو عربي علوم و تمدن کا بہت بڑا قدر دان تها' اور جس نے هر علم و فن کے مسلمان علماء اپنے دربار میں جمع کیے تهے - یہ سنہ ۱۲۲۰ ع - میں تخت نشین هوا تها -

لیکن بعض خیال کرتے هیں یہ اس قدر پراني نہیں هے - غالباً یہ اُس وقت کي هے جب نیپلس اور سیسلي کي حکومتیں مل کر "دو سیسلیوں کي حکومت " سمجهي جاتي تهیں' اور چارلس دوم حکمران تها - اس چارلس کے متعلق بهي تاریخي تصریحات موجود هیں کہ اس نے کئي بار اپنے علاج کے لیے مصر اور مراکش سے عرب اطباء طلب کیے تهے - اگر یہ خیال صحیح هو تو اس صورت میں یہ چودهویں صدي کي تصویر هوگي - کیونکہ چارلس دوم آف نیپلس نے سنہ ۱۳۰۹ ع میں انتقال کیا هے -

بهر حال اس میں شک نہیں یہ قدیم عهد کي ایک قیمتي یادگار هے - اِس سے اُس عهد کے عرب اطباء کي شکل و صورت' وضع و لباس ' اور طریق عملیات پر جو روشني پڑتي هے' اس کي تاریخي قدر و قیمت کا موجودہ عهد کے مورخین نے اعتراف کیا هے -

مکتوب لندن

(الہــلال کے مقالہ نگار لندن کے قلم سے)

اِس ہفتہ یہاں کا سب سے زیادہ اہم واقعہ شاہ فواد سلطان مصر کا پہلی مرتبہ برطانیہ کے دارالحکومت میں ورود ہے - لندن کے لیے مشرقی فرماں رواؤں کی آمد میں اب کوئی ندرت نہیں رہی ہے - ایک زمانہ وہ تھا جب سلطان عبدالعزیز اور شاہ ناصرالدین نے یورپ اور انگلستان کا سفر کیا تھا ' اور دنیا کے اس سب سے بڑے صدر مقام کی ساری توجہ اُن کی مہمان نوازی اور پذیرائی میں مرکوز ہوگئی تھی - ایک زمانہ آج کل کا ہے جبکہ لندن کے ریجنٹ اسٹریٹ کے لیے **"مشرقی بادشاہوں"** کا وجود روز مرہ کا نظارہ ہوگیا ہے - اب لندن اُن کے استقبال کا نہیں بلکہ ان کی دوڑ دھوپ کا تماشا دیکھا کرتا ہے !

تاہم اس ہمہ مختلف قسم کے حالات ایسے جمع ہوگئے ہیں کہ سلطان فواد کے ورود نے غیر معمولی اہمیت اور دلچسپی پیدا کردی ہے - سب سے پہلی بات تو وہ حالات ہیں جن میں اس میہمانی و میزبانی کا اجتماع ہوا ہے -

سیاسی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ دو ملکوں کے تعلقات اس درجہ کشیدہ ہوں جیسے کہ اس وقت مصر و انگلستان کے ہیں ' اور پھر ایک کا بادشاہ دوسرے کا میہمان بنا ہو - ایک طرف انگریزی مصری جھگڑا جاری تھا - انگریزی بیڑا مصری سمندروں میں تخویف و تہدید کے مظاہرے کررہا تھا - دوسری طرف شاہ انگلستان اور شاہ مصر کے مابین پیام و سلام بھی ہورہے تھے !

کچھ مدت ہوئی شاہ انگلستان نے شاہ مصر کو اپنے ملک میں مدعو کیا تھا - لیکن اِس تازہ جھگڑے کی وجہ سے عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ اِس دعوت کے قبول کرنے کا یہ موزوں وقت نہیں ہے - مگر خلاف توقع دعوت منظور کرلی گئی ' اور آج سلطان موصوف کا لندن کے اسٹیشن پر استقبال بھی ہوگیا !

جن غیر معمولی حالات میں یہ دعوت قبول کی گئی تھی ' ویسا ہی ایک غیر معمولی حادثہ بھی پیش آتے آتے رہ گیا - لندن کے لیبر اخبارات کی اطلاعات اگر صحیح تسلیم کرلی جائیں ' تو معلوم ہوتا ہے عین سفر کے وقت ایک سخت جھگڑا پیدا ہونے والا تھا - عام طور پر قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک کا بادشاہ سفر کرتا ہے ' تو کم از کم وزیراعظم ضرور ساتھ ہوتا ہے - حکومت برطانیہ مصر کی موجودہ وزارت کو پسند نہیں کرتی کیونکہ اُس نے قوم پروروں کا ساتھ دیا ہے - اِس لیے کوشش کی گئی کہ وزیراعظم سلطان کے ساتھ سفر نہ کریں - لیکن جب یہ خبر ظاہر ہوئی' تو رائے عامہ میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا - بالاخر یہی طے ہوا کہ وزیر اعظم ضرور ساتھ جائیں - چنانچہ وہ بھی سلطان کے ساتھ آئے ہیں - معلوم ہوا ہے کہ مصری پارلیمنٹ نے مصارف سفر کے لیے بیس ہزار پونڈ کی منظوری دیدی ہے -

مصر اور انگلستان ' دونوں ملکوں میں سوال کیا جارہا ہے کہ شاہ مصر کی سیاحت کا مقصد کیا ہے ؟ شاہ جارج نے کیوں انہیں دعوت دی؟ کیوں انہوں نے منظور کرلی ؟ سرکاری جواب تو دونوں جگہ یہ دیا جاتا ہے کہ سیاحت محض "سیاحت" ہے - سیاست سے اسے کوئی تعلق نہیں - لیکن یہاں کے جو حلقے اندرونی حالت پر نظر رکھتے ہیں ' وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کی سیاحتیں بغیر اہم سیاسی مقاصد کے نہیں ہوا کرتیں -

اِدھر کئی سال سے برطانیہ دیکھ رہا ہے کہ مصر سے اُس کے موجودہ تعلقات برقرار نہیں رہ سکتے - مصری قوم میں سیاسی بیداری پیدا ہوگئی ہے - وہ غیر مساویانہ علائق برداشت نہیں کر سکتی - اب اسے خوشنما الفاظ سے نہیں بہلایا جاسکتا - مصنوعی آزادی اسے مطمئن نہیں کرسکتی - لہذا طوعاً و کرہاً اسے یہ حقیقت تسلیم کرلینی پڑی ہے کہ "تبدیلی کے بغیر چارہ نہیں" جیسا کہ سنہ ۲۰ میں لارڈ ملنر نے اعتراف کیا تھا -

فواد اول سلطان مصر

مصر بھی دیکھتا ہے کہ اُس میں انگلستان سے جنگ کرنے کی قوت نہیں - برطانی عداوت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی - انگریز نہر سویز کسی حال میں بھی چھوڑ نہیں سکتے - لہذا اسی میں بہتری ہے کہ انگریزوں سے ایسے تعلقات پیدا ہوجائیں جو ہر طرح دوستانہ ہوں ' مگر ساتھ ہی جن سے مصر کی خودمختاری کو کوئی نمایاں گزند بھی نہ پہنچے -

ایسے تعلقات کی بنیاد کیا ہوسکتی ہے ؟ مصر اور انگلستان دونوں ملکوں کے ذمہ دار حلقوں کا خیال ہے کہ یہ بنیاد ایک نئے حلف نامہ سے رکھی جا سکتی ہے - دونوں ملک باہم ایک حلف نامہ ترتیب دیکر ایک دوسرے کو مطمئن کردیں - برطانیا مصر کی کامل آزادی تسلیم کرلے اور اندرونی مداخلت سے باز آجائے - مصر برطانیا کو نہر سویز کی طرف سے پورا یقین دلادے کہ ہمیشہ برطانیا کے لیے محفوظ رہیگی اور اس کے خلاف کبھی اُس کا قدم نہیں اُٹھیگا -

(بندروں کی پرورش گاہ)

جسطرح ایک مالی درختوں میں قلم لگاتا ہے ' اسی طرح علم نے جراح کے نشتر کے ذریعہ علم الحیات میں عظیم الشان معجزے پیدا کر دیے ہیں - انکے سمجھنے کیلئے ڈاکٹر وورونوف کی تحقیقات کا مطالعہ انکے آغاز عمل سے کرنا چاہئے - یعنی اس روز سے مطالعہ کرنا چاہیے ' جس روز سے انہوں نے بندر کے غدود کی قلم آدمی میں لگا کے ' بوڑھوں کو جوان بنانا شروع کر دیا ہے -

ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جنہوں نے گریمالڈی کے قلعہ میں ڈاکٹر وورونوف کے بندروں کی قیام گاہ اچھی طرح دیکھی بھالی ہو - یہ مقام آدھے فرانسیسی اور آدھے اطالوی سرحد کے اندر واقع ہے - البتہ اسکا دروازہ فرانس ہی میں ہے -

یہ قلعہ نسبتاً جدید طرز کی ایک عمارت ہے ' مگر اسکے پہلو میں اسلامی حکومت کی ایک قدیم یادگار بھی موجود ہے - یہ ایک برج ہے جو دس صدیوں سے زیادہ پرانا ہے ' اور شاید اُس اعادۂ شباب کا نشان ہے جو اُسکے سایہ میں پرورش پا رہا ہے - یہ قیام گاہ بجائے خود دنیا میں ایک نمونۂ بہشت ہے - ہرے بھرے نباتات " لہلہاتے سبزہ زار ' صاف اور خوشگوار ہوا ' اسپر نیلگون بحر متوسط کا دلفریب منظر ! یہ مقام ملکہ وکٹوریا کو اسقدر پسند تھا کہ وہ یہاں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھکر دیر تک سمندر کو دیکھا کرتی تھیں - آج ہملوگ اُسی بنچ پر بیٹھکر ڈاکٹر وورو نوف سے اُنکے انکشافات پر گفتگو کرتے رہے !

" ڈاکٹر وورو نوف - تمہارے والد کا کیا حال ہے ؟ " میں نے ایک دن پوچھا -

ڈاکٹر وورو نوف نے جواب دیا - " میں انکے بارے میں متردد ہوں - اُنہیں بہت سخت زکام ہوگیا ہے - تم جانتے ہو انکی عمر سو برس کے قریب ہے "

(نورا)

اسکے بعد میں نے " نورا " کے بارے میں دریافت کیا - جواب ملا کہ وہ مرگئی -

دنیا اس " نورا " سے ناواقف ہے - " نورا " ایک بندریا تھی مگر انسانوں سے زیادہ انسانیت رکھتی تھی - وہ بلا کی ذہین تھی - ڈاکٹر وورو نوف اُسے اسلیے عزیز رکھتے تھے کہ وہ بہت دلیری اور خوشی سے ہر طرح کے عمل جراحی کیلیے مستعد ہوجاتی تھی - وہ شاید نسل انسانی کے مفاد کیلیے اپنی قربانی کی ضرورت محسوس کرتی تھی !

" نورا " نے ایک حسین خاتون کی زندگی میں بڑا اضافہ کردیا ہے - اب وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ کمسن ہوگئی ہے - اس کے بعد نورا میں بھی دوسری کمسن بندریا کے غدود کا پیوند لگا دیا گیا تھا ' اور وہ پھر سے جوان ہوگئی تھی - لیکن افسوس ہے کہ کچھہ دنوں کے بعد وضع حمل کرتے ہوے مرگئی ' اور موجودہ دنیا کے ایک سب سے بڑے طاقتور عالم کو داغ مفارقت دے گئی !

(اسوقت تک کی عملی کامیابی)

ہر شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ ڈاکٹر وورو نوف نے ابتک کتنے کامیاب تجربے کیے ہیں ؟ اور بندر کے غدود کا قلم لگا کر کتنے بوڑھوں کو جوان بنا دیا ہے ؟ اس کا جواب اُنہی کی زبانی حسب ذیل ہے -

" میں ایک ہزار سے زیادہ قلم لگانے کا عمل کر چکا ہوں - اس تعداد میں بلاشبہ طبیب بھی شامل ہیں - آپ سمجھہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ بغیر اس عمل کو سمجھے ہوئے ہرگز عمل جراحی کے لیے راضی نہ ہوتے "

" غدود کے قلم لگانے کے نتیجے سے صرف وہی لوگ انکار کرسکتے ہیں جو بغیر سمجھے بوجھے ہر بات سے انکار کردینے کے عادی ہیں - ان کا یہ طرز عمل علم کے اصول کے قطعاً خلاف ہے "

" آپ پر یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ اگر مجھے میرے ہزاروں تجربوں سے کامیاب اور صحیح نتیجہ حاصل نہ ہوتا ' تو میں ساری دنیا میں قوی اور تندرست بندرونکی اس درجہ تلاش نہ کراتا اور اس صرف کثیر کے ساتھہ بندروں کی یہ قیام گاہ نہ بناتا جس کا وسیع کارخانہ آپ دیکھہ رہے ہیں "

" میں امید کرتا ہوں کہ عنقریب بحر متوسط کے ساحلوں پر بندروں کی بے شمار قیام گاہیں تعمیر ہوجائیں گی - یہ مقام ان کی نشو و نما کے لیے خاص طور پر مناسب ہے - یہ جانور بھی نسل انسانی کے لیے اسی طرح کارآمد ہے جس طرح بیل یا بھیڑ "

" میں نے قلعہ گریمالڈی میں بندروں کی قیام گاہ اس لیے بنائی کہ غیر ملکی بندر اس آب و ہوا کے عادی ہوجائیں - یہ گویا ان کی مرکزی قیام گاہ ہوگی جہاں سے دوسرے مرکزوں میں بھیجے جائیں گے - اس وقت ہمارے پاس ایک علحدہ اور منتخب جانور خانہ بھی ہے جس میں بندروں کی خاص طور پر پرورش اور دیکھہ بھال کی جاتی ہے - سرد راتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اُنہیں مصنوعی گرمی پہنچائی جاتی ہے اور اس وقت تک قایم رکھی جاتی ہے جب تک اس میں تدریجی کمی کرکے بندروں کو یہاں کی آب و ہوا کا عادی نہیں کر دیا جاتا "

" مختصر یہ کہ میرا مقصد اس جانور کو بھی اسی طرح پالتو اور مانوس بنا لینا ہے - جس طرح انسان نے رفتہ رفتہ گھوڑے ' بھیڑ ' اور بکریوں کو بنا لیا ہے "

(عارضہ سرطان کی تحقیقات)

" فی الحال دنیا میں بندروں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے - بندروں کو نا موافق آب و ہوا سے اور مناسب غذا کی کمی سے سخت جنگ کرنی پڑتی ہے - میں نے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھا ہے کہ جس طرح انسان قحط سالی میں موت کا شکار ہو جاتے ہیں ' اسی طرح ایک ایک دن میں ہزاروں بندر بھی غذا نہ ملنے سے مر جاتے ہیں -

" دنیا میں سب سے زیادہ تعداد اُن جانوروں کی ہے ' جنھیں انسان کے ذریعہ غذا ملتی ہے - بندروں کی جان بچانے کیلیے بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے - انہیں بھی موقع دینا چاہیے کہ انسان کے تہذیب و تمدن سے مستفید ہوں اور بھوکے نہ مریں - اگر ایسا ہوا تو وہ عجائب خانوں کی محض زینت ہونے کی جگہ نوع انسانی کو عظیم الشان فوائد پہنچائینگے "

" بندروں کی ساخت اور طبیعت انسان سے بہت کچھہ ملتی جلتی ہے - علم تشریح کے نقطۂ نظر سے تو بندر انسان کا بہت ہی قریبی رشتہ دار ہے - علم طب نے جانوروں پر تجربے کر کے بہت ترقی کی ' مگر افسوس ہے کہ یہ تمام تجربے اُن جانوروں پر کیے گئے جو انسانی ساخت و طبیعت سے بہت دور ہیں "

" سرطان کی تحقیقات سفید چوہوں اور سوروں پر کی جا رہی ہے - میرے خیال میں یہ تحقیقات کبھی مکمل اور مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ اعلی قسم کے بندروں پر تجربے نہ کیے جائیں "

زنجيروں ميں جکڑا پڑا تها اور سخت تکليفيں اٹها رها تها - فيلپ نے اسے اِس حالت ميں ديکها تو رو ديا - ايک دن اُسے خيال هوا - اب اس مجنون کے مصائب کا خاتمه هو جانا چاهئے - چنانچه وه اسکے پاس گيا اور روتے هوے کہا :

" ميرے عزيز بهائي ' مجهے تمهاري ذات پر پورا بهروسه هے - تم ايک عقلمند ' ديانت دار ' اور بردبار آدمي هو - ميري مدد کرو - آؤ ' هم دونوں ملکر ان پاگلوں کي خدمت کريں اور اُنهيں اِس موذي مرض سے عمر بهر کے لئے نجات دلاديں - تمام ملک ميں تمهاري نيکي اور دانشمندي کے چرچے هو رهے هيں - کهو تم طيار هو ؟ "

سچي محبت کي يه دلنواز صدا سنتے هي اچانک مجنون کا دماغ صحيح هوگيا - ڈاکٹر کے الفاظ نے اُس پر جادو کا اثر کر دکهايا - فيلپ نے اسکي بيڑياں فوراً کٹواديں ' اور وه زندگي بهر اسکے ساتهه وفاداري اور سلامت روي کے ساتهه کام کرتا رها "

اِس قسم کے اور بهي بہت سے علاج اُس نے کئے تهے - عقلي امراض کے دور کرنے کے لئے بہت سے نئے طريقے ايجاد کيے - فيلپ در حقيقت اِس فن کا امام هے - ابتک اِس راه ميں اُسي کي پيروي کي جا رهي هے -

اگر غور کيجيے تو اس مختصر سے واقعه ميں اقوام مشرق کيليے کيسي عظيم عبرت و موعظت پوشيده هے ؟ ايک قوميں وه هيں جو اپنے اُن مشاهير کي ياد بهي نہيں بهلا سکتيں ' جنهوں نے اُنکے پاگلوں کيليے زندگي اور تندرستي کي راه نکالي تهي - ايک هم هيں که اپنے اُن مصلحوں اور پيشواؤں کي بهي عزت کرنے کيليے آماده نہيں جو صرف پاگلوں کي زندگي هي کيليے نہيں بلکه تمام ذي هوش افراد قوم کي زندگي و سعادت کے ليے قربانياں کر رهے هيں ! کسي آبادي ميں مريضان جنون کي تعداد زياده سے زياده اِتني هوسکتي هے که هر دس هزار ميں ايک انسان مجنون تصور کرليا جاے - اس اعتبار سے کہنا چاهئے که ڈاکٹر فلپ پينيل نے ايک لاکهه انسانوں ميں سے دس انسانوں کي خدمت کي ' مگر فرانس اسے فراموش نه کر سکا - ليکن مشرق ميں تو ايسے جاں نثاران قوم موجود هيں جو لاکهه ميں سے دس کے ليے نہيں بلکه پورے لاکهه کے ليے زندگي اور سعادت کے دروازے کهولنا چاهتے هيں ' مگر لوگوں کا کيا حال هے ؟ يه حال هے که گردن موڑ کر اُنهيں ديکهنے کے ليے بهي طيار نہيں !

فرانس نے صرف يہي ايک صد ساله ياد گار نہيں منائي هے - يورپ ميں اب عام دستور هوگيا هے که تمام مشاهير قوم کي يادگاريں هر پچيس ' پچاس ' اور سو سال کے بعد منائي جاتي هيں - غالباً اس قسم کي صد ساله ياد گار سب سے پہلے سنه ۱۸۸۷ ع ميں منائي گئي تهي جب که " والٹير " کي وفات پر سو سال گزرے تهے - اُسي موقعه پر ويکٹر هيوگو نے وه تاريخي تقرير کي تهي جو دنيا کے موجوده علم ادب کي اول درجه کي چيزوں ميں سے تسليم کي جاتي هے -

(اسموئيل کرومپٹن کي صد ساله برسي)

ليکن جب فرانس عقلي امراض کے سب سے بڑے ڈاکٹر کي صد ساله برسي منا رها تها ' تو انگلستان بهي تذکار مشاهير کي مشغوليت سے فارغ نه تها - فرانس ذهن و جذبات کا گهر هے اور انگلستان عمليات و صنائع کا - يه فرق اس معامله ميں بهي نماياں تها - فرانس عقلي امراض کے سب سے بڑے طبيب کي برسي منا رها تها ' تو انگلستان انساني ضروريات کے سب سے بڑے صناع کي ياد ميں مشغول تها !

يه صناع اسموئيل کرومپٹن هے جس نے سب سے پہلے سوت کاتنے کي ايسي مشين ايجاد کي تهي جس کي وجه سے کپڑا بننے کي صنعت دست انساني کي احتياج سے بے نياز هوگئي - اور کپڑے کي ساخت کا سب سے بڑا اقتصادي انقلاب ظہور ميں آگيا -

ميں جس وقت پيرس کے نيم سرکاري اخبار طاں ميں اس برسي کي رونداد پڑه رها تها ' تو ميرا ذهن بے اختيار هندوستان کي اُس عظيم شخصيت کي طرف منتقل هوگيا جو دنيا کو " کرومپٹن " کي جگه اُس غير معلوم مگر بلا نزاع " عظيم الشان انسان " کي طرف متوجه کرنا چاهتي هے ' جس نے اب سے هزاروں برس پہلے هاتهه سے چلانے کا سہل اور ساده چرخا ايجاد کيا تها - ميں نے اپنے دل ميں کہا " افکار و اصول کے يه کيسے دو مختلف نقطے هيں جو ايک دوسرے کے مقابلے ميں نمودار هوگئے هيں ؟ انيسويں صدي کے مغرب کا کرومپٹن ' اور بيسويں صدي کے مشرق کا گاندهي ! " معامله اتنا عظيم هے که مجهے رائے زني کي جرأت سے احتراز کرنا چاهيے - اس قسم کے اختلافات کا هميشه حال نے نہيں بلکه مستقبل نے فيصله کيا هے - کرومپٹن پر ايک صدي گزر چکي هے - گاندهي پر کم از کم ايک چوتهائي صدي گزر جانے دو !

صد ساله برسي کا يه عظيم اجتماع برلٹن ميں هوا تها - اس موقعه پر سوت کاتنے کے چرخوں اور مشينوں کي نمائش بهي کي گئي تهي - تمام قديم ترين آلات حتى که چار هزار برس پہلے کے مصري چرخے بهي جمع کيے گئے تهے - اس سے مقصود يه تها که يه بات واضح کر کے دکهلا دي جاے که اسموئيل کرومپٹن سے پہلے سوت کاتنے کے آلات نے کہاں تک ترقي کي تهي ' اور اُن کے مقابله ميں موجد کي ايجاد نے کيسي حيرت انگيز مشين ايجاد کردي ؟ سر ٹامس فلنکر نے جو برلٹن کے مير هيں ' نمائش کا افتتاح کيا - اُنهوں نے موجد کي تاريخ بيان کرتے هوئے کہا :

" همين اِس پاک دل اور بے ريا ديہاتي کي اولوالعزمي کے سامنے جهک جانا چاهيے جس نے دنيا کو ايسي عجيب ايجاد بغير کسي ذاتي طمع يا نفع کے بلا معاوضه ديدي ' اور خود اپنے بال بچوں کے ساتهه نہايت غربت کي زندگي بسر کرتا رها "

برلٹن کے سب سے بڑے ميدان ميں موجد کا اسٹيچو کهڑا هے اور اپنے خط و خال سے اُس کي اولوالعزمي ' ثابت قدمي ' اور فراخ

خیال کیا جاتا ھے کہ اِس شاھي سیاحت کے اثناء میں بے ضابطہ طور پر اسي " حلف نامہ " پر تبادلۂ خیال ھوگا - یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسي محالفۃ جس میں ایک طرف مسلم گھمنڈ اور دوسري طرف بے سروسامان قومیت ھے' حقیقت و صداقت کے ساتھہ وجود میں آ بھي سکتي ھے یا نہیں ؟

انگلستان کا پریس جس زور و شور سے سلطان فواد کي پذیرائي کر رھا ھے ' اور آج کے سرکاري اھتمامات بھي جس درجہ کے کیے گئے تھے ' وہ یقیناً غیر معمولي ھیں - یہاں کے تمام مشرقي اور مشرق دوست حلقے محسوس کررھے ھیں کہ اس کي تہہ میں کوئي خاص چیز کام کر رھي ھے -

انگلستان کے رھي سرکاري اور نیم سرکاري اخبارات جو کل تک مصر کے خلاف بڑے زور و شور سے خامہ فرسائي کر رھے تھے' اب سلطان مصر کي تعریفوں کے پل باندہ رھے ھیں - سلطان کے اعزاز و تکریم کا جذبہ یہاں تک بڑھگیا ھے کہ اب اُن کي " مشرقیت " بھي مغرب کے اس صدر مقام پر شاق گزر رھي ھے - کوشش کي جارھي ھے کہ اُنھیں " مغربي " بنا دیا جائے - ڈیلي نیوز کے مقالہ نگار خارجیہ کو پہلي مرتبہ اس حقیقت کا انکشاف ھوا ھے کہ سلطان فواد محمد علي خدیو اول کے خاندان سے ھیں' اور محمد علي یوروپین ترکي کا باشندہ تھا - ایشیائي ترکي کا نہ تھا - وہ لکھتا ھے :

" اس موقعہ پر ھم یہ حقیقت فراموش نہیں کرسکتے کہ ھمارا مہمان عزیز اگرچہ اس اعتبار سے ھمارا مہمان ھے کہ وہ باھر سے انگلستان میں آیا ھے ' لیکن اس اعتبار سے اُسے مہمان نہیں کہہ سکتے کہ وہ مغرب میں مشرق کا مہمان ھے - وہ مشرق کا نہیں بلکہ خود مغرب کا ایک فرمانروا ھے جیسے اتفاقات نے مشرق کے ایک تاج و تخت کا مالک بنادیا ھے - ھمارے قارئین میں سے ھر شخص تاریخ مصر کي اس ابتدائي حقیقت سے با خبر ھوگا کہ وھاں کے حکمراں خاندان کا مورث اعلی محمد علي اعظم تھا جو البانیا کے ایک قصبہ قوالہ کا باشندہ تھا ' اور البانیا یورپ ھي کا ایک ٹکڑا ھے - مشرق اور ایشیا میں نہیں ھے - في الحقیقت سلطان فواد کي شخصیت میں آج ھم ایک یوروپین نژاد فرمانروا کي پذیرائي کر رھے ھیں ! "

محمد علي کے خاندان کي مغربیت سو برس تک انگلستان کو یاد نہ آئي ' لیکن اب اچانک اس کا انکشاف ھوگیا ھے !

آپ کے دوست آنریبل مسٹر پٹیل یہاں سے واپس روانہ ھوگئے جہاں تک میں اندازہ کر سکا ھوں ' کہہ سکتا ھوں کہ ایک خاص معیار عمل کے اندر رھکر' انھوں نے یہاں کے سرکاري حلقوں پر اچھا اثر ڈالا ھے - لیجس لیٹو اسمبلي کي ریاست کے ساتھہ کانگرسي ھونے کي روایات ملحوظ رکھنا ' اور کھدر کي دھوتي اور ٹوپي بھي سنبھالے رکھنا ' آسان نہ تھا ' لیکن اُنھوں نے کسي نہ کسي طرح بات بنائے رکھي - یہاں کے ھندوستاني حلقوں میں خیال کیا جاتا ھے کہ غالباً آیندہ کمیشن میں ھندوستاني ممبر کي جگہ اُنھي کو دي جائیگي -

اس ھفتہ میں آپ کے اس ارشاد کي تعمیل نہ کر سکا کہ جو کچھہ لکھوں ھندوستان کے متعلق لکھوں - آیندہ ڈاک سے اس کا سلسلہ شروع کروں گا - مجھے امید ھے' سلطان فواد اور مصر کا معاملہ بھي آپ کے صفحات کے لیے غیر ضروري اور غیر دلچسپ نہ ھوگا -

مکتوب فرانس

(الھلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

فیلپ پینیل کي صد سالہ برسي

اس موسم کا ایک شاندار واقعہ یہ تھا کہ فرانس میں بڑے دھوم دھام سے فیلپ پینیل کي صد سالہ برسي منائي گئي -

فیلپ پینیل سنہ ۱۷۴۵ - میں پیدا ھوا ' اور سنہ ۱۸۲۶ - میں فوت ھوا - یہ عقلي امراض کا سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا گیا ھے - اِس سے پہلے پاگلوں کو بہت تکلیف دیجاتي تھي - زنجیروں میں باندہ دیا جاتا تھا - غلیظ مکانوں میں رکھا جاتا تھا - بدترین غذا کھلائي جاتي تھي - چوپایوں سے بھي بدتر سلوک کیا جاتا تھا - اِس طبیب نے اِس برتاؤ کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کي ' اور پاگلوں پر رحم اور شفقت کرنے کا عام جذبہ پیدا کردیا - پہلے جنون لا علاج مرض سمجھا جاتا تھا - اسي نے سب سے پہلے بتایا کہ لا علاج نہیں ھے -

فرانس کے مشہور پاگل خانہ " بیسیٹر " کے اعلی افسر ڈاکٹر روبینو فیچ نے فیلپ کي برسي پر ایک مضمون لکھا ھے اور اخبار " ماتان " کے افتتاحي کالموں میں شایع ھوا ھے - مضمون نگار لکھتا ھے :

" فیلپ اِسي پاگل خانہ میں معالج تھا جس میں اِس وقت میں خدمت کر رھا ھوں - فیلپ کا درجہ خواص کي نظر میں " مسیح جدید " کا درجہ ھے - اِسنے عقلي بیماروں کے علاج میں رحم اور شفقت کو عام کیا - اِسنے ظلم اور سختي کے خلاف اُس وقت صدا بلند کي جب پورے فرانس میں ھولناک بھیلي ھوئي تھي ' اور ھر طرف خون بہہ رھا تھا !

" بیسیٹر پاگل خانہ سے فیلپ کا تعلق ستمبر سنہ ۱۷۹۳ - میں ھوا - اُسوقت یہاں پچاس پاگل موجود تھے - یہ زنجیروں میں بندھے رھتے تھے - ان میں سب سے زیادہ مشہور اور تاریخي پلنل شاھي باڈي گارڈ کا ایک پرانا سپاھي تھا - یہ نہایت ھي قوي ھیکل تھا اور غیر معمولي جسماني قوت رکھتا تھا - شراب کي عادت پڑگئي اور ھمیشہ مدھوش رھنے لگا - نتیجہ یہ نکلا کہ دماغ خراب ھوگیا - فوج سے نکال دیا گیا - جوش جنون میں اُسے یہ سوجھا کہ میں فرانس کا سپہ سالار اعظم ھوں - جو کوئي یہ بات تسلیم نہ کرتا ' اُسے بري طرح مارنے لگتا - آخر پاگل خانہ بھیج دیا گیا - یہاں وہ دس برس سے

" بنابریں مصری حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ فوج اور سرحدوں کا موجودہ نظام برقرار رہے ' لیکن ساتھہ ہی مصری وزیر جنگ کے اختیارات کو کوئی ٹھیس بھی نہ لگے - وہ بدستور مصری پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ رہیگا "

" اِس طریقہ پر ' جو مصلحت اور نظام کے ہر طرح مطابق ہے ' مصری حکومت نے اِس مشکل کا معقول حل ڈھونڈھ نکالا ہے - حکومت کو پورا یقین ہے کہ ابتک جو دوستانہ رویہ برطانیا نے گفت و شنید میں اختیار کر رکھا ہے ' وہ برابر قایم رہے گا اور اُن تمام اسباب کو دفع کر سکے گا جو موجودہ مشکل اور دوسری مشکلات کا موجب ہیں "

اِس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برطانیا کے ابتدائی مطالبات مصری سیادت و حکمرانی کے منافی تھے ' اس لیے مصری حکومت نے اُنہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا - پھر اُنمیں کچھہ ترمیم و تبدیلی ہوئی ' اور ایسی شکل میں پیش کیے گئے جو مصری حکومت کی نظر میں ایک حد تک لائق قبول تھے ' لہذا اُسنے تسلیم کر لیا اور جھگڑا ختم ہوگیا -

(حج براہ مصر)

اِس سال موسم حج کی کامیابی کا اندازہ اُس سرکاری رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے جو صرف آٹھہ روز کی ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲ - مئی سے ۳۰ - مئی تک سوئز کی بندرگاہ سے سفر کرنے والے حاجیوں کی تعداد حسب ذیل تھی :

۱۵۰۷ مصری　۲۰۲ ترک　۸۸ جزائری　۹۸ تیونسی
۷۷ مراکش　۱۲۶ طرابلسی　۱ روسی　۲ رومانی　۱۴۷ ایرانی
۱۴ عربی　۲۷ سروین　۵۲ افغانی　۲۳ افریقی　۱۷ اسپینی
۵۹۸ فلسطینی　۲۶ سنگالی　۴۳۲ شامی　۱۵۷ ہندوستانی
۲۴ جاوی　۱۷۱ عراقی - یعنی کل ۳۷۸۵ حاجی تھے -

جون کے پہلے ہفتہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ :

۳۱۵ منگولی　۲۶۲ ترک　۲۷۶ جزائری　۱۲۰۵ تیونسی
۲۰۲ مراکشی　۳۰۷ طرابلسی　۲ روسی　۵۸۲ ایرانی　۱۸۱۹ شامی
۵ سروین　۲ بلغاری　۵۸۱ عراقی　۱۹ نیجریائی　۴۳ حجازی -
یعنی کل ۶۶۷۰ حاجیوں نے سوئز کی راہ سے سفر کیا -

مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے دس ہزار ہوئی - صرف دو ہفتہ کے اندر اِتنے حاجیوں کا نہر سویز سے گزرنا اِس سال کے موسم حج کی شاندار کامیابی کا ایک بین ثبوت ہے -

---

مکتوب شام

(الہــلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

اپنے پچھلے مکتوب میں شام کی مضطرب سیاسی حالت پر روشنی ڈال چکا ہوں - آج بھی وہی حالت ہے جو اُس وقت تھی - نہ تو کوئی تبدیلی ہوئی ہے - نہ کسی قریبی تبدیلی کے آثار نظر آتے ہیں - البتہ ایک اہم واقعہ ضرور پیش آیا ہے اور تمام ملک کی دلچسپی کا مرکز بن گیا ہے -

ایک مدت سے شام کا فرانسیسی ہائی کمشنر موسیو پونسو شام سے غائب تھا اور پیرس میں مقیم تھا - بیان کیا گیا تھا کہ وہ شام کے آئندہ نظام حکومت پر مرکزی حکومت سے گفت و شنید کر رہا ہے - اُس کی طویل غیر حاضری نے ظاہر بینوں کو طرح طرح کی امیدوں میں مبتلا کر دیا تھا - لوگ کہتے تھے - ہائی کمشنر کی پیرس میں موجودگی ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی - یہی وجہ ہے کہ اِن سب کو واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا -

لیکن اب انتظار کی مدت ختم ہوگئی - ہائی کمشنر واپس آگیا ہے - لیکن امیدوں کے یہ تمام خوش آئند خواب اس وقت تک تعبیر سے محروم ہیں - اس وقت تک ہائی کمشنر نے نہ تو کوئی اعلان کیا ہے ' نہ بظاہر آثار نظر آتے ہیں - مگر طرح طرح کی افواہیں ضرور پھیل رہی ہیں -

مجھے با خبر حلقوں سے جو کچھہ معلوم ہوا ہے ' یہ ہے کہ پیرس میں ہائی کمشنر اور شامی وفد کے مابین بہت سی ملاقاتیں ہوئیں اور عرصہ تک بحث و مذاکرہ جاری رہا - شامی وفد نے نرم سے نرم شرطیں پیش کی تھیں - لیکن ہائی کمشنر نے صرف چند منظور کر لیں - باقی تمام رد کر دیں - مثلاً وفد کا مطالبہ تھا کہ تمام سیاسی مجرموں کو عام معافی دیدی جاے - مگر حکومت نے سیاسی قائدین کو معافی دینے سے انکار کر دیا - وفد نے پورے ملک کو ایک ہی نظام حکومت کے ماتحت رکھنے کا مطالبہ کیا تھا - لیکن حکومت نے اِسے صرف اِس صورت میں منظور کرنا گوارا کیا کہ نظام حکومت ریاست ہاے متحدہ کا نظام ہو - یعنے چھوٹے چھوٹے صوبے الگ الگ قائم رہیں اور اپنی جگہ خود مختار ہوں - مگر انہیں کسی مرکزی نظم میں متحد کر دیا جاے - اِس سے مقصود یہ ہے کہ ملک میں وحدت جنس و قوم پیدا نہ ہو سکے - ایک قوم بہت سے ٹکڑوں میں منقسم ہوکر اپنی وطنی قوت ضائع کر دے -

اصل یہ ہے کہ ہمیشہ اجنبی اقتدار ملک کی قومی وحدت کا مخالف ہوتا ہے - وہ ہر طرح کی صورت حال گوارا کر لے سکتا ہے لیکن یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ ملک میں قومی وحدت کی روح پیدا ہوجاے - شام میں یہ روح پہلے سے موجود ہے - زبان ' وطن ' رسم و رواج ' اور اجتماعی خصوصیات نے تمام شامیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے - لیکن فرانس چاہتا ہے ' انکے ٹکڑے ٹکڑے کر دے - وہ ایک رشتۂ قومیت قائم نہ رکھہ سکیں - بہر حال دیکھئے - فرانس کا آیندہ طرز عمل اس بارے میں کیا ہوتا ہے ؟

شام و عراق کی سرحدوں پر قبائل عرب کی خانہ جنگی صدیوں سے جاری ہے - اب دونوں ملکوں کی حکومتیں اسکا قطعی سدباب کر دینا چاہتی ہیں - چنانچہ حال میں طرفین کے دستخط سے عربی ' انگریزی ' اور فرانسیسی زبانوں میں ایک اعلان ہوائی جہاز کے ذریعہ ' سرحدی قبائل میں تقسیم کیا گیا ہے - اسکا ترجمہ حسب ذیل ہے :

" شام و عراق کی سرحدوں پر بسنے والے قبائل کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ شام اور عراق ' دونوں ملکوں کی حکومتوں نے متفق ہوکر طے کر لیا ہے کہ تمہاری آپس کی خانہ جنگی ' کشت و خون ' اور چوری و قزاقی قطعاً نا جائز اور ممنوع ہے - نیز ہتیار بند ہوکر سرحد کے اُس پار جانا بھی ممنوع ہے - آئندہ جو کوئی اِس طرح کی کوئی بات کریگا ' اُسے نہایت سخت سزا دیجائیگی "

دلي ثابت کر رها هے - انگلستان کے تمام سرت کے نارخانوں میں اس کي تصويريں آويزاں هيں اور بڑي عزت و احترام کي نظروں سے ديکهي جاتي هيں -

يه صناع سنه ۱۷۴۳ ع ميں پيدا هوا اور سنه ۱۸۲۷ ع ميں انتقال کر گيا -

(عثماني شهزاده کي وفات)

اس هفته کا ايک افسوس ناک واقعه پرنس برهان الدين کي وفات هے جو سلطان عبد الحميد خاں مرحوم کے سب سے چهوٹے لڑکے تهے -

آپ کو معلوم هے که سنه ۱۹۰۸ ع ميں جب دوسرے انقلاب دستور کے بعد سلطان موصوف معزول کرديے گئے ' تو حسب معمول ان کے خاندان سے کوئي تعرض نهيں کيا گيا تها - سلطاني خاندان کے دوسرے شهزادوں کي طرح اُن کي بهي تنخواهيں مقرر کردي گئي تهيں - سنه ۱۹۱۹ ع ميں جب سلطان عبدالحميد کا انتقال هوگيا ' تو اُن کے لڑکوں نے سلطان کي ذاتي جائداد اور اموال و متاع کے ورثه کا دعوی کيا - سلطان عبدالحميد کي ذاتي جائداد کا فيصله اس قدر مشکل تها ' جتنا شايد هي دنيا کے کسي فرمانروا کي جائداد کا هوا هو - ترکي ميں جو کچهه تها سب اُنهي کا تها ' اور اُن کا جو کچهه تها ' اس ميں سے کچهه بهي اُن کا نه تها - بهر حال ايک کميشن کا تقرر هوا ' اور اُس نے دعوے کي سماعت کے بعد فيصله کر ديا - اس فيصله ميں دعوے کا بهت قليل حصه تسليم کيا گيا تها - اکثر مطالبات رد هوگئے تهے - سلطان کي اولاد اس فيصله پر راضي نه هوئي ' ليکن چونکه اس کے بعد هي جنگ نے انقلاب انگيز صورت اختيار کرلي تهي ؛ اس ليے مزيد کار روائي کا موقعه نه تها -

جنگ کے بعد جب دوباره امن و امان کا وقت آيا ' تو قومي مجلس نے جمهوري حکومت کا اعلان کر ديا ' اور پهر کچهه عرصے بعد خاندان سلطاني کے تمام افراد جلا وطن کر ديے گئے - ان ميں سلطان عبدالحميد کا خاندان بهي تها - اس خاندان کے بعض افراد بيروت چلے گئے - بعض نے يورپ کي راه لي - انهي ميں پرنس برهان الدين بهي تهے - انهوں نے جلا وطني کے بعد ترکي حکومت پر سلطان عبدالحميد کے ورثه کا از سر نو دعوی کيا تها - انهيں پوري اُميد تهي که اس ميں کامياب هونگے - يه زياده تر سوئٹزر لينڈ ميں بعض ترک امراء کے ساتهه رها کرتے تهے - خود ان کي مالي حالت عثماني خاندان کے دوسرے ارکان سے بهتر نه تهي - پچهلے مهينے پيرس آئے تاکه ترکي سفير سے ملاقات کريں - شهر کے ايک سب سے ادنی درجه کے هوٹل ميں ٹهرے جو انکي مفلسانه حالت کا لازمي نتيجه تها - وهيں اچانک بيمار پڑے اور انتقال کر گئے -

دنيا کے انقلابات صرف تاريخ هي ميں نهيں ڈهونڈهنے چاهئيں - خود همارا عهد بهي اپني تاريخ مرتب کر رها هے - زار ' قيصر ' اور عبدالحميد ' موجوده صدي کے سب سے بڑے شخصي اور مستبد فرمانروا تهے - اُن کے جاه و جلال اور سطوت و جبروت کے هيبت انگيز واقعات ديکهنے والے هزاروں لاکهوں کي تعداد ميں ابهي زنده موجود هيں - ليکن انقلاب کي ايک هي گردش نے انهيں کتني بلندي سے کتني پستي تک پهنچا ديا ؟ آج ان ميں سے ايک کا لڑکا پيرس کے سب سے زياده ادنی هوٹل ميں دم توڑ چکا هے ' اور اُس کے سرهانے ايک آنکهه بهي ايسي موجود نهيں جو اُس پر آنسو بها رهي هو - و تلک الايام نداولها بين الناس !

مکتوب مصر

(الهلال کے مقاله نگار مقيم قاهره کے قلم سے)

(انگريزي مصري نزاع)

پچهلے هفتے انگريزي مصري نزاع پر گفتگو کرتے هوے وه بنيادين بتا چکا هوں جو مصري حکومت نے تصفيه کے ليے پيش کي تهيں - ليکن ايک هفته گزرنے کے بعد بهي دنيا کي معلومات اس جهگڑے کے متعلق آگے نه بڑهسکيں ' کيونکه تمام گفتگو پردۂ راز ميں هے - طرفين کي پارليمنٹوں ميں مطالبه کيا گيا که گفت و شنيد شايع کردي جائے ' مگر دونوں حکومتوں نے ايک هي جواب ديا - يعني ابهي تک فريق ثاني نے اسکي اشاعت کي اجازت نهيں دي هے - اس سے صاف ظاهر هوتا هے که دونوں اسے شائع کرنا سردست مناسب نهيں سمجهتيں -

اس صورت حال نے دونوں ملکوں ميں سخت انتشار پيدا کرديا هے - برطاني اخبارات دعوی کر رهے هيں که مصر دب گيا اور انگريزي مطالبات منظور کر ليے - مصري اخبارات مدعي هيں که برطانيا سختي سے باز آگيا ' اسليے مصر نے بهي مصالحت کے ليے آمادگي ظاهر کردي - مگر کيونکر ؟ کهانتک ؟ اسکا کوئي جواب نهيں ملتا !

ليکن يهه يقيني هے که تصفيه هوگيا هے - باقي رها يه سوال که کس کي ضد پوري هوي ؟ تو اس بارے ميں کوئي قطعي بات نهيں کهي جا سکتي - البته عبد الخالق ثروت پاشا مصري وزير اعظم کي ايک تصريح ضرور موجود هے - يه تصريح انهوں نے مصري پارليمنٹ ميں کي هے - اگرچه يه بهي مبهم هے ' تاهم معامله پر کچهه نه کچهه روشني ضرور ڈالتي هے - اُنهوں نے کها :

" يهه بات سخت افسوسناک هے که پچهلے دنوں مصري اور برطانوي حکومتوں ميں غلط فهمي پيدا هوگئي تهي - اس غلط فهمي نے برطانيا کو آماده کيا که اپنے هائي کمشنر کے ذريعه مصري حکومت کے پاس ايک نوٹ بهيجے - اس نوٹ ميں مصري فوج اور محکمۂ سرحد کے متعلق چند مطالبے درج تهے - ساتهه هي يه بهي درج تها که برطانيا متمني هے که نزاع دوستانه طور پر ختم کردي جائے - مصري حکومت نے برطانوي نوٹ پر اچهي طرح غور و خوض کرنے کے بعد فيصله کيا که اسکے مطالبے اپني مجموعي هيئت ميں مصري حکمراني ' مصري پارليمنٹ کے حقوق ' اور ملک کے قانون اساسي کو نقصان پهنچانے والے هيں "

" چونکه ايسے معاملات ميں حکومت کو اپني مرضي سے فيصله کرنے کا اختيار نهيں - قانون کي رو سے پارليمنٹ کے سامنے پيش کرنے پر مجبور هے - لهذا اُسنے بغير کسي تامل کے کهديا که يه مطالبات انکي مجموعي هيئت ميں منظور نهيں کئے جا سکتے "

" مگر چونکه مصري حکومت هر غلط فهمي کے دور کرنے کے ليے مستعد رهتي هے ' اس ليے اُسنے معامله کو ايک اور طريقه پر سلجها دينا چاها جس کا اُسے قانوناً اختيار تها اور جو مصر کے بنيادي حقوق کے منافي نهيں هے - چنانچه اُسنے فوج کے مسئله ميں غور و بحث کے بعد طے کيا که برطانيا کے کون کون مطالبے قابل قبول هيں اور کون نا قابل قبول ؟ جو امور فوج کيليے مفيد تهے ' يا جنسے کوئي مضرت پيدا نهيں هوتي تهي ' اُنهيں اُسنے بطور خود منظور کرليا "

سیر فی الارض

اَوَلَم یَسِیرُوا فِی الارضِ فَیَنظُرُوا کَیفَ کانَ عاقبۃُ الَّذِینَ مِن قَبلِھِم؟

(۳۰-۸)

سیّاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیّاح کے تاثرات

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکوم ہے تو ٹیونس بھی فرانس کے جولانِ حکومت سے پامال ہو چکا ہے۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سست رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہے۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری شابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بیماری سو برس کی پرانی ہے، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی مایوسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونسی قوم کی سعی و ہمت کا نتیجہ ہے۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جا سکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، ریف، ان تمام مقامات میں یورپین استعمار یکساں قوت و خصائل کے ساتھ نمودار ہوا، لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض بُرے ہیں۔ بعض غذا نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمتگزار ہو جاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزلِ مقصود کی طرف پہونچاتی ہے۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہر و عنایت ہے۔ ابھی اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہے ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے اثر ہیں، لیکن بہرحال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تختِ شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی مورت بھی رکھی رہتی ہے، جسے بادشاہ یا وہاں کی اصطلاح میں "بائی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلاف بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہکر پکارتے ہیں۔ "بائی" کی عیش و عشرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح مومن کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چومتے ہیں اور اجر و ثواب کی اُمیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اگر محکومی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی ہو جائیں تو قریب ہے کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگ چقماق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جاتا ہے، اُتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط و جبر بھی ہے۔ ٹیونس خوابِ خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی توپوں نے گرج کر اُسے بیدار کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی تسلط ذی استعداد قوموں کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے، اور نالائق قوموں کے لئے پیامِ ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجودہ بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شرِ محض کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شر کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بُھلا دے۔ ماضی اور قدیم کا صالح جوہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہیے، ورنہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی نقش محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط و خال دکھلاتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مضر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش ہونے نہیں پاتی، اور تغیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیاں اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

اے مصلحین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام "قدامت پرست" ہے۔ یہ تمھاری نظروں میں ایک پرانی نقش ہی کیوں نہ ہو مگر ہے تمھارے ہی ماضی کی نقش! اس کی حفاظت کرو۔ اسے نابود کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نقش کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زوغو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی صورت یہ ہے کہ یوگو سلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحل پر بھی رُکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ یوگو سلاوی بندر راگیز سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیرازو میں اُتر پڑا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کرواتی نسل کا متدین تھا۔ رات کو وہ ہمارے ساتھ دیر تک باتیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک گوشے میں لیجا کر کہنے لگا:

"دیکھو، البانیہ قریب آگیا۔ ہر چیز دیکھنا مگر زبان کسی وقت بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں سے ہوشیار رہنا۔ البانی پولیس تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ لیکن بالکل ممکن ہے کہ اندھیری رات میں دو گولیاں ہوا میں اُڑتی آئیں اور تمھارا سینہ توڑ کر پار نکل جائیں۔ تمھارا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے تعارد میں رُکا۔ پھر خوبصورت خلیج انٹیغاری میں ٹھہرا۔ صبح ۶ بجے ہم بندرگاہ دورازو کے سامنے تھے۔ یہاں سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر ٹیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پائے تخت ہے۔

یہ شہر، ترکی قصبات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھومی ہوئی سڑکیں، اُن پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جیسے صدیوں پہلے اُنکے آبا و اجداد تھے۔ کہیں ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کہیں لکڑی کا سامان طیار ہو رہا ہے۔ کہیں تانبے کے ظروف بنائے جاتے ہیں۔ کہیں کمہار بیٹھا اپنا آنواں گھما رہا ہے۔ ساتھ ہی ترکاری والے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ حجام استرے رگڑ رہے ہیں موچی جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ پھر ان سب کا وہ شور و ہنگامہ کہ کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ مساجد کے مناروں نے فضا میں بلند ہو کر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اسمیں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ دراصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے پیچھے اُٹھے فوجی بارکیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز نگرانی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں رکھا اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہے اور اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے۔ میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پرانی اور جنگِ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوق جوق جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی، حتی کہ منہ بھی چھپائے ہوئیں۔ صرف ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ آہو کی آنکھ، غضب کی

مطبوعات جدیدہ

علم الاثار مصر

(روح کے متعلق قدیم مصریوں کا عقیدہ)

مصر کی قدیم تہذیب دنیائے قدیم کی تاریخ کا ایک نہایت اهم باب ہے - اگر یہ باب الگ کر دیا جاے تو نوع انسانی کی عقلی ترقیات کی ایک نہایت اهم کڑی مفقود هو جائیگی -

اب سے سو برس پہلے مصر کے اهرام اور حیرت انگیز آثار دنیا کیلیے معما تھے - آج وہ معما نہیں هیں ' مدرسہ کا کام دے رہے هیں - قدیم مصری خط " هیرو گلیفی " بڑہ لیا گیا ہے - قدیم مصری زبان کے ضخیم لغت طیار هوگئے هیں - قدیم مصری تحریریں دستیاب هوگئی هیں - اور ان سب کے مجموعے سے علوم اثریہ کا ایک مرتب ذخیرہ مدون هو گیا ہے جسے مصریات (اجپٹیا لوجیا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روز بروز اسکی وسعت بڑھتی جاتی ہے - حال میں ڈاکٹر احمد بک کمال مرحوم کی بے نظیر کتاب آثار مصر پر شائع هوی ہے - یہ قاهرہ کے دار الآثار کے ناظر تھے - انہوں نے تمام عمر اثریات مصر کی تحقیقات میں بسر کر دی - یہ کتاب اس موضوع پر علمی دنیا کی آخریں تحقیقات پیش کرتی ہے - هم چاهتے هیں وقتاً فوقتاً اسکے بعض اهم مباحث الہلال میں شائع کرتے رهیں -

(بقاء روح کا مصری اعتقاد)

" قدیم مصری تمدن کے سب سے زیادہ عجیب آثار جو هم تک پہنچے هیں ' انکے مقبرے اور انکی ممی کی هوی نعشیں هیں - اهرام بھی دراصل اسی غرض سے بنائے گئے تھے کہ مقبرہ کا کام دیں - اس سے انکے مذهبی عقائد پر جو موت ' بعد الموت ' اور روح کے خلود و ابدیت سے تعلق رکھتے تھے ' غیر معمولی روشنی پڑتی ہے -

(مقبروں کی تاسیس)

قدیم مصر میں مقبروں کا آغاز اس طرح هوا کہ پہلے مردے کو زمین کھود کر تنگ گڑھے میں گاڑ دیتے تھے - نعش لٹانے کا بھی رواج نہ تھا - سر سینہ پر جھکا دیا جاتا تھا اور اکڑوں بٹھا کر زمین برابر کر دیتے تھے - اسکے بعد قبر یاد رکھنے کیلیے زمین اونچی کرنے لگے - قبر پر مٹی کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا - پھر مردے کو اوپر کی مٹی سے بچانے کے لیے قبر کے اندر چھت بنانے لگے - پھر چھت کے گرد مٹی کی دیواریں بنادینے کا رواج پڑا - اس کے بعد تابوت کا خیال پیدا هوا ' اور پتھر کے تابوتوں میں مردے رکھے جانے لگے - پھر قبر کو بیرونی صدموں سے بچانے کیلیے اس پر عمارتیں بنانے لگے - انھی عمارتوں نے ترقی کرتے کرتے اهرام کا عظیم و مہیب درجہ حاصل کر لیا - اس وقت بھی دریاے نیل کے مصب اور فیوم کے مابین تقریباً سو هرم موجود هیں ' اگرچہ انمیں سے اکثر منہدم هو جانے کے قریب هیں -

اب یہ بات محقق هوگئی ہے کہ مصر کے اهرام در حقیقت مقبرے هی تھے - قدیم مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ قلعے هیں ' یا طوفان سے بچنے کے لیے بنائے گئے تھے ' یا ان میں خزانے مدفون هیں - قدیم مصری زبان میں اهرام کے نام هی سے ان کا مقصد اور موضوع معلوم هو جاتا ہے - مثلاً " مسکن ابدی " " مقام کمال " " مکان خلود " " مقر روح " وغیرہ -

مقبروں کے باب میں یہ تدریجی ترقی کیوں هوئی ؟ اس لیے کہ روح کی ابدیت کا اعتقاد بھی مصریوں میں بہ تدریج ترقی پذیر هوا تھا - جس زمانہ میں وہ روح کی بقاء کے قائل نہ تھے ' قبروں کے معاملہ کو کوئی اهمیت نہیں دیتے تھے - پھر جوں جوں یہ عقیدہ بڑھتا گیا ' مقبروں کی اهمیت بھی بڑھتی گئی - مقبروں کو اس عقیدہ سے کیا تعلق ہے ؟ بہت قریبی تعلق ہے - مصریوں کا یہ عقیدہ اس شکل میں تھا کہ جب تک جسم محفوظ رهتا ہے ' روح بھی قائم رهتی ہے - کیونکہ جسم سے علحدہ روح کا وجود نہیں هو سکتا - اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ مردے کا جسم زیادہ سے زیادہ مدت تک محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے - اتنے مستحکم مقبرے بنانا ' اور لاشوں کو ممی کرنا ' اسی غرض سے تھا -

(زندگی کا مصری تخیل)

یہ عقیدہ کیونکر موجود هوا ؟ مصریوں کا خیال تھا کہ زندگی ایک آدمی سے دوسرے آدمی میں ناک اور منھ کی راہ منتقل هوتی ہے - اور یہ کہ انسانی جسم کے بعض اعضاء زندگی کی حفاظت کرتے هیں ' مگر صرف اسی حالت میں جب کہ خود ان کی بھی حفاظت کی جائے - چنانچہ هاتھ کی نبض زندگی کی محافظ ہے ' اس لیے هاتھ میں چوڑی پہنکر نبض کی حفاظت کی جاتی تھی - گردن کو بھی ایسا هی عضو سمجھتے تھے اور اس کی حفاظت کے لیے هار پہنتے تھے - کان کے لیے بالیاں ' سینہ کے لیے چاندی سونے کی لوحیں ' بازو کے لیے بازو بند ' اسی لیے ان میں رائج هوگئے بہت ممکن ہے کہ دنیا میں زیور کا استعمال اسی عقیدہ سے شروع هوا هو -

(موت)

ان کا اعتقاد تھا کہ زندگی همیشہ رهتی ہے - لیکن نیند کی حالت میں اور کبھی کبھی غشی کے حالت میں آدمی سے جدا هو جاتی ہے - وہ کہتے تھے جب جسم بگڑ جاتا ہے تو زندگی کا علاقہ بھی اس سے همیشہ کے لیے منقطع هو جاتا ہے - اسی خیال سے نعش کی حفاظت کا خیال پیدا هوا - اور بالآخر ممی کرنے کا طریقہ رائج هو گیا - یہ طریقہ اتنا عجیب ' اتنا صحیح ' اور اتنا بے خطا تھا ' کہ چار چار هزار برس گزر جانے پر بھی آج اصلی حالت میں ان کی نعشیں موجود هیں ! "

آنکھ! ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر اُتارنا چاہی۔ اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُنھوں نے مجھے گھورتے دیکھا کر دھمکانا اور مغلظ گالیاں دینا شروع کر دیا!

رات کو شہر میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ پوری آبادی معلوم ہوتا ہے، باہر نکل آئی۔ امرا، سکون و وقار سے چلتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے حبشی خواجہ سرا تلواریں لئے ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانیہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت عورتیں بھی چہل قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اوڑھے ہوتی ہیں۔ اُنکی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہے کہ رات کو بھی چھتریاں لگائے رہیں!

پورا ملک مسلح ہے۔ ایک آدمی بھی نہتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف امن امان قائم ہے۔ ہر کوئی اپنی جان کو ڈھونڈتا ہے، اور کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ میں تیرانا میں دو ہفتے رہا مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا فساد نہیں دیکھا۔

البانیہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں۔ چوری کی کبھی کوئی واردات نہیں سنی جاتی۔ مکانوں کے دروازے عموماً شب و روز کھلے رہتے ہیں۔ قفل لگانے کا رواج تقریباً مفقود ہے۔ ایک اجنبی کے لئے یہاں کے بازاروں میں خرید و فروخت بہت مشکل ہے۔ تمام یورپ اور امریکہ کے طلائی، نقرئی، اور نکل کے سکے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک اِن تمام سکّوں سے واقف نہ ہو جو بے شمار قسم کے ہیں، لین دین نہیں کر سکتا۔ مگر تم بے کھٹکے بازار میں جا سکتے ہو۔ جو چاہو خریدو۔ دکاندار جو سکّے بھی دے، بے گنے لے لو۔ ناممکن ہے تمھیں کبھی دھوکہ دیا جائے۔ ایک دن میں نے نوٹ خریدے دکاندار نے میرے نوٹ کی ریزگاری دے دی۔ اسمیں ترکی، اور یونانی، امریکن، اور صربی (سروین) سکّے ملے جلے تھے۔ میں نے رقم بغیر گنے جیب میں رکھی اور روانہ ہو گیا۔ ابھی ۵۰ ساٹھ قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی مڑ کے دیکھا تو تین چار آدمی بے تحاشا دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ ہاتھ ہلاتے ہیں۔ میں رُک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں جوتے والا لڑکا ہانپ رہا ہے:

"جناب!" اُسنے ندامت سے آنکھیں نیچی کرکے کہا "مجھ سے سخت قصور ہوا۔ میں بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھنے کے لائق نہیں۔ آپ کو کم رقم دی ہے۔ یہ لیجئے آپکے دام ہیں معاف کیجئے!"

لیکن پُرامن البانیہ کے سر پر اب جنگ کا بھوت چڑھ رہا ہے۔ تیرانا اس وقت فوج سے لبریز ہے۔ شب و روز جنگی قواعد اور جنگی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تمام فوجی بارکیں سپاہیوں سے پُر ہیں حتیٰ کہ اکثر مسجدیں بھی سپاہیوں کے لئے خالی کر دی گئی ہیں۔

"مگر یہ جنگی طیاریاں کیوں ہیں؟" "یوگوسلاویا کی طرف سے اندیشہ ہے" یہ جواب دیا جاتا ہے۔ مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ پوری حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احمد زوغو کو اپنی شخصیت بڑھانے کی فکر ہے۔ ٹرکی کے مصطفیٰ کمال، اٹلی کے موسولینی، اسپین کے پرائمو ڈی ریویرا کی طرح احمد زوغو بھی البانیہ کا مطلق العنان ڈکٹیٹر ہے مگر وہ اس منصب پر قانع نہیں۔ وہ البانیہ کا نپولین بننا چاہتا ہے۔ تاج شاہی کے لئے اُس کا سر مضطرب ہے۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اٹھائے اور اپنے سر پر رکھ لے!

احمد زوغو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہے۔ تین ہزار زبردست سپاہی اُس کی شب و روز حفاظت کرتے ہیں اُسکے محل کے سامنے ایک مکان میں اُس کی ماں رہتی ہے۔ وہ روزانہ اسکی*

* ملاقات کو جاتا ہے۔ مگر اس طرح جاتا ہے کہ دونوں دروازوں کے سامنے سپاہی صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ برہنہ شمشیروں کی چھاؤں میں بندوں ۸۰ قدم کی مسافت طے کرتا ہے!

(علامہ عبد الرزاق)

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

۲

آپکی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور اور خطبہ دیا:

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی؛ اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو، تم سب کو اللہ میری طرف سے جزا ء خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میرا اِن کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑ لو اور تاریکی میں اِدھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔"

یہ سنکر آپ کے اہل بیت بہت بہت رنجیدہ اور بےچین ہوئے جعفر عباس نے کہا "یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپکے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!"

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دی" وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہینگے کہ ہم اپنے شیخ، سردار، اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار کھائی۔ نہیں واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، آل و اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپکے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر بھی گزرے گی۔ آپکے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!"

آپکے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا:

"کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپکا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ اِن شقیوں کے سینے میں توڑوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہیگا، تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!"

سعد بن عبد اللہ الحنفی نے کہا "واللہ ہم آپ کو اُس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اُڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں، ۷۰ مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپکی حمایت میں فنا ہو جاؤں۔"

زہیر بن القین نے کہا "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپکی اور آپکے اہل بیت کے اِن نونہالوں کی جانیں بچ جائیں!" (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہ)

حضرت زینب کی بےچینی اور آپکا وصیۂ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام حوی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یادہر اف لک من خلیل ۔ کم لک بالاشراق والاصیل!

اے زمانہ! تیرا بُرا ہو، تو کیسا بے وفا دوست ہے! صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل ۔ والدہر لا یقنع بالبدیل!

کتنے مارے جاتے ہیں؟ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کبھی عوض قبول نہیں کرتا۔

وانما الامر الی الجلیل ۔ وکل حی سالک السبیل!

اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے!

تین چار مرتبہ آپنے یہی شعر دُہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سُنے تو وہ بےقابو ہو گئیں بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و زاری کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس شیطانی کی بےصبریاں حلم و ایمان و استقامت پر غالب آ جائیں" انھوں نے روتے ہوئے کہا:

۔کیونکر اس حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟" آپنے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اسپر ان کی بیقراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور شدت غم سے بے حال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپنے ایک طولانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپنے کہا "بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعزیت سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے، اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں" (یعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپنے اور آپکے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسینؑ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین۔ ماکان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب[1]" دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی! ہم ہی طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسینؑ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں اُن کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اُس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہوسکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا "اے حسینؑ! قیامت سے پہلے ہی تونے آگ قبول کرلی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے" حضرت نے منع کیا۔ "نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے "الٰہی! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہوگیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بیوفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!" (شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپنے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہوکر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کرلینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اسے قبول کرسکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمھارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کردو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمھارے سارے ساتھی ایکا کرلو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے"

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہوگئیں اور خیمے سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپنے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا کہ انھیں خاموش کرائیں۔ اور کہا "ابھی انھیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپکی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبد اللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپنے اسپر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبد اللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپنے از سر نو تقریر شروع کی:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اُس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذو الجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے "سیدا شباب اہل الجنۃ"؟ (جنت میں نوجوانوں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آجتک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ، کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے؟ اگر تم میری بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ اُنھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

کوفہ والوں کا جواب

آپنے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپنے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا "اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے، زمین سرسبز ہوگئی، نہریں اُبل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آئیے" اسپر اُن لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور انھوں نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا" آپ چلا اُٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے واللہ تم ہی نے لکھا تھا!" اس کے بعد آپنے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"

ذلت منظور نہیں

یہ سُنکر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کردیں؟ وہ وہی برتاؤ کرینگے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو اُن سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"

آپنے جواب دیا "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں! واللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی اُن کے حوالے نہیں کروں گا" (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپنے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اُسکی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپکی طرف حرکت شروع کردی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اُسوقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہوجائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بُلاتے اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارے چہرے بگاڑ دینگے، تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کرینگے۔ بلکہ وہ تو یہ کام کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اُسوقت تک نہیں ٹلیں گے جبتک حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں" یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا "خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا سمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمھاری حمایت و نصرت کا مستحق ہے تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ اُسے اُس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسینؑ کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے: کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کرینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ، شانوں سے اُڑ جائیں گے" حر نے کہا "کیا اُن تین شرطوں

---

[1] دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل اُن کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ اُن کا جرم اور زیادہ ہوجائے۔ خدا مومنین کو اسی حال میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دیگا۔

پر ٹوٹ پڑے:

انا زہیر وانا ابن القین　　اذودہم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے اُنھیں حسینؑ سے دور کرونگا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسینؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم ہدیت ہادیا مہدیا　　فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑھ، خدانے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کریگا

وحسنا والمرتضیٰ علیا　　وذا الجناحین الفتی الکمیا

اور حسن سے اور علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہوگئے!

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ آپکے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہوجائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر اُن کی زبان پر جاری تھے:

قد علمت حقا بنو غفار　　وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضرب معشر الفجار　　بکل عضب صارم بتار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑادیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار　　بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زار زار رو رہے تھے۔ حضرت نے اُنھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی" انھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے تھے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہوگئے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد وثمود کی طرح تمھیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہوجاؤ! اے قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے!" بالآخر یہ بھی شہید ہوگئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہوگئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپکے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجز یہ تھا:

انا علی بن حسین بن علی　　نحن و رب البیت اولی بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قریب زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کریگا!

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہوگئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی "آہ! بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم!" لیکن حضرت حسینؑ نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہونچا گئے۔ پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھدی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

اِن کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؑ بھوکے باز کی طرح لوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اُٹھایا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ چکا تھا۔ زخم کھاکر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اُسے روندڈالا۔ راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسینؑ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرمارہے ہیں "اُن کے لئے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے! قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے! یا جواب دے مگر تجھے اُس کی آواز نفع نہ پہونچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھائی۔ لڑکے کا سینہ آپکے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب!"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسینؑ پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ عین اُسوقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپکے پاس لایا گیا۔ آپنے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی۔ آپنے تیر اُس کے حلق سے کھینچکر نکالا، خون سے چلو بھرا اور اُس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں! الٰہی! اگر تونے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہو!" (یعقوبی و ابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے۔ اِن میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبد اللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبد اللہ بن عقیل (۴) عبد الرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبد اللہ بن جعفر (۷) عون بن عبد اللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبد اللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبد اللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبد اللہ بن الحسین۔

ایک بچے کی شجاعت

اِن سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر لے۔ لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہوگیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ بالی کانپتا ہوا اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؑ نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو۔ آنے نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کریگا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اُسنے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذراسی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچادے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسینؑ کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپنے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اُس کے قدم اُکھاڑ دئے۔ عبد اللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؑ پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اُسوقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگیا ہو، ایسا شجاع ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں اُنکے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسینؑ سے بالکل قریب ہوگیا تھا۔ زینبؑ نے پکار کر کہا "اے عمر! کیا ابو عبد اللہ تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوجائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اُس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپکے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپکو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپکے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپنے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے آپنے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اُس کے ساتھیوں

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو آپنے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا " بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا۔ مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا"

حر بن یزید یہ سنکر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا۔ حر نے اُس سے کہا " تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہو تاکہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں " میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہو میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہکر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑہنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا " کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے لگا:

" تمھاری خاموشی مشتبہ ہو۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہو؟ تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

" بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کرلی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگاکر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچکر کہا " ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسنے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپکا پیچھا کیا، اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپکے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب ہوتا۔ میں اپنے تصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا " ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہو؟" اُسنے کہا " حر بن یزید" فرمایا " تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہو۔ تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر، دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا " اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کرلیتے۔ تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا " یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے" عمر نے کہا " میری دلی خواہش تھی کہ اُن کی شرطیں منظور کرسکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر برسانا شروع کردیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہکر تیر پھینکا " گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہو" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام لیسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارز طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہمگر پیکار کرتے۔ لشکر حسین سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین نے اُنھیں منع کیا۔ عبد اللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: " مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چلکر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا، آپنے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا " بیشک یہ مرد میدان ہو" اور اجازت دی۔ عبد اللہ نے چند پہروں میں دونوں حریف زیر کرکے قتل کرڈالے اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑہنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔ فرمایا " اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کردئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کرڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمر بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا " بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑرہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کرکے قتل ہوتے جاؤگے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑہا اور کشت و خون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دوڑکر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھرکر فرمایا " مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا!" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کامل)

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہو۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کردئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہو کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کرڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر برمعلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا:

ان تعقروا بی فانا ابن الحر   اشجع من ذی لبد ہزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کردیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلا دئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کردئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے حسینی فوج کے صرف ۴۔۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین نے فرمایا " کچھ پرواہ نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے" اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دئے۔ مگر کبتک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے حتی کہ عبد اللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اوپر گزرچکا، قتل ہوچکا تھا۔ اُس کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کررہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی " تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کروا ڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑہنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا " دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہو۔ واللہ آپ اُسوقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے، جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہو کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت آگیا ہو" یہ سنکر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا " دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہوگئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے:

آلیت لا اقتل حتی اقتلا   ولن اصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہو کہ قتل نہیں ہونگا جب تک قتل نہ کرلوں، اور زخم کھاؤنگا تو اسی حالت میں کہ آگے بڑھ رہا ہونگا!

اضربہم بالسیف ضربا مفصلا   لا ناکلا عنہم ولا مہللا

انھیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈرونگا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چور ہوکر گرے اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہورہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپکے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑہتے ہوئے دشمن

حکم دیتا ہو کہ مجرم کو سزا دیجائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُسنے چوری کی ہو۔

اُس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہو، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہو، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آنسوؤں کا نظارہ کرسکے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر بہ رہے ہوں!

پھر اگر بدقسمت انسان قیدخانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہوجاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اُٹھاتا ہے، اور کہتا ہو اِسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے ابنائے جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہو انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو بُرائی پر مجبور کرتا ہو اور خود ہی سزا بھی دیتا ہو۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہو۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہو!

***

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں مکھیاں اور دلدل میں مچھر اُس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہو۔ بغداد کے قیدخانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادی میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

***

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی زہد و درویشی کی شہرت ہو، اُسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیّاری بھی مشہور ہو۔ پہلی شہرت نیکی کی ہو، دوسری بدی کی۔ دنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ نہیں کرسکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید ہو۔ اُس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہوگئے ہیں۔ تاہم اُسکی عیّاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی دلیرانہ چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن ساباط ہو" اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہوگئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ جرائم کا شیطان اور بُرائیوں کا عفریت تھا!

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سوق النخاسین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہو۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مرگئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہونچا دیا۔ یہ اب سے دو برس پیشتر کی بات ہو۔ یہ دو برس اسنے کہاں اور کیونکر بسر کئے؟ انکا حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اُس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اُس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کمسن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر و بے باک مجرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہوگئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اُس کے سر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیّار اور ایک چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسنے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہوکر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہوکر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرّافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوانخانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اُس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا سا عزم تھا، سپاہی کی مردانگی تھی، مدبّر کی سی دانشمندی تھی؛ لیکن دنیا نے اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرۃ کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرۃ کس فیاضی سے بخشتی ہو، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہو!

***

کچھ دنوں کے بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ اب یہ ایک کمسن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اسکا پہنچا الگ کردیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہو، دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونہی اُس کا ہاتھ کٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کردئے۔ اب اُسنے عراق کے تمام چور اور عیّار جمع کرکے اپنا اچھا خاصہ جتھا بنالیا اور فوجی سازوسامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچادیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُس پر یا اُسکے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔ ہر موقعہ پر صاف بچکر نکل جاتا۔ لوگ جب اُس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت رہجاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہو جرم کی ایک خبیث روح ہو۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہو مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

***

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ خر وقت آگیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہوجائے۔ ایک موقعہ پر جب اُسنے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی طیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کرلیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہو تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کیا۔ وہ طیار ہوگیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کردے۔ اُسنے عدالت سے کہا۔ اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرادے گا۔ عدالت نے منظور کرلیا۔ اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اُس کے سو سے زیادہ ساتھی اُس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اُتار دئے گئے! ان سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسنے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی اور بے وفائی ایسی بُرائی ہو جسے بُرے بھی سب سے بڑی بُرائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کردیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر بُرائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

***

بہرحال اب ابن ساباط مدائن کے قیدخانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہو۔ اُس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں۔ دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہو کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلادی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اُس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہو۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں ہو؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہو۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہو۔ اُنہیں ابن ساباط کی نہیں، اپنی دلچسپیوں کی فکر ہو!

***

انسان کی سب بے مہریوں کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہو! وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہو، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہو؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہو تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہو۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوجاتا ہو۔ وہ گھنٹوں اسپر رائے زنی کرتا ہو اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہو جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کیسی شقاوت ہو؟ اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہو اُس کے لئے کیسی مصیبت ہو؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہو۔ سارا شہر اُمڈ آتا ہو۔ جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہو۔ لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔ اگر چند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہوجائیں اور اُن کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہو، تماشائی جوش نظارہ میں مجنون ہوکر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس جہنمی منظر میں اُس مکان اور اُسکے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہو؟ اور جان و مال کی کیسی ہولناک

نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہو۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو، میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہیگا"

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہو کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ، کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمھارا برا ہو کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے پھر نرغہ ہوا آپنے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپکے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُسنے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرات نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپکو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر لیا!

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہو کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپکے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

قاتل

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اُس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اُس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا!:

اوقر ركابي فضة وذهبا — انا قتلت الملك المحجبا
مجھے چاندی سونے سے لاد دو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہو!
قتلت خير الناس اما وابا — وخيرهم اذ ينسبون نسبا
میں نے اسے قتل کیا ہو جسکے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہو!

عمر بن سعد نے اُسے اندر بلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا "واللہ تو مجنون ہو"۔ پھر اپنی چھڑی سے اُسے مار کر کہا "پاگل! ایسی بات بکتا ہو۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!"

(ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپکے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے پھر آپکے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی، کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالوگے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے" زین العابدین نے یہ سنکر اپنی بیماری آواز سے کہا "عمر بن سعد! خدا تجھے جزائے خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچا لیا!"

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اسکا وقت آیا۔ اُسنے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون طیار ہو؟" دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر ۔ خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست!

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی) (باقی)

افسانہ

محبت اور قربانی
یا
انتقام اور سزا؟

وکٹر ہیوگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

ہجرۃ کی تیسری صدی قریب الاختتام ہو۔ بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہو۔ معتصم کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہو۔ پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ریسس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہو۔

* * *

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہو۔ یہ جتنا کم ہوتا ہو، اُتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہو۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہو، اُتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ اُس کا کم ہونا خود اُس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانس پھونس کے جھونپڑوں میں رہتا ہو، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہو؟ محبت اور رحمت اُس میں اپنا آشیانہ بناتی ہو اور روح کی پاکیزگی کا نور اُس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہو۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہو، اُس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اُس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہو؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہو، صنعت و حرفت کا خزانے کھولتی ہو، دولت سر بفلک عمارتیں بناتی ہو، حکومت و اقتدار شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہو۔ لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہو، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بنجاتی ہو۔ وہی انسان جو جھونپڑوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرمجوشی تھا، اب شہر کے سر بفلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہو۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش و نعمت کے دستر خوان پر بیٹھتا ہو، تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہو، تو اُس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتایج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اُٹھاتا ہو، تو اچانک دنیا کی زبان کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہو۔ یہ "قانون" اور "انصاف" ہو۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور اُن کے دروازہ پر لکھا جاتا ہو "انصاف کا گھر"۔ انصاف کے اس "مقدس گھر" میں کیا ہوتا ہو؟ یہ ہوتا ہو کہ وہی انسان جس نے اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بدطور بنجانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پر ہیبت جبہ پہنکر آتا ہو، اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر

سخت محنت! افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بچھی ہے۔ یہ چمڑے کا تکیہ میں ابھی دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں" اُسنے تکیہ دیوار کے ساتھ لگاکر رکھ دیا "بس ٹھیک ہے۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگاکر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستالو۔ اتنی دیر میں میں تمھارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں"

اُسنے یہ کہا، اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اُسنے اپنی کمر سے رُومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہوکر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اُسنے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسنے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اُسنے پہلے وہ گٹھری کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر وہ تھان کھولکر بچھائے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، اُن سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھریاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُسنے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اسکے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُسنے اپنی عبا اُتار ڈالی، اور اسے بھی گٹھری کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اُٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا:

"میرے دوست، تمھارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کرسکو تو میں دودھ لے آؤں" اُسنے کہا، جبکہ اُس کے پُرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلآویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں!

قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ لوٹا، اور باہر نکل گیا۔

***

اب ابن ساباط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قویٰ میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا!

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام دماغی خصائل پوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں حالات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دلنواز صدائیں یاد کرتا، تو دہشت اور خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا جو آجتک اُسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ شخص ہے کون؟ تو اس کی عقل حیران رہجاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ تو قطعی ہے کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہے۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔

.......مگر پھر یہ شخص ہے کون؟......

اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا "استغفر اللہ" میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہے۔ تعجب ہے مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہے، اور اسی نواح میں رہتا ہے۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہے اور بہ اطمینان کام کرنے کا موقعہ ہے۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہوگیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بنجائے......"

***

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہوگیا۔

"یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہوگا" اُسنے کہا، اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا تامل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفہ نے اُس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

"دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کر لوں۔ اگر تم پسند کروگے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر لوں گا۔ لیکن دیکھو، میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پا سکتے، کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا" اُسنے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آواز میں اب تاثر نہیں تھا۔ تحکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُسنے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اُس میں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن ساباط سمجھ نہ سکا۔ اُسنے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہے۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ درندگی چمک اُٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہوکر کھڑا ہوگیا:

"بے وقوف، چپ کیوں ہے؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلاکر اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لوگے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو۔ اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو ....."

لیکن ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

"میرے عزیز دوست! کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹالیں جو ہمارے سامنے ہے۔ دیکھو میں نے دو گٹھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہے۔ ایک بڑی ہے۔ تمھارا ایک ہاتھ ہے اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھری تم اُٹھالو۔ بڑی میں اُٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہے، تو میں کچھ بھی نہیں چاہتا۔ اسوقت اُس کا فیصلہ کرا دوں۔ تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو"

"ہاں، اگر یہ بات ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر کوئی سردار نہیں مل سکتا" اُسنے بڑی گٹھری کے اُٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھری اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا

"دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے دُبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اُٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے" ساتھ ہی اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ جتنا مضبوط ہے، اُتنا عقلمند نہیں ہے ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا! اگر آج یہ احمق نہ ملجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھانوں پر قناعت کر لینی پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھری اُٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی، اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جسمیں پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھری کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اُٹھاکر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر جلدی تھی۔ وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اُٹھاکر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بارہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ آگئی کہ قریب تھا گر جائے۔ پھر بھی اُسنے رُکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا۔ گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن ساباط اس پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسنے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تامل گالیوں پر اُتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جسر دجلہ آیا۔ یہاں چڑھائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بےحد بھاری۔ اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اُسنے غضبناک ہوکر کہا "کُتّے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟" اجنبی ہانپتا ہوا اُٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُسنے فوراً گٹھری اُٹھاکر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہوگیا۔

***

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناتمام عمارت کا پرانا اور شکستہ احاطہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچکر رُک گیا

بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیں آسکی ہو، اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہو۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے ابنا جنس میں سے ایک بدبخت مخلوق سُولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ اُن تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہو سکتا ہو، سب سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہو۔ اتنا دلکش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر لٹکتی ہوئی نعش دیکھا رہتا ہو مگر اُس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کرلیں! لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا، خود اُس پر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس منحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہو۔ آدھی رات گزر چکی ہو۔ مہینہ کی آخری راتیں ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہو مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہو۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جارہا ہے۔ وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ اب اُسنے سانس لی۔ گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے اُبھرنے کی مُہلت ملی ہو۔ پھر اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی "یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہو" وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ "مگر کیا بدنصیبی ہو کہ جس طرف رُخ کیا، ناکامی ہی ہوئی۔ کیا پُوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہو جو دس برس کی طول طویل زندگی قیدخانہ میں بسر کرکے اب کسی طرح نکل بھاگا ہو، اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ ازسرِ نو شروع کر رہا ہو۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہو، اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے پر اُس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہو۔

اُسنے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دُور دُور کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دُور چلکر اسنے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دُور تک چلی گئی ہو اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر اُمرا کے باغ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اسنے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہو، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہونچکر رُک گیا اور سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اُسنے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اُسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھڑا ہوا تھا۔ ایک سکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اُسنے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے، اور وسط میں ایک لنبشہ بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا چھوتے ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندر چلا گیا۔ اندر جاکر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیا کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھجور کے پتوں کی پُرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چمڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیئے ہیں اور اُن کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں۔ اُسنے مکان کی موجودات کا یہ پُورا جائزہ کچھ تو اپنی اندھیری میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اُس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال میں "ایک ہاتھ کا شیطان" تھا جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگیا ہو!

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقعہ ملا تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اسنے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیا فراہم نہ کرسکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اُس کے لئے اس قدر دردانگیز نہیں ہوتا جس قدر اُس چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچا ہو۔ اسمیں شک نہیں، پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا۔ اُن کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی وزنی چیز چرا کر لیجانا آسان نہ تھا!

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اُس کے تمام باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم یہ کون احمق ہو جسنے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہو جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اُس میں گدہوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کردیا" اُسنے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمایش کی، "بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اُٹھایا جا سکتا ہو؟ ایک تھان کے اُٹھانے کے لئے گن کر دس گدہے ساتھ لانے چاہئیں"

لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اُسنے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اُسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اُٹھائے جا سکتے ہیں اُٹھالے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لیتا ہو تو لیجا نہیں سکتا۔ عجب طرح کی کش مکش میں گرفتار رہا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف کا کپڑا بیحد موٹا تھا۔ اُسے مڑور دیکر گرہ لگانا آسان نہ تھا۔ دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھری باندھنے کے لئے سود مند نہ تھے۔ اُسنے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کئے، دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کہنی سے سہارا دیا۔ لیکن کسی طرح بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کردیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اُس کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہوگئے تھے۔

* * *

اچانک وہ چونک اُٹھا۔ اُس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن ساباط گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کرسکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی خوف اور دہشت سے اُس کا خون منجمد ہوگیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شمعدان ہو، اور اُسے اس طرح اونچا کر رکھا ہو کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہوگئے ہیں۔

* * *

اس شخص کی وضع و قطع سے اُس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ ملگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اُس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسّی لپیٹ کر جسم پر چست کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی دیوار کی ٹوپی) تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اُس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی اُبھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جبین کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہوگئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کردی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اُس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اُس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے، جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اُس کے سامنے ہو۔ خصوصاً اُس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہو!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع اونچی کئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اُسے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہو۔ اُس کے چہرہ پر ہلکا سا زیرِ لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دُور کر دے سکتی ہو۔ اُسنے شمعدان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے ہو یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پاسکتا۔ دیکھو، یہ شمع روشن ہو اور میں تمھاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے"

وہ ایک لمحہ کے لئے رُکا۔ جیسے کچھ سوچنے لگا ہو پھر اُسنے کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمھاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہو۔ یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسی

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الهلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اُس نے ملک کے سیاسی، علمی، ادبی اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈھیگا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کی اجتماعی ذہنیت ظہور پذیر ہوئی۔

الهلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف سمتوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اِس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں علمی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اِس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ اِن کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اِس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ ستر روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اِس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مرتب ہوگئی ہیں۔ ہم اِس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو اطلاع دیتے ہیں کہ اِس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ موجودہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچینگی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ — " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الهلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متعدد پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ آنہ۔ محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ہے۔

مینیجر "البلاغ پریس"

اور اجنبی سے کہا یہیں بوجھ اُتار دو۔ پھر خود کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھریاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہوگیا، اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہخانہ) تھا جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکلکر پناہ لی تھی۔ لیکن اسوقت وہ سرداب میں نہیں اُترا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ اجنبی پر ابھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلادے۔

***

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل ایک ناتمام ایوان تھا یا تو اسپر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی، یا پڑی تھی تو امتداد وقت کو شکستہ ہوکر گر پڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا ابن ساباط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گٹھریاں سامنے دہری تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اب رات ختم ہونے پر تھی۔ پچھلی پہر کا چاند درخشندہ تھا۔ کھلی چھت سے اُس کی دہیمی اور ظلمت آلود شعاعیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا، اس لئے اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پُر اسرار اندازِ نگاہ کی دلاویزی سامنے ہے!

"میرے عزیز دوست اور رفیق!" اجنبی نے اپنی اسی دلنوا اور شیریں آواز میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو بیخود کر چکی تھی کہنا شروع کیا "میں نے اپنی خدمت پوری کرلی ہے۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بار بار تمھیں پریشان خاطر ہونا پڑا، اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے اُمید ہے تم معاف کردوگے۔ اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کردیں اور بخشدیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تمھیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہے۔ میں اُسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کرلی تھی میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اُٹھا رہے ہو۔ تم میرے گھر میں میرے عزیز مہمان تھے، افسوس میں آج اس سے زیادہ تمھاری تواضع اور خدمت نہ کرسکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے۔ آیندہ جب کبھی تمھیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آسکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے"

یہ کہا اور آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور تیزی کے ساتھ نکلکر روانہ ہوگیا۔

اجنبی خود تو روانہ ہوگیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسرے ہی عالم میں پہونچا دیا۔ اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اُسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سوجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں؟

***

دوپہر ڈھل چکی ہے۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی نکل رہے ہیں۔ دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا۔ اب دونوں نکل رہے ہیں۔ ایک تفریح کے لئے، دوسرا مزدوری کے لئے۔ لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گٹھریاں سامنے پڑی ہیں، اور اُس کی نظریں اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈھ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اُسنے اپنا ایک ہاتھ کٹوایا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے صبح کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی ہے۔ اور رات والے عجیب و غریب "اجنبی" کی صورت ہے۔ وہ خود تو اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھادی، جو اب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُسنے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سُنا تھا، وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پُتلہ اور نفس پرستی کی مخلوق ہے۔ وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے، اور اسمیں فیاضی، بخشش، اور قربانی کی بھی روح ہوسکتی ہے۔ بچپن میں اُسنے بھی خدا کا نام سنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اُسنے قدم اُٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا۔ نہ تو خود اُسے کبھی مہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے۔ جوں جوں اُس کی شقاوت بڑھتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی مقدار بھی بڑہاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اُسکی شقاوت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے صرف بے رحمی ہی کا خوگر ہوگیا۔

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے۔ یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دُور ہوجاتی ہیں۔ اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بیک دفعہ تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں، اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت و گمرہی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا۔ لیکن جونہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسنے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہوگئی، اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچائے جاتا!

اُسنے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا۔ اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہے، اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے۔ اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کرسکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرسکتا ہے۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اُسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے یکایک ایک بجلی آسمان سے گری:

"یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا لیکن اُس نے چور کو پکڑ کر سزا دلا دینے کی جگہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" اس "کیا سلوک کیا؟" کا جواب اُس کی روح کے لئے ناسور اور اُس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارا تھا۔ وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تپش بڑہتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گزرا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یاد کرتا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہوجاتی، تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کردیتا، اور آخر تک پہونچا کر پھر ابتدا کی طرف لوٹتا۔ "میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بھی چور سمجھا۔ اُسے گالیاں دیں۔ بے رحمی سے ٹھوکر لگائی..... مگر اُسنے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟" ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دہرانے لگتا۔

***

سورج ڈوب رہا تھا۔ بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ابن ساباط بھی اپنے عزلت گوشہ میں اُٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجھک کے باہر نکل گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اُسی حصہ میں پہونچا جہاں رات گیا تھا۔ رات والے مکان کے پہچاننے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا۔ یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے، اسمیں کون تاجر رہتا ہے؟"

"تاجر" بوڑھے لکڑہارے نے تعجب کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں"

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا۔

ابن ساباط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اسوقت بھی دروازہ کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی۔ وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگائے عجیب "اجنبی" بیٹھا تھا۔ تیس چالیس آدمی سامنے تھے۔ واقعی "اجنبی" "تاجر" نہیں تھا۔ شیخ جنید بغدادی تھے!

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب سب لوگ جا چکے، شیخ بھی اُٹھے جونہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا۔ یہ ابن ساباط تھا۔ اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں جلد کی سوتیں پھوٹ گئی تھیں۔ دیر تک روتی رہیں مگر اب بند کی سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہے جو باقی رہ سکتی ہے؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اُٹھایا۔ یہ کھڑا ہوگیا مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

***

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گذر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقۂ ارادت کے اُن افراد میں ہے جو سب میں پیش پیش ہیں۔ شیخ کہا کرتے ہیں "ابن ساباط نے وہ راہ لمحوں میں طے کرلی جو دوسرے برسوں میں بھی طے نہیں کرسکتے"!

***

ابن ساباط کو ۴۰ برس تک دنیا کی دہشت انگیز سزائیں نہ بدل سکیں، مگر محبت اور قربانی کے ایک لمحے نے چور سے اہل اسرار بنادیا!!

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۷ — کلکتہ : جمعہ ۲۹ ـ محرم ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی .

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .

پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ہی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی . کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

هماری رای مین بہترین حروف یہی هین . اگر فارسی اور ترکی کیلیے یه نا موزون نہین تو اردو کیلیے کیون نا موزون هون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیے . یاد رکھیے . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ور نه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري مراسم (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

علم الاثار مصر

(قدیم مصری عقائد ـ معاد اور حشر و نشر)

مقتبس از تحقیقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

(۲)

(ممي کرنا)

لاش کے ممي کرنے کا طریقه یه تها که پہلے ناک کے راستے سے دماغ نکال لیتے تهے - پهر معده اور آنتیں نکال کر پیٹ صاف کرتے تهے - قسم قسم کے خوشبوئیں اندر بهرتے تهے - پهر جسم کو نمک دیکر ستر دن تک نول تار میں رکهتے تهے - اس کے بعد دهوتے تهے اور کپڑے کی پٹیوں میں ملفوف کر دیتے تهے - جسم کي حفاظت کیلیے ٹونے اور ٹوٹکے بهي کرتے ' اور قسم قسم کے تعویذ لٹکاتے - یه دستور عام تها که چہرے اور انگلیوں پر سونے کا ملمع کر دیتے تهے - خیال تها که جس طرح سونا بگڑتا نہیں ' اسي طرح اِس عمل سے جسم بهي نہیں بگڑے گا - قبر کے اندر مردے کے کئي بت بهي رکهدیتے تهے - تاکه اگر جسم میں کچهه بگاڑ پیدا هو تو اِن بتوں کي وجه سے روح برابر آتي جاتي رهے - ممي کرنے کا جو طریقه مصریوں نے ایجاد کیا تها ' وہ علم کي اتني ترقي پر بهي جو بیسویں صدي تک هو چکي هے ' موجوده دنیا ایجاد نه کر سکي - حتی که اس کا مصالحه بهي همیں معلوم نہیں -

(سحر)

لیکن روح کي واپسي کے لیے صرف اسي قدر کافي نہیں تها - سحر کي بهي ضرورت سمجهي جاتي تهي - اِس موقعه پر جو سحر کیا جاتا تها ' وہ " اوزیس " کے افسانه سے اخذ کیا گیا تها - افسانه یه هے که "اوزي ریس" کو اُس کے بهائي "ست" نے قتل کر کے اُس کي بوٹیاں کاٹیں اور هر بوٹي دوسري بوٹي سے بہت دور پهینک دي - اُن کا خیال تها که اوزي ریس پہلا آدمي تها جسے موت آئي اِس سے پہلے آدمي مرتے نہیں تهے - اس کے قتل کے بعد اُس کي بیوي " ایزیس " بہن " نفتیس " ' بیٹے " هوریس " ' دوست " انوبس " اور " توت " نے سحر کے زور سے اُس کي منتشر بوٹیاں جمع کرلیں - اُنهیں باهم جوڑا ' اور جب پورا جسم جمع هوگیا تو اُسے برهنه ' ریگ پر کهڑا کردیا - پهر " هوریس " اور " توت " نے جادو کا اوزار اُس کے منهه ' آنکهه ' کان ' بازو ' اور پیروں پر رکها - اوزار رکهنا تها که فوراً پورا جسم اِسطرح جڑ گیا ' گویا کبهي کٹا هي نه تها - لیکن روح اب بهي واپس نه آئي - وہ تو قاتل " ست " کے قبضه میں تهي - یه دیکهکر " هوریس " ' " توت " اور اُن کے ساتهیوں نے روح کي جستجو شروع کي - آخر معلوم هوا که روح تین جانوروں : بیل ' هرن ' اور بط میں سما گئي هے - انهوں نے کوشش جاري رکهي ' اور اِن جانوروں کے جسم سے روح نکالنے میں کامیاب هو گئے - اُس وقت " هوریس " خوشي خوشي روح لایا ' اور اپنے باپ " اوزي ریس " کے منهه پر بوسه دیکر اُس کے جسم میں اتار دي - " اوزي ریس " زنده هو گیا - شاید اُسي وقت سے بوسه ' محبت کي علامت قرار پا گیا هے !

اس واقعه کے بعد سے " اوزي ریس " دائمي زندگي کا دیوتا تسلیم کرلیا گیا - کیونکه موت اُسے مغلوب نه کرسکي - اس دیوتا سے دوسرے دیوتاؤں ' فرعونوں ' اور تمام مصریوں کو زندگي حاصل هوئي - سقاره میں چهٹے خاندان کے ایک هرم پر " کتاب ابدیت " کا یه باب کنده هے اور پڑهه لیا گیا هے -

(آخرت کي زندگي)

مصریوں کا ابتدا میں عقیده یه تها که آخرت میں بهي انسان بالکل ویسي هي زندگي بسر کرتا هے ' جیسي دنیا میں اسکي زندگي هوتي هے - فرق صرف اسقدر هے که یہاں کے مصائب و آلام وهاں نہیں هیں - یہي سبب هے که وہ مردے کي قبر میں وہ تمام چیزیں رکهدیا کرتے تهے جو دنیاوي زندگي میں اُسے مرغوب تهیں - چنانچه قسم قسم کے کهانے ' کپڑے ' زیور ' ساتهه دفن کردیتے تهے اور سمجهتے تهے ' وہ مرنے کے بعد بهي اِنسے متمتع هوگا - یہي نہیں بلکه قبر کي دیواروں پر ان چیزوں کي تصویریں بهي بنا دیتے تهے - نیز اُسکي دلچسپي کي چیزوں مثلاً شکار ' دریا ' میدان جنگ وغیره کے مناظر بهي کنده کردیتے - اُنهیں یقین تها که سحر کے ذریعه یه تمام تصویریں اور نقوش اصلي هوجائینگے ' اور اُن سے مردے کو وهي لطف حاصل هوگا جو زندگي میں حاصل هوتا تها !

لیکن بتدریج اِن خیالات میں وسعت هوئي - اُنهوں نے محسوس کیا که دنیاوي زندگي آخري زندگي کا کوئی اعلی نمونه نہیں هے - چنانچه اسي کا نتیجه هے که " جنت " کا خیال پیدا هوا -

(جنت)

لیکن جنت کے تخیل نے بهي بتدریج ترقي کي - شروع میں انکي جنت ' سر زمین مصر هي جیسا ایک خیالي خطه تها جسمیں نہریں جاري تهیں ' سبزه لہلہاتا تها ' زندگي کي جمله دلفریبیاں جمع تهیں - لیکن اس جنت میں باوجود هر قسم کے آرام و راحت کے ' آدمي کو محنت کرنے پر بهي مجبور هونا پڑتا تها - اُسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کهانے کے لیے خود هي کهیتي کرني پڑتي تهي - بعد میں محنت کا خیال جاتا رها ' اور بلا کسي تکلیف کے کهانا پاني حاصل هونے لگا - اِس کے بعد جنت سر زمین مصر سے اٹهکر ملاء اعلی میں پہنچ گئي جہاں کي رونق اور دلفریبي حد تصور سے باهر هے !

یه معاد کے مصري عقیدے کي انتہائي ترقي تهي -

والٹیر

جسنے کلیسائی اور شاہی استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا !

مہذب ' سنجیدہ ' با اصول ' فیاض ' اور دوستوں کا وفادار دکھائی دیتا ہے - کبھی اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تلا ہے - کبھی دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر اڑا ہے - والٹیر ایسی ہی متناقض صفات و اخلاق کا مجموعہ ہے !

لیکن یہ صفتیں اسکی شخصیت کی اصلی بنیادیں نہیں ہیں - اسکی شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم تھے ' وہ اسکی اعلی دماغی قابلیت اور حیرت انگیز ذہانت تھی - ثبوت کے لیے کسی تاریخی شہادت کی ضرورت نہیں - اسکی کتابیں خود سب سے بڑی شہادت ہیں - نوارے ضخیم جلدیں اسکی یادگار ہیں - انکا ہر صفحہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہے - ہر سطر اپنی جگہہ پر ایک کامل سحر ہے - اتنی بڑی ' اتنی کثیر ' اتنی متنوع کتابیں ' کم لوگوں نے چھوڑی ہیں - وہ معلومات و مباحث کی وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتی ہیں - تاہم حشو و زواید بہت کم ہیں -

خود والٹیر کا قول ہے " میرا پیشہ یہ ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں آئے اسے کہڈالوں " زندگی بھر اسنے اسی پر عمل کیا - لیکن اسکے ذہن میں ہمیشہ وہی آتا تھا جو کہنے کے لائق ہوتا تھا - لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تھا ' اسکی سب سے بڑی مہارت یہ تھی کہ ہر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کردیتا تھا کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے !

والٹیر کی سب سے زیادہ موثر ' دلچسپ ' اور عجیب تحریریں وہ ہیں ' جو اس نے مسیحی کلیسا کے خلاف لکھی ہیں - معلوم ہے کہ اس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اسی کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا - ان تحریروں میں اس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں - لفظ اور سطریں نہیں ہیں ' جوار فوجیں ہیں جو حملہ آور ہو رہی ہیں - در حقیقت مسیحی کلیسا کے ہزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسی کے نوک قلم سے ٹوٹے ' اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسی طرح بھی استوار نہ ہوسکے !

والٹیر کی شہرت صرف اسکی کتابوں اور قصیدوں ہی سے نہیں ہوئی بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھی تھا - انہیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے اسے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمی بنا دیا !

والٹیر ' غضب کا محنتی تھا - کام سے کبھی نہیں تھکتا - یہی سبب ہے کہ وہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ گیا ' جتنا اسکے کسی ہم عصر کے امکان میں نہ تھا - اسکی غیر معمولی چستی کے ثبوت میں خود اسی کے بہت سے اقوال پیش کیے جا سکتے ہیں - وہ کہتا ہے :

" سستی اور عدم ایک چیز ہے "

ایک اور جگہہ لکھتا ہے :

" تمام آدمی اچھے ہیں ' بجز انکے ' جنکے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ! "

اسکے سکرٹری کا بیان ہے :

" والٹیر بڑا سخی تھا - صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تھا "

اسکا مشہور مقولہ ہے :

" زندگی کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاہئے ... میری عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے ' محنت کی ضرورت کا اتنا ہی زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے - جو شخص محنت کا عادی ہوجاتا ہے ' اسے محنت میں اتنی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ زندگی کی تمام کلفتیں بھول جاتا ہے "

اسکا یہ قول ضرب المثل ہوگیا ہے :

" اگر خود کشی منظور نہیں ہے تو اپنے لیے کوئی کام پیدا کرلو "

اسی جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اسکے دل میں خود کشی کا خیال پیدا ہوا کرتا تھا - اسی لیے وہ ہمیشہ کام میں منہمک رہتا تھا -

(اٹھارھویں صدی کی روح)

ویکٹر هیوگو کا قول ہے :

" والٹیر اور اس کی روح کا سمجھہ لینا پوری اٹھارھویں صدی کی روح کا سمجھہ لینا ہے "

" اٹلی ایک بڑی تہذیب کا منبع تھا - جرمنی سے اصلاح دینی کا سر چشمہ پھوٹا - لیکن فرانس ؟ تو فرانس میں والٹیر تھا - والٹیر ایک پوری قوم تھا - انقلاب عظیم کی دعوت تھا - نہیں ' سرتاپا انقلاب تھا - فرانس کا مشہور انقلاب ' جس نے خون کی موجوں سے ایک نئی دنیا پیدا کردی ' والٹیر ہی کا ایک افسون حیات تھا - یہ شخص اپنے اندر سب کچھہ رکھتا تھا - اس میں " مونتیں " کا شک تھا - " رابیلیہ " کا تمسخر تھا - " لوتھر " کی حملہ آورانہ قوت تھی - اسی نے میرابو ' مورات ' دانتن ' روبسپیر ' پیدا کیے تھے ' اور وہ بارود بنائی تھی جس سے انہوں نے دنیا کے تمام نظام ہائے قدیم کی عمارتیں بہ یک دفعہ ہوا میں اڑادیں ! "

لامارتین کہتا ہے :

" اگر انسان کا عمل اسکی عظمت کا میزان ہے تو بلا شک والٹیر موجودہ یورپ کا سب سے بڑا کاتب تھا - قدرت نے اس کی عمر میں برکت دی - ۸۳ سال زندہ رہا - قدیم نظام کے معائب معلوم کیے ' اس کے خلاف جہاد کیا ' اور جب مرا تو وہی فتحمند تھا - "

کسی مصنف کو بھی اپنے عہد میں اتنا اقتدار حاصل نہیں ہوا ' جتنا والٹیر نے حاصل کیا تھا - تمام جہاں اس کا مخالف تھا - کلیسا جو اس وقت تک سب سے بڑی قوت تھی ' دشمن تھا - حکومت خون کی پیاسی تھی - اسے قید کیا گیا - جلا وطن کیا گیا - ذلیل کیا گیا - اس کی کتابیں روکی گئیں ' جلائی گئیں '

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

والٹیر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کی بے مایگی ہرگوشۂ علم و فن میں نمایاں ہے - لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک کمی یہ ہے کہ اس وقت تک علوم و ادبیات کی وہ اُمہات و اصول بھی اردو میں منتقل نہ ہوسکیں جن کے بغیر موجودہ عہد کی کوئی زبان ' ترقی پذیر زبان تسلیم نہیں کی جا سکتی - " اُمہات و اصول " کا لفظ جب کبھی علوم و کتب کے لیے بولا جاتا ہے تو اُس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہر علم و فن کی وہ بنیادی چیزیں ' جو بمنزلۂ اصل و اساس ہیں ' اور جنھوں نے اپنے اپنے دائرۂ بحث و نظر میں مبادیات و قواعد کا درجہ حاصل کر لیا ہے - مثلاً منطق میں ارسطو کا مقالہ ' ریاضی میں اقلیدس کے مقالات ' قانون میں سولن کے مباحث ' طب میں جالینوس کے رسائل خمسہ ' نظام حکومت میں افلاطون کی جمہوریۃ ' تاریخ میں میں ہیرو دوٹس کی کتاب ' فن بلاغۃ میں جاحظ کے مقدمات ' قصص میں الف لیلہ ' منطق استقرائی میں بیکن کا مقالہ ' وغیرہ ذلک - علوم و ادب کا کتنا ہی وسیع و رفیع ذخیرہ فراہم ہوجائے ' مگر وہ سب برگ و بار ہیں - سب سے پہلے اُن کی جڑیں زبان میں اُستوار ہونی چاہیئں - لطف یہ ہے کہ یہ کام کچھہ ایسا دشوار بھی نہیں - اہل علم کی اگر ایک مختصر جماعت مستعد ہوجائے ' تو دو تین سال کے اندر اُمہات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو جا سکتا ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ نہ تو اس وقت تک ہم میں ایسے اہل علم پیدا ہوئے ہیں جنھیں خدمت علم کا اس درجہ شوق ہو ' نہ ملک میں علمی طلب ہے جو اہل علم کو اِس طرف متوجہ کرے - بنیاد ان تمام کار و بار علم کی قومی تعلیم ہے ' اور وہی اس وقت تک مفقود ہے -

اِس سلسلہ کا ایک اہم گوشہ یورپ کی جدید تاریخ اجتماع و تمدن کی اُمہات و اصول اور اُنکے رجال علم و نظر ہیں - موجودہ دور کی تاریخ ' انقلاب فرانس سے شروع کی جاتی ہے - انقلاب فرانس کی تخم ریزی جس عہد میں ہوئی ' وہ اٹھارھویں صدی کا ابتدائی حصہ ہے - اِس عہد میں چند شخصیتیں ایسی پیدا ہوگئی تھیں ' جنکی دماغی سیرت میں وقت کی تمام انقلابی قوتیں سمٹ آئی تھیں - وہ سرتا پا پیکر انقلاب تھیں - اُنھی کے دماغ و قلم نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی ' اور اُنھی کے مبادیات و اصول ہیں جن سے یورپ کے نئے دور کی تاریخ کا آغاز ہوا - مورخین نے انہیں " انقلاب کے ارکان ثلاثہ " سے تعبیر کیا ہے - اگرچہ تعداد میں تین سے زیادہ ہیں ' لیکن قلم و کتابت کی تقسیم میں اُنکے حلقے تین ہی ہیں :

(۱) والٹیر Valtaire -

(۲) روسو Rausseou -

(۳) اور انسائیکلو پیڈیا کے اہل قلم The Encyclopedie -

آخری جماعت اس لقب سے اسلیے موسوم ہوئی کہ اس نے سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کی ' اور علم اور حریت فکر کے مباحث کی اشاعت اُس کے اوراق و مجلدات کے ذریعہ ہوئی - اس میں سب سے زیادہ نامور اہل قلم دو تھے : ڈیڈرو diderot اور ڈلامبرٹ D' Alembert -

ایک مدت سے مجھے خیال تھا کہ ان ارکان ثلاثہ کی وہ تحریریں جن کا شمار اُمہات و مبادیات میں سے کیا جاتا ہے ' اردو میں منتقل کردی جائیں ' تاکہ علاوہ اردو علم ادب کی تکمیل کے ' غیر انگریزی داں طبقہ کے مطالعہ کیلیے تاریخ جدید کے ذہنی مبادیات مہیا ہوجائیں ' اور وہ اسکے محاسن و نقائص ' دونوں سے با خبر ہوسکیں - کئی سال ہوے ' میں نے روسو کا "لا کنٹرکٹ سوشیل" Le Contrat Social اور ایمیل Emilius ترجمہ کیلیے بعض دوستوں کو دیا تھا - کچھہ حصہ کا ترجمہ ہوا بھی ' لیکن افسوس ہے کہ انکی بے ذوقی تکمیل سے مانع ہوی اور اُسکے بعد مجھے بھی توجہ کرنے کی مہلت نہ ملی - میرے کرنے کے کام دوسرے ہیں جن کی تکمیل و اشاعت سے ابتک عہدہ برا نہ ہوسکا - ان کاموں کے لیے وقت کہاں سے لاؤں ؟

لیکن اب الہلال شائع ہوا ہے تو اسکے صفحات کے تنوع میں ہر طرح کے بحث و نظر کی گنجائش ہے - خیال ہوا ' کم از کم ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایسا مرتب کردیا جاے ' جس سے ایک حد تک کتابوں کے فقدان کی تلافی ہوسکے - چنانچہ آج " والٹیر " سے یہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے - اس کے تین حصے ہیں - پہلا حصہ جو آج شائع کیا جاتا ہے اُسکی دماغی سیرۃ پر اجمالی نظر ہے اور اُسکے مختصر حالات زندگی پر مشتمل ہے - دوسرے میں اُسکے اصول و تعلیمات کا خلاصہ ہے - تیسرے میں اسپر نقد و تبصرہ ہے - اور وہی اس سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم چیز ہوگی -

(والٹیر)

ایک دن والٹیر ' مشہور رقاصہ روماییل کے ساتھہ اُسکی گاڑی میں بیٹھا تھا - رقاصہ تھیٹر جا رہی تھی جہاں آج والٹیر کے شہرۂ آفاق ڈراما " میروب " کی مشق کرنا تھی - وہ بہت پریشان تھی - کہنے لگی " کامیابی کے ساتھہ یہ ڈراما اور اُسکے دقیق جذبات دکھانے کیلیے ضروری ہے کہ میرے جسم میں شیطان حلول کر جائے "

" سچ ہے بیگم ! ہر فن میں کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ شیطان جسم میں حلول کر جائے " والٹیر کا جواب تھا !

والٹیر کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کلیسائی حریفوں نے بیک زبان کہا ہے کہ شیطان اسکے اندر حلول کیے تھا - چنانچہ سینٹ بوف کا قول ہے " ابلیس اُسکے جسم میں تھا " روہیسٹر کہتا ہے " یہہ شخص ' جہنم کی تمام قوتوں اور ہولناکیوں کا مالک تھا " !

در اصل والٹیر اپنے وقت کا پورا آدمی تھا - یورپ کی اٹھارویں صدی کی ادبیات کی سچی تصویر اِس فلسفی شاعر میں ہم دیکھہ سکتے ہیں - اُسکی تصانیف میں اُس عصر کی جملہ بھلائیاں اور برائیاں ' دونوں جمع ہوگئی ہیں - کبھی وہ نہایت مذموم ' کج خلق ' بد اطوار ' فحاش ' بے اصول ' مفرط ' اور کمینہ نظر آتا ہے - کبھی از حد لطیف '

پڑا - یہ اُس کا پہلا عشق تہا - اسلیے عمر بہر اسکی چبھن دل میں باقی رہی !

سنہ ۱۷۱۵ - میں والٹیر اپنے والد سے علحدہ ہوکر پیرس پہونچا - اسی زمانہ میں لوئی چہاردہم نے انتقال کیا اور لوئی پانزدہم تخت نشین ہوا - بادشاہ کمسن تہا ' اسلئے سلطنت کی باگیں اسکے مربی فلیپ دورلین کے ہاتھوں میں آ گئیں - یہ شخص کم ہمت اور ضعیف الارادہ تہا - ملک میں بد امنی پہیل گئی - پیرس اسکا مرکز تہا - والٹیر شورش پسندوں میں داخل ہوگیا ' اور اپنی بے باکی اور جرات کی وجہہ سے بہت جلد ممتاز جگہ حاصل کرلی -

اسکی جرات کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ نائب سلطنت نے کفایت شعاری کے خیال سے شاہی اصطبل کے آدھے گہوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تہا - اس پر والٹیر نے ایک مضمون میں لکہا " کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کی فروخت کا بہی حکم صادر کردیتے جو حضور کی اونچی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں ! "

حکام کی نظر سے یہ مضمون گذرا تو سخت برہم ہوے - پہر نائب سلطنت کی ہجو میں دو قصیدے شایع ہوئے اور خیال کیا گیا کہ والٹیر نے ہی لکھے ہیں - اب پوری حکومت سکی دشمن ہوگئی - ایک دن کسی تقریب گاہ میں نائب سلطنت نے والٹیر کو دیکہا اور بلاکر کہا " میں تم سے شرط باندھتا ہوں کہ عنقریب تمہیں ایک ایسی جگہہ دکھاؤنگا جسے تمہاری ان آنکھوں نے کبھی نہیں دیکہا ہے ! " والٹیر نے تمسخر سے سوال کیا " وہ کون جگہہ ہوسکتی ہے ؟ " نائب نے کہا " باسٹل کی تاریک کوٹھریاں ! "

اس گفتگو پر پورے چوبیس گہنٹے بہی نہیں گذرے تہے کہ والٹیر باسٹل کے خوفناک قید خانہ میں بند تہا - یہ واقعہ سنہ ۱۷۱۷ - ء کا ہے - کاش اُس وقت حکومت کو معلوم ہوتا کہ ایک دن بہی باسٹل والٹیر کے پیدا کردہ انقلاب کے ہاتھوں منہدم ہوکر رہیگا !

اس وقت تک والٹیر اپنے اصلی نام " فرانسوا ماری اروبہ " سے مشہور تہا - لیکن قید ہونے کے بعد آیندہ حکومت کے شکنجہ سے بچنے کے لیے ' ایک فرضی نام اختیار کرلیا جو والٹیر تہا - یہ فرضی نام اس درجہ مشہور ہوا کہ آج تاریخ کے سوا کہیں بہی اس کا اصلی نام نہیں ملسکتا -

قید خانہ میں اسنے بڑی ہمت و جرات سے کام لیا ' اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب " ہنریاڈ " تصنیف کی - یہ در اصل ہنری چہارم کا قصہ ہے جو پہلے پروٹسٹنٹ ہوا تہا - پہر دوبارہ کیتہولک ہوگیا ' اور آخرکار قتل کیا گیا -

قید خانہ میں وہ گیارہ مہینے رہا - اس اثنا میں اُسے سخت جسمانی تکلیفیں دی گئیں - لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آ گیا - عزت کے ساتھہ رہا کر دیا گیا اور سالانہ وظیفہ بہی مقرر ہوگیا - والیٹر کی شوخ طبعی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اُس نے نائب سلطنت کو شکریہ کا خط اِن الفاظ میں لکہا تہا :

" اعلی حضرت نے میرے رزق کا جو اہتمام کیا ہے ' اس کے لیے شکرگزار ہوں - مگر میری دست بستہ درخواست ہے کہ میری سکونت کے انتظام کرنے کی حضور کبھی زحمت گوارا نہ کریں !

اُسکا اشارہ قید خانہ کی طرف تہا -

باسٹل سے نجات پانے کے بعد والٹیر نے اپنا مشہور ڈراما " اوڈیپ " لکہا - یہ ایک نہایت ہی درد انگیز قصہ ہے - بہت مقبول ہوا اور مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تہیٹروں میں دکھایا

گیا - والٹیر کے والد کو اِسکا حال معلوم ہوا تو خاص اُسکے دیکھنے کے لیے پیرس آیا - تماشہ دیکھتے وقت اپنی مسرت بار بار یہ کہکر ظاہر کرتا " آہ شیطان آہ شیطان ! "

اسی ڈراما میں اُسنے اپنے یہ انقلاب انگیز خیالات ظاہر کیے ہیں :

" ہمارے کاہن ویسے نہیں ہیں جیسا سادہ لوح عوام اُنہیں سمجھتے ہیں "

" ان کاہنوں کے علوم و معارف کیا ہیں ؟ در اصل ہماری سادہ لوحی اور زود اعتقادی ہی اُن کے علوم و معارف ہیں ! "

" ہمیں اپنی قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاہیے - ہر چیز خود اپنی آنکہوں سے دیکھنی چاہیے - درحقیقت ہماری عقل ہی ہمارا معبود ' ہمارا عبادت خانہ ' اور ہمارا کاہن ہے "

اس ڈراما سے والٹیر نے چار ہزار فرانک حاصل کیے - اُس نے یہ رقم ضایع نہیں کی - بلکہ اُسے اپنا رأس المال قرار دیا اور بڑی ہوشیاری سے اُسے بڑھاتا رہا - اسکا اصول تہا کہ آدمی کو اپنی روزی اپنی محنت سے کمانی چاہیے اور اپنی کمائی سے کچھہ نہ کچھہ پس انداز ضرور کرنا چاہیے - وہ کہا کرتا تہا " فلسفہ چہانٹنے سے پہلے آدمی کو زندہ رہنے کی حکمت سیکھنی چاہیے " !

الهلال

کا

یہ ۷ - واں نمبر ہے

لیکن

اس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوئی زحمت نہیں دی ہے - کیا آپ کو خود اس طرف توجہ نہ ہوئی ؟

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے - یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہوجاے -

---

دنی که چھاپنے ' بیچنے ' اور پڑھنے والوں تک کو سزا دی گئی - مگر والٹیر کے عزم و همت میں فرق نه آیا - وه تمام دشمنوں پر غالب آیا - تمام مشکلات پر فتحمند هوا - اُس نے همیشه حق و حقیقت کا اظہار کیا اور بالاخر دنیا کي گردنیں اُس کے علمي و عقلي جبروت کے آگے جھک گئیں - یا تو اُسے ذلیل سمجھا جاتا تھا - یا پھر یه هوا که بادشاه ' شہنشاه ' اور روم کے پوپ تک ' اُس کي خوشامدیں کرنے لگے - سب اُس کي هیبت سے لرز اٹھے - پاپاؤں کي روحاني گدي اور بادشاهوں کے زریں تخت هلنے لگے - آدھي دنیا نے اِس ساحر کے لیے اپنے کان کھول دئے اور اُس کي زبان و قلم کا هر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اُتر گیا !

والٹیر ایک ایسے زمانه میں پیدا هوا تھا جس کي سب سے بڑي ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تھي - جرمني کا نیٹشے کہتا هے " هنسنے والے شیروں کے نمودار هونے کي ضرورت هے " والٹیر نے یه نہیں کہا' مگر وه سچ مچ کو شیر کي طرح گرجتا اور هنستا هوا اٹھا ' اور قدیم نظام کي کہنه عمارت ڈھا دي - درحقیقت یورپ کي موجوده لادادي اور تہذیب کا سہرا دو هي آدمیوں کے سر هے : والٹیر اور روسو - اِنھي دونوں نے انقلاب فرانس کي تخم ریزي کي' اور وه سب کچھه مہیا کر دیا جس کي اِس انقلاب کو ضرورت تھي - بدنصیب لوئي شانزدهم نے قتل هونے سے چند دن پہلے قید خانه میں والٹیر اور روسو کي کتابیں دیکھي تھیں - وه بے اختیار چلا اٹھا " اِنھي دو آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا هے ! " ظاهر هے که فرانس کي بربادي سے بدنصیب بادشاه کا مقصود اپنے خاندان کي بربادي تھي - نپولین اعظم کہا کرتا تھا " بور بون (فرانس کا خاندان شاهي) اپنا تخت و تاج محفوظ رکھه سکتا تھا اگر والٹیر اور روسو کا منهه بند کر دیتا " خود والٹیر کہتا هے " کتابیں هي قوموں پر حکومت کرتي هیں " اِسي کا مقوله هے " دماغي تربیت سے بڑھکر کوئي ذریعه آزادي کا نہیں" ایک اور موقعه پر اُس نے کہا " جب قوم سوچنے لگ جائے تو پھر منزل مقصود سے اُسے روکنا نا ممکن هو جاتا هے " والٹیر کے ظہور کے ساتھه فرانس نے سوچنا شروع کیا ' اور دنیا کي کوئي قوت بھي اُسے آگے بڑھنے سے روک نه سکي -

(مختصر سوانح حیات)

والٹیر کا اصلي نام " فرانسو ماري اورِیه " هے - سنه ١٦٩٤ ع میں پیرس میں پیدا هوا - اُس کا باپ رجسٹرار تھا اور ماں ایک شریف گھرانے کي خاتون تھي - خیال کیا جاتا هے که والٹیر نے اپني غصه ور طبیعت اپنے باپ سے ورثه میں پائي تھي ' اور ذهانت ماں سے - والٹیر کے پیدا هونے میں اُس کي ماں کو اِتني تکلیف هوئي که جانبر نه هو سکي - وه خود بھي از حد کمزور تھا - حتی که اُس کي دائي نے گود میں لیتے هي کہه دیا تھا " بچه ایک دن سے زیاده نہیں جیئگا " لیکن اُس کا اندازه غلط تھا - وه ٨٤ سال تک زنده رها - البته بیماریوں اور جسماني تکلیفوں میں همیشه مبتلا رها -

والٹیر کا ایک بڑا بھائي بھي تھا - اسکا نام " ارمان " تھا - لیکن وه آزاد خیالي کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر ڈالا گیا - اُسکا ایک واقعه بہت مشہور هے - وه جب قید تھا اور پھانسي کا حکم صادر هوگیا تھا' تو بعض دوستوں نے راے دي- توبه کر کے جان بچالے- لیکن یه سنکر وه بہت غضب ناک هوگیا - اُس نے کہا " دوستو! شکریه - اگر تم خود پھانسي پر لٹکنا پسند نہیں کرتے تو اُن لوگوں کي راه کیوں روکتے هو جو پھانسي پانا پسند کرتے هیں ؟ "

والٹیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کي شکایت کیا کرتا تھا " خدا نے مجھے دو پاگل بیٹے دیے هیں : ایک تو نثر کا جنون هے' دوسرے کو نظم کا " والٹیر نے شعر کہنا اُس وقت سے شروع کیا جبکه وه اپنا نام بھي صحیح طور پر نہیں لکھه سکتا تھا - اُسکا باپ عملي زندگي کا عادي تھا - اُسنے اپنے لڑکے کي یه حالت دیکھکر افسوس کے ساتھه یقین کر لیا که یه بالکل ناکاره نکلیگا - اُسے کیا معلوم تھا' ایک دن اُسکا یہي " ناکاره " تمام یورپ کا سب سے بڑا اهل قلم تسلیم کیا جائگا !

والٹیر کي ماں کے انتقال کے بعد اُسکا خاندان پیرس چھوڑ کر دیہات میں جا بسا - یہاں ایک دولتمند فاحشه نے والٹیر کو دیکھا اور اُسمیں آثار ذهانت و نجابت پائے - چنانچه مرنے سے پہلے وه یه نیک کام کر گئي که دو هزار فرنک والٹیر کو هبه کر دیے - تا که " اس روپیه سے اُسے کتابیں خرید دي جائیں "

والٹیر کو اِن کتابوں سے بڑا نفع هوا - وه عمر بھر اِس آبرو باخته عورت کا احسان مند رها - اِسکے بعد ایک راهب کو اُس سے محبت هوگئي - لیکن یه راهب دراصل ملحد تھا - اِس نے اُسے مسلک و الحاد کي تلقین کي' اور کلیسا کے طرف سے نفرت و انکار دلنشین کر دیا -

اِسکے بعد وه پادریوں کے مدرسه میں دیني تعلیم حاصل کرنے کیلیے داخل کیا گیا - یہاں اُسے فن مناظره اور علم کلام سیکھا - اُس وقت بڑا علمي کمال یه سمجھا جاتا تھا که ایک هي مسئله کو به زور جدل دو متناقض پہلوؤں سے ثابت کردکھائے - والٹیر نے اِس فن میں کمال حاصل کر لیا - نتیجه یه نکلا که کسي مسئله پر بھي اُسے یقین باقي نه رها - مدرسه میں وه بڑا محنتي طالب علم مشہور تھا - حتی که فرصت کے اوقات میں بھي جبکه اور لڑکے کھیل کود میں مصروف هوتے' وه اساتذه سے لاهوتي مسائل پر بحث کیا کرتا - اپني طالب علمانه زندگي کے متعلق وه کہا کرتا تھا " پادریوں نے مجھے لاطیني زبان اور بہت سي بیہوده بکواس سکھائي هے ! "

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملي دنیا کي طرف توجه هوئي' اور اپنے لیے کوئي پیشه منتخب کرنا چاها - اُسنے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کہدیا " میں شعر و ادب کو اپنا پیشه بناؤنگا " باپ بہت خفا هوا اور بہت سمجھایا - مگر اُسنے ایک نه سني اور اپني هٹ پر قائم رها - لطف یه هے که اِس پیشه کے متعلق خود اُسکي رائے یه تھي : " شعر و ادب اُن لوگوں کا مشغله هے جو اجتماعي زندگي میں بے فائده بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجھه هونا چاهتے هیں - یه اُن لوگوں کا پیشه هے جو بھوکوں مر جانا پسند کرتے هیں "

٢١ - برس کي عمر تک والٹیر نے اپنے تئیں رندي و عیاشي کیلیے وقف کر رکھا تھا - راتیں باهر گزارتا تھا اور دن گھر پر :

همه شب شراب خوردن همه روز خواب کردن !

اُسکے والد کو اِس بتھنگ سے بڑي تکلیف تھي- اُسنے لاکھه کوشش کي مگر اصلاح کي کوئي صورت نه نکلي - آخر اپنے ایک سخت گیر رشته دار کے هاں بھیجدیا - شروع میں تو اِس نئے مربي نے بڑي سختي کي - لیکن پھر اُسکي غیر معمولي قابلیت و ذهانت دیکھکر آزاد چھوڑ دیا - والد کو معلوم هوا تو اُسنے واپس بلا لیا اور هالینڈ میں فرانسیسي سفیر کے حواله کر دیا که اپني نگراني میں رکھے - یہیں هالینڈ کے پائے تخت لاهائي میں والٹیر نے ایک دوشیزه سے عشق کیا' مگر راز جلد کھل گیا' اور حضرت کو هزاروں حسرتوں کے ساتھه وطن بھاگنا

پر جوش نو مسلم هي کا استقبال کر سکتے تھے - بونا پارٹي (بونا پارٹ کو اسکي فوج محبت سے اور انگریز حقارت سے "بونا پارٹي" کہتے تھے) اسکے لیے بھي بے دریغ طیار ھو گیا "

نپولین کے مورخوں میں فین سب سے زیادہ جوش مخالفت رکھتا ھے - اس نے اپني تاریخ صرف اسلیے لکھي ھے تا کہ وہ تمام مواد جمع کردے جو نپولین کي مخالف جماعتوں نے اسکے خلاف راے عامہ پیدا کرنے کیلیے طیار کیا تھا - وہ اس معاملہ میں اسکي " انتہا درجہ کي شیطنت " محسوس کرتا ھے ؛ اور واقعہ کے ناگوار پہلوؤں کي تکمیل کیلیے اتنا حصہ اور بڑھا دیتا ھے کہ " اس نے بار بار مسلمان مشایخ کو خوش کرنے کیلیے مسیحي مذھب کي ھنسي اڑائي اور عیسائیوں کو گالیاں دیں "

بوربون خاندان اور انکے حامیوں نے نپولین کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا ایک خاص صیغہ قائم کر رکھا تھا - ھر مہینہ کوئي نہ کوئي رسالہ انگلستان سے چھپکر نکلتا اور تمام یورپ میں تقسیم کیا جاتا - اس کام کیلیے تنخواہ دار اھل قلم مہیا کیے گئے تھے - انھي میں ایک شخص ٹیبر نامي تھا - اسنے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا کہ " کیا بونا پارٹ ترک (مسلمان) ھو گیا ھے ؟ " تھیرس اس رسالہ کا ذکر کرتے ھوے لکھتا ھے " اس میں نپولین کي کئي تصویریں اس طرح کي بنائي گئي تھیں ' جیسي از منۂ وسطی (مڈل ایجز) میں پیغمبر اسلام کي بنائي گئي تھیں - نہایت خونخوار قیافہ - چشم و ابرو سے قتل و خونریزي کے جذبات ٹپک رھے ھیں - ایک ھاتھہ میں برھنہ تلوار ھے - دوسرے میں قرآن "

چند سالوں کے بعد جب نپولین نے پوپ کو پیرس بلایا تاکہ اس کي تاج پوشي کي رسم ادا کرے ' تو لندن کے ایک اخبار کا کارٹون بہت مشہور ھوا تھا - اس میں نپولین کے ایک ھي دھڑ پر دو رو پشت چہرے بنائے تھے - ایک پر پگڑي تھي - ایک برھنہ تھا - پگڑي والے سر کے منھہ سے یہ الفاظ نکل رھے تھے " میں مشرق میں اس لیے آیا ھوں تا کہ دین محمدي زندہ کردوں " مگر برھنہ سر کہہ رھا تھا " میں مشرق سے واپس آگیا تاکہ نوٹر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلاوا سنوں ! " پہلا جملہ نپولین کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا - دوسرا اس کي ایک پر جوش تقریر سے ' جس میں اس نے مذھب کي ضرورت اور تاثیر پر زور دیتے ھوئے کہا تھا " میرے حافظہ میں کسي چیز کي یاد اس قدر عمیق تاثیر پیدا نہیں کرتي ' جس قدر گرجے کے گھنٹے کي مسلسل صدائیں "

لیکن جب کہ مخالفین نے اس معاملہ کو اس درجہ اھمیت دي ' تو موافقین نے بھي اس کي اھمیت گھٹانے میں کوئي کمي نہیں کي - نپولین کے اکثر ثنا خواں اس بارے میں ساکت رھے ھیں - بعضوں نے ذکر کیا بھي ھے تو اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے اپنے اعلانات میں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاھر کیا تھا - بعض نے انکار و تغلیط میں صراحت سے بھي کام لیا ھے اور لکھہ دیا ھے کہ " یہ واقعہ ھي سرے سے غلط ھے " فوشے اور کلیبر مورخانہ سنجیدگي کے ساتھہ لکھتے ھیں " منجملہ ان تہمتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشي تھیں ایک تہمت یہ بھي تھي " کین تھیوم اور لیس کیس نے (اور آخرالذکر ان لوگوں میں سے ھے جو سینٹ ھلینا میں نپولین کے رفیق رھے تھے) اس معاملہ کا کوئي ذکر نہیں کیا ھے - بوریین نپولین کا سکریٹري اور مصر و شام میں اس کے ساتھہ تھا - وہ نپولین کے واقعات مصر بہت تفصیل سے بیان کرتا ھے ' لیکن اس معاملہ کا کوئي ذکر نہیں کرتا - خود نپولین نے سینٹ ھلینا میں اپنے سوانح حیات پر اپنے خیالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں میں مرتب ھوکر شائع ھوئے - اس میں وہ مصر کے واقعات کا بہ تفصیل ذکر کرتا ھے - اسلام کا بھي ذکر کرتا ھے - یہ بھي کہتا ھے کہ اگر ضرورت ھوتي تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامي ممالک زیر نگیں کر لینے اور ایک عظیم مشرقي مملکت کي بنیاد رکھدینے میں مجھے تامل نہ ھوتا - لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا -

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولین کے حملۂ مصر کا زمانہ اگرچہ مشرق کے دماغي و علمي تنزل کے بلوغ کا زمانہ تھا ' اور مصر و شام کے عہد وسطی کي رھي سہي علمي قوتیں نویں صدي ھجري میں تقریباً ختم ھو چکي تھیں ' تا ھم جامع ازھر کے وسیع حلقۂ درس و تدریس کي بدولت علم کي کمیت بدستور قائم تھي - اگر چہ کیفیت مفقود ھوچکي تھي - شہاب الدین خفاجي صاحب درۃ الغواص - سید مرتضی زبیدي صاحب تاج العروس - شمس الدین الشامي صاحب سیرۃ الشامیہ و عقود الجمان - ابو بکر مرعي صاحب ؟ ب الدریہ - نور الدین الحلبي صاحب سیرۃ حلبیہ - ابن ؟ المحبي صاحب خلاصۃ الاثر - ابو الفتح اسحاقي صاحب لطائف الاخبار - ابو العباس مقري صاحب نفح الطیب - شمس الدین بکري صاحب تحفۃ البهیه - ابن یوسف الحلاق صاحب تحفۃ الاحباب - شمس الدین تمرتاشي صاحب تنویر الابصار - شرنبلالي شارح متون حنفیہ - شیخ اسماعیل زرقاني شارح موطا و مواھب - وغیرہ علماء مصر کا زمانہ تقریباً گیارھویں اور بارھویں صدي ھجري کا زمانہ ھے ' اور اس عہد سے متصل ھے جب نپولین مصر میں داخل ھوا ھے - ھجري سنہ کے حساب سے حملۂ مصر سنہ ۱۲۱۳ - میں ھوا ھے - یعنی تیرھویں صدي کے بالکل اوائل میں -

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اس زمانے میں بھي علماء مصر و شام ' خصوصاً علماء ازھر کي ایک بہت بڑي تعداد موجود تھي جو درس و تدریس کے ساتھہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھي رکھتي تھي - ان میں سب سے زیادہ نمایاں اشخاص جنکا نپولین اور فرانسیسي حکام سے زیادہ سابقہ رھا ' یا انھوں نے اس عہد کے حالات قلمبند کیے ' حسب ذیل ھیں :

(۱) شیخ عبد اللہ الشرقاوي : جامع ازھر کے مشاھیر اساتذہ میں سے تھے - نپولین نے مصر کے شہري انتظام کے لیے چودہ ارکان کي ایک مجلس شوری بنائي تھي جو " دیوان " کے نام سے پکاري جاتي تھي - شیخ شرقاوي کو اسکا رئیس منتخب کیا تھا - انھوں نے ۲۰ سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑي ھیں - ان میں ایک قیمتي کتاب تحفۃ الناظرین ھے جس میں فرانسیسیوں کے حملہ سے لیکر انکي واپسي تک کے چشم دید حالات بالاختصار بیان کیے ھیں - سنہ ۱۱۵۰ میں پیدا ھوے ' اور ۱۲۲۷ مطابق سنہ ۱۸۱۲ میں انتقال کیا - تحفۃ الناظرین مصر میں چھپ گئي ھے -

(۲) شیخ سلیمان فیومي : یہ بھي اساتذۂ ازھر میں سے تھے ' اور مشیخت کے درجہ تک پہونچ چکے تھے - نپولین نے انھیں بھي " دیوان " کا رکن منتخب کیا تھا - نپولین کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کلیبر کو سلیمان حلبي نے قتل کرڈالا اور فرانسیسیوں نے فوجي عدالت میں تحقیقات کي ' تو یہ بڑے مخمصہ میں پھنس گئے - لیکن بالاخر نجات پائي - انھوں نے بھي ایک مختصر رسالہ

تاریخ و عبر

فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان ہوگیا تھا ؟

اٹھارھویں صدي کے اوائل کا ایک تاریخي مبحث

نپولین کا حملۂ مصر اس کي فاتحانہ اوالعزمیوں کا ایک غیر معمولي واقعہ ہے - اُس کي زندگي کے تمام مورخوں نے یہ واقعہ بڑي شرح و تفصیل سے لکھا ہے - یکم جولائي سنہ ۱۷۹۸ ع کو فرانسیسي فوج نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تھا ' اور سنہ ۱۸۰۱ ع میں واپسي پر مجبور ہوئي تھي -

لیکن اس حملہ کي داستان کا ایک واقعہ ایسا ہے جس میں نہ تو تمام مورخ متفق ہوسکے - نہ کوئي ایک رائے مضبوطي کے ساتھہ ظاہر کي جاسکي - بعضوں نے اُسے اِس درجہ غیر وقیع تصور کیا کہ یکقلم نظر انداز کر دیا - بعضوں نے اس قدر اھمیت دي کہ خاص خاص عنوان اور ابواب اُس کے لیے ترتیب دیے - نپولین کے عہد میں اور اُس کے کچھہ عرصہ بعد تک اُس کي مخالفت اور موافقت کے جذبات نہایت شدید تھے - اس لیے یہ واقعہ مخالفوں کے لیے بہت زیادہ اھم ' مگر موافقوں کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تھا -

یہ نپولین کے مسلمان ہونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرنے کا واقعہ ہے -

تمام تاریخیں متفق ہیں کہ نپولین نے مصر پہنچنے سے پہلے ہي ایسے اعلانات طیار کر لیے تھے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تھا اور مملوکوں کے خلاف (جو وہاں عملاً حکمراني کر رہے تھے اگرچہ حکماً سیادت دولۃ عثمانیہ کو حاصل تھي) اُبھارا تھا - ان اعلانات میں نپولین نے یہ بھي لکھا تھا " میں اسلام و قرآن کا مخالف نہیں ہوں - بلکہ سچا حامي ہوں - میں چاھتا ہوں اصلي اسلام تازہ ہوجائے ' اُس کي عظمت و شوکت برقرار رہے ' اور اُس کے دشمن ناکام و نامراد ہوں " اس میں بھي سب کا اتفاق ہے کہ اس نے مصر جاتے ہوئے راستہ میں اسلام و قرآن کي نسبت غیر معمولي واقفیت حاصل کرلي تھي - وہ مصر کے علما و مشائخ کو اپني واقفیت سے متعجب کردینے کي کوشش کرتا ' اور اُنھیں بار بار یقین دلاتا کہ اسلام کي بہت بڑي عزت اُس کے دل میں ہے - اس سے بھي کسي نے انکار نہیں کیا ہے اور خود اُس نے بھي اپنے سینٹ هلینا کے خود نوشتہ تذکرہ میں اعتراف کیا ہے ' کہ اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر اُس نے مصر کے مشائخ سے طول طویل گفتگو کي تھي' اور وہ کم سے کم شرطیں معلوم کرلي تھیں جو مسلمان ہونے کے لیے ضروري ہیں - یہ واقعہ بھي مسلّم ہے کہ اُس کے بعض فوجي افسر مسلمان ہوگئے تھے اور مسلمان خاندانوں میں رشتہ داریاں کرلي تھیں - چنانچہ ژاک مینیر جو کلیبر کے قتل کے بعد مصر کا فوجي حاکم منتخب ہوا تھا ' علانیہ مسلمان ہوگیا تھا ' اور " عبداللہ جاک " کے نام سے مشہور تھا - اُس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بھي کر لیا تھا -

لیکن ان تمام متفقہ امور کے ساتھہ جس بات میں اختلاف ہے ' وہ یہ ہے کہ نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو بھي ظاہر کیا تھا یا نہیں ؟

اُس کے مخالفین کہتے ہیں - وہ مسلمان ہوگیا تھا - یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا - اُنھوں نے نپولین کے جرائم کي فہرست میں یہ واقعہ بھي شامل کیا ہے ' اور اس سے اُسکي طبعي منافقت ' بے دیني ' اور ابن الوقتي پر استدلال کیا ہے -

نپولین نے جب شام پر حملہ کیا ' تو سر سڈني اسمتھ نے جو انگریزي بیڑہ کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا - اسمیں لکھا تھا : " وہ انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحي بہادر ہے پوري طرح بھروسہ کریں' اور نپولین کي کچھہ پروا نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا ' اور اب مصر کے شیخوں کے ھاتھہ پر مسلمان ہو چکا ہے ! "

نپولین کے مشہور بحري حریف لارڈ نیلسن نے اپني مشہور اور تاریخي آشنا ' لیڈي ھملٹن کو لکھا تھا :

" یہ کوئي تعجب کي بات نہیں کہ وہ (نپولین) مصر میں دین محمدي کا غازي بن گیا ہے اور اِسکي خبریں ہندوستان کے تباہ شدہ مسلمان نبابوں (نوابوں) تک پہنچ گئي ہیں مجھے یقین ہے - اگر اُسے اسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کي ضرورت ہوتي تو وہ بلا تامل اپنے تمام فوجي افسروں کے ساتھہ اُس درخت کے تنہ کي پوجا شروع کر دیتا جسپر وہ مردوں کي کھوپڑیاں رکھا کرتے ہیں ! "

انقلاب فرانس کا مشہور ابن الوقت تیلیراند Talleyrand نپولین کے تذکرہ میں لکھتا ہے " اُس نے کبھي اس بات پر ندامت ظاہر نہیں کي کہ وہ مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مملوکوں کي پگڑي اور جبہ پہنکر گیا تھا ' اور کہا تھا ' میں دین محمدي زندہ کرنے اور اسکے لیے جنگ مقدس کرنے آیا ہوں ! "

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نویس ایلیسن کہتا ہے " یہ اُس کي زمانہ ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیادہ مکمل مظہر تھا - اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت اس سے موافق ہوتي ' تو یقیناً وہ ہندوستان کے ساحل پر قرآن حمایل کیے ہوے اُترتا ' اور حیدر علي سے کہتا : میں دین محمدي کے دشمنوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلیے آگیا ہوں - اُسکے بعد اگر وہ دیکھتا کہ ہندوستان کے کروڑوں بت پرستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے بر خلاف اُبھارنے کیلیے اِسکي ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاہر کرے ' تو اس میں بھي اُسے اُتنا ہي تامل ہوتا ' جتنا تامل مسلمان ہونے میں ہوا تھا ! " -

سر والٹر اسکاٹ کا قلم اُن تمام انگریز اہل قلم میں جنھوں نے اُس عہد میں نپولین پر قلم اُٹھایا ہے ' زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے - وہ بھي اس واقعہ میں نپولین کي " منافقانہ طبیعت " کا پورا ظہور دیکھتا ہے اور لکھتا ہے " مصر کے متعصب ... صوف ایک

شیخ خلیل بکری

جو نپولین کے زمانہ میں نقیب السادات مصر تھے -

درج کیے جاتے تھے - یہ دنیا میں عربی زبان کا سب سے پہلا اخبار تھا - اس کی تحریر سید مذکور کے ذمہ تھی - اس طرح واقعات و حوادث کی کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعہ مل گیا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا - سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ ہے -

(دو شامی مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقی قلم آور بھی تھے جو اس عہد کے حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لا رہے تھے : نقولا ترک ' اور امیر حیدر شہاب -

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحی خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قسطنطنیہ سے آکر وہاں مقیم ہوگیا تھا - اس نے نپولین کی زندگی ھی میں نپولین کی تاریخ عربی زبان میں لکھی تھی جس کا پہلا حصہ مع فرانسیسی ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۹ ع میں پیرس سے شائع ہوا - اس حصہ میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک کے واقعات درج ہیں - اس کتاب کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے جب خیال کیا جائے ' کہ یہ مشرق کی سب سے پہلی کتاب ہے جو نپولین کے حالات میں لکھی گئی ' اور اس وقت لکھی گئی جب خود یورپ میں بھی اس کی کوئی بڑی تاریخ نہیں لکھی گئی تھی - نپولین کے حملۂ شام کے واقعات کا بڑا حصہ مصنف کے چشم دید واقعات میں سے ہے - اس نے سنہ ۱۲۴۴ - مطابق سنہ ۱۸۲۸ - میں انتقال کیا -

امیر حیدر لبنان کے خاندان " شہاب " کا ایک صاحب علم و قلم امیر تھا - اس نے کئی کتابیں شام و لبنان کی تاریخ میں لکھی ہیں جن میں نپولین کے حملۂ مصر و شام کے حوادث بھی آگئے ہیں - ان میں سے غرر الحسان اور نزھۃ الزمان خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں - امیر موصوف کا سال وفات سنہ ۱۲۵۱ - مطابق ۱۸۳۵ ع ہے -

(علماء مصر کی تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصری دیوان کے تمام ارکان کی تصویریں کھینچ لی تھیں - اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھ فرانس لے گئے تھے - جبرتی نے یہ تصویریں دیکھی ہیں ' اور ان کی صناعیوں پر تعجب ظاہر کیا ہے - مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربی طباعت کے اہتمام کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا ' اپنی کتاب " معلومات مصر " میں یہ تمام تصویریں درج کردی ہیں - ہم ان میں سے شیخ شرقاوی ' شیخ بکری ' اور شیخ سلیمان فیومی کی تصویریں اس تحریر کے ساتھ شائع کردیتے ہیں - ان سے اس عہد کے علماء و مشائخ مصر کی وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے آجائیگی - مصر و شام میں تاریخ اسلام کے ازمنۂ وسطی سے لیکر بارھویں صدی تک ' معاشرتی زندگی تقریباً یکساں رہی ہے - اس لیے یہ تصویریں اگرچہ صرف ڈیڑھ سو برس پیشتر کی ہیں ' لیکن ان کی وضع و قطع سے تقریباً چار سو برس پیشتر تک کی وضع و قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے - ساتویں ' آٹھویں ' اور نویں صدی ہجری کے علماء مصر و شام ' مثلاً امام ذہبی ' امام مزی ابن دقیق العید ' تقی الدین سبکی ' حافظ برزالی ' حافظ ابن حجر عسقلانی ' حافظ سخاوی ' جلال الدین سیوطی ' وغیرہم کا لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسی ھی ہوگی ' جیسی شرقاوی اور فیومی کی ہے - شیخ بکری کی زندگی چونکہ امراء کی سی زندگی تھی ' اس لیے وہ سمور کا جبہ پہنے ہیں اور ہاتھہ میں مصری شبقہ یعنی تمباکو کا پائپ ہے -

(عربی مورخین کی شہادت)

اب دیکھنا چاہیے کہ نپولین کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے میں ان مورخین کی شہادت کیا ہے ؟ اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر شہادت انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے - ان میں سے چند مورخ تو خود ان لوگوں میں سے ہیں ' جن کے سامنے نپولین نے اظہارات ہوئے ہونگے - مثلاً شیخ مہدی شیخ الازھر ' اور شیخ شرقاوی رئیس الدیوان - اور بعض ایسے ہیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند کر رہے ہیں اور اس بارے میں کوئی خاص مورخانہ تعصب نہیں رکھتے - مثلاً شیخ جبرتی اور سید اسماعیل خشاب -

ان کی شہادت یہ ہے کہ نپولین نے نہ صرف اپنے تئیں اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا ' بلکہ مسلمان ہونے کا بھی دعوی کیا تھا - وہ اسلامی لباس پہنکر علما و مشائخ سے ملتا ' مسجد میں جاتا ' اور نماز جمعہ میں شریک ہوتا - چنانچہ اس نے اپنی تصویر بھی اس لباس میں اتروائی تھی جو آجتک موجود ہے ' اور جسے پروفیسر مارسل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے - مزید تفصیل آئندہ نمبر میں ملیگی -

شیخ سلیمان فیومی

جو اس عہد کے مشاہیر علماء مصر میں سے تھے

حوادث مصر پر لکھا ہے : " الوقائع و الخوازل " سنہ ۱۲۳۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۱۶ میں انتقال کیا -

(۳) شیخ خلیل البکری - مصر میں عرصہ سے خاندان وفائیہ کا سجادۂ طریقت قائم ہے - جونکہ نسلاً حضرۃ " ابوبکر " کی اولاد میں ہیں - اسلیے " بکری " کہلاتے ہیں - جو شخص سجادہ نشین ہوتا ہے اسے " نقیب السادات " کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے جو سرکاری لقب ہے - نپولین کے زمانہ میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے - نپولین نے انھیں بھی دیوان کا رکن چنا تھا - ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسی افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ہوگئی تھی - نپولین اکثر انکے مکان پر آتا - یہ اسکی دعوتوں میں شریک ہوتے - انھی نے نپولین کو ایک جرکسی غلام بطور ہدیہ کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ہمراہ فرانس لے گیا تھا - یہ شاعر اور ادیب تھے - اسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے

نپولین مصری اسلامی لباس میں

جب اس نے جامع ازہر اور جامع حسینی میں نماز جمعہ ادا کی تھی

ہیں - بعض فرانسیسی مستشرقین اپنے ساتھ لیگئے اور پیرس میں ترجمہ کے ساتھ شائع کیا - سنہ ۱۲۳۵ ھ مطابق سنہ ۱۸۲۰ میں انتقال کیا -

(۴) شیخ محمد مہدی - یہ اسوقت جامع ازہر کے شیخ تھے اصلاً عیسائی تھے - بچپنے میں مسلمان ہوگئے اور ازہر میں تحصیل علوم کرکے علم و فضل کا درجہ حاصل کرلیا - یہانتک کہ مشیخت کے درجہ تک پہونچ گئے - یہ بھی نپولین کے دیوان کے رکن تھے - انہوں نے ایک کتاب الف لیلہ کی روش پر تحفۃ المستیقظ لکھی تھی جسے فرانسیسی اپنے ساتھ لیگئے اور فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس میں چھاپ کر شائع کیا - انہوں نے سنہ ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ ع میں انتقال کیا -

(۵) عبدالرحمن جبرتی - یہ اس عہد کا سب سے بڑا مورخ ہے - " جبرت " حبش کے قریب ایک موضع کا نام ہے - اس کے مورث

مرادبک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رہا

اعلی زیلع سے مصر آئے تھے - جب نپولین مصر آیا اور دیوان شوری مقرر کیا ' تو اس کے لیے ایک دبیر کی ضرورت ہوئی - اس دبیری پر اسی کا تقرر ہوا - اسطرح اسے موقعہ مل گیا کہ بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعہ کرے -

اس نے اپنے زمانہ کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھی ہے جو تاریخ جبرتی کے نام سے مشہور ہے - اسمیں پہلے ابن ایاس کی تاریخ مصر کی آخری تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دئے ہیں تا کہ ابن ایاس کی تاریخ کے لیے یہ تاریخ ذیل اور تتمہ کا کام دے - پھر سنہ ۱۱۴۰ ہجری سے لیکر سنہ ۱۲۳۶ - تک کے تمام اہم حوادث مصر تاریخ وار روزنامچہ کی طرح لکھے ہیں اور کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی ہے - غالباً سنہ ۱۲۴۰ - مطابق سنہ ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا -

افسوس ہے ' اس تاریخ کی قدر و قیمت سے مشرقی دنیا برابر غافل رہی - حالانکہ یہ اٹھارھویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل کے حوادث مصر کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے - نپولین کا حملۂ مصر اور محمد علی خدیو اول کا ظہور ' تاریخ مشرق کے نہایت اہم واقعات ہیں - جبرتی نے انکی چشم دید سرگذشت ایک روزنامچہ کی طرح مرتب کر کے پیش کردی ہے -

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھ عربی حروف اور مطبع بھی لے گیا تھا ' اور اس سے ایک سرکاری اخبار بھی جاری کیا تھا - اس میں عدالت اور فوج کے حالات اور سرکاری اعلانات

شیخ عبداللہ شرقاوی

صاحب تحفۃ الناظرین و رئیس دیوان مصر

ادبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہو۔ یونان اور روم جبکہ جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہو جال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح و سالم جثہ برآمد ہوا ہو۔ ہم اسی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی نوتب" چہارم تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا، اور ۱۳۷۵ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہو۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا۔ مصر نے صرف مادی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہمات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہو کہ اس کی قبر پر شیطانوں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ ننھی ننھی مورتیں اس کے کفن میں بطور تعویذوں کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مردے میں از سر نو روح پھونک دیتا ہو۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہو۔ اُن کا یہی عقیدہ تھا کہ ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہو۔ صرف موت اُسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا چیزیں قبر میں مہیا کر دی جائیں تو ہمزاد کا تعلق مُردے سے باقی رہتا ہو اور کبھی نہ کبھی اُس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہو۔

"آمی نوتب چہارم" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبود اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اُسے منسوخ کر کے "اخناتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخناتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہو "اخنا" اور "آتن"۔ "اخنا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا لیس "اخناتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورہ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ نہ کھانے کے میز ہیں۔ ان میں جو کچھ ہو وہ بادشاہ اور ملکہ کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی معاشرہ کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علماء مصریات کا خیال ہو کہ یہ آثار سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

قدیم مصری نظم

اُسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔ یہ پڑھ لئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہو۔ یہ درحقیقت معبود اعظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہو۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہو۔ ذیل میں اُس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہو تیرا طلوع افق آسمان میں!
اے رو پہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہو!
تو ہی خوبصورت ہو، عظیم ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں!
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہو!
اور تو ہی نے اُن پر انسانوں کو آباد کیا ہو!
ہاں، انسانوں کو، جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہو!
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا!
کہتے ہیں، تو دُور ہو، بہت دُور ہو!
مگر تو دُور کہاں ہو؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہو؟

رات

اے بادشاہ! جب تو آسمان کے پچھم میں لیٹ جاتا ہو
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہو!
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں
مُنہ لپیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہو!
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں
اُنکے سرہانے چور کھڑا ہوتا ہو، مگر اُنھیں خبر نہیں!
شیر کچھاروں سے نکلتے ہیں، سانپ ڈسنا شروع کرتے ہیں!
کیا ملکِ ظلمت کی فرمانروائی نہیں؟
کیا دنیا رعب سناٹے میں نہیں ہو؟
ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں محو خواب ہو!

دن اور انسان

یہ کیسی چہل پہل ہو؟
زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہو؟
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!
تو نے کائنات روشن کر دی!
تاریکی کا پتہ نہیں!
تو آسمان پہ مگر تیری شعاعیں زمین پر!
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہو!
آدمی خوشی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!
سب نہا دھو کر آئے۔
سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اُٹھ گئے۔
ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!
تیری بندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان و نبات

چوپائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔
درخت اور پودے کھلکھلانے لگے
چڑیاں بھی گھونسلوں سے اُڑ گئیں
پر شانے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!
ہر پرند اُڑ رہا ہے!
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہو!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں
اپنے مستول ہوا میں اُڑاتی ہوئیں!
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!
مچھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!
اے نور! وہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!
تیری شعاعوں نے موجیں توڑ دیں!
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!
تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی تجھی سے ملی!
وہ نہ روتا ہو نہ گھبراتا ہو
رحم مادر میں پڑا سوتا ہو!
تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہو!
ماں کے پیٹ سے نکلتا ہو اور نور دیکھتا ہو!
تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہو!
تب وہ بولتا ہو!
پھر تو ہی اُس کی ضرورتیں پوری کرتا ہو
اے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام بڑا ہو!

حیوان کی پیدائش

مرغی کا انڈا!
اُس کے اندر بچہ!
یہ تیری ہی قدرت ہو!
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہو۔
تو ہی نے انڈے میں سانس ڈالی!۔
دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!

پان يورپين تحريک اور امن عالم

ايک جرمن مدبر کي تجويزيں

اسوقت جبکه جنيوا ميں اسلحه کي تخفيف و تحديد کے مسئله پر بحثيں هو رهي هيں' ايک نئي کتاب کے مضامين يقيناً دلچسپي کے ساتهه پڑهے جائينگے جو حال ميں شائع هوئي هے' اور " پان يورپين تحريک " يعني وحدة اقوام يورپ کي تحريک کے ايک جرمن داعي کاونت رچرڈ کوڈنهو کيلرگي Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلي هے -

اس کتاب ميں مصنف نے پہلے امن عالم کي ضرورت پر بہت موثر پيرايه ميں نظر ڈالي هے - پهر ثابت کيا هے که اسکا تنها ذريعه يهي هے که " يورپين طاقتوں کي روز افزوں هتيار بندي موقوف کردي جائے " ليکن " هتيار بندي " سے مقصود کيا هے ؟ صرف لوهے اور آگ کے هتيار ؟ مصنف اس سے انکار کرتا هے - وه کهتا هے " صرف لوهے کے هتياروں سے نهتا کردينا کچهه مفيد نه هوگا - يورپ کو اس کے سياسي' اخلاقي' اور اقتصادي حربوں سے بهي نهتا کردينا چاهئے - اسکے بغير هتيار بندي کي مخالف تحريک بے فائده هے - جبتک بغض و حسد کے چهالے قوموں کے دلوں ميں موجود رهينگے' اس وقت تک دنيا ميں امن و امان قائم نهيں هو سکتا "

اسکے بعد مصنف لکهتا هے : " يورپ کي سلامتي کي دو هي صورتيں ممکن هيں : مختلف قوموں کے ما بين عدل قائم هو جائے' اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے ليے سلطنتيں اپني قوت استعمال کرنے پر متفق هو جائيں "

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربي طاقتوں کي موجوده جنگ جويانه حالت پر نظر ڈالي هے :

" وارسليز کے معاهده نے جرمني کو نهتا کر دينے کا فيصله کرديا هے - ليکن يه کهاں کي عقلمندي هے که جرمني کو اسکے مسلح پڑوسيوں کے درميان نهتا کر کے چهوڑ ديا جائے ؟ يورپ کے امن و امان کے کي بنيادي شرط يه هے که تمام سلطنتيں ايک ساتهه اور ايک هي قسم کا قدم اٹهائيں - يا تو سب مسلح هو جائيں' يا سب هتيار رکهديں - بعض کا هتيار بند رهنا اور بعض کا هتيار رکهدينا' امن کا نهيں جنگ کا موجب هے "

" يورپين سواحل کي سلامتي کي سب سے زياده آسان اور عملي صورت يه هے که برطانيا اپنے جنگي بيڑے کے ذريعه حفاظت کي ذمه داري لے لے - نه يه که هر سلطنت اپني بحري قوت بڑها کر جنگ کا ايک اور خطره پيدا کردے - اگر برطانيا اس پر راضي هو جائے که اپنا جنگي بيڑا يورپ کي ضرورتوں کيليے وقف کرديگي تو بلا شک دنيا کا امن و امان يقيني هو جايگا - ليکن برطانيا يه اسي وقت منظور کر سکتي هے جب تمام دول يورپ طے کر ليں که اپني مجموعي بحري قوت' برطانيا کي بحري قوت سے کم کر دينگي "

" ترکي کو مستثنى کر دينے کے بعد روس هي ايک ايسي سلطنت هے جسکي سرحديں خشکي ميں يورپ سے ملتي هيں - روسي سرحديں بهت وسيع هيں اور بے شمار مشکلات کا سبب بني هوئي هيں - روس کا اپنے تمام پڑوسيوں سے جهگڑا هے - سب سے زياده اهم اسکے سياسي اور اجتماعي جهگڑے هيں - پهر روس کي آبادي بهي بهت بڑي هے - جنگي طيارياں بهي عظيم هيں - اس سے بهي زياده خطرناک بات يه هے که اس کي اصلي غرض تمام دنيا ميں انقلاب پيدا کرنا هے - روسي مدبر حيرت انگيز مستعدي سے انقلاب کي تخم ريزي کر رهے هيں - جو شخص يه خيال کرتا هے که روس اپنے مقاصد کي اشاعت امن و آشتي سے کرني چاهتا هے' وه سخت فريب خورده هے - روس جنگ کو اپنے مقاصد کي کاميابي کا ايک هي ذريعه سمجهتا هے "

" روس سے مفاهمت کي صرف يهي ايک صورت هے که يورپ اس کي سرحدوں کا احترام کرے اور وه يورپ کي سرحدوں کا "

" يورپ کو کسي حال ميں بهي روس پر حمله کا اراده نهيں کرنا چاهيے - نه اس کے اندروني معاملات ميں کسي قسم کي مداخلت کرني چاهيے "

" يورپ کي داخلي سلامتي اس وقت تک نا ممکن هے جب تک اس کے موجوده سياسي نظام ميں مکمل تبديلي نه هوجائے - يورپ کي حفاظت کے ليے کوئي نه کوئي نظام ضرور مرتب هونا چاهيے "

" يورپ سے اچانک هتيار رکها لينا نا ممکن هے - اس معامله ميں پيش قدمي ان سلطنتوں کو کرني چاهيے جو اس کي زياده ضرورت محسوس کرتي هيں - جب يه سلطنتيں باهم ايک رائے پر متفق هو جائيں گي' تو دوسري سلطنتيں بهي ان کي پيروي پر مجبور هو جائيں گي - جنگي قوت کے اعتبار سے يورپ کي تو سلطنتيں زياده اهم هيں - اگر يه آپس ميں متحد الخيال هو جائيں تو تمام دول يورپ کو سر جهکا دينا پڑيگا جن کي تعداد اس وقت ۲۵ - هے - مجلس اقوام يا دول عظمي ميں سے کسي ايک کو اس مقصد کے ليے کانفرنس بلاني چاهيے - کانفرنس ميں حسب ذيل امور طے کرنے چاهئيں :

(۱) تمام دول يورپ پخته عهد کر ليں که ان ميں سے کوئي کسي پر اعلان جنگ نه کرے گي -

(۲) هر باهمي نزاع مابين الاقوامي عدالت کے سامنے فيصله کے ليے پيش کيا جايگا -

(۳) غير يورپين حملوں کے مقابله ميں تمام يورپ متحد هو جائيگا -

(۴) اگر اس معاهده پر دستخط کرنے والي ايک سلطنت دوسري پر حمله کرے گي' تو تمام دول مل کر اسے سزا ديں گي -

(۵) غير يورپين سلطنتوں سے دول يورپ نے جتنے معاهدے کر رکهے هيں' سب منسوخ کر دیے جائيں "

پوری قوت سے چلاتا ہو،
خالق کی ستائش کرتا ہو!
اپنے پنجوں پر دوڑتا پھرتا ہو!

دُنیا کی پیدائش

تیری صنعتیں کیسی عجیب ہیں؟
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!
اے ایک اکیلے معبود!

تیری جیسی قوت کس میں ہو؟
تو نے زمین پیدا کی جس طرح پیدا کرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!
تمام زمین کی مخلوق، پیروں سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پروں سے اُڑنے والی!
تو نے سرزمین شام پیدا کی، نوبیا پیدا کیا!
تو ہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر بسایا!
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!

اُسے دولت دی،
اُس پر موت لکھی،
سب کی شکلیں الگ الگ،
سب کی زبانیں جدا جدا،
کوئی کالا، کوئی گورا،
اے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہو!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،
اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،
سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،
اے پروردگار! کمزوروں کے مددگار!
اے زمین کے ہر گھر کے مالک!
اے روز روشن کے آفتاب!
تو ہی نے سب کو پیدا کیا،
تو ہی پہاڑوں پر موسلا دھار مینھ برساتا ہو،
پانی موجیں مارتا زمین پر بہتا ہو!
سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت سینچتے ہیں،
اے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!
سب جانور بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں
لیکن مصر کا نیل دوسری دنیا سے آتا ہو!
تیری شعاعیں اُس پر پڑتی ہیں!
سبزہ لہلہا اُٹھتا ہو!
باغ جھومنے لگتے ہیں!
تیرا نور زندگی ہو!
تجھی سے کائنات باقی ہو!

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

۳

حضرت زینب نے پامال لاشیں دیکھیں

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہو) روایت کرتا ہو کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ، حسین ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہو! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہو! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہو!" راوی کہتا ہو دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

۷۲ سر!

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہو کہ حسین کا سر ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپکے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اُسنے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلا اُٹھے: "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہو کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا "خدا تیری آنکھوں کو رلائے! واللہ اگر تو بڈھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شریروں کو غلام بناتا ہو۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا اُنھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!" (بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید[1] کی طرف منسوب ہو مگر صحیح یہی ہو کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہو جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہو؟" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلایا "اُس خدا کی ستائش جسنے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بٹہ لگایا!" اسپر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اُس خدا کے لئے جسنے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہو۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہو!" ابن زیاد نے کہا "تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں "اُن کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کریگا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کر لوگے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہو۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا!" اسپر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ اُنھوں نے کہا: "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہو تو ٹھنڈا ہو جائے!" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہو! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہو!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن الحسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے اُن کا نام پوچھا۔ اُنھوں

[1] بعض روایتوں میں ہو کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے!" اسیر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ[1]"

اسپر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی اُنھی میں سے ہے" پھر اُسکے بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب بیقرار ہوکر چیخ اُٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مؤمن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے ابھی کے ساتھ مار ڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر اِن سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کامل۔ وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جسنے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو نجات دی، امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور اُن کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔۔۔!" یہ سنکر عبد اللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہوکر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہوگئے اور چلائے، "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہے نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سنکر اُنھیں قتل کروا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہونچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہے؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حامیتوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپکو ہمارے حوالہ کردیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہمنے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اُنکے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں و گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہمنے اُن سب کا قلع قمع کردیا۔ اسوقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ اُن کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، اُن کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسین کو اُپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر۔ کامل

(تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُسنے یہ شعر پڑھا:

یفلقن ہاماً من رجال اعزۃ ۔۔۔ علینا وہم کانوا اعق واظلما

"تلواریں ایسوں کے سر چاک کرتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ در اصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔"

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں ہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کردیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محفز بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچکر محفز بن ثعلبہ چلایا "میں امیر المؤمنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سنکر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محفز کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اسپر خدا نے اُس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]" یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُسنے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر[2]"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُنھیں اپنے قریب بُلا کر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے! اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اُسنے ہمپر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سُرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُسوقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ اُنھوں نے چِلّا کر کہا "تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہو نہ اسے (یزید کو) اسکا حق ہے!" اس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کرسکتا ہوں" زینب

---

[1] خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے مر نہیں سکتا۔

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں آتی ہے۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کردیتا ہے۔

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں تمدنی اور مناعی ترقی کے افراط کا ردِ فعل - آمریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لئے کہ زندگی کی نسوانی مسرتیں ناپید ہو گئی ہیں!

آمریکہ عجائب و غرائب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اُس کا تصور بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیوی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا آمریکہ میں ...... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا آمریکن مسرتِ حیات کی جستجو سے فارغ ہو گئے ہیں؟

مجھے بغیر کسی تأمل کے جواب دینا ہے کہ نہیں!

قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی سیر" پر نظر ڈالنی چاہیے۔

چند دن ہوئے مڈل وسٹ میں ایک کمیٹی بنی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اُن اسباب کی تحقیق کرے جنہوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۰ صفحوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب و حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

امریکن دلہن

شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کا بھی یہ حال ہے کہ آمریکن دلہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہے تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے۔ وہ اچھی طرح اُن علمی و صناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اُسے اپنا گھر چلانا ہے آمریکہ کی گھریلو زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں۔ بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے۔ گھر میں روز کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن اِن کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اُس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ عورت جلد ان سے فارغ ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اُسے اخبار کا خیال آتا ہے اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تھک جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اُسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جماہیاں لیتی ہے۔ اونگھنے لگتی ہے۔ سو جاتی ہے۔ مگر جاگتے ہی پھر یہی بھیانک سوال اُس کے سامنے آ موجود ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ! میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟" ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ضرور ہے۔ مگر اس قدر متفکر، اس قدر پراگندہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں۔ باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ لو اتوار بھی آ گیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا۔ آج اتوار ہے، وہ میدان میں "گلف" یا "نٹ بال" کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "تندرستی" کا حق ادا کر رہا ہے! مگر اُس کی بدنصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور "صحت" کی چکی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل عبث۔ گھر میں تسلی نہیں ملی۔ دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درسگاہیں، مشترک زنانہ مردانہ یونیورسٹیاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں ملتی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گذارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علم النفس، علم الحیاۃ وغیرہ وغیرہ جو اُس کی جنسی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت دوشیزہ سے سوال کیا "تم یہ علوم کیوں پڑھتی ہو؟" اُسنے فوراً جواب دیا "حقائق اشیاء معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائق اشیاء" کا یہ قیمتی علم بلائے جان ہو گیا ہے!

آمریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق اشیاء کے جنون میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہونے چاہئیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ہر علمی مسئلہ محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محنت، خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں۔ علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہئے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سبب ہے کہ آمریکہ میں جرأت کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ آمریکن نوجوان اُسی کام میں جرأت دکھاتا ہے جس میں جرأت کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہو۔ آمریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فرنچ پروفیسر کے سامنے میں نے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اٹھا "اُف، ناقابل تصور حماقت کی ہے!"

زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سرتاپا صناعی اور آلاتی زندگی ہے جس میں آمریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے!

ناول اور افسانے

میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ اُن کی فہرستیں ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آمریکن نوجوان زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقیق جذبات اُن میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو گئے ہیں۔ روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

مہارت فنی کا غلو

پھر آمریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہے۔ مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن تک محدود ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجۂ اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر اُسکی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جس میں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوعِ بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اُسوقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اُسنے جو تعلیم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ نکلی۔ وہ افسوس سے ہاتھ ملتی ہے۔ مگر افسوس کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور اُن میں بتدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ برا نہ تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں، اور اس لئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنجاتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں عملی زندگی کی ازدواجی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنوز طالب العلم ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہوتے ہیں مگر اُن کے ماں اور باپ دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صورت حال سے جو پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، محتاج بیان نہیں۔ لیکن تعجب ہے آمریکہ کے عقلاء اس کا سدباب نہیں کرتے بلکہ

نے کہا۔ ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ، اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرو" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہو!" زینب نے بلاتامل جواب دیا "اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہو!" یزید چلایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہو!" زینب بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دبا تا ہو!"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و اُمرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "انکے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ صلعم انھیں اس حال میں دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہند بنت عبد اللہ یزید کی بیوی نے منھ پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہو؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی، قتل کر ڈالا، خدا اُسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجتہادی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہو؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہو۔ اُنھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہو۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہو۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے، تو قسم بخدا، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے "اللھم مالک الملک، توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہونچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس سے کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟" یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہو، اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دوں گا" چنانچہ جسنے اپنا جتنا نقصان بتایا، اُس سے دوگنا تگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا "یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، اور ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو!" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اُٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہو!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جسنے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر اِن مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا "یہ تمھاری نیکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمھیں دیں" اُس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ۔۔۔ ماذا فعلتم وانتم آخر الامم؟
کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ لے وہ جو سب کے آخری امت ہو،

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی ۔۔۔ منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم
تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثئے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مررت علی ابیات آل محمد ۔۔۔ فلم ارھا کعھدھا یوم حلت
میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی ویسے نہ تھے جیسے اُس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا ۔۔۔ وان اصبحت من اھلھا قد تخلت
خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دور نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں!

وان قتیل الطف من آل ہاشم ۔۔۔ اذل رقاب المسلمین فذلت!
کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں!

وکانوا رجاءً ثم صاروا رزیۃ ۔۔۔ فقد عظمت تلک الرزایا وجلت!
ان مقتولوں سے دنیا کی اُمیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! یہ مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

الم تران الارض اضحت مریضۃ ۔۔۔ لفقد حسین والبلاد اقشعرت
کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہو اور دنیا کانپ رہی ہو؟

وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ ۔۔۔ وانجمھا ناحت علیہ وصلت
آسمان بھی اُس کی جدائی پر رو رہا ہو۔ ستارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھیج رہے ہیں!

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہو ابھی یہ منزل دُور ہو۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اُس کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اِس ہفتہ حکومت انگورہ نے اعلان کر دیا ہو کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جاسکتا ہے یہ بنائی ہو کہ اُنھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہو۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اِس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کر دیا ہو کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہو کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اُس میں ٹرکی کو شریک نہ ہونے دے" ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ٹرکی کے لئے ایک مبارزت ہو۔ انگورہ کا سربرآوردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یُوں اظہار خیال کرتا ہو:

"اگر یہ خبر صحیح ہو تو اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ٹرکی کی مخالفت پر بھی تُلا ہوا ہو۔ اگر اِس تجویز سے برطانیہ کا مقصود یہ ہو کہ ٹرکی کو دھمکا کر روس سے الگ کر دے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی تعمیل سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ٹرکی ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہوجایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربوں نے ہمیں خوب سکھا دیا ہو کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہو جو ہمیں ہر مشکل سے بچا سکتی ہو۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہو۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہو۔ ہمیں روس کی دوستی کی ضرورت ہو۔ ہم روس سے ہرگز علحدہ نہیں ہوسکتے"

ٹرکی اور افغانستان

باخبر حلقوں میں خیال کیا جاتا ہو کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کر دیا ہو۔ وہ دیکھتا ہو روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہو، لہذا روسی افغانی دوستی ہندوستان کے لئے خطرناک ہو۔ اور چونکہ اِس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہو اِس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے طیار ہو جانا چاہئے۔

یہ ہو برطانیہ کا نقطۂ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی معاملت شروع کرنی چاہتا ہو۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ویسی ہی ناکامی ہوگی، جیسی ٹرکی کے معاملہ میں ہوچکی ہو۔ افغانستان، روس سے علحدہ نہیں ہوسکتا۔ اُسے خوب معلوم ہو کہ برطانیہ اُسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہونچائے گا۔ لیکن روس اُسے بے شمار نفع پہونچا رہا ہو۔

یہی باعث ہو کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے مدبر ماسکو اور انگورہ کا دورہ کر رہے ہیں۔ فی الحال انگورہ میں مشہور افغانی مدبر محمود شاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر اُن کی آمد صرف سیر و سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہو۔ خود اُنھوں نے بھی اخبار "حاکمیت ملت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہو۔ لیکن اُن کے یہ الفاظ خاص معنی رکھتے ہیں "افغانستان کی دلی آرزو ہو کہ ٹرکی سے اُسکے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہوجائیں"

مقالات

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہوچکی ہو کہ حضرۃ عمر اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اِس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے اُن کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا، اُس کا مقتضی یہی تھا کہ اِس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اِس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہو۔ سوال یہ ہو کہ قومی سنہ کا مبدء قرار دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہوسکتی تھیں، اُن میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دُور کی چیز جو بظاہر اِس غرض کے لئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اُن کے سامنے آگئی، اور اُسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آخر اس کی علت کیا ہو؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی۔ نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن اِن تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ کسی پیدائش کا جشن ہو، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہو، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہو جب آغاز اسلام کی بے سرو سامانیاں اور ناکامیاں اِس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہوگیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اِس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرۃ عمر اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ اُن کی تقلید پر آمادہ نہ ہوسکے اور اُنھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہو۔ اِس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اُس کا دَور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سرِ نو شروع ہوتا ہو، اور اِس طرح سال نَو کی مسرتوں کے ساتھ اُس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ دُنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بُنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہو جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہو۔ چونکہ اِس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہو، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اِس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہو۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہو، اور اِس درجہ کی لکھی ہو کہ آج بھی اِس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دُنیا کے تمام سنین کا تفحص کر کے لکھتا ہو "قوموں کا طریقہ اِس بارے میں یہ رہا ہو کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں۔ اِن سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوئی ہو۔ بابلی سنہ کی بُنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اُس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کی قومی آزادی کا دَور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی تو حضرت سلیمان کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اِس سے یہودیوں کے اجتماع و توطن کا نیا دَور شروع ہوتا تھا اِس لئے اِس کی یاد آوری کے جذبے نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کرلی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہو جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہو۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی فتحمندیوں نے رومی عظمت کا نیا دَور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی

اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی ہمت افزائی کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتے۔ امریکہ کے بوڑھوں میں یہ مقولہ عام ہے "نوجوانوں کو چھوڑ دو کہ ساتھ بڑھیں پلیں، ساتھ پڑھیں لکھیں، بچپن ہی سے باہم محبت کریں اور اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!"

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑے کی اکثر بڑی دکانوں پر تمھیں جلی حروف میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی "یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیجاتی ہے" جا بجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ نظر پڑیں گے "یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لیکچر مفت سنائے جاتے ہیں" یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں رہتی وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہے، مگر برابر علمی و مذہبی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن دراصل اسی ترقی نے اُسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہے۔

امریکن عورت، بہت مسرف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہر روز بازار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دکانیں عورتوں سے لبریز رہتی ہیں۔ دکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عورتوں ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید و فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد روپیہ کمانا جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اُن کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آکر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دس سال کے اندر منہ پر ملنے والے روغنوں کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے!

زنانہ کلب

امریکہ کے زنانہ کلب، دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں عورت چونکہ گھر میں شوہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے محروم ہوتی ہے، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو موٹر میں بٹھا کر اُس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہے اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہے۔ شام کو پھر موٹر میں بیٹھی ہوئی شوہر کو دفتر سے لے آتی ہے۔ دونوں رات کا کھانا عموماً ہوٹل میں کھاتے ہیں اور پھر گھر آکر سو رہتے ہیں!

سب سے زیادہ زنانہ کلب مڈل ویسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔ لیکن اُن کا یہ عیب بھی بہت بڑا ہے کہ عورت سے غور و فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور اُس کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ انھیں ہضم نہیں کر سکتی اور دماغی بدہضمی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شیکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمونوں پر لیکچر سنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کار اپنے گھر میں

(۲) غذا کی تاثیر جسم انسانی پر

(۳) موجودہ ادبیات اور خواتی عادات

(۴) سود ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لیکچر سنے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا کہ میں نے کیا سنا تھا؟ باوجود سخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا۔ صرف دو باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ انسان، دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن اُن

بریدِ شرق

مکتوب انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ وزیر خارجیہ کی تصریحات۔ ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ برطانیہ کی سازش۔ ترکی اور افغانستان۔

شورائے دولت

"مجلس شورائے دولت" کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہے۔ اُس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانوندان نصرت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام وزارتوں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز اُن جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

" عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھروں اور اُن کے لیکچروں میں گزرتی ہے؟

بچوں کی ماں

امریکہ میں بیشمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کے لئے مفت مشورے مہیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لیکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ماؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سوچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرضکہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات، اصول و قواعد کے ماتحت رکھے گئے ہیں، اُسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول پر منطبق "کی جا رہی ہے۔ یہی حد سے زیادہ "علمی انطباق" انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت کی فطرت کا خاتمہ ہے!

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ اُلھڑ نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ منتظم اور سلیقہ مند ہوتی ہے۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی ہے۔ ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ گھروں میں بچوں کے لئے علحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا بھی رواج کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے۔ اُن پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہے جو کلب گھروں میں سنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہے!

لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزونی نے اسرار و مباہج مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت، علم اور مادی ترقی سے اب نڈھال ہو رہی ہے کیونکہ

ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شائع کی ہے کہ اُنھوں نے آتشک کا حکمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ اُن کا دعوٰی ہے کہ اُن کی دوا کا صرف ایک انجکشن ہمیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں ماہرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجیہ کی تصریحات

ڈاکٹر توفیق رشدی بک ترکی وزیر خارجیہ نے اس ہفتہ اخباری نمائندوں کے سامنے حسب ذیل تصریحیں کی ہیں:

"اس وقت ٹرکی کے تعلقات متمدن دنیا کے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، اُنھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ دنیا کا امن و امان ہمارے ملک کے لئے مفید ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہم حکومتوں کے درمیان لڑائی ڈالکر خود نفع نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد امن کے خلاف ہے۔

"بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور اب بھی دوست ہے۔

"چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہمیں پوری دلچسپی ہے۔ ہم اس عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے متمنی ہیں۔ مصر سے ہمیں جو دلی تعلق ہے وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں۔"

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہے۔ قانون کی رُو سے اس مجلس کی عمر ۱۰ اپریل تک تھی۔ مگر اُسے دو مہینے اور بڑھا لئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات ۱۰ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو غازی مصطفٰے کمال پاشا اور اُن کی جماعت پر پورا اعتماد ہے۔ لہذا آیندہ مجلس میں ہمیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہیے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عورت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا ہے۔ حقوق طلب خواتین بڑی سختی سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اُن میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈھے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کر دے۔ سورج روزانہ آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں گرمجوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اَن گنت اور بے حد و حساب چیزیں:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱۴ : ۳۴) اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمھارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں، اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" ہے جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے "اندر کی استعداد" وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جہاز فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دہقان ایک بیج اٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دیں۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے وا کر دے! لیکن یہ تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ خود اُسکے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور دکھا کر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملیگا!

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں ذرّوں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آجاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ ابھرتا ہے، اور کائنات فطرت کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ بہ سرو قد کھڑا ہے، اور کارخانۂ فطرت کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا جو وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنہوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لوتھڑا بن گئی، لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیئت کی تمام زیبائیاں اور خال و خط کی ساری دلآویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمھارے سامنے ہے! ثم انشاناہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین! (۲۳ : ۱۴)

بہرحال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضان فطرت سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلۂ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیاء کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء و افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلا دئے ہیں، ہر شے کو زندگی دینے والی، ہر شے کی پرورش کرنے والی، اور ہر نشو و وجود کو کمال تک پہنچانے والی ہے، ٹھیک اُسی طرح "جماعت" اور "اُمت" کے ظہور و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اٹھانے کی راہ تکتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرۃ کا تمام سامانِ فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی ماحول کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ اٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر اکتساب انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسانوں کی کوئی ہیئت اجتماعیہ کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کر لے۔ اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کر لے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں، اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں، اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے اور ایک نہیں ہو جاتے، لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرت کی فضیلت کا معیار ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ یعنے اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر اِن سب کی بُنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آجتک مستعمل ہے، بکرماجیتی سنہ ہے اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے، تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرماں روائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرۃ عمر کا تردد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آنحضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپنے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپکے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہوگئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدءِ تاریخ کے بارے میں جب عمل صحابہ نے مشورہ کیا تھا، مختلف رائیں لوگوں نے دیں، بالآخر سب اس پر متفق ہوگئے کہ واقعۂ ہجرۃ سے ابتدا کی جائے: فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہورِ اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اسمیں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسپر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دل میں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تُلی تھی، کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اسپر متفق ہوگئے۔ گویا ایک بھُولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہوگئی۔ معلوم کرنا چاہئے کہ واقعۂ ہجرۃ کی وہ کونسی مناسبت تھی جسنے حضرت علی کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنتہ رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی کھُلی ہوئی و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً اُتر آئی، اور اس طرح تسلیم کرلی گئی، جیسے ایک مسلّم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعۂ ہجرۃ صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدرِ اول کا دماغ اور روح، دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ، دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھُلی ہوئی، اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جمتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آجاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود اُنہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولٰئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا افضل ھذہ الامۃ: ابرھا قلوباً، واعمقھا علماً، واقلھا تکلفا، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بُنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُس معیارِ نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کرلی۔ تاریخ کا یہ مبدء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُسوقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسنے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن اِن کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی، اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بُنیاد اُسوقت پڑی، جب اُنھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کرلیا۔ اِن کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُسدن کھلا، جب ملکوں پر اُنھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈھتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارۂ و محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے لیکن زیر زمین بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابۂ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کرکے ہجرۃ کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھُل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بُنیاد اُن واقعات میں نہیں ہے جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرۃ کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی حصوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حرا کے اعتکاف سے ہوئی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرۃ سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سروسامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں اُستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھُلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہوگیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈھنی چاہئے!

پہلا دور تخم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشوونما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے!

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشے کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھہرو، اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دَوروں سے گزرے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

السحر الحلال
في
مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي' علمي' ادبي' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے' قريب هے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت ظهور پذير هوئي۔

الهلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها' ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب' مذهب' سياست' ادبيات' علوم و فنون' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے- اور اُس کا هر باب اپني مجتهدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي طباعت خود اُردو صحافت ميں اعلی طباعت و ترتيب کا پهلا نمونہ تهي- اردو کا وہ پهلا هفتہ وار رسالہ تها' جس ميں هاف ٹون بلاکوں کے اندراج کا انتظام کيا گيا' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں- اس کي جلديں جديد اردو علم ادب کے علمي' مذهبي' سياسي' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعہ هيں- اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شائقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپيہ ميں خريدا تها- اور حال ميں ايک صاحب نے اس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چار سو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ کرنے کيليے تيار نہيں- پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا' هم نے کوشش کي کہ شائقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے-

چنانچہ الحمدلله يہ کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں- هم اِس اعلان کے ذريعہ شائقين علم و ادب کو آخري موقعہ ديتے هيں کہ اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں' چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے-

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " " چہارم ۱۰ روپيہ   " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الهلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ۸ آنہ- محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوہ هے

مينجر "البلاغ پريس"

اندر ایک ہی روح بول رہی ہے!

یہ موقعہ نہیں ہے کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنت نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں، اور اُس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبانی کیا کیا ہیں؟

بہرحال، اشخاص و افراد کی طرح جماعات و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہے۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دور داخلی استعداد کا دور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرۃ پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرۃ کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور بلاشبہ دُنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن بہ باطن امت مسلمہ کی ہر آنے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشو و نما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیۂ نفوس و ارواح کا امتحان گاہ تھیں۔ بدر کی فتحمندی اسی کے اندر سبق لے رہی تھی۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدایش بھی اسی کے آزمایشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحۂ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا: فلا تطع الکافرین وجاہدہم بہ جہاداً کبیراً (۲۵: ۵۲)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرۃ کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ اُن کی داعی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرتؐ کی پیدایش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام ... واقعات سامنے آئے، لیکن اِن میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرۃ کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبداء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے، اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہیے۔

ہجرۃ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتحمندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرۃ ہی کے واقعہ سے ہوئی۔ تعبیر مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اُسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے لیکن تمھیں علم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے، اور اسی فتح سے میدان جنگ کی فتحمندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اُسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے۔ اُسوقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سراسر غربت اور ادبار کی بے سروسامانیاں اور جہد و مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہے، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے مہیا ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہے؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ و یتحفظ منہ ہذہ الابیات:

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ — یذکر لو یلقی حبیباً مواتیا

ویعرض فی اہل المواسم نفسہ — فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

فلما اتانا واستقرت بہ النوی — واصبح مسروراً بطیبۃ راضیا

واصبح لا یخشی ظلامۃ ظالم — بعید ولا یخشی من الناس باغیا

بذلنا لہ الاموال من حل مالنا — وانفسنا عند الوغی والتآسیا

نعادی الذی عادی من الناس کلہم — جمیعاً، وان کان الحبیب المصافیا

ونعلم ان اللہ لا رب غیرہ — وان کتاب اللہ اصبح ہادیا!

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھکر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ وہ ہجرۃ کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرۃ نے اس فتح کی تکمیل کر دی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا، فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا، وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ، و کلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم (۹: ۴۰)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم و رنج نہ کرو، یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے، اور اسکی مشیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کی راہ باز کرنیوالی ہے پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت اُسپر اُتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے لشکروں سے اسکی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت نا آشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی، اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴

فہرست

آثار عتیقہ

تاریخ و عبر

مطبوعات جدیدہ

ادبیات

بصائر و حکم

برید فرنگ

برید شرق

مقالات

تصاویر

۴ یہ آیت سورۂ برآۃ کی ہے۔ سورۂ برآۃ بالاتفاق اُسوقت نازل ہوئی ہے جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اسکی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرۃ کی معنوی فتحمندی یاد دلائی جائے۔

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۸ | کلکتہ : جمعہ ٦ - صفر ۱۳٤٦ ھجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیے موزون نہین ؟

ضروری ھی کہ ھم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ھندی اور ھندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ھی اور انکی طباعۃ یورپ کی طباعۃ کا مقابلہ کر رھی ھی ۔
کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ھی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تلک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

ھماری رای مین بہترین حروف یہی ھین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیے یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیے کیون نا موزون ھون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مینیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني ارڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(۲) روڈسیا کا انکشاف : سنه ۱۹۲۱ ع میں ایک سیلح کو جنوبی افریقه میں ایک کھوپڑی ملی - یه بھی پہلی کھوپڑی کی طرح ایک تیسری تشریحی حالت رکھتی ھے - علماء تشریح و وظائف اعضاء کی تحقیق میں یه غالباً ابتدائی قسم کے وحشی انسان کی کھوپڑی ھے -

(۳) جارا کا انکشاف : جارا کی ایک غار سے بھی ایک قیمتی کھوپڑی ملی ھے جسکی نسبت دو مختلف رائیں قائم کی گئی ھیں - ایک جماعت کا خیال ھے ' یه گم شدہ حلقه کی خبر دیتی ھے - دوسری جماعت کا خیال ھے ' یه بندر ھی کی کوئی زیادہ اونچی قسم ھے - وہ کہتے ھیں ' اس کھوپڑی میں پیشانی کا بیحد اُبھار اور رخسار کی هڈیوں کی نوعیت ' گم شدہ حلقه کی نوعیت سے مختلف ھے -

(۴) سب سے زیادہ قیمتی انکشاف " وحشی انسان " کا انکشاف ھے جسکے جسم کی هڈیاں اور سر کی کھوپڑیاں بکثرت جمع ھوگئی ھیں - اسکا جسم اور چہرہ بالکل موجودہ انسانوں کا سا تھا - لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے - ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ھوتے ھیں - بعض قدیم سیاحوں نے اسٹریلیا ' امریکه ' اور جزائر جنوب میں ایسے زندہ انسان دیکھے بھی ھیں -

(۵) آخری انکشاف ' پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ھے جو سنه ۱۹۲۵ - میں ھوا - پروفیسر موصوف کو ٹانگس میں ایک بالکل نئی قسم کی کھوپڑی ملی ھے جو پچاس قدم سے زیادہ زمین کے اندر مدفون تھی - یه کھوپڑی تمام پچھلے آثار سے کہیں زیادہ گم شدہ حلقه کا اذعان پیدا کرتی ھے - اسکے تمام حصے موجودہ انسان کی کھوپڑی جیسے ھیں - البته منهه کا نچلا حصه بہت زیادہ باھر نکلا ھوا ھے ' اور یه بات علم وظائف اعضاء میں طے پاچکی ھے که انسانی چہرے کا نچلا حصه ابتدا میں ایسا ھی اُبھرا ھوا تھا - پھر به تدریج گھٹتے گھٹتے موجودہ تناسب تک پہنچ گیا -
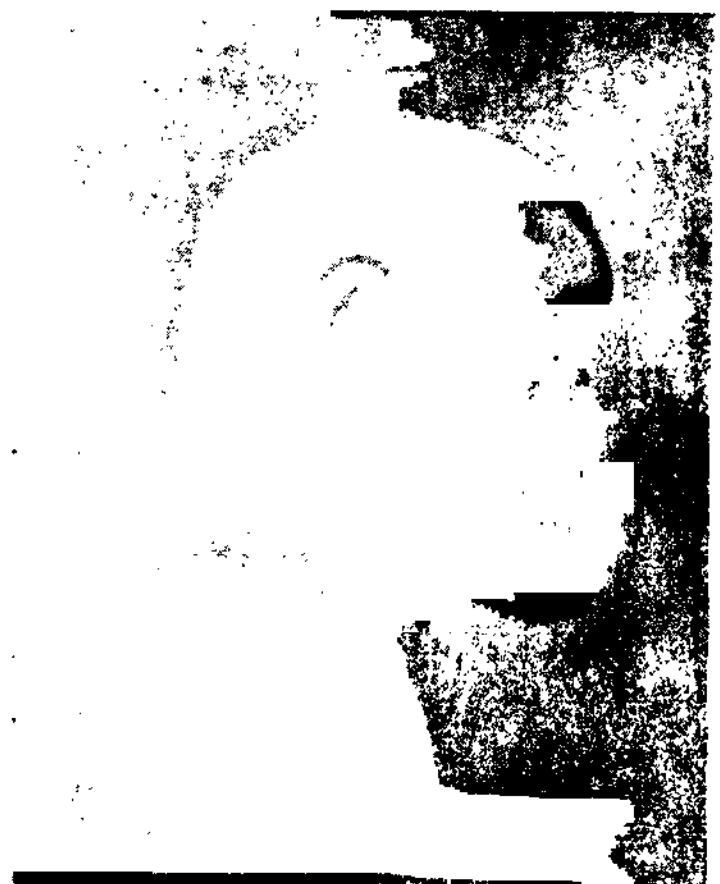
ٹانگس سے جو کھوپڑی ملی ھے ' زندگی میں وہ ایسا چہرہ رکھتی ھوگی ' جیسا اس تصویر میں دکھلایا گیا ھے -

ریڈیم

خزانۂ فطرۃ کا سب سے زیادہ کمیاب جوھر !

حال میں اخبارات نے یه خبر شایع کی تھی که " ریڈیم کا بازار گرگیا ھے اور ایک اونس ریڈیم کی قیمت ۳۳۰٬۰۰۰ ڈالر کی جگه اچانک ۲۵۰٬۰۰۰ ڈالر ھوگئی ھے - اِس کمی کی وجه یه ھے که بلجیم کانگو (افریقه) کے علاقه " کاٹنگا " میں ریڈیم کی ایک بہت بڑی مقدار نظر آئی ھے - زیگوسلاویا کی تانبے کی بعض قدیم کانوں میں بھی ریڈیم پایا گیا ھے - اگر یه تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اور بھی کمی ھوجائے گی "

لیکن اِس خبر سے لوگوں کو غلط فہمی ھوسکتی ھے - ممکن ھے کوئی خیال کر بیٹھے که جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح اُتار چڑھاؤ ھو رھا ھے تو ھر دولت مند آدمی کیلیے اسکی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید لینا ممکن ھے - مثلاً امریکه کا ھنری فورڈ جیسا کروڑ پتی اگر چاھے ' تو بآسانی آدہ سیر ریڈیم خرید لے - اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے ' اور بازار جاکر جب چاھے ریڈیم لے آئے -

لیکن یه صحیح نہیں ھے - ھنری فورڈ کی تمام دولت بھی آدہ سیر ریڈیم خرید نہیں سکتی - امریکا کے دوسرے قارون راکفلر اور مللر بھی اگر اپنے خزانے جمع کر دیں ' اور امریکا ' فرانس انگلستان ' بلکه سارے عالم کی سلطنتیں بھی اپنے جمله خزانے پیش کردیں ' جب بھی آدہ سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یه عجیب بات ھے - مگر واقعه ھے - کیوں ؟ اس لیے که گزشته اٹھائیس برس میں ' یعنی جب سے ریڈیم دریافت ھوا ھے ' دنیا اُس کی اِتنی مقدار حاصل ھی نہیں کر سکی ھے ' جسے ترازو میں آدہ سیر کے باٹ سے تول سکیں - اِس وقت تک وہ صرف آدہ پاؤ کی مقدار میں حاصل ھو سکا ھے !

جن خوش نصیبوں کے قبضه میں ریڈیم ھے ' یا جنھیں اُس کی ضرورت پڑتی ھے - مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر ' وہ اُس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاھتے ھیں - ریڈیم کی خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ھوتی ' ٹن کے حساب کا تو وھم بھی نہیں کیا جا سکتا - کیونکه ریڈیم سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ھے - اُس کی قیمت سونے سے ایک لاکھه گنا زیادہ ھے - ریڈیم کی خرید و فروخت ذروں کے حساب سے ھوتی ھے - اِس وقت تک ریڈیم کی سب سے بڑی مقدار جو ایک جگهه سے دوسری جگهه منتقل ھوئی ھے ' صرف دو گرام ھے - اور معلوم ھے که ایک گرام ' اونس کا تیسواں حصه ھوتا ھے - یه مقدار بھی فروخت نہیں ھوئی ھے بلکه حکومت زیگوسلاویا نے انگلستان کو علمی تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدی ھے -

اِس کی کوئی امید نہیں که کانگو میں ریڈیم کی کان اُس کی موجودہ مقدار میں غیر معمولی اضافه کردے گی - خیال کیا جاتا ھے که اِس وقت اُس کی جتنی مقدار دنیا کے ھاتھه میں موجود ھے ' اُس سے صرف ۲۵ گنا زیادہ ریڈیم کانگو کی کان سے حاصل کیا جاسکتا ھے - لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ھے - اِس کان کی ھر ۵۰۰ ٹن وزنی چٹان میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گرام ریڈیم نکلے گا - وہ بھی خالص نہیں بلکه " کلورل " اور دوسرے مواد سے ملا ھوا - ان مواد سے اُسے علحدہ کرنے

نظريۂ ارتقا كا گم شدہ حلقه

كيا حلقۂ مفقودہ مل گيا ہے ؟

انسان كا دماغ — گوريلا كا دماغ

نظريۂ ارتقا کے " حلقۂ مفقودہ " سے مقصود وہ ذهني حيوان ہے ' جسكي نسبت خيال كيا جاتا هے كه انسان كي موجودہ شكل اور هيئت کے ارتقا سے پہلے زمين پر موجود تها - وہ انسان ميں ' جو سلسلۂ ارتقا كي آخري كڑي هے ' اور ترقي يافته جانوروں ميں ' جو هئيت انساني سے بہت زيادہ قرب رکهتے هيں ' درمياني برزخ تها .

اس نظريه کے قائلين كا خيال هے كه بندر كي ترقي يافته قسميں مثلاً گوريلا ' اس قسم كي مخلوق هيں جنكي ظاهري هيئت ' جسماني بناوٹ ' تشريحي نظام ' اور اعضاء معنوي کے وظائف و خواص ' انسان سے بہت زيادہ قريب اور ملتے جلتے هيں - ليكن اسدرجه قرب اور تماثل نہيں هے كه اسكے بعد هي انسان كا وجود آ جاے - ضروري هے كه درميان ميں كوئي ايک يا ايک سے زيادہ كڑياں رهي هوں اور وهاں " جانور " كي سرحد ختم هوئي هو اور " انسان " كي حدود كا آغاز هوا هو - چونكه علم الحيوانات كي موجودہ اور مدون معلومات ميں كوئي ايسا مخلوق موجود نہيں هے ' إسليے آنهيں إسكي جستجو هوئي ' اور إسكا نام " حلقۂ مفقودہ " يعني گم شدہ حلقه قرار پا گيا - علماء علم الحيوانات نصف صدي سے اس گم شدہ حلقه كي جستجو ميں هيں - آثار قديمه اور علم طبقات الارض كي تحقيقات کے سلسله ميں بارها اس طرح كي چيزيں دستياب هوئيں كه خيال هوا ' گم شدہ حلقه كا سراغ ملگيا هے ' ليكن پهر مطالعۂ و تفحص سے اس خيال كي تصديق نهو سكي -

ليكن سنه ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انكشافات پے درپے هو رهے هيں ' اور انهوں نے ايک نيا مواد بحث پيدا كر ديا هے - اگرچه إن ميں بهي كوئي چيز ايسي نہيں هے جسے علمي وثوق کے ساتهه " حلقۂ مفقودہ " قرار ديا جا سكے - تاهم علماء حيوانات و تشريح كا خيال هے كه قرائن و آثار بہت حد تک تشفي بخش هيں ' اور بہت ممكن هے كه انكي بحث و فحص سے گم شدہ حلقه كا مسئله حل هو جاے -

حال ميں امريكه کے بعض علماء حيوانات نے اس قسم كا مواد يک جا كرکے اُن كي نوعيت پر نہايت دلچسپ نظر ڈالي هے - هم اُس كا مختصر خلاصه قارئين الهلال كي معلومات کے ليے درج كرديتے هيں -

يه امريكن پروفيسر (جس كا نام ڈاكٹر وهائٹ هے) لكهتا هے :

" گزشته دس سال کے اندر جو انكشافات هوئے هيں ' وہ سلسلۂ بحث كا نہايت قيمتي سرمايه هيں - علم كي احتياط كا مقتضى يہي هے كه اظہار وثوق ميں جلدي نه كي جائے - ليكن اگر ايسا نه هوتا ' تو يه انكشافات اپني موجودہ حالت ميں بهي اتنے واضح هيں ' كه كہا جا سكتا تها ' گم شدہ حلقوں كا سراغ مل گيا هے -

اس وقت سب سے زيادہ قوي قرائن رکهنے والے آثار پانچ هيں :

(۱) انسان هدل برگ : يه ايک كهوپڑي هے جو جرمني کے مندرجۂ بالا مقام ميں ملي تهي - تشريحي تحقيقات کے بعد ثابت هوگيا هے كه يه نه تو موجودہ انسان كي كهوپڑي هوسكتي هے ' نه كسي جانور كي - يه ضرور ايک تيسري اور درمياني قسم هے -

وہ كهوپڑي جو ٹرنگس ميں ملي هے ' اور جسكي نسبت خيال كيا گيا هے كه گم شدہ حلقه كي كهوپڑي هے

برخلاف اسکے شعاع " بیٹا " اس سے دس گنی زیادہ تیز ہے ' یعنی ہر سکنڈ میں ۰۰۰،۰۰،۲ میل کی سرعت رکھتی ہے - گویا آفتاب کے نور کی طرح تیز رفتار ہے - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہری اتر جاتی ہے' اور شیشہ' ایلومینم ' اور سیسے کی پتلی چادروں کو بھی توڑ کر ۱/۱۲ - انچ گہرائی تک چلی جاتی ہے !

تیسری شعاع " گاما " شعاع ایکس (ایکس رِز) سے بہت مشابہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اسکی مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے - لیکن یہ شعاع نفوذ و سریان کی بہت بڑی قوت رکھتی ہے - سیسے کی بارہ انچ موٹی تختی کو بھی توڑ کر نکل جاتی ہے !

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ " شعاع الفا " پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفی کہربائی لہریں جمع کر لیتی ہے ' اور یہ لہریں بالآخر ہیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتی ہیں - اسکے معنی یہ ہوے کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھی چھوٹتا رہتا ہے - یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے - اتنا مختلف ' جتنا کوئی مادہ کسی دوسرے مادہ سے مختلف ہو سکتا ہے -

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ہیلیم بالکل موجود نہیں ہے - تاہم کسی مخفی سبب سے اسکے ذرے ریڈیم سے برابر بہتے رہتے ہیں !

یہی بات دیکھکر علماء کا خیال اس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کہرباء یا بجلی کی قوت پر ہے - اسی سے کائنات کے اس سب سے زیادہ مخفی اور عجیب راز کی تحقیقات کا دروازہ کھلا جسکا تصور بھی کبھی انسان نہیں کرسکتا تھا - یعنی آفتاب کی روشنی' حرارت' اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا -

آفتاب میں ہیلیم کا وجود' زمین میں اسکے وجود کی تحقیق سے پہلے ہی معلوم کر لیا گیا تھا - اسپکٹروسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کی بہت بڑی مقدار موجود ہے - وہ عظیم الشان ہالہ جو سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے خلا میں لاکھوں میل تک اپنی آتشیں زبانیں پھیلائے ہوے ہے !

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشی ہالے میں ہیلیم کا وجود کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھی ریڈیم کے لبریز خزانے موجود ہیں ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور' حرارت ' اور قوت اسی ریڈیم کا کرشمہ ہو؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اتنی حرارت پیدا ہوتی ہے کہ ۳/۴ گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتی ہے ' تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتنی سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا ؟

اس کا اندازہ کرنے کیلیے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ آفتاب کا وزن :

۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰۰۰۰۱ - ٹن ہے - یعنی زمین سے ۰۰۰،۳۲،۳ - گنا وزنی ہے - ظاہر ہے ' اتنے بڑے کرہ میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کی اس محیر العقول روشنی ' گرمی ' اور قوت کا منبع ہے !

سائنس نے یہ بات دریافت کرلی ہے کہ آفتاب کی حرارت ' اسکے احتراق (جلنے) کا نتیجہ نہیں ہے - یہی حال ریڈیم کا بھی ہے - اسکی حرارت ' احتراق کی وجہ سے نہیں ہے - بلا شبہ کچھہ احتراق بھی ہوتا ہے مگر اس قدر کم ' کہ نہ ہونے کے برابر ہے - پھر یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کی قوی النفوذ شعاع " گاما " سورج کی شعاعوں سے بہت مشابہ ہے - پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کی یہ شعاعیں جو ہم تک ۰۰۰،۰۰،۳۰،۹ میل مسافت طے کرکے منظم شکل میں پہنچتی ہیں ' دراصل ریڈیم کی " گاما " شعاعیں ہی ہوں؟ بہت ممکن ہے' کہ ایسا ہی ہو - دنیا بھر کے سائنس داں اس وقت اس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں -

ٹھیک اسی معقول اور علمی طریقہ پر زمین کے اندرونی گرم مادوں ' مثلاً آتش فشاں لاوا اور کھولتے اور گرم معدنی چشموں وغیرہ کا اصلی سبب بھی ریڈیم ہی قرار دیا جا رہا ہے - تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے - ممکن ہے چند سال بعد اس باب میں علم کوئی قطعی رائے قائم کر سکے ' اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں ' جو ابتک قدرت کے سربستہ راز سمجھے جاتے تھے -

پھر یہ بھی ایک عجیب بات ہے ' جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے ' مگر خود اسکے جوہر میں کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوتی - اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں ۰۰۰،۶۰،۱۱ - وزن حرارت پیدا کرتا ہے - یہ حرارت تقریباً تیرہ سیر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتی ہے - مگر اس سے خود ریڈیم میں صرف ۱/۰۰،۵۰۰،۲ - کی کمی لاحق ہوتی ہے جو بہ منزلۂ عدم ہے - تاہم کمی ضرور ہے ' اور ایک بہت بڑی مدت کے بعد وہ اس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کی شکل میں تبدیل کردے سکتی ہے - علماء کا خیال ہے ' ریڈیم اپنی خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے - لیکن اس تبدیلی کے لیے کم سے کم ۰۶۰،۳ - برس کا زمانہ گذرنا چاہیے - اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں ۱۵۰۰ - برس قبل از مسیح سے موجود ہے ' وہ ابتک ریڈیم ہی ہے - سیسہ نہیں ہوا ہے !

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیاوی طریق پر تبدیل ہوکر اپنی شکل میں آتا ہے - اس تبدیلی کا تصور قدیم حکمۂ کو بھی ہوگیا تھا - وہ اپنی عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتی ہے -

ریڈیم کی تکوین' علماء کی نظر میں نہایت ہی حیرت انگیز معما ہے - تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کا مورث اعلی یا اصل اورانیم ہے - اس اورانیم میں تین بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں - علماء نے ان تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں : اورانیم س ۱ - اورانیم س ۲ - اورانیم س ۳ - آخر الذکر تبدیلی کے بعد اورانیم ' یونیم ہو جاتا ہے' پھر یونیم ترقی کرکے ریڈیم ہو جاتا ہے - ریڈیم میں تنزل ہوتا ہے تو وہ پہلے پولونیم ہوتا ہے ' پھر سیسہ بن جاتا ہے - اورانیم اور سیسہ کے مابین اصلی ذرے ۱۶ - ہیں - پوری تبدیلی کے لیے کم از کم ۰۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۶ سال درکار ہوتے ہیں -

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیاوی اجزاء درکار ھونگے - ۱٬۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ھوگا - ۱۰٬۰۰۰ ٹن مقطر پانی لگے گا - ایک مہینہ تک ۱۵۰ - مزدور کام کریں گے - پانچ ھفتے ماھرین کیمیا کی ایک بڑی جماعت کو صرف کرنا ھونگے - پھر اِس کے بعد مزید چار مہینے اُسے کار آمد بنانے میں لگیں گے - اِن تمام کوششوں ' محنتوں اور کثیر مصارف کے بعد ' شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ھو سکے - اگر کانگو کی پوری کان سے فایدہ اٹھایا جائے ' تو بھی زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کی امید ھے - اِس کے معنی یہ ھوے کہ اِس تمام درد سری کے بعد ریڈیم کی موجودہ مقدار میں یعنی تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ ھو جائیگا !

(ریڈیم کی نوعیت)

آخر ریڈیم ھے کیا چیز جس کی جستجو میں سارا عالم سرگرداں ھورھا ھے' اور جس کی مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء رطب اللسان ھیں ؟

ماھر کیمیا سے پوچھو - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا " ریڈیم اگرچہ لوھے ' تانبے ' توتیے کی طرح ایک دھات ھے' مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزنی ھے ' حتی کہ سیسے سے بھی زیادہ - سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ھے ' حتی کہ سونے چاندی بلکہ لعل اور الماس سے بھی زیادہ - ریڈیم ' نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواھر ھے - یہی وہ پارس ھے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ھو رھے تھے ' اور سمجھتے تھے ' اس کے ذریعہ ھر دھات سونا بن جا سکتی ھے ! "

ڈاکٹر کے پاس جاؤ - آپ بھی قصیدہ خواں پاؤگے - وہ کہے گا " یہی وہ اکسیر حیات ھے جس کی مدتوں سے تلاش تھی - یہ عنقریب دنیا کی جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ھے "

سائنس داں سے سوال کرو - فوراً بول اٹھے گا " یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ھے جو دنیا نے دیکھی ھے - یہ اِسی کے خواص کی برکت ھے کہ ذراتی ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ھوسکا ھے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا "

عالم طبقات الارض (جیالوجی) سے مخاطب ھو - وہ فوراً کہے گا " ریڈیم ' آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کی اندرونی حرارت کا بہترین مفسر ھے "

عالم فلکیات سے دریافت کرو - وہ کہیگا " ریڈیم ' آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سر چشمہ اور اُن کی قوت کا راز ھے "

علم الحیاۃ (بیالوجی) کا ماھر تو یہانتک کہدیگا " شاید ریڈیم ھی زندگی کا اصلی منبع ھے "

علم ھندسہ کا عالم کہیگا " اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ھوجائے تو اِتنی عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اسوقت تصور بھی مشکل ھے - ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ھو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ھیچ ھیں - وہ آلات ایسے محیر العقول کام کر سکینگے جن کا عشر عشیر بھی حال کے آلات سے ممکن نہیں - پھر صنعت و حرفت میں بھی بالکل کایا پلٹ ھو جایگی - ابھی ریڈیم کی جتنی قلیل مقدار موجود ھے ' وھی بے شمار فوائد پہنچا رھی ھے - اُسکا ایک ادنی کرشمہ یہ ھے کہ اُس سے ایک ایسا روغن ایجاد ھوگیا ھے جو گھڑی کی سوئیاں' بحری اور ھوائی جہازوں کے آلات' اور برقی کنجیاں' اندھیری راتوں میں روشن رکھتا ھے - قیمتی جواھرات اُس سے طیار ھو جاتے ھیں - اگر کچھ مدت کے لیے سفید (بے رنگ) یاقوت ' ریڈیم کے زیر اثر رکھدیا جائے ' تو ھمیشہ کے لیے زمرد بن جاتا ھے - نقلی اور مصنوعی نہیں - حقیقی ' بیش قیمت زمرد ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز " ریڈیم " کا خاصہ کیا ھے؟ مختصر جواب یہ ھے کہ " شعاعی قوت " - شعاعی قوت کے کیا معنی ھیں ؟ ٹھیک وھی جو اِن دو لفظوں سے سمجھے جاتے ھیں - یعنی شعاعوں کی شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتی ھے -

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا اکتشاف اِس طرح ھوا کہ سنہ ۱۸۹۵ ع میں مشہور فرنچ سائنس داں ھنری بکریل اپنی علمی تحقیقات میں مصروف تھا - فوسفورسی روشنی کے تجربے کر رھا تھا - اچانک اُسنے دیکھا ' ایک خاص عنصر " اورانیم " کے اجزاء فوٹوگرافی کی تختی پر تاریکی میں اثر ڈال رھے ھیں - حتی کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جائے ' جب بھی اُنکا اثر پہنچ جاتا ھے - اِس پر اُسے بڑی حیرت ھوئی مگر ریڈیم کی طرف رھنمائی نہ ھوسکی - البتہ علمی دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اورانیم میں شعاعی قوت موجود ھے' اور اُس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ اُسوقت سے شیشہ اور چینی کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اورانیم برابر استعمال ھونے لگا ھے -

اِسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون مادام کوری نے اورانیم کے مخفی خواص کی پیرس میں تحقیقات شروع کی - اُسنے بہت جلد معلوم کرلیا کہ یہ شعاعی قوت والا مادہ ' خود اورانیم نہیں ھے' بلکہ کوئی اور عنصر ھے اور اکسائڈ اورانیم سے ملا ھوا ھے - یہ دیکھکر اُسنے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا - اب اُسکی حیرت و مسرت بے حساب تھی - کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقی رھگیا تھا ' اُسکی شعاعی قوت برابر بڑھتی چلی جارھی تھی - اِسکے بعد وہ الکٹرسکوپ کی مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کرلینے میں کامیاب ھوگئی - یہ عنصر اورانیم سے بھی ساٹھہ گنا زیادہ سخت تھا - فوراً اِس مادہ کے چند کیمیاوی خواص بھی دریافت ھوگئے - اُسنے بڑے فخر و مباھات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا ' اور اپنے وطن کے نام پر اُسکا نام " پولونیم " رکھا - یہ " پولونیم " ریڈیم کے انکشاف کی طرف عملی قدم تھا - تین سال کی مزید تحقیقات کے بعد اِسی خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائڈ اورانیم میں شعاعی قوت کا اصلی سر چشمہ اُسنے دریافت کرلیا ھے - اِسی سر چشمہ کا نام بالآخر " ریڈیم " پڑا - اور آھستہ آھستہ اُسکے مزید خواص معلوم کیے گیے -

اسکے بعد سر ارنسٹ آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ھیں - چنانچہ یونانی ابجد کے تین ابتدائی حرفوں پر اُنکے نام رکھے گئے - پہلی شعاع کا نام " الفا " دوسری کا " بیٹا " تیسری کا " گاما " -

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ھوا کہ پہلی شعاع " الفا " مثبت کہربائی لہروں کا مجموعہ ھے - وہ اِس قدر تیز رفتار ھے کہ ھر سکنڈ میں ۲۰٬۰۰۰ میل حرکت کرتی ھے - یعنی توپ کے گولے سے بھی ۴۰٬۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ھے - لیکن یہ شعاع ' نفوذ و سریان کی زیادہ قوت نہیں رکھتی - شیشے کی نہایت رقیق تختی حائل کر کے اُسے روک دیا جا سکتا ھے -

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

" دنیا میں ہر شخص کا ایک کام ہوتا ہے - میرا کام یہی ہے کہ میں تلخ مگر مفید سچائی برابر ظاہر کردوں - جہانتک میری استطاعت میں تھا ، میں نے انسانیت ، شرافت ، اور روا داری کی دعوت دی ہے - اگر دنیا نے نہیں سنا ، تو یہ میرا قصور نہیں ہے - میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنا لیا ہے - میں عالمگیر سچائیوں کا ساتھہ دونگا - میں کسی پر الزام نہیں لگاتا ، کسی کی تضحیک نہیں کرتا ، کسی معین شخص پر حملہ نہیں کرتا - میرا حملہ انسانوں پر ہے - میں کسی خاص فعل کو برا نہیں کہتا - میں شر کو برا کہتا ہوں " (روسو)

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

JEAN JACQUES ROUSSEU

یہ سلسلہ شروع کرتے ہوے گذشتہ نمبر میں ہم نے والٹیر کے مختصر حالات درج کیے تھے ، اور لکھا تھا کہ آیندہ نمبروں میں اُسکے اجتماعی اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا - پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جایگا - لیکن پھر ہمیں خیال ہوا کہ اس ترتیب کی جگہہ یہ ترتیب بہتر ہوگی کہ پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں - پھر اُنکے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جاے - اس کے بعد یک دفعہ اُن پر نقد و تبصرہ کیا جاے - چنانچہ آج روسو پر ایک مختصر تحریر شائع کی جاتی ہے - یہ غالبا دو نمبروں میں ختم ہوجایگی - اسکے بعد فرانسیسی انسایکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالی جائیگی ، اور اسکی اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوگا - حال میں ایک نہایت قیمتی مجموعہ روسو کے تمام مکاتیبات کا بھی پیرس سے شائع ہو رہا ہے - تین جلدیں گذشتہ سال شائع ہو چکی تھیں - چوتھی جلد پچھلی ڈاک سے ہندوستان پہنچی ہے - یہ مجموعہ اسقدر دلچسپ اور گوناگوں معلومات سے لبریز ہے کہ ضرورت ہے ، کم از کم ایک دو تحریریں روسو کے مکاتیب پر بھی لکھی جائیں - اگر یہ لکھی جا سکیں تو یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی -

انقلاب فرانس کے دماغی ارکان در اصل از منۂ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائی اور شاہی استبداد کا رد عمل تھے - اسلیے ناگزیر تھا کہ دوسری افراط کے مقابلہ میں ایک نئی تفریط پیدا ہو جاے - والٹیر ، روسو ، اور ڈیدرو ، ذہن و عمل کی اسی تفریط کی مخلوق ہیں - انکی ذہنی روح تعمیر سے نہیں بلکہ تخریب کے ہیجان سے پیدا ہوئی - وہ اثبات کے نہیں ، نفی کے واعظ تھے - مسیحی کلیسا کے جمود اور شاہی نظام کے استبداد نے " اثبات " اور " اعتقاد " کا جو غلو پیدا کردیا تھا ، اس نے اس رد فعل میں " نفی " اور " شک " کا غلو پیدا کردیا - یہ گویا خود اُس زمانے کی طبیعت کا فطری مقتضی تھا - بجاے " تعمیر " کی دعوت کے ایک نئی " تخریب " کی ضرورت تھی - انہوں نے کلیسائی اور شاہی جمود کا بت توڑ دیا - لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے ، اس بت شکنی میں وہ خود بھی ایک نیا بت کھڑا کر گئے - اور اسکے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار ہے !

بہرحال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر ، اس سلسلہ کی اصلی چیز ہوگی - جو مولانا ابو الکلام کے قلم سے نکلی ہے ، اور اُن کے قید خانہ کے مسودات میں سے ہے -

---

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزی قوم کے ایک غیر معمولی انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر وقائع نگار ، کارلائل موجود تھا - لوگ حکما کی خیالی نقشہ آرائیوں پر بحث کر رہے تھے - ایک شخص نے کہا " اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیادہ نہیں ہیں " جونہی اس رائے زنی کی بھنک کارلائل کے کانوں میں پڑی ، اُس نے مجمع کو مخاطب کرکے کہا :

" حضرات ! بہت عرصہ گزرا ، اس دنیا میں ایک شخص تھا - روسو - اس نے ایک کتاب لکھی تھی - جب یہ کتاب شائع ہوئی تو بہت سے آدمیوں نے اُس کی ہنسی اڑائی - لیکن جب اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ، تو اُس کی جلد باندھنے کے لیے اُنہی لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تھا ، جنہوں نے اس کی ہنسی اڑائی تھی ! "

اگر ریڈیم بگڑکر سیسہ ھوجاتا ھے تو یہاں قدرتی طورپر سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا شروع ھی سے زمین مین ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی ؟ اور کیا تمام موجودہ سیسا اصل میں ریڈیم ھی تھا ؟ بہت ممکن ھے ایسا ھی ھو' اگر ایسا ھی ھے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ھوگی- شروع میں زمین ایک ننھا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزو -

عام طور پر علماء کا یہی خیال ھے کہ زمین اصل میں ایک آتشی کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ھوئی ھے - پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی- پھر بتدریج سرد ھونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ھوئی' اور ذی روح کا مسکن بن گئی' زندگی کے یہ تخم ' ایتھر میں پڑے بہہ رھے تھے - اگر واقعہ یہی ھے تو سوال پیدا ھوتا ھے ' کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ھی کے گیس ھوں ؟ بہت ممکن ھے ایسا ھی ھو - کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ھے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ھے - دلیل اسکی یہ ھے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آتے ھی فوراً کونپلیں پیدا کر دیتے ھیں ' اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ھیں !

لیکن علماء کا پختہ خیال ھے کہ ریڈیم کی' اُس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت ' زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی - یہ اسلیے کہ اُسکے کیمیاوی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رھے ھیں - وہ ھمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ھے - خالص ریڈیم کا حصول بہت ھی مشکل ھے - اگر حاصل ھو بھی جاے تو اُسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور بھی مشکل ھوگا - کیونکہ وہ ھوا سے جلد متأثر ھوجاتا ھے - یہی وجہ ھے کہ ریڈیم کی عام تجارت اُسکے مختلف نمکوں : برومائڈ ' کلورائڈ ' کاربونیٹ ' سلفیٹ ' کی شکل میں ھوتی ھے -

(طبی فوائد)

روشنی کے روغنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رھے ھیں - طب میں اُسکے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ - میں پیئر کوری نامی طبیب کو رھنمائی ھوئی - یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی میڈم کوری کا شوھر ھے - لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ھنری ڈومینیسی ھے - سنہ ۱۹۰۶ - میں اِسنے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں دو مرتبہ چھان لی جائیں' تو وہ جسم کے اُن ریشوں کو زائل کردیتی ھیں جو سرطانی مادوں سے آلودہ ھوتے ھیں - مگر تندرست ریشوں پر اُن کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا -

اُس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ھونے لگا - مثلاً سرطان ' طرح طرح کے ورم ' نقرس ' عصبی درد ' عرق النساء ' ریڑھ کا درد ' ذیابیطس ' خون کی کمی ' ھیضہ ' ٹیفوڈ وغیرہ - خیال کیا جاتا ھے کہ ریڈیم ' ایکس ریز کے جلے ھوے زخم اچھے کردیتا ھے - ٹیفوڈ ' ھیضہ' اور بسھری کے جراثیم قتل کرڈالتا ھے - معدے کو درست کرتا ھے - اشتہا پیدا کرتا ھے ' اور اُن تمام کیمیاوی تبدیلیوں میں مساعد ھوتا ھے جو انسانی جسم میں برابر جاری رھتی ھیں -

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ھیں ' اُسکی مضرتیں بھی ھیں - مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رھنا سخت نقصان کا موجب ھوتا ھے- جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رھتے ھیں ' وہ اپنی حفاظت سیسے کی صدریاں پہنکر کرتے ھیں - تاھم اُنکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ھے - ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں - لیکن اھستہ آھستہ خون کے سفید اور سرخ ذرے بگاڑ دیتی ھیں - خون کا دباؤ ھلکا کردیتی ھیں - اکثر خون میں کمی بھی پیدا ھوجاتی ھے - ناخن بد صورت اور اُنکے گرد کی کھال کھری اور موٹی ھوجاتی ھے - چہرہ اور ھاتھوں کی جلد میں بھی التہاب پیدا ھو جاتا ھے -

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ھوئی ھے ' وہ تمام مریضوں کے علاج کیلیے بالکل نا کافی ھے - تا ھم اُسے نہایت ھوشیاری سے استعمال کیا گیا ھے ' اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ھیں کہ اُسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ھو سکے - ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا ھے ' کہ اُس سے علاج میں کام لیا جا سکے- ھر نلی ۱۸ - ۲۰ - روپیہ میں فروخت ھوتی ھے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ھے - یہ نلی بیمار کے جسم مین اُسی طرح داخل کردی جاتی ھے ' جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ھے -

اِس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کرسکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد اور کیا کیا دریافت ھونگے ؟ اور کن کن طریقوں پر اُسے استعمال کیا جا سکے گا ؟ امید کی جاتی ھے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے ' جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ھوجاے ' اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ھوجاے کہ ھماری زمین کے شکم میں سرا سر ریڈیم ھی بھرا پڑا ھے - اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ھوگیا تو کون اندازہ کرسکتا ھے کہ انسان کو کتنی قوت ' کتنی حرارت ' اور کسقدر روشنی حاصل ھو جائیگی ؟

الہلال

کا

یہ ۸ - واں نمبر ھی

لیکن

اسوقت تک ضرورت باقی ھے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جاے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید ھی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ھے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ھے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاھیے - یا اتنی وسیع اشاعت ھونی چاھیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ھوجاے -

آخري عهد مصائب كي يادگار هيں - أنميں سب سے بلند درجه أسكے " مكالمات " اور " اعترافات " كو حاصل هے - إن سے بهي بڑهكر أسكي وه تحريريں هيں ' جو أسنے پيرس كے أسقف (لاٹ پادري) اور جنيوا كي حكومت كے جواب ميں لكهي تهيں -

(روسو اور كليسا كا معركه)

إس جنگ ميں كون فتحمند رها : روسو يا أسكے دشمن ؟

إسكا جواب مدت هوئي خود زمانه دے چكا هے ! زندگي ميں أسكے ليے دنيا چار بالشت زمين كا گوشه بهي مهيا نه كرسكي' ليكن اسكے مرنے كے بعد يورپ كا تمام براعظم اپنے ذهن و فكر كا صرف ايک هي حكمراں ركهتا تها' اور وه يهي معتوب عالم " روسو" تها !

ليكن آج هميں روسو كي زندگي پر تبصره كرنا نهيں هے - روسو كي زندگي پر تبصره رسائل كے مقالات ميں نهيں' ضخيم كتابوں ميں هو سكتا هے - آج هم صرف أسكي فكري اور قلمي معركه آرائيوں ميں سے ايک خاص معركه دكهانا چاهتے هيں - يهي اسكے قلم كے معركے هيں جو تهوڑے عرصے كے اندر انقلاب فرانس كے خونيں معركوں كي شكل ميں مبدل هوگئے - يه معركه أس ميں اور پيرس كے أسقف كے درميان واقع هوا تها - بلكه يوں كهنا چاهيے' علم و عقل كے نئے ظهور اور مسيحي كليسا كے قديم جهل و جمود ميں هوا تها - هم اختصار پر مجبور هيں -

(أسقف كا بيان)

أسقف نے اپنا بيان إس افسوس كے ساتهه شروع كيا هے كه فرانس ميں كفر اور الحاد پهيلتا جاتا هے - پهر يه ثابت كيا هے كه يه صورت حال' قرب قيامت كي علامت هے جيسا كه پولس رسول نے پيشين گوئي كي هے - پهر اس مقدس مگر هولناک تمهيد كے بعد وه روسو پر پے در پے حملے شروع كر ديتا هے :

" يهي وه الحاد هے جسے ايک شخص (يعني روسو) نے اپني كتاب "اميل" Emilius ميں پيش كيا هے - إس شخص نے گناه ميں نشو و نما پائي هے - يه ايک ايسي زبان بولتا هے جو فلاسفه كي زبان هے - مگر وه خود فلسفه سے تهي دست هے - يه ايک ايسا ذهن هے جس ميں معلومات بے ترتيبي سے ٹهونس دي گئے هيں - مگر وه هنوز تاريک هے ' اور صرف اپني تاريكي هي پر قانع نهيں هے بلكه دوسرے دلوں ميں بهي تاريكي اتار رها هے - يه ايک ايسي طبيعت هے جو عجيب و غريب افكار كي دلداده اور مجهول راستوں كي شيفته هے - إس ميں اخلاق كا افلاس اور فكر كي ثروت' دونوں يكجا جمع هوگئي هيں - ايک طرف أسے متقدمين كے اصول سے شغف هے' دوسري طرف عقلي بدعتوں كي ايجاد كا جنون هے - وه خلوت پسند بهي هے اور شهرت پسند بهي - علم كي محبت كا بهي دعوى ركهتا هے اور علم كي عداوت كا بهي علم اٹهائے هے - انجيل كے كمال كا بهي اعتراف كرتا هے اور أسے جڑ سے اكهاڑ پهينكنے كي بهي كوشش كرتا هے - فضيلت كي ايسي خوبصورت تصويريں اتارتا هے كه بے اختيار تحسين و آفرين كا نعره بلند هو جاتا هے - مگر پهر فوراً هي فسق و فجور كے پهاوڑوں سے اپني بنائي هوئي شاندار عمارت گرا بهي ديتا هے - يه نوع انساني كا معلم بنكر سامنے آيا هے' مگر الحاد اور گمراهي كے سوا كچهه نهيں ركهتا - يه ضلالت كا امام هے - فساد كا مرشد هے - شيطان كا پيام بر هے - تاريكي كا رهبر هے - اور اس سے بهي كچهه زياده هے - وه اپني كتاب ميں انسان كو حيوان كے درجه ميں ركهتا هے - ايک اور رساله ميں نفس پرستي كي تبليغ كرتا هے - پهر تربيت كي كتاب لكهتا هے - مگر سراسر الحاد كي دعوت ديتا هے !"

آگے چلكر أسقف نے روسو كي كتاب " تربيت " پر اعتراض كيے هيں اور اس پر زور ديا هے كه يه " دعوت الحاد " هے - يه كتاب آج همارے هاتهوں ميں موجود هے - اسميں جس " الحاد " كي دعوت دي گئي هے وه صرف يه هے' كه وه كهتا هے : " بچه كي دماغي تربيت و تعليم ايسي هوني چاهيے كه وه خود إس قابل هوجائے كه دين حق كي معرفت پيدا كرسكے ' اور اسے تقليد و رسوم كي بنا پر نهيں بلكه فهم و بصيرت كے ساتهه منتخب كرے - هميں اس بات سے احتراز كرنا چاهيے كه أسے كوئي ايسي دماغي جكڑ بندي كي تعليم ديں جس سے أس ميں دماغي بصيرت اور مجتهدانه فكر كي قوت پيدا نه هوسكے اور دل و دماغ كسي جابرانه تاثير سے منفعل هو جائيں - هميں اس سے بهي احتراز كرنا چاهيے كه أسكے دماغ ميں كوئي ايسي بات أتارديں' جسے وه خود اپني عقل سے معلوم نهيں كرسكتا "

إس پر اسقف نے اعتراض كرتے هوئے لكها هے : " هميں إس نظريه پر كوئي اعتراض نهيں هے - ليكن سوال يه هے كه كيا بچه كو گمراه هو جانے كيليے چهوڑ دينا چاهيے ؟ اگر ايسا نهيں كرنا چاهيے بلكه أسے هميشه فطرة كي سچي راه پر ركهنا چاهيے' تو وه سچا طريقه كيا هے ؟ كتاب تربيت كا مولف بند بند لفظوں ميں الحاد كي طرف دعوت ديتا هے - ليكن هم فطرت كے سچے طريقے يعني مسيحيت كو پيش كرتے هيں - درحقيقت دين مسيحي فطرتي دين هے - فطرت هميشه إسي كي طرف رهنمائي كرتي هے - عقل انساني بجز انجيل كے راسته كے كوئي دوسري راه قبول هي نهيں كرسكتي - يه اس ليے كه انجيل كا دين' فطرت اور عقل كا دين هے !"

روسو أسقف كي تمام تشريحات برداشت كرلے سكتا تها' ليكن يقيناً اس بات كي برداشت أسكي طاقت سے باهر هوگي كه " مسيحيت فطرة كي سچائي هے " اور وه " فطرة اور عقل كے دين كي طرف رهنمائي كرتي هے " ياد ركهنا چاهيے كه يه پر جوش أسقف اور اسكے تمام هم مشرب جس " مسيحيت " اور " انجيل " پر عامل تے اور أسكي دعوت دے رهے تے ' وه " كليسا " اور " پوپ " كي " مسيحيت " تهي - نه كه مسيحيت كي پهلے عهد كي ساده اور بے ميل مسيحيت - امريكن مصنف ڈريپر كے لفظوں ميں " اٹهارويں صدي كے تمام اجتماعي انقلابات غير ضروري هوجاتے اگر كليسا اور پوپ كي نمايندگي كي جگه مسيحيت اور مذهب كي كوئي دوسري نمايندگي وجود ميں آسكتي "

دراصل ازمنهٔ وسطى سے مسيحيت كا جو جهل پرور اور مستبد مزاج پيدا هوگيا تها' اسكا قدرتي رد فعل والتغير اور روسو كا انكار اور كفر تها !

اسكے بعد اسقف كهتا هے " اگر دين مسيحي هي وه سچا طريقه هے جسكے سوا فطرت انساني كوئي دوسري راه تصور هي نهيں كرسكتي - تو پهر روسو كا ديني تعليم و تربيت پر نكته چيني كرنا بجز اسكے كوئي معني نهيں ركهتا كه وه مخلوق كو هدايت سے هٹا كر ضلالت كي طرف بلا رها هے !"

روسو نے كها تها " هر بچه جو اپنے بچپنے ميں خدا پر ايمان ركهتا هے' ايک طرح كا بت پرست هے' اور خدا كو انسان كي

یه هے یورپ کے اٹھارھویں صدی کی عجیب و غریب شخصیت جان جاک روسو - اور یه هے اُس کی انقلاب انگیز اور عالم افگن تعلیمات کا ساحرانه نفوذ ' جس کی طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا !

نپولین کہا کرتا تھا " انقلاب فرانس کچھه نه تھا مگر روسو " ایک اور موقعه پر اُس نے کہا " روسو هی انقلاب کا باپ تھا " بلاشبه روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا ' لیکن وہ اس سے بھی بڑھکر تھا - اُس نے صرف فرانس هی میں نہیں بلکه اپنے پورے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا - اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط ' لیکن عملی دنیا کا فیصله یہی ہوا که وہ آنکھه بند کرکے اُس کی رهنمائی پر چل پڑی ' اور اُس کے سوا دوسروں کی رهنمائی قبول کرنے سے انکار کردیا - اٹھارھویں صدی سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کی حکومتوں میں ' ان کی سوسائٹی اور معاشرت میں ' اُن کے عقلی اعمال و عقائد میں ' ان کے علم و فن کے کار و بار میں ' ایک بہت بڑی زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادی هیں !

(مختصر حالات زندگی)

سنه ۱۷۱۲ ع میں روسو جنیوا میں پیدا ہوا تھا - اُس کا باپ آیزک روسو ایک غریب آدمی تھا ' مگر سست ' ناکارہ ' اور بد اخلاق - گھڑیوں کی مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا - لیکن اُس کی ماں بہت هی شریف عورت تھی - اُس کی شرم و حیا اور شریفانه نسوانی جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا هے - روسو میں اپنے ماں اور باپ ' دونوں کے اخلاق جمع ہوگئے تھے - البته بعد میں اُس نے بہت کچھه اصلاح کرلی تھی -

روسو کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی - اُسے بچپن هی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق ہوگیا تھا - لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے هیں که یه مطالعه اُس کے عجیب ذهن کے لیے مضر نہیں بلکه مفید ثابت ہوا -

روسو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا که اپنی روزی کمانے پر مجبور ہوگیا - اُس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشه اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی - کئی مقامات میں اُس نے نوکری کی مگر اپنی تنگ مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجه سے کہیں جم نه سکا - نه وہ اپنے کسی آقا کو خوش کرسکتا تھا - نه اُس کا کوئی آقا اُسے مطمئن کردینے کی قابلیت رکھتا تھا !

اپنی زندگی کا یه زمانه اُس نے سخت مصائب میں گزارا - تنگ دستی همیشه اُس کی رفیق رهی - بے اطمینانی نے کبھی ساتھه نه چھوڑا - صحبت نہایت خراب تھی - سوسائٹی کا سب سے زیادہ بدترین طبقه اُس کے حصے میں آیا تھا -

(ترقی و شہرت کا پہلا موقعه)

۳۹ - سال اِس طرح گزر گئے - اب تک وہ بالکل گم نام تھا - لیکن قدرت کی نظر عنایت اُس پر شروع هی سے تھی - وہ اُسے اپنے مدرسۂ مصائب میں طیار کر رهی تھی -

سنه ۱۷۴۹ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع ہوا - فرانس کے ایک علمی مجمع (اکاڈیمی) نے ایک موضوع مقرر کیا ' اور اهل عام کو اُس پر بحث کی دعوت دی - مقابله سخت تھا - منتخب علماء میدان میں اُتر پڑے تھے - تاهم روسو نے همت کی اور مضمون لکھا - اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا - مجمع علمی نے اِس گمنام " عالم " کی قابلیت کا اعتراف کیا - اور اُسے مقابله کا انعام دیکر همت افزائی کی - اِس طرح دنیا نے پہلی مرتبه سنا که روسو ' فرانس میں ایک بڑا عالم هے !

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حمله)

اب روسو پر شہرت کا دروازہ کھل گیا - بڑی تیز گامی سے وہ آگے بڑھا ' اور تھوڑے هی عرصه کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا -

مگر کیا اِس شہرت و عزت سے اُس کی زندگی کی مصائب دور ہوگئیں ؟ نہیں ' اور زیادہ ہوگئیں - پہلے وہ صرف تنگ دستی کا شکار تھا ' اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہوگیا - جوں هی اُس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ ' هلواز ' اور امیل نامی شائع ہوئیں ' حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکه مچ گیا - دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کردی ' اور انتقام لینے کیلیے اپنے تمام هتیار سنبھال لیے !

(مصائب و محن اور خاتمه)

" امیل " کے شائع ہوتے هی ' ۹ جون سنه ۱۷۶۲ ع میں حکومت فرانس نے روسو کی گرفتاری کا فرمان جاری کردیا - مجبوراً اُسے فرار هی میں سلامتی نظر آئی - فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کی حکومت بھی اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نه ہوئی - اُس نے بھی اس کی گرفتاری ضروری سمجھی - یه حال دیکھکر اس نے هالینڈ کا رخ کیا - مگر هالینڈ بھی ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نه تھا - اُس نے بھی دار و رسن سے استقبال کرنا چاھا - اب اس کے سوا چارہ نه تھا که اٹلی میں پناہ لے - وہ اٹلی پہنچا - مگر اٹلی پوپ کا پایۂ تخت تھا - وہ اِس کے پہنچنے سے پہلے هی اس کے کفر و انکار پر گرفتاری و قتل کا فتوی صادر کرچکا تھا - بے بس ہوکر وهاں سے بھی نکلا - اور انگلستان کی راہ لی - اُسے امید تھی که انگلستان کے ایک گوشه میں پناہ حاصل کر سکیگا - لیکن افسوس هے که وہ بھی بے رحم نکلا - اب اُس کی مصیبت کا جام چھلک گیا تھا -

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی - جہاں چھپتا تھا - وهیں دشمن کا هاتھه دراز ہوجاتا تھا : ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم کے عالم میں مبتلا تھا - ابھی یه مصیبت بڑھتی هی جاتی تھی که ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہوگئی - یعنی طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام نے آگھیرا - آخر اِسی حالت میں ' که دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھه اُس پر تنگ ہوچکی تھی ' سنه ۱۷۷۸ ع میں انتقال کیا ' اور گوشۂ قبر میں پناہ لی !

اِن مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ کیا وہ اِن سے مرعوب ہوگیا تھا ؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار ہوگیا تھا ؟ کیا اُسنے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے هتیار ڈالدیے تھے ؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا - مگر صرف زندگی هی بسر کرتا - زندگی کی عظمت حاصل نه کرسکتا - اپنی موت کے ساتھه هی مرجاتا - اُسکی ساری عظمت ' اُسکی دماغی قابلیتوں سے زیادہ ' اُسکے دل کی مضبوطی میں هے - بلا شبه وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرا ' مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بنکر همیشه دشمن کا قلع قمع کرتا رها - اُسکی بلیغ ترین کتابیں ' اِسی

معرکوں کے بعد اُنکی هیبت فرانسیسی فوجوں پر اِس قدر بیٹهه گئی تهی که اُنکا نام سنتے هی میدان سے بهاگ جاتی تهیں - پچهلے دو سال برابر دروزیوں کا پله بهاری رها' واقعات ثابت کر رهے تهے که فرانس کو بهت جلد سرجهکانا پڑیگا - بلکه حقیقت یه هے که دو مرتبه فرانس نے اندر هی اندر سر جهکا دینے کا فیصله بهی کر لیا تها -

مگر افسوس' نتیجه بالکل برخلاف نکلا - فرانس نے وهی طریقه اختیار کیا جو ایسے موقعه پر همیشه طاقتور حریف اختیار کیا کرتا هے - اُس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا - یه طوالت بے سر و سامان دروزیوں کیلیے نا قابل تحمل تهی - وہ دنیا کی اول درجه کی سلطنت کے مقابله میں تنها تهے - خود انکے وطن کی دوسری جماعتیں بهی انکے ساتهه شریک نه تهیں - جنگ نے زراعت' تجارت' اور هر طرح کے وسائل معیشت سے انهیں محروم کر دیا تها - بهت دنوں تک جمے رهے - لیکن آخر کب تک قدرتی موانع سے جنگ کرتے ؟ بے بس هوکر ترک جنگ پر آماده هوگئے - اب پورا ملک پهر فرانس کے رحم پر هے' اُسوقت تک کیلیے' که مجاهدین وطن تازه دم هوکر کوئی دوسرا قدم اُٹها سکیں -

یه واقعه تمام مشرق کیلیے ایک نیا تازیانهٔ عبرت هے - اِسنے ایک مرتبه پهر یه حقیقت ظاهر کردی که تمام دول یورپ کس طرح مشرق کے غلام بنانے اور غلام رکهنے پر متفق هوگئی هیں - انمیں باهم کتنی هی منافست و رقابت کیوں نه هو' مگر مشرقی قوموں کا سر کچلنے میں وہ اپنی تمام رقابتیں بهول جاتی هیں - اتنا هی نهیں بلکه ایک دوسری کی امداد و اعانت کیلیے آماده هو جاتی هیں - شامی جهاد آزادی' اِس کی تازہ مثال هے - همارے ناظرین اچهی طرح جانتے هیں که وہ فرانس نهیں هے جسنے آج وطن دوستان شام کو نیچا دکهایا هے - بلکه وہ برطانیا هے جسکی اخلاقی و مادی امداد و اعانت نے فرانس کو فتحمند کیا هے - فرانس تو اپنا پورا زور لگا کر تهک چکا تها - وہ بالکل تخت دمشق کی بهی حفاظت نهیں کر سکتا تها - روز دروز آتے تهے اور پوری آزادی سے دمشق کی سڑکوں پر حملے کرتے تهے - حالانکه یهاں فرانس کا جنگی مرکز قائم تها - لیکن یه اُس وقت کی بات هے' جب فرانس اِس جهاد کے مقابله میں اکیلا تها - برطانیا کی اعانت اُسے حاصل نه تهی - یه واقعه هے که اُس نے گهبرا کر دو مرتبه اِراده کرلیا تها که شامیوں کے مطالبات منظور کرلے' اور اپنے ظالمانه مطامع سے باز آجاے -

برطانیه اِس معامله میں کیونکر شریک هوا ؟ مختصر تفصیل اِس کی یه هے که جب دروزیوں کو فرانس کے مقابله میں نمایاں کامیابیاں هونے لگیں تو فلسطین' شرق اردن' اور عراق میں بهی اس کی صداے بازگشت بلند هونے لگی - شرق اردن کے تیور سب سے زیاده خراب تهے - بلکه جابجا سورش بهی شروع هوگئی تهی - برطانیا نے دیکها که اگر اس علاقه میں آگ لگ گئی تو فلسطین اور عراق تک اس کے شرارے پهنچ جائینگے' اور پوری عربی قوم میں حریت طلبی کی نئی سرگرمی پیدا هوجائیگی - برطانیا نے خیال کیا' یه تمام بے چینی صرف اِس وجه سے هے که دروزیوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑها دیے هیں اور فرانس کی پیهم شکستوں سے خود برطانیا کا رعب و داب بهی بے اثر هوتا جاتا هے - وہ فرانس کی مدد کیلیے طیار هوگئی - فلسطین کے برطانوی حکام نے علانیه فرانس کی طرف امداد کا هاتهه بڑهایا' اور اپنی جنگی قوت سے دروزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے -

بد قسمتی سے جغرافیائی اور جنگی حالات نے دروزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تها - اُن پر تمام دروازے بند تهے - صرف شرق اردن کا دروازہ کهلا تها - یهیں وہ پناه لیتے تهے - یهیں تازه دم هوتے تهے - اور اسی راسته سے انهیں باهر کی مدد بهی مل جاتی تهی - برطانیا کے مخالف هوتے هی یه دروازه بهی اُنپر بند هوگیا - اتنا هی نهیں بلکه انهیں سرحدوں پر پریشان بهی کیا جانے لگا - اب دروزیوں کو دو سلطنتوں سے بیک وقت مقابله کرنا پڑا : فرانس اور برطانیا - یه بهی انهوں نے کیا - اور پورے باره مهینے تک میدان میں جمے رهے - مگر کبتک جمے رهتے ؟ سامان جنگ ختم هوگیا - رسد بند هوگئی - اب عجز بیٹهه جانے کے کوئی چارۂ کار باقی نهیں رها تها - چنانچه اس عقده بے بس هوکر بیٹهه جانے کا فیصله کرنا پڑا - انا لله و انا اليه راجعون !

شام کے پایۂ تخت دمشق کا ایک منظر عام

نقشۂ تاریخ عرب و اسلام سرزمین حسین اور اُسی قدر تو اسی معرکه نے بهی دیکهی' جنگی دنوں کے تمام مصائب بلاد عربیه پر نازل هوئے - شام' فلسطین' شرق اردن' عراق' یه تمام ممالک برطانیا اور فرانس کے قبضه میں صرف اِسی خاندان کی حیات اور طمع کی سے گئے - اِس شامی جهاد آزادی کی ناکامی میں بهی شریف حسین کے منجهلے لڑکے امیر عبدالله کا بهت بڑا حصه هے - یه نے حمیت برطانیا کے ٹکڑوں پر شرق اردن میں پڑا هے - اور برطانوی ملک گیری کی بنیادیں اپنی عزت فروشی سے مضبوط کر رها هے - اس نے دروز سے بڑی هی بے دردی اور بے حمیتی کا سلوک کیا - وہ جب پناه کی امیدیں لیکر اسکی سرزمین میں پهنچے' تو اس نے انهیں فوراً نکل جانے کا حکم دیا - اُنهوں نے پهاڑوں اور ریگستانوں میں جا کر پناه لی - مگر اسنے وهاں بهی اُنکا تعاقب کیا' اور ایک ایک کرکے سب کو فرانس کے حواله کر دیا !

اُنکی سب سے آخری جماعت' علاقۂ ازرق میں پناه گزیں تهی اِسکی تعداد دو هزار تهی - امیر عبدالله کو معلوم هوا تو اُسنے وهاں ایک طاقتور فوج بهیجدی - جنگی قانون کا اعلان کردیا' اور انهیں مجبور کردیا که اپنے آپ کو فرانس کے حواله کردیں - چنانچه تمام لوگوں نے مجبور هوکر اپنے تئیں فرانس کے حواله کر دیا - حواله کرنے والوں میں خود خاندان اطرش کے لوگ بهی هیں - مثلاً مصعب بک اطرش' علی بک اطرش' عبدالغفار اطرش وغیرهم -

صورت میں یقین کرتا ہے - عقل انسانی اِس عمر میں' خدا کا منزہ اور مطلق تصور کرهي نہیں سکتي !"

اسقف کا اِس پر اعتراض یہ ہے " اگر بچہ جنتپرست هوتا تو کئي خداؤں کا قائل هوتا - اگر اسکے تفکر میں تجسم هوتا (یعني خدا کو انسان کي صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بتاتا - حالانکہ مسیحي بچوں کا کبھي ایسا اعتقاد نہیں هوتا - وہ صحیح معنوں میں موحد هوتے هیں - مولف (روسو) نے یہ کہکر در اصل مسیحیت کو بت پرستي قرار دیا ہے !"

روسو نے لکھا تھا " میں جانتا هوں کہ نظام عالم کو ایک قادر رحکیم ارادہ چلا رہا ہے - میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا هوں ' اور اسکي معرفت میري زندگي کیلیے ضروري ہے - لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے ؟ اشیاء کي اصل ایک ہے یا متعدد هیں ؟ اُنکي طبیعت کیا ہے ؟ یہ میں نہیں جانتا ' ور نہ مجھے جاننے کي ضرورت ہے ... یہي باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا هوں - ممکن ہے یہ میري عقل کو مشغول کرلیں ' مگر مجھے کوئي فائدہ نہیں پہنچا سکتے - پھر یہ مسائل میري عقل سے بالا تر بھي هیں ..."

اِس پر اسقف اعتراض کرتا ہے " بے باک مصنف کا اِس قول سے کیا مقصود ہے ؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر رحکیم ارادہ کے ماتحت ہے - وہ اعتراف کرتا ہے کہ اِس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروري ہے - لیکن باوجود اِسکے کہتا ہے ' نہیں معلوم اشیاء کي اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے ؟ پھر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اِس نقطہ کے معلوم کرنے کي کوئي ضرورت نہیں - مصنف ' دراصل خدا کي وحدانیت پر شک رکھتا ہے - اِس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر رحکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے' کیا یہ سوال پیدا هو سکتا ہے کہ اشیاء کي اصل ایک ہے یا کئي هیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلي حقیقت کا علم ضروري هو اور دوسري کي معرفت غیر ضروري قرار پائے ؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے ؟ وہ کہتا ہے میں خدا کي طبیعت و حقیقت سے باخبر هوں ' لیکن ساتھہ هي یہ دعوی بھي کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقي ' علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکھتا ہے ! اس سے تو معلوم هوا کہ وحدانیت اُسکے خیال میں ایک " حقیر سا مسئلہ " ہے' اور کسي طرح بھي اُسکي عقل میں نہیں آسکتا - لیکن معلوم هوتا ہے' متعدد خداؤں کا تصور اُسکي عقل کے نزدیک معقول ہے - بھلا اِس حماقت سے بڑہ کر بھي کوئي حماقت هو سکتي ہے ؟"

روسو معجزات کو اس معني میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت هیں - معجزات کو منکر کرتے هوئے اُسنے لکھا ہے " بالللعجب ! همیشہ آدمیوں هي کي گواهیاں ! آدمي ' اپنے هي جیسے آدمیوں سے سنتے هیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے هیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم هوگئے هیں !"

اِس پر اسقف لکھتا ہے " اگر آدمیوں کي گواهي معتبر نہیں ہے تو پھر هم پوچھتے هیں مؤلف نے اسپارٹا ' ایتھنز ' اور روم کو کیونکر جانا جنکي عظمت کا وہ همیشہ راگ گایا کرتا ہے ؟ اِن قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود هیں ؟ وہ اِن واسطوں پر شک نہیں کرتا - لیکن مسیحي معجزات کي روایت میں وہ کوئي واسطہ منظور کرنا نہیں چاهتا - در اصل اُسکے اعتراض کي اصلي علت ' الحاد ہے - وہ خدا هي کو نہیں مانتا !"

مکتوب شام

(الهلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزي جہاد آزادي کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اِس حال میں لکھہ رہا هوں کہ هاتھہ میں رعشہ ہے ' آنکھوں میں آنسو هیں ' دل میں حسرت و الم ہے - میں هي نہیں' اِس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے ؟ دمشق کے آسمان پر اندهیرا چھا گیا ہے - اور شام کے مرغزار مایوسي کي خزاں سے مرجھا گئے هیں - اسلیے کہ آزادي کي امیدیں ملتوي هوگئیں - تین سال هوئے شام کے ابطال وطن نے آزادي کا علم بلند کیا تھا - آج وہ علم گرگیا ہے - اِس لیے پورا ملک اور اُسکي قومي غیرت ' سرنگوں ہے !

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپني سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاهدہ کیے هیں - دروز کا جہاد آزادي بھي ایک ایسا هي عظیم واقعہ ہے - مشرق کي تاریخ میں همیشہ یہ زریں حروف میں ثبت رہے گا - جبل دروز جو اِس جہاد کا مرکز تھا ' صرف پچاس ساٹھہ هزار کي آبادي رکھتا ہے - یہي آبادي ' دروزیوں کي مرکزي آبادي ہے - اور یہي دروز هیں جنھوں نے فرانس جیسي عظیم الشان سلطنت کے قدم ' شام سے اکھاڑ دیے تھے ! ابتدائي

اسقف کا بیان بہت طویل ہے - اِس مضمون میں اُسکا پورا خلاصہ بھي ممکن نہیں - لیکن اُسکا آخري اعتراض ضرور نقل کردینا چاهیے - روسو نے بادشاهوں کے وجود پر سختي سے حملہ کیا ہے - اُسقف اسکے جواب میں لکھتا ہے :

" یہ بھي مؤلف کا الحاد هي ہے جس سے متأثر هوکر وہ بادشاهوں کے وجود پر نکتہ چیني کرتا ہے - بادشاهوں کو برباد کرکے وہ ایسے قواعد جاري کرنا چاهتا ہے ' جنکا نتیجہ بجز بد امني اور طوائف الملوکي کے اور کچھہ نہیں هوگا - مصنف کے مذهب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے ؟ مصنف بد اخلاقي اور بد امني کي تعلیم دیتا ہے - لیکن دین حق حکومت الہي اور بادشاہ کي اطاعت کا حکم دیتا ہے - دین کا حکم یہ ہے کہ هر آدمي اپنے آقا کي فرمانبرداري کرے - دین کہتا ہے بادشاهي ' خدا کي قوت ہے - اُسکا پاک سایہ ہے - اور اُسي کے زمین پر نازل کي ہے - جو اِس کا مخالف ہے ' وہ خود خدا کا باغي ہے - اُس پر خدا کي ابدي لعنت هو !"

اِس طرح اُسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کي هولناکي سے شروع کرکے " ابدي لعنت " کي پیشکش پر ختم کردیا ہے !

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائي مناظر کا حملہ تھا - اب دیکھنا چاهیے ' روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے ؟ روسو کے سخت سے سخت نکتہ چیں بھي تسلیم کرتے هیں کہ اُسکا جواب اُسکي مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا -

هم آیندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کرینگے -

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص (رض) کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی: عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر ملکر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرف پھیر دیا جدہر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی، تو اُس نے اپنی فوج خاص کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا "میں تمھارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سنکر سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اُسے مجھ سے دور کر دو!"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبد اللہ!" دیر کے بعد اُنھوں نے کہا "واللہ ہم آپکی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔"

انھوں نے آہ سرد بھری "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں" اُنھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن ہائے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! ہائے کاش میں نے تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اُس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف مُنہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبد اللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" اُنھوں نے بشارتیں سُنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً جہنمی مرتا"

"پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھایئے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپنے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اس پر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر اس حالت میں مرجاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری اُمید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہم بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اُس وقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک جانور ذبح کر کے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمھاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے۔ تو دیکھا نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپنے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید ابن عبد ربہ)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبد اللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا۔ طبیعت دریافت کی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے، اور اُسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسکی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ اپنے پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں"

ابن عباس نے جواب دیا "آہ! اے ابو عبد اللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمرو بن العاص یہ جواب سنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "اُف! کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اوپر اسّی برس کا سن! اے ابن عباس تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے؟ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے! الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے"!

ابن عباس نے کہا "ہیہات! ابو عبد اللہ! آپنے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور اب دے رہے ہیں وہ چیز جو پرانی ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اسپر وہ آزردہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہے!" (استیعاب)

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہونچے، تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے یہ قول یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان من!" "اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ وہ ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اسوقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ پڑا! اور میں

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادي کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ھتیار ڈالنے سے انکار کر دیا - دمشق میں اُنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے اُنکا ایک تار پڑھا ھے - اُسمیں وہ لکھتے ھیں :

" میں نے ھتیار رکھنے سے انکار کر دیا ھے - کیونکہ مرد ھتیار نہیں رکھا کرتے - میں صحراء کي طرف اپنے خاندان کے ساتھہ جا رھا ھوں کیونکہ برطاني حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقۂ ازرق میں رھنے نہیں دیا ! "

مجھے معتبر ذرایع سے معلوم ھوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ " فلسطین چلے آئیں ' ھم امن دینگے " اِس سے اُنکي غرض یہ تھي کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپني مطلب براریوں کے لیے اُنھیں نظر بند کرکے رکھہ چھوڑیں - مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

" میں نے قسم کھائي ھے کہ کسي ایسے ملک میں ھرگز نہیں رھونگا جس پر اجنبي علم لہراتا ھو ! "

یہہ اُنکا قطعي جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطاني ' فرانسیسي ' اور عربي حلقوں میں گشت لگا رھا تھا - مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ھوگئي - لوگوں کو اچانک معلوم ھوا کہ سلطان پاشا اطرش اور اُنکے ۴۵ رفیق' سلطان ابن سعود کے مہمان ھوکر حجاز جا رھے ھیں' اور پانچ سو سے زیادہ دروزي حر اینک مسلح ھیں اور ھتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ھیں ' وہ بھي عنقریب اسي طرف روانہ ھونے والے ھیں -

لوگوں کو حیرت اِس وجہ سے ھوئي کہ نجدي از حد متعصب مشہور ھیں - اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے ھیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامي رسوم و عوائد سے دور ھیں ؟ لیکن واقعہ یہ ھے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپني اور اپني قوم کي بے تعصبي اور عربي حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کردیا - اُنھوں نے جونھي سنا کہ دروزي مجاھدین پر عرصۂ زمین تنگ ھے ' فوراً دعوت دي اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کردیا - اُن کے طرز عمل نے صرف یہي ثابت نہیں کردیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ھیں ' حتیٰ کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھي اپنا مہمان بنا لیتے ھیں' بلکہ یہ بھي ثابت کردیا کہ وہ فرانس اور برطانیا ' دونوں سے بے خوف ھیں اور اداء فرض اسلامي و عربي کي راہ میں ان کي کوئي پروا نہیں کرتے - میں یہ بات بھي آپ کے علم میں لاني چاھتا ھوں کہ مجاھدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ھندوستاني زعماء نے جو مدد کي تھي' اس کا یہاں ھر شخص کو اعتراف ھے - یقیناً آپ کے لیے اس کي ضرورت نہ ھوگي کہ مزید تشریح کي جائے -

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اِس پر ھوا کہ سلطان پاشا اطرش ' دومۃ الجندل میں قیام کریں گے - " دومۃ الجندل " کے لفظ میں عربي تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ ھیں ' ان سے آپ بے خبر نہ ھونگے - جغرافیائي حیثت سے اس مقام کي جو اھمیت ھے ' وہ بھي آپسے پوشیدہ نہ ھوگي - یہ وھي مقام ھے جسے آج کل " جوف " کہتے ھیں - یہ نجد ' حجاز ' اور شرق اردن کي سرحدوں پر واقع ھے ' اور جنگي نقطۂ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے اھم ترین مقام ھے - سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معني رکھتا ھے کہ وہ شام کي سیاست سے بالکل الگ نہیں ھوگئے ھیں' اور اُن کے دلوں کي امیدیں اب تک زندگي کي آرزوئیں رکھتي ھیں !

(امن کے مظاھرے)

دروزیوں کے ھتیار رکھدینے کے بعد ھي ھر طرف حکومت نے امن کے مظاھرے کرنا شروع کردیے ھیں - دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگي چوکیاں تھیں ' سب اٹھا لي گئي ھیں - فوجي قانون کي عدالت بھي اٹھہ گئي ھے - جنگي قوانین بھي امروز فردا میں اٹھا دیے جائینگے - حکومت کي طرف سے کئي نئي سڑکیں جاري کرنے کا اعلان ھوا ھے - کئي نئي عمارتوں کي تعمیر بھي شروع ھوگئي ھے - اِن تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھلانا ھے کہ اب ملک حالت امن میں ھے' اور اُس کي قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئي ھے -

ھاں' ان کے جسموں پر تو غالب آگئي ھے' لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ھیں ' وہ ایسے نہیں ھیں جو صدیوں سے پہلے مندمل ھو سکیں !

(ھائي کمشنر کي مہر سکوت)

اب تک ھائي کمشنر موسیو بونسو' بالکل خاموش تھے ' اور اپنا انداز کچھہ اس طرح کا بنا رکھا تھا ' گویا وہ ملک کو کچھہ دینے اور اُس کے مطالبات منظور کرنے والے ھیں - مگر دروزیوں کے ھتیار رکھتے ھي اُن کي مہر سکوت بھي ٹوٹ گئي - اُنھوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق نہ عجیب تصریح کي ھے :

" اخبارات مجھے ملامت کر رھے ھیں کہ میں خاموش ھوں - مجھسے بولنے کا اصرار کیوں ھے ؟ کیا یہ چاھا جاتا ھے کہ میں کوئي ایسا وعدہ کرلوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا ھوں - قول پسند نہیں کرتا "

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا " آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائنگے ؟ کچھہ تو کہیے ؟ " ھائي کمشنر نے جواب دیا " آپ مجھسے یہ خواھش کیوں کرتے ھیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟ "

ھمیں اس جواب کي معقولیت سے انکار نہیں - دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جبھي بن سکتا ھے ' جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کرلیں - اگر ایسا نہیں ھے تو یقیناً دو صدیاں بھي اس کے لیے کافي نہیں - شام نے مجبور ھوکر تلوار اٹھائي اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کردیا ' مگر افسوس ھے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ھونے والا نہ تھا - ان کي شمشیریں جن سے وہ آلۂ تعمیر کا کام لے رھے تھے ' ٹوٹ گئیں - اب دنیا کو انتظار کرنا چاھیے کہ یہ ٹوٹي ھوئي شمشیریں پھر ڈھالي جائیں ' اور از سر نو شام کي قسمت کا آسمان تعمیر کیا جا سکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اِس وقت کي آمد میں ھمیں کوئي شک نہیں ھے - اگر شام کي تمام آبادي سے قطع نظر بھي کرلي جائے ' جب بھي صرف دروزي قبائل ھي کا گروہ ایک ایسا گروہ ھے جو اس طرح کي ھزار نا کامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھي جنگ آزادي سے باز نہیں آسکتا - آج وہ تھک کر بیٹھہ گئے ھیں ' تو کسي دوسرے دن اُٹھہ بھي سکتے ھیں - اس سفر میں ونفۂ و سکون کے بغیر چارہ نہیں - یہ ضروري ھے کہ جونھي اُنھیں دوسرا موقعہ ملا ان میں سے ھر متنفس کا سر اُس کي ھتیلیوں پر آجائیگا - اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادي سے متعجب کردیں گے !

لیکن ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ۵۹۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور لیریا بھی بہت عام ہوا اور بُری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہے۔

شراب

"میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اٹالین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر یوتارا نے اپنی کتاب "اصول اقتصاد" میں لکھا ہے کہ اٹلی میں ۴۰ لاکھ ایکڑ زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی اٹلی کے انگوری باغوں کا رقبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رقبہ سے ۱۰ لاکھ ایکڑ زیادہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب انہی دو ملکوں میں بنتی ہے"۔

"لیکن یہ امر قابل اطمینان ہے کہ شراب خواری سے موتیں برابر کم ہوتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۸۶۴ موتیں ہوئی تھیں لیکن ۱۹۲۵ء میں گھٹ کر ۱۳۱۵ ہو گئیں۔ پہلے ملک میں ۱۸۷۰۰۰ شراب خانے تھے۔ ہم نے ۲۵ ہزار بند کر دئے۔ آئندہ ہم اور بھی بہت سے شرابخانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسشزم والے شرابیوں کے ووٹوں کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہوا کرتے تھے۔ اب وہ عہد، ایک افسانہ بن چکا ہے"

آبادی

"ہمیں اُمید ہے کہ ناکتخدائی کے محصول سے حکومت کو سالانہ ۴ کروڑ سے ۵ کروڑ پونڈ تک آمدنی ہوگی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ محصول محض خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔

"بعض "عقلمند" کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی بہت زیادہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ میں صاف لفظوں میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ کا ہوتا ہے) اٹالین، نوّے ملین جرمن، اور دو سو ملین سلاویوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ مٹھی بھر اٹالین، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین اُن کے مفتوحہ ممالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۴۶ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار سو ملین اُن کی مفتوحہ آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ اگر اٹلی چاہتا ہے کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آئندہ ۵۰ سال میں اُسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہونچا دینی چاہئے!"

"نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہے۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ شہنشاہ اگسٹس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر باطن میں سلطنت، نمک کے پہاڑ کی طرح پگھل رہی تھی۔ رومن جمہوریت کی آخری صدی یعنی جولیس سیزر کے وقت سے اگسٹس تک وہ زمانہ تھا جسمیں رومن ارباب حل و عقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ براندام تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ اگسٹس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ مورخوں میں اختلاف ہے کہ یہ قانون مفید ہوا یا مُضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دوا کی سی ہے۔ دوا وقت ہی پر مفید ہو سکتی ہے۔ اور بے وقت استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب ضرورت کے وقت نافذ ہوتا ہے تو نفع پہونچاتا ہے، ورنہ بیکار یا نقصان رساں ثابت ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مُضر لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوموں کی قسمت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہے"

"تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہو جائیگی۔ فرانس کس زمانہ میں دُنیا کا حاکم تھا؟ صرف اُس زمانہ میں، جبکہ اُس کے پاس خاص اپنے فرزندوں کی ایک جرار فوج موجود تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ ۴۰ ملین فرانسیسیوں کے مقابلہ میں صرف چند ملین جرمن اور چند ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہو گیا، کیونکہ اُس کی نسل گھٹنے لگی۔ ۱۸۱۵ء سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے، حالانکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی میں ۴۰ ملین اور اٹلی کی آبادی میں ۱۶ ملین کا اضافہ ہو چکا ہے"

"اسوقت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہے:

سویڈن میں فی ہزار ۱۷
فرانس میں فی ہزار ۱۸
ناروے میں ۱۹
جرمنی میں ۲۰
ڈنمارک میں ۲۱
اٹلی میں ۲۹
بلغاریہ میں فی ہزار ۴۰

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں بڑھ رہی ہے"

یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقرر نے کہا:

"پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم الشان سلطنت قائم نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہم عنقریب مفتوح و محکوم ہو جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حقائق کا اعلان کر دیا جائے۔ ورنہ ہم ہمیشہ یونہی اوہام اور دل خوش کُن مگر بے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے"

انتظامی حالت

اس کے بعد مسولینی نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اسوقت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد میں پولیس موجود ہے اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہے۔ چنانچہ فی الحال اٹالین پولیس کے پاس ۴۷ نئی قسم کی موٹریں ۲۹۰ لاریاں، ۱۹۸ موٹر سائیکلیں، ۹۸ اسٹیمر اور ۱۲ ہزار بائیسکلیں ہیں۔

پھر اتنی کثیر مقدار میں پولیس رکھنے کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مسولینی نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتلایا کہ ملک میں جرائم کی کس قدر کثرت ہے؟ چنانچہ صرف ایک علاقہ "لوتین" میں ایک سال کے اندر حسب ذیل بڑے بڑے جرم واقع ہوئے:

پولیس سے لڑائیاں ۱۷۱ مرتبہ۔
عمداً آگ لگانے کے واقعات ۲۷۸
قتل ۱۶۹
چوریاں ۲۰۸۲
لوٹ ۴۰۴

فیشسٹ حکومت کے مقاصد

اٹالین ڈکٹیٹر کی تقریر کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے ہم اُس کا بڑا حصہ ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں:

"آپ سب اُن حالات سے باخبر ہیں جن میں میں نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان لیا تھا۔ نیز آپ کو ۱۳ نومبر کا وہ تاریخی دن بھی یاد ہے جسکی نظیر اس ملک میں مدتوں سے نہیں دیکھی گئی۔ ساتھ ہی وہ معمولی واقعہ بھی آپکے ذہن میں ہوگا جو میرے قتل کے اقدام سے تعلق رکھتا ہے۔ ٹھیک اُسی تاریخی دن، میں نے میز پر سے ایک کاغذ اُٹھایا تھا اور پنسل سے اُس پر وہ نظام عمل لکھ دیا تھا جس پر ملک کی حکومت کر لینا چاہئے۔ اُس نظام عمل کا خلاصہ یہ تھا کہ فیشسزم کے مخالف مٹا دئے جائیں۔ یہ نظام عمل پُوری طرح کامیاب ہوا، اور آج اس سرزمین پر ہمارا کوئی مخالف باقی نہیں رہا ہے!

"بیرونی دنیا میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ میں نے ۲ لاکھ سیاسیوں کو نظر بند کر رکھا ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہم نے ۱۵۴۱ سیاسیوں کو تنبیہ کی، ۱۹۰۹ کو ملامت کی، اور صرف ۶۹۸ کو جلا وطن کر دیا"!

قارئین الہلال شاید ان دو لفظوں "تنبیہ" اور "ملامت" کے موجودہ اٹالین معانی نہ سمجھے ہونگے۔ مسولینی کی لغت میں "تنبیہ" کے معنی یہ ہیں کہ مخالف کو زبردستی کسٹرائیل (رینڈی کے تیل) کی ایک پُوری بوتل پلا دینا۔ اور "ملامت" کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے پیٹ میں پٹرول کا ایک پورا ٹین اُتار دینا! یہ کسٹرائیل اور پٹرول مسولینی کے بہت ہی خوفناک ہتیار ہیں۔ ان کے نام سے مخالف تھراتے ہیں۔ ادنیٰ سی مخالفت پر یہ عجیب و غریب مگر خوفناک سزائیں بے تامل دیدیجاتی ہیں!

اس کے بعد مقرر نے کہا

"بعض لوگ سمجھتے ہیں، سیاسی مجرموں کو جلد معافی ملنے والی ہے میں اس کی تغلیط کرتا ہوں۔ ۱۹۳۲ء سے پہلے معافی کا سوال پیش ہی نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے یہ بہت سختی ہے۔ کیا یہ سختی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک قسم کا جُلاب ہے اور اس سے مقصود بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ عناصر دُور کر دئے جائیں جو ہماری ہیئت اجتماعیہ میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ کیا طبیب کا مریض کو مسہل دینا سختی ہے؟ میں نہیں سمجھتا دنیا کا کوئی دانش مند انسان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے"

اٹالین انقلاب

"ہمارے انقلاب کو کون خونخوار قرار دے سکتا ہے؟ ہمارا انقلاب درحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ قدرتی انقلاب ہے۔ جو ہمیں سفاک کہتا ہے، وہ ہمارے سامنے آئے، اور ہم سے رُو در رُو باتیں کرلے۔ کیا دنیا اس قدر جلد انقلاب فرانس کو بھول گئی؟ انقلاب فرانس، صحیح معنوں میں خونریز تھا۔ تقریباً ۲۰ آدمی روزانہ گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلۂ قتل) کی نذر ہوتے تھے۔ یہ اُن ہزاروں مقتولوں کے علاوہ ہیں جنھیں قیدخانوں میں مارا گیا، آگ میں جلایا گیا، پانی میں غرق کیا گیا۔ صرف مرد ہی قتل نہیں کئے جاتے تھے بچے اور عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں۔ مجھے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپنے یقیناً وہ کتاب پڑھی ہوگی جس کا نام "عہد ہولناکی میں مقتول عورتیں" ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ دو ہزار عورتیں بے دردی سے مار ڈالی گئی تھیں۔ بہت سی عورتیں صرف اس جرم میں ماری گئیں کہ اُنھوں نے صلیب کو بوسہ دیا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے حکمراں سمجھتے تھے، یہ مذہبی عقیدت رجعت پسندی کی علامت ہے۔ فرانس کے انقلابیوں کا عقیدہ تھا کہ "انقلاب کی کامیابی کے لئے خونریزی ضروری ہے" پھر ہم پر کیوں ملامت کی بوچھاڑ ہے؟ ہم تو صرف اپنی "مدافعت" کر رہے ہیں۔ نہ کہ انقلاب فرانس کی طرح حملہ!"

"بعض لوگ کہتے ہیں، ہر مجلس (پارلیمنٹ) میں مخالف جماعتوں کا وجود ضروری ہے۔ میں حقارت کے ساتھ یہ اصول ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں کوئی مخالف جماعت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اٹلی میں فیشسٹوں کے علاوہ کسی جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ ہاں، میں نہ تو کوئی مخالف اخبار جاری ہونے دوں گا، نہ کسی مخالف جماعت کا قائم ہونا گوارا کروں گا۔ آج پورا اٹلی صرف ایک جماعت رکھتا ہے، اور وہ میری جماعت ہے!"

"بعض لوگ خیال کرتے ہیں، مجھے حکومت کرنے کا شوق ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ میرا سخت سے سخت دشمن بھی مجھے خود غرض اور حکومت کا بھوکا پیاسا نہیں بتا سکتا۔ میں حکومت کے سر پر صرف اس لئے ہوں

برید فرنگ

اٹلی کے نئے اصول حکمرانی

مسولینی کی عجیب و غریب تقریر

موجودہ دنیا میں جمہوریت کے رد عمل نے شخصیت اور شخصی استبداد کے جو مظاہر پیدا کر دئے ہیں، شاید ان میں سب سے زیادہ عجیب منظر اٹلی کا مسولینی ہو۔ ضرورتا ہے کہ دقت نظر کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

پچھلے دنوں اٹلی کی مجلس (پارلیمنٹ) کا افتتاح کرتے ہوئے مسولینی نے جو تقریر کی تھی، وہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر ہو جو کسی موجودہ زمانے کی مجلس حکومت کے سامنے کی گئی ہو۔ اسمیں مسولینی نے وہ تمام پارلیمنٹری روایات پس پشت ڈالدیں جن پر آجتک عمل درآمد چلا آتا تھا۔ یورپ نے یہ تقریر دہشت اور استعجاب کے ساتھ سُنی، لیکن اپنے سیاسی حلقوں کے پیچ در پیچ معاملات کی وجہ سے نکتہ چینی کی جرأت نہ کر سکا۔ البتہ امریکہ کے اخبارات نے اسپر سختی سے نکتہ چینی کی ہو۔ اُن کا متفقہ فیصلہ ہو کہ "مسولینی مجنون ہوگیا ہو"!

مسولینی مجنون ہو یا نہ ہو، لیکن اسمیں شک نہیں کہ یورپ کی موجودہ سیاست کا دماغ کوئی مجنونانہ قدم ضرور اُٹھانے والا ہو!

اس تقریر کا بہت مختصر خلاصہ ریوٹر ایجنسی نے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا۔ اب یورپ کی تازہ ڈاک میں پوری تقریر آگئی ہو۔ ہم اُس کے بعض حصّوں کا ترجمہ شایع کرتے ہیں تاکہ ناظرین الہلال یورپ کے موجودہ سیاسی مزاج کی ایک اہم حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

مسولینی نے مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

"مجھے نہایت افسوس سے اعلان کرنا پڑتا ہو کہ آج میری تقریر مختصر نہیں ہوگی جیسی میری پچھلی تقریریں ہوائی ہیں۔ آج مجھے بہت سے معاملات پر بحث کرنی ہو۔ آج میں اٹالین قوم کے سامنے اُسکی اصلی تصویر پیش کرنی چاہتا ہوں۔ آج میری تقریر میں بہت سے اعداد و شمار بھی ہوں گے، اس لئے نہیں کہ اعداد و شمار، قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہو۔ بلکہ اس لئے کہ اعداد و شمار قوموں پر صحیح حکومت کرنے کے لئے ضروری ہیں، خصوصاً موجودہ زمانہ میں، جبکہ حکومتوں کے فرائض از حد پیچیدہ ہو رہے ہیں۔

"بنا بریں میری یہ تقریر بہت ضروری بھی ہوگی، اور شاید بہت تکلیف دہ بھی ثابت ہو۔ ضروری اس لئے کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کہوں گا۔ تکلیف دہ اس لئے کہ میں ایسی تصریحیں کروں گا جو شاید تلخ ہوں اور دنیا کے بعض مسلّم مبادیات کا خاتمہ کر دیں۔ البتہ وہ دلچسپ بھی ضرور ہوگی۔ کیونکہ میں اسمیں وہ خاص منطق استعمال کروں گا جو خود میں نے ایجاد کی ہو، جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہو (قہقہہ)

"میں اپنی تقریر کے اس حصہ میں ہنسوں گا، ہنساؤں گا، اور فیسسٹزم کے داخلی اور خارجی دشمنوں پر طعنہ زنی کروں گا۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حکومت کے وزیر اعظم کو ہمیشہ غیر دلچسپ تقریر کرنی چاہئے اور اُس میں صرف پیچیدہ اور مغلق الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

"میری تقریر تین حصوں پر منقسم ہوگی:

(۱) نسل اور صحت کے لحاظ سے اٹالین قوم کی حالت

(۲) ملک کی انتظامی حالت

(۳) حکومت کی حکمت عملی کے نتائج حال و مستقبل میں۔

تندرستی

"ہر متمدن ملک میں تندرستی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہماری تندرستی فی الحال کیسی ہو؟ قوم کی جسمانی قوت بڑھ رہی ہو یا گھٹ رہی ہو؟ یہ سوال صرف ڈاکٹروں ہی سے مخصوص نہیں ہو۔ اسپر حکومت کو، بلکہ پورے ملک کو، نہیں، ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا چاہئے۔"

اس کے بعد مقرر نے بتایا کہ گذشتہ ۴۰ برس کے اندر جلد موٹی ہو جانے کی بیماری اٹلی میں سب سے زیادہ عام رہی، مگر اب حکومت کی کوششوں نے ملک کو اس سے نجات دیدی ہو۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں پورے ملک میں اس بیماری کے صرف ۱۰۸ مریض باقی رہ گئے تھے۔

تپ دق کے متعلق وزیر اعظم نے بتایا کہ اسوقت بھی یہ مرض بہت عام ہو اور ترقی کر رہا ہو۔ ۱۹۲۲ء میں اس سے ۵۲٬۲۹۳ موتیں ہوئیں

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۳)

دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں (الکامل جلد ۱) گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہو۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہو!" (ابن سعد)

دولت سے بیزاری

اسی حال میں انھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کرکے اپنے بیٹے عبد اللہ سے کہا "اسے لے لے" آپکے بیٹے عبد اللہ کا زہد مشہور ہو۔ اُنھوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" عمرو نے کہا "اسمیں دولت ہو" عبد اللہ نے پھر انکار کیا۔ اسپر ہاتھ مل کر کہنے لگے "کاش اسمیں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں!" (الکامل ج ۱)

دعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے یہ کلمات زبان پر تھے: "الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہمنے عدول حکمی کی۔ الٰہی! تو نے منع کیا اور ہمنے نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا" (ابن سعد)

گے؟" میں نے سوال کیا۔

سب لاجواب ہو کر میرا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور نتیجہ خیز حرکت کی ضرورت ہے!"

"مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں دیکھ رہے ہو!" وزیر داخلیہ نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان وحید الدین سے رخصت ہونے کے لئے قصر "یلدز" میں پہونچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باسفورس کی نیلگوں سطح سامنے تھی۔ برطانوی بیڑے لنگر انداز تھے۔ اُن کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اُٹھیں اور انگریزی آہن پوشوں (ڈریڈ ناٹوں) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سمندر سے اُٹھ کر کمرے میں واپس آئیں، اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کرلیں۔ ریاکاری سے کہا "مصطفیٰ! یہ دیکھتے ہوا میرا دل خون ہوتا ہے! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اُس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہے! اُس کی زندگی اُنکی توپوں کے رحم پر ہے! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا ہے خدا تمھارا رفیق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اُس کا سُلطان اس حال میں ہے!"

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا "تمھارے کارنامے اب اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہکر اُنھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمھارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہو گئے ہیں۔ اب تم اُنھیں بھول جاؤ اور نئے کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے نکلے!"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جا کر اتحادیوں کے مخالف خیالات کا خاتمہ کر ڈالوں۔ میں اُن کی غرض سمجھ گیا:

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی ایسے کام کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہوگئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بُعد تھا؟

قصر سے میں نہایت متاثر نکلا اور "شیشلی" میں اپنے مکان پہونچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے سازش کی ہے کہ تمھارے جہاز کی روانگی میں دیر ہو جائے۔ تاکہ اُنکے جہاز بھی سفر کے لئے طیار ہو جائیں اور بیچ سمندر میں تمھارا جہاز غرق کر دیں!"

یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچتے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "محکمۂ جہازرانی کے ماہر اسوقت جہاز کے کل پرزے معائنہ کر رہے ہیں۔ اُن کا حکم ہے، جبتک وہ اجازت دیں جہاز نہ چلے"۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے۔ میں نے بڑی سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہروں سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اُن کی پروا نہ کرو، جہاز کا لنگر اُٹھا دو"

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دُور آگے چلکر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "میرا جہاز بہت پرانا اور سست رفتار ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا"

میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں خشکی تک جان بچا لے جا سکوں گا"

چنانچہ میری حسب ہدایت جہاز کنارے کنارے چلا۔ یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہو گیا تھا جسنے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس حکیم کارساز کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کامیاب ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا ورود

بہرحال تالیوں اور نعروں کے شور میں غازی ممدوح کا جہاز قدیم شاہی محل "طولما باغچہ" پہونچا۔ ایک طرف پُرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نقطوں سے توپوں کی سلامی داغی جا رہی تھی!

"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی افسروں کو ملاقات کے لئے طلب کر لیا۔ اُس کے بعد ملاقات کے ایوان میں پہنچے۔ یہاں شہر کے . . . ۸ نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اسمیں پُرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اُسکے گرد زرکش لباسوں، چمکیلے تمغوں، مطلا تلواروں سے آراستہ، وزراء و امراء کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہو گیا تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقعہ ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک دمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور مساویانہ روح میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبروت اب مفقود ہو گئی ہے لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کر دی ہے!

یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا سپاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک برجستہ تقریر کی۔ اُن کی آواز حسب عادت بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپکے واسطے سے آستانہ، اُسکے باشندوں، اُس کی انجمنوں، اور اُس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ میں اُن شاندار مظاہرات سے ازحد متاثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہموطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ حسرت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جُدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گذارے ہونگے؟"

"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے مابین واقع ہے، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہے۔ تمام ابنائے وطن کے دلوں میں اُس کی محبت جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ ایک مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہو گئے تھے۔ اُن میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکاں دل لئے پھرتا تھا"

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شعاعیں پیدا کر دیں۔ رات کبھی کی ختم ہو چکی ہے، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہو چکا ہے!"

"مضطرب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس حال میں چھوڑا تھا، کہ میرا دل زخموں سے چُور تھا، اور ایک شخص بھی مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اُس کا خندۂ مسرت اور قہقہۂ انبساط میرے سامنے ہے! شگفتہ حسن اب دوبالا ہو گیا ہے۔ میرا دل بھی مطمئن ہے، میں اسوقت اپنے آپ کو استانبولیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

"گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیئت اجتماعیہ کا عہد جدید، بغاوتوں، انقلابوں، اور اُن کے نتائج سے لبریز ہے۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس عہد میں جو قابلیت ظاہر کی ہے، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہے۔ ہمپر فرض ہے کہ پوری ہوشیاری اور پورے عزم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسوقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ مفید اور صحیح علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے۔"

"میں آپسے اے عزیزان آستانہ! یہ کہتے اس محل میں کھڑا ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اسمیں ایک ایسی شخصیت رہتی ہے جسے، ولیوں کی قوت حاصل ہے! آج یہ محل اس شخص سے خالی ہے جسے "ظل اللہ فی الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہے، جو سایہ نہیں بلکہ محسوس حقیقت ہے۔ اسوقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہے کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا مہمان ہوں . . . "

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کرکے تمام حاضرین سے مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اسی اثنا میں تھریس کا بھی دورہ کریں گے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہے کہ صوفیا اور بلگراد بھی جائیں گے تاکہ بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عہدنامے سرانجام دیں۔

کہ حکومت کو میری ضرورت ہے۔ اٹلی کا فیصلہ یہی ہے کہ موسولینی حکومت کرے۔ لہذا موسولینی برابر حکومت کرتا رہیگا!"

دُنیا کا امن

"حضرات! دُنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ برلن میں ۱۱ لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ اُن کے جھنڈوں پر یہ عبارت کندہ تھی: "ٹریسٹے سے زیکا تک!" لہذا ابھی امن و امان کی گفتگو قبل از وقت ہے۔ ہمیں پوری مستعدی سے اپنی بَری، بحری، اور ہوائی قوتوں کو ترقی دینی چاہیے۔ ہمارے پاس کم سے کم ۵ لاکھ بَری فوج ہر وقت طیار رہنی چاہیے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت ہوائی قوت کی ہے۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہیے۔ ہمارے ہوائی جہازوں کو اتنا بڑا ہونا چاہیے کہ اُن کی آواز، دُنیا کی تمام آوازوں کو دبا دے، اور اُن کے پَر سُورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ سنہ ۱۹۳۵ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک کا درمیانی زمانہ یورپ کی قسمت کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اُسوقت ہمارے پاس اتنی قوت ہونی چاہیے کہ ہم دُنیا کو اپنی آواز سُننے اور اپنے حقوق منوانے پر مجبور کر سکیں"....!

اس تقریر کا ایک قابلِ لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امریکن اخبارات اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عنقریب شاہ معزول ہوجائے گا اور اٹلی کے تخت شاہی پر بھی مسولینی ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

تصحیح

الہلال نمبر ۳-۴ کے مذاکرۂ علمیہ میں ایک مضمون بہ عنوان "عمالیق" درج ہوا تھا۔ اسمیں درازیِ قد کے طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سَر کی گلٹی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسمیں ایک غلطی ہوگئی ہے۔ براہ عنایت قارئین الہلال اس کی تصحیح کرلیں۔ انگریزی میں اس گلٹی کا نام Paraliad gland چھپ گیا ہے۔ حالانکہ صحیح نام Pituitary gland ہے۔ میں عبدالرحیم صاحب میڈیکل اسکول امرتسر کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اسپر توجہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہوگئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ ہی میں یہ غلطی ہوگئی تھی، اس لئے جب اُس کے لئے عربی اصطلاح دیکھی گئی تو قدرتی طور پر وہ لفظ اختیار کیا گیا جو Paraliad gland کے لئے ہے اور وہ "الغدۃ النکفیۃ" ہی ہے۔ لیکن چونکہ یہ وہ گلٹی ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ "غدۃ النکفیۃ" بھی نہیں ہے Pituitary gland کے لئے عربی تشریح میں دماغی اور نخامی غدہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ان دونوں گلٹیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہے کہ "غدہ نکفیہ" کان اور کنپٹی کے درمیان ہوتی ہے، اور اس کا فعل یہ ہے کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی رہے۔ لیکن غدۂ دماغی کا محل دوسرا ہے۔ وہ سَر کے نیچے اور ناک کے عقب میں واقع ہے، اور اس کے خواص وہی ہیں جو مضمون مذکورہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "توضیح فی اصول التشریح" نے (جو جدید فنِ تشریح میں لکھی گئی ہے) اس کے لئے صرف دماغی گلٹی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (ابوالکلام)

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد۔ تاریخ کی یاد۔ غازی کی تقریر

غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سُورج نکلا تو شہر عروس نَو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ "ازمیت" سے غازی، یخت (جہاز) "ارطغرل" پر بیٹھیں گے اور اُسی پر آستانہ پہنچیں گے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازمیت کی طرف استقبال کو روانہ ہوگئے تھے۔ یہاں کے سمندر میں جتنے بھی جہاز، اسٹیمر اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہوگئی تھیں، اور سب "جزائر امراء" کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی جتنی مخلوق تھی، ساحلوں پر سمٹ آئی تھی۔ سویرے میں نے مکان کی بالائی منزل سے مُنہ نکالکر دیکھا، تو سمندر کے کنارے کنارے انسانی سروں کا ایک صحرا بے کنار نظر آتا تھا!

غازی کا یخت، جوں ہی "جزیرۃ الامراء" کے سامنے پہونچا، بیک وقت لاکھوں منہ کھل گئے، اور اتنا بڑا نعرہ بلند ہوا، کہ سواحل ایشیا اور سواحل یورپ کے پہاڑ تک گونج اُٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اب سے ۸ سال پہلے کا زمانہ یاد آگیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگِ عظیم نے ترکی سلطنت کی چولیں ہلا ڈالی تھیں، تمام شیرازہ بکھر گیا تھا۔ خود پایۂ تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اُنکے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اس شہر پر کیسا سناٹا چھایا ہوا تھا؟ موت کا سا سناٹا! تمام زبانیں گنگ تھیں۔ اتحادی بیڑے اپنی بے پناہ توپوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صف آرا تھے، اور سلطان کا دل خوف سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفےٰ کمال جن کے سامنے آج لاکھوں نظریں فرشِ راہ ہورہی ہیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سر نیچا کئے، غمگین صورت بنائے، بازاروں میں جاتے تھے، اور خود میں نے اپنی انھیں آنکھوں سے اُن کا پژمُردہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُسوقت بھی گمنام نہ تھے۔ درۂ دانیال کے ہیرو تھے۔ مگر جنگ، شکست پر ختم ہوئی تھی، اس لئے جنگ کے تمام ہیرو سرنگوں ہورہے تھے۔ کوئی اُن کی بات تک نہ پوچھتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کیجاتی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں انہی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفےٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یاد دلوں میں تازہ کردی۔ جنھیں معلوم ہے اُنھیں معلوم ہے، جنھیں معلوم نہیں، وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفےٰ کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہے۔ ضروری ہے، ہم اُسپر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سُنا دی جائے۔ حال ہی میں اُنھوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

"جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم حد سے تجاوز کرگئے، اور علانیہ زیادتیاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہوگیا۔ میں نے عزم بالجزم کرلیا کہ اناطولیہ چلا جاؤں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کردوں، اور اگر ممکن ہو، تو اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کردوں۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ اُن کی سعی و اعانت سے مجھے کامیابی ہوئی تقریب یہ ہوئی کہ علاقۂ صامسون اور اناطولیہ کے بعض حصوں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ داماد فرید پاشا وزیر اعظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کرے۔ اُنھوں نے ایک ایسا شخص اناطولیہ بھیجنا چاہا جو ہر طرح کی بےچینی کا قلع قمع کرسکتا ہو۔ اُن کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کردیا گیا۔ مگر اُن کے دل میں کچھ کھٹک ضرور تھی۔ وہ بار بار اپنا فیصلہ منسوخ کردیتے تھے۔ خود وہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتی کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط ثبت کرنے سے انکار بھی کردیا تھا۔ اُسنے کہا تھا میں مُہر کئے دیتا ہوں۔ اگر اس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہوئی تو میں انگریزوں سے یہ کہکر پیچھا چھڑالوں گا کہ مجھے اس شخص کے انتخاب کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری مُہر چوری سے لگا دی گئی ہے!"

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقرری ہوگئی۔ ۱۶ رمئی سنہ ۱۹۱۹ء کو مجھے جہاز "باندرمہ" سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیروں سے رخصت ہونے کے لئے باب عالی گیا۔ وزراء نہایت بدحواس ہورہے تھے۔ وزیر داخلیہ نے دوڑ کر مجھ سے کہا:

"تم نے کچھ سُنا؟ شرارت کی حد ہوگئی! یونانیوں نے سمرنا پر فوجیں اُتار دیں!"

وزیر بحریہ نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

"پھر اب کیا کروگے؟"

"ہم احتجاج کرینگے" اُنھوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افسردگی سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ مگر کیا تمہارے احتجاج سے یونانی سمرنا خالی کردیں

یہ وہ علاقہ ہے جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود اُتر آئی ہے۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کرتا ہوں بہتر دست موسیو ڈلکاسا برطانیہ سے گفت و شنید کر رہے ہیں کہ فرانس انگریز کے لئے مصر چھوڑ دے، اور انگریز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں"

میرے دوستو! ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزائن کا تصور کرو جو مراکش میں تمھیں حاصل ہونگے۔ پوری سرزمین زرخیز ہے بیش قیمت کانوں سے لبریز ہے۔ تم وہاں کی کانیں کھولوگے۔ بےحساب غلہ پیدا کروگے۔ روئی اتنی حاصل ہوگی جس کا اسوقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا"

"کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہوگے؟ حالانکہ تم ہی دونوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو تمام فرانسیسیوں پر خاص امتیاز حاصل ہے۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا نیچا کیا۔ اسلام کے ملک پر صیحیت کا سکہ بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت بہم پہونچائی۔ لہذا تم ہی افریقہ کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک بنوگے۔ راس قابس سے بحر اٹلانٹک تک، اور بحر متوسط سے صحرا اعظم تک، تمام علاقے تمھارے ہی ہیں لیکن باہم متحد ہو جاؤ، اور پھوٹ ڈالکر فرانس کی مجتمعہ قوت پارہ پارہ نہ کرو"

اس تقریر پر ہر طرف سے مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے حریف آگے اٹھے اور باہم معانقہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور مسرت کے نعروں میں خالی ہوگئے!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر ابتک میری آنکھوں میں ہے۔ اُس دن میں سمجھا کہ فرانس کی مشرقی حکمت عملی کیا ہے اور اس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملکی اتحاد صرف اس بنیاد پر قائم ہے کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے شکار مہیا کرتے رہیں ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہے کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہے کہ ظلم میں کوئی اختلاف نہیں!

اٹلی اور یمن

یمن پر اٹلی کا دانت مدت سے ہے لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُس کا راستہ روک دیتی تھی۔ اب باہم سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ اور اٹلی یمن کی طرف بے کھٹکے بڑھ رہا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ پچھلے چند ماہ کے اندر اٹلی نے صنعا میں بہت اثر پیدا کرلیا۔ ایک زمانہ میں امام یحییٰ اٹلی کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے، مگر اب وہ اُس سے معاہدہ کر رہے ہیں، سامان جنگ لے رہے ہیں اور اپنی فوج کی تربیت کے لئے اٹالین افسروں کے طلبگار رہیں!

گزشتہ ہفتہ ان "دوستانہ علائق" نے ایک نیا قدم اُٹھایا ہے۔ یمن کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُس کا سیاسی وفد یورپ گیا ہے۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ "یمنی وفد، یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کرے گا تاکہ یورپین تمدن کا مطالعہ کرے، پھر قسطنطنیہ اور انگورہ جائے گا" اس اعلان میں اٹلی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصلی غرض اٹلی ہی ہے۔ یہ وفد روم پہنچ گیا ہے۔ امام یحییٰ کے منجھلے بیٹے "امیر محمد" اُس کے رئیس ہیں، اور سید عبد اللہ ابراہیم، سید عباس علی، قاضی علی عربی، قاضی راغب رکن ہیں۔ قاضی راغب، حکومت صنعا کے وزیر خارجہ ہیں اور یمن میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس وفد نے آتے ہی موسولینی اور شاہ اٹلی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں چاہتے اپنے سوء ظن کا اسے نشانہ بنائیں لیکن اٹلی کے نیم سرکاری اخبار "کوریرا دلی لاسیرا" کا ایک جملہ نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جملہ اٹلی اور یمن کی دوستی کی بہترین شرح ہے:*

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ

صفات الٰہی کے انسانی تصور کی تکمیل

اور

اُس کا سلسلۂ ارتقا

الحمد للہ رب العالمین

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حسن و جمال بے نقاب کیا ہے، وہ تین صفتیں ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!

الحمد للہ رب العالمین:	ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر
الرحمٰن، الرحیم،	طرح کی ثنائیں، حسن و جمال
مالک یوم الدین!	کی شیفتگی اور خوبیوں کمالوں
(فاتحہ)	کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جاسکتا ہے، وہ سب کچھ، اللہ کے لئے ہے! وہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور بقا کا تمام سامان بخشتی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہے! جو رحمت والا ہے، اور جس کی رحمت کی بخشائشیں تمام عالم خلقت کو اپنے نوال محبت سے مالامال کر رہی ہیں! جس کے قبضۂ و تصرف میں جزاؤ سزا اور مکافات کا دن ہے، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ کا قانون جاری و نافذ کردیا ہے!

سورۂ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہے، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الٰہی کی اسی بنیادی جلوہ نمائی سے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہے۔ انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔

تصور الٰہی کا تدریجی ارتقا

دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی بہ تدریج پستی سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہے۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کائنات ہستی کا تصور ہے جس وقت سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہے، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر پرانے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر، موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصورات سامنے رکھے جائیں، اور یکے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ ایک تدریجی ارتقار کا سلسلہ ہے جو اشیاء و اجسام کے ارتقار کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہے، اور جوں جوں انسان کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کرتی جاتی ہے، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ارتقا کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلہ کی بھی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہو جاتی ہے!

فطرۃ کا ولولہ اور ذہن کا تصور!

لیکن یاد رہے کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے معمور کر دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات و میال کی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں رہتی ہے، اس لئے انسان کا اعتقاد الٰہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیرات مداخلت نہیں کرسکتے تھے۔

لیکن خدا کی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہوسکتا تھا۔ انسانی عقل ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا تصور کرتی ہے تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفتیں ہی آتی ہیں، اور صفتوں ہی کے جمع و تفرقہ سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہے۔ یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوئی، اور یہی اُس کی درماندگیوں اور غلط اندیشیوں کی سب سے پہلی ابتدا ہے۔ فطرۃ کے جذبۂ یقین نے ایک بالاتر ہستی کا اقرار

---

* "اٹلی کی یمن اور امام یمن سے دوستی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعود پر دست درازی کرنا چاہتا ہے۔ موسولینی نے یمن سے جو "حلف نامہ" کیا ہے، اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں امن و امان برقرار رہے۔ اٹلی بحر احمر میں وسعت حاصل کرنے پر مجبور ہے، اس توسع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اٹالین نوآبادی ارتیریا کے تعلقات، عرب کی قوموں اور مشرقی افریقہ کے قبیلوں سے قائم ہو جائینگے!" (السیاسہ)

خواطر و سوانح

"میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ"

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانسس ڈیلیزی کے قلم سے)

قارئین الہلال ابھی بھولے نہ ہونگے کہ ہم نے الہلال کے پہلے اور دوسرے نمبر میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جسمیں فرانس کے تیس بڑے بڑے اخبار نویسوں نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانسس ڈیلیزی نے الجزائر اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز سانحہ قلمبند کیا ہے۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق دفتر مستعمرات سے کر دیا جائے یا اسے قائم و جاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ غاصبانہ تسلط دونوں حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثنا میں پیرس کی ایک متقدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا اہتمام کیا اور اسمیں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اس کی سرگزشت جو اس نے قلم کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھلایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اتنی وضاحت نہ ہوسکے۔ طرز بیان کی تعریضی ظرافت نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویسی کے پیشہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ ۱۹۰۲ء میں مجھے اس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو "انجمن فرانسہ" ہر ماہ ملک کے مدبروں کو جمع کرنے کے لئے دیا کرتی تھی۔

گرانڈ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریباً ۱۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش نظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد قیمتی کرسیاں بچھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیل اور نانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جہاز راں کمپنیوں کے مالک، مجلس (سینٹ) کے سربرآوردہ ممبر، اور دارالبحر نوآبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور نفیس شرابیں ہماری منتظر تھیں۔ دلفریب جاموں میں جب معطر شیمپن انڈیلی گئی، اور بلبلے سطح پر جوش مار کر ابھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنون تک پہنچ گیا۔ ہم یقین تھے کہ فرانسیسی پرچم سمندر پار کے تمام ملکوں پر لہراتا دیکھیں۔

کھانے کے بعد رئیس مجلس مسیو اٹین نے اعلان کیا "ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کر دیا جائے یا ابھی اسمیں توقف کیا جائے؟"

شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بد دلی کے ساتھ ہمنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اٹھا اور تقریر شروع:

"ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حمایہ (پروٹکٹیشن) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق براہ راست وزارت خارجیہ سے ہے۔ اس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اس کا چنگی خانہ مستقل ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم کا۔ یہ صورت اسوقت جائز ہوسکتی تھی جب فرانسیسی نوجوں نے ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہم نے پورا تسلط حاصل کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کامل الحاق ہوجائے۔"

وزیر کی تقریر پر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ ہم سمجھے بحث ختم ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق وزیر کھڑا ہوگیا:

"مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے" اسنے شانے ہلا کر کہا۔ "فرانس نے بورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے بائی (بادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد تمام دول سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی مشکلات کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہوجائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبا لگ جائے گا۔"

اس تقریر پر بھی تالیاں بجیں، دونوں تقریروں کا لب لہجہ ویسا ہی شاندار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد "فرانس کی عظمت" "ٹیونس کی مصلحت" "تہذیب کی خدمت" "خدمت اقوام کا فرض" اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تحسین و آفرین کی صدائیں بلند کرتے تھے۔ ہم غریب اخبار نویس کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ لوگوں کو تالیاں بجاتے دیکھتے تو خود بھی بے تکان تالیاں بجانے لگتے!

اب گرم مباحثہ شروع ہوگیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کر دیں۔

ایک مقرر نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹیونس کی کانیں تباہ کرنی چاہتے ہو؟"

"اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو" دوسرے مقرر نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا!

"اور تم بدمعاش ہو!" ایک تاجر جوش میں بیخود ہو کر چلایا۔

"لیکن تم ڈاکو ہو! بے حیا بدزبان!" ایکطرف سے آواز بلند ہوئی۔

"شریرو!" ایک تاجر نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا "فرانس کے کیوپڑو! تمھاری چوری، کھلا ہوا راز ہے۔ تم مارسیلز میں روسی گیہوں منگاتے ہو مگر چنگی سے بچنے کے لئے اسے پہلے ٹیونس بھیجتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اٹھا سکو!"

"یہ کون گدھا بول رہا ہے؟" ایک شخص نے پوری بے پروائی سے پکار کر کہا۔

"تم گدھوں کے جد امجد ہو" برجستہ جواب تھا!

اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور انکے حامی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت اس لئے کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی ان سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

"تم ٹیونس کی دولت کھا کے پھول گئے ہو!" ایک مقرر نے کہا۔

"حاسدو! شیطان کے بھائیو! ہم تمھیں پیروں سے روند ڈالیں گے" ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہوگیا تھا!

غرضکہ کوئی گالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سروں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونسے تن رہے تھے۔ خطرناک ارادوں نے ہر چہرہ پر ہولناکی کا غازہ مل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی "مسیو اٹین! مسیو اٹین!"

مسیو اٹین اپنی کرسی سے اٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اسوقت بھی میری آنکھوں میں اس چوڑے سینہ والے سیاسی مدبر کی تصویر پھر رہی ہے۔ اسکی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں چہرہ سے از حد مکار معلوم ہوتا تھا۔

"میرے ٹیونسی دوستو!" مقرر نے داہنی طرف منہ کر کے کہا "تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کر سکتے۔ آج سے بیس برس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جسنے فرانس کو ٹیونس کی فتح پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے ہی تحریک کی تھی کہ اس "نیم وحشی" ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے ..."

جملہ حاضرین نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

"اور اے میرے الجزائری دوستو!" مقرر نے بائیں طرف رخ کر کے کہا "تم بھی میری خیرخواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر بھی میرا وطن ہے۔ کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت مرتے دم تک میرے دلمیں باقی رہیگی"

بائیں رخ سے پرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا!

غرضکہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہوگئے اور اس فرانس کے سب سے بڑے مکار انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

"عزیزو!" مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بنا کر کہا "جب میں تمھیں باہم اس طرح لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سینہ میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کئے ترقی کریں؟ میں آپسے امید کرتا ہوں کہ رقیبانہ خیالات دور کر دیں۔ ذرا اپنی آنکھیں اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھئے!

"یہ دیکھئے، مراکش کی زرخیز سرزمین آپکے سامنے موجود ہے!

اُس میں حسن جمال کے سوا کچھ نہیں ہو۔ لیکن تعمیر و ایجاب کا عمل بغیر تخریب و سلب کے انجام نہیں پاسکتا۔ ہر بناؤ کے لئے ایک بگاڑ اور ہر نظم کے لئے ایک برہمی ناگزیر ہو۔ اس لئے اُس کے جمال تعمیری دلآویزیوں پر تخریب کی ہولناکیوں کا پردہ پڑگیا۔ بارش کا عمل زمین کے لئے پیام روح ہو۔ اُس کے ایک ایک قطرہ کے اندر نہیں معلوم زندگی کی کتنی تعمیریں اور وجود کی کتنی بخششیں پنہاں ہوتی ہیں؟ لیکن تعمیر حیات کا یہ پُرسکون عمل جبھی ظہور میں آسکتا ہو جب پہلے سلب تخریب کی ایک ہیبت انگیز ہولناکی پھیل جاتی ہو۔ بادل گرجنے لگتے ہیں۔ بجلی کڑکنے لگتی ہو۔ اضطراب و تصادم سے فضار کائنات لرز اٹھتی ہو۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہو، جیسے کوئی بڑی ہی سخت بربادی و خوفناکی ظہور میں آنے والی ہو۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ حالت منقلب ہوجاتی ہو، اور اچانک دکھائی دیتا ہو کہ فطرۃ نے قہر و جلال کا جامہ اُتار کر رحمت و جمال کا لباس پہن لیا۔ کیونکہ رعد و برق کی خوفناکیوں کی جگہ باران رحمت کی رونقیں نمایاں ہوجاتی ہیں۔ قرآن حکیم نے جابجا قدرت الٰہی کی اس بظاہر قہرنمائی اور بہ باطن رحمت فرمائی کی طرف اشارات کئے ہیں:

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفاً	اور اُس کی حکمت و قدرت کی
طمعا، وینزل من السماء ماءً فیحیی	نشانیوں میں سے ایک نشانی
بہ الارض بعد موتہا، ان فی	یہ ہو کہ بجلی کڑکتی ہو اور تمھارے
ذلک لآیات لقوم یعقلون!	اندر خوف اور امید، دونوں طرح
(۳۰ : ۲۴)	کے اثرات پیدا ہوجاتے ہیں۔ پھر

وہ آسمان سے پانی برساتا ہو اور زمین کو اُس کی موت کے بعد از سر نو زندگی بخشدیتا ہو۔ بلاشبہ اسمیں قدرت الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ مگر اُن کے لئے جو عقل رکھتے ہیں!

سورۂ بقرہ کی تمثیل میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو: او کصیب من السماء فیہ رعد و برق۔ تخریب کا عمل میں شورش اور ظہور ہو۔ اس لئے رعد و برق کی ہولناکی بارش کی حیات پرور دلآویزی سے زیادہ نمایاں اور بے پردہ ہوتی ہو۔ انسان کا ذہن طفولیت طبیعت حیوانی کے مقتضٰی کے مطابق بارش کی دلآویزی تو جلد نہیں پاسکتا تھا۔ لیکن رعد و برق کی ہولناکی سے فوراً ڈرگیا تھا۔ بجلی کی کڑک میں اس کے لئے پہلے خوف تھا۔ طمع پیچھے تھی!

بہرحال زندگی اور فطرۃ کائنات کے مظاہر کی پہلی تاثیر خوف و دہشت ہی کی تاثیر تھی۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا بھونچال، آسمان کی ژالہ باری، دریاؤں کا سیلاب، سمندروں کا تلاطم! ان سب میں اُس کی عقل کے لئے رعب اور ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈرائونی صورت دیکھ رہا تھا۔ وہ بجلی کی کڑک اور ہلاکت سے محبت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج پر شیفتہ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی آتش افشانی اور آسمان کی سنگ باری سے پیار نہیں کرسکتا تھا۔ اور اُس کا ذہن و ادراک خدا کے صرف انہی کاموں سے آشنا ہوا تھا!

ایک اور قریبی سبب بھی اس تصور کا باعث ہوا۔ خود اُس کی زندگی بھی امن و راحت سے زیادہ اضطراب و ہلاکت سے دوچار تھی۔ وہ اپنی حقیقی اور فطری حیات بہشتی سے محروم ہوچکا تھا، اور اب زندگی اور آبادی کی ایک نئی تعمیر درپیش تھی۔ وہ کمزور اور نہتا تھا، اور زمین کی ہر چیز اُس کی دشمن تھی۔ زلزلہ کے بھیڑوں کے جھنڈ اُسکے چاروں طرف منڈلاتے تھے۔ زہریلے جانور ہر طرف رینگتے تھے۔ طرح طرح کے بے پناہ درندوں کا پے در پے حملہ تھا۔ اُس کی زندگی سرتاسر جنگ اور کشمکش تھی۔ جس طرف دیکھتا تھا، ہلاکت ہی کا سامان نظر آتا تھا۔ اس ماحول کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خالق کائنات کا تصور کرتے ہوئے اُس کا ذہن اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا۔ وجود اور زندگی بخشنے والی صفتوں کی طرف نہ جاتا۔ وہ صرف صفات سلبیہ کا تماشائی ہوسکتا تھا۔ ایجاب و تعمیر کی حقیقت شناسی ابھی اُس پر نہیں کھلی تھی!

تصور الٰہی کا یہ دَور سرتاسر قہر و غضب کے تصور کا دَور تھا۔ اس کی ابتدا ایک مبہم اور غیر معین خوف سے ہوئی اور پھر بہ تدریج ایک معین شکل و شباہت کی صورت اختیار کرلی۔ پھر اس صورت کی وضع و قطع میں ترقی شروع ہوئی اور ایک ناتراشیدہ حالت سے ایک مکمل خال و خط تک پہنچ گئی۔ امریکہ، آسٹریلیا، اور افریقہ میں عہد قدیم کے جو آثار ایسے ملے ہیں جن سے نوع انسانی کی ابتدائی پرستشوں کا پتہ چلتا ہو، اُن سے اس ابتدائی تصور کی کڑی طیار کی جاسکتی ہو۔ پرستش کی ناتراشیدہ، بے ڈھنگی، اور ناقص، مگر خوفناک صورتیں انسان کے عہد طفولیت کی یادگار ہیں۔ انسان کے دَور حجری (یعنی وہ زمانہ جب آلات و ظروف کے لئے صرف پتھر استعمال کیا جاتا تھا) کے آثار میں بھی اس تصور کا سراغ لگتا ہو۔ اس طرح کے بکثرت پتھر ملے ہیں جن پر انسان کے ابتدائی ذہن کی مصوری نے اپنے معبود کی صورت کا نقشہ کھینچنا چاہا تھا، اور کوشش کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہولناک صورت بنا دے۔ اُس میں عجیب طرح کا دھڑ ہو۔ غیر متعلق دھڑ و طچہرہ ہو، مختلف قسم کے خوفناک جانوروں کی صورت کے غیر متناسب اجزار جمع کردئے ہیں، اور مصوری کے نقص اور تصور کی ناتمامی نے ہیئت کی بدصورتی اور ہولناکی کا اثر اور زیادہ کردیا ہو۔ خوفناک جانوروں کی پرستش بھی اسی عہد میں شروع ہوئی سانپ، اژدہا، مگرمچھ، اور اسی طرح کے جانور جن پر انسان بہ آسانی قبضہ نہیں کرسکتا تھا، اُس کے تصور میں ایک طرح کی الوہیت پیدا کرلیتے تھے۔

اس دَور کے ابتدائی عہد سے جب انسان آگے بڑھا۔ تو خدا کے تصور میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا ہوا۔ اب ایسی ایسی طاقتوں کا تصور کیا گیا جن کی الگ الگ صورتیں، الگ الگ دائرے، اور الگ الگ اعمال تھے۔ لیکن جہاں تک صفات کا تعلق ہو، سب قہر و غضب ہی کی صفات رکھتے تھے۔ ہندوستان، مصر، بابل، یونان، وغیرہ ممالک جہاں نوع انسان کو مختلف مرز بومی اسباب سے ترقی و تربیت کا زیادہ موقعہ ملا تھا، اس دَور میں نمایاں ہوتے ہیں، اور آثار قدیمہ ہمیں سراغ رسانی میں مدد دیتی ہیں۔ ان تمام ممالک میں علم الاصنام کی سب سے ابتدائی کڑیاں وہی ہیں، جو خالص قہر و غضب کی تصویرا تھیں۔ ہیروڈوٹس نے مصریوں کے جو حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہو کہ اُن کا سب سے زیادہ قدیمی معبود ہورس تھا جو ہلاکت اور بربادی کی طاقت تھی۔ یونان کا علم الاصنام اپنی لطافت تخیل اور بلندی نوعیت کے لحاظ سے تمام دُنیا کے اصنامی تخیلات پر تفوق رکھتا ہو، لیکن اُن کے یہاں بھی غضب و قہر کے دیوتاؤں کے تصورات، باقی دیوتاؤں سے زیادہ قدیم تھے۔ آریس جو آگے چلکر جنگ کا خدا ہوگیا، دراصل غضب و انتقام کا خدا تھا۔ آذیس جسے آگے چلکر جہنم کی دارو گیر ملی، شروع شروع میں ہلاکت اور انتقام کا دیوتا تھا۔ بابل اور آشور کے آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو۔ بابل تصور الٰہی کے اُس عہد کا سب سے بڑا مرکز ہو، جو مظاہر فطرۃ کی پرستش کے سلسلے میں کواکب پرستی کا عہد تھا۔ لیکن یہاں بھی پرستش کی تمام ابتدائی صورتیں غضب و قہر ہی کی مظاہر تھیں۔ بابل کے آثار اصنام میں سب سے زیادہ قدیم اثر ایک عجیب الخلقت

م جانور کا ہوتی ہو - ہلاکت اور انتقام کا معبود تھا - ہندوستان کی اصنام پرستی میں قہر و غضب کے دیوتاؤں کو جو فوقیت حاصل ہو، وہ محتاج بیان نہیں۔

عالم مطبوعات و صحائف

پروفیسر ہیوار کی یادداشت کتب

یورپ کے مستشرقین (اورئینٹلسٹ) نے قدیم آثار و علوم کی تحقیقات کے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، اُن میں ایک نہایت قیمتی طریقہ نوادر کتب کی مکمل یادداشتیں مرتب کرنے کا ہو۔

"یادداشتوں" سے مقصود یہ ہو کہ پرانی اور نادر کتابوں کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں کہیں اُن کا کوئی حصہ ہو، کہیں کوئی حصہ۔ کہیں ایک حصہ مسلم ہو اور باقی ناقص ہو۔ کہیں دوسرا حصہ محفوظ اور پہلا حصہ ناقص ہوگیا ہو۔ کسی نسخہ کی کتابت غلط ہو لیکن ضخامت پوری ہو۔ کسی کی ضخامت ناقص مگر کتابت اچھی ہو۔ اب اس منتشر اور مختلف الاوضاع ذخیرہ سے ایک مکمل نسخہ کیونکر فراہم کیا جائے؟ اس کا صرف یہی طریقہ ہو کہ ان تمام نسخوں پر نظر ڈالی جائے، اور ایک جگہ کا نقص دوسری جگہ کی تکمیل سے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً اگر ایک کتاب کی ۵ جلدیں ہیں اور دس جگہ ۱۰ نسخے موجود ہیں، تو بہت ممکن ہو کہ ایک جگہ جو جلد کم ہو، وہ دوسری جگہ موجود ہو، یا ایک جگہ کے نسخہ میں جو ورق ناقص ہوگیا ہو، وہی دوسری جگہ کے نسخے میں صحیح و سالم مل جائے۔ مستشرقین یورپ نے متعدد اہم اور نادر کتابوں کے متعلق اس طرح کی معلومات فراہم کی ہیں اور انھیں یادداشت کی صورت میں قلمبند کرلیا ہو۔

یہ یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں ان سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہو کہ فلاں کتاب کا مکمل نسخہ دُنیا کے فلاں فلاں کتب خانوں کے فلاں فلاں نسخوں، جلدوں، صفحوں، صفحوں کی سطروں، سطروں کے صحیح و سالم لفظوں کے باہدگر جمع ہوجانے سے وجود میں آجا سکتا ہو!

یہ یادداشتیں مستشرقین یورپ کے ذوق علم اور محنت جستجو کی سب سے بڑی نمائش گاہ ہیں۔ بعض حالتوں میں صرف ایک چھوٹی سی کتاب کے مکمل اور صحیح نسخہ کی معلومات جمع کرنے کے لئے تمام دُنیا کھنگر ڈالا گیا ہو، اور ۵۰۔۔۵۰۔۔۶۰۔۔۶۰ جگہوں کے نسخوں سے اُس کا ایک ایک ورق، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، جمع کیا گیا ہو۔ ہمدانی کا جغرافیۂ عرب سنہ ۱۸۹۱ء میں پروفیسر ڈیوڈ مولیر Muller نے تصحیح و ترتیب کے بعد شائع کردیا۔ شائع کرنے سے پہلے جو یادداشت انھوں نے اور لیڈن یونیورسٹی کے دیگر مستشرقین نے مرتب کی تھی، وہ ہمارے پاس موجود ہو، اور اسے دیکھ کر ان پرستاران علم کی محنتوں کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہو۔ ہمدانی کے جغرافیہ کے سترہ نسخوں کا اُنھوں نے پتہ لگایا تھا جو کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی بھی نقص سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے ان سب کے ایک ایک صفحہ، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ پر نظر ڈالی، اور نسخوں اور انکے اوراق و سطور کے حوالوں کے ساتھ ایسی یادداشت مرتب کرلی جس سے بہ یک نظر معلوم ہوجاتا ہو کہ ان سترہ جگہوں سے ایک ایک ٹکڑہ چُن کر، کس طرح ایک صحیح و مکمل نسخہ مرتب کرلیا جاسکتا ہو۔

مثلاً یادداشت بتلاتی ہو کہ کتاب کے صفحہ ۴ کی سطر کا پہلا لفظ برلین کے نسخہ میں کرم خوردہ ہو لیکن روم کے نسخہ میں صحیح و سالم

کا دلولہ پیدا کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصور کرے۔ لیکن جب تصور کیا، تو یہ اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصور تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے صفات الٰہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ وہ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُسکے خدا کی صورت نہیں ہے، خود اُسی کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی، لیکن اس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و مشاہدہ میں جیسی جیسی تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل انسانی کی پہلی اور بنیادی درماندگی یہی ہے:

لے بروں از وہم و قال و قیل من!
خاک بر فرق من و تمثیل من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصور کے سامنے محسوسات کی دیوار کھنچ گئی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محصور اور حدود و امکان کی جبلی بندشوں میں اسیر تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا تعقل کر سکتا تھا، اور انہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، بہ یک دفعہ کام نہیں دے سکتی تھی۔ نشو و نما اور ارتقاء کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جونہی فطرۃ کے مجرد اور بے میل جذبہ نے ذہن و فکر کی صورت آرائیاں اور شباہت آفرینیاں ملیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو گیا، جو خالق کا تصور نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصورات کی مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا، اور اُسی کو اپنا معبود سمجھ کر سر بسجود ہو جاتا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا کی صورت دیکھنی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی پرستش کرتا۔ مولانا نے ایک چرواہے کی حکایت میں جس کے لئے حضرت موسیٰ کا زمانہ فرض کیا گیا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

لے کہ اندر چشمۂ شور ست جات	تو چہ دانی شط و جیحون و فرات؟
چوں قدم آمد، حدث گرد و عبث	پس کجا داند قدیمی را حدث؟
چوں تو ہم میسکنی تو فور ذات	ذات نبود، وصف ہا و صفات
وہم مخلوق ست و مولود آمدست	حق نزائیدست او لم یولدست!

بہر حال خدا کی ہستی کے اعتراف و یقین کے فطری جذبہ نے جب تصور کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی ترقی ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر آج انسان کے تمام الٰہی تصورات یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلۂ ارتقاء کی سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصور کا ارتقاء ہوگا، لیکن بہ باطن خود ذہن انسانی کے ارتقاء کے تمام حلقے ایک ایک کرکے سامنے آجائیں گے۔ کانٹ کے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ "ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور الٰہی ہے۔ جب کبھی اُسنے ایک نچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجے پر قدم رکھا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اُٹھائی ہے" اسی مطلب کی طرف اخوان الصفا کے مصنفوں نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ کیا تھا: "انسان کی کسی جماعت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُسکے تصور الٰہی پر نظر ڈال جائے۔ جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا، اُتنی ہی اُس جماعت اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی"! ہیگل نے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: "تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اُسنے اپنی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟"

انسانی ذہن و فکر کی اس درماندگی میں وحی و نبوت کی دستگیری ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اُسی حد تک رہنمائی کر سکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے لئے طیار تھی۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات کا پیرایہ و اسلوب بھی در اصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق دے سکتے تھے، جس درجہ کہ فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشو و ترقی کی مختلف کڑیاں ہیں۔

تصور الٰہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصور الٰہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور قسمیں سامنے آئیں گی، لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جا سکتی ہے:

(۱) تجسم اور تنزہ

(۲) صفات جلالیہ اور جمالیہ

ذہن انسانی نے جب فطرۃ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کر سکا۔ یہی تجسیم اور تمثیل کی بنیاد ہے۔ یعنے خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا جیسی صفات مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کر رہے ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشو و ترقی کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ در اصل اپنے ہی صفات کا عکس طیار کر رہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے ویسے ہی صفات سے اُسنے اپنے خدا کا خال و خد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سرتاسر قہر و جلال کی صفات تھیں۔ پھر ان میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی کو رہا۔ اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر اُمید نے ظہور کیا۔ وہ پہلے خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر اُمید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں اور بمنزلہ اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسم اور قہر و جلال سے ہوتی ہے، اور تکمیل تنزہ اور رحمت و جمال پر۔ درمیان کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسم سے تنزہ کی طرف اور صفات قہر و جلال سے رحمت و جمال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ تکمیل کی آخری منزل نمودار ہو گئی۔

تجسم اور تنزہ پر دوسری جگہ مستقلاً بحث کی گئی ہے۔ یہاں اس کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں "ابتدا" اور "ابتدائی عہد" کے الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی، اُس کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ فطرۃً حالت ہدایت میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ منحرف اور کج اندیش نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باقی نہ رہی فطرۃ کی سادہ ہدایت کی جگہ اکتساب کی گمراہیاں پیدا ہو گئیں، اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہو گئی۔ اسی عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشئہ شروع ہوتی ہے، اور اُس کی "ابتدائی" زندگی اور "عہد طفولیت" سے اسی دوسرے عہد کی ابتدا مقصود ہے۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں ممکن نہیں اور یہ محل تفصیل نہیں)

دَورِ قہر و جلال

یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصور الٰہی جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سرتاسر خوف اور دہشت کا تصور ہے۔ رحم، محبت، اور جمال کا اسمیں کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصور اُسکے لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ امید، اُنس، اور محبت کی چیز نہ تھی۔ وہ اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف بڑھنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا!

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصور میں خدا کے اعمال کا تصور پیدا کرتے تھے۔ فطرۃ کائنات میں کون و فساد ہے۔ یعنے وہ کائنات کی زندگی اور بقا کے لئے بہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہر فطرۃ پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر فطرۃ کے بناؤ کا حسن نہ دیکھ سکی۔ اُسکے بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ فطرۃ کا جمال ایجاب و تعمیر سلب و تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے عقل و ادراک کی زیادہ تیز اور دور رس نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسر نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن و ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال و رحمت کی دلآویزی نہ تھی۔ جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُسنے خدا کی شکل و شباہت کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلآویز نہ تھا۔

اس عالم اثر و تاثر میں ہر چیز کی طرح ہر فعل بھی ایک قدرتی طبیعت اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے، اور تعمیر سرتاسر سکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، ترتیب، اور ایجاب ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و نفی ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطراب کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی لیکن اُس کے گرنے میں دھماکا ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر تخریب کا عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پُر شور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً ڈرا دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلآویزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔ تخریب کا دھماکا دور سے بھی سن لیا جا سکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانی طبیعت تعمیری اور ایجابی افعال سے اُنس پکڑنے میں دیر لگاتی ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈر جاتی ہے۔ جانور ڈرتے زیادہ ہیں۔ اُنس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز سے سہمتا اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موالفت بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسکے عہد طفولیت میں یہی حال تھا۔ کائنات فطرۃ فی الحقیقت سرتاسر وجود، تعمیر، اور ایجاب ہے، اور اس لئے

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اُس نے ملک کے سیاسی، علمی، ادبی اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈھیگا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کی اجتماعی ذہنیت ظہور پذیر ہوئی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اِس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ذوق کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اُسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اِس کی جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ اِن کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اِس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اِس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو اُنہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمدللہ کہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں۔ ہم اِس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اِس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف اُنہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
„ „ „ چہارم ۱۰ روپیہ   „ „ „ پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ آنہ۔ محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

مینجر "البلاغ پریس"

ہے۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہے۔ روم کے نسخہ میں پانچویں سطر پڑھی نہیں جاتی لیکن سلوسٹر دے ساسی کے نسخہ میں موجود ہے۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بذریعۂ یادداشت مرتب کر لیا ہے۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیدیئے ہیں۔ بعد کو یہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کر دئے گئے۔ ان کی ضخامت اصل کتاب سے بھی دوگنی ہے۔ ایک پوری جلد صرف فہرست اور اختلافات پر مشتمل ہے!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بار بار دنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک ایک سطر، دس دس بیس بیس جگہوں کے نسخوں کو باہدگر ملانے کے بعد حاصل ہو سکی۔ بعد کو یہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

یہ یادداشتیں زیادہ تر علمی جماعتوں نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجوئے علم کا نتیجہ ہیں۔ انیسویں صدی کے مستشرقین میں پروفیسر رینوڈ Reinaud، اتین کاٹرمیر Etienne Quatremere، ڈیرنبرگ Derenbourg، فلوگل Flügel، گستاؤ فلائیشر Fleischer، اور دی گویہ De Goeje، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زمانۂ حال کے مستشرقین میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر تھیوڈر نولڈیک Theodor Nöldeke اور پروفیسر گولڈزیہر Goldziher کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہیوار Huart نے شائع کی ہے جو ہمیں گزشتہ مہینے پیرس سے وصول ہوئی ہے۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصوف نے نہ صرف اپنی جستجوؤں کے نتائج درج کئے ہیں بلکہ گذشتہ دور کے دو بہت بڑے فرانسیسی مستشرقوں پروفیسر دی سلان De Slane اور پروفیسر ڈیرن برگ Derenbourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی۔سلان کا انتقال ۱۸۷۸ء میں ہوا۔ وہ انیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمۂ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلکان کا فرانسیسی ترجمہ انہی کے قلم کا رہین منت ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام در اصل اتین کاترمیر نے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل انہی کے قلم و سعی سے ہوئی۔ قومی کتب خانۂ پیرس کے مشرقی مخطوطات کی فہرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر ڈیرن برگ کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ یہ اسی نام کے مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہے۔ سیبویہ کی الکتاب (جو کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی چھاپ چکی ہے) یورپ میں اسی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفخری، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن منقذ وغیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد کو الفخری کی نقل مصر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپ دی۔

پروفیسر ہیوار موجودہ عہد کے مستند فرانسیسی مستشرق ہیں۔ پہلے مصر کے فرانسیسی قنصل خانہ میں کاتب تھے۔ پھر ترقی کرتے کرتے قنصل جنرل ہو گئے۔ اب ایک عرصہ سے پیرس کے مدرسۂ لغات حیۂ عالم کے معلم ہیں۔ اسلامی و عربی علوم و ادب پر ان کی

مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب، تاریخ ادبیات عرب، تاریخ بغداد جدید، وغیرہ کتابیں مشہور و مقبول ہیں۔ ابو زید بلخی کی کتاب الخلیقہ انہی کے سعی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فونگو (چین) کی ایک قدیم مسجد کے عربی و فارسی نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کے بعض نوادر پر معلومات موجود ہیں۔ ایک ترکی (عثمانی) کتاب کا بھی ذکر ہے۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد ہدیۂ قارئین کریں گے۔

امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلماء

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہے لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلماء" لکھا ہے اُبتک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ جس پر اُن کے شاگرد فیروزآبادی (صاحب قاموس) کا دستخط ثبت ہے، دمشق میں نکل آیا ہے اور اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

العبر فی اخبار البشر

الہلال نمبر۲ میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی، کی تاریخ کبیر کی نسبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبر فی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہے۔

امام موصوف نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہے کہ انھوں نے پہلے مطول و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کبیر) لکھی۔ پھر اس سے مختصر اور منتخب کر کے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں الگ کر لیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کبیر کا اختصار ہے، اور بعض کتابتوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہتر اور مکمل نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں ہے۔

(۲) طبقات الحفاظ: اسمیں صرف اُن حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم بہ سلسلۂ تاریخ، تاریخ کبیر میں آئے تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکملہ ہے ۱۸۳۳ء میں پروفیسر وسٹنفیلڈ نے اسے تین جلدوں میں چھاپکر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اسمیں قراء کے تراجم تاریخ کبیر سے اخذ کر کے بہ ترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اسکے نسخے پیرس کے قومی کتبخانہ اور قسطنطنیہ کے کتبخانہ کوپرلی اور ینی جامع میں موجود ہیں۔ متعدد علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چھپ گیا ہے۔

(۴) العبر فی اخبار البشر یہ ایک مختصر تاریخ عام دو جلدوں میں ہے۔ اسمیں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہے کہ اسکی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب ہے۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہے۔ سنہ ہجری کی ابتدا سے لے کر ۷۴۰ھ کے تمام حوادث و وفیات اسمیں مل جاتے ہیں۔ ابن شماع (متوفی ۹۳۶ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ اسکے نسخے برٹش میوزیم اور ایا صوفیا قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ بعض اہل علم کی سعی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ عنقریب پہلی جلد مکمل ہو کر شائع ہو جائے گی۔

فہرست

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین القرآن الحکیم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۹ — کلکتہ : جمعہ ۱۳ ـ صفر ۱۳۴٦ ھجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الهلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیبی ۔ یاد رکھیبی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الہلال کی آراء

اس بارى مین اس وقت تك ۵٦١ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۵٦	اردو حروف کی حق مین	۱۸۲
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۱۰۵	حروف کی حق مین بشرطیکہ نستعلیق ہون	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۸		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس بارى مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی۔ آیندہ اس بارى مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے - -	سولہ روپیہ
قیمت ششماہی	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر [illegible]" کے نام سے ہونی چاہئیں جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام [illegible] صاف اور خوش خط لکھیں -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری [illegible] اطلاع اور وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ورنہ بصورت دیگر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے - مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کیلئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دے کر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دوسرے دفتری مواقع (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

نوجوان چونک اُٹھا - اِدھر اُدھر گھبراھت سے دیکھنے لگا - سمجھا ' اُسکے ھم مدرسہ پکار رھے ھیں - مگر وھاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا -

" دیوکلس !" ــــ " دیوکلس !" نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کو دیکھا - کیا دیکھتا ھے کہ سچ مچ کو اُسکے ھونٹ ھل رھے ھیں ! ... اچانک سنگ مرمر کے ھاتھہ میں جنبش ھوئی ...... دیوی نے اپنا ھاتھہ دیوکلس کے کندھے پر رکھہ دیا ...... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی - بید کی طرح تھرتھرانے لگا - خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ھوگئے ......

لیکن آواز ابتک آ رھی تھی " دیوکلس ! " " دیوکلس ! "

" دیوکلس ! تونے مجھے پکارا - لے ' میں آگئی - تیری مناجات میں نے سن لی - بول ' کیا مانگتا ھے ؟"

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی - بے اختیار زمین پر گر پڑا - قریب تھا ' بیہوش ھو جائے - جب کچھہ عرصہ کے بعد اُسکے ھوش حواس واپس آنے لگے - تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا :

" ھاں مقدس دیوی !" اُسنے کانپتی ھوئی آواز سے کہا " میں ھی تیرے حضور زار نالی کر رھا تھا - مجھے " حقیقت " کی جستجو ھے - میں " حقیقت " کو دیکھنا چاھتا ھوں - میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاھتا ھوں ... "

" تو حقیقت کی کھوج میں ھے !" دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا " حقیقت خود یہی " وجود " ھے - حقیقت کہاں نہیں ھے ؟ لیکن ھاں ' بے پردہ ' بے نقاب حقیقت ' کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھہ سکی - کسی نے اِسکے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی - بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باھر ھے - تاھم اگر تیری یہی ضد ھے تو سمجھہ لے ' تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی ' ایسی بڑی ' جسکی شاید تجھے قدرت نہیں - تجھے دولت ' عظمت ' حسن ــــ سب سے دست بردار ھوجانا پڑیگا - تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ھونا چاھیے - دیوتاؤں نے " حقیقت " سے بڑھکر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ھے "

" میں اِن سب سے ھمیشہ کیلیے بخوشی دست بردار ھوتا ھوں " دیوکلس نے خوش ھوکر کہا " میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ھوں "

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا - ھر طرف خاموشی پھیل گئی - درخت " زفس " کی اِس با عظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے !

دیوی نے پھر سر اٹھایا :

" بہتر " اُسنے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا " تجھے حقیقت دکھائی جائیگی - لیکن ایک ھی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھہ سکتا - میں ھر سال ایک دفعہ تجھے وھاں لیجایا کرونگی - تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے ' ھر مرتبہ ' ایک پردہ چاک کرسکے گا ... تو زندگی کے لباس میں رھے گا ' یہانتک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھہ لے "

* * *

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا - وہ خاموش رھا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ھے - اچانک وہ حیرت سے دم بخود ھوگیا - دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی - دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن و جلال سے چکا چوند ھوگئیں - چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا - ... اب اُس میں حرکت ھوئی - ... اُسنے نوجوان کو گود میں اٹھا لیا - لامتناھی فضا میں پرواز شروع کردی - ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی - دیوکلس نے دیکھا ' ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ھے ...

یہاں ' پہاڑ پر ' نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پرچھائیں سی دیکھی - جوش شناخت میں اُسکی روح اُسکے حلقہ ھاے چشم میں سمٹ آئی مگر وہ اسکے خال و خط نہ دیکھہ سکا !

" یہی حقیقت ھے " دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کرکے کہا " یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ھے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ ڈھونڈھتے ھیں - اگر یہ شعاعیں نہ ھوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ھوجاتی - انسان کی نگاہ حقیقت کو اِنھی شعاعوں میں دیکھہ سکتی ھے - تم دیکھہ رھے ھو ' وہ کس قدر ھلکی ' کیسی دھندلی شعاعیں ھیں ؟ حقیقت بے حد روشن ھے - اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے - مگر وہ اِن پردوں کے اندر چھپی ھوئی ھے - صرف اُسکا سایہ ھی نظر آسکتا ھے - آگے بڑھو ! اور اُسکا ایک پردہ چاک کرڈال"

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی -

ھاتھہ لگتے ھی پردہ سفید پرند بن گیا - تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا - پھر سیدھا آسمان کے طرف اُڑ گیا !

دیوکلس نے اب دیکھا - حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ھیں !

دیوی اُسے پھر زمین پر اُتار لائی - وہ اپنی اکاڈیمی میں گیا ' اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہنکر پھر بت بن گئی !

* * *

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا - آرام و راحت سے منھہ موڑ لیا ' خلوت میں بیٹھا ' اور غور و فکر میں یکقلم مستغرق ھوگیا -

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا - ایتھنس کے تمام میلے اس سے خالی ھوگئے تھے -

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر ' وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا - دیوی نے حرکت کی ' اور پہلی مرتبہ کی طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اُڑا لے گئی - اب اُسنے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کردیا - اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ھوگئی - پھر وہ زمین پر واپس آگیا - اُسکی زھد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ھوگئی تھی -

* * *

اُسکے رفیق اِس تبدیلی پر متعجب تھے - اُنھوں نے اُسے بہت بہت پھسلایا ' مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باھر نہ نکلا -

ایتھنس کی بعض حسین دوشیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی - ایک فتنہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی - اُسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن اُسکے پاس گئی :

" دیوکلس ! کیا بات ھے ؟" دوشیزہ نے مسکرا کر کہا " تم مجھہ سے بیزار کیوں ھوگئے ؟ یہ دیکھو ' میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ھیں - میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ھیں - میرا جسم کیسا دلفریب ھے ؟ میں نے تمھارے سوال محبت کا جواب دیا تھا ' مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ھوں - مجھے دیکھو ' میری محبت کی تحقیر نہ کرو - خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے "

افسانہ

حقیقت کہاں ہی ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانۂ حکمت

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس ' فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سر چشمے پر' رات کی خاموشی چھا گئی تھی -

رات نے اپنی سیاہ قناتیں تان دیں - محو خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی - اتنے میں چاند نکل آیا - روپہلی چاندنی کوہ و دشت پر پہیل گئی - مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں - زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سو رہی ہے - دروازوں پر چوکیدار اونگھہ رہے ہیں - لیکن ' صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن ' ذہانت ' دولت کے خزانوں کا مالک ہے - اکاڈیمی میں حکمت کا طالب علم ہے - اپنا پورا دن' اور رات کے بہی بہت سے گہنٹے ' علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے - صحبت و معاشرت سے بیزار ہے - ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے - تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصی ؛ بس یہی اس کا مشغلہ ہے -

ایتھنس ' یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اکاڈیمی کے صحن میں نصب تہا - دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ ' حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اس کے تصور میں غرق رہتا - اس کی دل کی مناجاتوں کا قبلہ یہی تہا - اس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تہا - وہ اس کی دلفریب صورت پر غور کرتا - وہ اس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہوجاتا - وہ اس سے حکمت کی وحی اور علم کا پیام ربانی طلب کرتا - وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تہا !

***

آج رات دیوکلس پہر دیوی کے سامنے دست بستہ کہڑا ہے -

رات ڈھل گئی ' مگر وہ بے حس و حرکت کہڑا ہے - اچانک اس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا - بوسوں پر بوسے لیئے - آنسوؤں سے اس کے پاؤں دھونے لگا :

" اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم ' رحم ' مجہے ایک نظر دیکھہ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے ! "

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا - پہر اس نے نظر اٹھائی - چاند نے اپنی شعاعیں جمع کرکے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کردی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی - پتوں کا شور تہم گیا - پہلے سے زیادہ سکون طاری ہوگیا - نوجوان کا دل تنگ ہوا - اس نے لمبی آہ بہری ' اور آہ کے ساتھہ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پہیل گئیں :

" مقدس دیوی ! " دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا " تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے - تیری ہی عبادت پر میری روح جہکی ہے - تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا - تونے کمال کا لازوال شوق پیدا کردیا - تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی - یہ آگ اب جلائے ڈالتی ہے - یا تو ہمیشہ کے لیے اسے ٹھنڈا کردیے ' یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھادے - ہاں' حقیقت ' مقدس ' عظیم حقیقت ' اس مہیب کائنات کی حقیقت ' اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت ' ہر وجود کی روح ' مجرد حقیقت ' عریاں حقیقت - وہ حقیقت ' جس کی جستجو میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے ' اور حکیموں کو بستر خواب پر کبہی نیند نہ آئی - حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے - میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں - میں اسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں - میں اس کی پرستش پر دل دے چکا ہوں - میں اس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں' اپنی دولت ' عزت ' حسن ' شباب ' محبت ' سب کچھہ قربان کردونگا "

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منھہ دیکھا - وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھی - نوجوان نے اپنی پیشانی پہر اس کے مرمری قدموں پر رکھدی اور گڑگڑانے لگا - اس کی روح ' اس کی آنکھیں ' اس کی زبان ' تینوں دیوی کے قدموں پر تہے - روح آتش شوق سے جل رہی تہی - آنکھیں جوشش عشق میں بہہ رہی تہیں - زبان والہانہ مناجات سے وارفتہ تہی !

***

اچانک درختوں کے پتے ہلے ' ڈالیوں میں جنبش ہوئی ' نسیم کے جہونکے چلے - ہوا میں ایک آواز گونجی : " دیوکلس !" " دیوکلس !"

زمین پر کائنات حیات کا آغاز

علم و نظر کي درماندگیاں

روئے زمین پر ذي روح مخلوقات بہت مدت سے موجود هیں - ماهرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کرور سال کا ہے - بلا شبہ یہ تخمینہ ظني ہے - لیکن یہ یقیني ہے کہ بہت هي قدیم زمانوں سے زمین پر زندگي موجود ہے - زمین کي زیادہ سے زیادہ گہري اور پراني پرتوں اور تہوں میں بهي زندہ کائنات کے نشان ملے هیں -

(نظام شمسي)

زمین پر زندگي کا آغاز کب هوا اور کس طرح هوا ؟ اِس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتي ہے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کي حالت کیا تهي اور اُس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے هیں ؟

زمین ' نظام شمسي میں داخل ہے - اِس نظام میں آفتاب مرکزي حیثیت رکھتا ہے - اور سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) اُسکے گرد گھوم رہے هیں - یہ ستارے سورج سے بہت دور هیں - مرکز سے جتني دوري بڑھتي ہے' اُتنا هي فاصلہ بهي زیادہ هو جاتا ہے - ذیل میں تخمیني فاصلہ ملاحظہ هو :—

عطارد —	۱'۴۰'۰۰'۰۰۰	میل
زهرہ —	۲'۶۰'۰۰'۰۰۰	"
زمین —	۳'۷۰'۰۰'۰۰۰	"
مریخ —	۵'۶۰'۰۰'۰۰۰	"
مشتري —	۱۹'۲۰'۰۰'۰۰۰	"
زحل —	۵۵'۵۰'۰۰'۰۰۰	"
اورانوس —	۷۳'۰۰'۰۰'۰۰۰	"
نبتون —	۱'۱۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	"

مریخ اور مشتري کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ہے - اِس میں سو سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات ' آفتاب کے گرد گردش کرتے هیں - اور اُس سے تقریباً دس کرور میل دور هیں -

هر بڑے ستارے کے ساتھہ ایک یا کئي چاند هیں - اور اسکے گرد چکر لگاتے رهتے هیں - چنانچہ زمین کے ساتھہ ایک ' مشتري کے ساتھہ چار' زحل کے ساتھہ دس' اورانوس کے ساتھہ چار' اور نبتون کے ساتھہ ایک ہے -

آفتاب اپنے مرکز میں رہ کر تمام کواکب کو اپني طرف جذب کرتا اور کھینچتا ہے - یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کي دهاتوں چٹانوں' اور مشتعل گیسوں سے مرکب هیں - یہ دهاتیں اُسي قسم کي هیں ' جیسي زمین میں هم دیکھتے هیں - آفتاب اِن تمام کواکب سے بہت بڑا ہے - زمین کا قطر اسکے مقابلہ میں صرف ۱/۱۰۸ ہے - زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱/۱۲۸۰۰۰۰ ہے - مشتري سب سے بڑے ستاروں میں ہے - مگر اسکا قطر بهي آفتاب سے ۱/۱۵ کي نسبت رکھتا ہے - فلکیوں نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بهي تخمینہ لگایا ہے - انکے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعي وزن سے بهي سات سو گنا زیادہ وزني ہے - زمین تو اسکے مقابلہ میں بالکل هي بے حقیقت ہے - وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزني ہے !

آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسي سے باهر' بعض اور کرے بهي موجود هیں - ان میں سے بعض نظام شمسي سے بهي زیادہ بڑے هیں - یہ اثیر (ایتھر) اور گیسي مواد سے مرکب هیں - اور خود اپنے گرد گردش کرتے رهتے هیں -

اِس مشاهدہ کے بعد اگر هم نظام شمسي کو دیکھیں ' اس کے انداز پر غور کریں' اور اپنے مرکزي آفتاب' اور اسکے حلقہ کے کواکب کي گردش پر نظر ڈالیں' پھر اسکے بعد اثیر کے کروں پر غور کریں' تو باهمي مشابہت کي وجہ سے فوراً ذهن میں یہ خیال پیدا هو جایگا کہ شاید آفتاب کي تاریخ اثیر هي سے وابستہ ہے -

اِس خیال کي تائید اِس امر واقع سے بهي هوتي ہے کہ اگر هم کسي سیال مادہ میں گردشي حرکت پیدا کردیں ' تو فوراً دیکھینگے کہ وہ کئي حلقوں میں منقسم هوگیا ہے - سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رہے هیں اور خود هر حلقہ اپنے اندر ایک گردشي حرکت رکھتا ہے - یہ حرکت بہت بڑي علمي اهمیت رکھتي ہے - جیسا کہ ابهي معلوم هوگا -

(زمین میں حرارت)

اگر هم زمین کے اندر اُتریں (جیسا کہ کانوں میں یا کنویں کھودتے وقت دیکھا گیا ہے) تو هر ۳۳ میٹر گہرائي میں حرارت' سنٹي گریڈ کا ایک درجہ بڑھتي جائیگي - اِس حساب سے ایک لاکھہ کیلو میٹر نیچے ' حرارت کا درجہ تقریباً تین هزار هوگا - معلوم ہے کہ اتني حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلیے بالکل کافي ہے - پھر همیں یہ بهي معلوم ہے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھہ هزار کیلومیٹر (۶۰'۰۰'۰۰۰ متر) ہے - بنابریں زمین کے مرکزي حصہ کا حجم ' جو مشتعل معدني مواد سے مرکب ہے ' اُسکي اِس سطح یا چھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ہے جسپر هم آباد هیں -

زمین کا مرکزي حصہ سیال ہے یا ٹهوس ؟ اِس بارے میں علماء میں اختلاف ہے - بڑا گروہ اُسے ٹهوس بتاتا ہے ' کیونکہ زمین کي

دیوکلس نے دو شیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا :

" محبت میرے دل سے اُسی طرح اڑ گئی ہے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تھا " اُسنے یہ کہا اور ایک طرف کو چلدیا !

دو شیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی - بھلا یہ رمزوہ کیونکر سمجھہ سکتی تھی ؟ اُسنے خیال کیا ' دیوکلس دیوانہ ہوگیا ہے -

***

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکی نظر اور بھی زیادہ تیز ہوگئی - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہوگیا !

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہوگیا - اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف ہو جاتے - انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان کے صحنہاے حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملی ہوگی - پورے ایتھنس نے جمع ہوکر فیصلہ کردیا کہ دیوکلس ' استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازی لیگیا - اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کرلے مگر اسنے بے پروائی سے انکار کردیا -

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کردیا - دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتھنس کو فتح ہوئی - بہادروں کو فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کیے گیے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا ' تو وہ موجود نہ تھا !

***

برسوں پر برس گذرتے چلے گیے - ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ہوگیا - کمر جھک گئی - آنکھیں دھنس گئیں - قوی کمزور پڑ گیے - اسپر بھی وہ خوش تھا ' کیونکہ وہ عنقریب " حقیقت " کا مشاہدہ کرنے والا تھا ' اُس حقیقت کا بے پردہ بے ' نقاب مشاہدہ ' جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا !

***

آخر فیصلہ کی رات آگئی - آج " حقیقت " پر سے آخری پردہ بھی اُٹھہ جایگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے ہوگی !

دیوی ' دیوکلس کو حسب عادت اڑا لے گئی - اور حسب معمول حقیقت ' کے سایہ کے سامنے کھڑا کردیا :

" دیکھہ ' حقیقت کس قدر تاباں ہے ' پچھلے برسوں میں جتنے پردے تونے چاک کیے ' وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تھے - تیری ہی غفلت کے پردے تھے جو تونے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تونے ایک ایک کرکے تمام غفلتیں دور کردیں - آج آخری پردے کی باری ہے - اسکے بعد تو رودر رو حقیقت کا جلوہ دیکھہ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان ہے ' یا تیرے دل میں ذرا بھی خوف موجود ہے ' تو اب بھی وقت ہے - لوٹ جا ' اور باقی زندگی چین سے گزار "

دیوکلس ' جوش طلب سے دیوانہ ہوکر چلایا :

" اسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزاردی - اب میں " حقیقت " سے کس طرح منھہ موڑ سکتا ہوں ؟ میں آخری پردہ بھی چاک کرونگا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھونگا "

اُسنے یہ کہا اور آگے بڑھا - اُسکا دل دھڑکنے لگا - ہاتھہ کانپنے لگا وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بھینچے ' آنکھیں بند کیں ' دل کڑا کے آگے بڑھا ' ہاتھہ بڑھایا ' اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا ......

اُف ' ہولناکی !

پردہ ہٹتے ہی روشنی غائب ہوگئی ـــــ گھٹا ٹوپ اندھیری چھا گئی ... کچھہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا !

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا ' اسکا سینہ شق ہوجاے :

" حقیقت کہاں ہے ؟ حقیقت کہاں ہے ؟ اے دیوی ! حقیقت کہاں ہے ؟ مجھے تو کچھہ سجھائی نہیں دیتا - وہ ' جو آخری پردے کے پیچھے تھی ' کہاں چلی گئی ؟ ساری دنیا تاریک ہو رہی ہے ... "

" تیری آنکھیں پھوٹ گئیں ! " حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا " اے کائنات کے بیٹے ' تیری آخری غفلت بھی اڑ گئی ! بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھہ سکتا - اگر دیکھہ سکتا ہے تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھہ سکتا ہے - کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے - کوئی اِس سے کم میں دیکھتا ہے - کوئی اِس سے بھی زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے ... تونے دیکھنا چاہا ' تو تونے دیکھہ لیا کہ تو کیا دیکھہ سکتا ہے ! ... "

دیوکلس نے یہ سنا اور منھہ کے بھل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تھی ... شاید " حقیقت " کی جستجو میں اُسنے دوسری دنیا کی راہ لی تھی ... "

پیدا هوتے هیں ' اور ایک جان سے دوسرے وجود کي جان متولد هوتي هے - چنانچه اس نے تجربه کرکے دکھا دیا که انجیکشن کا قوام ' گوشت کا ست ' اور آلو جیسي ترکاریاں جو انکي مزعومه پیدایش کا سب سے بہتر اور اصلح محل هیں ' جب هوا سے بالکل محفوظ کردي جاتي هیں یا بہت اچھي طرح اُبالدي جاتي هیں ' تو ان میں جراثیم کي پیدایش بالکل نہیں هوتي - موجوده علماء مادیئین کا خیال هے که پاسٹیور نے اپنے تجارب سے مذهب تولد ذاتي کي دلیلیں کمزور کردي هیں -

عهد آخر کے حکما میں ارنسٹ هیگل' مذهب تولد ذاتي کا سب سے بڑا عالم هے - وہ کہتا هے " اگر فی الحال تولد ذاتي کا وقوع ناممکن نظر آتا هے تو اِس سے بطلان لازم نہیں آجاتا - کیونکه جس زمانه میں یه واقع هوا تها ' اُس وقت سمندروں کا پاني ایک خاص طبعي حالت اور کیمیاوي خاصیت رکھتا تها - حرارت کا درجه ' نمک کي نوعیت ' اور پگھلے هوئے گیسوں کي کیفیت کچھه اور هي طرحکي تهي - ایک محدود زمانه تک یہي حالت رهي - پهر اُس کے بعد کبهي پیش نہیں آئي - لہذا تولد ذاتي کے اِس وقت محال نظر آنے سے یه ثابت نہیں هو سکتا که اُس عهد میں بهي محال تها - اب زمین کي وہ حالت باقي نہیں رهي هے جو اُس وقت تهي جب تولد ذاتي شروع هوا تها -

لیکن اس مذهب کے مخالف کہتے هیں ' مشاهده اس خیال کي تصدیق نہیں کرتا - علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں - طرح طرح کے تجربے کیے ' قسم قسم کے ماحول طیار کیے ' مختلف مواد میں کمي بیشي کي ' حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کي روشني مہیا کي ' لیکن پهر بهي زندگي بے جان مواد سے پیدا نه هوسکي - وہ یه بهي کہتے هیں که زندگي کے آغاز کے وقت سمندروں کي حالت کیسي هي خاص اور زندگي پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نه هو ' لیکن اس حالت سے بہتر نہیں هوسکتي جو مختلف وسائل جمع کرکے علماء حیات نے اب مہیا کردي هے - تاهم کوئي کامیابي نہیں هوئي -

(مختلف نظریے)

پهر آخر زمین پر زندگي کا آغاز کیوں کر هوا ؟ اوپر کي بحث سے یه گتهي ذرا بهي نه سلجهي -

ایک بہت بڑا ماهر علم الحیات کہتا هے " زمین پر زندگي ننهے ننهے کیڑوں اور سوکھے جراثیم کي شکل میں آئي ' مگر یه اُن چهوٹے چهوٹے معدني ٹکڑوں کے ذریعه پہنچي تهي جو دوسرے ستاروں سے ٹوٹ کر هماري زمین پر گرے تهے - اس وقت وہ اُس زندگي کے لیے مناسب ماحول رکھتي تهي " اِس عالم کا خیال هے که کواکب میں زندگي ازل سے موجود هے - اِنهي کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر دوسرے کواکب میں زندگي کے جراثیم پہنچاتے رهے هیں -

مشہور عالم علم الحیات هل مهنز اور ٹامسن کي بهي یہي رائے هے - پروفیسر ارمنیس نے یه نظریه اور زیاده وضاحت و اضافه کے ساتهه بیان کیا هے - وہ کہتا هے " زندگي بهي اُسي طرح ازلي هے جس طرح خود ماده ازلي هے - زندگي کے تخم یا جراثیم کواکب سے همیشه جدا هوتے رهتے هیں - آفتاب کے نور میں یه خاصیت موجود هے که وہ اِن حقیر جراثیم کو پهیلاتا اور فضا میں بہاتا هے - آفتاب کے نور کي یه خاصیت مکسویل کے تجربوں سے یقیني طور پر ثابت هوچکي هے - بنابریں فضا اِن جراثیم سے لبریز هے - یه جراثیم پاني اور هوا سے محروم هونے پر بهي زنده رهتے هیں - نیز بالائي فضا کي سخت سردي بهي برداشت کرلیتے هیں - علماء کا خیال هے که وهاں برودت صفر سے ۲۲۰ درجه نیچے هے - یه جراثیم هر لمحه بہت بڑي مقدار میں آسماني اجزاء کے ساتهه ایک ستاره سے دوسرے ستارے میں گرتے رهتے هیں - آفتاب کي قوت دافعه اس نقل و حرکت میں اُنهیں مدد دیتي هے "

لیکن تولد ذاتي کا مذهب بهي اس وقت تک سپر انداز نہیں هوا هے - ارنسٹ هیگل کے بعد بفلوگر نے اس کي از سر نو صدائیں بلند کیں - اُس کا نظریه بهي هیگل کے نظریه سے مشابه هے - وہ کہتا هے " قابل حیات مادۂ زلالیه (Albumen) بلا کسي واسطے کے اُس وقت خود بخود موجود هوگیا تها جب زمین کے پاني میں زندگي قبول کرنے کي صلاحیت پیدا هوگئي تهي - اِس ماده کي تکوین ' سیانوجن (نٹروجن اور کاربون کا مرکب) آکسیجن ' اور دوسرے پگهلے هوئے معدني مواد کے اتحاد کا نتیجه تهي - جوں هي اِن اشیاء کا باهم اجتماع هوا ' قابل حیات مادۂ زلالیه وجود میں آگیا - پهر تدریجي ترقي کے بعد ادنی جانداروں کي شکل میں تبدیل هوگیا - یہي ابتدائي جاندار ' جمله حیوانات و نباتات کي اصل هیں " اِس عالم کا خیال هے که شروع میں صرف ایک جاندار نے ظهور کیا تها - پهر اُس سے دو جاندار پیدا هوگئے - یہي دونوں جمله ذي روح کائنات کے مورث اعلی هیں - ایک سے نبات کا سلسله شروع هوا - دوسرے سے حیوان کا -

سنه ۱۸۸۰ - میں ایک عالم پریئیر نے تمام علماء سے مختلف مذهب اختیار کیا - وہ کہتا هے " عالم کون میں زندگي ازلي و قدیم هے - زمین پر زندگي اسوقت بهي موجود تهي جب وہ ایک آتشي کره تهي " وہ یه بهي تسلیم نہیں کرتا که جمادات سے زندگي کا آغاز هوا - اُسکا دعوی هے که خود جمادات کسي ازلي زندگي سے پیدا هوے هیں - ظاهر هے که یه قول شاذ اور کمزور هے - مشاهدے کے بهي خلاف هے - هر کس و ناکس جانتا هے که زنده کائنات ایک خاص درجه تک هي حرارت برداشت کرسکتي هیں - زیاده سے زیاده حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بهي سنٹي گریڈ کے ۱۲۰ - درجه میں ۲۰ - منٹ سے زیاده زنده نہیں رہ سکتے - ایسي حالت میں زندگي کا اسوقت موجود هونا جب یه کره ایک آتشي کره تها ' کیونکر تسلیم کیا جا سکتا هے ؟

(وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

غرضکه زندگي کي گتهي باوجود علم کي اس تمام جد و جهد کے ' ابتک سلجهه نہیں سکي هے - یه ایک معما هے جس کا حل عقل انساني کي دسترس سے باهر تها اور اب تک باهر هے - جس قدر بهي نظریے قائم کیے گئے هیں ' اول تو وہ نظریه سے زیاده نہیں ' پهر ان میں بهي اس قدر فکر کا اضطراب اور رائے کا اختلاف هے که ظلمات بعضها فوق بعض کے مصداق هیں - اب سے تیره سو برس پہلے اس بارے میں ادعاء علم نے نہیں بلکه زبان وحي نے ایک اعلان کیا تها یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربي دنیا آج بهي اس سے زیاده کچهه نہیں جانتي - اور اس لیے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انساني پر حکمراں هے !

منجمد سطح اور اُسکے اوپر کي فضا اپنا بوجهه اُس پر ڈالے هوئے هے - زمين پر اِس وقت جس طرح کے آتش فشاں پهاڑ نظر آتے هيں ايسے هي پهاڑ اُن قديم زمانوں ميں بهي موجود تهے جو زمين کي عمر کا ابتدائي زمانه تها - اصطلاح طبقات الارض ميں يه دور " عهد ارضي " کهلاتا هے -

گرم چشموں کا وجود اِس بات کي قطعي دليل هے که زمين کا باطن ايک عظيم مشتعل کره هے - چونکه جزء هميشه کل کے ماتحت هوتا هے اس ليے عملاً تسليم کرنا پڑتا هے که زمين کي يه پتلي پپڑي يا چهلکا بهي ايک زمانه ميں اپنے کل کي طرح مشتعل هوگا - زمين اپني تاريخ کے کسي قديم دور ميں آتشي کره تهي -

چاند کو بهي اگر دوربين سے هم ديکهيں تو اُس ميں آتش فشانوں کے نماياں نشان پائينگے - اِس سے صاف ثابت هوتا هے که چاند پر بهي تقريباً ويسے هي تاريخي انقلاب طاري هوچکے هيں جيسے زمين پر گزر چکے هيں -

(کانت اور لاپلاس کا نظريه)

اِس طرح کے مشاهدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنچ رياضي دان لاپلاس نے يه نظريه قائم کيا که شروع ميں پورا نظام شمسي نهايت هي گرم گيس کا کتله تها - يه کتله کسي نا معلوم محرک کے ذريعه خود اپنے گرد گهومنے لگا - اِس حرکت سے حلقے پيدا کيے - پهر ان کے مرکز ميں کثافت و انجماد پيدا هوگيا ' اور اِس کيفيت کے بعد يهي مرکز آفتاب بن گيا - پهر گردشي حرکت کي وجه سے اُن حلقوں کے اندر بهي حلقے پيدا هوتے گئے - اِن ثانوي حلقوں ميں سے هر حلقے کے مرکز ميں کثافت و انجماد کي کيفيت پيدا هوئي اور ايک نيا کوکب ناري بن گيا - پهر اس مرکز سے محيط حلقوں ميں بهي کثافت و انجماد کا عمل شروع هوا اور بتدريج ايک يا کئي چاند پيدا هوگئے - مگر يه بهي اُس وقت آتشين تهے - بتدريج ٹهنڈے هوکر موجوده شکل ميں آئے هيں - بعض کواکب کے گرد اب تک اُس تاريخي عهد کے حلقے موجود هيں - چنانچه دوربين ميں زحل کے گرد علاوه اُس کے دس چاندوں کے ' تين تهيں رکهنے والا گيسي حلقه بهي دکهائي ديتا هے -

خاص زمين کے متعلق مذکوره بالا علماء کا نظريه يه هے که وه بتدريج ٹهنڈي هونا شروع هوئي ' يهانتک که اُس کي سطح جم گئي - جب زمين کي حرارت ٣٥٠ درجه پر پهنچي تو اُس پر پارے کي موسلا دهار بارش هوئي - جب حرارت اور کم هوئي اور ١٠٠ درجه پر آئي ' تو کهولتے هوئے پاني کي بارش شروع هوگئي - مگر چونکه زمين اور اُس کي فضا کي حرارت هنوز بهت زياده تهي ' اِس ليے پاني جمع نه هوسکا اور بهاپ بنکر اڑ گيا - پهر جب حرارت ١٠٠ درجه سے بهي کم هوگئي ' تو اُس وقت بارش کا پاني جمع هوا اور سمندروں کي تکوين هوئي - اُس زمانه کے سمندروں کا رقبه موجوده سمندروں سے بهت زياده تها - کيونکه اُس وقت زمين کا داخلي حصه به سبب شدت حرارت کے پاني سے خالي تها - اور اُسکي موجوده سلوٹيں وجود ميں نهيں آئي تهيں جنهوں نے بعد ميں پهاڑ اور سمندر کي گهرائياں بنائيں - سمندر کے متعلق يه خيال محض نظريه نهيں هے بلکه علماء طبقات الارض کا مشاهده هے -

(کائنات حيات)

اب زنده کائنات کي بحث سامنے آتي هے - ظاهر هے بهت شديد حرارت ميں زندگي موجود نهيں هوسکتي - اس ليے لازمي طور پر تسليم کرنا پڑتا هے که زمين اپنے اولين زمانوں ميں زندگي سے خالي تهي - يه تسليم کرنے کے معني يه هوئے که هم يه بهي تسليم کرتے هيں که زمين پر زندگي هميشه سے موجود نهيں تهي - بعد ميں اُسکا آغاز هوا -

اب يه سوال پيدا هوتا هے که زندگي يا اولين ذي روح کائنات کا آغاز کن مواد سے هوا ؟ کيا اُن جمے هوے معدني مواد سے جو شديد حرارت کي وجه سے اولين سمندروں ميں پاني کي طرح بهه رهے تهے ' اور گرمي کے کم هونے پر جم گئے ؟ اگر يه مان ليا جائے تو بحث ختم هوجاتي هے -

(دو مذهب)

ليکن بعض موانع ايسے موجود هيں که اِس بات کا فوراً تسليم کرلينا ممکن نهيں - اس کا فيصله اِس مسئله کے فيصله پر موقوف هے که غير ذي روح اشيا سے ذي روح اشيا پيدا هوسکتي هيں يا نهيں ؟ اس بارے ميں جمهور اهل علم کا مذهب يه هے که نهيں هوسکتيں يا کم از کم نهيں هوتي هيں' ليکن تولد ذاتي کے قائل اسکے خلاف هيں -

مذهب جمهور کي بنياد واضح هے - وه کهتے هيں اس طرح کي کوئي تخليق علمي طريقه پر ثابت نهيں هوئي هے - ايک زمانه ميں عوام کا يه خيال خواص ميں بهي پهيلا هوا تها که بهت سے جانور مٹي ' پاني ' اور مختلف غير ذي روح مواد سے پيدا هو جاتے هيں - مثلاً وه سمجهتے تهے ' حشرات الارض مٹي اور پاني سے پيدا هو جاتے هيں - مکهياں اور مچهر گندگي اور کيچڑ سے پيدا هوکر اڑنے لگتے هيں - مينڈک کے بچے بارش کے ساتهه هي زمين سے اُٹهنے لگتے هيں - يا پنير اور اسي طرح کي چيزوں ميں خود بخود کيڑے رينگنے لگتے هيں - ليکن اب تحقيقات سے ثابت هوگيا که يه تمام جاندار غير جاندار مادے سے پيدا نهيں هوتے - بلکه جاندار مخلوق هي سے جان حاصل کرتے هيں - ان سب کي پيدايش مختلف قسم کے کيڑوں اور مکهيوں کے انڈے سے هوتي هے جن ميں سے بعض چشم غير مسلح سے اور بعض خورد بينوں سے ديکهے جاسکتے هيں - پنير کے کيڑوں پر ايک زمانه ميں بهت زور ديا جاتا تها - مگر ثابت هوگيا که وه خاص قسم کي مکهي کے انڈوں سے پيدا هوتے هيں ' اور اگر انکي حفاظت کي جائے تو وه بڑے هوکر مکهي کي شکل اختيار کرلينگے - يه بات سترهويں صدي کے وسط هي ميں پايهٔ تحقيق تک پهنچ گئي تهي که مٹي وغيره سے جانداروں کي پيدايش کا خيال غلط هے -

ليکن دوسرا مذهب اُن لوگوں کا هے جو " تولد ذاتي " کے قائل هيں - خوردبين کي ايجاد نے اِنهيں تقويت دي - اُنهوں نے اعلان کيا که ايک خاص طرح کے جاندار ' مرده پتيوں کے رس جيسے سيال مادوں ميں پيدا هو جاتے هيں - ليکن هيلن اڈورڈ اور شوان وغيره علماء علم الحيات نے اس سے انکار کيا - وه کهتے هيں اگر هم ان سيال مادوں کو آگ پر رکهکر کهولائيں اور اُن جراثيم سے آلوده نه هونے ديں جو هوا ميں موجود هيں ' تو ان ميں کبهي يه جاندار پيدا نه هونگے - يه بهي در اصل هوا کے جراثيم کي پيداوار هيں -

مذهب " تولد ذاتي " کے ماننے والوں نے جراثيم (خوردبيني کيڑوں) کي نسبت بهي دعوا کيا تها که يه اُن قابل حيات اور معدني مواد سے پيدا هوتے هيں جو سيال مادوں اور بيمار جسموں ميں موجود هيں - ليکن پاسٹيور نے اسکي تغليط کي - اس نے ثابت کيا که اِس ميں بهي وهي غلطي هے جو بڑے جانوروں کي پيدايش کے سطحي معائنه ميں هوئي تهي - يه جراثيم بهي هوا کے جراثيم سے

دارا شاہ ایران کے نقوش خط میخي میں جن سے اولن سن نے خط میخي کے پڑھنے کي کنجي معلوم کي -

رشید (مصر) کا مشہور پتھر جس سے شمپولین نے هیرو گلیفي خطوط کا راز حل کیا -

ہوا ہے - خیال کیا جاتا ہے ' دسویں صدي میں یہہ دفن ہوگیا تھا - اسمیں تبتي ' چیني' اور ترکي زبانوں کي ۵۰۰ فٹ مکعب تحریریں موجود ہیں -

شمالي ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتھي بادشاہ کي قبر ملي ہے - یہ قبر دریائے ڈینیپر کے کنارے علاقہ ملیٹو پول کے قریب واقع ہے - اس کي تاریخ چوتھي صدي قبل مسیح تک پہنچتي ہے - بادشاہ کے ساتھہ اُس کي تلواریں ' کمانیں ' ذرع ' خود ' قسم قسم کے زیور' طلائي کنگھا ' اور دوسري بہت سي چیزیں دفن تھیں - اتنا هي نہیں بلکہ اس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا سائیس ' خادم خاص ' شمشیر بردار ' اور پانچ گھوڑے بھي مدفون ملے هیں -

آثار قدیمہ کے انکشاف کا میدان ابھي بہت وسیع ہے - کیونکہ ابھي مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود هیں جنھیں هاتھہ بھي نہیں لگایا گیا ہے - عرب ' چین ' اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچھہ کام ہوا هي نہیں ہے - یمن میں بے شمار آثار' بتوں کي شکل میں نمایاں هیں ' اس وقت تک ان کي تحقیق نہیں ہوئي ہے - زمین کے اندر جو کچھہ دفن ہے ' وہ اس کے علاوہ ہے -

امید کي جاتي ہے کہ جس وقت آثار قدیمہ کا علم ترقي کرجائیگا تو انسان کي تدریجي ترقي کي پوري تاریخ معلوم ہوجائیگي -

ذیل کي فہرست سے معلوم ہوگا کہ اس وقت کن کن ملکوں میں آثار قدیمہ کي تحقیقات ہو رهي ہے اور کون کون جماعتیں یہ کام کر رهي هیں :

(۱) امریکہ کا عجائب خانۂ تاریخ طبیعي - اسکي جماعتیں مکسیکو اور منگولیا میں کام کر رهي هیں - انکا موضوع بحث علم الحیوان ' طبقات الارض' اور تنقیب ہے -

(۲) امریکن متروپولیٹ عجائب خانۂ فنون - اسکي جانب سے قدیم مصري تمدن کي تحقیقات ہو رهي ہے -

(۳) پنسلفانیا کي یونیورسٹي ' بابل ' فلسطین' اور مصر میں تحقیقات کر رهي ہے -

(۴) هار فرڈ یونیورسٹي اور عجائب خانۂ فنون جمیلہ کي جماعتیں مصر میں ایتھوپیا کي شہنشاهي کے عہد کي تحقیقات میں مصروف هیں -

(۵) هارفرڈ یونیورسٹي' هونڈوراس میں تحقیقات کر رهي ہے -

(۶) کارنیگي انسٹیٹیوٹ' یوکاٹن (امریکا) میں تحقیقات کر رہا ہے -

(۷) امریکن سوسائٹي ایشیا لے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم ' میکسیکو اور کوہ اوزارک میں - اس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کي اصلیت معلوم کرنا ہے -

(۹) برٹش فرنسچ امریکن کمیٹي - بیت المقدس میں -

(۱۰) کارنارون (کانٹ کمیٹي) مصر میں -

(۱۱) رلي ر (برطانیا) کي کمیٹي - بابل اور اور میں -

(۱۲) محکمۂ آثار قدیمہ اور کونٹ پرورک - تیونس میں قرطاجنہ کي تحقیقات کر رہے هیں -

(۱۳) سر جوزف ترلین - قسطنطنیہ میں عہد بیزنطیني کي تحقیقات کر رہے هیں -

توت آنخ آمون کا تابوت اور اُس کي نعش کا نظارہ

علـم الاثار

(Archaeology)

جدید علم الاثار کي بنا غالباً سب سے پہلے شمپولین نے ڈالي - اِسنے علاقه " رشید " (مصر) میں ایک سنگي لاٹ دیکھي - اِس لاٹ پر ایک هي تحریر تین قسم کے رسم الخط میں لکھي تھي : هیرو گلیفي (قدیم مصري کاهنوں کا خط)' دیمو تیکي (قدیم مصري عوام کا خط)' خط قبطي (یه خط در اصل یوناني هے - مصر کے فرمانروا خاندان بطلیموس نے اِسے جاري کیا تها) در حقیقت یهي تحریر بعد میں علم الاثار کي بنیاد بن گئي - اُس سے هیروگلیفي اور دیموتیکي ' دونوں رسم الخط معلوم هو گئے - اِتنا هي نهیں بلکه قدیم مصري زبان بهي اسکے ذریعه مدون کر لي گئي -

مصر کي ایک سب سے زیاده محفوظ ممي

آثار قدیمه کے انکشاف میں اتفاقات زمانه کو بہت دخل هوتا هے ' اگرچه صحیح قیاس و اندازه' سے بهي بڑي مدد ملتي هے -

چنانچه یورپ کا ایک قدیم ترین اثر اِس طرح دریافت هوا که اسپین میں بعض آدمیوں نے محض اتفاق سے ایک غار میں جهانکا تو اُسکي دیواروں پر اُنهیں تصویریں نظر آئیں - یه تصویریں اُن حیوانات کي هیں جو اب روئے زمین پر موجود نهیں هیں - لیکن قدیم ترین زمانوں میں موجود تهے - دور حجري کے انسانوں نے یه تصویریں بنائي تهیں - ان سے ایک طرف یه معلوم هوگیا که اِس قسم کے حیوان ایک وقت میں موجود تهے' دوسري طرف یه پته چل گیا که انسان کي فني ترقي کے ابتدائي نمونے کیسے تهے ؟

اِسي طرح یونان کے ایک علاقه میں ایک مرتبه ریل گاڑي ٹوٹ گئي - بعض مسافر ٹهلتے هوئے اتفاق سے ایک ٹیلے پر چڑه گئے - وهاں اُنهیں ایک قدیم آبادي کے نشان ملے - تحقیقات سے ثابت هوا که یه آبادي' سن عیسوي سے ایک هزار برس پہلے یہاں قائم تهي -

اِسي طرح یونان میں ایک شخص کو اتفاق سے ٹوٹے هوئے ظرف کا ایک ٹکڑه ملا - اِس پر یه پهیلي کنده تهي " دیو جانس فلسفي سے پوچها گیا : وه کون حبشي هے جو سفید روٹي کهاتا هے ؟ حکیم نے جواب دیا : وه رات هے جو دن کو نگل لیتي هے "

آثار قدیمه کے انکشاف میں افواهوں اور افسانوں سے بهي بڑي مدد ملتي هے - چنانچه شهر تدمر کا پته اِسي طرح چلا که اُن اطراف کے بدوؤں میں ایک ٹیله کے متعلق مشهور تها که اسکے نیچے شهر تدمر مدفون هے -

اسي طرح شهر ٹراوۃه کا پته اس طرح چلا که ایک جرمن لڑکا هومر کي الیڈ پڑه رها تها - پڑهتے پڑهتے اُسے شوق هوا که اس عجیب مقام کي سیر کرے جسکي توصیف میں هومر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بها دیے هیں - لڑکے پر بڑي بڑي مصیبتیں پڑیں مگر یه شوق اُسکے دل سے نه گیا - علماء تاریخ کهتے تهے که ٹراوۃه کا کوئي وجود نهیں هے ' محض هومر کا تخیل هے - لیکن نوجوان نے اُنکي بات نه سني اور ۳۵ سال کي عمر میں اُس مقام پر جا پہنچا جهاں ٹراوۃه کي موجودگي بتائي گئي تهي - چند سال زمین کهودتا رها - یهانتک که ٹراوۃه کے نشان مل گئے !

اک دوسري نعش مکمل حالت میں

سب سے بڑا قدیم اثر جو اس وقت تک دریافت هوا هے ' وه مشهور اٹالین شهر " پامپي " هے - پہلي صدي عیسوي میں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپني راکه سے ڈهک دیا تها - اب یه کهود کر نکال لیا گیا هے - اسکي سڑکوں پر ابتک گاڑي کے پہیوں کے نشان موجود هیں - دیواروں پر سرکاري اعلان چسپاں هیں - دکانیں بدستور موجود هیں - ایک شراب خانه میں مرمري میز اپني اصلي حالت پر رکها هوا هے - اسکے کنارے کثرت استعمال سے گهسے هوئے هیں - گهروں میں پاني کے نل لگے هوئے هیں - کمروں میں تصویریں آویزاں هیں - محلوں میں بدستور باغیچے اور چمن هیں - اگرچه سب تقریباً اُجڑ گئے هیں -

اسي طرح تیونس کے سمندر میں ایک کشتي ملي هے - یه دو هزار برس پہلے غرق هوئي تهي - اِس میں سنگ مرمر کے ۶۵ ستون رکهے گئے تهے -

مغربي چین میں ایک مدفون کتب خانه دستیاب

دنیا کي سب سے پراني کتاب طب : مسٹر اڈوین اسمتهه نے اس منقش پتهر پر طبي مسائل پڑهے جو مصر سے برامد هوا تها - اس پر هیرٹیک حروف کنده هیں جو هیرو گلیفي خط کي ایک شاخ هے -

(پادریوں کا چنگل)

" مر مر نے اسنے جلادوں کے پنجہ سے رهائي حاصل کي تهي - مگر رائے بدنصیبي ' فوراً فسیسوں کے چنگل نے اُسے آ دبوچا ! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ مجھ اِس پر کوئي تعجب ہے - لیکن بلا شبہہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اُسقف اعظم ' جو صرف شریف النسب هي نہیں بلکہ شریف النفس بھي ہے ' کیونکر اپني جماعت کي بزدلي میں شریک ہوگیا ؟ حالانکہ اُسے ایسي دنائت سے بلند ہونا چاهیے تها - ایک مذهبي پیشوا ہونے کي حیثیت سے اُسکا فرض تها کہ مظلوم پر ترس کھائے ' نہ یہ کہ اُلٹا مظلوم کے کچلنے پر کمربستہ ہو جائے - وہ مظلوم ' جو پہلے هي سے زمانہ کے هاتهوں کچلا جاچکا ہے "

" اِس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اِس ناکردہ گناہ کے مٹادالنے پر تل گئے هیں - وہ یقین کرتے هیں کہ هم اُسے ضرور بالضرور مٹادینگے - حقیر سے حقیر واعظ اور ادنی سے ادنی مجاور بھي کوشش کر رہا ہے کہ اِس خود ساختہ دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اُسي کو حاصل ہو' اور اِسکے سر پر فیصلہ کن ضرب اُسي کے پاؤں کي ٹهوکر سے لگے !

(اُسقف نے کیوں فتوی شائع کیا ؟)

" اے میرے سردار ! کون شک کرسکتا ہے کہ اگر پیرس کي مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا ہوتا ' تو آپکو میري کتاب سے بغض کم ہوتا ؟ بلاشبہ بعض لوگ یہي خیال ظاهر کرتے هیں - مگر آپ کا حق پسند دل اِسے هرگز تسلیم نہیں کرسکتا ' کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے - اے میرے آقا! مجھے بتایئے آپنے ایسے پہلے میرا رد کرنے کي زحمت کیوں گوارا نہیں کي ؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا ' میں نے دي لامبرٹ کے نام خطوط چھاپے ' کئي کتابیں لکھیں ' مگر آپکے قلم کو کبھي جنبش نہ ہوئي ! حالانکہ میري اِن کتابوں میں بالکل ویسے هي خیالات موجود ہیں ' جیسے کتاب التربیت میں ظاهر کیے گئے هیں - کیا آپنے میري یہ کتابیں نہیں پڑھي تھیں ؟ حالانکہ اگر نہ پڑھي ہوتیں تو اپنے اِس رد میں اُن پر بحث نہ کرسکتے - کیا آپ کي یہ خاموشي آپکے دیني فرائض کے خلاف نہ تهي ؟ حالانکہ بقول آپکے اِن کتابوں میں بھي الحاد کي دعوت دي گئي ہے - کیا یہ حقیر مؤلف اُس وقت کم خطا کار تها' اور اب زیادہ ہوگیا ہے ؟ حالانکہ آپ اُسے پیدائشي خطا کار قرار دیتے هیں - آخر کیا بات تهي جو اِتني مدت تک زبان مبارک نہ هلي ؟ یہ وجہ تو نہ تهي کہ اُس وقت آپکے دشمن کم تھے ' اور میں بھي خالفوں سے گھرا ہوا نہ تها ؟ اُس وقت عوام میں میري کتابیں مقبول ہورهي تهیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے ؟ لیکن اب ' جبکہ حالات میں تبدیلي پیدا ہوئي - میرے دشمنوں نے ایکا کرکے مجھہ پر یورش کردي ' مجھے ملحد اور باغي مشہور کیا ' حکومت نے بھي هتیار سنبھال لیے ' اور آپکے دشمنوں نے بھي کہنا شروع کردیا کہ پیشوائے اعظم ہوکر آپ اِس ملحد کے خلاف کچھہ نہیں کہتے ' گویا اپني خاموشي سے اُسکي حمایت کررہے هیں ' تو آپ اپنے منصب کي حفاظت کے خیال سے اُٹھے ' اور اپنے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلیے میرے خلاف فتوی شائع کردیا - اے میرے آقا ! کیا اسي سبب نے آپکو میرے خلاف برانگیختہ کیا ؟ اگر ایسا هي ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکتہ هو جانا چاهیے ! "

اِس تمہید کے بعد روسو ' اُسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے -

(صفات الهي)

اُسقف نے لکھا تها :

" روسو کہتا ہے - میں خدا کي حقیقت سے بے خبر هوں ' لیکن ساتھہ هي یہ دعوی بھي کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقي علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکھتا ہے !"

روسو جواب دیتا ہے : " خدا کي صفت ' علم ہے - لیکن اسکا علم کیا ہے ؟ انسان کا علم تو اُسکي قوت تفکر میں ہے ' لیکن علم اقدس کسي تفکر و تأمل کا محتاج نہیں - اُسکي تفکیر کے لیے نہ تو مقدمات هیں ' نہ نتائج هیں ' نہ فرض و قیاسات هیں - اُسکا علم ازلي ہے - جو تها ' جو ہے ' جو ہوگا ' سب اُس پر آشکارا ہے - تمام حقائق اُسکے سامنے ذرۂ ریگ سے بھي چھوٹے هیں - تمام دنیا اُسکي نظر میں قطرۂ آب سے بھي محدود ہے ' تمام اگلے پچھلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بھي مختصر هیں "

" باقي رهي قدرت الهي ' تو قدرت الهي کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپني قوت عمل کے لیے وسائل عمل کي ضرورت ہوتي ہے - لیکن خدا کو کسي وسیلے کي ضرورت نہیں - قوت الهي خود اپني قوت سے عمل کرتي ہے - خدا قادر ہے ' کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے - اور اُسکا ارادہ هي اُسکي قدرت ہے !"

" خدا' لاریب خیر ہے - انسان کا خیر یہ ہے کہ کہ اپنے بني نوع سے محبت کرے - لیکن خدا کا خیر اُسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باهم جوڑے ہوئے ہے -

" خدا لاریب عادل ہے - عدل الهي بھي اُسکے خیر هي کا ایک نتیجہ ہے - انسان کا ظلم ' خود انسان کا اپنا عمل ہے ' خدا کا عمل نہیں ہے - روح کا اضطراب ' جس کي وجہ سے فلاسفہ قدرت الهي کے منکر هو جاتے هیں ' میري نظر میں اِس لا متناهي قدرت کو اور زیادہ واضح کرنے والا ہے - انسان کا عدل یہ ہے کہ هر حقدار کو اُسکا حق دیدے - خدا کا عدل یہ ہے کہ هر ایک سے اپني نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے ! "

(حقیقت الهي)

" یہ صفات میں نے عقل کي منطق کي راہ سے معلوم کي هیں - لیکن میرے دماغ میں اُنکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے - میں اُنہیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا هوں' مگر اُنکي پوري حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا - عقل اِسکا احاطہ کر هي نہیں سکتي - اِسکے معني دوسرے لفظوں میں یہ هوے کہ میں حقیقت سے لا علم هوں - اور اسلیے میري حقیقت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا هوں اور اصرار کرتا هوں - میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا هوں " یہي خدا ہے " میں بے فائدہ اُسکا شعور کرنا چاهتا هوں - میں بے فائدہ اپنے ذهن میں اُسکا تصور کرتا هوں - " بے فائدہ " اس لیے کہ اِس سے خدا کي حقیقت پر ذرا بھي روشني نہیں پڑتي - میں هرگز معلوم نہیں کر سکتا ' خدا ایسا کیوں ہے ؟ اُس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود هیں ؟

" میں اُسکي حقیقت جاننے کي جتني زیادہ کوشش کرتا هوں اُتني هي اُسکي حقیقت پوشیدہ ہوتي جاتي ہے - میري یہ عقل کي بے بسي مجھہ میں اُسکا اعتقاد و ایمان اور بھي زیادہ مستحکم کر دیتي ہے - میں جس قدر اُس کا تصور کم کر سکتا هوں ' اُسي قدر اُس سے زیادہ وابستہ ہوتا اور اُتنا هي اُسکي عبادت پر جھکتا جاتا هوں - بالآخر اُس کے رو برو گر پڑتا هوں اور کہتا هوں " میرا وجود تجھي سے ہے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیادہ تجھہ میں غور کرتا هوں' تو اُتنا هي زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے ' مگر تیري حقیقت برابر مجھہ سے مستور هي رهتي ہے ! تجھہ میں میرا فنا هو جانا ' میري عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ! تیري عظمت نے میري عقل مبہوت کردي ہے ' مگر میري نا تواني کو بھي قوت سے بدل دیا ہے !"

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جـان جـاک روسو

أسقف کا جواب

(۲)

پچھلے نمبر میں قاریین الهلال پیرس کے أسقف إعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے هیں - آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا ھے - یه جواب پورے دو سو صفحے کي باریک حروف کي کتاب میں پھیلا هوا ھے - اِس لیے اختصار کے سوا چارہ نه تها - تاهم اهم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کردیے گئے هیں -

(معذرت)

روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا ھے :

" اگر آپ صرف میري کتاب هي پر اعتراض کرتے تو میں هرگز آپ سے کوئي تعرض نه کرتا - آپکو چھوڑ دیتا که جتني چاهیں نکته چیني کرتے رهیں - لیکن آپنے صرف کتاب هي پر نہیں بلکه میري ذات پر بهي بحث کي ھے - آپ کو دنیا میں جتني عزت اور قوت حاصل ھے ' اُسی مناسبت سے آپ میں یه بات بهي هوني تهي که اُن تہمتوں سے بلند تر هوتے جن سے آپ نے مجھے آلودہ کرنا چاها ھے "

(داستان مظلومي)

اِسکے بعد روسو نہایت بلاغت و مهارت سے اپنے قارئین کي همدردي حاصل کرني چاهتا ھے - وہ اپني مسکیني و مظلومي ظاهر کرتا ھے ' تمام یورپ کا اُسکے خلاف متحد هو جانا اور عرصهٔ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا ھے ' پھر لکھتا ھے :

" جنیوا کے غلام ' روسو کے هاتھه میں کوئي قوت نہیں که اُن ظالم اور سرکش ججوں سے جواب طلب کرسکے ' جنکے سامنے اُس پر تہمت لگائي گئي ' اور جنهوں نے اُسے طلب کیے بغیر اُسکے خلاف فیصله صادر کردیا ھے - اِتنا هي نہیں بلکه اُسے قید کرنے کے بهي درپے هو گئے هیں - نه " غلام " اگر عدالت میں طلب کیا جاتا ' تو اپني برأت ظاهر کرنے ضرور حاضر هوتا ' مگر چونکه اُسے بلایا نہیں گیا ' اس لیے اُسے از خود حاضر هونے کي ضرورت بهي نه تهي - چنانچه وہ حاضر نہیں هوا - اس پر اُسکے خلاف جنگي قوت جمع کي گئي - اُسنے قوت کے مقابله سے گریز کیا ' اور اس سرزمین سے بهاگ نکلا جہاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا ھے ' بغیر جرم کے سزا دیدي جاتي ھے ' اور بغیر جواب سنے بیڑیاں پہنا دي جاتي هیں "

" اُسنے مجبوراً اپنا محبوب خانه چھوڑا - اُن دوستوں کي جدائي سهي جنسے بڑہ کر اُسکے لیے کوئي عیش نه تها - اپنا ناتواں جسم لیکر هزاروں امیدوں کے ساتھه سرزمین حریت میں پہنچا - آہ میرا وطن جنیوا ! میں نے تیري آزادي کے کیسے کیسے گیت گائے ؟ تیرے حسن و جمال کي کیسي کیسي تصویریں بنائیں ؟ دنیا میں تیرا نام کس درجه روشن کیا ؟ آہ ! میں کیا کہوں ؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا ھے ' میرا هاتهه کانپ رها ھے ' میرا قلم گرا پڑتا ھے . . .

لیکن مجھے خاموش هي رهنا چاهئے - مجھے جرم کا ذکر بهي نہیں کرنا چاهئے . . . کاش میں خفیه طور پر هي اپني ناقابل برداشت مصائب کہه سکتا ! کاش میں اپني دل کي گہرائي هي میں اپنے وطن کي شکایت کا خیال کر سکتا ! . . . . . "

" یه سب کچھه کیوں ھے ؟ میں اسکا حقیقي سبب نہیں پوچھتا - میں صرف اِسکا قریبي موجب معلوم کرنا چاهتا هوں - مجھه پر الحاد کي تہمت لگانے کي جرأت کي گئي ھے - مگر تہمت لگانے والے بالکل بهول گیے که جس کتاب پر انهیں اعتراض ھے ' وہ سب کے هاتهوں میں موجود اور سب کي آنکھوں کے سامنے کهلي هوئي ھے - مجھه پر تہمت لگانے والے افسوس سے هاتهه ملتے هیں : " کاش یه کتاب کسي طرح مفقود هو جائے تا که هم پیٹ بهرکے تہمتیں تراش کرسکیں ! " لیکن اُنکي یه امید کبهي پوري نہیں هوگي - کتاب اُنکي حسرت کے لیے همیشه باقي رهے گي ' اور آئندہ آنے والي نسلیں فیصله کرینگي - وہ اعلان کرینگي که یه تمام گناہ ' اُسکے مؤلف کي بد عملیاں نہیں هیں ' لیکن فضیلت کے ایک دوست کي ٹھوکریں هیں ! "

(ایک ملحد کا ذکر)

" میں معاصرین پر اظهار رائے نہیں کرونگا - میں کسي کو بهي نقصان پہنچانا نہیں چاهتا - لیکن کیا تم نے سپنوزا کا نام نہیں سنا ؟ اُسکے الحاد میں کیسے شک هو سکتا ھے ؟ وہ خود الحاد کا مدعي تها - علانیه الحاد کي تعلیم دیتا تها - مگر نه کوئي اُسکے اطمینان میں خلل ڈالتا تها - نه اُسکي کتابیں چھپنے سے روکي جاتي تهیں - اور نه هي تاجروں کو اُنکي اشاعت کي ممانعت کي گئي - وہ فرانس آیا تو اسکے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تها - تمام ملکوں کے دروازے اُس پر کهلے تھے - وہ هر جگهه امن کي بلکه حکومتوں کي حمایت پاتا تها - بادشاہ اُسکا خیر مقدم کرتے تھے ' اور وعظ و درس کے ممبر اُسکے لیے نصب کراتے تھے - یه ملحد زندگي بهر مسرت و آرام بلکه عزت و احترام پاتا رها "

(عہد حکمت و انسانیت !)

" لیکن آج ' جبکه ببانگ دهل دعوي کیا جاتا ھے که یه فلسفهٔ و حکمت اور انسانیت کا زمانه ھے ' دنیا کا حال کیا ھے ؟ یه ھے که ایک شخص انساني محبت کے جذبه سے مجبور هوکر آتا ھے ' اور پوري احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا ھے - کیسے خیالات ؟ وہ خیالات جو اُس موجود اعظم کي عظمت نے اُسکے دماغ پر نازل کیے هیں - لیکن دین الهي و حقیقت کے اس حامي و ناصر کي زندگي تلخ کردي جاتي ھے - یورپ بهر میں اُسے کہیں پناہ نہیں ملتي - اُسے خدا کا پیدا کیا هوا پاني پینے سے اور اُسکے اُگائے هوے درختوں کي لکڑي جلانے سے بهي روک دیا جاتا ھے - وہ ذلیل و خوار پهرتا ھے - جس گوشه میں جاکر پناہ ڈهونڈهتا ھے ' وهیں سے نکالدیا جاتا ھے - نه اُسکي غربت پر کسي کو ترس آتا ھے - نه اُسکي بیماریوں پر کسي کا دل کڑهتا ھے - مشہور سے مشہور مجرموں اور خوني سے خوني ڈاکوؤں کا بهي اِس بے دردي سے کبهي تعاقب نہیں کیا گیا هوگا ' جیسا اِس بیکس و مظلوم کا کیا گیا ھے - اگر وہ ایک لمحه کیلیے بهي کسي حکومت کے رحم پر بهروسه کرلیتا ' تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سڑتا هوتا ' یا پهانسي کے تختے پر اُسکي لاش سوکهه رهي هوتي ! "

حکمت اور شعر کے مختارات

حکما و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بیئشر'

حسن بغیر نزاکت کے ایسا ہے' جیسے بے نمک کھانا — امرسن -

ارسطو سے پوچھا گیا " حسن کیا ہے ؟ " اُس نے جواب دیا " یہ سوال اندھوں سے کرنا چاهیے " — بیکن

حسن ' جہاں بھی ہوتا ہے ' سراہا جاتا ہے — گوئٹے

حسن ' ایک جال ہے ' جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتی ہے — لیگس -

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کی طرف سے اقرار ہے کہ اُس کے پاس حسن کے سوا کوئی چیز قابل فخر نہیں — میڈ مزیل دی لسپینلس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ہے ' قلب کے لیے دوزخ ہے ' جیب کے لیے ویرانی ہے -

خوبصورت ' بد صورت سے اُسی طرح بچے ' جس طرح ذهین ' غبی سے بچتا ہے — پوپ

تمہاری یہی کیا کم فتحمندی ہے کہ تم خوبصورت ہو؟ — هوگز

جب هم میں اِس قدر صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ هم خدا کے هر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں گے ' تو اُس وقت هم دعوی کرسکیں گے کہ هم اُس کی حقیقت سے واقف ہوگئے هیں — رسکن

حسن ' تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے - هر مخلوق اُس کے زیر اثر آکر بھول جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر

حسن سے محروم عورت ' زندگی کی نصف لذت سے محروم ہوتی ہے — مڈیم دی مونتارین

حسن بہت هی کم عمر چیز ہے — دی لنکلو

اِس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئی ہے — روشبراون

کبھی عورت خوبصورت ہوتی ہے ' مگر اُس کا حسن اُس وقت تک نہیں کھلتا ' جب تک اُس کا دل محبت کے لیے نہیں کھل جاتا — لا پروئیر

حسن ' قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے ' اور یہی سب سے پہلے اُس سے چھن بھی جاتا ہے — میرہ -

عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — روشبراون

مرد کو شادی کے معاملہ میں اعلی حسن سے پرهیز کرنا چاهیے - کیونکہ حسن قبضہ میں آتے ہی گھٹ جاتا ہے ' مگر اُس کی مصیبتیں زندگی بھر باقی رہتی هیں — روسو

جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جوهر نہیں ہوتا ' اُس کی مثال روغنی روٹی کی سی ہے - یہ گرم اچھی معلوم ہوتی ہے اور سرد ہوتے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور

(عورت)

تمدن اچھی عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن

عورت کی شیرینی گلاب کی طرح جلد ختم ہو جاتی ہے — گوئٹے

زندگی کی سب سے لذیذ شیرینی ' بیوی کا اپنے شوهر کو مخلصانہ سلام ہے — ولز

عورت کی انانیت اپنے اندر دو انانیتیں رکھتی ہے — مڈیم دی استائل

خدا کی انسان پر سب سے قیمتی بخشش ' عورت ہے - گوبار

کاش ' عورت تنہا میرا هی حصہ ہوتی ! — اربیڈس

عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ہے — بلزاک

عورت اُس شخص کو حقیر سمجھتی ہے جو اُس سے محبت نہیں کرتا ہے ' مگر وہ خود اُس سے محبت نہیں کرتی — ابلز بتھہ ' استوڈرٹ

***

انسان اپنے نفس کو اُسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت میں پڑتا ہے — الفرڈ دی موسیہ

شک ' همیشہ امید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلزاک -

ترقی لنگڑی چال چلتی ہے — سانت بو

نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ هوجاتا ہے — روسو

عظمت ' طمع ' فوج ' جنگی جہاز ' تاج ' تخت ! یہ انسان کے کھلونے هیں جب وہ بڑا هوجاتا ہے — وکٹر هیوگو

میری تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — روسو

(ذهانت)

ذهانت کیا ہے ؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت هی کا نام نہیں ہے - کیونکہ حیوان بھی سمجھ رکھتا ہے مگر هم اُسے ذهین نہیں کہہ سکتے - سپاهی اپنی ڈیوٹی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر ذهین نہیں کہلاتا - بندر کی ذهانت ' محض ایک بے نتیجہ عقلی اضطراب ہے - جو بچہ اپنی حرکتوں سے ہمیں هنساتا ہے ' ذهین نہیں ہے - کیونکہ اُس میں بندر کی جبلت آگئی ہے - جو عورت بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے ' ذهین نہیں ہے - کیونکہ معمولی باتیں اُس کے دماغ کو پراگندہ کر ڈالتی هیں - کیا حساب داں ذهین هوتا ہے ؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ہے ! کیا شاعر ذهین هوتا ہے ؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا ہے ! ماهر مالیات کی نظر میں ناول نویس ' دو پاؤں کا احمق حیوان ہے ! جو آدمی ' دور از کار نظریے بناتا ہے ' کیا ذهین ہے ؟ کیا همیشہ خاموش رہنے والا ذهین ہے ؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے ' سرد اور بے اثر نظروں سے ہمیں دیکھنے والا ذهین ہے ؟ نہیں !

ذهانت کی تعریف ناممکن ہے — ا ماترلین

برید فرنگ

رُوس کا نفس پرست شاہی راہب

راسپوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمن حذر نہ کنی گر لباس دین دارم
نہفتہ کافرم و بُت در آستین دارم!

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر عبرت انگیز واقعہ رُوس کے خاندان شاہی کی بربادی ہے۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تقریباً پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرانس کے لوئی شانزدہم اور اُس کے خاندان کے قتل سے بھی وحشتناک ہے!

رُوس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اور اُن تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جاچکی ہے جو اِن عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ اِن اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہے۔ یعنی رُوس کے حکمران اور اُس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زود اعتقادی، اور علم و عقل سے محرومی ہے! یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اِن تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام تزویر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور رُوسی شاہزادہ پرنس یوسوپوف کا روزنامچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اِس سے اِس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اِس بارے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راسپوٹین کا قاتل بھی وہی ہے۔

اِس روزنامچہ پر ابھی دنیا نے پوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اِس سلسلے کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہوگیا۔ یعنے یکایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑکی ماریا کے قلم سے نکلی ہے اور اُس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اِس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رُخ واضح کر دیا، اور دنیا اِس نئے انکشاف سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں اِن دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جستجو تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں، خصوصاً پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامچہ کی ایک پوری فصل درج کرتے ہیں، جس سے اِس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

راسپوٹین کون تھا؟

راسپوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اِس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسپوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کا پیشہ اختیار کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اُسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہمیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اُسے پولیس نے بُری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے زخم کا نشان عمر بھر اُس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اُس کا گزر ایک پرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ راسپوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اُسنے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہے۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اُسے جسمانی تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُسنے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر اِن راہبوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن سے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد مسیحی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اُسنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اِس قزاق کو "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرزبرگ (لینن گراڈ) کے ایک بشپ نے اُسے دیکھا، اِس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ پایۂ تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکۂ رُوس) اُسے دیکھتے ہی معتقد ہوگئی۔ راسپوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ پختہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اُس کے آگے اپنے گھٹنوں پر جھکتے تھے،

راہب نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرۂ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھاتا اور دوشیزہ کو اپنے سے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا"

"مس موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسپوٹین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے بارے میں کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعاً نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا احساس چھپانے کے لئے جد وجہد کرنی پڑی۔ اُسنے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا بوسہ لیا، حتیٰ کہ مس م... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ مس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کر رہی ہے۔

میں نے اُس کے خط و خال پر نظر غائر ڈالی۔ وہ میانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھنی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا اُور کوٹ اور بہت ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل روسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضوی شکل کا، مگر ہر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقیناً نہایت بدصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بدنفس انسان ہوا کرتے ہیں"

"اُس کی حرکات و سکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ شان رکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں متجسانہ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مس م... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پُرہوس نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لمحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ ولیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس ملفوف ہے"

"چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگیا اور ازراہ ناز و دارانہ انداز سے کہنے لگا "تمھاری دوست مس م... کس قدر حسین ہے! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بنجائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے بارے میں اُسنے مجھ سے بارہا گفتگو کی ہے۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھے یقین ہے، شادی کے بعد تم دونوں حقیقی مسرت و سعادت پاؤگے!"

اس ملاقات سے چند دن بعد مس م... نے مجھ سے کہا۔ "راسپوٹین تم سے از حد حسن ظن رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے"

راہب اور زار کی والدہ

"اُس وقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پُراسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہوگیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر و اقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے۔ لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روز بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس دجال کے دور کردینے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زارینہ کچھ اس طرح اس "مقدس مرشد" کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سُن لینا گوارا نہیں کرتی تھی"!

جنگ عظیم

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خوف سے کانپ اُٹھے کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہوسکتے ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے تعلقی برتی اور سراسر راہب کے ہو رہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منت التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہدیا:

"میں اپنے روبرو راسپوٹین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!"

راہب کی تصویر

"جنرل ڈجانکو نائب وزیر داخلیہ، راسپوٹین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسنے بڑی کوشش سے "کلیسٹریم" والوں کے ایک جلسہ کا موقع حاصل کیا۔ اس موقع میں راسپوٹین ناگفتہ بہ فسق و فجور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جنرل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھدی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جنرل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسپوٹین نے جعل بنانے کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں"!

راہب جرمن جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت، راسپوٹین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل جرمن جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبریں جرمنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھیجا کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہوگیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دئے جانے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سپہ سالاروں کا عزل و نصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمن افسر اُسے وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو معزول کرا دینا چاہیے فلاں مقام ہمارے لئے مُضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہیے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں رائے ظاہر کردیتا، اور زار اُسکی فوراً تعمیل کرتا۔ نہ کرتا تو زور ڈالنے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رُخ کرتیں، دیکھتیں جرمن فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیار کئے موجود ہے۔

بایں ہمہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی "مرشد" پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ اور برکت سے فتح پائیں گے"!

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوپوف کا بیان تھا۔ اب خود راسپوٹین کی لڑکی کا بیان سنئے۔ "وصاحب البیت ادری بما فیہ"۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسپوٹین ہے۔ اب تک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کرکے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف قسم کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

عقیدت نہیں عشق تھا!

"زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کرلی اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسنے کئی بار میرے والد سے کہا "میں، زار سے بیزار ہوگئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرلو!" میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کیسے ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا"

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

"یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامچے میں موجود ہے، جو اس وقت بالشویک حکومت کے قبضہ میں ہے۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی "میں بہت جلد تمھارے گھر میں آجاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہوجاؤ گی!"

صوفیہ نے اپنے روس سے بچ نکلنے کی داستان بھی لکھی ہے۔ وہ لکھتی ہے

"جب میرا باپ قتل ہوگیا تو میرے پاس دو ہزار نقرئی روبل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دی اور جان لے کر بھاگ نکلی"

راسپوٹین کی اخلاقی سیرت، ملکہ کی اُس سے بیحد و نہایت دلبستگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بدنصیب ملکہ کو "مرشد" کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کرلیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل و توہم پرستی سے ملجاتی ہے تو اُس کے عجائب و غرائب کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس سے مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی و فسوق پر بھی مذہب کے پُراسرار تقدس کا پردہ پڑجاتا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہوجائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس "مرشد" کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اسپر بھی اُسے اپنا مرشد اور "مقدس ولی" یقین کرتی تھی۔ جب جواز و عدم جواز کا معیار حقیقت کی جگہ عقیدت ہوجاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب و تقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہے اور اب تک دنیا اُس میں برابر اضافہ کئے جاتی ہے۔

امراء سے "مسیح ثانی" تعبیر کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا بلا اجازت محل میں داخل ہوجاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کرلیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اُس بوڑھے کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلو تھا اُسنے اپنے آپ کو بالکل اِس دجّال کے حوالے کردیا تھا"

ملکہ کی مجنونانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا ہے جو دسمبر ۱۹۱۶ء یعنی انقلاب حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُسنے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوپوف نے یہ خطوط اپنے روزنامچہ میں نقل کردیئے ہیں۔ اِن سے روس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی پڑتی ہے۔ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ پست خیال مگر ساتھ ہی اپنے شوہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خطوط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ "بروٹوف" کو وزیر داخلیہ بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ یہ شخص راسپوٹین کا پروردہ تھا۔ راسپوٹین چاہتا تھا اسے وزیر داخلیہ بناکر پس پردہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہے:

"بروٹوف کو وزیر بنادو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، ورنہ وہ جری ہوجائیں گے اور برابر تمہیں دباتے رہیں گے۔ وہ سمجھیں گے تم اُن سے ڈر گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوما (پارلیمنٹ) کے صدر کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ذلیل آدمی ہیں، کیونکہ "مقدس باپ" (یعنی راسپوٹین) نے اُن کی بابت یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بروٹوف کو میری خاطر وزیر بنادو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمہارے بچوں پر، اور روس پر جان دیتا ہے۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہے "وہ سلطنت کبھی برباد نہیں ہوسکتی جس کی حفاظت پر ولی ہوتے ہیں!" یہ قول بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راسپوٹین) پر بھروسہ کریں، اُس کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے ولی کی یہی نصیحت ہے کہ بروٹوف وزیر بنادیا جائے۔ لہٰذا اسکے قبول کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہے۔ مسیح نے اُسے سب کچھ دکھادیا ہے۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہے، پوری ہوجاتی ہے۔ جس بات کو اچھا کہدیتا ہے، اچھی ہوجاتی ہے۔ جسے بُرا کہدیتا ہے، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہوجاتی ہیں، مگر ہمارے اِس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی ...!"

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہے:

"ڈوما (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہے کہ ہر وقت ڈوما کے جلسے برابر جاری رہیں تاکہ فساد کی راہیں بند نہ ہونے پائیں۔ وزیر اعظم نے یہ کہکر تمہیں دھوکا دیا ہے کہ اگر ڈوما توڑ دی جائے گی تو اُسکے ممبر ملک میں پھیل کر رعایا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دھوکا ہے۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہے: اگر یہ لوگ رعایا سے جاکر بدگوئی کریں گے تو کوئی بھی اِن کا یقین نہ کرے گا۔ اِن کی اصلی قوت، اِن کے ایک جگہ جمع رہنے میں ہے۔ لہٰذا ڈوما توڑ کر اِن شریروں کو منتشر کردو"

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہے:

"معاملہ خوب سمجھ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمہارے لئے سراسر بھلائی ہے ... پیارے! میری دلی آرزو ہے کہ تم ڈوما توڑ دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکنی چپڑی باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے اِن کی باتوں میں آجاتے ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہدیا ہے، وہی ٹھیک ہے۔ اُنکی نصیحت پر چلکر ہم کامیاب ہوسکتے ہیں ..."

ایک اور خط میں حسب ذیل پرجوش الفاظ لکھتی ہیں:

"یہ لوگ تمہیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمہارا مذاق اُڑاتے ہیں۔ تم اتنے کمزور کیوں ہوگئے ہو؟ اٹھو، پیٹر اعظم بنجاؤ۔ اِن بدمعاشوں کو لات مار کر گرادو۔ مجھے تمہاری کمزوری دیکھکر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ہمت باندھو اور ڈوما کو توڑ دو۔ اِن تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کرکے سائبیریا جلا وطن کردو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ ہلاک ہوگی۔ تمہارا خیال وہ کیوں نہیں ہے جو میرا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہے؟ بلاشبہ میں ایک عورت ہوں۔ لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں، روس کی نجات اُسی میں ہے جو ہمارے مرشد کا حکم ہے۔ تمہیں یاد نہیں فرانسیسی مدبر مسیو فلپ نے کیا کہا تھا؟ اُسنے کہا تھا: روس کو حکومت خود اختیاری دینا، روس کو برباد کرڈالے گا اور خود زار کو بھی! یہی ہر سچے روسی کا بھی خیال ہے۔ میں جانتی ہوں، تمہیں میری اِس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں اِس پر مجبور ہوگئی ہوں۔ روس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور ولی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ اپنے خیالات تم تک پہونچا دیا کروں نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تمہیں باخبر رکھا کرتی رہوں ...!"

پانچویں خط میں بھی "مرشد" کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہے:

"میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہے کہ تمہیں دشمن کے سامنے اِس طرح سربلند دیکھوں، جس طرح شیر، لومڑیوں کے سامنے ہوتا ہے۔ تم اِن جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں جھکتے ہو؟ طاقتور حاکم کیوں نہیں بنجاتے؟ اگر تم اکڑ جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمہاری اور روس کی نجات صرف اسی میں ہے کہ اس مرشد کامل کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو ...!"

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اِس راہب کی پرائیوٹ زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُسوقت روس میں "کلیسٹیزم" کا بہت زور تھا۔ "کلیسٹیزم" باقاعدہ نفس پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اِس مذہب کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ قوائے شہوانی، خدا کا ایک عظیم عطیہ ہیں۔ اِس بخشش کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے انسان دل کھولکر متمتع ہو، اور ہرگز اُنکے استعمال میں بخل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فسق و فجور میں اِس درجہ بے روک ٹوک تھے کہ کسی طرح بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسپوٹین بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر آکر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں منہمک ہوجاتا!

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم

نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چلکر پرنس یوسوپوف لکھتا ہے:

"راہب راسپوٹین سے میری پہلی ملاقات ۱۹۰۹ء میں یعنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج ... کی لڑکی مس م ... روس کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُسکے معصوم حسن و جمال اور قلب کی طہارت کا قائل ہوجاتا تھا۔ میرے بھائی کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی راسپوٹین کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد سے زیادہ تقوی کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ ولی اللہ اور قدیس ہے

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہو تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے۔

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہے اور جسکا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہے۔

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی، اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں۔ حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں پہنچے گی اسیقدر کامیابی ہے۔

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے
(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔ (۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے (۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہے (۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے اسکی دلچسپی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ ہفتہ میں دو بار شائع

[illegible]

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہو۔ پرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہو بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی حال میں بھی برخواست نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لیتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہو کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سرِ نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس وکلا، (وزرا) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہو۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا ٹوٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہو نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہو۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں طریقہ یہ ہو کہ ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہو اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہو۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہو جسپر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہو۔ وہ شعبہ دینیات کا ہو۔ یہ اس لئے کہ ٹرکی میں سیاست اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہو۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہو۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہو۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہو۔ رئیس الوکلاء یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہو۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہو۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہو اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس وکلاء ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہو اور وہ براہ راست اُسپر بحث کرتی ہو۔

"محاکمِ استقلال"

ٹرکی کے "محاکمِ استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہو۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہو۔ محاکمِ استقلال سے مقصود وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کہی جا سکتی ہو۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہو۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہو۔

مخالف پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالف پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اسمیں صرف ایک ہی پارٹی ہو اور وہ جمہوریت یا مصطفےٰ کمال پاشا کی پارٹی ہو مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہو۔ اسمیں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۷۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہو اتنی قلیل جماعت کو مخالف پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے یکمشت ملتا ہو۔ ہر ممبر کو ۵ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۵ سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہو۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہو۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہو اور دو، اُس کے وزراء کے لئے۔ ہر وکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۹۰۰۰۰۰ پونڈ ترکی تھا۔

"تورک اوجاغی"

"تورک اوجاغی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہو۔ مگر کم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں "تورک اوجاغی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہو ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُسی کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسنے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں ..... بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اُس کی عام کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں تغیر و تبدل کیا گیا..... اُس کے موجودہ پروگرام میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مساوات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہو۔ ۱۹۲۶ء میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اسوقت سو اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہو۔

اس انجمن کی ۲۷۳ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہو۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ رکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہو کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام چلائے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف وبائی امراض کے خلاف جد و جہد کرتی ہو۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسنے اپنے ذمہ لے لی ہو۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُس کا مقصد ہو۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہو۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور معزز ہو۔ اس کا نام نفیسہ خانم ہو۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکنڈری اسکول) کی مہتمم بھی ہو۔

ٹرکی میں "خلق فرقہ سی" کے بعد سب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہو اور بہت مفید کام کر رہی ہو۔

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقعہ پر کیا اور جس کا سلسلہ آجتک جاری ہو، اُس کی تصویر قلم سے کھینچنا آسان نہیں ہو۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بڑے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہو۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہو کہ جو کچھ میں نے اس موقعہ پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بروسہ میں

پرسوں غازی ممدوح شہر بروسہ تشریف لے گئے جہاں عصمت پاشا تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی اُسی دن رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ٹرکی

۴ دن پہلے یہاں ہز اکسلنسی محمود طرزی خان وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہو گئی اور ممدوح یورپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دیجاتی ہو۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اسوقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہو اور وہ برطانیہ کی تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔

بیزنطینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ یونان اور روم کے عہد عظمت میں گھوڑ دوڑ کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہومر کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "ہپڈروم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "ہپڈروم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آراستگی پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دُنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دُور دُور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہپڈروم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہو، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہو۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقیب (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر اسٹیلی کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہو۔ اسوقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جتنے نکلیں گے، وہ سب ترکی حکومت کی ملک ہونگے۔

بریدِ شرق

نوجوان ٹرکی پر ایک نظر

کچھ عرصے سے بعض شاہجہاں مصر نے ایک خاص نمائندہ ٹرکی بھیجا ہو تاکہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بکثرت تحریریں مصر کے اخبارات میں شایع ہو رہی ہیں، اور اہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض تحریروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اُسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پست، یک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ سڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل نہایت معمولی درجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں معیشت بہت گراں ہو۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے ڈیڑھ پونڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہو۔ دس بارہ روپیہ روز دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہو کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہو اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مہیا کیجا سکتیں۔

سوال ہو سکتا ہو کہ پھر ترکی مدبروں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایہ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولیہ اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہو۔ سلاطین آل عثمان نے اناطولیہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض برتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہوگئی۔ ترکی قومیت کی بربادی خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہو تاکہ یہیں سے نئی قومیت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں" علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم یورپ کے اثر سے دور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دور افتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہو کہ اگر یہی بات ہو تو پایہ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہو کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہو۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جور سے تباہ ہو چکا ہو۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہیے"!

انگورہ کو پایہ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ وہ شہروں کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں جبتک حکومت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہو رہا ہو۔

لیکن یہ بات نہیں ہو کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی ۵۰ ہزار سے زیادہ ۵۰ ہزار ہو۔

انگورہ کے مناظر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہو۔ لیکن جس منظر نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرنا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خونریز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا از سر نو بلند کر دیا! ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشہور ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہو۔ وہ رعب و جلال ہو کہ اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہو۔ یہ دو منزلہ عمارت ہو۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہو۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۴ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہو۔ اسمیں ترکی قالینوں کا فرش ہو۔ صدر میں ڈیڑھ میٹر بلند چبوترہ ہو۔ چبوترے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہو۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کاتبوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو اس سے ذرا اور نیچے ایک اور چبوترہ ہو۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹہرا ہو جسمیں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ممبروں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو اور کبھی تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی وسعت کے ناکافی ہو۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر پیچھے تماشائیوں کی جگہ ہو۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مذبت و مطلا نشست ہو جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنا دیا گیا ہو۔ یہ نشست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ہو۔ وہ جب آتے ہیں، اسمیں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے داہنے بائیں سفرا و دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہو۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جنکی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہو:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بویوک ملت مجلسی" ہو۔ یہ اُس مجلس قومی کی پیداوار ہو جو جنوری ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانہ اقدامات سے ٹرکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہو جسپر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہو۔

ٹرکی میں جملہ قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہو۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلسیں ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہو کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہو کہ تینوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریعی (قانون سازی) تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہو کہ ٹرکی میں وزارتی مسئولیت کا وجود نہیں ہو، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہو، جس معنی میں دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہو۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہو کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہو اور معلوم ہو، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہو۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہو کہ مجلس انھیں منظور کر لے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "وکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے وکیل یا نائب ہیں۔ انہی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس یا کیبنٹ ہو۔

اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہو کہ قانون اساسی کی رو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخواست نہیں کی جا سکتی اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے، تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستعفی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطنی ہی کے ہاتھ میں ہو۔ وہ حکم استعمال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہو۔ گویا عدالتیں بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "وکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہو۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہو۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب وہی کرتا ہو (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہو) سفراء کے کاغذات وہی قبول کرتا ہو۔ مجلس وطنی کے جملہ قوانین اُسی کے نام سے شایع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقعہ پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہو۔ مجرموں کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہو، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ و صلح کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہو۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہو جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہو۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبیعی عمر ہو۔ اس کے

ملت ترک کردي تھي - راہ حق سے کٹ گیا تھا - صالحین کے طور طریقہ سے دور ہوگیا تھا - تونے نیک انسان قتل کرکے اُن کي جماعت فنا کرڈالي - تابعین کي جڑیں کاٹ کر اُن کا پاک درخت اکھاڑ پھینکا - افسوس تو نے خالق کي نافرماني میں مخلوق کي اطاعت کي - تو نے خون کي ندیاں بہادیں - جانیں لیں - آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کي روش اختیار کي - تونے نہ اپنا دین ہي بچایا ' نہ دنیا ہي پائي - تو نے خاندان مروان کو عزت دي ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گھر آباد کیا ' مگر اپنا گھر ویران کرلیا - آج تیرے لیے نہ نجات ہے نہ داد فریاد - کیونکہ تو آج کے دن اور اِس کے بعد سے غافل تھا - تو اِس امت کے لیے مصیبت اور قہر تھا - اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اُسنے تیري موت سے امت کو راحت بخشي' اور تجھے مغلوب کرکے اُسکي آرزو پوري کردي ! "

(حجاج کي عجیب رحمت طلبي !)

راوي کہتا ہے - حجاج یہ سن کر مبہوت ہوگیا : دیر تک سناٹے میں رہا - پھر اُس نے ٹھنڈي سانس لي ' آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ' اور آسمان کي طرف نظر اٹھاکر کہا :

" الہي ! مجھے بخش دے ! کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا ! " پھر یہ شعر پڑھا :

رب ان العباد قد أيأسوني و رجائي لک الغداة عظیم !

الہي ! بندوں نے مجھے نا امید کرڈالا ' حالانکہ میں تجھہ سے بڑي ہي امید رکھتا ہوں !

یہ کہکر اُسنے آنکھیں بند کرلیں -

اسمیں شک نہیں ' رحمت الہي کي بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اُسکا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے اور اِس باب میں بے نظیر مقولہ ہے - یہي وجہ ہے کہ جب حضرت حسن بصري سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ بے حد متعجب ہوے " کیا واقعي اُسنے یہ کہا ؟ " کہا گیا " ہاں اُسنے ایسا ہي کہا ہے " فرمایا " تو شاید ! " (یعني شاید اب بخشش ہو جائے)

اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار ہوچکے تھے - صرف آخري چو صفحہ باقي تھا کہ ایک حادثہ کي وجہ سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور اُن کي جگہ جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وہ بھي بروقت کام نہ کر سکے - نتیجہ یہ نکلا کہ اُن تمام مضامین کي کتابت رہگئي جو آخري چو صفحہ میں دیے جاتے ہیں - ممکن تھا کہ یہ تمام حصہ کمپوز کراکے شامل کردیا جاتا ' لیکن اسکي وجہ سے ایک دن کي تاخیر ہوجاتي - چونکہ اب ہم سب سے زیادہ ضروري بات رسالہ کي بروقت اشاعت سمجھتے ہیں - اسلیے یہي مناسب نظر آیا کہ یہ نمبر ۲۲ صفحہ ہي کا شائع کردیا جاے ' مگر اشاعت میں تاخیر نہو - انشاء اللہ اسکي تلافي آیندہ اشاعت میں ہوجائیگي - اب خوشنویس کا بھي ایسا انتظام کر لیا گیا ہے کہ آیندہ رکاوٹ پیش نہ آے - منیجر

مراسلہ

لکھنو سے ایک انگریزي روزانہ کا اجراء

لیمیٹڈ کمپني

ہندوستان میں صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودہ کا جو اہم مرتبہ ہے وہ محتاج تشریح نہیں - مگر صوبۂ ہذا کے مسلمانوں کي انتہائي بد نصیبي ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ اُن کو قدم قدم پر ایک حقیقي رہنما و ہمدرد وکیل کي ضرورت ہے ' اُن کے پاس ایک بھي روزانہ انگریزي اخبار نہیں ہے -

الہ آباد اور علیگڑہ سے دو انگریزي اخباروں کے نکالنے کي کوشش ہوئي مگر اول الذکر محض تجارتي اغراض لیکر دنیا میں آیا تھا اور مؤخر الذکر اگرچہ اسلام کے تعلیمي مرکز سے جاري ہوا ' مگر اس میں بد قسمتي سے شخصي عنصر اس درجہ غالب تھا کہ وہ ترقي نہ کر سکا - دونوں جس بے سروساماني کي حالت میں آئے تھے اُسي طرح رخصت ہوگئے - اُن کي موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کردیے - یعني مسلمانوں کو اپنے روزانہ انگریزي اخبارات سے بد ظني پیدا ہوگئي - جس کے باعث معقول انگریزي روزانہ اخبار اب تک نہیں نکل سکا - چنانچہ اس وجہ سے اور کچھہ اس سبب سے کہ جناب آنریبل سید رضا علي صاحب پبلک سروس کمیشن کے ممبر ہوگئے تھے - انگریزي روزانہ اخبار کي وہ اسکیم جو وسط سنہ ۱۹۲۶ع میں لکھنو میں طیار ہوئي تھي عملي جامہ نہ پہن سکي - لیکن اس ایک برس کي مدت سیاسي نقطۂ نظر سے نہایت اہم ثابت ہوئي - اور موجودہ اور آنے والي پیچیدگیوں نے قوم کے رہنماؤں کو مجبور کیا کہ وہ آنریبل سر مہاراجہ صاحب بہادر محمودآباد کي سرکردگي میں معقول سرمایہ اور بہترین اسٹاف کے ساتھہ مسلمانوں کا انگریزي روزانہ اخبار لکھنؤ سے جاري کریں - یہ اسکیم نہایت شاندار ہے جو نہ صرف مسلمانوں کے ایک زبردست روزانہ انگریزي اخبار اور بہترین پریس کي حامل ہوگي ' بلکہ مسلمانوں کي ذاتي منفعت کا بھي معقول ذریعہ ثابت ہوگي -

ایک کمپني قائم کي گئي ہے جس کے ڈائرکٹر حسب ذیل ہیں :

سر مہا راجہ صاحب بہادر والي محمود آباد - سر سید علي امام صاحب بیرسٹرایٹ لا - پٹنہ - راجہ صاحب نانپارہ ضلع بہرائچ - آنریبل راجہ نواب علي خاں صاحب تعلقہ دار - ممبر کونسل آف اسٹیٹ - مولوي محمد نسیم صاحب - بي - اے - ایڈوکیٹ لکھنؤ -

کمپني مذکور کي اسکیم نہایت تجربہ کار اور واقف کار اصحاب نے طیار کي ہے ' اور ایک اعلی درجہ کے پریس اور انگریزي اخبار کے اجراء کا مشورہ دیا ہے - پریس انگریزي اور اُردو ہر قسم کا بہترین کام کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزمودہ کار ہاتھوں میں رہینگے - چنانچہ ایڈیٹوریل اور انتظامي خدمات کے لیے بہترین اشخاص منتخب کیے گئے ہیں - اور اسکیم میں کثیر منافع کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ جو لوگ کمپني کے حصص خریدیں اُن کو منافع کي شکل میں معقول مالي فائدہ پہونچتا رہے -

کمپني کے متعلق پراسپکٹس انگریزي اور اُردو میں چھپ رہے ہیں - حصوں کے خریداري کے فارم بھي طیار ہیں - مسٹر حسن عابد جعفري رکن بیرسٹرایٹ لا سے محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنو کے پتہ پر ملسکتے ہیں - اور اُنہي سے تمام مزید حالات بھي معلوم ہو سکتے ہیں -

خاکســاران

آل نبي - محمد یعقوب - تصدق احمد خاں وغیرہ

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حجاج بن یوسف الثقفی

خلافت امویہ کے حکام میں حجاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر یہ شہرت عدل و فیض رسانی کی نہیں تھی، سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہو گیا ہے!

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جسنے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک سفاکی سے از سر نو اس کی گرتی ہوئی عمارت مستحکم کر دی۔

بنی امیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ تھا اور اُس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ حجاج ابن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیقیں لگا دیں، اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے، اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج ابن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی۔ خود اُس عہد کے لوگوں کو اسپر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے "کوفہ کی خودداری اور نخوت اب کیا ہو گئی؟ اُنھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسین بن رسول کا سر کاٹا! مختار جیسا صاحب حیرت ہلاک کر دیا، مگر اس بدصورت ملعون (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے! کوفہ میں لاکھ عرب موجود ہیں، مگر یہ خبیث ۱۲ سواروں کے ساتھ آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!"

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا: اما واللہ، انی لاحمل الشر بحملہ، واحذوہ بنعلہ، واجزیہ بمثلہ، وانی لاری ابصاراً طامحہ، واعناقاً متطاولہ، ورؤساً قد اینعت وحان قطافہا، وکانی انظر الی الدماء بین العمائم واللحی تترقرق! حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اتنی ہی اُس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اُس کا یہ خطبہ خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہے "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اُٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے، اور کٹائی کا وقت آ گیا ہے! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہ رہا ہے!"

حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دکھایا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُسنے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُڑا دیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مہریں لگا دیں، حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا، "حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے" اور "حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں"!

اس عہد کے عرفاء و صلحاء، حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے "حجاج، اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اُسنے فرمایا ہے "ولقد اخذناہم بالعذاب فما استکانوا لربہم وما یتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اُس کی موت کی خبر سُنی گئی، حضرت حسن اور عمر بن عبد العزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس امت کا فرعون مر گیا!" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا!

اب دیکھنا چاہئے اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا، خود اسمیں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ سال کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اُس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھدی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

موت پر خطبہ!

جب زندگی سے ناامیدی ہو گئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا "مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو" لوگ آئے تو اُسنے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور اُسکی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اُس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اُس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اُسکی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اُس کی زبان پر جاری ہو گئے:

ان ذنبی وزن السموات والارض — فظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کرے گا۔

فلئن من بالرضاء فہو ظنی — ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھپر کرے تو یہی میری امید ہے لیکن اگر وہ عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذاک منہ ظلما — وہل اظلم رب یرجی لحسن آب؟

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے؟

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اُسنے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

"اما بعد، میں تمھاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے!"

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا:

اذا ما لقیت اللہ عنی راضیا — فان شفاء النفس فیما ہنالک

اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہو گئی

فحسبی لقاء اللہ من کل میت — وحسبی حیاۃ اللہ من کل ہالک

سب مر جائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے!

لقد ذاق ہذا الموت من کان قبلنا — ونحن نذوق الموت من بعد ذلک

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں، ہم بھی اُنکے بعد موت چکھیں گے!

فان مت فاذکرنی بذکر محبب — فقد کان جمانی رضاک مسالکی

اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمھاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، ففی دبر الصلوۃ بدعوۃ — یلقی بہا المسجون فی نار مالک

یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہونچے۔

علیک سلام اللہ حیا ومیتا — ومن بعد ما تحیا عتیقا لمالک

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ!

سکرات موت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے اُن سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تو نے نہیں سُنا" حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کر لے اور اب زیادہ عذاب نہ دے!"

اسی اثناء میں ابو منذر یعلی بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔ "حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

"اے یعلی!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابل برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اُس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے اُنھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اُس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کی بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے اماموں کی ان نادر و اعلی درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں مشہور آفاق کتاب "زاد المعاد" کے حالات کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — [illegible] کی بحث تک علاوہ امام ابن [illegible] کے اسلام کے [illegible] "توحید" کی [illegible] ہے - بلا جلد اڑھائی روپیہ، مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعۂ معاش، طریق عبادت اور [illegible] مفصل حالات [illegible] گئے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۂ النور — [illegible] ابن تیمیہ کے مخصوص [illegible] کا اردو ترجمہ [illegible]

العروۃ الوثقی — خالق و [illegible] کے درمیان واسطہ [illegible] بیان [illegible] ہے [illegible] آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت [illegible] سے بیان کیے ہیں [illegible] آنے

نجد و حجاز — [illegible] رشید [illegible] کا اردو ترجمہ [illegible]

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام (زیر طبع)

خلاف الامہ — [illegible] العبادات (زیر طبع)

صبح سعادت — [illegible] ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے [illegible] سے کمال کوشش و کاوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے اسکے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، [illegible] نظامی اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

---

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJA[illegible]

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعہ تھا - اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے - اور اسکا [illegible] اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا - [illegible] ظاہری [illegible] اردو صحافت میں اعلی طباعت و [illegible] اردو کا [illegible] ہفتہ وار رسالہ [illegible] [illegible] رجحان [illegible] [illegible] اردو علم [illegible] سیاسی اور اجتماعی مواد و معلومات کا بہترین [illegible] ان کی [illegible] [illegible] سابقین [illegible] ادب کے اس کی تمام جلدوں [illegible] سات سو روپیہ [illegible] [illegible] حیدرآباد [illegible] [illegible] سے بڑی [illegible] [illegible] "البلاغ" [illegible] [illegible] کے دوستوں کی یہ سابقین علم و ادب [illegible] جلدیں مرتب کی جاسکتی تھیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں [illegible] دوبارہ چھپوا لیا جائے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں - ہم اس اعلان کے ذریعہ سابقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی تعداد بہت ہی محدود ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگائی گئی ہے

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ — الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " چہارم ۱۰ روپیہ — " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

البلاغ پریس کلکتہ

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۰   کلکتہ : جمعہ ۲۰ ـ صفر ۱۳۴۶ ہجری   جلد ۱

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیے موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیادہ اہم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الہلال

قاریین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۸۳ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۶۰	اردو حروف کی حق مین	۱۹۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۱۱۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۹	نستعلیق ہون	۴۳

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - - باره روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - سات روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ، مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

کسي موقعه پر بهي اُنهوں نے میري زبان سے کوئي ایسا لفظ سنا جو اُس سے مختلف تها' جسکا میں اپني کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رها هوں ؟ وه صاف صاف کہیں' اُنکي دلیلیں' اُنکي نکته چینیاں' اُنکا تمسخر' کبهي میرے عقیدے میں کوئي تزلزل پیدا کر سکا هے ؟ وه بتائیں' کبهي' ایک لمحه کیلیے' اُنهوں نے محسوس کیا که میں کوئي ایسا عقیده' یا خیال رکهتا هوں جو علي الاعلان دنیا کے سامنے ظاهر نہیں کرتا ؟ هاں' میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتهه دعوت دیتا هوں - دوستوں کو دوستي کا واسطه دیتا هوں - دشمنوں کو دشمني کي قسم دیتا هوں - بے رو رعایت' بے خوف و خطر' مردانه وار میدان میں آئیں' اور جو کچهه بهي میري نسبت کہه سکتے هوں' بے کهٹکے کہه ڈالیں ! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں' دونوں کي شرافت و دیانت پر بغیر کسي پس و پیش کے بهروسه کرتا هوں - میں اپني پوري شرافت اُنکے سامنے رکهه دیتا هوں - میں هرگز کسي سے بحث اور حجت نہیں کرونگا - جو کچهه بهي وه کہه دینگے' بے چون و چرا تسلیم کر لونگا !"

(انبیاء کرام کي عظمت)

" میں اُن تمام انسانوں کي عزت کرتا هوں جنهوں نے مذاهب و ادیان قائم کیے هیں - وه سب عظیم کمال اور اعلیٰ فضائل کے مالک تهے - اُنکي عظمت و فضیلت همیشه محترم و مسلم رهے گي - سب کا دعوی تها که وه خدا کے پیغام بر هیں - ممکن هے وه حقیقت میں پیغمبر هوں یا نه هوں - سب لوگ کوئي ایک دعوی تسلیم نہیں کرلے سکتے - دلائل یکساں طور پر سب کي دسترس میں نہیں هیں - لیکن اگر وه في الواقع پیغمبر نه بهي هوں' جب بهي اِس سے یه لازم نہیں آتا که وه کذاب اور دجال هوں - کون کہه سکتا هے که الاهیات میں مسلسل فکر اور فضائل کا غیر محدود عشق انساني روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا هے ؟ منطق کو کیا حق هے که مداخلت کرکے یه معامله عامیانه سطح پر لے آئے ؟ غیر متناهي بلندي پر پہنچنے کے بعد همارا سر چکرا جاتا هے' اور هماري نظریں اشیاء کو اُنکي حقیقي شکل میں دیکهنے سے قاصر هو جاتي هیں "

(معجزات)

معجزات پر روسو نے لکها تها " یا للعجب ! همیشه آدمیوں هي کي گواهیاں ! آدمي' اپنے هي جیسے آدمیوں سے سنتے هیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے هیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم هوگئے هیں ؟ "

اِس پر اُسقف نے اعتراض کیا تها " اگر آدمیوں کي گواهي معتبر نہیں تو هم پوچهتے هیں - مؤلف نے اسپارٹا' ایتهنز' اور روم کو کیونکر جانا ... ؟ "

روسو جواب دیتا هے :

" اگر معامله اِس درجه اهم نه هوتا' یا میں اے آقا' آپکا اِس درجه احترام نه کرتا هوتا' تو آپ دیکهتے' آپ کے اِس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو هنسانے کي کیسي عمده فرصت مہیا کردي تهي - لیکن حاشا و کلا ! میں هرگز اُس لہجه سے دست بردار نہیں هونگا جو اِس موضوع بحث کے لیے ضروري هے' اور اُس شخص کے مرتبه کے لائق هے جس سے تخاطب کي عزت حاصل کرنے پر مجبور هوگیا هوں - میرے لیے اِس قدر کافي هے که آپ کي غلطي ظاهر کردوں "

" میں نہایت عاجزي سے جناب والا کو یاد دلاتا هوں - بے شک' یه بالکل معقول هے که انساني معاملات انساني شہادتوں سے طے کیے جائیں' کیونکه اُن کے ثابت هونے کا اِس کے سوا کوئي طریقه موجود نہیں - بلا شبه میں نے اسپارٹا اور ایتهنز کو آدمیوں هي کي شہادتوں سے جانا - لیکن میں به ادب درخواست کرتا هوں که میرے اور خدا کے درمیان اِن واسطوں کي کیا ضرورت هے ؟ کیا ضرور هے که یه واسطے مجهه سے اتنے دور هوں که خود اُن کے جاننے کے لیے' مجهے اَور بہت سے انساني واسطے تلاش کرنے پڑیں ؟ کیا یه معقول هے که خدا' جان جاک روسو سے گفتگو کرنے کے لیے همیشه ایک موسی (علیه السلام) کو ڈهونڈهتا پهرے ؟ "

" پهر یه بهي نہیں بهولنا چاهیے که اسپارٹا پر ایمان لانا ضروري نہیں هے - اگر کوئي اُس پر ایمان نه لائے تو لعنت کا مستحق نہیں هو جائیگا - اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کي وجه سے هرگز کوئي دوزخ کا کندا نہیں بن جا سکتا - لیکن اگر ایک شخص دیني تعلیمات کي تصدیق نہیں کریگا تو اسکے لیے ابدي عذاب هے - جس بات کے نه ماننے کي اتني بڑي سزا هو' ضروري هے که اسکے ماننے کے ذرائع و دلائل بهي اسي مناسبت سے قطعي اور واضح هوں "

" کوئي بات بهي جو هماري چشم دید نہیں هے' بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں هو سکتي ؛ اور هر بڑي سے بڑي روایت بهي صدق و کذب کي محتمل هے ...... "

" اگر معجزات خود میں نے اپني آنکهوں سے دیکهے هوتے' جب بهي میں اِس غیر معقول طریق امان سے انکار کردیتا - سحر کي تصدیق میرے لیے اس سے کہیں آسان هے که خدا کے کلمه کي غیر معقول طریقه پر تصدیق کروں "

(موجوده مسیحیت)

اِسکے بعد روسو موجوده مسیحي دین پر اظہار خیال کرتا هے :

" اُسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اسکي اصلي روح سے محروم کردیا هے - اب یه سوال نہیں کیا جاتا که ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا هے ؟ اور نیکي میں اُسکي دوڑ کہاں تک هے ؟ سوال صرف یه هوتا هے که وه کس گروه کے خرافات (جنہیں غلط طور پر " عقائد " کا نام دیدیا گیا هے) مانتا هے ؟ وه کیتهولک هے یا پروٹسٹنٹ ؟ تم سے یه کوئي نہیں پوچهیگا که خدا سے ڈرتے بهي هو یا نہیں ؟ لیکن هر کوئي اِس بات پر تمهاري جان لینے کیلیے طیار هوجائیگا که تم فلاں ولي کي کرامت کے قائل بهي هو یا نہیں ؟ دین اپني اصلي شکل میں صاف' ساده' ستهرا تها - آج اِن جبه پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفہوم قیل و قال کا غیر مرتب مجموعه بنا دیا هے - اگر تم اِس تمام نجاست سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم هے' از سرتا پا آلوده هو تو بس' تم مومن کامل هو - اب تمهیں کسي نیکي کي ضرورت باقي نہیں رهي - سیدهے آسمان کي بادشاهت (جنت) میں داخل هوجاؤگے !"

" انساني جماعت کو دین سے کیا فائده حاصل هو سکتا هے' جبکه دین اتني پست سطح پر آجاے ؟ اس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا هے ؟ صرف یه که انسانوں میں بغض و عداوت کي تخم ریزي کرے' اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچائے ! بلا شبه جب دین اِس حالت میں آجاے تو اُسکے وجود سے اُسکا عدم کہیں زیاده بہتر هے - همیں کوشش کرني چاهیے

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جـــان جـــاک روسو

أسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

أسقف نے لکھا تہا " .. وحدانیت أسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئله هے اور کسي طرح بهي أسکي عقل میں نهیں آسکتا - لیکن متعدد خداؤں کا تصور أسکي عقل کے نزدیک معقول هے ... "

روسو جواب دیتا هے :

" متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا ؟ اے میرے آقا اسقف ! تجهه پر میرا صبر پڑے ! میں نے یه کب کہا ؟ بے شک تمہاري دلي آرزو یہي هوگي که میں إس درجه احمق هوتا' اور إس طرح کي احمقانه گفتگو کرتا - لیکن اگر میں ایسا احمق هوتا تو تمہیں میرے " عالمانه رد " لکھنے کا یه فخر بہي حاصل نه هوتا ! "

" بلا شبه میں نہیں جانتا کائنات کیوں بني هے' اور کیونکر بني هے ؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعي هیں' وہ بهي إس باب میں مجهه سے زیادہ علم نہیں رکھتے - لیکن میں صاف دیکھتا هوں که إس تمام حرکت کا محرک ایک هي وجود هے - تمام کائنات ایک هي رخ رکھتي' اور ایک هي قسم کے مقاصد پورے کر رهي هے - یه إس حقیقت کي روشن دلیل هے که کوئي ایک بلند تر اراده کارفرما هے' اور کوئي ایک هي بالاتر قوت عمل پیدا هے - إس ارادے اور إس قوت کو میں ایک هي ذات سے منسوب کرتا هوں' کیونکه وہ دونوں باهم متفق هیں' اور ان دونوں کو ایک هي ذات کا خاصه سمجهنا' دو ذاتوں کي طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول هے - تعدد' صرف أسي وقت تسلیم کیا جاسکتا هے جب أسکا کوئي ثبوت موجود هو - لیکن کائنات میں کوئي إس قسم کا ثبوت موجود نہیں - یه خیال سراسر وهم هے که خیر کا خالق اور شر کا خالق ایک نہیں هوسکتا - جس چیز کو هم شر سمجهتے هیں' وہ علي الاطلاق شر هے هي نہیں - شر مطلق سے مجهے انکار هے - یه اعتباري شر بهي خیر سے برسر پیکار نہیں هے' بلکه نظام عالم کي تکمیل میں خیر کا ممد و معاون هے "

(روسو کا عقیدہ)

إسکے بعد روسو اپني کتاب اور اپنے شخصي عقیدے کي طرف متوجه هوتا هے :

" اب میں وہ سبب بیان کرتا هوں جس نے مجهے یه کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا - إس تمام شور و غوغا کے باوجود بهي میں اس کتاب کو اپنے عهد کي بہترین کتاب یقین کرتا هوں - آگ کے شعلے' حکومتوں کے فیصلے' مذهبي پیشواؤں کے فتوے' مجهے هرگز مرعوب نہیں کرسکتے : وہ میرے لب و لہجه میں هرگز کوئي تبدیلي پیدا نہیں کرسکتے - نه تو لاهوتي' ایمان کي ریاکارانه تلقین کرکے مجهے جهوٹا بناسکتے هیں' نه فلاسفه مجهے منافقت کا طعنه دیکر الحاد پر آماده کرسکتے هیں - میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا' کیونکه میں دین رکهتا هوں - میں ببانگ دهل أسے شہرت دونگا' کیونکه مجهه میں اعلان و اشتہار کي شجاعت موجود هے - آہ ! میں نے کتني تمنائیں کیں که سب لوگوں میں اتني هي شجاعت هوتي ! اگر سب میں اتني شجاعت هوتي' تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا ؟

(" حضرت مسیح کا شاگرد ")

" اے میرے آقا ! میں مسیحي هوں - میں اخلاص کے ساتهه انجیلی مذهب کا مسیحي هوں - هاں میں مسیحي هوں' لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں هوں' بلکه خود مسیح (علیه السلام) کا شاگرد هوں - میرا استاد' کتابوں کي عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تها' لیکن عمل پر نظر رکهتا اور عمل هي پر زور دیتا تها - أس نے همیں جس ایمان کي تلقین کي هے' أس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں هیں - صرف گنتي کي چند موٹي موٹي باتیں هیں - لیکن أس نے جس نیکي کي تعلیم دي هے' أس کي شاخیں بے شمار اور اسکي راهیں بے حساب هیں - اسنے همارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کي هیں' لیکن عمل صالح کي پورے شرح و بسط سے تفسیر کي هے - أس نے ایمان کیلیے صرف دو تین موٹي موٹي باتیں ضروري ٹهرائي هیں' لیکن عمل کي نیکي کیلیے کوئي گنتي نہیں بتائي هے' کیونکه عملي نیکیاں أن گنت هیں - أس نے جہاں کہیں ایمان کے نمونوں پر زور دیا هے' وهاں ایمان سے زیادہ أن کے اعمال بتائے هیں - أس نے اپني اور تمام نبیوں کي تعلیم کا لب لباب إس ایک جمله میں بیان کر دیا " اپنے بهائي سے محبت کرنا' پورا دین هے ! "

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

إسکے بعد لکهتا هے :

" مجهے همیشه خلوت کي پر مسرت زندگي حاصل نہیں رهي - لوگوں سے ملنے جلنے پر بهي مجبور هوتا رها هوں - میري هر طبقه کے لوگوں سے ملاقات هے - میں نے مختلف سیاسي اور دیني جماعتوں کے لوگ دیکهے هیں - میں مومنوں سے بهي ملا هوں اور ملحدوں سے بهي - میں نے حکماء بهي دیکهے هیں' جہلاء بهي - متعصب بهي دیکهے هیں' غیر متعصب بهي - سنجیده بهي میري صحبت میں بیٹهے هیں' اور مسخرے بهي - میرے دوست بهي بہت هیں اور دشمن بهي - میں دنیا میں تمام آدمیوں کو' جنهوں نے مجهے کبهي دیکها یا جانا هے' گلا پهاڑ پهاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا هوں - وہ سامنے آئیں' اور میرے عقیدے کي بابت جو کچهه جانتے هوں' برملا کهه ڈالیں ! وہ جرأت سے بڑهیں' اور بتائیں' کبهي' کسي حال میں بهي أنهوں نے میرے عقیدے میں کوئي تبدیلي دیکهي یا محسوس کي ؟ قہوہ خانے کي صحبتوں' کهانے کي میز کي نشستوں' بے تکلفي کي ملاقاتوں' سنجیده یا مذاق کي گفتگوؤں' غرضکه کبهي

سر کونن ڈائل

لومبروزو (Lombroso) جو اٹلي کا مشہور ماہر طبیعیات ہے اور جس نے باسٹیور کے بعد جرائیم کے علم کي تدوین کي ' نه صرف اس کا معترف ہوا بلکه اس موضوع پر ایک رساله بھي لکھکر شائع کیا - کیمیل فلا ماریان (Camille Flammarian) انیسویں صدي کے علماء فلکیات میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا - غالباً چار پانچ سال ہوے اُس کا انتقال ہوا ہے - یه نه صرف اِسکا معترف تھا بلکه نہایت پر جوش معتقد تھا - اُسکي آخري دو کتابیں اسي موضوع پر ہیں اور یورپ کي تمام زبانوں میں شائع ہو چکي ہیں - پروفیسر ہکسلي ' ڈاکٹر لرئس ' سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' پروفسر زولنر ' ڈاکٹر ریبر ' ولیم لیو پولڈ وغیرہم ؟ جو انیسویں صدي کے دائرۂ علم و نظر کے مسلم ارکان تھے ' کم و بیش اس کا اعتراف کرچکے ہیں -

امریکه کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس ناڑٹن اور ولیم ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹي (امریکه) میں علم النفس (سائکو لوجي) کے استاد تھے ' اسکي تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے - انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹیڈ (سابق محرر ریویو آف ریویوز) کا نام بھي اسکے معتقدین کي فہرست میں مشہور ہو چکا ہے - مسٹر اسٹیڈ نے تو روحاني سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر کھول دیا تھا - اُنکے عالم ارواح کے دوستوں میں سب سے زیادہ مشہور دوست اسکاٹ لینڈ کي " مارگریٹ " تھي - اُنکا بیان تھا که وہ مارگریٹ کے ذریعه عالم ارواح کي تمام ضروري شخصیتوں سے نامه و پیام کر لیا کرتے ہیں !

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ ' ولیم جیمس ' جیمس ہیزلوپ ' اور سر آلیور لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھه قابل ذکر ہیں - چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ یونیورسٹي (امریکه) میں علم النفس کے استاد ہیں ' جیمس ہیزلوپ کولمبیا یونیورسٹي (امریکه) میں علوم عقلیه کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں ' اور سر آلیور لاج کي علمي شہرت محتاج بیان نہیں - یه تمام علماء اس مذہب پر علمي تیقن کے ساتھه اعتقاد رکھتے ہیں اور اُسکي اشاعت و تبلیغ انکي تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے - سر آلیور لاج کا لڑکا پچھلي عالمگیر جنگ میں قتل ہوگیا تھا - اُن کا بیان ہے که مرنے کے بعد ہي اُس کي روح نے اُنہیں مخاطب کیا ' اور اب بھي وہ جب چاہیں ' اُسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں !

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربي روحانیین میں شاید ہي کسي اہل قلم نے اس تبلیغي جوش و سرگرمي کے ساتھه اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا ' جیسا که کچھه عرصه سے انگلستان کے مشہور فسانه نویس سر کونن ڈائل Conan Doyle کي شخصیت میں ظاہر ہوا ہے - عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اِس وقت تک ' بمشکل کوئي مہینه ایسا گزرا ہے ' جس میں سر ڈائل کي کوئي نه کوئي تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نه ہوئي ہو - حال میں انگلستان کي انجمن روحانیئین نے ایک نہایت دلچسپ مجموعه بارہ مقالات کا شائع کیا ہے - اِن میں سے آٹھه مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوے ہیں - یه کتاب پچھلي ڈاک سے ہمیں وصول ہوئي ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعه ہے -

موجودہ انگریزي علم ادب میں سر کونن ڈائل کا نام اُن کے مخصوص مذہب افسانه نویسي کي وجه سے اس قدر مشہور ہوچکا ہے که شاید ہي کوي افسانه نویس اس قدر مشہور ہوا ہو - انہوں نے فن سراغ رساني کي افسانه نویسي میں ایک نئے مذہب (اسکول) کي بنیاد ڈالي اور " شرلاک ہومز " کے نام سے اُس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے - اُن کے قلم سے اگرچه مختلف معاشرتي اور نفسیاتي مواضیع پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں ' لیکن انکي شہرت کي اصلي تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہي سے شروع ہوي - ان افسانوں کي مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے که شرلاک ہومز کا جو فرضي مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لنڈن میں دکھایا گیا تھا ' وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقي شے کي طرح موثر ہو چکا ہے ' اور جب کبھي سیاحان عالم پہلي مرتبه لنڈن جاتے ہیں تو یه جاننے پر بھي که " شرلاک ہومز " محض ایک فرضي سراغ رساں سیرۃ (کیرکٹر) ہے ' اپني طبیعت کو اس جذبه سے نہیں روک سکتے که ایک مرتبه بیکر اسٹریٹ جاکر کسي ایسے مکان کي زیارت کرلیں جسکا نمبر دس ہو !

احمد ریاض بے " عبد الحمید ثاني و دور سلطنتي " (یعني سلطان عبد الحمید ثاني اور اسکے عہد حکومت کي تاریخ) میں لکھتا ہے که سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اسقدر شائق تھے که حکم تھا ' جونہي کوئي نیا افسانه شائع ہو ' فوراً ترکي میں ترجمه کرکے پیش کردیا جاے - ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا - آخري زار روس کي نسبت بھي بیان کیا گیا ہے که وہ کہتا تھا " مجھے کتابوں کي قسم میں سے کوئي چیز بھي دل پسند نہیں ہے - الا شرلاک ہومز "

روح کا تمثل ایک سفید دھویں کي شکل میں جیسا که اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہي شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم ارواح کا سب سے زیادہ پرجوش و سرگرم نقیب اور داعي ہے !

(سر کونن ڈائل کے مقالات)

جس نئي کتاب کا ہم نے ابھي ذکر کیا ہے ' اسکے آٹھه مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحاني اعتقاد کي پیدائش و تکمیل کي مسلسل داستاں ہیں - پہلے مقاله میں اُس نے بتلایا ہے که کس

کہ دین کو اِس پستی سے نکالیں - انسانیت کے ہم پر حقوق ہیں - یہی حقوق ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ دین کو خرافات سے پاک کرکے اصلی صورت میں پیش کردیں - تمہاری یہ سزائیں، دھمکیاں، پھانسیاں، اور آگ کے شعلے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں کرسکتے "

(عہد جدید کی پیشین گوئی)

" جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھیگا اور حقیقت نظر آئیگی تو بلاشک و شبہ وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دینگے - کیونکہ یہ حقیقی دین نہیں ہے - وہ سب سے پہلا کام یہ کرینگے کہ اِن خود غرض اور ریاکار پیشواؤں کے احترام سے انکارکردیں - وہ ان سے کہینگے : تم ہی نے ہمارا دین بگاڑا، اور تم ہی ہماری شقاوت کا سبب ہو - جب وہ مبارک زمانہ آئیگا تو اُس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہی ہوگا "

(خاتمہ)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے :

" اے اُسقف اعظم ! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے - تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے - تمہیں صرف وہی قانون معلوم ہیں جن سے غیروں کو جکڑتے ہو - خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمہاری کتاب میں نہیں لکھے گئے - تم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہو کہ عدالت و انصاف سے بالاتر رہو، بلکہ انسانی عواطف و جذبات کا بھی اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے - تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے ہو، اور تم سے کوئی باز پرس نہیں کرتا - لوگوں کی توہین تمہارے لیے ویسی ہی آسان ہے، جیسی انکے لئے تمہاری سنگ دلی سہل ہے - تم ہمیں اِس طرح روندتے ہو جس طرح خاک روندی جاتی ہے - تم کبھی ہمیں آگ میں جلاتے ہو، کبھی سولی پر چڑھاتے ہو، کبھی صرف توہین و تذلیل پر اکتفا کرلیتے ہو - تمہارے قہر و غضب کیلیے ضروری نہیں کہ ہم سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہو - اگر تمہاری مصلحت کا اقتضا یہی ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسی بات کی ضرورت نہیں - اور ہمیں شکایت کرنے کی بھی اجازت نہیں - اگر ہم اِسکی جرأت کریں کہ اپنی براءت اور تمہاری غلطی ظاہر کریں، تو ہم گستاخی کے مجرم قرار دیے جاتے ہیں !"

(اُسقف سے آخری خطاب)

" اے میرے آقا ! آپ نے مجھہ پر علانیہ طعن و تشنیع کی - بلکہ مجھے گالیاں بھی دے ڈالیں - اگر میری طرح آپ بھی کوئی معمولی آدمی ہوتے اور میں اپنی کتاب کے ساتھہ آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا، تو آپ دیکھہ لیتے کہ عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں اتنا ہی سخت ہوتا، جتنا سخت یہ گناہ ہوا ہے - لیکن آپ ایک ایسی جماعت میں سے ہیں، جو منصف و عادل ہونے سے ہمیشہ کے لیے مستثنیٰ کردی گئی ہے - رہا میں، تو میں ایک معض بے حقیقت آدمی ہوں - مجھے اتنا اور کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپ دینی پیشوا ہیں - انجیل کے عالم ہیں - آپ کا فرض ہے کہ مخلوق کو اُس کے فرائض کی تعلیم دیں - لیکن یہ تعلیم خود اپنے نفس سے شروع ہونی چاہیے - آپ کو ایک لمحہ کے لیے سوچنا تھا کہ میرے معاملہ میں آپ کا فرض کیا تھا ؟ اور کہانتک تھا ؟ میں نے اپنا فرض ادا کردیا - اب کچھہ کہنے کو باقی نہیں رہا، اِس لیے چپ ہوجاتا ہوں ! "

استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سر کونن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الہلال اس سے بے خبر نہ ہونگے کہ اُنیسویں صدی کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف مخصوص ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذہب امریکہ میں ظاہر ہوا تھا، وہ برابر نشوؤ نما پاتا رہا، اور اِس وقت یورپ اور امریکہ میں اُس کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے - اس جماعت میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے آدمی پائے جاتے ہیں - فلسفۂ و حکمت کے ماہر، علوم و فنون کے اساتذہ، علمی و صناعی انکشافات و اختراعات کے مشاہیر، ادب و کتابت کے مسلم ارکان، عام اہل قلم و نظر؛ کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہانتک اس اعتقاد کے اثرات نہ پہونچ چکے ہوں - اسکے اصول و قواعد مدون ہوچکے ہیں، بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں، تحقیقات و تجارب کے با قاعدہ مجامع کام کر رہے ہیں، پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسی موضوع پر پر شائع ہورہے ہیں، ایک مکمل مذہب علمی کی شکل میں قواعد و مبادیات مرتب ہوگئے ہیں، اور معاملہ نے اس حد تک اہمیت حاصل کرلی ہے کہ وقت کے بعض اکابر اہل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہی موضوع منتخب کر لیا ہے !

اُنیسویں صدی کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشوؤ ارتقا کے اکتشاف میں ڈارون کا معاصر و شریک تھا، صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تھا، اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تھا - پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا ہے، اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کی حقیقت معلوم کی اور برق کے لیے وہ نیا آلہ ایجاد کیا جو اُسی کے نام سے مشہور ہے، کئی ماہ کی تحقیقات و امتحان کے بعد یہ راے قائم کی تھی کہ " مخاطبات ارواح کے مشاہدات نا قابل انکار ہیں" ڈاکٹر میرس (Muers) اور رچرڈ ہاڈسن کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے - ان دونوں نے بھی بغیر کسی جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کردیا تھا - پروفیسر

اردو طباعت کا مسئله اور افکار و آراء

(تصویر کا دوسرا رخ)

یه اس تصویر کا ایک خاص رخ تها جو سر کونن ڈائل اور ان کے هم مشرب دیکهه رهے هیں' لیکن اس کا دوسرا رخ بهی هے ' اور اگر اس پر نظر ڈالی جاے تو یه معامله اسقدر سهل و آسان نہیں رهتا که سر کونن ڈائل کی طرح کسی غیر آباد مکان میں بهوتوں اور روحوں کے " مرتی لاٹهی سے میز ٹهونکنے " کا شور سنکر فیصله کر دیا جاے !

جهانتک اس مذهب کے مخالفین و منکرین کا تعلق هے ' دور حاضر کی تین جماعتیں همارے سامنے آتی هیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنهوں نے اس معامله کو اس درجه اهمیت هی نہیں دی که اس پر توجه کی جاے -

(۲) ایک بڑی تعداد اُن علماء مادیئین کی جنهوں نے اسپر بحث کی هے ' اور اس نتیجه پر پہنچے هیں که علمی اصول پر " اثبات " کے حد تک یه معامله نہیں پہنچا هے -

(۳) -بعض اهل علم جنهوں نے خصوصیت کے ساتهه اس مذهب کا مطالعه کیا اور عرصه تک تحقیقات میں مشغول رهے ' اور بالاخر اس نتیجه پر پہنچے که استحضار ارواح کا معامله اس سے زیاده اهمیت نہیں رکهتا که یا تو کمزور طبائع کا انفعالی تاثر هے ' یا خوش اعتقادی کا ذهنی فریب ' یا چند ایسے شعبده گروں کی شعبده گری جو جدید علم کیمیا اور فنون عجیبه کی مدد سے زیاده بهتر اور محفوظ قسم کا شعبده دکهلا سکتے هیں -

صحیح راے قائم کرنے کیلیے ضروری هے که معتقدین ' متوقفین ' اور منکرین ' تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالی جاے - هم آینده کسی موقع پر شرح و بسط کے ساتهه اس موضوع پر اپنے مطالعۂ و نظر کے نتائج شائع کرینگے -

ضروری اطلاع

جو حضرات " الهلال " وی - پی - پارسل کے ذریعه طلب فرماتے هیں' انهیں معلوم هونا چاهیے که وی - پی کا روپیه منی آرڈر کی طرح وقت پر وصول نہیں هوجاتا - اکثر دیر هوجاتی هے' اور چونکه روپیه کی وصولی کے بعد هی خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جا سکتا هے' اسلیے اسوقت تک پرچه جاری نہیں هوتا جب تک روپیه وصول نه هو جاے - اگر اس وجه سے اجراء میں دیر هوجاتی هے تو اس میں دفتر کی مجبوری ظاهر هے - اس کا علاج یہی هے که قیمت بذریعه منی آرڈر بهیج دی جاے -

منیجر

اردو ٹائپ

ایک مراسلة

آپ نے ۲۹ جولائی کے " الهلال " میں چلے صفحه پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا هے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائی هیں - اپنی رائے آپ نے یه دی هے که جس ٹائپ میں الهلال چهپتا هے یعنی جو ٹائپ صفحه ۳ سے استعمال کیا گیا هے وه اعلان مذکور کے ٹائپ سے بهتر هے - مجهے بهی اس سے اتفاق هے - لیکن اس ٹائپ میں بهی اصلاح اور ترمیم کی گنجایش اور ضرورت هے - یه مان کر که اردو کی لیے ٹائپ کی اشد ضرورت هے اس بارے میں اپنی رائے عرض کرتا هوں -

سب سے اول ایک اصول کی بات بتانا ضروری هے - چونکه اب یه سوال اٹهایا گیا هے اسلیے نهایت ضروری هے که پنجاب اور یو - پی - کے تعلیمی محکموں سے سب سے پلے استصواب کیا جائے - پنجاب کی نسبت مجهے زیاده واقفیت هے - یہاں تعلیمی اور سرکاری مطبوعات کی کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جاچکے هیں جن پر برسوں سے عمل هو رها هے -

بهتر تو یه هوتا که آپ اپنے اعلان کے ساتهه تمام حروف تهجی اور علامات وغیره کی ساری شکلیں جو آپ کے مجوزه ٹائپ میں هیں دیدیتے تاکه رائے دینے والوں کو آسانی هوتی - خیر' سردست جو کچهه میری سمجهه میں آیا عرض کیا جاتا هے -

" مد " کی علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سی فتحه کی علامت کی شکل میں پائی جاتی هے - جیسی صفحه ۳ کالم اول کی اخیر سطر میں " آخر " پر موجود هے - یه علامت زیاده واضح اور نستعلیق کے الف ممدوده کی سی هونی چاهیے - اعلان مذکور یعنی صفحه اول میں جو علامت " آج " پر لگائی گئی هے کیوں نه اسی کو اختیار کیا جائے ؟ وه بہت صاف اور واضح هے -

تشدید کی علامت اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی - یه اضافه هونی چاهیے -

جزم کی علامت بهی اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی - یه بهی اضافه هونی چاهیے -

شین معجمه اس ٹائپ سے غایب معلوم هوتا هے - سین مهمله پر نقطے لگا کر کام چلایا گیا هے - اسے کیوں خارج کیا جائے ؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمه قاعده یه هے که صرف هائے مخلوط التلفظ دو چشمی لکهی جاتی هے - مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نہیں - اس کے بنانے والے ذوق کے " کتابت والے " کے هم مشرب معلوم هوتے هیں جن سے شیخ مرحوم کو یه شکایت تهی :

هائے رے حسرت دیدار میری هائے کو بهی
لکهتے هیں هائے دو چشمی سے کتابت والے

ﮬ کو کیوں ﮪ لکها جائے ؟ یه ضرور هے که اس کلمه کو هائے هوز سے لکهیں تو نیچے ایک شوشه بڑهانا پڑیگا کیونکه یه حرف جب

طرح پہلے پہل اُسے مذہب مخاطبات ارواح کي طرف توجہ ھوي' اور کس طرح ایک جاحد منکرکي جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاھدے بیان کیے ھیں - تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے وجوہ انکار پر بحث کي ھے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادي و روحي کے علائق ھیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کي نہایت دلنشیں تصویر کھینچي ھے جو بیان کردہ علائق کي ترقي سے دنیا کي معنوي زندگي میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

" سنہ ۱۸۸۹ - سے پہلے میں جنوبي افریقہ میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ھنستا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ھیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلي اور وھم پرستي کي اور کوئي بات نہیں ھوسکتي -

میں بھي آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کي طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذھب ' مذھب مادي تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح ' بجز اسکے کچھہ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ھي کا ایک نتیجہ ھے ' اور عقل کا مرکز دماغ میں ھے - میرا یقین تھا کہ دوائیں انساني طبیعت میں تبدیلي پیدا کر سکتي ھیں - اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتي ھیں - اُس وقت کبھي میرے ذھن میں یہ موٹي سي بات نہیں آئي کہ ایک ماھر موسیقي ھمیشہ ماھر موسیقي ھي رھیگا اگرچہ اُسکي بانسري ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ ھوگا کہ وہ اپنا ھنر ظاھر نہ کر سکے گا ' لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رھیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلي پیدا کي اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ' وہ "میرز" کي کتاب "شخصیت انساني" ھے - یہ کتاب اس لائق ھے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کي جائے جنھوں نے انساني افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسري طرف پھیر دیا ھے - مثلاً ڈارون کي کتاب اصلیت انواع اور بیکن کي کتاب منطق جدید -

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکري کے تجربے شروع کیے - میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھي اِس موضوع سے بڑي دلچسپي تھي - میں اُنکے پیچھے بیٹھہ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا - مجھے ھر مرتبہ یہ دیکھکر حیرت ھو جاتي تھي کہ وہ میرے بنائے ھوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے ' حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھي کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھي میں نے دیکھا وہ نقشوں کي بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین ھوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ھو سکتا جس طرح ھم صفرہ کو جگر کا فعل سمجھتے ھیں -

اِسکے بعد میں نے تھیاسوفي کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کي علم بردار اور رھنما مدام بلیوٹسکي ذھین مگر مکار عورت ھے - لیکن اِس دروغ گو عورت کي موجودگي سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا - یہ ایک صحیح تحریک ھے - یہ ضرور ترقي کریگي - مگر اُسي وقت ' جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اِس عورت نے اسے پہنا رکھا ھے ' اور اِس تحریک کے حقیقي سرچشموں تک پہنچینگے جو مشرق کي سر زمین پر موجود ھیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذھب کے خلاف لکھي ھیں - لیکن مجھے کوئي تشفي نہیں ھوئي - کیونکہ وہ کبھي ایجابي بات کہتے ھي نہیں - اُنکے پاس جو کچھہ ھے ' سلبي اور انکاري ھے -

مدت تک دنیا کي دوسري مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رھنے کے بعد پھر مجھے اِس اھم موضوع کے لیے مہلت ملي - بتدریج مجھہ میں یہ خیال پیدا ھونے لگا کہ ھماري اس زندگي کے علاوہ کوئي اور مخفي زندگي بھي ضرور موجود ھے ' اور وہ شاید ھماري زندگي سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ھے -

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بوڈمر کو ایک مکان کي تحقیقات کیلیے بھیجا - اِس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رھتي ھیں اور شور و ھنگامہ برپا کیا کرتي ھیں -

ھم دو رات اِس مکان میں رھے - پہلي رات کوئي واقعہ نہیں ھوا - دوسري رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ھوکر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بوڈمر رہ گئے - ھم نے ھر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کرلیا تھا ؛ زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنی سي حرکت کا بھي ھمیں علم ھو جائے -

ٹھیک آدھي رات کو ھم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم ھوا ' گویا کوئي میز کو موٹي لاٹھي سے پیٹ رھا ھے - ھم نے فوراً دروازہ کھولا اور باورچي خانہ کے طرف دوڑ پڑے جہاں سے آواز آرھي تھي - مگر ھمیں سخت حیرت ھوئي - باورچي خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے ھوے تار بھي اپني جگہہ سے نہیں ھٹے تھے !

اِسکے بعد رات بھر ھم نے کوئي آواز نہیں سني -

اِس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اُسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کي ھڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور درحقیقت اِسي لڑکے کي روح کا شور تھا - وہ اِسي گھر میں قتل ھوا تھا اور اُسکي روح اس میں رھنے والوں کو پریشان کیا کرتي تھي -

اِس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ھے کہ اگر کسي جوان آدمي کي زندگي کسي غیر طبیعي اچانک حادثہ سے تلف ھو جائے ' تو اُسکي روح کي حیثیت موت کے بعد بھي باقي رھتي ھے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاھر ھوتي ھے "

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ھے " اِس قسم کے بے شمار واقعات مشاھدہ کرنے کے بعد میں نے اِس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہانتک کہ اب مجھے اِس پر پورا یقین ھوگیا ھے - میرا اعتقاد ھے کہ روحوں سے گفتگو کي جاسکتي ھے "

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاھدے بہ تفصیل بیان کیے ھیں جو سالہا سال تک وہ " اپنے اذعان و تشفي کیلیے " جمع کرتا رھا - پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ھیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذھب استحضار کے " بنیادي " اعتراضات ھیں -

چهپائي اور سياهي وغيره مساله کا صرف لابدي طور پر کس ميں زياده هوتا هے ؟ ٹائپ ميں يا ليتهو ميں ؟ يه ياد رهے که اگر ٹائپ ميں طباعت کا صرف ليتهو سے بهت زياده هوا تو کاتب جو ٹائپ کي وجه سے بيکار هوگئے هونگے ' کتابت کي اُجرت کا نرخ گهٹا دينگے ' اور اس طرح ٹائپ کي ترويج عام ميں مزاحم هونگے ' کيونکه سب کاتب تو کمپوزيٹر بن جانے سے رهے -

آخر ميں يه عرض کرنا هے که ميں نهيں سمجها اعلان مذکور ميں آپ نے عربي کے ساتهه فارسي اور ترکي زبانوں کو بهي " سامي " کيسے قرار ديا ؟ يه تو کوئي بات نهيں که اگر ان دونوں زبانوں کا املا دهنے سے بائيں کو چلتا هے اور عربي کا بهي يهي حال هے جو حقيقت ميں سامي زبان هے ' تو يه دونوں زبانيں بهي سامي بنائي جائيں - غالباً آپ عجلت ميں فارسي اور ترکي زبانوں کو سامي کهه گئے -

آپ کا مخلص

برج موهن دتا تريه - کيفي دهلوي

الهلال :

يه اور بعض ديگر مراسلات جو اس باب ميں آئي هيں ' شائع کردي جاتي هيں - جناب کيفي نے اس معامله ميں جو دلچسپي لي هے اور اپنے خيالات تفصيل سے ظاهر کيے هيں ' اسکے ليے هم اُن کے شکرگذار هيں - ليکن اس تحرير سے معلوم هوتا هے که اردو ٹائپ کے اقسام ' اُس کي تاريخ ' اور اُس کي فني اور صناعي مشکلات اُن کے سامنے نهيں هيں - ضرورت هے که ايک مرتبه به تفصيل يه امور واضح کردیے جائيں - هم اِن مراسلات کي اشاعت کے بعد اس موضوع پر به تفصيل اپنے خيالات ظاهر کرينگے -

البته دو باتيں ايسي هيں جنهيں اسي وقت واضح کرديتا ضروري هے - صاحب مراسلة لکهتے هيں " خود آپ نے اپني پسند اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس ميں رساله کمپوز هوتا هے " حالانکه واقعه يه هے که اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس ميں پہلے صفحه کا اعلان کمپوز هوا هے -

فارسي اور ترکي کے سامي نه هونے کي نسبت اِنهوں نے جو کچهه لکها هے صحيح هے ' اور اُن کے متنبه کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالي گئي تو واقعي يه غلطي موجود هے - دراصل مقصود يه تها که فارسي اور ترکي بهي سامي رسم الخط ميں لکهي جاتي هيں - يه مطلب نه تها که يه زبانيں بهي سامي هيں -

سات عجائب عالم

جديد علم آثار و تنقيب کی روشني مين

ايک زمانے ميں دنيا کي سب سے زياده عجيب اور مشهور چيزيں سات " عجائب عالم " سمجهي جاتي تهيں - قديم دنيا کي کتب تواريخ ميں ' سياحت ناموں ميں ' نظر و فکر کے عام مباحث ميں ' بول چال کي ضرب المثلوں ميں ؛ هر جگه ان سات عجيب چيزوں کا ذکر برابر آتا هے :

(۱) اهرام مصر
(۲) بابل کے معلق باغ
(۳) اسکندريه کا ساحلي مناره
(۴) ڈائنا کا مندر
(۵) مسولوس کا مقبره
(۶) رودس کا مجسمه
(۷) مشتري کا مجسمه

قديم يوناني اور عبراني مورخوں کي زباني ان عجائب کي تفصيل دنياے جديد کے تاريخي اوراق تک پهنچي هے - بعض قديم آثار کے کتبوں ميں بهي اِنکي طرف اشارات پائے گئے هيں - آخري عهد کے بعض حکماء يونان و اسکندريه نے مشتري کے مجسمه اور معبد کا ذکر ايسے موقعوں پر کيا هے ' جب اُنهيں عجائب و غرائب کيليے کسي قريبي اور معروف تمثيل کي ضرورت هوي هے - مثلاً ايک حکيم ' افلاطون کي تعريف کرتے هوئے لکهتا هے :

" وه انسان هونے پر بهي صرف ايک هي مرتبه پيدا هوا...
طرح مشتري کا مجسمه پتهر سے ...
مرتبه ...

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لابد ہے- درمیان اور آخر میں نہیں - معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ھائے ہوز کا دوچشمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ دوچشمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہو' اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا- اردو کے مروجہ قاعدۂ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے - لوح کو تو جانے دیجئیے کیونکہ وہاں " الہلال " خط نسخ میں ہے اور اس لیے ھائے دو چشمی ہے - لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے - مگر یہاں بھی ھائے دوچشمی ہی استعمال کی گئی ہے- یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے- آپ کے ٹائپ میں ھائے ہوز جہاں دو چشمی نہیں وہاں عجیب مرورڑ والی شکل اختیار کرتی ہے- جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں "چہرے" اور "نہیں" کا چہرہ بگاڑا گیا ہے - حالانکہ یہی ھائے ہوز اسی کالم میں مضمون "علم الآثار مصر" کی اول سطر میں "پہلے" کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے - متشابہ موقعوں پر ھائے ہوز کو اس "پہلے" کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے ؟

نون غنہ جب لفظ کے آخر میں آتا ہے اوس میں نقطہ نہیں دیا گیا - یہ بالکل درست ہے- لیکن یہی نون غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کسطرح لکھا جائیگا ؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں - مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں-

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۂ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں -

کشش اکثر قاعدۂ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے - جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں "رکھتے" اور "کردیتے" میں "ی" سے پہلے واقع ہوئی ہے -

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حروف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہوتا - مثلاً " بعدا ' میں تین شوشے یا دندانے ہونگے - اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھا دیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی- اسی مضمون کی گیارھویں سطر میں " ایجاد " کا لفظ آیا ہے - اس میں "ی" اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کردیا ہے جو نہونا چاہیے - اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاہیے -

کوئی وجہ نہیں کہ ھاے ہوز آخر کلمہ ' نسخ میں لکھی جائے ' جیسی کہ " آثار عتیقہ " میں لکھی ہے- " نہ " کی شکل آپ کے ٹائپ میں " نہ " ہے جو نستعلیق نہیں - یہ کیوں ؟

" یا " آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں : یاے معروف - یاے مجہول - یاے مفتوح - آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں - یاے معروف گول لکھی گئی ہے - یہ ٹھیک - لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں - یہ ٹھیک نہیں - جب یا کی ایک اور شکل ہمارے پاس موجود ہے - یعنی نصف دایرہ یا کٹی ہوئی ' تو کیوں نہ اُسے بھی استعمال کیا جائے ' تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں ؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے ' اس لیے ہمکو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کی اصلاح و ترمیم کرکے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے - اور کیا پبلک اور کیا سررشتۂ تعلیم' دونوں اُسے قبول کرلیں- آپ کے ٹائپ میں "یا" آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں - مگر آپ کے اخبار کے اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے' ایسی "ی" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے - یہ دو عملی کیا معنی ؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے ؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضول کیوں خرچ ہو؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے - دیوان غالب جو وہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے' اوس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں - اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں - اِس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو:

زباں کوئی نہو

"کوئی" کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں - پانچ جگہہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے ' لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

" پڑیئے " گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار

سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے ؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے - اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں "ہم سخن" کا لفظ آیا ہے - لفظ "سخن" میں " س " اس انداز سے " خ " کے ساتھہ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں - حروف کی ملاوٹ کا یہ طریق پسندیدہ نہیں -

اردو ٹائپ کی وکالت کرتے ہوئے مطمح نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے' اور اخبار و جراید جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں - بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں - اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھہ ترقی کریں - نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہوں - مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپیگا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی - اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہوجائیں ' اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو -

اور مولانا ! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیت کا بڑا زور اور رسوخ ہے - جو ٹائپ تجویز ہو' وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے - یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کنکھنے یا کیڑے مکوڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کردیے- میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے - کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے ؟ کیوں اسے ازل جلول بنایا جائے ؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں - کیوں نہ گول ہوں ؟ اخر اِس میں کون سی دقت حایل ہے ؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں- یعنی اردو ٹائپ کے ساتھہ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا - یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے- خفی و جلی کے کئی درجے قائم کرکے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے -

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رایٹر کے "کی بورڈ" کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو جو چیزیں ہیں' اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھہ ہے اور کیا نہیں ہے -

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کرسکتے - یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھہ

کي تعمیر کس زمانه میں هوئي تهي ؟ چهٹي صدي قبل مسیح میں یه مندر پهرگر پڑا. اور یونانیوں نے عوام سے روپیه جمع کرکے تیسري مرتبه تعمیر کیا -

پانچویں صدي قبل مسیح میں یوناني مورخ هیرودٹس نے یه عمارت دیکهي تهي - وه لکهتا هے :

" پورا مندر سنگ مرمر کا هے ' اور اُن قدیم مندروں سے ' جن کي بنیادوں پر قائم هوا هے ' چارگنا زیاده وسیع هے - چاروں طرف سنگ مرمر کے ستونوں کي قطاریں هیں ' اور هر زاویه میں آٹهه آٹهه مزید ستون هیں - هر ستون کي بیٹهک یوناني تصویروں سے آراسته کي گئي هے "

سنه ۳۵۶ ق م میں مشهور ظالم بادشاه هیروسٹراٹس کو خیال هوا که کوئي ایسا کام کرجائے جس سے اُس کا نام تاریخ میں یادگار رهے- اُس نے اس مندر کي عمارت یک قلم برباد کردي - کیونکه دنیا کي اِتني عجیب اور قیمتي عمارت کا برباد کرنے والا یقیناً تاریخ کے حافظه میں فراموش نهیں هوسکتا - اُسي وقت سے یوناني زبان میں یه ضرب المثل مشهور هوگئي هے " اگر شهرت کے لیے ڈائنا کا مندر بنا نهیں سکتے تو اسے برباد کرڈالو "

لیکن یونانیوں کو یه معبد اس درجه عزیز تها که وه اس کي عدم موجودگي برداشت نهیں کرسکتے تهے - انهوں نے پهر از سر نو تعمیر شروع کي اور قومي سرمایه سے مصارف کا انتظام کیا - بیان کیا گیا هے که تمام ملک میں اس کي تعمیر کا جوش اس قدر پهیل گیا تها که عورتوں نے اپنے زیور تک چندے میں دیدیے تهے - اُسي زمانه میں سکندر اعظم کا اس شهر میں گزر هوا - اُس نے خواهش کي که اپنے جیب خاص سے پورا عبادت خانه بنوا کر دیوي کي نذر کردے - مگر شهر کے باشندوں نے یه ذلت گوارا نه کي ' اور سکندر کي ناراضي سے بچنے کے لیے یه حیله کردیا که " آپ خود بهي دیوتا هیں ' اور ایک دیوتا کے لیے دوسرے دیوتا کو نذر دینا جائز نهیں "

خیال کیا جاتا هے که سنه ۳۲۳ ق م میں یه عمارت مکمل هوگئي تهي- یه ۴۲۵ فٹ لمبي تهي- سنگ مرمر کے ۱۲۷ - کهمبے تهے - اور هر کهمبا ۶۰ فٹ بلند تها - پورا عبادت خانه بڑي سلیقه مندي سے آراسته کیا گیا تها- بڑے بڑے مصوروں نے تصویریں بنائي تهیں اور اس کے در و دیوار کي آرایش کے لیے بطور چڑهاوے کے پیش کي تهیں- ایک تصویر سکندر اعظم کي بهي تهي - وه اپنے گهوڑے پر سوار دکهایا گیا تها - کها جاتا هے که سکندر نے جب یه تصویر دیکهي تو ناپسند کي- لیکن جب قریب پهنچا تو اُس کا گهوڑا هنهنا اُٹها - اِس پر مصور نے طعنه زني کي راه سے کها : " حضور کا گهوڑا اپنے سوار سے کهیں بهتر فن کي شناخت رکهتا هے " یه قول یوناني زبان میں ضرب المثل هوگیا تها - یوناني سے یورپ کي زبانوں میں منتقل هوگیا -

اِسکے بعد سنه ۲۶۰ ع میں یه مندر پهر برباد هوگیا - اس مرتبه اِسے عیسائیوں نے ڈهایا تها اور اُس پر گرجا بنا دیا تها - مگر یه گرجا بهي زیاده عرصه تک قائم نه ره سکا - تهوڑے هي عرصه کے بعد بے نام و نشان هوگیا -

ڈائنا ' ایشیائي دیوي ارٹمیس کي صورت هے - اشوریوں نے اسے امومۃ یعني مامتا کے جذبات کا مظهر قرار دیا تها - یهي وجه هے که اسکے سینه پر بهت سے پستان دکهائے گئے تهے ' لیکن جب یونانیوں نے اسکي عبادت شروع کي تو اُسکي شکل بدل دي- اُنهوں نے اِسے ایک ذهین ' قوي ' اور جوان عورت کي صورت میں طیار کیا تها -

(۲)

مقبرۂ موسولس

(The Tomb of Mausolus)

ایشیائے کوچک میں بدرم نام ایک ساحلي شهر هے - یه عهد مسیحي سے پهلے ایران کے ماتحت تها - سمندر اور پهاڑ کے درمیان واقع هونے کي وجه سے اُسکا جغرافیائي موقعه اِس قدر محکم هے که باوجود ماتحت هونے کے بهي وه عرصه تک اپني اندروني خود مختاري برقرار رکهه سکا - چوتهي صدي قبل مسیح میں یهاں ایک بادشاه حکمراں تها - اُسکا نام " موسولوس " تها - اُسنے اپنا پایۂ تخت یهي شهر بدرم قرار دیا تها - اِس شهر کا نام اُس وقت هیلي کارنیسس (Halicarnasous) تها -

سنه ۳۵۳ ق - م - میں اِسنے وفات پائي - اسکي ملکه ارٹمیزیا (Artemisia) بهت غمگین هوئي اور کسي طرح بهي تسلي حاصل نه کرسکي- آخر اُس نے اِس طرح اپنا دل بهلانا چاها که اپنے شوهر (بادشاه) کي قبر پر ایک ایسا مقبره طیار کرے جیسا دنیا میں کهیں موجود نه هو- یه ایک بیوي کے طرف سے اپنے شوهر کیلیے وه یادگار محبت تهي' جو آگے چل کر ایک شوهر (شاهجهان اعظم) نے طرف سے اپني بیوي (تاج محل) کیلیے قائم هونے والي تهي - دراصل یه مقبره " بیوي " کا " شوهر " پر ایک قرض محبت تها ' جسے سر زمین هند کے ایک وفا پرست " شوهر " شاهجهاں نے ادا کردیا !

چنانچه اُسنے ماهر یوناني معمار جمع کیے - اُنهیں بهت کچهه انعام و اکرام دیا ' اور مقبره بنوانا شروع کیا - لیکن ابهي دو برس بهي پورے نهیں گزرے تهے که فرط غم سے ملکه کا بهي انتقال هوگیا -

مقبره ابهي طیار نهیں هوا تها - معماروں نے باهم مشوره کیا که اب همیں کیا کرنا چاهیے ؟ بالاخر سب کي راے یهي قرار پائي که اس ملکه نے هم پر بڑے بڑے احسان کیے هیں - همیں چاهیے اُن کے شکریه میں اُس کا نا تمام کام پورا کردیں - چنانچه اُنهوں نے کام جاري رکها ' یهانتک که تعمیر ختم هوگئي ' اور ایک ایسا مقبره طیار هوگیا جیسا چشم فلک نے پهلے کبهي نهیں دیکها تها -

اب " موسولوس" یورپ کي تمام زبانوں میں مقبره کیلیے بولا جاتا هے- انگریزي لفظ " Mausoleum " اِسي " موسولوس " سے بنا هے-

مقبره ایک منزل کا تها - اِسي منزل میں بادشاه کي قبر تهي - چهت پر سفید سنگ مرمر کے ۳۶ سڈول ستون نصب کیے گئے تهے - اِن ستونوں پر مخروطي شکل کا باره منزلوں کا مناره تها - اِس پر بادشاه کي رتهه بنائي گئي تهي جسے چار اصیل گهوڑے کهینچ رهے تهے - عمارت کي پوري بلندي ۱۴۰ - فٹ تهي -

خود عمارت زیاده بلند اور شاندار نه تهي - لیکن سبک اور نازک اِس قدر تهي که حیرت هوتي تهي - مخروطي مناره کي بنیادیں جن ستونوں پر قائم تهیں ' وه اِس قدر پتلے تهے که دور سے بالکل نظر نهیں آتے تهے - شبه هوتا تها که عمارت هوا میں معلق کهڑي هے !

مورخین کا خیال هے که یه مقبره بارهویں صدي عیسوي تک صحیح و سالم موجود تها - اِسي زمانے میں صلیبي فوجوں نے شهر بدرم پر قبضه کیا اور مقبره کے پتهر اکهاڑ کر اپنا قلعه بنانے لگے - پهر سنه ۱۵۲۲ ع میں جب سلطان سلیم نے اِس شهر پر حمله کیا ' تو صلیبیوں نے مقبرہ کے باقي مانده ستون بهي اکهاڑ لیے -

ميں إن عجائب کا بهي ذکر تها يا نہيں ؟ البته تاريخوں ' سفر ناموں' اور تقويم بلدان کي کتابوں ميں فرداً فرداً إن کا ذکر موجود هے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ' اسکندريه کے مناره ' اور مصر کے اهرام (مخروطي مناروں) کا تو نہايت مفصل تذکره موجود هے - ابن جرير طبري 'ابن حوقل' ادريسي ' مسعودي" ابوعبد الله البکري (صاحب المسالک و الممالک) ابوعبدالله غرناطي (صاحب نخبة الاعجاب) ابن جبير' ابوالفداء ' ابن اثير ' بيروني ' عبداللطيف بغدادي ' ياقوت حموي ' قزويني ' مقريزي ؛ سب نے إن کا ذکر کيا هے - حموي ' بغدادي ' اور مقريزي کے مباحث اهرام مصر اور منارهٔ اسکندريه کے متعلق اس درجه محققانه هيں ' که جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشني ڈال دي هے ' أن پر موجوده زمانے کي اثري تحقيقات بهي کوئي اضافه نہيں کرسکتي - حالانکه مصري آثار کي جديد تحقيقات نے نئے نئے انکشافات کے انبار لگا دیے هيں -

دنيا کي تمام عجيب اور مشهور چيزوں کي طرح ان عمارتوں کي نسبت بهي عوام ميں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشهور هوگئے تهے ' اور عهد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سياحوں نے بهي انہيں قبول کرليا تها - ليکن محققين عرب نے پوري دقت نظر کے ساتهه أن روايات پر نظر ڈالي ' اور بعض کي مشاهدات کي بنا پر اور بعض کي علمي قواعد کي بنا پر تغليط کي - ياقوت حموي ' بيروني ' عبد اللطيف بغدادي ' اور مقريزي ؛ اگرچه تمام روايات نقل کرديتے هيں ' ليکن جابجا أن کي تغليط بهي کرتے جاتے هيں - حموي اور بغدادي نے منارهٔ اسکندريه کا مشاهده اور تخطيط کرکے جو کچهه لکها هے ' اور جس طرح بے اصل روايتوں کي تکذيب کي هے ' اس سے زياده تحقيق آج تک نہيں کي جا سکي -

ياقوت حموي اسکندريه کے مناره اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے هوئے لکهتا هے " وهذه أخبار نقلنا ها کما وجدنا ها في کتب العلماء وهي بعيدة المسافة من العقل' لايؤمن بها إلا من غلب عليه الجهل" يعني يه تمام روايتيں هم نے جس طرح علماء کي کتابوں ميں پائيں' بجنسه نقل کرديں' ليکن يه عقل سے نہايت هي بعيد هيں' اور انہيں کوئي نہيں مان سکتا' الا وه شخص که أس کي عقل پر جهل غالب آگيا هو" آگے چل کر ايک دوسرے موقعه پر لکهتا هے " اما خبرالمنارة فقد رووا لها اخباراً هائلة وادعوا لها دعاوي عن الصدق عادلة " يعني مناره کے متعلق عجيب عجيب باتيں روايت کي گئي هيں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے هيں جو سچائي سے هٹے هوئے هيں - پهر جهاں اپنے معائنه کا ذکر کيا هے ' وهاں لکهتا هے " شاهدته في جماعة من العلماء وکل عاد منا متعجباً من تحرص الرواة" يعني ميں نے علماء کي ايک جماعت کے ساتهه مناره کي سير کي ' اور هم ميں سے هر شخص جب مشاهده کے بعد لوٹتا' تو وه راويوں کے اوهام و ظنون پر متعجب تها (معجم البلدان - ۱ : ۲۴۲) عبد اللطيف بغدادي اور مقريزي کي تصريحات بهي ايسي هي هيں - حموي نے مناره کي تعميري حالت ديکهکر جو أس کے عهد تک باقي تهي ' أس کے شکل و مساحت پر بهي غور کيا تها اور اس کا نقشه بنايا تها - حموي کے بعد کے مصنفين مثلاً قزويني وغيره نے أسي سے مناره کا نقشه نقل کيا هے -

(جديد علم الاثار کي تحقيقات)

اب سے تقريباً ڈيڑهه سو برس پہلے قديم آثار کي تحقيقات و تنقيب کا کام شروع هوا ' اور اس سلسله ميں ان سات عجائب عالم کي تحقيقات پر بهي انفرادي اور جمعيتي کوششيں مبذول هوئيں - روڈس ' اسکندريه ' اور اهرام کي تحقيقات اسقدر دشوار نه تهي - کيونکه مقامات معلوم تهے اور محل معين ؛ ليکن بقيه عمارتوں کي تحقيقات کا کام بہت دشوار تها - تاهم جستجو جاري رهي ' اور بالآخر تمام ضروري معلومات روشني ميں آگئيں -

جہانتک هميں معلوم هے ' اردو ميں ان قديم عجائب کي جديد اثري تحقيقات پر إس وقت تک کچهه نہيں لکها گيا هے - هم چاهتے هيں ' مختصراً انکي تاريخ اور موجوده اثري تحقيقات ايک دو مقالوں ميں بيان کر ديں - يورپ کے اهل قلم ان عجائب کي تاريخ لکهتے وقت عموماً عربي عهد کي تاريخي و علمي تحقيقات نظر انداز کر جاتے هيں - يا معلوم کرتے هيں تو اکثر حالتوں ميں ناقص اور غير محققانه هوتي هيں - اس سلسلهٔ مقالات سے ايک مقصود يه بهي هے که جن جن عمارتوں کے متعلق عربي مورخين کي تصريحات موجود هيں ' وه اپنے اپنے موقعوں پر نماياں هو جائيں -

(۱)

ڈائنا کا مندر

The Temple of Diana

ايک قديم مورخ کا قول هے :

" ميں نے بابل کے معلق باغ ديکهے - مشتري اور روڈس کے مجسمے ديکهے ' اهرام مصر اور موسولس کا عاليشان مقبره ديکها ' ليکن جب ميں نے ڈائنا کا سر بفلک مندر ديکها تو تمام عجائب عالم ميري نظر سے گر گئے "

قديم مورخوں نے دنيا کي سات عجيب چيزوں ميں سے کسي کے متعلق بهي اس قدر نہيں لکها هے ' جس قدر إس مندر کے متعلق لکها هے - ليکن باوجود إس کے يه کيسي عجيب بات هے که دنيا نے سب سے زياده يهي چيز فراموش کردي ؟ حتى که يه بهي کسي کو ياد نه رها که يه عمارت واقع کس جگه تهي ؟

سب سے پہلے سنه ۱۸۶۵ع ميں ايک انگريز ڈاکٹر وڈ نامي نے شهر افسس ميں اس کا پته لگايا - إس کے بعد سنه ۱۹۰۴ع ميں برٹش ميوزيم نے ايک اور شخص مسٹر هوگارث کو مزيد تحقيقات کے ليے بهيجا - اس شخص نے عرصه تک تحقيقات جاري رکهي' اور اس کے بعد اپني تحقيقات کے نتائج شايع کیے - اس کا بيان هے که يه مندر تين پرانے مندروں کے کهنڈروں پر تعمير هوا تها - مندر کي ديواروں کے نيچے تقريباً تين هزار آثار پائے گئے - يه مشرقي طرز کے هيں ' اور إس بات کي زنده شهادت هيں که يونان کي صنعتي ترقي دراصل مشرق هي کي تقليد سے شروع هوئي تهي -

قديم يوناني شهر افسس جهاں يه مندر واقع تها ' اب بالکل برباد هوگيا هے - أس کي جگه إس وقت ايک ترکي شهر اياسولوگ نامي آباد هے اور ايشياے کوچک ميں واقع هے -

مندر کي تاريخ سنه ۷۰۰ قبل مسيح سے شروع هوتي هے - کيوں که أس کي ديواروں ميں بعض ايسي علامتيں موجود هيں که خيال کيا جاتا هے ' أن کا تعلق أسي زمانه سے هے -

سنه ۶۶۰ ق م ميں يورپ کي ايک وحشي قوم نے إس علاقه پر حمله کيا اور يه عمارت برباد کر ڈالي - إس کے بعد پهر از سر نو تعمير کيا گيا - مگر زياده مدت تک قائم نه ره سکا - کيونکه مساله خراب لگايا گيا تها - يه اب تک تحقيق نہيں هوسکا که دوسري مرتبه

عالم شرق و اسلام

شامی جہاد وطنی کا التوا

موجودہ عہد کی ایک قومی جد و جہد پر نظر تودیع !

شہر دمشق کا ایک عمومی منظر

جس کی دو تہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلیے برباد ہوگئی !

سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاہدین کا معسکر سویداء میں
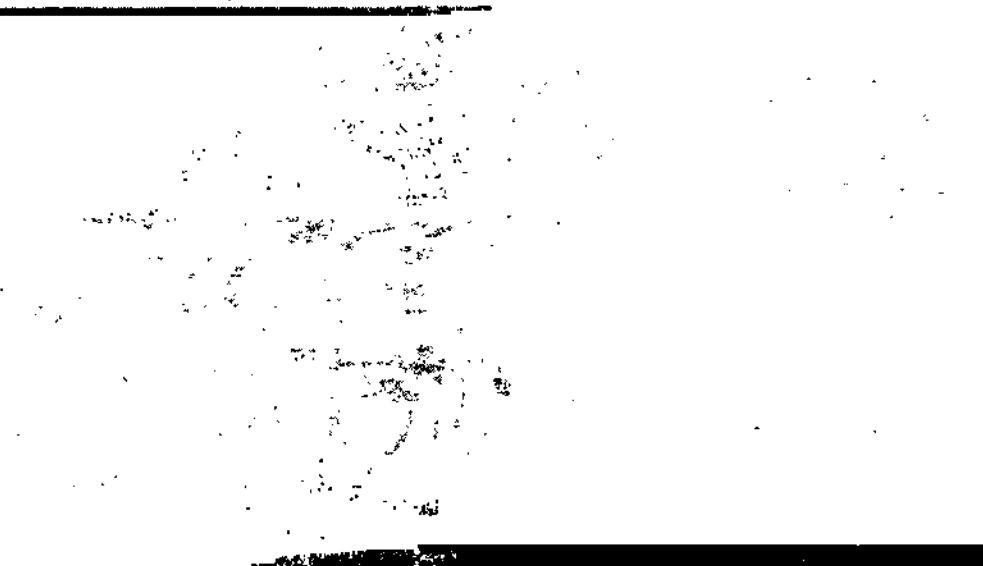
فرانس اعلان کرتا ہے کہ " اب ملک میں امن قائم ہوگیا ہے " مگر یہ " امن " کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خود شہر کے اندر ، بری تباہ کن مراکب کی صفوں سے ناکہ بندیاں کی گئیں ، اور اس طرح " امن " کے لیے امل عام کا اعلان کیا گیا !

ادب عربی اور جدید مصری مباحث

لیلی مجنون

ایک مصری اہل قلم کی نظری تحقیقات

بلاد اسلامیہ کے ادبی و علمی مباحث و افکار کی صدائیں بہت کم ہندوستان تک پہنچتی ہیں - اول تو یہاں ایسے علمی مجامع کا وجود ہی نہیں جو مشرقی و اسلامی ممالک کے علمی مجامع و محافل سے تعارف رکھتے ہوں - ثانیاً ' عربی کے ادبی و علمی مباحث کے ذوق سے نہ صرف نئی تعلیم یافتہ جماعتیں بلکہ قدیم جماعتیں بھی تقریباً محروم ہیں - اس لیے نہ تو ان وادیوں کی انہیں خبر ہے - نہ وہاں کی صداؤں کیلیے کوئی ذوق اور دلچسپی رکھتی ہیں -

ہم چاہتے ہیں گاہ گاہ الہلال کے صفحات پر وہاں کے بعض اہم عصری مباحث کے نمونے شایع کرتے رہیں -

کچھہ عرصہ سے مصر میں ادب و شعر عربی کی دو متقابل جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں ' اور ان میں بحث و مناظرہ کا معرکہ گرم ہے - ایک جماعت متجددین مفرطین کی ہے جنہیں اردو اخبارات کی اصطلاح میں ادبی " انتہا پسند " (اکسٹریمسٹ یا ریڈیکل) کہنا چاہیے - دوسری جماعت ادبی محافظین کی ہے ' جنہیں سیاسی جماعتوں کی تقسیم میں قدامت پسند (کنسرویٹو) وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے - ادب و شعر کی ان دو انتہائی جانبوں نے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاویے پیدا کردیے ہیں - ان دونوں انتہائی جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بھی ہیں ' لیکن بہت کم - کیونکہ جماعت کا ذہنی مزاج فکر و عمل کے ہر گوشے میں ' اعتدال سے مالوف نہیں ہوتا - افراط و تفریط ہی کی طرف مائل رہتا ہے -

سیاست کی طرح ادب و شعر میں بھی ان دو مذہبوں کا ظہور ہر ملک کے علمی اور فکری عہد کے ذہنی خواص میں سے ہے - انیسویں صدی کے اوائل میں جب یورپ کی ادبیات کا آخری انقلاب ظہور میں آیا ' تو اس وقت بھی طریق مدرسیہ (Classic) اور طریق رومانیہ (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا ہوئی اور انتہائی اطراف نمایاں ہوگئے - البتہ یورپ کی زبانوں اور عربی زبان کی نوعیت میں یہ اصولی فرق ہے کہ اٹھارویں صدی میں جب رومانیہ طریقہ کے متجددین پیدا ہوئے تھے ' تو اس وقت یورپ کا مدرسی علم ادب کوئی ایسی ترقی یافتہ حالت نہیں رکھتا تھا کہ ہر گوشہ میں ترقی و توسع کا محتاج نہو - وہ زیادہ سے زیادہ دو صدیوں کی ابتدائی ادبی ترقی کا نتیجہ تھا جو حروب صلیبیہ کے بعد سے یورپ میں شروع ہوئی تھی - اور پھر جو کچھہ بھی تھا ' صرف ادب کی ایک خاص شاخ میں محدود تھا یعنی شعر قصصی اور قصص تمثیلیہ میں - لیکن عربی علم ادب کی جامعۂ اس سے بالکل مختلف ہے - اس پر نشو و ترقی کی تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں - وہ تمدن و علوم کی تمام حالتیں اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام دور طے کر چکی ہے - اس لیے اسکی عصری احتیاج بہت حد تک محدود ہے ' اور نئے نئے اسالیب و مذاہب کے اخذ و اختیار میں بہت زیادہ احتیاط و توسط کی ضرورت ہے - مغربی اسالیب بیان کی کورانہ تقلید اور ابداع و تجدد کے افراط و غلو کی جگہ چاہیے کہ مجتہدانہ نظر و اعتبار سے کام لیا جائے ' اور عربی ادب و شعر کی خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھہ قدیم راہوں میں نئی نئی راہوں کی داغ بیل ڈالی جائے -

بہر حال سیاست و معاشرت کی طرح ادب و شعر مین بھی دو متقابل جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں - ادبی تجدد و انقلاب کی اس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طٰہٰ حسین استاذ جامعۂ مصریہ ہے - ڈاکٹر موصوف کی شخصیت میں مصر کے موجودہ عہد کی ایک غیر معمولی ذہانت نمایاں ہوئی ہے - وہ پیدایشی نابینا ہے - اس کا دماغ حواس خمسہ میں سے ایک سب سے بڑے حاسۂ علم سے محروم تھا - لیکن باوجود اسکے اس نے جامع ازہر میں علوم عربیہ کی تحصیل کی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں بھی درجۂ رسوخ و نظر حاصل کرلیا - وہ ابھی جامع ازہر میں مشغول تعلیم تھا کہ جامعۂ مصریہ اسکی حیرت انگیز ابوالعلائی ذہانت کی شہرت سے متاثر ہوئی اور اپنے صرف سے پیرس اور روم بھجوادیا تاکہ مغربی لغات و علوم کی تحصیل سے بھی فارغ ہوجائے - کئی سال وہاں بسر کرنے کے بعد جب قاہرہ واپس آیا تو اسی جامعہ میں استاذ (پروفیسر) مقرر ہوگیا -

پچھلے دنوں ڈاکٹر موصوف نے عہد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلۂ مقالات شروع کیا تھا ' جس نے مصر کے ادبی حلقوں میں موافق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پیدا کردیے - ان مقالات میں وہ اوائل عہد بنو امیہ کے بعض شعراء غزلیئین کے وجود سے انکار کرتا ہے ' اور انکے وجود کو محض قصصی اور شعری وجود قرار دیتا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین یورپ کا بھی خیال ہے - ہم آج ان مقالات کا ایک حصہ ' حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے ہیں - اس کا تعلق " لیلیٰ مجنوں " کے مشہور قصہ سے ہے - یہ سوال کہ کیا فی الحقیقت قیس عامری اور لیلیٰ کے معاشقہ کا قصہ حقیقی ہے ؟ پہلے بھی اٹھہ چکا ہے - چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان لوگوں کی رائیں نقل کی ہیں جنہیں ان شخصیتوں کی حقیقت میں شبہ تھا ' لیکن ہم خیال کرتے ہیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھہ غالباً کبھی انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر موصوف کو ہے -

ہم بالفعل اس باب میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرینگے کیونکہ اسکے لیے شرح و تفصیل کی ضرورت ہے - صرف ڈاکٹر موصوف اور ان کے ناقدین کے مباحث کا خلاصہ ہدیۂ قارئین کر دینگے - ڈاکٹر موصوف کی تحریر کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

اطراف دمشق کا ایک قصبہ جو گولہ باری سے بالکل تباہ کردیا گیا - تباہی کے بعد فرانسیسی پہنچے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مکانوں کے کھنڈروں اور مقتول لاشوں کے سوا کوئی زندہ چیز باقی نہیں ہے !

حتی المحاریب تبکی وھی جامدۃ

حتی المنابر ترثی وھی عیدان !

دمشق کی ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسی حکام نے منہدم کردیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا کام لے رہے ہیں !

دمشق کی مشہور اور تاریخی مسجد "جامع التکیہ" کا داخلی منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے فوجی اصطبل بنا دیا - عین محراب و ممبر کے پاس گھوڑے باندھے گئے !

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طه حسین

اب سے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کرچکا ہوں - بشار بن مبرد پر اُنکی خلاف توقع میں نے نکتہ چینی کی تھی - افسوس ' آج پھر میں اُنہیں ناخوش کرنے پر مجبور ہوں میں سچ کہتا ہوں ' مجھے اُنکی ناخوشی میں کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا - لیکن کیا کروں - بحث ونقد کی دیانت مجھے اِس پر مجبور کرتی ہے - جب سے میں نے عربی شاعری پر بحث شروع کی ہے ' اہل ادب کی ملامت کا نشانہ بن گیا ہوں - وہ ناخوش ہیں - کیونکہ میں نے ابو نواس اور حسین بن الضحاک کو بشار بن مبرد پر ترجیح دی تھی - آج اُنکی ناراضی اور بھی زیادہ ہوجائیگی ' کیونکہ میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا ' یا اُنکی شخصیت کی اہمیت گھٹاؤنگا - میں آج کہونگا کہ یہ شاعر یا تو سرے سے موجود ہی نہ تھے - یا تھے ' مگر اپنے زمانہ میں کوئی نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے - بعد میں لوگوں نے اُنہیں بڑھا دیا - اُنکی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کردیے جو اُنہوں نے کبھی نہیں کہے تھے -

میں جانتا ہوں ' بہت سے اہل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے - وہ صرف اثبات اور ایجاب ہی کا ذوق رکھتے ہیں ' اور ہر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ہیں جو انکار یا شک پر ختم ہو - اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ہے جو "مجنوں" کے وجود سے انکار کرے ' یا اسمیں شک وشبہ کا اظہار کرے - جو کوئی ایسی جرأت کرے ' وہ اُنکے نزدیک مجرم ہے - کیونکہ اُنکے خیال میں وہ عربی علم ادب کی عظمت گھٹانے والا ہے - اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ہے جو ادبی قصص و محاضرات کے ہر وجود پر علمی ایمان رکھتا ہو ' اور ہر افسانۂ شعری ' حقیقت کے لباس میں دیکھتا ہو - کیونکہ اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربی عظمت بڑھتی اور عربی ادب کی خدمت ہوتی ہے ' اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کی پروا کرنا ضروری نہیں - آنکھیں بند کر لینی چاہئیں ' اور جہل و اعتراف کی وادیوں میں بڑھے چلنا چاہیے !

وہ علم و ادب میں بھی وہی راہ اختیار کرنی چاہتے ہیں جو سیاست میں اختیار کی جاتی ہے - صرف جذبات برانگیختہ کرو اور مرحبا کے نعرے سنو ! بلا شبہ اِس طرح تم اِن لوگوں کو خوش کردے سکتے ہو - لیکن افسوس ہے کہ اس طریقہ میں اُن لوگوں کیلیے کوئی دعوت نہیں ہوسکتی جو قوم ' ملک ' اور جماعت کی رضامندی دیکھنے سے پہلے علم ' حقیقت ' اور دیانت کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ہیں !

(شعراء غزلیئین)

بد قسمتی یا خوش قسمتی سے میں نے علم اور ضمیر کی رضا مندی کو لوگوں کی تعریف وتحسین پر ترجیح دے رکھی ہے - یہی سبب ہے کہ آج میں بغیر کسی احتیاط اور پیش بنسی کے اعلان کرتا ہوں کہ شعراء کی وہ جماعت ' جسے میں " اہل غزل " کے نام سے پکارتا ہوں ' عربی ادب کی تاریخ میں وہ درجہ نہیں رکھتی تھی جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ہے -

یہ شعراء در اصل دو نمایاں قسموں میں بٹے ہوئے ہیں - دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ہیں - ایک قسم " خیالی شعراء " (" شعری سیرتوں ") کی ہے - اسمیں مجنون ' قیس بن ذریح ' عروہ بن حزام ' جمیل بن معمر ' وغیرہ داخل ہیں - دوسری قسم " حقیقی شعراء " کی ہے - یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خیالی محبت کے قائل تھے - نہ نکبی مراتب عفت وتنزہ کے دلدادہ تھے - وہ ہر ارضی انسان کی طرح زندگی اور اُسکی آلودگیوں سے آلودہ ہوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گاتے رہے - اِس جماعت کا سرگروہ " عمرو بن ابی ربیعہ " ہے -

ہاں ' مجھے عمرو بن ابی ربیعہ کے تاریخی وجود سے انکار نہیں - میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جتنے اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں ' اکثر اُسی کے ہیں ' اور یہ کہ اُسکی شخصیت اُس زمانہ میں بھی تقریباً ویسی ہی تھی ' جیسی اس زمانہ میں ہم تصور کرتے ہیں - یہی حال کثیر اور عبیداللہ بن قیس الرقیات کا ہے -

(قیس مجنوں)

لیکن مجھے قیس بن ملوح (مجنوں) کے بارے میں پورا شک ہے - میں اُسے تاریخی شخص یقین نہیں کرتا - میں تسلیم نہیں کرتا کہ اس نام کا کوئی شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جانتے اور اُسکے منہہ سے اشعار سنتے تھے : مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ جو اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں ' اُسی کے ہیں - میں خیال کرتا ہوں کہ قیس بن ملوح (مجنوں) من جملہ اُن خیالی آدمیوں کے تھا جنہیں جماعتیں اپنا کوئی خاص تخیل یا زندگی کا کوئی خاص اسلوب ظاہر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتی ہیں (یعنی افسانۂ و شعر کی ایک خیالی سیرۃ) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالی شخص ہے - شعر کے راویوں اور داستان سراؤں نے اُسے شعری و عشقی ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا - تا کہ مجالس و محافل کی دلچسپیوں کا سامان کریں - یا وقت کی ایک ادبی و شعری ضرورت پوری کردیں -

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے مجنوں کے سچے عشق اور رقیق جذبات کی ثنا خوانی میں بے فائدہ کوشش کی ہے - اگر وہ اس کی جگہ یہ بات دکھاتے کہ مجنون ' عہد اموی کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اسلوبوں کا رمز و مظہر ہے ' تو اُنکی کوشش زیادہ مفید ہوتی ' اور اُموی دور کی ایک ایسی خصوصیت ظاہر ہو جاتی جسے عہد عباسی نے شروع ہوکر اپنے لہو و لعب اور جسمانی عیش و عشرت کے سیلاب میں ہمیشہ کے لیے غرق کردیا -

مجنوں پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھہ لینا چاہیے کہ یہ قصہ محض افسانہ ہے - صحیح تنقید ہرگز اِس کا وجود تسلیم نہیں کرسکتی - اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصلہ کروگے - جسکے نام نسب ' قبیلہ ' اور واقعات میں اتفاق کی جگہ سخت اختلاف ہو ؟ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ راوی خود اُس کے وجود پر متفق نہ ہوں اور اُسکے حالات سخت مشتبہ لہجہ میں روایت کرتے ہوں ؟

ایسے شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہو سکتی ہے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہانی صرف اس وجہ سے روایت کرنا چاہتا ہے کہ اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ہے ؟ پھر لطف یہ کہ روایات کی صحت کی ذمہ داری لینے سے اسے پوری طرح انکار ہے - وہ پورا بوجھہ اصلی راویوں کی گردن پر ڈال دیتا ہے اور خود الگ ہو جاتا ہے راویوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ' بجز رواۃ حدیث کے ' زیادہ محتاط نہ تھے - اکثر مشتبہ واقعات بھی بیان کر جاتے تھے - لیکن باوجود اپنی اس بے احتیاطی کے وہ مجنوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاہر کرتے ہیں - نیز اُسکا نام ' نسب ' حلیہ ' اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کرسکتے - پس جب خود اصل راویوں کا یہ حال ہے ' تو کیا ہمارے لیے یہ سمجھنا نا مناسب ہوگا کہ مجنوں محض ایک افسانہ ہے ؟

ہے ' تو اِس کي بنياد غالباً اسي طرح اور اسي عهد ميں پڑي تھي -

اگر ايک طرف شاهي و تاجداري کي پيدايش اور اُس کي درجه به درجه ترقي سامنے رکھي جاے ' اور دوسري طرف تصور الهي کي اس کڑي پر اور اُسکي تمام ارتقائي کڑيوں پر نظر ڈالي جاے ؛ تو به يک نظر واضح هوجايگا که دوسرا تصور ' ٹھيک ٹھيک پہلے کا عکس ہے ' اور دونوں نقشے ايک هي ذهني مبدء سے نکلے هيں - انسان نے ايک هي زمانه ميں اور ايک هي طرح کے ذهن و خيال سے حکومت و کبريائي کے دو تخت بنالئے - ايک زمين پر آراسته کيا - دوسرا آسمانوں کي ملکوتي فضا ميں بچھا ديا - ايک پر وہ اپنے ابناء جنس کو بٹھا کر اُن کے سامنے اطاعت و غلامي کا سر جھکاتا - دوسرے پر اپنے خدا کا جاه و جلال ديکھکر سر بسجود هو جاتا -

يه جو مختلف قوموں کے قديم الهي تصورات ميں هم ديکھتے هيں که چھوٹے اور بڑے خداؤں کي تقسيم کي گئي ' هر جگه کيليے محلي (مقامي) خداؤں اور آسماني سرپرستوں کا تخيل پيدا هوا - نذر' بھينٹ ' اور قرباني' کي پيش کش ضروري سمجھي گئي' تقرب الهي کے ليے وسائط و وسائل کے عقيده نے رواج پايا ' بڑے خدا تک پہنچنے کيليے چھوٹے خداؤں کي شفاعت ضروري تصور کي گئي ' معبودوں کے غضب و انتقام سے بچنے کيليے طرح طرح کے مادي اعمال استعمال ميں لائے جانے لگے ' خدا کي تمثيلي صورت کي نشست کيليے تخت يا تخت کے قسم کي کوئي چيز ضروري سمجھي گئي ' اُس کے سر کي آراستگي کيليے " تاج " بھي وضع کيا گيا ' اور اُس کي حکمراني کے انصرام اور مشوروں کيليے دربار اور دربار کے ارکان بھي پيدا هوئے ؛ تو يه تمام باتيں في الحقيقت دنيا کي شاهي و حکمراني هي کا پرتو هيں -

دنيا ميں جس وقت سے شاهي و حکمراني کي بنياد پڑي ہے يه تمام باتيں اُس کے لوازم و خصائص ميں سے سمجھي جاتي هيں اور مفهوم حکومت کے بنيادي اجزاء هيں - طاقت اور اختيار کي سب سے بڑي بڑائي بادشاه کيليے هوتي ہے - ليکن پادشاه بذات خود تمام کار و بار حکومت انجام نہيں دے سکتا اور نه دينا پسند کرتا ہے - اُس کے ماتحت وزير و امير هوتے هيں ' اور وہ احکام شاهي کے مطابق تمام کام انجام ديتے هيں - اسي چيز نے تصور الهي ميں بڑے معبود اور چھوٹے معبودوں کا تخيل پيدا کيا - خيال کيا گيا که چھوٹے معبود بڑے معبود کے نيچے رهکر کائنات قدرت کے تمام کار و بار انجام ديتے هيں -

يهيں سے تصور الهي ميں " تقسيم عمل " کا تخيل بھي ترقي پذير هوا - حکومت اور انتظام کے هر صيغه کے ليے کوي ايک امير اور وزير مقرر هوتا اور هر بستي اور شهر کے اوپر کوي ايک حاکم با اختيار هوتا - پادشاه سب کے اوپر تھا ' ليکن رعايا کا علاقه اپنے اپنے حاکموں سے تھا - براه راست پادشاه سے نه تھا - حاکموں اور وزيروں کو اختيار پادشاه هي سے ملتا ہے ' ليکن جب مل جاتا ہے ' تو وہ اپنے اپنے دائرۂ حکومت ميں خود مختار هوتے هيں - رعايا کا فرض هوتا ہے که اُنهي کے کہے پر چلے اور اپني ساري داد فرياد اُنهي کي چوکھٹوں پر لے جاے - اسي تقسيم عمل اور حکومت بالوسائط کا نقشه تصور الهي ميں بھي قائم هوا - اور پہلے کارخانۂ کائنات کے هر صيغه کے ليے الگ الگ خداؤں کي ' پھر زمين کے هر حصے اور آبادي کے ليے محلي خداؤں اور کارسازوں کي تقسيم عمل ميں آئي - يه بات که خدا تک براه راست کوئي نہيں پہونچ سکتا - هر انسان کي پہونچ صرف درميان کے وسيله هي تک هو سکتي ہے ' اور اُسي کے وسيله سے وہ معبود حقيقي تک پہونچ سکتا ہے ' ٹھيک ٹھيک يهي بات تھي که کوي آدمي براه راست پادشاه تک نہيں پہونچ سکتا - هر شخص کي پہونچ صرف اپنے اپنے حاکموں اور وزيروں اميروں هي تک هو سکتي ہے - وہ چاهيں تو دربار شاهي تک بھي پہنچاديں -

پادشاهوں تک عوام کا براه راست نه پہنچ سکنا ' شاهي عظمت و کبريائي کے تخيل کا نتيجه تھا - بنياد اس خيال کي يه تھي که جو شخصيت جس قدر بھي عوام کي رسائي سے بلند هوگي ' اُتني هي عظيم اور مقدس هوگي - جوں جوں يه تخيل پادشاهوں کي شخصيت کے ساتھه ترقي کرتا گيا ' اور اُن تک پہنچنے کے ليے نئے نئے واسطے اور وسيلے بنتے گئے ' خدا کے تصور ميں بھي ايک منظم سلسلۂ وسائل کا تخيل پيدا هوتا گيا - اس تخيل کي انتها يه تھي که کوي انسان معبود حقيقي سے واسطه پيدا هي نہيں کر سکتا - اُسکے علاوه جو کچھه بھي اور جيسا کچھه بھي ہے ' صرف وسائط سے ہے - يعنے اُن کارفرما طاقتوں سے ہے جن کے سپرد تدبير عالم کا تمام کارخانه کر ديا گيا ہے - اسي طرح نذرانه' پيش کش ' قرباني ' بھي ٹھيک ٹھيک وهي بات ہے ' جو ايک طرف انساني پادشاهي و سروري کے ليے وجود ميں آئي ' دوسري طرف تصور الهي ميں بھي سرايت کر گئي -

علم مصريات Egyptiology سے مصر کے قديم الهي تصورات پر نهايت قيمتي روشني پڑتي ہے - اس سے معلوم هوتا ہے که مصريوں کے سب سے زياده قديم معبود وهي تھے جنهيں محلي يا جماعتي معبود کہنا چاهيے - حضرت مسيح (عليه السلام) سے تقريباً نو هزار برس پہلے تمام سر زمين مصر محلي معبودوں ميں منقسم تھي - اِس عهد کے ايک هزار برس بعد (يعنے ۸۰۰۰ - قبل مسيح) مدن ايسے معبودوں کا تصور پيدا هوا جو محلي نه تھے - مثلاً " ازيي ريس " اور اُس کے ثالوث کي پرستش شروع هوي جو انسانيت کا ديوتا تسليم کيا جاتا تھا - بعض کتبوں سے معلوم هوتا ہے که اس عهد کے بعد مشرق سے کواکب پرستي کا تخيل مصر پہنچا اور " رارب " (سورج کے ديوتا) کا عالمگير اقتدار تسليم کر ليا گيا - هيرودوٹس کا زمانه اس عهد کے هزاروں برس بعد مصر پہنچا ہے ' ليکن اُس نے بھي يه پراني روايتيں معلوم کي هيں - وہ لکھتا ہے که مصر کے قديم زمانے ميں هر هر بستي کيليے الگ الگ خدا تھا - جب ايک آدمي اپنے گانوں سے نکل کر کسي دوسرے گانوں ميں جاتا تھا ' تو جب تک وهاں رهتا ' اپنے گانوں کے خدا کي پرستش ترک کرديتا اور اُسي دوسرے گانوں کے خدا کي پوجا کرتا " کيونکه وہ لوگ يقين کرتے تھے که ايک مقام کا خدا صرف اپني هي حکومت ميں کارسازي کي قدرت رکھتا ہے - دوسرے مقام کے انتظامات ميں دست اندازي نہيں کر سکتا " !

مصر کي طرح هندوستان بھي قديم تمدن کي سب سے بڑي قدامت رکھتا ہے - يهاں بھي محلي اور قبائلي معبودوں کا تصور' اقتدار الوهيت کي درجه بدرجه تقسيم ' کارخانۂ کائنات کے نظم کيليے تقسيم عمل ' اور اسي طرح کے تمام تخيلات ' اسي عهد کے نشؤ و نما کا پته ديتے هيں -

يونانيوں کے تصور نے توکوه المپس کے معبودوں کا ايک پورا دربار حکومت ترتيب ديديا تھا جسکا مرقع آج تک در و ديوار کي آرايش کا کام دے رها ہے اور جسکے مناظر هومر کي زنده جاويد اليڈ ميں بار بار

تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الهی کی تکمیل
اور
اس کا سلسلۂ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کي شرح و تفصیل کا صرف ابتدائي حصہ درج هوسکا - جس مقام پر پہلا مقالہ ختم هوا هے ' اسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل هے - خلاصہ اس کا یہ هے کہ علم الآثار اور قدیم اصنامي و مذهبي روایات و قصص سے معلوم هوتا هے کہ اِس ابتدائي دور میں تصور انساني درجہ بدرجہ حسب ذیل منزلوں سے گزرا - یہ گویا اس سلسلۂ ارتقا کي پہلي اصولي کڑي کي فرعي کڑیاں تهیں :

(۱) ایک مجہول خوف و دهشت کا تصور -
(۲) ابتدائي تشخص و تعین -
(۳) مظاهر فطرت کي مہلک اور سلبي قوتوں کا تصور -
(۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں ما فوق الطبیعة طاقتوں کا تخیل -
(۵) غیر مرئي دیوتاؤں کا تصور -
(۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور -
(۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاهر میں تقسیم عمل کا تصور - یعني اس تصور کي ابتدا کہ هر چیز کي تخلیق و نگراني کیلیے الگ الگ خدائي طاقتیں هیں - آگے چلکر یہ تقسیم عام هوگئي - لیکن اس دور میں صرف فطرة کے سلبي اور تخریبي افعال میں هوئي تهي -

(صفات رحمت و جمال کي آمیزش)

ایک مدت تک ذهن انساني صرف صفات قہر و جلال هي کا تماشائي رها - خود اُسکا ذهني مزاج بهي ابهي رقیق و لطیف صفات کے نشو و بلوغ سے محروم تها ' اسلیے وہ خدا کے تصور میں بهي اُن کا جلوہ نہیں دیکهہ سکتا تها - لیکن جب کچهہ عرصہ کے بعد انسان کي مدني زندگي نے چند قدم آگے بڑهاے اور اجتماعي معیشت میں ترقي هوي ' تو معیشت کے نظم ' روابط کے قیام ' علائق کي وسعت ' زندگي کے امن ' اور عقل و ادراک کے منجهہ جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اُتنا تنگ نہیں رها ' جس قدر پہلے تها - اس لیے قدرتي طور پر اُسکے جذبات و امیال کي کیفیت میں بهي ترقي هوي ' اور ابتدائي زندگي کي سختي اور نا تراشیدگي کي جگہ رقت و لطافت کے احساسات اُبهرنے لگے - اس حالت کا لازمي نتیجہ یہ تها کہ تصور الهي کے دائرہ میں بهي ایک نئي وسعت پیدا هوگئي ' اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا هونے لگا -

یہ تصور الهي کي دوسري اصولي کڑي هے - اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکها کہ خدا کا چہرہ اگرچہ غضب و هیبت کے خال و خد سے هولناک هے ' لیکن کبهي کبهي اس پر رحمت و جمال کا تبسم بهي طاري هوجاتا هے - یہ تبسم ابتدا میں بہت هلکا تها - جوں جوں انسان کے لطیف جذبات منجهتے گئے ' یہ تبسم جمال بهي زیادہ نمایاں اور دلاویز هوتا گیا - یہانتک کہ انسان کے تصور الهي میں قہر و جلال کے ساتهہ ' رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بهي شامل هوگیا -

یہ رحمت و جمال کے دور کي ابتدا تهي - اس دور میں خدا کي ایجابي صفات کا تصور بالکل ابتدائي اور ناقص حالت میں شروع هوتا هے ' اور ایک خاص حد تک نشو و نما پاتا هے - ابتدائي درجہ میں اسکا عنصر بہت خفیف هوتا هے - آگے چل کر زیادہ نمایاں هوجاتا هے - تاهم مجموعي حیثیت سے غلبہ قہر و جلال کي صفات هي کا رهتا هے -

(تجسم و تمثل کا دوسرا قدم)

اِس دوسرے دور میں تجسم و تمثل (یعني خدا کي صفات کو مخلوق کي صفات کي طرح تصور کرنے) نے بهي ایک بہت هي سست قدم آگے کي طرف بڑهایا - تنزیہہ کي منزل ذهن انساني کیلیے بڑي مشکل اور بڑي هي دور کي منزل تهي - اسلیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں اُٹهہ سکتے تهے - تاهم اُٹهتے تهے ' اور اهستہ اهستہ تمثل کي سطح بلند هوتي جاتي تهي -

پہلے تمثل سرتا سر ادنی قسم کے حیواني صفات کا تها - کیونکہ خود انساني صفات بهي اسي درجہ میں تهیں - پهر انسان کي معنوي ترقي کے ساتهہ ساتهہ تمثل کي نوعیت میں بهي ترقي هوتي گئي ' اور اونچے درجہ کي حیواني صفات سے تصور آشنا هوگیا - پهر اس میں بهي ترقي هوئي - انساني اور کائناتي صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کي نظروں میں آ سکتے تهے ' اُن سے خدا کا تصور آراستہ کیا جانے لگا -

(الوهیت اور شاهیت)

مثلاً جب اجتماعي معیشت کي ترقي و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور هوا ' اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کرکے اپني شاهي و مالکي کي عظمت و سطوت پیدا کرلي ' تو ذهن انساني کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونہ آگیا - اسلیے قدرتي طور پر وہ خدا کے تصور میں بهي ایک طرح کي شاهي و حکمراني کا جاہ و جلال دیکهنے لگا ' اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بهي پیدا هوگئے ' جو دنیا کے بادشاهوں اور انکے درباروں میں پیدا هوگئے تهے - یہ جو آگے چلکر خدا کے عالمگیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کرگیا - حتی کہ آج خدا کا نام سنتے هي همارے تصور میں ایک بڑے بادشاہ کے تخت عظمت و جلال کا نقشہ پیدا هوجا

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم كے بيش بہا جواھر ريزي

اس سلسله ميں هم نے اماميں كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پايه عربي تصانيف كے أردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نہايت ضروري و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلۂ تراجم" بد نصيب هندوستان كي دماغي اصلاح كا كام دے :

أسوۂ حسنه — امام ابن قيم كي فن سيرت ميں شهرۂ آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا أردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كي بحث كے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كي مبسوط بحث كي هے - بلا جلد ازهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورۃ الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا أردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقى — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضروري حالات زندگي نہايت خوش اسلوبي سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضا مصري كي تازه كتاب كا أردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس كے خريدار كو هم نے كمال كوشش و كاوش سے أردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں كي تمام اهم اور اعلى مطبوعات كے متعلق بہترين تازه معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان اين دفتر پارينه را
تازه خواهى داشتن گر داغهاے سينه را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كي نئي روح پيدا كرني چاهتا تها ' اس لئے اس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراق كا مجموعه تها - اس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اسكا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس كي ظاهري خوبياں أردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پہلا نمونه تهيں - اردو كا وه پہلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير كے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجه سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوگئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نہيں - اس كي جلديں جديد أردو علم ادب كے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث كا بہترين مجموعه هيں - ان كي مقبوليت و قدر كا اندازه اس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شائقين علم و ادب نے اس كي تمام جلدوں كا مكمل سٹ سات سو روپيه ميں خريد كيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اس كي پہلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده كرنے كيليے تيار نہيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاک نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايک ذخيره الهلال كے پرچوں كا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شائقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جا سكتي هيں مرتب كرلي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايک دو پرچوں كي كمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه كوشش ايک حد تک مشكور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں كے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوگئي هيں - هم اس اعلان كے ذريعه شائقين علم و ادب كو آخري موقعه ديتے هيں كه اس قيمتي ذخيره كے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكه جلدوں كي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسكي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پہلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه   الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه
" " " چهارم ۱۰ روپيه   " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيكنگ اس كے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

ہمارے سامنے آتے ہیں - اس دربار میں زفس یا زیوس Zeus (مشتري) عصاء شاہي ہاتھہ میں لیکر تخت ریاست پر متمکن ہوتا - ہیرا اُسکي بیوي ملکه کي طرح اُسکے بائیں جانب بیٹھتي - دونوں طرف تخت کے نیچے بقیه معبود اور دیوتا بیٹھتے ' اور ہیبیا Hebe (زفس کي بیٹي اور شباب کي دیوي) ساقي گري کا فرض انجام دیتي - ہومر الیڈ کي چوتھي نظم شروع کرتے ہوے کہتا ہے :
" دیوتاؤں نے زفس کے گرد مجلس شوریٰ آراسته کي - سنہري ایوان میں سب جمع ہوئے - ہیبیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دي " الخ !

ہندوستان اور یونان ' دونوں نے اپنے معبودوں کیلیے سر بفلک پہاڑ کي پراسرار چوٹیاں منتخب کي تہیں- ہندوستان میں ہماله کي برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں - یونانیوں کے پاس ہماله جیسا پہاڑ نه تہا ' لیکن المپس کي ابر آلود چوٹیاں کافي بلند تہیں - اُنہوں نے خیال کیا ' ابر کے پر اسرار اور ہیبت انگیز پردہ کے پیچہے اُن کے معبودوں کا دربار جاہ و جلال آراسته ہے !

دیوتاؤں کیلیے طرح طرح کي سواریوں کا تخیل ' ہندوستان ' یونان ' اور مصر کے مقدس رتھہ ' آشور اور بابل کے تخت رواں ' ایران کا عجیب الخلقت مرکب ؛ سب اسي تخیل کے برگ و بار ہیں - ہندوستان ' مصر ' یونان ؛ تینوں نے معبودوں کي سواري کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان ویسے ہي آراسته کیے تہے ' جیسے پادشاہوں کي سواریاں اُن وقتوں میں نکلا کرتي تہیں - علم و تاریخ کي خوش قسمتي سے اُن عہدوں کي شاہیت اور الوہیت : دونوں کے نقشے ہمارے سامنے آگیے ہیں !

پادشاہت اور اُلوہیت کے اسي تماثل کا نتیجه تہا که دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفي لزوم و علاقه پیدا ہوگیا - یعني دونوں باہمدگر ایک دوسرے کے تخیل سے اِسطرح متاثر و منفعل ہونے لگے که ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ' اور دوسرے کے اثر سے پہلا متاثر ہوتا - کیونکه دو قریب قریب اور متماثل تخیل بہ یک وقت نشوؤ نما پانے لگے تہے - اگر ایک طرف شاہي و سروري کے اعتقاد نے خدا کے تخیل میں اپنا ساز وّ سامان حکومت پیدا کر دیا ' تو دوسري طرف خدا کے تصور کي شان الوہیت و تقدیس ' شاہي و سروري میں بہي پیدا ہوگئي ' اور اس طرح ذہن انساني کے لیے دو ہم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار ہوگیا -

یہیں سے انساني پادشاہت میں شانِ اُلوہیت و کبریائي کے اعتقاد کي بنیاد پڑي- ہندوستان ' مصر ' دو آبۂ دجله ؤ فرات ' اور ایران ' قدیم تمدن کے چار بنیادي مقامات ہیں ' لیکن ان چاروں جگہوں کي تاریخ میں شاہي و سروري کے تاج کے گرد ' اُلوہیت و سماویت کا مقدس ہاله نظر آرہا ہے - ہندوستان اور مصر میں پادشاہ کا منصب ایک آسماني منصب تسلیم کیا گیا - اُن کے خاندان ' نسب ' پیدایش ' نشو و نما ' موت ' اور ہر طرح کے معاملات میں غیر انساني قسم کے اسرار و رموز کي تقدیس پیدا ہوگئي - وہ خود بہي ایک دیوتا ہوگئے ' خدا کا مظہر ' اوتار ' اور پہر زیادہ ہلکے لفظوں میں خدا کا سایه تسلیم کیے گئے ' اور " مشبه " اور " مشبه به " کا امتیاز اس طرح اُٹھه گیا که اب اس کا فیصله دشوار ہوگیا ہے که ان دونوں چیزوں میں " مشبه " کون تہا اور " مشبه به " کسے قرار دینا چاہیے ؟

یه جو تمام قدیم قوموں میں اُنکي پادشاہتوں کي ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کي گئي ہے ' یا پادشاہوں کا سلسلۂ نسب اجرام سماویه سے ملا دیا گیا ہے ' یا پادشاہت کي ابتدا آغاز خلقت کے کسي ایسے عہد سے ہوتي ہے جب دیوتاؤں اور آسماني طاقتوں کے ما وراء طبیعت کارنامے انجام پا رہے تہے ؛ تو یه بہي اسي صورت حال کا قدرتي نتیجه ہے - قدیم مصریوں کا عام اعتقاد تہا که تخت مصر پر پہلا دور دیوتاؤں کي براہ راست حکومت کا گزرا ہے - دوسرا دور ایسے انسانوں کي حکومت کا تہا جن میں پوري نہیں آدہي دیوتائي تہي - بیس ہزار برس جب ان دونوں دوروں پر گزر چکے ' تب انسانوں کا دور حکومت شروع ہوا - ہندوستان میں بہي چندر بنسي اور سورج بنسي خاندانوں کا تخیل قائم ہوا ' جنکا سلسلۂ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم ہوتا ہے - آشوریوں اور بابلیوں کا بہي یہي خیال تہا - وہ کہتے تہے ' پادشاہت کا سب سے پہلا سلسله سورج دیوتا سے شروع ہوا ہے -

انساني پرستش کے تخیل نے بہي اسي دور میں نشوؤنما پائي - تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کوئي بلند طاقت حاصل کر لیتے تہے ' بہ آساني دیوتاؤں کا درجه حاصل کر لیتے - عجب نہیں اِس کي ابتدا اِسي الوہیت اور پادشاہت کے تشابه سے ہوئي ہو -

مظاہر فطرۃ کي پرستش کے سلسله میں اجرام سماوي کي پرستش بہي اسي دور میں شروع ہوئي ' اور انساني تخیل نے بہ تدریج اپنے ماحول سے متاثر ہوکر اُن کي جسماني شکل و شباہت وضع کر لي - غالباً کواکب کي مختلف جسماني صورتیں سب سے پہلے دو آبۂ دجلۂ و فرات میں پیدا ہوئي ہیں - اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکبي اصنام کي پرستش کا ظہور ہوا ' اور اُن کي الٰہي روایات نشوؤ نما پانے لگیں - پہر ایک مدت کے بعد جب علم ھئیۃ کي ابتدائي معلومات سے انسان آشنا ہوا ' تو کواکب پرستي کے تخیل میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا ہوگیا ' اور ذہن و فکر کي رقت و لطافت ترقي کرنے لگي -

مختارات

شرم اور خاموشي ' عورت کا بہترین زیور ہے -- اریڈس

تہوڑي فرقت محبت کو بڑہاتي ' اور زیادہ فرقت محبت کو قتل کر ڈالتي ہے — میرابو

عورت کے محبت بھرے دل سے زیادہ بڑي چیز دنیا میں کوئي نہیں — لوتہر

عورت اس لیے پیدا کي گئي ہے که مرد کو مانوس کرے — والٹیر

مرد کو خدا سے ہمیشه دعا کرني چاہیے که عورت اُس کي حقیقت نه جانے پائے — ٹہیکرے

آدم سب سے زیادہ خوش نصیب انسان تہا - کیونکه اُس کي ساس نه تہي — پارفیه

(اتفاق سے ایک شعري خطاب)

" اتفاق ' آہ تم کیا جانو اتفاق کیا ہے ؟ اتفاق ایک سفید کبوتر ہے جو اپني چونچ میں زیتون کي شاخ لیے ہوئے ' ناتفاقي کے طوفان سے نجات دینے کي خوش خبري سنا رہا ہے !

اتفاق چہچہاتي ہوئي ایک بلبل ہے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزدہ دلوں میں طرب پیدا کر رہي ہے !

اتفاق ' خوبصورت عندلیب ہے - آسمان میں اڑتي چلي جاتي ہے ' اور وہاں سے نسیم جنت بن کر واپس آتي ہے !

اتفاق ' آسماني فرشته ہے جو اپنے نوراني پر بہادر روحوں پر پہیلا دیتا ہے ! "

الہلال

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۱ | کلکته : جمعه ۲۷ - صفر ۱۳٤٦ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٦٥٧ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۸٤	اردو حروف کی حق مین	۲۱۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۲۱	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۸٦	نستعلیق هون	٥٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح و [illegible] کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه [illegible] بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الهلال

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - بارہ روپیہ

ہندوستان سے باہر کیلیے - - سولہ روپیہ

قیمت شش ماہی - - - سات روپیہ

قیمت فی پرچہ - - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں، انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع اپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طاھه حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوي تو صرف اختلاف بیان ھي پر قانع ھیں لیکن ثقه راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں ہے - میں تمام اقوال پیش کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاھتا - آغاني کي پہلي اور دوسري جلد میں کافي ذخیرہ موجود ہے ' اور بآساني دیکھا جا سکتا ہے -

بعض راویوں کا انکار تو اِس درجه تک بڑہ گیا تھا که وہ کہتے تھے :

" بني عامر (مجنوں کے قبیله) کے دل اِس قدر ٹھوس ھیں که ان میں اِتني زیادہ محبت ھو ھي نہیں سکتي - ھاں بے عقل باشندگان یمن سے یه بعید نہیں - لیکن بني نزار اِس سے کوسوں دور ھیں "

ایک اور راوي تصریح کرتا ہے :

" میں قبیلۂ عامر کے ایک ایک خاندان میں پھرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا - مگر کسي نے بھي اُس کي واقفیت کا اظہار نہیں کیا - بلکه سخت انکار کیا "

ایک دوسرے راوي کا بیان ہے :

" میں نے بني عامر کے ایک بدوي سے مجنوں کا حال پوچھا - اُس نے بہت سے عامري مجنونوں کے نام بتائے اور اُن کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رھا "

پھر اُن راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوي ھیں - وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ھیں ' حتی که اُس کے نام تک پر متفق نہیں - کوئي قیس بتاتا ہے - کوئي مہدي کہتا ہے - کوئي اقرع قرار دیتا ہے - کوئي بحتري پر زور دیتا ہے - پھر اُس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع ھوجاتا ہے - پھر خود اُس کا جنون بھي سب تسلیم نہیں کرتے - کوئي کہتا ہے ' وہ بالکل دیوانه تھا - کوئي اُسے عاقل گردانتا ہے - اصمعي کا قول ہے " وہ مجنون نہیں تھا - صرف ابو حیه نمیري کي طرح تھوڑي سي سنک تھي " اِس کے بعد یه بحث شروع ھوتي ہے' آخر وہ مجنوں کیسے مشہور ھوا ؟ بعض کہتے ھیں " وہ پہلے ھي سے دیوانه تھا " بعض اِس کے خلاف ھیں اور یه وجه بیان کرتے ھیں که " اُس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تھا - اِس لیے اُس کا یه لقب پڑگیا جیسا که بہت سے شعراء کا حال ہے - مثلاً نابغه " اختلاف ابھي ختم نہیں ھوتا ' بلکه جنون کے سبب تک پہنچتا ہے - کچھه لوگ کہتے ھیں " محبت نے اُسے دیوانه بنا دیا تھا " بعض کہتے ھیں " در اصل اُس نے اپنے ایک شعر میں خدا کي مشیئت پر اعتراض کیا تھا ' اس لیے خدا نے اُس پر اپنا قہر نازل کیا ' اور دیوانه ھوگیا "

وہ شعر یه ہے : (اور کیا بے نظیر شعر ہے !)

قضاها لغیرِي و ابتلاني بحبها
فهلا بشیئٍ غیر لیلی ابتلانیا ؟

(خدا نے میري محبوبه کو تو دوسرے کے لیے کردیا - لیکن مجھے اُس کي محبت میں مبتلا کردیا - کیا یه نہیں ھو سکتا تھا که لیلی کے سوا مجھے کسي دوسري مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راوي اِس کا رد کرتے ھیں - اُن کا بیان ہے که خدا کا قہر جنون کي شکل میں نہیں بلکه برص کي شکل میں اُترا تھا - غرضکه جتنے منهه اُتني ھي باتیں ھیں - ایسي صورت میں کون یقین کرسکتا ہے که مجنوں جیسا کوئي مشہور شخص دنیا میں کبھي موجود تھا ؟

بلا شبه یه اعتراض پیدا ھوتا ہے که اگر مجنوں موجود نه تھا تو یه پورا قصه کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ہے - ابن کلبي لکھتا ہے :

" بني امیه کا ایک نوجوان اپني چچیري بہن پر عاشق ھوگیا تھا - جوش عشق میں اُس نے اشعار کہے - پھر ڈرا ' مبادا راز کھل جائے اور طرفین کي رسوائي ھو - لہذا اُس نے اس راز داري کے لیے مجنوں کا نام اختراع کرلیا اور اپنے اشعار اُس کي طرف منسوب کردیے "

پھر ھم یه بھي جانتے ھیں که اُس زمانه میں شعر و ادب کے ایسے راوي موجود تھے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمي صحبت کے لیے داستانسرائي کرني تھي - وہ اشعار و حکایات بنائے تھے اور بصرہ ' کوفه ' بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے - جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کردیا کرتے ھیں - یه معمولي لوگ نه تھے - اِن میں ایسے لوگ بھي داخل تھے جنھیں آج کل نقه راوي یقین کیا جاتا ہے - اِنھوں نے اشعار و حوادث گڑھنے میں غیر معمولي مہارت حاصل کي تھي - وہ صاحب علم و فکر تھے - اس لیے اُس زمانه میں بھي عوام اُنھیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کي روایت بغیر شک و شبه کے قبول کر لیتے تھے - اس طرح کے راویوں میں سے دو راویوں کے نام میں یہاں پیش کرونگا - " حماد راویه " اور " خلف احمر " ان دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعي واقعات و اشعار بنائے ھیں - یه دونوں عربي زبان کے ماھر اور بدوي فضائل سے بھي بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے - دونوں اپنے دین میں مبہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے - بعض ھم عصر شعراء انکے شریک حال ھوئے تھے - اسلیے ان کے راز جانتے تھے اور انکي صداقت میں شبه ہوتے تھے -

یه حال صرف رواۃ ادب و شعر ھي کا نہیں ہے - اھل علم جانتے ھیں که انساب ' سیر ' اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوي بھي ایسے ھي تھے - سیرت ابن ھشام اٹھاکر دیکھو - اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے - لیکن خود ابن ھشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ہے " فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے ھیں "

کے باپ نے قیس کو اپني لڑکي دینے سے انکار کردیا - سبب یہ بتایا کہ قیس اُس کي لڑکي پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہوچکا ہے - بعینہ یہي واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھي پاتے ہیں - یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تھا - راویوں کا بیان یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھي کہ وہ عاشق سے لڑکي کا بیاہ نہیں کرتے تھے - میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط ؟ عرب جاهلیة کا دستور تو اِس کے برعکس تھا - گمان غالب یہ ہے کہ راویوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تاکہ عشقیہ قصوں میں عشاق کي محرومیوں کي ایک معقول وجہ هاتھہ آجاے -

یہ واقعہ بھی کچھہ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفۂ وقت نے اعلان کردیا تھا کہ اگر قیس ' پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھي لیلی سے تعرض کرے تو قتل کرڈالا جائے - پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھي اکثر عشقیہ قصوں میں دھرایا گیا ہے - ہم بجا طور پر سوال کرسکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلیے بجز اِسکے کوئي کام باقي نہیں رہا تھا کہ بدوي عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت کرتے رہیں ؟ کبھي اُنکے قتل کا حکم دیں - کبھي اُنہیں معاف کردیں ؟ آخر وہ کون سي شرعي بنیاد تھي جس کي بنا پر وہ اِس قسم کے احکام صادر کرتے تھے ؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کي تعزیر قتل ہے ؟

اِسي طرح یہ واقعہ بھي ایک پر لطف ایجاد ہے کہ قیس جنون عشق میں وحشي ہوگیا تھا - اِیسا وحشي کہ اُس کا جنگل کے سوا کہیں جي نہیں لگتا تھا - ہرنوں سے موانست ہوگئي تھي - اور شب و روز کا ساتھہ تھا - داستان گو کي مبالغہ پسندي کے لیے اِتنا کافي نہ تھا - وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے ' اور ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک دن وہ (راوي) قیس کي جستجو میں اُس درخت تک پہنچ گیا جسکے نیچے قیس ہرنوں کے ساتھہ بسیرا لیتا تھا - اور اِس طرح پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکي خبر ہوئي ' نہ اُسکے رفیق و مونس ہرنوں کو - پہلے یہ سراغ رساں راوي چپکے سے درخت پر چڑہ جاتا ہے ' پھر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شروع کردیتا ہے - ہرن آواز سنتے ہي بھاگ گئے - قریب تھا کہ قیس بھي چل دے - مگر راوي نے فوراً لیلی کا نام لے لیا - علي بابا کے " سم سم " کي طرح " لیلي " کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کي وحشت دور ہوگئي - اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا - لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرني نظر آگئي اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازہ ہوگیا !

یہ سب راویوں کا تخیل و تصنع ہے - ہم اِسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھہ سکتے - یہ مبالغہ کي ایک خاص قسم ہے - داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہوجاتے ہیں تو بے سروپا باتیں شروع کردیتے ہیں - اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہي چیز نظر آتي ہے - دنیا کي سب سے پراني قصصي نظم الیڈ کا بھي یہي حال ہے - یوناني شعر و ادب کے مغربي نقادوں نے اِسي اسلوب پر الیڈ کي بھي تنقید کي ہے - اُسکے غیر معقول رکیک ' اور مبالغہ آمیز اشعار ' کم زور شعراء کا الحاقي کلام قرار دیا ہے - اور معقول و دلچسپ اشعار کو ماہر شاعروں کا تخیل بتایا ہے - (یعنے اُن مغربي نقادوں نے جنہوں نے ہومر کے حقیقي وجود سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھہ بہت رعایت کي جائے اور اُسے محض خیالي شخص نہ قرار دیا جائے ' جب بھي اُسکے مشکوک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہوسکتا - بلا شبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے - لیکن ہمیں علم و حقیقت کي خاطر کبھي کبھي اس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے -

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربي قصے موجود ہیں - یہ قصے کئي باتوں میں باہم مشترک ہیں اور کئي باتوں میں مختلف ہیں - مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیروز) بدوي ہیں - سب کی محبت یکساں طور پر انتہائي قسم کي ہے - محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑي بڑي تکلیفیں دیں - سب کي محبت پاک تھي - سب نے تقریباً ایک ہي طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے - سب کے اشعار رقیق اور تقریباً ایک ہي درجہ کے ہیں - سب کے واقعات ' مصائب ' طرز عمل ' اور خلفاء و حکام کي مداخلت کي نوعیت بھي یکساں ہے - اختلاف صرف اُن کے ناموں مین ہے ' اُن کے قبائل میں ہے ' یا اُس ماحول میں جس میں انھوں نے پرورش پائي تھي -

قیس بن ملوح (مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریح (عاشق لبنی) میں شک کرنے کے بعد ہمیں اُن کي جگہ دوسرے اشخاص یا دوسري چیزیں قائم کرني چاہئیں ' ورنہ بحث بے نتیجہ ہوگي - نفي و سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے - میري رائے میں قیس بن ملوح ' قیس بن ذریح ' جمیل بن معمر ' اور عروہ بن حزام کي جگہ صحیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود ہے - یعني عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) میرا یقین ہے کہ یہ فن ' عہد اموي میں ظاہر ہوچکا تھا ' یا کم سے کم اُس کي نمایاں بنیادیں پڑچکي تھیں - آہستہ آہستہ اِس میں ترتیب و ترقي ہوئي ' یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ زمانہ کي عشقیہ قصہ نویسي کے قریب قریب پہنچ گیا -

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کي کوئي پروا نہیں کہ قیس بن ملوح کي شخصیت تاریخي ہے یا غیر تاریخي ؟ میرے سامنے چند عشقیہ قصے موجود ہیں : قصۂ قیس بن ملوح ' قصۂ قیس بن ذریح ' قصۂ جمیل بن معمر ... وغیرہ - اب میري بحث کا موضوع یہ قصے ہیں جنہیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے ' نہ کہ خود عشاق - مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاہیئیں جنہوں نے یہ قصے بنائے - نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں - مجھے قصہ نویسوں کي اختراعي قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کي مہارت فني سے بحث کرني ہے - مجھے اُس ادبي فن پر غور کرنا چاہیے جو ادب و علوم کي دوسري شاخوں کي طرح ' اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تھا ' اور اسلامي تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہوگیا -

بلا شبہ میں جانتا ہوں ' اِس بحث کي راہ میں سخت موانع درپیش ہیں - یہي ایک مانع کیا کم ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں - تاہم ہمیں چاہیے کہ ادب عربي کي خصوصیات و کمالات کي تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار وادی میں قدم اُٹھائیں ' اور اِن قصوں کا ادبي تجزیۂ و تحلیل کرکے اُن کا عیب و ہنر الگ الگ دکھادیں - ہمیں چاہیے کہ عہد اموی کے اُن ادبي ' اخلاقي ' سیاسي ' اجتماعي ' اسباب کا سراغ لگائیں جنہوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کي ' اور پھر ان اسباب کي بھي جستجو کریں جنسے عہد عباسي میں یہ تمام عمارتیں منہدم ہوگئیں -

اصل یه هے که عرب ' روم ' ایران ' اور یونان؛ باهم بهت حد تک مشابه هیں - رومیوں نے یونان پر جنگي فتح حاصل کي تهي مگر یونان نے رومیوں پر ادبي فتح پا لي - یهي حال عربوں کا هوا - اُنهوں نے ایران کو اپنے قومي جوش سے مسخر کیا ' مگر خود ایراني ادب و ذهنیت سے مغلوب هوگیے - اس ادبي فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے هیں - یونان اور ایران ' دونوں نے یه کیا که روم اور عرب کے تمدن پر دست درازي کي اور قطع و برید کرکے اسے مسخ کر ڈالا - یهي صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بهي پیش آئي هے -

ان وجوه کي بنا پر همیں پورا حق هے که اپنے ثقه راویوں کي روایت پر بهي شبه کریں - اور جب وه مجنوں جیسے قصه میں اس قدر باهم مختلف هوں تو اور بهي زیاده شک و احتیاط کریں -

همارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقه اور بهي هے - لیکن وه محض ایک فني طریقه هے - تاریخ سے تعلق نهیں رکهتا - مجنوں کے اشعار میں هم اِس طریقه سے کام لے سکتے هیں - شعر همیں خود بتادے گا که یا تو وه بتکلف بنایا گیا هے ' اس لیے محبت کا سچا جذبه پیش نهیں کرتا - یا مختلف شاعروں کا کلام هے اور راویوں نے سهواً یا عمداً اُسے مجنوں کي طرف منسوب کر دیا هے -

جاحظ نے بالکل ٹهیک کها هے :

" کوئي شعر نهیں جس میں لیلی کا ذکر هو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کي طرف منسوب نه کر دیا هو - اور کوئي شعر نهیں جس میں لبنی کا ذکر هو اور قیس بن ذریح کے سر تهوپ نه دیا گیا هو - یه واقعه هے که مجنوں کي طرف بهت سے شعر منسوب کر دیے گئے هیں ' حالانکه خود مجنوں کو اُنسے کوئي تعلق نهیں - یه شعر اُن شاعروں کے هیں جو نه تو مجنوں تهے ' اور نه محبت نے اُنکا وه حال کر دیا تها جو مجنوں کا تها "

شاعر کي تحقیق کس طریقه پر کرني چاهیے ؟ خود شاعر کي شخصیت سب سے پهلي چیز هے - یه اس لیے که شاعر اپنے شعر میں اپني شخصیت ضرور رکهتا هے - اگر شاعر ' کامل هے تو اُسکا دیوان اُسکي نفسیت اور جذبات کا آئینه اور اُسکي پوري شخصیت کا مظهر هوتا هے - اُس کي مختلف نظموں میں ایک هي روح ' ایک هي نفسیت ' ایک هي قوت کار فرما نظر آئیگي - بلا شبه تمام اشعار یکساں نه هونگے - لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمي بیشي هوگي - لیکن شاعر کي شخصیت سب میں نمایاں هوگي ' اور وحدت شعري اِس درجه واضح هوگي که ذوق سلیم فوراً فیصله کر دیگا که یه شعر فلاں کا هے یا یه شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر هے - همارے خیال میں یه طریق تحقیق نا قابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل هے - خصوصاً شعر غنائي (گانے کے اشعار) میں اُسکي اهمیت غیر معمولي هے - کیونکه شعر کي یه صنف ' نفس کا شفاف آئینه اور جذبات کا سچا مظهر هوتا هے -

اِس اصول کي بنا پر کیا هم مجنوں کے اشعار میں اُس کي کوئي نمایاں شخصیت دیکهه سکتے هیں ؟ میرا دعوی هے که نهیں - اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرني نهیں چاهتا - میري تحقیقات کا خلاصه مختصر لفظوں میں یه هے که مجنوں کي طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے هیں ' وه:

(۱) یا تو مشهور شعراء کے هیں اور راویوں نے غلطي سے مجنوں کي طرف منسوب کر دیے هیں -

(۲) یا مجهول شعراء کے هیں اور لیلی کا ذکر دیکهکر لوگوں نے مجنوں کے سمجهه لیے هیں -

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجهه کر بنائے هیں -

(۴) یا مغنیوں نے اپني گرم بازاري کے لیے گڑهے هیں اور مجنوں کے سر تهوپ دیے هیں -

میں نے بڑي کوشش کي ' مگر ان اشعار میں کسي مشترک شخصیت کي روح نه دیکهه سکا -

مجنوں کے بارے میں اپني رائے ایک اور طریقه سے بهي هم ثابت کر سکتے هیں - وه یه که راوي اُس تعلق کي نوعیت بیان کرنے میں بهي بهت مختلف هیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلی کے درمیان تها -

بعض کهتے هیں لیلی مجنوں میں بچپنے هي سے تعارف هوگیا تها - دونوں بکریاں چرایا کرتے تهے - آهسته آهسته دل کو تعلق هوا - یهاں تک که بچپنے کے اُنس نے جواني میں عشق کي صورت اختیار کرلي - جوان هونے پر لیلی قیس سے چهپا دي گئي تهي - اِس صدمه نے اُسے مجنوں بنا دیا -

بعض یه قصه تسلیم نهیں کرتے - اُن کا دعوی هے که دونوں میں بچپن سے تعارف نهیں هوا - بلکه اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات هوگئي - ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکهیں - سلام کیا - اُنهوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹها لیا - قیس سواري سے اُترا - امرء القیس کي طرح اپني اونٹني ذبح کرڈالي اور گوشت بهون بهون کر اُنهیں کهلانے لگا - یهاں تک که شام هوگئي - شام کو ایک اور نوجوان وارد هوا - سب لڑکیاں قیس کو چهوڑ کر اُس کي هو رهیں - اِس پر قیس خفا هوکر چلا گیا اور جوش میں اشعار کهے - دوسرے دن صبح پهر اُدهر گیا تو لڑکیاں موجود نه تهیں - صرف لیلی موجود تهي - اُس نے قیس کو بلایا - قیس نے کل کي طرح پهر اپني اونٹني ذبح کي اور محبت کا اظهار کیا - ابتدا میں لیلی نے بے رخي دکهالي - قیس بهت غمگین هوا - لیکن پهر لیلی کو ترس آگیا - اپني محبت کا بهي اعتراف کرلیا -

بعض اِسے بهي تسلیم نهیں کرتے - وه کهتے هیں - قیس عورتوں کے صحبت کا دلداده تها - لیلی ایک سرو قامت ' خوش اندام ' خوش رفتار ' نازک بدن دوشیزه تهي - قبیله کے نوجوان اُس کے هاں بیٹهتے اُٹهتے تهے - قیس نے سنا تو وه بهي آنے جانے لگا - آخر کار دام محبت میں گرفتار هوگیا !

اِسي قسم کي اور روایتیں بهي هیں - اِنسے صاف معلوم هوتا هے که لیلی کي شخصیت بهي قیس سے کچهه کم ما به النزاع نهیں هے - ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والي لڑکي بنایا هے - دوسري میں بدوي دوشیزه ' جو نوجوانوں کو روکتي اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتي هے - تیسري میں اُس وضع کي ایک مهذب اور نستعلیق خاتون ' جیسي بڑے بڑے اسلامي شهروں میں هوا کرتي تهیں - کیا صرف یهي ایک اختلاف ' لیلی کي شخصیت مشتبه کر دینے کے لیے کافي نهیں هے ' جیسا که پهلا اختلاف مجنوں کي شخصیت پوري طرح مشکوک کر دیتا هے ؟

مجنوں کے قصه میں اور بهي اندروني شهادتیں ایسي موجود هیں جو میري رائے کي تائید کرتي هیں - مثلاً یه روایت که لیلی

صحبت اور معاشرت بھي اکتسابي تعليم وتربيت کا سب سے بڑا ذريعه هے' بلکه بسا اوقات درس وتدريس کي باقاعده تعليم سے بھي کہيں زياده موثر هوتي هے - ليکن جہاں تک اسکي زندگي کے حالات روشني ميں آئے هيں' کوئي قرينه اس کا موجود نہيں که آسے مشرق وايشيا کي عام مقلدانه ورسمي سطح سے کوئي بلند درجه کي صحبت ملي هو۔

سير و سياحت بھي ذهن کي نشو و ترقي کا بہت بڑا ذريعه هے' ليکن اُس نے اپني ابتدائي زندگي ميں هندوستان اور حجاز کے سوا اور کسي مقام کا سفر نہيں کيا تھا - ظاهر هے که ان دونوں مقامات ميں کوئي سر چشمه ايسا موجود نه تھا جس سے ايک مجتهدانه فکر و نظر کي پيدايش هو سکے - انيسويں صدي کے اوائل ميں ان مقامات کا تعليمي تنزل منتہاء کمال تک پہنچ چکا تھا -

سب سے زياده يه که اُس نے جتني بھي اور جيسي کچھه بھي تعليم حاصل کي تھي' وہ وهي تعليم تھي جو بجاے خود مسلمانوں کے ذهني تنزل کي پيدا وار هے اور کئي صديوں سے اسلامي دنيا کے دماغي تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئي هے - اس تعليم سے ذهن و فکر کي تمام قوتيں پژمرده هو جا سکتي هيں' ليکن آزادانه نشو و نما نہيں پا سکتيں -

باايں همه وہ سنه ۱۸۷۰ - ميں جب که اُس کي عمر به مشکل تيس برس کي هوگي' يکايک قاهره ميں نماياں هوتا هے' اور صرف چاليس دن کے قيام سے اس عظيم مشرقي دار الحکومت کے تمام علمي حلقوں کو اپني طرف متوجه کر ليتا هے - حتى که اُس کي " عجيب اور نئي قسم کي علمي قابليتوں " کي شہرت دار الخلافة قسطنطنيه تک پہنچتي هے' اور اس کي تمام اصلاحي اور انقلابي قوتيں نماياں هوجاتي هيں!

وہ ادب عربي کا ايک عجمي متعلم تھا جس نے بعيد ترين عجمي ممالک ميں عجمي اساتذه سے ناقص اور گمراہ قسم کي ادبي تعليم حاصل کي تھي - ليکن وہ عربي زبان کے سب سے بڑے مرکز' قاهره ميں سب سے پہلے صحيح وصالح فن عربية کا درس ديتا هے اور عربي کتابت و تحرير کا ايک نيا دور پيدا کر ديتا هے - آج مصر و شام کے تمام مشاهير اهل قلم اعتراف کرتے هيں که "کتابت عربيه ميں هم سب اسي عجمي کے عيال هيں" موجوده عهد ميں عربي کا سب سے بہتر کاتب' شيخ محمد عبده تھا' اور وہ اسي کا شاگرد تھا!

اُس نے علوم حکميه کي جسقدر بھي تعليم حاصل کي تھي' وہ وهي موجوده مدارس عربيه کے متون و شروح کي عقيم و کم انديش تعليم تھي' ليکن وہ ذهين و مستعد طلبا کي ايک جماعت منتخب کرکے علوم حکميه کا درس و املاء شروع کرديتا هے' اور قديم معقولات کي وہ تمام گتھياں ايک ايک کرکے واضح کرتا هے جنکے اعتقاد و جمود نے صديوں سے مشرقي دنيا کا ذهني ارتقا معطل کرديا هے!

مذهب اور علم' دونوں ميں اسکي مصلحانه ذهنيت نماياں هوتي هے' اور کسي گوشه ميں بھي اسکے قدم وقت کي مقلدانه سطح سے مس نہيں هوتے - سياست ميں وہ سر تاپا انقلاب کي دعوت هوتا هے' اور جہاں کہيں جاتا هے' چند دنوں کے اندر مستعد اور صالح طبيعتيں چن کر انقلاب و تجدد کي روح پھونک ديتا هے - اُس نے به يک وقت مصر' ايران' اور عراق؛ تينوں مقامات ميں اصلاح و انقلاب کي تخم ريزي کر دي!

وہ اپنے اولين قيام مصر سے تقريباً بارہ برس بعد پہلي مرتبه يورپ کا سفر کرتا هے' اور پيرس ميں وقت کے سب سے بڑے فلسفي اور علم وديں کي نام نهاد نزاع ميں سب سے بڑے حريف دين و مذهب' پروفيسر رينان سے ملتا هے - وہ پہلي هي ملاقات ميں اس " عجيب الاطوار مشرقي فيلسوف " سے اس درجه متاثر هوتا هے که اخبار طان ميں سيد موصوف کے ايک مقاله کا رد کرتے هوے لکھتا هے:

" ميں نے اسکے شخصيت ميں ابن سينا اور ابن رشد کي روح ديکھي " جيسا که اوپر گزر چکا هے - ياد رهے که انسان کي قابليت کيسي هي کيوں نه هو' ليکن مخاطب کے تاثر کے ليے وہ بہت کچھه قوت بيانيه اور فصاحت تکلم کا محتاج هوتا هے - جس وقت سيد جمال الدين رينان سے پيرس ميں اور لارڈ سالسبري سے لندن ميں ملا هے' اُس وقت اسکي فرانسيسي زبان کي تعليم کي تاريخ صرف اتني تھي که اثناء قيام مصر ميں ايک شخص سے لاطيني الف بے قلمي لکھوا لي تھي' اور پھر کچھه عرصه کے بعد ايک کتاب خريد لي تھي جو عربي ميں فرانسيسي کي ابتدائي تعليم کيليے لکھي گئي تھي - کوئي ثبوت موجود نہيں که اُس نے کسي انسان سے باقاعده فرانسيسي زبان کي

قسطنطنيه ميں بار دوم : سنه ۱۸۹۲

ايران ميں بار دوم : سنه ۱۸۹۰

قسطنطنیه میں : سنه ۱۸۷۰

پیرس میں : سنه ۱۸۸۳

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

قائدین فکر

سید جمال الدین اسد آبادی

" تقریباً دو ماہ گزرے هیں که ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات هوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ' وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھه پر ڈال سکی هیں - یه اثر بہت قوی اور گہرا تھا ' اور اسی کا نتیجه ہے که مجھے خیال ہوا ' سوربون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یه قرار دوں که " اسلام اور اس کا علم سے علاقه " سید جمال الدین کی ذهنیت ایک ایسی ذهنیت ہے جو رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اس شخص سے باتیں کر رہا تھا ' تو اس کے افکار کی آزادی ' طبیعت کی فضیلت ' اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھکر مجھے خیال ہوا ' میں اس وقت اُن مشاهیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے هیں اور جن سے تاریخ کے ذریعه هم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ' ابن رشد ' یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھه رہا تھا جنھوں نے فکر انسانی کو جہل و اوهام کے قیود سے نجات دلانے کیلیے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانه جد وجهد جاری رکھی تھی " ! (فیلسوف رینان)

۳۰ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنه ۱۸۶۹

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدد کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی هیں ' اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے - اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذهانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ' جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے -

کلکته میں : سنه ۱۸۷۹

بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے که مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی !

وہ ایک گمنام اور مجهول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجهول ماحول میں که آج تک یه بات بھی قطعی طور پر معلوم نه هوسکی که وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو هرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ' یا اسدآباد کا جو همدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے هیں تاهم یه قطعی ہے که تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافته افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیه کی جیسی کچھه تعلیم دیا کرتے تھے ' زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ' وہ وهی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ' وہ بھی یقیناً معمولی درجه کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نه تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانه زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ' یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ' اور یه دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -

بصرہ میں به لباس عربی سنه ۱۸۸۹

اِس منارہ کي تعمیر سے غرض یہ تھي کہ جہازوں کو کھاڑیوں اور چٹانوں سے هوشیار کیا جائے اور بندرگاہ کا سیدھا راستہ دکھا دیا جائے - اِس وقت مختلف مقامات میں کئي اور منارہ بھي موجود هیں - مثلاً " منارۂ ارستّیا " لیکن اِن مناروں سے بعض خطرے بھي پیدا هوگیے هیں - کیونکہ اُنکي روشني دور سے ستارہ کي طرح معلوم هوتي ہے اور جہازوں کو راستہ بھلا دیتي ہے "

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتایا ہے - اِسکے معني یہ هوئے کہ تقریباً ۱۵ - لاکھہ روپے صرف هوئے تھے - منارہ کي عظمت کے مقابلہ میں یہ رقم بہت کم معلوم هوتي ہے -

منارہ کا بنانے والا سوسٹراتّس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈیمکراتّیس کا بیٹا تھا - اِسنے اپنا نام منارہ پراِن لفظوں میں کندہ کیا تھا :

" کنیڈرس کے باشندے سوسٹراتّس ولد ڈیمکراتّیس کي طرف سے نجات دینے والے دیوتاؤں کو هدیہ ' تاکہ وہ سمندر میں سفر کرنے والوں کو نجات بخشیں "

جن سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے تیرھویں صدي عیسوي میں وہ منارہ دیکھا تھا ' اُنکا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فٹ یعني سو قد آدم بلند تھا - عمارت کي وضع بابلي تھي - کئي منزلیں اوپر نیچے تھیں - هر منزل اپنے نیچے کي منزل سے چھوٹي اور اوپر کي منزل سے بڑي تھي - زیریں دو منزلیں مربع تھیں اور اوپر کي دو مستدیر تھیں - هر منزل میں ایک بڑا روشن دان تھا - بنیادیں سنگلاخ تھیں اور چونے کي جگہ سیسہ کي جڑائي کي گئي تھي تا کہ سمندر کي موجیں نقصان نہ پہنچا سکیں - پوري عمارت سنگ مرمر کي تھي - چوٹي پر ایک بہت بڑا تنور تھا - اس میں شب وروز آگ جلا کرتي تھي - رات کو اُس سے روشني حاصل هوتي اور دن کو دھواں نکلتا رهتا -

کہا جاتا ہے کہ منارہ کے اندر تین سو کمرے تھے اور انمیں فوجي پہرا رهتا تھا -

بعض قدیم راویوں نے بیان کیا ہے کہ مینار کي زمین پر شیشہ جڑا تھا اور چوٹي پر ایک عظیم الشان آئینہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذریعہ آفتاب کي شعاعیں جمع کرکے سو میل کي مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے - لیکن یہ محض بے بنیاد باتیں هیں - البتہ یہ ممکن ہے کہ معمار نے کوئي معدني آئینہ اِس غرض سے لگا دیا هو کہ روشني میں اضافہ هو جائے -

فتح مصر کے بعد عربوں نے ایک مدت تک اِس منارہ کي حفاظت کي اور اُس سے کام لیتے رہے - لیکن ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلیے ایک مکار آدمي دمشق بھیجا اور اُس نے یہ کہکر خلیفہ کو دھوکا دیا کہ اِس منارہ کے نیچے بہت بڑا خزانہ مدفون ہے - خلیفہ نے لالچ میں آکر کھودنے کا حکم دیدیا - لیکن ابھي صرف آدھي عمارت منہدم هوي تھي کہ ولید متنبہ هوگیا اور اُس نے خیال کیا ایسي قیمتي اور مفید عمارت کا ڈھانا سخت غلطي ہے - اس نے انہدام کے روکنے کا حکم دیا اور از سر نو تعمیر کي کوشش کي - لیکن اب اگلي سي تعمیر دشوار تھي - کئي باکمال معماروں نے کوشش کي لیکن کامیاب نہ هوئے - یہانتک کہ اُسکي چوٹي کا آئینہ زمین پر گرگیا اور پاش پاش هوگیا - اِسکے بعد نصف عمارت باقي رهگئي تھي - باشندوں نے اِسے مسجد بنا لیا تھا - لیکن سنہ ۱۳۷۵ ع میں زلزلہ آیا اور بورا منارہ سمندر میں جا گرا - کہا جاتا ہے کہ قلعہ قائد بک کے قریب ابتک سمندر کي تہہ میں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائي دیتے هیں -

(٤)

مشتری کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

" جوپیٹر " رومانیوں کا مشہور دیوتا ہے - بعینہ یہي دیوتا ' یونان میں " زِئس " (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا - بلا استثنا تمام قدیم مورخوں نے اِس بت کا ذکر کیا ہے جسے ایتھنز میں " فیڈیاس " نے بنایا تھا - سب اِسے بالاتفاق دنیا کے سات عجائب میں شمار کرتے هیں - موجودہ دنیا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالي ہے - صرف چند سکے دستیاب هوئے هیں جن پر اُسکي شکل کا ٹھپا ہے ' اور شہر ایتھنز میں اُسکي بنیادیں اور بیٹھک کا نچلا حصہ برآمد هوا ہے -

جرمن ماهرین آثار عتیقہ کي تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ " زِئس " کا بت خانہ مستطیل تھا - اُسکے دونوں کناروں پر چھہ چھہ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے - اندر کا ایوان ۹۵ فٹ لانبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا ' اور ستونوں کي دو قطاریں کھڑي کرکے تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا - " زِئس " کا بت درمیاني حصہ میں ایک کنارے پر نصب تھا - بت اصل میں چوبي تھا مگر اُس پر هاتھي دانت اور سونا جڑا هوا تھا - هاتھي دانت جسم کو ظاهر کرتا تھا اور سونا لباس کو -

قدیم مورخ بوسینیا کي تصریح کے مطابق ' بت ایک تخت پر بیٹھا تھا - اُسکے سر پر زیتون کي پتے والي شاخ کا تاج تھا - دھنے هاتھہ میں فتح کا نشان تھا جو هاتھي دانت اور سونے سے بني هوي عورت کي شکل میں تھا - بائیں هاتھہ میں عصا تھا ' جس پر مختلف قیمتي معدنیات کي پچے کاري تھي - عصا پر جھکا هوا ایک گدہ تھا - بت کا جوتا اور تمام لباس ' سونے کا تھا - تخت سونے ' آبنوس ' هاتھي دانت ' اور جواهرات سے بنایا گیا تھا اور اُس پر بکثرت دلفریب تصویریں منقش تھیں !

ایک روماني شہنشاہ هارڈین کے ایک سکے میں اِس بت کي تصویر پائي گئي ہے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کي پوري تصدیق هوتي ہے - فرق صرف اس قدر ہے کہ عصا پر بیان کردہ گدہ موجود نہیں ہے -

بت کي تعمیر کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آیا تو لوگوں نے فیڈیاس سے پوچھا " سر کي وضع کیسي رکھوگے ؟ " اُس نے فوراً جواب دیا " میں هومر کے اِس قول کي پیروي کرونگا : ابن قرونس گویا هوا - اپني سیاہ ابروؤں والا سر عجب سے هلایا - بالوں کے گچھے اُسکے لازوال سر پر هل رہے تھے ! "

بت کي تصویر ایک اور سکہ پر بھي ملي ہے - اِسمیں سر کے بال لانبے هیں ' اور گردن پر پڑے هیں - داڑھي بھي گھني اور لمبي ہے اور اُس پر دونوں طرف سے مونچھیں پھیلي هوئي هیں -

خیال کیا جاتا ہے کہ ایتھنز میں اِس بت کي تعمیر سنہ ۴۵۰ ق م میں هوئي تھي -

(عرب مورخین)

هم آئیندہ نمبر میں بقیہ عجائب کا ذکر کرکے بتلائینگے کہ عرب مورخین کي تصریحات کیا هیں ؟

تعليم حاصل كي هو ' ليكن يه واقعه هے كه وه فرانسيسي زبان ميں بهتر سے بهتر تحرير و تقرير كر سكتا تها - تركي ' روسي ' اور انگريزي بهي اسي طرح أس نے سيكهه لي تهي -

مشهور هے كه جب پيرس ميں روسي سفير نے أس سے ملنا چاها ' تو أس نے ملاقات كي تاريخ ايسي مقرر كرائي جو دو هفته بعد آنے والي تهي - أس كے بعد وه ايک كتب فروش كے يهاں گيا اور أس سے كها " مجهے فرانسيسي ميں روسي زبان سكهانے والي كتاب چاهيے - ميں خريد لونگا - بشرطيكه تم اس كا بهي انتظام كردو كه آج سے ايک هفته بعد كوئي روسي زبان بولنے والا آدمي مجهه سے ملاقات كرسكے " كتب فروش نے كتاب بهي دي ' اور ايک ايسے شخص كا انتظام بهي كرديا جو أسي كے يهاں ملازم تها - جمال الدين نے ايک هفته تک بطور خود كتاب ديكهي ' پهر آٹهويں دن سے چودهويں دن تک روز ايک گهنٹه روسي سے باتيں كرتا رها - اور پندرهويں دن وه طيار هوگيا تها كه روسي سفير سے بغير كسي مترجم كي وساطت كے ملاقات كرے !

(سيد كے سوانح حيات)

اگر سيد جمال الدين كي زندگي ميں لوگ أس كے حالات سے واقف نه هوسكے تو يه چنداں عجيب بات نهيں هے - دنيانے هميشه اپنے اكابر و اعاظم سے أن كي زندگي ميں غفلت برتي هے ' اور جب تک وه دنيا سے رخصت نهيں هوگئے هيں ' أن كے حقوق كا اعتراف نهيں كيا هے - خصوصاً مصلحين و مجددين أمم كے ليے تو زندگي ميں تغافل اور موت كے بعد تعظيم و احترام ' اس دنيا كا ايک عام اور غير متغير قانون هے - ليكن يه صورت حال كس درجه عجيب اور تاسف انگيز هے كه أس كي وفات پر پورے تيس برس گزر چكے هيں ' اور وه تمام مشرقي ممالک بيدار هو چكے هيں جهاں أس نے اصلاح و انقلاب كي ابتدائي تخم ريزي كي تهي ' تاهم أس كي زندگي بدستور تاريخ كي روشني سے محروم هے ' اور أس سے زياده مشرق كچهه نهيں جانتا ' جتنا يورپ كے بعض محب شرق اهل قلم نے بتلا ديا هے !

افسوس اس جهل و غفلت پر! هم صرف اپنے قدماء كي شناخت هي كے ليے يورپ كے محتاج نهيں هيں - بلكه اپنے عهد كے اهل فضل و كمال كيليے بهي اس كے محتاج هيں - جب تک وه انگلي سے اشاره كر كے نه بتلادے ' هم خود اپني قوم اور عهد كے بڑے بڑے انسانوں كو بهي نهيں پهچان سكتے !

هندوستان ميں تو الهـلال كي اشاعت سے پہلے ' غالباً لوگ سيد جمال الدين كے نام سے بهي آشنا نه تهے - سنه ۱۸۷۹ع ميں جب وه حيدرآباد اور كلكته ميں مقيم تها ' تو هندوستاني مسلمانوں ميں سے صرف ايک شخص يعني مرحوم عبدالغفور شهباز تها ' جسے اسكے فضل و كمال كي تهوڑي سي شناخت نصيب هوي تهي ' اور أس نے چند فارسي مقالات كا أردو ترجمه شائع كيا تها !

حال ميں برلن سے ايک رساله سيد جمال الدين كے اعمال حيات پر شائع هوا هے - أسكے مطالعه سے خيالات ميں بے اختيار جنبش پيدا هوگئي - خيال هوا كه پورے شرح و تفصيل كے ساتهه مشرق جديد كے اس قائد فكر كے سوانح حيات پر نظر ڈالني چاهيے - متفرق لفظوں اور متعدد تصويروں كا يه مرقع جو آج شائع هو رها هے ' اسي سلسلۂ مضامين كي تمهيدي قسط هے -

سات عجائب عالم

(۳)

اسكندريه كا مناره

(THE PHAROS OF ALEXANDRIA)

سكندر اعظم نے مصر فتح كرنے كے بعد هي شهر اسكندريه آباد كيا تها - پچاس سال كے اندر اِس شهر نے پوري ترقي حاصل كرلي ' اور بحر متوسط كي سب سے بڑي بندرگاه بن گيا - سكندر كے بعد أسكے جانشين مصر ميں علم دوست تهے - أنهوں نے اسكندريه كو اور رونق دي اور علم و حكمت كا مركز بناديا - سنه ۲۸۵ ق م ميں بطليموس اول حاكم هوا - أسنے شهر كي روز افزوں تجارتي ترقي ديكهكر خيال كيا كه رات كے وقت جهاز راني كي سهولت كيليے ايک مناره تعمير كردينا چاهيے - چنانچه اسكندريه كے قريب جزيرۂ فيروس ميں ده مناره طيار كيا گيا اور فيروس كے نام سے مشهور هوگيا -

مورخين ميں اختلاف هے كه اصل ميں يه نام جزيره كا تها يا مناره كا ؟ بهر حال يه واقعه هے كه اِسكے بعد جهاز راني كيليے روشني كے جتنے بهي مناره تعمير هوئے ' أنميں سے اكثر " فيروس " هي كے نام سے پكارے گئے - بلكه لاتيني ' اِطالي ' اسپيني ' اور قديم انگريزي زبان ميں تو اِس لفظ كے معني هي مناره روشني كے هوگئے - فرانسيسي ميں ابتک اس معني ميں " فار " كا لفظ مستعمل هے -

خيال كيا جاتا هے كه مصري ' روشني كے مناروں سے واقف تهے ' اور بهت سے مناره بنا چكے تهے - مگر بطليموس كا يه مناره اپني بلندي اور ساخت كي وجه سے بهت ممتاز اور مشهور هوگيا -

مشهور روماني مورخ پليني نے (جو سنه ۷۹ ع ميں آتش فشاں پهاڑ فيزوف كے پهٹنے سے هلاک هوا) اسكندريه كا شهر اور يه مناره ديكها تها - وه لكهتا هے :

" اسكندريه كي ايک شهرۂ آفاق عمارت ' وه برج هے جسے شاه مصر نے جزيرۂ فير ميں تعمير كيا هے - يه جزيره ' اسكندريه كے راسته ميں واقع هے - برج كي تعمير ميں ۸۰۰ وزن خرچ هوئے تهے - بطليموس كي عظمت اور فراخ دلي كي يه شهادت كافي هے كه أسنے برج كے معمار سوستراتس كو اجازت ديدي تهي كه اِس حيرت انگيز عمارت ميں اپنا نام كنده كركے بقاء دوام حاصل كرلے !

خوار بچه چھوڑ گیا - جب بچه جوان ہوا اور اپني ماں سے اپنے باپ کا حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمھارے ملک پر ٹوٹ پڑا - اُس نے بے حساب مخلوق قتل کي - جب غصه ٹھنڈا ہوا تو اُس نے مغلوبوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جو آج کل تمھاري وضع ہے ! " راوي کا اِس قصه سے مقصود یه تھا که ھماري وضع ذلت کي وضع ہے ' اور اُنھي کے ایک بادشاہ نے ھمیں اُس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یه افسانه سن کر ان کے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا که معاملة اِتنے ھي پر ختم ھوگیا اور اُس " فاتح " نے ھمیں ھندو بننے اور ھندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حمله ــــ منافرت کي بڑي وجه ' ھندوستان پر مسلمانوں کا حمله ہے یمین الدوله سلطان محمود غزنوي کي جنگوں نے اُنھیں بہت ھي سخت نقصان پہنچایا - اُن کي آبادیاں ویران ھوگیئں - اُنھیں منتشر و پراگندہ کردیا گیا - اُن کي صرف سلطنت ھي نہیں گئي ' بلکه مفتوحه علاقوں سے اُن کے علوم و فنون بھي مٹ گئے ' اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ھوگئے ' جہاں تک رسائي مشکل ہے - مثلاً کشمیر اور بانارسي (بنارس) وغیرہ - (بنارس کو دور اس لیے کہا ہے که یه پنجاب اور وسط ھند سے دور ' مشرق کي طرف ھٹا ھوا ہے)

یہي دیني اور سیاسي اسباب ھیں جن کي بنا پر ھندؤں میں مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ھوگئي ہے -

(۵) پھر اُنکے اخلاق میں ایک اور بات بھي راسخ ھوگئي ہے اور کسي طرح نکل نہیں سکتي - یه اُن کے انتہائي علمي و ذھني تنزل کا نتیجه ہے - وہ یقین کرتے ھیں که دنیا صرف اُنھي کي دنیا ہے - انسان صرف اُنھي کي سر زمین پر موجود ھیں - بادشاہ صرف اُنھي کے بادشاہ ھیں - دین صرف اُنھي کا دین ہے - اور علم صرف اُنھي کا علم ہے - یہي وجه ہے که نہایت مغرور اور بر خود غلط ھوگئے ھیں - اگر اُنسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاھل خیال کرتے اور اُسکي تصدیق پر ھرگز آمادہ نہیں ھوتے ھیں - حالانکه اگر وہ سیر و سیاحت کے عادي ھوتے اور اپنے پہاڑي حدود طے کرکے غیر قوموں سے ملتے ' تو یه جاھلانه و طفلانه خیال اُنمیں پیدا نه ھوتا -

لیکن یاد رہے که اُن کے پیش رؤں کا یه حال نه تھا - اُنکا مشہور فاضل " براھمہر " برھمنوں کي تعظیم کے بیان میں کہتا ہے " جب یونانیوں نے باوجود ناپاک ھونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور سب پر بازي لے گئے ' تو اُنکی بھي تعظیم واجب ھوگئي - اُن کا درجه بھي برھمن کا درجه ھوگیا " !

خود میري حالت یه ھوئي که مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے زانوے شاگردي تہه کرتا رھا - کیونکه میں اُنکي زبان اور اُنکے طریقوں سے بے خبر تھا - لیکن جب کچھه اُن کي زبان میں دخل پیدا ھوگیا تو میں اُنھیں اپنے یہاں کے علوم کي بنا پر اشیاء کي علتوں اور حساب و ریاضي کے براھین سمجھانے لگا - اسپر وہ سخت متعجب ھوئے اور استفادہ میں باھم پیش قدمي کرنے لگے - بڑي حیرت سے پوچھتے تھے : " ھندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟ کن کن سے فائدہ اُٹھایا ہے ؟ " کیونکه اُنکے خیال میں علم ' ھندوستان کے سوا کہیں ہے ھي نہیں - جب میں نے اُن سے کہا که میں پہلي مرتبه اُن سے ملا ھوں اور جو کچھه کہه رھا ھوں ' یه دنیا کے دوسرے حصوں کے علوم ھیں ' تو وہ اَور زیادہ متعجب ھوے ' اور بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا "

قدیم یونانی ادب کا ایک نمونه

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسي ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میري سہیلي کي شادي)

راستے میں ابتک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ھیں - شمعین بھي ٹمٹما رھي ھیں ... ...

یه میري سہیلي " ملیسا " کي شادي کي رات کا واقعه ہے - میں اپني ماں کے ساتھه گھر لوٹي - اس وقت میرے سر میں خیالات کا ھجوم تھا :

" آج میري سہیلي کو جو بات نصیب ھوئي ہے ' کل مجھے بھي نصیب ھوگي " میں خیال کرنے لگي " میں بھي ایسے ھي شاندار جلوس میں نکلوں گي - میري رتھه بھي پھولوں سے لدي ھوگي ' زیتون کي شاخیں اُسپر سایه کیے ھونگي ' بانسریاں بجتي ھونگي ' اور میري سہیلیوں کي میٹھي آوازیں سریلي بانسریوں میں مل جائنگي - میں بھي ایک دن اپنے بر کے پہلو میں " ملیسا " کي طرح نگاھیں نیچي کیے بیٹھونگي - مجھپر وہ عجیب راز کھل جائینگے جو یه موقعه اپنے دامن میں چھپائے ھوئے ہے ... اسکے بعد ؟ ...... یه که میں اپنے بچوں کو اپني دودہ بھري چھاتیوں سے لگاؤں گي -

(راز)

... دوسرے دن میں اپني سہیلي سے ملنے گئي - آنکھیں ملتے ھي دونوں کے رخسار سرخ ھوگئے - وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئي اب ھم بالکل اکیلے تھے - مجھے اس سے بہت سي باتیں کہني تھیں - مگر اُسکي صورت دیکھتے ھي کچھه یاد نه رھا !

میري سہیلي جیسي ھمیشه سے تھي ' ویسي ھي اب بھي ہے - کوئي فرق اس میں نظر نہیں آیا - لیکن یه عجیب بات ہے که میں اُس سے کچھه مرعوب سي تھي - میں اُس سے آنکھه نہیں ملا سکتي تھي -

اچانک میرا ڈر دور ھوگیا - میں اُسکے زانو پر بیٹھه گئي - اُسکے کان میں سب باتیں کہدیں - اُس نے بھي اپنا سر میرے سر پر رکھدیا اور پورا راز کہه ڈالا !

(بانسري)

" لیکاسي " نے خوبصورت بانسري مجھے ھدیه دي - وہ مجھے بانسري بجانا سکھانے لگا ......

هندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

نو سو برس پہلے هندوستان کي ذهني اور معاشرتي حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاهدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کي کوششوں سے ابو الریحان محمد بن احمد البیروني کي شهرۂ آفاق کتاب "کتاب الهند" یا "تحقیق ما للهند من مقولة مقبولة فی العقل او مرذولة" سنه ١٨٨٧ میں شائع هوچکي هے - بیروني پانچویں صدي هجري کا مشهور حکیم اور محقق هے - گیارهویں صدي مسیحي کے اوائل یعني اب سے نو سو برس پہلے اس نے هندوستان کي سیاحت کي تهي - یه زمانه سلطان محمود غزنوي کي فتوحات کا تها - محمد بن القاسم کي فتح سنده کے بعد یه پہلا موقعه تها که مسلمان به حیثیت جماعت اندرون هند میں بڑهے - مسلمان ' یہاں کے باشندوں سے نا واقف تهے ' اور هندو ' مسلمانوں سے نا آشنا - بیروني ' هندوستان میں بطور سیاح کے داخل هوا - سنسکرت زبان حاصل کي - هندو علماء کي صحبت میں بیٹها - هندو علوم کي تحصیل کي - اُنکے حالات سے واقف هوا - اور پهر غزني میں بیٹهکر اپني یه جلیل القدر کتاب مرتب کي - اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصله هے که اُس عهد کے هندوستان پر اس سے بهتر اور محققانه بیان کسي مصنف کا موجود نهیں - یه کتاب همارے سامنے نو صدي پہلے کا هندوستان پیش کرتي هے - اِس میں زیاده تر بحث هندو فلسفه ' الهیات ' نجوم ' ریاضي وغیره علوم سے کي هے - لیکن ضمناً اُس وقت کي معاشرتي حالت پر بهي بهت کچهه روشني پڑتي هے - ذیل میں هم اُسکے جسته جسته اقتباسات پیش کرتے هیں - اِن سے قارئین الهلال اندازه کر سکینگے که قدیم هندوستان کي معاشرتي ذهنیت کا کیا حال تها ' اور اس طویل مدت میں کتنا کم تغیر اُس میں واقع هوا هے ؟ غالباً کسي ملک کے ذهني اور معاشرتي جمود و تصلب کي اس سے بهتر مثال دنیا میں موجود نهیں -

(هندوستان کے سمجهنے میں دشواریاں)

بیروني نے اپني کتاب کے مقدمه میں وه دشواریاں بیان کي هیں جو غیر قوموں کو هندوستان کے سمجهنے میں پیش آتي تهیں - وه لکهتا هے :

" هندوستاني هم سے اُن تمام باتوں میں مختلف هیں جو قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعه هوا کرتي هیں - مثلاً :

(١) زبان — اگرچه سب قوموں کي زبانیں الگ الگ اور مختلف هیں لیکن هندوستان کي زبان (سنسکرت) عربي کي طرح بهت هي وسیع و دقیق هے - اجنبي کے لیے اُسکي تحصیل ' عربي سے بدرجها زیاده دشوار هے - اِس زبان میں ایک هي چیز کے بهت سے نام اور ایک هي لفظ کے بهت سے معني پیدا هوتے هیں - اُنکا احاطهٔ و ادراک اِس قدر مشکل هے که اسماء و مسمیات کي تمیز بجز خاص ذهانت و قابلیت رکهنے والوں کے ' عام لوگوں کے لیے تقریباً نا ممکن هے - هندو اپني زبان کي اِس پیچیدگي پر اُسي طرح ناز کرتے هیں جس طرح بعض دوسري قومیں کرتي هیں ' حالانکه وه درحقیقت زبان کا عیب هے - نه که خوبي -

هندوستان کي زبان کي دو قسمیں هیں : عامي اور فصیح — عامي ' عوام اور بازاریوں کے استعمال کے لیے هے - فصیح ' علم و ادب اور مجالس سلاطین و حکماء کے لیے - یه اپنے اشتقاق ' تصریف ' نحو کے دقائق ' اور بلاغت کي باریکیوں کي وجه سے اِس قدر مغلق هے ' که ماهر علماء کے سوا اس سے کوئي فائده نهیں اٹها سکتا -

پهر یه زبان ایسے حروف سے مرکب هے جنمیں سے بعض حروف عربي اور فارسي حروف سے کوئي مشابهت نهیں رکهتے - بلکه یوں کهنا چاهئے که هماري زبانیں اور حلق اُنکے صحیح تلفظ کي قدرت هي نهیں رکهتے - یهي باعث هے که عربي خط میں انکي تحریر نا ممکن هے ' اگرچه نقطوں ' علامتوں ' اور اعراب سے انهیں کتنا هي مقید کردیا جائے -

پهر بعض حروف مستعمل هیں ' بعض متروک - ساتهه هي نقل و صحت کا بهي اُن کے هاں زیاده اهتمام نهیں هے - نتیجه یه هے که کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد هو جاتي هے ' اور اُس کي زبان ایک نئي زبان بن جاتي هے - عوام کیا خواص بهي اُسے سمجهه نهیں سکتے - خود میرا تجربه هے که میں نے اُنهی کے منهه سے کوئي لفظ سنا ' پهر مزید تائید و تصحیح کے خیال سے اُن کے سامنے دهرایا ' تو میں نے دیکها ' خود اُن کے لیے اُس کا دوباره سمجهنا دشوار هو گیا تها !

ایک اور خصوصیت یه هے که بعض دوسري عجمي زبانوں کي طرح ان کي زبان میں بهي دو تین ساکن حرف ایک ساتهه جمع هو جاتے هیں ' اور اکثر الفاظ میں ابتدا به سکون هے - هماري زبانیں اِس قسم کے الفاظ بولنے کي عادي نهیں - یهي سبب هے که ان کے اکثر الفاظ هم آساني سے بول نهیں سکتے - -

(٢) دیني اختلاف — باشندگان هند هم سے دین میں بهي کلي اختلاف رکهتے هیں - نه اُن کا کوئي عقیده همارے لیے قابل تسلیم هے ' نه همارا کوئي عقیده اُن کے لیے قابل قبول - وه آپس میں بهي مذهبي اختلافات رکهتے هیں — مگر یه اختلافات فرعي هیں - دوسري قوموں سے اُن کا اختلاف اصولي هے - وه سب قوموں کو " ملیچ " (ملیچهه) یعني ناپاک کے لقب سے پکارتے هیں اور اُن سے ملنا جلنا ناجائز سمجهتے هیں - حتی که اُس پاني اور آگ کو بهي نا پاک سمجهتے هیں جو کسي غیر باشندۂ هند کے استعمال میں آگئي هو !

پهر اُن کے خیال میں یه نجاست اِس درجه شدید هے که پاکي کي کوئي صورت بهي ممکن نهیں - یه کسي حال میں بهي جائز نهیں که غیر هندو ' اگرچه هندو مذهب کا کتنا هي قائل هوجائے ' اُن میں داخل هوسکے ' یا جو آدمي اُن کے دین سے ایک مرتبه نکل گیا هے ' وه پهر اُس میں لوٹ سکے - اِس صورت حال کا قدرتي نتیجه یه هے که وه تمام دنیا سے بالکل الگ هوگئے هیں - کوئي بندهن بهي همیں اور اُنهیں جوڑنے والا موجود نهیں -

(٣) رسوم و عادات — یه مغایرت اِس درجه شدید هے که وه اپنے بچوں کو هم سے ' همارے لباس سے ' هماري وضع قطع سے ڈرایا کرتے هیں - حتی که همیں شیطنت کي طرف منسوب کرتے هیں - هم سے نفرت اُن کے دلوں میں اِس قدر راسخ هے که خود میں نے اپنے کانوں سے اُنهیں کهتے سنا " تمهاري سر زمین کے ایک بادشاه نے آکر همارا ایک بادشاه مار ڈالا تها - مقتول اپنے پیچهے ایک شیر

میرے دل میں اُس وقت کوئي عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا - لیکاسي نے بانسري میرے ہاتھہ سے نرمي کے ساتھہ لے لي اور بہت ہي دھیمي آواز میں ایک راگ سنایا - میرا دل زور سے دھڑکنے لگا - ......

ہمارے پاس کہنے کو کوئي بات نہ تھي - ہم باري باري بانسري بجا کر دل بہلاتے رہے -

ہم بالکل بے خودي کے عالم میں تھے - اچانک مینڈک چلانے لگے - اب ہم چونکے - رات قریب آ پہنچي -

مجھے بہت دیر ہوگئي ہے - لیکن میں اپني ماں کو یقین دلانے کي کوشش کرونگي کہ میں اِس وقت تک اپني کھوئي ہوي پیٹي ڈھونڈہ رہي تھي !

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا ' جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے ؛ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسي میں اپني سب سے اچھي راتیں بسر کي ہیں !

ہمارا بستر ' درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے - وہ بھي مجھے بہت محبوب ہے ' کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ہے !

میں کبھي کبھي بہت غمگین ہوجاتي ہوں ؛ لیعنی جب محبت کے پہلو میں ہوتي ہوں ؛ تو اپنے آپ کو بھي بھول جاتي ہوں - مجھپر ایک طرح کي غشي سي طاري ہوجاتي ہے -

(قسم)

" اُس " نے کہا :

" جب دریا کا پاني اُبل کر برف آلود پہاڑوں کي چوٹیاں چھپادے "

" جب انسان ' سمندر کي موجوں پر گیہوں اور جو بوکر کاٹنے لگے "

" جب سورج کي روشني ' تاریکي ہوجائے "

" جب چاند گر کر چور چور ہو جائے "

" تو اُس وقت میرے لیے بھي روا ہوگا کہ تجھسے منہہ موڑلوں ' اور تجھے بھي حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیٹس ! اے میري محبت ! "

(رات)

جب رات آجاتي ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے ' تو میں خاموشي کے ساتھہ گھر سے نکل جاتی ہوں - ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتي ہوں - میرا شوہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے -

کبھي میں گھنٹوں کھڑي اُسے دیکھتي رہتي ہوں - بالکل چپ ' سناٹے میں ...... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھکر خوش ہوتي ہوں - پھر میں اپنا منہ اُسکے منھ سے قریب کرتي ہوں - کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکي سانس کے بوسے لوں !

اُس وقت ستاروں کي چمکیلي آنکھوں کے سوا ہمیں کوئي نہیں دیکھتا !

صبح ہوجاتي ہے -

" اِتني جلدي روشني لوٹ آئي ! " میں اپنے دل سے کہتي ہوں کس جگہ روشني نہیں پہنچ سکتي ؟ کس غار میں سورج کي شعاع کبھي دکھائي نہیں دیتي ؟ مجھے اُسکي تلاش ہے - تاکہ ہمارا استغراق محبت کبھي ختم نہ ہو ... ہمیشہ کیلیے ! سورج کي کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں -

اقتباسات

ٹراٹزکي اور بد مستي

کون ہے جس نے مشہور روسي رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسي انسان " ٹراٹزکي " کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپني انتظامي اور جنگي قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے ' انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولي درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگي بسر کرتا تھا - اُسي زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع ہوا ہے کہ ایک دن ٹراٹزکي کو شہر کے کوتوال نے اِس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بدمست پھر رہا تھا - چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا -

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہي قیدي عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جایگا ؟ (السیاسہ)

(ہنسي)

مشہور فرانسیسي مصنف زیپلے کہتا ہے :

" ہنسي ' انسان کا ایک امتیازي وصف ہے "

یہ قول بالکل صحیح ہے - بہت سے قدیم فلاسفہ بھي یہی کہہ چکے ہیں - ہنسي اور مسکراہٹ ' دو الگ الگ چیزیں ہیں - ہنسي کي بھي کئي قسمیں ہیں : گونجنے والي ہنسي ' خشک ہنسي ' کھوکھلي ہنسي ...

ہنسي کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے - ہنسي میں بہت سے جسماني فوائد ہیں - دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے - کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑونکي ہوا صاف ہوجاتي ہے ' اُسي طرح ہنسنے کے بعد اسکي حالت ہوتي ہے - پھر ہنسي کا اعضاء ہضم یعني معدہ وجگر وغیرہ پر بھي بہت اچھا اثر پڑتا ہے - پیٹ بھرکے کھانے کے بعد ہنسي غیر معمولي سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ہے - اسي لئے دستر خوان پر ہنسنے ہنسانے والي باتیں کرنا مستحسن ہے ' اور اسي لیے تنہا بیٹھہ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے ' کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمي قبض میں مبتلا ہوجاتا ہے - لقمہ منہہ میں لیکر ہنسنا نہیں چاہیے ' ورنہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے - اگر کبھي ایسي صورت پیش آ جائے تو پیٹھہ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے ' کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے -

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے - جب انسان ہر خوشي کے موقعہ پر ہنسنے کا عادي ہوجاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشي حاصل ہونے لگتي ہے - البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ہے -

لیکن آخر ہم ہنستے کیوں ہیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتي ہیں ' بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنسانیں - اس کا جواب مشکل ہے !

(سنڈے ریویو)

انگلستان	پر	۴۴۶	ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ)	ڈالر تقریباً ۳ روپیہ
فرانس	"	۳۸۴۴	"	"
اٹلی	"	۱۹۳۲	"	"
بلجیم	"	۴۳۷	"	"
روس	"	۳۳۲	"	"
پولینڈ	"	۱۵۳	"	"
جوگوسلاویا	"	۱۰۶	"	"

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ

اسوقت امریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت الحاد اور ترک ادیان کی دعوت ہے۔ ملحدانہ خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دَور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوخ متزلزل کر دیا ہے، تاہم اسوقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر اب امریکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور روز بروز اُس کی جماعتیں زیادہ قوت و رواج حاصل کر رہی ہیں۔ امریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ امریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس ملحدانہ تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اسنے ۸ مہینے دَورہ کر کے اپنا مفصل بیان شائع کر دیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اسوقت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز امریکی جنگی بیڑہ کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اُسنے بہت اثر پیدا کر لیا ہے۔ امریکہ کے بیشمار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اُس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچیسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اُس کی شاخ قائم کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "ملعون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہے "اُن لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہے" فیلاڈلفیا کی انجمن کا نام "سیاہ بھیڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرہ کفار" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "ملعون روحوں کی جماعت" کہتی ہے، اور اس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیطنت پناہ" ہے!

انجمن الحاد حسب ذیل اصول کی تبلیغ کرتی ہے:

۱۔ عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔
۲۔ آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے ہیں۔
۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔
۴۔ دین، طبیعت سے ماوراء امور کی پرستش کا نام ہے، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اُسے مٹا دینا چاہئے۔
۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔

حکومت سے اُس کے مطالبے حسب ذیل ہیں:

۱۔ تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔
۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔
۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔
۴۔ تمام مدارس میں دینی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کر دئے جائیں۔
۶۔ تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
۷۔ اتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔
۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں جنھیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ اُن کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔
۹۔ امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کر دی جائے "خدا پر ہمارا توکل ہے"

اخبار ورلڈ کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم مسٹر ہوپوڈ نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کر چکی ہے مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اُس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے"

ایک اور بڑے ملحد نے کہا

"خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ متمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا جن کتابوں کو آسمانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھو دیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہو جائینگے۔ مزید برآں، ان نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے فحش قصے درج ہیں جنھیں کوئی با اخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ علماء وقت، جدید ترین علمی افکار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۹۰ فیصدی علماء عصر ملحد ہیں، یا کم از کم لا ادری ہیں۔ اُن کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیانا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "واگا بونڈ" نام شائع ہوتا ہے یہ اس درسگاہ کے ملحد طالب علموں کا ترجمان ارگن ہے۔ اسکے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں ملحد کیوں ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ اسمیں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زمانہ میں "زئس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا ڈالتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوپیٹر" (مشتری) کے سامنے رومانیوں کے سر ہیبت و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دُور نہیں جب "یہواہ" (عبرانی میں خدا کا نام) بھی اپنی تمام عظمت کھو کر مضحکہ بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ مینیسوٹا کی انجمن کی صدر مس کرسٹن واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم ملحد ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کوئن رسلو ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا قول ہے "جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہے، ضرور ہے کہ اُس کے عقلی قوا میں خلل ہو!"

امریکہ کے سیاسی مدبر اس الحادی طوفان سے سخت خائف ہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیروں پر غور کر رہے ہیں۔

ترکی قالین

ترکی کے قالین دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قالین بافی کی صنعت ترکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب جلا وطن کر دئے گئے، تو یہ صنعت بھی ترکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ چنانچہ اُسنے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ سمرنا میں (جو اس صنعت کا مرکز ہے) جنگ سے پہلے ۸،۲۹۰ کارخانے قالین سازی کے تھے۔ اُن میں ۲۰،۰۵۲ ترک، اور ۳،۷۵۰ یونانی اور ارمنی کاریگر کام کرتے تھے۔ یعنی اُسوقت بھی ترک کاریگروں کی تعداد یونانیوں اور ارمنوں کی تعداد سے تقریباً بڑھی ہوئی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں رہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۱،۳۰۵ کارخانے تھے جن میں اسوقت ۳۰،۹۴۰ ترک کاریگر کام کر رہے ہیں جنگ سے پہلے ۹،۹۰،۶۸۰ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں اُن کی مقدار ۱۱،۸۴،۹۲۴ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اس سے ترکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

قسطنطنیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ عدالت کا فیصلہ اُنکے خلاف صادر ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مجاز نہیں سمجھا۔ عدالت نے مدعی سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترکی پونڈ مصارف مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ترکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریح ناانصافی پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی مخلوط عدالتیں آئندہ قطعی

برید فرنگ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

بین الاقوامی سیاست سے علحدگی

۲ دسمبر ۱۸۲۳ء میں یعنی ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ امریکہ کے پانچویں صدر جیمس مونرو نے امریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اسنے عظیم الشان سیاسی نتائج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسیڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں "مذہب مونرو" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "امریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو ان میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے" مقصود اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کرلے۔

چونکہ ولایات متحدہ امریکہ اپنے براعظم میں سب سے زیادہ آباد، مالدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ ہوجانے کی وجہ سے اُسے امریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (منڈیٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کرچکی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب فرانس اور مکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۸۹۸ء میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی۔ مونرو سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہم وطنوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے علحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کے موقعہ پر امریکہ میں سخت اختلاف آرا پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ولسن اور انکے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب امریکہ کو گوشۂ تنہائی سے نکلکر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکورۂ بالا قاعدہ کے معتقد اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے امریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جماعت ہی کو فتح حاصل ہوئی کیونکہ امریکہ کی عام رائے انہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعتراف کرلینا پڑا۔

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا لیکن یہ سوال بہرحال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر امریکہ کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہیگا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے حوادث کا سیلاب اُسے کب تک اُسکی جگہ پر چھوڑے رکھے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں انقلاب عظیم ہوگیا ہے، امریکہ کی تجارت بھی بیحد وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب مونرو کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت رائے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدہ امریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے امریکی صدر جمہوریت کو ہیں۔ شاہ انگلستان اور صدر جمہوریۂ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات سے محروم ہیں لیکن امریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اُسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت از روئے قانون حاصل ہوجاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح امریکہ میں وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر امریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہوکر کرتی ہیں۔ لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کردیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے سربمہر اصوات (ووٹس) پایۂ تخت واشنگٹن بھیجدئے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہوکر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور ۴ سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کردیتی ہیں۔

صدر جمہوریت امریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اُسنے کم سے کم ۱۴ برس امریکہ میں گذارے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریۂ فرانس کے برخلاف امریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا مستعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اُس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نیا انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے۔

ولایات متحدہ

جمہوریہ امریکہ ۴۸ ریاستوں سے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں انکا کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت کے مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اُس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے۔ مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اُس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہوسکتا۔

امریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریۂ امریکہ، دول یورپ کو امریکہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں رکھتی ہے!

(۱) جزیرۂ کوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہے لیکن عملاً امریکہ ہی کی اُس پر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۲۹،۰۰،۰۰۰ ہے

(۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵،۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسمیں شکار کے جانور اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹو ریکو۔ اس کی آبادی ۱۲،۳۰،۰۰۰ ہے، یہاں قہوہ، تمباکو اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

(۴) جزائر ہاوائی۔ آبادی ۲۵۵،۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قہوہ، چاول، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔

امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں مختلف حیثیتوں سے امریکہ کا درجہ کیا ہے:

دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکہ کا رقبہ

فی ہزار ۵۴ — ۱۰۸، ملین کیلومیٹر مربع

دنیا کی مجموعی آبادی میں امریکہ کی آبادی

فی ہزار ۶۹ — ۱۰۵ ملین کی آبادی

دنیا کی مجموعی پیداوار میں امریکہ کی پیداوار

پیداوار	فیصدی
جوار	۸۳
گیہوں	۲۷
روئی	۶۴
کوئلہ	۴۵
پٹرول	۶۲
لوہا	۶۰
سونا	۲۰
چاندی	۲۰

امریکہ کے بڑے بڑے قرضے دول یورپ پر علاوہ سود کے حسب ذیل ہیں

اگر ہم مرجائینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہے؟

(استیعاب)

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے:

الا لیتنی لم اُغن فی الملک ساعۃ ۔۔۔ ولم اک فی اللذات اعشی النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی! کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوتا!

وکنت کذی طمرین عاش ببلغۃ ۔۔۔ لیالی حتیٰ زار ضنک المقابر

کاش میں اُس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہو!

(عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البرید بقرطاس یخب بہ ۔۔۔ فاوجس القلب من قرطاسہ فزعا

قاصد خط لئے دوڑتا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لک الویل ماذا فی کتابکم ۔۔۔ قالوا الخلیفۃ امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہے؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہے۔

فمادت الارض او کادت تمید بنا ۔۔۔ کان اغبر من ارکانہا انقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لیکر جھک جائے۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہے

اودی ابن ہند واودی المجد یتبعہ ۔۔۔ کانا جمیعا فظلا یسریان معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جارہے ہیں۔

لا یرفع الناس ما اوہی وان جہدوا ۔۔۔ ان یرفعوہ ولا یوہون ما رفعا

جو گر رہا ہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغر ابلج یستسقی الغمام بہ ۔۔۔ لو قارع الناس عن احلامہم قرعا

مبارک و خوبصورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہے۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب۔ طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"تمام ستائش اُس خدا کے لئے ہے جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے، کسی کو ذلت دیتا ہے۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش رووں سے کمتر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے اگر اُس سے درگزر کرے تو یہ اُس کی رحمت ہے اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہے، بدل ڈالتا ہے۔ اگر پسند کرتا ہے تو آسان کر دیتا ہے"

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ٹرکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟ ۔ غازی مصطفےٰ کمال کا سفر آدرنہ۔ درہ دانیال کی قلعہ بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہے۔ ایک ضروری مسئلہ یہ بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کر دیا جائے۔

چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اُسی طرح کا ہوگا جیسا بروکلین کا پل ہے، جو اس جزیرے کو نیویارک سے متصل کرتا ہے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ باسفورس کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اُس میں ریلوے جاری ہو۔ مبصرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہے۔ ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہے۔ مگر وہ ناکافی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ جب یہ پل یا زمین دوز ریل جاری ہوجائے گی تو ایشیائے کوچک سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہوجائے گا اور نقل و حرکت میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادھر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دقتیں پیش آرہی تھیں جو دین اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے بعد وہ قواعد منسوخ ہوگئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔ پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا سکتا تھا، سمجھاتا بجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کر لیتا، تو اپنے سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اُسے کلمۂ اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بنا لیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کر دی ہیں۔ اب اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہے کہ مفتی کے سامنے اپنی درخواست پیش کر دیتا ہے اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح کرکے اُسے مسلمان بنا لیتا ہے۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہے کہ نو مسلموں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید منائی۔ یہ عید دراصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہے جس میں قوم نے عبدالحمید کی مطلق العنان حکومت کو "دستور" یا "مشروطیت" (کانسٹیٹیوشن) پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہوگیا ہے، لیکن چونکہ یہ دن، دور جدید کا سنگ بنیاد ہے، اس لئے ترکی قوم اب تک اُسے ایک قومی، وطنی عید کی طرح مناتی ہے۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ترکی موسیقی باقی رہے یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کر لی جائے؟ یورپین موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہے۔ اتنی ناقص کہ آدمی بھی ایک ساتھ ہوکر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ ترکی موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترقی کی بہت گنجائش ہے مگر وہ ناقص نہیں ہے۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار کر لی اور کل ترکی موسیقی کے ۲۰۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔

آپکے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں ترکی موسیقی ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار ہونے پر طیار نہیں ہیں (یورپ کے مورخین نے اعتراف کیا ہے کہ موجودہ قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ، سب سے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔ الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار مخلوق جمع تھی۔ جلسہ کا افتتاح، موسیقی کے مشہور پروفیسر، رؤف یکتا بک نے اپنی تقریر سے کیا۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہے لیکن چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے میں نئی دلائل کی جگہ شہرۂ آفاق فرانسیسی ماہر فن، سن سانس کا قول پیش کرتا ہوں۔ اس اُستاد نے لکھا ہے: جس موسیقی کو ہم حقارت کے ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور ممتاز ہے!"

اس کے بعد ۲۰۰ ترکی اُستادوں نے اپنے اسلاف مثلاً ابراہیم، سید نوح، شیخ ذکائی وغیرہ کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہو عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر، پُورے تناسب سے اس دماغ میں جمع ہوگیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پُوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کامیاب ہی وہ اُس عہد کے ایک پُورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں میں اُنکی موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد یزید، (جسے جبراً زور شمشیر ولی عہد منوایا گیا تھا) دارالخلافہ سے دُور تھا اور ابتری پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا اُنھوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا:

"میری آنکھوں میں خوب سُرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو"

حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کردی۔

پھر اُنھوں نے حکم دیا:

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے تکئے لگادو"

اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کرکے رخصت ہو جائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے تو آپس میں کہتے "کون کہتا ہو خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں!"

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریھم — انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا میں انھیں ہمیشہ یہی دکھلاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھے مغلوب نہیں کر سکتیں۔ (طبری ج ۶)

دُنیا کی بے ثباتی

ان دنوں علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: "دنیا؟ دنیا؟ اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دُنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اُس کے سب مزے لُوٹے مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دُنیا نے ہم سے بے وفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ آہ، یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہو؟ یہ دُنیا کیسا بُرا مقام ہو؟"

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اُس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہو۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے بُرے ہونگے ٹھیک اُسی طرح، جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دیئے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہو جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اُسوقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی؟

پھر چلاکر روئے اور دعا کی:

"اے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر! الٰہی! اُس کی ٹھوکریں معاف کردے! اُس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع حلم کو اُس شخص کے شامل حال کر جسنے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!"

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب انہیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اُسنے دُنیا بھر کے خزانے جمع کر لیے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعیت لکم من سعی ذی نصب — وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمہارے لیے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دَر بدر ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کردیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اُسنے قباع کی مدح میں کہے تھے:

اذا مت، مات الجود وانقطع الندی — من الناس الامن قلیل مصرد

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائیگی۔

وردت اکف السائلین وامسکوا — من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائینگے اور دین اور دُنیا کی محرومیاں اُن کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سُن کر اُن کی لڑکیاں چلا اُٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا — الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہو تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بیہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا:

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہو، خدا اُس کی حفاظت کرتا ہو۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہو"

(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہؓ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہونچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہو چکی تھی اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے:

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما — م الناس لا عاجزو لا وکل

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہو، نہ کمزور ہو۔

الحول القلب والاریب ولن — یدفع وقت المنیۃ الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہو۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر بھی کام نہیں آتی۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سُنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے، وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہو۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپنے میرا کُرتا دیکھا، وہ مونڈھے پر سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ! تجھے کُرتا پہنا دوں؟" میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! ضرور" چنانچہ آپنے کرتا عنایت کردیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہو۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھا لئے تھے۔ وہ بھی آجتک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کُرتا بچھا کر مجھے اُس پر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہو تو وہ یہی ہو"

(استیعاب۔ عقد الفرید)

سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فہل من خالد اما ہلکنا — وہل بالموت یا للناس عار

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اُس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہمنے یہ کیا کہ ہر ہر محلے سے معزز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ معزز اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان جسم واحد کی مانند ہیں۔ ہمنے تمھیں اسی غرض سے طلب کیا ہو کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہو کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کا فرمانبردار نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہو جاتا ہو۔ تمھیں عقل و تدبر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے گی تو ملک اُس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کر سکے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کرو جنھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کر لیتی ہو۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو تمھارے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمھارے نمائندے اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

سُلطان کی دوسری تقریر

سُلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

"حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اُس اعتماد پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپکے ابنائے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت اُن بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہو جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ شوریٰ ہو جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہو "وامرہم شوریٰ بینہم" میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہو کر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہو۔ ہم اس بوجھ کے اُٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و رحمت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہو کہ ہم نے شہر کے روساء و اکابر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور اُنھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھکر منتخب کر لیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اُٹھا کر آپکے کاندھوں پر رکھ دی ہو۔ میں بصد عجز و زاری اللہ بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہو۔ یقیناً آپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہمنے تفتیش و اصلاح کی ایک علحدہ مجلس بنا دی ہو جس کا کام یہ ہو کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور اُن صورتوں پر غور کرے جن سے اُن کی اصلاح و درستگی ہو سکتی ہو۔ یہ کمیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کر چکی ہو، لیکن ابھی اُسے بہت کچھ کرنا باقی ہو۔

عنقریب آپکی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ اُن پر غور کرینگے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہو۔ آپکے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے ابین موٹر سروس کا اجراء، مکہ کی بعض سڑکوں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صیغوں کی اصلاح۔ اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کر لی ہیں جو بین الاقوامی ڈاکخانوں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد اُسے عمل میں لانی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہو۔ آپکو اس پر غور کرنا اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (پروگرام) بنانا ہو۔ حکومت چاہتی ہو تعلیم تمام ملک میں عام ہو جائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام و راحت، مطوفوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپکے سامنے ہیں اور آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم۔"

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصار حسب ذیل ہو:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کریگی۔ اِن میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن بلنصف ارکان ہر سال بدلجایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہو سکتا ہو۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزا یافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور نہر زبیدہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی لوائح پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی و مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نافعہ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کمپنیوں یا تاجروں سے دو سو پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۷) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم اُن معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اُس کا ناظم پیش کریگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرینگی اور اپنے کاغذات کا مبادلہ کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقع ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں ان کا فیصلہ منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۸) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہو جائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۲ ثلث اصوات (ووٹس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۹) مجلس ہر ہفتہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہو سکتی ہو۔

دفعہ (۱۰) مجلس کو حق ہو کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہو جائے، تو اُسے متنبہ کردے۔

دفعہ (۱۱) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اُسے رد کردے یا اُسمیں ترمیم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کردے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان المعظم کرینگے۔

مجلس کو حق ہو کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اُس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جس پر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی شاہی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبحی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبداللہ زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحییٰ بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جفالی۔

(۷) شیخ عبدالعزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک اُمید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر طیار کیا تھا اور اُس میں محکمہ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن سلیمان لودیا کو دیا گیا کہ سلطان تک پہنچادے۔ اُس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے مشیر خاص شریف حسین عدنان اور شیخ عبدالعزیز عتیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال اِن دونوں کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر انکے حوالے کردے۔ اُسنے انکار کیا۔ امیر شریف حسن عدنان نے غصہ میں آکر اُسے دو گھنٹے کے لئے قید کردیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے اِن دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کردیا۔ نالش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) اُنھوں نے سلطان المعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) اُنھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) اُنھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) اُنھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ سنکر کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کردئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کئے:

(۱) کیا مدعا علیہما کو اس کارروائی کا حق تھا جو اُنھوں نے کی؟

(۲) کیا اُنھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہما اور گواہوں کے بیانات سُنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب بھیجے:

(۱) اُنھیں اس کارروائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) اُنھیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اُسے سرکاری خدمت سے بلا توقف الگ کردیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کرکے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو فوراً برخاست کردیا اور [illegible] سرکاری خدمت سے برطرف کردیا۔

خوبی سے ادا کئے کہ سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال کا سفر ادرنہ

مشہور ترکی تاریخی شہر ادرنہ کے ایک وفد نے آکر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کرلی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ تھریس کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

درۂ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی افسروں اور ماہروں کے ساتھ اُن تدابیر پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں قسطنطنیہ کی حفاظت بھی ہو جائے اور وہ آزاد تجارتی بندرگاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ امریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درۂ دانیال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کر دی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدۂ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک اُن پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بک ایجنسی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اُس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجدیتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس "الہلال بک ایجنسی" سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک ایجنسی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اصل کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔

مکتوب حجاز

اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید و بیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ آیندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اُس کا اعتراف کرتے ہیں، مگر ہمیں خوف ہے کہ بحالت موجودہ اُنھوں نے حکومت کی بیان کردہ "اصلاحات" سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کارداں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز اُن سے یکقلم تہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

امید و بیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید و بیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شعاعیں چمکنا شروع ہوگئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید و وسیع ہے کہ نہیں کہا جا سکتا مستقبل قریب میں ہمیں روشنی کی تابناکی کا انتظار کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطہ و فتح مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اُس کی سطوت و طاقت کا ظہور ہے جسنے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کر دیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آگئیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہوگئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضاء حکومت میں کاردانی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اُٹھائیے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کارداں اشخاص تقریباً ناپید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص معترض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے نکلکر حجاز آگئے ہیں اور آتے ہی ایک منظم و متمدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی مہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر وجود میں نہیں آسکتے۔ ہمت اُٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفتہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور وسیع قدم اُٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبگاران اصلاح کو جو نئی اُمیدیں دلائی گئی ہیں، ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ اُن کا اعتراف کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اُن کی موجودہ صورت و حالت آپکی نظروں میں زیادہ وقعت حاصل نہ کر سکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور "قانون و ادارہ" کے معانی سے ناآشنا ہو چکے ہیں، یہ یقیناً ایک اُمید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریر

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے حمیدیہ میں ایک شاندار جلسہ ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقعہ پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کرکے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"میں مکہ کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنے اہل نجد سے) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم میں باہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور اُن سازشیوں کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

"راعی اور رعیت کی دوری اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کر دیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہے تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کر دے سکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتا اور بلا قصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کر دے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعارف و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دہوکا دینے سے ڈرینگے۔ مبادا اُن کی بدنیتی اور دروغگوئی طشت از بام ہو جائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہو جائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دوری، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی روا نہیں رکھتی۔ کیونکہ اختلاط اور تعارف میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقین کرو ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کر رہے ہیں۔ سال رواں میں انشاء اللہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کرینگے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لحظہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم" (عمل کرو، خدا تمھارا عمل دیکھے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے!"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے۔ بریں ہمارا فرض ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اُس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کر دیئے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُنھوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ اُن سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دئے تھے"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، اُنکے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تمامتر ذمہ داری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل مکہ اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد اہم اور باشندوں کے لئے غایت درجہ ضروری و مفید ہے اس لئے

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوف امیر عبداللہ بن عقیل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہدینی چاہئے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہے۔ شریعت حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حائل سے آرہا ہوں۔ جوف سے ۳ دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہے۔" حاکم نے سوال کیا "اس بوری میں کیا ہے؟" شخص مذکور نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں معلوم" اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُسنے کہا "اسمیں قہوہ ہے" حاکم نے پوچھا "تونے کیوں کر جانا؟" اُسنے کہا "اپنی لاٹھی سے دبا کر" امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگادو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسنے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن اسنے یہ جستجو کیوں کی کہ اس میں کیا ہے؟ اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی" اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلے گی!

جوف کا دارالحکومت، ایک قلعہ نما عظیم محل میں واقع ہے۔ اس کا نام "قصر مارد" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوف کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت وخاطر فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور دُبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب وہوا نہایت عمدہ ہے، پیداوار کافی ہے اور باشندے طبیعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبداللہ نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جمائے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آتشر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوف کی مٹی بہت عمدہ ہے اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پایہ تخت ریاض میں پٹرول کے زمیں دوز چشمے موجود ہیں۔ میں انھیں نکال سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ نجد کے باشندوں کو پٹرول کی بہت ضرورت ہے۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کانیں نکالیں کہ وہ یورپین کمپنیوں، تاجروں اور "علمی محققوں" کی آمدورفت سے ڈرتے ہیں۔

خواطر وسوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

مسٹر جیمس وہائٹ، لندن کا مشہور کروڑپتی تھا لیکن ایک ناگہانی خسارہ نے اُسے دیوالیہ کردیا۔ گزشتہ ماہ اُسنے زندگی سے بیزار ہوکر خودکشی کرلی لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھکر اپنی میز پر رکھدی تھی:

"میں اسوقت ابدیت وخلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہوسکتا ہے!

***

میرے ناپذیر عقیدے میں دُنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ اگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے) میں مرگیا۔ اس کے بعد سے ابتک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

***

میں نے بادشاہوں کی میزبانی کی۔ امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جسپر میں نے پورے کرۂ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اخبار جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا راس المال پندرہ کروڑ پونڈ (۴۵ کروڑ روپیہ) تک پہنچگیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ نفع کمایا تھا۔ اِن حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

***

"مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزرچکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہے، اور میں نے دولت کی سرگرانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت کی فراوانی دل ودماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ وقت گزرچکا ہے جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے!

***

"گھوڑدوڑ کے ایک دور میں میں نے ۱۰۰،۰۰۰ پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دولتمندی کے الالکھ اور غربت کا ایک شلنگ، دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ میں لندن سے ڈبل تک کی ۸۰ میل کی مسافت، میں نے اپنے پیروں سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے منچسٹر پہنچا دیا کرے!

***

"میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حافظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے سے گزار رہا ہے۔ اسوقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں!

***

"زندگی کے متعلق میرا آخری اور قطعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہے جو طمع، شہوت، اور حماقت کے سبب آتشیں بادل پر پک رہی ہے۔ تمام بلند، دقیق، شریف جذبات ناپید ہوچکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، فاجرانہ، پرشور عناصر نے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اس قدر زبردست ہوگئی ہے کہ بالشویزم کے سوا کوئی بڑی قوت اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

***

"زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اُکتا ڈالنے والے ہیں، تھکا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی بُرا جیسا پچھلا دن تھا! ہر نفس طمع وہوس سے اُسی طرح لبریز جس طرح دُنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجنونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! مگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!

***

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اُسپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے، لہو ولعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دَم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اُس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن ادھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دُنیا کی نظریں یکایک پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت، صرف یہ دو مکروہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

سیر فی الارض

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ
(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرا میں سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواریوں اور باشندوں کے طرزِ معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، شرق اردن کے پایۂ تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرا میں داخل ہوگیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھانس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کامل ایک دن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچتے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پایۂ تخت نجد، ریاض، جانے کا عزم ہے۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵ اونٹ مہیا کر دیئے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور ۴ میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی انہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر دیئے تھے۔ اتفاق سے ۵۰ اونٹوں کا ایک قافلہ بھی ریاض جا رہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہوگیا۔

یہاں یہ سُنکر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طول طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۹ دن۔ جوف سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرا میں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے مزید چاہئیں۔ گویا پورے دو مہینے اِس بیابانی دُنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو شرق اردن سے جُدا کرتا ہے۔ یہ جبل الدروز سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۵۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گیہوں کی زراعت، نخلستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نمک بھی بنتا ہے، اور صحرائی مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر بکتا ہے۔ محصول، زکوۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر ۲ مجیدی، ہر ۱۰ اونٹنیوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲ کا ہوتا ہے) ہر سَو بکریوں پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فواحش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چبوترے پر (جو اس کی بیٹھک یا دربار عام کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہوہ حاضر کیا گیا۔ امیر نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا مہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلۂ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۱۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر پشمی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے تھراتا ہے۔

صحرا کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرا کی زندگی کے متعلق چند تمہیدی کلمے کہدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر داڑھی موجود ہو چنانچہ میں نے اپنی داڑھی کی پرورش شروع کردی تھی۔ نجد کی سرحد میں داخل ہوتے ہوئے میری داڑھی کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بدّی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی منڈانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی اُستروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داڑھی، مونچھیں صاف، سَر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل نکل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہوگیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرا میں صابون، نایاب ہے بہت قیمت پر بکتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہے "عربوں کا صابون، اُن کی داڑھی ہے!" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داڑھی کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً داڑھی صحرا میں بہت مفید چیز ہے۔ رومال کی پوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ منہ اسی مقدس رومال سے پونچھ لئے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوف تک ہمیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے میں ہمیں صرف ۳ کنوئیں ملے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی صحرائی بدو تھے۔ میں نے اُنھیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اُنھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ اُنکے اس طرزِ عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بدو اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سُنا کہ اُنھوں نے نجد یا حجاز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہکر پہلو بچا لیجاتے تھے "حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی"۔ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرا ہی میں پیدا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے شعر و شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہمیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام "حنظلہ" ہے۔ یہ دراصل وسط صحرا میں ریگ کی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے۔ اسکی مٹی اتنی چکنی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر جم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ بدؤں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہونچے جسے "فرجیہ" کہتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرا میں ایسا منظر میرے لئے بالکل خلافِ توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرا کی مہیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ حاکم جوف عبداللہ محمد بن عقیل نے جوں ہی سُنا، اپنے آدمی استقبال کے لئے بھیجدئے اور بذات خود بھی قصبے کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گیہوں، جو، اور بعض ترکاریوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباغت یہاں اچھی ہوتی ہے۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے بھی اسے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور عبا "عبی الجوف" یہیں تیار ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی منڈی ہے۔ اس کے صحرا میں شتر مرغ، ہرن، اور گورخر بکثرت موجود ہیں۔ شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی یہ گوشت

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزي

اس سلسلہ میں ہم نے اِمامین کي ان نادر و اعلی درجہ کي بلند پایہ عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے ' جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ہندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اُردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ہے - بلا جلد اڑھائي روپیہ ' مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکي تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمہ - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمہ - سوا روپیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمي ' اسلامي ' سہ ماہي رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اہم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانہ ' نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوے حالات درج کیے جاتے ہیں - في پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسي

(حلقہ نمبر ٢٤ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہاے سینہ ما

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال ہي وہ رسالہ ہے جو اپني تمام ظاہري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھي -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا ' لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاہتا تھا ' اِس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا - اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب ' مذہب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے - اور اسکا ہر باب اپني مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ ہوتا تھا - پھر اس کي ظاہري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں - اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا ' جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کي وجہ سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذہبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدي ہے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا ' ہم نے کوشش کي کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي ہیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل ہوگئي ہیں - ہم اِس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخري موقعہ دیتے ہیں - کہ اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکہ جلدوں کي ایک بہت ہي محدود تعداد مرتب ہوسکي ہے اس لئے صرف اُنہیں درخواستوں کي تعمیل ہوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس بہ ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ ۔ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت في پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

رہ جاتے ہیں!

***

"میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور اس معیار نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہمیشہ کی نیند سوجانے پر خوش نہیں ہو سکتا!

***

"لیکن، ٹھہرو! مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اوپر اٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت و اخلاص سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!

"اُف! یہ میرے لڑکے کے متبسم ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مجھے یہ آواز سنائی دے رہی ہے: "بابا! یہ تم ہو!"

"الٰہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پدرانہ شفقت کے بوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں!

"ہاں، اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!......
لیکن ہم اس مسرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہو جائیں؟

***

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے محبوبوں کے روبرو پہنچکر بھول جاتا ہے؟

"لیکن یہ دیکھو، میرے محبوبوں کی تصویروں پر پردہ پڑ گیا۔ ....اب میرا سر چکرا رہا ہے۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے بھڑک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک دہکتے ہوئے تنور پر کھڑا ہوں............میں نے قمار میں اپنی پوری دنیا کھو دی۔ مجھے اس معصیت کا کفارہ ادا کرنا چاہئے!
......"

***

"میری بیوی، میرے عزیز بچو! میرے وہ تمام دوستو جو اسوقت بھی میرے دل میں موجود ہو! خدا تمہیں برکت دے! اور تمہارے ساتھ ہو! خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اُس سے زیادہ نہ سمجھو جتنی وہ فی الحقیقت ہے!..........................
.................................."

افسانہ

نپولین پر قاتلانہ حملے

نپولین بونا پارٹ کے اخلاق پر مورخین نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہے شاید جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زیر بحث نہ رہی ہو۔ نپولین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اُلٹ ڈالی تھیں۔ اخلاق کے قانون میں اس کی فاتحانہ اولوالعزمی، اخلاق کا سب سے بڑا جرم تھی۔ اور اسی وجہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا ہوگئے تھے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس کی پوری زندگی میں، اُس پر قاتلانہ حملے صرف دو ہی ہوئے۔ حملہ آوروں کے جذبات ہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہیجان قوم پرستی میں سب کچھ کر سکتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نپولین نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا خود مجرموں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی متمدن دنیا میں رائج ہے؟ تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اس فراخدل، بلند ہمت انسان نے پوری شرافت سے، دونوں قاتلوں کو معاف کر دینا چاہا، اگرچہ اُن میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

بویریا میں حملہ

شاہ بویریا (جرمنی) نے آسٹریا کے مقابلہ میں نپولین سے مدد طلب کی تھی۔ نپولین ۲۲ر جولائی کو وہاں داخل ہوا۔ شاہ بویریا اُس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔

اُسوقت بویریا کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف رائے تھا۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرتا تھا اور دوسرا آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اُس شہر کے دو آدمیوں میں تکرار ہوگئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا دوسرا آسٹریا کا۔ آخر الذکر کا نام "لوی وولف" تھا۔ اُس کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ فرانس اور نپولین سے سخت نفرت کرتا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اور ماں کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس جنگ میں مدد کے لئے نپولین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص کی شادی ملتوی ہوگئی تھی۔ اُسے اپنی منگیتر سے غایت درجہ محبت تھی وہ کسی طرح بھی شادی میں تاخیر گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

غرضکہ اِن اسباب کی وجہ سے شخص مذکور غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسنے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرفداری کی وجہ سے زدوکوب کیا اور قسم کھائی کہ کل نپولین کو ضرور قتل کر ڈالے گا۔ اُسنے کہا "اگر مادر وطن کے اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کو جرأت نہیں۔ تو میں یہ انجام دوں گا اور ملک کو اُس کے شریر دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا!"

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہو گیا۔ اُسے نپولین کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ بازار میں ایک بویرین سپاہی کے گرد بھیڑ لگی تھی۔ یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے۔ وہ بتا رہا تھا کہ فرانسیسی فوجوں نے کس طرح آسٹرین فوجوں کو پسپا کر دیا ہے۔ لوی وولف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

"نپولین یہاں کب مشرف کرے گا؟"

سپاہی نے تعجب سے سر اُٹھا کر کہا:

"سپہ سالار کی زبانی میں نے سنا ہے کہ نپولین آج رات یا کل صبح شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم اُس کے سلام کے لئے بہت بے چین ہو"

"ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کرونگا!" وولف نے جواب دیا!

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوق لی، اور شارع عام پر ایک خالی مکان میں چھپکر بیٹھ گیا۔ صبح وہ بڑی بے چینی سے کھڑکی میں بیٹھا نپولین کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اُسے دور سواروں کی صفیں نظر آئیں۔ سب سے آگے ایک درمیانی قد کا سوار سر پر ممتاز ٹوپی پہنے آ رہا تھا۔ وولف نے سمجھ لیا کہ نپولین یہی ہے۔ بندوق درست کر کے چھتیائی لیکن اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ قریب تھا کہ بندوق گر جائے۔ مگر اُسنے اپنے تئیں سنبھالا۔ جب نپولین چند گز کے فاصلہ پر آ گیا تو فیر کرنا چاہا۔ لیکن عین اُسوقت اچانک، پیچھے سے ایک ہاتھ بڑھا اور اس زور سے اُسے کھینچا کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

نپولین کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنی قیام گاہ میں پہونچا اور محکمۂ جاسوسی کے افسر اعلٰی کو بلا کر گفتگو کرنے لگا:

"فرانسیسی فوج کے خلاف کسی سازش کا تو پتہ نہیں چلا؟"

"ہاں حضور والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے"

"سازش کے بانیوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟"

"مجھ پر سب سے بڑا فرض شہنشاہ کی زندگی کی حفاظت کا ہے۔ میرے ایک افسر نے ابھی ابھی ایک ناعاقبت اندیش کو گرفتار کیا ہے جو حضور پر گولی چلانے والا تھا"

نپولین نے تعجب سے پوچھا:

"وہ پروشیا کا باشندہ ہے یا آسٹریا کا؟"

"بویرین ہے" افسر نے جواب دیا۔

نپولین یہ سُنکر سخت متحیر ہوا:

"خوب! میں تو اس بدنصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے بچانے کے لئے فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، اور اُس کا بدلہ مجھے یہ دیا جاتا ہے کہ دھوکے سے قتل!"

اُسنے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ موجود تھا۔ نپولین کھڑا تھا۔ مجرم اُسکے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ اُس کے دہنی طرف بویریا کا ولیعہد تھا۔ بائیں جانب جنرل برتھیر۔ نپولین نے اپنی آنکھیں مجرم کے چہرہ پر جما دیں۔ اُن آنکھوں میں نہیں معلوم کیا طلسمی قوت تھی کہ مجرم تاب لا سکا۔ منہ کے بل گر کر چلایا "عفو! عفو!"

نپولین نے نرمی سے پوچھا "وہ اسباب کیا تھے جنھوں نے تجھے اس جرم پر آمادہ کیا؟"

مجرم نے تمام واقعات صحیح صحیح بتا دئے۔ اسپر نپولین نے کہا:

"لیکن اس میں میرا قصور کیا ہے؟ اگر وولِ یورپ مجھے مٹانا چاہتی ہیں اور میں اپنی مدافعت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہے؟ تمہاری شادی روکنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ نہ میں اُس کے التوا کا اصلی سبب ہوں لیکن اگر تم مجھی کو باعث سمجھتے ہو تو میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی تمہاری منگیتر سے تمہاری شادی ہو جائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سو اشرفیاں اس تقریب میں پیش کرتا ہوں۔ برتھیر! کل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا، اور میری طرف سے دولہا دلہن کیساتھ جلوس میں چلنا!"

پھر نپولین مترجم کی طرف متوجہ ہوا:

"اس شخص سے کہدو کہ میں نے معاف کر دیا۔ میں تمہارے لئے خوشی و تری کا متمنی ہوں!"

وولف خلاف توقع یہ برتاؤ دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ ولی عہد بویریا نے*

*نپولین سے کہا "آپ کا اخلاق واقعی نہایت قابل عزت ہے!" نپولین نے سادگی سے جواب دیا: "عزیز شاہزادے! میں نے تو بادشاہی کا ایک محض معمولی فرض ادا کیا ہے۔ کبھی کبھی عفو و کرم بادشاہوں کا مقدس فرض ہو جاتا ہے!"

الہلال
جلد ۱
۱۲
البلاغ پریس کلکتہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين
القرآن الحکیم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۲ — کلکتہ : جمعہ ۵ - ربیع الاول ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی. طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای. پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی.

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی. اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین. آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین. لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین.

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی. یاد رکھیی، طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی. ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین.

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۸۶۱ مراسلات وصول هوی هین. تقسیم آراء حسب ذیل هی:

عربی حروف کی حق مین ۱۱۳ — اردو حروف کی حق مین ۴۷۰

موجوده مشترك طباعة کی حق مین ۱۹۶ — حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون ۶۸

پتھر کی چھپائی کی حق مین ۱۴

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی مین اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی.

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی. اور اسکی شرح و بیان کی ضرورت هی. آینده اس باری مین مولانا بھی تفصیله اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین. الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ١١ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(١) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(٢) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(٣) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(٤) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(٥) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(٧) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیجیے -

(٨) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(٦)

بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

بابل ' قديم دنيا کا مشهور ترين شهر هے - بهت سي قوموں اور سلطنتوں نے اُسے باري باري فتح کيا اور اپني عظمت و شوکت کا مرکز قرار ديا - مشهور هے که اِس کا اولين بادشاه نمرود اور اُس کا خاندان تها - اِس کي اولاد ميں سب سے زياده شهرت " اور " خامس کو حاصل هوئي - اِس کا نام اور بعض حالات اُن اينٹوں پر مسماري خط ميں کنده ملے هيں' جو حال ميں زمين سے نکالي گئي هيں -

خاندان نمرود کے بعد ايک دوسري سلطنت کا قبضه هوا - تاريخ ميں اِس کا نام ايراني سلطنت هے - دو سو پچيس سال اُس نے حکومت کي - اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م ميں ايک اور سلطنت قائم هوئي - اِس کا نام " ايلامي " هے - اِسي کے ايک بادشاه " کودرلا اومر" سے حضرت ابراهيم عليه السلام نے مقابله کيا تها اور فتحياب هوئے تهے -

تقريباً سنه ۲۰۰۰ ق م ميں اِس پر کلدانيوں نے قبضه کيا اور ساڑهے چار صدي تک حکومت کرتے رهے - پهر اِس کے بعد مصريوں کا غلبه هوا اور سنه ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رهے - اشوريوں نے مصريوں کو شکست دے کر اپني حکومت قائم کي- يهاں تک که سنه ۵۳۸ ق م ميں کورش شاه ايران نے اُن کي سلطنت کا خاتمه کر ديا اس وقت سے ايرانيوں کا دور شروع هوتا هے -

سات عجائب عالم ميں سے ڈائنا کے مندر کا بقايا

پهاڑ کے نيچے جو کهنڈر نظر آ رها هے' يهي اس مندر کا بقايا هے - اوپر ترکوں کا قلعه هے

بابل اور نينوى ميں هميشه رقابت چلي جاتي تهي - ايک دوسرے کي بربادي پر تلے رهتے تهے - سنه ۷۴۵ ق م ميں اهل نينوى نے بابل فتح کرليا تها - ليکن سنه ۶۰۶ ق م ميں بابليوں نے ايرانيوں کي مدد سے اُنهيں نکال باهر کيا - پهر خود نينوى پر حمله کيا اور اُسے اِس طرح مٹاديا که اُس کا نشان تک باقي نه رها - ابهي حال ميں بڑي تحقيقات کے بعد پته چلا هے که يه قديم شهر کس جگه واقع تها ' کيسا عظيم الشان تها ؟ اور کس بے دردي سے برباد کرديا گيا ؟

نينوى کي بربادي کے بعد هي بخت نصر ظاهر هوا - بابل کے معلق باغ اِسي نے بنائے تهے - اُن سے مقصود صرف يه تها که اپني بيوي کي خوش نودي اور تفريح کا سامان کرے -

يوناني مورخ هيرودوٹس نے لکها هے که بخت نصر نے اراده کيا ' بابل کو از سر نو اِس طرح بنائے که دنيا ' نينوى کي شان و شوکت بهول جائے - چنانچه نينوى کے قيديوں اور معماروں سے يه نيا شهر طيار کرايا گيا - خود هيرودوٹس نے اپني سياحت کے دوران ميں بابل کي بهي سير کي تهي ' چنانچه اُس کے حالات اپني تاريخ ميں لکهے هيں - اُس کے بيان سے معلوم هوتا هے که بابل' زمين کے مربع ٹکڑے پر قائم تها - بيچ ميں دريائے فرات نے بهه کر اُس کے دو حصے کرديے تهے - هر حصه ۱۵ ميل لانبا تها - يعني پورا شهر تيس ميل کے وسيع رقبه ميں پهيلا هوا تها - چاروں طرف شهر پناه تهي - ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹي تهي - اِس ميں پيتل کے سو پهاٹک تهے - پهاٹکوں کے ستون اور چهتيں بهي پيتل کي تهيں -

شهر ميں سب سے زياده شاندار' عجيب ' اور دلچسپ چيز يه " معلق باغ " تهے جو اُس وقت سے اب تک پوري دنيا کے ليے اعجوبه بنے هوئے هيں - يه باغ پتهر کي عمارتوں پر ايک ايسے علاقه ميں نصب کيے گئے تهے ' جهاں پتهر کمياب هونے کی وجه سے نادر اور قيمتي چيز سمجها جاتا تها - بادشاه عبادت خانوں ميں بطور نذرانه کے پتهر پيش کرتے تهے' اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں ميں بڑے اهتمام سے منتقل کيے جاتے تهے - دجله اور فرات کي وادي ميں آج تک پتهر کي بڑي قلت هے -

ليکن کيا يه باغ واقعي معلق تهے ؟ اس بارے ميں ايک سخت غلط فهمي پهيلي هوئی هے - حال کے بعض مورخين بهي اِس غلطي سے نه بچ سکے - در اصل انکا معلق هونا محض ايک نظري اور مجازي وصف تها - ورنه وه معلق نه تهے - قديم يوناني اور روماني مورخوں نے اِنکے ليے جو لفظ استعمال کيا هے اُسکے معني " معلق " نهيں بلکه منزل در منزل باغ کے هيں - يه باغ پتهر کے کئي منزله چبوتروں پر لگائے گئے تهے - هر اوپر کا چبوتره نيچے کے چبوتره سے عرض ميں چهوٹا تها - اِس طرح تمام چبوترے بلند هوتے هوتے ۳۵۰ فٹ تک پهنچ گئے تهے - هر چبوتره پر اِتني مٹي جمع کي گئي تهي جتني درختوں کي پرورش کيليے ضروري تهي - پاني اوپر چڑها کر بالائي منزل پر تالاب بنايا گيا تها ' نيچے سے اُس ميں جمع کر ديا جاتا تها - اور اُسي سے پورے باغ کي آب پاشي هوتي تهي - هر چبوتره کي زمين يا چهت بانس سے پاٹ دي گئي تهي - اُسکے اوپر سيسه پگهلا کر پهيلا ديا تها - يه احتياط اِس ليے کي گئي تهي که ديواروں اور بنيادوں تک نمي نه پهنچ سکے اور باغ هميشه برقرار رهيں - هر طبقے يا چبوترے کے نيچے بڑے بڑے ايوان تهے اور بابل و نينوى کے بهترين سامان آرايش سے آراسته تهے - هر دو طبقوں کے ما بين وسيع زينے بنے هوئے تهے - جنسے بادشاه' ملکه ' اور درباري ايک ساتهه اوپر نيچے آجا سکتے تهے -

باغوں ميں قسم قسم کے پهولوں ' پهلوں ' اور ميوؤں کے خوشنما درخت لگے تهے - موسم بهار ميں عجيب کيفيت هوتي تهي - هرے بهرے درختوں کے پتے پوري عمارت چهپا ليتے تهے - ايسا معلوم هوتا تها که واقعي باغ هوا ميں معلق کهڑے هيں - خوشبو اِس قدر هوتي تهي که تمام شهر معطر هو جاتا تها - خيال هوتا تها که جنت آنکهوں کے سامنے پهيلي هوئي هے - بابل کي گرمي ديکهتے هوئے يه باغ

آثار عتیقه

سات عجائب عالم

(۵)

روڈس کا عظیم بت

(The Colossus)

جزیرۂ روڈس (بحر متوسط) میں یه عظیم الشان اور شہرۂ آفاق بت قائم تھا - لیکن اب اسکا کوئی نشان باقی نہیں ہے - عہد مسیحی سے سو برس پہلے ہی وہ برباد ہوچکا تھا - مرکب دھات کا یه بت ٹکڑے ٹکڑے کرکے اِس طرح بیچا گیا ' جس طرح پرانا لوہا بکتا ہے !

مشہور رومانی مورخ پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں جزیرۂ روڈس کی سیر کی تھی - وہ لکھتا ہے :

" ہر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اِس جزیرہ میں نصب تھا - اِسے کیرس لنڈسی نے بنایا تھا - یه ستر گز (رومانی) بلند تھا - ۶۵ سال قائم رہنے کے بعد زلزله سے گرپڑا - وہ ابتک بدستور زمین پر پڑا ہے اور دیکھنے والوں کیلیے ایک منظر حیرت ہے ! کم آدمی ایسے نکلینگے جو بت کے ہاتھه کا انگوٹھا اپنے دونوں ہاتھه پھیلا کر بھی قبضه میں لاسکیں - بت کی انگلیاں اتنی بڑی ہیں که شاید ہی اِتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ہوں - پنڈلیاں اِتنی موٹی ہیں که اُنکے اندر لمبی گہری سرنگیں معلوم ہوتی ہیں - پنڈلیوں کے اندر عظیم الشان سنگی ستون تھے تاکه پاؤں بت کے جسم کا بوجھه سنبھال سکیں "

یه بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا - یه دیوتا اِس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا - کیرس بت تراش نے بارہ برس کی محنت سے اِسے طیار کیا تھا - لیکن سنه ۲۲۴ ق م میں زلزله نے اِسے گرا دیا -

اِس بت کی عظمت و شہرت اِس قدر عام ہوگئی تھی که باہر کے لوگوں میں طرح طرح کے ما فوق العادۃ قصے مشہور ہوگئے تھے - عام طور پر خیال کیا جاتا تھا که وہ جزیرہ کی خلیج پر اِس طرح کھڑا ہے که اُسکا ایک پاؤں ایک کنارے پر ہے ' دوسرا دوسرے کنارے پر - لیکن یه خلاف واقعه ہے - دراصل یه بت ایک برہنه آدمی کی شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا - رومن مورخ پلینی نے اُسکی بلندی کی نسبت جو کچھه کہا ہے ' اُسکی کسی دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ہے - اُسکے حساب سے بت کی بلندی ۱۰۵ فٹ تھی !

پورا بت مرکب دھات کا تھا - ٹانگیں پتھر کی تھیں ' اور مرکب دھات کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں - پیروں سے سر تک ایک اندرونی زینه بنا تھا - بعض مورخین کا بیان ہے که اِس زینه سے چڑھ کر روز رات کو بت کی آنکھوں میں آگ جلائی جاتی تھی تاکه اُس کی روشنی سے جہازوں کی رہنمائی ہو -

کہا جاتا ہے ' کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا که اُس سے ایک سخت فنی غلطی ہوگئی ہے - اِس غلطی کی اصلاح نا ممکن تھی - لہذا اُس نے خودکشی کرلی - لیکن اُسکی غلطی بعد میں کسی کو بھی نظر نہیں آئی - یونان اور پوری دنیا بیک زبان اُس کی صناعی کا اعتراف کر رہی ہے -

روڈس باوجود اپنی قدیم بدحالی کے اُس زمانه میں بہت دولت مند ہوگیا تھا - معدنی مصنوعات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی - بابل اور مصر سے تجارت کا سلسله قائم تھا - یونانیوں نے اُس کی دولت مندی دیکھکر اُس پر قبضه کرلیا اور وہاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کی - شہر کی رونق بھی اس درجه بڑھگئی که ایتھنز کا مقابله کرتا تھا - بعد میں اسپارٹا والوں نے اِسے فتح کیا - اُن کے بعد شاہ موسولوس نے غلبه حاصل کیا - یه وہی بادشاہ ہے جس کی قبر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ہوتی تھی اور ابھی ابھی ہم اُس کے تذکرہ سے فارغ ہوئے ہیں -

آگے چل کر ایرانیوں نے حمله کیا - ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا - سکندر کی وفات کے بعد اُس نے پھر اپنی آزادی حاصل کرلی اور خود مختار ہوگیا - یہی زمانه اُس کا سنہری زمانه سمجھا جاتا ہے - اُس وقت بحر متوسط میں تجارت کی اصلی منڈیاں دو ہی تھیں : اسکندریه اور روڈس -

اِس بت کی تاریخ یه ہے که مصر کے ایک بطلیموس بادشاہ نے (یعنی اُس خاندان شاہی کے بادشاہ نے جو بطلیموس کے لقب سے ملقب تھے) اپنے بھائی سے جنگ کی تھی - روڈس کے باشندوں نے بطلیموس کی مدد کی اور فتح دلائی - اِس پر اُس کے بھائی نے جزیرہ سے انتقام لینا چاہا اور ایک فوج گراں جہازوں میں لاکر محاصرہ کرلیا - فوج کی تعداد اِتنی زیادہ تھی که جزیرہ کی پوری آبادی اُس سے کم تھی - اہل روڈس زبردست دشمن دیکھکر گھبرا گئے - مگر بہادر تھے - مقابله کیا - بطلیموس کو اُن کا احسان یاد تھا - اُس نے اِس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپنی فوج بھیج دی - اس طرح روڈس اپنی حفاظت میں کامیاب ہوگیا -

اسی نجات کی یادگار میں اہل روڈس نے یه بت بنایا تھا ' اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دی تھی - بت کے بنانے میں جتنا کانسه لگا ' وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا -

عربوں کی فتح کے زمانه تک اِس بت کے کھنڈر موجود تھے - عربی مورخوں کا بیان ہے که اُنھوں نے یه کھنڈر ایک یہودی کے ہاتھه فروخت کرڈالے - یہودی نے اس سے تقریباً سو ٹن کانسه حاصل کیا -

تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

تصور الہی کی تکمیل
اور
اس کا سلسلۂ ارتقا

(۳)

(شاہیت اور الوہیت کے تشابہ کے نتائج)

شاہیت اور الوہیت کے اس لزوم و تشابہ نے انسان کے تصور الہی پر جو گہرہ اور دور رس اثر ڈالا ہے ' اُس کا اندازہ سرسری مطالعہ سے نہیں ہو سکتا - ضروری ہے کہ تصور الہی کے ایک ایک جزء اور ایک ایک عنصر پر نظر ڈالی جاے ' اور اُسکی امتزاجی اور خمیری حالت کی تعلیل کی جاے - اس سلسلہ میں حسب ذیل نقاط خصوصیت کے ساتھہ قابل غور ہیں :

(۱) انسان کی معیشت کی تاریخ میں نظم و حکومت کی ابتدا جمہوریت کے عنصر سے ہوئی ہے ' نہ کہ شاہیت و مالکیت کے عنصر سے -

یہاں لفظ " جمہوریت " سے مقصود جمہوری نظام حکومت نہیں ہے ' بلکہ جمہوریت کی وہ سادہ اور عنصری حالت مراد ہے جب کسی ایک شخص کو مالکانہ و حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا - ایک سے زیادہ آدمی مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر لیا کرتے تھے - یہ بات کہ کسی خاص فرد کو مالکیت و فرماں روائی کا اختیار حاصل ہو کہ جو چاہے حکم دے اور جس طرح چاہے اپنے ماتحتوں کے معاملات معیشت کا فیصلہ کرے ' بلکہ مساویانہ طریقہ پر لوگ مل جل کر اپنی ضروریات نظم و اجتماع کا انتظام کریں ' جمہوریت کا اصلی عنصر ہے ' اور یہی عنصری حالت یہاں مقصود ہے -

شخصی مالکیت اور شاہیت انسانی اجتماع کی ایک غیر طبیعی حالت ہے جو اُس وقت پیدا ہوئی ' جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنا مطیع و منقاد بنانا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ زیادہ طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامی و چاکری کرانے کا حق حاصل ہے - پھر جوں جوں تمدن و شہریت میں ترقی ہوتی گئی ' مالکانہ قبضۂ و تصرف بھی زیادہ خوش اُسلوب اور منظم ہوتا گیا ' یہانتک کہ شاہیت و حکمرانی کا نظام پیدا ہوگیا -

یہ بات کہ انسانی اجتماع کی تاریخ میں غیر شخصیت و شاہیت ' شخصیت و شاہیت پر مقدم ہے ' تاریخ کی روشنی میں صاف نظر آ جاتی ہے - ہم دنیا کے تمدنی عہد سے جس قدر پیچھے ہٹتے جائینگے ' شاہیت اور شخصیت کا نظام مفقود ہوتا جایگا ' اور مشترک جماعتی نظم اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں کار فرما نظر آیگا - دنیا کی جس قدر بھی غیر متمدن اور وحشی قومیں تاریخ کے علم میں آئی ہیں' ان میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس میں شخصی شاہیت کا نظام پایا گیا ہو - امریکہ ' افریقہ ' اسٹریلیا ' جزائر بحر شمال ' اور قبائل گرین لینڈ کی غیر متمدن آبادیاں شخصی مالکیت و سروری سے اُسی طرح نا آشنا پائی گئیں ' جس طرح سکہ کے استعمال سے نا واقف تھیں - عرب جس وقت تک بدویانہ زندگی میں رہا ' شخصی حاکمیت سے آشنا نہ ہوسکا - تاریخ کی روشنی میں جو ترتیب نظام حکومت کی واضح ہوتی ہے ' وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صحرائی اور انفرادی معیشت میں کسی نظم کا محتاج نہ تھا - جب قبائل کی زندگی شروع ہوئی تو خود بخود ایک ایسا سادہ اور بسیط نظم پیدا ہو گیا ' جیسا آج کل بھی دیہاتی پنچایتوں میں دیکھا جاسکتا ہے - بستی کے بڑے بوڑھے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھہ گئے اور تمام جھگڑے اور قصے چکا دیے - اس طریق کار سے رفتہ رفتہ قبائل کی سرداری کا منصب پیدا ہوگیا انہی سرداروں نے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زیر کرنا اور غلام بنا کر رکھنا شروع کر دیا ' اور اسی سے شخصی مالکیت کی بنیاد پڑگئی -

شخصی مالکیت اور شاہیت کی بنیاد قاہرانہ قوتوں کے استعمال اور جبر و تعدی کی ہولناکیوں سے پڑی تھی - یہ سرتاسر انسان کے سلبی اور تخریبی صفات تھے - ایجابی و تعمیری نہ تھے - البتہ آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کی بھی گنجایش نکل آئی - لیکن چونکہ شاہیت کا مایۂ خمیر ہیبت و قہر تھا ' اس لیے غلبہ ہمیشہ اسی قسم کے صفات کا رہا - رحم و بخشش کے اوصاف اس درجہ بڑہ نہ سکے کہ شاہی قہر و جلال کی ہیبت و سطوت میں خلل انداز ہوسکتے - نتیجہ یہ نکلا کہ اول دن سے شاہیت کا تصور سرتاسر ہیبت و قہر کا تصور ہوگیا - یہ بات انسان کے تخیل میں جم گئی کہ جس قدر ایک بادشاہ زیادہ پر ہیبت اور قہرمان ہوگا ' اُتنی ہی اُس کی شاہیت زیادہ مقتدر اور مسلم ہوگی !

ضروری تھا کہ شاہیت کے اس تصور سے انسان کا تصور الہی بھی متاثر ہوتا ' کیوں کہ دونوں میں مماثلت کی نسبت پیدا ہوچکی تھی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوسرے دور میں یہ مماثلت بھی صفات قہر و جلال کے استغراق کا ایک قوی باعث ہوگئی اور انسان کا تصور رحمت و جمال کی طرف تیز قدم نہ اُٹھا سکا - ٹھیک ٹھیک شاہیت و مالکیت کے تصور کی طرح ' خدا کے تصور میں بھی تمام قاہرانہ اور جابرانہ اوصاف نمایاں ہیں ' اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاہیت کے تصور میں مغلوب اور کمزور ہے ' اُسی طرح اُلوہیت کے تصور میں بھی زیادہ نہیں اُبھر سکتا - پھر جوں جوں شاہیت کے مزاج و اوصاف میں رقق و لطیف جذبات کا عنصر بڑھنے لگتا ہے ' تصور الہی میں بھی اس جانب ترقی ہونے لگتی ہے - شاہیت کا ابتدائی اور عالمگیر تصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہنا چاہیے - اُس کا غضب بے پناہ ' اور اس کی ہولناکی لا علاج ہے - وہ ایک ادنی سی لغزش پر قتل کرڈالتا اور ایک ذرا سی خطا پر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے - البتہ

فردوس بریں کا حکم رکھتے تھے - یهي باعث هے که اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار هوا اور سارے جهان میں شهرت هوا کي طرح پهیل گئي -

لیکن زمانه کے بے رحم هاتهوں نے یه دلفریب باغ بهي نه چهوڑے - بابل کي جنت برباد هوگئي اور شهر بهي تهه و بالا هوگیا - صدیوں تک لوگوں کو یه بهي معلوم نه تها که یه باغ واقع کهاں پر تهے ؟ سنه ۱۹۰۳ ع میں زمین کهودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیے جاتے هیں جس پر باغ نصب تهے - اِن باغوں کا باني بخت نصر (بنوکدنزر) وهي بخت نصر هے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یهودیوں کو قید کرلیا تها -

(۷)

اهرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اهرام مصري هیں جو ابتک قائم اور انقلابات زمانه کا مقابله کر رهے هیں - مصر میں متعدد اهرام هیں - مگر اُن میں سب سے زیاده مشهور اور عجائب عالم میں شمار هونے والا هرم "هرم کبیر" کے نام سے مشهور هے - یه قاهره کي موجوده آبادي سے ۲۸ کیلو میٹر فاصله پر جنوب میں واقع هے - اس میں ابتک کوئي اهم تغیر نهیں هوا هے - صرف اوپر کا پلاستر اُتر گیا هے اور چوٹي پر سے کچهه حصه ٹوٹ گیا هے -

یه هرم اب سے چهه هزار سال پہلے تعمیر هوا تها - مصر کي چوتهي سلطنت میں ایک بادشاه نے اِسے بنایا - ساٹهه برس اِس نے حکومت کي تهي - مصري زبان میں اِسکا نام " خوفو " تها - یوناني اُسے " خیوپس " کهتے تهے - قدیم مصري هرم کو " یاخیت خوفو " کے نام سے پکارتے تهے - اِسکے معني هیں " خوفو کا مقبره " دراصل یه عمارت بادشاه نے اِسي غرض سے بنائي تهي که مرنے کے بعد اس میں دفن هو - هرم کے مصري نام هي سے اسکا مقصد واضح هو جاتا هے - اِس سے بهي بڑه کر یه که خود هرم کے اندر تابوت بهي ملا هے اور اِس بات کي قطعي شهادت هے که اصل میں یه مقبره هي تها -

هرم کا دروازه شمال کي طرف هے - اِس دروازه سے ایک طویل اور تنگ سرنگ نما راستے میں داخل هوتے هیں - راسته ایک تهه خانے تک لیجاتا هے - خیال کیا جاتا هے که یهي تهه خانه ' قبر کیلیے مخصوص کیا گیا تها - کیونکه اسي میں تابوت رکها هے - مگر خود بادشاه کي لاش اُس میں نهیں ملي - نهیں کها جاسکتا ' بادشاه اُس میں کیوں دفن نهیں کیا گیا ؟ نیز اِبتک یه بهي معلوم نهیں هوا که اُسکي اصلي قبر هے کهاں ؟ بعض مورخین کا خیال هے که بادشاه نے اِس مقبره کے بنانے میں رعایا پر بهت ظلم کیا تها - اِس لیے ناراض هوکر مصریوں نے اُسکي لاش اس میں دفن نه هونے دي - لیکن اِس کے ایک کمره میں بادشاه کا نام سرخ روشنائي سے لکها هوا پایا گیا هے - خیال کیا جاتا هے که مزدوروں نے پتهر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے هي لکهدیا تها - اگر یه نام موجود نه هوتا تو دنیا هرگز نه جان سکتي که یه عمارت کس شخص نے بنائي تهي -

بادشاه کا تابوت سنگ سرخ کا هے - ساڑهے سات فٹ لانبا ' تین فٹ چار انچ چوڑا ' اور تین فٹ چار انچ اونچا هے -

بادشاه کے کمرے کے اوپر پانچ چهوٹے کمرے اور هیں - خیال کیا جاتا هے که یه اِس غرض سے بنائے گئے تهے که شاهي کمره پر سے عمارت کا بوجهه هلکا هو جائے - ملکه کا کمره بادشاه کے کمرے کے نیچے هے اور اصلي راسته سے ایک گلي اُسکي طرف جاتي هے -

قدیم زمانوں سے یه بات مشهور چلي آتي تهي که هرم کے اندر ایک بهت بڑا خزانه موجود هے - مگر کبهي کسي کو اُسکے کهودنے کي جرأت نهیں هوئي - خلیفه مامون الرشید نے البته کهدوانا شروع کیا تها ' مگر بعد میں معلوم هوگیا که خزانه کي افواهیں بے بنیاد هیں -

یوناني سیاح هیرودوتس نے هرم کي سیر کي تهي اور اپني کتاب میں اُس کا حال لکها هے -

شروع میں هرم پر چکنا پلاستر لگا هوا تها - کوئي اُس پر چڑه نهیں سکتا تها - مگر اب یه پلاستر اُتر گیا هے اور اُسکي چوٹي پر پهنچنا ممکن هے -

اِس هرم کي بلندي ۴۸۱ فٹ هے - شمالي جانب سے ۹۱۲ اور باقي تین طرف سے ٹهیک ۷۵۵ فٹ ۰۷ انچ لانبا هے - یه اس بات کي شهادت هے که قدیم مصریوں نے علم هندسه میں بڑي ترقي حاصل کي تهي -

دنیا کے سات عجائب میں اول درجه اِسي هرم کو حاصل هے -

(اسکندریه کا شهرهٔ آفاق مناره)

یه تصویر اُن تصریحات کي بنا پر بنائي گئي هے - جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کي زباني معلوم هوتي هیں -

(مورخین عرب کي تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یه مختصر بیان تها جو ختم هوگیا - هم نے بابل ' منارهٔ اسکندریه ' اور اهرام کے حالات میں صرف وهي امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبني هیں ' اور وه تمام تفصیلات ترک کردیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمه کي جاچکي هیں - اب اس کے بعد همیں تفصیل کے ساتهه وه تحقیقات بیان کرني هے جو قدیم عرب مورخین نے کي تهي ' خصوصاً بابل ' اسکندریه ' اور اهرام مصر کي نسبت اُن کي تصریحات تاریخ کا نهایت قیمتي اور قابل غور موضوع بحث هے -

مصریوں نے " تھوت " اور " ھرمس " میں (اور ھرمس Hermes یونانیوں کا بھي معبود تھا) علم و حکمت کے تمام ابتدائي سر چشمے دیکھے (۱) بابل نے جو علم ھئیة کے کشف و ترقي کا سب سے پہلا سر چشمہ ھے ' آسمان کے ارواح الوھیت میں سورج کا قہر اور مریخ کي خون آشام تلوار دیکھي تھي - اب زھرہ کي مسکراھت اور عطارد کي حکمت و دانائي کي سنجیدہ صورت کا بھي تماشائي ھوگیا - یونان کي فکري لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں اور زیادہ نظم و اسلوب پیدا کیا - عشق و محبت ' علم و حکمت ' صلح و امن ' زراعت و پیداوار ' مال و دولت ؛ سب کے آسماني کارساز الگ الگ جلوہ فرما ھوگئے ' اور انکي چوکھٹیں صفات جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبلۂ عبادت بن گئیں - مصر ' ھندوستان ' اور یونان میں بابل کي کواکب پرستي کي دعوت پہنچ چکي تھي ' اسلیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ ھي کے تعبدانہ مشاھدہ میں پیدا ھوا -

ایران جو دنیائے قدیم کے ادیان و ملل میں اپني بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولي امتیاز رکھتا ھے ' اور جس نے باوجود مظاھر پرستي کے انہماک کے ' اصنامي پرستش کے تخیل سے ھمیشہ گریز کیا ؛ اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرتا ھے ' اور ثنویت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے تضاد کي مشکل حل کرتا ھے - یعنے اس اعتقاد کا نقشہ آراستہ کرتا ھے کہ خالق حقیقي کے ماتحت دو کارساز قوتیں کارفرما ھیں : قوت خیر اور قوت شر - یعني " یزداں " اور " اھرمن " تمام ایجابي اور جمالي صفات یزداں کے حصے میں آئي ھیں ' اور تمام سلبي اور قہري صفات اھرمن کے حصے میں - یزداں کي تعمیري صفت بنانا چاھتي ھے - اھرمن کي تخریبي صفت بگاڑنا چاھتي ھے - گویا کون و فساد کي کشا کش اپني منتہاء ازلیت میں دو متضاد کارفرماؤں کي کشمکش پر ختم ھوتي ھے -

غرضکہ اس دور کے آخري عہد میں بہ حیثیت مجموعي ذھن انساني نے ایک ایسي مزاجي استعداد پیدا کر لي تھي کہ وہ صفات سلبیہ کے ساتھہ صفات ایجابیہ کا بھي بالاستقلال تصور کر سکتا تھا - البتہ غلبہ اب بھي صفات سلبیہ ھي کے تصور کا تھا - تصور الہي کے اس بنیادي نقطہ میں کہ عبادت کي اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ھے ' نہ کہ اُسے چاھنا اور اُس سے نزدیک ھونا ' کوي تبدیلي نہیں ھوي تھي - پس گو اس عہد میں انسان خدا کي رحمت و جمال کا نظارہ کرنے لگا ' لیکن اسکے ذھن پر تسلط ' خدا کے قہر و غضب کے خوف ھي کا تھا - جمال و رحمت کي شیفتگي کا نہ تھا - اس منزل تک پہنچنے کیلیے اُسے ابھي کئي ارتقائي منزلیں طے کرني تھیں -

مذھبي اعمال میں تمام تر دارومدار قرباني اور اسکي بے شمار اقسام پر تھا - علم و حکمت اور رزق و بخشش ھي کا دیوتا کیوں نہو ' لیکن بغیر قتل و ھلاکت کي بھینٹ کے خوش نہیں ھو سکتا تھا - مذھبي اور معبدي رسوم کي کارفرما جماعتیں (یعني مندروں کے پجاریوں ' معلموں ' رھنماؤں کی جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کي شکل میں قائم ھو چکي تھیں - انکے اقتدار و بالا دستي کا اعتقاد مذھبي عقائد کا سب سے زیادہ ضروري عنصر بن گیا تھا - ان معبدي اور اصنامي جماعتوں کے نظام کے قیام نے بھي انسان کے دیني عقائد کي تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا - عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا ' ان میں سب سے زیادہ موثر چیز یہي مذھبي قسم کا خوف اور آسماني قسم کي دھشت انگیزي تھي - اس لیے یہ جماعتیں قدرتي طور پر آسماني قہر و غضب کي دائمي مبلغ بن گئي تھیں ' اور انساني دماغ کو خوف و دھشت سے الگ ھوکر ' خدا کے طرف نظر اُٹھانے کي مہلت ھي نہیں ملتي تھي - جن لوگوں نے مصر ' ھندوستان ' اور یونان کي معبدي جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ھے ' وہ اندازہ کر سکینگے کہ اُس عہد کے دھشت انگیز دیني موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوي و فعال رھي ھے ؟

اس دور کے اِس آخري عہد میں پہنچکر ھمارے لیے ممکن ھو جاتا ھے کہ سنین و ایام کے موجودہ حسابات سے اِس کا زمانہ متعین کر سکیں - یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ھے - اِس عہد کے کچھہ عرصے بعد سامي دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ھو جاتا ھے -

(سامي دعوت کا ظہور)

" سامي دعوت " سے مقصود تورات کي دعوت ھے - تورات کے ظہور کا زمانہ تقریباً (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنین کے صحیح تعین میں متعدد تاریخي اور ھئیتي اختلافات حائل ھیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ھے - تورات کے عبراني سنین کي جو تقویم آجکل کے علماء فن نے مرتب کي ھے ' بعینہ وھي ھے جو ابو ریحان بیروني وغیرہ عرب محققین زیج و تقاویم نے مرتب کي تھي - اس سے ثابت ھوتا ھے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خروج مندرجۂ صدر سنہ میں ھوا تھا - اسلیے تقریباً یہي زمانہ حضرة موسی (علی نبینا و علیہ الصلواة والسلام) کے ظہور اور تورات کے نزول و دعوت کا زمانہ ھے -

(۱) ھرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمي ھوئي ھے ' اور انکي تقلید سے زمانۂ حال کے بعض مستشرقین یورپ بھي غلط فہمي میں مبتلا ھوگئے - چونکہ یونان اور مصریوں کے عقیدے میں ھرمس علم و حکمت کا دیوتا تھا ' اسلیے متاخرین حکماء نے اکثر علوم و فنون کي ابتدا اُسکي طرف منسوب کردي تھي ' اور بعض کتابوں میں علوم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا ' گویا ھرمس کا الہام رباني بیان کر رھا ھے - جب اِن کتابوں کا عہد عباسیہ میں ترجمہ ھوا تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمي ھوگئي کہ ھرمس یونان و مصر کے حکما میں سے کوئي حکیم ھے - پھر کوشش کي گئي کہ اُس کا زمانہ متعین کیا جاے - بعضوں نے اُسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا - اس سے یہ خیال پیدا ھوا کہ ھرمس اور ادریس ایک ھي شخصیت کے دو نام ھیں - بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس " اخنوخ " کا ذکر آیا ھے ' وھي یونانیوں کے یہاں ھرمس کے نام سے مشہور ھے - بعضوں نے دیکھا کہ ھرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں مین پایا جاتا ھے - اِس لیے انھوں نے تطبیق کي یہ صورت نکالي کہ تین ھرمس فرض کرلیے : کبیر ' درمیاني ' صغیر - حالانکہ سرے سے ھرمس نامي کسي انسان کا وجود ھي ثابت نہیں - وہ محض ایک خیالي شخصیت ھے - جیسي شخصیت ھندوستان مین نظم و حکمت کے لیے بیاس جي کي فرض کر لي گئي ھے - ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۶۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطي نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۶) اور ابن ابی اُصیبعہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۶) ھرمس کي نسبت جو کچھہ لکھا ھے ' وہ اسي غلط فہمي کا نتیجہ ھے - ھرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربي میں ترجمہ ھوئیں ' زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور احکام نجوم کي کتابیں ھیں - رمل کے ابتدائي خطوط بھي اُسي کے طرف منسوب ھیں - البتہ بیروني اور حموي کي بعض تصریحات سے معلوم ھوتا ھے کہ فن ھئیة و زیج میں بھي اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے - عجیب بات یہ ھے کہ دنیا کي سات اقلیموں والي تقسیم جو ایران کے " ھفت کشور " سے لي گئي تھي ' محمد بن ابراھیم فزاري نے اسي کے طرف منسوب کي ھے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۹)

کاہ کاہ ایسا بھي ھوتا ھے کہ اس کي طبعیت رحم وکرم پر آجاتي ھے ' اور وہ بخش بھي دیتا ھے اور مالا مال بھي کردیتا ھے - بعینہ یہي تصور خدا کا بھي تھا - اور اسلیے خدا کي صفات رحمت و جمال کي نسبت جو کچھہ بھي سمجھا جاتا تھا ' وہ اس سے زیادہ نہ تھا ' جیسا ایک پر ھیبت بادشاہ کي نسبت سمجھا جاسکتا ھے -

(۲) صفات الہي کے تصور کا ایک نازک اور دقیق پہلو یہ ھے کہ خدا کے افعال کیلیے کوئي مقصد و غایت ھوني چاھیے یا نہیں؟ اس لحاظ سے افعال الہي کي دو ھي نوعیتیں ھوسکتي ھیں - ایک یہ کہ اسکے تمام افعال بغیر کسي غایت اور حکمت کے ھیں - ایک یہ کہ اسکاھر فعل کسي مقصد اور حکمت پر مبني ھے - شاھیت اور الوھیت کے تشابہ کا اثر تصور الہي کے اس گوشہ پر بھي پڑا - انسان ھزاروں برس تک خدا کے افعال بھي اسي رنگ روپ میں دیکھتا رہا ' جسمیں اپنے چاندي سونے کے تخت پر بیٹھنے والوں کو دیکھتا تھا - وہ " قدرت " کے ساتھہ " حکمت " جمع نہیں کرسکا - اسکا خیال یہ تھا کہ حکمت اور مقصد کي رعایت دلیل عجز ھے - یہ عام انسانوں کیلیے ضروري ھے جو اپنے حاکموں اور پادشاھوں کے سامنے جوابدہ ھیں ' لیکن ایک پادشاہ جو کسي کے سامنے جوابدہ نہیں ' حکمت و غایت کي رعایت سے ما وراء ھے - ایک پادشاہ جسقدر زیادہ طاقتور اور زیادہ اونچے قسم کا ھوگا ' اُتنے ھي اسکے اعمال زیادہ مطلق العنان ' زیادہ بے ترتیب ' زیادہ بے مصلحت ' زیادہ بے معني ھونگے - وہ بغیر کسي سبب و موجب کے ھزاروں آدمي قتل کر ڈالیگا - بغیر کسي مصلحت کے عمارتیں ڈھا دیگا ' بغیر کسي ضرورت کے نئي عمارتیں کھڑي کر دیگا - ھوسکتا ھے کہ محض اتني سي بات دیکھنے کیلیے کہ رات کي تاریکي میں آتشزدگي کا تماشہ کیسا ھوتا ھے ؟ وہ ایک پورا آباد شہر جلا ڈالے !

یہ جو ھندوستان ' مصر ' یونان ' وغیرہ قدیم متمدن ممالک کي دیوباني کہانیوں میں ھم دیکھتے ھیں کہ دیوتاؤں کے جسقدر بھي اعمال دکھلائے ھیں ' وہ سب اسي نوعیت کے ھیں - ایسا معلوم ھوتا ھے ' جیسے چند انسان ھر طرح کي طاقت اور اختیار پاکر بے قابو ھوگئے ھیں اور طاقت اور اختیار سے کھیلنے لگتے ھیں - محض اسلیے کہ وہ طاقت رکھتے ھیں ' اپني اپني طاقتیں لہو و لعب کي طرح بلا ضرورت استعمال میں لاتے ھیں ' اور انکي اس کھیل کود سے کائنات ھستي کے ھزاروں کارخانے بننے بگڑنے لگتے ھیں ' تو اس چیز کے اندر وھي شاھي و مالکي مزاج کام کر رہا ھے - پادشاھوں کي زندگي ایسي ھي تھي ' اسلیے دیوتاؤں کے تصور میں بھي اُسي کا عکس نمایاں ھوگیا -

تصور الہي کے اس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء میں ترقي ھوگئي تھي ' لیکن چونکہ شاھیت اور الوھیت کا تشابہ راسخ ھوچکا تھا ' اسلیے ترقي کي ھر منزل میں شاھیت ھي کي قسم کا تصور قائم ھوتا رہا - اُس سے الگ نہ ھوسکا -

(۳) یہ جو ھم دیکھتے ھیں کہ تمام قدیم اقوام کے الہي تصورات میں ' با وجودیکہ وہ تمدن و شایستگي کے بڑے بڑے درجے طے کر چکي تھیں ؛ ادنی درجہ کے حیواني اور بہیمي افعال کے تخیلات سے کسي طرح کا اجتناب نہیں پایا جاتا ' تو اس میں بھي بہت حد تک اسي تشابہ کو دخل ھے - بلا شبہ ان تخیلات کي بنیاد جمیعت بشریہ کے عہد طفولیت میں پڑي تھي جبکہ ذھن انساني بالکل ناتراشیدہ حالت میں تھا ' لیکن عہد تمدن میں کیوں یہ تخیلات بالکل متروک نہیں ھوگئے ؟ اس کي علت یہي ھے کہ شاھیت اور الوھیت کے تشابہ نے یہ اعتقاد پیدا کردیا تھا کہ شاھیت و خداوندیت کیلیے اس قسم کي زندگي نقائص کا موجب نہیں ھے ' بڑائي اور غیر مسئولیت کا نتیجہ ھے - چونکہ خدا کے تصور میں بھي شاھیت کي مماثلت کارگر ھوچکي تھي ' اسلیے اس میں یہي یہي شان پیدا کردي گئي -

(۴) حکومت بالوسائط ' یعنے خالق حقیقي سے کائنات ھستي کا تعلق براہ راست نہیں ھے - درمیان میں وسائل و وسائط ھیں - خدا انہي کے ذریعہ تمام کارخانۂ وجود چلا رہا ھے ' اسي تشابہ کا ایک نہایت گہرا اور دور رس نتیجہ ھے -

(۵) تصور الہي کا یہ قدیم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معاصي کیلیے جسم انساني کي تعذیب ضروري ھے ' بغیر اسکے خدا کي خوشنودي حاصل نہیں ھوسکتي ' اسي تشابہ کے برگ و بار میں سے ھے - غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر سخت سخت سزائیں دیدیتے تھے ' اور جب تک سزا واقع نہیں ھوجاتي تھي ' اُن کا غصہ ٹھنڈا نہیں ھوتا تھا - یہي بات خدا کے تصور میں بھي پیدا ھوگئي - انسان نے دیکھا کہ اُسکي جسماني عقوبت ؛ اُسکے شاھي مالکوں کا غضب ٹھنڈا کر دیتي ھے ' اسلیے اُس نے خیال کیا کہ اُس کے آسماني خداوندوں کے اطفاء غضب کیلیے بھي ضروري ھے کہ طرح طرح کي جسماني عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرے - قرباني کي شکل میں یہي چیز قتل نفس تک پہنچ گئي - انسان اپنے ھم جنس کو ' اپني اولاد کو ' خود اپنے آپ کو عفو قصور اور حصول رضاء الہي کیلیے قتل کرنے لگا -

(۶) خدا کے تصور کا ایک نہایت اھم پہلو اُس کي معبودیت کا اعتقاد ھے - یعني یہ کہ اُس کي عبادت کرني چاھیے - لیکن عبادت کیوں کرني چاھیے ؟ اِس کا صحیح جواب ذھن انساني کي نا رسا استعداد معلوم نہ کرسکي - خدا کا تصور کرتے ھوئے اس نے صرف اُس کي صفات قہر و جلال ھي کا نظارہ کیا تھا ' اس لیے عبادت کي بنیاد خوف و دھشت کے جذبات سے پڑي تھي ' نہ کہ محبت و عبودیت سے - اُس نے خدا کو ایک خوفناک ھستي کي شکل میں دیکھا تھا ' اس لیے اُس کے غضب سے بچنے کے لیے اُس کي خوشامد کرني چاھتا تھا - شاھیت و اُلوھیت کے تشابہ سے یہ تخیل اور زیادہ راسخ و محکم ھوگیا - مطلق العنان اور قہرمان شاھیت بھي ھر انسان سے غلامي و چاکري کراتي تھي ' اور لوگ اپنے دل کي خوشنودي سے نہیں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کي خدمت و اطاعت کرتے تھے - نیز اُن کے ھیجان غضب سے بچنے کیلیے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پیش کرتے تھے - خدا کي معبودیت کي بھي ٹھیک ٹھیک یہي نوعیت تھي - جس طرح انسان اپنے تخت نشین حاکموں کي چاکري کرتا تھا ' تاکہ اُن کے ظلم و قہر سے بچے ' اُسي طرح وہ اپنے آسمان نشین کارسازوں کي بھي بندگي کرتا ' تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نشانہ نہ بنے - جس طرح وہ اپنے پادشاھوں کو طرح طرح کے نذرانے پیش کرتا تھا تاکہ وہ خوش ھوکر مہربان ھوجائیں ' اسي طرح وہ اپنے خداؤں کے لیے بھي طرح طرح کے نذرانے تجویز کرتا تاکہ وہ مہربان ھوکر اُس کي التجائیں سن لیں -

(دوسرے دور کا منتہاء بلوغ)

اس دور کي منتہاء ترقي یہ تھي کہ بہ تدریج صفات رحمت و جمال کا عنصر ' جو ابتدا میں بہت ھي دھیما تھا ' اس درجہ اُبھر آیا کہ صفات سلبیہ کي طرح صفات ایجابیہ کا بھي بالاستقلال تصور قائم ھوگیا - ھندوستان اور مصر میں علم ' محبت ' دولت ' نسل ' اور رزق کے بھي دیوتا اُسي طرح پیدا ھوگئے ' جس طرح ھلاکت اور بربادي کے بے شمار دیوتا موجود تھے - ھندوستان کي سرسوتي ' لکشمي ' اور درگا وغیرہ کي مورتیاں آج تک ھمارے سامنے سے گذرتي ھیں -

مقرر یا سیاسی ؟

(سیاست سے پہلے تربیت)

(مقتبس از بعض رسائل مصر)

ھمارے ھاں " سیاست " سب سے آسان تر کام ھے ' کیونکہ کسي اصول اور قاعدہ کا علم اس کیلیے ضروري نہیں - لوھاري ' نجاري ' جلد بندي ' نعل بندي ' حتی کہ حجامت بھي سیاست سے مشکل ھے ' کیونکہ یہ تمام پیشے اپنے مقررہ اصول اور قواعد رکھتے ھیں ' جنکے جانے بغیر کوئي آدمي انھیں اختیار نہیں کر سکتا - لیکن " سیاست " کي حالت اس سے بالکل مختلف ھے - جس لمحہ چاھو " سیاسي " ھونے کا اعلان کردے سکتے ھو ' اور سیاست کے نام سے جو بکواس بھي چاھو بلا تامل کر سکتے ھو - کوئي تم پر اعتراض کي جرأت نہیں کرسکتا ' کیونکہ ھمارے ھاں سیاست کسي اصول اور قاعدہ پر مبني نہیں ھے -

لیکن جو قومیں " سیاست " جانتی ھیں ' اُنکے نزدیک یہ چیز بہت مشکل ھے - اُنکے یہاں اِسکے لیے کچھہ اصول و قواعد ھیں ' جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئي آدمي سیاسي نہیں ھو سکتا - اُنکے نزدیک سیاست کي شرطوں میں سے اولین شرط ' اخلاق ھے اور آخري شرط ' کلام یا تقریر ھے - اُنکے یہاں سیاسي ایک خاموش ' پر فکر ' اور کارکن ھستي ھے - اُسکي آواز بازاروں ھیں سني نہیں جاتي - مجلسیں اُسکي لفاظی سے نا آشنا ھوتي ھیں - وہ خاموش دریا کی طرح ' بغیر کسي شور و غل کے کام کرتا ھے - اُنکے یہاں سیاسي زیادہ بولنے والے ' کم کام کرنے والے ' اور اپني شہرت کا ڈنکا بجانے والے کو نہیں کہتے - بلا شبہ اگر اپنے تدبر اور قوت عمل کے ساتھہ سیاسي ' قوت خطابت کا بھي مالک ھے ' تو سونے پر سہاگا سمجھا جاتا ھے - لیکن برک ' برابٹ ' اور گلیڈسٹون کي شہرت صرف اُنکي خطابت کي وجہ سے نہ تھي - وہ پہلے سیاسي تھے - پھر خطیب اور مقرر -

بہت سے بڑے بڑے سیاسي ایسے گذرے ھیں جنکي تقریریں مجلسوں میں نہیں گونجتي تھیں - لیکن اُنکے خاموش کام دنیا کو ھلا ڈالتے تھے - اِن سیاسیوں کي فصاحت کا یہ حال تھا کہ جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کھڑے ھوتے تھے ' تو بہت سے ارکان اُٹھکر سگریٹ نوشي کیلیے چلے جاتے تھے - اور جو بیٹھے رھتے تھے ' انمیں سے بھي اکثر اونگھہ کر خراٹے لینے لگتے تھے - لیکن با وجود اِسکے اُنکے عمل ابتک زندہ ھیں - دنیا کي تاریخ میں اُنکے نام جلي حرفوں میں لکھے ھیں - بر خلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کي طرح گرجتے تھے ' مرتے ھي گمنام ھوگیے !

ڈیوک ولنگٹن مقرر نہ تھا ' بلکہ اپني کم سخني کي وجہ سے " خاموش " کے لقب سے مشہور ھوگیا تھا - تا ھم " آھني " کہلاتا تھا ' کیونکہ اُسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباہ کیا اور حالت امن میں محض اپني اخلاقي قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کرلیے - کوئي نہیں کہہ سکتا کہ خاموش ولنگٹن کا مرتبہ مقرر گلیڈسٹون سے کم تھا -

هم قوت خطابت کي اھمیت گھٹانی نہیں چاھتے - ھم تسلیم کرتے ھیں کہ یہ قوت خدا کي نعمتوں میں سے ایک بڑي نعمت اور قوموں کي اجتماعي زندگی میں ایک ضروري عامل ھے - لیکن ھم اپني قوم کا یہ اعتقاد غلط ثابت کرنا چاھتے ھیں کہ " تقریر ھي سب کچھہ ھے " جس کي تقریر موثر ھوتي ھے ' اُسے سب کچھہ سمجھا جاتا ھے ' اور جس کي تقریر کمزور ھوتي ھے ' اُسے کچھہ نہیں سمجھا جاتا - حالانکہ ایک کم علم ' بہترین مقرر ھوسکتا ھے اور علامۂ دوراں ' تقریر کے میدان میں ایک قدم بھي نہیں چل سکتا -

تھوڑے دن ھوئے ' مسٹر بالڈون موجودہ وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تھي - یہ تقریر ھمارے موضوع سے متعلق ھے ' اور اِس لائق ھے کہ عوام اُسے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں - اُنھوں نے نہایت عمدہ طور پر ثابت کیا ھے کہ افراد اور قوموں کي سیاسي زندگي میں تربیت کتني ضروري چیز ھے ؟

وزیر اعظم نے کہا " تربیت کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ھے کہ وہ عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتي اور حقائق اشیا دیکھنے کا موقعہ بہم پہنچاتي ھے - علم ھمیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بد ظن کرتا ھے - آزاد ملکوں میں اگر کسي شخص کو شک و شبہ کي نظر سے دیکھنا ضروري ھے ' تو وہ لچھے دار تقریریں کرنے والا شخص ھے - یعني وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ کو اپني لساني سے مسحور کردیتا اور گمراھي کو خوشنما بنا کر عام کرتا ھے - آزادي کے ھر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ ' یہي گمراہ مقرر رھے ھیں - اِس وقت بھي ھیں ' اور آئندہ بھي رھینگے - ھماري موجودہ آزادي مقدس ھے - ھمیں یقین ھے کہ آزادي ھمارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ھے - ھم کسي طرح بھي گوارا نہیں کرسکتے کہ ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپني زبانوں کے زھر سے اُسے مسموم کرڈالیں "

" بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تھا - لیکن اٹھارہ برس کي عمر میں پہنچکر میں نے " فروڈ " کا یہ قول پڑھا " فن خطابت (تقریر) علمي بدکاري ھے " اُس دن سے میرا عشق ' نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بھروسہ اٹھہ گیا "

" وزیر اعظم ھونے کے بعد میں نے سنا کہ جماعت کي ایک معزز خاتون نے ' جس سے مجھے تعارف کي عزت حاصل نہیں ' اپنے

مذاکرہ علمیہ

لاسلكي كا راز

لاسلكي (بے تار كي تار برقي) كي دنيا ميں بهت سے ايسے راز هيں جنهيں علم ابتك حل نہيں كر سكا ہے ـ

***

مثلاً يه كه لاسلكي لهريں ' روشني سے زياده اندهيرے ميں تيز چلتي هيں ـ لاسلكي سے خفيف سي بهي واقفيت ركهنے والے جانتے هيں كه دن سے زياده رات ميں اس كي آواز بلند هوتي ہے ـ غروب كے بعد لاسلكي لهروں كي رفتار تقريباً دوني هو جاتي ہے ـ

علماء اِس مسئله كے قطعي حل سے ابتك عاجز هيں ـ بهترين توجيهه جو كي گئي ہے يه ہے كه نور اور حرارت كا لاسلكي لهروں سے گهرا علاقه ہے ـ كيونكه يه دونوں چيزيں اُن موجوں سے پيدا هوتي هيں جو اثير (ايتهر) ميں نهايت هي غير معمولي سرعت سے بهتي هيں ـ اِن موجوں اور خود اثير كي موجوں ميں بڑا فرق يه ہے كه اول الذكر ' آخر الذكر سے بهت چهوٹي هوتي هيں ـ

ظاهر ہے كه سطح زمين سے جو اثير محيط ہے ' وه دن ميں نور و حرارت كي اُن موجوں سے لبريز هوتا ہے جو سورج سے منفصل هوتي هيں ـ يه موجيں ' اثير كي موجوں ميں سخت اضطراب پيدا كر ديتي هيں ـ اِسكا نتيجه يه هوتا ہے كه آواز ميں بهي اضطراب پيدا هو جاتا ہے ـ كيونكه وه اثير هي كے ذريعه منتقل هوتي هيں ـ

يه صرف دن هي ميں هوتا ہے ' جبكه نور و حرارت كي موجيں اثير ميں موجود هوتي هيں ـ رات كو چونكه اثير اُنسے خالي هوتا ہے ' اِس لئے اُسكي موجوں ميں اضطراب پيدا نہيں هوتا ' اور چونكه اُسكي موجوں ميں اضطراب پيدا نہيں هوتا ' اس ليے آواز بهي صاف اور بلند سنائي ديتي ہے ـ

***

لاسلكي كا يه راز بهي عجيب ہے كه اُسكي موجيں هميشه قوسي خط پر چلتي هيں ـ گويا زمين كي قوسي سطح كے مطابق اپنا راسته بناتي هيں ـ ليكن نور و حرارت كي موجوں كا يه حال نہيں ہے ـ وه خط مستقيم پر بهتي هيں ـ ثبوت يه ہے كه مثلاً ايک مناره تيس ميل كي مسافت پر سے دكهائي نہيں ديتا ـ اسكي دو وجهيں هيں : ايک يه كه زمين گول ہے اور اُسكي سطح قوسي شكل كي ہے ' لهذا دور كي بلنديان افق ميں چهپ جاتي هيں ـ دوسري وجه يه ہے كه نور كي شعاعيں خط مستقيم پر پهيلتي هيں اور افق ميں چهپي هوئي بلنديان ظاهر نہيں كرسكتيں ـ بر خلاف اسكے لاسلكي موجيں پورے نصف كرۂ ارضي تك پهيلائي جاسكتي هيں ' كيونكه وه زمين كي سطح كے مطابق چلتي هيں ـ

اِس كي تعليل علماء كے ايک گروه نے يه كي ہے كه لاسلكي لهروں كي رفتار ' اُس غبار كے ذرات يا ائيز كي وجه سے قوسي هو جاتي ہے جو كرۂ ارضي كي فضا ميں منتشر اور اُس سے محيط ہے ـ اُنكا خيال ہے كه يه لهريں جب لاسلكي آله سے نكلتي هيں تو ايک عظيم قوت كے ساتهه بلند هونا شروع هوتي هيں ' يهانتک كه زمين سے محيط غباري طبقه تک پهنچ جاتي هيں ـ پهر وهاں سے لوٹتي هيں اور اُسي طرح زمين پر منعكس هوتي هيں ' جس طرح آئينه سے نور منعكس هوتا ہے ـ يه عمل برابر جاري رهتا ہے ـ گويا يه لهريں فضا ميں پراگنده هونے كے ليے بهاگتي هيں مگر غباري ذرے اُنهيں واپس كرديتے هيں ؛

ليكن علماء كا ايک دوسرا گروه اثير كے وجود هي سے منكر ہے ـ اُسكا دعوى يه ہے كه جن لهروں كو هم لا سلكي كهتے هيں ' وه فضا ميں نہيں بلند هوتيں ـ زمين هي پر بهتي هيں ـ

***

يه لا سلكي راز بهي كچهه كم حيرت انگيز نہيں كه بعض علاقوں ميں قوي سے قوي لا سلكي آواز بهي ظاهر نہيں هوتي ـ يا بهت هي دهيمي سني جاتي ہے ـ يه علاقے اِس فن كي اصطلاح ميں " خاموش علاقے " يا " موت كے علاقے " كهلاتے هيں ـ ايک امريكي عالم لاسلكي كا بيان ہے كه وه ايک مرتبه لاسلكي آله ليكر شمال كي سمت روانه هوا تا كه اِس علم پر تقريريں كرے ـ ليكن وه جوں جوں شمال كي طرف بڑهتا گيا ' اُسكا آله بهي كمزور پڑتا گيا ـ اُسے خيال هوا كه شايد آله ميں كوئي خرابي پيدا هوگئي ہے ـ چنانچه نيا آله خريد ليا ـ مگر اُسكي آواز بهي دهيمي هوتي چلي گئي ـ يهانتک كه ايک ايسے شهر ميں پهنچا ' جهاں آله سے مطلقاً كوئي آواز سنائي نہيں ديتي تهي ـ وه سخت متعجب هوا اور كوئي سبب سمجهه نه سكا ـ مگر برابر سفر كرتا رها ' يهانتک كه آله سے آواز پيدا هونا اور بڑهنا شروع هوگئي ـ بعد ميں اُسے معلوم هوا كه آله ميں كوئي خرابي واقع نہيں هوئي تهي ' بلكه " موت كے علاقے " نے اُسے معطل كر ديا تها ـ

***

يه ' اور اِسي طرح كے بعض اور لاسلكي معمے هيں جنهيں علم ابتک پوري طرح حل نہيں كرسكا ہے ـ ممكن ہے كه يه معمے حل هو جائيں ' ليكن علم انساني كے معمے اور كائنات هستي كے راز كبهي حل نه هوسكيں گے ـ انسان دس معمے سلجهاتا ہے ' تو سو نئے معمے اُس كے اضطراب عجز كے ليے پيدا هو جاتے هيں ـ انسان كے ليے اب سے هزاروں برس پيشتر بهي علم كے معمے تهے ' اب بهي معمے هيں ' اور شايد آينده بهي هميشه معمے باقي رهينگے :

وما اوتيتم من العلم الا قليلا ـ

تھے - چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فروشي اور سلطان عبد الحمید کي مذبذب اور متزلزل حکمت عملي کي کمزوري سے " تل الکبیر " کے معرکہ کے بعد انگریزي فوج مصر میں داخل ہوگئي ' تو عربي پاشا اور محمود باردي پر مقدمہ چلایا گیا ' اور شیخ محمد عبدہ بھي ان کے ساتھہ گرفتار کرلیے گئے - اِن کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ اُنھوں نے وقائع مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تھے جن میں تحریک کي حمایت کي گئي تھي- غالباً سعد زغلول بھي اُن کے تعلق کي وجہ سے مبتلاے محن ہوے لیکن بعد کو رہا کردیے گئے - کیونکہ فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سوا اِن کا تحریک میں کوئي حصہ نہ تھا -

اسي زمانہ میں اِنھیں نئي تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسي زبان کي تحصیل کي- پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت شروع کردي- اُن کي غیر معمولي ذہانت اور طبعي استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انھوں نے مصر کي اعلی عدالتوں میں وکالت کرني چاھی ' تو سرکاري محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ نہ تو اُنھوں نے با قاعدہ سرکاري مدارس میں تعلیم حاصل کي تھي ' نہ یورپ کے مدارس قانون کي کوئي سند رکھتے تھے - لیکن انھوں نے اپنے استحقاق و اھلیت پر اصرار کیا ' اور کہا " اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اھلیت پر ھے نہ کہ سند کے ایک پرزہ پر ' تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جاے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے بیرسٹر کو محامي کہتے ھیں) بہتر ثابت ھوں تو میري درخواست منظور کي جاے " یہ واقعہ ھے کہ امتحان لیا گیا ' اور اُن کي قانوني استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھي پوري اُتري !

فقدناه ، والامال ترجو حیاته
وفی اللیلة الظلماء یفتقد البدر !

فقید الشرق ' احمد سعد زغلول

انکي غیر معمولي استعداد نے بہت جلد ترقي مناصب کي راہ اُن پر کھول دي - پہلے بعض قانوني مناصب پر مامور ہوے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ شہرت حاصل کرلي کہ وزیر تعلیم ہوگئے -

اسي زمانہ میں مصري مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلي) کے نظام میں وسعت ہوئی ' اور نئے نئے طریقہ رائج ہوے - یہ ہر موقعہ پر سرکاري مناصب کیلیے ایک اول درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تھے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انھیں اپنا رئیس منتخب کیا ' جسپر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسي مسلک)

سعد زغلول کي تعلیمي اور سیاسي ' دونوں زندگیوں کي ابتدا شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تاثیر سے ہوي تھي ' اسلیے وہ اپني زندگي کے آخري سالوں تک (یعنے سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ التواء جنگ کے بعد انھوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے) اُسي مسلک پر گامزن رہے جو واقعۂ عربي کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا - ھمیشہ اُنکا شمار شیخ کي جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ اُن تمام لوگوں میں جنھیں شیخ کي فیض صحبت نے پیدا کیا تھا ' نمایاں اور ممتاز تھے -

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرۃ کي بہترین دماغي بخشیشیں لیکر پیدا ہوئے ' لیکن جامع ازھر کي تعلیمي فضا سے کوئي بلند تر تعلیمي فضا حاصل نہ کرسکے - اسي اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاھرہ پہنچے ' اور اُن کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطري جوھر اُبھر آئے -

سید موصوف کي دعوت اگرچہ تعلیمي اور دیني اصلاح پر مشتمل تھي ' لیکن اُس کا محوري مرکز سیاسي انقلاب تھا ' کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کي دیني روح ' سیاسي روح سے الگ نہیں ھے - انھوں نے مصر میں بھي انقلابي دعوت کي تخم ریزي کي - اُس وقت مصر اسماعیل پاشا کي مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگي سے تباہ ہورہا تھا - اغیار و اجانب کي مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے ' طالبین اصلاح کي تمام امیدیں ولي عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے توفیق تک رسائي حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ' کہ پہلے خود قاھرہ کے فري میسن لاج میں داخل ہوئے ' پھر کوشش کرکے توفیق کو بھي اس کا گرینڈ ماسٹر منتخب کرا لیا ' اور اس طرح فري میسن کا مخفي اور محفوظ جماعتي دائرہ اپنے اور اُس کے گرد کھینچ لیا - توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحي خیالات سے پوري طرح متاثر ہوا ' اور عہد و اثق کیا کہ با اقتدار ہوتے ھي اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوري طرح کوشش کریگا - لیکن جب کچھہ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا ' اور سید جمال الدین اُن عہود و مواثیق کے ایفا کے طالب ہوئے ' تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا - پھر صاف انکار کردیا ' اور کوشش کي کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھکر نہایت متاثر ہوے - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کي نجات کي راہ میں حائل ہوں ' اُنھیں راہ سے ھٹا دینا جرم نہیں ھے بلکہ انسانیت کي خدمت ھے - چنانچہ اُنھوں نے توفیق پاشا کے قتل کي کوشیشیں شروع کر دیں - اور اس کام کے لیے قرعۂ فال اُن کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنٹ کے نام لکھا تھا ' اقرار کیا ھے کہ توفیق کو قتل کردینے کیلیے وہ طیار ہوگئے تھے - توفیق پاشا قاھرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا ' یہ پستول لیکر سڑک پر کھڑے ہوگئے - مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

درست سے سوال کیا " کیا تم جدید وزیر اعظم کو مہذب کہہ سکتے هو؟ مجھے شک ھے ' یہ خاتون " مہذب " کے معني پوري طرح سمجھتي ھے - لیکن یہ یقیني ھے کہ اُس کے نزدیک تہذیب کوئي ایسي چیز ضرور ھے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف هونا چاهیے - اور بلا شبہ یہ بہت عمدہ خیال ھے "

" میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ھے جو کبھي ختم نہیں هوتا - مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا ' لیکن میں تمھارے سامنے اعتراف کرتا هوں کہ میں نے طالب علمي کا زمانہ بے کار ضایع کردیا - جس دن سے مجھے هوش آیا ' اُس دن سے میں برابر اپني کمي پوري کرنے میں کوشاں هوں - میں تم سے سچ کہتا هوں - دنیا میں کوئي مسرت بھي اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتي جو علم حاصل کرنے میں حاصل هوتي ھے - میں آج بھي طالب علم هوں ' اور سو برس کي عمر حاصل کرنے کے بعد بھي طالب علم رهونگا - اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ هوگا کہ پوري مستعدي سے علم حاصل کرنا شروع کردوں "

" هم سب جانتے هیں کہ کوئي قوم بھي قدرت کي طرف سے متمدن بنا کر نہیں بھیجي گئي ھے - تمام متمدن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کي ھے - تمدن کي راہ مشکلات سے لبریز ھے - تمدن ' تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ھے - سینکڑوں قومیں جو کبھي متمدن تھیں ' اپني غفلت کي وجہہ سے وحشي هوگئیں - همیں اپني موجودہ تہذیب پر گھمنڈ نہیں کرنا چاهئے - یہ تہذیب جو هم نے خون پاني ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کي ھے ' ذرا سي غفلت اور غرور سے تنزل اور پستي سے بدل جا سکتي ھے - محض مادي ترقي اور مادي علم ' تمدن نہیں ھے - تمدن اِس سے بڑھکر کوئي اَور چیز ھے - انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ھے جبکہ علم تیزي نے آگے بڑہ رہا هو ' اور اپنے ساتھہ مادي ترقي ' مادي علم ' اور مادي سامان آسائش عام کر رہا هو - لوگ بلا محنت کے کہا رهے هوں ' بے خطر مادي لذتوں سے متمتع هو رهے هوں ' اور معنوي ترقي اور روحي اصلاح و تہذیب سے غافل هوں - میں ڈرتا هوں ' همارا موجودہ زمانہ وهي خطرناک زمانہ نہ هو ' اور همارے موجودہ تہذیب کي کشتي مادي خواهشوں کي چٹانوں سے ٹکراکر غرق نہ هوجائے "

" تعلیم و تربیت کي اس سے زیادہ کوئي غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کي اصلي حقیقت معلوم هو - هر چیز کو ویسا هي دیکھیں ' جیسي وہ ھے ' اور اُسي درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے هونا چاهیے - یہ غرض صرف اُنھیں معلموں کے ذریعہ حاصل هوسکتي ھے جو خود بے غرض هیں - حق کي تعلیم صرف اس لیے دیتے هیں کہ وہ حق ھے - حق کو پوري سچائي ' صفائي ' اور دیانت سے ظاهر کرتے هیں - خود غرض معلم ' سیاسي اغراض کے بندے ' حقیر دنیاوي مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ ' هرگز حق کے معلم نہیں هوسکتے - ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ هیں ' اور ان مجالس سے قوم کے نوجوانوں کي حفاظت و حمایت هر محب وطن کا اولین فرض ھے - همیں انکي جڑ کاٹ ڈالني چاهیے اور قوم کو اُن کے شر سے همیشہ کے لیے نجات دیدیني چاهیے "

مرحوم سعد باشا زغلول

مصر کي آخري حرکت استقلال کا قائد عظیم

الموت نقاد علی کفه جواهر یختار منها الجیاد !

سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کي ایک ایسي شخصیت روپوش هوگئي جس میں قوم کي سیاسي قیادت و رهنمائي کي نہایت طاقتور روح نمایاں هوي تھي - اُس کي رهنمایانہ زندگي کي تاریخ کوئي طول طویل تاریخ نہیں ھے - اُس نے اپني طویل زندگي کے صرف آخري چند سال قوم کي سیاسي رهنمائي میں صرف کیے ' لیکن اِس قلیل وقت کا یہ استعمال ایسا بر وقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا ' کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے ' اور مصر کے قومي رهنما کے لیے اکابر و مشاهیر عالم کي صف میں جگہ طیار کردي - یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا ' جنکے کارناموں کیلیے تاریخ کے اوراق همیشہ منتظر رهتے هیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ع ھے - ان کي طفولیت کے زمانے میں نئي تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کي طرف توجہ هوتي - اُن سب کے لیے جو تعلیم کا شوق رکھتے هوں ' صرف ایک هي جگہ تھي ' اور وہ جامع ازهر کي درس گاہ تھي - چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کي متوسط درجہ تک تعلیم انھوں نے اور ان کے چھوٹے بھائي فتحي بے نے جامع ازهر هي میں حاصل کي -

ان کي عمر ابھي بیس برس کي بھي نہیں هوئي تھي کہ قاهرہ میں سید جمال الدین کي علمي مجالس کي شہرت پھیلي - یہ سید موصوف کا مصر میں دوسرا ورود تھا ' اور شیخ محمد عبدہ ان کے نہایت سرگرم شاگرد هوچکے تھے - سعد زغلول بھي انکي مجالس درس میں پہنچنے لگے ' اور شیخ محمد عبدہ سے اُن کا رشتۂ ارادت و تلمذ قائم هوگیا - اسي رشتہ نے ان کي اُس تعلیمي ذهنیت میں جو جامع ازهر کے تعلیمي جمود سے پیدا هوئي تھي ' ایک انقلابي حالت پیدا کردي ' اور نظر و فکر کي نئي نئي راهیں کھلنے لگیں - اُن کي وہ غیر معمولي قوت خطابت و فصاحت جس کي وجہ سے وہ همیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رهے ' دراصل شیخ محمد عبدہ هي کي صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھي -

عربي پاشا کي فوجي تحریک جو بہت حد تک سید جمال الدین کي سیاسي تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھي ' جب سنہ ۱۸۸۲ میں نمودار هوئي ' تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاري گزٹ " الوقائع المصریہ " کے محرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے ' اور غالباً سعد زغلول بھي انکے ساتھہ اسي دفتر میں کام کرتے

تاریخ و عبر

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

محمد الامین اور عبداللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد فرید رفاعی مصری نے "عصر المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب شائع کی ہے اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور دماغی حالات پر مشرح بحث کی ہے۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حریفانہ شخصیتیں ہیں۔ اور اُن کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہے۔ ذیل میں اُس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جاتا ہے:

محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید سنہ ۱۷۰ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہے۔ امین اپنے سوتیلے بھائی مامون سے عمر میں ۶ مہینے چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہے۔ لہذا وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہے۔ اس کے بعد یہ نسلی امتیاز کسی عباسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی ماموؤں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے عباسیوں کی گردنیں اُٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ اُن کا بھانجا امین ہی رشید کا جانشین ہو۔ چنانچہ عیسیٰ بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا ماموں تھا) فضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ امین کے لئے ولیعہدی کی بیعت حاصل کرے۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اُسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقعہ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقعہ تھا۔ فضل نے خیال کیا، اگر امین اُس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اُس کا رسوخ سب سے زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسنے اپنی تمام قوتیں اس کے لئے وقف کر دیں، فوج کے تمام سپہ سالاروں کو بلا لیا، اور محمد الامین کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ بغیر کسی توقف کے اُس کی پوری فوج نے بیعت کر لی۔ اُس عہد کا شاعر سلم کہتا ہے:

قد بایع الثقلان فی مہد الہدیٰ — لمحمد بن زبیدۃ ابنۃ جعفر

نمیری کہتا ہے:

ببیعۃ لولی العہد احکمہا
بالنصح منہ وبالاشفاق والحدب
قد وکد الفضل عقداً لا انتقاض لہ
لمصطفیٰ من بنی العباس منتجب

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معاملہ اُسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اہل شرق بیعت کر چکے تھے۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ اسے منظور کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین باضابطہ ولی عہد مقرر ہو گیا۔ ابان اللاحقی کہتا ہے:

غرست امیر المؤمنین علی الرشد — برأی ہدی فالحمد للہ ذی الحمد

باوجودیکہ امین ہارون کا بڑا لڑکا نہ تھا، لیکن اس طرح بآسانی ولی عہد قرار پا گیا۔

امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی اُن کی عظمت کے آثار و علائم سے خالی نہیں ہوتی۔ اُن میں بعض قابلیتیں فطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے قدیم مورخین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عموماً بے اعتنائی برتی ہے اس لئے اُن کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بنیادیں متعین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں بیہقی کا شکرگزار ہونا چاہئیے جسنے اپنی کتاب المحاسن و المساوی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسی طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے مسعودی نے مروج الذہب میں روایت کیا ہے۔ ان نامکمل روایتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ امین کو استخارہ کرنے کی خو کیسے پڑی؟ وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا؟ وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پُرسکون تھا اور خونریزی سے خائف رہتا تھا؟

***

تمھیں معلوم ہے کہ ہارون الرشید نے امین کو فضل بن یحییٰ کی گود میں دیدیا تھا اور مامون کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں۔ فضل بن یحییٰ نے امین کے اتالیق ہشیم ابن بشر الواسطی سے کہا تھا "سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خونریزی سے نفرت ہو جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خدا اسے سفاک نہ بنائے" اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم احمر نحوی سے کہا تھا "اگر نرمی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا" اب ہمیں سننا چاہئیے خود امین کا یہ معلم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہے؟

احمر کی روایت ہے:

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا حتیٰ کہ اُن اوقات میں بھی اُسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری شکایت کر دی۔ زبیدہ نے مجھے خط لکھا کہ بچہ کی تندرستی برقرار رہنے کے لئے اُسے چند گھنٹے کی مہلت ضرور دینی چاہیے۔ اسپر میں نے کہا شاہزادہ کا درجہ بلند ہو چکا ہے۔ اُس کی شہرت عام ہو گئی ہے۔ امیر المؤمنین کی اُس سے محبت اور سلطنت کی ولیعہدی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اُس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہوگا کہ وہ زبان کی فصاحت سے قاصر، قوانین شریعت سے جاہل، اور دقائق سیاست سے غافل رہجائے۔ کیونکہ حکومت کی بنیادیں یہی ہیں۔ اسپر خادمہ نے آکر مجھے جواب دیا کہ یہ سچ ہے مگر وہ ماں ہے اور ماں کا دل بچے کی تکلیف سے بے چین ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس میں ایک درپردہ راز بھی ہے۔ اگر کہو تو بیان کر دوں۔ میں نے کہا ضرور بیان کرو۔ اُسنے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہے کہ جس رات امین کا حمل میں نے محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سخاوت والا، بڑا بوجھ اُٹھانے والا، جلد چلا جانے والا" دوسری نے کہا "بادشاہ، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں پڑنے والا"، تیسری نے کہا "بادشاہ، بُرے چلن والا، بہت ضائع کرنے والا، کم جھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا" زبیدہ کہتی ہے میں خوف زدہ ہو کر بیدار ہو گئی۔ پھر ہرچند کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اُس رات وہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ آئیں اور بچہ کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ سب نے ایک ساتھ جھک کر اُس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تر و تازہ پودا، نازک پھول، خوشنما چمن، شیریں چشمہ، کم باقی رہے گا۔ جلد فنا ہو جائے گا" دوسری نے کہا "بیوقوف، بربادی و تباہی کی طرف دوڑے گا، فساد پر جری ہوگا" تیسری بولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیار کرو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہے" زبیدہ کہتی ہے۔ میں خوف سے سہم گئی۔ منجموں کو بلایا۔ سب نے درازی عمر کی بشارت دی۔ مگر میرا دل بار بار خوف سے کانپتا رہا ہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے شاہی خادمہ کہنے لگی اے احمر کیا ہمارا خوف، اللہ کی تقدیر کو دُور کر سکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں"

احمر نحوی کے بعد ہارون نے مشہور امام فن قطرب نحوی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ حماد عجرد، امین پر عاشق تھا اور برابر کوشاں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کا معلم مقرر ہو جائے۔ مگر ناکام رہا کیونکہ اُس کا فسق و فجور مشہور ہو گیا تھا۔ حماد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اُسنے خیال کیا یہ منصب اسے اس لئے مل گیا کہ مجھ سے زیادہ ریاکار ہے اور اپنا ہتک چھپانے میں ہوشیار ہے۔ چنانچہ فوراً ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کر لیا کہ کاغذ، خلیفہ کے قلمدان میں رکھ دیجائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للامام: جزاک اللہ مغفرۃ
لا یجمع الدہر بین السخل والذیب
السخل غرتہم الذیب غفلتہ
والذیب یعلم ما بالسخل من طیب

ہارون رشید نے یہ منظوم رقعہ پڑھ کر کہا "دیکھو یہ معلم کہیں [illegible] نہ ہو۔ اسے محل سے نکال دو"، چنانچہ قطرب نکال دیا گیا اور [illegible] اُس کا جانشین بنا۔ ستر یا اسی آدمی ہمیشہ اس کی [illegible] کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں [illegible] کر سکتے ہیں کہ امین کی [illegible] نہ کیسی خراب ہوئی تھی [illegible] [illegible] اُسے سیاسی پختہ کاری حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہیں [illegible]

انھوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ھے جس قدر اُنھوں نے ذمہ داری لیتے ھوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ھوکر رھگیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ھوئے اور ھندوستان چلے آئے -

عربی پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی ' لیکن چھہ سات سال کے بعد جب انھوں نے مصر آنا چاھا تو حکومت نے اجازت دیدی ' اور واپسی کے تھوڑے ھی عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ھوگئے - اسی عہد سے مصر میں ان کی دینی و تعلیمی اصلاحات کا اصلی دور شروع ھوتا ھے -

لیکن ابتدائی سیاسی زندگی کی نا کامیوں کا جو رد فعل اُن کے اندر پیدا ھوگیا تھا ' ضروری تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکری مزاج میں بھی سرایت کرجاتے - چنانچہ وہ مدۃ العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علحدہ ھوگئے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزی قبضہ کے فوائد کا اعتراف کرلیا ' اور پوری زندگی نام نہاد اعتدال سے بھی زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کردی - انھوں نے اپنے مشہور مقالہ " الاسلام و النصرانیہ " میں سیاست سے اور اُن تمام باتوں سے جو سیاست سے ادنی تعلق بھی رکھتی ھوں ' حتی کہ سیاست کے لغوی مادہ سے بھی ' جو " تعوذ " کیا ھے ' وہ اُن کی فکری حالت کا مظہر ھے -

انھوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کی تشریح بھی کی تھی - اُنکا خیال یہ تھا کہ انگریزی قبضہ کی وجہ سے اگرچہ مصر کے سیاسی استقلال کو نقصان پہنچا ھے ' لیکن ساتھہ ھی تحریر و تقریر کی آزادی اور تعلیمی و اقتصادی ترقی کے فوائد بھی حاصل ھوے ھیں - ملک کا فرض ھے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اُٹھاکر اپنی تعلیمی اور دینی حالت درست کرلے - پھر سیاسی استقلال کے لیے ساعی ھو - اُنکا جو سیاسی لائحہ مسٹر بلنٹ نے " مصر کی مخفی تاریخ " میں شائع کیا ھے ' وہ تعجب انگیز حد تک اُنکی سیاسی قناعت پسندی ظاھر کرتا ھے - سنہ ۱۹۰۱ء میں اُنکا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑی سے بڑی چیز جو ھوسکتی ھے ' وہ صرف یہ ھے کہ ایک اچھی قسم کی مجلس تشریع (لیجسلیٹو اسمبلی) اُسے دیدی جاے جسکی ایک بڑی تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ھو - وہ اس لائحہ میں انگریزی قبضہ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسی مسلک اس نوعیت کا تھا ' اور چونکہ سعد زغلول بھی انھی کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے ' اس لیے سیاسی عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ھوسکے - سنہ ۱۹۱۷ تک اُنکی تمام زندگی سرکاری مناصب میں گزری ' اور آزاد قومی تحریکات کے خلاف وہ ویسے ھی ایک سرگرم سرکاری عہدہ دار رھے ' جیسے مصر کے دفتری اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۹ - میں جب مرحوم مصطفی کامل پاشا نے " حزب الوطنی کی بنیاد ڈالی ' تو یہ بھی اسکے ویسے ھی مخالف تھے ' جیسے مصر کے سرکاری حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس ' کیونکہ وہ مخفی طور پر مصطفی کامل کا سرپرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں جب سید علی یوسف مالک المؤید نے " حزب الامۃ " قائم کی ' تو اس کے اندر بھی سعد زغلول اور ان کے ساتھیوں ھی کا ھاتھہ کام کر رھا تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطنی کو شکست ھو - مصطفی کامل پاشا نے جب انتقال کیا اور اُن کی جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطنی کے رئیس منتخب ھوے ' تو جن لوگوں نے ان کی مساعی کی تخریب میں سرکاری وسائل سے کام لیا ' اُن میں ایک سرگرم اور طاقتور شخصیت سعد باشا کی بھی تھی - شیخ عبد العزیز شاویش نے جب اللوا کی جگہ حزب الوطنی کے لیے " العلم " جاری کیا ' تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے وسائل کار ان کی مخالفت میں خرچ کیے ' حتی کہ ان کی گرفتاری کے احکام بھی صادر ھوگئے ' وہ سعد باشا زغلول ھی تھے !

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے ' وہ بے شمار ھیں ' اور ایک مقالہ میں اُن کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کی سیاسی حالت نے ایک ایسی نوعیت پیدا کرلی تھی کہ اُس میں دو مذھبوں کے سوا عملاً تیسرے مذھب کی گنجایش ھی نہ تھی - یا تو انگریزی قبضۂ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملنی چاھیے ' یا اسے جاری رھنا چاھیے - یہی دو اصولی اعتقاد " حزب الوطنی " اور " حزب الاحتلال " کی شکل میں ظاھر ھوے - حزب الاحتلال کے داعی یعقوب صروف اور فارس نمر اصحاب " المقطم " تھے ' اور حزب الوطنی کی صدائیں مصطفی کامل مرحوم کی زبان سے بلند ھوی تھیں - چونکہ قبضۂ مصر کی صریح موافقت مصری طبائع پر بالطبع گراں گزرتی تھی ' اسلیے ارباب مناصب و موالات اپنے آپکو حزب الاحتلال میں ظاھر کرنے سے جھجکتے تھے ' اور اس قسم کی پردہ پوش توجیہیں کرنے لگتے تھے جیسی ھمیشہ ان حالات میں ضعفاء ھمت اور بیچارگان عزم نے کی ھوں - مثلاً " تدریجی اصلاحات " کا مغالطہ ' " مصالح وقت " کا حیلہ ' " تعلیمی استعداد کی تقدیم " کا فریب خیال ' اور اسی طرح کے حیل و مغالطات ' لیکن حقیقت حال یہ ھے کہ ان تمام لوگوں کی ذھنیت حزب الاحتلال ھی کی ذھنیت تھی ' کیونکہ بیرونی قبضہ کی موجودگی میں صرف دوھی سیاسی عقیدے کسی ملک کے لیے ھوسکتے ھیں : یا تو قبضہ رھنا چاھیے ' یا اُسے فوراً ختم ھوجانا چاھیے - ان دونوں کے درمیان تیسری راہ ممکن نہیں !! و یریدون اَن یتخذوا بین ذلک سبیلا !

(سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر)

بہر حال سعد پاشا کی پوری زندگی جس عالم میں بسر ھوی تھی ' اُس سے قومی و وطنی جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رھنماے صادق کی ضرورت ھوی ' تو قدرت الہی نے اِس کا غیر متوقع سامان کردیا اور اچانک سعد پاشا کی طاقتور شخصیت نمایاں ھوگئی - انھوں نے ایک ھی جست میں وہ پورا فاصلہ طے کرلیا جو اُن کے پنجاہ سالہ دور حیات اور مصر کی تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا !

حقیقت یہ ھے کہ اگر زغلول پاشا جیسا شخص جس کی تمام زندگی حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکی تھی ' اور جس کے مداحوں میں لارڈ کرومر تک شریک ھوچکے تھے ' اس موقعہ پر مصر کا علم استقلال نہ اُٹھاتا ' تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اھمیت حاصل نہ کرسکتی ' جو اُس نے چند ماہ کے اندر حاصل کرلی تھی !

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماکسم گورکی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، "درہ" کا نہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سُرخ و سفید پھولوں کے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور نائو نوش میں مشغول تھا ——— سمرقندی شاعروں نے اس درہ کو "پروازِ گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ——— اس عجیب مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ——— درہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیاں کی رنگین جھنڈیاں ——— ایسا معلوم ہوتا تھا، جاندار پھول ہوا میں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، اِن قناتوں اور جھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں کھڑی ہو ——— اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمیں طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ——— خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ——— وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اسپر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ——— اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں! دیکھ سکتی تھیں ——— اُن سے زہر کی سی سردی اور خنکی ٹپک رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کانوں میں سراندیپ کے عقیق کے دو گوشوارے تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!

خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و عشرت کا سامان مہیا تھا۔ ایک طرف...... مغنیوں اور سازندوں کا ہجوم تھا ——— تیمور کے قریب، اُس کے عزیز و اقربا، دیگر بادشاہ، خوانین، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ——— سب سے زیادہ نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر "کرمانی" ——— اپنے کیف و مستی میں مخمور نظر آتا تھا!

یہ وہی کرمانی تھا جس سے ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:

"کرمانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید دگے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرمانی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زرّیں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپکی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرمانی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ——— کسقدر دہشت انگیز!! ——— کسدرجہ ہولناک!!! ——— اور کرمانی کی یہ بیخوف گفتگو!! کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ——— اس بزم نوشانوش کے ترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ——— جس طرح بادلوں سے بجلی کڑکتی ہے ——— "ییلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ——— !

یہ آواز ——— ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ——— یہ آواز ایک آشناسی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لرزہ دوڑ گئی۔ یہ لرزہ کہہ رہی تھی" یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل" بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ——— شہنشاہ کو جواب ملا" یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور" فرمانروائے بحر و بر کی آستاں بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ——— عورت خیمہ میں داخل ہوئی ——— برہنہ پا! پھٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھیرے ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا ——— بغیر کسی کپکپاہٹ کے ہو ایسے باجاہ ——— و جلال اور ہیبتناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا خراج تھا ——— اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلائے اور بیباکانہ ——— خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا؟"

"ہاں میں ہی ہوں ——— میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سُن لے امیر! تو جو کچھ بھی ہے اور جس حیثیت میں بھی ہے پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ——— آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ——— تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں آدمی کی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہیں آئے گا، جب تک تو میری فریاد کو ——— میری داد کو نہیں پہونچیگا۔"

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا " اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دُکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی " میں سُن رہا ہوں تم اصل واقعہ سناؤ!"

عورت، شہنشاہ کے سامنے چارزانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی "امیر! میں سالرمو کی رہنے والی ہوں ——— تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے ——— یہاں سے بہت ہی دور!..... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ——— اُسنے روتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ——— اُس کی ہچکی بندھ گئی تھی ——— "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا ———"

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت!..... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑ لے گئے، آج چار سال! ——— آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ——— امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ——— ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!"

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے " یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرمانی نے کہا " ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح!"

تیمور نے دریافت کیا " بڑھیا تو کس طرح اس قدر دور دراز راستوں سے اس جگہ آپہنچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی؟"

آہ، ماں کی محبت!! ——— !! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات حسنات ——— سب ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں ——— !! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا! نیک بختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

بادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہو۔ خصوصاً اُس عہد میں جبکہ بادشاہ بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ اُن کی رہنمائی کے لئے بجز دین اور ذاتی تقویٰ کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کو اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا پورا موقع ملا۔ خلیفہ ہادی نے اُسے جنگ روم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی مدبروں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح مامون کو بھی کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ خراسان وغیرہ بلاد میں وہ برسر حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو گیا تھا۔ لیکن محمد الامین اس تمام سیاسی اور عملی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چاپلوسی، ہاشمی ماموؤں کا دلار، امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشیں ہونے کے بعد ہم اُسے ایک عیش پرست، مسرف، اور غافل حکمراں پاتے ہیں۔ تخت خلافت پر تمکن ہونے اور عبداللہ المامون کی بیعت حاصل کرلینے کے بعد اُسنے اپنے تئیں لہو و لعب کے حوالے کردیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواجہ سرا محل میں جمع ہو گئے تھے سارا وقت لہو و لعب اور عیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف، بعض ناموں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہے:

الا یا مزمن المثوی بطوس ۔۔۔ غریباً ما یفادی بالنفوس
لقد ابقیت للخصیان بعلا ۔۔۔ تحمل منہم شوم البسوس
فاما "نوفل" فالشان فیہ ۔۔۔ وفی "بدر" فیالک من جلیس!
وما "العصمی" "بشار" لدیہ ۔۔۔ اذا ذکروا بذی سہم خسیس
وما "حسن الصغیر" اخس حالا ۔۔۔ لدیہ عند مخترق الکؤس
لہم من عمرہ شطر وشطر ۔۔۔ لیعا قرفیہ شرب الخندریس
وما للغانیات لدیہ حظ ۔۔۔ سوی التقطیب بالوجہ العبوس
اذا کان الرئیس کذا سقیما ۔۔۔ فکیف صلاحنا بعد الرئیس
فلو علم المقیم بدار طوس ۔۔۔ لعز علی المقیم بدار طوس

عبداللہ المامون

عبداللہ المامون ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا دن ہو۔ ہارون اس مبارک ساعت میں بچہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوا اور اُس کا نام "المامون" (مبارک) رکھا۔ اُس کی ماں "مراجل" ایک کنیز تھی۔ بعض مورخ کہتے ہیں اس کا سلسلۂ نسب ایران کے ایک معزز خاندان سے ملتا ہو۔

مامون نے گہوارۂ خلافت میں پرورش پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع ہی سے آثار ذہانت و نجابت اُس پر نمایاں تھے۔ بلند ہمت اور اولوالعزم تھا۔ پست خیالات اور رکیک حرکات سے نفرت کرتا تھا۔

مامون میں یہ تمام صفات موجود تھیں اپنے باپ خلیفہ کا بہت محبوب تھا۔ عمر میں بڑا تھا۔ مگر باایں ہمہ ولی عہد نہ ہوسکا۔ کیونکہ امین کی والدہ، زبیدہ کا اثر خلیفہ پر مامون کی ماں سے بہت زیادہ تھا پھر جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا، امین کے ہاشمی ماموؤں اور فضل بن یحییٰ برمکی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کردیا تھا۔ اُسنے طوعاً و کرہاً امین کو ولی عہد تسلیم کرلیا۔

مورخین نے مامون کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود اُس کا معلم ابو محمد یزیدی روایت کرتا ہو:

"میں مامون کا معلم تھا۔ ایک دن قصر خلافت میں گیا اور دیر تک منتظر رہا۔ بار بار آدمی بھیجکر اُسے طلب کیا مگر وہ نہ آیا۔ میں نے اُس کے اتالیق سعید الجوہری سے شکایت کی۔ سعید نے کہا ہاں، سست ہوگیا ہو۔ لیکن باوجود اسکے اپنی سستی کا الزام خادموں کو دیتا ہو۔ جب وہ لکے تو سختی سے پیش آنا۔ چنانچہ جب شاہزادہ میرے پاس پہونچا، تو میں نے ملامت کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور ہاتھوں سے ملنے لگا اتنے میں خبر آئی جعفر بن یحییٰ وزیر آرہا ہو۔ مامون نے جلدی سے رومال نکالا، آنکھیں پونچھیں، لباس درست کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "وزیر کو حاضر ہونے کی اجازت دو"۔ میں مجلس سے خوفزدہ اُٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا وہ وزیر سے ضرور شکایت کرے گا۔ مامون نے وزیر سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی رو چکا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور خوب ہنستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو مامون نے غلاموں کو اُس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ نیز اُس کے رکاب میں چلنے کو کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا سبق پورا کردو۔ میں نے دعا دیکر عرض کیا۔ "میں تو خوف سے کانپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری شکایت کردینگے" اُسنے فوراً جواب دیا "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے ابو محمد! میں خود ہارون الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرتا کہ مجھے معلم نے سرزنش کی ہو۔ بھلا وزیر کیا چیز ہو! جو تم تمھیں پریشان کرتا تھا وہ کبھی واقع نہیں ہوسکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تنبیہ کرو۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھانا شروع کردو!"

بچپن ہی میں مامون غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہو۔ ایک دن زبیدہ نے ہارون الرشید کو ملامت کی کہ امین سے زیادہ مامون کی کیوں تعریف کرتا ہو؟ خلیفہ نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا جاتا ہو۔ چنانچہ ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جاکر دونوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہوکر کیا کروگے؟" امین نے خوش ہوکر جواب دیا "تجھے مالا مال کردوں گا"۔ مامون کا جواب یہ تھا "بیوقوف! تو مجھ سے سوال کرتا ہو کہ میں اُس دن کیا کرونگا جب امیر المؤمنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ ہو کہ ہم سب اُنپر قربان ہوجائیں!" یہ جواب سُنکر زبیدہ ندامت سے خاموش ہوگئی۔

بچپن ہی سے مامون کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر شاہزادہ ہو اور مستقبل میں تخت خلافت پر متمکن ہونے والا ہو۔ چنانچہ شاہی آداب و رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہو کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے بیٹھا تھا کہ اونگھ گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" مامون نے غضبناک ہوکر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم رب کعبہ کی میرا معلم محض بازاری آدمی ہو!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں۔ خلیفہ نے سنا تو مسرت سے یہ شعر پڑھا:

وہل ینبت الخطی الا وشیجہ
وتغرس الا فی منابتہا النخل

انہی اعلیٰ صفات نے مامون کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ انہی نے اپنے بھائی کے بعد اُس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ انہی نے اُس عہد کے تمام عقلاء و مشاہیر کو اُس سے وابستہ کردیا تھا۔

شروع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ مامون جماعت کا آدمی اور امت کا قائد ہو۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوت خطابت بھی ہو۔ قدرت نے مامون کو پوری فیاضی سے یہ قوت بخش دی تھی۔ چنانچہ روایت ہو کہ جب مامون، سن شعور کو پہونچا تو خلیفہ نے بعض فصحاء کو حکم دیا کہ اُس کے لئے خطبہ لکھیں۔ خطبہ طیار کیا گیا اور جمعہ کے دن مامون نے مسجد میں سنایا۔ اُسنے یہ خطبہ اس دلیری، سلاست فصاحت، اور شان سے سنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کوئی شبہ نہ کرسکا کہ یہ خطبہ دوسروں نے طیار کیا ہو۔ ابو محمد یزیدی نے فوراً قصیدہ لکھا:

لقد امیر المؤمنین کرامۃ ۔۔۔ علیہ بہا شکر الالٰہ وجوب

بان ولی العہد مامون ہاشم
بہ افضل اذ قام وہو خطیب
ولما رماہ الناس من کل جانب
بابصارہم والعود منہ صلیب
رماہم بقول: انصتوا لجمالہ
وفی دونہ للسامعین مجیب!

مامون کی یہی نجابت و ذہانت تھی جسنے ہارون کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے مامون سے خائف تھا، اور مامون کے لئے امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا امین کے ہاتھ میں سلطنت کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے مٹانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھے گا۔ دوسری طرف اُسے یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ مامون، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہو، اور اپنے سادہ لوح بھائی کو آسانی سے تباہ کرڈال سکتا ہو۔ پھر دونوں کے طرفداروں کی قوت بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور قریش تھے۔ مامون کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کربستہ اور کافی طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سدباب کے لئے اُسنے دونوں بھائیوں سے ایک عہد لکھوایا۔ سنہ ۱۸۶ہجری میں اُنھیں اور اُنکے بڑے بڑے طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں قسموں کے ساتھ یہ عہد، خانۂ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہو کہ ہارون الرشید، مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہو کہ طوس میں وفات کرتے وقت اُسنے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار، اور مال و دولت، مامون کے نام وصیت کردی۔

پھر مامون کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو پہچانتا تھا اور اُن کے انتخاب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ مامون کے آدمی بھی اگرچہ خود غرضیوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کا ذاتی نفع اسی میں ہو کہ مامون کامیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ ان لوگوں کی وفاداری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اُن میں اکثر ایرانی النسل تھے۔ اور معلوم ہو کہ مامون کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی اُسے حاصل تھی۔

مامون کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی مانہو۔ مامون، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اُس کی یہ طرفداری لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی، اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہو کہ ایک شخص نے مامون سے بار بار کہا "امیر المؤمنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی شفقت کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں" مامون نے جواب دیا "تم نے مجھے جواب پر مجبور کردیا۔ سنو، قبیلۂ قیس کو میں اُس کے گھوڑوں پر سے اس طرح اُتار سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک حبہ بھی باقی نہیں رہا (یعنی دولت دیکر اُنھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا) رہا یمن، تو نہ میں نے کبھی اُس سے محبت کی اور نہ اُسنے کبھی مجھ سے محبت کی۔ رہا قضاعہ تو اُسکے سردار برابر سفیانی (یعنی ایک حدیث کے موعود بادشاہ) کا انتظار کررہے ہیں کہ اُس کی پیروی کریں۔ رہا ربیعہ تو وہ اُسوقت سے اپنے خدا پر خفا ہو جبسے اُسنے اپنا نبی مضر میں پیدا کیا ہو"

مامون کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہو۔ لیکن خراسان کی طرف اُس کے میلان کی اصلی وجہ وہی اُس کی فارسیت ہو جسکا اوپر ذکر ہوچکا ہو۔ اُس کی ماں بھی فارسی تھی اور اُس کی تعلیم و تربیت میں بھی فارسی اثر غالب رہا تھا۔ اسی بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے مامون کو شیعہ کیوں قرار دیا ہو؟ ہم جانتے ہیں کہ فارسی ماحول، شیعیت کے لئے زرخیز تھا

عالم مطبوعات وصحائف

دُنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دارالحکومت

زمین کی آبادی، اور روح ودِل کی ویرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر مشتہر ہو چکی ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین بیرا میں ایک نیا دارالحکومت تعمیر کر رہی ہے۔ اب ملبورن کے "السٹریٹیڈ نیوز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دُنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھلایا گیا ہے، جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہے۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مربع ہیں۔ مکانات کے ہر قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطع اور ایک درجہ کے ہیں اُن کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کہنا چاہیے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ باغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں و سطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ دکھلائے گئے ہیں۔ اِن کی سب سے زیادہ مؤثر خصوصیت یہ ہے کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں مساوی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، سرو قدانِ چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آراء ہیں!

تیسری تصویر میں اُس مصنوعی نہر کا منظر دکھلایا ہے جو دارالحکومت کے مختلف حصوں میں پھیلکر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ بہم پہونچائے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہے، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس کے پیچ وخم اور نشیب فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دی جائے۔ اسمیں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہے!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت اندلسی اور مغلی) طریقہ تزئین و آرائش زمین کا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنے مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمنٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہے۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوڑ کر پھر ایک سفید جدول دوڑا دی گئی ہے۔ دُور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہے!

اس شہر کے حسن وجمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبیوں سے بھی بہت مدد ملی ہے جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح ہائے مسطح کی بلندی ہے۔ اور اس لئے آب وہوا کافی خنک اور خوشگوار ہے۔ قطعۂ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اسکے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اس سطح کو نیو ساؤتھ ویلز کے صوبے سے الگ کر دیا ہے۔

یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ اس نئے شہر کا نقشہ جس امریکن ماہرِ فن ہندسہ نے طیار کیا ہے، اُسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دارالحکومت کا نقشہ طیار کرایا ہے جو انگورہ میں زیر تعمیر ہے۔ اس ماہر فن کا نام ڈبلیو بارلے گریفن ہے، اور اسوقت فن ہندسۂ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہے

اس دارالحکومت کیلئے پارلیمنٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، وہ عارضی ہے۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی۔ سو برس کی مدت پہ ہمارے قارئین کو تعجب ہوگا، لیکن اُنھیں خیال کرنا چاہیے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن!

پچھلی ڈاک کے نیویارک ٹائمز نے بھی اس دارالحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "پارلیمنٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہے! اس مدت کے اندر آسٹریلین قوم یقیناً ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچ میں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا!"

امریکن اخبارات نے اسپر جو رائے زنی کی ہے، اُس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ سائنٹفک امریکن کا مقالہ نگار لکھتا ہے "کین برا کا نقشہ اُن تمام غلطیوں سے محفوظ ہے جو واشنگٹن کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ آسٹریلیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ فوقیت حاصل ہو گئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور اُن تمام تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ واشنگٹن نہ تو یکساں ہے، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کامل جمال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی"

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری افتتاح ہو چکا ہے، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہے۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جس وقت ہم انسان کی مادی سعی وجستجو کی یہ داستان شوکت وسطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشۂ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ افسوس انسانیت کی محرومی پر! زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہے، اُتنی ہی اُسکی روح ومعنویت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہے۔ اینٹ، پتھر، اور سبزہ ودرخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خال وخط دلفریب بنائے جا سکتے ہیں لیکن اُسکے جمال روح کے لئے آرائش بہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور معنویت کیا ہے؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن وسکون۔ اُسکی معنوی سعادت ومسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور روح کا قرار اور چین۔ کیا اس کے لئے بھی دُنیا اور دُنیا کی قوموں کے پاس کوئی سعی واہتمام ہے؟ کیا اسکے لئے بھی کسی ماہرِ فن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم و پرکار ہے؟ دُنیا کی قومیں باہمدگر رشک وحسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اینٹ پتھر کی سربلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ لیکن روح ودل کی رفعت سعادت کے لئے نہ تو کسی کے دل میں رشک ہے، نہ کسی کے دماغ میں طلب۔ آسٹریلیا نے نئے کین بیرے کا اور ترکی نے نئے انگورہ کا نقشہ بنا لیا۔ لیکن افسوس! کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا اور روح ودل کے سکون و قرار کے ایک نئے دارالحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے مادی زندگی کے استعمال وتصرف پر نہیں مگر اُس کے اسی استغراق و پرستش پر بار بار ملامت کی ہے کہ: یَعلمون ظاھراً من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون! (۳۰: ۶)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لینے اور انھیں متأثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہے کہ جماعتی ذہنیت کو متأثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متأثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متأثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہے۔

کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتھیلیوں پر سر رکھے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے اُن کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ پروپاگنڈے نے اُنکی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور ایک ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہے جس کے دھارے پر پڑ کر بیچارے خون و جراحت کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہے۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے تاکہ افراد اس ذہنیت سے متأثر ہو کر اُس کے حامی اور طرفدار بنجائیں جو جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل، انجمنیں غرضکہ بہت سے طریقے ہیں۔ اِن تمام طریقوں کو "پروپگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہے۔

نہیں ـــــ اور شاعر اور سپاہی ـــ کوئی بھی ماں کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا ـــــ!

مظلوم عورت نے کہا "تیمور! میرا لڑکا مجھے دلا دے!"

شاعر کرمانی بولا - ماؤں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمیوں کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں ـــــ ارسطو، فردوسی، اور ـــ اسی طرح سعدی اپنی شہد آمیز شیریں زبانی کے ساتھ ـــ عمر خیام اپنی شراب کی سی زہر آلود رباعیوں کے ساتھ ـــ سکندر، ہومر اور بہرام گور ـــــ یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!

تیمور اس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا - پھر سر اٹھا کر ـــــ اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہوجائیں، جو شخص ڈہونڈھ کر لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا ـــــ" پھر اُسنے آہ بھر کر کہا ـــ میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہے؟ ـــــ چونکہ وہ ماں ہے! ـــ ایک محبت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہے ـــ ایسی آگ! جو برسوں تک، قرنوں تک، شرارے چھڑک سکتی ہے"

تیمور کے حکم جاری کرنے پر کرمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا رُوح وجد میں آگئی - اُسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کرلئے:

ماں

یہ کون نغمہ ہے ساری دنیا کے نغمہائے طرب سے شیریں؟
جو آسماں کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟

زمانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ محبت ہے جس سے یہ خاکدان تیرہ سنور رہا ہے!
حریم ہستی مہک رہا ہے!

وہ چیز جو آفتاب نصف النہار، اُردی بہشت سے بھی
ہزار درجہ زیادہ اچھی ہے، خوبصورت ہے، خوشنما ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟؟

فضائے شگوں میں، میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہوئے ستارا
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پھولوں سے خوشنما ہے!
شراب گوں ہے شراب زا ہے!

میں جانتا ہوں کہ اُس کا اک ہلکا ہلکا سا نازنیں تبسم
دل شکستہ کے حق میں کس درجہ مہر انگیز و مہر زا ہے!
لب تکلم کا معجزہ ہے!

کرشمہ آرائی ہائے احساس حسن کے باوجود اب تک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ نغمۂ دل پذیر کیا ہے؟
جو سب سے بہتر ہے دلربا ہے!!

مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ ـــ آہ، وہ دلگداز نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل مبتدا ہے!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہے!

وہ نغمہ ـــ وہ کائنات کا ـــ کائنات کا سحر کار دل ہے!!
وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیار سے نام ماں رکھا ہے!!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!
وہی محبت کی انتہا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی - لاہور

اقتباس و تراجم

پروپاگنڈا

علم اجتماع نے ثابت کردیا ہے کہ نوع انسانی کی ترقی درحقیقت اُن تغیرات اور تدریجی انقلابات سے وابستہ ہے جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعات، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں - تمدن کی تاریخ دراصل اُن تدریجی تبدیلیوں کی تاریخ ہے جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں -

افراد چونکہ فطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کرنے والی یا اُسمیں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہے - افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جدوجہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اسمیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد - یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہے جس سے وہ مجبور ہیں - اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہے اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چیونٹی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہے -

لیکن کبھی اس تدریجی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہوجاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت اُن سے کلیۃً متاثر ہوجاتی ہے - طبیعتیں بے خود ہوجاتی ہیں - قدامت کا عشق دُور ہو جاتا ہے اور جدت سے نفرت زائل ہوجاتی ہے - اس ناگہانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت تھوڑی ہی مدت میں جست کرکے وہ اُن مراحل کو طے کرڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی -

اُن غیر معمولی مُوثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گہرا اثر ڈالتے اور اُسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب "جنگ" ہے - گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے - یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی - لیکن باوجود اُن تمام مصائب و آلام کے اعتراف کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اُس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہئے جو اس جنگ نے معاشرت و اجتماع کی ہر شاخ میں اچانک پیدا کردی ہے - پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعت کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں اُنھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے - ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہے اور اُسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہے جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہے کہ آخری چند سال کی دوڑ کے بعد اب انسانیت اُس نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس سے ماضی قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا - انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کرلئے ہیں - اب وہ اُسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اُس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب کا تنفر دُور کردیا ہو، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کردی ہے کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہوگئی ہے، اُسے تلاش کرتی ہے، اُسے لینے کے لئے بیچین ہے - یہ نئی فکری روح تمام انسانی طبقوں میں کم و بیش عام ہے -

اس ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے - اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - آج یہ لفظ ہر کہہ و مہ کی زبان پر ہے - حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا - لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو اُن کے اندر ایک مبہم خوف سا پیدا ہوجاتا تھا - وہ اسے بھی فری میسن وغیرہ پر اسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہے - اس کے لغوی معنی ہیں "بڑھتی، زیادتی، فراوانی" اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلانے اور عام کرنے کو کہتے ہیں - اس لفظ کی تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۱۶۲۲ء میں روم کے پوپ گریگوری پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اُس کا نام یہی رکھا - اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے - کچھ مدت بعد یہ لفظ اُن تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں - ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا - یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہوگئی اور دوران جنگ میں تو بچہ بچہ نے اسے سنا اور اُس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے - اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اُس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہے - تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قسم قسم کی تدبیروں سے پبلک میں اُسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اُسے بھی "پروپاگنڈا" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے - یہی نہیں بلکہ مُضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت و تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہے -

یہ محقق ہے کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہوجاتی ہے اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرتے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کردیا ہے کہ جماعت کا دماغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہے - پس فرد سے

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کچل دیتی ہے۔ فرینک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے" یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہوجائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہے" انگریزی تاریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہے لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بری طرح سے ناٹک کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تاریخ میں درج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رُخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عمداً چھپا دیا گیا ہے۔

پشاور کا واقعہ

۱۵ر جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہوگئے تھے نکلسن نے ایڈورڈز ڈپٹی کمشنر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۵۰ سکھ قیدیوں کی جان بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہے کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اُڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑرہے تھے۔ اس لئے ان پر رحم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک تہائی کو سزائے موت دی جائے۔ اور تعداد ان سپاہیوں میں سے چنی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہ ملیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہوسکے تو پھر بوڑھے سپاہیوں کو شامل کرلینا چاہیے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں مگر کسی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لفٹنٹ کے عہدے پر تھا اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے" ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ پا گئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہے۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدمعاش مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض رہینگے"

پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی۔ جب ایک شخص کو اس کے سامنے لاکر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اُڑ گئے۔ اس کا سر تماشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جنرل نکلسن جسے ہم ایام غدر میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہے" ہمیں ایک قانون بنانا چاہئے جس کی رُو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلاسکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑہ اُتار سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ دُنیا کے ایک ایسے کونے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکوں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہے کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا دبدبہ اور خوف طاری نہ ہوجائے تب تک اسکے فوائد کی قدر نہیں کیجاتی۔"

کوپر جو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ لکھتا ہے کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈرجائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کرسکیں۔

ٹامسن نے سر ہنری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجۂ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ شام کے وقت ایک سکھ اردلی آیا اور سلام کرکے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہونگے۔ میں فوراً حوالات چلا گیا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کرکے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے اُن کی حالت پر رحم آیا اور پستول سے قتل کردیا تاکہ جان کندنی کی تکلیف سے بچ جائیں"

جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر تم نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و نہب

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہے۔ خواہ وہ کسی جگہ پر ہو اور کتنا ہی بے ملاقہ ہو، اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے،

ایک چشم دید گواہ لفٹنٹ مجنڈی بیان کرتا ہے" ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک زخمی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اسواسطے دو تین لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی گئی، اور اُسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے مزے لے لے کر دیکھ رہے تھے"۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ نگار تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے" میں نے اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے" یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سؤر کے چمڑے میں ڈال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سؤر کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرانا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے"

جب ان مظالم کی حد ہوگئی تو گورنر جنرل نے ۳۱ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رُو سے دیہات کا جلانا اور نہتے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۲۰ر اگست کو جان گرانٹ صوبجات وسطی میں گورنر بناکر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بیشمار آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتوی کردے۔ انگریزوں نے کیننگ اور گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچایا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہات جلاکر واپس آرہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہوگئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد دور تک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے مایوس ہوکر باغی نہ ہوجاتے۔

ایک پادری کی بیوہ بڑے فخر سے لکھتی ہے" اُسنے بہت سے قیدیوں کو گرجا صاف کرنے پر مامور کیا لیکن چونکہ یہ کام اُنکے مذہب کے خلاف تھا اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرانا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کردیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہوگئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!"

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہے" میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزاری اور رات کا بہت سا حصہ اُن قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریز جو دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا، لکھتا ہے" دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب میجر رینالڈ کانپور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصلہ ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں" ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہے، تباہ کردیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بود و باش رکھتے ہیں انھیں مسمار کردیا جائے اور باشندے قتل کردیئے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دیدی جائے چونکہ فتحپور نے بغاوت کی ہے: اس لئے اُس پر بھی حملہ کیا جائے اور تباہ کردیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہوجائے تو اسے پھانسی دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکایا جائے"

بیگم اودھ نے ۱۸۵۸ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا کہ" کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کرسکتے ہیں"

۵۰ ہزار جانوں کا قتل

آخرکار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈزرائیلی (یعنی لارڈ بیکنس فیلڈ) نے تو ابتدا ہی کر اس کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب و جوش بڑھتا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا" مجھے یقین ہے کہ ہماری فوجیں ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لینگی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طرز عمل سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم ان ممالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:" لوگ انتقام پر تلے ہوئے ہیں" اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے انتخاب کے رو برو بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہوجاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چالیس پچاس ہزار آدمی قتل کردیئے" ملکہ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا" لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاصکر انگلستان کی پبلک پر جسنے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر تحسین دیکھی ہے"

چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کمزور تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کرسکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

قتل و نہب کی مطلق العنانی

سر جارج کیمبل اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہے" میں نے مارشل لا کے متعلق بہت دفعہ سنا ہے لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس سے

مطبوعاتِ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

حال ہی میں ایک کتاب امریکہ سے شائع ہوئی ہے جس کا نام

The other side of medal

ہے۔ یعنی تصویر کا دوسرا رُخ۔ اس کا مصنف ایک مشہور اہل قلم ایڈورڈ ٹامسن ہے۔ اُسنے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے رعب ہیبت کے منانے کے لئے جو خوں ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں اُن کے متعلق مستند تاریخی مسالہ سے اقتباس کر کے یکجا کر دئے جائیں، اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے۔

غدر ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دُنیا دیکھ چکی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وحشیانہ طرزِ عمل دہلی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ تقریباً دہلی میں ۵۲ انگریز مقید تھے۔ باوجود بدقسمت بہادر شاہ مرحوم کی پیہم مخالفانہ کوششوں کے باغی فوج نے اُنھیں قتل کر ڈالا۔ غالباً۔ سب نے کہا کہ (کیونکہ روایات مختلف ہیں) اُن میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد ۲۰ انگریز قیدی تلنگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی۔ کانپور میں جان بخشی کا عہد کر لینے کے بعد جو حملہ انگریزوں کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ نانا راؤ کے حکم سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن یقیناً صد درجہ کا وحشیانہ فعل تھا۔ مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر اُنکے نوکروں نے جو حملے کئے اور عورتیں تک قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ اخلاق والانسانیت اُنکے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کرے گی۔

یہ غدر کی تصویر کا ایک رُخ ہے، اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہل قلم اُس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں!

لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاق و انسانیت کا منظر ہے یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہے یا زیادہ؟ دُنیا کی فاتح حکمران اور ترقی یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقعہ پر اپنی اخلاقی ریتر (کریکٹر) کے مظاہرہ کا موقعہ ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اُسنے خود ہندوستانیوں کی مدد سے مسلح ہو کر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جو قتل عام کیا، اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب، اور یکقلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دی گئی، تاریخ کو اسکے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اب تک مورخانہ نظر و تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑی تھی۔

اس نئی کتاب میں مصنف نے تاریخ کے سوالات پر روشنی ڈالی ہے، اور کوشش کی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مسالہ سے واقعات جمع کر دئے جائیں۔ مصنف کے لئے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کر سکتا، کیونکہ اُس کے پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعۂ علم نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرفدار نہیں قرار دئے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادات کا جسقدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اُس سے بہ حیثیت مجموعی "تصویر کا دوسرا رُخ" نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اُس منزل سے گزر چکا ہے جب اس قسم کے واقعات محض سیاسی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اب ان کی اصلی حیثیت سیاسی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء جیسا عظیم واقعہ جسنے ہندوستان کے نئے دورِ حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، ضروری ہے کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اُسے چھوڑ دیا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کر دے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کر دیں۔ اُمید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے، تو تمام سامعین یکلخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسن انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندوستان کو بزورِ شمشیر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہندوستان میں دوبارہ غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں سے گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان جاتے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا یورپ میں پھیلایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں!

ہندوستانی مورخ نہیں ہیں۔ انھیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے ناآشنا ہیں یہی وجہ ہے کہ آجتک غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شائع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ کر شائع کیں۔ یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دکھایا ہے۔

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملا لئے تھے۔ اسواسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب وہی چربی والے کارتوسوں کا قصہ ہے۔ اینسن (Anson) جو ان دنوں کمانڈر انچیف تھا لکھتا ہے کہ "میں نے مشکوک کارتوس دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے عذرات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ ان کارتوسوں کے استعمال میں گائے اور سؤر کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی"۔

یہ کارتوس جو انہیں دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سؤر اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پیشتر اس کے کہ اُنھیں بندوقوں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس کارتوس کے چند حصے ایسے سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جا سکتے تھے۔ ہندو مذہب میں گائے کا احترام کیا جاتا ہے، جب اُنھیں یہ کارتوس استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ رسالہ نمبر ۳ مقیم میرٹھ کے ۸۵ سپاہیوں نے ایسے کارتوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سُنایا گیا تھا وہ تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"۸۵ سپاہیوں کو گارد کی حراست میں فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ اُن کی فوجی وردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ اُن کے ساتھیوں کو اُن کی حالتِ زار پر ترس آ رہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عدیم المثال بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے بآوازِ بلند جرنیل کی منت و سماجت کی کہ اس بے عزتی سے بچایا جاوے۔ لیکن کسی نے پروا نہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ ممکن تھا کہ وہ کچھ کر گذرتے۔ لیکن توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار اُنھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، یکلخت اُنکے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہے"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ ر مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو پیادہ فوجوں نے جیلخانے کے دروازے زبردستی کھولکر اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر انگریز افسروں کے گھر جلا دئے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹنیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے تو دونوں طرف سے

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی"

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے ۶ جون کو بعض صوبجات میں مارشل لا نافذ کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک مظالم برپا کرتے رہے۔ اور بغیر کسی تفتیش کے قتل عام جاری رہا۔

مسٹر رسل ٹائمز کا نامہ نگار ایک جگہ لکھتا ہے "اس غدر میں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنھوں نے اس میں حصہ لیا تھا، لیکن اُن دیگر کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بزدلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہوگئی تھی تو اسکے باشندوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا، کہ کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کتنا وحشیانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو بہر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آئندہ)

ادبیات

سعد پاشا زغلول کے اقوال

مرحوم احمد سعد پاشا زغلول کو مصر میں جو رسوخ و عظمت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیتوں کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغت تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہوگئے ہیں:

کامل آزادی

مصر، کامل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہے۔

ناامیدی

اسوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہو، مگر ہماری قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے نا امید نہیں ہوسکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادی قوت

مادی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔ یعنی مصر کی کامل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک ابتدائی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت نفس کی انتہا ہے!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہوسکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ہٹ جائے تو اسے گرا دو!

نکتہ چینی

میں اپنی ذات پر نکتہ چینی سنکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہو۔

ابنائے وطن کو نصیحت

ابنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کرے۔ سعد ذمہ دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرزند ذمہ دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہے کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بڑے ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہمیں مسخر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہے "آزادی!"

سعد کی زندگی

سعد، مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دل میں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دل میں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اس لئے بہتے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارت دیکھ نہیں سکتے۔

میرا اخلاق

میں چلانے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو ہاتھ بھی آزادی لائے، میں سب سے پہلے اُسکا بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اختیاری وصف نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے، خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دور بھی کرنا چاہے تو دور نہیں کرسکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہے تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُو رعایت

قومی حقوق میں رُو رعایت دخل نہیں پاسکتی۔

ناکامی

تیری قوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ جوڑا ہے، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑیگا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر و برداشت

ہاں ہم پر مصائب بیشمار ہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہے جو زیادہ مصائب برداشت کرسکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس سے کہیں زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کرلیا جائے، تو دنیا تہ و بالا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا مالک بنجائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ہر ظلم اپنے دامن میں مظلوم کے لئے خوشخبری اور ظالم کے لئے سزا چھپائے ہوتا ہے!

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضا مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

أئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ أئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك . ایـــجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آمیز دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البـلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انہیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه	الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه
" " " پنجم ۱۰ روپیه	" " " چهارم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البـلاغ پریس"

کیا آپ کو معلوم نہیں
کہ
اسوقت دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم
امریکن کارخانہ شیفر
کا
"لائف ٹائم" قلم ہی؟
(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی
(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں
کم از کم تجربہ کیجیے
یاد رکھیے
جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا
"لائف ٹائم"
لینا چاہیئے!
اگر
آپ تمام دُنیا دو سے قدم آگے رہنا چاہیں تو
انتخاب لاجواب لاہور
کا مطالعہ کریں اس کے مستقل خریداروں کو چھ سو صفوں کی
انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست
اور نمونہ کا رسالہ دو آنہ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں
مینیجر انتخاب لاجواب لاہور
حیرت انگیز رعایت
پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محصولڈاک اور پیکنگ بھی معاف
آپ کے لئے + آپ کے کمرے کے لئے + بیوی کے لئے
کلائی گولڈن رسٹ واچ
ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ
مشہور عالم بی ایم جرمن میڈ
12 1 2 3 4 5 6 7 8 9 10 11
گارنٹی سہ سال
یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائینگی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہینگی اسکے بعد ہم تعمیل کے ذمہ دار نہ ہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکے۔
نوٹ۔ ایک یا دو گھڑیوں کے خریداروں کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ اُن سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجاے گی۔ اور محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +
ملنے کا پتہ امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی نمبر ۳ مقام دھلی
فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم
کیوں ہی؟
اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیتہ ملاحظہ فرمائیے۔
"الجمعیتہ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہی اور جس کا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہی۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید کا مخصوص طریقہ ہی
اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہو گیا ہی اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہی۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہی کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہی اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائیگی اسیقدر کامیابی ہی
اخبار الجمعیتہ کی پانچ (۵) خصوصیات
(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہی۔
(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہی۔
(۳) عربی، فارسی، اُردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہی۔
(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہی۔
(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہی جس سے اُس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہی۔
ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا ہی۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ (عہ) ششماہی تین روپیے چار آنے (عہ)
مینیجر الجمعیتہ دہلی
جامع الشواہد
طبع ثانی
مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟
قیمت بارہ آنے۔ (مینیجر الہلال کلکتہ)

قیمت ۵ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ — کلکته : جمعه ۱۲ . ربیع الاول ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۰۱۲ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۳۹	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۱٤	نستعلیق هون	۸٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- - باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- - سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - - سات روپیه
قیمت في پرچه	- - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع ایکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري مراسلت (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاہ مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربه کرو - اب ایسا هوگا که اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا هونگے ' وہ نه تو بالکل سیاہ رنگ کے هونگے ' نه بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے هونگے - یه اِس نسل کا پہلا طبقه هوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑهنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقه نسل کا پیدا هوگا ' اُس کي حالت یه هوگي که اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاہ هونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقه میں اُن کے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں هوي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني ؤ اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رها - اب اِس دوسرے طبقه سے تیسرا طبقه پیدا کرو - اِس تیسرے طبقه کا حال یه هوگا که سفید سے سفید بچے پیدا هونگے - سیاہ سے سیاہ پیدا هونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وهي تناسب نمایاں هوجائیگا ' جو دوسرے طبقه میں تها - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاہ اور ۲۵ - في صدي سفید هونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے هونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بھي یه تناسب برابر قائم رهیگا - یعني همیشه نصف تعداد مخلوط رنگت کي هوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاہ هوگي -

لیکن تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت متوارث هوئي تهي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم هو جائیگي - سفید سے همیشه سفید بچے پیدا هونگے ' اور سیاہ سے همیشه سیاہ -

قانون توارث کا ایک عملي مشاهده

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلیٰ کا سفید اور سیاہ رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتھه متوارث هوتا هے - مورث اعلیٰ سفید اور سیاہ رنگ کے هیں - نسل کے پہلے طبقه میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا هوا هے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقه پیدا هوا هے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاہ ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے هیں - پھر تیسرے طبقه میں سفید سے سفید اور سیاہ سے سیاہ پیدا هوتا هے ' مگر مخلوط کي نسل میں وهي عددي تناسب قائم هے -

اِس سے معلوم هوا که :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقه میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے هیں جو ملا جلا مزاج هوتا هے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے هوکر مخلوط هوجاتے هیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقه نے جو مخلوط مزاج کرلیا هے ' وہ نسل کي آئیندہ افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا هے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رهتا هے ' لیکن ساتھه هي یه عجیب بات بھي هے که دوسرے طبقه میں نصف تعداد همیشه ایسے افراد کي پیدا هوتي هے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگه مورث اعلیٰ کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں هوجاتے هیں - اِس نصف تعداد میں آدھي تعداد ایک قسم کے خاصه کي اور آدھي ایک قسم کے خاصه کي هوتي هے - اِس طرح دو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقه کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کردے سکتے هیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر مورث اعلیٰ کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں هوجاتے هیں ' ان کي نسل میں آئینده اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نہیں هوتا ' بلکه اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں هوئي هے ' وہ مستقلاً قائم هو جاتي هے ' اور اپني نسل میں متوارث هونے لگتي هے -

(۴) لیکن دوسرے طبقه میں جو نصف تعداد ایسي پیدا هوتي هے ' جس میں اجدادي خواص مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں هوتے هیں ' اُن میں قانون توارث کا یه عددي تناسب برابر قائم رهتا اور آگے کي طرف بڑھتا هے - یعني اُن کي نسل میں وهي ۲۵ - ۲۵ - في صدي الگ الگ آبائي خواص ظاهر هوتے هیں ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط و ممزوج رهتے هیں -

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسماني خواص سے مولود میں جو مخلوط و ممزوج حالت پیدا هو جاتي هے ' وہ همیشه اپني نسل میں اِس طرح متوارث هوتي هے که نصف تعداد مخلوط قسم کي هوگي ' اور نصف مورث اعلیٰ کے الگ الگ خواص کي -

(انسان میں قانون توارث)

ٹھیک یهي حالت انساني وراثت میں بھي پیش آتي هے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کرلے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي هوگي - پھر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باهم دگر تناسل وتوالد شروع هو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بھي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کي هوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاہ رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یه نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رهنمائي کرتي هے ' اور یه سوال پیدا هو جاتا هے که کیا اِسي طرح انسان کے ذهني و معنوي خواص و اوصاف میں بھي توارث کا سلسله قائم هے ؟ اور اگر قائم هے تو کیا اُس کا قانون بھي ایسا هي هے ' اور ایسا هي عددي تناسب رکھتا هے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں هے ؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ تفصیل وبحث کا محتاج هے - اِس لیے سردست هم اِنهیں نهیں چھیڑتے -

قانون توارث جسمانی و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

مخلوقات کي جسماني و معنوي زندگي میں قانون توارث کا مسئله ' اُن اهم ترین مسائل میں سے هے جنهوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکها هے - طبیعي علوم کي ترقي کے بعد گزشته صدي میں اِس مسئله نے اور بهي زیاده اهمیت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کي - بهت سے نظریے قائم هوے - بهت سے مذاهب ترتیب دیے گئے - لیکن اِس سلسله میں سب سے زیاده شهرت و اهمیت اُس نظریه کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر منڈل کي طرف منسوب هے اور " ناموس منڈل " کہلاتا هے - ذیل میں هم اِس نظریه کي مختصر تشریح کرتے هیں -

(منڈل)

سنه ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا هوئے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج کي بحث و تحقیق میں صرف کردي : اِن میں سے ایک انگلستان میں پیدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت کي وراثت " بهت مشهور هو چکي هے - دوسرا منڈل هے - یه هنگرین نسل کا تها - سیلیشیا میں پیدا هوا - اسکي ابتدائي تربیت دیني تعلیمات کي تهي - رهبانوں کي جماعت میں داخل کر دیا گیا تها - لیکن ۲۹ سال کي عمر میں رهبانیت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم میں داخل هوکر طبیعي علوم کي تحصیل شروع کردي - تعلیم ختم کرکے وہ برون میں اُستاد مقرر هوگیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلهٔ وراثت ' کي تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تهے -

ڈاکٹر منڈل

اپني تحقیق کے دوران میں بالاخر وہ ایک عجیب معامله پر پهنچا - اُسنے دیکها ' یه عجیب معامله ' وراثت میں همیشه پیش آتا هے ' اور کبهي اُس میں خلل نہیں پڑتا - یه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حیوان تک وسیع هو چکے تهے - اُس نے شهد کي مکهیوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تهے - اور مختلف قسم کي مکهیاں باهمدیگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوي خواص کا تجربه کرتا تها لیکن مکهیوں کے متعلق اُسکي تحقیقات کے جمله اوراق ضائع هوگیے - سنه ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چهوٹا سا رساله شایع هوا تها جس میں یه نظریه پیش کیا گیا هے - یه رساله بهي گم نام هوگیا - یہانتک که سنه ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کي نظریں اُس پر دو باره پڑیں ' اور وسیع پیمانه پر اُسکي اشاعت کي گئي - آج حیوانات کي پرورش کرنے والوں میں کوئي شخص بهي ایسا موجود نہیں جو منڈل اور اُس کے نظریه سے ناواقف هو یا اُس سے مستفید نه هو رها هو -

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظریه ' تین وراثتي اصول پر قائم هے :

(۱) پہلي اصل کا خلاصه یه هے که فرد کي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حیوان هو یا نبات) اُسکي آینده نسلوں میں مفقود نہیں هو جاتیں بلکه برابر باقي رهتي هیں ' اور عرصه تک بغیر کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هیں - اِسکي مثال یه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هیں ' اور طویل زمانوں تک اُن کي نسلوں میں بدستور قائم رهتے هیں - چنانچه بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ' یا کٹا هوا هونٹهه ' یا چندهي آنکهیں ' یا سفید بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم کي جسماني خصوصیتیں همیشه موجود رهتي هیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هیں -

(۲) دوسري اصل کا خلاصه یه هے که بعض صفتیں ایسي هوتي هیں جنکا ظهور مسلسل نہیں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هیں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هیں - یعني پہلے ایک مدت تک نمایاں رهتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - پهر لوٹ آتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - صرف تجربه هي سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پہلي قسم کي هے ؟ کون صفت دوسري قسم کي هے ؟ اِسکي مثال یه هے که جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سینگ کي پیدا هوتي هے - لیکن جب یهي نسل آگے بڑهتي هے تو اُسکي اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا هوتے هیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اِتحاد بے کیس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کیس والي پیدا هوتي هے - لیکن پهر آگے چل کر بعض کے کیس هو جاتا هے - بعض کے نہیں هوتا - مگر یه معامله همیشه ایک هي تناسب سے پیش آتا هے -

(۳) تیسري اصل ' اُس تناسب کا تعین اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل میں کار فرما هے - تشریح اُسکي حسب ذیل هے :

کردی - قوم نے اس نئی شہنشاہی کا ایسی جوش و خروش سے استقبال کیا، جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاہی کا خاتمہ کیا تھا اور حریت و آزادی کے علم بلند کیے تھے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اس پر جاکر ختم ہوگیا کہ دوسری شخصیت قائم ہوگئی - کیا اس سے بھی زیادہ غیر معقول نتیجہ کسی تحریک کا نکل سکتا ہے؟ لیکن نہیں، یہ نتیجہ بالکل معقول تھا - اجتماعی اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا -

موسولینی، اٹلی کا ڈیکٹیٹر

یہ کیسے؟ یہ اس طرح کہ انسانی جماعتیں کتنی ہی شورش اور بیچینی کا اظہار کریں، نظام حکومت کی کتنی ہی مخالف نظر آئیں، مگر وہ اپنی اجتماعی افتاد طبع سے مجبور ہوکر در پردہ یہی خواہش رکھتی ہیں کہ کوئی نہ کوئی زبردست نظام قائم ہو، جو ہر قسم کی بیچینی کا قلع قمع کردے اور امن و امان ہر طرف پھیلا دے - یہی سبب ہے کہ جوں ہی کوئی نئی شخصیت نمودار ہوتی ہے اور قوم محسوس کرتی ہے کہ وہ شخصیت امن بحال کرسکتی ہے، تو بے اختیار اس کے سامنے سر جھکا دیتی ہے اور حریت و آزادی کی اپنی تمام خواہشیں نا دانستہ فراموش کر بیٹھتی ہے - دنیا کی تمام تاریخی شورشیں ہمیں یہی بتاتی ہیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے بھی ہمیں یہی دکھایا ہے - ایک محقق نے کیا ہی خوب بتایا ہے "فرانس کی "تیسری انقلابی کمیٹی" کے ممبروں میں سے عہد بونا پارٹی (نپولین) میں ایک نے بادشاہی قبول کر لی - پندرہ نے "کونٹ" کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس امراء کی شرکت منظور کی - اور چھ وزیر بن گئے" یہی وہ لوگ تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور علم بردار تھے -

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب ہم تاریخ کی اس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجودہ انقلاب کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رہے تھے - ان خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں ہیجان پیدا کیا - اسی ہیجان نے اجتماعی، سیاسی، اور اقتصادی پیچیدگیاں پیدا کیں - ان پیچیدگیوں نے جنگ عمومی کی آگ بھڑکائی - اور جنگ نے مذکورۂ بالا اجتماعی کلیہ کی بنا پر لینن اور موسولینی اور مصطفی کمال جیسی آهنی شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار ہوئی ہے، وہ ہرگز تعجب انگیز نہیں بلکہ مستحکم و مضبوط اجتماعی قوانین کا قدرتی نتیجہ ہے - یہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا، یہی ہمیشہ ہوا کیا ہے اور شاید ہمیشہ یہی ہوا کرے گا -

(انقلابات کے بانی)

یہاں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ انقلابات کے بانی کون ہوتے ہیں: افراد یا جماعتیں؟ کارلائل اور بہت سے محققین کی رائے ہے کہ زبردست شخصیتوں کے افراد ہی انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعی نظام کی کایا پلٹ کردیتے ہیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء، افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے ہیں - وہ کہتے ہیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کی مخفی لہریں پہلے پیدا ہوتی ہیں، پھر وہی چند افراد میں مجسم ہوکر رونما ہوتی ہیں اور سوسائٹی پر انقلاب طاری ہوجاتا ہے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں ہوتے، بلکہ انقلابی لہروں کا مظہر ہوتے ہیں - زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو کہ جماعتی اثرات، افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے ہیں -

لیکن صحیح یہ ہے کہ انقلاب کا موجب نہ تنہا جماعتیں ہوتی ہیں، نہ صرف افراد - بلکہ دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک نئی فضا طیار کرنے میں مدد دیتے ہیں - یہ یقینی ہے کہ اگر خاص قسم کے اجتماعی حالات و موثرات موجود نہ ہوتے تو لینن، موسولینی، مصطفی کمال جیسے افراد ابھر نہیں سکتے تھے - کیونکہ یہ افراد مدت سے موجود تھے مگر اسی وقت رونما ہوے جب حالات نے ان کی مساعدت کی - لیکن ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ اگر یہ افراد اپنی غیر معمولی قوتیں کام میں نہ لاتے تو ان کے مساعد حالات بھی پیدا نہیں ہوسکتے تھے اور انقلابات بھی طاری نہیں ہوسکتے تھے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کی حصہ دار ہوتی ہیں، تنہا کوئی ایک سوسائٹی میں تبدیلی پیدا نہیں کرسکتا -

لینن، روس کا ڈیکٹیٹر، جو اب مر چکا ہے

(انقلابی روح اور قومیں)

یہ بھی ایک ثابت حقیقت ہے کہ تمام قومیں انقلاب کی یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں - تاریخ بتاتی ہے کہ فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رہنے والی اکثر قومیں انقلاب کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں - آب و ہوا اور دوسرے اسباب نے انہیں دوسری قوموں سے زیادہ حساس، جلد متأثر ہونیوالا، اور خیالی بنا دیا ہے - وہ نئے نظریے جلد

پرائمو دی ریوا، اسپین کا ڈیکٹیٹر

عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العناني

دنیا کي موجودہ سیاست پر ایک سر سري نظر

جنگ عظیم کے بعد پوري دنیا ' خاص کر یورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجیب پلٹا کہایا ہے جو میدان جنگ میں یہ کہکر اُترے تہے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں - پہلے اِن ممالک میں جو بھي نظام حکومۃ قائم تہا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اُس میں بڑي تبدیلي ہوگئي ہے - لوگ سمجھتے تہے اِس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور دورہ ہو جائیگا اور آزادي کا ایک ایسا نظام جاري و ساري ہو جائیگا جس کے عشق میں اِنسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل بر عکس نکلا - جمہوریت و دستوریت کي جگہہ شخصیت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک میں شخصي حکومتیں قائم ہوگئي ہیں - فرق صرف اِس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کي شخصیتیں زریں تختوں پر جلوہ گر نظر آتي تہیں اور اب عام افراد یا فوجي افسر حکومت کي کرسیوں پر نظر آتے ہیں -

روس میں خاندان رومانوف اور زار کي جگہہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي ہے - لینن نے جس طور پر حکومۃ کي ' وہ بھي زار ھي جیسي حکومت تہي - یعني شخصیت ' مطلق العناني اور استبداد - یہ بات دوسري ہے کہ زار کي شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کي شخصیت نے اُسے زندہ اور خوش حال کردیا - دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نہیں ملتي جس نے اپنے غیر متناھي اختیارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بھلائي میں صرف کیے ہوں -

یہي حال اٹلي کا ہے - اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوري پادشاہ (یعني محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومۃ ایک فرد واحد ' موسولیني کے آھني ہاتھوں میں ہے - یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامي تہا ' پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاوي ہوگیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں کي طرح استبداد و قہر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کردیا ہے " اِس وقت اٹلي کو ایک ایسے زبردست حاکم کي ضرورت ہے جو ہر بے چیني کو کچل کر فنا کرسکے " یہي صورت اسپین ' ترکي ' یونان ' اور اب چین میں پیش آرہی ہے - اِن تمام ملکوں میں شخصیتیں بر سر حکومت آگئي ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کررہي ہیں - یہي نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھي شخصیت کي طرف میلان بڑہ رہا ہے - فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہوگیا تہا کہ موجودہ اقتصادي اور سیاسي گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوري نظام حکومۃ ناکامیاب ثابت ہوا ہے - لہذا روس وغیرہ ممالک کي طرح یہاں بھی " ڈیکٹیٹر شپ " یعني شخصي استبداد قائم ہو جانا چاہیے - انگلستان میں گو اب تک اِس قسم کا خیال با ضابطہ ظاہر نہیں کیا گیا ' لیکن عملاً ملک اِسي طرف جارہا ہے - موجودہ قدامت پسند وزارت بھي درحقیقت ایک قسم کي ڈیکٹیٹر شپ ھي ہے اور اُس کے رجعی (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئي کلام نہیں -

غازي مصطفی کمال پاشا

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کیا ہے ؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتي ہے ؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے - تاریخ شاھد ہے کہ جب کبھي سوسائٹي کے نظام میں برھمي پیدا ہوتي ہے اور دماغي بے ترتیبي اور اختلال ' عام ہوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے ' تو ہمیشہ یہي نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپني آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - یعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کردیتے ہیں -

انقلاب فرانس ' اِس دعوی کي سب سے بڑي اور صاف دلیل ہے - کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اُٹھي ؟ حریت ' مساوات ' اخوت کا راگ کیسي بلند آھنگي سے الاپا ؟ کیسے کیسے اصول و مبادي کا اعلان کیا گیا ؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟ یہي نہ کہ آندھي کي طرح حریت و مساوات کي ہوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرد وغبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کي بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار تہیں ! اِن شخصیتوں میں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کي تہي - اس عجیب انسان نے یہي نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کردیا بلکہ ساتھ ساتھ اپني شہنشاھي بھي قائم

اور علم میں هوا هے جو لاهوتي پیشواؤں کا مبتدع دین هے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم هے ' تو هم بڑي آساني سے نه صرف پچھلي تاریخ کے تمام حوادث کي تعلیل کر سکینگے ' بلکه مستقبل کے واقعات پر بھي روشني ڈال سکینگے -

(۲)

انساني جماعتیں شعور رکھتي هیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکه کہا گیا هے که جماعت کي شعوري ترقي کا پیمانه ' اُسکا وہ فرد هے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا هے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتي هے ' اُسي طرح سراسر جمود سے بھي لبریز هوتي هے - اور یه که اُسکا یه جمود ترقي کے گوناگوں میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروري هے -

سالہا سال سے علماء اجتماع وهي کہه رهے هیں جو گستاؤ لیباں کا نظریه هے - لیکن کبھي اُن کے ذهن میں یه حقیقت نہیں آئي که جماعت ' ایک جامد مخلوق هے - تغییر و تجدید بہت دیر میں میں قبول کرتي هے - اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا هے - وہ کہتا هے :

" ڈارون اور اسپنسر کي تصانیف میں بڑا فرق یه هے که اسپنسر کي کتابیں باوجود اپني تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگي - برخلاف اس کے ڈارون کي کتابیں باقي رهینگي - کیونکه اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود هے - اِن کتابوں نے انفرادي اور اجتماعي زندگي کے لیے ایسے اصول و مبادي پیش کر دیے ' جنھوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز همارے اخلاقي مطمح نظر کو بھي اونچا کرنا اور همارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا هے - بلا شبه اِن اصول و مبادي کا اثر بہت سست رفتار هے ' لیکن یه سست رفتاري همیں نا امید نه کرے - سب سے قوي موثر ' جو همارے اجتماعي بقاء کي عمارت محفوظ رکھتا هے ' وہ وهي صفت هے جسے هم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے هیں - یعني قدامت اور جمود کي صفت - اِسي قدر نہیں بلکه وہ دهشت ناک مخالفانه صدائیں جو هر جدید فکر کے خلاف جماعت کي طرف سے بلند هوجاتي هے ' هماري اجتماعي زندگي کي حفاظت کے لیے قوي ترین موثر هیں - جماعت کا یه جمود اُس کے جسم کي محافظت کرتا هے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا - نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا هے "

عالم مادي اور جماعات انساني کي تکوین میں بہت بڑي مشابہت موجود هے - دونوں میں ایسے عناصر موجود هیں جو اُن کے نظام و توازن کي حفاظت کرتے هیں - چنانچه جس طرح جوهر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائي لہریں : ایجابي اور سلبي جاري هوتي هیں ' یا جس طرح تمام مادي دقائق میں جذب و دفع کي دو مخالف قوتیں جمع هوتي هیں ' ٹھیک اُسي طرح اجتماع انساني میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر هوتے هیں - زندگي کے لیے موت لازمي هوتي هے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگي) ضروري هوتا هے - اِس طریقه پر غور کرنے سے هم سمجھه سکتے هیں که جماعت کي سلبي صفات جنھیں هم نا پسند کرتے هیں ' در حقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر هیں .

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھه سمجھنے کے لیے کوئي نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے که دباؤ کے ساتھه هي اُس کي شکل بدل جائیگي - پھر دوبارہ اُسے دابو ' فوراً دوسري شکل اختیار کرلے گا - اس طرح هر دباؤ پر وہ ایک نئي صورت میں تبدیل هوتا جائیگا - پس اگر انساني جماعت کي طبیعت بھي اِسي مادے کي طرح نرم هوتي ' اور اُس میں جمود و قدامت پرستي کي ٹھوس صفتیں نه هوتیں ' تو ظاهر هے ' کیسي طوائف الملوکي اور انتشار پیدا هوجاتا ؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں هوتي رهتیں ' اور نظام انساني تہه و بالا هوکر رہ جاتا -

تمام عملي فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذهب دیکھو ' کلبي ' اِبي کوري ' رواقي ' مشائي ' وغیرهم کے مذاهب پر نظر ڈالو - اِس کے بعد غور کرو که اگر اجتماع انساني کا مزاج نرم مادے کي طرح هر وقت تبدیلي قبول کرنے کي صلاحیت رکھتا ' تو ان بے شمار اور متضاد مذاهب کي موجودگي میں اُس کا کیا حال هوجاتا ؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر هوجاتا اور کوئي وسطی و اصلح راہ پیدا نه هوتي -

یہي حال سیاست ' دین ' زبان اور اُن تمام امور کا هے جن پر تمدن کے ستون قائم هین -

پس اب یه واضح هوگیا که تقدم و ارتقاء ایک ایجابي قوت هے ' جسے باوجود مقاومت کرنے کے سلبي قوت یعني جمود کي صفت مدد دیتي اور آگے بڑھاتي هے - اگر اجتماع انساني ایک مادي دقیقه هوتا تو اُسکے جواهر باهم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکه یه متضاد عمل ' اُس کي هستي قائم رکھنے کیلیے ضروري هے - ٹھیک اِسي طرح تقدم و جمود کي متضاد صفتیں بھي اجتماع انساني کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمي هیں -

بنابریں همیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاهیے - انکا جمود بھي بقاء و حیات کیلیے اسي طرح ضروري هے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروري هے - جامدین ' اجتماع انساني کیلیے ایک سلبي قوت هیں ' جو جماعت کي رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رهتے هیں -

(۳)

هربرٹ اسپنسر نے اپني کتاب " مبادي معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کي بحث سے شروع کي هے - وہ کہتا هے تطور کي تین قسمیں هیں : (۱) تطور غیر عضوي اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کي بنا سے هے - (۲) تطور عضوي اور اسکا تعلق طبیعي ظواهر سے هے جنھیں هم طبیعت حیه اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کي ترکیب میں مشاهدہ کرتے هیں - پھر وہ مظاهر ذهني (سائیکا لوجي) جو اُن صور حیه کا خاصه هیں جو ترقي کي اُس حد کو پہنچ گئي هیں جہاں طبیعت تطور نے انھیں اِن مظاهر کا اهل بنا دیا هے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یه في الحقیقت حالت اجتماعي کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل هے -

اگر هم اِس اصول کي تحلیل کریں اور اپنے موضوع سے تطبیق دیں ' تو همیں ماننا پڑیگا که تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخري درجه هے جس تک حیواني جماعتوں کي ترقي پہنچي هے - انسان بھي اِس سب میں حیوان کا شریک هے بلکه مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقي تک پہنچ گیا هے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن هے - اگر یہي هے تو پھر انسان کو باقي مخلوق پر کیا امتیاز حاصل هے ؟ انسان کا امتیاز یه هے که وہ اپنے مابعد العقلیات سے ایک ایسي قوت حاصل کرتا هے جسکے ذریعه اپني عقل کو اپنے مجموع کي بھلائي میں لگاتا هے !

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزي سے پیش قدمي کرتي هیں - لهذا وہ زیادہ انقلاب پسند هیں -

برخلاف اِنکے اِنگلو سکسن (انگریزي) قومیں' زیادہ عملي هیں - محض نظریوں سے متاثر نهیں هوتیں - اُن کے جذبات اور دماغي رجحان زیادہ پائدار هیں - وہ انقلاب کي طرف کم مائل هوتي هیں - جرمن قوموں کا بهي یهي حال هے' مگر ان میں احساس کسي قدر زیادہ هے -

روس' روحاني و نظري خیالات کي طرف سب سے زیادہ مائل هیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکهتے هیں - اِسي لیے هر انقلابي دعوت کو لبیک کهنے کے لیے طیار رهتے هیں - اِس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئي سبقت لے گیا هے تو وہ یهودي هیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکهتي هے اور هر جگہ بغاوت کي تخم ریزي کرتي هے - ایک محقق نے بتلایا هے " اجتماعي نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کي سرگرم دعوت دینے والي کتابیں زیادہ تر یهودیوں هي کے قلم سے نکلي هیں - حتی کہ موجودہ سوشیلزم یا بالشویزم بهي ایک یهودي هي کي ایجاد هے - اِس کا نام کارل مارکس تها - اور اِس مذهب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن' ٹراسکي وغیرہ سب یهودي النسل هیں - یهودیوں کے اِس خاصے کے دو سبب هیں : اول یہ کہ وہ سامي نسل هیں - اور معلوم هے کہ سامي نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کي دلدادہ هوتي هے - دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعي حالات نے یهودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا هے - دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اِسي قوم نے برداشت کي هیں اور یہ اِسي کا نتیجہ هے کہ اُسمیں بغاوت و انقلاب کي روح قائم هوگئي هے -

پهر یہ بات بهي خاص طور پر یاد رکهنے کي هے کہ جو قومیں جمود و تقلید کي زیادہ دلدادہ هوتي هیں اور حالات کي تدریجي تبدیلي کے ساتهہ اپنے تئیں بدلتي نهیں رهتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑي رهتي هیں' وہ اگرچہ دیر میں انقلابي روح سے متاثر هوتي هیں مگر جب ایک دفعہ هو جاتي هیں تو پهر اُنهي میں سب سے بڑا انفجار بهي هوتا هے اور اچانک اُن کي سوسائٹي درهم برهم هوجاتي هے - اِس اصل کي بنا پر پیشین گوئي کي جاسکتي هے کہ هندوستان میں جب کبهي انقلاب هوگا تو نهایت هي هولناک هوگا اور پوري موجودہ سوسائٹي کو درهم برهم کر ڈالے گا - کیونکہ یہ ملک سخت جمود کي حالت میں رها هے اور تدریجي ترقي سے برابر انکار کرتا رها هے - هندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بهر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت هوگا اور شاید سوسائٹي کي موجودہ کوئي چیز بهي باقي نہ چهوڑے گا - عادات و اطوار' رسم و رواج' خیالات و افکار غرضکہ کوئي شے بهي اُس کي ضرب سے نہ بچے گي - اگر ایسے هولناک انقلاب سے بچنا هو تو اُسکي صرف یهي ایک تدبیر هے کہ ابهي سے ملک کو تدریجي ترقي پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں' ملک میں بهي تبدیلي پیدا کي جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹهراؤ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم هوتا هے -

---

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق هیں ؟

رہ رہ کر شور اٹهتا هے کہ دین اور علم میں نزاع قائم هے' اور یہ کہ علم اور دین' دونوں کي فطرت میں اِس عداوت و تنافر کي بنیادیں مخفي هیں - بلا شبہ یہ دعوی ایک مدت سے زباں زد خاص و عام هے - مزید برآں تاریخ سے بهي اِسکي شهادت ملتي هے - صرف تاریخ هي نهیں' خود همارا مشاهدہ بهي اِسکي تائید کرتا هے - لیکن بایں همہ ابتک کوئي قطعي ثبوت اِس دعوے کي صحت کا نهیں ملا - تاریخي واقعات اور همارے مشاهدے کتنے هي کثیر هوں' تاهم یقیني طور پر ثابت نهیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باهم متضاد هیں -

موجودہ تمدني حالات پر ایک سر سري نظر' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافي هے - موجودہ عهد میں مادي علم کا دهارا اتني شدت و قوت سے بہہ رها هے' جس کي نظیر کسي پچهلے زمانے میں نهیں مل سکتي - لیکن با وجود اس کے ٹهیک علم کے پهلو بہ پهلو' هم دیني روح کو بهي پوري مضبوطي سے قائم پاتے هیں - کسي عهد میں بهي دیني روح انساني قلوب میں بہ حیثیت عمومي اس سے زیادہ راسخ نهیں هوگي' جتني اِس وقت هے - بے شک هم تسلیم کرتے هیں کہ دنیا پر ایسے تمدني دور گزرے هیں جن میں وقتي طور دین کا دبدبہ گهٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ غالب نہ آسکا' لیکن ساتهہ هي همیں یہ بهي تسلیم کرنا چاهیے کہ خارج میں دین کي آواز کتني هي پست کیوں نہ هوگئي هو' روح کے اندر اُسکي بنیادیں همیشہ یکساں طور پر استوار رهي هیں - انسانیت کي پوري تاریخ مین ایک لمحہ بهي ایسا بتایا نهیں جا سکتا' جس میں دیني یقین و ایمان کے ستون متزلزل هوگئے هوں -

اگر واقعي دین اور علم میں معرکہ برپا هوتا تو ابتک مدت کا فیصلہ بهي هوچکا هوتا - ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نهاد حریف پهلو بہ پهلو چل رهے هیں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئي فیصلہ کن معرکہ نهیں دیکها - کیا یہ طویل و عریض مدت بهي فیصلہ کے لیے کافي نہ تهی ؟

لیکن فیصلہ هوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئي نزاع هوتي تو اُس کا فیصلہ بهي وقوع میں آتا - یهاں سرے سے جنگ هي نهیں هے - حقیقت یہ هے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انساني میں بالکل الگ الگ میدان رکهتے هیں - یهي سبب هے کہ دونوں ابدي اپني جگهہ پر باقي و قائم هیں - دونوں کا کهیں بهي حقیقي تصادم نهیں هوتا - دونوں فکر انساني کے دو علحدہ علحدہ مظهر هیں -

لیکن اگر حقیقت یہ هے تو پهر اُس طویل اور خونیں تاریخ کي هم کیا توجیہ کریں جبکہ دیني پیشواؤں نے علم کا گلا گهونٹنے کي کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبارزت طلبي کي کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کي طرف سے اِس وقت تک دین کو دي جا رهي هے ؟

اِس کا جواب یہ هے کہ اگر هم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انساني کا ثمرہ هے' اور وہ علم جو عقل انساني کا نتیجہ هے' دونوں میں کبهي تصادم نهیں هوا' جو تصادم هوا هے وہ سراسر اُس دین

" میرے خیال میں سرکاری وکیل کی منطق یه خواهش تو نه رکھتی هوگی (قہقہه)

" اِس مسئله کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلی موضوع پر متوجه هوتا هوں -

" جج اور جیوری ! اُس ضابطۂ قانون میں ' جسے هم " قدیم یورپین ضابطۂ قانون " کہه سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جس کی منسوخی پر گزشته سو برس سے تمام فلاسفه ' مفکرین ' اور حقیقی سیاست داں زور دے رهے هیں - سب کا بیک زبان مطالبه رها هے که " مقدس تعزیرات " سے یه قانون همیشه کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تہا " یه بے دین قانون هے " فرانکلین کہا کرتا تہا " یه خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبھی توهین قانون کا مقدمه نہیں چلایا گیا -

" اِسی قانون کے بارے میں لوئی فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیری اور بد نصیبی کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروری هے جو اِس قانون کی قربان گاه پر بھینٹ چڑھا هو) کہا تہا " زندگی بھر میں اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسی قانون پر مسیو جیزو اور مسیو دی بروگلی نے سختی سے نکته چینی کی تہی -

" یہی وه قانون هے جسے هماری پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعنی اکتوبر سنه ۱۸۳۰ ع میں - حالانکه ٹھیک اِسی زمانه میں ایک نیم وحشی امریکن پارلیمنٹ نے اِسے ملک کے ضابطۂ قوانین سے خارج کردیا تہا -

" یہی وه قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسی کو چند سال هوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کردیے جانے کا فیصله کیا هے -

" یہی قانون هے جسے هماری مقنن مجلس نے سنه ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تہا - یہی وه قانون هے جو اِس وقت جب که میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زنده هے جو اُس کے خلاف هماری مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یہی وه قانون هے جسے ٹسکانیا اور روس ' دونوں ٹھکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے که فرانس بھی اُسے نفرت سے ٹھکرا دے -

" یہی وه قانون هے جس کے سامنے سے انسانی ضمیر نفرت و کراهت کے ساتھه بھاگتا هے -

" وه قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یہی وه قانون هے جس نے آج یه مقدمه پیدا کیا هے - یہی همارا حقیقی دشمن هے - ممکن هے سرکاری وکیل کو غصه آجائے - لیکن میں یه کہے بغیر نہیں ره سکتا که اُس کے پیچھے بھی یہی قانون چھپا کھڑا هے (قہقہه)

" مجھے اعتراف هے که مسیو لیون فوشو کی طرح گزشته بیس برس سے میں بھی یقین کرتا تہا که " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگی - لیکن مجھے یه بھی یقین تہا که اب گلوٹین ' قانونی نقاب اوڑھتی جاتی هے - اب اُس کی حیثیت پہلے سے بہتر هوگئی هے - اب اُس نے میدان چھوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتی هے - اب وه سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتی - اب اُس کا تماشه دل پسند نہیں رها - اب وه تماشه تاریکی میں دکھاتی هے - " سان جاک " کے قید خانے میں - خالی جگه میں - لوگوں کی نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منهه چھپاتے دیکھا ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دی - لکن اے حضرات ! یه میری غلطی تہی - کیوں که اُس نے بہت جلد اِس عارضی حیا کا پرده چاک کر ڈالا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھه باهر نکل آئی !

" سان جاک کا قید خانه یقیناً اِس ملکۂ قتل (یعنی گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے که جلد اُسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھینگے - جلادوں کی قطاریں اُس کے سامنے کھڑی هونگی - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بسته هوگی - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسی بلدیه (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے ' جس کی کھڑکیوں میں کھڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروری کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دی تہیں -

" اب گلوٹین پھر طیاری کر رهی هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے که مضطرب هیئت اجتماعیه کو اپنے استقرار کے لیے ' پھر تمام پچھلی روایات کی طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکه وه خود بھی ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بھی از سر نو آگے بڑھنا چاهیے - وه تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهی هے ' کیونکه اُنہوں نے انتہائی گستاخی کے ساتھه اعلان کیا تہا که سر کاٹنے کا آله اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کی کتاب ' انجیل هے !

" وه اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکه محسوس کرتی هے که اِن خیالی آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نہیں جانتے ' وه بے وقعت هونی هے (قہقہه) وه چاهتی هے دنیا بھر اُسکی عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے اگر ایسا نہیں هے تو وه خفا هو جائیگی ' اپنی توهین پر شور مچائیگی ' عدالت میں دعوی کریگی ' اور معاوضه طلب کریگی " (قہقہه)

جج ــــ مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعی طور پر ممنوع هے - اِس موقعه پر قہقہه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاری رکھتے هوے) " یه ملکۂ معظمه (گلوٹین) خون کی مالک هے - لیکن وه اِسے کافی نہیں سمجھتی - وه جرمانے اور قیدخانے کی بھی حاکم بننا چاهتی هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وه پروانه پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تہا - یعنی اِس مقدمه کا سمن - (آج کل هم کتنے عجائبات دیکھه رهے هیں اور همیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادی هونا چاهئے ؟) مجھے اعتراف کرنا چاهئے که وه پروانه دیکھکر میری حیرت کی کوئی حد نه رهی - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجه سے مجرم قرار پائینگے که عقل ' ضمیر ' آزادی خیال ' اور قانون طبیعت کے حامی هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادی احترام کافی سمجھا نہیں جاتا (جس سے همیں کبھی انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بھی کر رهے هیں) بلکه اب هم سے مطالبه کیا جا رها هے که معنوی احترام بھی اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انسانی ضمیر کو پاش پاش کر رهی هیں - جنہیں دیکھکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وه سزائیں جو سنگ دلی سے بھی بڑھ کر ایک برائی هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکی تلافی محال هے - جو بالکل اندھی هیں - وه سزائیں جو انسانی خون سے تربتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وه جب مجرم کے سر پر نازل هوتی هیں تو شبه هوتا هے که انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناه پر پڑتی هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ...

کیا قانون کی نکته چینی، قانون کی توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینه کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنه ۱۸۵۱ کا واقعه هے که فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رهی تهی - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلهٔ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ، شور مچایا ، واویلا کیا ، نوحه و بکا کیا ، سخت جسمانی مزاحمت کی ، مگر اسکی کوئی سعی کارگر نهیں هوئی - عدالت فیصله کر چکی تهی - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشهور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یه منظر اپنی آنکهوں سے دیکها ، تو بے اختیار هوگیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کی نظر سے یه مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توهین کا مقدمه دائر کیا ، کیونکه اِس مضمون میں براہ راست قانون کی اِس نوعیت پر حمله کیا گیا تها -

اِس واقعه نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دی - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی " نکته چینی " اور قانون کی " توهین " میں فرق - اِنهی دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنه ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بهت هی بلیغ اور پرزور تقریر کی - اِس موضوع پر یه تقریر بے نظیر سمجهی جاتی هے - اِس میں فرانس کے شاعر نے قوت واستدلال اور قوت خطابت دونوں کا بهترین مظاهره کیا هے -

اِس تقریر کی قانونی اور ادبی ، دونوں حیثیتیں ایسی هیں که ضروری هے ، اردو علم ادب اس سے خالی نه رهے - هم نے حتی الوسع لفظی ترجمه کیا هے -

(وکٹر هیگو کی تقریر)

" سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها که وہ الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یه یقین ، محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بهت جلد دور هوگیا - سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب ناکام رهیں) که موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کی طبیعت نے اسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجه یه هوا کے تمام پہلو روشنی میں آگئے ، اور وکیل کی خلاف مرضی معامله نے اپنی پوری اهمیت حاصل کرلی - لیکن مجهے اِس نتیجه پر کوئی شکایت نهیں هے -

" میں اب بلا کسی تمهید کے فوراً الزام کا مقابله کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکه مشهور مقوله هے " موضوع کی عمدہ تعریف ، عمدہ بحث پیدا کرتی هے " پس همیں سب سے پہلے یه طے کر لینا چاهیے که " قانون کی حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یه اس لیے که آج کی بحث کی بنیاد یہی مسئله هے -

" نا ممکن هے اِس جمله کے معنے یه هوں که قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکته چینی روک دی جائے - اِس جمله کے معنی اس سے زیادہ کچهه نهیں هو سکتے که قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یه جمله ، نکته چینی کی پوری آزادی دیتا هے ، سخت سے سخت نکته چینی کی بهی ، بلکه مذمت کی بهی - صرف ایک قانون هی کی نهیں بلکه خود ملک کے دستور (کانسٹی ٹیوشن) کی بهی جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یه جمله همیں پوری آزادی دیتا هے که تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی " خطرناک " قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں - اِسی قدر نهیں بلکه یه همیں اجازت دیتا هے که قانون کی راہ میں هر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں - بلا شبه وہ همیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نهیں دیتا -

" قانون نفذ هونے دو ، اگرچه کتنا هی خراب ، کتنا هی ظالمانه ، کتنا هی وحشیانه هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اسکی شکایت کرو - مقنن سے شکوہ کرو - مگر خود قانون کو روکو نهیں - اسے جاری هونے دو - ببانگ دهل کهو که وہ خراب هے - ظالمانه هے - وحشیانه هے - لیکن اسکی راہ روک کو کهڑے نه هو -

" هم نکته چینی کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نهیں کرینگے - یہی وہ حقیقی معنی هیں ، یہی وہ وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ، اگر یه نهیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقنن اور اخبارات - اگر میری تشریح قبول نه کی جائے تو اسکا نتیجه اسکے سوا کچهه نهیں هو سکتا که دوسری قسم معدوم هو جائیگی - کیونکه اخبارات کا فرض هے که قوانین پر نکته چینی کرکے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں ، وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نهیں هو سکتا - جب یه قسم معدوم هو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم ، یعنی مقنن کا وجود بهی بیکار هو جائیگا - یعنی هماری پارلیمنٹ معطل هو کر رہ جائیگی اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی کام باقی نه رهے گا که همیشه کے لیے بند هو جائے -

---

فرد اور جماعت کبهی متفق نهیں هوتے - وہ همیشه دو متضاد وجود هیں - دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یه هے که ایک هی زمانه میں رهنے والے افراد کی عظیم تعداد کبهی بهی جماعت کے تطور اور اسکے مظاهر پر متنبه نهیں هوتی اور نه اس تطور کو بهلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهی تطور حاصل کرتا هے - لیکن اسکے وقوع کی اسے هرگز کوئی خبر نهیں هوتی - پهر خود جماعت بهی اپنے تطور کا کوئی احساس نهیں کرتی ، یہانتک که امتداد زمانه ، جماعت کے تدریجی تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئندہ نسلیں اسے محسوس کرتی اور دیکهتی هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتی شعور کا دهارا اسے جدهر چاهتا هے ، بها لیجاتا هے : شر کی طرف یا خیر کی طرف - جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی هے - تمام جنگی حوادث ، اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهه یہی حقیقت نمایاں نظر آتی هے - یہی روح ، انسانیت کی گردن پکڑے همیشه کهینچتی هوئی دکهائی دیتی هے -

مگر اِن کوششوں کے باوجود بھي شہر عکاء صلیبیوں کے قبضہ میں باقي رھا ' اور اُن تمام نقصانوں کي تلافي کرتا رھا جو اُنھیں اپنے مشرقي مقبوضات سے محرومي کي وجه سے پہنچے تھے - یه دیکھکر ملک اشرف بن قلاؤون نے چاھا ' یه مقام بھي اُن سے واپس لے لیا جاے - چنانچه اُس نے حمله کیا اور سنه ۱۲۹۱ ع میں کامیاب ھو گیا -

عکا کے واقعه کے بعد مشرق کي فتح کے دروازے ایک مرتبه پھر مغرب پر بند ھوگئے - لیکن وہ نا امید نه ھوا ' اور روم کے پاپا اور یورپ کے پادشاہ برابر حمله کي طیاریاں کرتے رھے - چنانچه چارلس ھشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کرلیا تھا که اپنے جنگي بیڑوں کي قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسه پر قبضه کرلے - لیکن تجارتي مفاد نے اُس وقت جنگي کارروائیاں کرنے کي اجازت نہیں دي - اور مشرق و مغرب کا تصادم ھوتے ھوتے رک گیا -

عکا کي فتح کے بعد مشرقي تجارت کي باگیں مصر کے ھاتھه آگئي - اب بحر متوسط کي تجارت پیشه قوموں کیلیے اِسکے سوا کوئي چارہ نه تھا که اسکندریه ' دمیاط ' اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں - چنانچه وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر اِن بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کیونکه مشرق کي مصنوعات او ھندوستان کي پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئي دوسرا راسته اُنکے سامنے موجود نه تھا - اُس زمانے میں ھندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمي جزء بن گئے تھے - یه مسالے بھي مصر ھي کے راستے یورپ کو حاصل ھوتے تھے -

اِس تجارتي مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھي مرکز بنا دیا - بادشاہ اور باشندے مالا مال ھوگئے تھے - تمام یورپ میں قاھرہ " قاھرۂ عظمی " کے نام سے پکارا جاتا تھا !

(راس امید کي دریافت)

تقریباً دو سو برس تک یہي حالت رھي - یہانتک که سنه ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ع) میں مصر اپني آزادي سے محروم ھوگیا - اُسکي تجارتي مرکزیت کو شاید اب بھي کوئي نقصان نه پہنچتا لیکن مصیبت یه ھوئي که اُسي زمانے میں پرتگالیوں نے " راس امید " دریافت کرلي اور اس طرح مصر کي سیاسي اور تجارتي ' دونوں اھمیتیں ختم ھوگئیں -

راس امید ' اتفاقیه طور پر دریافت نہیں ھوا بلکه ضرورت نے اُسکي طرف رھنمائي کي تھي - یوں کہنا چاھئے که ھندوستان کي تجارت اُس کا باعث ھوئي - حقیقت یه ھے که قدیم زمانے سے ھندوستان ' دنیا کي سیاست میں زبردست موثر رھا ھے - اسکي فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ھوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ھوئیں - یہي نہیں بلکه نئي دنیا یعني امریکا کا اکتشاف بھي اِسي ھندوستان کي طمع و شوق میں ھوا -

عکا سے محروم ھوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا که مشرق اور ھندوستان کي تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ھے ' اور بلا وجه مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ھے - چنانچه عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا که ھندوستان تک پہنچنے کي کوئي ایسي راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نه ھو - اِس مشکل کے دو حل اُنکے سامنے آئے : ایک یه که بحر اٹلانٹک میں مغرب کي طرف سیدھے چلے جائیں ' یہانتک که ھندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں - دوسرے یه که افریقا کا چکر لگا کر ھندوستان پہنچیں -

یه دونوں نظریے ' پہلے جنیوا میں پھر لشبونه (پرتگال) میں مشہور ھوئے - لشبونه سے یه خیال اسپین پہنچا اور یه دونوں ملک اُس پر سنجیدگي سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کي مہم)

پہلا نظریه یعني بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا - میں کہتا ھوں " سب سے پہلے " حالانکه اِس سے میري مراد " اھل یورپ میں سب سے پہلے " ھے - کیونکه یه ایک تاریخي حقیقت ھے که کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اِس پر غور کرچکے تھے - صرف غور ھي نہیں بلکه اُسے عمل میں بھي لا چکے تھے ' اگرچه کامیاب نه ھوسکے -

میرا فرض ھے که یه تاریخي حقیقت ' جس پر انسان اور زمانے کي ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ھیں ' روشني میں لے آوں -

علماء یورپ ھمیں بتاتے ھیں که سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ھوا که بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ھندوستان تک پہنچ سکتے ھیں - چنانچه یه خیال لے کر وہ لشبونه گیا اور جان ثاني شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا - لیکن یه بادشاہ بد نصیب تھا اُس نے کولمبس کي بات نه ماني بلکه اُسے مجنوں قرار دیا - کولمبس خفا ھوکر اسپین چلا گیا اور فردیننڈ اور ملکۂ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریه پیش کیا - نتیجه یه نکلا که وہ نئي دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اُس وقت لوگوں نے " مغربي ھند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکه کولمبس کا ارادہ ' ھندوستان پہنچنے کا تھا - اِسي کي تلاش میں امریکه نکل آیا - اِسي لیے اُسے ھندوستان ھي سے تعبیر کیا گیا -

لیکن جب که کولمبس ' لشبونه میں یه خیال لیے ھوئے بحر اٹلانٹک کي متلاطم موجوں پر امید کي نظریں ڈال رھا تھا ' تو کیا اُس کے دل میں یه خیال بھي گزرا تھا که اِسي لشبونه میں کھڑے ھوکر عرب ٹھیک اِسي مقصد بلکه اِس سے بھي بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ھیں ؟

کیا کولمبس کو یه خبر پہنچي تھي که اِسي لشبونه کے مسلمانوں نے اُس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا که بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں ؟

کولمبس کو شاید معلوم نه ھوا ھو ' لیکن یه واقعه تاریخ کے صفحات پر ثبت ھے - لشبونه کے اُن مسلمانوں میں سے جو " مغرورین " کے لقب سے مشہور ھیں ' آٹھه عم زاد بھائیوں نے کمر ھمت چست کي - جہاز طیار کیے - کئي مہینے کا کھانا پاني جمع کیا ' اور اُس ھوا کے آغاز پر جو اُنھیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتي تھي ' بحر ظلمات میں روانه ھوگئے - اُن کے سفر کا حال شریف ادریسي نے اپني کتاب " نزهة المشتاق في اختراق الافاق " میں لکھا ھے - اھل لشبونه اپنے اِن " مجنونوں " کو بھولے نہیں بلکه اُن کي یادگار باقي رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محله کا نام " درب المغرورین " رکھدیا -

(۱) گیارھویں صدي ھجري کے عرب مصنفین کي کتابوں میں بھي امریکا کا نام (الهنود المغربیة) لکھا ھے - دیکھو مقدمه " کتاب العز و المنافع للمجاھدین بالبارود و المدافع " جو مصر کے سلطاني کتب خانے میں محفوظ ھے -

" لیکن نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! ہم ابھي اِس حد تک نہیں پہنچے ھیں . . . میں نے کہا مجھے پروانه دیکھکر سخت حیرت ہوئي (آپ عنقریب جان لینگے میري حیرت کس درجه عظیم تھي) کیونکه میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئي حقیقي مجرم ھے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں ھوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوري صفائي سے اعلان کرتا ھوں که اِس جرم کا حقیقي مجرم میں ھوں ' میں ! کیونکه گزشته ۲۵ سال سے میں ھي اِن سزاؤں کے خلاف ھر ممکن ذریعه سے جنگ کر رھا ھوں -

" میں تصریح کرتا ھوں که گزشته ۲۵ سال سے میں نے ھر طریقه سے " انساني زندگي کي حرمت " بچانے کي کوشش کي ھے - یعني وھي جرم کرتا رھا ھوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رھا ھے - میں نے یه جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقه پر اُسکا ارتکاب کرتا رھا ھوں - مہربان سرکاري وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواھي دے رھا ھوں - میں اقبالي مجرم ھوں - حلفیه اقبال کرتا ھوں - میں نے ھر موقعه پر یه جرم کیا ھے - بار بار کیا ھے - اصرار کے ساتھه کیا ھے - ھمیشه کرنے کا عزم رکھا ھے - یه عزم اِس وقت بھي میرے قلب میں موجود - بلکه اِس وقت بھي میں اِس جرم سے آلودہ ھو رھا ھوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ ھو رھا ھوں !

" ھاں . . . میں خود اپني زبان سے بغیر کسي جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ھوں - میں اعلان کرتا ھوں که میں زندگي بھر اُن تمام قوانین کي بیخ کني کرتا رھا ھوں جو وحشیانه ھیں - میں ھمیشه اِس بڑے قانون کا دشمن رھا ھوں جو کہتا ھے " آنکھه کے بدلے آنکھه اور دانت کے بدلے دانت " معتزم جج اور جیوري ! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ھوں که آئندہ بھي زندگي بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رھونگا - میں ایک مصنف کي حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے اُنکي مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کي حیثیت سے اپني آواز ھمیشه اُنکے برخلاف بلند رکھونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا ھوں (یه کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیه السلام کي تصویر کے طرف اپنے دونوں ھاتھه پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھي) اِس ذات کے سامنے جو اِسي قانون قتل کي قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائي گئي ' جسکے سامنے اِس وقت ھم کھڑے ھیں - یه مقدس تصویر ھمیں اِس وقت دیکھه رھي ھے - میں اِس مقدس " قرباني " کے سامنے قسم کے ساتھه یه اعلان کرتا ھوں - یه وہ ھستي تھي جسنے انسانیت کي ابدي تعلیم کي خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حواله کر دیا - انساني قانون نے اُسے سولي پر لٹکایا ' حالانکه اُسکا وجود خود " قانون الٰہي " تھا -

" ھاں میں اِسي تصویر کے روبرو بار بار کہتا ھوں که میرے لڑکے نے جو کچھه لکھا ' وہ صرف اِس وجه سے لکھا که میں نے بچپن ھي سے اُسے اِسکي تلقین کي تھي . . . کیونکه وہ جب سے میرا جسماني لڑکا ھے ' اُسي وقت سے میرا روحاني فرزند بھي ھے - کیونکه وہ کوشش کرتا ھے که اپنے باپ کي راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھي ایک عظیم جرم ھے - واقعي یه جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ھے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا ھوں که یه الزام واقعي میرے لیے شدید تعجب کا موجب ھے . . . . . . "

ھندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

واسکو ڈي گاما نے ایک عرب کے ذریعه کامیابي حاصل کي

مشہور مصري کاتب و محقق احمد زکي پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشني ڈالي ھے ' وہ نہایت اھم اور دلچسپ ھے - انکي بحث خلاصه حسب ذیل ھے :

" صلیبي جنگوں نے بہت سي معربي قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تھے - ایشیا کے دروازوں پر اِن مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے - تمام مشرق کي مصنوعات حاصل کرنے اور ھندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے صلیبیوں نے کبھي کبھي اِتني قوت بھي پیدا کرلي تھي که خود دمشق اور قاھرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے - (۱) انھوں نے کرک پر قبضه کر کے حجاز کے راسته پر تسلط حاصل کرلیا تھا - عقبه اور طور پر بھي قبضه جمانے کي کوشش میں تھے ' اور قریب تھا که پورے بحر احمر پر چھا جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار ھوگئے - اُن میں باھم سخت حسد و منافست تھي - تاھم مشترک خطرے کے سامنے متفق ھوگئے ' اور اسدالدین ' نورالدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاھر بیبرس ' منصور قلاؤن ' کي یادگار کوششوں نے مصر اور شام کي سر زمینیں یورپین حمله آوروں سے پاک کردیں -

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کي مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپني کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکھا ھے که اھل فرنگ نے کرک میں بحري بیڑے طیار کیے اور اُنھیں بحر قلزم میں پہنچے ، تاکه حجاز پر حمله آور ھوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبي اور عادلي ھمتوں نے انھیں پست کردالا - صلاح الدین ایوبي نے اُنکے بہت سے آدمي گرفتار کرلیے اور منی بھیجدیے تاکه جمرۃ العقبه پر اُسي طرح ذبح کردالے جائیں جس طرح قرباني کے جانور ذبح کیے جاتے ھیں - چنانچه ایسا ھي کیا گیا - (منه)

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ الہلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے۔ راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگمگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۷ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہذا" انھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہونچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۸۰ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف" کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عمزاد بھائی امیر عبد العزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ قسم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بدمزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سُن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "شوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبد العزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دار الحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دہوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے ماتحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قید خانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قید خانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دہرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا، "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے۔ حائل جیسی وسیع آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا، یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا سنگ پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "السلیح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب و ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، در اصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہو گیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندہتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندہنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احساء، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و نواہی کی مبلغ یہی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "مدوہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لا سکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہو گیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کہفہ، حوارہ، قتال، اور شقیر۔

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا - لیکن کس طرح پہنچا ؟ کیا اُس کے وہم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک اور دنیا بھی چھپی ہوئی ہے ؟ اِس کا کوئی ثبوت موجود نہیں - وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا - لیکن لشبونہ کے مسلمان تو اِسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے - اُنھیں ہندوستان کی فکر نہ تھی - نہ تجارت و دولت کی طمع تھی - اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی - ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطۂ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق ہے ؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تھا - ملک الناصر محمد بن قلاؤن کے عہد میں ایک عالم ' قاہرہ میں موجود تھے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا - ابن فضل اللہ العمری اپنی کتاب " مسالک الابصار فی ممالک الامصار " (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں اِن کا یہ قول لکھتے ہیں :

" میں اِسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اِس رخ پر پانی کے ھٹ جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہوگئی ہے ' ویسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو - چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے ' اِس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ویسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں ' جیسے ہماری اِس زمین میں موجود ہیں ' یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں "

(واسکو ڈی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا - اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے - اِس سے مقصود یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے -

یہ خیال سب سے پہلے جنیوا میں رہنے والے دو بھائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو ہوا - وہ اس مہم پر روانہ بھی ہوگئے مگر کامیاب نہ ہوے اور غرق ہوگئے -

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی - پرتگالی ' ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے - پرتگال کی نازک اندام عورتوں کا بھی اِس حرکت میں بڑا حصہ تھا - اُنھوں نے اعلان کردیا تھا کہ وہ اُنھی لوگوں سے شادی کرینگی جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے - اِن مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی - یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے - اِنھوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ھنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا ' اور اِس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے - یہی عرب اور یہودی تھے جنھوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا - غرضکہ سنہ ۱۴۱۳ سے سنہ ۱۴۸۶ تک پرتگالی اپنے مقبوضات ' سواحل افریقا پر پھیلاتے رہے ' یہانتک کہ سنہ ۱۴۸۶ میں پرتگالی امیر البحر جنوبی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا - یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نہروالی نے اپنی کتاب " البرق الیمانی فی الفتح العثمانی " میں اِس طرح کیا ہے " یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع ہے - اس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے - یہاں سمندر سخت طوفانی حالت میں رہتا ہے - کشتیاں ٹک نہیں سکتیں - ٹوٹ جاتی ہیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکھا تھا - لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکھدیا - کیونکہ اِس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کردی تھی -

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی - اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانویل ثانی تخت نشین ہوا - اِسنے واسکو ڈی گاما کو سنہ ۱۴۹۷ میں اِس مہم پر روانہ کیا تا کہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفرہ میں پہنچا - پھر ممباسہ آیا ' پھر ملندہ میں وارد ہوا - یہیں اِسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ " برق یمانی " میں مذکور ہے) " ایک بحری آدمی سے ہوئی - اسکا نام احمد بن ماجد تھا - اِسی نے نشہ کی حالت میں واسکو ڈی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا - اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہوگئی " لیکن خود پرتگالی مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے - البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو واسکو ڈی گاما کا شریک سفر ہوگیا تھا - اور اسکا نام وہ " معلم کنہ " Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہوگیا - بعضوں نے اسکا نام Malem Canaque لکھا ہے -

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے - اُنکا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے -

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی -

---

مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزول ہونے کے بعد کہا " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قید خانہ میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز ہونا چاہیے " (روزولٹ - امریکا)

" اخبار نویس کی صورت دیکھ کر شیطانوں کا باوا ' ابلیس ' بھی کانپ جاتا ہے " (ولیم ستیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھی ہے " (ملکۂ اسپین)

" اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے " (آخری زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ " مانویل " نے اخبار نویسوں سے کہا " تمھیں نے مجھے برباد کیا ہے "

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسترو " کا قول ہے : " اگر جہنم کا پھاٹک بھی میں کھلا دیکھوں تو اُتنا نہ ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا ہوں "

عنوان شرت ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں ابھی کچھ گڑبڑ ہو۔ لیکن مجھے یقین ہو وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہو، کہ وہ بھی منحرف ہوجائیں۔ تاکہ اِن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مداح تھا، لیکن اُس نے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہاڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جسنے ہاڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہو:

"میرے پیارے ہاڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کروگے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ منتقل ہو جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو منفصلہ ذیل خط لکھا ہو "مجروح مذکور کو لاہور بھیجدیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ہماری طرف بھیجدو۔ تم کافی تعداد میں قتل کرچکے ہو، اب ہمیں اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۱ آدمیوں کو لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کردیئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہو کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دو دن کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہو۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کرکے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہو۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کرکے پھینک دیئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہو "ایک افسر نے جو رینارڈ کی فوج کے ساتھ سفر رہا تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا، دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلٹن کو اُس کی راہ میں مل جاتے تھے ۱۲ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کر رہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسوسناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے اِن مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینارڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات خالی کرکے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان پہنچنے میں سخت دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہوجاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ اُنھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی اُنھیں پھانسی ضرور دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہو "انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہو کہ پھر بھی انکی وفاداری اور نمک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو ہماری نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے سسک رہے تھے

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو اِن میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے لیکن اُن کی بھی دعائیں انکے واسطے ہلاکت ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ وہ علانیہ کہتے تھے "تمام خدمت گاروں اور پوربیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کر دیا جائے" یہ وہ ملازم تھے۔ جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ونسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہو کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہو:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہوگیا ہو۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلاتمیز قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے اُن دنوں کی تھی، اس میں صیح ہو کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے "ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً، باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ اُنھیں گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اُسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتادو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زوروں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کرکے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کردیئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کوپلینڈ بیان کرتی ہو کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار پانچسو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انھی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مٹکاف صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا سکا حرف

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ "جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہو، وہ اسے قتل کردیتا ہو"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کردیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دیئے جاتے تھے۔ انگریز بڑی متانت سے پاس بیٹھ کر یہ مناظر دیکھا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اُس کا اقتباس دیا جاتا ہو:

"اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دیئے گئے۔ اِن میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلا دیئے گئے۔ اِن خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہوگئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشتکاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے اور جنھوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں وہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی اِن افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہو"

تجدیلی لکھتا ہو "گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اُسوقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہو یا اودھ کا کسان ہو؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ چہرا سیاہ ہو"

آرٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہو "جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو آدمی فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰-۴۰-۵۰-۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کامل اُمید تھی کہ اُنھیں معاف کردیا جائے گا، لیکن وہ سخت مایوس ہوئے"

ہومز اپنی تاریخ میں لکھتا ہو "بے گناہ آدمی مارے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف اور عمر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہو کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہوگئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر مارٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہو "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

آخر الذکر گاؤں میں نمک کا پہاڑ ہے اور خود باشندوں کی ملکیت ہے وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مبیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آ کر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ عالم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ، ریگ کے میدان میں واقع ہے۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں بکثرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہے مگر پُر مغز اور شیریں ہوتی ہے لیکن اُس میں یہ سخت عیب ہے کہ دیر ہضم ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام علاقے کا، جسے قصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہے۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولت مند، چست و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دئے ہیں۔ وہ بہت ملنسار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے سہل ہے۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام کا دسترخوان ہے۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہری کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ میں نے اُنھیں خفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہے۔ تمباکو کا نام نجد میں "تیتن" ہے اور اُس کا رکھنا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض، کا رخ کیا۔ نجد کے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریق وادی اور طریق مستوی۔ آخر الذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آ رہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابو شجرہ" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اِلّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ دنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: نجرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہی وہابیت کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لئے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کروا دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی*

* [illegible]

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رخ"

(۲)

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو اِن دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "فسادات پنجاب" میں لکھتا ہے: "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کمان افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۲۰۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک اِن پر سکھ اور انگریز پہرا دیتے رہے۔ ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اس اثنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی کمان افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلی۔ اِن میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں اِن سپاہیوں کی حالت بیان کی ہے، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اِن میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرہ میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ رستے لے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اُسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے اُنھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر میں جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہے۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً بلیک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خوف، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اُسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کی تمامتر ذمہ داری کوپر پر عائد ہوتی ہے۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟ لارنس نے جو پنجاب کا گورنر (چیف کمشنر) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اِن باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہو گی۔ جو باغی اِدھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ اگست ۱۸۵۷ء لاہور[1]

لارنس کے بعد منٹگمری پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے "جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ تمھارے واسطے

[1] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی معاف فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہوگئے ہونگے، اُس کا آپ اندازہ فرما لیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہو اور اس کے احکام کا یہی حال ہو تو بیہودہ تعلیمات سے شبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہو، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہو کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اکٹھے ہو جائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ ،، رنگیلا رسول،، پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہوگیا۔ دُنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دُنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہو، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے بتلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہو لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہو لیکن میں نے کہا اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جا سکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی سینٹلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جا سکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہو، فتوی جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہو کہ جو نہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانئ اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہو کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہو تو یہ ایسا فخر نہیں ہو جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دُنیا میں طاقت ملی ہو اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہو اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہو۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُس نے انسانوں کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہو، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہو۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہو اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہو۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہو۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہو۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہو سکتا ہو کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

آپ یقین فرمائے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولانا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہو۔ اگر بانئ اسلام کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں، پارسیوں، بدہسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہو، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ ورتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہو، انھوں نے بتلایا ہو کہ کتاب صارم مسلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہو۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہرحال جمعیت العلما کے فتوے اور مولانا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہو کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہو۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولانا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جا سکتا ہو جو اُس نے بانئ اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہو؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہو۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہو حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہو نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو سینٹلٹی ثابت ہوتی ہو وہ قابل تحسین نہیں ہو۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہو کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثے کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں انکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بیہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہو جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہو۔ یہ کتابیں بیس بیس تیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ الہند ہو۔ جو مولوی عبداللہ صاحب نے لکھی ہو جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اسمیں ایک نظم ہو جس کا ٹیپ یہ ہو،

کہو یہ کون دھرم ہو؟

اس میں ہندوؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہو کہ کوئی مہذب آدمی اسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہو کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہو تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہو کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہو کہ اسوقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہو اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہو اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا یہ خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دُور کر دیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں صاف صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبروار عرض کر دیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہو کہ جو شخص حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہو کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہو کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سُنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا ہو؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہو کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہو؟ (دیکھو کالم اول)

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کر دیا ہے کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جسدن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کر دئیے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ آپ ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہے۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، اُنھیں قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ ظالمانہ فعل ناناکے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ مسز جمیز یا مسز جینگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہے، تو ہمیں یہ بھول نجانا چاہیے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل و سلب کی شہرت سنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہو رہا تھا"

اِن دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کر دیا، سر جارج کیمبل اِن تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)

مراسلات

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط و کتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفس مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط و کتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھیریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہے، اور آزادیٔ فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا روحانی اضطراب دُور ہوچکا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے۔ گزشتہ دسمبر میں گوہٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسبِ معمول اسکا جواب اُنھیں بھیج دیتا لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کر دیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کر دیا جاتا ہے، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مہلت نہیں ہے۔ (ابو الکلام)

میں نے ادہر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نپٹا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اُٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کر دی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کر دیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دور کر دیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہے، اس کے لئے مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹا دئیے، اور میرے دل کو جو مروجہ مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کر دی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

. . . .

آپ کو معلوم ہے کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کر رہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اُس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولنا

کو ٹرکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں۔ یہ اخبار، اجنبیوں کے زرِ خریدہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی ٹکر ہی۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حسبِ ذیل بیان دیا ہی:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی جرائد بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہی۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکتیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہی"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہی۔ اُسنے کہا "دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہی۔ دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمربستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہی، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہی:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سرِ نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہئے۔ ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہی۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کرلیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پائے تخت رہنا چاہئے۔ لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوبِ شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

دو ہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا۔ کیونکہ حالات میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہرِ سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہی۔ اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کرلے گی۔ خصوصاً اب جبکہ دروز مجاہدین نے ہتیار ڈال دئے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کرے گی۔

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آہی گیا جب اُنھیں حقیقتِ عریاں کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست، جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہی، ظاہر کر دی۔ ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہی۔ اور وہ حسبِ ذیل ہی:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملاتِ خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورتِ حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کردیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کردیں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلۂ خیال کیا۔ حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کردیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رُو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہی کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جس پر چل کر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ کہ وہ اندرونی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہی۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدتِ دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرقِ قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صفِ اول میں پہونچا دیا ہی۔ حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہی، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ ہی کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہی۔

ان جماعتوں کی اُمیدیں بر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہی۔ حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہی اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہی کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کردی ہی، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام، در قانون اساسی۔

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومتِ فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہی، ضرور ہی کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہی کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہی کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہی کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور انکے ابین حَکَم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر پورے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہی۔ حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہی کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہی جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہی۔

ملک کی ترقی کے لئے امن امان کی موجودگی ضروری ہی۔ بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہی۔۔"

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہی۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہی؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی توپ سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھے گا۔

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہی کہ اُسنے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بے چارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کردی ہی۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہی کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علیحدگی کا مطالبہ کیا ہی۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے۔

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہی، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہی۔ فرانس ابھی اُس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہی۔ جبل دروز کی علیحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہی کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہی، وہ ملک میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ مثلاً عبد الغفار پاشا اطرش، امیر حسن، نجم پاشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ انکے خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کردی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدتِ سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہوئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہی۔ واقعہ یہ ہی کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفسِ ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہی۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں دروزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا مگر اسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہی۔

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہی۔ داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہی۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہی کہ شام کے تختِ شاہی پر عنقریب متمکن ہوگا۔ اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہی اور بُری طرح خادمانِ قوم کو ستا رہا ہی۔ حال کا واقعہ یہ ہی کہ اسنے اخبار الجوائب کے ایڈیٹر رشید آق آفندی کو دمشق سے نکل

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پایۂ تخت

شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام مشرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آیندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اُس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا ہندستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اپنا مقصد کے لئے اُسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقعہ پر اُس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر، اکّال الامم ہے۔ بہت سی قوموں نے اُسے ہضم کرنا چاہا، مگر جسنے بھی اُسے نگلنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ اگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر، اپنی آزادی پر مُصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اُس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اُس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس کی آمدنی یہ بار گراں اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیوری کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی رد و قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ترکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ اُن تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اُس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ پورا قرضہ ۱۷،۰۶۱،۸۴،۶۹۲ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رُو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

ٹرکی —	۸،۴۵۰،۹۷،۴۹۵	لیرہ
یونان —	۱،۱۱۰،۵۴،۶۵۳	"
شام —	۱،۰۸،۸۸،۴۵۹	"
سربیہ —	۵۴،۳۵۰،۵۷۹	"
عراق —	۵،۲۰،۷۱،۷۸۹	"
فلسطین —	۳۲،۸۴،۴۲۹	"
بلغاریہ —	۱۷،۷۶،۲۵۴	"
البانیہ —	۱۹،۲۳،۲۲۳	"
حجاز —	۱۴،۹۹،۵۱۸	"
یمن —	۱۱،۸۲،۰۰۴	"
شرق اردن —	۷،۴۳،۶۱۰	"
اٹلی —	۲،۰۴۳،۲۰۰	"
نجد —	۱،۲۹،۱۵۰	لیرہ
عسیر —	۲۶،۱۳۸	"
موصل —	۱۵،۰۰،۳۵۳	"
معان —	۱،۲۸،۷۲۸	"

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں، سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنھوں نے طرفین میں سوءِ ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحدی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اسنے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اُس سے فائدہ اُٹھا کر اسنے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اُسنے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اُس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اُسنے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ٹرکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہے؟ اُنھیں کون ہتیار تقسیم کرتا ہے؟ اُنکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہے۔ بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے"

اسی لب و لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں وقیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ اُن کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ ضرور اجنبی انگلیاں ان اخبارات

بقیہ مضمون صکا

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اُسی انداز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ آپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے ....

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی نسوانی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کر لیا ہو۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہو۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہو اور ہر جگہ اسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہو کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہو۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی مکدر کرنے والا ہو۔ لہذا اُسے بدل ڈالنا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہو جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہو۔ یعنی مرد و عورت، عقد کرکے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی منشا یہ ہو کہ شادی کے دو درجے کر دئیے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہو کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر انھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد، اُن کی زندگی کو پُر مسرت نہیں بنا سکتا تو انھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہو۔ یہ ایک عدالت کا جج ہو اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہو۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہو۔ خود اُس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہو کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل نہ پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ اُن کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلا دیا ہو کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہو۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی۔ میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو اُن تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہو کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو انھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو اُن کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ انھیں جبراً جُدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہو تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہو۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہو۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہو جائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھنا چاہئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہو؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدہ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں" اُتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہو۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہو۔

وہ لکھتا ہو:

"جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں" دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "ارب پتیوں" کا ہوتا ہو۔ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد شمار شائع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہو کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہو۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہو کہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، اُن کی تعداد ۲۰۷ ہو۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہو۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہو کہ ۱۹۱۶ء ہی میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک " "	۲۹
۴ ملین تک " " "	۱۵
۵ ملین تک " " "	۹
۵ ملین سے زیادہ " " " "	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہو۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہو۔ سرکاری روداد میں ان کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور اُن کا بیٹا، مسٹر ملن امریکی وزیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہوٹینی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہو کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہو کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہو کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہو، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہو کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہو کہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کئے:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴،۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷۰،۰۰۰،۰۰۰ "
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱۸،۵۰۰،۰۰۰ "
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸،۵۰۰،۰۰۰ "

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علمائے اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہو جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائدار بنیاد پر قائم نہیں ہو۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہو۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہو کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بها جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماموین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنه ــــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرۂ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله ــــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ــــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ــــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی ــــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ــــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ــــ علامه سید محمد رشید رضا مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ــــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ــــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ــــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اس لئے اس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وه پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - ان کي مقبولیت و قدر کا اندازه اس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸/- آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوه هے -

منیجر "البـلاغ پریس"

کلمات مرحوم سعد پاشا زغلول

جلا وطنی میں قوم سے خطاب

اُنھوں نے ہمیں ملک سے نکالا، مگر تم نے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دی!

اُنھوں نے ہمیں گمنام کر دینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے صفحۂ قلب پہ نقش کر لیا!

اُنھوں نے اپنی قوت سے تمھیں پراگندہ کر دینا چاہا، مگر تم اور بھی زیادہ باہم جڑ گئے!

اُنھوں نے تشدد سے تمھیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ معزز بن گئے!

اُنھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے تمھیں گمراہ کرنا چاہا، مگر تم گمراہ نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے تمھیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھا دی!

اس طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور تمھیں سرخروئی بخشی!

امن عالم

امن عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔

آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیے کے طور پر میں اُسے قبول نہیں کر سکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہے کسی کو حق نہیں کہ میری ہی ملکیت مجھے عطیے کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت

قومی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اوّلین شرط ہے۔

حق

حق کی طرف لوٹنا کبھی معیوب نہیں۔

حق، قوت، قوم، حکومت

حق، قوت سے بالا ہے۔ قوم، حکومت سے برتر ہے۔

فساد

ہم پر حملہ کرتے ہیں، مگر جب ہم مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "تم فساد کرتے ہو"!

علم، اخلاق

ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

بداخلاقی کا قانون

جس قانون کی بنا، بداخلاقی پر ہو، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال

ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اُس کے صحیح استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

"ڈپلوماہ"

ہمیں اپنی زندگی کے اعمال پر فخر کرنا چاہئے نہ کہ اپنے ہاتھ کے "ڈپلوماہ" پر!

مقصد کی کامیابی

مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جد وجہد کریں، اور اگر ضرورت ہو تو مر بھی سکیں!

خوف یا محبت؟

میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔

قیمت بارہ آنے۔ منیجر الہلال کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین
القرآن الحکیم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۴ کلکتہ : جمعہ ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ھجری جلد ۱
Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔ طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۱۲۰ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۲۹۹
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۳۰۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱۵	نستعلیق ہون	۱۰۵

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں آنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری مراسلہ (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

یه بات نہیں ہے که انگلستان کي نیش زني کے مقابلۂ میں فرانس خالي بیٹھا شکوے شکایت هي کر رها هو - اِس سیاسي جنگ میں وه بھي اپني تمام قوت و قابلیت صرف کر رها ہے - بلاشبه اِس وقت یورپ میں اُسے بڑي حد تک شکست اٹھاني پڑي ہے - لیکن اُسنے اِس شکست کا بدله انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکي کي طرفداري کرکے اُس نے برطانیا کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھي برطانیا سے مختلف روش اختیار کرکے اُسے ایسي زک دي ہے که مدتوں نه بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجیه نے حال هي میں مسئلۂ چین پر ایک طویل تقریر کي ہے - اُن کے یه الفاظ خاص طور پر قابل غور هیں :

" چین کا مسئله اِس وقت دنیا کا سب سے زیاده پیچیده مسئله ہے اور اُس نے " بعض " سلطنتوں کو بري طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اِس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وه مسلک یه ہے که هم چیني انقلاب کي راه میں کوئي رکاوٹ پیدا نہیں کرینگے - چیني قوم پرست اچھي طرح دیکھه چکے هیں که فرانس اُن کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہي وجه ہے که فرانس کے جمله حقوق چین میں بالکل محفوظ هیں - حالانکه " بعض " دوسري سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑي هیں - هم چین کو یقین دلاتے هیں که هماري طرف سے اُس کے لیے نه تو جنگ کا خطره ہے ' نه هم اُس کي راه میں کوئي روڑا اٹکانا چاهتے هیں "

(فرانس میں شاهي)

اِس وقت فرانس میں سخت اندروني خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروهوں میں بٹ گئي ہے - ایک جماعت موجوده جمہوري نظام کي حامي ہے اور یہي سب سے بڑي جماعت ہے - دوسري جماعت اشتراکیوں کي ہے - وه چاهتي ہے اشتراکي نظام قائم هو جائے - تیسري شاه پسند ہے اور شاهي کا اُلٹا هوا تخت پھر ازسرنو بچھانا چاهتي ہے -

یه تاریخي حقیقت ہے که انقلاب کے بعد سے اِس وقت تک کوئي زمانه بھي فرانس پر ایسا نہیں گذرا که شاه پسند جماعت موجود نه رهي هو - ڈیوک دي اورلیان کا خاندان برابر تخت شاهي کا دعوے دار رها - آجکل شاه پسندوں میں پھر حرکت پیدا هوئي ہے اور اُنھوں نے بڑي سرگرمي سے اپني دعایة شروع کردي ہے - گزشته هفته کونٹ ڈي بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شایع کیا ہے اور اُس میں یه ثابت کرنے کي کوشش کي ہے که بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کي تمام مشکلات کے حل کي حقیقي صورت یہي ہے که فرانس کي موجوده جمہوریت توڑ دي جائے اور شاهي حکومت قائم هو - کونٹ نے تخت شاهي کیلیے ڈیوک ڈي گیز کا نام بھي پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاهي کا ایک بڑا رکن اور في الحال بادشاهي کا دعویدار ہے -

(عورتوں کي فوجي بھرتي)

فرانسیسي حکومت بہت بڑے پیمانه پر جنگي طیاریاں کر رهي ہے - حال میں اُسنے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اِس سے مقصود فرانسیسي عورتوں کو فوجي خدمت پر مجبور کرنا ہے - اِس تجویز نے تمام ملک میں بیچیني پیدا کردي ہے - عورتوں میں ناراضي عام ہے اور مردوں کي بھي بہت سي انجمنیں برهمي کا اظہار کر رهي هیں -

عورتوں کي انجمن نے اِس تجویز پر دو اهم اعتراض کیے هیں : ایک یه که اِس معامله پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لي گئي - دوسرے یه که فرانسیسي عورت ابتک اپنے سیاسي حقوق سے محروم ہے - چنانچه اُسے مجلس حکومت ' بلدیه ' اور مجلس ضلع وغیره نمائینده مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کي مشہور زعیم میڈم میزم نے اخبارات میں احتجاجي مضمون شایع کیا ہے - وه لکھتي ہے :

فرانسیسي عورت ' وطن مقدس کي خدمت سے جي نہیں چراتي - لیکن جبکه اُسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اُس پر مردوں سے زیاده بوجھه ڈالنا کیوں کر جائز هو سکتا ہے ؟ فرانسیسي عورت اگر اور کوئي خدمت انجام نه بھي دے ' جب بھي اُسکي یه خدمت کیا کم ہے که وه وطن کے لیے مجاهد پیدا کرتي ہے ؟ اُسکي یہي ایک خدمت اور اِس خدمت کي شدید تکلیفیں اُسے مردوں کے هم پله کر دیتي هیں - پھر فوجي خدمت کا ایک نیا بوجھه اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافه کیا جاتا ہے ؟"

نیز یہي خاتون لکھتي ہے :

" عورتوں سے فوجي خدمت لیکر حکومت فرانس ' ملک کو ساري دنیا میں بدنام کرنا چاهتي ہے - اِس وقت جبکه تمام سلطنتیں جنگي طیاریاں کم کرنے پر غور کر رهي هیں ' هماري حکومت ایک نئي طیاري کا اضافه کرنے پر تلي هوئي ہے - حکومت کي یه تجویز لندن اور هیگ کے معاهدوں کے بالکل خلاف ہے - هم هرگز قبول نہیں کر سکتے که همارا ملک فوجي چھاؤني بن جائے "

(عورتوں کے سیاسي حقوق)

حکومت فرانس کي اِس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولوله پیدا کردیا ہے - اُنھوں نے باضابطه کوشش شروع کردي ہے - تمام سیاسي پارٹیوں سے اُنھوں نے درخواست کي ہے که حق انتخاب همیں بھي دیا جائے ' ورنه هم تمام ملک میں شورش برپا کر دینگے -

فرانس کي عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کي حالت سے ہے - وه کہتي هیں ' دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل هو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کي عورتیں اُس سے کیوں محروم هیں ؟ حالانکه سب سے پہلے فرانس هي نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کي یه حجت قوي ہے - کیونکه واقعي اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل هو گیا ہے - چنانچه ڈنمارک میں یه حق سنه ۱۹۱۵ع میں حاصل هوا - روس میں سنه ۱۹۱۷ - میں - پولینڈ ' یوکرین ' استھونیا ' لتھونیا ' ایرلینڈ اور برطانیا میں سنه ۱۹۱۸ - میں - برطانوي قانون کے الفاظ یه هیں " تمام سیاسي حقوق هر اُس عورت کو حاصل هیں جو تیس سال کي عمر رکھتي ہے ' شادي شده ہے ' یا اپنے نام سے کرایۂ مکان ادا کرتي ہے ' یا یونیورسٹي کي سند رکھتي ہے " سویڈن ' ناروے ' آسٹریا ' زیکوسلاویا ' هنگري ' اور جرمني کي عورتوں کو یه حق سنه ۱۹۱۹ - میں حاصل هوا - اهل بلجیم ' ٹرنسوال ' آسٹریلیا ' نیوزي لینڈ ' اور ولایات متحده امریکا کو سنه ۱۹۲۰ع میں -

ظاهر ہے اِس صورت میں فرانس کي عورتیں اپني محرومي پر کیونکر صبر کر سکتي هیں ؟

مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کي کشمکش - فرانس میں شاهي دعاية - عورتوں کیلیے جبري فوجي خدمت - عورتوں کے سیاسي حقوق

(الهلال کے مقاله نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

اِدھر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب هوتے چلے جا رهے هیں - انگلستان دیکھتا هے که جرمني کي تباهي کے بعد اُسکے اصلي اور زبردست دشمن دو هیں : روس اور فرانس - روس اُسکي ملک گیري کا دشمن هے ' اور فرانس دنیا کے هر خطه میں اُسکي ملک گیري کا شریک بننا چاهتا هے - یهي وجه هے که انگلستان نے بیک وقت دو سیاسي میدان جنگ قائم کردیے هیں - ایک میں روس سے نبرد آزمائي کر رها هے - دوسرے میں فرانس سے -

فرانس کو زک دینے کے لیے انگلستان نے یه تدبیر کي هے که اُسے یورپ میں اُسکے تمام دوستوں اور حامیوں سے محروم کر دیا هے - اِس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار هے - انگلستان کي یه قدیم حکمت عملي هے که وه حریف کے مقابله میں بذات خود بهت کم آتا هے - دور سے دوسروں کو شه دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف کے سامنے کھڑے کرتا رهتا هے - اِس وقت بھي اُسکا یهي طرز عمل هے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمني سے رکھا - اب اُس کي تباهي کے بعد اٹلي کو کھڑا کر دیا هے - فیشیسزم نے اٹلي کو دیوانه بنا دیا هے اور وه ناعاقبت اندیشانه انگلستان کا چیلا بن گیا هے -

اٹلي پر افسوں پھونک چکنے کے بعد انگلستان نے هنگري ' رومانیا ' بلغاریا ' یونان ' اسپین ' لیتھونیا ' استھونیا ' اور فنلینڈ کو بھي ملا لیا - صرف پولینڈ ابتک فرانس کے زیر اثر تھا مگر آج کل سر آسٹن چمبرلین اُسے بھي مسحور کر رهے هیں ' اور با خبر لوگوں کو یقین هے که امروز فردا میں پولینڈ بھي انگریزي جال میں پھنس جائیگا -

اِس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا هے - فرانسیسي مدبر اور اخبار بري طرح انگلستان کو گالیاں دے رهے هیں - اُنھیں صاف نظر آ رها هے که بحر متوسط میں انگلستان اُن کي قوت کس طرح مفلوج کر رها هے اور اٹلي کو آگے بڑھاکر اُنکي قومي هستي کے لیے سخت خطرے پیدا کر دیے هیں -

اخبار " طان " نے اِس هفته ایک افتتاحیه شایع کیا هے اور اُس میں انگلستان پر بهت لے دے کي هے - وه لکھتا هے :

" برطانیا یقین کرتا هے که اِس وقت دنیا کے امن اور جنگ ' دونوں کي کنجیاں اُسي اکیلے کے هاتھه میں هیں - اُس نے خفیه معاهدوں کي قدیم سنت پھر زنده کي هے اور پورے یورپ میں سازشوں کا جال پھیلا دیا هے - اِس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسکا اعتقاد اٹلي پر هے - اٹلي کي رضامندي وه هر قیمت پر خرید رها هے - لیکن یه قیمت وه اپني جیب سے ادا نهیں کرتا ' بلکه دوسروں کي جیب پر سودا کرتا هے - سان ریمو کانفرنس سے پهلے هي انگلستان نے اٹلي کو ایشیائے کوچک کا ایک وسیع علاقه رشوت میں پیش کیا تھا - لیکن ترکي کي قوت نے اٹلي کے حوصلے پست کردیے - پھر جنیوا کانفرنس سے پهلے اُس نے اٹلي کو فرانس کے برابر بحري قوت رکھنے کا حق دے دیا - پھر لنڈن کانفرنس سے پهلے اٹلي کو ٹیرول کا معاوضه اور تجارتي مراعات دیکر اپنا کرلیا تھا - سنه ١٩٢۴ - کے ختم هونے سے پهلے هي گوبلینڈ کا علاقه اٹلي کو دیدیا گیا - اکتوبر سنه ١٩٢٥ - میں لوکارنو کا معاهده هوا - اِس میں اٹلي کو فرانس سے بالا ترجگهه دي گئي - ٥ دسمبر سنه ٢٥ - کو اٹالین طرابلس میں کفره اور جغبوب ' سنوسیوں کے متبرک شهر بھي شامل کردیے گئے - ابھي پورا مهینه بھي گذرنے نه پایا تھا که ٢٩ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر " دوستانه غور " کیا گیا - اِس کے ایک مهینه بعد ٢٧ - جنوري سنه ٢٦ کو اٹلي کے جنگي قرضه میں سے ایک بهت بڑي رقم معاف کردي گئي - ١٦ ابریل سنه ٢٦ کو اٹالین علاقه اریٹرا اور بھي زیاده وسیع کر دیا گیا اور حبش کي بانٹ میں اٹلي کا ساجھا بھي تسلیم کرلیا گیا - پھر ٧ - اگست میں اٹلي اور اسپین کے ما بین معاهده کرایا گیا اور انگریزي مدبروں نے اعلان کیا که یه معاهده بحر متوسط میں سیاسي توازن کي بهترین ضمانت اور فرانس کي گردن دبانے کا عمده ذریعه هے - پھر ٢٠ دسمبر سنه ٢٦ کو جب که اٹلي اور فرانس کے تعلقات نهایت کشیده تھے ' جرمني اور اٹلي میں معاهده پر دستخط ثبت کرا دیے گئے - یه معاهده در حقیقت هجومي دفاعي معاهده هے اور اِس نے فرانس کي سلامتي کے لیے شدید خطره پیدا کر دیا هے - اِسکے ایک مهینه بعد ٢٠ - جنوري سنه ٢٧ - کو بحر احمر کے عربي سواحل کي تقسیم هوئي اور اٹلي نے جو کچھه مانگا ' انگلستان نے بخوشي دیدیا "

" اٹلي کي یه خوشامد ' محض موسولیني کي سیاه آنکھوں کے لیے نهیں هے - در اصل انگلستان اُسے فرانس کے سر پر اُسي طرح سوار کرنے کي فکر میں هے ' جس طرح اب سے پهلے جرمني کو مدتوں سوار رکھه چکا هے - انگلستان نے یورپ کي تقریباً تمام چھوٹي بڑي سلطنتوں کو پھسلا کر اپنے هاتھه میں لے لیا فرانس کو چھوت بنا کر الگ کردیا هے ... "

اِس ایک اقتباس هي سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کي موجوده نوعیت معلوم کرلي جاسکتي هے اور اندازه هو سکتا هے که اِس وقت یورپ کي سیاست کس طرف جا رهي هے ؟

" یہ تمام مقنن ' یہ تمام فلاسفہ ' یہ تمام شرفاء ' جنہوں نے اِس طرح کی باتیں کہیں ' کیا قانون کی توہین کرنے والے تھے ؟ وہ قانون جو ہمیشہ وقتی اور مقامی ہوتا ہے ؟ میں نہیں جانتا ' سرکاری وکیل کا جواب کیا ہوگا ؟ ممکن ہے وہ کہے " ہاں توہین کرنے والے تھے " لیکن میں ؟ تو میں یہی کہونگا کہ یہ لوگ ' بازگشت تھے اُس قانون کی ' جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ہوا ' یعنی " انسانی ضمیر " کی بازگشت - کیا اِن لوگوں نے اپنے وقت کی عدالت کو بے حرمت کیا ' وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم ہے ؟ ہرگز نہیں - وہ تو ابدی عدالت کے طلب گار تھے !

" حضرات ! قانون کی نکتہ چینی کا حق ' سخت سے سخت نکتہ چینی کا حق ' خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق ' وہ قوانین جو ہمارے اخلاق میں وحشت کی تخم ریزی کرتے ہیں ' ہمارا مقدس فرض ہے - اِصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک نور ہے جو ہمیں صراط مستقیم دکھاتا ہے - یہ حق جس طرح مقنن کو حاصل ہے ' اُسی طرح انشاء پرداز کو بھی حاصل ہے - یہ حق ازلی اور ابدی ہے - آپ اِس کا ضرور اعتراف کرینگے اور ملزموں کو یقیناً بری کر دینگے -

" لیکن سرکاری وکیل کہتا ہے (اور یہ اُسکی دوسری دلیل ہے) کہ اخبار کی نکتہ چینی ' ضرورت سے زیادہ تھی - سخت تھی - لیکن اے حضرات ! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے - ذرا اِس نام نہاد جرم کو غور سے دیکھیے ! اخبار کا یہ ہولناک گناہ روز روشن میں دیکھیے !

" کیا ؟ ... ایک شخص ... اُسے موت کا فتوی سنا دیا گیا ... بدنصیب آدمی ! ... ایک دن نور کے تڑکے اُسے میدان عام میں کھینچ لے گئے ... گلوٹین ... مہیب گلوٹین ' اُسنے اپنی آنکھوں سے قائم دیکھی ... پھر ؟ ... اُس کے خون نے جوش مارا ... اُس نے مقاومت کرنی چاہی ... اُس نے مرنے سے اِنکار کیا ... آہ ! یا الٰہی ! میں خوب جانتا ہوں - مجھسے فوراً کہا جائیگا " وہ قاتل تھا " لیکن ٹھہرو ... سنو ' سنو ... اُسے دو جلادوں نے اُٹھا لیا - اُس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے - اُس کے دونوں پاؤں بھی بندھے تھے - لیکن اُس نے جد و جہد کی - اُس نے اپنے دونوں بندھے ہوئے پاؤں ' گلوٹین میں ڈال دیے - پھنسا دیے - اُسنے گلوٹین کے خلاف ' خود گلوٹین کو استعمال کیا - جد و جہد جاری رہی - قوم نے یہ منظر مشاہدہ کیا تو اُس پر خوف چھا گیا - جلادوں نے سخت محنت کی - ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا - اُنکی جد و جہد وحشیانہ تھی ' سنگ دلانہ تھی - اُن کی پیشانی عرق آلود اور شرم سے تاریک ہو رہی تھی - اُن کا رنگ فق ہو رہا تھا - وہ تھکن سے ہانپ رہے تھے - مایوس تھے - میں نہیں کہہ سکتا ' کس خوفناک خیال نے اُنہیں مایوس کر دیا تھا ؟

بے شک قوت قانون کے ہاتھ رہنی چاہیے - یہ مسلم ہے - یہ اصل الاصول ہے - لیکن ؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدی ' گلوٹین سے لپٹ گیا تھا - رو رو کر معافی کی التجائیں کر رہا تھا - مگر ؟ مگر یہ کہ اُس کے کپڑے اتار ڈالے گئے - اُس کا جسم ننگا کر دیا گیا - اُس کے شانوں پر سے خون کے فوارے اڑنے لگے ... مگر اُس کی جد و جہد جاری رہی - آخر پون گھنٹے کے بعد - ہاں پون گھنٹے کے بعد (یہاں پر سرکاری وکیل نے ہاتھ کے اشارے سے وقت کی تحدید کو غلط بتایا - وکٹر ہیگو نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا :) سرکاری وکیل ہم سے لمحوں کا حساب مانگتا ہے - پون گھنٹہ نہ سہی ۳۵ - منٹ - جناب ۳۵ منٹ - اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں ؟ ہاں ' ۳۵ منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد ... اُس منظر سے ' جس کا کوئی نام نہیں ... اُس عذاب سے — تمام آدمیوں کا عذاب — آپ اچھی طرح سنتے ہیں ؟ ... پوری قوم کے عذاب سے - گلوٹین کے عذاب سے - اِس وحشیانہ عذاب سے ' جس کی مدت ' پوری ایک صدی سے بھی زیادہ طویل ہوگئی تھی ' بد قسمت قیدی کو رہائی دی گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا - اُس وقت قوم نے اطمینان کی سانس لی - اُس وقت قوم نے ــ اُس قوم نے جس کے پاس اب تک انسانیت کا کچھ بقایا ہے — اُس قوم نے جو رحم دل ہے ' کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ خودمختار اور حاکم ہے — ہاں اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلو خلاصی ہوگئی -

" لیکن نہیں ' گلو خلاصی ؟ ہرگز نہیں ! بلا شبہ گلوٹین کو اُس وقت شکست ہوئی - لیکن وہ بدستور سر بلند کھڑی رہی !

اُسی وقت نہیں ' وہ ہر روز سر بلند کھڑی ہے - تمام انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ' اُن کی مرضی کے خلاف ' کھڑی ہے !

" پھر کیا ہوا ؟ شام کو جلاد ' قیدی پر ٹوٹ پڑے - اُسے رسیوں اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت لاش بن گیا - اندھیرے میں اُسے میدان میں لوٹا لائے - وہ اب بھی چلاتا تھا - روتا تھا - خدا کو پکارتا تھا - اپنے ماں باپ کو پکارتا تھا - زندگی کی دعائیں مانگتا تھا - مگر ؟ مگر اُس کا منہہ بند کر دیا گیا - اُسے گلوٹین پر چڑھا دیا گیا - آہ ... اِس کے بعد ؟ ایک خونچکاں سر ' زمین پر پڑا تھا ! اُس وقت انسانیت ' فرط تأثر سے تھرا اُٹھی - قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا - کیونکہ قانون کے نام پر کبھی کوئی قتل ' اِس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں ہوا تھا - اُس وقت ہر انسان نے عمیق تأثر کے ساتھہ محسوس کیا کہ وحشت و بربریت نے انسانیت کی پوری توہین اور نیکی کی پوری تذلیل کی ہے !

" عین اُس وقت ایک مرد خدا ' ایک نوجوان ' اپنے دل کی گہرائیوں سے چلا اُٹھا - یہ چیخ اُس کی روح کی چیخ تھی - شفقت کی چیخ ' رنج و الم کی چیخ ' رعب و ہیبت کی چیخ - وہ چیخ جو انسانیت نے بے چین ہوکر بلند کی تھی - لیکن یہ چیخ تمہاری نظر میں جرم ہے ' اور تم اُس پر سزا دینے کی طیاریاں کر رہے ہو !

" یہ تمام واقعات سنکر ' یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے حضرات ! آپ بادب گلوٹین سے کہینگے " تو حق پر ہے " اور تیوری چڑھا کر رحم سے ' مقدس رحم سے کہینگے " تو مجرم ہے " !

" لیکن نہیں اے حضرات ! یہ نا ممکن ہے - میں کہتا ہوں نا ممکن ہے -

" محترم سرکاری وکیل ! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ہوں کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رہے ہو - تم غلطی پر ہو - تم مدنیت کی روح سے بر سر پیکار ہو - تم ترقی کے اخلاق سے دست بگریباں ہو - قلب انسانی تمہارا دشمن ہے - ضمیر انسانی تمہارا حریف ہے - وہ تمام اصول و مبادی تمہارے مقابلے میں صف بستہ ہیں جن کے سایہ میں ساٹھہ برس سے فرانس ترقی کر رہا ہے - جنہوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے - ان تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حرمت غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادرانہ شفقت - مذہب

قانون کی تنقید اور قانون کی توهین

تاریخ قوانین مدنیة کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۲)

" یه ایک منحوس قانون هے یه قانون ' دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا هے جو ادب و حیا سے بالکل خالي هیں - انسانیت ' شرم و ندامت سے اپنا منهه چهپا لیتي هے - خطرناک مناظر ! وحشیانه مناظر ! یه قانون ' انسانیت کو وحشت کي طرف واپس لے جانا چاهتا هے - اس کي قربانیاں کتني هي کم هوں ' مگر حد سے زیاده خوفناک هوتي هیں ! اس کے نتائج کتنے هي هولناک هوں ' مگر وہ انسانوں کو نکته چیني کي اجازت دینا نهیں چاهتا - اگر کوئي حساس ضمیر رکھنے والا نکته چیني کي جرأت کرتا هے ' تو اس کي جرأت " قانون کي توهین " خیال کي جاتي هے - اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹهرے میں کهڑا کیا جاتا هے !

" پهر اس کے بعد ؟ جرمانه ! اس کے بعد ؟ قید خانه !

" اگر یهي هے تو آئیے ' هم پارلیمنٹ بند کردیں - مدرسے بند کردیں - اب ترقي و تمدن کے لیے کوئي گنجائش باقي نهیں رهي - آئیے ' اب هم اپنے آپ کو " تاتار " اور " تبتي " کهیں - اب هم متمدن قوم باقي نهیں رهے -

" هاں اب همارے لیے یهي اولی هے که اپنے آپ کو نیم وحشي یا خالص وحشي قوم کهیں - اگر دنیا میں کبهي فرانس نامي کوئي ملک موجود تها ' تو اب وہ موجود نهیں رها - تم نے فرانس کو بدل ڈالا هے - بلا شبه فرانس ' شاہ پسند نهیں هے - لیکن میں دعوے سے کهتا هوں که وہ جمهوري بهي نهیں هے - اب وہ ان دونوں کے سوا کچهه اور هوگیا هے ! (قهقهه)

جج — میں دوبارہ تنبیه پر مجبور هوں - میں خاموشي کي درخواست کرتا هوں ' ورنه ایوان کے خالي کردینے کا حکم دوں گا -

وکٹر هیگو — (تقریر جاري رکهتے هوئے) آئیے هم واقعات پر غور کریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

" محترم جج اور جیوري ! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے ' اور وهي " قانون " تھے ... بهت خوب - لیکن مجھے یه کهنے دیجیے که جو هولناک سزائیں یه محاکم تفتیش دیا کرتے تھے ' ان سزاؤں کا احترام ' قانون کا احترام نهیں تها - ایک زمانه میں هاتهه کاٹنا قانون تها ' لیکن هاتهه کاٹنے کي کبهي تعظیم نهیں کي گئي - ایک زمانه میں آگ سے داغنا ' قانون تها ' مگر اس فعل کي تقدیس کبهي قانون نه تهي - اب آج همارے زمانے میں گلوٹین ' قانون هے ... بهت خوب ... میں دعوے سے اس حقیقت کا اعلان کرتا هوں که اگرچه آج گلوٹین قانون هے ' مگر خود گلوٹین کي کبهي تعظیم نهیں کي گئي اور نه اس وقت کي جا رهي هے - میرے آقا ' سرکاري وکیل ! یه کیونکر ؟ میں ابهي آپ کو اس سوال کا جواب دیے دیتا هوں -

" میں کهتا هوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بهي نفرت و کراهیت کے اسي گڑهے میں پهینک دینا چاهتے هیں ' جس میں اب سے پہلے ' ساري جهان کي تحسین و آفرین کے غلغله کے ساتهه ' آگ سے داغنے ' هاتهه کاٹنے ' اور محاکم تفتیش کي سزاؤں کو ابد الآباد تک کے لیے پهینک چکے هیں -

" باشندے چاهتے هیں ' عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اس سڑے هوئے منحوس قانون کي لاش اٹها پهینکیں - کیونکه یه عدل و انصاف کے نوراني چهرے کو اپني تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رها هے .... آہ ... جلاد کا منحوس چهرہ .... !

" چونکه هم یه انساني فرض ادا کرنا چاهتے هیں اس لیے هم پر شورش پهیلانے کا الزام لگایا جاتا هے -

" هاں بے شک هم نهایت خطرناک لوگ هیں - حد سے زیاده خوفناک لوگ ! کیوں ؟ اس لیے که هم گلوٹین کي منسوخي چاهتے هیں ... ! اس سے بهي بڑہ کر کوئي جرم دنیا میں موجود هے ؟

اخبار .... ال کے محرر پر الزام هے که اسنے قانون کا احترام نهیں کیا - حضرات ! تهوڑي دیر کے لیے هم اس قانون کي عبارت میں ' بحث سے الگ هوجائیں ' اور پورے خشوع و خضوع کے ساتهه اس قانون کے سامنے کهڑے هوں جو هر قانون کي بنیاد هے - انساني ضمیر کے سامنے ' جو هر سینے میں محفوظ هے !

جب " سروِن " نے ' جو اپنے عهد میں سرکاري وکیل تها ' یه کها تها که " همارے تعزیري قوانین ' الزام کے دروازے کهولتے مگر ملزم کیلیے بند کرتے هیں " تو کیا اس نے یه کهه کر قانون کي توهین کي تهي ؟

" جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کي نسبت کها تها "... ان ججوں کا ذکر نه کرو - ان میں سے آدهے بندر هیں اور آدهے چیتے " (قهقهه) تو کیا اس نے قانون کي توهین کي تهي ؟

" جب " روئیر کولر " نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پهاڑ کر کها تها " اگر تم یه قانون بنائے هو تو میں قسم کها کر کهتا هوں که میں اسے توڑ دونگا " تو کیا یه کهه کر اس نے قانون کي توهین کي تهي ؟

پوري کرنے میں کامل آزادي حاصل هوني چاهیے - کسي کو بهي اُسکي راه مین رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں هے - یه آزادي در حقیقت مذهب استقلال فردي یا مذهب عقد اجتماعي (سوشل کنٹریکٹ) کے ماننے والوں کي آزادي هے - اِن لوگوں کا دعوی هے که حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو کامل آزادي میسر تهي - پهر اُنهوں نے حاکم اعلی کو اپني آزادي کا کچهه حصه اِس شرط پر دیدیا که وه اِس کے معاوضه میں اُنکے حقوق کي حفاظت و حمایت کرے - یه خیال در اصل سترهویں اور اٹهارویں صدي کے بادشاهوں کے قهر و استبداد کي وجه سے پیدا هوا - سیاست اُس زمانه کے علماء نے کہا " حاکم کي قوت و اختیار' ذاتي و طبیعي نہیں هے بلکه رعایا کي بخشي هوئي هے "

غور و بحث کے بعد ظاهر هوجاتا هے که یه آزادي صرف اُسي شخص کو حاصل هوسکتي هے جس کے متعلق فرض کرلیا جائے که اُسے ایسي غیر محدود قوت و قدرت حاصل هوگئي هے جس کے ذریعه وه اپني هر خواهش بے روک ٹوک پوري کرسکتا هے - اِس آزادي کے دلداده کہتے هیں که هر فرد کو حق هے که اپني تمام خواهشیں جس وقت اور جس طرح چاهے پوري کرلے - اِس آزادي کا تصور ایسي حالت میں هرگز نہیں هوسکتا جب که ایک هي غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کهڑے هوں - هر شخص اُسے صرف اپنے هي لئے لینا چاهے - ظاهر هے ' ایسي صورت میں یه خیالي آزادي قائم نہیں رہ سکتي - ضرور تصادم هوگا - زیاده طاقتور غالب آئیگا - کمزور مغلوب و محروم رهینگے ' اور اُن کي آزادي سلب هوجائیگي -

(مشروط آزادي)

فرد کو زیاده سے زیاده اِتني آزادي مل سکتي هے که وه اپنے تمام افعال میں آزاد هو جب تک که دوسروں کي آزادي اُس کي آزادي کي وجه سے خطرے میں نه پڑے - فرانس کے انقلابیوں نے بهي اپنے سنه ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادي کي یهی تعریف کي تهي : " آزادي ایک قوت هے جس سے انسان اپني هر خواهش پوري کرسکتا هے بشرطیکه اُس کي خواهش دوسروں کے لیے نقصان ده نه هو " هربرٹ اسپنسر نے بهي آزادي کي تعریف یه کی هے " هر شخص آزاد هے ' جو چاهے کرے ' بشرطیکه اپنے فعل سے دوسروں کي آزادي پر دست درازي نه کرے "

یه جائز آزادي هے اور حکومت کے ساتهه جمع هوسکتي هے - بلکه بغیر حکومت کے اُسکا وجود مشکل هے - یه آزادي اُسي وقت ممکن هے جب که اُس کي پشت پناهي پر ایک حاکمانه نظام موجود هو - اِس آزادي کي اولین شرط یه هے که دوسروں کي آزادي اور حقوق پر دست درازي نه هونے پائے - لہذا ایک بالا تر قوت کا وجود لازمي هے جو هر فرد کے حقوق معین کردے ' اُن کي حفاظت و حمایت کي ذمه دار بن جائے ' اور هر قسم کي زیادتي روک سکے - پس جائز شخصي آزادي' نظام حکومت هي کے ذریعه پائي جا سکتي هے - اِس آزادي کو سیاسی اصطلاح میں " شهري آزادي " کے نام سے پکارتے هیں -

اِس تفصیل سے ظاهر هو جاتا هے که حکومت کا اهم ترین فرض' شخصي آزادي کي ضمانت هے - لیکن اِس بارے میں بهي علماء سیاست کا اختلاف هے - ایک گروه کا خیال هے که حکومت کا فرض صرف اِسي قدر هے که افراد کي شخصي آزادي کي دور سے حفاظت کرے مگر خود اُس میں دخل نه دے - چنانچه وه حکومت کے لیے جائز نہیں سمجهتے که افراد کے ذاتي معاملات میں کسي قسم کي بهي مداخلت کرے - اُنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کي تعلیم پر مجبور کرنا ' زراعت کے خاص طریقے جاري کرنے ' کارخانوں کے لیے قواعد قرار دینا ' مزدوري کي شرح مقرر کرنا ؛ یه ' اور اِس قسم کے دوسرے کام ' حکومت کے لیے ناروا هیں - وه کہتے هیں حکومت کو صرف وه کام کرنے چاهئیں جن سے افراد کي شخصي آزادي محفوظ رهے - مثلاً اُسے فوج مرتب کرنا ' قلعے بنانا ' اور جنگي بیڑے طیار کرنے چاهئیں ' تاکه دوسري قومیں ملک کي آزادي پر حمله نه کرسکیں - اِسي طرح پولیس اور دیواني اور فوجداري عدالتیں وغیره رکهنا بهي جائز هے تاکه افراد کے حقوق محفوظ رهیں - اِس کے مقابله میں ایک دوسرا گروه حکومت پر کوئي پابندي عاید نہیں کرتا - اُس کے خیال میں حکومت کو وه تمام کام کرنے چاهئیں جنسے افراد یا جماعت کي بهلائي متصور هو -

(وطني اور آئیني آزادي)

علم سیاست میں " استقلال فردي " اور " مشروط آزادي " کے علاوه ایک قسم " وطني آزادي " کي بهي هے - اِس سے مقصود قوم کي خود مختاري هے - جب کوئي قوم اپني خود مختاري حاصل کرلیتي هے تو کہا جاتا هے ' اُسنے " وطني آزادي " پالي -

آزادي کي ایک چوتهي قسم بهي هے اور اُسے سیاست کي اصطلاح میں " دستوري آزادي " کہتے هیں - اِس سے مقصود یه هے که قوم پر ایک ایسي حکومت قائم هو جسے خود قوم هي نے منتخب کیا هو' اور وه قوم کے سامنے ذمه دار اور جوابده هو ' جیسي که ولایات متحده امریکا ' فرانس ' اور انگلستان وغیره کي حکومتیں هیں -

(سلطنت اور حکومت)

یہاں یه جاننا بهي مناسب هے که سلطنت (اسٹیٹ) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق هے ؟ سلطنت سے مقصود یه هے که کسي محدود خطه میں انساني افراد کي کوئي جماعت آباد هو اور اُس پر کوئي حکمراں قوت موجود هو' عام اِس سے که حکمراں قوت اکثریت کے هاتهه میں هو' یا اقلیت کے هاتهه میں ' یا فرد واحد کے هاتهه میں - یه قوت باقي تمام لوگوں پر غالب و حاوي هو - لہذا سلطنت کے موجود هونے کے لیے دو چیزیں ضروري هیں : حکم اور اطاعت - جہاں کہیں حکم کرنے والي قوت اور اطاعت کرنے والي جماعت موجود هو ' کہا جائیگا که سلطنت موجود هے - یا یوں سمجهو که سلطنت ' حاکم اور محکوم کے مجموعه کا نام هے - رهي حکومت تو وه اُس شخص یا جماعت کا نام هے جسکے هاتهه مین حکمراں قوت هوتي هے -

اِس تفصیل سے واضح هوگیا که " مشروط آزادي " (اور یهي شهري آزادي هے) کي حفاظت کا ذمه حکومت کے سر هے - لیکن اگر حکومت کسي مستبد اور ظالم شخص کے هاتهه میں هوگي تو وه اپني مرضي کے مطابق افراد کي آزادي اور حقوق پر دست درازي کر سکتا هے - دستوري حکومتوں میں استبداد کا اِتنا خطره نہیں هے - لیکن اُن میں بهي شخصي آزادي کي ضمانت یکساں نہیں هوتي - اِس ضمانت کا تعلق براه راست ' دستور حکومت سے هوتا هے - جن ملکوں کا دستور حکومت زیاده مستحکم هوتا اور مشکل سے بدلا جا سکتا هے ' وهاں شخصي آزادي سب سے زیاده محفوظ رهتي هے - یه اِس لیے که اگر دستور حکومت آساني سے بدلا جاسکتا هے تو شخصي آزادي پر بهي آساني کے ساتهه دست درازي کي جا سکتي هے -

مطبوعات جديده

شخصي آزادي

مختلف سياسي مذاهب كي نظر ميں

حال ميں مندرجه صدر موضوع " الحرية الشخصيه " پر ايک نهايت مفيد اور دلچسپ مجموعۂ مقالات مصر ميں شائع هوا هے جس کے مقاله نگاروں نے كوشش كي هے كه اس باب ميں جس قدر مختلف نقطه هاے نظر اور سياسي مذاهب موجود هيں ' انهيں صحت بيان کے ساتهه واضح كر ديا جاے - " شخصي آزادي " کے باب ميں اگرچه بے شمار افكار و آراء موجود هيں ' ليكن اهم اور اصولي مذاهب تين هيں :

(١) " مذهب تقئيد على الاطلاق " يعني وه مذهب جو كامل شاهيت اور شاهي استبداد کے اعتراف كا نتيجه هے ' اور جو كهتا هے كه كسي فرد واحد كو آپنے مالكوں اور آقاؤں کے خلاف مطالبۂ ازادي كا حق هي نهيں هے -

(٢) " مذهب استقلال مقيد و مشروط " جو اسوقت عملاً تمام أن ممالک كي هئيت اجتماعيه كا مذهب هے ' جو دستوري يا جمهوري حكومت کے طريقوں پر عامل هوچکے هيں - اس مذهب کے معتقدين شخصي آزادي كا مطالبه هر فرد كا فطري حق قرار ديتے هيں ' مگر ساتهه هي جماعت ' قوم ' اور نظم کے مشترک مقاصد كي بالا تري بهي تسليم كرتے هيں - ان کے اعتقاد ميں هر فرد كو آزاد هونا چاهيے ' ليكن اسي حد تک ' جس حد تک جماعت ' قوم ' اور حاكمانه نظام كا مزاج موافقت كرے -

(٣) " مذهب استقلال فردي على الاطلاق " جو فرد کے حقوق آزادي كو اصل قرار ديكر هيئت اجتماعيه كا تمام نظام اُس کے مطابق ركهنا چاهتا هے - اس کے معتقدين اُن تمام قيود اور شرائط کے اعتراف سے انكار كرتے هيں جو كسي حال ميں بهي فرد كي انفرادي آزادي کے خلاف هوں -

پهلا مذهب يكقلم متروک و مهجور سمجها جاتا تها ' ليكن اٹلي کے فيشي سيزم نے پهر اُسے زنده كر ديا هے -

هم اس مجموعه سے پهلے ايک مقاله دوسرے مذهب كي تائيد ميں (جو وقت كا عام اور معمول به مذهب هے) حذف و اضافه کے بعد نقل كرتے هيں - اُس کے بعد تيسرے مذهب کے مويد افكار و مباحث نقل كرينگے تاكه قارئين الهـــلال اس اهم موضوع کے تمام اطراف پر نظر ڈال سكيں -

---

شخصي آزادي کے معنے كيا هيں ؟ لوگوں كو اِس کے شرح و بيان ميں سخت ٹهوكريں لگي هيں - شخصي آزادي كا مفهوم عام طور پر يه سمجهه ليا گيا هے كه هر فرد اپني هر طلب بے روک ٹوک پوري كرسكے - اِس غلط فهمي كا بڑا سبب ' حكام كا طرز عمل هے - مطلق العناني اور ذاتي مفاد کے مقابلے ميں رعايا کے فوائد سے بے پروائي ؛ اُنهوں نے اپنا شعار بنا ليا - اِس غلو كا نتيجه يه نكلا كه محكوموں ميں بهي غلو پيدا هوگيا - انتهائي استبداد کے مقابلے ميں انتهائي آزادي كا مطالبه شروع هوا - اور اِس طرح شخصي آزادي كا صحيح مفهوم بدل گيا -

اِس غلو نے بالاخر يه اصول پيدا كيا كه " حكومت اور آزادي يک جا جمع نهيں هو سكتي " اِس اصول کے ماننے والوں كا استدلال يه هے كه حكومت سے مقصود ملک ميں ايسے حاكم اعلى كا وجود هے ' جسكي اطاعت تمام افراد کے ليے ضروري هو - وه قانون بنائے ' قانون كي پابندي پر مجبور كرے ' مخالفوں كو سزائيں دے ' محصول لگائے ' رعايا كي مرضي کے خلاف اعلان جنگ كردے ' اور قتل و خونريزي كا بازار گرم هوجائے - وه كهتے هيں ' اِس صورت ميں كسي فرد كي بهي شخصي آزادي محفوظ نهيں ره سكتي -

(مذهب استقلال فردي)

اِس اصول کے قائل هر قسم كي حكومت کے خلاف هيں - اُنكے خيال ميں حكومت كي موجودگي افراد كو اُنكي كامل آزادي سے محروم كر ديتي هے - وه كهتے هيں ' هر فرد كو اپني خواهشيں

اصلاح جو مذهب انتقام كي جگه قائم هوگيا هے - تمهاري دشمن هر وه چيز هے جو عقل كو روشني بخشتي هے - هر وه چيز جو روح كو ابهارتي هے : يعني دين اور فلسفه - ايک طرف سے (حضرت) مسيح (عليه السلام) اور دوسري طرف سے والٹير !

" حضرات ! اب ميں اپنا بيان ختم كرنا چاهتا هوں - اے ميرے فرزند ! ميري آنكهه کے نور ! ميرے جگر کے ٹكڑے ! هاں اے ميري جان ! ميں تجهي كو مخاطب كرتا هوں - تجهي كو جو مجرموں کے كٹهرے ميں كهڑا هے ! آج تو شرافت و عزت كي ايک عظيم منزل طے كر رها هے - خدا نے تجهے محبت كي نظر سے ديكها اور اِس لائق بنايا كه تو حق كيليے جنگ كرے - مقدس حق کے ليے غم كهائے - تو آج اُس منزل ميں قدم ركهه رها هے ' جو همارے زمانے ميں حقيقي مردانگي كي منزل هے - يعني عدل و انصاف كيليے جنگ - حقيقت كيليے جنگ - عظيم بن جا ! بلند هوجا ! تو كيا هے ؟ عقل انساني اور حقيقي جمهوريت كا ايک معمولي سپاهي ! تو آج اُس جگه بيٹها هے جس پر تجهسے پهلے " برانجيه " بيٹهه چكا هے - تو " لامرتيه " كي كرسي پر بيٹها هے - اپنے عقائد ميں كمزور نه هو - يه تجهسے ميرے آخري لفظ هيں - نه ميري وصيت هے ' بشرطيكه تجهے وصيت كي ضرورت هو - غور كر ' تو اِس وقت " لزارک " كي جگه بيٹها هے - آه ميري مسرت ! ميرے لڑکے كو كيسي عزت ملي هے ! . . .

" ميں كهه چكا . . . "

صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخه

(مجدد الدین فیروز آبادي اور دولة رسولیه)

انسان کي طرح کتابوں کي بهي زندگي هے - جس طرح انسان پر پیدایش و موت ' اقامت و سفر ' غربت و هجرة ' اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے هیں ' تهیک اسي طرح کے حوادث و ایام سے فکر انساني کي اِن کاغذي مخلوقات کي تاریخ بهي مرتب هوتي هے - ایک شخص دنیا کے کسي خاص حصے میں پیدا هوتا هے ' لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پهنچا دیتے هیں جسکا اُسے کبهي وهم و گمان بهي نه هوا هوگا - یهي حال دنیا کي مشهور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخي نسخوں کا بهي هے - سینکڑوں هزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود هیں - اگر اُن کي تاریخي حیات پر نظر ڈالي جائے ' تو انقلاب و حوادث عالم کي ایک عجیب و غریب داستان نمایاں هوجایگي - نهیں معلوم انتقال اور تغیر کي کیسي کیسي منزلوں سے گزرنے کے بعد ' وہ اپنے مولد و منشاء کي جگه ' اِن مقامات میں آج پناہ گزیں هو سکے هیں - بهت ممکن هے که ایکسه کتاب اب سے ایک هزار برس پہلے دنیا کے کسي ایک گوشه میں پیدا هوئي هو ' اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کي موت و حیات اور عروج و زوال کي داستانیں وابسته هیں ' دنیا کے ایک دوسرے انتهائي گوشه میں پهنچ گئي هو !

(ایک نسخه کي سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازدي نے دوسري صدي هجري کے وسط میں فتوح الشام کي روایات جمع کیں - صاحب ابن عباد نے چوتهي صدي هجري میں اپنے خزانۂ کتب کے لیے اُس کا نسخه ابن فارس امام لغة و عربیة کي زیر نگراني و تصحیح لکهوایا - پانچویں صدي میں یه نسخه نهیں معلوم حوادث و تغیرات کي کتني منزلیں طے کرکے غزني پهنچا ' اور سلاطین غزنویه کي مواهیر اُس پر ثبت هوئیں - پهر غزني سے نکل کر دشت غربت و مهاجرت کي نئي نئي منزلیں طے کیں ' اور تمام بلاد ایران و عراق طے کرکے مصر جا پهنچا ' چنانچه ساتویں صدي کے اواخر میں شیخ ابو یعلی مصري کا دستخط اُس پر ثبت هوا ' اور نصف صدي تک اسي سر زمین میں مقیم رها - پهر اُس کے بعد یهي نسخه یمن پهنچتا هے ' اور کتب خانۂ شاهي کي مهر اس پر ثبت هوتي هے - نیز بعض سلاطین یمن اسي نسخے پر اِسکي قرات و درس کي اجازت اپنے شیوخ سے لیتے هیں - پهر یمن سے یه نسخه نکلتا هے ' اور کالي کٹ (مالا بار) پهنچتا هے ' مگر وهاں کي آب و هوا راس نهیں آتي ' اور تهوڑے هي عرصه کے بعد دکن پهنچکر سلاطین عادل شاهي کا مهمان هوتا هے - یهاں عرصه تک مقیم رهتا هے ' لیکن اُس کے بعد پهر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے هیں - یهانتک که بالاخر یه نسخه سنه ۱۷۹۹ - میں ایک فرانسیسي کے هاتهه لگتا هے اور اب پیرس کے قومي کتب خانے میں محفوظ هے !

کتاب عراق میں پیدا هوئي ' رے میں لکهي گئي ' غزني میں مقیم هوئي ' غزني سے مصر پهنچي ' مصر سے یمن ' یمن سے مالا بار ' مالا بار سے بیجا پور ' بیجا پور سے پانڈي چري ' پانڈي چري سے ایشیا اور یورپ کے تمام بري اور بحري فاصلے طے کرکے پیرس دار الحکومت فرانس میں !

به بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؟

(هندوستان کا گذشته دور عام)

اِس سلسله میں هندوستان کا پچهلا دور علم خصوصیت کے ساتهه قابل ذکر هے - یه ملک عربي و اسلامي تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مهجور تها - دمشق ' بغداد ' قاهره ' اندلس ' خوارزم ' شیراز ' رے ' اصفهان ' یمن ' وغیره ممالک ' عربي و اسلامي تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رهے ' لیکن هندوستان ان میں سے کسي ملک سے بهي متصل اور قریب نه تها - تاهم هندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیۂ و اسلامیه کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع هوے ' اور عربي علوم کے اصولي نسخوں اور امهات نقل و کتابت کا جیسا قیمتي سرمایه فراهم هوا ' وہ کسي طرح بهي اسلامي تمدن کے مرکزي مقامات سے کمتر قرار نهیں دیا جاسکتا ' اور هندوستان کے امراء و علماء کي علمي قدر دانیوں اور علمي مساعي کي حیرت انگیز شهادت بهم پهنچاتا هے - گذشته نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکي انقلابات پیش آے - هر انقلاب میں علم و تمدن کا پچهلا ذخیره برباد هوا ' اور نئے ذخیروں کي از سر نو بنیادیں پڑیں - خصوصاً سترهویں صدي کے اوائل سے لیکر غدر سنه ۵۷ ع کي انقلابي بربادیوں تک کا زمانه تو علمي ذخائر کي تباهیوں کا ایک مسلسل دور تها - بلا مبالغه کها جا سکتا هے که جونپور ' مالوه ' دکن ' دهلي ' آگره ' لکهنؤ ' اور مرشدآباد میں نو سو برس کے اسلامي تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تهے ' اُن کا دو تهائي حصه یکقلم برباد هوگیا ' اور ایک تهائي حصه جو باقي رها ' اُس کا بهي بڑا حصه منتشر هوکر یا تو یورپ پهنچ گیا ' یا گمنام اور مجهول گوشوں میں نا پید هوگیا - با ایں همه آج بهي هندوستان کي فراهم شده کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باهر لگ سکتا هے ' اُس سے هم اسکي عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتهه اندازه لگا سکتے هیں - عربي و اسلامي علوم و فنون کي کوئي شاخ بهي ایسي نهیں هے جس کي امهات کتب کے اصولي نسخے (یعنے وہ نسخے جو یا تو مصنف کے هاتهه کے لکهے هوے تهے ' یا ائمۂ فن کے درس و مطالعه میں رہ چکے تهے اور اسلیے نقل لینے کے لیے زیاده مستند سمجهے جاتے تهے ' یا اسي طرح کي کوئي اور اهمیت رکهتے تهے) هندوستان نه پهنچے هوں ' اور نه صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں ' بلکه ایک ایک قصبه اور قریه کے اندر اُن کي بڑي تعداد موجود نه هو - قران مجید ' صحاح سته ' معاجم و مسانید ' تفاسیر و شروح ' امهات اصول و فقه ' تاریخ و علوم کے وہ نسخے جو سلاسل علم کے ائمۂ و اکابر نے حجاز ' عراق ' مصر '

سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے - اس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی دو ثلث آبادی کی منظوری لی جائے - یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے - لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اِتنی مشکل نہیں ہے - وہاں پارلیمینٹ کو اختیار ہے، جب چاہے، تھوڑی سی اکثریت پیدا کرکے بدل ڈالے -

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اُس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے، اُتنی روئے زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں - البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنے ہے -

(حکومت اور افراد)

حکومت کو افراد پرکس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے ؟ اِس کے سمجھنے کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے ؟

" مذہب استقلال فردی " کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد، مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کرکے اپنے تئیں اِس شرط پر حاکم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اُن کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں روکے - لہذا حکومت کا اقتدار و اختیار صرف اِسی دائرے میں محدود ہے - یعنی زیادتی کا روکنا - اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اِس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی، مگر بعد میں عملاً متروک ہوگیا -

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبیعی تعلق ہے - یہ تعلق ویسا ہی ہے، جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے - جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا، اُسی طرح فرد، سلطنت یا قوم سے علحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا - اِس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اُس وقت سے موجود ہے، جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے - شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا، تو اُس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی - اُس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی - کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ " حاکم اور محکوم موجود ہوں " قبیلے پر بھی صادق آتی تھی غرضکہ اِس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی - اِس مذہب کا نام " مذہب عضوی " ہے - اِس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگا تار نموٗ ہوتا رہتا ہے - یہی دائمی نموٗ، نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے -

اِس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے - کیونکہ سلطنت کا نموٗ، اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے - یعنی اُس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے - افراد ہی اپنے ارادے سے اُسے ترقی دیتے اور آگے بڑھاتے ہیں - برخلاف اِس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نموٗ میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا - وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے -

اِس مذہب نے مذہب " استقلال فردی " کو کافی نقصان پہنچایا ہے - کیونکہ آخر الذکر، فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا اور حکومت کا اقتدار و اختیار محدود کرکے سلطنت کی ترقی و تقدم روکتا ہے - برخلاف اِس کے دوسرا مذہب، افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اِس طرح اُسے نفع پہنچاتا ہے - اِس مذہب کی رو سے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے - جیسا کہ ہاتھ، سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے -

اگر افراد اِس مذہب پر ایمان لے آئیں، تو حاکم کے اُن تمام قوانین کی بخوشی اطاعت کرینگے، جن سے اگرچہ شخصی طور پر اُنہیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں - کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون، عام فائدہ کے لئے ہے، نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے، اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے -

لیکن اگر مذہب " استقلال فردی " تسلیم کرلیا جائے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی - پھر جب سلطنت کمزور ہو جائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا - کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے - وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں، نہ اُن میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے - موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور روز مرہ کے مشاہدے ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ " مذہب عضوی " قبول کریں اور دنیا میں اُس کی اشاعت کریں -

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہو سکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو - جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اُسکے تمام افراد، مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں، مجموع میں جذب ہوجائیں، اور عموم کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت بھول جائیں - یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں (سیاسی ہوں یا اجتماعی) ترقی کر سکتی ہیں - کوئی انسانی جماعت، انانیت کو اپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی - کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں - یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی، مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے، وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا - کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں، شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے، لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے -

مشرق اِس بیماری کا بری طرح شکار ہوا ہے - اُسکی وطنیت و قومیت فنا ہو گئی ہے، عام مصالح ضائع ہو گیے ہیں، اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں - مشرق کو یہ مہلک مرض درحقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا - یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں، اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت بیکار ہے، اور مصلحت عام کے لیے سعی لا حاصل ہے - ہوتے ہوتے اب اُنکی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وطنیت، قومیت، عام مصلحت، جماعت، وغیرہ الفاظ کے لیے اُن کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی -

(یمن کے سلاطین رسولي)

یمن کے خاندان رسولي کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ھے ' اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں - اس نسخہ کي تاریخ حیات کي توضیح کے لیے ضروري ھے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جاے -

یمن میں ساتویں صدي هجري کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدي کے درمیاني عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کي حکومت رهي ھے جو " رسولي " کے لقب سے مشہور تھا - یہ لوگ اصلاً ترکمان تھے ' اور ترکمانوں کے قبیلہ " میجک " سے تعلق رکھتے تھے ' لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربي ملک کا حکمران بنا دیا ' تو ضرورت هوئي کہ کسي نہ کسي طرح اپنا سلسلۂ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملادیں - چنانچہ ظاهر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلی جبلہ بن ایہم غساني کي نسل سے هیں جو حضرۃ عمر (رضي اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان هوکر پھر مسیحي هو گیا تھا ' اور قسطنطنیہ چلا گیا تھا - الحاق نسب کي صورت یہ اختیار کي گئي کہ جبلہ عرصہ تک روم میں مقیم رھا - اُس نے اگرچہ مسیحي مذھب اختیار کرلیا تھا ' لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا - مرتے وقت اُس نے اپني اولاد کو وصیت کي کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامي ممالک میں جائیں اور مسلمان هوکر زندگي بسر کریں - وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم هوگئے - اور اس طرح ان کي عربیت ' ترکمانیت سے مبدل هوگئي !

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں هوتا ھے ' محمد بن هارون بن یوحي رستم ھے - خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لي - اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کي ضرورت تھي جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ هو - خلیفہ نے محمد بن هارون کا اس غرض سے انتخاب کیا ' اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں ' اور پھر شام سے مصر میں منتقل هوگیا - بغداد کي سفارت و وکالت کي بنا پر محمد بن هارون " رسول " کے لقب سے پکارا جاتا تھا - یہ تلقب اس قدر مشہور هوا کہ آگے چل کر پورا خاندان " رسول " کي نسبت سے پکارا جانے لگا -

مصر میں جب ایوبیوں کي حکومت قائم هوي ' تو یمن اُس وقت مصر کے زیر اثر تھا - انھوں نے وھاں کي ولایت کیلیے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا ' اور اسکے ساتھہ خاندان رسولي کو بھي روانہ کر دیا ' کیونکہ مصر میں انکي موجودگي سیاسي مصالح کے خلاف تھي - عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کي زندگي بسر کرتا رھا - لیکن ساتویں صدي کے اوائل میں جب ملک ظاهر بیبرس مصر میں حکمراں هوا ' تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اِس خاندان کو امارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائي کي تخت نشیني کا موقعہ ملگیا ' اور کچھہ عرصہ کي کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھي اس کا استقلال تسلیم کرلیا - اس خاندان کا پہلا حکمراں ملک المنصور نور الدین عمر بن علي بن رسول تھا - یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۶۴۷ ھ میں اپنے غلاموں کے هاتھوں قتل هوا - یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کي حراست و خدمت بھي مصر سے نکل کر اسي حکمران خاندان کے قبضہ میں آ گئي تھي -

(ملک الاشرف)

اِسي سلسلۂ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علي بن داؤد رسولي تھا ' جسکا اس نسخہ کي تحریر میں ذکر ھے ' اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسي طرح هندوستان پہنچ گیا ھے -

"ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ھ میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۸۰۳ - ھ میں انتقال کیا - شیخ شرف الدین بن ابي بکر المقري نے مرثیہ لکھا تھا ' جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے هیں :

هو الدهر کرت بالخطوب کتائبه
و غضت بانیاب حداد نوائبه

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے هیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اهل علم و فضل تھے ' اور علم و فضل کي قدر شناسي میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھے - اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کي نیابت سے ترقي کرکے استقلال و فرمانروائي کي حیثیت حاصل کرلي ' سلطان نورالدین تھا - الخزرجي صاحب عقود اللؤلؤیہ (جس کا ذکر آگے آتا ھے) لکھتا ھے کہ اُس کي زندگي کي سب سے بڑي مشغولیت یہ تھي کہ اطراف عالم سے اهل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے ' اور مدارس و مساجد سے اپني مملکت معمور کردے - مکۂ معظمہ ' تعز ' عدن ' زبید ' وادي سہام ' اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں - مکۂ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا - زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے - مدرسۂ شافعیہ ' مدرسۂ حنفیہ ' اور دارالحدیث - اِن سب کے لیے اوقاف و معاصل تھے جن سے مدرسین و طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے - (جلد اول : ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ھے ' وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا باني تھا ' بلکہ خود بھي صاحب علم و فضل تھا - تفسیر ' حدیث ' اور طب میں اُس کي مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلاني اور قاضي شوکاني نے ذکر کیا ھے - الخزرجي لکھتا ھے کہ حدیث کي تمام امہات کتب اس نے اپنے قلم سے لکھي تھیں - ان کي تعداد و ضخامت دیکھکر تعجب هوتا ھے کہ حکومت کي آلودگیوں کے ساتھہ علم و کتابت کے لیے اتنا وقت کیونکر نکل سکا ؟ اُس کے علمي شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخرالدین رازي کي تفسیر کبیر جب اُس کی نظر سے گزري تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس هوے - اُس وقت قاهرہ میں تاج الدین بن بنت الاعز قاضي القضاۃ تھے - انہیں لکھا کہ تفسیر کے مصحح نسخے بھیج دیں - انھوں نے چار نسخے بھیجے - لیکن ان سب کا بھي وهي حال تھا - اس پر خیال هوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکھا هوا مسودہ دیکھنا چاهیے - چنانچہ ایک سفارت یمن سے هرات بھیجي گئي - اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکھا هوا اصلي نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا - خود سلطان موصوف کي یہ عبارت خزرجي نے نقل کي ھے " میں نے جب یہ اصلي نسخہ دیکھا تو میري کاوش دور هوگئي ' کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھے ' اِس سے معلوم هوتا ھے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثاني کا تھا جو پورا نہ هوسکا " (جلد ۱ : ۲۲۸) جن اهل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ھے ' وہ سلطان موصوف کي صحت نظر و رائے کي تصدیق کرینگے -

خوارزم ' بلاد فارس ' اور مغرب و اندلس میں لکھے تھے یا انکی تصحیح کی تھی ' نہ صرف دھلی و آگرہ کے شاھی کتب خانوں میں بلکہ جونپور اور اودھ کے قریوں تک میں موجود تھے - یاقوت مستعصمی کے لکھے ھوے مصاحف ' رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححہ قرآن ' حفاظ حدیث کے لکھے ھوے یا املاء شدہ مجامیع حدیث ' حافظ ابن صلاح اور نو وي جیسے اکابر حدیث کے دستخطی صحیحین ' حافظ ابو الحجاج مزی اور امام ذهبی کی مصححہ صحاح ستہ ' حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کی خود نوشتہ مصنفات ' آگرہ اور دھلی میں اسی طرح ملتی تھیں ' جس طرح بغداد اور قاھرہ میں مل سکتی تھیں!

(پانچ نسخے)

هندوستان کے مختلف گوشوں میں اب بھی اس پچھلے دور علم کے نشان قدم باقی ھیں - حیرت ھوتی ھے کہ علم و فن کے اُن ذخائر کی کثرت و عظمت کا کیا حال ھوگا ' جو اتنی بربادیوں کے بعد بھی بے نام و نشان نہ ھو سکے ؟

هم چاھتے ھیں' اس سلسلہ میں بعض تاریخی نسخوں کا ذکر کریں - بالفعل پانچ نسخوں کی تاریخ پیش نظر ھے - یہ وہ نسخے ھیں جن میں سے کسی کی زندگی پانچ صدیوں سے کم نہیں ھے اور جن پر انقلاب و حوادث ایام کے بڑے بڑے دور گزر چکے ھیں :

(۱) جامع صحیح بخاری کا نسخۂ رسولی مصححۂ و درسیۂ شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و سفر السعادۃ -

(۲) صحیح مسلم کا نصف اخیر مصححۂ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمہ - و درسیۂ حفاظ مدرسۂ اشرفیۂ قاھرہ -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الدین الابیوردی (المتوفی سنه [illegible] ھ) مصححہ ' مصنف جس پر قاضی الفاضل یعنے قاضی عبدالرحیم بن علی وزیر سلطان صلاح الدین ایوبی کا دستخط ثبت ھے -

(۴) تاریخ مکہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی - مصححہ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزی -

(۵) مقامات حریری کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین عسقلانی (المتوفی سنه ۷۳۳ ھ) کے کتب خانہ میں داخل ھوا - پھر سنه ۹۷۰ میں دکن پہنچا ' اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامی نے حاصل کیا -

(جامع صحیح بخاری نسخۂ رسولی)

آج هم صحیح بخاری کے نسخۂ رسولی کے آخری صفحہ کا عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ھیں - یہ نسخہ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دھلی کے کتب خانہ میں موجود ھے - اس نسخہ کی تاریخی نوعیت حسب ذیل ھے :

(۱) اصل نسخہ بغداد میں لکھا گیا ھے اور وھاں درس و املاء میں رہ چکا ھے -

(۲) بغداد سے شام پہنچا ' اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکی تصحیح کی اور جابجا بین السطور اور حواشی میں اختلاف رواۃ و نسخ کی نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا -

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً مصر پہنچا ' اور خاندان رسولی کے امراء مقیمین قاھرہ کے ھاتھہ لگا - جب وہ یمن پر قابض ھوے تو اُن کے ساتھہ یمن پہنچکر شاھی کتب خانہ میں داخل ھوا -

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس ' یمن پہنچے ' اور سلطان ملک الاشرف رسولی نے اُن سے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کرنی چاھی ' تو اسی نسخہ پر درس و املاء کا سلسلہ جاری ھوا ' اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کی سطور تحریر کردیں -

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ھے :

" ...... سماعاً علي لجميع الصحيح مولانا و مولنا و خليفة الله في عصرنا ' السلطان بن السلطان بن السلطان ' المالك الملك الاشرف ' ممهد الدنيا و الدين ' اسماعيل بن العباس بن علي بن داؤد ' خلد الله سلطانه ' و شيد بعدله قواعد الدين و اركانه ! في بضع و خمسين مجلساً من شهر رمضان ' سوي المجلسين الاخرين في شوال ' من عام سبعة و تسعين و سبعمائة ' و اجزت روايته و رواية سائر ما يجوز لي و عني روايته بشرطه - قاله و كتبه الملتجي الى حرم الله تعالى محمد بن ابي محمد بن محمد بن ابراهيم الفيروز ابادي تجاوز الله عنه ' و صلى الله على سيدنا محمد و اله و اصحابه و سلم "

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی دواعی و محرکات

کچھ عرصہ ہوا مرحوم شیخ محمد خضری نے جامعۂ مصریہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جس کا مجموعہ "تاریخ امم اسلامیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا ایڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کرکے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیئے ہیں، اور ترتیب بحث بھی پہلے سے زیادہ موزوں اور مسلسل ہے۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس سے بہت زیادہ بلند ہونی چاہیئے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہے۔ تاہم کتاب کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نئے ایڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے اختتام اور عباسیہ کی تاسیس کے ذہنی دواعی و محرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند نمبروں میں شائع کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں مزید کاوش اور نظر کی راہ باز ہوتی ہے۔

عباس بن عبد المطلب

عباس بن عبد المطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک معزز سردار اور مشہور تاجر تھے۔ جاہلیت میں ابو سفیان صخر بن حرب سے ان کی دوستی بہت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلعم سے ان کا اخلاص آخری حد تک پہنچ گیا تھا، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مدت کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ان سے بڑی عزت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمانی میں (سنہ ۳۲ھ) ۸۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

عبد اللہ بن عباس

عبد اللہ بن عباس، اپنے والد کے منجھلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے تین برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔ آپنے ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمر، اُن کی علمیت، عقل، فصاحت کی وجہ سے اُنھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے اُن سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمان نے اُنھیں سنہ ۳۵ھ کے حج کا امیر مقرر کیا۔ حضرت علی کی خلافت میں وہ اُنکے دست راست اور قوت بازو تھے۔ بصرہ کے صوبے کی ولایت (گورنری) بھی اُنھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاسیات سے الگ ہوکر طائف میں مقیم ہوگئے اور وہیں سنہ ۶۸ھ میں انتقال کیا۔

علی بن عبد اللہ بن عباس

حضرت عبد اللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، اُنکے سب سے چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اُس دن پیدا ہوئے جس دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے اُن کا نام، علی رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، وجیہ، فصیح و بلیغ، اور عالی حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اُس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی قرشی موجود نہ تھا۔ اُن کا زہد و عبادت بھی بہت مشہور ہے۔ بنی امیہ نے انھیں مدینہ اور دمشق کے راستے پر ایک گاؤں "حمیمہ" جاگیر میں دے دیا تھا۔ یہ وہیں رہے اور اُن کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ سنہ ۱۱۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

محمد بن علی

علی بن عبد اللہ کے بیٹوں میں "محمد" نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابو العباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدر نہیں بلکہ انھی نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبد اللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

عباسی خلافت کا تخیل

اس جلیل القدر خاندان کے تعارف کے بعد اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اموی خلافت برباد کرکے اُنھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کرلی؟

آنحضرت (صلعم) کے وفات کے بعد معاملۂ خلافت میں جو اختلاف رائے ہوا، اُس کی تفصیلات معلوم و مشہور ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس طرح اس خطرناک اختلاف کا بظاہر خاتمہ ہوگیا۔

لیکن معلوم ہے کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کا حق بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں محصور دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباس بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ مسن تھے، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علی پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ خود حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علی، حضرت عباس، اور اُن کی تمام جماعت نے جمہور کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی دونوں گزر گئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے از سر نو سر اُٹھایا، حضرت علی خیال کرتے تھے کہ مجلس شوریٰ کے اکثر ارکان نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کرکے اُنکے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

حضرت عثمان کے آخری عہد میں حضرت عباس کا انتقال ہوا۔ اُنھوں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ اُن میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا متمنی ہوا ہو۔

حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خیال پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمان سے حضرت علی کو منتقل کر دی جائے۔ اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزوں: کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام کی مذمت شروع کی گئی۔ اُن کی بُرائیاں مشہور کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو مدینہ میں ان حالات سے مطلع کرتے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمان کے وُلاۃ و حکام بدنام ہوگئے اور عام شکایت پیدا ہوگئی۔ اس کامیابی کے بعد اِن لوگوں نے خود خلیفہ کی مذمت شروع کی اور حضرت عثمان پر بہت سے الزام لگائے جن میں سے بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمان کی نرمی طبیعت اور فتنہ و فساد سے حد درجہ احتیاط نے اس صورت حال کے لئے بہت افزا فضا پیدا کردی تھی۔ اُنھوں نے تینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ، اور فسطاط کے شورش پسند جمع کئے، اور فریادی بن کر دار الخلافہ، مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عثمان نے غایت درجہ نرمی دکھائی۔ اُن کی تمام شکایتیں تسلیم کرلیں، اور مطالبات منظور کرلئے۔ اسپر بظاہر سبنے رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہوگئے۔

مگر چند دن بعد صورت حال نے ایک نیا پہلو بدلا۔ مصری وفد جوش و غضب کی حالت میں راستہ سے واپس لوٹا۔ اُس کے پاس ایک خط تھا جسپر حضرت عثمان کی مُہر تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر ڈالا جائے"۔ بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمان نے والی مصر کے نام بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمان نے قسم کھاکر کہا کہ نہ تو اُنھوں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلوائیوں نے یقین کرلیا۔ مگر ساتھ ہی اسے مروان بن الحکم کی شرارت قرار دیا اور اُس کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان نے مروان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اسپر اُنھوں نے اُن کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور بالآخر اُس فعل کے مرتکب ہوئے جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت آج تک قطعاً آشنا نہ تھی، یعنی حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی معصیت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی، آپنے پس و پیش کے بعد قبول کرلیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ رشتۂ نظم و ملت بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اُٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدعیوں سے برابر جنگیں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوگئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر اُنھوں نے انتہائی دانش مندی اور بے نظیر ایثار سے کام لیکر جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور اُن کے عظیم المرتبہ والد کے لئے ہمیشہ پریشانیوں کا موجب رہے ہیں۔ اُنھوں نے امیر معاویہ سے صلح کرلی، اور خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ سنہ ۵۰ھ میں آپنے انتقال کیا۔ امیر معاویہ نے خلافت اپنے لڑکے یزید کے

اسي خاندان کا تيسرا حکمران الملک المويد تها جس کي نسبت خزرجي نے تصريح کي هے که اسکي تصنيف مختصر کتاب الجمهرة علماء عصر ميں مقبول و مشهور هے -

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمه حافظ ابن حجر عسقلاني نے درر کامنه ميں درج کيا هے - وہ لکهتے هيں علم و فضل کا قدر شناس تها اور خود بهي تمام علوم عربيه و دينيه ميں درجۂ رسوخ و نظر رکهتا تها - اسکي مصنفات ميں سے يمن کي دو تاريخيں ' تاريخ ابن خلکان کا مختصر ' اور فن انساب ميں بغية ذوي الهمم اس درجه کي کتابيں تهيں ' جنکي اهميت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کيا تها -

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانه کا يه نسخه هے اور جس نے اِس پر فيروز آبادي سے سند حديث لي) يه حال تها که مصر ' حجاز ' شام ' عراق ' اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکي قدر شناسيوں نے کهينچ بلايا تها - اس نے بهي اپنے پيشروؤں کي طرح بلاد يمن و حجاز ميں متعدد عظيم الشان عمارتيں درس و ترويج علم کيليے تعمير کيں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کيليے وقف کر ديے - وہ خود بهي صاحب علم و فضل تها اور علوم لغة و ادب اور فقه و حديث کا هميشه اشتغال رکهتا تها - اُس کي علمي قدر دانيوں کا اندازہ کرنے کے ليے صرف وهي معاملات کفايت کرتے هيں جو اس ميں اور فيروز آبادي ميں پيش آتے رهے - عربي لغة کي سب سے زيادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اُسي کي قدر دانيوں نے فيروز آبادي سے لکهوائي تهي - چنانچه قاموس کے ديباچه ميں مصنف اس خاندان کے مدح کرتے هوئے لکهتا هے :

مولي ملوک الارض ' من في وجهه
مقباس نور ' أيما مقباس

(مجدد الدين فيروز آبادي)

مجدد الدين فيروز آبادي اُن اکابر علم مين سے تهے جنهيں سلاطين وقت کي فياضيوں نے صف علم کي طرح صف اِمارت ميں بهي ممتاز کرديا تها - اُن کا سنه ولادت ٧٢٩ ھ - هے اور تاريخ وفات ٢٠ شوال سنه ٨١٧ - ھ کازرون ميں پيدا هوے ' شيراز ميں ابتدائي تعليم حاصل کي - اور عراق اور مصر و شام کے آئمۂ علوم سے تکميل کي - اُن کے اساتذہ مين وقت کے تمام آئمۂ علوم مثلاً شيخ تقي الدين سبکي ' ابن مظفر النابلسي ' حافظ علائي ' ابن نباته ' عز الدين ابن جماعة وغيرهم کے نام نظر آتے هيں - امام ابن قيم بهي اُن کے اساتذہ ميں هيں - يه اُنهي کے فيض تلمذ کا نتيجه تها که اگرچه اُن کي ابتدائي نشو و نما فقهاء شافعيه کے زير اثر هوئي ' ليکن تقليد کي بندشوں سے آزاد هوگئے ' اور اصحاب تحقيق و اجتهاد کا ذوق و مشرب پيدا هوگيا - چنانچه ان کي کتاب سفر السعادة اور الاسعاد في رتبة الاجتهاد ميں اِس ذوق کي جهلک صاف نماياں هے - اُس عهد کے سلاطين ميں کوئي پادشاہ ايسا نهيں هے جس نے اُن کي قدر داني نه کي هو - شاہ منصور بن شجاع صاحب تبريز ' ملک الاشرف صاحب يمن ' بايزيد يلدرم ' تيمور صاحب قران ' احمد بن اويس صاحب بغداد ' ناصر الدين محمد شاہ دهلي ; اِن سب کے درباروں ميں وہ پهنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال هوے - سنه ٧٩٦ ھ ميں هندوستان سے واپس جاتے هوے سواحل يمن ميں اُترے اور ملک الاشرف سلطان يمن سے ملاقات هوئي - وہ ان کے فضل و کمال کا غلغله پہلے هي سن چکا تها - يه موقعه غنيمت تصور کيا ' اور يمن کي اقامت پر اصرار کيا - اُس زمانے ميں يمن کے قاضي القضاة جمال الدين الريمي شارح التنبيه کا انتقال هوگيا تها اور منصب خالي تها يه اس منصب پر مامور هوے اور بيس سال تک يمن کے قاضي القضاة رهے -

(نسخه کي تاريخي توثيق)

خوش قسمتي سے يمن کے خاندان رسولي کي ايک مستقل تاريخ شائع هوگئي هے - يه شيخ علي بن الحسن الخزرجي کي العقود اللؤلؤيه في تاريخ الدولة الرسوليه هے جسے دو دو جلدوں ميں گب ميموريل فنڈ کے امينوں نے قاهرہ ميں چهپوا کر شائع کيا هے - اس کا اصلي نسخه يمن سے عهد عالمگيري ميں ' هندوستان آيا تها ' اور معتمد خاں عالمگيري کے کتب خانے ميں داخل هوا تها - وهاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عهد ميں اسکے وزير قمر الدين خاں مغت کے قبضه ميں آيا - قمر الدين خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن هسٹنگز کے پاس پهنچا - اُس نے انڈيا آفس کے کتب خانے کي نذر کرديا -

اس تاريخ ميں سلاطين رسوليه کے عهد کے واقعات روزنامچه کي طرح تاريخ وار درج هيں - ميں نے اس خيال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالي ' که شايد اس نسخه کے درس و املاء کي طرف کوئي اشارہ مل جاے - ميرا قياس صحيح نکلا - فيروز آبادي نے صحيح بخاري کے درس و املاء کي جن مجالس کا اپني عبارت مين ذکر کيا هے ' ٹهيک اُنهي تاريخوں ميں اُسکا ذکر خزرجي نے بهي کيا هے -

سنة ٧٩٦ کے واقعات ميں لکهتا هے :

" ٢٤ رمضان کو يمن ميں امام فقيه علامة القاضي الاجل مجد الدين محمد بن يعقوب الشيرازي پهنچے - سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کيا - چار هزار درهم بطور رقم ضيافت کے پہلے هي دن مرحمت فرماے - اس سے پہلے چار هزار درهم عدن بهيجے گئے تهے تاکه عدن سے زبيد تک کے مصارف سفر ميں مدد ديں - شيخ موصوف علوم حديث ' نحو ' لغة ' تاريخ ' اور فقه ميں درجۂ مشيخت رکهتے هيں - انکي مصنفات ميں سے بخاري کي شرح هے جو نهايت مشرح اور مفيد هے " (جلد ٢ : ٢٩٥)

پهر سنه ٧٩٧ ھ - کے وقائع ميں لکهتا هے که ٦ - ذي الحجه کو شيخ مجد الدين قاضي القضاة مقرر کيے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے ميں شائع هوا - (صفحه ٢٧٨)

سنه ٧٩٩ - ھ کے وقائع ميں لکهتا هے :

" و في شهر رمضان من هذه السنة سمع السلطان صحيح البخاري من حديث رسول الله صلعم على القاضي مجد الدين يومئذ و كان ذا سند عال من طرق شتى " (صفحه ٢٨٦)

اس تصريح سے عبارت مندرجۂ نسخه کي پوري توثيق هوگئي - معلوم هوگيا که سلطان ملک الاشرف نے فيروز آبادي سے صحيح بخاري کي سند و اجازت حاصل کي تهي ' اور رمضان ميں املاء و سماع کا سلسله جاري رها تها - جو نسخه زير درس و املاء رها ' اور جس پر سند دي گئي ' وہ يهي نسخه هے - نهيں معلوم اس نسخه پر ايام و حوادث کے کيسے کيسے تغيرات گزر چکے هيں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم

(۳۰: ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الہلال)

ریاض

ریاض، پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنمائی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہر پناہ ہے۔ پُرانے شرقی وضع کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مقفل کر دئیے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزرعہ خاص خاندان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کرائے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے مالا مال ہو جائیں گے۔

مدرسے

ریاض میں چند دینی مدرسے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی کمتبوں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز پورا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہے کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہے۔

مسجدیں

ریاض میں کل ۶ مسجدیں ہیں۔ ان میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چھت بھی نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس درجہ شدید ہے کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر منبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک دو شمعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موذن، نمازیوں کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی چھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جبہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جسمانی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد بادشاہ یا اُس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھتا ہے۔ اُس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور نجدی قہوہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخور دانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر سلگتا ہے۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزلہ عمارت ہے۔ نچلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اسمیں بیک وقت سیکڑوں مہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں عام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ نیچے کی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے افسروں اور شاہی طبیب کا قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زنانہ خدم و حشم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبد العزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے۔ رنگ، گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا زرکش جبہ پہنتے ہیں اور اُس کا ایک دامن عموماً، بغل میں دابے رہتے ہیں تاکہ تیز چل سکیں۔ پُوری قوم اُن سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی: "راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کسی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دئیے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنادی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حبل اللہ المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمانداری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے حتی کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا اُنھیں صراط مستقیم دکھائے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی اُنھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم اُن سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتی کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں"

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی بادشاہ کی ذہنیت پُوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کبھی نظام و حکومت کی اطاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر و دبدبہ تھا جس نے اُنھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پُوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہے، اور اُن کا قانون، کتاب و سنت ہے۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحرائی

سپرد کی۔ یہ ولی عہدی کی پہلی بدعت ہے جو بزور شمشیر منوائی گئی۔ یزید کے زمانے میں پھر ابتری پیدا ہوئی۔ اہل مدینہ نے یزید کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ لیکن بُری طرح کچل ڈالے گئے۔ کوفہ نے حضرت حسین علیہ السلام کو دعوت دی۔ مگر عین وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعۂ کبریٰ پیش آیا جس پر آجتک مؤرخ کا قلم ماتم کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن الزبیر نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا، اور مکہ معظمہ میں تمکن ہو گئے۔

یزید کی وفات نے عبداللہ بن الزبیر کی قوت بہت بڑھا دی، حجاز، مصر، اور عراق زیر نگیں ہو گئے۔ لیکن بنو ہاشم نے اُن کی بیعت سے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبداللہ بن عباس وغیرہ اُن سے برابر برگشتہ رہے۔

اُسی زمانہ میں ایک خود غرض اور چالاک آدمی، مختار بن ابی عبید الثقفی، عراق میں ظاہر ہوا۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام مہدی، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) میں سب سے زیادہ معمر، محمد بن الحنفیہ ہی تھے۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن الزبیر نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج جرار اُس کے مقابلہ پر بھیجی اور اُسے قتل کر ڈالا۔ مختار مغلوب ہو گیا مگر عراق میں شیعیت (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبدالملک بن مروان کی خلافت تسلیم کر لی۔ لیکن شیعیان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی اُنہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور اُن کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ اُن کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ اُنکی موت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور عنقریب واپس آئیں گے۔ چنانچہ اُن کا شاعر السید الحمیری کہتا ہے:

وسبطٌ لا یذوق الموت حتیٰ یقود الخیل یقدمها اللواءا

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد اُن کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ انھیں زندہ بتا کر اُنہی کی حمایت پر قائم رہا۔ ایک گروہ نے اُن کے بیٹے ابو ہاشم کی امامت کا اعلان کیا۔ یہ دونوں جماعتیں "کیسانی" کہلاتی ہیں۔ کیسان، مختار بن ابی عبید کا لقب تھا، اور یہ دونوں اُسی کی طرف منسوب ہیں۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُنکے صاحبزادے زین العابدین علی بن الحسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ اُنھوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد اُن کی فاطمی اولاد میں محصور ہے۔ اس لئے حضرت حسین کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے، کیونکہ واقعۂ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں صرف یہی ایک زندہ بچے تھے۔ یہی جماعت ہے جو آگے چلکر "امامیہ" کے لقب سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ اُنکے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر حضرت حسین کی طرف، پھر علی بن الحسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں اُمت کے لئے ایک منصوص امام کی موجودگی ضروری ہے اور وہ بنی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے۔

اُس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا۔ یہ حجاز چھوڑ کر حُمیمہ نامی مقام میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

ابو ہاشم بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبداللہ کے یہاں حمیمہ میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت اُنھوں نے خلافت کا حق علی بن عبداللہ اور اُن کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں کو اُن کی نصرت و حمایت کی وصیت کی۔ چنانچہ اُس وقت سے شیعوں کا کیسانی گروہ علی بن عبداللہ بن عباس کا حامی بن گیا۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ وہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل نہ تھے۔ حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اُنکے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن الحسین کی طرفدار ہو گئی اور "زیدیہ" کہلائی جو آجتک موجود ہے۔

خلافت کے لئے عملی جد و جہد شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کیسانی اور زیدی۔ اول الذکر علی بن عبداللہ بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور اُنکے بیٹے یحییٰ کے۔

علی بن عبداللہ بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی۔ اول الذکر کے حامی کیسانی شیعہ، اُنکے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے، اور آخر الذکر کے حامی امامیہ شیعوں نے اُن کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کر لیا۔ مگر آخری جماعت نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا تھا۔

داعی اوّل

اب خاندان عباس بن عبدالمطلب کے سرگروہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ یہ بڑے عاقل اور دُور اندیش تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ سلطنت، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں ایکا ایک منتقل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انھوں نے جلد بازی سے پرہیز کیا، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں، کیونکہ اوّل تو جس شخص کا نام لیا جاتا، اُس کی جان خطرہ میں پڑ جاتی۔ ثانیاً اہل بیت کا نام شیعیان اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا۔

انھوں نے انتہائی سیاسی دانش مندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا۔ کوفہ چونکہ قدیم سے شیعان اہل بیت کا صدر مقام تھا لہٰذا اُسے مرکز قرار دیا۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو سبب ہو سکتے تھے:
ایک یہ کہ عجمی مسلمان، شیعی تخیل کو با آسانی سمجھ سکتا تھا، کیونکہ شیعی تخیل یہ ہے کہ خلافت، رسول اللہ صلعم کے اہل بیت میں منتقل ہو جائے۔ عجمی مسلمان چونکہ عربی عصبیت اور قرشی قبائل کی منافست سے متأثر نہ تھا، اس لئے اُس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا کہ پیغمبر کی خلافت، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور تھا کہ بادشاہ کے بعد اُسکا وارث اُس کا بیٹا ہوا کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا۔ بنی اُمیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا برتاؤ کیا تھا۔ ایرانی عنصر، عربی عنصر کے سامنے بالکل حقیر کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا ایرانیوں کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو، اور اُن کی امداد و اعانت سے نئی سلطنت قائم ہو، تاکہ اُنھیں قومی عزت و عروج حاصل کرنے کا نیا موقعہ مل سکے۔

ابن الفقیہ نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو اُن سے کہا:

"کوفہ، علی (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کی محبت میں سرشار ہے۔ بصرہ، عثمانی ہے اور امرج امان کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے قاتل نہ بنو، مقتول بن جاؤ۔ جزیرہ، گمراہ حروری (خارجی) ہے، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے سے اخلاق والے مسلمانوں سے لبریز ہے۔ شام، آل ابی سفیان کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ بنی مروان کی اطاعت، شدید جہالت، سخت کینہ اُس کے خمیر میں ہے۔ رہا مکہ اور مدینہ تو اُن پر ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا غلبہ ہے۔ لیکن ہاں خراسان کے دروازے تمھارے سامنے کھلے ہیں۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں، نمایاں شجاعت ہے۔ سلیم سینے ہیں۔ خالی دل ہیں، خواہشوں نے اُنھیں گندہ نہیں کیا ہے، مفاسد نے اُنھیں بگاڑا نہیں ہے۔ وہ ایسی فوج ہیں جو توانا اور تنومند ہے، بھاری جسم، چوڑے شانے، اونچے قد، بڑے سر، داڑھیاں اور مونچھیں، ہولناک نعرے، شاندار زبانیں۔ میں مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں، جہاں سے دُنیا کی شمع طلوع ہوتی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے"

خفیہ انجمن کا قیام

یہ خفیہ انجمن، علی بن عبداللہ بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس کے دو مرکز قرار دئے گئے: کوفہ اور خراسان۔ کوفہ میں علی بن عبداللہ کا غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن خنیس اور ابو عکرمہ سراج بھیجے گئے۔ نیز بارہ داعی یا نقیب منتخب ہوئے۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سلیمان بن کثیر الخزاعی
(۲) مالک بن الہیثم الخزاعی
(۳) طلحہ بن زریق الخزاعی
(۴) عمرو بن اعین الخزاعی
(۵) عیسیٰ بن اعین الخزاعی
(۶) قحطبہ بن شبیب الطائی
(۷) لاہز بن قریظ التمیمی
(۸) موسیٰ بن کعب التمیمی
(۹) القاسم بن مجاشع التمیمی
(۱۰) ابو داؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی
(۱۱) ابو علی الہروی شبل بن طہمان الحنفی
(۱۲) عمران بن اسمٰعیل المعیطی

ان کے علاوہ ۷۰ آدمی اور مقرر کئے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نقیبوں کے حکم پر عمل کریں۔ محمد بن علی نے ان سب کے لئے ایک تحریر لکھ دی جو بمنزلہ وصیت اور دستور العمل کے تھی۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور ۱۳۲ھ تک جاری رہی۔ یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابو العباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حذف کردیا ہے۔ اسپر بھی ہمیں خوف ہے کہ یہ آجکی اشاعت کا بڑا حصہ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حادثہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی بالکل غیر متوقع وفات ہے۔ عین اُسوقت جبکہ میں اُن کی بحالی صحت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثہ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا ماتم لکھوں؟ وہ نوحہ و بکا بیان کروں جو اسوقت تمام ملک میں برپا ہے جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سُن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شارع درب الجماميز میں مقیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آثار و علائم سے غمناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن و ملال کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ماتم پیش آگیا ہے۔

آغازِ مرض

۱۵ اگست کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التہاب ظاہر ہوا، اور بالآخر یہی شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام "مسجد وصیف" میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھکر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء نے ... کیا گیا۔

قاہرہ پہنچکر طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ لیکن ... نے دوبارہ حملہ کیا۔ ۸ بجے رات کو دائیں پہلو میں ... منگل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے ... سے چونک کہا "میں ختم ہوگیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ... اسی دن یعنی ۲۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پرواز ...

انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کیونکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے دو ... بھانجے فتح اللہ پاشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ ...

کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اُتر آئے۔ حاضرین نے دوڑ کر حالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثنا میں اوپر سے بین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسپر حاضرین دوبارہ فتح اللہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن اُنھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ یہ حادثہ ایسا دل ہلا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی تھی۔ کہرام مچ گیا تھا۔ عین اُسوقت ڈاکٹر شفیق اوپر سے اُتر آئے اور مضطرب آواز میں چلائے "سوگوار بھو! یہ رحم کرو! تمھارا رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مرگئے، لیکن اگر تم چاہو تو اُنھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو"

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب جوار کے لوگوں نے سنا تو اُن پر بھی یہی حالت طاری ہوگئی۔ چشم زدن میں یہ مشئوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثہ قوم و ملت پر ماتمی نہ ہوا۔

اُسی وقت تار کے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر اُن کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے۔ مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لیے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو اُن سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر اُنھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال تک نہ کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائداد بھی بیوی کو باضابطہ سپرد کردی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ ادہر کئی دن سے یہ معزز خاتون بیمار ہیں۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھیں کہ بمشکل چل سکتی تھی۔ اسپر بھی تیمارداری میں ہمہ تن مشغول رہتی تھی!

اخبارات نے وہ مؤثر مناجات شائع کردی ہے جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کرکے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزراء کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اُسنے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

"وزارت، انتہائی رنج والم کے ساتھ مصری قوم کو اُس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اُس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی مہلت دئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزراء اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُسپر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہوگئی۔ بے شمار ٹوکرے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے۔ نعش دیکھکر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہوگیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اُٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، وزراء، سفراء، پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربّی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں جمع تھے۔

جب تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں۔ مگر بیٹھنے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئیں۔ فوراً منعش دوائیں دے کر اُنھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزراء اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اُٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اسوقت کا منظر ناقابل بیان ہے معلوم ہوتا تھا: مصر کا آسمان و زمین ماتم کر رہا ہے۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہم مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہوگئی تھی اور اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سما گئے تھے کہ نوحہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رُکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اسوقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اُٹھانے سے پہلے کہا "جنگی روایات کی رُو سے ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا قومی پرچم ڈالا جائے" ساتھ ہی اُنھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کردیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے ... انکار کیا۔ اُنھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیار کر لیا تھا۔ ... اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ضد سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد فوجی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمغے اُن کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے" مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا "سب سے بڑا تمغہ مصری علم ہے۔ اس تمغہ پر کوئی دوسرا تمغہ نہیں رکھا جا سکتا"

جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا: "لا الہ الا اللہ — البقاء للہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رحمک یا سعد!" عورتیں چلائیں "فلتحی ذکری سعد!"

بادشاہ نے حجاز میں آ کر حکومت کی وضع دوسری کر دی ہو۔ حجاز کی حکومت دفتری نظم کی حکومت ہو۔ وہاں کے لئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دار السلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے ۴ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت و انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہو۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشہ گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اُس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ اُن کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہو جو نہ دولت سے محبت کرتا ہو نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اُس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی اُن کا یہی لقب قرار پا جائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعد سلطان کے بھتیجے سے اُن کا عقد ہوا ہو۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس و ناکس مدعو تھا۔

تجارت و زراعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احساء، کویت، اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہو۔ غواصی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہو اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہو۔ اس لئے کہا جا سکتا ہو کہ یہ تجارتی شہر ہو نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات رہے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اتنے سویرے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آ بیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہو۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر اخوان کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا میرے خیال میں اِن کا یہ طرز خطاب اس لئے ہو کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبد العزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہو۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہو۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہو۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر اُبہا کا۔ اب یہ دونوں ریاستیں، نجد کے ماتحت ہیں اور اُن کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہو کہ اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہو۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا اُن سے برتاؤ کیا جاتا ہو۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہو۔ دین تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ اُن کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اسمیں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبد اللہ بن عاید مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہو، حالانکہ سید عبد اللہ یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبد اللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہو"

سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبد اللہ بن عاید نے۔

اس مجلس سے اُٹھ کر سلطان اپنے والد "عبد الرحمن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ اِن کی عمر اب نوے سال کے قریب ہو مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہو۔ سلطان حد سے زیادہ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہو۔ اس کی شرافت و سخاوت دور دور مشہور ہو۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ اُن کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہو۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلۂ ارطاویہ اور سلطان بن بجاد شیخ قبیلۂ غطغط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سنی تھیں فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال موسم حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہو گیا تھا۔ اُسمیں فیصل الدرویش کا بیٹا مارا گیا مگر سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے شیخ کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن بجاد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہو کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسمت پہلے سے لکھدی گئی ہو موت کا ایک وقت مقرر ہو۔ ہرگز اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اُسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈھنی چاہئے۔ ہر آدمی کو اُس کے عمل کی جزاؤ سزا ملے گی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہو کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انھیں اس درجہ یقین ہو کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہو۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب اُن کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہو، تو بیک زبان نعرہ مارتے ہیں "داخلیلاہ! لقد سبقتنی الی الجنة!" (اے خدا! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد و ایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڑھ کو "ریح الجنة" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہو تو اُسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں اُن کا قول ہو "ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ۔ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہو، اُس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مر کر سرمدی زندگی حاصل کر لو" میدان سے بھاگنا اُن کے خیال میں ایسا عیب ہو کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی باعث ہو کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ اُن کی یہ ثابت قدمی، بالآخر اُن کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہو اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہو۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و بسالت عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہو کہ لوگ اُن کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں۔ حجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بین ثبوت ہو۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احساء اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

نجدی سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقتولوں اور مُردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہو کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہو، اسی طرح اُس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہو۔ کہتے ہیں مُردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں نفس جو درجے پائیگا وہی اصلی درجہ ہو اس لئے اسی کی دعا کرنی چاہئے۔

جائے۔ اُس کا نام بدستور یہی رہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اُسمیں رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی حرم محترم پر وقف کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا ہو کہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی ترتیب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ اِن کپڑوں میں ایک سرخ جبّہ بھی ہو جو وہ اپنے وطنی لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی تمام سامان علیٰ حالہ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الامہ ہی میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ قبر عارضی ہو۔ اس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابیانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا مدرسہ جاری کر دیا جائے۔

(۵) پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا یتیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تعزیت کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دُنیا بھر سے تعزیت کے پیغام آرہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ اِن دونوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہو اور اِس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہو۔ اگر میں اِن تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چھٹی بہت طویل ہو جائے گی۔

یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہو کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہو؟ خصوصًا برطانی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہو؟

ٹائمس آف لنڈن لکھتا ہو:

"زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہو کہ تاریخ اُنھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز روح رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جسمانی بناوٹ اور شکل و صورت میں مصری "فلاح" (کسان) کا کمل نمونہ تھے زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خارق عادت شجاعت اننکی مزاحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے اُنھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہد سے آج تک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور اُن کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہو کہ مشرقی رہنما مغربی رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں، لیکن سعد زغلول، اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چست و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی محنت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۷۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار اور مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب و مقبول رہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی . . . برطانیہ نے زغلول کو جلاوطن کیا تھا۔ لیکن اِس عظیم انسان کے دل میں اِس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اُس کا ایک ایسا دشمن ہی جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور پورے جواب سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اِس "فلاح" کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالف قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا . . . .!"

ڈیلی نیوز لکھتا ہو:

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و ثبات بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جارہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہو!" لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا"

منچسٹر گارڈن لکھتا ہو:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہو کہ اُسے ۳ مرتبہ جلاوطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ دے کر ملالیں، مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کبھی کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی"

یہ انگلستان کے متعصب سے متعصب اخبارات کے خیالات ہیں لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اِس سے بہت زیادہ لکھا ہو۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام رائیں تار کے ذریعہ قاہرہ کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہو۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طان" لکھتا ہو: سعد پاشا، مصر کے اِس وقت سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ، اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد میں گزرا۔ وہ دُنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے . . . ."

"ایکو ڈی پاری" لکھتا ہو: "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا . . ."

اخبار "دیبا" لکھتا ہو "سعد کی مُوت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی . . ."

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہو۔ آیندہ ہفتے انشاء اللہ میں دکھاؤں گا کہ سعد پاشا کی مُوت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہو؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اُٹھانے کی ابھی سے کیسی طیاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپکے قارئین اندازہ کر سکیں کہ یہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔

"۵ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارۂ تحریر میں تقرری ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۲ کا ہوتا ہو) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم، خوش اطوار ہو۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہو"

یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہو۔ اُسوقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور "شیخ سعد زغلول" کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۸۲ء کو اُن کی تنخواہ ۹۳۳ قرش ہو گئی۔

۳ مئی ۱۸۸۲ء کو "سعد آفندی زغلول" کا تبادلہ وزارت داخلیہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵ پونڈ مقرر ہوئی۔

۱۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو "جیزہ" کی کشنری میں محافظ دفتر کا غذات سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ جون ۱۸۹۲ء میں ۴۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے

یکم فروری ۱۸۹۴ء میں تنخواہ ۵۵ پونڈ ہو گئی۔

یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ اپریل ۱۸۹۹ء میں اُنھیں پہلا سرکاری تمغہ ملا۔

۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء میں اُنھیں میر انشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۰۵ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہو گئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں "سعد زغلول بک" وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

۱۲ نومبر ۱۹۰۶ء میں "پاشا" کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۹۰۸ء میں "مجیدی اول" کا تمغہ ملا۔

۲۳ فروری ۱۹۱۰ء میں محکمۂ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ جون ۱۹۲۶ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۹۲۷ء میں فوت ہو گئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الہلال کے مشین روم کے بعض حصے کئی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصًا وہ ستون جن کے ذریعہ مشین جوڑ سے ملحق کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر درستگی کی جا سکے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبورًا اِس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی ازسرِ نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہو۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ آیندہ نمبر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اِس صورت میں آیندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الہلال کو اگر سیر تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہو۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہو کہ اِسوقت تک مولنا ابوالکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہو جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہر نمبر میں مسلسل نہیں ہو۔ اُن حضرات کو اِس طرف توجہ دلائی جاتی ہو کہ الہلال جاری کرتے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جبتک کہ مقدمہ اور تفسیر کی ابتدائی جلدوں کی ازسرِ نو تحریر سے وہ فارغ نہیں ہو نگے، الہلال کے لئے پورا وقت نہیں نکال سکیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہو کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اِس کے لئے کافی وقت نکالیں گے۔

منیجر

ایک عجیب قیامت بپا ہوگئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضایع جاتیں۔ کیونکہ نعش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نعش کا بوسہ لے، یا کم سے کم اُسے چھو ہی لے۔ مگر فوج و پولیس نے پُرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک ۸ بجے جنازہ روانہ ہوگیا۔ جلوس میں سب سے آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وروں کی علحدہ علحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ والے خانوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر.....

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ قاہرہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے مدارس قائم ہیں، جتنی انجمنیں،...... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے: اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ ماتم کناں موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ہلتے تھے اور ہم آغوش ہوجاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پُراثر تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزاد ہونیوالی مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمانوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۹ بجے جنازہ، مسجد قیسون میں پہونچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ ادا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قبطی عیسائی، اور مصری یہودی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے الحاح وزاری کر رہے تھے!

قبر پر!

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچکر جلوس رکا۔ ۷ آدمیوں نے گاڑی پر سے نعش اُتاری۔ ان میں دو قبطی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نعش اُتارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا ماتم تھا کہ دل لے جاتے تھے۔ ۹ معزز آدمی بیہوش ہوکر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں دغتی رہی تھیں۔ مسیحی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاہرہ، پورے معنی میں نشانِ غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کرکے نکل آئے۔

وزیر داخلیہ کی تقریر

اس مؤثر موقعہ پر جعفر والی باشا وزیر داخلیہ کھڑے ہوئے اور کہا:

"سعد مر گیا۔ اُف، کیسی سخت مصیبت درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دُور ہوگیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے اندر برابر زندہ رہیگی۔ ہم سب ایک ایک کرکے اسی طرح مر جائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی روح سے ہمیشہ زندہ رہیگی!"

پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر "بیت الامۃ" (یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہوگیا ہے جس میں سعد پاشا رہتے تھے) میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"مرحوم و مغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقعہ ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت الامۃ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہو چکا ہے، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

"معزز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسنے پوری سرزمین مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیدیا: وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسنے پوری قوم کی ایک صف بنادی۔ خود اُسکے آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسنے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کر ڈالیں۔ رکاوٹیں دُور کردیں اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کردی۔ اپنی بے مثل ہمت سے ناممکن کو ممکن بنا دیا!

"سعد، دستوری حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے ہلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ ضوابط بنائے۔ دستور العمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑھائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پرتو اُسپر ڈالا، اور وہ پُرجاہ اور پُرجلال بن گئی.........

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دُور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب عزم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیۃ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا۔ عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....

"محترم خاتون! اسوقت جبکہ حزن و ملال نے آپ کو اپنی موجوں میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہے کامل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محترم خاتون! سعد نہ آپ کا تھا نہ ہمارا تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اُسنے اپنی تمام جرأت و ہمت، عظیم قربانیاں، عزم راسخ، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کردی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پر اُس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی......"

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ باشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: "حضرات! سعد باشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہوجائیے۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ آپکی ہمدردی کی از حد شکرگذار ہوں۔ میری زبان اس کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ سب کے ساتھ

رکھے۔ زندہ باد مصر!"

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ خانم زوجہ محترمہ سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

"میرے فرزندو!

"اگر سعد، جناب جبار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ اکیلی کا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ ادا کرتی۔ لیکن وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ اُسکی موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہے۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ماتم ہے۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر دائمی تھی اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تمھاری محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے میسر آئی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرلو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا کی قدرت میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے!

"میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ مطمح نظر تھا۔ سعد مر گیا، مگر الحمد للہ یہ مطمح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی محبوب شکل ہم سے اوجھل ہوگئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی، والذکریٰ تنفع المؤمنین!

"اگرچہ اُس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ، اس غم کو غیرت و حمیت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمتیں بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہے کیونکہ شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ایسی ہمت لاتا ہے جو لامتناہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ حق یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگایا ہوا ہے۔ ہم اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں۔ اُس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کردیں۔ مصر کو یاد رکھیں مصر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مصر ہی ہمارا مبتدا و منتہا ہے۔ اُسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو یقین کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا۔ یہ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبۂ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینگے اور اسی پر مرینگے!

"میرے عزیزو! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے۔ تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم نے کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مر گیا، مگر مصر زندہ رہے! بے شک قوم کا رہنما مر گیا، مگر قوم زندہ ہے! قومی آرزوؤں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑھ کر سعد کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اللہ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور بیداری کی راہ باز کردی تھی، ہمیں آیندہ بھی راہ راست دکھائے گا، اور قوم کے لئے سعد کا نعم البدل پیدا کردے گا........"

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک بلند مجسمہ قاہرہ میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو بحالت خطابت میں ظاہر کرینگے۔

(۲) "بیت الامۃ" (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنادی

ادبیات

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا!

مرحوم سعد باشا زغلول کی بلیغ تقریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، شہور عالم ہو۔ اُن کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز اُن کی یہی ساحرانہ خطابت ہو۔ ہم چاہتے ہیں اُن کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ اِن سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

شہیدانِ وطن کی یاد

"ہمہ تن خشوع ہوکر اُن پاک روحوں کی طرف، بہادروں کی روحوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان، مصر میں سب سے بڑا جرم تھا!

"وہ حق کا ڈنکا بجاتے آگے بڑھے۔ اُن کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سرخ رو کردیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کردیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سہانی صبح اُن کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کرکے نکل آئی۔ اللہ اُن کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں اُنھیں آرام دے، ہمارے عمل سے اُن روحوں کو خوش کرے"

نوجوان

"میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے اُن تمام خزانوں کے منہ کھول دیئے جو اُن کے سینوں میں بند تھے۔ پورے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کردیا۔ دلوں میں عظمت پیدا کی، سروں میں حکمت اُتاری، جسموں میں نظام قائم کردیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مصر کے نئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل اُنھیں کے ہاتھ میں ہو۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہو"

علماءِ دین

"میں علماء اسلام اور مسیحی قسیسوں کا شکرگزار ہوں۔ اُنھوں نے متحد ہوکر دشمن کی سب بڑی حجت باطل کردی۔ تمام اختلافات دُور کردیئے، اور ثابت کردیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سب وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض و سما کی عبادت سے ہو۔ سب وطنی مصلحت میں مخلوق کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں"

اصول نہ کہ اشخاص

"سعد اور اُس کے رفیق، تم میں انبیاء نہیں ہیں جنھوں نے معجزے دکھائے۔ اولیاء نہیں ہیں جنھوں نے کرامتیں دکھائی ہیں۔ وہ تمھارے ہی افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے خدمتگذار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی ہیں، تمھارے شعور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول سے لبریز ہوگئے۔ چنانچہ وہ اُن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہو تو وہ تم سب کا فخر ہو۔

"بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہو۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کی جُدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسپر حاضرین چلائے "ہم سب آپ کی اولاد ہیں") بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام اعزاز اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہو۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقاء سے کہیں بلند ہو"

اتحاد

"میری نظر میں سب سے بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہو۔ یہ علم جو اس مبارک اتحاد کا نشان ہو، مجھے دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہو۔ یہ علم میرے ہاتھ میں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قوت سے اُس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اُسے بلند رکھوں گا۔ "مسلمان" اور "عیسائی"! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مصر میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہو"

وکالت

وکلاء کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا:

"میری خدمتوں کی دھوم مچی ہوئی ہو۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے اِن خدمتوں پر فخر کرنا روا نہیں ہو لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اُس کی خدمت کی۔

"ہاں، میں اس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی انانیت کا الزام نہ دے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اُس زمانے میں اِس پیشہ کا کیا حال تھا؟

"میں نے وکالت کا پیشہ اُسوقت اختیار کیا جب یہ پیشہ معزز نہ تھا، جیسا اسوقت ہو۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اُس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہوگیا تھا۔ وکیل اور دغاباز، یہ دونوں لفظ ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ اونچے خاندان کا کوئی رُکن بھی اُسمیں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہو کہ اُسوقت خود وکلاء کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

"لیکن یہ سب جانتے بوجھتے بھی میں اِس پیشہ میں در آیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سُنا کرتا تھا کہ لوگ وکیل اِس لئے بنتے ہیں کہ مکر و فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اِس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کرسکوں

"یہ اُسوقت کی بات ہو جب وکیل، حاکم عدالت کے رحم پر ہوتا تھا۔ اُس کی ذراسی ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کردیتی تھی۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا کہ فریق ثانی کے وکیل نے کہا آج پیشی بڑھا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا مقدمہ کا التوا نا روا ہو، کیونکہ ملزموں کو قید خانے میں بلا سبب رکھنا ناجائز ہو۔ حاکم خفا ہوگیا۔ "فوراً اپنے الفاظ واپس لو" حاکم نے کہا۔ "عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں" لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صورتحال کا مقابلہ کیا۔

"اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب یہ پیشہ معزز ہوگیا اور حکام، وکلاء کی دوستی پر فخر کرنے لگے"

قومی نگرانی کے حدود

"ہم قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہو۔ قوم کا فرض ہو کہ وہ اپنا مطالبہ ہمیں بتلائے۔ اُسنے یہ مطالبہ ہمیں بتایا ہو کہ "کامل آزادی" اب ہم کوشش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہو کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے بازپرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے رو داد طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوشش دیکھے۔ جب ہم اُس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اُسے حق ہو کہ ہماری تجویزیں خوب جانچے اگر اُس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرادے۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں ہوگی"

آزادی کی نعمت

"ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہوجانے پر طیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کرلو۔ ہم اِس سب پر صبر کرلیں گے، مگر ہمیں غلام بنانے والو! یاد رکھو، ہم آزادی سے ہرگز دست بردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہو۔ اُس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہو"

قومی وحدت

"قوم اسکے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہو، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہو، جس کا شعور ایک ہو، جس کی آرزو ایک ہو۔ ہماری قوم کی اسوقت آرزو کیا ہو؟ کامل خود مختاری!

"ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہو۔ اُس میں فرقے ہیں نہ درجے ہیں۔

وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ "باشاؤں" (امیروں) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہو۔ ہمارے ملک میں نہ "باشاؤں" کا کوئی خاص گروہ ہو نہ "فلاحین" (کسانوں) کا۔ ہم سب "باشا" بھی ہوسکتے ہیں اور "فلاح" بھی ہوسکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلول باشا ہوں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر دینی فرقے موجود ہیں۔ ممکن ہو پہلے کبھی ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہو۔ اور اگر کوئی ہو تو وہ ایک ہی فرقہ ہو۔ یعنے مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا سورج طلوع ہوا ہو ہلال اور صلیب نے ہمیشہ کے لئے معانقہ کرلیا ہو۔ یہ معانقہ، صرف مسلمان اور قبطی کا معانقہ نہیں ہو۔ یہ مسلمانوں کا دُنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہو۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔ م

یاد رکھئے — موسم گرما کا نایاب تحفہ — صرف ہمدرد دواخانہ دہلی کا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ام باسمیٰ ہوکر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جس کو حشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و بیم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہو؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سے اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہو۔ مفرح قلب ہو۔ خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہو۔ اختلاج قلب، دردسر و دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہو۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہو کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دلیسی ہو۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں رکھنے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں کمیشن ملیگا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہٰذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور ہر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہو اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہو "فہرست دواخانہ" مع جنتری ۱۹۲۷ء کا رڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہو جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

کا

دوسرا اڈیشن ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہو

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دوکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بہا جواهر ريزي

اس سلسله ميں هم نے امامين كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع كيا ہے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير ہے - اميد كه يه "سلسلۂ تراجم" بد نصيب هندوستان كي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه ــــ امام ابن قيم كي فن سيرت ميں شهرۂ آفاق كتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپيه -

كتاب الوسيله ــــ لفظ "وسيله" كي بحث کے علاوہ امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" كي مبسوط بحث كي ہے - بلا جلد اڑهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه ــــ انكي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر ــــ امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى ــــ خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان كيا ہے - چھه آنے -

سيرت امام ابن تيميه ــــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز ــــ علامه سيد محمد رشيد رضا مصري كي تازہ كتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام ــــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه ــــ فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ــــ يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ہے جس کے خريدار كو هم نے كمال كوشش و كاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں كي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازہ معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام كيا ہے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بك ايـجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كي وقت اپنا نام اور پته صاف لكهين

اور نمبر خريداري ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینه را

تازہ خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الهلال هي وہ رساله ہے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وہ اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كي نئي روح پيدا كرني چاهتا تها ' اس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف انواع کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس نے ظاهري خوبيوں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نهيں - اس كي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - ان كي مقبوليت و قدر کا اندازہ اس سے هوسكتا ہے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شائقين علم و ادب نے اس كي تمام جلدوں کا مكمل ست سات سو روپيه ميں خريد كيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اس كي پهلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي ہے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ كرنے كيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شائقين علم و ادب کے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جاسكتي هيں مرتب كرلي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايک دو پرچوں كي كمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے -

چنانچه الحمدلله يه كوشش ايک حد تک مشكور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوگئي هيں - هم اس اعلان کے ذريعه شائقين علم و ادب كو آخري موقعه ديتے هيں كه اس قيمتي ذخيرہ کے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكه جلدوں كي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسكي ہے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پہلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد ہے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي ہے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " چهارم ۱۰ روپيه " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب ہے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيكنگ اس کے علاوہ ہے -

منيجر "البلاغ پريس"

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لیے استعمال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیدئیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔ ۱۲ (منیجر الہلال کلکتہ)

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہو؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجیے

یاد رکھو،

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہیے!

۱۹۲۷

الهلال

جلد ۱

نمبر ۱۵

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ _ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۵ — کلکتہ : جمعہ ۳ . ربیع الثانی ۱۳۴۶ ھجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 30, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۲۱۰ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۳۴۹
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۳۲٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۲۳	نستعلیق ہون	۱۱۷

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اُس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

ایک اخبار کے نمایندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

" میری عمر اِس وقت ساٹھہ برس کی ہے - لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں ' گویا عالم شباب میں ہوں - دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ہو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہوگئی - اُس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا - میری شرائین سوکھہ کر سخت ہوگئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ہو چکا تھا - لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں - تمام ورزشی کھیل اِس طرح کھیلتا ہوں ' گویا تیس برس برس کا جوان ہوں - میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا - مجھہ میں اِتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں - میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھہ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوٹتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو - میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے - مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا - چونکہ اِس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ہے ' اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاہر کردونگا - لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھونگا ' یہانتک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے - مجھے دیکھو - کیا میری قوت ' چستی ' تندرستی ' ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

" اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ' وہ درحقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ہے - اُس کا تعلق سراسر غذا سے ہے - چالیس سال کی عمر تک جو چاہو کھاؤ پیو ' بلکہ اِس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرو - لیکن جونہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو - اِس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے - اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ہے - مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اِس کے خلاف کچھہ ہی کہیں) مچھلی میں کبریتی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے - اور معلوم ہے ' یہ مادہ دماغ اور اُس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے - جسم کی خلایا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں - پرانی خلایا غائب ہوجاتی ہیں ' نئی خلایا اُن کی جگہ لے لیتی ہیں - چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے - اِس کے بعد خلایا کا انحلال تو جاری رہتا ہے ' مگر نئی خلایا کی تکوین نہین ہوتی - درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں ' کیونکہ اُس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلایا کی تکوین کی علت ہے - بلا شبہ ہم اِس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ' لیکن ہمارے قوی برابر گھٹتے اور مٹتے جاتے ہیں - یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے ' وہ زندہ خلایا کو قتل کرتے اور مٹاتے رہتے ہیں - پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اِس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاہیے - یعنی ہمیں اِن قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے "

" گلٹی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے - اُس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے - کیونکہ بوڑھے آدمی میں جوان بندر کی گلٹی اُسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک صحیح و سالم موجود ہے - لیکن جوں ہی اُس میں ضعف پیدا ہوگا ' بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اُسے سنبھال نہ سکے گی - واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر ' گلٹی میں نہیں بلکہ جسم کی خلایا میں ہوتا ہے - ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے - اِس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں - یہی میکروب ' خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے - اِس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے - اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے - لہذا اِن جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاہیے - اِس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی - میں نے ایک ایسا کیمیاوی مرکب طیار کر لیا ہے جو اِن جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے - لیکن اِس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ' یہانتک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کرلوں "

" ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے ' وہ کلورائڈ کا ایک مرکب ہے - یہ مرکب میں نے معلوم کرلیا ہے اور اُسے ابھی تک راز بنائے ہوے ہوں - اگر یہی مرکب بوڑھے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جاسے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا ... اُس کی حیرت انگیز تاثیر تم اِس وقت بھی میرے جسم میں دیکھہ سکتے ہو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے ؟

تکلیف کا احساس اِس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹھے) موجود ہیں - یہ اعصاب اِس احساس کو اُس کے مرکز ــ دماغ ــ تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے - علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہوگئے ہیں - یہ اِس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر اُن کا اثر عارضی ہوتا ہے - پھر بہت سے بیماروں پر اِن مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ اُن کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ہوسکتے -

یہ ' اور اِسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھہ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کردی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کردے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے -

ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اِس مقصد میں اُسے ضرور کامیابی ہوگی - اِس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا - اُس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکینگے - مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا - ڈاکٹر کا دعوی ہے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اترا ہے - لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے -

اِس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ " نخاع مستطیل " (بصلة النخاع) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہوجائے - ظاہر ہے ' جب اصلی مرکز سن ہوجائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا - واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگیا ' تو ہمارے تمام جسمانی آلام ہمیشہ کے لیے ختم ہوجا سکتے ہیں -

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ہے - کیونکہ اِس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہوجائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے - ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ہوجائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے ' تو بلا شبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمی بن جاسکتا ہے -

برتر انسان

(Super man)

(ایک جدید علمي تجربه)

قاریین الهلال ڈاکٹر وورنوف کے نام سے واقف هوچکے هیں - اس ڈاکٹر نے شباب کي واپسي کے لیے جو طریقه ایجاد کیا هے ' اس کا مفصل بیان کسي پچھلي اشاعت میں درج هوچکا هے - آج هم اُس کا ایک اور تجربه - یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریه - پیش کرتے هیں - یه نظریه بلاشبه عجیب هے - اتنا عجیب که بمشکل یقین کیا جا سکتا هے - لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطي سے مصر هے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حواله دیتا هے -

جدید نظریه یه هے که صرف بوڑھے هي جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکه ایک نئي انساني نسل بهي پیدا کي جا سکتي هے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمي و دماغي قوی میں کہیں زیادہ برتر هوگي - ڈاکٹر وورنوف اِس آیندہ نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا هے - یه دراصل مشهور جرمن حکیم نیٹشے کي اصطلاح هے - اُس کا دعوی هے که اِس نسل کا هر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونه هوگا ' بہت طویل العمر هوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رهے گا !

اعادۂ شباب کا معامله ' اب نظریے کي حد سے نکل کر علمي حقائق کي صف میں جگه پا چکا هے - علم ' اُس کي راہ میں بہت سي مسافتیں طے کرچکا هے - شکوک وشبہات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھ چکے هیں - عنقریب انساني تاریخ پر اِس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا هے -

لیکن " برتر نسل " کي تخلیق ابهي تک ایک نظریه هي هے ' اگرچه ڈاکٹر وورنوف کو اُس پر پورا یقین هے - اپنے اِس نظریه کي تکمیل میں بهي وہ بندر کي گلٹیوں سے کام لینا چاهتا هے -

تفصیل یه هے که ڈاکٹر وورنوف کا اعتقاد هے ' اگر ممتاز جسمي وعقلي قوی کے آدمیوں میں ایک تیسري گلٹي کا اضافه کر دیا جائے ' تو اُن کي نسل ضرور برتر هوگي - اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا هے - لیکن حال میں آٹھ برس کے ایک لڑکے پر تجربه شروع کیا هے - اُس کا خیال هے ' اِس لڑکے کي اولاد حیرت انگیز عقلي و جسمي قوی کي مالک هوگي -

اِس موضوع پر ایک اخبار کے نامه نگار سے گفتگو کرتے هوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا هوں تو اُس کے دامنوں میں " سوپر مین " (برتر انسان) صاف دکھائي دیتا هے - یہي انسان اور اُس کي نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گي - یه نسل ایک ایسي قہرمان عقل و جسم کي مالک هوگي که تمام مخلوقات اُس کي قوت قاهرہ کے سامنے جھک جائینگي ... میں ابتک بوڑھوں کو جوان بناتا تھا - لیکن یه کچھه زیادہ نتیجه خیز عمل نه تھا - اِس سے انساني عمر میں تھوڑا سا اضافه هوتا هے - لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا هے ' وہ تمام پچھلے تجربوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجه خیز هونگے - یه تجربے صرف بوڑھوں هي پر نہیں هونگے - اب میري توجه کا مرکز کم عمر بچے هونگے - وہ بچے جنکي عمر آٹھ اور دس برس کي هے - بندر کي گلٹي هي یه حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گي ' اور انهیں ایک نیا آدمي بنا دے گي - میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولي ذهانت اور جسماني قوت رکھتے هیں - یه بچے اور ان کي نسل ' مستقبل میں یقیناً نہایت عظیم هوگي - اِس مقصد میں سب سے بڑي مشکل یه در پیش هے که ترقي یافته بندروں (شمپانزي اور اورنگ اوٹنگ) کي کافي تعداد موجود نہیں هے - اگر هر آدمي کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انساني کي کایا پلٹ جائے - لیکن یه مشکل نا قابل حل نہیں هے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کي افزائش کا انتظام کیا جا سکتا هے "

جراثیم حیات

(ایک اور جدید نظریه)

هندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا هوگا - حالانکه وہ فرانس کا ایک مشهور ڈاکٹر اور عالم هے - اُس جیسي وسیع معلومات رکھنے والے آدمي دنیا میں بہت کم هیں - وہ ۸۰ علوم و فنون اور صناعتوں کا ماهر هے - چنانچه سائنس داں ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائي ' موجد ' موسیقي داں ' شاعر ' ریاضي ' فلکي ' سب هي کچھه هے - غیر معمولي دماغي قابلیت کے علاوہ نہایت عظیم جسماني قوت بهي رکھتا هے - پورا پہلوان هے -

یه عجیب ڈاکٹر ' وورنوف اور اُسکے تمام هم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوءظن رکھتا هے - اُس کے خیال میں وہ دغاباز هیں - جواني واپس لانے کا جو طریقه اُنهوں نے ایجاد کیا هے ' غلط هے - اُس کا اثر ' عارضي هے ' اور اُس کا رد فعل نہایت مضر هوتا هے - لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعوی هے که وہ بوڑھوں کو بغیر کسي گلٹي کے استعمال کے جوان بنا دیتا هے اور انسان کي عمر دو سو برس تک طویل کر دے سکتا هے - اس کے علاج میں سب سے پہلے اُن شرطوں کي پابندي ضروري هے جو اُس کے خیال میں درازي عمر کي ضروري شرطیں هیں - پھر انجیکشن کے ذریعه وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا هے - یه مادہ خود اُس نے ایجاد کیا هے - دنیا کو ابتک اُس کا کوئي علم و تجربه حاصل نہیں هوا -

وفات کا پتہ چل گیا - وہ شاہی محل میں گھس پڑی اور بایزید کے لڑکے کو بایزید کی آمد تک تخت پر بٹھا دیا - سلطان محمد فاتح نے اپنے دونوں لڑکوں کے بیٹے بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھہ چھوڑے تھے تاکہ وہ وفادار اور اطاعت شعار رھیں - معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ فوج سازش سے بھی واقف ہوگئی اور وزیر اعظم کو قتل کر ڈالا -

(٤)

اب جم کی زندگی کے ہولناک تاریک دن شروع ہوتے ہیں - قاصد ہوا کی طرح اڑکر بایزید کے پاس پہنچا - ولی عہد گویا پہلے ہی سے طیار بیٹھا تھا - فوراً روانہ ہوگیا اور نہایت سرعت سے پایۂ تخت میں داخل ہوا - لیکن قصر شاہی میں فوج نے داخل ہونے نہیں دیا اور اپنا انعام طلب کیا - گویا اپنی وفاداری کی قیمت لینی چاہی - بایزید ڈرپوک تھا - فوراً خزانے کا منھہ کھول دیا اور سب کو خوش کردیا - بعد میں یہی بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئی اور سلطنت کے لیے بہت مضر ثابت ہوئی -

بایزید تخت نشین ہوگیا اور اپنے بھائی جم پر قابو حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا - جم اب تک اِس انقلاب سے بے خبر تھا - باپ کی وفات اُس وقت معلوم ہوئی جب صدر اعظم قتل ہو اور بایزید تخت نشین ہوچکا تھا !

سخت متحیر ہوا کہ کیا کرے ؟ یہ ظاہر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایۂ تخت میں اُس کے حامیوں کی کوئی جماعت باقی نہیں رہی ہے - علماء اُس کے سخت خلاف ہیں اور عام راے اُنھی کے زیر اثر ہے - اب اُسے اپنے سامنے دو ہی راہیں نظر آتی تھیں : بھائی کی اطاعت ' یا جنگ - پہلی صورت کی طرف اُس کا رجحان تھا ' مگر دو باتوں سے ڈرتا تھا : ایک یہ کہ گلیشیا کی حکومت اُس کے ہاتھہ سے چھین لی جائیگی - دوسرے یہ کہ بایزید اُسے قتل کی کوشش کریگا - کیونکہ ترک سلاطین کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرڈالا کرتے تھے - اگرچہ وہ کتنے ہی مطیع و وفادار ہوں -

مجبوراً اُس نے جنگ کا عزم کیا - اُسے اپنی کامیابی کی قوی امید تھی - گلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے - اُس نے خیال کیا ' بایزید بزدل اور پست ہمت ہے - ہرگز مقابلہ نہ کر سکے گا -

(٥)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ ہوگیا اور ایک جرار فوج لے کر بروسہ کی طرف بڑھا - بروسہ ' قسطنطنیہ کی کنجی ہے - اُسے یقین تھا ' بایزید کی طیاری سے پہلے ہی وہ بروسہ پر قابض ہوجائے گا - مگر بایزید بھی غافل نہ تھا - مقابلہ کی طیاری کرچکا تھا - جم کے متحرک ہوتے ہی اُس نے بھی ایاز پاشا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کردی ' اور خود بھی ایشیائی ساحل پر جنگی کارروائی کرنے کیلیے آ موجود ہوا -

دونوں فوجیں بیک وقت بروسہ کے سامنے پہنچیں - شہر والوں نے اپنی بربادی کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے - باہر ہی باہر فیصلہ کر لینے پر مجبور کیا - میدان جنگ گرم ہوا اور پہلے ہی معرکہ میں بایزید کی فوج بھاگ نکلی - جم ' مظفر و منصور شہر میں داخل ہوا اور اپنی سابق عیاشی پھر شروع کردی - اب اُسے کامل یقین تھا کہ پایۂ تخت کا مالک ہوجائے گا -

لیکن یہ اُس کی سخت غلط تھی - بایزید نے ایک اور فوج گراں سنان پاشا کی سپہ سالاری میں بھیجی - مگنیا سے ایک دوسری فوج اُس کی کمک پر چل دی ' اور دونوں نے مل کر جم پر حملہ کردیا - عیش پسند شاہزادے کے سپہ سالار ' نصوح نے دشمن کی قوت دیکھی تو درۂ ازواد کی طرف پسپا ہوگیا - خود جم کو بھی بروسہ خالی کرنا پڑا - صرف سترہ دن کی حکومت اُس کی قسمت میں لکھی تھی !

بایزید نے صرف اپنی جنگی قوت ہی پر بھروسہ نہیں سازش کا جال بھی پھیلا دیا - بڑی بڑی رشوتیں دے کر جم کے بہت سے آدمی ملا لیے - حتی کہ اُس کا وزیر یعقوب بھی خیانت پر آمادہ ہوگیا - یعقوب نے اپنے آقا کو ینی شہر چلنے کا مشورہ دیا - یہاں بایزید کی ایک بڑی فوج موجود تھی - فوراً جم پر ٹوٹ پڑی - اب بھی پلہ شاہزادے ہی کا بھاری تھا - مگر عین میدان جنگ میں اُس کے سپہ سالار نصوح نے دغا کی اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا - اب جم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا -

سلطان محمد فاتح
جبکہ وہ قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد شہر میں داخل ہوا

لیکن ابھی ایک امید باقی تھی - سلجوق خاتون ' سلطان محمد فاتح کی پھوپی ' دونوں بھائیوں میں صلح کی کوشش کر رہی تھی - خود جم نے اُسے بروسہ سے بھیجا تھا - تجویز یہ تھی کہ سلطنت تقسیم ہوجائے - یورپین علاقوں پر بایزید حکومت کرے اور ایشیاء جم کے حوالے کر دے - نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھہ سمجھایا - بھائی کے حقوق یاد دلائے ' مگر کامیابی نہ ہوئی - بایزید نے صاف کہدیا " بادشاہوں میں رشتہ نہیں ہوتا "

جم ' شکست کھا کر بھاگا - راستہ میں خود اُسی کے سپاہیوں نے اُسے لوٹ لیا اور سخت زخمی کیا - محمد فاتح کا اولو العزم فرزند دوسرے دن آق شہر میں اِس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا اور سردی سے اُس کا تمام بدن کانپ رہا تھا - اگر ایک شخص رحم کھا کے اُسے اپنا گرم کوٹ نہ دے دیتا تو یقیناً ٹھٹھر کر مر جاتا !

شکست کے ایک ہفتہ بعد وہ قونیہ پہنچا - یہاں اپنی ماں اور بیوی سے ملاقات ہوئی - اِنھیں لے کر شام روانہ ہوا ' اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ع کو مصر پہنچا - مصر میں اُس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا - خود سلطان قایتبائی نے شہر کے باہر آکر خیر مقدم کیا اور معزز مہمان کو اپنے محل میں اتارا - چار مہینے آرام

افسانـــہ

ترکی تاریخ کا ایک مجہول صفحہ

(شاهزاده چم کا افسوس ناک انجام)

کم لوگوں نے شاهزاده " چم " کا نام سنا هوگا - عام طور پر مورخوں نے بهي إس کا ذکر نهیں کیا هے - نتیجه یه هے که یه نام بالکل اجنبي معلوم هوتا هے - حالانکه إس کا واقعه ترکي تاریخ میں ایک نهایت هي غم ناک فاجعه (ٹریجڈي) هے - اور إس وقت بهي مشرقي دنیا کے لیے عبرت و موعظت کا ایک درس هے - آج هم قاریین الهلال سے إس تاریخي شخصیت کا تعارف کراتے هیں -

(۱)

چم ـــ یا یوروپین تلفظ کے مطابق " زیزم " ـــ ایک بد نصیب مشرقي شاهزاده هے - مصائب و آلام نے اُس سے محبت کي - زمانے نے بے وفائي کي - حسرت و غم نے اُسکا پیچها کیا -

سلطان محمد ' فاتح قسطنطنیه کا یه منجهلا لڑکا تها - اُس میں جسماني قوت ' ذهانت ' حسن ' خوش مزاجي ' رقیق احساس ' شجاعت ' جمله اوصاف جمع هوگئے تهے - پیدائشي شاعر تها - ترکي شعر و ادب میں ابتک اُس کے آثار موجود هیں ' اور اُس کي ذهني بلندي اور شاعرانه تخیل کا بهترین ثبوت هیں -

اُس کا آغاز نهایت امید افزا تها - گمان هوتا تها که قدرت اُس پر پوري طرح مهربان هے - ابهي اُس کي عمر دس برس هي کي تهي که اولوالعزم باپ ' محمد فاتح ' اُس کي قابلیت کا معترف هوگیا اور صوبۂ قسطمونی کا حاکم مقرر کردیا - یهاں شعراء و ادباء کي ایک بڑي جماعت موجود تهي - کم سن شاهزادے نے اُنهیں باریاب کیا ' تعلقات بڑهائے ' اور خداداد قابلیت کے ساتهه شعر و ادب کا با قاعده مطالعه کیا - تهوڑي هي مدت میں اپنے استادوں سے بهي بازي لے گیا - اُسي زمانے میں ایک فارسي قصے " خورشید و جمشید " کا ترکي شعر میں ترجمه کیا اور اپنے والد کے نام هدیه کیا - محمد فاتح بهت خوش هوا - پہلے سے زیاده مهربان هوگیا اور صوبۂ کلیشیا کي حکومت سپرد کردي - اُس وقت چم کي عمر صرف اٹهاره سال کي تهي ' مگر وه پخته کار حکمراں بن چکا تها -

کلیشیا میں اُس نے اپني انتظامي قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے - یه صوبه پہلے سلجوقیوں کي ایک ریاست تها - آل عثمان نے اُسے فتح تو کرلیا تها ؛ مگر پوري طرح قابو نهیں پاسکے تهے - همیشه بدامني اور شورش برپا رهتي تهي - سابق سلجوقي حکمراں بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رهتے تهے - مصر کے چرکس بادشاه اور ایران کے شهنشاه اُن کي امداد کرتے تهے - اُس وقت ترکي سلطنت میں إس صوبے سے زیاده مشکل حکومت کسي صوبے کي نه تهي - والیوں پر والي آتے تهے اور ناکام لوٹ جاتے تهے -

لیکن چم نے آتے هي اپني بے نظیر همت و شجاعت سے کام لے کر تمام شورش پسند عناصر کا خاتمه کردیا - هولناک معرکوں میں بے خوف و خطر گهس جاتا تها - دست بدست لڑائیاں لڑتا تها - بڑے بڑے شه زوروں سے نبرد آزما هوتا اور همیشه غالب رهتا - تهوڑے هي دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چها گیا - چم کا نام دل دهلا دیتا تها - باشندے ڈر سے اُس کا نام نهیں لیتے تهے - " رستم دوراں " کے لقب سے یاد کرنے لگے تهے !

(۲)

پانچ برس تک نهایت بیدار مغزي سے حکومت کرتا رها - هر طرف امن و امان قائم هوچکا تها - کوئي پیچیدگي بهي باقي نهیں رهي تهي - اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا - إس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلي پیدا کي ' اور إسي تبدیلي سے اُس کي بد نصیبي کا آغاز هوا -

حکومت کي ذمه داریوں سے غافل هوگیا - عیش و عشرت کي بساط بچها دي - نفس پرستي کا دروازه کهول دیا - اُس کا محل بوالهوسوں کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبه بن گیا -

اب تک وه پوري قوم کا محبوب تها - کوئي نه تها جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نه خیال کرتا هو - ملک بهر کي یهي راے تهي که آئنده سلطان وهي هوگا - لیکن إس نئي تبدیلي نے اُس کي شهرت و مقبولیت کو سخت نقصان پهنچایا - دو جماعتیں قائم هوگئیں : ایک اب بهي اُس کي مؤید تهي - پورے یورپ کے مقابلے کي قوت اُسي میں دیکهتي تهي - یه جماعت وزیر اعظم محمد نشانی پاشا کي تهي - دوسري جماعت فسق و فجور کي وجه سے اُس کي سخت مخالف تهي - دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجهتي تهي - إس جماعت کا سرگروه ' شیخ الاسلام تها -

چم کا حریف ' بایزید تها - یه اُس کا بڑا بهائي اور ترکي دستور حکومت کي رو سے اپنے باپ کا وارث تها - سلطان محمد کي زندگي میں دونوں حریف دور دور رهے - لیکن اُس کي وفات کے بعد تصادم ضروري تها -

چم ' عقلمند ' بهادر ' اولوالعزم ' مگر عیاشي کي وجه سے غفلت کا شکار هوگیا تها - بایزید ' بے وقوف ' بزدل ' پست همت ' مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تها - بایزید اپنے بهائي کي قابلیتوں سے واقف تها ' إس لیے بهت بیدار رهتا تها -

(۳)

اپنے باپ کي وفات کے وقت دونوں بهائي پایۂ تخت ' قسطنطنیه سے دور تهے - چم کلیشیا میں تها اور بایزید آماسیا کا حاکم تها - وزیر اعظم محمد نشانی پاشا چونکه چم کا طرفدار تها ' اس لیے اُس نے سلطان کي موت فوج سے مخفي رکهي - کیونکه فوج تمام تر ترکي علماء کے زیر اثر تهي - اُس نے پہلے ایک خفیه قاصد چم کے پاس بهیجا که فوراً پایۂ تخت پهنچو اور سلطنت پر قابض هو جاؤ - نیز وه تدبیریں بهي لکهدیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تها - کئي دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بهیجا اور تخت نشیني کي دعوت دي -

دونو قاصد روانه هوگئے - مگر چم بد قسمت تها - اُس کا قاصد پهنچ نه سکا - کوتاهیه کا حاکم سنان پاشا ' بایزید کا طرفدار تها - وه حقیقت سے واقف هوگیا اور قاصد کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا - دوسري مصیبت یه پڑي که پایۂ تخت کي فوج کو سلطان کي

کا غم کہا رہي ہیں - مگر پوپ نے منظور نہیں کیا - اس نے کہا "یورپ کے بادشاہ ترکي پر چڑھائي کرنے کي طیاري کر رہے ہیں تاکہ تمہیں تخت نشین کردیں" ساتھہ ہي اس نے بہت اصرار کیا کہ مسیحي دین اختیار کرلے تاکہ "دنیا کے ساتھہ آخرت کي عزت بھي حاصل ہوجائے"

جم ' پکا مسلمان تھا - پوپ کي یہ دعوت حقارت سے رد کردي - اس نے سختي سے کہا "اگر تمام دنیا کي بادشاهي مل جاے ' تو بھي میں اپنا دین فروخت نہیں کرونگا" اتنا ھي نہیں بلکہ غیور شہزادے نے پوپ کے روبرو سر جھکانے یا اس کے ھاتھہ کو بوسہ دینے سے بھي انکار کر دیا ' جیسا کہ شاہان یورپ کا دستور تھا - اس نے کہا "میں مسلمان ہوں - پوپ کے سامنے نہ تو جھک سکتا ہوں ' نہ اس کا ھاتھہ چوم سکتا ہوں !"

پوپ نے اسے ویٹیکان میں نظر بند کردیا اور دول یورپ کو ترکي پر حملہ کي ترغیب دینے لگا - مگر اس وقت بھي یورپ میں باھم دگر سخت منافست تھي - آپس میں کوئي سمجھوتا نہ ہوسکا - اسي اثناء میں پوپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل ' اسکندر اس کا جانشین ہوا - اس نے اس عظیم رقم پر قناعت نہیں کي جو جم کو قید میں رکھنے کے صلہ میں بایزید سے سالانہ وصول کیا کرتا تھا - بلکہ ایک بہت بڑي رشوت لے کر اس کے قتل پر آمادہ ہوگیا۔

(۱۱)

اسي زمانہ میں (ستمبر سنہ ۱۴۹۴ع) چارلس ہشتم شاہ فرانس نے روم کا محاصرہ کرلیا ' اور صلح کي ایک شرط یہ بھي قرار دي کہ جم اس کے حوالہ کر دیا جائے - پوپ نے دونوں طرف سے فائدہ اٹھانا چاھا - اس زمانے میں یورپ کے روحاني رھنما آلات و وسائل قتل کے بھي سب سے بڑے ماہر تھے - پوپ کے پاس ایک ایسا زہر موجود تھا جو اگر ایک تندرست آدمي کو کھلا دیا جاے ' تو ایک خاص مدت تک اس کي تندرستي پر کوئي اثر نہیں پڑتا تھا - لیکن اس مدت کے بعد آھستہ آھستہ اسکي تاثیر کام کرنے لگتي تھي ' اور بہ تدریج مریض کا خاتمہ کر دیتي تھي - پوپ نے یہي زہر جم کو کھلا دیا ' اور اسکي اطلاع بایزید کو دیکر اس سے مطلوبہ رقم حاصل کرلي - پھر زندہ و سالم جم ' چارلس کے حوالہ کردیا ' اور اس سے بھي صلح کرلي !

جم ' شاہ فرانس کے قبضہ میں آگیا - چارلس نے اسے ترکي پر فوج کشي کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا - مگر اب وہ سمجھہ چکا تھا کہ یورپ اس کي طرفداري نہیں کر رھا ہے - اس کي آڑ میں سب سے بڑي اسلامي سلطنت تباہ کرني چاھتا ہے - چنانچہ اس نے قطعي طور پر انکار کردیا - بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کردیا - مگر اب اس کي دائمي رھائي کا وقت بھي آ پہنچا تھا - پولس رسول کے جانشین پوپ کا زہر اس کے جسم میں سرایت کرچکا تھا - وہ ابھي ناپولي ھي میں تھا کہ ۲۴ - فروري سنہ ۱۴۹۵ع میں انتہائي حسرت و یاس کے ساتھہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا !

اسکے آخري الفاظ یہ تھے :

"خدایا ! اگر دشمنان دین مجھہ سے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاھتے ہیں ' تو مجھے جلد موت دیدے ' اور ان کا مقصد پورا نہ ہونے دے !"

حب ذات کس میں زیادہ ھے : مرد میں یا عورت میں ؟

(ایک مصري خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجھے یہ ظاہر کردینا چاھیے کہ دنیا کي ترقي کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروري ہیں ' اسي طرح حب ذات رکھنے والے بھي ضروري ہیں - اگر ایک آدمي بھي حب ذات رکھنے والا باقي نہ رہے ' تو ایثار کرنے والے لوگ کس کي خدمت کرینگے ؟ وہ ضرور دل میں گھٹ گھٹ کر مر جائنگے - کیونکہ ان کے لیے ایثار کي نیکي پر عمل کرنے کا کوئي موقعہ موجود نہ ہوگا - لیکن چونکہ یہ دونوں خصلتیں رکھنے والے دنیا میں تقریباً مساوي تعداد میں موجود ہیں ' اور ہمیشہ موجود رہینگے ' اس لیے اس صورت حال کے پیش آنے کا کوئي خطرہ نہیں ہے -

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں ؟ میرے خیال میں جواب صرف ایک ھي ہو سکتا ہے ' اور وہ یہ ہے کہ مجموعي طور پر جنس نسواني میں یہ خصلت زیادہ پائي جاتي ہے - عورتیں علی العموم حب ذات کي بیماري میں مبتلا ہیں - ہر عورت اپني طبیعت پر تھوڑا سا غور کرکے یہ حقیقت معلوم کرلے سکتي ہے - برخلاف اسکے مردوں میں ایثار کا مادہ بہت ہوتا ہے - عورتیں خود غور کریں کہ انکے آرام و آسائش کے لیے مرد کتني تکلیفیں اٹھاتے ہیں ؟ ہمارے لیے دروازے کھولتے ہیں - ہماري گري ہوئي چیزیں اٹھا دیتے ہیں - ریل اور ٹریم وغیرہ سواریوں میں ہمارے لیے اپني جگہ خالي کر دیتے ہیں - ہمارے سر پر چھتري لگا کے چلتے ہیں - غرضکہ اٹھنے بیٹھنے ' کھانے ' پینے ' ہر چیز میں ہمارے لیے ایثار کرتے ہیں - خود تکلیف اٹھاتے ہیں اور ہمیں آرام دیتے ہیں !

حقیقت یہ ہے کہ عورت ' مرد کي اس خصلت سے بہت خوش ہوتي ہے - اسے اسکي مردانگي کي علامت سمجھتي ہے - اسي طرح مرد بھي عورت کي حب ذات پسند کرتا ہے - بلکہ اگر ہم عورتوں میں حب ذات نہ ہوتي ' تو مرد ہم سے سخت نفرت کرنے لگتے - یہي حب ذات ' بناوٹي کمزوري ' مصنوعي نزاکت ؛ وہ ادائیں ہیں جو ہمیں مرد کي نظر میں معزز و محبوب بنائے ہوئے ہیں -

لینے کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا - وہاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات ہوئي - یہ لوگ بایزید کے خلاف تھے - اُنھوں نے شاہزادے کو از سر نو قسمت آزمائي کا مشورہ دیا اور اپني عقیدت و خدمت پیش کي - اِنھي میں قاسم بک حاکم کلیشیا بھي تھا -

(٦)

جم نے پھر کمر ہمت چست کي - حلب پہنچا - وہاں بایزید کے کئي باغي سپہ سالار اُس کے انتظار میں تھے - اُنھیں ساتھ لے کر کلیشیا گیا اور وعدہ کیا کہ سلطان بننے کے بعد کلیشیا کو خود مختاري بخش دے گا -

جم نے ایک بڑي فوج جمع کرلي اور قونیہ کے طرف بڑھا - بایزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھ روانہ ہوا - اُس کي فوج کا سپہ سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگي آدمي تھا - کدیک احمد باشا فاتح اٹرنٹو مشرق و مغرب' دونوں دنیاؤں میں مشہور تھا - اُس نے آتے ہي جم کي فوج تہ بالا کر ڈالي -

جم' پھر بھاگا اور کلیشیا کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگیا - بایزید نے ایک وفد بھیج کر خواہش کي کہ جنگ سے باز آجائے اور پر امن زندگي اختیار کرے - اُس نے منظور کرلیا مگر اِس شرط پر کہ اُسے چند صوبوں کي حکومت بخش دي جاے - بایزید نے انکار کیا "ایک سلطنت میں دو ساجھي جمع نہیں ہوسکتے" اُس کا صاف جواب تھا -

بایزید نے صرف انکار ہي نہیں کیا بلکہ حریف کا پہاڑوں میں تعاقب بھي شروع کردیا - جم کے لیے اب وسیع دنیا تنگ ہوگئي - اُس نے ارادہ کیا کہ مصر یا ایران میں جاکر پناہ ڈھونڈے' مگر قاسم بک نے مشورہ دیا کہ یورپ جائے اور وہاں کے بادشاہوں کي مدد سے اپنا ملک فتح کرے -

(٧)

شاہزادے نے بڑے پس و پیش کے بعد یہ تجویز قبول کرلي - قسطنطنیہ کي فتح کا واقعہ ابھي تازہ ہي تھا - یورپ کے تمام بادشاہ ترکوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے - قوي امید تھي کہ وہ سلطنت عثمانیہ کي تباہي کے خیال سے اِس باھمي خانہ جنگي میں شرکت منظور کر لینگے' اور اِس طرح مداخلت و استیلاء کا موقعہ بہم پہنچائینگے -

جم نے جزیرۂ روڈس میں اپنا ایک وفد بھیجا - اُس وقت یہ جزیرہ مشہور صلیبي مجاهدین "سینٹ جان کے سواروں" کے قبضہ میں تھا - جزیرے کے حاکم اعلی نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاہزادے کي حمایت قبول کرلي - آنے کي دعوت دي اور اپنا جنگي بیڑہ اُس کے لیے بھیج دیا -

٢٣ - جولائي سنہ ٨٢ ١٤ - کو جم کا روڈس میں شاہانہ استقبال کیا گیا - اور نہایت عزت و احترام سے اُسکي ضیافتیں شروع ہوئیں - بایزید کو معلوم ہوا تو اُس نے جزیرہ کي حکومت کو دائمي صلح کے معاهدہ کا پیغام بھیجا - ساتھ ہي بہت سے امتیازات بھي پیش کیے - اِن مراعات کے صلے میں جم کي حوالگي کي درخواست کي - جزیرہ کي حکومت بہت خوش ہوئي - اُس نے شاہانہ مراعات قبول کرلیں - مگر جم کے حوالہ کرنے سے اِس بنا پر انکار کیا کہ وہ مہمان ہے - البتہ وعدہ کیا کہ اُسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا -

جزیرے کي حکومت نے ایک طرف بایزید سے معاملہ طے کرلیا - دوسري طرف جم سے وعدہ لے لیا کہ سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اُسے عظیم الشان مراعات دے گا - باضابطہ عہدنامہ لکھوا لینے کے بعد شاہزادے سے کہا کہ یہاں اُس کي زندگي خطرے میں ہے - بایزید نے اسے زہر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے ہیں - لہذا مصلحت یہي ہے کہ فرانس چلا جائے -

(٨)

بد نصیب شاہزادہ راضي ہوگیا - اور اگست سنہ ١٤٨٢ ع میں جزیرے سے روانہ ہوا - اُسے یقین تھا کہ فرانس جا رہا ہے - وہاں آزاد شاہانہ زندگي بسر کریگا - مگر جہاز میں بیٹھتے ہي اُس نے محسوس کیا کہ حکام جزیرہ کي حراست و قید میں ہے اور وہ اُسے آزاد کرنا نہیں چاہتے - مگر اب مجبور تھا - صبر کے سوا کوئي چارہ نہ تھا -

شاہزادہ' شہر نیس میں پہنچایا گیا - یہ مقام اُسے بہت پسند آیا - اُس کي تعریف میں ایک قصیدہ لکھا - یہیں اقامت اختیار کرني چاهتا تھا مگر تخت شاهي کے لیے بے چین تھا - چنانچہ یہاں سے شاہ فرانس کے پاس قاصد بھیجا اور امداد کي درخواست کي - لیکن حکومت روڈس کے آدمیوں نے قاصد کو راستہ میں روک لیا اور شاہزادے کو فروري سنہ ١٤٨٣ ع میں نیس سے دوسري جگہ لے گئے - اب اُسے کہیں جمنے نہیں دیتے تھے - شہروں شہروں لئے پھرتے تھے اور سختي سے نگراني کرتے تھے -

جم کو یقین ہوگیا کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے - یہ لوگ اُس کے ذریعہ بایزید سے فائدہ اٹھا رہے ہیں - چنانچہ اُس نے پھر دو قاصد روانہ کیے - ایک فرانس کو' دوسرا ہنگري کو - مگر اُس کے میزبان روڈس کے حاکموں کو خبر مل گئي اور اُسے قلعہ ساسناگ میں تن تنہا قید کردیا -

(٩)

اب جم کي زندگي میں پھر ایک نیا انقلاب ہوتا ہے - قلعہ ساسناک کا مالک ایک ڈیوک تھا - اُس کي لڑکي رلینیا هیلانا حسن و جمال میں یکتا تھي - شاہزادے نے اُسے دیکھا تو عاشق ہوگیا - دوشیزہ کو بھي اُس سے محبت ہوگئي - محبت نے مرد میدان جم کي طبیعت بالکل بدل ڈالي - جنگ و جدل سے نفرت ہوگئي - حکومت کا شوق زائل ہوگیا - خاموش زندگي کي طلب پیدا ہوي - اُس نے بایزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کي درخواست کي - مگر سنگ دل بھائي کو رحم نہ آیا - دشمن کو جھکتے دیکھ کر اُس کي همت اور بھي بڑھگئي - اُس نے شاہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ جم کو فوراً اپني حدود سے خارج کردے -

جزیرۂ روڈس کے حکام نے دیکھا کہ شکار ہاتھ سے جاتا ہے - فوراً ایک نئے سودے پر آمادہ ہوگئے - پوپ اینو سینٹ هشتم سے ایک بہت بڑي قیمت لے کر' ١٣ - مارچ سنہ ١٤٨٩ - کو شہزادہ اُس کے حوالہ کر دیا -

(١٠)

جم' روم کو روانہ کیا گیا - پوپ سے ملاقات ہوئي - جم نے اپني مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیں اور درخواست کي کہ اُسے مصر جانے دیا جائے جہاں اُسکي ماں اور بیوي مدتوں سے جدائي

کر دیا ھے - اس تصویر میں علامهٔ موصوف جس لباس میں دکھائے گئے ھیں ' ساتویں اور آٹھویں صدي هجري میں مسلمانان مغرب (مراکش و تیونس) کا عام لباس تھا - اور مصر و شام میں بھي اسي وضع کا عمامه استعمال کیا جاتا تھا - علامهٔ موصوف کا آخري عهد مصر میں بسر ھوا ھے - بہت ممکن ھے ' یه تصویر اصلي اور مستند ھو -

(علم الاجتماع)

پہلے یه علم ' علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا ' مگر اب وہ ایک ضروري موضوع بن گیا ھے اور سب کے لیے اُس کي تحصیل لازمي ھوگئي ھے -

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشته ھے که عملاً لزوم و ملزوم بن گئے ھیں - ناممکن ھے که ان میں سے ایک مفقود ھو اور دوسرا موجود ھو سکے - روز بروز ثابت ھوتا جاتا ھے که عام اجتماع اور علم افراد ' دونوں باھم دگر وابسته ھیں - ان میں تفریق ناممکن ھے ' اور یه ' که تمام فلسفي اور اخلاقي مسائل ' اجتماعي مسائل میں داخل ھیں -

فرد اپني صفتیں اور خصلتیں ' اپني قوم و جنس سے ورثه میں پاتا ھے - یہي معني ھیں " جماعت " کے - علم جماعت (یا اجتماع) مادي اور معنوي حیات کے علم سنن و نوامیس سے بحث کرتا ھے - نیز اُس کا تعلق علم الحیاۃ سے بھي گہرا ھے - کیونکه کہا جا سکتا ھے که جمله کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک ھي عظیم جماعت تھیں - یه اس لیے که وہ شروع میں غیر مرئي جوھر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعه تھیں - بنا بریں علم اجتماع ' جمله علوم کا مجموعه اور خلاصه ھے -

(قوم کا نظام اُسکي استعداد و ضرورت کے مطابق ھوتا ھے)

اِس علم کے اساتذہ کي رائے ھے که ھر قوم کا سیاسي و اجتماعي نظام دوسري قوموں سے نمایاں طور پر مختلف ھوتا ھے - ھر قوم کا نظام ' اُس کي ذھني و تمدني حالت کا ترجمان ھوتا ھے - اِس نظام کي اھمیت اور خوبي ھمیشه اعتباري ھوتي ھے - جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسي نظامات ' سبب و عامل ھونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل ھوتے ھیں -

قوم کي مخصوص سیاسي تنظیم ' صرف اُس کي موجودہ زندگي ھي کي میزان نہیں ھوتي ' بلکه اُن تمام انتظامي دوروں کا بھي پته دیتي ھے جو اُس پر گزشته زمانوں میں گزر چکے ھیں - کسي انسان کو بھي یه قدرت حاصل نہیں که ملک میں کوئي ایسا نظام جاري کردے جو نظري طور پر سب سے بہتر اور ترقي یافته معلوم ھو - تاریخ بتاتي ھے که غیر فاني قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابي حاصل کي تھي که اُنھوں نے پہلے قوم کي ضروریات معلوم کرلي تھیں ' پھر اِن ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے - سولن نے کیا ھي خوب کہا ھے " میں نے ایتھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ھے جو عقلاً سب سے افضل ھے - بلکه ایسا قانون بنایا ھے جو اُن کي استعداد اور ضرورت کے موافق ھے "

تمدن کي تاریخ یه حقیقت پوري طرح ثابت کر رھي ھے که ھر قوم کا نظام ' اُس کي ضرورت کا مظہر ھوتا ھے - ھم دیکھتے ھیں که اُن قوموں کے نظام تقریباً یکساں ھوتے ھیں جو ترقي کي مساوي سطح پر پہنچ گئي ھیں - پوري تاریخ میں کوئي ایک مثال بھي ایسي موجود نہیں که کسي قوم کا نظام ' قوت اور تشدد کے ذریعه بدلا جاسکا ھو - بلا شبه یه صورت کبھي فتوحات اور انقلابات کے بعد پیدا ھوجاتي ھے - مگر تبدیلي محض ظاھري اور لفظي ھوتي ھے - حقیقت و واقعه پر اُس کا کوئي اثر نہیں پڑتا - اِس کي بہت سي مثالیں موجود ھیں - جزیرۂ کارسیکا مدت سے فرانس جیسي متمدن حکومت کے ماتحت ھے ' مگر آج تک اِس جزیرہ کي وحشت دور نه کي جا سکي - یہي حال آئر لینڈ کا ھے - صدیوں تک ساتھ رھنے پر بھي وہ انگلستان سے منزلوں دور ھے - حقیقت یہي ھے که قوموں کي طبیعت و فطرت کو اُن کے نظاموں پر پورا اقتدار حاصل ھوتا ھے - نظام کي تبدیلي اُسي وقت ممکن ھے جب قوم کے دماغ میں بھي تبدیلي پیدا ھو جائے -

(اچانک ترقي ناممکن ھے)

مقننوں کي قدرت سے باھر ھے که اپنے دل سے کوئي ضابطهٔ قانون ایجاد کرکے قوم کو اُس پر چلادیں - بڑي بڑي بغاوتوں اور عظیم فاتحوں نے اگر اِس طرح کي جرأت کبھي کي ' تو اُن کي زبردستي زیادہ مدت تک قائم نه رہ سکي اور قدیم حالت پھر لوٹ آئي - اِس کي مثال یه ھے که اگر حیوان کو کسي ایسي بات پر مجبور کیا جائے جو اُس کے مزاج کے خلاف ھے ' تو وہ اُسي وقت تک اُسے کرتا رھیگا ' جب تک دباؤ موجود ھے - لیکن دباؤ ھٹتے ھي فوراً اُسے چھوڑ دے گا - اِس سے ثابت ھوتا ھے که قوموں کے نظام ' اُنکي ضرورت کے ترجمان اور اُن کے شعور کا مظہر ھوتے ھیں - اور یه که اُن کي تبدیلي ' قوم کي ذھنیت کي تبدیلي کے بعد ھي ممکن ھے - قوموں کي ذھنیت ' فوراً تبدیل نہیں ھو سکتي - به تدریج اور آھستگي سے بدلتي ھے -

سیاسي و اجتماعي نظام کے نشو و تکوین کا باعث وھي ھوتا ھے جو خود کائنات کي تکوین کا باعث ھے - یہي وجه ھے که اچانک تبدیلي محال ھے - یه ایک اٹل اجتماعي قانون ھے که نمایاں تبدیلي ' اُن بہت سي مخفي تبدیلیوں کا نتیجه ھوتي ھے جو صدیوں تک جاري رھتي ھیں - ھم تبدیلي کا احساس اُس وقت کرتے ھیں جب وضعي قوانین آکر ھمیں بتانے لگتے ھیں - ھم خیال کرتے ھیں تبدیلي اِنھي قوانین کا نتیجه ھے - حالانکه یه تبدیلي ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجه ھوتي ھے -

حقیقي مقننوں کا فرض صرف یه ھے که قوم کي راسخ عادتوں اور خصلتوں کي تائید کریں ' مگر صرف اُنھي کي جو مفید ھوں - مضر کي مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کي کوشش کرتے رھیں -

بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکي تاریخ سے کہیں زیادہ اُس کے ضابطهٔ قانون کا مطالعه ضروري ھوتا ھے - کیونکه ضابطهٔ قانون ھمیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ھے که قوم کي اجتماعي حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں ' اور اُن میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں ھوئي ھیں ؟

افراد ' اقوام ' نظامات ' عقائد ' کا ارتقاء ھمیشه تدریجي ھي ھوتا ھے - جب تاریخ ھمیں کسي قوم کي بابت بتلائے که وہ ترقي یافته تمدن کي مالک تھي ' تو ھمیں فوراً سمجھ لینا چاھیے که اُس کا یه تمدن ' ایک طویل ماضي کا نتیجه ھے - اگرچه یه ماضي ھمارے لیے کتنا ھي مجہول کیوں نه ھو - کیونکه یه بالکل ظاھر ھے که زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں ھوجاسکتا - خود اُن کا وجود ھي اِس بات کي قطعي دلیل ھے که وہ ایک قدیم ماضي رکھتے ھیں - موجودہ مغربي تہذیب کي مثال اِس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافي ھے - یورپ اپني موجودہ تمدني سطح تک بے شمار انقلابات سے گزرکر ھي

علم الاجتماع

(۱)

" علم الاجتماع " سے مقصود وہ علم ہے جس کا موضوع بحث انسان کي اجتماعي زندگي ہے - انسان کي اجتماعي زندگي کي پیدائش ' اُس کي نشو و نما ' اُس کے طبعي احوال و تاثرات ' اُس کي مزاجي کیفیات ' اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اس طرح استقصا کرنا ؛ کہ اس بارے میں اصول و کلیات مرتب ہو جائیں ؛ علم الاجتماع کا دائرۂ نظر و بحث ہے - تاریخ علوم میں سب سے پہلے جس شخص نے اس علم کے مباحث بطور ایک مدون علم کے ترتیب دیے ' وہ علامۂ ابن خلدون ہیں - اُن کا مقدمۂ تاریخ اس علم کي عدیم النظیر کتاب ہے -

علامۂ ابن خلدون کے بعد صدیوں تک اِس علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوا - گذشتہ صدي میں جب موسیو کاترمیر نے مقدمہ کا فرانسیسي ترجمہ شائع کیا تو علماء مغرب کو اِس طرف توجہ ہوئي - رفتہ رفتہ یہ مبحث وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دقیق موضوع نظر بن گیا - بلاشبہ فرانسیسي ترجمۂ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفۂ تاریخ کي طرف متوجہ ہو چکے تھے ' اور تاریخ کي نئي فلسفیانہ ترتیب کي بنیادیں پڑ چکي تھیں - نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھي مونٹسکیو اور بنتھیم جیسے مفکرین کي کتابیں شائع ہو چکي تھیں - لیکن اِن مباحث کو " علم الاجتماع " کا کامل مواد نہیں کہا جا سکتا - یہ واقعہ ہے کہ ترجمۂ ابن خلدون کي اشاعت سے پہلے یہ علم بہ حیثیت ایک مستقل علم کے ' یورپ میں زیر بحث نہ تھا - جس قدر کتابیں بھي اس علم پر لکھي گئي ہیں ' سب کي سب گذشتہ صدي کے اواخر میں مرتب ہوئي ہیں ' اور یقیناً اُن کا اولین سر چشمہ مقدمۂ ابن خلدون ہي ہے - موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر لیبان کي مصنفات سب سے زیادہ رقیع سمجھي گئي ہیں - اُس نے نہ صرف اس موضوع پر ھي کتابیں لکھیں ' بلکہ وہ کام بھي انجام دیا جسکا ارادہ ابن خلدون نے کیا تھا مگر پورا نہ کرسکا - یعني متعدد اقوام کي تاریخیں بھي اسي علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں -

ذیل میں ہم ایک مختصر مگر رقیع رسالہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو ترکي میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنہ ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثماني کے بعد لکھا تھا ' اور بلاد اسلامیہ کے اھل علم میں نہایت مقبول ہوا تھا - ڈاکٹر موصوف قسطنطنیہ کے مدرسہ حقوق (قانون) میں استاذ تھے ' اور اُن گنتي کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے ' جنھیں ترکي کے نئے عہد تعلیم و ترقي کا ماحصل سمجھنا چاھئے - سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دستوري انقلاب ہوا ' تو انھوں نے مرحوم جاوید بے اور احمد رضا بے کے ساتھ شریک ہوکر ایک نہایت رقیع ماہوار رسالہ " مجلۂ علوم اقتصادیہ و اجتماعیہ " جاري کیا تھا - ترکي کے تمام مشاہیر اھل قلم کي رائے ہے کہ اس سے بہتر علمي رسالہ ترکي زبان میں شائع نہیں ہوا - یہ رسالہ اسي مجلہ میں بہ دفعات شائع ہوا تھا - پھر مطابع ثروت فنون نے کتاب کي شکل میں مرتب کرکے چھاپ دیا -

عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون - المتوفي ۸۰۸ ھ
جس نے سب سے پہلے علم الاجتماع مدون کیا

اِس موضوع میں یہ مقالہ مختصر ہے ' مگر روح نظر و فکر کے ساتھ لکھا گیا ہے - ہم اِس کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ اُردو میں ایک ترک مفکر کي بہترین کتاب منتقل ہوجائے - البتہ یہ ظاہر کر دینا ضروري ہے کہ مصنف نے مقالہ کي تمہید میں فطرۃ انساني کے خیر و شر پر جو اظہار رائے کیا ہے ' اور اسے روسو کا مذہب قرار دیکر اسکي یک قلم تغلیط کر دي ہے ' ہم اسے مصنف کي لغزش نظر سمجھتے ہیں اور اس سے متفق نہیں ہیں - مقالہ کا ترجمہ مکمل ہوجائے تو بطور استدراک و تعلیق اس مسئلہ پر مختصراً اپني رائے ظاہر کر دینگے - اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات بھي مزید نظر و کاوش کے مستحق ہیں ' اور انکي طرف بھي خاتمہ میں اشارہ کر دیا جائیگا -

اِس مقالہ کے ساتھ ہم علامۂ ابن خلدون کي تصویر بھي شائع کر دیتے ہیں - یہ ایک قدیم قلمي مرقع کا عکس ہے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانہ میں محفوظ تھا ' اور اب وہاں کے مجمع علمي (عربي اکاڈیمي) نے اپنے عجائب خانہ کے آثار عتیقہ میں داخل

Sketches of the Sects of Palestine & Syria.

By Harry Charles Luke.

(شام و فلسطین کے فرقے ' مصنفه هرے چارلس لیوک)

اخبار ٹائمس لنڈن نے اپنے هفته وار ادبي ضمیمه میں مندرجه بالا کتاب پر ان الفاظ مین تنقید کي هے :

" اگرچه فلسطین کي آبادي ساتھه لاکهه سے زیادہ هے ' اور ۴۰ - مختلف زبانیں بولنے والے ' ۶۵ - فرقوں کے اشخاص موجود هیں' پھر بھي مسٹر لیوک مصنف کتاب کو ایک اسماعیلي بھي وهاں نظر نہیں آیا ' اور اسکے لیے انہیں شام جانا پڑا - یه وهي فرقه هے جو جنگ صلیبي کے زمانه میں بہت مشہور هوگیا تھا - مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نہایت دلچسپ طریقه سے بیان کئے هیں - شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف هونگے که یه وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کي کس طرح اطاعت کرتے تھے ' اور کس طرح اوسکے کہنے پر هر قسم کے کام انجام دینے کیلیے آماده هوجاتے تھے - حتی که دوسروں کا قتل یا خود کشي بھي ان کے لیے کوئي اهمیت نہیں رکھتي تھي -

اِس اسماعیلی فرقه نے اگرچه اپني تمام رسمیں ترک کر دي هیں - پھر بھي ایک حسین نوجوان خاتون کو سیاه لباس میں ملبوس کرنے اور سر پر پھولوں کے تاج رکھنے کي رسم اب تک رائج هے - مسٹر لیوک نے اپني کتاب میں اِس فرقه کے نہایت دلچسپ حالات لکھے هیں - باخبر مصنف همکو ایک اور فرقه کا بھي پته دیتا هے جو سمرتین کہلاتے هیں - اُن کا خانداني مذهبي پیشوا نابلس میں رهتا هے اور سالانه کوہ گرزم پر اپني قدیم ترین قرباني ادا کرتا هے جو کتاب الخروج میں درج هے - اِس کتاب میں اُن معصوم حبشیوں کا بھي تذکره هے ' جنکا کام قیمتي چھتریاں لیجانا اور دوسروں کي چھتوں پر ناچنا یا عبادت کرنا هے - اِسکے علاوہ یہاں کے مختلف فرقوں میں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات هیں ' اور جنکي وجه سے اکثر خانه جنگیاں رونما هوتي رهتي هیں ' نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے هیں "

" اگرچه فرقوں کے اعتبار سے مسیحي فرقوں کي تعداد اِسلامي فرقوں سے جن میں مسلم ملحد بھي شریک هیں ' کہیں زیاده هے ' لیکن آبادي کے لحاظ سے مسلمان ایک کے مقابله میں تین هیں - اسي طرح تعداد میں وہ یہودیوں سے بھي زیادہ هیں - مصنف نے اِن قوموں کے حالات کے ساتھه ترکوں کے اوس برتاؤ کي بھي مثالیں دي هیں ' جو وہ اپنے عیسائي اور یہودي رعایا کے ساتھه کرتے تھے - چنانچه اُس نے اُن احکام کي نقلیں درج کي هیں جنکے ذریعه ارمنیوں ' پادریوں ' اور یہودي ربیوں کو اپنے مردے دفن کرنے کي اجازت ملتي تھي - حکمناموں کي نقلوں کے بعد مصنف نے موجودہ طریقۂ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنه کرکے اول الذکر کو ترجیح دي هے -

هم اس پر اتنا اضافه کرنا چاهتے هیں که مصنف کتاب اور ٹائمس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقه کو " اسماعیلي " کے لقب سے پکارا هے ' وہ اگرچه اسماعیلیه هي کي ایک شاخ هے ' لیکن ایک مدت سے " دروز " کے نام سے موسوم کي جاتي هے اور اس کے عقائد اصل اسماعیلي فرقه سے بہت کچھه مختلف هیں -

بیگم فهمي کا عجیب مطالبه

(قاتله کا مقتول شوهر کي جائداد پر دعوی !)

قارئین الہلال کو یاد هوگا که اب سے تقریباً دو سال پہلے لندن کے ایک هوٹل میں بیگم فهمي نے (جو ایک فرانسیسي عورت هے) اپنے شوهر فهمي بے مصري کو گولي کا نشانه بنایا تھا - لندن میں اوس پر مقدمه چلایا گیا ' لیکن وہ چھوٹ گئي ' اور اب وهي قاتله اپنے مقتول شوهر کي جائداد پر حق زوجیت کا دعوی کرنے والي هے !

اور اُس کي هلاکت پر تلي هوئي تھي - یهي سبب هے که همارے اجداد کو پہلي فکر یهي هوئي که حیوان و انسان کي دست درازیوں سے مدافعت کیونکر کریں - چنانچه وہ اِس کا سامان مهیا کرنے میں مشغول هوگئے -

هر اشتراک عمل کا نظام اُن ضرورتوں کے مطابق هوتا هے جو اُسکے وجود کا باعث هوتي هیں - انساني اجتماع کي ابتدائي ضرورت دو قسم کي تھی :

(۱) داخلي خطروں کا سد باب .

(۲) خارجي حملوں سے مدافعت .

اِسي ضرورت نے انساني جماعت کو حکومت کي تکوین پر مجبور کیا - شروع شروع میں مقصود یه تھا که حکومت ' جماعت کے افراد کي قوت اِسي طور پر منظم کرے اور اُسے اِس طرح استعمال میں لائے ' که جماعت ' داخلي و خارجي خطروں سے محفوظ رہ سکے - لیکن اس کے معني یه نہیں هیں ' جیسا که روسو کہتا هے ' که جماعت کے افراد کسي مقام پر جمع هوے اور بحث و مباحثه کے بعد باهم عهد و پیمان کر لیا ' بلکه صورت یه هوئي هوگي که جماعت کے سب سے زیاده عقلمند اور طاقتور فرد نے اِس ضرورت کا احساس کیا هوگا اور اپني زبردست قوت سے تمام افراد کو مغلوب کرکے حاکم بن بیٹھا هوگا - پھر وقتي ضروریات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتي قوانین بنانے میں اُس کي رهنمائي کي هوگي -

انانیت اور حب ذات انسان کي فطرت میں داخل هے - دو آدمیوں کي مصلحتوں میں ادنی تصادم بھي عداوت و فساد کا موجب بن جاتا هے - مدتوں انسان نے اِنهي حالات میں انفرادي زندگي بسر کي - لیکن بالآخر طویل تجربوں نے اُسے بتا دیا که قتل ' خونریزي ' نهب و سلب ' جماعت اور افراد ! دونوں کے لئے مضر هیں - انسان مجبور هوا که اپنے سابق طرز زندگي میں تبدیلي پیدا کرے اور ایک نئي مگر زیاده پر امن اور آرام ده زندگي اختیار کرے -

یهي تجربه یا ضرورت ' حکومت اور تمام قوانین اجتماع کي اصلي اور ابتدائي بنیاد هے -

پہنچا ہے - یہ سراسر جنون ہے کہ کوئي قوم ترقي کے بلند درجہ تک اچانک پہنچ جانے کا خیال کرے -

(سلطنت کي تکوین اور روسو کا نظریہ)

جوزیف دومستر اور بونلڈ نے سلطنت (اسٹیٹ) کي تکوین کا جو نظریہ قائم کیا تھا ' وہ اب اِس حد تک شکست ہوچکا ہے کہ اس کے بطلان کے لیے کسي بحث کي ضرورت باقي نہیں رہي - اِسي طرح " اصحاب جمہوریۃ " (جن کا سر گروہ روسو ہے) کے نظریے بھي غلط ثابت ہوچکے ہیں -

مذہب جمہوریۃ ' سولھویں صدي کے اواخر میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا تھا - ہنري سوم کے قتل کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ نے اِس مذہب سے ہٹنا شروع کیا - سترھویں صدي میں ہوبس اور گوربیو نے ظاہر ہوکر اِس مذہب کي از سر نو حمایت شروع کي - لیکن وہ اِس نتیجہ کي کوئي توجیہ نہ کرسکے کہ اِس مذہب کے تسلیم کرلینے کے بعد یا تو فرد کا استبداد لازم آجاتا ہے ' یا جماعت کا -

آخر میں روسو نے آکر یہ تمام نظریے اپني کتاب " عقد اجتماعي " میں جمع کردیے - روسو کي رائے ہے کہ انساني افراد اپني طبیعي خود مختاري سے اس بنا پر دست بردار ہوے ہیں کہ اُنھیں اِس کے معاوضہ میں امن و اطمینان ملے - چنانچہ اُنھوں نے باہم معاہدہ کرلیا کہ انفرادي زندگي کے بجاے جماعتي زندگي بسر کرینگے - اِس معاہدے نے اُن میں اجتماعي اخلاق کي ایک خاص طبیعت پیدا کردي -

روسو کا خیال ہے کہ فرد فطرتاً نیک ہوتا ہے - رذالت و شر' جماعت سے پیدا ہوتا ہے - افراد فطري طور پر عدل و انصاف کے دلدادہ ' خیر اور نیکي کے پرستار' اور نظام کي اطاعت کي طرف راغب ہوتے ہیں - وہ ہمیشہ نیک اور خوش نصیب ہوتے ' اگر جماعت کي برائیاں اُنھیں لگ نہ جاتیں -

حریت ' مساوات ' اور قوم کا اقتدار ؛ یہ " عقد اجتماعي " کي بنیادي دفعات ہیں - روسو نے اِن کا ذکر اپنے بیان " حقوق انساني " میں بھي کیا ہے -

روسو کے زمانہ میں یہ نظریہ بہت مقبول تھا کہ انسان فطرتاً نیک اور عاقل ہے - اُس کا ہر عمل حتی کہ ہر حرکت کسي نہ کسي معقول سبب پر مبني ہوتي ہے - اُس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفہ یہي خیال رکھتے تھے - حتی کہ ارکان سلطنت کا بھي اِسي پر ایمان تھا - چنانچہ تورگو نے تربیت پر ایک رسالہ لکھکر بادشاہ کو دیا اور دعوي کیا کہ " اِس پر عمل کرکے فرانس کي حالت ایسي ہوجائیگي کہ ابھي یقین نہیں کي جا سکتي " نیز کہا کرتا تھا " انساني اخلاق کي فضیلت پر ایمان رکھنا فرض ہے "

جرمني میں بھي کانت اور ریختي نے اِس مذہب کا علم بلند کیا تھا - لیکن اُن کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اٹھ کھڑے ہوئے - ہیگل ' اسٹراوس ' اسٹوارٹ مل ' اسپنسر ' آوگست کونت ' تین ' رینان وغیرہم نے اپني اپني جگہ اُس کي دھجیاں اڑادیں -

خود اشتراکیوں نے بھي یہ مذہب قبول نہیں کیا اور اِسے منطقي مغالطہ قرار دیا - زومر مالن کہتا ہے " عقد اجتماعي کا نظریہ ' محض ایک وہم ہے "

اقتدار قومي کا نظریہ بھي اب تک محض ایک دعوي ہي دعوي ہے - عمل میں آج تک اُس کا کبھي ظہور نہیں ہوا - تاریخ نے بھي اُس کي کوئي مثال پیش نہیں کي - بنابریں اُسے بھي ایک خیالي و وہمي نظریہ ہي کہہ سکتے ہیں -

(فطرۃ انساني)

پھر یہ بھي واقعہ ہے کہ عقل و حکمت انسان کي فطري صفت نہیں ہے ' بلکہ سخت جد و جہد کے بعد کسب کي جاتي ہے - یہ صفت' اگر اِسے صفت کہنا صحیح ہو ' اب تک غیر دائمي حالت توازن میں ہے - علم وظائف الاعضاء (فیزیولوجي) اور علم النفس (سائیکو لوجي) بتاتے ہے کہ " انسان فطري طور پر اُتنا ہي مریض ہے ' جتنا مجنون ہے - ہمارے اعضاء کي سلامتي اور عقل کي درستگي ' سرا سر اتفاقات کا نتیجہ ہے - دماغ کا عمل بھي ہمیشہ مضطرب ہوتا ہے - منطقي قیاسات اور اعلی خیالات ' صرف ایک محدود روشن خیال جماعت سے مخصوص ہوتے ہیں - انسان کے ارادے پر اصلي حکمرانی ' اُس کے عقل و دماغ کو نہیں بلکہ جسماني ترکیب ' مادي ضرورت ' حیواني طبیعت ' قوت خیال ' حرص و طمع ' اور شخصي اغراض وغیرہ خصلتوں کو حاصل ہے "

ہمارا یہ خیال کہ انسان فطرتاً نیکي ' خیر' حلم ' اور اجتماعي مصلحت کو ؛ بدي ' شر' غصہ ' اور شخصي مصلحت پر ترجیح دینے کي طبیعت رکھتا ہے ' درحقیقت اپنے آپ کو سخت دھوکا دینا ہے - کیونکہ وحشت وظلم کي جو صفات ہم نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پائي ہیں ' اب تک ہمارے ذہن و دماغ میں پوري طرح راسخ ہیں - انساني دماغ کي ساخت ہي کچھ اِس وضع کي ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے خیالات واوہام کابندہ رہے - شدید ہیجان ' شک و شبہ ' جذبات ' سادہ لوحي ' خود غرضي ' یہ انسان کي امتیازي خصوصیات و صفات ہوگئي ہیں -

یہ حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد ' ہم بآساني فیصلہ کردے سکتے ہیں کہ انساني فطرۃ کے متعلق روسو کا نظریہ سرا سر وہم و خیال ہے - اور اُس کے ہم مشربوں کو حقیقت سے کوئي تعلق نہیں -

(سلطنت کي تکوین میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کي تکوین میں اقلیم کے اثرات کو بہت دخل ہوتا ہے - سیاسي و اجتماعي نظامات ' اقلیم کي تبدیلي سے بدل جایا کرتے ہیں - اِس کي مثال یہ ہے کہ جو قومیں میدانوں اور سبزہ زاروں میں بود و باش رکھتي ہیں ' اُن کي اقلیم کا اقتضاء ہي یہ ہوتا ہے کہ بدوي زندگي بسر کریں - ان کي مرکزي حکومت میں ابوي اقتدار کا رنگ غالب ہوتا ہے اور استبداد کمزور ہوتا ہے - یہ قومیں ہمیشہ فتوحات و حکمراني کي دلدادہ ہوتي ہیں - برخلاف اِن کے وہ قومیں جو جنگلوں میں شکار پر زندگي بسر کرتي ہیں ' اپني مرکزي حکومت میں استبداد غالب رکھتي ہیں اور ابوي شفقت کمزور ہوجاتي ہے - اِن میں جہالت نمایاں ہوتي ہے - وسعت نظر مفقود ہوتي ہے ' اولوالعزمي اور بلند ہمتي ناپید نظر آتي ہے ' فتح و استیلاء کا جذبہ مردہ ہوجاتا ہے ' ہمیشہ تنگ دائرے ہي میں زندگي بسر کرتي رہتي ہیں -

(جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظہور کي تاریخ ہمیں بتاتي ہے کہ انسانوں کا اجتماع اور باہمي اشتراک عمل ' صرف ضرورت ہي کي وجہ سے پیدا ہوا تھا - وہ ابتدائي ضرورت ' دشمنوں کے حملوں سے مدافعت تھي - اُن مجہول زمانوں میں ہر چیز انسان کے لیے خطرناک تھي '

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی آخری قسط)

نجد کی غذا

نجد خصوصاً صحرا کی اصلی غذا چاول ہے۔ روٹی بہت کم کھاتے ہیں۔ لیکن چاول چمچ سے نہیں کھاتے۔ بلکہ اُس کا استعمال بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کے چمچے اُن کے ہاتھ اور انگلیاں ہیں۔ بے تکلف برتن میں ڈال دیتے ہیں اور لقمے نگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ تمام کھانوں میں ہلدی ضرور ملاتے ہیں اور بہت زیادہ مقدار میں۔ ہلدی کا نام اُن کی اصطلاح میں "بزارہ" ہے۔

دودھ اُن کے یہاں بہت افراط سے ہے، مگر اُس کا پنیر بنانا نہیں جانتے لیکن نمک ڈالکر کھویا بناتے ہیں اور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں کچی پیاز قطعاً نہیں کھاتے۔ اُس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اِس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اُن کے تمام کھانے حد درجہ سادہ ہیں۔ اچھے کھانوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے کیونکہ سلف صالح اچھی غذائیں پسند نہیں کرتے تھے۔

تندرستی

پورے نجد میں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی صرف سلطان کا شاہی طبیب۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود تنہا ہونے کے ڈاکٹر کے لئے مشغولیت بہت ہی کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ عام طور پر بیمار ہی نہیں ہوتے۔ سادہ معیشت نے بیماریوں کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تعداد اموات بہت محدود ہے۔ ۴۰، ۵۰ برس کی عمر میں شاذ و نادر ہی کوئی مرتا ہے۔ نجدی عام طور پر میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں، بیمار ہو کر بستر پر مرنا نہیں جانتے۔

ریاض میں میری موجودگی کے دوران میں ایک بدو، شاہی طبیب کے پاس آیا اور اپنی بیوی کے لئے دوا مانگی۔ عورت، ریاض سے بہت دور، وسط صحرا میں بیمار پڑی تھی۔ طبیب نے مریض کے دیکھے بغیر دوا تجویز کرنے سے انکار کر دیا۔ بدو پہلے تو خفا ہوا۔ پھر طبیب کی "جہالت" پر ہنسا اور کہنے لگا۔ اپنی دوا اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میری واپسی تک وہ اچھی ہو جائے گی!"

اسی طرح ایک اور بدو آیا۔ اُس کے شانے میں بندوق کی گولی لگی تھی اور جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی۔ اِس کی وجہ سے اُس کا داہنا ہاتھ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ شاہی طبیب نے کہا گولی نکالنے سے پہلے جسم کے اِس حصے کو دواؤں سے سُن کر ڈالنا، پھر اُس پر عمل جراحی کرنا ضروری ہے۔ اِس پر بدو ہنسنے لگا۔ "واللہ" اُس نے کہا "میں حیّت کی ہوا (یعنی بندوق کی گولی) ہی سے مروں گا۔ طبیب کے نشتر پر اپنی جان نہیں دوں گا!"

حیرت انگیز حواس

یقیناً ناظرین یہ سُنکر تعجب کریں گے کہ نجدی بدو یہی نہیں کہ ستاروں کی رہنمائی میں صحرا کی عظیم مسافتیں طے کرتے ہیں، بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ آدھے دن کی مسافت پر سے آدمیوں کے باتوں کی آواز بھی سُن لیتے ہیں۔ درحقیقت اُن کی قوت سامعہ اور قوت باصرہ بہت ہی قوی ہے۔ صحرا کی پاک صاف زندگی نے اُن کے قویٰ کمزور ہونے نہیں دیئے ہیں۔ نہایت ہی ذکی الحس ہیں۔ بہت دُور کی آواز سُنتے اور بہت دُور کی چیز دیکھ لیتے ہیں۔

تاریخ و سنین کا حساب

تاریخ کا حساب سرکاری کاغذات اور تجارت میں سنہ ہجری سے ہوتا ہے۔ لیکن عام لوگ خصوصاً صحرا کے باشندے، قدیم عربوں کی طرح مشہور تاریخی واقعات سے حساب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں فلاں واقعہ سنہ احسار کے دو برس بعد یا سنہ حجاز کے ایک برس بعد ہوا۔ سنہ احسار یا سنہ حجاز سے مقصود، اِن دونوں ملکوں کی فتح کا سال ہے اسی طرح دوسرے اہم واقعات سے تاریخ کا شمار شروع کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حساب ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، صحیح طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کبھی غلط فہمی واقع نہیں ہوتی۔ ہر شخص اہم واقعات اور اُنکے زمانوں سے واقف ہوتا ہے۔

زبان

نجد کی بولی، مصر اور شام کی بولیوں سے بہت کچھ مختلف ہے۔ اُن کا عربی لہجہ دوسرے ملکوں سے نمایاں اختلاف رکھتا ہے۔ یہ لوگ کاف کو ہمیشہ تائے مشدد سے بدل دیتے ہیں۔ "س، م، ہ" یہ وہ حروف ہیں کہ بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں اور بہت سے جملوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بسم اللہ کہنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں "سم"۔ کسی جگہ پر اطاعت کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں "سم"۔ اگر کسی کو پکارو تو فوراً جواب دے گا "سم" یعنی میں نے سُن لیا۔

داڑھی

داڑھی کو نجد میں جو عزت حاصل ہے وہ کسی چیز کو بھی نہیں ہے۔ داڑھی منڈانے والے کو قریب قریب کافر سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مصری داڑھی کو یہودیت کی علامت سمجھتے ہیں اور نجدی اسلام کی، دو اسلامی قوموں کا یہ اختلاف ذوق یقیناً حیرت انگیز ہے۔

قبائل بنی صخر

نجد کے تمام قبائل، سعودی حکومت سے پہلے نہایت وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات سے بالکل ہٹ گئے تھے اور دین تک سے جاہل ہو گئے تھے۔ کلمۂ شہادت کے سوا دین کی کوئی بات بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن سعودی فرمانرواؤں نے اُنھیں دین کی تعلیم دی اور شریعت حقہ کے اتباع پر مجبور کر دیا۔ آج نجد ہی دنیا میں ایسا ملک ہے جہاں اسلامی احکام پر سب سے زیادہ عمل ہوتا ہے۔

لیکن اِس کلیہ سے قبائل بنی صخر مستثنیٰ ہیں۔ یہ قبائل، شرق اردن سے ملحق نجدی سرحدوں میں آباد ہیں۔ یہ چونکہ حال ہی میں نجدی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، اِس لئے ان کی تعلیم و تربیت ابھی تک کچھ بھی نہیں ہو سکی ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ بالکل وحشی ہیں اور شاذ و نادر ہی اُن کا کوئی فرد، صحیح طور پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اُن کی عادتیں رسم و رواج اور طریق بود و باش بالکل وحشیانہ ہے۔ میں نے اِن کی ایک شادی بھی دیکھی۔ نکاح کا طریقہ اِن کے یہاں یہ ہے کہ ایک لمبی موٹی لکڑی لاکر مجلس میں رکھی جاتی ہے۔ اُس کا ایک سرا شوہر پکڑتا ہے اور دوسرا سرا لڑکی کے باپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لڑکی کا باپ چلا کر کہتا ہے "وحیاۃ العود، والرب المعبود جوزت(؟) ابنتی" (قسم اِس لکڑی کی زندگی اور رب معبود کی کہ میں نے اپنی لڑکی بیاہ دی) اِس کے جواب میں شوہر کہتا ہے "تجوزت (؟) ابنتک" (میں نے تیری لڑکی سے شادی کر لی) بس نکاح ہو گیا!

سلطان ابن سعود سے آخری گفتگو

ریاض سے روانگی سے پہلے میں نے چاہا کہ سلطان عبدالعزیز بن سعود سے بعض اہم معاملات پر گفتگو کروں۔ سلطان نے انتہائی مہربانی سے میری درخواست منظور کر لی۔ بے تکلف ہو بیٹھے اور حسب ذیل بیان دیا:

"شاید صحرا کے باشندوں کی خشک طبیعت، بدوی معیشت، اور دینی تصلب سے آپ کو کچھ تکلیف ہوئی ہوگی لیکن اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے۔ صحرا کی زندگی نے اُنھیں ایسا ہی بنا دیا ہے وہ اپنی فطرت پر قائم ہیں۔ اور جان بوجھ کر کوئی شرارت نہیں کرتے۔ برخلاف اُن کے آپ نے مجھے اور میرے ارکان سلطنت کو بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم لوگ ہرگز متعصب نہیں ہیں۔ مسلمان تو ہمارے بھائی ہیں ہم غیر مسلموں سے بھی رواداری کا سلوک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سفرائے دول سے طویل سیاسی گفت و شنید کرتے ہیں۔ بسا اوقات اُن کی بعض باتیں ہمارے خلاف مزاج ہوتی ہیں۔ مگر ہم کبھی غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ نہایت ملائمت اور معاملہ فہمی سے گفتگو جاری رکھتے ہیں۔

"میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس ذات برتر نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی قوم کو، جیسی یہ نجدی قوم ہے، اپنے بادشاہ کا حد سے زیادہ وفادار، جانثار اور محب بنا دیا ہے۔ یہ قوم مصیبت کے وقت اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔ خطرے میں اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ اُس پر قربان ہوتی ہے۔ حکم پر قناعت کرتی ہے۔ شریفیوں سے جنگ کے دوران میں ہماری قوم نے اپنے بادشاہ

اس سلسلہ میں اخبار پیپل لندن کے نامہ نگار نے ارس سے ملاقات کي تھي - اس ملاقات کے حالات یہ ھیں - نامہ نگار لکھتا ھے :

" یہ کوئي تعجب کی بات نہ تھي کہ وہ مجھے نہ پہچان سکي - اور واقعۃ تو یہ ھے کہ میں خود بھي مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلیے تیار تھا کہ حسین لباس میں یہ ملبوس حسینہ وھي پریشان سفید روح ھے ' جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا - آج ارس کے رنگین ' روشن ' ترو تازہ چہرہ ' اور باوقار حرکات میں کہیں بھی ان خطروں اور اندیشوں کا پتہ نہ تھا جنھوں نے اسے اپنے شہزادہ شوھر کے قتل پر مجبور کردیا تھا "

" تمام دنیا کي طرح میں نے بھي سنا تھا کہ مرحوم فہمي بے کي جائداد جو دو سے پانچ ملین فرانک کے درمیان ھے ' اوسکي دو بہنوں اور چچا کو مل گئي ھے - اسکا یہ فیصلہ کہ اب وہ خود قاھرہ جاکر یہ دعوی از سر نو پیش کریگي ' میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھي "

" میں نے دریافت کیا " آخر کس چیز نے اپ کو اس بات پر آمادہ کیا ھے ؟"

" اوس نے جواب دیا " وہ کہتے ھیں ' جب تک میں بذات خود دعوی پیش نہ کروں ' سماعت نہیں ھو سکتي - اسلیے میرے پاس قاھرہ جانے کے سوا اور چارہ کار کیا ھے ؟ "

" لیکن مجھے یاد تھا کہ اس سے پہلے تین مرتبہ بیگم فہمي نے قاھرہ جانے سے انکار کردیا تھا ' اور اُسکے رجوع میں ایک وجہ یہ بھي بتلائي گئي تھي کہ وہ خائف ھے - میں نے اس کي طرف اشارہ کیا تو وہ ھنسي اور پھر مسکراتے ھوے جواب دیا " میں اور خوف ! میں مصر میں کسي سے نہیں ڈرتي - مصري میرے دوست ھیں - شریف ھیں " اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا ھٹا کر بتایا کہ اُس کا ھاتھہ زخمي تھا ' اس لیے وہ قاھرہ جانے کے قابل نہ تھي - اُس نے یقین دلایا کہ اب وہ پہلے اسپین جائیگي ' وھاں سے سیدھا مصر پہنچیگي - یہ کہتے ھوے اُس نے ایک خاص انداز سے اپنا ھاتھہ اٹھایا ' اور اُس کي آنکھوں میں ایک عجیب روشني پیدا ھوگئي - قاھرہ کا مصري انصاف اُس کے لیے کوئي خوفناک چیز نہیں ھے - جو قاضي ان آنکھوں سے متاثر ھوے بغیر رھیگا ' اُس کے متعلق سمجھہ لینا چاھئے کہ اُس کے سینہ میں دل کي جگہ یقیناً پتھر کا ٹکڑا ھوگا - اس رعنائي کے باوجود بیگم فہمي تین شادیاں کرچکي ھے ' اور اُس کي ایک ھفدہ سالہ لڑکي بھي موجود ھے ! "

" بیگم فہمي کو اس بات کا یقین ھے کہ وہ قاھرہ میں اپنا مقدمہ جیت لے گي - اُس نے مجھے بتایا کہ حال ھي میں اُس نے ایک مقدمہ جیتا ھے - وہ مقدمہ ایک ڈریس کیس (صندوق آرائش) کے متعلق تھا جس کي قیمت ۴ ھزار پونڈ ھے - یہ بکس اُن دو بکسوں میں سے تھا جو شادي سے کچھہ دن قبل شہزادہ فہمي بے کے لیے بنائے گئے تھے - ایک سیاہ کچھوے کي کھال کا اُس کے لیے ' دوسرا زرد رنگ کا اُس کي منسوبہ کے لیے - حادثہ قتل کے بعد فہمي بے کي بہن نے اس بکس کے لیے مقدمہ دائر کیا - بیگم فہمي اس کے لیے لڑي اور بالآخر کامیاب ھوگئي - اُس نے کہا " یہ مقدمہ اِس لیے نہ تھا کہ وہ بکس بہت قیمتي تھا ' بلکہ یہ اصول کا سوال تھا - اُس نے یہ بکس مجھے دیا تھا - اور میرے لیے ضروري تھا کہ میں اُسے حاصل کروں " آپ کو یہ سن کر متعجب نہ ھونا چاھیئے کہ بیگم فہمي نے اپني چوتھي شادي کا خیال ترک نہیں کیا ھے ' اگرچہ اس میں عجلت نہیں ھے "

ڈاک کي تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کي بین الاقوامي مجلس کا ایک اجلاس حال میں بہ مقام ھالینڈ منعقد ھوا تھا - اس سلسلہ میں ڈاک کے موجودہ طریقہ کي تاریخ بھي بیان کي گئي جس کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

" قدیم زمانہ میں خطوط کي آمد و رفت کے مختلف طریقے تھے - ڈاک کا محکمہ زیادہ تر بادشاھوں کي خدمت کیلیے تھا - بادشاہ اپنے خطوط ' فرمان ' اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دوستوں کو بھیجا کرتے تھے - محکمۂ ڈاک یہ تھا کہ کچھہ لوگ خطوط لیکر گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ سواریوں پر سفر کیا کرتے تھے -

مصریوں نے اپني ترقي کے زمانہ میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا - مصریوں سے یہ چیز رومانیوں نے لي - شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز ھوا -

ساتویں صدي عیسوي میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا - لیکن چونکہ یہ زمانہ فرانس میں سخت بد امني کا زمانہ تھا ' اس لیے یہ انتظام کامیاب نہ ھوا اور جلد موقوف ھو گیا - چارلس اول نے بعد میں ڈاک کا محکمہ از سر نو قائم کیا تاکہ اسکي وسیع سلطنت میں مواصلات کي آساني ھو - مگر زیادہ عرصہ وہ بھي قایم نہ رہ سکا -

آخر سنہ ۱۴۶۴ع میں لوي چاردھم نے اُسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوري ھوشیاري اور مضبوطي سے قائم کر دیا - سولھویں صدي میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا ' اور ھر شخص کو حق حاصل ھوگیا تھا کہ جب چاھے ' اپنے خطوط ڈاک کے ذریعہ بھیج دے - سنہ ۱۶۲۷ع میں خط نویسي کے قواعد اور شروط مقرر کیے گئے - سنہ ۱۶۲۹ - سے مني آرڈر بھي ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے -

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے سنہ ۱۶۵۳ع میں فرانس میں ایجاد ھوئے - لیکن تھوڑي مدت بعد اُنکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ اُنھیں بھول گئے - سنہ ۱۸۲۳ع میں ڈنمارک کے سرکاري اخبار میں ایک مضمون شائع کرکے حکومت کو توجہ دلائي گئي کہ ڈاک کے ٹکٹ استعمال کیے جائیں - مگر اس پر توجہ نہیں کي گئي - سنہ ۱۸۳۹ع میں انگریزوں نے اسکي ضرورت محسوس کي - اسکے بعد باقي سلطنتوں نے بھي انکي تقلید کي - ذیل کے نقشہ سے معلوم ھوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے ٹکٹ جاري ھوئے ھیں :

انگلستان	—		سنہ ۱۸۳۹
بلجیم	۳	نومبر	سنہ ۱۸۴۷
فرانس	۱	جنوري	سنہ ۱۸۴۸
اسپین	۲	مارچ	سنہ ۱۸۴۸
سوئٹزر لینڈ	۱۴	اپریل	سنہ ۱۸۴۹
پروشیا	۱	جنوري	سنہ ۱۸۵۰
آسٹریا	۱	ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵	ایضاً	ایضاً
اٹلی	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۱
ھالینڈ	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۲
ناروے	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۵
یونان	—	اکتوبر	سنہ ۱۸۶۱
ٹرکي	۳	مئی	سنہ ۱۸۶۶
مصر	۱۵	دسمبر	سنہ ۱۸۶۶

لکھا۔ محمد کا جواب حسبِ ذیل تھا:

"اُس خدا کا ہزار ہزار شکر جسنے تمھیں اور تمھاری دعوت کو عزت بخشی! ابھی تمھارے بہت آدمی قتل ہونا باقی ہیں!"

اسد بن عبداللہ، شیعوں پر بہت سخت تھا۔ اپنی پہلی حکومت میں وہ جس قدر تشدد اُن پر کر سکا، کیا۔ معزول ہونے کے بعد جب دوبارہ والی (گورنر) ہوا تو اور بھی زیادہ ظلم و جور کیا۔ چنانچہ ۱۱۸ھ ہجری میں اُسنے خراسان کے تقریباً تمام داعی گرفتار کر لئے۔ بہتوں کو قتل کیا۔ بہت سے قید کر دیئے۔

شیعی دعوت کے نقباء و ائمہ: سلیمان بن کثیر، مالک بن الہیثم، موسیٰ بن کعب، لاہز بن قریظ، خالد بن ابراہیم، طلحہ بن زریق وغیرہم جب اُسکے سامنے پیش کیئے گئے تو بہت غضبناک ہوکر چلایا:

"اے فساق! کیا خدا نے فرمایا نہیں ہو کہ "گزشتہ کو اللہ نے معاف کیا۔ البتہ جو کوئی بُدی کی طرف دوبارہ لوٹے گا، خدا اُس سے سخت انتقام لے گا"؟

سلیمان بن کثیر نے کہا "میں بولوں یا خاموش رہوں؟"

کہنے لگا "بول"

سلیمان نے کہا "واللہ ہماری مثال بالکل یہ ہو جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہو:

لو بغیر الماء حلقی شرق ۔۔۔ کنت کالغصان بالماء اعتصاری

پھر اُسنے کہا:

"اے امیر! آپ ہمارا قصہ جانتے ہیں؟ واللہ آپ بچھوؤں کو شکار کھلوا رہے ہیں۔ ہم آپ ہی کی قوم (یمن) کے آدمی ہیں۔ مضری ہمارے دشمن ہیں، کیونکہ ہم اُنکے ہم قوم قتیبہ بن مسلم (والی خراسان) کے سخت مخالف تھے۔ محض انتقام کے خیال سے اُنھوں نے ہم پر یہ تہمت لگائی ہو"

حاکم نے اِن کا جواب معقول سمجھا اور انھیں رہا کر دیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ اُسوقت قبائل کی عصبیت کس حد تک پہنچ چکی تھی؟ سنہ ۱۲۰ھ میں اسد بن عبداللہ نے انتقال کیا اور شیعوں نے اطمینان کی سانس لی۔

اس کے بعد عالم اسلامی میں دو ایسے انقلاب پیدا ہوئے جنھوں نے شیعوں کے لئے کامیابی کی راہ باز کر دی اور اُن کے دشمن کی تباہی کا سبب بنے۔ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہو:

(۱) خاندان بنی اُمیہ میں ایسی پھوٹ پڑی کہ کسی طرح دُور نہ کی جا سکی۔ باہمی خانہ جنگی کا دروازہ یزید بن الولید بن عبدالملک بن مروان نے کھولا۔ یزید نے اپنے عم زادے ولید بن یزید بن عبدالملک کے خلاف سر اُٹھایا، اُسے فسق و فجور اور کفر و الحاد سے متہم کیا۔ ایک گروہ نے اُس کا ساتھ دیا اور وہ کامیاب ہوگیا۔

اُس کی کامیابی دیکھ کر دوسرے طامعوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے چنانچہ مروان بن محمد بن مروان مسند خلافت کی طرف بڑھا اور اُس پر متمکن ہونے کی جدوجہد شروع کر دی۔ مروان، جزیرہ اور ارمینیہ کا حاکم تھا۔ ایک بڑی فوج اُس کے ہاتھ میں تھی۔ مقتول ولید کے خون کا اُسنے دعویٰ کیا اور اپنی جنگی قوت سے خلافت پر قابض ہوگیا۔ مگر اُس کی کامیابی نے فتنہ و فساد کا استیصال نہیں کیا۔ بلکہ مزید فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ یہ بات نہ تھی کہ بنی امیہ اس خانہ جنگی کے مہلک نتائج سے بالکل غافل تھے۔ اُن کے عقلاء خوب سمجھتے تھے کہ یہ بربادی کا پیش خیمہ ہو۔ چنانچہ اُن کا ایک شاعر کہتا ہو:

انی اعیذکم باللہ من فتن ۔۔۔ مثل الجبال تسامی ثم تندفع

لا تبعثن بایدیکم بطونکم ۔۔۔ ثم لا حسرة تغنی ولا ندم

مگر جب ایک مرتبہ فتنہ وفساد پھیل جاتا ہو تو آسانی سے دُور نہیں ہوتا۔

(۲) خراسان میں قومی عصبیت کا ظہور اور عرب قبائل کی باہمی منافرت میں ترقی۔ معلوم ہو عرب دو بڑی قسموں پر بٹے ہوئے ہیں: قحطان اور نزار۔ عرب کی قدیم ریاست و سیادت، یمن یا قحطان کے ہاتھ میں تھی لیکن اسلام نے آکر نزار کو بلند کر دیا اور عربی زعامت اُن کے قبضہ میں آگئی۔ ایک مدت تک جاہلی عصبیت مفقود رہی۔ اسلام نے تمام عربوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ لیکن جب فتنہ و فساد کی آندھیاں چلیں تو سیاسی اغراض سے امراء و حکام نے یہ عصبیت از سر نو زندہ کرنا شروع کی، اور وہ خراسان میں پوری قوت سے زندہ ہوگئی۔

چنانچہ پہلے قحطانیوں اور نزاریوں میں پھوٹ پڑی۔ اول الذکر کا سرگروہ جدیع بن شبیب تھا اور آخر الذکر کا نصر بن سیار، والی خراسان۔ پھر خود نزاریوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ربیعہ اور مُضر کی الگ الگ جماعتیں بن گئیں۔ ربیعہ کی اکثریت شیبان بن سلمہ حروری کے ساتھ تھی اور وہ خلافت سے باغی تھا۔

یہ اختلاف صرف، افکار و آراء کا اختلاف نہ تھا۔ اس نے جنگ کی صورت اختیار کی۔ نزاریوں کو شکست ہوئی۔ قحطان غالب آئے۔ قحطانیوں نے نصر بن سیار کو ملک سے نکال دیا اور قبائل مُضر کے گھر گرا دیئے۔ اسی پر ایک مضری عورت کہتی ہو:

لا بارک اللہ فی انثیٰ و غدبها ۔۔۔ تزوجت مضریاً آخر الدہر

اسی زمانہ میں محمد بن علی، امام شیعہ نے انتقال کیا۔ وفات سے پہلے اُنھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراہیم کو قرار دیا اور شیعوں کو اس کی اطلاع دیدی۔ چنانچہ اب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے لئے دعوت شروع ہوئی۔

ابومسلم خراسانی

ابراہیم بن محمد زیادہ خوش نصیب تھا۔ اُس کے برسرِ دعوت آتے ہی ایک اولوالعزم اور بہادر نوجوان اُس کے زیرِ علم آگیا۔ اس کا نام ابومسلم خراسانی تھا۔ اصل میں یہ شخص عیسیٰ بن معقل عجلی کا غلام تھا بکیر بن ماہان، کوفہ کے شیعی داعی اکبر نے اُسے خرید لیا اور شیعی تعلیم و تربیت پر اُس کی نشوونما ہوئی۔ یہ سب سے پہلے ۱۲۵ھ میں محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اب ابراہیم بن محمد سے پوری طرح وابستہ ہوگیا۔

اس کے بشرے ہی سے عزم و حزم اور غیر معمولی ذہانت و شجاعت کے آثار ظاہر تھے۔ خراسان کے شیعوں کو ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ عمل کے لئے زمین تیار ہوچکی تھی۔ بنی امیہ میں خانہ جنگی شروع تھی۔ خراسان میں عربی قبائل باہم کٹے مرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد بڑا ہی دانشمند تھا۔ اُس کی دُور بیں نظریں ابومسلم پر پڑیں۔ فوراً معلوم کر لیا کہ اس عجمی غلام میں کیسی محیر العقول قوتیں پنہاں ہیں۔ چنانچہ اُسے خراسان روانہ کر دیا، اور وہاں کے شیعوں کو حکم بھیجا کہ ابومسلم کی پوری پوری اطاعت کریں۔ کیونکہ میں نے اُسے خراسان کا حاکم مقرر کیا ہو۔

ابراہیم بن محمد نے ابومسلم کو رخصت کرتے ہوئے حسبِ ذیل وصیت کی تھی:

"اے عبدالرحمٰن! تو ہم اہلبیت ہی میں سے ایک آدمی ہو لہذا میری وصیت پر عمل کر۔ دیکھ قبائل یمن کی عزت کرنا۔ اُنھی میں اُترنا اُنھی پر بھروسہ کرنا۔ کیونکہ یہ معاملہ اُنھی کے ہاتھوں انجام پائیگا۔ قبائل ربیعہ سے بہت ہوشیار رہنا۔ یہ دغاباز لوگ ہیں۔ قبائل مُضر: آستین کے سانپ ہیں۔ ادنیٰ سے شبہ پر بھی اُنھیں قتل کر ڈالنا۔ ہرگز کوئی نرمی اُن کے ساتھ نہ کرنا۔ اگر تجھ سے یہ ممکن ہو کہ خراسان میں ایک زبان بھی عربی باقی نہ رہے تو ایک بھی باقی نہ رکھ۔ ۵ بالشت کے بچے پر بھی اگر تجھے شبہ ہوجائے تو فوراً قتل کر ڈالنا۔ سلیمان بن کثیر (خراسان کے داعی اکبر) سے ہمیشہ مشورہ لینا اُس کی نافرمانی نہ کرنا۔ اگر کوئی مشکل آپڑے تو اُسی کی رائے پر عمل کرنا"

ابومسلم ۱۲۸ھ میں خراسان پہونچا۔ یہاں عربوں کی حالت از حد زبوں ہو رہی تھی۔ اُسنے پوری عقل و دانش سے کام شروع کیا۔ ایک سال کے بعد وہ شیعوں کی ایک بڑی جماعت لے کر "امام" (ابراہیم بن محمد) کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں امام کا قاصد ملا "واپس جاؤ اور کام شروع کر دو" نیز امام نے ایک علم بھی بھیجا۔ اس کا نام "رایۃ النصر" (فتح کا جھنڈا) تھا۔

دَورِ عمل

ابومسلم لوٹا اور مرو کے ایک گاؤں "سفیذنج" میں اُترا۔ یہاں اُسنے اپنے داعی ہر طرف پھیلا دیئے کہ شیعوں کو جمع کریں۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ جوق جوق آنا شروع ہوگئے۔ یہ رمضان ۱۲۹ھ کا واقعہ ہو۔

۲۵ رمضان کو اُسنے امام کا بھیجا ہوا "رایۃ النصر" بلند کیا۔ یہ چودہ گز بلند تھا۔ اُسوقت ابومسلم یہ آیت تلاوت کر رہا تھا "اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، وان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر"! اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے سیاہ لباس پہن لیا جو بعد میں عباسیوں کا سرکاری لباس قرار پایا۔

پہلا کام اُسنے یہ کیا کہ گاؤں کے قلعہ کی مرمت کی اور اُسمیں مقیم ہوگیا۔ رمضان کے بعد عید الفطر آئی۔ ابومسلم نے اپنے لشکر میں نماز قائم کی۔ سلیمان بن کثیر کو امام بنایا اور حکم دیا کہ نماز بغیر اذان و اقامت کے خطبہ سے پہلے شروع کرے۔ بنو امیہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔ وہ خطبۂ و اذان سے شروع کرتے تھے اور نماز کے لئے اقامت بھی کہی جاتی تھی۔ نیز یہ حکم دیا کہ نماز میں مسلسل ۶ تکبیریں کہی جائیں، برخلاف بنی امیہ کے جو پہلی رکعت میں ۴ تکبیریں کہتے تھے اور دوسری میں تین تکبیریں۔ نماز کے بعد ابومسلم نے اپنی فوج کو پُرتکلف دعوت کھلائی۔

اس کے بعد ابومسلم نے نصر بن سیار خراسان کے اموی والی کو خط لکھا۔ یہ خط، ابومسلم کی ذہانت، بلاغت، اور اولوالعزمی کا بہترین ثبوت سمجھا جاتا ہو۔ حالانکہ اُس میں ابومسلم نے خود کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ صرف قرآن کی یہ آیت لکھدی تھی۔ مگر اس آیت نے وہ اثر پیدا کیا، جو بڑی سے بڑی تحریر بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی:

ابومسلم کا خط یہ تھا:

"امابعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک قوم کی مذمت میں فرمایا ہو: "واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جاءہم نذیر لیکونن اہدیٰ من احدی الامم، فلما جاءہم نذیر ما زادہم الا نفوراً، استکباراً فی الارض ومکر السیئ ولا یحیق المکر السیئ الا باہلہ، فہل ینظرون الا سنة الاولین؟ فلن تجد لسنة اللہ تبدیلا ولن تجد لسنة اللہ تحویلا"

نصر بن سیار سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ اپنے غلام یزید کی قیادت میں ایک بڑی فوج بھیجدی۔ ابومسلم نے مالک بن الہیثم خزاعی کو مقابلہ پر روانہ کیا۔ مقام "آلین" میں پہلی جنگ برپا ہوئی مگر شیعہ فتح یاب ہوئے۔ دشمن کا سپہ سالار یزید زخمی ہوکر قید ہو گیا۔ ابومسلم نے اُس کا علاج کرایا۔ تندرست ہوجانے پر اُس سے کہا "یا تو ہماری دعوت میں شریک ہوجاؤ۔ یا اپنے آقا کے پاس پلٹ جاؤ، مگر اس قسم کے ساتھ کہ ہم سے آئندہ نہ لڑوگے اور ہماری نسبت دروغ بیانی کروگے۔ بلکہ ہماری حالت ہمیشہ وہی بیان کروگے جو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو"

یزید نے واپسی پسند کی۔ نصر نے اُسے دیکھا تو بہت خفا ہوا۔

کا جس بہت و بسالت اور جانبازی سے بول بالا کیا، وہ میرے قول کا بالکل تازہ ثبوت ہے"

"حجاز سے جنگ کا سبب کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں" سلطان نے فوراً جواب دیا "میں بقسم کہتا ہوں کہ میں حجاز سے ہرگز جنگ کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ لیکن خود شریف حسین نے مجھے جنگ پر مجبور کردیا۔ اُسنے صرف یہی نہیں کیا کہ نجدی حاجیوں کے لئے مصیبت پیدا کردی، بلکہ دنیائے اسلام کے تمام حاجیوں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ ہم مدتوں یہ صورت حال صبر جمیل کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کردیا۔ مگر شریفی حکام کی سرکشی اور جرأت برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔ ہمنے بارہا نتائج بد سے ڈرایا! مگر اُنھیں ذرا بھی نصیحت نہ ہوئی۔ بلکہ اُلٹے اُن کا جبر و تکبر برابر زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔ نہایت ہی تحقیر اور بے رحمی سے ہمیں ستانا شروع کردیا۔ آخر ہمارا بھی پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور ہم نے اپنی فوج حجاز کی طرف بڑھائی۔ آپ جب کبھی میری زبان سے لفظ "فوج" سنیں تو اُس سے یہی بہادر بدو قوم سمجھئے جو آپ اپنے گرد یہاں دیکھ رہے ہیں۔

"ہم نے فوج کشی تو کردی مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ ہماری غرض صرف حجاز کی ظالموں سے تطہیر، حجاج کے لئے قیام امن اور مسلمانوں کے جان و مال کی حمایت ہے۔ ہمیں ہرگز خیال نہ تھا کہ ہم حجاز فتح کرنے اور اپنی سلطنت و قوت بڑھانے جارہے ہیں۔

"ہم خوب جانتے تھے کہ اہل حجاز کی روایات اور عقائد ہماری روایات اور عقائد سے مختلف ہیں۔ اُس ملک میں قتل و سلب و نہب کے ایسے قوی جتھے موجود ہیں کہ اُن کا قلع قمع بہت مشکل ہے۔ وہاں کے باشندوں میں ویسی تبدیلی جیسی ہم نے نجدیوں میں کردی ہے ناممکن سی نظر آتی تھی۔

"مزید برآں ہم سمجھتے تھے کہ حجاز کا قبضہ ہمارے لئے بے شمار مشکلات پیدا کردے سکتا ہے۔ بعض یورپین سلطنتوں کو ہمارے معاملات میں مداخلت کا موقعہ مل سکتا ہے۔ لیکن ان تمام اندیشوں کے باوجود ہم نے حریف کی مبارزت طلبی کا جواب دیا اور میدان میں کود پڑے۔ چونکہ ہماری غرض اور نیت بالکل نیک تھی، اس لئے ہم نے کسی اندیشے کی بھی پروا نہ کی اور وہ کرنے پر آمادہ ہوگئے جسے ہم دیانتاً اپنا فرض سمجھتے تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ اسی نیک نیتی نے ہمیں کامیاب کیا۔ یہ جنگ کچھ زیادہ دیرپا نہیں ہوئی۔ ایک ہی یلغار میں دشمن کا خاتمہ ہوگیا۔ شریف کی حکومت اچھی نہ تھی۔ تمام حجاز اُس سے نالاں تھا۔ یہی سبب ہے کہ باشندوں نے اُس کی ذرا بھی مدد نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ہر جگہ ہمارا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اکثر جنگی نقطے ہمیں بغیر جنگ کے مل گئے۔

"ہم نے ابھی شریف اور شریفیوں کو بھگایا ہی تھا، اور باشندوں کو اپنے مقاصد سے آگاہ ہی کرنے پائے تھے کہ اُن کے اہل الحل والعقد نے جمع ہوکر ہم سے اُن کی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ ہم نے بھی دیکھا کہ حجاز اور حرم بیت اللہ کی مصلحت اسی میں ہے کہ ہم بیعت قبول کرلیں اور حجاز پر دین الٰہی اور سنت نبوی کی حکومت قائم کردیں۔ چنانچہ ہم نے پورے غور و فکر کے بعد حجاز کی بادشاہت منظور کرلی"

"حجاز کے نظام حکومت میں اعلیٰ حضرت نے کیا تبدیلی کی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"حکومت حجاز کا بنیادی نظام علیٰ حالہ قائم ہے" سلطان نے جواب دیا "ہم نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حتیٰ کہ ہم نے وہ سابق عہدے دار بھی باقی رکھے ہیں جن میں دیانت و اخلاص کی صفات نظر آئیں۔ ہم نے جو کچھ تبدیلی کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ شریف حسین کے من گھڑت قوانین اُٹھادئے ہیں اور اُن کی جگہ احکام شریعت م قائم کردئے ہیں۔ تمام باشندوں نے یہ تبدیلی بڑی ہی مسرت سے قبول کی ہے، رہی یہ بحث کہ یہ تبدیلی مفید ہوئی یا مُضر؟ تو خود اپنی آنکھوں سے آپ حجاز میں اس کا جواب دیکھ لیں گے۔ اسوقت سرزمین حجاز میں پورا پورا امن قائم ہوچکا ہے اور ہر طرح کی بدامنی اور شورش کا قطعی انسداد کردیا گیا ہے"

"اعلیٰ حضرت نے ابھی فرمایا کہ فتح حجاز سے بعض یورپین سلطنتوں کی مداخلت کا احتمال تھا۔ "بعض سلطنتوں" سے آپ کی مراد کون سلطنتیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

سلطان نے جواب دیا:

"آپ جانتے ہیں کہ اکثر دول یورپ، خصوصاً انگلستان، اسلامی قوموں پر حکومت کررہی ہیں۔ یہ اپنے حجاج کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کے موقعے نکال سکتی تھیں۔ لیکن میں مسرت کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار کرتا ہوں کہ اب تک کسی یورپین سلطنت نے اس طرح کی جرأت نہیں کی ہے۔ میں برطانیہ کی خاص طور پر تعریف کروں گا کہ اُسنے معاملہ فہمی سے کام لیا اور کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے دوستانہ تعلقات اُسی وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب تک باہمی احترام اور حقوق کی رعایت موجود ہے"

"خلافت کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ منصب کے لئے سعی مناسب نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اس اہم مسئلہ میں اظہار خیال مناسب نہیں سمجھتا" سلطان نے مسکراکر کہا۔ "بہت سے اسباب ایسے موجود ہیں کہ میں اس بارے میں گفتگو بہتر خیال نہیں کرتا۔ میری قوم کے سامنے کچھ شرعی امور و اعتبارات بھی موجود ہیں۔ آداب مجلس کا اقتضا یہ ہے کہ میں آپکے سامنے *

* کوئی اظہار خیال نہ کروں۔ مسئلہ خلافت تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے۔ [illegible] سب کی آواز [illegible] کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا"

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد اُمیہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی و داعی محرکات

(۲)

ہاشمی خلافت کی دعوت دو ممتاز دوروں پر منقسم ہے:

پہلا دور پُرامن دعوت کا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اموی خاندان باہم متحد تھا، ابومسلم خراسانی، ہاشمی دعوت میں شریک نہیں ہوا تھا اور خراسانی فوج میں قومی عصبیت نے ظہور نہیں کیا تھا۔ ۲۰ سال تک یہ دور قائم رہا۔ دوسرا دور، قوت و تشدد کے ساتھ دعوت کا دور ہے۔ اسے دور عمل کہہ سکتے ہیں۔ دونوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دور اوّل

(سنہ ۱۰۰ھ سے سنہ ۱۲۰ ہجری تک)

اس زمانے میں مبلغ و داعی، خراسان کے علاقوں میں سوداگر بن کر دورہ کرتے اور خفیہ دعوت پھیلاتے تھے۔ اُن کا مرکز کوفہ میں تھا۔ اپنی کارگزاریوں کی روداد وہاں بھیجتے تھے۔ کوفہ سے خبریں حمیمہ پہنچتی تھیں جہاں سرگروہ دعوت، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس مقیم تھے۔

خراسان میں سب سے پہلے اُن کا راز سنہ ۱۰۲ھ میں کھلا، قبیلۂ تمیم کا ایک شخص والی خراسان سعید بن عبدالعزیز کے پاس آیا اور کہا "یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو بُری باتیں کرتے ہیں"

سعید نے اُنھیں فوراً طلب کیا:

"تم کون ہو؟" اُسنے سوال کیا۔

"سوداگر" اُنھوں نے جواب دیا۔

"یہ تمہاری نسبت کیسی شکایت ہے؟" حاکم نے کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم" اُن کا صاف جواب تھا۔

"تم کوئی دعوت لے کر آئے ہو؟" والی نے پوچھا۔

"ہمیں اپنی تجارت کی فکروں ہی سے چھٹی نہیں۔ دعوت کیا پھیلائینگے؟" اُنھوں نے سادہ لوحی سے جواب دیا۔

حاکم نے ضمانت طلب کی۔ ربیعہ اور یمن کے لوگوں نے آکر ضمانت کرلی۔

"ہم انھیں خوب جانتے ہیں" اُنھوں نے کہا "ہم ان کی نیک چلنی کے ضامن ہوتے ہیں"

حاکم نے مطمئن ہوکر اُنھیں چھوڑ دیا۔

سنہ ۱۰۵ھ میں اس خفیہ انجمن کو ایک نئی قوت حاصل ہوئی۔ بکیر بن ماہان نامی ایک امیر کبیر اُس میں شامل ہوگیا اور اپنی تمام دولت اس پر وقف کردی۔ اُسی اثنا میں کوفہ کا داعی اوّل میسرہ فوت ہوگیا۔ محمد بن علی نے نہایت دور اندیشی سے اس مرکز کے لئے ابن ماہان کو منتخب کیا اور اُس کے ذریعہ بہت فائدہ حاصل کیا۔

شیعان بنی ہاشم پر پہلی مصیبت، اسد بن عبداللہ القسری کے ہاتھوں نازل ہوئی۔ یہ بنی امیہ کا خراسان میں والی تھا، سخت بے رحم اور سفاک تھا۔ جاسوسوں نے اُسے اس گروہ کی خبر دی۔ چند آدمی گرفتار ہوئے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد اُنھیں سولی پر چڑھا دیا۔ انہی میں ایک عمار العبادی بھی تھا۔ مگر وہ کسی طرح بچ نکلا اور کوفہ میں آکر بکیر بن ماہان کو یہ منحوس خبر سنائی۔ بکیر نے محمد بن علی کو

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے معاون نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں اسوقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک کرتی رہے گی۔ پچھلے ہفتہ ایک مفصل مکتوب، اُن کی وفات پر ارسال کر چکا ہوں۔ لیکن یہ عظیم مشرقی رہنما ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی مہم

سعد پاشا کی پوری زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرأت کے کارناموں سے لبریز ہے۔ اُنھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامع ازہر میں پائی۔ ازہر اُن کے زمانے میں۔ اور اب تک۔ مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے۔ اُس کی حالت اگرچہ مدت سے زبوں ہے، مگر کم آدمی نکتہ چینی کی جرأت کر سکتے ہیں۔ سعد نے یہی نہیں کیا کہ آغاز عمر ہی میں ازہر کی علی الاعلان مذمت کی، بلکہ انتہائی شجاعت سے، اس تعلیم گاہ اور اُس کی جملہ خصوصیات سے علیحدہ ہوگئے۔ اُنھوں نے ازہر کا لباس ترک کر دیا اور جدید وضع کا لباس اختیار کر کے ازہر کی جماعت سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئے۔ یہ اُن کی زندگی کی پہلی مہم تھی اور بہت سخت تھی۔

عجیب جرأت

سرکاری ملازمت کے زمانے میں اُنھوں نے کبھی حکام کی خوشامد نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اُن سے ایک طرح کی مخاصمت جاری رہی۔ وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے۔ اِن کی غیور طبیعت اِس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ حتیٰ کہ وزارت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس حلمی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہوگئی۔ اُنھوں نے ایک لائحہ عمل طیار کیا تھا۔ خدیو نے اُسے پسند نہیں کیا۔ دونوں میں بحث شروع ہوگئی خدیو نے خفا ہو کر غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔ سعد کا بلاپس و پیش جواب یہ تھا کہ اُنھوں نے بھی میز پر گھونسہ مار دیا، اور اتنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے فرمانروا کے گھونسے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی اُنھوں نے اِسی طرح اختیار کیا۔ وہ باضابطہ وکیل نہ تھے۔ تاہم اُنھوں نے اپنی شجاعت و جرأت سے کام لیا اور اس پیشہ میں خلاف قاعدہ داخل ہوگئے۔ حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے۔ اِس کے بعد اُن کی قانونی قابلیت کی وہ دھوم ہوئی کہ عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے پھر محکمہ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لارڈ کرومر کی پیشین گوئی

اُن کی یہی جرأت و شجاعت دیکھ کر لارڈ کرومر نے پیشین گوئی کی تھی "آیندہ، سعد زغلول، مصر کے سب سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بنیں گے" واقعات نے یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت کر دی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی زعیمانہ سیاسی زندگی، درحقیقت، فروری ۱۹۱۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ عمومی کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو شیر ببر کی کھال اُڑھا دی تھی۔ وہ ہیبت و دبدبہ تھا کہ کسی کو نظر اُٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی تھی۔ خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے غاصبانہ ملک کا الحاق کر لیا تھا۔ مگر سعد زغلول نے منبر عام پر کھڑے ہو کر انتہائی شجاعت سے بانگ دہل انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریر میں کہا تھا:

"ہمارا ملک خود مختار ہے۔ ۱۸۴۰ء کے معاہدۂ لندن میں اُس کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہے، اس کا ذکر بالکل بے کار ہے۔ کیونکہ تمام علمار قانون کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "حمایۃ" (پروٹیکٹوریٹ) کا وجود اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اُس کی حمایت میں رہنے کی خواہش کرے لہٰذا وہ ایک سمجھوتہ یا عہدنامہ ہے جس میں ایجاب قبول، بنیادی شرط ہے۔ لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات کبھی پیش نہیں آئی اور نہ قیامت تک کبھی پیش آسکتی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے از خود "حمایۃ" کا اعلان کر دیا۔ لیکن مصر نے اُسے قبول نہیں کیا۔ لہٰذا یہ حمایۃ، سراسر باطل ہے۔ ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی"

اس تصریح نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا۔ دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سیاسی جد و جہد کا آغاز ہوا اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔

برطانیہ کی تخویف

پہلے تو برطانیہ، تخویف و تہدید کو کافی سمجھتا رہا۔ لیکن جب اُسے یقین ہو گیا کہ سعد پاشا ڈرنے والے نہیں ہیں، تو اُس کے ظلم [illegible] کی توپوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارروائی کرنے پر تل گئی۔

چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو جنرل کلائٹن نے فیلڈ مارشل جنرل ایلن بائی، برطانوی سپہ سالار اعظم کا حسب ذیل حکم سعد پاشا کو تحریراً پہنچایا:

"جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو تنبیہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام تقریروں سے پرہیز کریں۔ عام جلسوں میں شریک نہ ہوں۔ مصری وفود سے ملاقات نہ کریں۔ اخبارات میں [illegible] [illegible] کوئی سیاسی کام نہ کریں۔ اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً قاہرہ سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں [illegible] کا سرکاری افسر اُن کی نگرانی کرے گا"

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے۔ اُنھوں نے لکھا:

"فیلڈ مارشل ایلن بائی کا حکم مجھے پہونچا۔ مگر یہ حکم سخت ظالمانہ ہے۔ اُس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔

"چونکہ قوم نے مجھے اپنا وکیل بنایا ہے تاکہ اُس کی خدمت آزادی کی کوشش کروں، اس لئے اُس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اِس مقدس فرض سے دست بردار ہونے پر مجھے مجبور کرے۔

"لہٰذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود رہوں گا۔ ظالمانہ قوت جو کچھ بھی کر سکتی ہے، کر گزرے۔ ہم مضبوط دل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لئے طیار بیٹھے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوششوں کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اُس کی منزل مقصود سے اور بھی زیادہ قریب کر دے گا۔ ملک کی منزل مقصود بجز کامل آزادی کے کچھ نہیں ہے"

گرفتاری اور جلاوطنی

اس جواب کے پہنچتے ہی برطانی حکام نے مرحوم کو اور اُن کی جماعت کے دو ممبر اور دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاوطنی سے واپس آکر ۲۲ دسمبر ۱۹۲۲ء کی تقریر میں کیا ہے۔ بہتر ہے ہم اُنہی کی زبان سے

بقیہ مضمون صفحہ ۱۰

بن محمد حاکم تھا۔ لیکن عبداللہ اُس کے تعاقب میں تھا۔ حمین بن معرور کو یہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ ابان نے عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی اور بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ عباسیوں کو مل گیا۔

مروان، قنسرین پہونچا۔ عبداللہ نے وہاں بھی پیچھا کیا۔ قنسرین سے حمص، حمص سے دمشق آیا۔ مگر عبداللہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور دارالخلافہ بھی عباسیوں کے قبضہ میں آگیا۔

دمشق سے مروان علاقہ اردن گیا۔ پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈھی مگر نہ ملی۔ آخر فسطاط (مصر) کا رخ کیا۔ فسطاط سے ایک دور افتادہ گاؤں "بوصیر" میں جا کر چھپ گیا۔

عبداللہ اب بھی تعاقب پر سرگرم تھا۔ مگر ابو العباس کا حکم پہونچا کہ صالح بن علی کو اس مہم پر روانہ کرے اور خود آگے نہ بڑھے چنانچہ صالح بن علی، مصر پہونچا اور پتہ لگا کر بوصیر میں مروان کو قتل کر ڈالا مروان کے قتل نے مشرق میں اموی خلافت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور بنی عباس کی خلافت قائم ہوگئی۔ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲ہجری میں پیش آیا تھا۔

زید نے کہا "اُنھوں نے مجھ سے قسم لے لی ہو کہ اُن کی بابت کوئی بات جھوٹ نہیں کہوں گا۔ واللہ میں نے اُنھیں اِس حال میں دیکھا کہ پابندیٔ اوقات کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اذان دیتے ہیں۔ اقامت کہتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ذکرالٰہی میں مصروف رہتے ہیں رسول اللہ صلعم کی محبت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہو کہ وہ ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر آپ میرے آقا نہ ہوتے اور آزاد کرکے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو واللہ میں اُنہی کے ساتھ رہتا اور ہرگز یہاں لوٹ کر نہ آتا!"

اِس واقعہ کے بعد ابومسلم کو بہت طاقت حاصل ہوگئی۔ اب اُس کی فوج اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ سفیذنج میں گنجایش باقی نہ رہی مجبوراً وہاں سے ماخوان میں منتقل ہوگیا۔ اُس کی قلعہ بندی کی اور خندقیں کھود کر بیٹھ گیا۔ اسوقت اِس کے پاس ۷ ہزار کی جمعیت تھی۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اُس زمانے میں خراسان کے عربوں میں تین عصبتیں یا جماعتیں قائم ہوگئی تھیں: یمنی، مضر، ربیعہ۔ ابومسلم نے اِس باہمی پھوٹ سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اُسنے اِن سب کو لڑا دیا۔ آہستہ آہستہ اُسے قوت حاصل ہوگئی حتیٰ کہ ۱۳۰ھ میں مرو پر بھی قبضہ کرلیا۔ وہ شہر میں اُسوقت داخل ہوا جبکہ علی بن جدیع اور نصر بن سیار دونوں سڑکوں پر لڑ رہے تھے۔ یہ آیت اُس کی زبان پر تھی: ودخل المدینة علی حین غفلة من اہلہا فوجد فیہا رجلین یقتتلان، ہذا من شیعتہ وہذا من عدوہ!"

مرو پر قبضہ کرنے کے بعد ابومسلم نے خراسان کے تمام علاقوں پر حملہ شروع کردیا۔ اُس کے مشہور سپہ سالار قحطبہ بن شبیب نے رے فتح کیا۔ رے کے بعد ہمدان، نہاوند، شہرزور، اور موصل فتح ہوئے۔ اب عراق کی باری آئی۔ قحطبہ سرزمین عراق میں داخل ہوگیا۔ ابن ہبیرہ والیٔ عراق نے اُس کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اسی اثنا میں قحطبہ شیعی سپہ سالار کا انتقال ہوگیا۔ اُس کا بیٹا حسن، جانشین ہوا اور یلغار کرتا ہوا محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ پر قابض ہوگیا۔

اموی سپہ سالار ابن ہبیرہ نے واسط میں پناہ لی۔ حسن بن قحطبہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ دوسرے شیعی سپہ سالار بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر بیک وقت مختلف علاقوں پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حمید بن قحطبہ، مدائن گیا۔ مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک، دیر قنیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ مہلبی اور شراحیل نے عین التمر پر حملہ کیا۔ بسام بن ابراہیم نے اہواز پر یورش کی۔ اور خود کوفہ کے داعیٔ اکبر ابوسلمہ الخلال نے اپنا لشکر حمام اعین کے سامنے اُتار دیا۔

افشائے راز

خراسان و عراق میں یہ ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ مگر بنی اُمیہ بالکل غافل تھے۔ اپنی خانہ جنگی میں مشغول تھے۔ اُنھیں ابتک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ شیعہ کس شخص کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو حکم دیا تھا کہ کسی خاص آدمی کا نام دعوت میں نہ لیں، بلکہ تمام اہل بیت نبوی کی حمایت و نصرت کی طرف مخلوق کو بلائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے سرداروں کے سوا کوئی شخص بھی اصلی راز سے واقف نہ تھا۔

راز اِس طرح ظاہر ہوا کہ مروان بن محمد اموی خلیفہ کو ابراہیم بن محمد (امام شیعہ) کا وہ خط حاصل ہوگیا جو اُسنے ابومسلم خراسانی کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اب خلیفہ خواب غفلت سے جاگا اور حاکم بلقار کو حکم دیا کہ حمیمہ پر حملہ کرکے ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرلے اور دارالخلافہ بھیجدے۔ ابراہیم نے گرفتار ہوتے وقت اپنے بھائی ابوالعباس کے حق میں امامت کی وصیت کردی اور اُسے پورے خاندان کے ساتھ کوفہ چلے جانے کا حکم دیا۔

ابراہیم، حرّان کے قیدخانہ میں بند کیا گیا۔ اور وہیں فوت ہوگیا۔ مورخین میں اختلاف ہو کہ ابراہیم کو زہر دیا گیا تھا، یا اُس پر گھر کی چھت گرادی گئی تھی؟ بہرحال یہ یقینی ہو کہ وہ قتل کیا گیا۔

ابراہیم کا خاندان، ماہ صفر ۱۳۲ھ میں کوفہ پہونچا۔ اُسوقت شیعی تحریک کا سرگروہ ابوسلمہ خلال تھا اور "وزیر آل محمد" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اسنے ابراہیم کے خاندان کو کوفہ کے ایک محلے میں چھپا دیا اور ۴۰ دن تک کسی شخص کو بھی اُن کی خبر نہ دی۔

بعض مورخوں نے لکھا ہو کہ ابوسلمہ نے عباسیوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ارادہ کرلیا تھا کہ اُن سے کٹ کر علویوں سے مل جائے۔ چنانچہ اُسنے خاندان علیؑ کے تین سرداروں: حضرت جعفر صادق بن محمد الباقر، عبداللہ المحض بن حسن بن حسن، اور عمر الاشرف بن زین العابدین (علیہم السلام) کے پاس خطوط بھیجے۔ قاصد سے کہا پہلے حضرت جعفر صادق کے پاس جائے۔ اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو باقی دونوں خط ضایع کردے۔ اگر انکار کریں تو عبداللہ المحض کے پاس جائے۔ اگر وہ بھی نہ مانیں تو آخر میں عمر الاشرف سے ملے۔

جعفر صادق نے قاصد کو دیکھ کر کہا:

"مجھے ابوسلمہ سے کیا سروکار؟ وہ تو کسی اور کا حامی ہو"

"آپ خط تو پڑھیئے" قاصد نے کہا۔

"چراغ قریب لاؤ" امام جعفر نے اپنے خادم سے کہا۔

چراغ لایا گیا اور حضرت جعفر صادق نے خط اُس سے لگا کر جلادیا۔

"آپ کچھ جواب دیں گے؟" قاصد نے کہا۔

"جواب تو تم نے دیکھ لیا" اُن کا صاف جواب تھا۔

قاصد مایوس ہوکر حضرت عبداللہ المحض کے پاس گیا۔ اُنھوں نے خط لے لیا اور فوراً حضرت جعفر صادق کے پاس دوڑے آئے:

"یہ ابوسلمہ کا خط ہو" عبداللہ المحض نے کہا "مجھے خلافت قبول کرنے کی دعوت دی ہو۔ ہمارے خراسانی طرفداروں کی یہی خواہش ہو"

"خراسانی، تمھارے کب سے طرفدار بنے ہیں؟" حضرت جعفر صادق نے کہا "کیا تم ہی نے ابومسلم کو وہاں بھیجا تھا؟ اُن میں سے کسی ایک آدمی کا نام بھی تمھیں معلوم ہو؟ کسی ایک کی بھی صورت دیکھی ہو؟ وہ کیسے تمھارے طرفدار ہوسکتے ہیں، حالانکہ نہ وہ تمھیں جانتے ہیں، نہ تم اُنھیں جانتے ہو؟

"یہ گفتگو شاید کسی خاص وجہ سے آپ کررہے ہیں؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"خدا جانتا ہو کہ میں ہر مسلمان کی خیرخواہی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہوں پھر تمسے نصیحت میں کیونکر بخل کروں گا؟" حضرت جعفر صادق نے جواب دیا "یہ خیال خام چھوڑ دو۔ یہ سلطنت کسی اور ہی کو ملے گی تم سے پہلے اسی مضمون کا خط مجھے بھی پہنچ چکا ہو"

اِس گفتگو کے بعد عبداللہ المحض نے بھی انکار کردیا۔

آخر میں قاصد، عمر بن زین العابدین کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے سُنتے ہی جواب دیا:

"میں خط والے کو نہیں جانتا، جواب کیسے دوں؟"

اِس اثنا میں ابوسلمہ کے سپہ سالاروں کو اُس کی نیت پر شبہ ہوا ساتھ ہی ابراہیم بن محمد کے خاندان کی کوفہ میں موجودگی کا بھی پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ لشکر سے نکلکر کوفہ پہنچے۔ ابوالعباس کو ابوسلمہ کی نظربندی سے نکالا اور بیعت خلافت اُس کے ہاتھ پر کی۔ مجبوراً ابوسلمہ کو بھی بیعت کرنی پڑی۔ مگر ابوالعباس اُس سے کبیدہ ہوگیا تھا

ابوالعباس کا خطبہ

۱۳ ربیع الاول روز جمعہ کو ابوالعباس نے جامع مسجد میں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ صلعم کی قرابت پر فخر کیا۔ خلفاء راشدین کی تعریف کی۔ بنی حرب اور بنی مروان (بنی امیہ) کے ظلم و جور کی مذمت کی۔ اور کہا:

"اے اہل کوفہ! میں امید کرتا ہوں کہ جس راہ سے تمھیں بھلائی پہنچ چکی ہو، اُس سے تم پر کبھی بُرائی نہ آئے گی (یعنی اہل بیت نبوی!) اور جس راہ سے بُرائی آچکی ہو، اُس راہ سے کبھی بھلائی نہ آئے گی (یعنی بنی امیہ) ہم اہل بیت کا والی و حامی، اللہ بزرگ و برتر ہی ہو۔ تم اے اہل کوفہ! ہماری محبت کے مورد ہو۔ ہماری دوستی کے اہل ہو۔ تم وہ ہو، جو ہماری محبت سے کبھی برگشتہ نہیں ہوئے۔ ظالموں کا ظلم تمھارے دل ہم سے نہ بدل سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ دیکھ لیا اور خدا ہماری سلطنت تمھارے لئے لے آیا۔ پس ہمارے حسن سلوک کے تم سب زیادہ مستحق ہو۔ میں نے تمھارے وظیفوں میں سو سو درہم کا اضافہ کردیا ہو۔ تم طیار رہو جاؤ، کیونکہ میں "سفاح" ہوں ..."

ابوالعباس، "سفاح" کے لقب سے اسی خطبہ کے بعد مشہور ہوا۔ کیونکہ اُس نے خود اپنے مُنہ سے اپنے کو "سفاح" کہا تھا۔

اُس زمانے میں ابوالعباس کو کھانسی کی شکایت تھی۔ خطبہ ختم ہونے سے پہلے ہی اُسے کھانسی آنے لگی اور تقریر نہ کرسکا۔ فوراً اُس کا چچا داؤد بن علی منبر پر چڑھ گیا۔ وہ عباسیوں میں سب سے زیادہ فصیح تھا۔ اُسنے کہا:

"واللہ ہم اِس لئے نہیں اُٹھے ہیں کہ مال و دولت جمع کریں محل بنائیں، عیش و عشرت کریں۔ ہم صرف اِس وجہ سے اُٹھے ہیں کہ ہمارا حق سلب ہوگیا تھا۔ ہمارے عم زادوں پر ظلم ہوتا تھا۔ تمھاری حالت جور و ستم نے زبوں کردی تھی۔ ہم اپنے بستروں پر ہوتے تھے مگر تمھاری مصیبتیں یاد کرکے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہماری پیٹھ کے نیچے انگارے بچھے ہیں۔ بنی اُمیہ نے تمھیں ہلاک کر ڈالا۔ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ تمھارے صدقے، تمھاری خیراتیں، مال غنیمت میں تمھارے حصے سب ضبط کرلئے۔ ہم نے بہت برداشت کیا۔ مگر بالآخر مجبور ہوگئے اور تمھاری حمایت و حفاظت پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم تم سے اللہ کے نام پر، رسول کے نام پر، اور عباس کے نام پر عہد کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بموجب حکومت کرینگے۔ سنت رسول اللہ کے مطابق سلوک کرینگے ..

.... اے اہل کوفہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھارے اِس منبر پر دو ہی خلیفہ کھڑے ہوئے ہیں: ایک امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ دوسرا امیرالمومنین عبداللہ بن محمد (یہ کہکر ابوالعباس کی طرف اشارہ کیا) یقین کرو یہ معاملہ (خلافت) برابر ہمارے ہی ہاتھ میں رہے گا، یہاں تک کہ اُسے عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کے حوالہ کردیں!"

نماز کے بعد سفاح نے لوگوں سے بیعت لی۔ رات تک اِس کا سلسلہ جاری رہا۔

بیعت لے کر خود سفاح، لشکر میں چلا گیا اور کوفہ کی حکومت اپنے چچا داؤد بن علی کے سپرد کی۔

آخری مقابلہ

اب فیصلہ کُن کارروائی کا وقت آگیا تھا۔ خود خلیفہ مروان بن محمد کی مرکزی قوت پر غالب آنا تھا۔

اُدہر مروان بھی غافل نہ تھا۔ وہ ایک فوج گراں لے کر حرّان سے موصل پہنچ گیا۔ ابوالعباس نے اپنی فوج کی قیادت اپنے چچا عبداللہ بن علی کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں دریائے زاب پر بہت ہی سخت جنگ ہوئی۔ لیکن مروان کو شکست ہوگئی۔ حالانکہ اُس کے ساتھ ایک لاکھ ۲۰ ہزار شام کی منتخب فوج تھی۔ عبداللہ نے اُس کا پورا لشکر تباہ کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کا ہو۔

مروان بھاگ کر حرّان میں پہونچا۔ یہاں اُس کا بھتیجا ابان بن یزید

بصائر و حکم

ماہ ربیع الاوّل کا اختتام

اور واقعۂ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ!

تاریخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں، اور داعی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی عظمت!

(مقتبس)

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لائے ہوئے ہے۔ اپنے خیال کے مطابق سطانِ عظمت کی گوناگوں عبادتیں کرتی ہے لیکن مظاہر عظمت کا تخیل صد درجہ متباین ہے۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہے۔ وکل حزب بما لدیہم فرحون!

حکمرانی و فرمانروائی میں عظمت ہے۔ بادشاہ و حکام اُس پر ایمان لائے ہیں۔ حریص اور طماع اُس کی عبادت کرتے ہیں!

مال و دولت میں عظمت ہے۔ دولتمند اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل و دماغ کے ساقط اُس کی پرستش کرتے ہیں!

اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہے، اور اُس کے پجاری بھی موجود ہیں!

حُسن میں بھی عظمت ہے اور اُس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

(بقیہ مضمون صفحہ)

سنک ہوجاتے تھے۔ دس بجے دفتر میں آکر بیٹھتے تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ ایک یا دو بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔ کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا۔ کھانے کے بعد ایک گھنٹہ باتیں کرتے تھے۔ پھر شام تک آرام کرتے تھے۔ پھر دفتر آتے تھے اور ایک گھنٹہ کام کرکے تفریح کو نکلتے تھے۔ تفریح میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر مطالعہ کرتے تھے۔ ۸-۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد پھر باتیں شروع ہوجاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ دراز نہیں ہوتی تھی۔ دس بجے کے قریب چارپائی پر چلے جاتے تھے، اور مطالعہ کرتے کرتے سوجاتے تھے۔ عموماً ۴ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔

طاقت جسمانی میں بھی عظمت ہے۔ عظیم قد و قامت کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ انسانوں کا سر جھک گیا ہے!

اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہے، اور اپنے معتقد اور پرستار رکھتی ہے۔

شاید کوئی بھی اُس مبہم اور مضطرب مفہوم کی تحدید نہیں کرسکتا جس کا نام لوگوں نے "عظمت" رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن اس پر بھی وہ قدیم سے دنیا کے لئے ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ ہر شخص اُسے غرض و غایت قرار دیتا ہے۔ اُس کے لئے جد و جہد کرتا ہے، اُسے انسانوں کے مراتب تولنے کی میزان سمجھتا ہے۔

اگر عظمت کا فتنہ اور عظمار کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء کرام کے ذکر پر کسی کے لئے روا نہ ہوتا کہ اُنھیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے اس لئے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ ڈھونڈی جائے۔ یہ صفیں جسمانی کبریائی کے دھوکوں اور مادی بڑائیوں کی فتنہ انگیزیوں سے اس درجہ پست ہوچکی ہیں کہ انسانیت اعلیٰ کے مظاہر علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھائی جاسکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بھی بلند ہے۔ اس ذات اعظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہوجائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ آپ نے کہہ دیا، سب آدمی ہم رتبہ ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ آپ نے قبول نہیں کیا کہ انسان میں دو قسمیں ہوں: عظیم اور غیر عظیم۔ آپ کی نظر میں خوش حال اور بدحال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس ارضی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے فتنہ نے دنیا کو مفتوں بنا رکھا ہے۔ یہ عظمت، درحقیقت بلند نفسوں کے لئے ذلت اور رب العالمین کی جناب میں شرک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمار کی پرستش کے لئے نہیں آئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے اُن کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی حالانکہ وہ اُن کے اختیار میں تھی۔ یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ اُن کے قدموں پر لوٹی، مگر آپ نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اُس میں ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت لیں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کردی گئیں۔ مگر اُنھوں نے عبدیت پسند کی غربت اختیار کی۔ اُن کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اسی میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں، فقیری میں دنیا سے جائیں، فقیروں ہی کے زمرے میں اُٹھائے جائیں:

وراودتہ الجبال الشم من ذہب عن نفسہ فاراہا ایما شمم!

جو لوگ بادشاہت اور اس کی عظمت کے پجاری ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ اُنھوں نے بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ اُنھیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ ہی قرار دیا جائے تو اُن کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ۔ جزیرۃ العرب! قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی کسرویت کے مقابلے میں اس جزیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ مال و جاہ دنیوی کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں، وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے تہی دست تھے۔ اُن کی دولتوں کا خزانہ، اُن کا فقر و فاقہ تھا!

جو لوگ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال کے لئے نگاہ ادب اور دل عظمت سرا رکھتے ہیں، انھیں مایوس ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی جنگی فتح مکہ کی فتح تھی جو اُس عہد میں بھی دنیا کا ایک گمنام اور حقیر قریہ تھا!

جو لوگ دنیا کے فلاسفہ، حکما، اور موجدین کی عظمتوں کے آشنا اور اُن کی رفعتوں کے پرستار ہیں، اُنکے لئے یہ خبر نئی خبر نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔ دنیا کا صناعی لکھنا پڑھنا نہ تو انھوں نے سیکھا تھا اور نہ کسی نے انھیں سکھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یادگار چھوڑی جو مصر کے اہرام کی سی عظمت رکھتی ہو؟ کوئی شہر بنایا جس کی عظمت قسطنطنیہ کے برابر ہو؟ تم نے اُن کی تعریفیں، سنگی لاٹوں پر کہیں کندہ دیکھیں؟ کوئی ایک شہر بھی اُن کے نام پر آباد کیا گیا؟ کوئی ایک سڑک بھی اُنکے نام پر بنائی گئی؟ اسکندر کے نام پر اسکندریہ اور قسطنطین کے نام سے قسطنطنیہ آباد ہوا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک بالشت زمین بھی پکاری نہیں گئی!

***

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی عظمت ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہیے، اگرچہ دنیا انہی مظاہر پر مری مٹتی ہو تو ہو۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جویا ہو، اُسے اُن کی عظمت صرف ایک کلمہ میں مل سکتی ہے جو وہ لائے تھے۔ اُسی کلمہ میں اُن کی پوری عظمت قائم ہے۔ اُسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے اندر ان کی عظمت باقی و سرمد، ثابت اور اٹل ہے۔

وہ کلمہ کیا ہے؟

"لا الٰہ الا اللہ!"

سکیں۔ اُنھوں نے کہا:

" دو سال پہلے ٹھیک اسی تاریخ میں اندھی قوت نے حق پرستوں کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر ہر طرف سے مسلح فوج نے گھیر لیا۔ تمام کمروں اور درجوں میں بندوقیں اُٹھائے سپاہی گھس پڑے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر مورچے قائم کر دیئے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر میرے خاص کمرے میں در آئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دہشت ناکی کے ساتھ جگایا گیا اور لباس پہننے سے بھی پہلے گرفتار کر لینا چاہا۔ میں نے انکار کیا اور اطمینان سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے آ تارلائے۔ میرے گرد بندوقوں اور سنگینوں کا ہجوم تھا۔ میری بیوی میرے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اُسے روک دیا گیا۔ صلیب احمر کی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑا جنگی مظاہرہ میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹریں آگے تھیں۔ مسلح موٹریں پیچھے تھیں۔ ہر طرف سے بندوقیں جھکی ہوئی تھیں۔ اُن کے استعمال کے لئے ادنیٰ سی ادنیٰ بات کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی۔ مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا اظہار کرنا چاہا اور کر دیا۔"

ہندوستان کو شرم آنی چاہیئے!

مرحوم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ یقیناً آپکے تمام غیور قارئین اُسے شرمناک خیال کرینگے۔ مصر کا یہ جلیل القدر رہنما گرفتار کر کے سوئس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستانی خیموں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حراست میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مرحوم نے کبھی ہندوستان کو بُرا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پہنچنے کا حال مرحوم نے یوں بیان کیا:

" مجھے سوئس لے گئے۔ مگر ایک ایسے راستے سے جو بالکل غیر آباد تھا۔ حتیٰ کہ کہیں پانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت بھوکا تھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو ترس آیا اور اُس نے ایک روٹی اور پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی!

" ۸ بجے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچایا گیا۔ یہاں فوجی افسر نے مجھے اپنی حراست میں لے لیا اور ایک پھٹے ہوئے خیمے میں اُتارا۔ رات بھر گرم ہوائیں خیمے کے سوراخوں سے اندر پہنچتی تھیں اور جھلسائے ڈالتی تھیں۔ میں اُس رات مجبور ہوا کہ اپنے دن ہی کے لباس میں سو جاؤں کیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔

" لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں مصر میں تھوڑی دیر ایک گھنٹہ موٹر کی سیر سے تھک جایا کرتا تھا۔ مگر اُس وقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اللہ نے میری مدد کی اور ایک ایسی قوت بخشی کہ یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

" دوسرے دن میرے پانچوں رفقاء مصیبت بھی پہنچ گئے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی، کیونکہ وہ سب مطمئن تھے اور برطانیہ کی اس طفلانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ ۲۹ر دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر ہی میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اُسی دن عشاء کے وقت ہمیں حکم ملا کہ نصف گھنٹے کے اندر سفر کے لئے طیار ہو جاؤ۔ ہمیں طیاری ہی کیا کرنی تھی؟ ہر وقت طیار تھے۔ ہمارا طیار ہونا، صرف اُٹھ کھڑا ہونا تھا۔

" ہم قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کئے گئے۔ ساحل پر پہنچے تو ایک کشتی ہمارے انتظار میں تھی۔ اُس پر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔ جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ عدن جا رہے ہیں۔ ۴ر جنوری کو عدن پہنچے۔ ۲۸ر فروری کو سیشل پہنچائے گئے۔ پھر مجھے جبل طارق بھیج دیا گیا جہاں ۳ر ستمبر سے ۳۰ر مارچ سنہ ۱۹۲۳ء تک برابر قید رہا۔

" ہم نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قلعوں میں گزاری۔ دنیا بھر سے الگ کر دیئے گئے تھے۔ کسی کو بھی ہمارے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ورزش اور چہل قدمی کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی تھی۔ ہماری تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاذ و نادر ہی منزل مقصود تک پہونچائی جاتی تھی۔ . . . لیکن یہ تمام بندشیں اور سختیاں بالکل بے کار تھیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر مصیبت ہمیں یاد دلا دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیسا شریف اور غایت کیسی نبیل ہے!"

سعد پاشا کے خطوط اپنی حرم کے نام

ذیل میں سعد پاشا کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط اُنھوں نے جلا وطنی سے اپنی حرم محترم کو بھیجے تھے:

" ہندوستانی لشکر (سوئس)

" ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء

" عزیزتی!

" تمھارا ۲۰ر دسمبر کا خط پہونچا۔ اگرچہ یہ فراق مجھ پر بہت شاق ہے اور ملاقات کی بے حد تمنا ہے۔ لیکن میں نے بُرودت تمھارے سفر کے التوا کو پسند کیا۔ مجھے اُس وطنی شعور پر فخر ہے جس نے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تمھارے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے ابنائے وطن تمھاری اس قربانی کے ہر طرح مستحق تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر ہمیں پوری ثابت قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہیئے۔ نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

" عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ مہذب مخلص نوجوان ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اُس کی بیوی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

" میری تندرستی اچھی ہے۔ کئی خط تمھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے تم تک پہنچنے نہیں دیئے گئے۔ اگر یہی بات ہے تو اس سے مقصود ظلم میں زیادتی ہے۔ حالانکہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہرحال میں تمھاری تندرستی اور خوشی کا متمنی ہوں۔"

دوسرا خط

" عدن۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ء

" عزیزتی!

" دعا ہے کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بخیر و عافیت ہو۔ الحمد للہ ہم اچھے ہیں۔ صرف یہی ایک غم ہے کہ تمھارے خطوط نہیں پہنچتے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم لکھتی نہیں۔ تم ضرور لکھتی ہو، کیونکہ بغیر لکھے رہ نہیں سکتیں لیکن یہ قوت تمھارے خط روک لیتی ہے۔ اس سے ہمیں تکلیف ضرور ہے مگر خود اس قوت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خط نہ پہونچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اسی قوت کی شرارت ہے۔

" ہمیں عربی اخبار نہیں ملتے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار دئے جاتے ہیں، مگر بہت پُرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تمھاری یہ درخواست نظر سے گزری کہ میری تندرستی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اس پر بہت خوش ہوا کہ مصر میں تمھارے جیسے بلند ہمت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہماری اُمیدیں بر لائے اور ہماری حالت درست کر دے۔ والسلام"

مرحوم کی شخصیت

مرحوم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ بچ کی صحبتوں میں بھی یہ شخصیت آدمی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہے۔ ایک عجیب عظمت اُن پر سایہ فگن رہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرعوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

ابوی شفقت

قدرت نے سعد کو کوئی اولاد نہیں دی۔ مگر اُن میں ابوی شفقت اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمروں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہے۔ اُن کا یہ قول بہت مشہور ہے جو اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا: "اولاد نہ ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ خدا نے ہمیں ۱۴ ملین بچے عنایت کئے ہیں!"

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جمود و تقلید کا اُن پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اُس میں یہ فوراً داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کے لئے آواز بلند کی۔ یہ اس جد و جہد میں بھی پیش پیش تھے۔ وکالت سے لیکر وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں اِن کی اصلاح پسندی اور روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الٰہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قدرت الٰہی پر غیر معمولی یقین و ایمان رکھتے تھے۔ سخت سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی نا اُمید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے رہے۔ اُن کی تقریریں ایسے جملوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھیں جن میں یہ یقین و ایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ اُن کی ایک تقریر کے چند جملے مجھے یاد ہیں۔ اُنھوں نے کہا:

" ہمیں بشارت ہو کہ ہم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں، حق کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور معلوم ہو کہ خدا حق پرستوں کا عمل رائیگاں نہیں کرتا۔"

" خدا نے ہمیں یہ دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے، مصیبتوں میں ہماری دست گیری کرتا ہے۔ مصیبت جتنی زیادہ سخت ہوتی ہے اُتنا ہی زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیئے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے جمے رہیں اور ثابت قدمی سے مصائب برداشت کرتے رہیں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہے!"

مطالعہ اور گفتگو

مرحوم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی اُن کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، اُن کی وسیع عقل و دماغ کے لئے ناکافی تھا۔ لہذا اُنھوں نے ۴۰ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان پڑھی اور اس طرح پڑھی کہ اس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں جرمن اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اس فن میں عجیب مہارت رکھتے تھے۔ ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی گھبرا نہیں سکتا تھا۔ ظرافت و بذلہ سنجی گویا خمیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک لفظ الگ الگ بولتے تھے۔ اس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زبان سے نہیں دل سے بول رہے ہیں۔

معمولات

اُن کی زندگی بہت منضبط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح ۷ بجے بیدار ہوتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور مطالعہ میں

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

سنہ ۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔ ۱۲ر (منیجر الہلال کلکتہ)

مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، ہر طرح اور ہر نوع کی دنیاوی اعزاز کی عظمت، ان میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں مِل کر بھی، اُس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، جو لا الٰہ الا اللہ میں پنہاں ہے!

دنیا کے تمام قارون، تمام سکندر، تمام ارسطو، دنیا کے تمام بادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقعت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک کلمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، جملہ عظمتوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اُس کی عظمت کے آگے دنیا اور دُنیا کے تمام زخرفات و تنعمات ہیچ تھے!

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس دُنیا میں آئے اور یہ کلمہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اُس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا لیکن وہ ایک ہی کلمہ، دنیا سے ٹکرایا، اور اُس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اُس وقت کے انسانی آداب و عادات اُس کے متحمل نہ ہوئے۔ لہٰذا آداب و عادات کے پرستار اُس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اوہام و خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہٰذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست بگریباں ہو گئے۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی لہٰذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اُس پر دَوڑ پڑے!

صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اِسی کی قوت سے بادشاہوں کے جتھوں، دولتمندوں کے جتھوں، عوام و خواص کے جتھوں — تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دُنیا میں اپنی ناممکن التسخیر قوت قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا! وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گامزن ہے۔ اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ، جس میں اُسے آجتک کبھی شکست نہیں ہوئی! جسم و آلات کی جنگ نہیں حقیقت و معنی کی جنگ! خون کی آرزومند جنگ نہیں زندگی کی کارزار جنگ!

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمۂ لا الٰہ الا اللہ، دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو اُن کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہے — حالانکہ وہ باطل نہیں ہے — تو عالم وجود سے اُسی طرح محو ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریئے محو ہو گئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اُسی طرح غائب ہو جائے گا، جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے — حالانکہ وہ حق ہے — تو علم و عقل حق کے انوار اُس کے لئے اِس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں اُتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، امرا، فقرا سب اُس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں!

وہ دن ضرور آنے والا ہے جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، وہم پرستوں کے اوہام مدعیانِ علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندشوں سے آزاد ہو جائے گی اُس کا پرجلال تخت، علم حق کی روشنی میں بچھے گا۔ اُس دن حق باطل سے الگ ہو جائے گا۔ طیب اور خبیث میں اشتباہ باقی نہیں رہیگا

صرف وہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کر سکے گی جو کارساز فطرۃ کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کر سکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانوں سے ہو سکتا ہے، نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلو سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جمود تقلید کی راسخ الاعتقادیاں یہ تمام چیزیں۔ گھر کے نمود سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نور کے دیکھتے ہی فنا ہو جائے گا۔ محض ایک غوغا ہے۔ علم حق کا مہیب نعرہ بلند ہوتے ہی، سکونِ موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اُس وقت عقل صادق کا سلطانِ عظیم، نورانی تاجِ علم سر پر رکھے حریت کے پرچم اُٹھاتا، جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی کامل فتحمندی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہے کہ علم و عقل حق کے بندھن ٹوٹیں، اور یہ دونوں جبروتی قوتیں جہل و غرور کی چٹانیں پاش پاش کر کے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہے۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں پر ابتک جہل و وہم کے کثیف پردے پڑے ہیں۔

ہاں: وہ مبارک دن ضرور آنے والا ہے جب تنہا علم و عقل حق کی فرمانروائی ہو جائے گی۔ علم و عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اُس دن، صرف اُسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو خبیث سے الگ کرے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُس دن کلمۂ لا الٰہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سربلند چلے گا۔ فتح کا نشان اُس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اُس کا عرش علم کے کاندھے پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل دوش بردار ہوگی۔ اُس دن سارا جہان بیانگ دہل نعرہ دے گا "لا الٰہ الا اللہ!"

ہر عظمت زائل ہو جانے والی ہے۔ ہر عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہو جانے والا ہے۔ مگر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہی اِس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہے۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بنیاد، حق ہے، لہٰذا اُس میں حق کی قوت اور ثبات ہے۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہے، لہٰذا اُسے الوہیت کا خلود و ابدیت حاصل ہے۔ زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراموش ہو جائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہو جائیں گی تمام فلسفے مِٹ جائیں گے۔ تمام دانائیاں غائب ہو جائیں گی۔ صرف ایک ربّ ذوالجلال والاکرام باقی رہ جائے گا۔ اُس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اِس لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ بھی باقی رہ جائے گا!

اُس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پورا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق صدق دل سے گواہی دے گی "اشہد ان محمدا رسول اللہ!"

سعد پاشا زغلول کے اقوال

"حمایۃ"

"انگریز کہتے ہیں: تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایۃ (پروٹیکٹریٹ) میں ہو۔ یہ الفاظ وہ اِس لئے بولتے ہیں کہ اُن کے خیال میں مصری الفاظ سے خوش ہوتے ہیں اور معانی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ اُن کا خیال غلط ہے۔ اب ہم معانی دیکھتے ہیں، الفاظ کی پروا نہیں کرتے۔ ہم آزادی اور کامل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اُس کا نام غلامی ہی رکھ دو۔ ہم الفاظ کے پجاری نہیں ہیں۔ ہم معانی کے طلبگار ہیں۔ ہمیں صرف آزادی، کامل آزادی مطلوب ہے"

ٹائمس کا نامہ نگار

حضرات! آپ لندن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ گمراہی پھیلانے کا آلہ۔ لندن ٹائمز کا نامہ نگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہے؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں صرف آزادی" میرا جواب تھا۔

"لیکن مصر تو آزاد ہی ہے" نامہ نگار نے کہا۔

"کیا انگلستان اِسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کریگا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ لارڈ کرزن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں" میں نے کہا: "بشرطیکہ وہ ہماری آزادی تسلیم کر کے گفتگو کرے"

یہ سُن کر نامہ نگار نے رخصت کی اجازت چاہی!"

طالب علموں سے خطاب

"عزیزانِ من! میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اُن پاک روحوں کا سلام قبول کرتا ہوں جنھوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کر دیا ہے۔

"میں پورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں اپنے اُن فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عزیزو! وہ تم ہو۔ تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، متحرک نفس ہو۔

"میں پورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہے، اصول و مبادی پر زندہ ہے۔ اشخاص کی پوجاری نہیں ہے۔

"مجھے فخر ہے کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حساس اور پُرامید ہے۔ جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کامل آزادی ہے۔

"میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کہ اپنی پوری زندگی تمھارے لئے کامل آزادی کی کوشش میں صرف کر دونگا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا نا تمام کام پورا کرنا۔ یہ میری وصیت ہے۔

"تمھاری جیسی فوج کے سپہ سالار کے لئے روا نہیں کہ کمزور ہو، ضعیف الارادہ ہو، بد دیانت ہو۔ ہم پر حرام ہے کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمھاری ذلت ہو۔ ہمارے لئے جرم ہے کہ ایسی بات منظور کریں جو کامل آزادی سے کم درجہ ہے"

جلاوطنی

"زغلول جلاوطن کر دیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محض ایک فرد ہے۔ مصر میں لاکھوں زغلول موجود ہیں، اور زغلول کی طرح آزادی کی راہ میں مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ مصر کی تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلاوطن کر دینا چاہیئے"

مصنوعی آزادی

"کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کامل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اِس معاہدہ کو کامل آزادی کا معاہدہ کہنے لگوں، تو ابھی برطانیہ کی نظر میں محبوب بن جاؤں اور برطانی اخبار کل ہی سے نعرے لگانا شروع کر دیں "زندہ باد سعد!" لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا وہ مجنون ہیں کہ غلامی کو آزادی کہتے ہیں لیکن میں مجنون نہیں ہوں، کیونکہ تم کہتے ہو میں تمھارا سردار ہوں!" (قہقہہ)

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریبا ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم با مسمیٰ ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد و حریص سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سر و دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے لئے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نو خیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی صدی کمیشن دیا جائے گا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔ فہرست دواخانہ مع جنتری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جنکی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Bretain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے جو ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال پر مل سکتی ہے

اگر آپ کو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجے۔ اپنے سب سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

مطبوعات الهلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے، جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرۂ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑھائي روپیه ، مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ، ذریعه معاش ، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ، اسلامي ، سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ، عربي ، فارسي ، انگریزي ، اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے- اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ، لطائف افسانه ، نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

مینجر الهلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

التحفۃ الهلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ، لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ، اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ، مذهب ، سیاست ، ادبیات ، علوم و فنون ، اور معلومات عامه کے هوتے تے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں- اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ، جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ، اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ، مذهبي ، سیاسي ، اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں- ان کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ، هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ، چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

"   "   " چهارم ۱۰ روپیه   "   "   " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے- قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

مینجر "البلاغ پریس"

قیمت ۵ ـ آنه

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنین
القرآن الحکیم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٦ | کلکتہ : جمعہ ١٠ - ربیع الثانی ١٣٤٦ ھجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 7. October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیے موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کرلین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔
الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس بارے مین اس وقت تك ١٣٠١ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٣٧٥
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	٣٧٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢٢٨	نستعلیق ہون	١٢٧

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس بارے مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی ۔ آیندہ اس بارے مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شايع هوتا ہے

قيمت سالانه مع محصول	-	-	باره روپيه
هندوستان سے باهر کيليے	-	-	سوله روپيه
قيمت شش ماهي	-	-	سات روپيه
قيمت في پرچه	-	-	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منيجر الهلال " کے نام سے کي جاے ليکن جو خطوط مضامين سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ايڈيٹر " کا نام هونا چاهيے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنايت خط و کتابت ميں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھيے -

(۴) خط و کتابت ميں نمبر خريداري لکھيے جسکي اطلاع آپکو وصول قيمت کي رسيد ميں ديدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاريخ اشاعت سے ايک هفته کے اندر اطلاع ديں - ورنه بصورت تاخير بغير قيمت کے روانه نہيں کيا جائيگا -

(۶) اگر آپ دو تين ماه کيلئے ايک جگه سے دوسري جگه جا رہے هيں تو اپنا پته تبديل نه کرايے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع ديکر انتظام کر ليجيے - اگر اس سے زياده عرصه تک کے لئے تبديل مقام پيش آجاے تو ايک هفته پيشتر اطلاع ديکر پته تبديل کراليں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھديں -

(۸) ايسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسيد زر و اطلاع اجراء اخبار وغيره) سے نہيں ہے ٹکٹ ضرور بهيجيے ورنه دفتر پر غير معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑيگا -

جنگي اقتدار رکھنے والے بادشاهوں پر رعايا کي کوئي نگراني نہيں هوتي - ليکن تجارتي حکومتوں ميں تجار و اعيان ' حاکم کي نگراني کرتے هيں ' اور حاکم ' تجار و اعيان کي نگراني کرتا هے ' کيونکه پوري قوم اِس ممتاز طبقه کے مظالم کا نشانه بن سکتي هے -

(حکومتوں کي تشکيل ميں مذهبي پيشواؤں کا دخل)

ايک تيسري قوت بهي هے جو حکومتوں کي تشکيل ميں بڑا دخل رکهتي هے - وہ قوت کاهنوں اور مذهبي پيشواؤں کي هے - قديم زمانے ميں ديني پيشواؤں کو غير معمولي اهميت و طاقت حاصل تهي - مصريوں اور يهوديوں ميں اِن کا اقتدار بے روک تها - يه اِنهي کاهنوں کي قوت تهي جس نے مخلوق سے فرعون کي پرستش کرائي اور رومولس اور ريموس (۱) کو جنگ کے ديوتا کي اولاد تسليم کرا ديا - چين کے شهنشاهوں کے متعلق بهي ايسا هي اعتقاد تها - سيام کے بادشاه تو آج تک اِسي قسم کے القاب سے ياد کيے جاتے هيں -

غرضکه سياسي قوت ' اجتماعي ارتقاء کا نتيجه هوتي هے - کمزور هميشه طاقتوروں کا لقمه هوتے هيں - قوت صرف مادي هي نهيں هوتي - ديني ' اخلاقي ' اور فکري بهي هوتي هے - بلکه کبهي کبهي اقتصادي بهي هوتي هے - مارکس کا قول هے که اقتصادي قوت هي سياسي قوت ميں اصل و بنياد کا حکم رکهتي هے - اُس کي يه رائے هر حال ميں صحيح نهيں هے ' اگرچه اقتصادي قوت ' سياسي نظامات کي تاريخ ميں بهت مؤثر رهي هے -

(سياسي حکومت ' اور باهمي تعاون کي تاثير اُمت کي تکوين ميں)

سياسي حکومت کا ظهور ' ايک اجتماعي حادثه هے - يه حادثه هميشه ايک هي قسم کا هوتا هے - جماعتيں اپني قلت و کثرت ميں کتني هي متباين هوں ' مگر اِس سے اُن کے طبائع ميں کوئي تباين پيدا نهيں هوتا -

انسان ' باهم اجتماعي تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے هيں - صرف اسي تعاون کے ذريعه هم اپني ضرورتيں پوري کرسکتے هيں - انسانوں کي ضرورتيں اور قابليتيں مختلف اور متفاوت هيں - اِسي صورت حال نے اُنهيں مجبور کر ديا هے که تقسيم عمل کے اصول پر باهمي تعاون سے کام ليں -

همارے اجداد کي اجتماعي روش ' ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئي جب اُنهوں نے دور توحش سے دور بداوت ميں قدم رکها - جغرافيائي اور جنگي ضرورتوں سے مجبور هوکر بهت سے قبيلے متحد هوگئے - اُن کے اتحاد نے ايک نيا مجموعه پيدا کرديا - اِسي مجموعه کا نام بعد کو " اُمت " يا " قوم " هوا - پهر جب زرعي غلامي اور سرداري کا طريقه رائج هوا ' تو غلاموں کے قتل کر ڈالنے کا دستور منسوخ هوگيا اور غلام کاشتکاري کي خدمت پر مامور کر دیے گئے - پهر صنعت و حرفت کے وسيع پيمانے پر ظهور نے سرے سے يه غلامي بهي موقوف کردي -

اِسي تدريجي ارتقاء نے قوميتيں پيدا کيں ' اور قبائلي سرداروں کو شاهي تختوں پر بٹها ديا - پہلے زمانے ميں پادشاه کا اولين کام يه تها که فوج کي سپه سالاري کرے - مصريوں ' اشوريوں ' اور يورپين قوموں کي تاريخ ايسي مثالوں سے لبريز هے -

(۱) رومولس اور ريموس ' مندر وستا کي راهبه " ريا سيلويا " کے توأم لڑکے تهے ' اور زنا سے پيدا هوئے تهے - مگر راهبه نے دعوی کيا که وه جنگ کے ديوتا مريخ کي اولاد هيں - رومولس ' روم کا باني هے -

(جماعت کي زندگي اور تعاون کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کي رائے ميں جماعت ' ايک حقيقي زندگي رکهتي هے - اُن کا خيال هے که جماعتي ذهن و وجدان ' فردي ذهن و وجدان سے عليحده وجود رکهتا هے - قديم زمانے ميں افلاطون اور ارسطو کا بهي نظريه يهي تها که جماعت ' ايک عظيم زنده وجود هے - گويا وه سينکڑوں سروں کا حيوان هے - همارے زمانے ميں بهي متعدد علماء نے يهي کها هے - چنانچه ورمس وغيره کهتے هيں که جماعتيں ' اپني مستقل زندگي رکهتي هيں - وه جسم هي کي مثال پيش کرتے هيں - وه کهتے هيں علماء فيزيولوجي (علم وظائف اعضاء) کا متفقه فيصله هے که اجسام حيه کي اساسي طبيعت يه هے که هر عضو اپني جگه پر ايک خاص عمل انجام ديتا هے جس سے مجموعي جسم کي زندگي برقرار رهتي هے - مثلاً نبات ' جڑوں ' پتوں ' اور پهولوں وغيره سے مرکب هوتا هے - اِن ميں سے هر چيز اپني جگه پر پورے درخت کي سلامتي و بقاء کے ليے کام کرتي هے -

اعضاء کا يه تعاون ' دو اصلوں پر مبني قرار ديا جا سکتا هے :

(۱) مختلف اعضاء ميں وظائف کي تقسيم و تحديد -

(۲) وه غرض و غايت ' جس کے ليے بطريق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے هيں -

يه دونوں اصليں ' تمام انساني و حيواني جماعتوں ميں پائي جاتي هيں - يه اِس ليے که اگر اعضاء جسم ميں وظائف کي تقسيم نه هو ' تو اُس جسم ميں سرے سے وصف عضويت هي موجود نهيں هو سکتا - مثلاً اگر هم ايک رنگ کا ڈيله ديکهيں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابه هوں ' اور سب ايک هي عمل انجام دے رهے هوں ' تو همیں فيصله کر دينا پڑيگا که اِس ڈيلے کے اجزاء ميں وظائف کي تقسيم نهيں هے - يعني اُس ميں خود عضويت کا وجود هي نهيں هے - يهي حال انساني جماعت کا هے - جس انساني گروه کا هر فرد اپني عليحده زندگي بسر کرتا اور جماعت کے ليے کوئي کام نهيں کرتا هے ' همیں کهنا چاهيے که وه گروه سرے سے جماعت هي نهيں هے ' بلکه دور وحشت ميں پڑا هوا هے -

(وظائف کي تقسيم)

جسم ميں عضويت کا آغاز اُسي وقت سے هوتا هے جب اُس کے اجزاء ميں وظائف کي تقسيم هو جاتي هے - يهي حال انسانوں کا هے جب اُن ميں تقسيم عمل نافذ هو جاتي هے - بعض کهيتي پر لگ جاتے هيں - بعض کپڑا بننے لگتے هيں - بعض مکان بنانے لگتے هيں ...... اِس حالت ميں انسانوں کے اِس گروه کا نام " جماعت " هو جاتا هے -

ميلن کي رائے هے که عالم اقتصاد ميں تقسيم عمل ' عالم فيزيولوجي (وظائف الاعضاء) ميں تقسيم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابه هے - يه تقسيم هي جسم حي کي خصوصيت پيدا کرتي هے - اور يهي تقسيم " جماعت " کو موجود کرتي هے -

اِس کي مثال يه هے که زنده جسم ميں معده ' نه تو دل کا فرض انجام ديتا هے ' نه دل معدے کا - گزشته تفصيل سے واضح هوچکا هے که زندگي پيدا کرنے ميں تقسيم وظائف ' تعاون هي کي بنياد پر قائم هوتي هے - مثلاً دماغ اپني غذا حاصل کرنے کے ليے خود عمل نهيں کرتا ' بلکه اُس کي غذا معده مهيا کرتا هے ' اور قلب يه غذا اُس تک پهنچاتا هے - يهي حال جماعت کا هے -

علم الاجتمـــاع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں وھي شخص اُس کا سردار ہو نا چاھیے' جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسماني قوت میں اصلح ہو - یہ حال صرف انساني جماعتوں ھي کا نہیں ہے - چڑیاں بھي جب ایک اقلیم سے دوسري اقلیم کو جاتي ھیں ' تو اپني سرداري اور پیش قدمي کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوي اور تیز نظر فرد منتخب کرتي ھیں - ھمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ہوئے جاتے ھیں !

اپني تکوین کے آغاز میں سلطنت کي بھي یہي صورت ہوئي - افریقہ ' اسٹریلیا ' اور نیوزي لینڈ میں ابتک ایسے قبائل موجود ھیں جو یہ اجتماعي نظام پیش کر رہے ھیں - بعض قبائل ایسے بھي ھیں جن کا سردار دائمي نہیں ہوتا ' عارضي طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے - چنانچہ قبائل تُسمان کا یہي حال ہے - اُن کا جب کوئي خانداني سفر یا جنگ کو جانے لگتا ہے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ہے - لیکن اِس ضرورت کے ختم ہوتے ھي سردار کي سرداري بھي ختم ہو جاتي ہے ' اور وہ باقي افراد کي طرح ایک فرد عام ہو جاتا ہے -

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ھیں ' اُن میں فرد کا کوئي اقتدار نہیں ہوتا - چنانچہ قبائل دوجي میں کوئي بھي سردار نہیں ہے - تمام افراد بالکل مساویانہ زندگي بسر کرتے ھیں -

یہي حال قبائل اسکیمو کا ہے - اِن کي تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے ' مگر آج تک اُن میں کوئي سردار نہیں ہے - شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یوروپین جہاز پہنچے ' تو اُنہیں یہ دیکھہ کر سخت حیرت ہوئي کہ بحري سپاھي اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت تے ھیں !

(حکومتوں کي تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائي حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ھي نہ تھي - لیکن جو حکومتیں جنگي ضرورت سے قائم ہوتي ھیں ' وہ فرد ھي کے ماتحت ہوتي ھیں - ابتدائي جنگوں کے تجارب نے انساني جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کي قوت ' کثرت تعداد کي قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتي ہے - بہت سي جماعتیں محض اِس لیے برباد ہو گئیں کہ اُن میں کوئي نظام موجود نہ تھا - انتشار و فوضویت عام تھي - چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگي اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے -

جملہ مستبد حکومتوں کي پیدائش ' جنگ ھي سے ہوئي ہے - شخصي حکمراني کا باعث ' جنگ سے بڑہ کر کوئي چیز نہیں ہو سکتي -

چنانچہ قرون اولی میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگي خطرہ پیش آیا ' تو قہري حکومت (ڈیکٹیٹرشپ) قائم ہوگئي - لیکن اُس کے دفع ہوتے ھي مینسناٹس ' جو اِس حکومت کا حاکم تھا ' اپنے کھیت میں ھل چلانے واپس چلا گیا - تاریخ میں ایسي بہت سي مثالیں موجود ھیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھي جنگوں نے ایسے آدمي پیدا کر دیے' جو شروع میں حامي حریت معلوم ہوتے تھے مگر جنگي ضرورتوں نے اُنہیں مستبد حاکم بنا دیا -

جنگي قومیں — اپنے جغرافیائي موقعہ کے لحاظ سے — استبدادي طرز حکومت ھي پر برقرار رھیں - اسي طرح تمام وسیع ممالک ' جن پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہے یا جن میں اندروني شورشیں زیادہ برپا ہوتي رھیں ' اُن کي حکومتیں لازمي طور پر استبدادي رھي ھیں - برخلاف اِن کے چھوٹے چھوٹے اور چہار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کي حکومتیں جمہوري ہوا کرتي ھیں - چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کي مثال ھیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ھیں - لیکن قوم ترکمان — بدویت کي حالت میں — شخصي استبداد کي طرف مائل رھي ہے -

(حکومتوں کي تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت ' اگرچہ براہ راست حکومتوں کي تکوین کا باعث نہیں ہے ' لیکن جنگ کے بعد وہ بھي اُن کي تشکیل میں بڑا دخل رکھتي ہے - کیونکہ صناعت ' دولتمندي کا اولین سبب ہے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ہے -

ابتدائي انسان نے جوں ھي آلات کو ترقي دي ' مختلف قسم کي صنعتیں ظاھر ہونے لگیں - صناعوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولي محنت کے ذریعہ اِتني پیداوار مہیا کر لي جو اُن کي ضرورت سے زیادہ تھي - چنانچہ اُس کي فروخت اور مبادلہ سے اُنھیں کافي دولت حاصل ہوگئي - اِس دولت سے اُنھوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کر لیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کر لیے -

اِن مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ہوئي کہ حریص و طماع غریبوں سے اپني دولت محفوظ رکھنے کي تدابیر اختیار کریں - چنانچہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے - یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کي بنیاد رکھي اور اُسکي خاص شکل تجویز کي -

اِس قسم کي حکومتیں ' جو صناعوں اور تاجروں کے ھاتھوں ظاھر ہوئیں ' قدرتي طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتي تھیں ' جنھیں جنگوں نے پیدا کیا تھا - کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصي اقتدار قائم نہیں ہو سکتا تھا - صناعوں اور تاجروں کي جماعت کو بھي رسوخ حاصل تھا - اِس قسم کي حکومتوں کي مثال قدیم زمانے میں وینس اور ولمنگ کي حکومتیں تھیں - یہ حکومتیں جنگي حکومتوں سے بہت سي باتوں میں مختلف ہوتي ھیں -
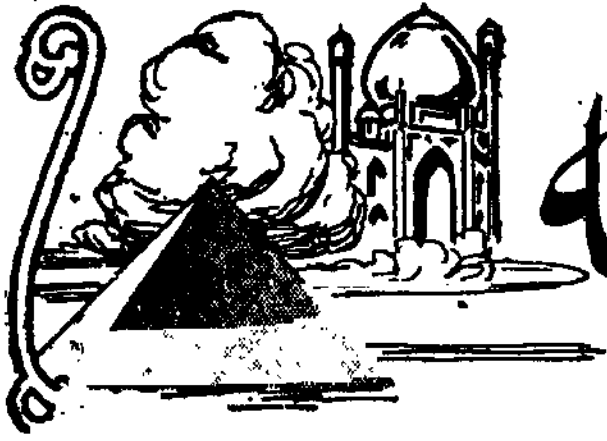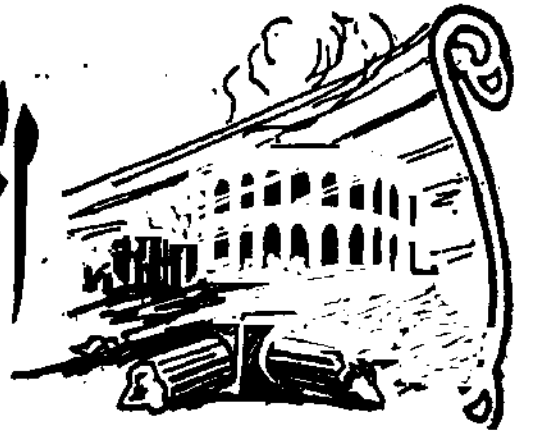
ایک قدیم مرقع

خلیفه هارون الرشید اور فرانسیسي سفارت

عرصه هوا ' زمانۂ حال کے مشهور مصري مصنف جرجي زیدان موسس الهلال قاهره نے اپني سیاحت یورپ کي یاد داشتیں شائع کرتے هوے لکها تها " سوربن یونیورسٹي میں ایک قدیم مرقع میري نظر سے گزرا - اس میں اُس فرانسیسي سفارت کا خلیفه هارون الرشید کے دربار میں ورود دکهلایا گیا هے جو شارلیمین اول نے بغداد بهیجي تهي ' اور جس کے جواب میں هارون الرشید نے وه عجیب و غریب گهڑي ارسال کي تهي جس کا تمام یورپ میں عرصه تک شهره رها "

جرجي زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تها - اس مرقع میں هارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تو بر تو گدیلوں سے بنائي گئي هے ' بیٹها هے - سر پر هود کي وضع کي قلنسوه هے اور اس پر عمامه بندها هے - حبشي غلام عقب میں کهڑے هیں ' اور فرانسیسي سفارت کے ارکان زمین بوس هو رهے هیں -

مجهے اس مرقع سے بهت دلچسپي هوي لیکن اِسکي تاریخ قدامت کي کوئي تصریح نهیں کي گئي تهي - میں نے خیال کیا ' بهت ممکن هے زمانۂ حال کے کسي مصور نے واقعۂ سفارت کے تخیل کو مرقع کي صورت دیدي هو ' یا کسي تاریخي کتاب کي تزئین کے لیے طیار کیا گیا هو - میں چاهتا تها ' اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں - کیونکه مجهے اپني ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مرقعوں کي ضرورت تهي -

گذشته سال ایک تقریب سے مجهے موقع ملا که موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں - یه فرانس کے مشهور فارسي داں متسشرق هیں اور کچهه عرصه سے پیرس کے قومي کتب خانه کے فارسي حصه کي از سر نو تحقیقات کر رهے هیں - میں نے اس مرقع کي نسبت ان سے دریافت کیا - ان کا جواب حسب ذیل تها :

" جس مرقع کا آپ نے ذکر کیا هے (یعنے سوربن یونیورسٹي کا) وه اصل نهیں هے - اصلي مرقع کي نقل هے - اصلي مرقع اس کتب خانه میں (نیشنل لائبریري پیرس) میں محفوظ هے - یه مشکل هے که اس کي صحیح تاریخ معین کي جا سکے ' لیکن اس میں کوئي شک نهیں که سولهویں صدي میں یه مرقع موجود تها - کیونکه سنه ۱۵۸۹ - میں جب هینرخ Heinrich نے اپنا مجموعۂ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا هے ' تو اس میں یه مرقع بهي درج کیا گیا تها - مرقع کے نیچے یه عبارت لکهي گئي تهي " بغداد کے خلیفه کے دربار میں شارلیمین کي سفارت — اِس مرقع کي نسبت خیال کیا جاتا هے که یه شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تها " مرقع کا جو نسخه بطور اصل کے اسوقت محفوظ هے ' غالباً وه بهي اصل نهیں هے - کسي دوسرے نسخه کي نقل هے - کیونکه اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے هیں ' اور اُن رنگوں کا استعمال سولهویں صدي کے بعد شروع هوا هے — * * * * * * * * * سولهویں اور سترهویں صدي میں یه مرقع منجمله اُن تصاویر کے تها ' جن سے فرانس کے شاهي قصر آراسته کیے جاتے تهے - قصر تویلري کے لیے یه مرقع ایوان استقبال کي اُن تصویروں کي قد و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تها ' جو اسکي دهني اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جتني ترتیب دي گئي تهیں - میں اگرچه یه کهنے کے لیے کافي تاریخي تصریحات نهیں پاتا که یه مرقع اصلي هے ' تاهم اس کي تاریخي قدر و قیمت سے انکار نهیں کیا جا سکتا - کم از کم یه بات بالکل صاف هے که خود شارلیمین کے عهد کا هو یا نه هو ' لیکن سولهویں صدي سے پیشتر کا رائج و مشهور مرقع ضرور هے * * * ایک دوسرے واقعه سے بهي اس مرقع کي تاریخي حیثیت کي تصدیق هوتي هے - هارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسي سفیروں کے ساتهه اپنے خاص سفراء بهي بهیجے تهے ' اور ان کے ذریعه بیت المقدس کي طلائي کنجیاں اور بهت سے قیمتي تحائف روانه کیے تهے - انهي تحائف میں وه اپنے عهد کي عجیب و غریب گهڑي بهي تهي جس کا ذکر اُس عهد کے مورخ اے جي نارث Eginhart نے

ضروري هے که اُس میں بهي بعض افراد ' قوم کي مدافعت کي ذمه داري لیں ' بعض عام مصالح انجام دیں ... اِس تقسیم عمل اور تعاون کي غایت یه هوتي هے که مجموع یعني جماعت ' قائم و محفوظ رهے - هر عضو ' دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت ' واسطه اور غایت هوتا هے - چنانچه مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار هوتا هے ' اور حاکم ' کاشتکار کا خادم هوتا هے - اِسي طرح جماعت کا هر فرد ' دوسرے افراد کا معاون و مدد گار هوجاتا هے -

یه اعمال اپني مجموعي حیثیت سے دائرۂ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکھتے هیں - تمام اقوام اور قبائل ' انساني مجموعه میں ایسے هي دائرے بناتے چلے جاتے هیں -

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپنسر نے کائنات حیه کي بحث میں بتایا هے که جسم حي میں تین بڑے نظام ' تین بڑے وظائف انجام دیتے هیں :

نظام هضمي ' مجموعه عصبي ' نظام تنفس -

یهي حال سلطنت کا هے - ایک فریق مجموع کے لیے اُس کي غدا مهیا کرتا هے - دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبهالتا هے - تیسرا فریق --- اور وه درمیاني فریق هے --- زمین کي پیداوار تقسیم کرنے کا ذمه دار هوتا هے تاکه باقي جماعت اُسے اپنے کام میں لائے -

یه عمل ' جسم انساني میں دوران خون کے نظام سے بهت مشابه هے - سلطنت میں زراعت ' حکومت ' تجارت ' تین اعضاء هیں اور اُن اعضاء ثلاثه کے قائم مقام هیں جو حیاۃ حیواني قائم رکھتے هیں -

یهاں پر ایک سوال قابل لحاظ هے - همیں اُسے نظر انداز نهیں کرنا چاهئے - " کیا سلطنت اِن اعضاء کے وجود کے بعد هي موجود هوجاتي هے ؟ --- گهڑي کا آله یا جهاز کا آله ' کائنات حیه کے مشابه هے - چنانچه وه بهي دوسرے اجسام حیه کي طرح مختلف اعضاء سے مرکب هے - اِس کے اعضاء میں بهي تقسیم عمل هے اور اپنے اعمال کي انجام دهي میں تعاون رکھتے هیں - یه آلات ' زنده اجسام سے اِس قدر مشابه هیں که وحشي انسان اُنهیں سچ مچ زنده وجود هي سمجهه لیتے هیں - اگر یهي بات هے تو پهر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقي ره جاتا هے ؟ "

اِس سوال کا جواب لابنتس نے یه دیا هے که " لکڑي یا لوهے کا مصنوعي آله ' في نفسه کوئي عضویت نهیں رکھتا - برخلاف اس کے هر زنده وجود عضویت اور مستقل زندگي رکھتا هے - هر عالم حي ' هزاروں زنده عوالم کا مجموعه هے "

وبر خوف اور کلوڈ برناڈ نے ثابت کیا هے که هر حیوان اپنے سے بهت زیاده چهوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب هوتا هے - همارے جسموں کے اندر بهت سي ذي روح کائنات موجود هیں - اِن میں سے هر ایک مستقل زندگي رکھتي هے - اِن کائنات کي زندگي همارے هي خون سے هے - یه کائنات ' مختلف قابلیتیں ' خواهشیں ' امراض ' اور حرکات رکھتي هیں - اگر هم کسي کیڑے کے دو ٹکڑے کردیں تو بهي اُس کا هر ٹکڑا زنده رهے گا - بلاشبه ترقي یافته حیوانوں کي یه حالت نهیں هے - لیکن ان حیوانات کے بهي بعض اجزاء --- مثلاً ناخن اور بال --- جسم کي موت کے بعد زنده رهتے هیں - مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑهنا اس بات کي دلیل هے که اِن میں زندگي موجود رهتي هے - اِسي طرح یه بهي واقعه هے که کئي چوهوں کي دمیں اگر ایک چوهے کے جسم میں لگا دي جائیں ' تو اِن تمام دموں میں بهي زندگي پیدا هو جائیگي -

مختارات

عورت کی طاقت

عورت ' هیئت اجتماعیه کي بنانے والي هے ۔ پوري هیئت اجتماعیه ' عورت کے قبضۂ اختیار میں هے - سب کچهه اُسي کي مدد سے اور اُسي کیلیے هوتا هے - عورت ' مرد کي سب سے بڑي مربي و معلم هے - وه عورت هي هے جو مرد کو اعلی اخلاق ' پسندیده آداب ' اور رقیق احساس سکهاتي هے عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کي تعلیم دیتي اور سب کو سخت مزاجي سے باز رکھتي هے - عورت هي کے ذریعه مرد کو معلوم هوتا هے که اُسکي اجتماعي زندگي کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب هے - عورت کے قریب هونے هي سے هم محسوس کرتے هیں که جذبات کا طوفان اور ایمان کا دهارا اِتنا زبردست هے که اُسے روکا نهیں جا سکتا ' اور یه ' که انسان اپني عقل کے بل بوتے پر نهیں چل رها هے -

(اناتول فرانس)

علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشهور هے که علماء و فضلاء خشک مزاج هوتے هیں - شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کي وجه سے خشک دماغ هو جاتے هیں - یه چیز اِس قدر مشهور هوئي که علم اور خوش مزاجي کو بڑي حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا - بهت سے مدعیان علم مصنوعي خشک مزاجي کي عادت ڈال کر دنیا کو اپني علمیت منوانے لگے - حالانکه علم اور بشاشت میں هرگز کوئي تضاد نهیں هے - زیاده سے زیاده هنس مکهه آدمي بهي بڑے سے بڑا عالم هوسکتا هے - اِس کي سب سے زیاده نمایاں مثال جاپان میں موجود هے - یهاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج هوتے هیں - حال میں مشهور جاپاني عالم ' ڈاکٹر " میورا " امریکا گیا تها - وهاں کے لوگ اُس کي هنسي اور خوش طبعي دیکهکر متعجب هوئے -

بادشاهون کو هدیه

بادشاهوں کے لیے ایک مصیبت هدیے بهي هیں جو اُنهیں بهت بڑي مقدار میں همیشه پهنچتے رهتے هیں ایڈورڈ هفتم کے پاس سیکڑوں صندوق سیگرٹ ' نک ٹائي ' دستانوں ' جوتوں ' اور چهڑیوں سے لبریز بطور هدیه کے آیا کرتے تهے - وه هدیے بهت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کردیا کرتے - تاهم بعض نادر چیزیں لے بهي لیتے تهے - چنانچه ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بهر وزن کا ایک آلو بهیجا تها - اُسے بادشاه نے قبول کرلیا - اِسي طرح ایک قدیم مصري شاهزادي کا ممي کیا هوا هاتهه بهي منظور کرلیا تها ' اور اُس سے میز پر کاغذ دبانے کا کام لیا کرتے تهے !

یهي حال سابق قیصر جرمني کا تها - ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پهاڑ " کیلیما نگارو " کي چوٹي پر سے ایک پتهر کاٹ کر هدیه بهیجا تها - اُسے قبول کر لیا - نیز ایک بڑهیا کا سو مارک کا نوٹ بهي منظور کرلیا تها - اِس عورت نے دربان کے هاتهه شهنشاه کو ایک لفافه بهیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوه ایک خط تها : " کل میں نے آپ کو فوج کي قواعد ملاحظه کرتے وقت سردي سے کانپتے دیکها - یه سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اِس سے اوني بنیائن خرید لیجیے "

ہوتا ' تو بہت ممکن تھا ' اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں ، لیکن عبدالعزیز کے مجنونانہ استبداد نے جسکے ساتھہ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع ہوگئے تھے ' اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے - خزانہ بالکل خالی تھا - یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رہے تھے - مالیات کے بہترین وسائل مکفول ہوگئے تھے - روس نے پیٹرسبرگ سے سرائے دولمہ بغچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا - روسی سفیر جنرل اگناٹف کا اقتدار روز بروز بڑھتا تھا ' اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا - سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف ہوتا - بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار یابی کا موقعہ نہیں ملتا - شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر رہا ہے - پھر اگر خصوصیت کے ساتھہ اُسکا کوئی حکمران " مستبد " ہو جائے ' تو ظاہر ہے ' اُسکا استبداد کس درجہ لا علاج اور بے پناہ ہوگا ؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا - کوئی بات بھی اسے اسقدر طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جسقدر اس بات کا تصور ' کہ دنیا کی کوئی مخلوق اُسے " مشورہ " دینا چاہتی ہے ' یا نصیحت کرنے کی جرأت رکھتی ہے - ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے ' اُنہیں فوراً اسکی سزا بھگتنی پڑی - اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت روز بروز درہم برہم ہو رہا تھا اور آنے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی ' مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناٹا چھایا تھا - کوئی صدا نہ تھی جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا ہوتی !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالآخر جنبش ہوئی ' اور دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی - یہ مصطفی فاضل کی صدا تھی - وہ صداے حق ' جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی ' نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے !

تاریخ میں یہ صداء اصلاح " لائحۂ اصلاحیہ " کے نام سے مشہور ہے - یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبدالعزیز کے نام لکھا گیا تھا - مصطفی فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ میں لکھا ' اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا - لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تحیر سے انگشت بدندان رہگئے - دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی - ایسی جسارت جسکی مصطفی رشید ' فواد پاشا ' اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرأت نہیں کرسکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا ' اور وہی نتیجہ نکلا جو متوقع تھا - مصطفی فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرنی پڑی - وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہوگیا - مصطفی فاضل کے اسی قیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی - قسطنطنیہ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے ' اور مصطفی فاضل کی امداد و سرپرستی میں متعدد زندگی بسر کرنے لگے - اُس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنہوں نے نہ صرف دولۃ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی ' بلکہ ترکی علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی ' اسی عہد کی پیداوار ہیں - نامق کمال بے ' ضیا پاشا ادیب ' سعد اللہ پاشا ' ابوالضیا توفیق ' وغیرہم کی نشو و نما اسی دور میں ہوئی -

مصطفی فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا ' بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کرلی گئی - اگر فرانسیسی حکومت درمیان نہ پڑتی تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا -

مصطفی فاضل کا لائحہ ' تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے - جس جرأت و صراحت کے ساتھہ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے ' اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شوری کی دعوت دی گئی ہے ' اُس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی - ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جائے ' کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے -

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ موقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گزیر ہے - دولۃ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں ' وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریت و اصلاح کی طلبگار تھیں ' لیکن ساتھہ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکی بنیاد میں یورپ کی عامیانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی -

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی - اسلام کے حقیقی سرچشمۂ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سر چشمے پھوٹ نکلے تھے ' اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار ہوگئی تھیں - ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے ' جو سب سے پہلے اُمت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا - اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی - البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھہ کھلتی - تقلید و کورچشمی کے ساتھہ نہ کھلتی - لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا - دولۃ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں - امراء و حکام جہل و اوہام کی تاریکی میں گم تھے - اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنہیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقعہ مل گیا - یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع ہوے ' اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کردی - سعی صحیح تھی ' بروقت تھی ' لیکن ساعی بصیرت و نظر سے محروم تھے - مرض کا احساس غلط نہ تھا ' لیکن نہ تو تشخیص کامل تھی ' نہ علاج ہی صحیح تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی اُٹھے ' وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے ' لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کرسکے ' اور شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے -

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے - اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں - یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے ' کہ گذشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفی فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے ' اور اسکا یادگار کارنامہ " لائحۂ اصلاحیہ " ہے :

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفی فاضل باشا

اور لائحۂ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

اُنیسویں صدی کے وسط میں دولۃ عثمانیہ کی سیاسی و ابتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی ' عام طور پر اسکی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدحت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعی اول نہ تھا - اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا - ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفی فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے - فی الحقیقت نوجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی موسس وہی تھا -

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافۃ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا ' وہ مصطفی رشید پاشا تھا - امراء دولۃ میں یہی پہلا شخص ہے جسنے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی - اسکی نشوونما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوی تھی - سنہ ۱۸۳۹ع میں جب سلطان موصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا ' تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا - سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجیہ پر مامور کردیا - یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے ماہ جون میں دولۃ عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو "خط گل خانہ" کے نام سے مشہور ہے - اسکا نام "گل خانہ" اسلیے ہوا کہ سراے "توپ قپو" کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا - اس اعلان میں دولۃ کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا - نیز مسلم اور ذمی کے حقوق کے مساوی ہونے ؛ اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تھا -

مصطفی رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی ' اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہوگئی - ان میں سب سے زیادہ نامور شخص یہ ہوے : عالی پاشا اور فواد پاشا - دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی ' اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے - سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجرات اصلاحیہ کی باعث و کارفرما شخصیتیں یہی تھیں - معاہدۂ پیریس (۳۰ - مارچ سنہ ۱۸۴۶) میں دولۃ عثمانیہ کو جو کامیابی ہوی ' اور انگلستان ' فرانس ' اور اٹلی نے روس کے برخلاف ساتھہ دیا ' وہ بہت کچھہ انہی دونوں کی مساعی کا نتیجہ تھا - معاہدۂ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو "خط شریف" کے نام سے پکارا جاتا ہے - اس میں "خط گل خانہ" کی مزید تائید کی گئی تھی ' اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا - یہ بھی تمام تر فواد اور عالی ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا -

(مصطفی فاضل)

مصطفی رشید ' فواد ' اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلیے فضا پیدا کردی ' مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو ہونے والا تھا - یہ مصطفی فاضل پاشا کی شخصیت تھی ' جس نے اس نئی فضا کو نشوونما دی ' اور "نوجوان" ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھدیا - مدحت پاشا بعد کو آیا تا کہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے !

مصطفی فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوۂ مصر کا پوتا اور ابراھیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا - سنہ ۱۸۳۰ع میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی - مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اھمیت کا احساس عام ہو چلا تھا ' اور خاندان خدیوی کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے - مصطفی فاضل کو بھی اسکا موقعہ ملا - اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اُس پر کھل گیا - ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا ' اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا ' تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہوگیا - پھر کچھہ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوی ' تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی -

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا ' جبکہ دولۃ عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلیے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی ' اور قریب تھا کہ ہمیشہ کیلیے اُسکی شش صد سالہ عظمت و جلال کی دیواریں سرنگوں ہوجائیں - سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی - سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاھا - اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلۂ اصلاح کی تیسری کڑی

کیا ہے - اس عرب سفارت کے ورود و استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے - اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اِس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تحائف پیش کررہے ہیں - اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعۂ سفارت کے دونوں درباروں کی تصویریں بہ یک وقت طیار کی گئی تھیں - اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی ہوں - یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پنتھیوں Pantheon کی دیواروں پر اِس وقت تک موجود ہے - یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں ' من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے "

اس مرقع کی نقل ہدیۂ قارئین ہے -

بلاشبہ ' مضبوط اخلاق هي اِس وجود میں تنہا ایک قوت نہیں ھے - کیونکہ یہاں جرائم کي بھي جڑاں گہري کهري هیں ' اور گناهوں کے تخت بھي بچھے هیں - لیکن یہ یقیني ھے کہ مضبوط اخلاق ' ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور ھے - اُس کے بغیر کوئي سلطنت قائم نہیں هوسکتي - جب وہ کسي قوم کا ساتھہ چھوڑ دیتا ھے ' تو اُس قوم کي اجتماعي عمارت بھي گر پڑتي ھے - اُس کا یہ خاصہ عجیب ھے کہ جوں جوں اُس کي فتوحات میں وسعت هوتي ھے ' اُس کا دائرہ بھي وسیع و عظیم هوتا جاتا ھے - برخلاف دوسري قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور هو جاتیں اور کامیابي کے بعد فنا هونے لگتي هیں -

اعلی حضرت کي عظمت اور وطن کي عزت کے تمام خیر خواہ ' انتہائي رنج و ملال سے دیکھہ رہے هیں کہ قوم کي شہامت ' زائل هو رهي ھے اور اُسکي شرافت و خودداري ختم هوتي جاتي ھے - یہ اعلي صفات ' قوم میں کیونکر باقي رہ سکتي هیں ' اگرچہ کتني هي راسخ هوں ' جبکہ مسیحي رعایا کے ساتھہ مسلمان بھي گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے هوئے هیں اور هر قسم کي دنائت کے گھونٹ اُنھیں زبردستي پلائے جارہے هیں ؟ مسلمان اور عیسائي ' حضور والا کي تمام رعایا ' حکام کے ظلم و جور سے چیخ رهي ھے - یہ حکام وہ هیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار هیں - اعلي حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاهي احکام قوم میں جاري کرتے هیں یا اپني هوا و هوس سے کام لیتے هیں !

آپ کي سلطنت ' عام رائے سے خالي ھے - نتیجہ یہ ھے کہ آپ کے عمال ' رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں هیں - اِس کے معنے یہ هیں کہ خود حضور کے عرش معلی کے رو برو بھي ذمہ دار اور جواب دہ نہیں هیں ' کیونکہ کوئي شخص بھي اُن کي شکایت عتبات عالیہ تک پہنچانے کي قدرت نہیں رکھتا ' اور چونکہ اُن کے جرائم ذات شاهانہ کے علم میں نہیں آسکتے ' اِس لیے اُن سے باز پرس بھي نہیں هو سکتي - لہذا وہ بالکل نڈر هوگئے هیں - رعیت پر دست درازي میں بے باک هیں - هر قسم کي برائیاں کھلے بندھوں کر رہے هیں - باشندے دو گروهوں پر منقسم هوگئے هیں : ظالم حاکم ' کوئي نہیں جو اُن کا هاتھہ پکڑے - مظلوم رعایا ' کوئي نہیں جو اُس پر ترس کھائے - حاکم ' جس کا دعوی ھے کہ اُس کي قوت ' خود سلطان کي قوت ھے ' لہذا بے روک اور بے قید ھے - وہ اِس قوت کي گھمنڈ میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ هوتا ھے - محکوم ' جس کا کام یہ رہ گیا ھے کہ ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے - حکام ' جنھوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑھا دیے هیں - اگر کبھي کسي کے منہ سے فریاد کي چیخ بلند هوجاتي ھے تو یہ حکام اُسے بغاوت قرار دے دیتے هیں - لہذا تمام رعایا ' نا اُمیدي میں پڑ گئي ھے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبي ھے ' مگر خوف سے چپ ھے - ظلم کے هاتھہ اُس کا گلا دابے هوئے هیں ' اور اعلي حضرت سے مخفي نہیں کہ ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتور ڈال دیتا ھے -

ترکوں کي رگوں میں پاک اور بے میل خون موج زن ھے - یقیناً هم وطن سے بے حد محبت کرتے هیں - حب الوطني ' هماري همتیں بلند کرتي ھے ' بڑي سے بڑي قربانیاں بھي هم پر آسان کردیتي ھے - هم بہادر سپاهي هیں ' موت سے نہیں ڈرتے - هم میں وقار ھے اور همارے اسلاف سے همیں میراث میں ملا ھے - همارا امتیازي وصف ' صمیم اخلاص ھے - یہي اخلاص همیں آمادہ کرتا ھے کہ مسٹراوات کو جملہ محاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یہ صفات حمیدہ هم میں زیادہ مدت تک باقي رهینگي ؟ کیا هم خیر و شر کے اِس تصادم کا همیشہ یونہي مقابلہ کرتے رهینگے ؟

میرے آقا ! جس دن یہ اخلاق هم سے رخصت هوجائینگے ' اُسي دن هماري موت بھي نازل هوجائیگي - هم کسي کو بھي اپنا حامي و مددگار نہ پائینگے -

کاش هماري مصیبت ' صرف همارے معنوي انحطاط هي پر ختم هو جاتي اور اِس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتي جو همارے تمام عقلي قوی تباہ کر رہا ھے -

میرے آقا ! جب همارے اسلاف یورپ میں اُترے ' تو اُن کے پاس علم کي کوئي روشني بھي نہ تھي - لیکن وہ ذوق سلیم رکھتے تھے - یہ ذوق اُن میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا ' جیسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ھے - وہ علم نہیں رکھتے تھے ' مگر عقل کے مالک تھے - وہ عقل جو حرکت پسند کرتي ' جمود سے نفرت کرتي ' اور رذالت سے کراهت رکھتي ھے - وہ اُن لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو همارے هراول دیکھتے هي بھاگ کھڑے هوئے تھے - وائے افسوس ! عقلیں ' اُس حکومت کے زیر سایہ مفلوج هوجاتي هیں ' جس میں انفرادي همت کے لیے کوئي گنجائش نہیں هوتي !

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متاثر هوئے هیں - کیونکہ یہ استبداد اُن کي فطري استقامت نفس اور خود داري سے میل نہیں کھاتا - هم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھي موجود نہیں جو بیزنطیني عیاشوں میں تھي - اُن کي حالت یہ تھي کہ عقل و فطنت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے - هم بالکل سادہ دل پیدا هوئے تھے - همارے خیالات کي سادگي پر دنیا کو حیرت تھي - لیکن جب همارے خیالات هم سے چھین لیے گئے تو هم مخبوط الحواس هوگئے - عقل کي نعمت سے محروم هوگئے - اگر یہي حالت جاري رهي تو ایک دن آئیگا جب هم میں حکمراني کي صلاحیت باقي نہ رهے گي - کوئي ایک آدمي بھي ایسا نہ ملیگا جو انتظام سنبھال سکے -

حضور والا ! هم اب ایک ایسے زمانے میں هیں جس میں عزت اُسي کو مل سکتي ھے ' جس کی عقل بڑي اور علم زیادہ هو - یہي باعث ھے کہ تمام یورپ میں علم کا غلغلہ بلند ھے اور تمام قوتیں اُس پر صرف هو رهي هیں - کوئي حکومت بھي اِس کے فکر و اهتمام سے خالي نہیں ھے - سوئٹزرلینڈ میں ایک آدمي بھي اَن پڑھ دکھائي نہیں دیتا - انگلستان میں (جس پر مٹھي بھر امرا حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار هوتے جاتے هیں) ۴۵ - برس سے اشاعت تعلیم کي عظیم الشان کوششیں هو رهي هیں - مجھے یقین ھے کہ پروشیا نے آسٹریا پر صرف اِس سبب سے فتح پائي ھے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھي - کیا همارے لیے روا ھے کہ اپنے عقلي انحطاط پر قانع رهیں ' حالانکہ همارے گرد یورپ ' عقلي ارتقاء کے لیے اَن تھک کوششیں کر رہا ھے ؟

میں اِس خیال سے پناہ مانگتا هوں کہ اعلی حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کي کثرت کافي تصور فرمائیں - وہ محل کس کام کے جنھیں مکین نہ ملیں ؟ اُن مدارس سے کیا فائدہ جن میں ذلت و خواري کي اولاد تربیت پائے ؟

(مصطفیٰ فاضل کا خط)

اعلیٰ حضرت !

کلمۂ حق بادشاهوں اور حکمرانوں تک پہنچنا بہت مشکل ہے - درباري اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے هیں - بادشاہ فرمانروائي کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کي لذتوں میں غرق' راہ صواب سے غافل هو جاتے هیں -

وہ خیال کرتے هیں کہ قومیں اپنے هي کرتوت سے پریشاني میں پڑتي هیں - اور اپني هي غفلت سے پستي میں گرتي هیں - سلطنتیں' جب برباد هوتي هیں' تو قضاء و قدر کے بے روک هاتهوں هي سے برباد هوتي هیں -

واقعات کو رو در رو دیکهنے اور اوهام کو اوهام سمجهنے کے لیے انسان کو بڑے هي اخلاص اور بڑي هي جرأت کي ضرورت ہے - بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بهي زیادہ اخلاص و جرأت کي ضرورت ہے -

میرے آقا ! یہ اخلاص کبهي میرے دل سے جدا نہیں هوا - خود اعلیٰ حضرت سلطان اِس کے شاهد هیں - وہ لوگ بهي اِس سے ناواقف نہیں جو میري جلا وطني کا سبب هوے هیں - بلاشبہ زمانے نے مجهے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کي ذات شاهانہ سے اپني عقیدت ثابت کرتا اور اپني قوم کي فلاح و بہبود ___ اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا ___ کے ارادے پورے کرسکتا - لیکن میں پہلا آدمي هوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاهي حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کي جرأت کي تهي - یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کي خدمت کے لیے سراسر وقف ہے - مجهے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگي ہے' اور وطن محبوب' سے جو محبت و وارفتگي ہے' اُسي نے مجهہ میں یہ قوت پیدا کردي ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو همیں رات کي تاریکي اور دن کي روشني میں پیش آ رهے هیں - حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجهے همت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کي تشریح کروں - کوئي ایک بهي مخفي نہ رکهوں - سب کو صاف صاف ظاهر کردوں - پهر وہ علاج عرض کروں جو همیں شفا بخش سکتا ہے' بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے -

میرے آقا ! آپ کي مسیحي رعایا کي جانب سے جس سرکشي کا برابر اظہار هوتا رهتا ہے' وہ یقیناً' همارے اجنبي دشمنوں کي شرارت کا نتیجہ ہے - لیکن وہ اِس امر کي بهي دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کي حکومت کا برتاؤ اپني تمام رعایا کے ساتهہ کوئي عمدہ برتاؤ نہیں ہے - اِس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تهي تو یقیناً اب اُسے برقرار رکهنے میں اُس کے لیے کوئي عذر نہیں هوسکتا - کیونکہ اِس مسلک کا ثمرہ' ظلم کے سوا کچهہ نہیں ہے - جہل' اُس سے پهیلتا ہے' فقر و فاقہ اور شر و فساد کي اُس سے پیدائش هوتي ہے -

یورپ خیال کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحي رعایا هي ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کرلي گئي ہے حالانکہ یہ سخت غلطي ہے - مسلمان' جن کي حمایت پر کوئي یورپین سلطنت نہیں' مسیحیوں سے زیادہ ظلم اٹها رهے هیں - اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ هیں - وہ بیشک محض اِس لیے صبر کیے بیٹهے هیں کہ قضاء و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے - صبر و سکون کے عادي هیں - نفس بلند رکهتے هیں - اُن کي یہ صفات' یورپین تخیل سے بہت بلند هیں - اِس لیے یورپ والے اُنهیں سمجهہ نہیں سکتے - پهر یہ مسلمان' اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کي نسل هیں جو فرمانروائي کے تخت پر جلوہ گر هوچکے هیں - سلطنت سے اُنکا اخلاص' قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ هوگیا ہے کہ اِبتک اُس میں تزلزل پیدا نہیں هوا - لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کي اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بهي پیمانۂ صبر لبریز هوگیا ہے - مصیبت آخري حد تک پہنچ چکي ہے - آلام نے اُن کا جسم کها ڈالا ہے - اپنا غم و غصہ چهپانے کي اب اُن میں قدرت باقي نہیں رهي - یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا' یاس و نا اُمیدي کا شکار هوجائے -

مخلوق پر ظلم بہت سخت هوگیا ہے - آپ یقیناً اُس سے متنفر هیں' اور میں یقین کرتا هوں کہ آپ کي اُمت کے عظماء و اکابر بهي اُس سے بیزار هیں - لیکن وہ مجموعي حکومت کا ایک لازمي نتیجہ ہے - حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت بهي' جنکي قوت معلوم اور سطوت مشہور ہے' شاید اُسے روکنے کي قدرت نہیں رکهتے - کیونکہ اُس کي خبر سمع مبارک تک پہنچتي هي نہیں - حالانکہ وہ اِس اُمت کي مردانگي تباہ کر رها ہے - اُس کي شخصیت گرا رها ہے' اُس کے فضائل برباد کر رها ہے -

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود هیں جن کے دل یہ دیکهکر حسرت سے پگهلے جاتے هیں کہ یہ اُمت ___ جو هماري عزت و فخر ہے ___ کس طرح نسل کي کمي اور هجرت کي زیادتي کي وجہ سے کمزور و کم تعداد هوتي چلي جا رهي ہے - لیکن میں اس سے خائف نہیں هوں - ممکن ہے اِس میں همارے فوجي نظام کو بهي کچهہ دخل هو - لیکن جس چیز سے میں ڈرتا هوں اور جسے روز بروز قریب آتے دیکهتا هوں' وہ یہ ہے کہ هم مغلوب قوموں کے مشابہ هوتے جاتے هیں - روز بروز هماري معنویت کمزور هو رهي ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام هوتا جاتا ہے -

میرے آقا ! همارے اسلاف نے چار صدي پہلے مشرق کي رومن شہنشاهت تہہ و بالا کر ڈالي' عروس البلاد اور ملکۂ جہاں' قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے' اور وہ فتح عظیم حاصل کي جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کي جاتي ہے - لیکن اِس حیرت انگیز کامیابي کا راز کیا تها ؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت هي نہ تهي - اُن کي وہ اولو العزمي اور بہادري' درحقیقت' اُن کي معنویت هي کا ایک جلوہ تها - وہ اپنے سرداروں کي اطاعت' خوش دلي سے کرتے تهے' نہ کہ خوف اور مجبوري سے - یہي وجہ تهي کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکي - عقل پر اندهي تابعداري غالب نہ آسکي - اُنکي خود داري برابر باقي رهي - استقلال ذاتي نے اُن کا ساتهہ نہ چهوڑا - اطاعت نظام (ڈسپلن) کي روح' عزت نفس کي روح سے مل گئي تهي - دونوں روحیں' مضبوط اخلاق کي بنیادوں پر قائم تهیں - فضیلت نے اُنمیں گهر کرلیا تها - اس لیے اُنهوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالي جسے استبداد کي ذلیلتیں گهن کي طرح لگ گئي تهیں' اور ظلم و جور نے اُس کي تمام چولیں هلا ڈالي تهیں -

ملين ڈالر بهي جمع کر سکوں گا - اُس وقت ميرے پيش نظر صرف يه خيال تها که کسي طرح دنيا کا ايک کامياب آدمي بن جاؤں -

ميرے پيش نظر کاميابي کيا تهي ؟ اُس کا معيار کيا تها ؟ ميں بتا نهيں سکتا - کيونکه کوئي مفصل خيال ذهن ميں موجود نه تها - کاميابي کا محض ايک مبهم سا تصور تها - ميں نے يهي تصور اپنا مطمع نظر قرار دے ليا اور کوشش شروع کردي - مجهے خود تعجب هوا که تهوڑي هي مدت بعد دولت اپنے آپ جمع هونے لگي تهي اور ابتک جمع هوتي چلي جاتي هے !

مجهے آج تک اپني غربت اور تنگ دستي ياد هے - ميں بهت کم عمر تها - طرح طرح کے ولولے اور امنگيں دل کو گد گداتي تهيں ' مگر ميں اپني کوئي خواهش بهي پوري نهيں کر سکتا تها - مجهے پيٹ بهر کر روٹي بهي نهيں ملتي تهي - ميں دربدر کام تلاش کرتا پهرتا ' اور کهيں بهي کام نهيں ملتا - سخت جد وجهد کے بعد بالاخر ايک کام ملا - ايک بحري حوض ميں نوکري مل گئي - هفته وار سوله شلنگ تنخواه مقرر هوگئي ' ميں بهت خوش هوا - مگر فوراً هي ميري خوشي رنج سے بدل گئي - کيونکه اِس کمپني کے منيجر مسٹر گوبس نے مجهے بلا کر نهايت خشکي سے کها " يه تنخواه تمهيں ملے گي ' اگرچه تم اِس کے کسي طرح بهي اهل نهيں هو ! "

ميں نے کوئي جواب نهيں ديا - ميرے دل ميں سخت غم و غصه تها - ميں نے عزم کرليا که کچهه هي هو جائے ' ميں اپني حالت ضرور درست کرکے چهوڑونگا - چنانچه ميں نے کوشش شروع کردي ' اور چند هي سال بعد يهي مسٹر گوبس مجبور هوئے که مجهے اپني عظيم کمپني کا شريک بنا ليں !

مجهه سے لوگ پوچها کرتے هيں " آدمي کروڑ پتي کيسے بن جاسکتا هے ؟ " ميرا جواب هميشه يه هوتا هے که دولت جمع کرنے کا کوئي خاص قاعده نهيں هے - اِس کا مدار صرف دو باتوں پر هے : ذهانت اور قسمت - اگر انسان کو اِن دونوں ميں سے کافي حصه ملا هے ' تو بلا شبه وه بهت زياده دولت جمع کرلے سکتا هے -

بهت سے معمولي ذهانت کے لوگ هميشه " زمانه " کو ملامت کيا کرتے هيں که اُن کا ساتهه نهيں ديتا - وه کهتے هيں " اگر همیں ايک موقعه بهي ميسر آجائے تو هم فوراً دولتمند بن جائيں " ليکن يه اُن کي غلطي هے - قصور زمانے کا نهيں خود اُن کا هے - اُن کي ذهانت و قابليت کا هے - اعلى ذهانت کے لوگ هاتهه پر هاتهه رکهه کر موقعه کا انتظار نهيں کيا کرتے - وه خود موقعه پيدا کرتے هيں اور اُس سے فائده اُٹهاتے هيں -

ميں نوجوانوں کو هميشه نصيحت کرتا رهتا هوں که اپني تمام قوتيں اور کوششيں ايک هي طرف متوجه رکهيں - کيونکه بغير اِس کے دولت حاصل نهيں هو سکتي - مختلف کام شروع کرکے کوششيں پراگنده کر دينے سے اکثر ناکامي کي مصيبت پيش آجايا کرتي هے - هميشه ايک مرکز بنانا چاهيے ' اور اُسي پر تمام قوتيں صرف کردینی چاهيں - بلا شبه ميں بهي اُن لوگوں ميں هوں جو بيک وقت بهت سي تجارتيں پهيلائے هوئے هيں - ليکن يه ميں نے اب کيا هے جبکه ايک بڑے سرمايه کا مالک بن چکا هوں - شروع شروع ميں نے کبهي يه جرأت نهيں کي که بهت سے کام لے کر بيٹهه جاؤں -

محنت اور چستي کو بهي کاميابي ميں بهت بڑا دخل هے - شروع ميں ميرا دستور يه تها که صبح سات بجے سے اپنے کام پر پهنچ جاتا تها اور گياره بجے رات سے پهلے واپس نهيں آتا تها - ميں جانتا هوں که آج کل کے نوجوان اِتني محنت نهيں کرسکينگے - ليکن اگر وه اُتني محنت بهي کريں ' جتني وه آساني سے کرسکتے هيں ' تو کوئي وجه نهيں که کامياب نه هو جائيں -

ميرے خيال ميں منضبط محنت سے زياده لذيذ کوئي چيز بهي نهيں هے - ميں دنيا کے ايک بهترين جهاز کا مالک هوں - بهترين بادباني کشتي بهي ميرے پاس هے - ميں نے شکار بهي بهت کهيلا هے - عيش و آرام کے جمله سامانوں سے بهي متمتع هوا هوں - مگر ميں سچ کهتا هوں - مجهے کسي بات ميں بهي اُتني لذت حاصل نهيں هوئي ' جتني اپني روز کي محنت ميں حاصل هوتي هے - ميں سمجهتا هوں ' ميري کاميابي کا سب سے بڑا راز ميري اِسي محنت ميں هے -

بريد شرق

مکتوب قسطنطنيه

(الهلال کے مقاله نگار مقيم قسطنطنيه کے قلم سے)

غازي مصطفى کمال پاشا کا پيغام - مجلس وطني کا انتخاب - وزراء آستانه ميں - غازي کے خلاف سازش -

(غازي مصطفى کمال کا پيغام)

مجلس وطني کے انتخاب کے سلسله ميں غازي مصطفى کمال پاشا نے ترکي قوم کے نام ايک پيغام شايع کيا هے - يه تحرير خود موصوف نے اپنے قلم سے لکهي هے - اس ليے نهايت پر زور اور بليغ هے - اِس ميں اُنهوں نے جنگ آزادي کے بعد پهلي مجلس وطني اور اپني جماعت " خلق فرقه سي " کي کارگزارياں ياد دلائي هيں اور پهر قوم سے اپني جماعت کے انتخاب کي درخواست کي هے - وه لکهتے هيں :

" آج موقعه هے که هم گزشته چارسال کے اندر اپنے عظيم اصلاحي و تعميري جهاد پر نظر ڈاليں اور اطمينان کے ساتهه وه کاميابياں ديکهيں جو هم نے حاصل کي هيں - همارا ملک ايک ايسي مهيب جنگ سے جس کي نظير تاريخ ميں نهيں ملتي ' فتحمند نکلا تها - اُسے اُن مساعي و اعمال کي سخت ضرورت تهي جنسے قوميں زنده رهتي هيں - يه پهلا موقعه نه تها که ترکي قوم نے فتح و نصرت ديکهي تهي - ترکي قوم کي پوري تاريخ فتوحات سے لبريز هے - ليکن چونکه پهلے ترکي قوم ميدان جنگ سے باهر کوئي کوشش نهيں کرتي تهي ' اس ليے اپني فتح سے کوئي فائده بهي نهيں اٹها سکتي تهي - بلکه بتدريج اُسکي فتح ' شکست بن جاتي تهي - جو فتحمندي بر قرار نهيں رکهي جاتي ' اُس کے نتائج بسا اوقات '

آزادي ‘ قوموں کے لیے اولین مربي ہے - آزادي هي تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتي ہے - کوئي مربي بھي آزادي کا قائم مقام نہیں هوسکتا - کوئي مربي بھي آزادي کا عمل انجام نہیں دے سکتا - غلام قومیں علم کي تحقیر کرتي هیں ‘ کیونکہ علم انہیں کچھ بھي فائدہ نہیں پہنچاتا - قومیں اسي وقت علم کي طرف راغب هوتي هیں ‘ جب انہیں اپنے حقوق کي جانب سے اطمینان هوجاتا ہے - وہ علم اس لیے حاصل کرتي هیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائیں - اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں - هو جاهل اور غلام قوم ‘ بزدل هوتي ہے یا خائن -

اعلی حضرت! اِس وقت هماري مصیبت صرف یہي نہیں ہے کہ هم معنوي کمزوري اور عقلي فساد میں مبتلا هیں - هماري مصیبت اِس سے بھي بڑي ہے - هم هر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے هیں - وہ بے رحم دشمن ‘ همارا افلاس ہے - حضور نے کتني مرتبہ اپنے خزانے خالي دیکھے ؟ کتني مرتبہ تنخواهیں تقسیم کرنے کے لیے روپیہ موجود نہ پا کر رنجیدہ هوئے ؟ آپ کا رحیم قلب یہ سوچ کر همیشہ کس قدر اداس هوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کي تنخواهیں بہت حقیر هیں ؟ یہ اِس لیے کہ حضور جانتے هیں ‘ مشرقي عہدہ دار جب تنخواہ کافي نہیں پاتے ‘ تو رشوت خوار هو جاتے هیں - رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے هیں - لیکن سلطنت کے خزانے خالي هونے پر همیں اتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کي غربت کا افسوس ہے - کیونکہ سرکاري خزانہ محض اِس لیے خالي رهتا ہے کہ رعایا غریب ہے - رعایا کا افلاس ‘ ایک عظیم ترین خطرہ ہے -

دنیا کي حکمتوں میں صرف اعلی حضرت هي کي حکومت ایسي ہے جو اِتنے قلیل خراج پر زندہ ہے - حضور کي سلطنت نہایت عظیم ‘ وسیع ‘ اور آباد ہے - تعجب ہے کہ رعایا اِتنا قلیل خراج بھي ادا نہیں کر سکتي ! لیکن همارا یہ تعجب باقي نہیں رهتا جب هم دیکھتے هیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ ‘ ایک بد ترین طریقہ ہے - هماري قوم ‘ بہت هي کم کام کرتي ہے - وہ هر هنر سے جاهل ہے - یہي وجہ ہے کہ فقر و فاقہ مین مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کي قدرت نہیں رکھتي - حالانکہ دوسرے ملکوں کي رعایا هم سے بہت زیادہ خراج بخوشي ادا کر دیتي ہے -

اعلی حضرت کي سلطنت میں هر چیز کو زوال آگیا ہے : زراعت تجارت ‘ صنعت ‘ کوئي چیز بھي تباهي سے نہ بچي - هم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بھول گئے هیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاهدہ پر قانع هیں - فقر کي هیبتناک صورت همارے سامنے ہے - هم اس کي دهشت سے همت و جرأت کا کوئي کام کر هي نہیں سکتے -

بد نصیب کروڑ پتي

(کیا دولت ‘ مسرت کا سبب ہے ؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلیے ؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند ‘ خوش نصیب هیں - اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب - لیکن یہ کوئي قاعدۂ کلیہ نہیں ہے - کیونکہ بہت سے کروڑ پتي ‘ انتہاء درجہ بد نصیبي کي زندگي بسر کر رہے هیں - اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج هیں جنھیں مسرت و سعادت کي زندگي حاصل ہے !

حال میں مسٹر چارلس ولنت نے جو ایک مشہور امریکن کروڑ پتي هیں ‘ اِس موضوع پر ایک مضمون شایع کیا ہے - وہ اِس لائق ہے کہ مفلس اور امیر ‘ دونوں اسے غور سے پڑھیں -

وہ لکھتے هیں :

دولت مسرت و سعادت کے لیے کوئي لازمي شرط نہیں ہے - کیونکہ مسرت ‘ درحقیقت خود اس شخص پر موقوف هوتي ہے جو اس کا متمني هوتا ہے - میں بہت سے کروڑ پتیوں سے واقف هوں - یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان هیں - لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھي جانتا هوں جو نہایت پر مسرت زندگي بسر کر رہے هیں !

مجرد دولت سے اسي شخص کو مسرت حاصل هو سکتي ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص هو - ورنہ محض دولت کے جمع هوجانے سے هرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھي جمع هو جائے -

دولت سے وهي شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اس کا جمع کرنا هي نہیں جانتا ‘ بلکہ خرچ کرنا بھي جانتا ہے - میرے خیال میں وهي دولت مند ‘ مسرت و سعادت محسوس کرتے هیں جو اپني دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے هیں -

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا هوں جو کہا کرتے هیں " اگر همیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو هم مطمئن هو جائیں اور خوش و خرم زندگي بسر کریں " لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے - اِتني دولت جمع هوجانے کے بعد بھي وہ خوشي محسوس نہیں کرینگے ‘ الا یہ کہ وہ یہ بھي سیکھ لیں کہ اپني دولت کس طرح خرچ کرني چاهیے ؟

جب میں نے دولت جمع کرني شروع کي ‘ تو ایک لمحہ کے لیے بھي مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کروڑ پتي بن جاؤنگا - میرے خواب میں بھي یہ بات کبھي نہیں آئي تھي کہ ایک

"تمھارے یہاں سیاح بہت آتے ہیں؟" شراب خانے کی مالکہ نے اُس سے سوال کیا۔

"اِس سال فصل بہت خراب تھی۔ اب آنا شروع ہوئے ہیں" انٹونیو نے جواب دیا۔

"ابکی موسم بہار بھی دیر میں آئے گا" شراب خانے کی مالکہ نے کہا "تمھارے یہاں آمدنی اِس جزیرے سے زیادہ ہو؟"

"پیٹ بھر روٹی بھی نہ ملتی، اگر یہ کشتی میرے پاس نہ ہوتی" انٹونیو نے خشکی سے جواب دیا "لیکن میرا چچا، نارنگی کے کئی باغوں کا مالک ہو۔ وہ کہا کرتا ہو جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی بچے وقت بھی تجھے نہیں بھولوں گا!"

"اِس مالدار چچا کے اولاد بھی ہو؟" عورت نے سوال کیا۔

"نہیں" انٹونیو نے کہا "اُسنے شادی ہی نہیں کی۔ دوسرے ملکوں میں رہکر بہت دولت جمع کر لی۔ وہ عنقریب ایک شکارخانہ بنانے والا ہو۔ اُس کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں دیگا"

"انٹونیو! تم بڑے جوانمرد ہو" عورت نے خوشامد سے کہا۔

"زندگی سب کے لئے کٹھن ہو" نوجوان ملّاح نے شانے ہلاکر کہا اور باہر نکل کے پھر تمام راستے اور آسمان دیکھنے لگا۔ حالانکہ خوب جانتا تھا، موسم معلوم کرنے کے لئے ہر طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں!

"میں ایک اور بوتل لاتی ہوں" شراب فروش عورت نے کہا "تمھارا چچا تو دام ادا ہی کردے گا"

"نہیں" انٹونیو نے انکار کیا "پہلی ہی بوتل نے سر چکرا دیا ہو" وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ کسی کی چاپ سنائی دی۔ نوجوان ملّاح فوراً پہچان گیا۔ پاؤں کی اِسی آواز کے لئے وہ دن بھر ہمہ تن گوش بنا رہا تھا— سوریلا سامنے کھڑی تھی۔

انٹونیو تیزی سے کھڑا ہو گیا:

"مجھے فوراً جانا ہو" اُسنے شراب خانے کی مالکہ سے کہا۔

چشم زدن میں وہ اپنی کشتی پر تھا۔ سوریلا، بدستور کھڑی تھی۔ کچھ متردد سی تھی۔ بالآخر اُسنے بھی شراب فروش عورت کو سلام کیا اور گھاٹ پر پہنچ گئی۔ وہ اب بھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید کسی اور مسافر کو ساتھ لینے کا خیال کر رہی تھی۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ سمندر ٹھنڈا تھا۔ ماہی گیر سو رہے تھے یا اپنے جال درست کرنے میں ایسے مصروف تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔

انٹونیو، ایک لحہ چپ کھڑا رہا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ آخر وہ کشتی سے کنارے آیا اور کچھ کہے بغیر سوریلا کو اِس طرح گود میں اُٹھا لیا گویا ایک چھوٹا سا بچہ ہو۔

سوریلا، کشتی کے بالکل آخر میں جا کر بیٹھی۔ اُسنے اپنا سر اِس قدر جھکا لیا کہ صرف آدھا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور چشم و ابرو کو چھپا لیتے تھے۔ خوبصورت ناک کھڑی دکھائی دیتی تھی۔

وہ غیظ و غضب سے لبریز تھی!

سمندر میں کچھ دور جانے کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج کی تپش اُسے محسوس ہوئی۔ اُسنے کٹھری کھولی اور رومال نکالکر سر پر باندھ لیا۔ پھر روٹی کھانے لگی کیونکہ صبح سے بالکل بھوکی تھی۔

اب تک دونوں بالکل خاموش تھے۔ انٹونیو نے سوریلا کو روکھی روٹی کھاتے دیکھکر ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھا دیں:

"سوریلا!" ملّاح نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا "روٹی، اِنکے ساتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے یہ نارنگیاں تمھارے لئے بچا رکھی تھیں۔ یہ ٹوکری سے گر گئی تھیں۔ لَوٹتے پر نظر آئیں"

انٹونیو، اِس وقت جھوٹ بول رہا تھا!

"تم ہی کھاؤ" لڑکی نے غصہ سے کہا "میرے لئے روٹی کافی ہو"

"اِس گرمی میں نارنگی اچھی ہوتی ہو، تم بہت چلکر آئی ہو" انٹونیو نے کہا۔

"میں پانی پی چکی ہوں" غصہ ور لڑکی نے خشکی سے جواب دیا۔

"خیر" ملّاح نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اِسوقت سمندر بالکل خاموش اور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ ہر طرف سنّاٹا تھا، حتیٰ کہ ساحل پر اُڑنے والی چڑیاں بھی اِس پُرجلال منظر کے سامنے ساکت تھیں۔ صرف کشتی سے موجوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں لے جا سکتی ہو" انٹونیو نے نگہیں نیچی کرکے کہا۔

"گھر میں نارنگیاں رکھی ہیں" لڑکی نے پھر خفگی سے جواب دیا "جب ختم ہو جائیں گی تو میں اور خرید سکتی ہوں"

"ٹھیک ہو" ملّاح نے شرمندہ ہو کر کہا "لیکن یہ نارنگیاں میری طرف سے اپنی ماں کو دینا۔ میرا سلام کہدینا"

"وہ تمھیں نہیں جانتی" سوریلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم میرا تعارف کرا دینا" انٹونیو نے پھر کہا۔

"میں بھی تمھیں نہیں جانتی" لڑکی کا صاف جواب تھا۔

یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ سوریلا نے ملّاح سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اِس سے پہلے کا واقعہ ہو کہ ایک اتوار کو سوریلا کا عاشق (مصوّر) جب گاؤں میں آیا اور پہلی مرتبہ اِس لڑکی کو دیکھا، تو مبہوت ہو کر اُس کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگا۔ عین اُسی وقت انٹونیو اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ مصوّر اپنے خیالات میں محو تھا کہ انٹونیو نے جان بوجھ کر گیند ایسا مارا کہ غریب کے سر پر زور سے لگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مظلوم سے لڑنے کے لئے بھی آمادہ ہو گیا۔

کئی ہفتے بعد جب سوریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کر دی تو مصوّر نے چلتے وقت کہا "میں جانتا ہوں، اُس نوجوان کی وجہ سے تم مجھے سوکھا جواب دے رہی ہو" مگر سوریلا نے اُس وقت بھی یہی کہا:

"ہرگز نہیں، میں اُسے پہچانتی تک نہیں"

حالانکہ وہ گیند کے واقعہ سے واقف ہو چکی تھی اور انٹونیو کو پوری طرح جانتی تھی۔

آج اِسوقت دونوں کشتی میں ہیں۔ تنہا ہیں— اِس طرح بیٹھے ہیں گویا حریف ہیں۔ حالانکہ دونوں کے دل بُری طرح دھڑک رہے ہیں!

انٹونیو، وہ ہمیشہ کا ہنس مکھ نوجوان، اِس وقت، فرط تاثر سے سُرخ ہو رہا ہو۔ بڑی ہی قوت سے کشتی کھے رہا تھا۔ پانی کے قطرے اُڑ کر سوریلا پر گرتے تھے ساتھ ہی کچھ غصے میں بڑبڑا بھی رہا تھا۔

سوریلا اِس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہو۔ بڑی ہی بے پروائی سے کشتی کا کنارہ دیکھ رہی تھی اور ہاتھ نیچا کئے پانی سے کھیلتی جاتی تھی۔ پھر اُسنے اپنے سر کا رومال کھول ڈالا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کرنے اور دوسرے سے رخسار پانی سے تر کرنے لگی وہ اِس انداز سے بیٹھی تھی، گویا کوئی دوسرا وہاں موجود ہی نہیں ہو۔

کشتی کھلے سمندر میں پہنچی۔ جزیرہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ سورنٹو کا کنارہ بھی دُور ہو۔ قرب و جوار میں کوئی اور کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

انٹونیو نے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کے تیور ایسے ہو گئے گویا کوئی عزم مصمم کر چکا ہو۔ اُس کے رخسار کی سُرخی غائب ہو گئی۔ زردی چھا گئی۔ اُسنے اچانک ڈانڈے سے ہاتھ اُٹھا لئے۔

سوریلا نے اُسے دیکھا۔ بغیر کسی خوف، مگر ہوشیاری سے۔

"اب فیصلہ ہو جانا چاہیئے" انٹونیو یکایک چلایا "یہ کھیل بہت ہو چکا تعجب ہو میں اب تک زندہ کیسے ہوں؟ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتی! حالانکہ اِس تمام زمانے میں مجھے دیکھتی رہی ہو کہ پاگلوں کی طرح تمھارے پیچھے پھر رہا ہوں۔ میرا دل پھٹا جاتا ہو۔ اپنا دُکھ کہنا چاہتا ہوں، مگر تم حقارت سے ہمیشہ بے پروائی دکھاتی ہو۔ گویا میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا!"

"کیا؟" لڑکی نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ ہاں میں دیکھتی تھی تم مجھ سے تعارف چاہتے ہو۔ لیکن میں بلاسبب لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً جبکہ میں تمھیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی— نہ تمھیں، نہ کسی اور انسان کو"

"نہ کسی انسان کو!" انٹونیو نے دانت پیسکر کہا "تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتیں، صرف اِسی وقت کہہ رہی ہو، کیونکہ اُس مصوّر سے شادی پسند نہیں کی۔ لیکن تم ناسمجھ ہو۔ آج نہیں تو مستقبل میں تمھیں شادی کرنی ہی پڑے گی۔ مصوّر نہ سہی، کسی اور کو شوہر بناؤ گی"

"کون جانتا ہو؟" سوریلا نے سنجیدگی سے کہا "مستقبل کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ممکن ہو میں اپنا خیال بدل دوں۔ لیکن تمھیں اِس کی فکر کیوں ہو؟"

"مجھے فکر کیوں ہو؟" انٹونیو چلایا۔ بیچ کشتی میں کھڑا ہو گیا۔ کشتی دائیں بائیں جھکنے لگی "مجھے فکر کیوں ہو؟ یہ تم کہتی ہو؟ خوب جانتی ہو! قسم کھا کر کہتا ہوں جس شخص کو بھی مجھ پر ترجیح دوگی اُس کی جان میرے ہاتھ سے جائے گی! میں برداشت نہیں کر سکتا! برداشت نہیں کر سکتا!"

"کیا؟" سوریلا نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "کیا میں تم سے کوئی وعدہ کر چکی ہوں؟ اگر تم پاگل ہو جاؤ تو میرا کیا قصور ہو؟ تمھیں مجھ پر کیا حق حاصل ہو؟"

"آہ! حق!" ملّاح نے جوش سے چلانا چاہا مگر اُسے رونا آ گیا۔ آواز رُک گئی "بے شک میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہو۔ کسی حاکم نے مانا نہیں ہو۔ کسی وکیل نے ثابت نہیں کیا ہو۔ کسی انسان نے جانا بھی نہیں ہو۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم پر میں حق رکھتا ہوں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح آسمان (جنت) میں میرا حق ہو اگر میں سچائی پر مر جاؤں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمھیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ گرجے میں جاتے دیکھوں گا اور خاموش رہوں گا؟ کیا میں برداشت کر سکتا ہوں کہ گاؤں کی لڑکیاں شانے ہلا کر میرا مذاق اُڑائیں؟"

"جو جی چاہو کرو" لڑکی نے سکون سے جواب دیا "میں تمھاری دھمکیوں سے ڈر نہیں سکتی۔ میں آزاد ہوں، جو میرے جی میں آئے گا، کروں گی"

انٹونیو، غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اُس کا تمام بدن کانپنے لگا:

"پھر کبھی نہ کہنا" ملّاح چلایا "میں وہ نہیں ہوں کہ تیری جیسی ایک لڑکی میری زندگی برباد کر ڈالے۔ تو اِسوقت میرے بس میں ہو۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ میرا حکم ماننا ہوگا!"

سوریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں۔ اُسنے ملّاح کو جرأت سے دیکھا:

"ہمت ہو تو مار ڈالو!" اُسنے پُورے سکون سے کہا۔

"جو کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں" انٹونیو نے زور سے کہا، مگر اُس کی آواز بھرا گئی "یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کی جگہ ہو۔ معزز خاتون! میں اِس سے باز نہیں رہ سکتا"

اُسنے یہ لفظ بڑی حسرت و تکلیف سے کہے۔ اُس کا چہرہ بالکل دیوانوں کا سا ہو گیا تھا:

"لیکن" اُسنے پھر کہا "ہمیں ساتھ ہی چلنا چاہیئے۔ ابھی چلنا چاہیئے۔ فوراً چلنا چاہیئے" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور سوریلا

"موریلا!" پادری نے پھر گفتگو شروع کی: "تو لوگی معنو کی بھی کچھ خبر ہے؟"

موریلا نے اپنے نازک مونڈھے ہلا کر انکار کیا۔

"تمھاری تصویر اُتارنا چاہتا تھا، تم نے انکار کیوں کیا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"میری تصویر کیوں؟" دوشیزہ نے جھنجھلا کر جواب دیا "کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود نہیں؟ کون جانتا ہے میری تصویر لے کر کیا کرتا؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر ڈالتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی"

"ہش!" پادری نے خلوص سے کہا "فضول نہ بکو۔ کیا تم خدا کی اماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرہ بھی ہل سکتا ہے؟ کوئی انسان بھی تیرا رُواں میلا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ تو تجھ پر عاشق تھا، ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم نے شادی کیوں نامنظور کی؟" نیک دل پادری نے سوال کیا "لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری اور تیری ماں کی خبر گیری کرتا۔ ریشم بیچنے سے کہیں زیادہ تم فائدے میں رہتیں"

"ہم بالکل فقیر ہیں" لڑکی نے بڑے تاثر سے جواب دیا "میری ماں مدت سے بیمار ہے۔ ہم اُس پر بوجھ ہوتے۔ پھر میں عزت دار خاتون بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر ضرور شرمندہ ہوتا"

"کیا کہتی ہو؟" پادری نے خیر خواہی سے کہا "میں کہتا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمھارے ساتھ سوتیلی میں رہ جاتا ایسا شوہر ملنا مشکل ہے"

"میں شوہر نہیں چاہتی" موریلا نے بہت آہستہ سے مگر قطعی لہجہ میں کہا "میں کبھی شادی نہیں کروں گی!"

"کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہے؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

دوشیزہ نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تو ضدی ہے" پادری نے جوش سے کہا "تیری ہٹ بہت سخت ہے۔ ایک لمحہ کے لئے سوچ، تیری یہ ضد کتنی خطرناک ہے؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کرنے والی ہے۔ تیری ماں کی بدنصیبی بڑھانے والی ہے۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک وجہ بھی ہے کہ ایسے شریف آدمی کو رد کر دیتی ہے؟ جواب دے"

"میرے پاس وجہ ہے" موریلا نے دبی زبان سے کہا "مگر میں بیان نہیں کروں گی"

"بیان نہیں کروں گی!" پادری نے خفا ہو کر اُس کا جملہ دُہرایا "مجھ سے بیان نہیں کرو گی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔ تو خوب جانتی ہے تیرا خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟"

موریلا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر" پادری نے شفقت سے کہا "اگر وجہ ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کروں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زریں موقع کھو دینے پر افسوس کرو گی۔ معلوم ہوتا ہے، خدا نے رحم کھا کر اس شخص کو تمھارے گھر پر بھیجا تھا"

موریلا نے شرائی ہوئی نظریں اُٹھائیں اور کشتی کے سرے پر دیکھنے لگی جہاں انٹونیو کی نگاہیں دُور افق پر جمی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو بغور دیکھا۔ اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔ "آپ میرے باپ کو نہیں جانتے" لڑکی نے نہایت آہستگی سے پادری کے کان میں کہا۔

"تیرا باپ؟" پادری چلا اُٹھا "کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اُسے بُلا لیا۔ آسمان کی بادشاہت میں اُسے جگہ ملے! اپنی اس ضد میں اُس کا ذکر کیوں کرتی ہے؟"

"آپ نہیں جانتے" لڑکی نے زور دیکر کہا "آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا وہی اکیلا سبب ہے"

"کیونکر؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

"اپنی بے رحمی سے" موریلا نے فوراً جواب دیا "آخری وقت تک میری ماں کو مارتا رہا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جنون کی حالت میں گھر آتا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی۔ مگر وہ مارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہے! میں اپنا مُنہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیتی تھی اور پڑی رہتی تھی لیکن اندر ہی اندر روتی رہتی۔ وہ میری ماں کو مارتے مارتے آخر تھک جاتا غریب بیہوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اُسے دیر تک غور سے دیکھتا پھر نہیں معلوم اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ دوڑ کر اُسے اُٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دباتا تھا کہ اُس کے مُنہ سے چیخ نکل جاتی تھی۔ لیکن اس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔ میری ماں کو اُس سے بلا کی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کلمہ پڑھتی رہتی۔ جب سے وہ مرا ہے، یہ بھی بیمار ہو گئی ہے۔ اُسے غم کھائے جاتا ہے۔ اگر مر گئی۔ خدا نخواستہ۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے"

پادری سنّاٹے میں پڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اس عجیب لڑکی کو کیونکر قائل کرے۔

"اپنے باپ کو معاف کر دو!" بالآخر پادری نے کہا "اُسی طرح معاف کر دو، جس طرح تمھاری ماں نے معاف کر دیا ہے۔ پُرانی باتوں کی تکلیف دہ یاد دُور کر دو۔ مستقبل میں تمھارے اچھے دن آئیں گے اور تمام مصیبتیں بھلا دیں گے"

"نہیں، نہیں!" موریلا نے جوش سے کہا "میں کبھی نہیں بھول سکتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہرگز کسی مرد کی کنیز نہیں بنوں گی۔ یہ مرد پہلے مارتے ہیں، پھر پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے جو مرد بھی محبت کی درخواست کرے گا، اُس کا مُنہ توڑ دوں گی۔ لیکن میری ماں بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مار کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی"

"تم بالکل بچہ ہو!" پادری نے مسکرا کر کہا "دنیا کو کچھ بھی نہیں جانتی، اسی لئے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمھارے باپ ہی کے سے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دُنیا میں ایسی خوش نصیب بیبیاں نہیں ہیں جو اپنے شوہروں کے ساتھ عیش و آرام سے رہتی ہیں؟"

"کچھ ہو" موریلا نے زور دے کر کہا "میرے ماں باپ کا حال کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مر جانا پسند کرتی تھی مگر اُس کی شکایت پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت یہی ہے۔ اگر محبت، زبان گونگی کر ڈالتی ہے، اگر محبت ایسی سخت مصیبت لاتی ہے، تو میں ہرگز ہرگز کبھی مرد سے محبت نہیں کروں گی"

"میں نے کہہ دیا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں" پادری نے کہا "تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمھاری رائے اور پسند نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی"

موریلا خاموش رہی۔

"کیا تمھارے خیال میں یہ معنو بھی سنگ دل تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"اُس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جایا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہے، اور پھر عین اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ موا بھی کر دے سکتا ہے۔ مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہے"

موریلا اب بالکل چپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اُس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آ گئی تھیں مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ نوجوان ملّاح کا چہرہ یہ گفتگو سن کر غصہ سے لال ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جزیرے کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹونیو نے پادری کو گود میں اُٹھا لیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اُسے خشکی پر اُتار دیا۔ لیکن موریلا نے اُس کا انتظار نہیں کیا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں اپنی کھڑاویں لی۔ دوسرے میں لچھی دبائی اور گھٹنوں تک کپڑے اُٹھا، ساحل پر پہنچ گئی۔

"میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا" پادری انٹونیو سے کہہ رہا تھا "انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے نہ لوٹ سکوں گا۔ موریلا! (دوشیزہ کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لوٹ کر اپنی ماں کو سلام کہہ دینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیا رات سے پہلے واپس جاؤ گی؟"

"اگر ممکن ہوا" لڑکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

اب انٹونیو بولا:

"لیکن مجھے لوٹنا ضرور ہے" اُس نے مضطرب آواز سے کہا "تاہم میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے — میرے لئے برابر ہے"

"موریلا!" پادری نے کہا "تم ضرور واپس جانا۔ رات بھر ماں کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ چوما اور اس طرح سلام کیا کہ ملّاح بھی اُس کا مخاطب تھا لیکن انٹونیو نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ٹوپی اُٹھا کر صرف پادری کو تعظیم دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہو گئے۔ انٹونیو تھوڑی دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلا پر نظر جما دی، جو دھوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کی موڑ پر پہنچ کے موریلا ٹھہری اور بلندی پر سے گھوم کر پیچھے دیکھنے لگی۔ اُس کے سامنے خاموش سمندر نیلگوں فرش بچھائے پھیلا ہوا تھا۔ صبح کے سورج کی دلفریب شعاعیں اُس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ آسمان صاف شفاف تھا۔ واقعی منظر شاعرانہ اور جذبات انگیز تھا۔ لیکن قسمت کا کرشمہ دیکھو۔ موریلا کی نظریں اُٹھتے ہی انٹونیو کی چمکیلی نظروں سے جا لڑیں۔ دونوں گھبرا سے گئے۔ بیک وقت دونوں میں ایک ایسی جنبش ہوئی گویا اُنھوں نے کوئی غلطی کی ہو اور اُسے چھپانا چاہتے ہیں!

موریلا تیزی سے مڑی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

(۲)

انٹونیو کو ماہی گیروں کے شراب خانے میں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے وہ از حد مشغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پہلے ہی موسم بدل گیا تو "وہ" جلد واپسی پر مجبور ہوگی۔

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بثینہ سے مشہور عالم ہے۔ ابو سہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابو سہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس نے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں، مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے امید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بثینہ کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جمیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہونچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر یہ وصیت کی:

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمھارا ہے۔ صرف حمیری کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بثینہ کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی وما کنی بجمیل　　وثوی بمصر ثوار غیر قفول

موت بے دھڑک آ پہونچی۔ جمیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہوگی۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری　　نشوان بین مزارع ونخیل

میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل　　وابکی خلیلک دون کل خلیل

بثینہ! اٹھ اور نوحہ کر۔ اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!

دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جمیل نے ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟" انھوں نے کہا "نہیں"۔ مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟" انھوں نے جواب دیا "ایک ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے"۔ مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے۔ ملے رہوگے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ الگ الگ ہو جاؤگے تو بہ آسانی ہلاک کر دیے جاؤگے"

۸۲ھ (۷۰۱ء) میں فوت ہوئے

عبد الملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر آنسو نہ بہانا۔ بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، چیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گڑھے میں ڈال کر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا" (یعنی اس کی گردن اڑا دینا)

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ ان سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے"۔ عبد الملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اڑا دیتا!" پھر اپنے بچھونے کا کنارا اٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی!

یہ اس وقت کی گفتگو ہے جب سکرات موت طاری تھی۔ عبد الملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے سب کو بے پروائی سے موت دیتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اس لفظ پر روح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبد الملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تیرے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں لہٰذا مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبد الملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے دیکھا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا "کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی　　فی رؤس الجبال ارعی الوعولا

ابو حازم نے یہ قول سنا تو کہنے لگے "الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت اس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت ان کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

۸۶ھ (۷۰۵ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گے"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہر تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مذاق کا نہیں ہے۔ جلاد! اپنا کام کر!"

جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر زمین پر تھا۔

۸۴ھ (۷۰۳ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟"

کہا "ہاں" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی:

اوصی الفرزدق عند المات　　بام جریر واغیارہا

(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اس کی سوکنوں کا خیال رکھے)

۹۰ھ (۷۰۸ء) میں فوت ہوا

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لحظہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہونچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم خدا کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے!"

۹۶ھ (۷۱۴ء) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یومان: ذا امن وذا حذر　　والعیش شطران: ذا صفو وذا کدر

زمانہ دو ہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟ آدھی میں خوشی، آدھی میں رنج۔

وکم علی الارض من خضر ویابسۃ　　ولیس یرجم الا ما لہ ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پتھر اسی درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

قل للذی بصروف الدہر عیرنا　　ہل عیر الدہر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہدو کہ زمانہ اسی کے خلاف ہوتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

الا تری البحر تعلو فوقہ جیف　　وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا کی سطح پر مردے تیرتے ہیں لیکن موتی اس کی تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا　　ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اس کی سختیاں ہم پر پڑی ہیں!

ففی السماء نجوم لا عداد لہا　　ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں قتل ہوا

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بئر میمون" پر پہونچ کر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد، مہدی کو طلب کیا۔ اس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اس میں کتابیں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اس پر ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ تھیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری عزت ہے۔ میں نے اس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ ان کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو ان کی حفاظت نہیں کرے گا۔

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ انھیں عزت بخشنا۔ ان پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ ان کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا۔ کیونکہ ان کی عزت، تیری عزت ہے۔

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ ان کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہونگے۔

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ انھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے۔ ان سے اچھا برتاؤ کرنا۔ ان کی خطائیں معاف کرنا۔ ان کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا۔

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے"

جب دم لبوں پر آیا تو کہا "بادشاہ وہ ہے جو نہ مرے!"

۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابو عبد اللہ! یہ اضطراب کیوں؟ کیا آپ اس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں، جس کی آپ نے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمھارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اس پروردگار کے روبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

۱۶۱ھ (۷۷۸ء) میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن عبد العزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگرچہ میری

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب آپنے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی تاکہ مسلمانوں کو سُنا دی جائے۔ وصیت حسب ذیل تھی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا - یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ منکر ایمان لے آتا، فاجر بدبختی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے - میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے - اگر وہ عدل کرے اور تقویٰ برتے، تو اُس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے - لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے حتی الوسع بھلائی چاہی ہے - غیب کا علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں"

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے "میرے والد مرض موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے - میری زبان سے بے اختیار نکل گیا" افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے" اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا "نہیں، یہ بیماری نہیں ہے، وہ چیز ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق، ذلک ما کنت منہ تحید - پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں - پھر پوچھا، انھوں نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا - پیر کے دن - پوچھا، آج کونسا دن ہے؟ میں نے کہا - پیر کا دن ہے - فرمایا: میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے - پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو مزید کپڑے ملا کر اسی میں مجھے کفنا دینا - میں نے کہا - یہ تو پرانا ہے - فرمایا: الحی احوج الی الجدید من المیت انما ہو للمہنۃ والصدید - زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے - اور کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے!

جب وفات ہوئی تو یہ دعا رِتوسّلی آپکے زبان پر تھی: توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین! خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمانبردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہو!

تاریخ وفات ۱۳ھ (۶۳۴ء)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے فرمایا:

"میرا چہرہ زمین پر رکھدے، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے!"

آخری کلمۂ وصیت اہل ذمّہ یعنے غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا:

"میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اُس کے رسول کی ذمّہ داری یاد رکھے - اُن سے جو اقرار کئے گئے ہیں، ہمیشہ پورے کئے جائیں، اُن کی اُن کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، اُن پر کبھی سختی نہ کی جائے"

تاریخ وفات ۲۳ھ (۶۴۴ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

"سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا - معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا - خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ - موافقت میں یا مخالفت میں"

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

شعر - فان کنت ماکولاً فکن خیر آکل — والا فادرکنی ولما امزق

(اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں کسی کا نوالہ بنوں تو سب سے بہتر کھانے والے تم ہو - ورنہ میرے ٹکڑے اُڑنے سے پہلے مجھے آ کر بچالو)

۳۵ھ (۶۵۵ء) میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے - لوگوں نے کہا "اے ابو عبد الرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟" جواب دیا "میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا - لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی - فرمایا تھا - تمھارے پاس مسافر کے زاد راہ بھر سامان ہونا چاہئے" میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا - کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں"

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا - دیکھا گیا تو گھر میں کل سامان، ایک تلوار، ایک طشت، ایک پیالہ تھا!

۳۶ھ (۶۵۶ء) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا - ایک صاحبزادے نے عرض کیا "آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟" فرمایا "فرزند! دنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ اُس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!"

۵۰ھ (۶۷۰ء) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے - سبب پوچھا گیا - کہا:

"اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے، زاد راہ بہت کم ہے - میں جا رہا ہوں - نہیں معلوم جنت میں مقام ہو گا یا دوزخ میں؟"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا "میری وصیت کون قبول کرے گا؟" بڑے نے کہا "میں" کہنے لگے "میرا قرضہ ادا کرنا ہو گا" پوچھا "کتنا ہے؟" کہا "۸۰ ہزار دینار!" پوچھا "کیوں لیا تھا؟"

جواب دیا:

"دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف النفس غریبوں کی - اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی - یہ مجبور ہو کر آتے تھے - مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے - فرط حیا سے چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا - میں سوال سے پہلے ہی اُنھیں دے دیتا تھا"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے -

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خود دار اور بلند ہمت تھے - مرض الموت میں مشورہ دیا گیا "بیمار، کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے"

کہنے لگے "کراہنا، بزدلی ہے، عیب ہے - خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سُنے گا تاکہ اُس کے حضور بزدل نہ ٹھہروں - رہا طبیب، تو واللہ، خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دوں گا - خدا چاہے تو مجھے رکھے، چاہے اُٹھالے!"

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے - کہا گیا "دوا کیوں نہیں کرتے؟" جواب دیا "میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مریض ہی زندہ بچے گا نہ طبیب پھر دوا کیوں کروں؟"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی

معاویہ بن یزید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا "اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیے"

جواب دیا "میں نے خلافت سے نہ زندگی میں فائدہ اُٹھایا نہ مرنے کے بعد اُس کا بوجھ اُٹھاؤں گا - یہ نہیں ہو سکتا کہ بنی امیہ اُس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی آئے"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی -

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰)

کو اُٹھا لینا چاہا - مگر فوراً ہی اُسی تیزی سے اپنا داہنا ہاتھ کھلے پیچھے ہٹ گیا - اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا - نوریلا نے اُسے پوری قوت سے کاٹ کھایا تھا -

"ہا! ہا!" نوریلا قہقہہ مار کر ہنسی:

"مجھے تیرا حکم ماننا پڑے گا؟" وہ جوش سے چلائی "میں تیری لونڈی ہوں؟"

یہ کہہ کر وہ خود سمندر میں پھاند پڑی - ملاح کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی - اُس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے - بال کھل گئے تھے - بڑی طاقت و مہارت سے تیر رہی تھی - اُسنے کوئی لفظ نہیں کہا - کشتی سے دور ہونے لگی - ساحل کی طرف جانے لگی -

مغلوبن تک پڑھی۔

قرأت ختم ہونے پر اُن میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی گرمجیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسمیں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہو۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکے جو یہ تھا: "الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المؤمنین بختم القرآن"

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیوش المسلمین وعساکر الموحدین" کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ ازحد خشوع و خضوع، اُن پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہو۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کیلئے قابل فخر ہو۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہو یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہو کہ بوڑھی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں۔ شاید قدیسہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہو!

مسجد میں عربی تحریریں

اوپر کہہ چکا ہوں کہ سبھی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہو۔ "اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکاۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہو: "فاسجدوا اللہ واعبدوا"

دیواروں پر یا اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور اُن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کتبے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں اُن کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہو کہ اُس میں آواز کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اُس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہو۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در و دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کنیسہ بنانے کی برطانی کوشش

ایا صوفیہ کو دوبارہ کنیسا بنا دینے کی کوشش یورپ مدت سے کر رہا ہو مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اُسوقت کی گئی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاڑ پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اُسوقت اتحادیوں نے یہ مجنونانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروز فردا میں اُس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بروقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ اُن کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ مُوت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بننے نہیں دیں گے۔ اُنکے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔ اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُنھیں یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد قسطنطنیہ خالی کر دینا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہو اور انشاء اللہ مسجد ہی رہے گی۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک خط کے جواب میں

الہلال نمبر ۱۳ میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہو کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پیروانِ مذہب

میرا خطاب عزیز موصوف سے ہو۔

افسوس ہو، اس خط میں آپنے اپنے جو تأثرات ظاہر کئے ہیں وہ اُسی اصلی غلطی کا نتیجہ ہیں جس سے پرہیز کرنے کا آپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپکے ذہن نشین کرنے چاہے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ من جملہ اُن مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیروانِ مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہو۔ مذہب کے بارے میں ہماری درماندگیاں اور مایوسیاں صرف اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عدم اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپکے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہو کہ آپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اُس کا سررشتہ آپکے ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہو اور افسوس ہو کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہو کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دیگر مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈی جاتی ہو تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک و شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا" سوال یہ ہو کہ اسلام کی جو تعلیم آپکے علم میں آئی ہو، اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہو، تو پھر آپ "دیگر مسلمانوں" کی تعلیم میں اُسے ڈھونڈھنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہو، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہو اور ایک چیز اُسکے پیروؤں کا فہم و عمل ہو۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہو، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈی جا سکتی ہو، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپکی اُس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہو (اور کم از کم میرا تأثر آپ کی نسبت یہی تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہو) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صورت میں آپکے لئے صرف یہی رہ جاتا ہو کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہو، آپکی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہو کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اُس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اُس کا عمل نظر آئے، تو آپکو یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہو۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی عالمگیر گمراہیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہو کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عامل نہیں۔ میں نہیں سمجھتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر آپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپکو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈھتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہو جسکے پیروؤں کا فہم و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں مذہب کو چھوڑئیے۔ دُنیوی اور مادی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اُٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم و ادعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اُس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذاہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے اختلاف ظروف سے نسلاً بعد نسل اُن کے تعلیمی حقائق متاثر ہو چکے ہیں، کیونکر کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہو؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مغربی اہل قلم استاذ ذہبی محمود کے قلم سے)

مسجد ایا صوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایا صوفیہ کے مشاہدے سے تعمیری و معنوی جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کرلیتی ہو، وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے وسٹمنسٹر، پیرس کے پانتھیوں، ریمس کے کینسے، ایتھنز کے کربول، اقصر کے معبد کرنک، الحمرا کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایا صوفیہ کے لئے مخصوص ہو۔ میں نے جلیل القدر توتا خن آمن کی لاش اُس کے پُر شوکت مقبرے میں دیکھی ہو، وہ مقبرہ جس کے اکتشاف نے دُنیا بھر کے اعصاب ہلا دئیے ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایا صوفیہ کے مشاہدے سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہیگا!

کنیسۂ ایا صوفیہ، اب مسجد ایا صوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب بھی تھا۔ کیونکہ قدلیسۂ صوفیہ جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقل معبد بننے کی مستحق نہیں ہو۔

یہ عظیم کنیسا، جسے کوسٹنیان نے شہیدۂ قدلیسہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنا دیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے مسیحی مظاہر و خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہو۔ ابتک یہ پُورا کنیسا ہو۔ اُس کی صلیبی شکل بدستور قائم ہو۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تنسیق میں صلیبی شکل پیش نظر رکھی گئی ہو، ابتک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون ابتک کوسٹنیان اور اُس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بپتسما دینے کے حوض ابتک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مرتبانی ہو۔ ان میں اب نمازی عورتیں وضو کرتی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی ابتک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے اُنھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی۔ حضرت مریم (علیہا السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اُس کا مصورانہ نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشانِ شرک کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی، مگر پوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا "معجزہ" ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سب کو دیکھتی ہو، مگر اُسکو سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اُس کی محراب۔ حالانکہ وہ کنیسا تھی۔ بغیر کسی ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قبلہ کی سمت میں واقع تھی۔ یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے پاؤگے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری نگاہ جدھر اُٹھے گی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم یہی محسوس کروگے کہ مسجد میں نہیں، مسیحی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایا صوفیہ کی مجموعی ہیئت ابتک بالکل کنیسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ منبر ابتک قائم ہو جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے بالمقابل ایک اور منبر بنایا گیا ہو۔ اُس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں منبر گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!

مسجد کے ساتوں فولادی پھاٹک اتنے عظیم الشان ہیں کہ مستحکم قلعوں کے پھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پھاٹک کی فولادی چادر پر صلیب بنی ہو۔ ترک فاتحوں نے اُس کا اُفقی خط مٹا دیا ہو۔ لیکن طولی خط آجتک ویسا ہی موجود ہو جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو۔ کتنی ہی کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشر عشیر بھی تصوّر نہ کرسکیں گے مختصر یہ ہو کہ سابق کا یہ کنیسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحۂ زمین پر کہیں نہیں دیکھ سکتی!

بازلیک

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے ارادہ کیا۔ لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایا صوفیہ کے قریب واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا رومانی وضع کا تالاب ہو۔ تقریبًا ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہوجائے۔ یہ تالاب، ایک سُرنگ کے ذریعہ ایا صوفیہ سے ملا دیا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہوکر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ترکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے بعد ہیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایا صوفیہ کی بابت کہا جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہزارہا آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہو ۱۰ ہزار ہوں۔ ممکن ہو بیس ہزار ہوں۔ ممکن ہو ۵۰ ہزار ہوں تعداد کا صحیح اندازہ کون کرسکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی تعجب ہوا کہ سب ہیٹ پہنے ہیں۔ اُسوقت پتا معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہیٹ پہنی ہو، وہ یورپین ہیٹ نہیں ہو۔ ترکوں نے اُسے بھی ایا صوفیہ کی طرح مسلمان کرلیا ہو۔ یہ ہیٹ، مسجد میں بھی اُنکے سروں پر موجود تھی۔ اور اللہ کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی

ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس ہیٹ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اُٹھتا ہو، ہیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیب سے معمولی کپڑے کی ٹوپی نکالکر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم ہیٹ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ یعنی کنارا پیچھے کردیا اور لپٹ کنا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں منبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اُس پر چار ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اُسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے "سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر"

میں نے اپنے عرب رفقا کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں بالآخر معلوم ہوگیا کہ وہ سورۂ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۂ بقرہ،

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۷)

دُنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہو"

۲۴۳ھ (۸۵۷ء) میں انتقال کیا

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یؤمل دنیا لتبقی لہ — فمات المؤمل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مرگیا۔

یہ کہہ کر بیہوش ہوگئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا:

وکنا جمیعاً فرق الدہر بیننا — الی الامد الاقصی فمن یامن الدہرا

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جُدا کردیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کرسکتا ہو؟

۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں وفات پائی۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیدئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی۔ ۱۲/ (منیجر الہلال کلکتہ)

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصولڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرے کے لئے + بیوی کے لئے

تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے کی گئی ہے ... آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکے۔

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑیوں کے خریدنے کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے ... محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا +

امریکن واچ ہوس ایسٹ اینڈ ویسٹ واچ کمپنی مقام دھلی

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں

تو

آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئی!

طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپکو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں "جدل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کسی خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب و مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا و نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقعہ پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے پجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اسی ڈھونڈھ میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا دیں۔ مذاہب عالم کے پُرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں سر سر کھپنے والوں کا غالب حصہ اسی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریقِ "ہدایت" ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ مچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے نہیں بلکہ مان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقانہ جذبہ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقانہ دعویٰ۔ نہ تو اُنھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کردینے کی تڑپ ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو زک دینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کد و کاوش کی غرض و غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب ملجائے تو اُسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقے کے رہرو کی ہر بات پچھلے طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑالو اور کج بحث دماغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا پیرو کسی حال میں بھی جھگڑالو اور کج بحث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب و معرفت کا استغراق باقی رہجاتا ہے۔ نفس و ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیاں معدوم ہوجاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا عزم ہے تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمراہی کا بھی فیصلہ کرلیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کے پرستاران مذاہب میں ننانوے فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بھیڑ میں شامل ہوجائیے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعوے کا تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس دعوے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہیے کہ سچ مچ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہوجائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہوجائے گا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک و شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم باعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریقِ "ہدایت" پر عامل ہے، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں تعلیمی مصادر کے لحاظ سے اُنھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتداد زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دَور گزر چکے ہیں کہ اب اُنھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہوگیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں۔ اُنکی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہوگئی ہے، اُنکے پیروں کی عملی زندگی میں حقیقت کا اب کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کرسکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیروں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتہً اپنی تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دَور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محرّف اور متبدّل کر دیتے ہیں اور عملی روح یک قلم مفقود ہوجاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک ضرور موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کرسکتا ہے، اور تغیر و تحریف کے بے شمار پردے پڑجانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آجاتی ہے مجھے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہوسکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اُسکے لئے بہم ہوگئے کہ تعلیمی مصادر کے تلف ہونے یا کمی بیشی سے محرّف ہوجانے کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا۔ جس طرح اُس زمانے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جاسکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دَور جو جمعیت بشری کی دائمی و عملی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اس پر بھی گزرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی کیفیت روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیروں کی عملی ذہنیت نے بہ حیثیت مجموعی ایک دوسرے جسم کا نقشہ پیدا کر لیا تاہم ایک جویائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُس کے تمام تعلیمی مصادر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اسقدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھا کر اُن تک پہنچ جاسکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس کے سامنے روشن ہوجاسکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدوّن، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی عملی روح امتداد زمانہ کے مؤثرات و عوامل سے متاثر ہوچکی ہے، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہوگئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُسکی عملیت کی بنیادیں پچھلی دو قسموں کی طرح منہدم ہوگئیں۔ ایک جویائے حقیقت معلوم کرلے سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں اُتر سکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔

مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

جویائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ مذاہب عالم کی اس صورتِ حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کریگا، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کرسکے گی۔ وہ دنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ پیروان مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہوسکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی ترجمانوں سے بے اثر ہوکر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقانہ تعصب و انکار میں مبتلا ہوجائیں گے، اور اس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہوجائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت و اصلیت کا ادراک اسقدر آسان اور سہل ہو، جسقدر اسلام کا ہے۔ اوّل یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہوجاسکتا ہے۔ ثانیاً اُس کے تمام مصادر اس طرح مسلّم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ ثالثاً تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہے، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کرلے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انصاف پسند "غیر مجادل" انسان کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اُس پر اعتماد نہ کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہوجائے، تو اپنے آپ کو "شک و شبہ کے طوفان" کے حوالے کردے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپکے بعض تاثرات اور پیش کردہ سوالات کا جواب دینا چاہئے۔

یاد رکھئے — موسم گرما کا نایاب تحفہ — صرف ہمدرد دواخانہ دہلی کا

شربت روح افزا (رجسٹرڈ) ۲۹۲

جو تقریبا ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسمیٰ ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع بر اعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو فقد کرتا ہے۔ اختلاج قلب، دردسر، دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں بظاہر طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نو خیز ہندوستان کی صنعت کا امید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اتنی خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں اور فی بوتل کمیشن دیا جائیگا

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ فہرست دواخانہ مع جنتری ۱۹۳۰ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنا گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سائیکلوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقاما اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کردے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپ کو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو

تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوافروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

مطبوعات الهـــلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بها جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازہ معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ایـجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهیں
اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اُس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البـلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البـلاغ پریس"

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرست ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و سعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بایں ہمہ

قیمتیں بہ تجربہ انگیز حد تک ارزاں ہیں!

بر اعظم یورپ و امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

۱۹۲۷
جلد ۱
نمبر ۱۷
الہلال
البلاغ پریس کلکتہ
قیمت
۵ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۷	کلکتہ : جمعہ ۱۷ ۔ ربیع الثانی ۱۳۴٦ هجری Calcutta : Friday, 14. October 1927.	جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔

پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئلہ هی ۔ ضروری هی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۴۰۱ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۷۰۷	اردو حروف کی حق مین	۳۹۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۴۲٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۴۰	نستعلیق هون	۱۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا کہ اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مینیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نمبر [illegible] ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري مراسلت (مثلاً رسید زر ' اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسي دوسري سمت سے نکلنا کوئي دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراهیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہي دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کي جگہ پچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اس پر حضرت ابراهیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسي کا پورا کارخانہ درهم برهم کرکے سورج دوسري سمت سے نکلتا هوا دکھا دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراهیم علیه السلام نے پہلي دلیل سے رجوع کرکے دوسري دلیل پیش کي ' تو ضروري تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع هوتي - اُن کي پہلي دلیل یہ تھي کہ موت و حیات کي باگ الله هي کے هاتھہ ہے - دوسري یہ کہ اجرام سماوي اُسي کے حکم و مشیت سے کام کرتے هیں - ظاهر ہے کہ دوسري دلیل پہلي سے زیادہ وزني نہیں کہي جا سکتي - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیهي معاملہ خصم کو ساکت نہ کرسکا ' تو اجرام سماوي کا معاملہ کیا مفید اثبات هو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے هي شوق سے حضرت امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر دیکھي تھي - کیونکہ وہ قران مجید کے مقامات کو عقلي مباحث سے صاف کرنا چاهتے هیں - مگر میں عرض نہیں کرسکتا کہ مجھے کس قدر مایوسي هوئي ؟ لطف یہ ہے کہ انھوں نے پوري تفصیل کے ساتھہ یہ تمام شبہات خود هي لکھے هیں ' لیکن جواب کا جو کچھہ حال ہے ' اس کا اندازہ اِس سے کرلیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو اَور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا هوں -

پہلے شبہہ پر انھوں نے بالکل توجہ نہیں کي ہے - دوسرے شبہہ کے دو جواب دیے هیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئي حرج نہیں ' کیونکہ دوسري دلیل پہلي دلیل سے اوضح ہے - اِسے عام مفسرین کي طرف منسوب کرتے هیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک هي دلیل کي مزید وضاحت کرني تھي : وهو انا نرى حدوث اشياء لا يقدر الخلق على احداثها ' له امثلة ' منها الاحياء والاماتة ' ومنها السحاب والرعد والبرق ' ومنها حركات الافلاك والكواكب ' والمستدل لا يجوز له أن ينتقل من دليل على دليل آخر ' لكن اذا ذكر لايضاح كلام مثالا ' فله أن ينتقل من ذلك المثال الى مثال آخر ' فكان ما فعله ابراهيم من باب ما يكون الدليل واحداً ' إلا انه يقع الانتقال عند ايضاحه من مثال الى مثال آخر - وهذا الوجه احسن واليق بكلام اهل التحقيق "
اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے هیں : " لما احتج ابراهيم بالاحياء والاماتة ' اورد الخصم عليه سوالا لا يليق بالعقلاء ' وهو انك اذا دعيت الاحياء والاماتة لا بواسطة ' فذلك لا تجد الى اثباته سبيلا ' وان دعيت حصولها بواسطة حركات الافلاك ' فنظيره او ما يقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراهيم بان الاحياء والاماتة وان حصلا بواسطة حركات الافلاك ' لكن تلك الحركات حصلت من الله تعالى وذلك لا يقدح في كون الاحياء والاماتة من الله ' بخلاف الخلق فانه لا قدرة لهم على تحريكات الافلاك " خلاصہ اِس تقریر کا یہ ہے کہ پہلي دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ' خدا کي صفت جلانے اور مارنے کي کیسي ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ہے ' یا افلاک کي حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلي بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسري بات ہے تو یہ انسان کو بھي حاصل ہے - یعني وسائط کے ذریعہ موت و حیات وجود میں آسکتي ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطہ سے زندہ انسان پیدا هو سکتا ہے ' اور قتل کے ذریعہ هلاک کیا جا سکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراهیم نے اپني دلیل کي مزید وضاحت کي اور فرمایا کہ احیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کي حرکات کے واسطہ سے ظہور میں آتي ہے ' لیکن افلاک کي حرکت بھي تو خدا هي کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئي دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کرسکتا ' تو ثابت هو گیا کہ احیاء اور اماتت بھي کوئي نہیں کرسکتا -

میں حیران هوں کہ اس امام جلیل القدر کي اس تقریر کي نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہہ دور هوا ہے یا اَور زیادہ مضبوط هوگیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ' کہاں سے ثابت هوتا ہے ؟ قران مجید میں تو صرف اتنا هي ہے کہ " انا احي و امیت " پھر یہ کہنا کہ یہ دوسري دلیل کي مزید توضیح ہے ' نئي دلیل نہیں ہے ' کسي طرح بھي سمجھہ میں نہیں آتا - افلاک کي حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلي دلیل کے ساتھہ مربوط هوسکتا ہے ؟ پہلي دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کي صفت سے تھا - دوسري میں سورج کے طلوع و غروب کي جہت سے - اس میں اور موت و حیات کي طاقت و تصرف میں کوئي علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکر امام موصوف ایسي کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذهب قرار دیتے هیں اور وثوق کے ساتھہ قرار دیتے هیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذهب بھي کہ دوسري دلیل پہلي سے اوضح ہے ' تشفي پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہي معلوم هوتي ہے کہ پہلي دلیل هي زیادہ واضح اور قطعي تھي -

تیسرے شبہہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمرود دوسري دلیل کا معارضہ نہیں کرسکا - اسلیے کہ هوسکتا ہے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کردیے هوں - وہ اس قابل هي نہ رہا هو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسي طرح حواس باختہ کرکے چپ کرادینا تھا ' تو پھر اس مناظرہ کي ضرورت هي کیا تھي ؟ پہلے هي سے مخبوط الحواس بنا دیا هوتا تاکہ وہ اعتراض هي نہ کرسکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالی کي سنت یہي ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے هیں ' ان کے حواس سلب کرلیا کرتا ہے ' تو اس کا مطلب یہي هو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں هوتے ' اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کرکے چپ کرا دیے جاتے هیں - کیا ایسے جوابوں سے قران مجید کے معارف روشني میں آسکتے هیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے هیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کي جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمي سے اعتراض کردے ' تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کي خامي ظاهر کردے اور بغیر اس کے آگے نہ بڑھے ' اور جب ایک معمولي مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروري ہے ' تو ظاهر ہے کہ ایک نبي اولوالعزم کے لیے کیوں ضروري نہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادي صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ " تاهم وہ اس قوت کے ساتھہ اعتراض وارد کرکے ' اس کا کوئي کمزور سے کمزور جواب بھي نہیں دیتے ' اور صرف یہ کہکر چپ هوجاتے هیں کہ " محققین کي تفسیر پر شبہات وارد

حضرت ابراهیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ

کریمہ " الم تر الی الذی حاج ابراهیم " کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوي محمد عبدالحق صاحب سکندرابادي)

جیسا که جناب کو معلوم هے' میں گذشته سال سے ایک سلسلۂ رسائل کي ترتیب میں مشغول هوں جن کا مقصد یه هے که قران مجید کے مطالب حکیمانه ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں که آج کل کي مذهب سے برگشته طبیعتیں اُن سے تشفي حاصل کرسکیں - ایک همدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزي زبان میں ساتهه ساتهه ترجمه کرانے کا بهي انتظام کر دیا هے' اور اُمید هے که چند ماہ کے اندر اُنکي اشاعت کا سلسله شروع هو جایگا * * * * اِس سلسله میں قرآن مجید کے متعدد مقامات هیں جو ایک عرصه سے میرے سامنے هیں - لیکن حقیقت حال یه هے که جیسا تشفي بخش حل اُنکا هونا چاهیے' اِس وقت تک نہیں هوسکا هے' اور جب تک خود اپني طبیعت مطمئن نه هو جائے' دوسروں کے سامنے قدم اُٹهانا دیانت تحریر کے خلاف سمجهتا هوں - یه عرض کرنا ضروري نہیں که قران مجید کے فہم و مطالعه کا جسقدر بهي خاکسار ذوق پیدا کرسکا هے' وہ سب جناب هي کے طفیل هے' اور جناب هي کي تحریرات کے شغف کا نتیجه هے - اِسلیے اِن مشکلات میں بهي جناب هي سے دستگیري کي اُمید هے - اگرچه وہ مقامات ایک سے زیادہ هیں' مگر سر دست میں جرأت نہیں کرسکتا که جناب کا زیادہ وقت لوں - صرف ایک مقام کي نسبت اپنا اِطمینان چاهتا هوں جسکے خاطر خواہ حل نه هونے کي وجه سے خاکسار کي زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا هے -

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراهیم علیه السلام اور ایک پادشاہ کے مناظرہ کا ذکر هے جسکي نسبت همارے مفسرین کا بیان هے که وہ نمرود تها : الم تر الي الذي حاج ابراهیم في ربه ان اتاہ الله الملک ' اذ قال ابراهیم ربي الذي یحي و یمیت ' قال انا اُحي و اُمیت ' قال ابراهیم فان الله یاتي بالشمس من المشرق فات بها من المغرب ' فبهت الذي کفر ' و الله لا یهدي القوم الظالمین - مضمون اِس آیت کا یه هے که حضرت ابراهیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کي - اسپر اُنهوں نے فرمایا که میرا پروردگار وہ هے جو جلاتا هے اور مارتا هے - یعني زندگي اور موت اُسي کے قبضه و تصرف میں هے - اگر کوئي دوسري هستي خدائي کي مدعي هے' تو اُسے چاهیے که یه قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے - نمرود نے اِسکے جواب میں کہا - اگر یهي وصف خدائي کا هے تو یه مجهه میں بهي هے - میں بهي جلاتا هوں اور مارتا هوں - حضرت ابراهیم نے یه سنکر فرمایا که خدا پورب سے سورج نکالتا هے - تو پچهم سے نکال دے - اِس پر نمرود مبہوت هوکر رهگیا -

یه دراصل حضرت ابراهیم علیه السلام اور نمرود کا مناظرہ هے جسمیں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي هے اور حضرت ابراهیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هیں - اب اس آیة کي تفسیر میں چند درچند مشکلات حائل هیں :

(۱) اول یه که جب نمرود خدا هونے کا مدعي تها' تو ظاهر هے که دلیل پیش کرنا اسکے ذمه تها - نه که حضرت ابراهیم کے ذمے جنکي حیثیت منکر کي تهي - لیکن یہاں حضرت ابراهیم اس سے کوئي دلیل نہیں مانگتے - بلکه خود اپنے پروردگار کي پروردگاري کي دلیل پیش کردیتے هیں که " الذي یحي و یمیت " اور وہ اس سے معارضه کرنے لگتا هے -

(۲) پهر جب اُنهوں نے ایک ایسي دلیل بیان فرمادي تهي جس سے بڑهکر واضح اور قاطع دلیل نہیں هوسکتي' تو چاهیے تها که نمرود کے جاهلانه اور طفلانه معارضه کي قلعي کهول دیتے - کیونکه وہ اپنے جهل و بلادت سے زندگي بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجهه هي نه سکا تها جو موٹي سے موٹي انساني عقل کو بهي سمجهه لینا چاهیے - وہ بول اُٹها که یه بات تو مجهه بهي حاصل هے - ضروري تها که حضرت ابراهیم فرماتے' موت اور حیات بخشنے سے مطلب یه هے که جس طرح وہ اَن دیکهي ذات تمام جانداروں کو نیستي سے هستي بخشتي هے' اور پهر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتي هے' اسي طرح تو بهی اک چهوٹا سے چهوٹا کیڑا بنا دیکهه - لیکن آپ یه نہیں کہتے' بلکه فوراً اس دلیل کو چهوڑ کر ایک دوسري دلیل پیش کردیتے هیں - یعني سورج کو اسکي معمولي سمت کي جگه دوسري سمت سے نکالدینے کي فرمایش کرتے هیں - اس سے لازم آتا هے که گویا آپنے اپني پهلي دلیل کي کمزوري مان لي - اور (نعوذ بالله) نمرود کے معارضه سے لاچار هوگئے - اسلیے اسے چهوڑ کر نئي دلیل کا سہارا لیا - ایک معمولي مناظر کیلیے بهي یه بات دلیل عجز هے' چه جائیکه ایک جلیل القدر پیغمبر کیلیے -

(۳) پهر دوسري دلیل جو پیش کي گئي' اُس پر بهي شبہات وارد هوتے هیں - قران مجید ناطق هے که پهلي دلیل سے نہیں مگر دوسري دلیل سے نمرود لا جواب هو کر رهگیا - مگر اعتراض هوسکتا هے که جس شخص کي شوخ چشمي کا یه حال تها که موت و حیات کے وصف الهي تک کا بیان اُسے چپ نه کرا سکا' وہ اِس دوسري دلیل سے کس طرح لا جواب هوگیا ؟ اگر کہا جاے' اس لیے که وہ پچهم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نه تها' تو جواب یه هے که وہ موت و حیات بخشنے پر بهي تو قادر نه تها ؟ جس طرح اس بات کا اک غلط مطلب ٹهرا کر اُس نے معارضه کر دیا تها اور حضرت ابراهیم ترک دلیل پر مجبور هوگئے تهے' اسي طرح اِس کا بهي کر دے سکتا تها - کهدیتا میں بهي ایسا کر سکتا هوں -

(۴) علاوہ بریں دلیل کے معنے یه هیں که وہ ایسي بات هوتي هے که اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق هو جاتا هے - لیکن حضرت ابراهیم کي دوسري دلیل ایسي معلوم نہیں هوتي - اُس کا اثبات اس مقدمه کے اثبات پر موقوف هے که " خدا وهي هوسکتا هے

یہ اجتماعي قانون نہایت عجیب ہے - کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے - ایک طرف کہتا ہے ' تغیر و تبدل ضروري ہے - نئي چیزلو اور پراني چیزیں چھوڑ دو - دوسري طرف یہ بھي کہے جاتا ہے کہ پراني چیزیں یک لخت فنا نہ ہونے دو - اپنے پچھلي مقومات و خصوصیات باقي رکھو - اپني قومي خصوصیات مٹا کر کوئي قوم ' قوم نہیں رہ سکتي - لیکن في نفسه اِس میں تناقض نہیں ہے - دونوں باتیں اپني اپني جگه ٹھیک ہیں - نئي چیزوں کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نئي چیزیں اختیار کر لي جائیں جو قومي مزاج و مصالح کے موافق ہوں - خصوصیات کے باقي رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام بنیادي چیزیں قائم رکھي جائیں جو قومي مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلیے ضروري ہیں - یعني رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دیا جاے -

بلا شبه اِس قانون کي تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے - چند ہي قومیں اصلاح میں اپنا دماغي توازن قائم رکھہ سکي ہیں - یا تو یہ ہوا ہے کہ اپني تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں' اور ایک قدم بھي آگے بڑھنے سے انکار کردیا - یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اُتر آئیں ' اور اپني کوئي بھي قدیم خصوصیت باقي نہ رکھي - پہلي صورت تفریط کي ہے - دوسري صورت افراط کي ہے - اور نجات و ترقي توسط و اقتصاد میں ہے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کي قابلیت کے معني اس کے سوا کچھہ نہیں ہیں کہ عالم خارجي کي اطاعت کي جائے - قدیم زمانے میں ہر جگه لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا - اسي لیے تبدل کي ضرورت بھي کمزور تھي - اُس کي قابلیت آهسته آهسته پیدا ہوتي تھي - حتی که بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہي حالت پر قائم رہیں اور تبدیلي کي ضرورت محسوس نہ کي - اُن کا تعلق ہمیشه ایسي قوموں سے رہا ' جو اُنھي کي طرح وحشي یا نیم وحشي تھیں - اُن کے سامنے کوئي بہتر نمونه تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا - اس لیے ترقي کي رغبت بھي پیدا نہ ہوئي ' اور جمود و تقلید کي طبیعت برابر باقي رہي -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپني فطرت کي طرف سے مجبور کي جاتي ہیں کہ اپني زندگي اور زندگي کي بنیادیں محفوظ رکھیں - یہي باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا - بلکه اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہي نہ تھا کہ مستقل زندگي بسر کرے - وہ قومیں اسے بالکل قدرتي بات خیال کرتي تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپني ہستي قربان کر دیں - اُس وقت شخصي آزادي ' کسي کے واہمہ میں بھي نہ تھي -

بعض نظري آدمیوں نے آزادي کي اعلی مثال یوناني جمہوریتوں میں بتائي ہے - حالانکه اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادي حاصل نہ تھي - وہ ایسے نظامات کي پابندیوں میں جکڑے ہوے تھے جنھیں آج متمدن دنیا میں کوئي آدمي بھي برداشت نہیں کر سکتا - اُن جمہوریتوں میں افراد کو اِتني آزادي بھي حاصل نہ تھي که اپني مرضي سے کوئي دیني عقیدہ رکھیں' یا اپني اولاد کي بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یہ حالت تھي کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کي بھي اجازت نہ تھي - وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہي پر بیٹھہ کر کھانا کھالیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعي مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچہ پوري قوم سقراط کے خلاف کھڑي ہوگئي ' اور اُس وقت تک چین نہ لیا ' جب تک اُس مصلح کي جان نہ لے لي !

بلا شبه اِس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروري ہیں ' جو ہمیشه دشمن کے حملوں کا نشانه بنے رہتے ہیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطۂ توازن کیا ہے - ایک طرف وہ تجدد و اصلاح کے حامي تھے' دوسري طرف اپني خصوصیات کي حفاظت بھي کرتے تھے - یہ وصف اُن میں اِس وجه سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسري قوموں سے قائم کردیے تھے - یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے ' اور وہ نظامات کي تبدیلي پر مجبور ہوجاتے تھے - رومانیوں کا سنہرا زمانه وہي تھا جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تھے - لیکن جب سے اُنھوں نے افراط و تفریط شروع کي ' روز بروز گرنے اور تباہ ہونے لگے -

(انگریزوں کي کامیابي کا راز)

موجودہ زمانے میں علمي انکشافات ' جدید صنائع کے ظہور ' اور مواصلات کي سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے ' کہ ہر لمحه عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ہوتے رہتے ہیں - اِس صورت حال کا قدرتي نتیجه یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے ' اور اُس کي تلاش از حد مشکل ہوگئي ہے - یہي سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں - کوئي نظام بھي پائداري حاصل کرنے نہیں پاتا -

لیکن صرف انگریزوں ہي کي قوم یورپ کي ایک ایسي قوم ہے جس نے رومانیوں کي طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدد کي حامي ہے - دوسري طرف اپنے قومي مقومات بھي برقرار رکھے ہوئے ہے - اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں ' مگر پوري تدریج اور دانشمندي کے ساتھہ قدم بڑھاتے ہیں - انگلستان کي آزادي نہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئي ہے ' نہ جمہوریت پسندوں کي لائي ہوئي ہے - وہ انگریزي تاریخ کي پیداوار ہے (۱) - یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے ' درحقیقت اِسي توازن فکر و عمل کا نتیجه ہے -

(۱) جب خاندان استوراٹ کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد بہت بڑھ گیا ' تو انگریز امریکا کي طرف ہجرت کرنے لگے - حتی که انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالي ہوگئے - ظالم بادشاہ یہ دیکھه کر گھبرایا اور ہجرت کي ممانعت کردي - جس دن ممانعت کا اعلان ہوا ' دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئي جہاز روانگي کے لیے طیار تھے - اُنھي میں کرامویل بھي تھا - اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کي راہ بغاوت کے سوا کوئي نہیں ہوسکتي - چنانچه بغاوت شروع ہوگئي - کرامویل اِس باغي فوج کا سپه سالار مقرر ہوا - بغاوت کامیاب ہوئي - جمہوریت کا اعلان کیا گیا - کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا - اُس وقت اُس کا لقب " لارڈ پروٹیکٹر " تھا - مگر بعد میں خود یہ بھي مستبد ہوگیا - آخر سنه ۱۶۴۹ع میں قوم نے اُس کي حکومت کا بھي خاتمه کر دیا -

نہیں ہوسکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے ' خواہ نئی مثال ' ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کردی جائے - پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے ' اسی طرح اُس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " مدققین " کی تفسیر قرار دیتے ہیں -

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی - چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی ' لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی وہی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی ، - اِن شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا - تفسیر نیشا پوری ' تفسیر ابن کثیر ' تفسیر علامۂ ابن سعود ' تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں ' مگر اِن سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کردیا ہے ' یا وہ باتیں لکھدی ہیں جنھیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے - یا پھر سرے سے کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی ہے -

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا ' تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکھٹ باقی رہگئی - لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قران کی ، وہ تمام مشکلات حل کردے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے - اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے دستگیری کا طالب ہے - اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا -

مجھہ سے میرے حیدراباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر " خلیل نمبر " کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے - میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا - واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون " مناظرۂ خلیل و نمرود " کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے ' لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کردی گئی ہے - اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے -

الهلال :

آپ نے استفسار میں اِس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ روک لیا - اب جواب کے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے -

علم الاجتمـــاع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علحدہ ' جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ' دلائل نے ابتک اُن کی تصدیق نہیں کی ہے - نیز ابتک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویۃ ' افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے - یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے - زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں -

لیکن ساتھہ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص نوامیس و قوانین ہیں ' اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں -

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے ' وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متاثر ہوتے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متاثر ہوجاتے ہیں -

اِس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں - ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہوجائیں ' اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدایش کا سبب بن جائیں -

علم اجتماع کے دو رخ ہیں : ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل ' ماضی و حال سے بہتر ہوجاے - دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے - وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی ' اپنے مقومات ' اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہوجانے دیں ' اُنھیں بچائیں ' اور باقی رکھیں - ورنہ اُن کی قومیت درہم برہم ہوجائیگی ' اور اصلاح ' فساد کا ذریعہ بن جائیگا -

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے - مشاہدہ کی بھی یہی هدایت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں - یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں ' مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھہ -

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون دو ہیں :

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا -

(۲) تدریج و تطور کے ساتھہ تغیر قبول کرنا -

جب حکومت کي شکل حالات ' ماحول ' اور قومي آرزوں کے خلاف هوتي هے ' اور اُس کي تبديلي کے ليے قوم کے سامنے کوئي قانوني راه باز نهيں هوتي ' تو يه وقت انقلاب و بغاوت کے ظهور کا وقت هوتا هے - لهذا ضروري هے که ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دي جائے ' ورنه قوم کو يه حق حاصل هو جائيگا که فوري تبديلي کے ليے اپنا قدرتي حق استعمال کرے اور بغاوت پيدا هوجاے -

اسپين ميں باشندگان هالينڈ کي بغاوت (سنه ۹۹۲ ه) خاندان اسٹورٹ پر انگريزوں کا خروج ' نپولين بونا پارٹ پر جرمني کي بغاوت ' آسٹريا پر اٹالين قوموں کي بغاوت - يه تمام بغاوتيں تاريخ کي نظر ميں ' صحيح ' جائز ' اور قانوني بغاوتيں تهيں -

(انقلاب کي طبيعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پهاڑ کے انفجار يا آندهي کے طوفان کے مشابه هوتي هے - شروع شروع ميں اُس کا خيال چند افراد کے اندر پيدا هوتا هے - پهر آهسته آهسته تمام قوم ميں پهيل جاتا هے - بغاوت کا خيال تبديلي کے احساس سے پيدا هوتا هے - جب تبديلي ظاهر نهيں هوتي تو حکومت کي طرف سے عام بد دلي پيدا هوجاتي هے - يه بد دلي مخفي غصه کي صورت اختيار کر ليتي هے - جب حالت اِس درجه تک پهنچ جاتي هے تو قوم هر لمحه مشتعل هو جانے کے ليے طيار هو جاتي هے - اُس وقت معمولي سے معمولي بات بهي عام بغاوت کا سبب بن جاسکتي هے -

لهذا حکام کا فرض هے که ايسي حالت پيدا هونے سے پہلے هي اصلاح نافذ کرديں - ليکن اگر بر وقت نه کرسکيں ' تو پهر اُن کے ليے بهترين طريقه يه هے که اِس بغاوت و انقلاب ميں شامل هوجائيں ' يعني اُسے اپنے هاتهه ميں لے ليں ' تاکه اُس کي مضرتيں کم سے کم هوجائيں -

اعتذار

افسوس هے که شهر کي عام تعطيل کي وجه سے اس هفته بهي مطلوبه تصاوير طيار نه هوسکيں اور همیں تصوير کے بغير پرچه شائع کرنا پڑا - تصاوير کے نه مل سکنے کي اطلاع ملنے پر وه تمام مضامين بهي ترک کردينے پڑے جن کا تعلق تصاوير سے تها - اس صورت حال کا صحيح علاج يهي هے که جلد از جلد تصاوير کي طياري کا مستقل انتظام کرليا جاے - آينده پرچوں ميں هم اس کمي کي پوري تلافي کرديںگے -

منيجر

عالم سماوی

کيا ستارے زندگي سے محروم هيں ؟

هم تاروں بهري رات ميں نظر اُٹهاتے هيں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے هيں - يه ستارے درحقيقت ويسے هي کرے هيں ' جيسا ايک کره خود هماري زمين هے - اِن ستاروں ميں بهت سے ستارے هماري زمين سے بهي بهت زياده بڑے اور بهت زياده عمر کے هيں - بعض هماري زمين سے چهوٹے اور اُس سے کم عمر رکهتے هيں - يه تمام ستارے بهي ويسے هي ايک نظام سے وابسته هيں ' جيسا همارا نظام شمسي هے - اِن ميں بهي آفتاب هيں اور اپنے گرد بهت سے کواکب اور سيارے رکهتے هيں -

مدت سے علماء فلک ميں سخت اختلاف هے که يه ستارے بهي هماري زمين کي طرح زنده موجودات سے آباد هيں يا نهيں ؟ ايک گروه پهلي رائے کا قائل هے - دوسرا دوسري راے کا -

پہلے گروه کي دليل يه هے که زندگي کے ليے جن شرطوں کي ضرورت هے ' وه زمين کے علاوه اِن ستاروں ميں موجود نهيں هيں - ليکن اُس کا يه دعوی کئي وجوه سے نا قابل تسليم هے - پهلي بات تو يه هے که اِن شرطوں کي عدم موجودگي کا ثبوت کيا هے ؟ کون دعوی کر سکتا هے که هوا ' پاني ' نور ' حرارت ' وغيره لوازم زندگي سے يه ستارے بالکل خالي هيں ؟ بلا شبه اب تک اِن کے وجود کي بهي کوئي دليل همارے علم ميں نهيں آئي - ليکن بهت ممکن هے که يه چيزيں وهاں موجود هوں اور هماري تحقيقات ميں ابهي نه آئي هوں - حال هي ميں انساني علم نے معلوم کر ليا هے که بعض ستاروں ميں اکسيجن موجود هے ' جو زندگي قائم رکهنے والي هوا کا اصلي جزء هے -

پهر يه دعوی بهي بالکل بے دليل هے که زندگي کي جو شرطيں همیں معلوم هيں ' اُن کے بغير زندگي کا وجود ممکن نهيں - بلا شبه هماري زمين پر زندگي اِن شرطوں کے بغير نا ممکن هے - ليکن يه کيا ضروري هے که دوسرے ستاروں کي طبيعت بهي بالکل ويسے هي هو جيسي هماري زمين کي هے ؟ يه بهي ضروري نهيں که زندگي کا ظهور اُن ستاروں ميں بهي ويسا هي هو ' جيسا اِس زمين ميں هے - بهت ممکن هے اُن ستاروں ميں زندگي کي شکليں بالکل مختلف هوں - اجسام کي ساخت جدا هو ' اعضاء و عضلات دوسري وضع کے هوں - زندگي کے لوازم مختلف هوں - ستاروں کي کائنات پر ايک هي اعتبار سے قياس کرنا اور اُن پر يکساں حکم لگانا ' صحيح نهيں هوسکتا -

اِس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات ایسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں - لیکن ساتھہ ہی اُن میں اِتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں - تاریخ کا قبرستان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں -

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ ' اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے - لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہوجاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے - اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھ آئے - بخار کی شدت ' وہ امراض دور کر دیتی ہے - قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں ' اور اُن کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے - کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا ' تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا ' اور پھر اُس کا علاج مشکل ہو جائیگا - چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے ' جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آ گئی ہو ' انقلاب کے بغیر چارہ نہیں - کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال در پیش نہیں ہوتا ' بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قبضۂ و غصب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے -

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح ' اُس کے پھیلنے سے پہلے ہی معلوم کرلیں ' اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہوسکے - ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا -

(نوجوان اور بوڑھے)

اِس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدد کے کم حامی ہوتے ہیں - اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں - علم وظائف اعضاء سے ثابت ہوچکا ہے کہ بوڑھے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں ' اسلیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی - برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اسلیے عادات کی مخالفت آسانی سے کرسکتے ہیں -

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے - ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے - تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھہ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف روحوں کے مظہر ہیں - جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے - وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں ' کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں - اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے ' کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو - آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں ' بہت ممکن ہے کہ کل مکروہ و متروک ہو جائیں - صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی ' آج دنیا اُن سے نفرت کرتی اور اُن پر حقارت سے مسکراتی ہے -

زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کرکے فنا کر ڈالتا ہے ' اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کردیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہین ہوتیں - دنیا کی بہت سی پرانی آرزوئیں آج مٹ چکی ہیں اور اُن کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے -

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی - وہ بحر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے - وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے -

زمانے کی روح ہی بر حقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے - زمانے کی روح ایک پر اسرار اَن دیکھی مخلوق ہے - کوئی اُسے دیکھہ نہیں سکتا ' مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے !

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتی ہے - بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے - قصبوں اور دیہاتوں میں اُس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے -

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اُس کے مقتضیات معلوم کریں - اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں - ایسے نظام جاری کریں جو اِس روح کے مطابق ہوں - ورنہ نتیجہ ' ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھہ نہ ہوگا -

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں - یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے ' بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے - قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے - اُن کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے ' جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا - اُس کی نظریں ' جہاز کے چپہ چپہ پر ہوتی ہیں - کیونکہ ایک ننھا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے -

اِس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھہ ساتھہ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے - ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں - اور اِس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے -

(مسلح انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اُسی وقت جایز ہوتا ہے ' جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو - ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں - انقلاب — کسی قسم کا بھی ہو — بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے -

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبیعی طور پر وسیع ہوتا ہے - برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے - انقلاب درحقیقت ' اجتماعی انتقام ہے - ایک غیر طبیعی حرکت ہے - خونریزی اور مصائب و آلام اُس سے پیدا ہوتے ہیں -

انقلاب ' ایک مصیبت ہے - ملک پر یہ مصیبت اُسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق ' اصلاح موجود نہیں ہوتی - فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے ' اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے - اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے - وہ اپنی طبیعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک اُبل پڑتی ہے ' اور تمام موانع کو قوت کے ساتھہ اُٹھا پھینکتی ہے - پس انقلاب ' کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے - ہاں اُسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں -

مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا - اِس خانہ جنگی کی وجہ ' بت پرستی تھی - بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی -

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں ' تصویروں ' اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے - کیونکہ یہ بت پرستی تھی - وہ یہودیت سے نکلے تھے ' اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے - انھیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا ' یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے - اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے -

اُس زمانے میں مسیحی دعاۃ اِن بت پرستوں پر ہنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں - لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی - بلکہ اس سے بحث و جدال ہی نے درحقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کردی !

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی ' وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے - لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے ' اس لیے اُنھوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کردی - ٹھیک اُسی طرح ' جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے - اِن کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساہل برتا ' اور یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ اِن چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں ' ان پر کوئی تشدد نہیں کیا - اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ہوگئی -

بتدریج اِس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کرلی - یہانتک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کنیسے میں با ضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کردی - مسیحی علماء نے اُس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی - اُنھوں نے خیال کیا ' بت پرستی کی اب جڑیں تک اُکھڑ چکی ہیں ' اُس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے -

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہوگیا - سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی - پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہوگئی - پھر اُن سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں - بالآخر ان کی مورتیں ظاہر ہوئیں - لوگوں نے خیال کیا ' اگر صلیب اور مقدس آثار و قبور میں بزرگی ہے ' تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں ' کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں ' اور ان سے برکت و سعادت حاصل کی جائے ' حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں ؟

اِس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہوگئی - شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اِس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ " اِن کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی " لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک ناگزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہوگئی - مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اُسی طرح نماز پڑھنے لگے ' جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے !

اِس بدعت کے ساتھہ اور بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہوگئیں - چنانچہ چراغاں ' بخور ' رکوع و سجود ' وغیرہ رسمیں ' سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں -

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا - مگر اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی - اِن مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہوچکے تھے - لوگ اُن سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے -

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں - لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں -

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی ' کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی - تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے ' حتی کہ خود ویٹیکان (محل اعظم پوپ) بھی اُن سے لبریز ہوچکا تھا - اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین ' تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے - انھیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے - وہ تقوی و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے -

آٹھویں صدی کے زوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی ' مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی - اِسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے ' اور اُسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا - اِن لوگوں نے کہا " مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں ' بلکہ بعینہ وہی معانی اُن کے پیش نظر تھے ' جو اِن تصویروں اور مورتوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں - لیکن اِس پر بھی خدا کی شریعت نے اُنھیں مشرک قرار دیا - تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں - صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے " -

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اِس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر ' شام ' فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں - اسلام کی تعلیمات اِس بارے میں معلوم و مشہور ہیں - ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ مسلمان اُنھیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں - اُنھوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مورتوں سے خالی تھیں -

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متأثر ہوگئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے -

دوسرے گروہ کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے ؟ اِس لا متناہی فضا میں بہنے والے لاکھوں کہا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے ' نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُسی میں زندگی موجود ہو ' اور باقی تمام کرے ' جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں ' زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں ؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں ' جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کی رفتار میں بھی ادنی سے ادنی خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے ' بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں ' اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں ؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ ' یعنی زمین ' تو آباد ہو ' اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں ؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کی تکوین ' سدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے - وہ بتدریج سدیمی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں - اِسی طرح تمام کیمیاوی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی ' اِسی سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے - سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیاوی ذروں سے مرکب ہے - اِن میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کہربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے -

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین ' ایک ہی اصل رکھتی ہیں ' تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے ' مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے ' تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک یہ سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے ' اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہو کر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے معدوم ہو جائیگی - ایسی حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے ؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائینگے ؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے ' تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل اُجاڑ ' سنسان ' اور بے جان ہیں ؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات ' ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے معدوم ہوں - زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں ' ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لوازم ہوں - ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہیں - اُن کی شکل بھی بدل جاتی ہے - مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے - پہلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہجاتے ہیں - اِسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے ' جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو - مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے ' مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو - ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے ' کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے - ہمارے اُن کے درمیان مابہ الاشتراک صرف روح ہی ہو سکتی ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے ' نہ مادے کے تابع ہے - خود اپنی اِسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں - تاہم سب زندہ ہیں ' اور سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے ' تو ظاہر ہے ' دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہو ؟

چونکہ ہماری زمین ' سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے ' اس لیے ممکن ہے ' دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو - ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو - ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں محیر العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کر چکی ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں - ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پہلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے -

اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں ' اور خریدار ہوتے ہوے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں - لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اسلیے دفتر تعمیل سے مجبور ہے -

منیجر

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے ابتک

(۱)

دور اول

سنه ٦٩٩ھ (١٣٠٠ع) سے سنه ١٢٢٣ھ (١٨٠٨ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی' جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سرزمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا - اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا' اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہوگئے - یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد عمل تھا -

اُس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب بروسہ' ازمید' زمق' طرابزون' میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیه) کے باج گزار امرا حکمران تھے - آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز انہی سے کیا' اور اُنہیں بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے - ان سے فارغ ہوکر دانیال کے آگے بڑھے' اور بلغاریا' سرویا' اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زبر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج دھانی " روم " کو گھیر لیا - یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا' جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا' اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے - صرف سلطان سلیم یاوز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی' مگر اِس کی ایشیائی فتوحات میں ایک اور ہی جذبہ کار فرما تھا - وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا' جس میں آسے پوری طرح کامیابی ہوگئی -

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہوچکا تھا - مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگائی تھیں - فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قوی معطل کر دیے تھے - اِن حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا' اور قسطنطنیه اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا - لیکن جب ترکوں نے یہاں سے بھی قدم آگے بڑھایا' اور ہنگری پر ترکتازیاں شروع کردیں' تو یورپ کی آنکھیں کھلیں - مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے' اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی - مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے -

یہانتک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی - سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری ظاہر ہوئی' سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی' اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی - ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے' یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا - یہانتک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے' اور اُنہیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے -

اِس طرح ترکی شہنشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ پے درپے جنگوں میں گزار دیا - ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں' بعد میں مدافعانہ ہوگئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی - اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا - علما و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا - مفتیوں کے فتوے عزل و نصب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے - چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اُس وقت ہوئی تھی' جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پژمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی' اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں' اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہوسکی - جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے' ان کا علم تمام تر فقہ حنفی کی حد متداول متون و شروح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں' محدود تھا' ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے' اور نہ ایسی فضا تھی کہ بلند نظری پیدا ہوسکتی -

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح' عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہوسکی - دائرۂ حکومت تمام براعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا - مختلف مذاہب' مختلف نسلیں' مختلف تمدن' اور مختلف جماعتی مزاج رفتہ رفتہ حکومت میں جمع ہوگئے تھے' حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا - ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے - اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں - ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی - یہ روح ضرور پیدا ہوتی' اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی' اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کردیے ہوتے - لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حکومت کا انتظامی مزاج معتدل ہونے لگا - حتی کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ " اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (اڈمنسٹریشن) کے خلاف ہے " حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے - مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے -

(دور اصلاح)

سنه ١٢٢٣ھ (١٨٠٨ع) سے سنه ١٢٩٣ھ (١٨٧٦ع) تک

اِدھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی - روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی - اُدھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رہی تھی' جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھول رہا تھا' اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں - ایک طرف کامل وقفہ تھا' دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا' اور ترکی جہاں تھی' وہیں کی وہیں رہ گئی' بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ہلا ڈالیں -

---

اِس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی - یہانتک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی' اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا -

(لیون کی اصلاح)

اسی زمانے میں لیون سوم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا - اس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشو و نما پائی تھی - ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاہم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا ' اور ان کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یہ تخت نشین ہوا - اور نہایت تدبر سے اپنے ارادے مخفی رکھے - یہانتک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہوگیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا - اس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتوی صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ معلق کردی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں -

چند سال بعد اس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتیوں کی پرستش اتنی تعظیم ' اور کنیسوں میں موجودگی ' سب ناجائز قرار دیدی - اس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا - چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتول (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گیے - اور تمام تصویریں محو کردی گئیں -

اس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اس بارے میں اور بھی زیادہ سختی برتی - سنہ ۷۵۴ ع میں اس نے ایک دینی مجلس منعقد کی - اس میں ۳۳۸ پادری جمع ہوے - اس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی - مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شریک ہوئے تھے - روم ' اسکندریہ ' بیت المقدس ' اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے - بادشاہ نے اس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا - متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت ' مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے - اور پرستش کی تصویریں ' مجسمے ' اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کردینے چاہئیں - اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فتوے میں مستثنی نہیں کیا ' اسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا - مزید برآں خود فن مصوری کو بھی نا جائز بتایا - اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے ' یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے ' اسے فوراً کنیسے سے خارج کردیا جائے ' اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو -

سنہ ۷۶۶ ع میں اس فیصلہ کو اور بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا - صلیب رکھنا ' ولیوں کے لیے نماز پڑھنا ' تصویروں کی تعظیم کرنا ' یہ سب باتیں جرم قرار پائیں ' اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے ' زبان کاٹنے ' اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں -

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکۂ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا - یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی ' کیونکہ وہ نسلاً یونانی تھی اور عورت تھی - یہ اس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی ولی اور سرپرست رہیگی - اس نے برسر اقتدار آتے ہی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کردیا - ستمبر سنہ ۷۸۷ع میں بہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی - اس میں ۳۶۷ پادری جمع ہوئے تھے - پوپ کے نمائندے بھی شریک تھے - بالاتفاق یہ فتوی صادر کیا گیا کہ مقدس تصویروں اور بتوں کی عبادت مسیحیت میں جائز ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے - دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں - مزید براں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی - اس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا !

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا - یہاں تک کہ لیو ارمنی بیزنطینیہ کا بادشاہ ہوا - یہ بت پرستی کا دشمن تھا - سنہ ۸۱۵ ع میں اس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتوی حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار دلائی - اس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے ' بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ " مقدس " کا لفظ بھی مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں - بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیاں آگ سے داغ دی گئیں - غرضکہ اس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہوگیا -

اسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا - یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف ' مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی - اس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہوگئے - شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا - پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اس کی ملکہ تخت نشین ہوئی - یہ اپنے شوہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی - اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اس کی راہ میں سب سے بڑی روک یہی یوحنا نحوی تھا - یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مبغوض تھا - بت پرستی کے مخالف ' اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامی دشمن خیال کرتے تھے - اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا - یہ چیز اس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی - اس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچہ اسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں - اس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادوگر ہے - یہ تہمت اس کی معزولی کے لیے کافی تھی - چنانچہ اسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک گمنام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اس سے سیری نہیں ہوئی - تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے ایک ولی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں - اس الزام پر اسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون " دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ " کے بموجب اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں !

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا - اس نے سنہ ۸۴۲ع میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتوی صادر کرادیا - تمام مخالف ' کافر قرار دیے گئے ' اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کرلی گئی - ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ ع میں کنیسۂ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یونانی کنیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے -

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہوگئیں، اُسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں، مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس میں یہ استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رُک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اُٹھان ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اُنکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! اُنھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے اُن کی طرح عملی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اُٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پا سکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہو سکتی ہے۔ جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جس کے والی اعلیٰ حضرت بھی ہیں ۱۷۸۹ء سے پہلے سخت غفلت و فلاکت میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق وزیر برسر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کو رواج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے فقر و فاقہ نے اُنھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالا مال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اُس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اُسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنا دیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اُس کے تمام جسمانی و معنوی قویٰ معطل ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اُس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اُس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اُس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اُٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اُس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا؟ کتنے نظام شائع کئے گئے؟ مگر [illegible] ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا اب ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم [illegible] اور یہ اہم معروضہ عرش [illegible] بہ انتہائی تعظیم و احترام [illegible] پیش کردیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑیئے اور اُس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اُسے اختلال و بدنظمی سے سنبھال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشیے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اُسے اپنی امان میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت سے اُس پر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہو جائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و واجبات میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ غالب اور مغلوب میں اتحاد، محال ہے۔

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے جاہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اُس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اُس کی عظمت سلب کر لیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین چیزوں سے محروم کر دے گا۔ دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کر دے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغا باز ہیں، یا جہالت نے اُن کی عقل پر پردے ڈال دئے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھریئے۔ اے میری اُمت! اِن کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ اُتنا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اُس کی عزت کے خلاف یا اُس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اُتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقع بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنا دیں۔ یہاں، اس ملک میں، اور یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں، مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے اُن کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے اُن کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے۔ یہ اور بھی زیادہ بُرا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچالیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اُس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا، کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں ہمکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دوربین نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال کیجئے تو ہم کی اسمیں گنجائش نہیں۔ آپکے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہر فساد کی آگ، بجھا دے سکتی ہے لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ منسوخ کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اُتار سکے، اور نہ ہی ایمان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور ظالموں کا ظلم روک سکے۔ آپ طاعون کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن دُور کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور حقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انگلستان ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں ہے جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اندیشہ کی بات یہ ہے کہ یورپ کی عام رائے ہمارے برخلاف ہوگئی ہے۔ ۱۸۵۴ء میں وہ ہماری طرفدار تھی، مگر روز بروز ہم سے منہ پھیرتی

سلطان محمود ثاني تک ترک اپني عظمت و سرگراني کي وجه سے علم و فن کي هر نئي بات کو نفرت کي نظر سے دیکھتے تھے - صرف توپ خانه اور طبابت کي چند اصلاحات منظور کي گئي تھیں - باقي تمام علمي و صناعي انکشافات سے غفلت و اعراض تھا - مشهور ترکي مورخ جودت پاشا نے اپني تاریخ میں ترکوں کا ذهني جمود دکھایا ہے - وہ لکھتا ہے که " رسمي احمد آفندي نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانه میں یورپ کي سیاحت کي تھي - واپس آ کر سلطان کے ایک مقرب خاص یوسف آفندي سے بیان کیا که دول یورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بہت متوجه هیں - جا بجا قرنطینے قائم کیے گئے هیں - سلطنت عثمانیه کو بھي یہي کرنا چاهیے - لائق مصاحب نے یه سنکر پیشاني پر بل ڈال لیے اور کہا " میں تمهیں اب تک عقلمند سمجھتا تھا ' مگر تم سخت احمق نکلے ' تم اتنا بھي نہیں سمجھه سکتے که یورپ کے لوگ همارے ملک میں صرف بیماریوں کے ڈر سے نہیں آتے - اگر هم حفظان صحت کا انتظام کر دینگے تو ظاهر ہے ' یه روک اٹھه جائیگي ' اور یوروپین همارے سر زمین پر چیونٹي کي طرح پھیل جائینگے - پھر هم اُنھیں کیسے قابو میں رکھه سکینگے ؟ "

یه بات نہیں ہے که ترکي میں کسي کو بھي اصلاح کا خیال نه تھا - خود سلطان مصطفی ثالث اور سلیم ثالث اصلاح کے بڑے حامي تھے - مگر بالکل مجبور تھے - اصلاح کي سب سے بڑي مخالفت فوج اور عامة الناس کي طرف سے هوتي تھي - ینگ چري فوجوں کو حد سے زیادہ اقتدار حاصل هوگیا تھا ' سلطان اُنکے هاتھه میں کھلونا تھا - یه فوجیں سخت جاهل اور گنوار تھیں - کسي طرح کي اصلاح دیکھنا نہیں چاهتي تھیں - عام رعایا سرکاري علماء کے هاتھوں میں تھي ' اور معلوم ہے که علماء دولت هر زمانه میں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف هوتے هیں - اصلاح کي هر صدا اِن علماء سوء کے مذهب میں کفر و الحاد کي صدا تھي - وہ ایک لمحه کیلیے بھي گوارا نہیں کر سکتے تھے که علم کي ایک شعاع بھي ترکي کے آسمان پر چمکے -

سب سے پہلے سلطان محمود ثاني کو اصلاح کي توفیق ملي - یه سلطان بڑا هي اولوالعزم تھا - اُس نے ینگ چري فوجوں کا قتل عام کرکے خاتمه کردیا - اس کا اثر یه هوا که اُس کي هیبت دلوں پر چھا گئي ' اور علماء دولت بھي باوجود اپني تمام سرکشیوں کے لرزنے لگے - اِس سلطان نے اصلاح کے لئے اپني سلطنت کے دروازے کھول دیے اور فوج کا نظام بالکل جدید کر دیا - عام ترکي لباس بھي ترک کر دیا گیا - اور خود سلطان نے نیا فوجي لباس پہنکر اس کي ابتدا کردي - مگر افسوس ہے که اب بہت دیر هوچکي تھي - یورپ ترو تازہ هوکر از سر نو ترکي کي تباهي پر تل گیا تھا ' اور هرگز نہیں چاهتا تھا که یه پرانا حریف از سر نو طاقت حاصل کرلے - چنانچه ترکي کي ماتحت عیسائي اقوام سے بغاوت کرائي گئي ' اُن کي حمایت و حفاظت کے لیے مداخلت کا مطالبه کیا گیا ' اور بین الاقوامي سیاست میں " مسئلۂ مشرق " کے نام سے ایک جدید لفظ کا اضافه هوگیا ' جس سے مقصود صرف یه تھا که ترکي کا خاتمه کر دیا جائے -

یه تاریخي واقعه ہے که سلطان محمود اور اُن کے بعد سلطان عبد المجید نے اصلاحات عام کرنے کي سر توڑ کوششیں کیں ' شیخ الاسلام احمد عارف آفندي نے تمام قلمرو میں دورہ کرکے مسلمانوں کو سمجھانا شروع کیا که اصلاحات شریعت کے خلاف نہیں هیں ' اور انھیں نفرت و وحشت کي نظر سے نہیں دیکھنا چاهئے - اس طرح تمدني اصلاحات کي راہ میں کوئي بھي اندروني رکاوٹ باقي نہیں رهي تھي - لیکن خود یورپ ' جو همیشه اصلاحات کے لیے غل مچایا کرتا تھا ' سد راہ هوا - لا متناهي جنگوں کا سلسله شروع کرادیا گیا ' اور ترکي کے مدبرین اور خزانه کو اصلاح کي ذرا بھي مہلت نہیں دي گئي - اس طرح ۶۸ سال کا زمانه نکل گیا -

---

زنجي تحریک حریت

کچھه عرصه سے افریقا کے زنجیوں میں آزادي کي تحریک پھیل رهي ہے - اِس کا مرکز جمہوریه " لیبریا " میں ہے - مرقس گاروي صدر انجمن " آزادي جنس زنجي " نے اعلان کیا ہے که نصف صدي کے اندر اندر افریقا کے سیاہ آدمي اِس قابل هو جائیں گے که اپنے اوپر خود حکومت کرنے لگیں ' اور پورے افریقا کي متحدہ جمہوریت قائم کرلیں - صدر نے کام کي موجودہ مشکلات کا اعتراف کرتے هوئے کہا ہے : هم في الحال تقریر و تحریر کے ذریعه پروپگنڈا نہیں کرسکتے - کیونکه باشندوں میں تعلیم مفقود ہے - لیکن همارے پاس ایک معقول ذریعه موجود ہے ' اور وہ " ڈھول " ہے - هم ڈھول پر اپني دعوت ایک قبیله سے دوسرے قبیله تک پہنچادیتے هیں ' اور باشندے اُسے قبول کرتے جاتے هیں -

(پارلیمنٹري گالیاں)

پارلیمنٹوں میں همیشه تعلیم یافته آدمي بیٹھتے هیں - با ایں همه اُن کي گالیوں کا ایک نمونه ملاحظه هو :

سرویا کي پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایک مقرر کو مخاطب کرکے کہا : " چرس پینے والے ! مردہ کھوپڑیوں کے سوداگر ! حریت کے قاتل ! "
جرمن پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے دوسرے سے کہا : " تو سڑا هوا سور ہے ! تو کیڑے پڑا هوا جسم ہے ! تو دیوانوں کا بادشاہ ہے ! "

" تو بوڑھا یهودي ہے ! تو قانون کا تاجر ہے ! تو آئرلینڈ دي شکاري کي رسي ہے ! تو کرامول کے زمانه کا سڑا هوا چیتھڑا ہے ! " یه انگریزي پارلیمنٹ میں ایک ممبر کا بیان تھا !

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

قصر یلدیز کے ہوٹل کی بندش۔ مجلس کے انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک اور افغان۔ ٹرکی اور ایران

قصر یلدیز کے ملعب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدیز کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جس میں بیٹھ کر سلطان عبدالحمید ثانی نے کامل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدیز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اُس کا پہلا پھاٹک بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے صنوبر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انہیں طے کرکے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اُس کے گرد میلوں تک، مورچے اور قلعہ بندیاں تھیں اُس زمانے میں یلدیز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدیز کا نام لینا، یلدیز کا ذکر کرنا، یلدیز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدیز کی طرف نظر اُٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں مشتبہ کردینے کے لئے کافی تھیں۔ اُس وقت بڑے بڑے حکام کے سوا، کسی ترک کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدیز کی کبھی جھلک دیکھ سکتا ہے!

۳۳ سال کے بعد یلدیز کا یہ طلسم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس کے زمانے میں اُس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اُس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحید الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدیز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کردیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اُسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اُسے مہلت نہ دی اُسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا پڑا۔

آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید کے مختصر عہد میں یلدیز کی تمام ہیبت زائل ہوگئی جمہوریت نے آتے ہی اُس کے دروازے عام مخلوق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اُس کے قیام و مصارف کا بار خزینہ حکومت پر نہ پڑے۔ اُسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار، لوئیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اُسے کرایہ پر دیدیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور ملعب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کرلی کہ ترک باشندوں کو اُس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اُس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کردیا جائے حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ انھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظرانداز کردیئے۔

بہرحال اٹالین نے شرائط منظور کرلیں اور افسوس ہے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایۂ تخت میں لہو و لعب کا یہ عظیم الشان مرکز ۱۹۲۶ء میں ...!!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ ماہوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دیجائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۳۵۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۷ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کررہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار سے دکھایا جاتا تھا کہ اس ملعب سے ترکی قوم کی کتنی دولت منائع ہورہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زر پرستی اور ارکان حکومت کی ناعاقبت اندیشی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کردیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولتمندوں نے گویا اس کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اُس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اُس کی مطلب براری کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولتمند، لندن، پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے

الحمد للہ کہ ۷ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کردے۔ چنانچہ کل رات کو گشنر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمعیت لے کر محل یلدیز میں گھس پڑے۔ قمار خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسمانی بلا سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کمشنر نے ڈپٹ کر کہا:

"کھیل ختم ہوگیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!"

چنانچہ سب مبہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً اُن کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۲۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اُس میں ۴۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اتنی ہی رقم لے بھاگ رہا تھا، اُسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کردیئے گئے اور محافظ پھاٹکوں پر کھڑے ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد کمشنر نے حسب ذیل بیان شایع کیا:

"حکومت نے صرف اس بات کی اجازت دی تھی کہ اجنبی لوگ یلدیز میں ایک ملعب قائم کریں تاکہ اس سے شہر کو مالی منفعت حاصل ہوسکے۔ لوئیرا نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اُسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کرسکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ معاہدہ منسوخ کردے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے"

اس طرح ترکوں کو یلدیز کی مصیبت سے دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہوگئے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں "خلق فرقہ سی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی ممدوح نے قوم کے نام ایک اعلان شایع کیا ہے۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کردیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اُس کی گزشتہ خدمات بنظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اُس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین کرتے ہیں۔ یقیناً اُن کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت بہت افزا ہے۔ اُس نے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے"

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے جیسا کہ پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس ... وہی جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلنا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہوجائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔

یہ اہم پہلو، خود انگورہ کے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملیہ" کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف مذہبی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سببوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ٹرکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ٹرکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط الحال لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں"

"بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہوجاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تجدد میں ہے۔ پہلے گروہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں ...

جاتی ہی۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر برلن، لندن، اور روم کے اخبارات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحت سے ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم مشاہدہ کرکے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں "یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے۔ ہم کبھی اُسے چھوڑ دیں۔ اُس کی موت جلد واقع ہو جانے دیں!"

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہیے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی صرف بہتر ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور فساد میں گرا رکھا ہے، نہ یہ ہمارے مقدس دین ہی کا اقتضا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کرکے دکھا دیں کہ نہیں، مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس پر زمانے نے یورش کی ہے۔ اُسکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہے، اور اس کے تمام قوی کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰحضرت کے روبرو عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اُس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس قدر اُس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اُس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اُس وقت کے ایک مدبر نے لوئی یازدہم سے کہدیا تھا "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور وزیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدحالی پر صبر و شکر کرے اور ایک حقیر چپراسی کے غصے سے بھی بچ نکلے!" اُس ملک میں حکومت کا کوئی رعب دبدبہ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے۔ روز ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گر کر تیسرے درجے کی قوموں کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اُسنے پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ حتیٰ کہ اُس کی فوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ یلغار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اُسنے حکومت کے بوسیدہ نظام کی جگہ ایک نیا صحیح پرور نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آنسو گرے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اُس وقت واقع ہوئی جب اُس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اُٹھ پڑتی ہیں، تو اُن کا اُٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہے جو اپنے مصائب سے صحیح سالم نکل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست پیمونٹی (اٹلی) کے نواب نے آرزو کی کہ عظیم الشان اطالین قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکر؟ اُسنے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی رسالہ طیار نہیں کیا۔ اُسنے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستور حکومت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اُس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، دلوں کی زندہ مثال جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ لوٹے اٹلی کے دلوں اللہ

عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اُسنے جسم لبوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے وکٹر عمانوئیل کی سلطنت کا رقبہ میری ریاست کے رقبے سے تین گُنا زیادہ ہوگا" دُنیا نے دیکھ لیا کہ بوڑھے نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اسوجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ اعلیٰ حضرت اُن پر نظر غائر ڈالیں۔ لیکن میں اس عریضہ میں اُن سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کروں جو اپنی دستوری آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہی ہے؟ یا پروشیا کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فتحمند نکلی ہے؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لیے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی اُن کا حق ہے۔ اُن کی امانت ہے۔ اُن کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سپرد کر دینے میں تساہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرۂ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں ترقی و سعادت سے محروم رکھتا اور تمدن و شائستگی سے دُور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ عدل ایک ہی ہے، اور سیاست اُس عدل کے سوا کچھ نہیں جو حاکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اُس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور اُن کی خودداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اُس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہیے اور اُس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہیے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے اُمت پڑی سسک رہی ہے۔ یہ ظلم حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہیے جو عدل و مساوات اور حریت صادقہ کا نظام ہے، اور جسکا خاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں قائم ہو جاتا ہے وہاں قوموں کو ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم پس و پیش میں پڑے رہیں؟ کیا آپکی سلطنت میں ایسے سچے اور مخلص محب وطن موجود نہیں ہیں جیسے مصر، تونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرویہ میں ہیں؟ کیوں نہیں ضرور ہیں۔ انھیں بلائیے، وہ سر کے بل دَوڑ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپکے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کر دے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے روبرو رعیت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور عتبۂ عالیہ تک اُس کی آرزوئیں پہونچائیں گے۔

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تمھیں ایک شریف آدمی بنا دوں گا" اے میرے آقا آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کرکے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنا سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اُٹھ جانے پر دعا دیگی۔ آپکی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی، اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اُس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اُس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلاف کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بگل بجے گا، تو وہ ہتیلیوں پر سر لے کر دَوڑے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجالائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی اُس کی تمام سعادتوں کا ضامن و سرچشمہ یہی عرش مبارک ہے۔

میں یہاں اس دستوری نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں عنقریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کروں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقا نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اُس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے روبرو سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم! سب سے پہلے خود اپنے ضمیر طاہر کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتاتا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے معنی میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزم و شہامت کا وصف عطا فرمایا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اُس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اُس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو آپکے اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپکے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق محبان وطن بلکہ آپ کی کروڑوں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آرزوئیں اس دعا میں میری شریک ہیں کہ حضور اس عمل عظیم و اشرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اسکے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو اُن عظمائے تاریخ کے بلند پلوں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گا رہی ہیں"

مصطفیٰ فاضل ۱۸۶۶ء

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک جویائے حق کے خطوط کے جواب میں

(۲)

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی۔ میں نے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہے کہ جن باتوں کا آپنے ذکر کیا ہے اُن کی اصلیت کیا ہے اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورتِ حال کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن آپکا طریقِ نظر صحیح نہیں ہے۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دیگر مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا یہ بیان کردہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہے یا نہیں؟ اس سے بھی ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جویائے حقیقت انسان جس کا مقصد جنگ و نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب و تحقیق ہے، کیوں راہِ تحقیق میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متاثر ہو، اور اس کی وجہ سے "شکوک و شبہات" میں مبتلا ہو جائے!

بہ حیثیت ایک طالبِ حق و صداقت کے یہ بات پیشتر سے آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ مذاہب کی تعلیم اور پیروانِ مذاہب کا فہم و عمل دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں، اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی اختلاف آپکے علم میں آتا ہے، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جس سے آپ حیران و سراسیمہ ہو جائیں، بلکہ پیشتر کی سمجھی بوجھی ہوئی بات کا ایک مزید معائنہ اور تجربہ ہے۔ تجربہ شک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپکے علم و یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہیے؟

دعوتِ قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقعہ زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہے ورنہ میں آپ کو بتلاتا کہ جستجوئے حقیقت اور معرفتِ صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہے، جس کی اب سے تیرہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے نوعِ انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہے۔ قرآن جس وقت نازل ہوا، اُس وقت دُنیا میں مذاہب کے پیروں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت گم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہے۔ مذاہب کے پیروں کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کرتی تھی۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے لئے بہ ظاہر دو ہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پیروانِ مذہب کی تصدیق کرے یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نہ صرف اپنی صداقت کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو بہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔ کیونکہ اس صورت میں دُنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا، اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو جاتی تھیں۔ پس اُسنے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُسنے کہا، دُنیا کے تمام مذاہب حق ہیں، لیکن دنیا کے تمام پیروانِ مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے، جس قدر بھی اختلاف ہے، جس قدر بھی دعووں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہے، پیروانِ مذہب کے فہم و عمل میں ہے۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر پیروانِ مذہب کا یہ انحراف دُور ہو جائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف حق ہے، اور چونکہ وہ حق ہے، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ کی گنجائش ہے۔ نہ کسی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذہبِ عالم کا "مشترک حق" دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے، اور اسی کو قرآن نے اپنی زبان میں "اسلام" اور "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کیا ہے:

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا، وما انزل الی ابراہیم واسماعیل ویعقوب والاسباط، وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ، وما اوتی النبیون من ربہم، لا نفرق بین احد منہم، ونحن لہ مسلمون! فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا، و ان تولوا فانما ہم فی شقاق	سچائی کی راہ یہ ہے کہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ نیز اُن تمام مذہبی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر نازل ہوئیں، اور جن کی اسماعیل و یعقوب اور ان کی نسل کے رہنماؤں نے دعوت دی، اور پھر وہ تعلیم جو موسیٰ کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو عیسیٰ کا پیغامِ حق تھا۔ غرضکہ دنیا کے سارے نبیوں اور مذہبی صداقت کے سارے معلّموں کو
فسیکفیکہم اللہ، وہو السمیع العلیم! (۱۳۷:۲)	خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو کچھ ملا ہے، اُس سب پر ہمارا ایمان ہے۔

ہم اُن سب کو ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اور جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہے اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کی تصدیق کی، مگر تمام پیروانِ مذاہب کی تکذیب کی، اور اس تصدیق و تکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نوعِ انسانی پر کھول دی، جس پر چلے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ وہ وقت اب دُور نہیں ہے جب عالمِ انسانیت مذاہبِ عالم کے اختلافات سے اُکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو یک قلم مذہب ترک کر دے یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیتِ انسانی مذہب ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اور جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت دی تھی: یعنی انسانوں کے فہم و عمل کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دُنیا کے تمام پیروانِ مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امۃ واحدۃ، فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین، وانزل معہم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتہم البینات بغیا بینہم، فہدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ، واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم! (۲۰۹:۲)	دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی ہے۔ سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری صداقت کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی و فساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔ تب خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل کی بشارت دیتے تھے اور بدکرداری کے نتائج سے ڈراتے تھے۔ اُنکے ساتھ تعلیمِ حق کی کتابیں تھیں۔

یہ اس لئے نازل کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی و گمراہی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہے، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں جس سے منحرف ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ افسوس ہے کہ نسلِ انسانی اس پر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی۔ جن جن باتوں کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُنھی میں پھر اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور دینِ حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہوا تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خلاف، دینِ حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور مدعیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس کا دروازہ اہلِ ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہے ہدایت کی راہ دکھا دیتا ہے!

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اُس خاص معاملہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس کا آپنے ذکر کیا ہے۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپنے جس قدر تاثرات قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپنے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت نہایت بے ہودہ اور دلآزار تھا اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ کہتے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

"لیکن حاشا و کلا، قوم اور اُس کے زعیم کا مقام اس سے بلند ہے۔ سعد مر کر لازوال زندگی حاصل کر لی۔ تمھاری آرزوئیں جو اُس کے وجود میں مجسّم تھیں، اب اُس کی غیر فانی روح کے ساتھ، اَبدی و سرمدی ہو گئیں۔ اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب بھی باقی ہے، اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان، تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزوؤں کی زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہے!

"وہ اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑے گا جبتک کامل خود مختاری اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کر دے"

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے"

" یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں"

"لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسر اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اسوقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدد کی ہے"

"اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیانِ اصلاح اپنے مقاصد کا بیانگ دہل اعلان کرتے ہیں اور مقرر و منضبط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف انکے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرأت نہیں درحقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے"

"یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کی اس عملی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بُناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ "حاکیت ملیت" کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اٹھا ہے۔ آپکے قارئین کو یاد ہوگا کہ معاہدۂ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں پر ۱۵۰۔ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی پچھلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکلکر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکریں کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزین خائنوں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برابر اُن کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انھوں نے کئی سال مطمئن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہو گئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خونریز رہ چکا ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم انور پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ اُن کی شہادت کے بعد پھر ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدۂ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا مسلح جری جتھا لے کر سمرنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اُسنے مقابلہ کیا جس میں وہ خود مارا گیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہو گئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں، مجید کوچک، مجید کلاں (حقی قاتل) کی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انگورہ کے قریب مقام "نفلوخان" میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوف اور اُن کے وزراء اسرماہ کے وسط میں انگورہ روانہ ہوں گے تو مذکورہ بالا گاؤں میں اُن کی ریل ڈائنامیٹ کے ذریعہ اڑا دیجائیگی۔ تلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس ہر سائز کا قدکی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیمیاوی تحقیقات کرائی گئی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیرمرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتھے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عاطف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس بارے میں افغانی سفیر کو درخواست دی سفیر نے درخواست، کابل بھیجدی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسروں کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرمان عالی میں یہ بھی تھا کہ "میں نہایت خوش ہونگا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں اُنھیں رائج کریں"

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبر سے جملہ غلط فہمیاں دُور ہو گئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور ترکی سفیر متعینہ طہران ممدوح شوکت بک کو نہایت پرتکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقریر کرتے ہوئے بہت زوردار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے رہنما کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اسوقت مصر کی توجہات کا مرکز اس مسئلہ کے سوا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے بے چینی کچھ کم نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زیور پاشا کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کی کہ اب موقعہ ہے۔ ہمت کرو اور برسر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف اعتدال پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُکسایا کہ وفد کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہوتی جاتی ہے۔ اب وقت ہے اُسے گرا دو!

تیسری طرف خود وفد کی جماعت میں بھی نااتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھانجے ہیں اور آنکے ساتھ جہاد وطنی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعریفیں کر کے انہیں وفد کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ وفد کی جماعت، بعض موانع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت درہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مسرت ہے کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زیور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسند نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وفد کی جماعت سے لڑنا نامنظور کر دیا۔

خود وفد نے بھی نہایت دانش مندی سے کام لیا اور مرحوم رہنما کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ پاشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دولھا بنانا چاہتے تھے، صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں وفد کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سرخم کرنے کو طیار ہوں۔

وفد نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنا دیا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الغرابلی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے وفد کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔

"بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو اُن کی ہیبت سے خائف تھے مسرت سے اچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو آنکے رعب سے خم تھے، بلند ہونے لگے فتنہ کا سر اپنی دونوں آنکھیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شگاف دیکھ اور در آئے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے تمھیں اُس کی نظر بد سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ علم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا

"وفد نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایمان میں اُسنے ہمیشہ سبقت کی۔ آزادی کے لئے اُسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

"وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفی نحاس ہے!......"

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفےٰ نحاس پاشا بالاتفاق، وفد کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہو گئے۔

وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا ہے:

"ابناء وطن! عظیم القدرت خدا نے بزرگ و برتر کی مشیت پوری ہوئی اور سعد زغلول کا انتقال ہو گیا۔ تم اُس کے فراق پر رنج سے رو رہے لیکن مشیت الٰہی نے اس کے سوا کچھ منظور نہ کیا کہ تمھارے سردار کو ویسی ہی شریف موت دے، جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی مرا۔ دنیا و آخرت، دونوں میں اُس کے لئے مجاہدین کا ثواب جزیل موجود تھا!

"سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گئے۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و اَلم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پنہاں تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ وہ مر گئیں۔

بصائر و حکم

عالمِ انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

ابراہیم موصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر فن موسیقی، ابراہیم موصلی، قولنج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا۔ جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

مل واللہ طبیبی — من مقاساۃ الذی بی

واللہ طبیب میرے مرض کی تشخیص سے اکتا گیا ہے

سوف انعیٰ عن قریب — لعدو و حبیب!

عنقریب دوست و دشمن سب کو میری موت کی خبر سنا دی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا:

"ابراہیم کیا حال ہے؟"

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا:

سقیم مل منہ اقربوہ — واسلمہ المداوی و الحمیم

بیمار، جس سے اس کے رشتہ دار اکتا گئے ہیں۔ طبیب اور دوست اسے چھوڑ چکے ہیں۔

۲۱۳ھ (۸۲۸ء) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہے۔

"میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے" خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بعید الدار عن وطنہ — مفرداً یبکی علی شجنہ

اے اپنے وطن سے بہت دور! تنہا اپنی حسرت پر رو رہا ہے!

کلما جد النحیب بہ — زادت الاسقام فی بدنہ

جوں جوں اس کا گریہ بڑھتا ہے، اس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ درخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اس کی آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد الفواد شجیً — ہاتف یبکی علی فننہ

دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکارنے والے نے۔

شاقنی ما شاقہ فبکی — کلنا یبکی علی سکنہ

جس کا شوق مجھے ہے، اسی کا اسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے حبیب کے لئے روتا ہے۔

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر انھوں نے ایک لمبی سانس لی اور سرد ہو گئے تھے!

۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۸ء) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طبیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطبیب بطبہ و دوائہ — لا یستطیع دفاع کروہاتی

طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اس کے آ جانے کے بعد دور نہیں کر سکتا۔

ما للطبیب یموت بالداء الذی — قد کان یبری مثلہ فی ما مضیٰ؟

یہ کیا ہے کہ طبیب اسی بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا؟

ہلک المداوی و المداویٰ و الذی — جلب الدواء و باعہ و من اشتری

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا سب مر جائیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا، اور کہا:

"ہر مخلوق مرنے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اتر رہا ہوں میں تمھیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) کو دیکھنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اسے گمراہی سے روک دینا اور اس کا عہد توڑ دینا"

۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں وفات پائی۔

ابونواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے دادی شعر اور شاعر، ابونواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے:

دبّ فیّ الفناء سفلاً و علوا — و ارانی اموت عضواً فعضوا

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شرتی بجدۃ نفسی — و تذکرت طاعۃ اللہ نضوا

میری تمام تیزی چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الٰہی کا خیال آیا!

لیس من ساعۃ مضت لی الا — نقصتنی بمرہا بی جزوا

ہر گھڑی مجھ پر گذر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہے!

لہف نفسی علی لیال و ایام — تملیتہن لعبا و لہوا

ان دنوں اور راتوں پر میرا افسوس، جنھیں میں نے لہو و لعب میں گزار دیا!

قد اسأنا کل الاساءۃ فاللہم — صفحاً عنا و غفراً و عفوا

ہم نے سراسر برائی ہی کی ہے لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب مامون کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے، تو چلا اٹھا:

"انا للہ و انا الیہ راجعون! واللہ میری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں۔ کوئی حامی نہیں۔"

گرفتار ہو جانے پر اس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:

"یہ تمھارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمھارا نگہبان ہو!"

قتل کے وقت جلادوں سے کہا:

"تمھارا برا ہو! جانتے نہیں میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا، اور مامون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو!"

۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرخی رح

مشہور صوفی و زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا "وصیت کیجئے" کہنے لگے:

"جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا"

۲۰۰ھ (۸۱۶ء) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور رح

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا "آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟"

کہنے لگے "کیا تمھارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس سے مجھے بڑی ہی امید ہے، مخلوق میں رہنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس سے میں ڈرتا ہوں؟" یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔

(۲۰۹ھ ـ ۸۲۵ء)

بقیہ مضمون صفحہ ۱

ہیں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے ساتھ قدم اٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۵ برس سے ہندو مسلمانوں کی موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہے۔ اگر ان ۵ برسوں کے وہ تمام بیانات اور مباحث جمع کر لئے جائیں جو ایک فریق نے دوسرے کے اقوال و اعمال کی نسبت بیان کئے ہیں، اور پھر ان پر انصاف اور صداقت شعاری کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے زیادہ مقدار ان باتوں کی نکلے گی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت نہ اختیار کرتیں اگر واقعات کے مطالعہ و بیان میں انصاف و دیانت کا تھوڑا سا بھی لحاظ رکھا جاتا۔

کہ معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا۔ بلکہ آپکے لفظوں میں:

"جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنھیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ تمام لیڈروں اور "مولنا صاحبان" نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہو کہ جونہی کوئی غیر مسلم حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً مارڈالنا چاہئے"

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا معترف تھا اور اس موقعہ پر بھی معترف ہوں۔ آپنے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کردیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن واقعات کا آپنے ذکر کیا ہو، افسوس ہو کہ نہ تو اُن کی تعبیر صحیح ہو، اور نہ وہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہو۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کررہی ہو جسپر پچھلی سطروں میں بحث کرچکا ہوں

تعبیر میں آپنے جو غلطی کی ہو، وہ غلطی عام ہو۔ اور اُس ناواقفیت کا نتیجہ ہو جو ایک ہزار سال کی یکجائی کے باوجود ہندؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہو۔ میں نے بارہا خیال کیا ہو کہ اگر کسی ذریعے سے ہم یہ باہمی ناآشنائی دُور کردے سکیں، تو باہمی مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی تعداد خود بخود دُور ہوجاسکتی ہو؟ مگر افسوس ہو کہ اس کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ آپنے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کرلی کہ "مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیدیا" لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح "فتویٰ" کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہو، تو کبھی یہ بات آپکے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ "لیڈروں" کے ساتھ "فتویٰ" کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ اُن تمام باتوں کو جو کسی "لیڈر" یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم وگرم خیالات ظاہر کئے ہیں "فتویٰ" قرار دیدیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن انھیں "فتویٰ" کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ "فتویٰ" نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہو کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ "فتویٰ" ہو۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہو۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، "فتویٰ" ہوجائیں گی۔ "فتویٰ" مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہو، اور اس کا اطلاق صرف اُس بیان پر ہوتا ہو جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہو کہ فلاں مسئلہ میں اُس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہو۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے، وہ فتویٰ نہیں ہو، اور کوئی مسلمان بھی اُسے فتویٰ نہیں سمجھیگا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف "فتویٰ" منسوب کردینا کیسی افسوس ناک غلطی ہو؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی "لیڈر" ہیں۔ یہ ٹھیک ہو لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں بلکہ مسلمان جماعتوں کے عام سربرآوردہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ "فتویٰ" دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص اُنکے بیانات کو فتوی کی حیثیت سے قبول کرتا ہو۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے "فتوی" دے سکتی ہو لیکن یہ خیال صریح غلط ہو کہ جمعیت العلماء نے "رنگیلا رسول" کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی "فتویٰ" جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بلا آگئی ہو جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر چھائی ہوئی ہو۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح "فتویٰ" کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں:

اولاً مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیاجاتا ہو جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کردینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اُسپر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں "فتوی" کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلآزار کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہو، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تعزیر میں ہو۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کرسکتی ہو حکومت کرسکتی ہو۔ اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کریگا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہو کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنوں یا احمق ہوجائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تعزیر و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہو اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کردے کہ فلاں آدمی کو قتل کرڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے۔ لیکن ظاہر ہو کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہو اس لئے اُس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہو "فتویٰ" ہو، کس درجہ ناواقفیت کی بات ہو؟ وہ ایک انجمن ہو، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہو جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہو جسپر وہ کارروائی کرنا ضروری سمجھتی ہو، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہو اور اُسے منظور کرکے شائع کردیتی ہو۔ اس معاملہ پر بھی اُسنے ایک تجویز منظور کی اور غالباً لاہور میں اپنی جمعیتہ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کرکے اُس کا اعلان کردیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہو۔ یقیناً لوگوں نے اُسے اُس درجہ اہمیت دی ہوگی، جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ "فتویٰ" نہیں ہو۔ کیونکہ "فتویٰ" دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو "فتویٰ" کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہو، اور جو کچھ لکھا ہو، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہو کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہوگئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو اُسوقت کا کوئی اُردو اخبار حاصل کرکے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اُس میں یہ کہیں نہیں ہو کہ "رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کردینا چاہئے" جیسا کہ آپنے لکھا ہو۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کرکے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجائش ہوتی۔ اُس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلآزار حملوں کا سدباب کرے، اور اگر موجودہ قوانین اسکے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کردے۔ البتہ اُس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں (یا بصورت اسلامی حکومت ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں) ایسے شخص کی سزا قتل ہو جو پیغمبر اسلام کی عمداً توہین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، اُس کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہوجائے۔ یعنی یہ بات اُس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور اُن کے نقطۂ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہو؟ بلاشبہ اسپر بحث کی جاسکتی ہو کہ اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہو؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کرلینگے کہ میرا خیال اور علم کیا ہو لیکن بہ حیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو اور اُن تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کررہے ہیں، یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہو جو اُنھوں نے سمجھ رکھی ہو۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا مخالف، ہر حال میں ہمارا فرض ہو کہ معاملہ کو اُس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہو اُسے تسلیم کرکے رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کرکے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اسمیں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اُس کی یہ تعبیر کہ "جمعیت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کردینا چاہئے"؟ اسوقت دُنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تعزیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا بامحل اُن کا ذکر بھی کردیا جاتا ہو، لیکن کوئی شخص اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انھیں نافذ کرنا مقصود ہو۔

رابعاً آپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہو، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "اسلام کا یہ قانون ہو کہ جونہی کوئی غیر مسلم حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اُسے مارڈالنا چاہئے" لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری معلومات میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہو۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہو کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب وہی ہوسکتا ہو جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہو۔ یعنے اُنکے قوانین کی رُو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہوجائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ "جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے، اُسے فوراً قتل کرڈالے"؟ اسلام کے شرعی نظم کی رُو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی آمادگی جائز نہیں ہوسکتی۔ تعزیر اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہو۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دیدے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا کریگا، تو وہ اسلامی قوانین کی رُو سے اُسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہوسکتا ہو۔

میں نے اس حصۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہوجائے کہ واقعات کے مطالعہ و بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور کج اندیشیوں کا کیا حال ہو؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پیچیدگی کے، محض اس لئے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد کھوچکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرنے

"مجھے ایسا برتاؤ نہ کرنا تھا۔ تمھیں غصہ دلا کر میں نے سخت غلطی کی۔ اور یہ زخم ......"

موریلا، انٹونیو کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے چپ ہوگئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا" انٹونیو نے کہا "تم نے صرف اپنا بچاؤ کیا تھا۔ یہی کرنا بھی چاہئے تھا۔ میری دیوانگی کے مقابلے میں اسی کی ضرورت تھی۔ تمھاری ذرا بھی خطا نہیں ہے۔ ہرگز معافی کا ذکر نہ کرو۔ تم نے تو مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ میں تمھارا دل سے شکرگزار ہوں۔ اچھا، اپنا رومال لیتی جاؤ"

انٹونیو نے رومال آگے بڑھایا۔ لیکن موریلا خاموش تھی۔ اُس کے اندر خیالات میں سخت تصادم تھا:

"میری غلطی سے تمھاری چادر بھی چلی گئی۔ نارنگی کی تمام قیمت بھی اُسی میں بندھی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اس وقت اُس کی تلافی نہیں کر سکتی — ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ہے تو میری ماں کا ہے — لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہے۔ مصور جاتے وقت چھوڑ گیا تھا۔ میں نے آج تک اسے کبھی نہیں پہنا تھا۔ صندوق میں بھی نہیں رکھا تھا۔ اگر اسے بیچو گے تو کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ میری ماں کا یہی خیال ہے — نقصان کا تھوڑا سا بدلہ ہو جائے گا۔ باقی میں اپنی ماں کے سو جانے کے بعد روز رات کو سوت کات کات کے ادا کردوں گی"

"نہیں نہیں، میں ہرگز نہیں لوں گا" یہ کہہ کر انٹونیو نے جھکیلی صلیب لوٹا دی۔ "لیلو" موریلا نے کہا "تم نہیں جانتے، تمھارا ہاتھ کتنے دن کام نہیں کر سکے گا۔ یہ صلیب رکھی ہے"

"مجھے تکلیف نہ دو" انٹونیو نے نقاہت سے کہا۔

"میں کہتی ہوں لے لو" موریلا نے اصرار سے کہا۔

"سمندر میں پھینک دو" انٹونیو جھنجھلا گیا۔

"میں ہدیہ پیش نہیں کر رہی ہوں۔ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں" موریلا نے پھر کہا۔

"تم پر میرا کوئی قرضہ نہیں ہے" انٹونیو نے جوش سے کہا "اگر تم میرا کچھ اپنے ذمہ سمجھتی ہو تو میری ایک درخواست منظور کرلو۔ تم بوجھ سے ہلکی ہو جاؤ گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ جب میں کہیں دکھائی دوں تو میری طرف نظر نہ اٹھانا، تاکہ مجھے اپنی اس دیوانگی پر ہمیشہ ندامت ہوا کرے۔ خدا حافظ! جاؤ۔ یہ ہماری آخری باتیں ہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اُس نے اپنا رومال اٹھا کر ٹوکری میں ڈالا، صلیب بھی اسی میں گرا دی۔ پھر ٹوکری کا ڈھکنا بند کیا۔ انٹونیو نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آنسو اُس کے نازک رخساروں پر بہہ رہے تھے!

"الٰہی!" انٹونیو چلایا "موریلا! کیا ہوا؟ کچھ بیمار ہو گئیں؟ سر سے پاؤں تک کانپتی کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔ مجھے گھر لوٹنا چاہئے"

یہ کہہ کر موریلا لڑکھڑاتے پاؤں سے دروازے کی طرف لپکی۔ مگر باہر نہیں گئی۔ دیوار پر سر رکھ کے رونے لگی۔ دیر سے بھری ہوئی تھی اب بے قابو ہو گئی۔ انٹونیو نے اُس کی سسکیاں سنیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اٹھ کر پاس پہنچے، وہ خود دوڑ کر آئی اور اُس پر گر پڑی:

"اب میں برداشت نہیں کر سکتی" اُس نے آنسوؤں کے ساتھ ملاح کو زور سے پکڑ کر کہا "میں برداشت نہیں کر سکتی! میں تمھیں چھوڑ کر جا نہیں سکتی۔ آہ! تم مجھ سے اتنی محبت کے ساتھ بولتے ہوا مجھے مارو۔ میری جان لے لو۔ مجھے لعنت ملامت کرو۔ لیکن مجھے اپنے سے دور نہ کرو......"

روتی ہوئی لڑکی کو انٹونیو نے فوراً اٹھا لیا۔ وہ بھی چپ تھا۔ مگر آنسو اُس کی آنکھوں سے بھی جاری تھے!

انٹونیو نے لمبی سانس لے کر کہا "خدایا یہ میں کیا سنتا ہوں؟ اگر میرا خون زخم سے بہ گیا ہے تو میرا دل اس طرح کیوں دھڑک رہا ہے؟ کیوں سینے سے نکلا پڑتا ہے؟ موریلا! اگر یہ تم صرف تسلی دینے کے لئے کہتی ہو، تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کیا تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا میں نے تمھارے پیچھے بہت دکھ نہیں سہا ہے؟"

"ہرگز نہیں!" موریلا مضبوط آواز میں کہا "کوئی حق نہیں! کیونکہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں! اب مجھے کہنے دو۔ میں تم سے، اسی محبت کے ڈر سے بھاگا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں بھاگوں گی"

(۷)

موریلا، گھر کے باہر تاریکی میں غائب ہو گئی۔ انٹونیو، کھڑکی کے سامنے مبہوت بیٹھا تھا۔ خاموش سمندر اُس کے آگے پھیلا تھا۔ اُفق میں ہر طرف تاریکی اور خاموشی تھی۔ جھلملاتے تارے آسمان پر سے منہ نکالے دیکھ رہے تھے!

(۸)

اعتراف کی کرسی پر پادری بیٹھا مسکرا رہا ہے۔ موریلا ابھی ایک بہت لمبا اعتراف کرکے رخصت ہوئی ہے۔

"کون خیال کر سکتا تھا؟" پادری نے اپنے آپ سے کہا "واقعی کون خیال کر سکتا تھا کہ خدا اس گمراہ دل کو ہدایت بخشے گا؟ ہماری نظریں بہت کوتاہ ہیں۔ آسمان کے راز دیکھ نہیں سکتیں۔ خدا موریلا کو، انٹونیو کو، دونوں کی اولاد کو برکت دے!"

(۹)

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ عورت کے دل کے سمجھنے کے لئے اس دنیا میں ہمارا کوئی قانون اور قاعدہ بھی کام نہیں دے سکتا۔ وہ جب بہت زیادہ غضب ناک ہوتی ہے تو بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اور جب بہت ملتفت ہوتی ہے تو فوراً محبت سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ تاہم ایک قاعدہ ضرور ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں کبھی غصہ کی نفرت اور خودداری کی بے پروائی قائم نہیں رہ سکتی۔ سخت سے سخت جنگ آزما روح بھی ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں سپر ڈال دے گی اور ہار مان لے گی!

افسانہ

غضب ناک محبوبہ

L'ARRABIATA

(پال ہیس کے قلم سے)

(۲)

انٹونیو، لڑکی کے غرق ہونے کے خوف سے سناٹے میں آگیا۔ وہ بُت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے دماغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر جائے اِس طرح کھڑا تھا، گویا کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہو!

آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُس نے ڈانڈ اُٹھائی اور پُوری قوت سے کشتی، لڑکی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہو۔

موریلا بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

"خدا کے لئے کشتی پر آجاؤ!" انٹونیو چلایا "میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پتھر پڑگئے تھے۔ گویا مجھ پر بجلی گر گئی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تنور جل اُٹھا تھا۔ موریلا! میں معافی تک کی درخواست نہیں کرسکتا۔ میں معافی کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاک مت ہو!"

موریلا برابر پیرتی رہی۔ گویا اُس نے سنا ہی نہیں۔

"ساحل تک پہنچنا محال ہو" انٹونیو نے پھر کہا "ابھی پُورے دو میل باقی ہیں۔ اپنی بیمار ماں کا خیال کرو۔ اُس کا کیا حال ہوجائے گا؟ اگر تمھیں نقصان پہونچا تو میں بھی جان دے دوں گا"

موریلا نے سامنے نگاہ کرکے فاصلہ دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دئے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑلیا اور اوپر چڑھنے لگی۔ انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اُٹھا۔ کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی چادر کنارے رکھی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے انکار کیا۔ پھرتی سے اوپر آگئی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)

انٹونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینا شروع کردی۔ موریلا اپنے بال ہاتھوں میں لے کر نچوڑنے لگی۔

یکایک موریلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے فوراً انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اُٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پُوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

"یہ لو"، موریلا نے کہا اور اپنے رومال کی طرف اشارہ کیا انٹونیو نے موریلا کو دیکھے بغیر سر کے اشارے سے انکار کردیا۔ اور کشتی چلاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد موریلا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، اور اپنے رومال سے اُس کا ہاتھ باندھنے لگی۔ انٹونیو نے بہت بہت انکار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈانڈ لے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈانڈ پر اُس کے ہاتھ کے خون کے جو قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گڑ گئی تھیں۔

دونوں چپ تھے۔ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ماہی گیر صاحب سلامت کرنے لگے بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہم کچھ اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش رہے۔ اُن میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

شفق ابھی تک باقی تھا۔ کنارا آگیا۔ موریلا نے اپنے کپڑے درست کئے اور اُتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔

"انٹونیو!" ملاح کو دیکھ کر چلائی "تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟ خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہو!"

"کچھ نہیں" انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا "کشتی میں ایک کیل نکل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ صبح تک اچھا ہوجائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لئے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا"

"یہاں آؤ، میں پٹی باندھ دوں" نیک دل بڑھیا نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ابھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں"

"شکریہ" انٹونیو نے کہا "زحمت نہ کرو۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔ میری تندرستی اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا"

"خدا حافظ!" موریلا نے کہا، جو اب تک کھڑی بڑھیا کی باتیں سن رہی تھی۔

خدا حافظ!" انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اُٹھائے بغیر جواب دیا۔

موریلا اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ٹانڈ اور ٹوکریاں اُٹھائیں اور جھونپڑے کی راہ لی۔

(۵)

انٹونیو اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں اکیلا ہو۔ بہت پریشان ہو۔ کسی پہلو چین نہیں۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندر آرہی تھی۔ تنہائی اِس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (مریم علیہا السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کنواری کے سر پر ستاروں کی آرائش دیکھی۔ لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہا۔ وہ نماز کیوں پڑھے؟ ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزوؤں سے محروم ہوچکا ہو!

اُس نے خیال کیا؟ آج دن ختم نہ ہوگا۔ بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون بہ جانے کی وجہ سے بھی طبیعت کمزور ہورہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی پٹی کھولی تو پھر خون بہنے لگا۔ پُورا ہاتھ ورم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ موریلا کے دانتوں کے نشان صاف نظر آتے تھے!

"اُس کی کیا خطا ہو؟" اپنے آپ سے کہنے لگا "میں وحشی ہوگیا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کا رومال واپس کردوں گا۔ اور اب کبھی اُس کا سامنا نہ کروں گا!"

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے پٹی باندھی۔ بچھونے پر دراز ہوگیا۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سویا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے چاندکا دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہورہا تھا۔

(۶)

یکایک دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

موریلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر کا رومال کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے میز پر رکھ دی۔

"اپنا رومال لینے آئی ہو؟" انٹونیو نے پوچھا "ناحق تکلیف اُٹھائی۔ میں خود کل صبح بھیج دینے والا تھا"

"رومال نہیں" موریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "میں دیر سے پہاڑی پر جڑی بوٹی ڈھونڈھ رہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں"

"تم نے بڑی تکلیف کی" ملاح نے جوش مسرت کے احساس سے مضطرب ہوکر کہا "افسوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو اب آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اِس کا مستحق ہوں۔ تم اِس بے وقت کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ انھیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے"

"میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی" موریلا نے غصہ اور ہمدردی کے ملے جلے لہجہ میں کہا "میں تمھارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے"

"میں دوا کا مستحق نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں" انٹونیو نے تاثر کے ساتھ کہا۔

"اچھا مجھے ہاتھ دیکھنے دو۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگاؤں گی"

یہ کہہ کر موریلا نے اُس کا ہاتھ پکڑلیا۔ اب انکار اُسکی قدرت سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی دوشیزہ چلائی "آہ، یسوع!"

نہیں معمولی سا ورم ہو۔ کل تک اُتر جائے گا" انٹونیو نے بے پروائی سے کہا۔

موریلا نے سر ہلایا:

"تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں نہیں جاسکتے"

"او نہ، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے" ملاح نے بے رنج کہا۔

موریلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے بچے کی طرح کراہتا تھا۔ موریلا نے زخم پر دوا تھوپ دی۔ پٹی باندھ دی۔ درد میں کمی ہوگئی۔

"موریلا! شکریہ!" انٹونیو نے آرام پاکر کہا "اگر مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ ہو کہ میرا دن والا قصور معاف کردو۔ میری سب باتیں بھول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں تمھارا کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات نہیں سنو گی....."

"نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے" موریلا نے جلدی سے کہا

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بها جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے، جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه ــــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرۂ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله ــــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه، مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ــــ انکي تعداد، ذریعه معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ــــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقیٰ ــــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ــــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ــــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام ــــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ــــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ــــ یه ایک علمي، اسلامي، سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو، عربي، فارسي، انگریزي، اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانه، نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را
تازه خواهي داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها، لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها، اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب، مذهب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها، جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي، مذهبي، سیاسي، اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع لئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا، هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں، چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه — " " " پنجم ۱۰ روپیه

ا جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

قیمت ۵ ـ آنہ

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۸ — کلکتہ : جمعہ ۲۴ ـ ربیع الثانی ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ۔ طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ۔ پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ۔ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکهیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس بارے مین اس وقت تك ۱۴۹۲ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۱۷	اردو حروف کی حق مین	۴۱۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۴۶۴	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۵۰	نستعلیق هون	۱۵۱

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس بارے مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس بارے مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ۔ الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	- -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	- - -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلیے ایک جگه سے دوسري جگه جارهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ، مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لیے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

صرف لوتهر اور میلان هی نے اِس علمی تحقیق کی مخالفت نہیں کی ' بلکه پروتستنت کنیسا کے اور بہت سے اقطاب بهی سخت مخالف رهے - چنانچه کالون نے اپنی کتاب " حواشی بر سفر تکوین " میں کوپر نیکوس اور اس کے هم خیالوں پر بڑی سختی سے حمله کیا هے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا هے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے - وہ زبور کی آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا هے " وہ کون هے جو کوپر نیکوس کو روح القدس کی سی عظمت رکھنے والا سمجھنے کی جرأت کر سکتا هے ؟ "

کالون کے جانشین ' توریٹن کی بهی یہی رائے تهی - کیپلر اور نیوٹن نے جب کوپر نیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوری طرح ثابت کر دیے ' اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے ' تب بهی توریٹن اپنی لاهوتی کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رها ' اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاها که آسمان ' سورج ' اور چاند زمین کے گرد گهومتے هیں ' اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت هے !

تاریخ انگلستان میں بهی اِس لاهوتی جد و جهد کی بہت مثالیں ملتی هیں - هچنسن نے اپنی کتاب " اصول موسوی " میں ' ڈاکٹر سموئیل بیک نے " مقدس فلسفه " میں ' هورن ' اسقف هورسلے ' اور وربس وغیرهم نے اپنی اپنی تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کی بڑی سرگرمی کے ساتھ مقاومت کی هے - کتاب مقدس کی آیتوں سے مسلح هوکر اُس پر ٹوٹ پڑے هیں - یہی حال ڈاکٹر جان اوین کا هے ' جو پیورٹین مذهب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا هے - اُس نے انتہائی دیدہ دلیری سے اعلان کردیا که " کوپر نیکوس کا نظریه ' سراسر وهم و خیال هے - کیونکه نصوص وحی کے برخلاف هے " مشهور جان ویسلے بهی اِس گروہ سے باهر نہیں هے - اُس کا صاف اعلان تها " جدید فلکی نظریے کفر و الحاد کی طرف لیجانے والے هیں "

سولھویں صدی کے وسط میں شہر ویٹنبرگ میں (جو پروتستنت مذهب کا مرکز تها) دو عالم رٹی کوس اور رینالڈ رهتے تهے - اُنهوں نے کوپرنیکوس کے مذهب کی تحقیقات کی تهی ' اور اُسے حق سمجھتے تهے - لیکن انهیں اجازت نہیں دی گئی که اپنے طالب علموں پر اپنا یه اعتقاد ظاهر کریں - رٹی کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹی سے استعفا دیدیا ' تاکه آزادی کے ساتھ اعلان حق کرسکے - لیکن رینالڈ یه نه کرسکا - اُسے مجبور هونا پڑا که قدیم مذهب کی حمایت کرتا رهے - اُسے حکم دیا گیا تها که اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذهب کا کوئی ذکر نه کرے - اگر کبهی اِشارہ کرنا پڑے تو پهر اُس پر بطلیموسی نظام کو ترجیح دے - اُس نے اِس حکم پر عمل کیا - لیکن اِس پر بهی تکفیر سے محفوظ نه رہ سکا ' اور بالآخر ذلت کے ساتھ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا - اُس کی جگه ایک نیا استاد مقرر هوا تها - اِس معلم نے اپنی پہلی تقریر اِس جملے سے شروع کی تهی : " کوپرنیکوس کا نظریه ' بدیہی طور پر غلط هے - خلاف عقل هے - هرگز علمی مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاهیے ! "

پروتستنت لاهوتیوں نے صرف اِتنے هی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکه تعلیم گاهوں میں بهی ایسی کتابیں داخل کر دیں ' جو قدیم خرافات کا مجموعه تهیں - چنانچه گاهن هنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب " اصل کائنات اور نظام موسوی کا اتباع " لکهی تهی اور ثابت کیا تها که کوپرنیکوس کے فلکی نظریے کتاب مقدس کے بالکل خلاف هیں " خواہ ریاضی کے قواعد اور دور بین کے مشاهدات کا کتناهی دعوی کیوں نه کیا جائے ' لیکن ایک ایماندار مسیحی کو کبهی تسلیم نہیں کرنا چاهیے " !

یه علم دشمنی صرف قرون مظلمه هی کا خاصه نه تهی - جدید پروتستنیت کو بهی وراثت میں ملی تهی - چنانچه اُنیسویں صدی کے آخری برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاذ اِس جرم پر خارج کر دیے گئے تهے ' که وہ جدید علم هیئت پر اعتقاد رکهتے تهے اور اسلیے ملحد تهے !

(کلیسائی علم و استدلال)

لاهوتی عدالت میں گلیلیو کی سزا یابی کے بعد رومن کیتهولک کلیسا کی هدایت سے کئی کتابیں لکهی گئی تهیں ' تاکه کوپر نیکوس کی " گمراهی " مسیحی دلوں سے دور کی جائے - چنانچه سیبیومونٹی اپنی کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے هوے لکهتا هے :

" جو حیوانات حرکت کرتے هیں ' اُن کے اعضاء اور عضلات هوتے هیں - لیکن چونکه زمین نه تو اعضاء رکهتی هے ' نه عضلات ' اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتی - وہ فرشتے هیں ' جو زحل ' مریخ ' آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رهتے هیں - اگر بفرض محال تسلیم بهی کرلیا جائے که زمین متحرک هے ' تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروری هوگا که اُس کے مرکز میں ایک فرشته هو - حالانکه معلوم هے که فرشتے زمین کے اندر نہیں رهتے - وهاں تو صرف شیطان کا بسیرا هے - اگر کہا جائے که شیطان زمین کو متحرک رکهتا هے ' تو یه نا قابل تسلیم هے - کیونکه شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں " !

کاش اس مسیحی علامه کو معلوم هوتا که اگر ستاروں کی حرکت کیلیے فرشتوں کی تلاش هے ' تو وہ فرشته موجود هے - اس کا نام " قوت جذب و دفع " هے !

پولاک اپنی کتاب " کوپر نیکوس کے رد " میں اِس طرح گهر افشانی کرتا هے :

" کتاب مقدس کی تصریح موجود هے که زمین ساکن هے اور سورج چاند گردش میں هیں - اگر کبهی هم دیکهیں که سورج چاند متحرک نہیں هیں ' تو کتاب مقدس کی رو سے همیں ماننا پڑیگا که یه تبدیلی کسی عظیم معجزے کی بنا پر پیدا هوئی هے - اس کے خلاف جتنے خیالات هیں ' اُن کی اشاعت پوری سختی سے روک دینی چاهیے ' کیونکه اُنمیں زمین کے متعلق ایک ایسی رائے پیش کی جاتی هے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف هے "

پهر عقلی دلائل اور مشاهدے سے بهی استدلال کرتا هے :

" اگر تسلیم کر لیا جائے که زمین حرکت کرتی هے تو پهر مشاهدات کی توجیه کیا کی جاسکتی هے ؟ اگر ایک تیر آسمان کی طرف پهینکا جائے ' تو وہ اپنی جگه واپس آجایگا - حالانکه تیر بہت دور جاکر گرنا چاهیے - کیونکه نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کی طرف جا رهی هے - اگر فی الواقع زمین متحرک هوتی تو زمین کا پورا کارخانه درهم برهم هو جاتا "

اسکے بعد لکهتا هے :

" کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک هونا ' خود زمین کی طبیعت کے بهی خلاف هے - کیونکه زمین صرف ٹهوس

علم اور کلیسا کا معرکہ

کلیسائی جہل و جمود کے بعض تاریخی حقائق

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے - لیکن فی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے - دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے - اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں ' تو پھر صرف علم اور دین باقی رہجائینگے ' اور دنیا دیکھہ لیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے !

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشو و نما پائی ' تو دین ' مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا - علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا ' اور اس نے معرکۂ علم و دین کی صورت اختیار کرلی -

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں لیکی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں ' اور " علم " کی فتح مندیوں اور " دین " کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہوگیا - حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں انھوں نے جس فریق کو " دین " کے نام سے پکارا ہے ' وہ دین نہ تھا ' دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہوگیا ہے - اگر وہ " دین " کی جگہ " کلیسا " کا لفظ اختیار کر لیتے ' تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہوجاتا ' اور ہمیں علم کی فتح مندیوں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا - جان ڈکنسن اور پروفیسر وھائٹ نے ڈریپر اور لیکی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی ' لیکن اُن کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہوسکیں -

(پروٹسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اِس نزاع کی ذمہ داری رومن کیتھولک کنیسے پر ڈالدی ہے اور اُسی کو علم کی دشمنی اور علماء کی تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے - گویا اِس کنیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کنیسے نے علم کی کوئی مقاومت نہیں کی - لیکن یہ صحیح نہیں ہے - یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامح علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا ' پروٹسٹنٹ بھی عقلی تنگ نظری اور علم دشمنی میں رومن کنیسے سے پیچھے نہیں رہا - لوتھر کے جانشینوں نے بھی علم دشمنی میں ویسی ہی مجاهدانہ روح پیدا کرلی تھی ' جیسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی -

گیلیلو نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کی حقانیت ثابت کردی ' اور دور بین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ ' سورج میں دھبے ' اور عطارد کے اقمار دکھا دیے ' تو رومن کنیسا غیظ و غضب سے مجنون ہوگیا - دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اِس " ملحد " کو گمراہی سے روکا جائے اور کنیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے - دلیل و برہان سے نہیں — جس سے کنیسا تہی دست تھا — لوہے اور آگ سے ' جس کی کنیسے کے پاس کوئی کمی نہ تھی !

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اِس " الحاد " کے کم دشمن تھے ؟ کیا اُنھوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پھیلانے میں کوئی کمی کی ؟ اِس کا جواب ہم خود لوتھر کی زبان سے سن سکتے ہیں - کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :

" لوگ ایک مجنون نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں - حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے ' نہ کہ آسمان - واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی نیا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے - وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے - یہ آسیب زدہ انسان آج اٹھا ہے کہ علم ہئیت کے تمام قواعد و اصول تہہ و بالا کرڈالے - حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبی نے سورج سے کہا ' ٹہر جا - لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا ' کیونکہ وہ خود ہی ٹہری ہوئی ہے "

ایک دوسرے پروٹسٹنٹ مصلح میلان کا لہجہ اِس " الحاد " کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ہے - لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کوپر نیکوس کی وفات کے چھہ برس بعد شایع ہوئی ہے) لکھتا ہے :

" ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں - لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کردیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب - اِس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل ' بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے - کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکروہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا - جو کوئی بھی نیکی کا طالب ہے ' اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے - وہ حق ' جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے ' اور جسکے سوا سب کچھہ باطل ہے "

اس کے بعد یہی مسیحی مصلح مزامیر داود اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعوی کرتا ہے " ان سے پوری وضاحت کے ساتھہ ثابت ہوجاتا ہے کہ زمین ٹہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے " اِتنا ہی نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے ' اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ " زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہسکتی ہے جبکہ وہ اِس کائنات کے وسط میں ہو " پھر اُسے غصہ آجاتا ہے - وہ غضب ناک ہوکر کہتا ہے " اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کوپر نیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں " !

سمجھتے - میں نے خیال کیا' اپنے گاؤں کے لیے کوئي ایسي زبان ایجاد کرني چاهئے ' جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم هو- اسپرنٹو' اِسي خیال کا نتیجه ہے "

یه کام آسان نه تها - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کي تقریباً تمام زبانیں سیکھني پڑیں - سب کي صرف و نحو میں مہارت حاصل کي ' اور ایک بالکل نئي زبان اور نیا قاعده بنانا پڑا - سنه ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپني تعلیم ختم کي تهي اور طبابت کا پیشه اختیار کرلیا تها - تاهم اُس کي تمام تر توجه اِس نئي زبان کي تکمیل و اشاعت هي پر صرف هوتي رهي - سنه ۱۸۸۷ ع میں اُس نے اِس زبان کي پہلي کتاب شائع کي - اُس کا نام " عالمگیر زبان " تها -

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابي هوئي - سب لوگ اُسے مجنون قرار دیتے تھے - کوئي اُس کي مدد پر کهڑا نہیں هوتا تها - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا ' اور اِس زبان کي ترقي کے لیے پیرس میں ایک انجمن "Esperantistes Pacifiques De Paris" کے نام سے قائم هوگئي -

سب سے پہلے سنه ۱۸۷۸ میں دنیا نے یه نئي زبان سني - ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسه میں اس زبان کي ایک نظم سنائي - اس کے ابتدائي بند مع ترجمه حسب ذیل هیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La;mondo iras ferta voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پهیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

هلکي هوا کے بازوؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگه سے دوسري جگه اڑنے دو !

اسپرانٹو' اِس قدر آسان زبان ہے که اُس کے تمام قواعد ایک گهنٹه کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے هیں - اُس کے الفاظ کي تعداد صرف دو هزار ہے - چند هفتے کي مزاولت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبي کي جا سکتي ہے - اُس کے تمام الفاظ یوناني ' لا طیني ' جرمن ' روسي ' فرانسیسي ' اور انگریزي زبانوں سے ماخوذ هیں - اُس میں صرف ۲۳ حرف هیں - u, s, j, h, g, c دو حرفوں کے قائم مقام هوتے هیں - کوئي ساکن حرف نہیں ہے - جو حرف لکھا جاتا ہے ' تلفظ بهي کیا جاتا ہے - شاذ افعال بهي نہیں هیں - معرفه کا صرف ایک حرف ہے اور وه La ہے -

الفاظ کي قسمیں اُن کے اواخر سے پہچاني جاتي هیں - مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کي علامت ہے - Patra (ابوي) میں a نعت یا نسبت کي علامت ہے - Patre میں e ظرف کي علامت ہے - Palri میں i فعل کي علامت ہے -

حروف علت ' a, e. u, o, جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے هیں ' تو وه لفظ یا تو صفت هوجاتا ہے یا ظرف ' فعل ' اور اسم -

فعل کي تصریف یوں هوتي ہے :

(مصدر)	Ami (محبت)
میں محبت کرتا هوں	mi Amas
میں نے محبت کي	mi Amis
میں محبت کرونگا	mi Amos
شاید میں محبت کروں	mi Amus
محبت کرو	Amu
محبت کرنے والا	Aman ta
محبت کرتا تها	Amin to
عنقریب محبت کریگا	Amon te

اسپرانٹو زبان میں مسیحي نماز کي دعا کا ترجمه یه ہے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے همارے باپ تو جو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ' تیري بادشاهي آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیري مرضي جیسي آسمان پر پوري هوتي ہے ' زمین پر بهي هو !

Panon miau ciu tagan donu almi hodiau.

هماري روز کي روٹي آج همیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niaju.

همارے قرض همیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح هم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ہے !

Ni Konduku nin en tenton.

همیں آزمائش میں نه پڑنے دے !

Sed liberigu nin de la mallona.

بلکه برائي سے بچا !

Amen !

آمین !

اور سرد هي نهيں هے ' بلكه اپنے عناصر ميں برودت كے خواص بهي ركهتي هے - معلوم هے كه برودت حركت كو روكتي' هے - بلكه اُسے فنا كر ڈالتي هے - هم حيوانات ميں ديكهتے هيں كه ٹهنڈے پڑ جانے كے ساتهه هي اُن كي حركت بهي موقوف هو جاتي هے - لهذا زمين كا متحرك هونا قطعاً محال هے "

" كتاب مقدس كي صريح نصوص سے ثابت هے كه آسمان زمين كے اوپر حركت كر رهے هيں' اور چونكه مدور حركت كے ليے ضروري هے كه اُسكا كوئي مركز قائم هو' لهذا تسليم كر لينا پڑيگا كه زمين نظام كائنات كے وسط ميں ثابت و قائم هے "

يه كيتهولك كليسا كے خيالات تهے - مگر پروٹسٹنٹ كليسا بهي اس سے كچهه كم عقل مند نه تها - لوتهر كے پيرو بهي كتاب مقدس كي تفسيروں اور لوتهر كے اقوال كے اندهے مقلد تهے - كالوليس باوجود اپنے وسيع علم و نظر كے' لوتهر كا اس درجه مقلد تها كه اُس نے بهي اِس علمي حقيقت كے تسليم كرنے صاف انكار كرديا - زمين كي حركت كے خلاف اُس كي سب سے بڑي دليل يه تهي :

" كتاب مقدس ميں لكها هے - خدا نے خرقيا نبي سے كہا " ديكهه ميں آفتاب كے ڈهلے هوئے سايه كے درجوں ميں سے جو دهوپ گهڑي ميں معلوم كيے جاتے هيں' دس درجے پهرا كے چڑها لاؤنگا " چنانچه آفتاب جن درجوں ميں ڈهل گيا تها ' اُن سے دس درجے پهر چڑه گيا (اشعياء - باب ۳۸) "

انگلستان كے مشهور لاهوتي عالمِ ڈاكٹر اسمتهه نے اعلان كرديا تها :

" شاهي علمي انجمن ' ملحدوں كي انجمن هے اور دين كے خلاف كوشش كر رهي هے "

جان اوين كا اعلان هے :

" نيوٹن كا نظريه كبهي صحيح علمي بنياد پر قائم نهيں هوا - وه سراسر اوهام و خرافات هے - اور كتاب مقدس كي صريح نصوص كے مخالف هونے كي وجه سے ناقابل اعتنا هے "

جان ويزلي كا مقوله مشهور هے :

" اگر سحر و ساحري بے اصل چيز هے ' تو انجيل كي كوئي بات بهي صحيح نهيں هے "

يه تهي مسيحي كليسا كي ذهنيت جس نے علم كے مقابله كا اعلان كيا تها ' اور يقيناً اُس كے ليے اس ميدان مبارزت ميں دائمي اور هلاكت انگيز شكست كے سوا كچهه نه تها - كسي انسان كو بهي جو حقيقت اور صداقت كا احساس ركهتا هے ' اس شكست پر متاسف نهيں هونا چاهئے -

دنيا كي مشترك اور عام زبان

كيا تمام دنيا ميں ايك مشترك زبان رائج هو سكتي هے ؟

اسپرنٹو

گذشته مهينے ميلان (اٹلي) ميں يورپ كي نئي مشترك زبان " اسپرنٹو " كے حاميوں كا سالانه اجتماع منعقد هوا تها جو كئي سال سے هر سال منعقد هوا كرتا هے - تازه ڈاك ميں اس اجتماع كي بعض دلچسپ تفصيلات آئي هيں - چونكه هندوستان ميں اس وقت تك اس نئي زبان كي نسبت بهت كم لكها گيا هے ' اس ليے هم بعض مضامين كا خلاصه درج كرديتے هيں :

موجوده علمي ترقيوں ' تمدني ضرورتوں ' ذرائع مواصلات كي سهولت نے دنيا كے تمام براعظموں كو باهم دگر ملا ديا هے - اِس زمانے ميں كوئي قوم ' دوسري قوموں سے قطع تعلق كركے زنده نهيں ره سكتي -

ليكن اِتنے قرب و مواصلت پر بهي دنيا كي قوميں اِس وقت تك ايك دوسرے سے دور هي هيں - اُن ميں باهمي تعارف كے ذرائع بهت كم پيدا هوے هيں - اِس صورت حال كي بڑي ذمه داري' قوموں كي علحده علحده زبانوں پر هے - هر قوم اپني مخصوص زبان ركهتي هے - دوسري قوم كي زبان سے نا واقف هے - اگر واقف هونا بهي چاهے تو بهت مشكل هے كه بهت سي زبانيں هر شخص سيكهه سكے - اِس ليے عالمگير تعارف و اجتماع كي كوئي صورت نكل نهيں سكتي -

يه حالت ديكهكر مدت سے بعض عقلاء مغرب كا خيال هے كه دنيا بهر كے ليے كوئي سهل اور مختصر زبان پيدا كي جاے - " اسپرنٹو " ايك ايسي هي نوساخته زبان كا نام هے جو پچهلي صدي كے اواخر ميں ايجاد كي گئي هے -

اسپرنٹو كا موجد ايك روسي ڈاكٹر زمينهوف نامي هے - يه صوبهٔ كرودنو كے ايك' چهوٹے سے گاؤں بيسلٹرك كا رهنے والا هے -

اِس زبان كي ايجاد كا خيال اُسے اُس وقت پيدا هوا ' جبكه اُس كي عمر صرف دس باره برس كي تهي - اُس نے يه سرگذشت خود اپني زبان سے اِس طرح بيان كي هے :

" ميرے گاؤں ميں روسيوں ' يهوديوں ' پولشوں ' جرمنوں كي مخلوط آبادي تهي - ميں روز سڑكوں پر لڑائي جهگڑے كے واقعات ديكها كرتا تها - تحقيقات سے معلوم هوا كه يه جهگڑے زياده تر اِس ليے پيدا هوجاتے هيں كه باشندے ايك دوسرے كي زبان نهيں

میں داعي بھیجے گئے - حجاز ریلوے بنائي گئي - غرض که ایک ایسي فضا پیدا کردي گئي ' جس نے مسلمانان عالم میں " خلیفۂ اسلام " کي شہرت عام کردي - اِس صورت حال نے سلطان کے هاتھه میں بظاهر ایک ایسي قوت دیدي تھي ' جس سے وہ دول یورپ کو اپنے عالمگیر اسلامي اثر کا یقین دلانا چاهتا تھا -

اِس میں شک نہیں که سلطان عبد الحمید کي اِس حکمت عملي نے ایک سطحي شان و شوکت اور نام و نمود ضرور پیدا کردي تھي - دنیا کي سطح بیں نگاهیں دیکھتي تھیں که سلطنت عثماني کي بین الاسلامي مقبولیت کا دائرہ وسیع هو رها ہے - لیکن فی الحقیقت یه جو کچھه بھي تھا ' محض ایک بالائي نمایش تھي - تہه میں کوئي صحیح اور حقیقي عملي روح نه تھي - جہاں تک خلافت آل عثمان کي بین الاسلامي مقبولیت کا تعلق ہے ' تیس برس کے پورے حمیدي دور میں کوئي کوشش ایسي نہیں کي گئي جس کا منشا یه هو که دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے صحیح بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں ' اور اُن میں اور مرکز خلافت میں معنوي اور اخلاقي معاونت کا رشته پیدا هو - ایسے دماغ قصر سلطاني میں موجود هي نه تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کي استعداد رکھتے هوں - اس باب میں جو کچھه بھي هوا ' وہ اس سے زیادہ نه تھا که دو چار خود غرض اور خداع عرب ' صوفیت اور تقدس کے بھیس میں قصر سلطاني تک پہنچ گئے ' اور سلطان کي توهم پرستي سے فائدہ اٹھا کر اُس پر حاوي هو گئے - شیخ ابو الهدی رفاعي ' شیخ ظافر مدني ' فضل الله مالا باري وغیرهم ' اسي قسم کي شخصیتیں تھیں - وہ نه تو اسلامي ممالک میں کوئي اثر و رسوخ رکھتي تھیں ' نه اس طرح کے کاموں کے فہم و عمل کي اُن میں صلاحیت تھي - اگر انھوں نے اس قسم کا کوئي کام انجام دیا بھي ' تو وہ صرف یه تھا که عراق اور شام میں ایسے لوگوں کي ایک جماعت پیدا کردي ' جو بیش قرار وظائف لیکر سلطان کي مدح و ثنا میں سرگرم رها کرتے تھے ' اور تھوڑے تھوڑے عرصه کے بعد سلطان کي اطاعت و انقیاد کے وجوب پر کوئي کتاب شائع هو جایا کرتي تھي - سب سے بڑا کام اس جماعت کا اور اس کے هم مشربوں کا یه تھا ' که جاسوسي اور مخفي خبر رسانی کا ایک بالا تر محکمه بن گئے تھے - شب و روز فرضي خطروں کے گھڑنے اور پھر ان کے انسداد کے لیے بڑي بڑي رقموں کے وصول کرنے میں سر گرم رهتے - اسلامي خلافت ' بین الاسلامي مرکزیت ' دیني شوکت و جبروت ' اور روحاني پیشوائي و سلطاني کا یه تمام طلسم ' صرف ان بنیادوں پر قائم تھا ' که قصر یلدز کي داخلي حکومت ترک افسروں کي جگه حبشي اور حجازي خواجه سراؤں کے هاتھه میں چلي گئي تھي ' سلطان کا خاص باڈي گارڈ عرب سواروں کا تھا ' افریقه اور هندوستان کے بعض سیاحوں کو جو گاہ گاہ قسطنطنیه آجاتے تھے ' " نشان مجیدي " کے تمغے مل جاتے تھے ' تعلیم و ترقي کي تمام راهیں یه کہکر بند کردي گئي تھیں که " اسلامي مقاصد " کے خلاف هیں ' اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندقه سے تعبیر کیا جاتا تھا ' تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار " مرتدین " میں تھا ' اور سب سے بڑھکر یه که هر هفته شیخ ابو الهدی وغیرہ مشائخ یلدز کے خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید کے لیے الهي برکتوں اور غیبي نصرتوں کي بشارتیں پہنچا دیا کرتے تھے !

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت هي منظم کردي هوتي جو خلافت اسلامي کي بین الاسلامي مقبولیت سے پیدا هو رهي تھي ' تو فی الحقیقت یه اُسکے تمام جبر و استبداد کا کفارہ هوتا ' اور دولۃ عثمانیه کے لیے مغربي طاقتوں کے غلبۂ و تسلط کا خطرہ همیشه کے لیے دور هو جاتا ' لیکن وہ تو اسلام اور اسلامي خلافت کو محض اپنے شخصي استبداد کے حفظ و بقا کا آله بنانا چاهتا تھا - اوهام و خرافات کے سوا کوئي حقیقي عمل اُس کے سامنے نہیں تھا - چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے بار بار مدتیں کیں اور وفود پر وفود بھیجے که انکي دیني هدایت و تعلیم کا انتظام کیا جائے ' لیکن کچھه نہیں کیا گیا - افریقه کے مسلمانوں کے وفود چار سال تک قسطنطنیه میں پڑے رهے تا که انھیں مرکز خلافت اپني اخلاقي سر پرستي میں لیلے ' لیکن کوئي سنوائي نہیں هوئي - مصر اور مراکش کي سر پرستي خود اپنے هاتھوں ضائع کر ڈالي - یمن اور نجد کے قبائل محض اس لیے سرکش و مخالف رهے ' که ترک والیوں کے مظالم سے اُنھیں کبھي نجات نہیں ملتي تھي -

سلطان عبد العزیز

مصطفی فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحۂ اصلاحیه بھیجا تھا -

حکومت ترکیه

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۲)

(بین الاسلامي ترکي)

سنه ۱۲۳۹ ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنه ۱۳۴۶ ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یه تهي که سلطان عبدالحمید ثاني ترک مصلحین کي سعي و تدبیر سے تخت نشین هوئے - مدحت پاشا اور اُس کے ساتهي اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کي جگه

سلطان محمود مصلح
متوفي سنه ۱۸۳۹

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تها ' که وہ محسوس کرتے تهے ' سلطنت اور قوم کي سب سے بڑي ضرورت اصلاح اور دستور هے ' اور اُس کے لیے اِس نوجوان شهزاده کا سلطان هونا مفید هوگا -

عبد الحمید تخت نشین هوا - اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا - عثماني سلطنت " شخصي " کي جگه " دستوري " قرار پا گئي ' اور عثماني پارلیمنت کے قیام کا فرمان نافذ هوگیا -

اگر یه صورت حال جاري رهتي ' تو با وجود دول یورپ کي پے هم مقاومتوں اور جنگ پلیونا کے شدید نقصانات کے ' دولة عثمانیه کي نئي نشو و نما شروع هو جاتي - لیکن افسوس هے که بهت جلد سلطان کے مزاج نے پلٹا کهایا ' اصلاح پسند عنصر کي جگه قدامت پرست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم هوگیا ' اور اصلاح و تغیر کي تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشو و نما پانے لگي تهیں ' سنه ۱۸۸۰ میں ختم هوگئیں !

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین هوا اور عثماني دستور کا اعلان کیا گیا ' اُسي سال جاپان کے نظام حکومت میں بهي

سلطان عبد المجید
جسنے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقي دي

اصلاح هوئي تهي اور دستوري حکومت کا اعلان کیا گیا تها - جاپان تیس سال کے اندر مشرق کي سب سے بڑي طاقتور حکومت بن گیا ' لیکن عثماني حکومت نے اُسي تیس سال کے اندر اپني رهي سهي طاقت بهي فنا کردي - جاپان نے دستوري حکومت قائم رکهي تهي ' سلطان عبد الحمید نے چهه ماہ کے بعد اس کا خاتمه کر دیا تها !

اصلاحات کا خاتمه کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئي حکمت عملي ایجاد کي - یه حکمت عملي ترکي اور ترکي سے باهر " بین الاسلامي حکمت عملي " یا " اتحاد اسلامي " کے نام سے پکاري جاتي تهي - اس کا منشا یه بیان کیا گیا تها که " یه تمام مسلمانان عالم کي معنوي اور اخلاقي اعانت مرکز خلافت کے ساتهه وابسته کر دیگي "

چنانچه مدتوں کا لپٹا هوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا - علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروہ دارالخلافة میں جمع هوگیا - ابو الهدی رفاعي اور شیخ ظافر وغیرہ مشائخ نمایاں هوے ' عربي عنصر سے از سر نو رشتهٔ ارتباط قائم کیا گیا - عزت پاشا عابد وغیرہ سر بر آوردہ عرب مقرب بنائے گئے - عرب سپاهي بڑي بڑي تنخواهوں پر باڈي گارڈ میں داخل کیے گئے ' عربي ممالک

قدیم ترکي فوج کا ایک منظر
ینگ چري سپاهي جو اصلاح کي راہ میں سب سے بڑي روک تهے

اُنهوں نے تاریخ کا سبق بهلا دیا ' اور سادہ لوحي سے یقین کر لیا که اِن نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحي عناصر مطمئن هو جائینگے ' اور اُنکا ملک خوشحال اور ترقي یافته هوجائیگا - یهي حسن ظن ' اُنکي سب سے بڑي غلطي تهي - چنانچه فوراً داخلي اور خارجي مشکلات نمودار هوگئیں - آسٹریا نے بوسینیا هرزي گونیا پر قبضه کر لیا - یونان کریٹ پر قابض هوگیا - اٹلي نے طرابلس الغرب پر هاتهه صاف کیا - البانیا کٹ کر الگ هوگیا ' بلقاني ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکي مقبوضات هضم کر لیے - ملک کے اندر غیر ترکي عناصر نے سر کشي شروع کردي - صرف غیر مسلم جماعتوں هي میں نهیں ' بلکه مسلمانوں میں بهي نئي نئي انجمنیں قائم هوگئیں - خود دارالخلافة میں مسلمانوں کي متعدد مخالفانه انجمنیں بن گئي تهیں - مثلاً انجمن " إخاء عربي " " عربي کلب " ' " چرکس انجمن " " کردي انجمن " " البانی انجمن " وغیرہ وغیرہ - اِن انجمنوں کے ظهور کا لازمي نتیجه یه تها که اِن اسلامي عناصر اور ترکي عنصر میں نفرت و عداوت پیدا هوگئي - یه صورت حال دیکهکر خود ترکوں میں سلطنت کي حکمت عملي کے متعلق اختلاف رونما هوگیا - ایک گروہ نے از سر نو حمیدي سیاست زندہ کرني چاهي - ایک گروہ نے " تورانیت " کا نعرہ بلند کیا - آخري گروہ کا تعصب یهانتک بڑہ گیا تها که اُسکے ترجمان اخبار " اقدام " نے تجویز پیش کردي که ترکي زبان سے تمام عربي الفاظ خارج کر دینے چاهییں !

لیکن پیهم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے هاتهه میں دیدي - " انجمن ائتلاف " نے حکومت سنبهال لي - سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم هوا ' کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا ' دوسري طرف ترکي کے مختلف عناصر کے سر پر بهي هاتهه پهیرنے لگا - اب چونکه " بلقاني مسئله " کے بعد " عربي مسئله " کے نام سے ایک نئي الجهن پیدا هوگئي تهي ' اور فرانس اُس سے فائدہ اٹهانا چاهتا تها ' اس لیے کامل پاشا نے پیش بندي کرکے ١٣٢٩ع میں والي بیروت ادهم بک کو حکم دیدیا که صوبۂ شام کي کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرکے رپورٹ طیار کرے - اِس پیش بندي نے ترکي کو بهت فائدہ پهنچایا - کیونکه جب فرانس نے سرکاري طور پر شام میں اصلاحات جاري کرنے کا مطالبه کیا ' تو کامل پاشا نے اِس جواب سے اُسکا منه بند کر دیا " هم پہلے هي سے اِس فکر میں هیں "

اِدهر یه سیاسي بازي گري هو رهي تهي ' اُدهر انجمن اتحاد و ترقي گهات لگائے بیٹهي تهي - چنانچه موقعه پاتے هي اُسنے وزارت الٹ دي ' اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے - انهوں نے آتے هي شامي کونسل کو غیر قانوني قرار دیدیا ' اور والي کو خفیه اشارہ کردیا که تحریک کو اُبهرنے نه دے - والي نے پوري سختي ظاهر کي ' حتی که جنگي قانون بهي جاري کردیا ' مگر اِس پر بهي شامي انجمن نے اپنا سالانه جلسه کرهي دیا - اِس جلسه میں ٨٢ نمائندے شریک هوئے تهے - اُنهوں نے اصلاحات کا لائحه منظور کر لیا - جب حکومت نے اور بهي زیادہ تشدد کیا ' تو شامیوں نے اپني موتمر پیرس میں منعقد کي - اب انجمن اتحاد و ترقي پریشان هوئي - کیونکه ایک طرف اُسکي حریف " انجمن ائتلاف و ترقي " بر سر مخالفت تهي ' دوسري طرف عربي مسئله بین الاقوامي شکل اختیار کرتا جاتا تها - ایک عجیب اتفاق یه هوا که عربي موتمر ' محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد هوئي ' جس سے حکومت اور بهي زیادہ متاثر هوي ' اور پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صلح و آشتي کي حکمت عملي اختیار کرنے پر مجبور هوگئے - چنانچه اُنهوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بهیجا ' اور عرب رهنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبه اصلاحي لائحه کا بڑا حصه منظور کر لیا -

شامیوں کي کامیابي دیکهکر عراقیوں کے خون میں بهي گرمي پیدا هوئي ' اور طالب بک نقیب کي سر براهي میں عراق نے اصلاحات کا مطالبه شروع کر دیا - لیکن اب نوجوان ترک سنبهل گئے تهے - اُنهوں نے جاوید پاشا کو

عرض عبودیت !

سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رهے هیں !

سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمه

یه اُس موقعه کا مرقع هے جب قوم کا وفد پیام عزل پهنچا رها هے !

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی' اور وہ کسی تعمیری جذبہ سے اِس طرف قدم بڑھانا چاہتا تھا' بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا ہوئی تھیں - مقصود یہ تھا کہ اِس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کی نشو و نما کا خاتمہ کردیا جائے' اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے قلوب غافل ہوجائیں - یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اِسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں' جس حد تک ترکی مصلحین کی مخالفت میں سود مند ہوسکتی تھیں - حقیقت اور عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی - اگر سلطان عبد الحمید اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب گار ہوتا' تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھکر اِس کے لیے کون داعی اور عامل ہوسکتے تھے؟ ان دونوں نے بیس برس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ہاتھوں میں دیدینی چاہیں' لیکن ان کے ساتھ جو سلوک ہوا' دنیا کو معلوم ہے - پہلے کو موت کا زہر آلودہ جام پینا پڑا - دوسرے کو قصر سلطانی کی چوکھٹ تک باریابی نصیب ہی نہ ہوئی !

مدحت پاشا
شہید راہ حریت و دستور !

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور' دولۃ عثمانیہ کے زوال طاقت کا آخری عہد تھا - سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا' کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کریگا' اور دولۃ عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگی - سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھ دیا - ترکی پارلیمنٹ قائم کردی گئی - لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار آ گئے - پارلیمنٹ معطل کردی گئی - مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضی الزامات عائد کرکے گرفتار کر لیا گیا' اور قلعۂ طائف کے قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا - اس کے بعد تمام نظام حکومت تہ و بالا ہوگیا - وزراء اور دفاتر حکومت کی جگہ " مابین ہمایونی " یعنی قصر سلطانی نے براہ راست حکومت شروع ہوگئی - اس حکومت کا نہ تو کوئی اصول تھا' نہ قاعدہ - نہ بجٹ بنتا تھا' نہ مالیات کا کوئی تخمینہ تھا - خواجہ سراؤں کے افسر " بہرام آغا " کے ہاتھ میں سب کچھ تھا - وہ سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء تک پہنچا دیا کرتا - بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر ہلاک کر دیے گئے' کہ اُن پر اصلاح پسندی و انقلاب کا شبہ تھا' کوئی ذریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد معلوم کی جا سکے - یلدز کے بعض کاغذات سے معلوم ہوا تھا کہ صرف چھہ ماہ کے اندر یعنی مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک تین سو اسی آدمی گرفتار کئے گیے تھے !

سلطان عبد الحمید
چالیس سال کی عمر میں

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا کے پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا' نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین حق و عدالت معطل ہو جا سکتے تھے - بالآخر نوجوان ترکوں کی پنجاہ سالہ مساعی بار آور ہوئیں' اور عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وہم و گمان میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا' مناستر اور سلانیک میں انقلاب کا نا ممکن التسخیر علم بلند کردیا گیا - سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس ناگہانی طاقت کا مقابلہ کرسکے مگر نہ کرسکا - اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا -

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا - لیکن سلطان کی مستبد روح اُس سے موافق نہ ہو سکی - بالآخر نو ماہ کے بعد تصادم ہوا' اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچکر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا - تین دن کے محاصرہ کے بعد عثمانی پارلیمنٹ کے نمایندے قصر یلدز میں داخل ہوے' اور قوم کا پیغام پہنچا دیا کہ " آپ معزول کیے گئے' اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ہو رہے ہیں " قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اُسوقت لرزتے ہوے یہ التجا کی تھی " میں اپنی زندگی کیلیے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں " ! یہ اب اپنی زندگی کیلیے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا - اُن انسانوں کو' جنھوں نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلیے سیکڑوں مرتبہ اُسے خدا کے واسطے دیے تھے' لیکن ایک لمحہ کیلیے بھی اُسکے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی تھی !

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ہوا تھا -

(اتحادی ترکی)

جمعیۃ اتحاد و ترقی کا دور
سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے برسر اقتدار آتے ہی " وطنیت " " حریت " " اخوت " اور " مساوات " کی بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوار کرنا چاہا - نوجوان ترک' برے ہی نہیں' چست' اور مخلص تھے - لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے -

شهر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۱)

صدیونکے خواب گراں کے بعد اب شهر رقیم یاپیٹرا پهر بیدار هو رها هے - قدس اور لندن کي آمده اطلاعات مظهر هیں که حال میں اس قدیم شهر کے کهنڈروں میں قیمتي پتهروں اور پرانے طلائي زیورات کا ایک بہت بڑا ذخیره بدوي عربوں کے هاتهه لگا هے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شده شهر هے - سالها سال سے غیر آباد پڑا تها - کبهي کبهي صحرا گرد بدوي جنکو شاداب نخلستانوں اور سر سبز چرا گاهوں کي تلاش اِدهر اُدهر آواره رکهتي هے ' تمدن قدیم کي اس یادگار کو آدمي کي صورت دکها دیتے تهے !

(الف لیله کا طلسم)

ایک مرتبه ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کهنڈروں میں گهوم رها تها - ناگاه اوسکا پانوں ایک پتهر پر پڑ گیا - قبل اسکے که وه اس بات کا اندازه کر سکے که کیا هونے والا هے ' پتهر نیچے کو کهسکا ' زمین دهنسي ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تها - پتهر بدستور اپني جگه پر آگیا ' اور راه بند هوگئي !

اب بدوي نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' نکلکر باهر آنے کا کوي راسته نظر نہیں آتا تها -

غریب عرب ایک عرصه تک ادهر اُدهر تٹولتا رها - تاریکي بلا کي تهي - محض اس خوف سے که کهیں کسي دوسري نامعلوم مصیبت سے دو چار نه هونا پڑے ' اوسنے هاتهوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جهد میں ایک وسیع ایوان مل گیا - اس ایوان کي تاریکي کو ایک پهاڑي سوراخ سے نکلنے والي دهندلي روشني ایک حد تک کم کر رهي تهي - روشني کا سهارا پا کر اس محصور بلا نے ادهر اُدهر آنکهیں پهاڑ پهاڑ کر دیکهنا شروع کیا - کیا دیکهتا هے که ایک گوشے میں قیمتي جواهرات اور طلائي اشیا کا ڈهیر پڑا هے - یه خزانه غالباً طائر اور صیدان کے بحري قزاقوں نے ازمنه مظلمه میں جمع کیا هوگا - عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا هوا ' اس تمام ماحول کو عالم رؤیا سمجهه رها تها - بالاخر اوسنے چند جواهر ریزے اپنے عمامه میں رکهه لیے ' اور باهر نکلنے کي راه تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا که روشني جس سوراخ سے آ رهي هے ' اس سے باهر نکل سکتا هے یا نہیں ؟ اس کا خیال ٹهیک تها - روشني کے نیچے ایک سنگي زینه موجود تها - به مشکل سوراخ تک پهنچ سکا - وهاں پتهر کے کئي ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تهے - زور کرنے سے ایک پتهر هٹ گیا اور یه باهر نکل آیا -

یه جواهرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - ماهرین آثار اِنهیں توراۃ سے بهي زیاده پرانا بتاتے هیں -

بیان کیا جاتا هے که پیٹرا کا یه کنز مخفي لارڈ کارناوان کے دریافت کرده وادي الملوک (مصر) کے خزائن سے بهي کهیں زیاده بیش قیمت هے - عجائب خانه لندن کا ایک وفد اس گم شده شهر کي تحقیقات کیلیے جا رها هے -

(جغرافیائي محل)

یه مقام ساحل بحر قلزم سے زیاده فاصله پر نہیں هے - نقشه کے دیکهنے سے بحر قلزم کا بالائي حصه دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم هوگا - اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا هے جسکي شکل مثلث نما هے - سینا کا جنوبي نوکدار کناره بحر قلزم کو دو شاخوں میں جدا کر دیتا هے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کي وه شاخ هے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم هے - آج کل یه تجارت عالم کي شاهراه عظیم هے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وه حصه هے جو خلیج عقبه کے نام سے پکارا جاتا هے - یه جگه اب متروک هوگئي هے - جهاز بہت کم آتے جاتے هیں - ایک طرف سینا کي ننگي پهاڑیاں هیں - دوسري طرف خلیج عقبه کے پهاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسله هے - اس خلیج کے ساحل پر کوئي بندرگاه نہیں هے - قصبه عقبه کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقي تمام حصه غیر آباد اور پتهریلا هے - بحر شمالي و بحر جنوبي کے دور دراز سواحل کو چهوڑ کر جهاں بمشکل ذي روح وجود کا پته چلتا هے ' دنیا کا کوئي ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں هے !

لیکن پرانے زمانه میں خلیج عقبه کي اهمیت همارے زمانه کے خلیج سوئز سے کهیں زیاده تهي - تین هزار سال قبل یهاں حضرت سلیمان کے بحري مراکب هندوستان کي اشیاء تجارت بار کیے هوئے هر وقت لنگر انداز رهتے تهے - جب تک هندي و ایراني تجارتي قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رهے ' یه ملک تمدن عالم کا مرکز رها - جب شاهراه تجارت یهاں سے دوسري جانب منتقل هوگئي ' اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راسته دریافت کر لیا گیا ' تو یه ساحل رفته رفته غیر آباد هوگیا - صلیبي لڑائیوں کے زمانه میں مسیحي مجاهدین نے اس نواح میں کچهه بیداري پیدا کردي تهي ' مگر سلطان صلاح الدین کي تیغ جهاد نے یه حصهٔ عالم بهي صلیبیوں پر تنگ کردیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انساني آبادي سے همیشه خالي رهے -

جنگ عظیم کے زمانه میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپني افواج کا عقبي مستقر بنایا تها - هر هفته انگریزي جنگي جهاز اور دخاني کشتیاں سامان حرب سے لدي هوئي ساحل پر آتي تهیں - سنهٔ ۱۹۱۷ ع اور سنه ۱۹۱۸ ع میں اس آمد و رفت کا تسلسل نهایت پابندي سے قائم رها ' اور ایک

بہرام آغا خواجہ سرا
جو تمام وزرا پر حکومت کرتا تھا

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا - اس نے آتے ہی عراقی تحریک کا خاتمہ کردیا - ساتھہ ہی بکر سامی بک کو بیروت کی گورنری پر مقرر کیا ، جو اپنے تدبر اور سخت گیری میں بہت شہرت رکھتا تھا ، اس نے کچھہ ایسے پیترے بدلے ، کہ شامی تحریک بھی سرد پڑگئی ، اور پیرس کی موتمر میں جو کچھہ طے پایا تھا ، اسکا اکثر حصہ کالعدم ہوگیا !

اب جنگ عمومی کی خوفناک گھٹائیں فضا میں پھیل رہی تھیں - وہ مصیبت سر پر آگئی تھی جسکا تصور بھی کبھی انسانی دماغ نے نہیں کیا تھا -

جنگ عمومی کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ ھ (۱۹۱۴) ء سے سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵) تک

دستوری نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں انجمن اتحاد و ترقی کو ناکامی ہوئی - اس تلخ تجربہ کے بعد اس انجمن کے ارکان میں آیندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا ہوا - اکثریت " تورانی تحریک " پھیلانے کے حق میں تھی ، اور اقلیت " اتحاد اسلامی " کے فکر کو عملی جامہ پہنانا چاہتی تھی - یہ اختلاف ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ عالم گیر جنگ کا طبل بج گیا ، اور اکثریت کو اقلیت کی رائے کے سامنے جھک جانا پڑا - اب بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامی عناصر ، خصوصاً عربوں کی تائید اسلام کے نام پر حاصل کی جائے -

چنانچہ انور پاشا نے عبد الرحمن بک الیوسف اور شیخ اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا کہ عربوں کے اسلامی جذبات بیدار کریں - پھر جمال پاشا نے جو شام کے جنگی حاکم تھے ، عربوں کی مدارات شروع کی اور عربی تحریک سے اپنی گہری دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا - فرانسیسی قنصل خانہ سے جو کاغذات دستیاب ہوئے تھے ، ان سے انہیں صاف معلوم ہوگیا تھا کہ بہت سے سر بر آوردہ شامی ، ترکی کے خلاف فرانس سے ساز باز کرچکے ہیں - مگر انہوں نے خیانت کے تمام مجرموں سے چشم پوشی کی - البتہ عیسائیوں سے پوری باز پرس کی گئی -

جمال پاشا نے صرف شام ہی میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ العرب میں دینی جہاد کا غلغلہ بلند کردیا - کربلا ، نجف ، بغداد کے علماء کی دینی حمیت جوش میں آگئی - شریف مکہ ، سلطان ابن سعود ، ابن رشید ، امام یمن ، تمام امراء عرب کو جہاد کی دعوت دی گئی -

حسین رامی پاشا
محکمۂ جاسوسی کا سرغنہ

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھہ لیا کہ مسلمانوں اور عربوں میں ان کی دعوت کوئی گرم جوشی پیدا نہ کرسکی - بلکہ جنسی و نسلی اور مقامی مصالح کا تعصب اس کڑے وقت میں بھی ان پر غالب رہا - وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافۃ اسلامیہ کی حمایت و نصرت پر آمادہ نہ ہوسکے - ہندوستان اور مراکش کے مسلمان انگریزی اور فرانسیسی جھنڈے کے تلے جمع ہوکر آئے ، اور ان کے سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں !

اس نامرادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں کو پھر زور حاصل ہوگیا - ناچار انجمن اتحاد و ترقی کو ان کے نظام عمل پر چلنا پڑا -

غازی مصطفی کمال پاشا

عربوں کی ناعاقبت اندیشی نے اور زیادہ ترکوں کو مایوس کردیا تھا - شام کے چند خود غرض اور برخود غلط افراد طیار ہوگئے کہ اس نازک وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول متحدہ کا ساتھہ دیکر " عربی امارت " کی بنیادیں قائم کردیں - بہت ممکن تھا کہ ان لوگوں کے انقلابی افکار عامۃ الناس میں مقبول نہ ہوتے ، لیکن اسی موقعہ پر حجاز میں برطانی سازشیں کامیاب ہوگئیں اور شریف نے علم بغاوت بلند کردیا - جس وقت جمال پاشا مصر پر حملہ کی طیاریاں کررہا تھا ، اور تمام ساز و سامان مکمل ہوچکا تھا ، اچانک اس نے دیکھا کہ شریف حسین اور اس کے لڑکوں کی بغاوت نے اس کی تمام امیدوں کا خاتمہ کردیا ہے !

افسانہ

روحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایوان ٹرگینیف نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سُنایا:

۱۸۶۳ء کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ وحشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے گزرتا، ڈراؤنے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جملہ جو میں نے سُنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سپینوزا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسہ میں شریک ہے۔ اُسنے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا:

"تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!"

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہوگئی۔ آج ہی توبہ کرلے!" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپریچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اُداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ اُسوقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا گرا پڑتا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں!

"اگر سپینوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا "اگر اس سنگ دل فیلسوف کی روح نے سچ کہا ہے تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہے! یہ واویلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی، یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی! افسوس میری زندگی....."

میں نے دیا سلائی جلائی۔

"ہیں!" میں گلا پھاڑ کر بے خودی سے چلایا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا۔ شاید ظلم گردش میں پہنچکر میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلی تھیں!

میں نے کمرہ میں کیا دیکھا؟ دیکھو! اسوقت بھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔

عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا! اُس پر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ سنہری صلیب لگی تھی۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آگیا۔ آجتک اُس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرایش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہے۔

(۳)

میں تیر کی طرح زینے پر پہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ کہنا چاہیے گرنے لگا۔ ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینہ سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں خیال کرنے لگا "بلکہ اُس میں چور کھڑا ہوتا، شیر ٹہلتا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہوسکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا کامدار تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ! ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ خالی ہے یا اندر لاش رکھی ہے؟........"

اچانک مجھے خیال آیا "اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جُرم ہے" لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا "کنجی ایسی مخفی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو۔ شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا۔ لیکن مزدور لاتا تو مزدوری لئے بغیر چلا کیوں جاتا؟ اور میرے یہاں مزدور تابوت کیوں لائے؟......"

پھر میرے پراگندہ دماغ میں ایک اور خیال آیا:

"ممکن ہے یہ کارروائی اُسی روح کی ہو، جسنے آج رات میری موت کی خبر دی ہے۔ شاید یہ تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو لیکن یہ ناممکن ہے۔ تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہے"

(۴)

اب بارش پھر شروع ہوگئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اُوورکوٹ اُڑا جاتا تھا۔ میں بھیگ کر شرابور ہوگیا۔

"مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل سے کہا "لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہے؟ ناممکن! اب اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہوجاؤں گا"

مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست روسٹوف نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھولکر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے اُتار کر کمرے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالکر دیا سلائی جلائی۔

"اُف، یہاں بھی!" بے اختیار میرے منہ سے چیخ نکل گئی میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا۔ اور سیاہ غلاف سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلاف نے اُسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

"یہاں بھی وہی تابوت!" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم و خیال ہے۔ میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے۔ ناممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہوجائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آگیا ہے۔ جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہے... میں ضرور پاگل ہوگیا ہوں۔ جنون کا سبب صاف ظاہر ہے۔ اسی منحوس روحانی جلسے اور سپینوزا کی شیطان روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زور سے ہاتھوں میں دبالیں۔

"الٰہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہوگیا!" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی کے کانپنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں اُنھیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں........ آہ، بہت ہی ہولناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تیر کی طرح سیدھے بال کھڑے ہوگئے۔ ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہوچکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم و خیال ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

"اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" بار بار یہی سوال دُہراتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست، گوڈساروف یاد آگیا۔ اس نے

عارضي چهل پہل پيدا هوگئي - ليکن جنگ کے خاتمه کے بعد يه سرگرمي بهي ختم هوگئي ' اور يه حصه پهر شهر خموشاں بن گيا -

خليج عقبه کے دهانه سے ايک پہاڑي اور ريگستاني سلسله شروع هوتا هے جو اندرون ملک ميں دور تک چلا جاتا هے - پيٹرا کے کهنڈر عقبه سے ٩٠ - ميل کي مسافت پر واقع هيں - پہاڑوں کے درميان اس شهر کا محل وقوع هے - بدو رهنما کے بغير ان آثار تک سياح کي پهونچ مشکل هے - پيٹرا سے شمال کو ٢٠ ميل کے فاصله پر وادي بحر ميت هے - سيدهے هاتهه يعني شرق کي طرف شمالي عرب کا عريض ريگستان هے - سامنے ارض ادوم يا ادوميا کے پہاڑونکا وه سلسله هے ' جو باب الرقيم يا پيٹرا کا پهاٹک کهلاتا هے - اس سلسله کو قطع کيے بغير پيٹرا تک پهونچنا محال هے - دوسري جانب پہاڑي مگر ڈهالو راسته هے - اس پر سے هوکر نيچے اترتے هيں - چند گهنٹے کے پہاڑي اور پيچ در پيچ راسته کے بعد وادي ادوم کا خاتمه هو جاتا هے - سفيد ريت کے ٹيلونکے ختم هونيکے بعد ايک تنگ دره ملتا هے - يه بلند پہاڑي ديوار کا دروازه هے - يهاں پر وادي کي وسعت ١٢ - ميل سے کم هوکر صرف ' ١٢ - فيٹ رهجاتي هے - دره کي ديواريں هزارها فيٹ اونچي هيں - عرب اس راسته کو " شق " کے نام سے پکارتے هيں - اس شق کي راه سے بدوؤں کے گهوڑے اور بار برداري کے اونٹ اُفتاں و خيزاں راه طے کيا کرتے هيں - پتهروں پر چاروں طرف چهپکلياں ليٹي هوئي هيں - هر هر قدم پر تنگناے زياده وحشتناک هوتي جاتي هے - راسته ميں ايک پہاڑي شگاف ملتا هے جس سے شفاف پاني کا چشمه موجزن هے - عرب کهتے هيں ' يهي وه جگه هے جهاں حضرت موسى عليه السلام نے عصا مار کر اپنے پياسے همراهيونکے لئے پاني کے چشمے جاري کر ديے تهے - يه وادي وادي موسى کے نام سے موسوم هے - وادي اسقدر تنگ هے که اونٹ پر سے دونوں طرف کي ديواريں بخوبي چهوي جاسکتي هيں - اکثر جگه ارد گرد کي پہاڑياں بلند هوکر چهت کا کام ديتي هيں - اس جگه آسمان بالکل دکهائي نهيں ديتا - سورج کي شعاع بهي يهانتک نهيں پهونچتي -

(يوناني مندر)

ايک گهنٹه کي مسافت کے بعد سياح ايک تيز گهاؤ سے گذرتا هے - اب نظر کے سامنے ايسا دلفريب اور حيرت خيز منظر آجاتا هے جو ايک عرصه تک کيليے از خود رفتگي کي کيفيت طاري کر ديتا هے - يوناني طرز کا ايک نفيس اور خوشرنگ مندر سامنے نظر آتا هے - اوسکا دلفريب حسن اور دلکشا طرز ' حد درجه متاثر کرنيوالا هے - عهد کهن کے صناعوں نے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر يه خوبصورت عمارت تعمير کي تهي -

ادومي پہاڑونسے يه عمارت تراشتے هوے ' دندانه دار آلات سے کام ليا گيا هوگا - اس مندر کي بالائي سطح مختلف رنگونسے مزين هے ' اور ريشمي کپڑے کي طرح جهلک رکهتي هے -

دنيا کا کوئي اور پهاٹک ' دنياء قديم کے اس خاموش شهر کے دروازے سے زياده اثر ڈالنے والا نهيں هے - هندوستان کا سرخ شهر ' فتح پور سيکري بهي اسکا مقابله نهيں کرسکتا - رومانى و يوناني مخلوط فن تعمير کے طرز پر يه مندر کم از کم دو هزار سال قبل اس پہاڑي سے طيار کيا گيا تها - اسکا عهد تعمير روماني شهنشاه هڈرين کي فوج کشي کے زمانه سے تعلق رکهتا هے - اهل عرب ميں اس مندر کا نام الخزينه مشهور هے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ايک ديو پيکر مراحي نما ظرف هے - عرب کهتے هيں که يه ظرف فراعنه کے جواهرات اور طلائي سرمايه کا مخزن هے - شروع سے اسے توڑنے کي کوششيں کي گئيں مگر کاميابي نهيں هوي - کرنيل لارنس کے ساتهيوں نے بهي هزاروں گولياں چلائيں - بعض بعض دفعه پتهر کے چهوٹے چهوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچهه زياده اثر نه هوا - نهيں معلوم کس ديوي يا ديوتا کي يهاں پوجا هوتي تهي ؟ کرنيل لارنس کي رائے ميں مصري ديوي " ايسيس " کي پرستش هوتي هوگي - کيونکه هيڈرين کي فوج کشي کے وقت تمام سواحل بحر روم اسي ديوي کے سامنے سر بسجود تهے -

يهانسے چند گز کے فاصله پر اصل شهر بيضاوي نشيب ميں واقع هے - سطح سمندر سے ٩٠ هزار فيٹ اونچے محدب حصه سے شروع هوتا هے - وادي کي بلندي صرف ايک هزار فيٹ رهجاتي هے - اس نشيب ميں اسوقت تک شهر کي سڑکوں اور عمارتوں کے آثار باقي هيں - يه تمام عمارتيں پہاڑ کاٹ کر بنائي گئي تهيں !

پيٹرا کے رنگ برنگ آثار هر اُس سياح کو جو مشرقي ديوار عبور کرنيکي جرأت کرتا هے ' اپني جانب مائل کرليتي هيں - سورج کي کرنيں ارد گرد کي پہاڑيوں کو قوس قزح بنا ديتي هيں - اُنکي چمک بلوچستان کي ارغواني پہاڑيوں سے بهي کهيں زياده دلکش هے - پہاڑيونکي سطح سے زعفراني ' نارنجي ' ارغواني ' بنفشي رنگ کي لهريں نکلتي رهتي هيں - غروب آفتاب کے وقت رات کي تاريکي چها جانے سے پہلے ' ايسا معلوم هوتا هے ' گويا طرح طرح کے رنگوں کے کي موجيں اُمنڈ رهي هيں !

محمد يحيى - ايم - اے - ايل - ايل - بي
وکيل بدايوں

لئے ہز مجسٹی برطانیہ نے سر گلبرٹ ولنگھم کلیٹن کو اپنا مختار قرار دے کر روانہ کیا، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے ہز رائل ہائی نس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

"مذکورۂ بالا تمہید کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختار نامے کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہز رائل ہائی نس امیر فیصل بن عبد العزیز اور سر گلبرٹ ولنگھم کلیٹن نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہز مجسٹی برطانیہ، ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کی کامل اور بے قید خود مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہز مجسٹی برطانیہ اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے مابین امن و امان اور دوستی برقرار رہے گی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم خوش تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل سے سعی کرینگے کہ اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دینگے جو دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اُس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حجاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہز مجسٹی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل رہے گی۔

شرط چہارم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ اُن کی سرحدوں میں فوت ہو جائینگے اور جن کے شرعی وارث ہز مجسٹی کے ملک میں موجود نہ ہونگے، اُن کا ترکہ جدہ میں برطانوی نمائندے یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے مستحق وارثوں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئیگی کہ پہلے ہز مجسٹی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی محصول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہز مجسٹی شہنشاہ برطانیہ، ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ ہز مجسٹی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا بھی برطانیہ کی رعایا یا اُس کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس امر میں اُن بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے حسن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سدباب میں برطانیہ کی مدد کرینگے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہو کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اُس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے ۷ برس تک نافذ رہے گا۔ لیکن اگر طرفین میں سے کوئی فریق بھی ۷ سال گزرنے کے بعد ۶ مہینے پہلے سے اعلان نہ کریگا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اُسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اُس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کر دے۔

شرط نہم۔ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کالعدم ہو گیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دو زبانوں: عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدۂ جدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جدہ میں بروز جمعہ تاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۵ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء میں طے پایا۔"

معاہدہ جدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپکے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل ویسا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کامل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط پنجم کی رُو سے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُن کے باشندوں کی مستقل جنسیت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات برطانیہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مرحوم سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے اور جو اب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جا بجا "سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا" کے لفظ آئے ہیں۔ ملحقاتہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، اُن کی حمایت میں آ گیا ہے۔

مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شائع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اُس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپکے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دول عظمیٰ نے مشرقی قوموں کو کمزور رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رُو سے بہت سے مشرقی ممالک، جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یمن، اٹلی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کارروائی پر اعتراض تھا۔ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرور حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جسے عملاً ایک شہر (جدہ) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ مدت تک برطانیہ کو اس اعتراض کی حقیقت سے انکار رہا، مگر اب اُس نے اصل اعتراض تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بالفعل اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن اُس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود بہت جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ اُن اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہے کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح پورے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کر لے۔ شریف حسین کے ساتھ اُس کے معاہدے اور ابن اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایکدفعہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کر لے جو اُس کی پرانی آرزو کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حجاز کے بعد عسیر کی حمایت نے اُنھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمراں بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور تیسری طرف خلیج فارس کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں [illegible] قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ اُن ممالک میں قیامت برپا کر دے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اتنا نادان نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھلائے یہ تمام بلائیں اپنے سر نازل کر لے لہذا اُس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرداری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانی سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اُسے اُس کے تمام دوستوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب سے برطانیہ پر دانت پیس رہا ہے اور مشرق میں اُس سے انتقام لینے پر تُل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ و رسم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اُس نے اس موقعہ پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس اُس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اِن کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اُس کی اشاعت ہو سکے۔ برطانیہ اسوقت روس سے از حد خائف ہے۔ اُس کا ارادہ معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہو جائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معاہدۂ جدہ پوری روشنی میں آ جائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں اُن اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اس وقت حجاز میں اجراء در پیش ہے۔

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اِدہر اُدہر دوڑ رہا ہو۔ اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہو۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی:

"مدد! مدد! دوڑو! دوڑو!"

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا مجھ کو ٹکرایا۔

"سارون! سارون! دوست، تم ہو؟ کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلّا اُٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست سارون ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ سارون نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

"سارون!" میں پھر چلّایا۔

"ریکیوت!" اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی: "ریکیوت! تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

"یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ مُردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اُف، تمھاری صورت کیسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خدارا بتلاؤ کیا ہوا؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

"اور یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہو!" میرا جواب تھا۔

"ٹھہرو" اُسنے جلدی سے کہا "ذرا دم لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے ملکر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے بچی۔ محاضرات ارواح کے جلسوں پر خدا کی لعنت! علم الارواح پر ہزار لعنتیں! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کردی ہیں؟ کیا تم یقین کروگے کہ جونہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا... اُف کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہو"!

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہٖ خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے چیخ کر پوچھا:

"تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!"

اُسنے صاف لفظوں میں کہا "تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بزدل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جاتا"

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اُس سے بیان کر دئے۔ میں نے کہا "خدایا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہو......"

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں مبہوت تھے۔ ہمیں خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔ یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گزرا، اس لئے ایک دوسرے کو مکّے مارنے لگے تاکہ معلوم کرلیں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

"نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں" سارون نے کہا "ہم مکّے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے تھے یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟"

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آکے کھڑے ہوگئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کرکے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشمیں چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جابجا چاندی کے پھول کڑھے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اب ہم حقیقت معلوم کر لے سکتے ہیں" میرے دوست نے رُک رُک کر کہا، کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا "دیکھنا چاہئے معلوم کیا ہو؟ تابوت خالی ہو، یا اُس میں کوئی لاش بھی ہو؟"

بڑے پیش و پس کے بعد سارون نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حسبِ ذیل سطریں مرقوم تھیں:

"میرے پیارے دوست سارون!

"تمھیں معلوم ہو ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہو۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہو کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہو۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر بھر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہو) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا! - ہمارے خاندان نے مشورے کے بعد طے کیا ہو کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جاسکتے ہیں نکال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیج دیا ہو۔ ایک تابوت تمھارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمھیں اسکی حفاظت نہیں کرنی پڑیگی، اور ہم اسکے لئے تمھارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکرگزار ہوں گے"

تمھارا مخلص "ایوان گودین"

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اُبتک یہ حالت ہو کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں، تو دروازے پر خوف سے ٹھٹک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہو۔

بریدِ شرق

مکتوبِ حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدّہ کے قلم سے)

معاہدہ جدّہ

قارئین الہلال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے مابین ۱۹۱۵ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اسمیں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے سوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرسکے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیشقدمی نہیں کرینگے اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے انکے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہو۔

دراصل ۱۹۱۵ء کا معاہدہ، جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ٹرکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر اُنھوں نے یہ معاہدہ منظور کر لیا تھا لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہوگئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کرلئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کر دیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی نجد اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہوچکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ مئی ۱۹۲۷ء میں گفت و شنید شروع ہوگئی اور اب ۲۲ر ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہوگیا ہو۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہو:

"ہز مجسٹی شاہ برطانیہ، آیرلینڈ، برطانی مقبوضات ماوراءالبحر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے عزم کیا ہو کہ باہم دوستی اور حسن تفاہم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

سینہ میں چھپالے، اور وقتِ مناسب کی منتظر رہے۔ علی حیدر بے کو خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ ناتمام تھا، اور کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں ناتمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۱۰ برس کے بعد، طائف کے ایک باغ بیرونِ شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے، جس میں مدحت پاشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے مدحت پاشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا"۔

وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر بے کے حوالہ کر دیا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مدحت پاشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق حبس شیخ خیر اللہ آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرالی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعات سمرنا بھیج دیا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۳۰۱ ہجری کی وہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اُس کے ساتھی محمود پاشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے تھے۔ لیکن اُن کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔ خیر اللہ آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسنے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچا دینے کے لئے ایک شخص مصطفےٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فوزی بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک نہ پہنچ سکا اور مصطفےٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فوزی نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی مدحت پاشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُسنے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر بے انقلاب کے بعد قسطنطنیہ آگیا تھا۔ اُسنے اس نسخہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے ۱۹۱۳ء میں شائع کر دی۔ یہ مدحت پاشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانۂ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں، اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر بک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقعہ پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار منا رہی ہے (جولائی ۱۹۰۸ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صدہا سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں سے تنزل کے قعر ذلت میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے، تو اُس وقت ان اوراق کا مصنف ملک و ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کامل ۴۵ سال اس راہ میں بسر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلعۂ طائف کے قید خانہ میں اُس وقت لکھے تھے، جبکہ وہ خونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھری میں مقید تھا، اور شقی و جانی پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔ مسودہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں ناتمام جملوں اور لفظوں پر قلم کی کشش رُک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ فرش کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبانوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ سنائی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"عین اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی و راحت کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قویٰ معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد پادشاہ اور اُس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکّام ہر آن اُس کے انفاس حیات کم کرنے کے پیچھے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید موہوم سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کسی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اُسنے اپنی زندگی کے تمام تجارب و افکار قلمبند کر دیئے۔ عین اُس وقت جبکہ عبد الحمید اُس کی موت کے وسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھری کے اندر اُن وسائل کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پا سکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سمرنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے اُنھیں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے وقائع حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲۔ رجب ۱۳۰۱ ہجری کو رات کے ۴ بجے دینے (انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانۂ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے ہلاک کر ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی خوشیاں منا رہی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ اُمید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

مدحت پاشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصراً اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن خطوط کا ترجمہ درج کرینگے جو قلعۂ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

مدحت پاشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف

صفر ۱۲۳۸ھ میں بمقام قسطنطنیہ پیدا ہوا۔ والدین نے احمد شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

۱۲۴۹ھ میں اس کے والد علاقہ لودین کے قاضی مقرر ہوگئے۔ یہاں اسنے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو عاکف پاشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیوان ہمایونی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اُسنے اُس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس محکمہ کی تعلیم گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبا کو ایک علحدہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسنے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ "مدحت" تھا، اُس دن سے شفیق کی جگہ "مدحت" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاقہ لوفچہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ مدحت بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اُس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ لوفچہ سے واپس آنے کے بعد اُس نے آستانہ کی تاریخی مسجد "جامع فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کرلی۔

جب ۱۲۵۲ھ میں حکومت نے "مدرسۂ عرفانیہ" جاری کیا اور منتخب ہونہار طالب علم اُس میں داخل کئے گئے، تو اُن میں ایک مدحت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

عملی زندگی

۱۲۵۷ھ میں اُسنے اپنی تعلیم ختم کرلی۔ مگر اُس کی عملی زندگی، اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری دفاتر میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۲۵۸ھ میں اُسنے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰۰ قرش تنخواہ پر اُسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۲۶۱ھ میں سامی پاشا والی قونیہ کے دفتر میں لے لیا گیا۔ ۱۲۶۳ھ میں اسی والی کے ساتھ صوبۂ قسطموتی میں گیا۔ ۱۲۶۴ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اُسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے ملجانے سے اُس پر اعلیٰ اور مرکزی مناصب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انسپکشن)

۱۲۶۷ھ میں حلب شام کے جنگی خانے میں سخت بدنظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانۂ حکومت کے ۲۰ تھیلے غائب ہوگئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے مدحت آفندی بھیجا گیا۔ اُسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی ممالک کے سپہ سالار اعظم محمد پاشا قبرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُسنے ثابت کر دیا کہ نقدی کے ۲۰ تھیلے نہیں، بلکہ ۵ ہزار تھیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۴۰۰ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم دروز کے معاملے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید پاشا نے مدحت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور مدحت کو ۱۲۶۹ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی فطری اور غیر معمولی انتظامی قابلیت کے ظہور کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید پاشا، عالی پاشا، رشدی پاشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتمد علیہ بن گیا۔ چنانچہ جب مسئلہ کریمیا کے حل کرنے کے لئے روسی پرنس منچکوف قسطنطنیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت سے مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، مدحت آفندی اناطول میں کاتب ثانی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں محمد پاشا قبرصلی، وزیر اعظم مقرر ہوا

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدد کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبد العزیز کے عہد میں مصطفےٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی جماعت کی بُنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدا تھی۔ تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو، جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تخم ریزی کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و تغیر کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں پاسکتی۔

ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفےٰ رشید کی شخصیت میں نمایاں ہوا تھا، لیکن اُسے سلطان محمود اور سلطان عبد المجید جیسے اصلاح پسند فرمانروا ملے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آزمائش کی جگہ مزید قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھا سکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آزمائش پیدا نہ ہوسکی۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ نیا قدم اُٹھایا، اور لائحۂ اصلاحیہ پیش کرکے اپنے لئے خطرات پیدا کردیئے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہوگیا۔ یا مصر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہوجانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جانفروشی و قربانی کی منزل سے گزرنا پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے ظہور کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہوگئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قتیل و شہید ہے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری بہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بارآور نہیں ہوسکتا تھا!

مدحت پاشا اور عبد الحمید

سلطان عبد الحمید کی پُرفریب حکمت عملیوں نے واقعات و حقائق پر ایسے پردے ڈال دئے تھے کہ مدتوں تک دُنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہوسکی۔ مدحت پاشا اور اُسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اسے سلطان عبد العزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کرلیا۔ کیونکہ نہ تو مدحت پاشا کی مصلحانہ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ترکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کرسکتی۔ سر ہنری ایلیٹ (انگریزی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ) نے ۱۸۸۸ء میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سر ہنری اپنی غلطی دوستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حق ادا کر رہا ہے، جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُسوقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے "اُردو گائیڈ" اور لاہور کے "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سزایابی کی خبریں شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُسوقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی نہ تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلدز کی دعایتہ

برسوں پر برس گزر گئے، اور اس قتیل ظلم و استبداد کی ہولناک موت کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عہد حمیدی کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہوچکے تھے مدحت پاشا اور اسکے رفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا، جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا۔ کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر صیغۂ احتساب نے (جو "نظارۂ معارف" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی مدحت تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دُنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خریدلی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک و سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبد الحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد فارس شدیاق کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اُسنے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلانا چاہا کہ "مدحت اور اسکی جماعت کا اصلی مقصود دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی!" یورپ اور انگلستان میں بھی قصر یلدز کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہتیرے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنہوں نے اپنی خدمات یلدز کے حوالہ کردی تھیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے" یہ کتاب بھی حمیدی دعایتہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کرائی گئی تھی تاکہ سر ہنری ایلیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اُسنے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہوچکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیمہ خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُس کے سپرد کردی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں اُن تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مصر کے خاندان خدیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کرلیا تھا، اور اپنی دولت و ریاست کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز پر بہت رسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہوگئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کرسکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہوگیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری بے اُس کے زیر اثر تھا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ اُن سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہونچا دیتا۔ مکہ سے خطوط مصر بھیجدئے جاتے۔ مصر سے سمرنا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہونچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو تکمیل کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہوگیا علی حیدر بے نے ان اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور سنہ ۱۹۰۶ء میں پیرس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہوگیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دُنیا کو حقیقت حال سے واقف ہونے کا موقعہ ملا، اور کذب و افترا کے وہ تمام پردے چاک ہوگئے جو عبد الحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راستباز مصلح کی زندگی پر ڈال دئے تھے۔ قصر یلدز کے کارپردازوں نے بہت کوشش کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کمزور ثابت کردیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہوچکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہوجائے، تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اُسے مسخر نہیں کرسکتی!

طائف کا مدفون صندوق

سنہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت اپنے

برید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی۔ قیصر کے موجودہ خیالات۔

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر ولیم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر فوراً واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلا وطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا۔ جولائی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اسوقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیار نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں تعمیر مکمل ہو جائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

دراصل قیصر ولیم نے اُسوقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک اُس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتوی ہو گئی۔

قیصر نے انکار کیوں کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اُس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود داری کا سوال تھا۔ قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اُس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں جو قیصر کی نئی بیوی اور سابق ولی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہو گئی ہے تاکہ اپنے شوہر کی تخت نشینی کیلئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیۃً دُور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد و متفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی حمایت کر رہے ہیں۔

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعیم مارشل لوڈنڈارف تھا۔ اب قیصر نے اُسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہنڈنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل لوڈنڈارف نے کئی سال بے کار گزارے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہنڈنبرگ نے غیر معمولی تدبر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر ہالینڈ بھاگ گیا۔ لیکن ہنڈنبرگ نے اب یہ اعتراض دُور کر دیا ہے۔ اُسنے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اُسنے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا:

"میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی نہ تھا درحقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اُس نے خود ذلت اُٹھانا گوارا کر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فوراً ہالینڈ چلا نہ جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اُس کی غیرت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کرکے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا"

ہنڈنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اُس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک ملکی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اُسنے اپنی ملکہ کے فوت ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہنڈنبرگ نے یہ اعتراض بھی دُور کر دیا اور اس کی ذمہ داری بھی خود اوڑھ لی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُسنے ایک طرف سابق ولی عہد کو راضی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرا دی۔ غرضکہ اُسنے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔

ہنڈنبرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کر دی بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہو گا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا ہی کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہو گا۔ دراصل سکسونی میں بالشویک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں عنقریب بیرونی حکومت قائم ہو جانے والی ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اُس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی سے الحاق کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اسوقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول پر انجمنوں نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بری ثابت کرے اور سفاکی و خونریزی کے وہ تمام الزام دُور کر دے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے تھے۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی علم والے اب قیصر کی اُتنی مخالف نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام "شعبۂ خارجیہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دُول یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے۔ باقی سلطنتوں کو زیادہ پرخاش باقی نہیں رہی۔ روداد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور امریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الّا یہ کہ مسٹر لائیڈ جارج پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام "انجمن مظاہرات" ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ تمام جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ نکلتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور مورتیں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رسمیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق انشا پرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن بحری و بری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اسوقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا نکلے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں

مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ عام باشندے ہی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہنڈنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشہور ہو چکا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر سٹریسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہے۔ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد خالی کر دیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے۔

قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہو گا کہ اسوقت جبکہ قیصر کی

(بقیہ مضمون صفحہ)

وطن کر دیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا۔ سلطان نے اُسے صوبہ بروسہ کا حاکم مقرر کرکے حکم دیا کہ پایۂ تخت سے روانہ ہو جائے حسین عونی بیمار تھا۔ مگر سلطان نے اُسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے مخلص اشخاص کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ مدت بعد حسین عونی پاشا بروسہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ عام رائے سلطان کے معزول کر دینے پر متفق ہے۔ اُسنے اس بارے میں بعض سربرآوردہ آدمیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی ؎

یہ مدحت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اُسے عرب کی سپاہ سے معزول کرایا تھا۔ اب اُسنے انتقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کرا دینا چاہا۔ اُسنے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں ملی۔ آخر اُس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات روئیلی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے برپا تھے، اور بہت سے والی امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدحت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اُسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقعہ نکل آئے گا۔ چنانچہ اُسنے احکام صادر کر دیئے۔

اب مدحت آفندی کے لئے سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بدنیتی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو عدول حکمی ہوتی تھی۔ جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہرحال اُسنے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور ۱۲۷۰ھ میں ایک فوجی مہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

یہاں مدحت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کر لیا۔ ۱۴ کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قیدخانے میں بھیجدیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے نئے حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطاعت کے لئے فوراً سر جھکا دیئے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس پیچیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے آب محمد پاشا بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید پاشا اُن کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اُسنے مدحت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلا لیا۔ مدحت آفندی نے روئیلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آگئیں کہ اصلاحات کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ دراصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تغیر کے اصلاحات کی تجاویز سودمند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدحت آفندی کو مجلس والا میں دوبارہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ماہ بھی اس مقصد کی ممال پر نہیں گزرے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہو گیا اور مصر چلا گیا۔ اسکی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اُسے بھی یورپ کا سفر پیش آگیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اسکی نیابت محمد پاشا قبرصلی کو مل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو مدحت کا جانی دشمن تھا، اپنے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مدحت پر یہ تہمت لگائی گئی کہ اُسنے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض اتہام ہے۔ ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ "مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور مدحت کے خلاف اُسنے جو کچھ کہا ہے، سراسر باطل ہے۔"

مدحت آفندی عزت کے ساتھ بری ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سرویہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ مدحت آفندی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا۔ اسنے اپنی روداد باب عالی میں پیش کر دی اور ثابت کیا کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اُس کے کارندوں نے سخت فساد مچا رکھا ہے۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کر لی، اور گورنر اور اُسکے عہدہ داروں کو معزول کر دیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہو کر مدحت آفندی سرویہ گیا۔ وہاں بھی سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترکی حکام کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں از سر نو حکومت قائم کر دی۔

یورپ کا سفر

مدحت آفندی، قسطنطنیہ واپس آگیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت اُسکی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبد المجید پر معزول گورنر سعید پاشا اور اُس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدحت آفندی سے ناراض کرا دیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو مدحت کا سرپرست تھا۔ مدحت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے اور بھی زیادہ بےدل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اُسے خیال ہوا کہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷۴ھ میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، بلجیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدحت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اُسنے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی، اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اُسنے پوری مہارت حاصل کر لی۔

رتبۂ وزارت اور صوبہ کی ولایت

۱۲۷۵ھ میں مدحت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس والا کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد پاشا قبرصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ مدحت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اُسکی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اُسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہارات شروع ہو گئے تھے۔ اُسنے مدحت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبد المجید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پچھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبہ نیش کی حکومت سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۲۷۷ھ میں مدحت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبد المجید کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبد العزیز

سلطان عبد العزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت ازحد زبوں ہو گئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہو گئیں، اور یورپ نے متحد ہو کر از سر نو دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

بدقسمتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود ندیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور ندیم پاشا، روسی سفیر جنرل اگناتیف کے اشاروں پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور ندیم پاشا کی معزولی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں تیل ڈال لیا تھا۔ نہ کسی کی نصیحت سنتا تھا، نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۳۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا قرضہ لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثناء میں صوبۂ ہرزی گوینا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب اور بھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اُسکے شعلے، ادرنہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے تمہارے گھر لوٹ لئے۔ اور عزیز و اقارب قتل کر ڈالے۔" طالب علموں نے یہ دہشت ناک خبریں سنیں تو جوش میں آ گئے۔ اُن کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہے، اور ندیم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے اُسے مداخلت کا موقع ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے عوام الناس کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمود ندیم پاشا اور حسن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کر دیئے گئے۔ رشدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدحت پاشا بھی رتبۂ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ ندیم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی۔ سلطان بدستور ندیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ ندیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور انکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔

عام رائے نے جلد معلوم کر لیا کہ ندیم پاشا امروز فردا ہی میں پھر برسر حکومت آ جائے گا۔ اُس کی معزولی محض ایک دکھاوے کی کارروائی ہے۔ اسی اثنا میں روسی سفیر جنرل اگناتیف نے ہر طرف مشہور کر دیا کہ دار السلطنت میں عنقریب بغاوت ہونے والی ہے، مسلمان عیسائیوں کے قتل کی عام طیاریاں کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اُسنے یہ بھی کیا کہ اپنی بحری بیڑے سے سو مسلح نوجوان بلائے اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے۔ اس کارروائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کر دی۔ قسطنطنیہ کی مسیحی آبادی نے کاروبار بند کر دیا، اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ ان کارروائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ محمود پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں رکھ سکتی، اور مسیحی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، اُنھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح باغوں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدحت پاشا کے پاس اپنا معتمد علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کونسا طریقہ مفید ہو سکتا ہے؟

مدحت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کر دینے سے عام رائے مطمئن ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی نخوت نے اُسے منظور نہ کیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمود ندیم پاشا کے مشوروں پر عمل کرتا رہا اور محمود ندیم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ محمود ندیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین عونی پاشا کو جلا

بصائر وحکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

"مزاج کیسا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی،

"دنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پیالہ منہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے مبارک باد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کروں؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی — جعلت الرجا منی لعفوک سلما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنالیا ہے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ — بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔

۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

"اے وہ جس کی پادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اُس پر رحم فرما جس کی پادشاہی جا رہی ہو! اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اُس پر رحم کر جو مر رہا ہو!"

جاحظ نے کہا "خدا امیرالمومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

"میری تندرستی کی دعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا "بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو۔"

پھر کہا "خدایا! تو نے ہمیں حکم دئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے" اس پر روح پرواز کرگئی۔

۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابو العتاہیہ

مشہور زاہد وحکیم شاعر ابوالعتاہیہ سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

"کوئی خواہش باقی ہے؟"

کہا "ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ مغنی "مخارق" آئے اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے:

اذا ما انقضت منی من الدہر مدتی — فان عزاء الباکیات قلیل!

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو رونے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہے۔

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی — ویحدث بعدی للخلیل خلیل!

سب میرے خیال سے منہ پھیر لیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۲۱۱ھ (۸۲۶ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے:

الموت فیہ جمیع الناس تشترک — لا سوقۃ منہم یبقی ولا ملک

موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

ما ضر اہل قلیل فی تفاقرہم — ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو اُن کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلایا:

"اے وہ جس کی پادشاہی لازوال ہے، اُس پر رحم کر جس کی پادشاہی ختم ہوگئی!"

یہ کہتے ہی انتقال ہوگیا (۲۳۲ھ - ۸۴۷ء)

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑگئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

"میں شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد پادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کرسکا۔"

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اٹھ گیا۔ چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہوگیا۔ اس حالت کو آتی تو خلیفہ نے کہا "دنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، لہذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی۔"

پھر یہ شعر پڑھا:

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتہا — ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوشی نصیب ہوئی اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۲۴۸ھ - ۸۶۲ء میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالعباس المبرد عیادت کو گیا۔

مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

"وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سن ہوگیا ہو حتی کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑ اتنا حساس ہوگیا ہو کہ اگر مکھی بھی اُس کے قریب اُڑے تو درد ہونے لگے؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

اترجو ان تکون وانت شیخ — کما قد کنت ایام الشباب؟

کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ویسا ہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب — دریس کالجدید من الثیاب؟

تیرا نفس جھوٹا ہے۔ پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہوسکتا ہے؟

۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولہواں عباسی خلیفہ، معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اُس نے یوں پڑھا:

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی — وخذ صفوہا ان صفت ودع الرنقا

دنیا سے لطف اٹھالے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور برائی چھوڑ دے!

ولا تأمن الدہر الذی قد امنتہ — فلم یبق لی حالا ولم یرع لی حقا

اُس دنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا دیکھ اُس نے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال ولم ادع — عدوا ولم امہل علی طغیہ خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی بغاوت کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل نازع — فشردتہم غربا ومزقتہم شرقا!

میں نے پایۂ تخت تمام مخالفوں سے خالی کردیا، انھیں پراگندہ کرکے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزا ورفعۃ — ودانت رقاب الخلق اجمع لی رقا،

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الردی سہما فاخمد جمرتی — فہا انا ذا فی حفرتی عاجلا ملقی!

تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت، ولم اجد — لذی ملک منا، ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیالیت شعری بعد موتی ما القی — الی نعم الرحمن ام نار ما القی؟

آہ کاش! میں جانوں، موت کے بعد اللہ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا؟

۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں انتقال کیا۔

والپسی کے لئے جرمنی میں میدان طیار ہوچکا ہو، خود قیصر کی ذہنیت کیا ہو؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شایع کی ہو۔ اُسنے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اسکا خلاصہ حسب ذیل ہو:

دُنیا کی آیندہ جنگ

"دس برس گزرنے سے پہلے" قیصر نے کہا "دنیا کو ایک اور عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے علٰحدہ نہ رہ سکے گی۔ میں یہاں اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے اُفق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ ایسی سخت جنگ ہوگی جس کے سامنے پچھلی جنگ ہیچ ہوجائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہوجائے گی۔ بہت سے ملک ویران ہوجائینگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہوجائیں گی۔ دُنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے چیخ اُٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جن سے عالم انسانیت اب تک ناواقف ہو۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبتناک ہوگی کیونکہ اُس کے ظہور کے وقت دُنیا کی تمام قومیں پُورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام قومیں جنگ کی طیاریاں کررہی ہیں۔ مجلس اقوام کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ محض سیاسی تفریح کا ایک نیا سامان ہو۔ اُس کے امن کے وعظوں پر قومیں ہنستی ہیں... تمام سلطنتیں جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں، اور ہوائی بیڑے طیار کررہی ہیں۔ مختلف قسم کے جدید گیس ایجاد کئے گئے ہیں جو اب تک غیر معلوم تھے۔ قومیں نہایت اخفا کے ساتھ ان جہنمی مواد کے تجربے کررہی ہیں۔ ہر سلطنت نے ہلاک ہتیاروں اور گیسوں کے بکثرت ذخیرے جمع کرلئے ہیں تاکہ جب جنگ کا بگل بجے تو پُوری طرح طیار ثابت ہوں"

یہ تمام طیاریاں کیوں ہیں؟ جواب دیا جاتا ہو مدافعت کے لئے! مگر جنگ کا کس طرف سے اندیشہ ہو جبکہ ہر سلطنت مدافعت ہی کی طیاری کررہی ہو؟"

"تھوڑے دن ہوئے، ایک معزز انگریز میری ملاقات کے لئے یہاں آیا۔ دورانِ گفتگو میں میں نے پوچھا، آخر یہ ہر طرف جنگی طیاریاں کیوں ہورہی ہیں؟ اُس نے جواب دیا "اصلی خطرہ مشرق میں ہو۔ جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں بیدار ہوگئی ہیں اور مغربی حکومتوں کے خلاف طیار ہورہی ہیں۔ اُن کی ہولناک بغاوت کے خوف سے یورپ جنگی طیاری پر مجبور ہوگیا ہو!"

"میں اس جواب پر ہنس پڑا۔ میں نے کہا مغربی قومیں، مشرقی فوجوں سے ہرگز خائف نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے ڈرتی ہیں۔ مغربی قوموں میں باہم سخت حسد اور منافست ہو۔ سیاسی مدبر ایک دوسرے سے چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں۔ مگر حکومتوں کے وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار آئندہ جنگی میدانوں کے نقشے بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف سفرا اور دل کھوٹے زیتون کی شاخ ہلا رہے ہیں (یعنی امن پسندی کا اظہار کررہے ہیں) دوسری طرف بحری سپہ سالار جدید ترین آبدوزوں اور جہنمی مادّوں کے تجربے کررہے ہیں۔ اُن کی کوشش ہو کہ کسی طرح زہریلی گیس سمندر کی موجوں پر پھیلانے میں بھی کامیابی حاصل کرلیں!"

"ہوابازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کردی ہو ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈبرگ نے اپنی حیرت انگیز جرأت سے ثابت کردیا ہو کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا محیط ہندی کا ہوائی جہاز سے عبور کرنا ناممکن نہیں ہو۔ آئندہ جنگ ایسے ہوا باز پیدا کردے گی جو سمندر کی موجوں پر ہنسیں گے اور اپنے عمل سے ثابت کردیں گے کہ سمندر پار ہونے پر بھی کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی"

"میرے عہد حکومت میں کونٹ زپلین نے ایک دن مجھ سے کہا اگر جرمنی کے پاس زپلین وضع کے ۵۰۰ ہوائی جہازوں کا بیڑا ہوجائے، تو تمام دُنیا پر جرمنی کی برتری قائم ہوسکتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت کی حکومت ضروری مصارف مہیا کردے تو میں ایک سال کی مدت میں پانسو جہاز طیار کردے سکتا ہوں۔ ایک سال اور ایک ہفتہ کے بعد جرمنی تمام دُنیا پر حکومت کرے گا! لیکن مجلس حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی"

"اگر میرے لئے پیشین گوئی کرنا جائز ہو، تو میں تمھیں اُن قوموں کے نام بھی بتلادے سکتا ہوں جو آیندہ جنگ میں حملہ آورانہ یا مدافعانہ شرکت کریں گی۔ لیکن ایک جلاوطن بادشاہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اُنگلی اُٹھا کر اُن قوموں کی طرف اشارہ کرے جو جنگ کا تنور سلگا رہی ہیں!"

"آئندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں ہوگی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آیندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا صور پھنکتے ہی تاربرقی اور بے تاربرقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشم زدن میں تمام جنگجو قومیں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی آبدوزیں اپنی جگہوں سے نکل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سامان حیرت انگیز سرعت سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند گھنٹوں کے اندر خشکی اور تری کی تمام زندگیاں موت سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے غرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سوگنا جلد غرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ وہی قوم کامیاب ہوگی، جو سب سے پہلے اپنی آبدوزیں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہنمی فرائض ادا کردے!"

"مستقبل کی جنگ میں فوجیں، عقابوں کی طرح اچانک ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر تمام سلطنتیں سرعت عمل میں برابر نہ ہوں گی، تو کامیابی پیشقدمی کرنے والی سلطنت کو حاصل ہوگی۔ بہت ممکن ہو، اُس جنگ میں بڑی بڑی سلطنتوں کی پُوری قوت صرف ۴۸ گھنٹے میں برباد ہوجائے!"

"یہ اس لئے کہ مستقبل جنگ کے طریقے بہت ہی سریع اور ہولناک ہونگے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید عنصر جاسوسوں کا ہوگا۔ یہ عنصر اس وقت بھی ہر سلطنت کے یہاں بہت بڑی وسعت کے ساتھ موجود ہو۔ ہر سلطنت دوسری سلطنت کی طیاریاں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کررہی ہو۔ جس سلطنت کی اطلاع زیادہ وسیع اور صحیح ہوگی، وہی اُس جنگ میں فتحیاب ہوگی۔ جنگ عمومی سے پہلے اور اُس کے دوران میں جرمنی کا محکمۂ جاسوسی بہت مکمل تھا۔ ہمارے جاسوس دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس محکمہ کی نگرانی خود میں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ میں تمام بڑے بڑے جاسوسوں سے براہ راست ملتا اور نہایت غور اور محنت سے اُن کی خفیہ رُوداد کا مطالعہ کیا کرتا۔ دُنیا میں ہر لمحے جو کچھ بھی ہوتا تھا، اُس کا علم مجھے حیرت انگیز سرعت سے ہوجایا کرتا تھا"

"میں خوب جانتا ہوں کہ اسوقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہو۔ خاص طور پر روس کا محکمۂ جاسوسی سب سے زیادہ منتظم ہو۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گنا سکتا ہوں جن کے جاسوس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی اُن کے جاسوسوں کا ہجوم ہو۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُن کی سلامتی کے لئے خطرہ ہو۔ حالانکہ اگر ان سلطنتوں کو عقل ہوتی تو وہ جان لیتی کہ اس بڑھاپے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہو کہ اپنی حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حرب و ضرب کا نہیں، صلح و آشتی کا!"

"جنگ، دنیا میں ہمیشہ باقی رہیگی کیونکہ انسان کی فطرت میں طمع و حرص کے جذبات راسخ ہیں۔ جنگ کو معدوم کرنے کی کوشش بالکل بے کار ہیں۔ ہاں جنگ کو کم کرنے کی کوشش مفید ہوسکتی ہیں اگر میں اپنے قدیم تخت پر ہوتا، تو دنیا کو امن سلامتی کا ایک نیا راستہ دکھا سکتا تھا۔ لیکن میں دُنیا سے الگ کردیا گیا ہوں۔ سلطنتیں میری ہلاکت کی کوشش کررہی ہیں، حالانکہ اس سے اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ کریں اور مجھے جرمنی واپس جانے دیں، تو میں اُنھیں بہت کچھ نفع پہونچا سکتا ہوں"

برلن ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

معاہدۂ حجاز و برطانیہ

"بریدِ شرق" میں ہم ایک مراسلت درج کرچکے ہیں جس میں معاہدۂ حجاز و برطانیہ کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہو کہ بعض مسائل جو اس معاہدہ میں طے نہ ہوسکے، ضمیمہ میں اُنکے بحث طلب ہونے کا اعتراف کیا گیا ہو، اور کسی آیندہ مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کردئے گئے ہیں۔

اب تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ "ام القریٰ" مورخہ ۲۴ ستمبر ۲۷ء موصول ہوا ہو۔ اسمیں معاہدہ کی وہ عربی نقل بجنسہٖ موجود ہو جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت بھی شایع کردی ہو جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انہی مسائل سے ہو جنھیں مراسلہ نگار نے "بحث طلب" اور "ملتوی شدہ" قرار دیا ہو۔

پہلا خط سر گلبرٹ کلیٹن کا (مورخہ ۱۹ مئی ۲۷ء) ہو جسمیں وہ لکھتا ہو: "آپکی تجویز ہو کہ معاہدہ میں ایک دفعہ اس مضمون کی بڑھا دی جائے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے وہ تمام رکاوٹیں دُور کردی جائیں گی جو اسلحہ اور جنگی مواد کے خریدنے اور منگوانے میں حائل ہوسکتی ہیں۔ میں آپکو حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اطلاع دینے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اس بارے میں کسی دفعہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور مجھے اجازت دی گئی ہو کہ میں آپ کو اطمینان دلادوں کہ جزیرۃ العرب کو جنگی مواد بھیجنے کی ممانعت اب اُٹھا دی گئی ہو، اور اگر آپکی حکومت چاہے تو وہ انگلستان کے کارخانوں سے ہر طرح کا سامان جنگ منگوا سکتی ہو۔ برطانی حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ اسمیں ڈالی جائے گی"

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ مئی کو لکھا گیا:

"آپکے اس اطلاع کے جواب میں کہ "جزیرۃ العرب میں اسلحہ جنگ کی خرید اور انکا درود آپکی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہو" شکریہ ادا کیا جاتا ہو"

دوسرے خط میں حجاز کے حدود کا ذکر ہو۔ حکومت حجاز مصر ہو کہ عقبہ اور معان حجاز کے حدود میں داخل ہیں۔ برطانیہ حجاز اور شرق الاردن کی حدود طول بلد ۳۸ شرقی اور عرض بلد ۲۵، ۲۹ شمالی قرار دیتا تھا جس سے یہ مقامات نکل جاتے تھے۔ ۱۴ ستمبر ۱۸۔ ذی قعدہ کو حکومت حجاز کی جانب سے لکھا گیا۔

"آپکے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مُصر ہو۔ چونکہ بحالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہو، اس لئے ہم اسکے لئے طیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل ملتوی کردیا جائے، اور آئندہ کسی مناسب موقعہ پر اس کا آخری فیصلہ عمل میں آئے"

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلۂ اسلحہ کا تعلق ہو

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسلہ میں ہم نے اماموں کی ان نادر و اعلی درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرۂ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کی مبسوط بحث کی ہے - بلا جلد اڑھائی روپیہ، مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال في مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا - اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے - اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا - پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں - اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوگئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں - اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں - ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں - ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " چہارم ۱۰ روپیہ   " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی

ایسی

مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide
to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے سٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز و مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

قیمت ۱۲ر (منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

١٩٢٧
الہلال
جلد ١
نمبر ١٩
ابلاغ پریس کلکتہ
قیمت
٥ ـ آنہ

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما !

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ھے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ھے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي نوائد پر بھي ھوتے ھیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ھے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London. E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري ھے که

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکھنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ھے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں که یورپ اور امریکه کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں هندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایه لیکر ایک وسیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکه کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں که بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یه ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے که هم سے خط و کتابت کریں - هم یه کام به حیثیت ایک ماهر فن کے کر رہے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا که آپکے مقصد کیلئے هم کس درجه مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یه بہترین کارخانه ھے - مندرجهٔ بالا پته سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقه وہ ھے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ھے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانه سے مل سکتي هیں -

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۹ | کلکتہ : جمعہ ۱ ۔ جمادی الاولی ۱۳۴۶ ھجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 28, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔ طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارئین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۸۰ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۲۵	اردو حروف کی حق مین	۴۲۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۵۱۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۶۱	نستعلیق ھون	۱۵۱۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی ڈیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(جدید ترکي)

سنه ۱۳۴۲ ھ (۱۹۲۳ع) سے ابتک

مصطفی کمال پاشا نے نئي قومي حرکت کا علم بلند کیا ' اور عثماني شہنشاهي کے کھنڈروں پر جدید ترکي سلطنت کي بنیادیں تعمیر کردیں !

ترکوں کو خاص اپنے آبائي وطن پر یونان کي غاصبانہ حکومت سے سخت اذیت هوئي تهي - وہ کسي طرح بهي یہ ذلت برداشت نہیں کرسکتے تھے - وہ منتظر تھے کہ کوئي مرد میدان آئے ' اور یہ اُسکے زیر علم قومي جہاد شروع کردیں - ضرورت نے مصطفی کمال پاشا کو پیدا کردیا ' اور ترکي قوم نے پوري خود فروشي کے ساتھہ اُس کا ساتھہ دیا -

اُس وقت قسطنطنیہ پر دول اِتحاد کا قبضہ تھا - سلطان اُنکے هاتهہ میں کٹھہ پتلي سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا - جوں هي دول متحدہ نے اناطولیہ میں بیچیني دیکھي ' سلطان سے ایک فرمان شائع کرا دیا جس میں مصطفی کمال اور اُسکے تمام ساتھي باغي اور مستحق قتل قرار دیے گئے تھے - یہ پہلا موقعہ تھا کہ ترکوں کو آل عثمان کے خلاف بغاوت کا خیال پیدا هوا ' اور اُنھوں نے اِس خاندان سے همیشہ کیلیے پیچھا چھڑا لینے کا عزم کرلیا -

سنہ ۱۹۲۰ - میں اناطولیہ کي مجلس قومي نے منظم فوج طیار کرنے کا فیصلہ کیا - اُس وقت تک لوگ کمالیوں کي مجاهدانہ جرأت پر هنستے تھے - یہانتک کہ سنہ ۱۹۲۱ - میں " آریں نو " کے معرکہ میں عصمت پاشا نے عظیم الشان فتح حاصل کي - اب دنیا کي نظریں مجلس قومي کي طرف اُٹھہ گئیں - اُسے عزت کي نگاهوں سے دیکھا جانے لگا - وہ ترکي قوم کي نمائندہ تسلیم کرلي گئي !

شروع میں مصطفی کمال پاشا شخصي ترفع و ظہور سے تنفر ظاهر کرتے رهے - وہ کہا کرتے تھے ' میں یہ مہم ختم کرکے کسي دیہات میں چلا جاؤنگا اور خاموش زندگي بسر کرونگا - لیکن جوں جوں کامیابي یقیني هوتي گئي ' اُن کے خیالات میں بهي نمایاں تغیرات هوتے گئے - یہانتک کہ صاف کہنا شروع کردیا " مجلس قومي کي حکومت ' سلطنت آل عثمان کے کھنڈروں پر قائم کي گئي ہے " اِس [illegible] سے اُنھوں نے اپني نیت کا [illegible] اظہار کر دیا تھا کہ اب وہ آل عثمان کي حکومت نہیں چاهتے - پھر فروري سنہ ۱۹۲۳ع میں سمرنا کي اقتصادي مؤتمر میں اِس سے بهي زیادہ صاف الفاظ اختیار کیے گئے " اِن سلاطین نے ملک کي تمام دولت اپني عیاشیوں میں برباد کرڈالي - قوم کو فقیر اور قلاش کرکے چھوڑ دیا ! "

اُنھوں نے یہي نہیں کیا کہ انگورہ کو حکومت کا مرکز قرار دیا اور خود مجلس کے صدر منتخب هو گئے ' بلکہ مجلس میں اپني هي جماعت کو اکثریت بهي دلائي - اب اُنکے اختیارات بے روک تھے - اُنھوں نے فوراً آل عثمان کي حکومت ختم کرکے جمہوریت کا آخري اعلان کر دیا ' اور خود جمہوریت کے پہلے صدر منتخب هوگئے !

کمالي اصلاح کي راہ میں " خلافت " ایک روک سمجھي جاتي تهي - چنانچہ اُسے بهي انھوں نے هٹا دیا - پھر قوانین سلطنت کي بهي ترمیم و تنسیخ کي - ملک کي اجتماعي زندگي کي هر شاخ میں بهي انقلاب عظیم پیدا کردیا - اب وہ ایک ایسے راستہ پر چل رهے هیں جو اُنکے نزدیک بہترین راستہ ہے - مستقبل فیصلہ کریگا کہ یہ راستہ صحیح ہے یا غلط ؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ جہانتک ملک کے اجتماعي اور معاشرتي انقلاب اور یورپ کي مقلدانہ روح کا تعلق ہے ' اِن کي راہ اعتدال و صواب کي راہ نہیں ہے -

سنہ ۱۹۰۸ سے ۱۹۳۴ تک!

(۱) محمود شوکت پاشا مرحوم جو اتحاد و ترقي کي دستوري حرکت کے فوجي مظہر تھے - جنھوں نے سنہ ۱۹۰۸ میں بغیر کسي کشت و خون کے سلطان عبد الحمید مرحوم کو معزول کردیا -

(۲) غازي مصطفی کمال پاشا جو ترکوں کي جمہوري تحریک کے باني و زعیم هیں - انھوں نے سنہ ۲۴ - میں نہ صرف عثماني خلیفہ بلکہ عثماني خلافت کا منصب هي ختم کردیا -

حکومت ترکیہ

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۳)

تورانی دور

سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵ء) سے سنہ ۱۳۳۷ ھ (۱۹۱۸) تک

" تورانیت " کا برق پھونکا گیا - ترکي قوم نے اُسے سنا - مگر زیادہ مانوس نہ ہوئي - کیونکہ اِس برق کے پھونکنے والے اگرچہ

طلعت بے
اتحاد و ترقي کا سر بر اوردہ رکن

نسلاً ترک تھے ' مگر تمام تر بیروني ممالک کے باشندے تھے ' اور ان پر ترکوں کو پورا بھروسہ نہ تھا - وہ بارہا دھوکے کھا چکے تھے - تورانیت کے اولین علم بردار روسي تاتاري نو جوان تھے جو عہد حمیدي کے بعد ترکي میں آ بسے تھے ' اور تمام ترکي اقوام کو تورانی قومیت کے نام پر جمع کرنے کے خواب دیکھہ رہے تھے - اِن میں سب سے زیادہ سر بر آوردہ شخص اوغلي یوسف اور احمد اغاییف بک تھے -

لیکن چونکہ یہ نئي دعوت دنیا کي موجودہ قوم پرست ذہنیت کے بالکل موافق تھي ' اس لیے بہت جلد ترحش نور ہوگیا ' اور جوق جوق ترک اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے - وزارت داخلیہ ' مشیخۃ اسلامیہ ' اور وزارت اوقاف نے اپنے اپنے خزانوں کے منھہ اُسکي تقویت و تبلیغ کیلیے کھول دیے - یہي نہیں بلکہ تمام سر بر آوردہ اخبارات مثلاً " اقدام " ' " ترجمان حقیقت " اور " جون ترک " وغیرہ کے صفحات اُسکے لیے وقف ہوگئے - بڑي بڑي انجمنیں مثلاً " ترک یوردو " اور " ترک اجاقي " وغیرہ قائم کي گئیں -

جاوید بے
اتحاد و ترقي کا سر بر آوردہ رکن جسے گذشتہ سال انگورہ میں پھانسي دي گئی -

اندرون ملک اور بیرون ملک میں ترکي قوموں کو جگانے کیلیے مبلغین اور دعاۃ بھیجے گئے - غرضکہ ایک نئي حرکت پیدا ہوگئي - جرمني نے بھي جو اُس وقت تک جنگ میں فتحمند تھي ' اِس تحریک کا خیر مقدم کیا ' اور اُسکے خوشنما اور موثر بنانے میں ساعي ہوگئي -

تھوڑي ہي مدت بعد بظاہر کامیابي کے آثار نظر آنے لگے - اُسي زمانہ میں روس کا انقلاب ظہور میں آیا اور بالشویک حکومت قائم ہوگئي - روس کي تمام ترکي اقوام نے بھي اِس تورانی دعوت کو بڑي گرم جوشي سے لبیک کہا - چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ کي تورانی موتمر میں ۸۰۰ - نمائندے مختلف ترکي منگولي اقوام کے یکجا ہوئے ' اور بڑے جوش و خروش سے " اتحاد تورانی " کے راگ گائے گئے -

مگر بدقسمتي سے ترکي کو جنگ میں شکست اُٹھاني پڑي - ایسي شکست ' کہ قریب تھا ' ترکي حکومت کا ہمیشہ کیلیے خاتمہ ہو جائے - سنہ ۱۹۱۹ - میں دول اتحاد دارالخلافہ پر قابض ہوگئیں ' اور وہ وقت آگیا کہ یا تو کوئي عجیب اور غیر معمولي قوت پیدا ہوکر ترکي حکومت کیلیے نیا سامان حیات بہم پہنچا دے ؛ یا چھہ سو برس کي یہ تاریخ عظمت و جلال ہمیشہ کیلیے ختم ہو جائے !

جمال پاشا
جو ایام جنگ میں والي شام تھا

کچھہ عرصہ کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع ہوگیا - اهل اسیریا نے رفتہ رفتہ ان کے ممالک چھین لیے - ادومیا بھی باجگزار بن گیا - اهل اسیریا کو جب میڈیا والوں کے هاتھوں شکست ملی ' تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کرادیا - حضرت اسماعیل کے ۱۲ - لڑکے تھے - " نابت " سب سے بڑے تھے - ان سب بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں - بنو نابت کو نبطی یا بنو نباہوط بھی کہتے ہیں - نبطیوں نے نہایت ترقی کی - ابتداء ان کا پیشہ بحری قزاقی تھا - بعد کو ایک طاقتور اور متمدن قوم بن گئے - ان کے مکانات عالیشان اور سنگیں تھے - تجارت ' صناعت ' سنگ تراشی ' شیشہ سازی ' ظروف سازی ' پارچہ بافی ' میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا -

انباط کی سلطنت بہت وسیع تھی - اس کے حدود شمال میں دمشق تک ' غرب میں فلسطین تک ' اور جنوب میں وسط عرب تک پھیلے ہوئے تھے - پیٹرا یا رقیم ان کا دارالسلطنت تھا - ادومی و نبطی عہد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تھا - پیٹرا کے عروج کے وقت وادی موسی دنیا کی مشہور ترین شاہراہ تھی - کاروانوں کے گھنٹوں کی غیر منقطع جھنکار اور پے در پے قافلوں کے شور و ہنگاموں نے اهل روما کو بھی متحیر کردیا تھا - انباط کا آخری بادشاہ حارث رابع تھا - یہ بادشاہ حضرت یحیی اور حضرت عیسی (علیہما السلام) کا ہم عصر تھا - اس نے یہودیوں کے بادشاہ هیرودتس قاتل حضرت یحیی پر فوج کشی کی ' اور میدان جنگ میں ہزیمت دی - پولوس حواری اسی حارث کے یہاں قید تھا ' اور جیل خانہ سے کسی نہ کسی طرح فرار ہوگیا تھا - حارث کے بعد کوئی طاقتور حکمران پیدا نہیں ہوا - دولت انباط اهل روما کی نا قابل تسخیر قوت کی تاب مقاومت نہ لا سکی ' اور ہمیشہ کے لیے اپنی آزادی کھو بیٹھی -

" الدیر "

عہد نامہ عتیق میں " سلع " کے نام سے اس شہر کا تذکرہ ہے - عبرانی زبان میں سلع کے معنی پہاڑی کے ہیں - جب فراعنۂ مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سر زمین مصر تنگ کردی تھی ' تو یہ شہر بہت زمانہ سے آباد تھا ' اور پرانا شہر کہلاتا تھا - بعض روایات میں آیا ہے کہ بنو اسرائیل نے صحرا نوردی سے تنگ آکر اهل پیٹرا سے پناہ کی درخواست کی تھی ' لیکن انھوں نے اپنے دروازے ان بد نصیبوں پر بند کردیے - اسی لیے انبیاء بنی اسرائیل نے اهل پیٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کی تھیں -

پیٹرا عرصۂ دراز تک مصری تمدن کے زیر نگیں رہا - مصریوں سے اهل پیٹرا کے تجارتی تعلقات جاری رہتے تھے - ادوم کے بادشاہان قدیم کی شادیاں فراعنۂ مصر کے خاندانوں میں ہوتی تھیں - فن سنگ تراشی میں پیٹرا نے مصر سے بہت کچھہ سیکھا تھا - پیٹرا کے نوجوان اور متمول طلباء علم و فن کی تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تھے - دنیا کے شہروں میں پیٹرا مضبوط ترین شہر سمجھا جاتا تھا - سکندر اعظم نے بھی اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بھیجی تھی ' لیکن پہاڑی دیوار عبور نہ کرسکی - اگرچہ یونانی تلوار پیٹرا کو فتح نہ کرسکی ' لیکن یونانی تمدن نے اسے مفتوح کرلیا - یونانی علوم و فنون یہاں رواج پاگئے - پیٹرا کے وسیع تماشہ گاہوں ' عریض معابد ' دلکش باغوں ' اور تجارت سے حاصل کی ہوئی عیش و عشرت نے ' اسے سیاحان وقت کا کعبہ سفر بنا دیا تھا - یورپ کے لیے روما اور ایشیائے کوچک کے لیے پیٹرا ' یکساں منزلت رکھتے تھے - تجارتی لحاظ سے یہ نبطی شہر دنیاء قدیم کا قرطاجنہ تھا - یا وسطی یورپ کا برلن -

حریص اهل روما پر پیٹرا کی شہرت نہایت شاق گزرتی تھی - بالآخر انھوں نے ایک طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے سنہ ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالی فتح کرلیے - اب یہ حصۂ ملک " اربیا پیٹرا " کے نام سے رومانی سلاطین کا ایک صوبہ بن گیا تھا - رومانی عہد حکومت میں بھی پیٹرا عرصہ دراز تک عرب ' فارس ' هند ' فلسطین ' مصر ' اور شام کی کاروانی تجارت کا مرکز رہا - لیکن بعد کو شاہراہ تجارت کی تبدیلی اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا -

(استدراک)

مندرجۂ صدر مقالہ مولوی محمد یحیی صاحب وکیل بدایوں نے بعض انگریزی رسائل سے اخذ کر کے لکھا ہے ' جو بعض جزئی ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا - اس سلسلہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے :

(۱) پیٹرا کے یہ آثار مقامی عربوں میں " رقیم " کے نام سے مشہور ہیں - گذشتہ صدی کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسی نام سے اسکی تحقیقات کی ہے - سنہ ۱۹۰۶ - میں جب مقام " طابہ " کی نسبت حکومت مصر اور دولۂ عثمانیہ میں نزاع ہوئی تھی ' اور ایک مشترک ترکی مصری کمشین تحقیقات کے لیے متعین ہوا تھا ' تو اسوقت بھی " الرقیم " کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا ہوے تھے -

(۲) تورات میں بھی " رقیم " کا ذکر موجود ہے -

(۳) قرآن حکیم نے سورۂ کہف میں جہاں " اصحاب کہف " کا ذکر کیا ہے ' وہاں " الرقیم " کا لفظ بھی آیا ہے : ام حسبتم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ (۱۸ : ۸) کہف کے لفظ کے معنی واضح تھے کہ غار کے ہیں ' مگر " الرقیم " کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہوا - عربی میں رقیم کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو لکھی ہوئی ہو - اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا کہ رقیم سے مقصود یہ ہے کہ اصحاب کہف کے حالات قلمبند کرلیے گئے تھے - یا اس غار پر جس میں اصحاب کہف کی نعشیں تھیں ' کوئی کتبہ لکھکر لگا دیا ہوگا - چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کا ایک قول بہ روایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال ایک پتھر پر کھود کر نصب کر دیا گیا تھا - اسی لیے " رقیم " کے لقب سے مشہور ہوگئے -

(۴) عجب نہیں اس خیال کا باعث وہ عام شہرت ہو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے ہی واقعہ کی نسبت موجود تھی - قدیم لاطینی تحریرات میں ایک ایسی تحریر

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۲)

(قربان گاہ)

پتھروں سے تراشی ہوئی سیڑھیاں جن میں سے بعض بعض کا طول ایک میل ہے ' پیٹرا کی چوٹیوں تک پہونچا دیتی ہیں - انمیں سے اکثر سیڑھیاں عہد عتیق کی اون مرتفع قربا نگاہوں سے گزرتی ہیں جہاں ہزارہا سال پہلے اہل پیٹرا اپنے مراسم مذہبی بجا لاتے تھے - ان میں سے بعض آثار تقریباً ایک ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ہیں - ایک زینہ اوس مندر تک پہنچتا ہے جو اسوقت تک " الدیر " کے نام سے موسوم ہے - اسکی ڈیوڑھ سو فیٹ اونچی گلابی رنگ ایک پہاڑ سے تراش کر بنائی گئی ہے - اسکی چوٹی پر بھی ایک صراحی نما ظرف ہے - عرب اسے بھی جواہرات کا مخزن کہتے ہیں - دوسرا زینہ جبل قربانی کا راستہ ہے - یہ پہاڑی بالکل علحدہ ہے - اس پر سے پوری وادی کا منظر نظر آجاتا ہے - اسکے بالائی حصہ میں دو قربان گاہیں ہیں - ایک آگ جمع کرنے کیلیے تھی - دوسری میں اون جانوروںکا خون جمع ہوتا تھا جو قربان کیے جاتے تھے - قربان گاہ کے قریب قدیم وضع کے دو طویل مربع مینار ہیں - پہاڑ کے عقب میں ایک دوسری مرتفع چوٹی ہے جسپر ایک صلیبی نائٹ کے قلعہ کے بعض آثار نظر آتے ہیں - مگر اس نائٹ کا نام معلوم نہیں -

قربان گاہ

(مدفن حضرت ہارون)

یہاں سے کچھہ فاصلہ پر ایک سیاہ پہاڑ کا عکس سا معلوم ہوتا ہے - اسکی چوٹی پر ایک سفید گنبد تعمیر ہے - ریگستانی سورج کی کرنیں اسے اور زیادہ چمکدار بنادیتی ہیں - اہل عرب کا قول ہے کہ یہی جگہ حضرت ہارون (علیہ السلام) کا مولد و مدفن ہے - اس گنبد میں ایک چھوٹی سی مسجد اور چھوٹا سا مقبرہ بھی ہے - یہ پہاڑی جبل ہور کے نام سے پکاری جاتی ہے - اس وادی خاموش میں ہر جگہ مندروں اور محلوں کی کثرت ہے -

(اثری تحقیقات)

ایک صدی کا عرصہ ہوا ' اسکاٹ لینڈ کے مشہور سیاح عرب ' جان برکاٹ نے اس شہر کا معائنہ کیا تھا - سنہ ۱۸۴۶ میں ہلینا مارٹینا نامی ایک سیاح عورت نے بھی یہ کھنڈر دیکھے تھے - دو یا تین سال ہوئے ' دو جرمن ماہرین آثار نے بھی چند مساحت دانوں کی معیت میں اس وادی کی تحقیقات کی تھی ' اور متعدد نقشے اور خاکے طیار کیے تھے -

(تاریخی حالات)

اگر توراۃ کے موجودہ نسخے پر اعتماد کیا جاے ' تو " رقیم " کی ابتدائی تاریخ حسب ذیل ہے :

قطورا حضرت ابراہیم کی تیسری بیوی تھیں - اون کے بطن سے مدین پیدا ہوا - مدین کی اولاد پھلی پھولی ' اور اتنی بڑھی ' کہ بالاخر ایک قوم بن گئی - بنو مدین ' سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح میں پانچ قبائلی شیوخ یا ملوک کے زیر نگیں تھے - ایک بادشاہ کا نام رقیم تھا - پہلی صدی قبل مسیح کا اسرائیلی مورخ یوسیفس لکھتا ہے کہ اسی مدیانی بادشاہ نے رقیم آباد کیا تھا - اسکا دوسرا نام پیٹرا یونانیوں نے رکھا تھا - یونانی زبان میں پیٹرا پتھر کو کہتے ہیں - غالباً اس شہر کا سنگستانی ماحول اس نام کیلیے محرک ہوا ہوگا -

مدیانی قوت کے اضمحلال کے بعد بنو ادوم مسلط ہوگئے - حضرت ابراہیم کی زوجہ اولی سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے تھے - حضرت اسحق کے دو لڑکے ہوئے - یعقوب اور عیص یا ادوم - بنو ادوم انہیں ادوم کی نسل سے تھے -

سلاطین ادوم نے ایک عرصہ تک رقیم پر حکمرانی کی - آخری ادومی بادشاہ ہدار کے زمانہ میں ادومیوں اور اسرائیلیوں میں سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں - شاول (طالوت) اور حضرت داؤد نے بنو ادوم کو پے در پے ہزیمتیں دیں - بالاخر نویں صدی قبل مسیح میں اموصیا بادشاہ یہود نے رقیم فتح کرلیا -

میں زور سے چلا اٹھی " نہیں ' نہیں ' میں مرد ہونا نہیں چاہتی ! "

" اب یہ زنانہ کپڑے اتار دو" ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھہ رکھکر کہا " اب ہمارا جیسا کوٹ پتلون پہن لو۔ آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور اونچی ایڑی کا جوتا نہ پہننا ! اب تم ہماری طرح مرد ہوگئی ہو " !

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی - مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا !

" خدایا ! میں کیا کروں ؟ " راستے میں میں خیال کرنے لگی " اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں — ؟ اُف ! یہ منحوس خبر اُسے کیسے سناؤں ؟ "

" میرے دوست " میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا " اب میں عورت نہیں رہی — ہماری شادی ناممکن ہے ! — "

اُس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا - لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا -

" کیا ؟ " وہ غصہ سے چلایا " کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے ؟ " میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اُسکے سامنے ڈالدیں - وہ حیرت زدہ رہگیا - ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے - بار بار اُس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہوجاتی تھی - ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے ' اپنے وعدے یاد کرتے تھے ' مستقبل کا خیال کرتے تھے ' اور یہ سب کچھہ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا - ایسی غمناکی (ٹریجڈی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی !

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی ' لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اُتنی ہی اور ویسی ہی تھی ' جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہوسکتی ہے - میری حسرت بے حساب تھی - میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنا لے سکتا ہے ' لیکن میں کتنا ہی چاہوں ' اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی !

" کچھہ پروا نہیں ! " میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہوگیا - " اگر تم مرد ہوگئی ہو تو کوئی پروا نہیں - میں تم سے اب بھی محبت کرونگا - اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی ' تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کرونگا ' جیسی محبت اِس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی ! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہونگا ! "

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا - لیکن کیسا مصافحہ ؟ مردانہ مصافحہ !

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے ' تو بے اختیار دل بھر آیا ' اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی ' تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے - آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھکر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں - ہر عورت کے نسوانی وجود کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے - میرا دل بے اختیار رونے لگتا ہے !

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھہ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھہ فخر و مباہات سے تھیٹر لیجاتے تھے ' اب مجھہ سے کہتے ہیں ' آؤ ہمارے ساتھہ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو - کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہوگئے ہو ! مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہوچکی ہوں ' مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں - میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھکر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں - وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے !

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں - اب زندگی میرے لیے ویسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی - اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں - حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے - مجھے اپنی تزئین و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی - اب مجھے اپنے ساتھہ تھیٹر جانے والی عورتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں ' حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے - لیکن ساتھہ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے - اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں - آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں ' اور جتنی دیر چاہوں ' گھر سے باہر رہ سکتی ہوں -

شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں ' دونوں مجھہ سے نفرت کرینگے - میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی - مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا - دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں - مرد اس لیے کہ مرد ہوگئی ہوں اور اُن کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں - عورتیں اس لیے کہ پہلے میں اُنہی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھہ سے محبت کی طالب ہیں - لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی - کیونکہ اگرچہ طبیبوں نے میرے مرد ہوجانے کا فیصلہ کردیا ہے - مگر میرا احساس ہنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں !

جونہی اخبارات نے میری اِس " بد نصیبی " کی خبر شائع کی ' یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں - جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھہ سے شادی کرنے کے لیے طیار ہیں - مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھہ سے شادی کیوں چاہتی ہیں ؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا " ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں ' اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو - تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو "

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی - میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے محروم ہو جانے کے بعد اُسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی !

تمام طبیبوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے - جرمنی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اِس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اُس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرسکے - ہر طرف سے لوگ مجھے لکھہ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کرلونگی - ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے - وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے - لیکن میں اِس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کرونگی - میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی ! "

بريد فرنگ

إس وقت تک موجود هے - خيال کيا جاتا هے که پانچويں صدي مسيحي ميں انطاکيه کے ايک بطريق نے يه تحرير لکهي تهي - اس ميں سات آدميوں اور اُن کے ايک وفادار کتے کراتيمري نامي کا (جسے عربي ميں قطمير کرليا گيا هے) قصه بيان کيا گيا هے -

(۴) ليکن اگر " رقيم " سے مقصود وهي شهر هے ' جس کا ذکر عهد عتيق اور يوسيفس کي تاريخ ميں هے ' تو " رقيم " عبراني لفظ هے نه که عربي ' اور اس ليسے عربي ماده کي اس کے ليسے جستجو سود مند نهيں - عبراني ميں يه لفظ " راقيم " تها - عربي ميں " رقيم " هوگيا -

(۵) عرب شعراء جاهلية کے کلام ميں جس طرح کهف کا ذکر پايا جاتا هے ' رقيم کا بهي ذکر موجود هے - اميه بن ابي الصلت کهتا هے :

وليس بها الا الرقيم مجاوراً
وصيدهم ' والقوم في الکهف همد

اس سے معلوم هوتا هے که اسلام سے پہلے عرب جاهليت کے لوگ " الرقيم " سے واقف تهے ' اور اصحاب کهف کے قصه کي بهي شهرت تهي - البته تمام پرانے واقعات کي طرح يه واقعه بهي بهت کچهه محرف هوگيا تها ' اور طرح طرح کي کهانياں مشهور هوگئي تهيں - قران حکيم نے اصلي واقعه آشکارا کرديا -

(۶) بلاشبه اغلب يهي هے که " الرقيم " سے مقصود يهي شهر هو - الرقيم عرب ميں يا عرب سے بالکل متصل واقع تها - قرب کي وجه سے وهاں کے حالات قدرتي طور پر اهل عرب کے علم ميں آتے رهتے تهے - اگر عام مفسرين اور مورخين کا يه خيال تسليم کرليا جائے ' که اس واقعه کا تعلق ايشيائے کوچک کے رومي شهر ايفي سس (افسوس) سے تها ' تو قدرتي طور پر يه اعتراض وارد هوتا هے که عرب جاهليت ميں ايک رومي شهر کا واقعه جو يوناني زبان ميں لکها گيا تها ' کيونکر مشهور هوگيا ؟

(۷) مفسرين ميں بهي ايک جماعت اسي طرف گئي هے - چنانچه امام ابن جرير اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کيے هيں -

(۸) مضمون ميں ايک پهاڑي چشمه کا ذکر هے جسکي نسبت عربوں ميں مشهور هے که حضرت موسى عليه السلام والا چشمه هے - يه شهرت بے اصل نهيں معلوم هوتي -

حضرت موسى عليه السلام جب بنو اسرائيل کے قبائل ساتهه ليکر مصر سے نکلے ' تو فلسطين تک پهنچتے پهنچتے دو واقعات پهاڑي چشموں کے بهنے کے پيش آئے - پهلا واقعه وادي سينا ميں پيش آيا تها ' جس کا ذکر سفر خروج کي فصل ۱۷ - ميں هے - دوسرا واقعه وه هے جو ادوميوں کے ملک کے قريب ايک ايسے موقعه پر پيش آيا تها جهاں سے " جبل هور " قريب تها - اِس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰ - ميں هے - يقيناً يه دوسرا واقعه شهر رقيم هي سے تعلق رکهتا هے ' اور اسي ليئے اسکا نام وادي موسي مشهور هوگيا هے -

(۹) تورات ميں جس پهاڑ کا ذکر " جبل هور " کے نام سے کيا گيا هے (جو عبراني لفظ هے) وهي آج کل " جبل حور " کے نام سے عربوں ميں مشهور هوگيا هے - يه خيال که يهاں حضرت هارون عليه السلام دفن هوے تهے ' غلط نهيں هے - تورات سے پوري طرح اِس کي تصديق هوتي هے - سفر اعداد اصحاح ۲۰ - ميں حضرت هارون کي وفات کا ذکر موجود هے - اُس سے معلوم هوتا هے که ٹهيک اسي جغرافيائي محل ميں ' جبل هور کي بلنديوں پر ' حضرت هارون نے وفات پائي تهي - اسلامي عهد ميں بهي يه مقام اس حيثيت سے مشهور تها - چنانچه غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانه ميں وهاں ايک مسجد تعمير کي گئي تهي - مسجد اسوقت تک موجود هے -

اب مين مرد هون !

ايک عورت کے خيالات مرد هو جانے کے بعد !

إتلي ميں رينا ڈيگرا زيانا نامي ايک اٹهاره سال کي دوشيزه لڑکي تهي - اچانک اُس کے اعضاء ميں تبديلي شروع هوئي - اب وه پورے معني ميں مرد هوگئي هے - چنانچه ڈاکٹروں نے اُسے مرد هونے کي سند ديدي هے !

پچهلے دنوں ريوٹر ايجنسي نے يه خبر تمام دنيا ميں مشتهر کردي تهي - اب اسکي مزيد تفصيلات إنگلستان کے اخبارات ميں آ گئي هيں :

يه حيرت انگيز واقعه گزشته ماه اگست ميں پيش آيا - اِس سابق دوشيزه اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات ميں ايک مضمون شايع کيا هے - إس مضمون ميں وه مرد هو جانے کے بعد اپنے تاثرات بيان کرتا هے - چونکه وه ابتک اپنے جذبات ميں نسوانيت کا تاثر ظاهر کرتا هے ' اسليے بهتر هے که هم بهي اُس کا ذکر ضمير مونث کے ساتهه کريں - وه لکهتي هے :

" بچپن هي سے ميرے دل ميں يه تمنا موجود تهي که کاش ميں مرد هوتي ' تاکه مردوں کي سي آزاد زندگي بسر کر سکتي - ليکن اب جبکه قدرت نے ميرے لڑکپن کي يه طفلانه آرزو پوري کر کے دنيا کا سب سے بڑا عجيب واقعه دکها ديا هے ' ميري خواهش بالکل برعکس هوگئي هے - کاش ميں دوباره عورت هو جاتي !

مسلسل تين هفتے اطباء کي ايک بڑي مجلس ' ميرا طبي معائنه کرتي رهي - بالآخر متفقه طور پر اُس نے فيصله صادر کر ديا که ميں عورت نهيں رهي - مرد هوگئي هوں - ناظرين اندازه کر سکتے هيں که يه عجيب فتوی سن کر ميري حيرت کا کيا حال هوا هوگا ؟ ميں مبهوت هوکر ره گئي - پهر ميں پهوٹ پهوٹ کر رونے لگي - ميں نے اپنا منهه دونوں هاتهوں سے چهپا ليا - ميري هچکي بنده گئي -

کے بالائی حصہ پر پہنچنا اور اُس ایوان میں داخل ہوتا جس میں بادشاہ' ولی عہد' اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوتے تھے - شاہی استقبال کے بعد سفیر اپنی تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا - پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کرکے پیش کرتا - استقبال کا یہ جلسہ بہت دیر تک رہتا تھا - پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتی تھی - بعض سفیر اِس قدر بھڑکیلی اور بھاری وردیاں پہنے ہوتے تھے کہ اُنکے بوجھہ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے - مجبور ہوتے تھے کہ دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جاکر اپنا لباس بدل آئیں - دعوت کے بعد سفیر پھر اپنی سرکاری وردی پہن لیتا اور ولی عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا - یہ ملاقتیں بھی اتنی لمبی ہوتی تھیں کہ سفیر تھک جاتا تھا' اور کھانے کے کمرے میں دوبارہ جاکر کچھہ کھا پی لیتا تھا -

لیکن اب یہ طریقے موقوف ہوگئے ہیں - آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے - سفیر اور اُس کا عملہ سرکاری وردیاں پہنے اُس کا استقبال کرتے ہیں - چند منٹ بعد سرکاری گاڑیاں اور باڈی گارڈ پہنچ جاتا ہے' اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کی ملاقات کے لیے محل کو روانہ ہو جاتا ہے - سفیر کے پہنچنے پر جنگی موسیقی کے ذریعہ اُسے سلامی دی جاتی ہے - جس ملک کا سفیر ہوتا ہے' پہلے اُسی ملک کا گانا گایا جاتا ہے - پھر قومی گیت بجایا جاتا ہے - موسیقی سے فارغ ہوکر سفیر اور اُس کے ساتھی گاڑیوں سے اترتے ہیں - زینوں سیڑھی پر دو موجی افسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اُس کے همراهیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں -

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں' دوسری طرف سفیر اور اُس کے ساتھی - دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں - حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کرکے اُس کا تعارف کراتا ہے - پھر سفیر اپنے سندات پیش کرتا اور لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سناتا ہے - صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابی تقریر کرتا ہے - پھر رسمی گفتگو ہوتی ہے - طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصافحہ پر تقریب ختم ہوجاتی ہے -

❋❋❋

علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

عقل انسانی کس حد تک ترقی کرتی چلی جائیگی ؟ مادی علم کی تگ و دو کہاں پر جاکے رکے گی ؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں ؟

علم کی موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھکر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہوجاتا ہے - لیکن جواب بہت مشکل ہے - اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم' کائنات فطرت کے جملہ مادی و روحانی راز معلوم کرلینا چاہتا ہے - اگرچہ وہ اِس وقت تک صرف چند گوشوں ھی پر سے پردہ اُٹھا سکا ہے - فی الحال علماء کے سامنے اہم ترین مسائل حسب ذیل ہیں :

(۱) شباب کی تجدید
(۲) زندگی کی زیادہ سے زیادہ تطویل
(۳) حسب مرضی نسل کی تولید
(۴) زندگی کی تخلیق
(۵) موت کے بعد زندگی کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے' کچھہ نئے نہیں ہیں - قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں - زمانہ پہلے دنیا اِن مسائل کے اشتغال کو جنون سمجھتی تھی اور اُن پر ہنستی تھی - لیکن اب نہ کوئی ہنستا ہے' نہ جنون سمجھتا ہے - بلکہ سب حیرت کے ساتھہ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمی انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں - کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائی ہیں -

ڈاکٹر وورو نوف نے اب بکثرت عملی تجارب سے ثابت کردیا ہے کہ شباب کی کامل تجدید' وہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا' بلکہ واقعہ و مشاہدہ ہے - اِس ڈاکٹر نے ازکار رفتہ بوڑھوں کو بالکل جوان بنا دیا ہے - وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معنوں میں جوان ہوگئے ہیں -

حال ہی میں یہ علمی انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایک مرے ہوئے کچھوے کا دل اطباء نے کاٹ لیا اور نمک پوٹاس' اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا - چند ہی لمحے بعد' دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہوگئے - وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا - کئی گھنٹے تک زندہ رہا - حالانکہ کچھوا دیر سے مرا پڑا تھا !

قلب کو زندہ کردینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے - اس قسم کے بے شمار تجربے ہوچکے ہیں - یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

سفیرون کا استقبال

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمني میں شایع هوي هے : " ازمنۂ وسطی کے شاهي مراسم " اسکے بعض حصوں کا ترجمه مصري معاصر المقتطف نے شائع کیا هے - ذیل کا تکرہ اُسي سے ماخوذ هے :

قدیم زمانه میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑي شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے - بادشا اِس بارے میں بہت زیادہ اهتمام کا اظہار کرتے تھے - موجودہ زمانه میں اگرچه وہ پراني شان و شوکت باقي نہیں رهي ' تاهم سفراء کي ملاقات و اِستقبال کے معین اصول و قواعد موجود هیں ' جن کي پابندي ضروري سمجھي جاتي هے - اِن اصول و قواعد کو بین الاقوامي زبان میں " پروٹوکول " کے نام سے موسوم کیا جاتا هے -

(عربي سفرا)

عربي عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولي اهمیت حاصل تھي - موجودہ زمانه کي طرح اُس وقت بھي سفیر دو قسم کے هوتے تھے : عارضي اور دائمي - عارضي سفیروں کا کام کسي خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئي خاص مهم انجام دینا هوتا تھا - دائمي سفیروں کو دوسري سلطنتوں میں همیشه حاضر رهنا پڑتا تھا -

صاحب نہایة الارب کي تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یه شرطیں قرار دي تھیں : " خوبصورت هو - اُس کا نام خوشگوار هو - متدین اور پارسا هو - مخلص ' امین ' اور نیک طینت هو - حاضر جواب هو - معامله فہم هو - خوشامد کا عادي نه هو - رشوت قبول نه کرے - ڈرپوک نه هو ... "

عرب خلفاء بیروني سفیروں کي بڑي خاطر مدارات کرتے تھے - فاطمي عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت هي شاندار محل مخصوص تھا ' اور خلفاء کا حکم تھا که اُن کي زیادہ سے زیادہ عزت کي جائے -

استقبال کا طریقه یه تھا که اگر سفیر سپه سالار کي قسم سے هوتا ' تو آس کے پہنچتے هي خلیفه ملاقات کرتا اور پیغام سنتا تھا ... اگر فوجي آدمي نه هوتا ' تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانه میں رکھا جاتا تھا - اِس اثنا میں کوئي شخص بھي اُس سے نہیں مل سکتا تھا - جوتھے دن خلیفه کا دربار آراسته کیا جاتا - جنگي افسر رعب و داب سے صفیں باندہ کر کھڑے هو جاتے - بادشاہ اپني پوري شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوہ گر هوتا - ارکان حکومت اپنے اپنے رتبه کے مطابق بیٹھتے - جب سب انتظام مکمل هو جاتا ' تو صاحب اعظم سفیر کو لیے دربار میں داخل هوتا - جوں هي خلیفه کا چہرہ دکھائي دیتا ' سفیر فرش زمین کو بوسه دیتا - پھر ادب کے ساتھ آهسته آهسته وسط دربار میں پہنچتا ' اور وهاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا ' جہاں خلیفه سے هم کلامي کرسکتا تھا - اُس مقام پر پہنچکر سفیر کھڑا رهتا - اس کے گرد شاهي حاجب اور مترجم دست بسته کھڑے هوتے - خلیفه جب گفتگو کي اجازت دیتا ' تو سفیر مجرا ادا کرکے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا - خلیفه اُس بادشاہ کے درجه کے مطابق سلام کا جواب دیتا - پھر سفیر اپني جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپني آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفه کے حضور پیش کردیتا - اگر خلیفه کو اُس بادشاہ کي عزت افزائي منظور هوتي ' تو کھڑے هو کر اُس کا خط اُٹھاتا تھا - پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا - تھوڑي دیر معمولي سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کي اجازت ملتي - وہ آداب بجا لاکر اپني جگه بیٹھ جاتا - دربار کے بعد سفیر مہمان خانه بھیج دیا جاتا تھا - نجي ملاقاتیں بعد میں هوتي تھیں -

(فرانس کے شاهي رسوم)

فرانس میں جب شاهي قائم تھي ' تو سفیروں سے ملاقات کا طریقه یه تھا که پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا - وزیر اُسے بتاتا تھا که بادشاہ کس دن ملاقات کریگا - ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاهي گاڑیاں سفیر کي قیام گاہ پر پہنچتي تھیں ' اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کي مہماني کے خاص محل میں لیجاتي تھیں - یہاں وہ بادشاہ کا مہمان هوتا تھا - یه محل نہایت آراسته هوتا تھا اور مہمان کي تواضع میں غیر معمولي فیاضي سے کام لیا جاتا تھا - روزانه دعوتیں هوتي تھیں ' اور سفیر کے خوش کرنے کي پوري کوشش کي جاتي تھي -

سفیر جتنے زیادہ دور ملک کا هوتا تھا ' اُتني هي زیادہ اُس کي خاطر مدارات کي جاتي تھي - مورخین کا بیان هے که ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانه ۵۰۰ اشرفي خرچ کرتا تھا - سنه ۱۶۹۹ء میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا ' تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ ' اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گیے - شہر بریست سے پایۂ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف هوے تھے - یعني کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیه خرچ کیے گیے تھے !

اُس زمانه میں دستور تھا که سفیر کے دستر خوان کے تماشه کیلیے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے - اُنکي موجودگي میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا - بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا - یہاں کچھه دیر ٹھہرنے کے بعد شاهي سواریاں اُسے لینے آتي تھیں ' اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلیے پیرس کي سڑکوں پر تماشائیوں کا هجوم هو جاتا تھا -

ورسلز کے شاهي محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے - محل کے پھاٹک اور بیروني میدان میں سفیر کو صف بسته فوجیں نظر آتي تھیں - اِنسے گزر کر وہ سیڑھیوں پر چڑھتا هوا محل

اُس وقت سردي نا قابل برداشت هوگي - سردي کا تعلق سورج سے زیادہ هواؤں سے هوجائے گا - جب قطبي هوائیں چلینگي تو سردي بڑہ جائیگي - جب خط استوا کي هوائیں چلینگي تو گرمي هو جایگي -

ظاهر ہے کہ فضا کي حرارت هي آبي بخار پیدا کرتي ہے - یہ بخار پاني برساتا ہے اور انسان پینے کے لیے پاني پاتا ہے - لیکن جب سورج کي حرارت کم هوجائیگي ' تو بخار بننا بهي موقوف هو جائیگا - یعني بارش بهي نہیں هوگي - جتنا پاني پہلے کا جمع هوگا ' وہ بهي بگڑ جائے گا ' اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا هو جائینگے -

غرضکہ اُس وقت زمین پر زندہ رهنا مشکل هوجائے گا - یہانتک کہ جب سورج کي آخري شعاعیں بهي ختم هوجائینگي تو زندگي بالکل ختم هوجائیگي -

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ)

ڈاکٹر منڈلسن جرمني کا مشہور محقق ہے اور برلن کي یونیورسٹي میں قلبي امراض کا اُستاذ ہے - اِس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے -

وہ کہتا ہے کہ قلب ' زندگي بر قرار رکھنے کا اصلي آلہ نہیں ہے بلکہ دوسرے درجہ کي چیز ہے - زندگي کي اصلي بنیاد ' قلب پر نہیں ' بلکہ جسم کي اُن خلایا پر ہے جو خون جذب کرتي هیں - اِس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے کمزور دل کے آدمي مدتوں تک زندہ رهتے هیں - حالانکہ اُن کا قلب ' جسم کے مختلف اجزاء میں پوري طرح خون پہنچا نہیں سکتا - نیز ایک ثبوت یہ بهي ہے کہ بہت سے آدمي قلب کي حرکت بند هوتے هي ' مردہ سمجھہ کر دفن کردیے جاتے هیں ' حالانکہ وہ دراصل زندہ هوتے هیں - ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رهتے هیں - اگر قلب هي پر زندگي کا مدار هوتا' تو اُس کي حرکت بند هونے کے بعد هي زندگي بهي ختم هوجاتي ' حالانکہ ایسا نہیں هوتا -

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹرین اخباروں نے یہ عجب خبر شایع کي ہے کہ ابواني نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ - برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا هوا - یہ بندر سے بہت مشابہ تها - والدین نے اُس کا نام الکزنڈر رکھا - لیکن جوں جوں اُس کي عمر بڑهتي گئي ' بندر سے مشابہت بهي بڑهتي گئي - حتی کہ اب جوان هونے پر وہ بالکل بندر هوگیا ہے - صرف صورت و شکل هي میں نہیں ' حرکات و سکنات و طبیعت میں بهي بندر ہے - وہ آدمیوں کي طرح رهنا پسند نہیں کرتا - بول بهي نہیں سکتا - بندر کي طرح چلاتا اور اچھلتا کودتا ہے - پچھلے دنوں اُس کے والدین نے اُسے ایک آهني قفس میں قید کردیا تها - کیونکہ آدمیوں کو تکلیف پہنچانے لگا تها - ایک دن اتفاق سے چھوٹ گیا اور سڑک پر پہنچ گیا - لوگ اُسے گوریلا سمجھہ کر ڈر گئے اور بهاگے - بڑي مشکل سے اُسے قید کیا گیا - اب ایک هنگرین عورت اُسے اپنے ساتهہ بوداپست لے گئي ہے - ڈاکٹر متعجب هیں کہ کیا رائے قائم کریں ؟ وہ آدمي نہیں ہے - مگر آدمي کے پیٹ سے بندر کیسے پیدا هوسکتا ہے ؟ یہاں قانون وراثت سے بهي کوئي بحث نہیں کي جاسکتي - کیونکہ ڈاروین کے متبعین بهي یہ نہیں کہتے کہ انسان بندر سے پیدا هوا ہے - بلکہ یہ کہتے هیں کہ بندر اور انسان ایک هي مورث اعلی کي اولاد هیں -

(کیا کهانے کي ضرورت باقي نہیں رہے گي ؟)

علماء کي رائے ہے کہ ویٹامین Vitamine هي دراصل هماري تمام غذا کا حقیقي جوهر ہے - اِسي پر زندگي کا دار و مدار ہے - ویٹامین کي بہت سي قسمیں قرار دي گئي هیں ' اور هر قسم کا حروف ابجد پر الگ الگ نام رکھدیا گیا ہے - بعض جرمن علمي رسائل کا بیان ہے کہ ایک جرمن کیمیائي کو ویٹامین (الف) کي ایجاد میں کامیابي حاصل هوگئي ہے -

سر الفرید مونڈ نے حال میں اِس جرمن عالم کي تحقیقات کا معاینہ کیا ' اور اپنے خیالات اِس بارے میں شائع کیے هیں - وہ لکھتا ہے :

" اگر اِس جرمن عالم کا دعوی صحیح ہے کہ اُس نے ویٹامین کیمیاوي طریق پر طیار کر لي ہے' تو اس کے معني یہ هیں کہ هم عنقریب جملہ میوؤں ' سبزیوں ' ترکاریوں ' اور مچھلي کے تیل وغیرہ غذاؤں سے مستغني هو جائینگے - هماري اقتصادي زندگي میں عظیم انقلاب هو جائیگا - کوئي ملک اپني غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نہیں رہے گا - انسان کي غذا ' ویٹامین کي ٹکیاں هونگي' اور بہتر سے بہتر خوراک کا کام دینگي -

" اتنا هي نہیں بلکہ پورے عالم تمدن پر اِس کا اثر پڑے گا - جسم انساني کي موجودہ ترکیب میں بهي تبدیلي هو جائیگي - اِس جدید غذا کے لیے معدے کي ضرورت باقي نہیں رهیگي - ایک زمانہ ایسا آجائیگا جب انسان کے جسم سے معدہ بالکل غائب هو جائیگا "

اطلاع

مولانا ابو الکلام کي علالت

۲۴ ستمبر سے مولانا ابو الکلام کي طبیعت برابر علیل ہے - پہلے بیري بیري مرض کے اشتداد سے دوران سر کي تکلیف شروع هوئي - پهر سرخ بخار (ڈینگو فیور) لاحق هوگیا - جس کي آج کل کلکتہ میں عام شکایت ہے - اب اگرچہ بخار اُتر چکا ہے ' مگر اُس کي وجہ سے بیحد طبیعت کمزور هوگئي ہے - یہي وجہ ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹي کے جلسوں میں بهي وہ حصہ نہ لے سکے ' بجز ورکنیگ کمیٹي کے جلسوں کے جو اُن کي علالت کے خیال سے اُنهي کے مکان میں منعقد هورهي هیں -

جن حضرات کے خطوط اس دو هفتہ کے اندر ان کے نام آچکے هیں ' وہ جواب نہ ملنے کي وجہ سے پریشان خاطر هونگے - براہ عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکہ مولانا کي طبیعت بحال هوجائے ' اور وہ بہ اطمینان خطوط کا جواب لکھوا سکیں -

منیجر

طاري ہونے کے بعد سینہ چیر ڈالتے ہیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملنا شروع کردیتے ہیں - تھوڑي دیر میں دوران خون شروع ہوجاتا ہے - دل ہلنے لگتا ہے ' اور دل کي حرکت کے ساتھہ ہي تمام جسم میں زندگي واپس آجاتي ہے - حال ہي کا واقعہ ہے کہ لندن کے شفاخانۂ سینٹ تھامس میں ایک عورت مسز اڈیلڈ ایک خطرناک عمل جراحي میں فوت ہوگئي - ڈاکٹر نے فوراً اُس کا سینہ چاک کر ڈالا اور دل کي مالش شروع کردي - پندرہ منٹ بعد عورت بالکل زندہ ہوگئي تھي - البتہ وہ بیہوش رہي ' اور تیس گھنٹے بعد ضعف قلب کي وجہ سے پھر مر گئي -

اِس سے بھي زیادہ عجیب تجربہ علماء نے یہ کر دکھایا ہے کہ جانداروں نے سر کاٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے ہیں اور وہ زندہ رہے ہیں ! چنانچہ پچھلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر کے سامنے ایک ڈاکٹر نے بہت سے جھینگروں کے سر کاٹ دیے - پھر ایک کا سر دوسرے میں جوڑ دیا - حاضرین یہ دیکھہ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ چند لمحے بعد تمام جھینگر اپنے نئے سروں کے ساتھہ کودنے لگے تھے ! تجربہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ کچھہ مدت بعد جھینگروں میں جنسي تبدیلي بھي ظاہر ہوئي - یعنے جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تھے ' وہ مادہ ہوگئے ' اور نر سر والے نر بن گئے !

یہ شعبدہ نہ تھا - ایک علمي تجربہ تھا - علماء کي نظر میں اِس تجربے کي بہت اہمیت ہے - کیونکہ اُن کے خیال میں یہ تجربہ حسب مرضي نسل پیدا کرنے کا دروازہ کھول دے گا - انسان اپني پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا -

اِسي سلسلہ میں یہ علمي تحقیق بھي قابل ذکر ہے کہ علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر مچھر کي پرورش سرد مقام میں کي جائے اور غذا کم دي جائے ' تو اُس کي نسل عموماً نر پیدا ہوتي ہے - برخلاف اس کے گرم جگہ میں رکھنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ تر مادہ پیدا ہوتي ہے - اِس تجربے کي بنا پر انساني مردم شماري کي تحقیقات کي گئي ' تو معلوم ہوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں ' اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ ہو جاتي ہیں -

آج کل علم وراثت کے ماہر نہایت کوشش کررہے ہیں کہ مادي و دماغي ' ہر اعتبار سے انسان کي آئندہ نسلیں زیادہ ترقي یافتہ پیدا کریں - ڈاکٹر شٹناخ اور وورو نوف وغیرہ علماء کي کوششوں سے یہ امید پیدا ہوگئي ہے کہ اِس مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائینگے - اِن ڈاکٹروں کا دعوی ہے کہ اِس صدي کے ختم ہونے سے پہلے ہي انساني عمر کا اوسط ' سو برس ہوجائیگا - اور پھر بہت جلد یہ صورت پیدا ہوجائیگي کہ انسان ڈیڑہ سو بلکہ دو سو برس تک کي عمر حاصل کر سکے گا -

لیکن اِن تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف ہے کہ وہ ابھي تک اپنے عہد طفولیت ہي میں ہے ' اور قدرت الہي انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاہتي ہے ' ابھي اُس کا سوواں حصہ بھي انسان نے حاصل نہیں کیا ہے !

(جب سورج بجھہ جائیگا ؟)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصلہ ہے کہ سورج کا حجم کم ہو رہا ہے ' کیونکہ اُس کي حرارت میں لگاتار کمي واقع ہورہي ہے - ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اُس کي حرارت بالکل ختم ہوجائیگي - وہ بجھہ جائیگا - بالکل ٹھنڈا پڑجائیگا - اُس وقت ہمارا یہ کرۂ زمین اور نظام شمسي کے جملہ کواکب ' بالکل تاریک ہوجائینگے - غذائي مادے کم ہوکر بالکل ناپید ہوجائینگے - مہلک وبائیں پھیل جائینگي - انسان ' حیوان ' نباتات ' کوئي ذي روح ' بھي باقي نہیں رہیگا - کیونکہ زمین ' زندگي پیدا کرنے اور قائم رکھنے کي صلاحیت سے قطعي طور پر محروم ہو جائیگي !

علماء کے خیال میں یہ نتیجہ لازمي ہے - دنیا کي بربادي اِسي طور پر واقع ہوگي - لیکن یہ بربادي کب ہوگي ؟ کیا ہم یا ہماري قریبي نسلیں یہ ہولناک نتیجہ دیکھہ سکیں گي ؟

نہیں - علماء نے آفتاب کي حرارت اور روشني کا حساب لگا کر بتایا ہے کہ ابھي آفتاب میں اِتني قوت موجود ہے ' کہ وہ کم سے کم ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۱۰ سال تک نظام شمسي کو زندہ رکھہ سکتي ہے !

لیکن آفتاب اچانک نہیں بجھہ جائیگا - بتدریج بجھے گا - کیونکہ وہ بتدریج اپني قوت و حرارت کھو رہا ہے - اِس وقت آفتاب کي حرارت ' دھر نہیٹ کے مقیاس کے حساب سے دس ہزار درجہ ہے - علماء کا خیال ہے کہ جب یہ حرارت نو ہزار درجے پر آ جائے گي ' تو کرۂ ارضي کے خط استوا پر حرارت ' صفر کے نیچے گر جائیگي - ظاہر ہے کہ اِس صورت میں کوئي انسان بھي خط عرضي کے درجہ ۶۰ سے اوپر زندہ نہیں رہ سکے گا ' (بجز سکنڈناویا کے جہاں سمندر کا وہ دھارا موجود ہے جسے "خلیج کا دھارا" کہتے ہیں اور جو اِتني حرارت باقي رکھے گا کہ زندگي برقرار رہے) الا یہ کہ جنوب سے غذا مہیا کرنے کا اُس کے پاس سامان موجود ہو -

علماء کا خیال ہے کہ جب آفتاب کي حرارت نو ہزار درجے پر آجائیگي ' تو تمام انسان سمٹ کر خط استواء کے گرد جمع ہو جائینگے -

اُنھیں سب سے بڑي فکر غذا حاصل کرنے کي ہوگي - اُس وقت سخت جنگیں برپا ہونگي - کیونکہ آدمي زیادہ ہونگے ' اور غذا کم ہوگي - طاقتور ' کمزوروں کو ہلاک کر ڈالینگے - تنازع للبقاء اور بقاء اصلح کا قانون پوري بے دردي سے نافذ رہے گا - طاقتوروں کو بھي اطمینان نصیب نہ ہوگا - کیونکہ سورج برابر ٹھنڈا ہوتا رہے گا - غذا کم ہوتي جائیگي ' اور زندگي کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاري رہے گي !

حرارت کے ساتھہ آفتاب کي روشني بھي لازمي طور کم ہوتي جائے گي - بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد ہوجائے گا - ابر کا رنگ بھي زرد ہو جائے گا - آفتاب کي شعاعیں حسب ذیل ترتیب سے زائل ہو جائینگي :

(۱) ماوراء بنفشي شعاعیں
(۲) بنفشي شعاعیں
(۳) نیلي شعاعیں
(۴) اودي شعاعیں
(۵) سبز شعاعیں
(۶) زرد شعاعیں
(۷) نارنجي شعاعیں
(۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بہت کم ہوجائے گا ' تو اُس کي شعاعیں سراسر سرخ ہوجائینگي - پہاڑوں پر جمي ہوئي تمام برف اُس وقت سرخ یا زرد دکھائي دے گي !

عالمِ مطبوعات و صحائف

رُوح

ساٹھ اطبّاءِ عصر کے مباحث

حال میں امریکہ کے ایک علمی رسالے نے دو سوال شائع کئے تھے:
(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہو؟
(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہو کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہو؟

۶۰ مشہور طبیبوں نے اِن دونوں سوالوں کے جوابات دئیے ہیں سبنے بالاتفاق تقریبًا ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہو۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہو:

ڈاکٹر فرانک والک نے دعویٰ کیا ہو کہ بعض مرنے والوں میں اُسنے ایسی علامتیں دیکھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقاء کا ثبوت ملتا ہو۔ لیکن رسالے نے وہ علامتیں شایع نہیں کیں۔ البتہ اتنا لکھا ہو کہ بعض علامتیں، مادّی ہیں، بعض اثیری (یعنی ایتھر کی قسم کی)

ڈاکٹر ہنٹ اور اُنکے رفقاءِ علم کا فیصلہ ہو

"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقاء پر موجود نہیں۔ روح کے بقاء کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ، نفسِ انسانی کی اِس آرزو کا مظہر ہو کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہو اور فنا ہو جانے سے ڈرتا ہو۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے گفتگو کرنی چاہئیے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اُس کا کوئی ثبوت موجود نہیں"

ڈاکٹر ہنٹ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہو

"لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں روح کے وجود یا اُسکے بقاء کا منکر ہوں۔ بلکہ میں اِن سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں مگر میرا یہ ایمان، علمی حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہو، بلکہ سراسر ضمیر و وجدان کے رجحان پر قائم ہو"

ڈاکٹر کین لکھتا ہو

"اگر ہم موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم ناپیں یا تولیں، تو دونوں حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے تاہم یہ واقعہ ہو کہ موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کم ضرور ہو جاتی ہو اِس کمی کو ہم روح کا نکل جانا کہتے ہیں۔ کسی انسان نے کبھی روح نکلتے نہیں دیکھی، مگر کسی کو کبھی اُس کے نکلنے میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ درحقیقت روح، اِس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ طلسم ہو۔ علم اُس کے ثابت کرنے سے قطعًا عاجز ہو، لیکن دین اُسے ثابت کرتا ہو بلکہ اُسی پر اپنی تعلیم کی بنیاد رکھتا ہو۔ یہ واقعہ ہو کہ ہر وہ چیز جو ہمارے حواس کے دائرے میں آتی ہو، فانی ہو۔ روح، ہمارے حواس سے پرے ہو۔ اس لئے ہم اُس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ روسی مفکر سپنسر کا یہ قول مجھے از حد پسند ہو کہ ایک بار اُسنے کہا تھا "اگر میں گمراہ ہوں تو بھی افلاطون کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اس کے کہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقاءِ روح کے منکر ہیں" صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالمِ غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر اُن کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اِس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اُس کی زندگی بھر دیتا ہو۔ موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہو۔ البتہ اُس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہو۔ اگر نظریۂ نشو و ارتقاء، علم ہیئت، اور دوسرے فاسق علوم و فنون پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اُس کے بقاء پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر اُن کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم اُنھیں تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے؟"

ایک اور مضمون نگار جسنے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، لکھتا ہو:

"موت کے بعد روح کے بقاء کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہو۔ اُس میں بحث کی گنجائش موجود ہو، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اِس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرتا۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہو۔ ہماری عقل یہ تصوّر نہیں کرسکتی کہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے اب تک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر رچرڈ کاپٹ نے لکھا ہو:

"میں بقاءِ روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اِس لئے نہیں کہ علمی دلائل اُسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اِس لئے کہ میرا وجدان مجھے اِس یقین پر مجبور کرتا ہو۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہو۔ اگر علم بقاءِ روح ثابت نہیں کرسکتا، تو یہ بھی واقعہ ہو کہ وہ اُسے باطل بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ بہرحال میں بقاءِ روح کا قائل ہوں میرا پختہ ایمان ہو کہ موت کے بعد ہم دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں"

ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالے نے امریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہو) کہا ہو:

"جن قرائن کی بنا پر بقاءِ روح ثابت کی جاتی ہو، وہ ہر اعتبار سے لائق غور ہیں۔ میرے ذہن میں ڈارون کا یہ قول برابر موجود رہتا ہو "عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرسکتی کہ یہ کائنات محض اتفاق سے ظاہر ہو پڑی ہو۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہو، ناممکن ہو کہ اُس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے عوام "اتفاق" کہتے ہیں" نظریۂ نشو و ارتقاء، جو جملہ زندہ کائنات پر منطبق ہوتا ہو، صاف ظاہر کر رہا ہو کہ اِس مرئی و مادّی عالم سے پرے ایک ایسی غیر مرئی قوت موجود ہو جو ناموسِ طبیعت پر کامل سلطنت و نفوذ رکھتی ہو۔ وہی کائنات کی مالک ہو اور وہی اُسے انتہائی دانش مندی سے چلا رہی ہو۔ یہ غیر مرئی قوت، لازمی طور پر ازلی و ابدی ہی ہو سکتی ہو"

اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہو:

"طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہو کہ بقاءِ روح کا عقیدہ محض وہم و خیال نہیں ہو۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہو۔ انسان نے بلا سبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ درحقیقت یہ عقیدہ، قدرت کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہو۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کرسکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہو جاتا ہو۔ عقل انسانی کا یہ رجحان مادّی نہیں ہو۔ روحانی ہو۔ اور ہرگز باطل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہو"

ڈاکٹر ٹائز نڈ نے یوں اظہار رائے کیا ہو:

"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقاءِ روح کا نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہو، علم ہرگز اِس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر رہ جانا اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو"

ڈاکٹر کالورج لکھتا ہو:

"طویل تجربوں کے بعد بھی مجھے کوئی مادّی ثبوت، موت کے بعد بقاءِ روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ جب دماغ کا عمل رُک جاتا ہو تو عقل غائب ہو جاتی ہو۔ تاہم مجھے حق الیقین ہو کہ اِس مادّی عالم کے پرے ایک غیر مرئی لامتناہی عقل موجود ہو"

ڈاکٹر آگسٹ کائل کا خیال ہو:

"میں نے آجتک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہو۔ دراصل ہماری مادّی زندگی بہت ہی تھوڑی ہو۔ لیکن اُس کا امتیاز کمیت میں نہیں ہو کیفیت میں ہو۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اِس طرح ہونی چاہئیے کہ وہ علم اور دین کو علحدہ علحدہ رکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہونچایا ہو۔ انسانیت کو ہمیشہ دین کی ضرورت باقی رہیگی"

ڈاکٹر کولینڈ لکھتا ہو:

"میرے شخصی تجربے نے مجھے پورے طور پر مطمئن کر دیا ہو کہ ہماری زندگی کا تعلق ایک ایسی چیز سے قائم ہو جو کبھی فنا ہونے والا نہیں کاش میں اتنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کر سکتا۔ وہ چیز وہی ہو جسے "روح" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ میں اگرچہ اُسے ثابت نہیں کرسکتا مگر مجھے اُس پر کامل یقین ہو روح، مادّی و کیمیاوی قوانین کے تابع نہیں ہو، لہذا اُسے مادّیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ابھی علم نے اتنی ترقی نہیں کی کہ یہ طلسم کھول سکے"

ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ و یاد آوري کي مستحق ھے

امیر محمد بن عبد الکریم

جنکي نسبت یورپ کي تازہ ڈاک میں بعض نئي تفصیلات آئي ھیں - معلوم ھوا ھے کہ فرانس کے ایک دار اشاعت نے انسے ان
فرمایش کي تھي کہ وہ خود اپنے قلم سے اپني سوانح عمري قلمبند کردیں - شدنے نے یہ درخواست منظور کرلي اور
اب وہ بہ یک وقت فرانسیسي اور عربي ' دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رھے ھیں -

پیرس کي مسجد اور عربي چمنستان کا مصور نمونہ ' جسکي تکمیل کیلیے اس ھفتہ سلطان مصر نے ایک لاکھ فرانک دیا ھے

ناگزیر تھی۔ اب قانون کے بموجب عبدالحمید آفندی ولی عہد تھے جو نئے ہی تخت نشین ہو سکتے تھے۔ دستور اساسی کا جو مسودہ میں نے طیار کیا تھا، ولی عہد نے ملاحظہ کر لیا تھا اور اُس سے بالکل متفق تھا۔ اُسنے بڑے ہی جوش سے کہا تھا کہ سلطنت کی نجات صرف ایسے ہی نظام حکومت سے ممکن ہے۔ اُسنے پُورے یقین کے ساتھ اپنے اس عزم کا بھی یقین دلایا تھا کہ تخت نشین ہوتے ہی اُسکا اعلان کریگا۔ ہم مُدبّران سلطنت کی مسرت بے حساب تھی۔ ہم برسوں سے احیاء دولت کا جو خواب خرگوش دیکھ رہے تھے، اب اُس کی تعبیر ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے خیال کیا کہ یہ نوجوان شہزادہ سلطنت کو اُمت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ۱۱۔ شعبان ۱۲۹۳ھ کو عبدالحمید کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

سفراء دول کی مؤتمر

بلقان کا مسئلہ، درحقیقت روس کا اُٹھایا ہوا تھا لیکن جب ہماری فوجوں نے بلقانی باغیوں کے چھکے چھڑا دئے، تو روس نے چند نئے حیلے تراشنا شروع کئے، اور دول یورپ کو ایک مؤتمر منعقد کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ میں دول عظمیٰ کے سفیروں کا اجتماع ہوا اُنھوں نے پہلی تجویز یہ طے کی کہ بلغاریہ کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔

مدحت پاشا کی وزارت

ظاہر ہے، ہم اس قسم کی تجویزیں منظور نہیں کر سکتے تھے۔ ان تجویزوں کا مان لینا، بلقان سے ہاتھ دھونا تھا۔ مگر دول یورپ نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ رشدی پاشا وزیر اعظم بہت خائف تھے۔ اس صورت حال نے مجھے مجبور کر دیا کہ وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ میں حالات کی ابتری سے بخوبی واقف تھا۔ تاہم میں نے اصلاح کی کوشش شروع کر دی۔

ہماری مصیبت صرف یورپ ہی کی جانب سے نہ تھی بلکہ اس سے بھی بڑھکر مصیبت یہ تھی کہ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبدالعزیز کے مہلک اسراف نے ایک کوڑی باقی نہیں رکھی تھی۔ میں نے غیر معمولی محنت کر کے نئے بنک نوٹ جاری کر دئے۔

دستور اساسی کا اعلان

سلطان عبدالحمید نے تخت نشین ہوتے ہی دستور اساسی کا مسودہ ایک مجلس کے سپرد کر دیا تھا کہ اُس کی جانچ پڑتال کرے۔ مجلس نے اُسپر پوری بحث کی، اور منظور کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے بھی اُس پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اور ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُس کا اعلان ہو گیا۔ تمام مملکت نے اس اعلان کا پُرجوش استقبال کیا۔ پوری سلطنت میں جشن منایا جانے لگا۔

اس اثنا میں ہم نے دول یورپ کی مؤتمر کو صاف اور قطعی لفظوں میں اطلاع دیدی کہ ہم اُس کی کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرینگے۔ ہماری یہ جرأت نہایت خطرناک تھی۔ ہم نے گویا پُورے یورپ کو دعوت جنگ دے دی تھی۔ مگر ہم مجبور تھے۔ ہماری مجلس وزراء نے طے کر لیا تھا کہ خاموشی سے تباہ نہیں ہونگے۔ اگر مٹنا ہی ہے تو عزت کے ساتھ مٹیں گے۔ دُول یورپ ہمارا انکار سُن کر بہت برہم ہوئیں، اور اپنے اپنے سفراء واپس بلا لئے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمارے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے۔ مگر ہم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

دوسری طرف میں نے یہ کیا کہ بلقانی ریاستوں سے براہ راست گفت و شنید شروع کر دی۔ اُنھیں نرم گرم شرطوں پر صلح کے لئے راضی کر لیا۔ ساتھ ہی دستور اساسی کے اعلان کے بعد ہم نے پہلی عثمانی مجلس (پارلیمنٹ) کے لئے انتخابات شروع کر دئے۔

ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے، مگر چونکہ روس کی طرف سے اعلان جنگ کا قوی احتمال تھا اس لئے جنگی تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے۔ فوجوں کی ترتیب اور نقل و حرکت تمام مملکت میں شروع ہو گئی تھی۔

مدحت پاشا کی جلاوطنی

سلطنت ان داخلی اور خارجی مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اصلاح حال کی شب و روز کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک ایک دن قصر طولمہ باغچہ میں سلطان نے مجھے طلب کیا۔ جوں ہی میں پہونچا، مجھے قلمدان وزارت لے لیا گیا، اور کہا گیا کہ میں جہاز عزالدین میں فوراً سوار ہو جاؤں۔ کیونکہ میں سلطان کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا ہوں مجھے یورپ چلا جانا چاہئے!

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اس قدر محنت کی تھی کہ مجھے یقین ہے کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ میں نے لگاتار جدّ و جہد سے اب ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ سلطنت تمام خطروں سے صحیح و سالم نکل جاتی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آگیا۔ پہلے مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کر سکوں گا۔ مگر فوراً اس خیال سے دل و جگر مجروح ہو گیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہے، اور اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اور اصلاح کی تمام اُمیدیں ضائع ہو جائیں گی۔

میں نے اپنا قصور دریافت کیا۔ سعید پاشا، سلطان کے پاس گئے، اور واپس آکر کہا کہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۳ کی رُو سے سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ ہر اُس شخص کو جلاوطن کر دیں، جسے پولیس کا افسر اعلیٰ سلطنت کے لئے خطرناک ظاہر کرے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے دو سرکاری کاغذ بھی دکھلائے۔ ایک میں لکھا تھا کہ پولیس نے ایک فوجی افسر کو بازار میں کہتے سُنا: "مدحت پاشا عنقریب ترکی جمہوریت کا صدر منتخب ہوگا"

میں جلاوطنی کی اس وجہ پر اپنی بے اختیارانہ ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ سعید پاشا نے کہا: "سلطان معظم، سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب تمھیں واپس بلا لیا جائے گا"

میں نے کہا: "سلطان کے سلام کا شکریہ! اگر سلطان کو میرا پیغام پہونچا دو کہ اپنی واپسی پر میں ان محلوں میں سلطان کو نہیں پاؤں گا اور نہ سلطنت کی یہ عظمت و شان نظر آئے گی۔ اُسوقت میں تباہی روک نہ سکوں گا!" میں نے یہ کہا اور روانہ ہو گیا۔

میری ناگہانی جلاوطنی سے پایۂ تخت اور صوبوں میں سخت بےچینی پیدا ہوئی۔ لوگ ڈرے کہ اب دستور اساسی بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے ہی اُسے مرتب کیا تھا، اور سب سے زیادہ میں ہی اُسکا زور دے رہا تھا۔ یہ بےچینی دیکھ کر سلطان مجبور ہوئے کہ نئی نئی تہمتیں تراشی جائیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے اخبارات میں شائع کیا گیا کہ میرے کاغذات میں ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے میری خیانت ثابت ہوتی ہے اسی لئے سلطان نے مجھے معزول کر کے جلاوطن کر دیا ہے!

اُس وقت تک ترک اس قدر نیک دل تھے کہ سرکاری اقرار پر بھی یقین کر لیتے تھے، کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے اکثر لوگ میرے مخالف ہو گئے۔ مگر یورپ کے اخبارات حقیقت حال سے واقف تھے۔ اُنھوں نے صحیح خبر شائع کر دی کہ چونکہ مدحت پاشا نے سلطان کی غلامی منظور نہیں کی، اس لئے اُن پر عتاب شاہی نازل ہوا ہے۔ ترکوں نے یہ سُنا تو سلطان پر نہایت برہم ہوئے۔ اب قصر شاہی مجبور ہوا کہ میرے خلاف ایک پوری سازش طیار کرے۔ چنانچہ آستانہ کے اخبارات اور ساقط معزز لوگوں اور شاعروں کو رشوت دیکر آمادہ کیا گیا کہ مجھ پر حملہ شروع کر دیں۔ میں نے ترکی اخبارات دیکھے تو ہنسنے لگا۔ کل تک

یہ میرے تدبر و دیانت کے راگ گاتے تھے۔ آج مجھ کو شیطان قرار دینے لگے! اُسوقت بے اختیار میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "و اذا اراد اللّٰہ بقوم سوءاً فلا مرد لہ و ما لہم من دونہ من وال"

روس کا اعلان جنگ

میری جلاوطنی کی خبر پٹرزبرگ (دار الحکومت روس) پہنچی تو حکومت روس مسرت سے اُچھل پڑی۔ اب اُسنے باب عالی پر زور دینا شروع کیا کہ بلقان کے متعلق اُس کے مطالبات منظور کرلے۔ لیکن ترکی حکومت نے انکار کیا۔ اسپر روس نے اعلان جنگ کر دیا، اور دریائے ڈینیوب کی طرف سے روسی فوج حملہ آور ہو گئی۔

اب سخت پریشانی پیدا ہو گئی۔ ہمارا خزانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میرے جاری کئے ہوئے بنک نوٹ، سلطان نے بے پروائی سے خرچ کر ڈالے تھے۔ نئے نوٹوں کا شائع کرنا سر دست ناممکن تھا۔ اعلان جنگ نے سابق نوٹوں کی قیمت بھی کم کر دی تھی۔ حکومت کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رعایا سے زبردستی روپیہ وصول کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔

اس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناتجربہ کاری تھی۔ جنگ شروع ہوتے ہی سلطان نے مہدی پاشا اور ردیف پاشا کو معزول کر دیا۔ یہ دونوں سپہ سالار روسی سرحدوں سے واقف تھے اور اس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کر چکے تھے۔ ان کی معزولی نے میدان جنگ میں سخت ابتری پیدا کر دی۔ اُسوقت ہماری جنگی قوت کافی تھی۔ دو لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر مسلح موجود تھی۔ رضاکاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی بیجا مداخلت نے معاملہ خراب کر دیا۔ رضاکار فوجیں منتشر کر دی گئیں نظامی فوجوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔ اسپر بھی سلیمان پاشا اور عثمان پاشا نے دشمن کی یلغار روک دی، اور امید بندھی کہ یہ دونوں سپہ سالار سلطنت کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا۔ مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام میں سلطان کی ضد موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا کی فوجیں بھاگ نکلیں اور عثمان پاشا، پلونہ میں قید ہو گئے۔ پلونہ میں روس کی پوری قوت موجود تھی۔ خود زار روس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی اور اُس کی مظفر و منصور فوجیں سین اسٹفانو (مضافات قسطنطنیہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف سے انگریزی حکومت کا جنگی بیڑہ، باسفورس میں آ گیا اور قصر شاہی کے سامنے توپیں سیدھی کر کے کھڑا ہو گیا۔

میں اُسوقت یورپ میں اپنی جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ مجھے سلطنت کے معاملات میں مداخلت یا دُول یورپ سے گفت و شنید کا کوئی حق نہ تھا تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر بےچین ہو گیا اور میں نے جد و جہد شروع کر دی۔ لندن، پیرس، وائنا، برلن، تمام مراکز میں پھرا۔ اس سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سین اسٹفانو کا ذلیل معاہدہ منسوخ ہو گیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر بچ گئی۔ مجھے وزراء سلطنت اور خود سلطان کی غفلت پر از حد افسوس ہے۔ میں اُسوقت جبکہ روس پلونہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا، جرمنی کو آمادہ کر لیا تھا کہ روس پر حملہ آور ہو جائے۔ آسٹریا کے حملے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ روسی فوجوں پر واپسی کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سب کی سب یا تو قید ہو جاتیں، یا برباد ہو جاتیں۔ میں نے فوراً سلطان کو مفصل تار دیا۔ مگر بیس دن گزر گئے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اس اثنا میں روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی تھی!

میری خدمات کا اثر، سلطان پر پڑا۔ اُنھوں نے مجھے بے گناہ کو انتہائی "رحم و کرم" سے معاف کر دیا۔ وہ سُشو پڑا ہوا کا ذخیرہ

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

—(۲)—

سلطان کی معزولی

حسین عونی پاشا، رشدی پاشا، مدحت پاشا، اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام نے مل کر طے کیا کہ شہزادہ مراد آفندی کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے سلطان عبد العزیز کو کسی طرح اس معاملہ کی خبر پہنچ گئی اور انھوں نے عونی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عونی پاشا نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں افشاء راز کا حال معلوم ہوگیا تھا۔ چونکہ اب مزید تاخیر میں خطرہ تھا، اس لئے یہی طے پایا کہ فوراً تخت نشینی عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عونی پاشا نے اُسی رات اپنے شرکا کی مجلس منعقد کی، اور سلطان کی معزولی کے لئے بڑی تعداد میں فوج بھی جمع کر لی گئی۔

مدحت پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

"ہم نے مناسب سمجھا کہ ولی عہد مراد آفندی کی تخت نشینی کا اعلان، وزارت جنگ کی عمارت میں ہو۔ چنانچہ میں، رشدی پاشا اور شدی پاشا صبح تڑکے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے حسین پاشا، احمد پاشا، ردیف پاشا، حسن پاشا، طولمہ باغچہ (قصر شاہی) میں گئے تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔

"یہ تمام کارروائی پوری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے رفقاء کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن جب ہم وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے ورود کا انتظار کر رہے ہیں۔ آجتک مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات کس طرح مشہور ہوگئی؟"

"مجمع، از حد جوش و خروش میں تھا۔ بڑی بے چینی سے مراد آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک ولی عہد کی سواری نمودار ہوئی۔ حسین عونی پاشا اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی تخت نشینی کا اعلان ہوگیا۔ اُسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس عزل و تخت نشینی کی اطلاع بھیج دی گئی۔ دار الخلافہ میں جشن شروع ہوگیا۔ ہر طرف جھنڈے بلند ہوگئے۔ اجنبی جہازوں نے بھی اپنے علم اونچے کر دئے لیکن روسی سفارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور دو دن تک عالم تذبذب میں رہا۔

"روس کو محمود ندیم پاشا کی معزولی سے سخت رنج ہوا تھا۔ اب خود سلطان کی معزولی نے اُسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ ناروف نے ترکی وزارت خارجیہ کے نام تار بھیجا کہ "انھیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جراءت نے سلطان کو تاج و تخت سے محروم کر دیا ہے!"

"سلطان عبد العزیز معزول کر دئے گئے، لیکن اُن کی ذات اور عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ معزول سلاطین قید کر دئے جاتے تھے، ہم بھی سلطنت کے مصالح کے لئے ایسا کر سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جماعت بھی سلطان کی طرفدار نہیں ہے۔ لہذا انھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں ہوتا، اگرچہ وہ معزول بادشاہ ہی کیوں نہ ہو"

معزول ہونے کے بعد سلطان عبد العزیز نے سلطان مراد کو دست خاص سے مبارکباد کا خط لکھا، اور محل طوب قپوسے "فرعیہ" میں منتقل کر دئے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی اور معزول سلطان نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی تین سو بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہوگئے۔

عبد العزیز کی خودکشی

ہم ابھی نئے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبد العزیز نے اپنی نخوت و غرور کے جنون سے بے خود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ معزولی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن انھوں نے اپنے ایک ملازم سے قینچی طلب کی اور اپنے بازو کی رگیں کاٹ ڈالیں۔ اُن کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ تحقیقات بھی کرائی۔ تمام شاہی طبیبوں اور اجنبی سفارت خانوں کے ڈاکٹروں کو بلا کر معائنہ کرا لیا گیا۔ ان ڈاکٹروں کی تعداد ۱۹ کے قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی کی ہے۔

سلطان مراد کی بیماری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل میں آئی تھی۔ اتنا بڑا مجمع انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع از حد جوش و خروش میں تھا اور پوری قوت سے نعرے بلند کرتا تھا۔ نئے سلطان کے اعصاب پر اس منظر نے بہت بُرا اثر کیا، اور وہ عصبی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ اس واقعہ کے چھٹے دن جب انھوں نے معزول سلطان عبد العزیز کی خودکشی کا حال سُنا، تو مرض نے اور بھی زیادہ شدت اختیار کی۔ دوسرے ہی دن اُن میں جنون کی علامتیں ظاہر ہوگئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج کرتے رہے، لیکن ۲۵ دن کے بعد ایک روز سلطان، باغ کے حوض میں پھاند پڑے اور محل کے خدام کو اُن کے جنون کا حال معلوم ہوگیا۔ اب اخفا نا ممکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر حقیقت حال سے واقف ہوگیا تھا!

سلطان کی بیماری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ہم نے دستور اساسی طیار کر لیا تھا، مگر اسی بیماری کی وجہ سے اعلان ملتوی کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام معطل ہوگئے۔ حتی کہ سفراء دول کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ اگرچہ وزارت و حکومت موجود تھی، مگر قانون کے مطابق ہر حکم کے لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان اس قابل نہ تھے کہ معاملات سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورت حال نے ہمیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ ہم سلطنت کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک دن میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی اور وزراء سلطنت جمع تھے کہ ایک شخص حسن چرکسی نامی آیا۔ یہ فوج میں افسر تھا، اور سلطان عبد العزیز کے لڑکے شہزادہ یوسف عز الدین کا ایڈی کانگ رہ چکا تھا۔ اسنے وزیر جنگ سے ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوا حسین عونی پاشا پر پستول نکال کر حملہ کر دیا۔ حسین عونی کے سینہ پر گولی لگی اور اُن کا کام تمام ہوگیا۔ چونکہ ہمارے پاس ہتیار نہیں تھے، بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ مگر قیصرلی احمد پاشا وزیر بحر نے قاتل کو گرفتار کرنا چاہا۔ قاتل نے انھیں بھی سخت زخمی کیا۔ وہ بھاگے۔ اُسنے تعاقب کیا۔ میرا خادم احمد آغا اُس سے لپٹ گیا۔ مگر قاتل نے اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ وزراء کے محافظ سپاہی دوڑے مگر قاتل کی جیب میں ۵ پستول تھے۔ اُسنے ۵ آدمی اور قتل کر دئے۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اُس کے قریب جائے۔ قاتل اب ایک دوسرے کمرے میں گھسا، وہاں راشد پاشا بیہوش پڑے تھے۔ اُسنے انھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی تعداد میں مسلح پولیس کے سپاہی پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا۔ حسین عونی پاشا، فنون جنگ میں بے نظیر تھے۔ راشد پاشا، خارجی معاملات کے فہم میں مشہور تھے۔ ہمارے دشمن ان دونوں کی موت سے بہت خوش ہوئے۔

بلقان اور جزیرہ کریٹ کی شورشیں

ہم ان مصائب میں گرفتار تھے کہ مانٹی نگرو، سرویا، بلغاریا، اور کریٹ میں شورشیں برپا ہوگئیں۔ ہمارے عزم و استقلال کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ بایں ہمہ ہم نے بروقت کارروائیوں میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ہماری فوجوں نے غیر معمولی شجاعت و ہمت دکھائی، اور تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبد الحمید کی تخت نشینی

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے مجنون سلطان کی معزولی

(۵) مکہ، مدینہ، طائف، جدہ، ینبوع کے مابین سڑکیں بنائی جائیں۔
(۶) حرم کعبہ میں نیا اضافہ کیا جائے۔ اُس کے انتظام میں خرابیاں ہیں۔ اصلاح کی جائے۔
(۷) چاہ زمزم سے پانی نکالنے کا موجودہ طریقہ اچھا نہیں۔ اصول حفظان صحت کے خلاف ہے۔
(۸) نہر زبیدہ کی موجودہ صورت حال خراب ہے۔ جا بجا سے کھلی ہوئی ہے۔ قسم قسم کی گندگیاں اُس میں گرجاتی ہیں۔ لوگ کپڑے بھی اُس میں دھولیتے ہیں۔ حاجی اور باشندے یہی پانی پیتے ہیں اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔
(۹) نہر زبیدہ ناکافی ہے۔ جدید کنوئیں کھودنے چاہئیں۔
(۱۰) منیٰ، عرفات، اور مزدلفہ میں پانی اور سایہ کا انتظام نہیں ہے۔
یہ مجلس تفتیش و اصلاح کے مسودۂ اصلاحات کی چند سفارشیں ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے ان پر کہاں تک عمل ہوا ہے؟

تعلیم

نئے مدرسے جاری کئے جارہے ہیں۔ مدارس کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل بنایا جارہا ہے۔ مصر و شام سے لائق مدرس طلب کئے جارہے ہیں۔ صرف حجاز کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ بدوی قبائل میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدوی باشندے باضابطہ مدارس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ لہذا اُن کے لئے متعدد خاص معلم بلائے گئے ہیں جو خود بھی بدوی ہیں اور بدوی عادات و طبائع سے واقف ہیں۔ اب تک ۱۰ قبیلوں میں تعلیم کا انتظام کیا جاچکا ہے۔
مگر ظاہر ہے تعلیمی اصلاحات کا نتیجہ ایک مدت کے بعد ہی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تعلیمی لائحہ ایک فرمان کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور وہ بالاختصار یہ ہے:
دفعہ اول۔ کسی شخص کو حق نہیں کہ مجلس معارف کے لائحہ سے ہٹ کر بطور خود تعلیم دے۔
دفعہ دوم۔ جن علوم کی تعلیم دی جائے گی، وہ وہی ہونگے جنھیں مجلس معارف نے مقرر کردیا ہے۔
دفعہ سوم۔ حجاز کی تعلیم گاہیں، مجلس معارف کے ماتحت ہونگی۔
دفعہ چہارم۔ گھروں میں تعلیم نہیں دی جاسکے گی الایہ کہ مجلس معارف سے اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔
دفعہ پنجم۔ تعلیمی نصاب اور دستور العمل عنقریب مرتب کیا جائے گا۔ سلطان نے اس کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کا حکم دیدیا ہے۔
دفعہ ششم۔ تعلیمی لائحہ اور دستور العمل حسب ذیل اصول پر مبنی ہوگا۔
(۱) تعلیم کی غرض ایک ہو۔
(۲) حجاز میں تعلیمی بد نظمی دُور کردی جائے۔ تمام تعلیم ایک ہی نظام کے ماتحت رہے۔ ابتدائی تعلیم، بتدریج اجباری کردی جائے اور غریبوں کے لئے مفت ہو۔
(۳) حجاز میں تعلیم کے چار درجے قرار دئے جائیں: مکتبی، ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔
(۴) مسجد حرام میں جو تعلیم جاری ہے، اُس کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہو۔
(۵) مدرسوں کی قابلیت کے لئے معیار مقرر کردیا جائے۔
دفعہ ہفتم۔ مدارس اور تعلیم کی جانچ کے لئے مفتش مقرر کئے جائینگے وہ پوری تعلیم کی نگرانی کرینگے اور اپنی روداد یں مجلس معارف کے سامنے پیش کیا کرینگے۔

عدالتی نظام

عدالتوں کے لئے ایک نیا دستور العمل سلطان نے شائع کیا ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:
دفعہ اول: مکہ معظمہ میں حسب ذیل عدالتیں قائم ہوں:
(۱) عدالت خفیفہ۔ اس کا مرکز قلعۂ جیدیہ میں ہوگا۔ یہ اُن تمام دیوانی و فوجداری مقدمات کا فوراً فیصلہ کرے گی جن میں ۲۰ گنی سے کم کا دعویٰ پیش ہوگا۔ اور جن میں مجرم کے لئے سنگین سزا نہیں ہے۔ اس کے فیصلے کی اپیل نہیں ہوسکتی۔ الا یہ کہ ظواہر شرع کے صریح خلاف ہو۔
(۲) اسی قسم کی ایک اور عدالت بھی قائم ہوگی۔ یہ صرف بدوی قبائل کے مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔
(۳) شرعی عدالت عالیہ۔ یہ اُن تمام مقدموں پر غور کرے گی جو عدالت خفیفہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اس کے فیصلے اُس کے قاضیوں کے اتفاق آرا یا اکثریت سے صادر ہونگے۔
دفعہ دوم۔ جدہ اور مدینہ میں بھی اسی قسم کی تینوں عدالتیں قائم کی جائیں۔
دفعہ سوم۔ مکہ کی عدالتوں میں قاضیوں کی تعداد حسب ذیل ہوگی:
(۱) عدالتہائے خفیفہ میں ایک ایک قاضی۔
(۲) عدالت عالیہ میں تین۔
دفعہ چہارم۔ عدالتی نگرانی کے لئے ایک مجلس قائم ہو۔ اس کا فرض یہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً مقدمات کی رفتار اور فیصلوں کی جانچ کرتی رہے۔ اگر کبھی غلطی دیکھے، تو فوراً باز پرس کرے۔
دفعہ پنجم۔ یہ مجلس ایک صدر، ایک کاتب (سکرٹری) اور تین ارکان سے مرکب ہوگی۔ خود سلطان ان لوگوں کو منتخب کرینگے۔
دفعہ ششم۔ اس مجلس کے وظائف حسب ذیل ہونگے:
(۱) تمام حدود شرعیہ پر نظر رکھنی۔
(۲) مالی مقدمات پر نظر ثانی کرنی بشرطیکہ کوئی فریق اس کی درخواست کرے۔
(۳) کم عمر بچوں کے حقوق اور اوقاف کے اموال کی حفاظت۔
(۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔
(۵) اُن مسائل میں فتویٰ صادر کرنا جن کا تعلق شرعی عدالتوں سے نہیں ہے۔
(۶) اگر عدالتوں کے قاضی کسی معاملے میں مختلف ہوں اور فیصلہ نہ کرسکیں، تو اُنھیں مشورہ دینا۔
دفعہ ہفتم۔ فیصلہ کے صادر ہونے کے بعد اُس کے نفاذ میں ۵ دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔
دفعہ ہشتم۔ قاضیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ عدالت کے اوقات میں لوگوں سے نجی کی ملاقاتیں کریں۔
دفعہ نہم۔ اپیل کی انتہائی مدت بیس دن ہے۔
یہ عدالتی نظام نامے کے چند دفعات کا خلاصہ ہے۔ اس نظام نامے کے ساتھ ہی دو شاہی فرمان بھی شائع ہوئے ہیں۔ ایک میں مکہ معظمہ کی تینوں عدالتوں کے لئے قاضیوں (ججوں) کی تقرری منظور ہوئی دوسرے میں عدالتی نگرانی کی مجلس کے ارکان کے نام بتلائے گئے ہیں۔
عدالت عالیہ کے لئے تین قاضی مقرر ہوئے ہیں: شیخ محمد المرزوقی ابو حسین (صدر) بہجت البیطار (رکن) امین فودہ (رکن) باقی دونوں عدالتوں کے لئے بالترتیب شیخ محمد التویجری اور شیخ حسین عبد الغنی مقرر کئے گئے ہیں۔
عدالتی نگرانی والی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبد اللہ بن حسن	(صدر)
(۲) شیخ محمد المعلی الترکی	(کاتب)
(۳) شیخ علی المالکی	(رکن)
(۴) شیخ محمد الباقر	(")
(۵) شیخ سعید ابو الخیر	(")

مجلس امر بالمعروف

عدالتی نظام نامے کے ساتھ ایک فرمان میں مجلس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی دفعات حسب ذیل ہیں:
(۱) اس مجلس کا مرکز، مکہ میں ہوگا۔ شاخیں، جدہ، مدینہ، طائف ینبوع وغیرہ ملحقات میں ہونگی۔
(۲) ہر مقام کی مجلس میں حسب ضرورت ارکان کی تعداد رہے گی۔
(۳) ارکان کے لئے، لازمی شرط یہ ہے کہ شریعت کے عالم، خوش اخلاق اور خوش اطوار ہوں۔
(۴) ہر مجلس کے ماتحت، مسلح فوج ہوگی اور اُس کے احکام نافذ کرے گی۔
(۵) ہر ہفتہ دو مرتبہ یہ مجلسیں جمع ہونگی۔
(۶) ان مجلسوں کے فرائض حسب ذیل ہیں:
(۱) باشندوں کو اوقات نماز میں متنبہ کرنا اور بے نمازیوں کو خوش اسلوبی سے نماز کی طرف راغب کرنا۔
(۲) جن مقامات میں خلاف شرع کام ہونے کا شبہ ہو، اُن کی نگرانی۔
(۳) باشندوں کو نرمی کے ساتھ معاصی و منکرات کے ترک کی ترغیب دینا۔
(۴) شادی و غمی میں خلاف شرع رسموں میں باز رکھنا۔
(۵) عوام کو فحش کلامی سے روکنا۔
(۶) کمزوروں کی مدد، بیواؤں سے حسن سلوک، لاچاروں کی دست گیری۔
(۷) حیوانات پر رحم۔
(۸) یہ مجلسیں ہر اُس بات کا حکم دیں گی اور ہر اُس بات سے منع کریں گی جس پر امت کا اجماع ہے۔ مختلف فیہ امور میں عدالتی نگرانی والی مجلس سے رجوع کریں گی۔ کیونکہ امر بالمعروف، معروف میں ہے نہ کہ امور اجتہادیہ میں۔
تنبیہ۔ ان مجالس کے ماتحت فوجوں کو سختی سے ممانعت کیجاتی ہے کہ احکام کے نفاذ میں ہرگز تشدد سے کام نہ لیں۔
مکہ معظمہ کی مرکزی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبد الرحمن الشناق	(صدر)
(۲) " عمر فقیہ	(رکن)
(۳) " محمد لوز کبتی	(")
(۴) " محمد شیروانی	(")
(۵) " اسعد شفیع	(")
(۶) " عبد اللہ بن عمار	(")
(۷) " عبید اللہ بن طلق	(")
(۸) " سلیمان الصنیع	(")
(۹) " محمد الحضری	(")
(۱۰) " محمد عبد الرحمن النقل	(")

مجلۃ الاحکام الشرعیہ

عدالتی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح، جو سلطان ابن سعود کے پیش نظر ہے، وہ "مجلۂ احکام شرعیہ" ہے۔ آپکے قارئین سے مخفی نہیں کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ کی تفریق سے شریعت کے قیام میں کس قدر دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں۔ خصوصاً اُن ممالک میں جہاں چاروں مذاہب کے متبعین موجود ہیں۔ بلکہ خود ہر مذہب کی کتب میں اس قدر اختلاف ہے کہ شرعی عدالتوں کا کام نہایت دشوار ہوجاتا ہے۔ اب سے پہلے ٹرکی میں جب شرعی عدالتیں قائم

مقرر کیا۔ ایک ہزار پونڈ" انعام" دیا۔ ۵۰۰ پونڈ میرے بیوی بچوں کو رحمت کئے۔ اور مجھے اجازت دی کہ اپنے خاندان کے ساتھ جزیرۂ کریٹ میں رہوں۔ چنانچہ یکم شوال ۱۳۰۵ھ میں میرا خاندان کریٹ پہنچ گیا۔

شام کی گورنری

لیکن دو ہی مہینے بعد مجھ فرمان شاہی بلاکر تم شام کے گورنر مقرر کیے گئے۔ میں معاملہ کی تہ تک پہنچا ہوا تھا۔ دراصل سلطان مجھے پایۂ تخت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی۔ بڑھاپے کا عذر پیش کیا مگر مسموع نہ ہوا اور شام جانا پڑا۔ مجھے اس منصب سے خوشی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ مناصب کی طلب تھی۔ اب میں مناصب سے اُکتا سا گیا تھا اس لئے کہ شام میں میں اپنا جنون اصلاح پورا کر سکوں گا۔ میرا جنون، میری اصلاح پسندی ہے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

شام میں آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ مسلمان باشندوں میں تعلیم بالکل مفقود ہے۔ چنانچہ میں نے تعلیم کی اشاعت، تمام اصلاحات پر مقدم رکھی، اور سیکڑوں مدرسے جاری کر دئیے۔ میں نے ایک قانون بنایا کہ ۷ برس کی عمر کے بعد جو کوئی اپنے لڑکے کو مدرسے میں داخل نہیں کرے گا اُسے سزا دی جائے گی۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد تعلیم کی طرف باشندوں کو رغبت پیدا ہوگئی۔ اور ہزارہا بچے پڑھنے لکھنے لگے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے اس صوبے میں صرف گنتی کے چند مکتب قائم تھے اور اُن میں بھی صرف قرآن پڑھایا جاتا تھا۔

ازسرِ نو سازشوں کا ظہور

تعلیم کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ مگر اچانک دارالخلافہ میں میرے خلاف ازسرِ نو سازشوں کا ظہور ہوا۔ سلطان نے داماد محمود پاشا اور رشدی پاشا وغیرہ کو جلاوطن کر دیا جو سعی اصلاح میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود ندیم پاشا اور جودت پاشا کو اپنا مشیر بنا لیا جو اصلاح اور اصلاح پسند جماعت کے سخت دشمن تھے۔ پارلیمنٹ بند کر دی۔ دستورِ اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے متعلق، آستانہ کے اخبارات نے لکھنا شروع کیا کہ میں شام میں بغاوت کی طیاری کر رہا ہوں۔ عنقریب اپنی بادشاہی کا اعلان کر دوں گا۔ میں اس کی بھی پروا نہ کرتا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت پایۂ تخت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی پیری اور ضعیفی کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ بڑی حجتوں کے بعد سلطان نے اُسے منظور کیا۔ لیکن حکومت کی خدمت سے مجھے علٰحدہ ہونے نہیں دیا۔ شام سے سمرنا کی گورنری پر بھیج دیا۔

سمرنا میں اصلاحات و ترقی

اُسوقت صوبۂ سمرنا کی حالت نہایت زبوں تھی۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور بے امنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ازسرِ نو حکومت قائم کی۔ مدرسے جاری کئے۔ سڑکیں بنائیں۔ ٹرام جاری کی۔ مگر دارالخلافہ میں میرے خلاف برابر سازشیں جاری تھیں۔ محمود ندیم پاشا برسرِ اقتدار تھا اور روس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔

اب سلطان عبدالحمید بالکل کھُل کھیلنا چاہتے تھے۔ جن جن لوگوں سے اُنھیں مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا، سب کو پایۂ تخت سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ مگر اسپر بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اس اثنا میں معزول سلطان مراد کا جنون دور ہو چکا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، مبادا اُنھیں دوبارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے تمام اصلاح پسندوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔

*

بریدِ شرق

مکتوبِ حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار حجاز کے قلم سے)

جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدۂ جدہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ اُن جدید اصلاحات پر مفصل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کروں گا۔

آپکے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعود بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے نجد گئے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں بعض بدنظمیاں حجاز میں رونما ہو گئی تھیں۔ یہ بدنظمی ایک حد تک قدرتی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہے اور صدیوں کے اختلال و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ مدبر اور بیدار حکومت کی ضرورت ہے۔ باشندوں کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں۔ ذرا سی غفلت میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔

مجلس تفتیش

سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اُس کے سدباب پر کمر بستہ ہو گئے۔ اُنھوں نے ایک مجلس "لجنۃ التفتیش والاصلاح" کے نام سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام شعبوں کی جانچ پڑتال کر کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُن تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حجاز کی ترقی و خوشحالی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو کافی اختیارات دئے ہیں۔ یہ مجلس جو کچھ طے کر دیتی ہے، سلطان اُسے منظور کر لیتے ہیں۔ درحقیقت تمام جدید اصلاحات کا مسودہ اسی مجلس نے بنایا ہے۔ ذیل میں بعض اہم اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) تعلیم۔ مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے: ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ نئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی استعداد کا لحاظ رکھا جائے۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس "مجلس معارف" کے نام سے قائم کی جائے اور پورا محکمۂ تعلیم اُس کے سپرد کر دیا جائے۔

(۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا موجودہ نظام، فاسد ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ اسوقت صورت یہ تھی کہ مقدمات کا فیصلہ مدتوں تک نہیں ہو سکتا تھا۔ دادخواہوں کو سخت پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان گوارا کر لیتے، مگر عدالتوں کے تباہ کن پنجوں میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ مجلس نے طے کیا کہ عدالتوں کا نظام بہت سادہ کر دیا جائے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کے مطابق فوراً فیصلہ صادر ہو جائے۔ عدالت کے حکام کے غیر محدود اختیارات مقید کر دئے جائیں۔ اُن پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے، تاکہ مقدمہ والوں کو اُن کی دیانت پر شبہ باقی نہ رہے۔ چھوٹی چھوٹی عدالتیں جابجا قائم کی جائیں۔ اِن کا کام یہ ہو کہ معمولی مقدمات کا تصفیہ فوراً کر دیا کریں۔

(۳) ملک میں حفظان صحت کا انتظام مکمل نہیں ہے۔ نئے شفاخانے کھولے جائیں۔ نئے طبی آلات مہیا کئے جائیں۔ لائق طبیبوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۴) ڈاک اور پولیس کے محکموں میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقصد کے لئے سلطان عبدالحمید نے مرحوم عبدالعزیز کی خودکشی کو آلۂ کار بنایا۔ عبدالعزیز کی وفات، ایک سازش اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک داماد محمود جلال الدین پاشا، رشدی پاشا، سردار عبدی پاشا، ردیف پاشا، اور شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی جلاوطن کر دئے گئے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہی لوگوں نے سلطان عبدالعزیز کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ تحقیقات آجتک شائع نہیں کی گئیں۔

اس اثنا میں میرے بعض دوست مجھے لکھ رہے تھے کہ عنقریب تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ فوراً بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یورپین دوست نے آکر کہا "میں ایک جہاز خاص تمہارے لئے لایا ہوں۔ فوراً یورپ چلے جاؤ۔ ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔" مگر میں نے قطعی انکار کر دیا۔ میں نے کہا سلطان عبدالعزیز نے خودکشی کی ہے۔ نہ میں نے اور نہ کسی اور نے اُنھیں قتل کیا ہے۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں بھاگوں اور دشمنوں کو تہمت لگانے کا موقعہ دوں؟ میں نے ۴۰ برس سلطنت کی خدمت کی ہے۔ اب آخری وقت میں اُسے چھوڑ نہیں سکتا! میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مجھے ہر روز اپنی گرفتاری کا انتظار رہتا تھا۔ چنانچہ ۱۴ مارچ کو جبکہ میں سمرنا کے دارالحکومت میں اپنے خاندان کے ساتھ سو رہا تھا، آدھی رات کے وقت سلطانی سپاہیوں نے محاصرہ کر لیا، اور مجھے قید کر کے آستانہ بھیج دیا گیا۔

وانہ عن خلق وتاتی مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم

"حکومت کے عہدہ داروں کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں۔ حق کے معاملے میں کسی کی بھی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ کسی کے بھی شبہ سے نہ ڈریں۔ کیونکہ ملامت اور شبہ، دنیا کے حالات میں سے ہے۔ دین میں سے نہیں ہے۔ منکروں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شبہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے شکوک باطل کر دئے۔ اپنا دین غالب کر دیا۔ منکروں کو خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ دارین کی سعادت کا ایک ذریعہ ہے کہ اشرار ہمیشہ اخیار کے دشمن ہوتے ہیں۔

"ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا رب، اللہ ہے۔ ہمارا دین، اسلام ہے۔ ہماری کتاب قرآن ہے۔ ہمارے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن محض زبان کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا عمل چاہتا ہے: قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ" بت پرست بھی، خدا پرستی کے مدعی تھے، مگر خدا نے اُنھیں قبول نہ کیا۔ منافق بھی ہم مسلمانوں ہی کے سے دعوے کرتے تھے؛ مگر خدا نے فرمایا "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

"یہاں شرعی عدالتیں موجود ہیں۔ امر بالمعروف کی مجلسیں قائم کر دی گئی ہیں۔ یہ سب کیوں ہیں؟ صرف اظہار حق کے لئے۔ تم اے عہدہ داران حکومت! اس دین کے امین ہو۔ اس بلد امین کے امین ہو۔ تم اس کے ذمہ دار ہو۔ تم اس کے خادم ہو۔ پس جو احکام، شہر کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، اُن کے سب سے پہلے مخاطب تم ہو۔ وہ تم پر سب سے پہلے نافذ ہونگے۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا کہ کچھ لوگوں پر احکام جاری ہوں اور کچھ لوگ مستثنیٰ رہیں، اگرچہ مستثنیٰ رہنے والا خود ابن سعود اور اس کا بیٹا فیصل ہی کیوں نہ ہو!

"ہم اس شہر میں لئے ہیں کیونکہ اُس سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اس کے باشندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے بھلائی کی کوشش کرتے ہیں۔

"ہم اخیار سے محبت رکھتے ہیں۔ اشرار سے نفرت کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ دین وطن کی برکت سے ہمیں بعض اعمال نافعہ کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔ ہم نے جماعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر قائم کر دی ہے۔ اُس کے احکام سب کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ہیں۔ تم اے عہدہ دارو! سب سے زیادہ اُن احکام کے مخاطب ہو۔ کیونکہ تم ہی اُنھیں نافذ کرنے والے ہو۔ اگر تم خود اُن پر عامل نہ ہوگے، تو دوسرے بھی اُن پر عمل نہ کرینگے"

"ہم تم سے تین باتیں چاہتے ہیں:

(۱) اپنے اوقات میں نماز۔ ہرگز نماز جماعت سے تخلف جائز نہیں الا یہ کہ عذر شرعی ہو۔

(۲) جملہ محرمات شرعیہ سے اجتناب، اشرار کی صحبت سے پرہیز۔

(۳) شرعی آداب کے مخالف امور میں غیر مسلموں کی تقلید سے احتراز۔

"مختصر یہ کہ تم پر حکومت کے احکام کی اطاعت اور پیروی لازم ہے بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے تمھاری حکومت کوئی خلاف شرع حکم صادر نہیں کرتی۔

"یقین کرو میں خود سب کی تفتیش کرونگا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اچانک تم پر ٹوٹ پڑونگا۔ جس کسی کو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھونگا اور اُس کی غلطی ثابت ہو جائے گی، پہلے اُس کے افسر کو قانون کے مطابق سزا دونگا۔ پھر اُس شخص سے باز پرس کرونگا۔ یقین کرو سزا ہمیشہ سخت سے سخت اور بے رو رعایت ہوگی۔ پس ہوشیار ہو جاؤ۔ میری سنو، کیونکہ میں تمھیں خوف الٰہی کی وصیت کرتا ہوں!

"تمام عہدہ داروں پر فرض ہے کہ احکام حکومت پر عمل کریں۔ حکومت ہمیشہ امر الٰہی کا حکم دیتی اور نہی سے منع کرتی ہے۔ اگر ہم اللہ اور اُس کے رسول کے حکموں پر عامل ہوں، تو ہماری سنو اور اطاعت کرو۔ اگر خدا نخواستہ ایسے نہ ہوں تو نہ تو ہماری سنو نہ اطاعت کرو!

افسانہ

نپولین پر دوسرا حملہ

یکم مئی ۱۸۰۹ء میں نپولین، آسٹریا میں جنگ کر رہا تھا۔ ۱۲ر اکتوبر کو جبکہ وہ اپنی فتحمند فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا، یکایک میدان کے ایک گوشہ سے ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا، اور آہستہ آہستہ نپولین کی طرف بڑھنے لگا۔ مارشل برتھیر کی نظر اُس پر پڑی اور اُس نے اُسے روک کر کہا:

"اگر شہنشاہ کو کوئی درخواست دینی چاہتے ہو تو مجھے دیدو، میں پیش کردونگا" نوجوان نے جواب دیا "میں خود نپولین سے زبانی گفتگو کرنی چاہتا ہوں"

یہ کہکر نوجوان پیچھے ہٹا۔ مارشل نے خیال کیا وہ واپس جا رہا ہے۔ مگر اس کے مڑتے ہی نوجوان نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مارشل کو شک ہوا، اور اس نے ایک افسر کو حکم دیا کہ اُسے گرفتار کر کے لیجائے۔ یہ واقعہ کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ سب فوج کی قواعد کے تماشہ میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد افسر نے واپس آ کر مارشل کو خبر دی کہ نوجوان کی جیب میں خنجر نکلا ہے جو ایک سفید کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

جنگی قواعد ختم ہونے کے بعد مارشل نوجوان کو دیکھنے گیا۔ دیکھا کہ وہ چارپائی پر پڑا ہے۔ اُس کے سامنے ایک عورت کی تصویر، نوٹ بک، اور چند سکے رکھے ہیں۔

مارشل نے سوال کیا:

"تمھارا کیا نام ہے؟"

"صرف نپولین کو بتاؤں گا"

"تم اس خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"نپولین کو بتاؤں گا"

"شہنشاہ کی جان لینا چاہتے تھے؟"

"ہاں!"

"کیوں؟"

"نپولین کو جواب دوں گا"

چند منٹ بعد نپولین کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے نوجوان کو اپنے سامنے طلب کیا۔ نوجوان کی شکلیں کسی تھیں۔ نپولین کے سامنے پہونچکر وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔

نپولین: تم فرنچ جانتے ہو؟"

نوجوان: بہت کم"

"نام؟"

"فرڈریک سٹابس"

"وطن؟"

"جرمنی"

"باپ کا پیشہ؟"

"پروٹسٹنٹ پادری"

"تمھاری عمر؟"

"اٹھارہ برس"

"خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"آپکو قتل!"

"تو دیوانہ ہے؟"

"ہرگز نہیں"

"بیمار ہے؟"

"نہایت تندرست ہوں"

"مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے تھے؟"

"کیونکہ تم نے میرے وطن کو بدبخت بنا دیا ہے!"

"کیا میں نے تیرے ساتھ بھی کچھ بُرائی کی ہے؟"

"ہاں میرے ساتھ بھی اور ہر جرمن کے ساتھ بھی"

"تجھے اس جرم کے لئے کس نے بھیجا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں۔ میں خود اپنے اس اعتقاد سے آیا ہوں کہ تمھیں قتل کر کے اپنے وطن اور تمام یورپ کو تمھارے شر سے نجات دیدونگا!"

"آج سے پہلے بھی تو نے مجھے دیکھا تھا؟"

"ہاں، ارفورٹ میں"

"اُسوقت بھی میرے قتل کا ارادہ تھا؟"

"ہرگز نہیں۔ میں سمجھتا تھا تم پھر کبھی جرمنی پر اعلان جنگ نہ کروگے۔ اُسوقت میں تم سے محبت کرتا تھا"

"یہاں وائنا میں کتنے دن سے ہو؟"

"دس دن سے"

"اتنے دن کیوں خاموش رہے؟"

"آج سے پہلے کوئی مناسب موقعہ نہیں ملا"

"میں پھر پوچھتا ہوں دیوانہ ہو یا بیمار؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی نہیں"

"میں کورنیسار کو بلاتا ہوں"

"یہ کون شخص ہے؟"

"ڈاکٹر"

"لیکن مجھے ڈاکٹر کی مطلق ضرورت نہیں"

تمام حاضرین پر خاموشی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر آیا اور نبض دیکھی۔ نوجوان نے کہا:

"کیوں ڈاکٹر! میں بالکل تندرست نہیں ہوں؟"

ڈاکٹر نے نپولین سے عرض کیا:

"یہ بالکل تندرست ہے" نوجوان نے خوش ہو کر نپولین سے کہا:

تھیں اور فقہ حنفی پر فیصلہ صادر کرتی تھیں تو انھیں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ یہی دشواریاں دیکھ کر ترکوں نے ایک مجلہ یا قانون نامہ، فقہ حنفی سے مرتب کیا تھا اور ترکی عدالتیں اسپر عمل کرتی تھیں۔

حجاز میں چاروں مذاہب کے پیرو موجود ہیں۔ مالکیوں اور شافعیوں کی اکثریت ہے۔ موسم حج میں تو تین چار مہینے کے لئے ہر مذہب کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں کسی ایک فقہی مذہب کو معتبر قرار دینا اور باقی کو پس پشت ڈال دینا، صریح ناانصافی ہوگی۔ لہذا سلطان ابن سعود نے یہی مناسب سمجھا کہ حجاز کی شرعی عدالتیں کسی ایک مذہب کی مقید نہ ہوں بلکہ بیک وقت چاروں مذاہب پر حسب حالت فریقین عمل کریں۔ چونکہ تمام اہل سنت و جماعت مسلمان، چاروں مذاہب فقہ کی حقانیت تسلیم کرتے ہیں، اس لئے سلطان نے طے کیا کہ مذاہب اربعہ کے زیادہ سے زیادہ مستند اور ضروریات زمانہ کے مطابق احکام لے لئے جائیں اور انھی کی بنا پر عدالتیں فیصلہ کریں۔

مگر موجودہ زمانہ میں ایسے علماء و قضاۃ کا ملنا مشکل ہے جو بیک وقت چاروں مذاہب کے ماہر ہوں، لہذا سلطان نے طے کیا کہ ایک مجلہ یا قانون نامہ مرتب کیا جائے اور اس میں مذاہب اربعہ کے متفق علیہ احکام اور زیادہ سے زیادہ مستند اور وقت کے مناسب احکام جمع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سلطان عنقریب مذاہب اربعہ کے مشہور علماء کی ایک مجلس مرتب کرنے والے ہیں۔ یہی مجلس یہ مجلہ طیار کرے گی۔

حفظان صحت

سلطان نے حفظان صحت کے انتظامات بھی شروع کر دیئے ہیں۔ متعدد مصری و شامی ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ جدہ میں ایک طبی مرکز قائم کرنے کی منظوری صادر کر لی ہے۔ یہ طبی مرکز جدید ترین صحی اسلوب پر قائم ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ متعدد حجازی نوجوان یورپ بھیجے گئے ہیں تاکہ طبی علوم کی تکمیل کریں۔ حجاز کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس کے نوجوان تعلیم کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

جدید سڑکیں

جدہ اور مکہ کے درمیان پرانی سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔ اس راستے میں جابجا دور دور تک ریت پھیلی ہوئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ سلطان نے اس کی مرمت جاری کر دی ہے۔ پوری سڑک پر پتھر کوٹا جا رہا ہے۔ آئندہ موسم حج میں حاجی یہ سڑک بالکل طیار پائیں گے اور بہت آرام حاصل کرینگے۔

مکہ اور طائف کے مابین بھی ایک سڑک بنائی گئی ہے۔ اس پر موٹر چلنے لگے ہیں۔ طائف، مکہ کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے۔ سبزیاں، ترکاریاں، میوے، مکہ میں طائف ہی سے آتے ہیں۔ اب سے پہلے دونوں شہروں کے مابین سفر ۲ دن میں ختم ہوتا تھا۔ اب صرف ۴ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ طائف کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ مناظر ایسے ہیں کہ حجاز کا سوئٹزرلینڈ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب تک اس کی آبادی و ترقی کا کوئی سامان نہ تھا۔ سلطان اسے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ طائف، حجاز کا قدرتی طور پر گرمائی پایہ تخت ہے۔ سلطان نے اپنا خاندان طائف بھیج دیا ہے، تاکہ مکہ کے دوسرے باشندوں کو بھی ترغیب ہو اور وہ گرمی میں وہاں جا کر رہا کریں۔

ینبع اور مدینہ کے مابین بھی سڑک بن رہی ہے۔

حرم میں اصلاحات

حرم کعبہ میں دو قسم کی اصلاحات شروع ہو گئی ہیں: تعمیری اصلاحات اور انتظامی اصلاحات۔

تعمیری اصلاحات کے سلسلہ میں تین امر اہم ہیں:

(۱) حرم کا موجودہ رقبہ، حجاج بیت اللہ کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا اطراف حرم کے بعض مکان، حکومت نے خرید لئے ہیں تاکہ مسجد زیادہ وسیع کر دی جائے۔ یہ توسیع "باب زیادہ" کی طرف سے عمل میں آئیگی۔

(۲) حرم کے گرد مکانوں کا ایسا سلسلہ قائم ہے کہ بیت اللہ کی رونق و عظمت پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ بتدریج اطراف کے مکان خرید کر کے منہدم کر دیئے جائیں۔

(۳) مسجد حرام کے صحن پر کوئی چھت نہیں ہے صرف اطراف کے دالان ہیں، لیکن وہ بھی دھوپ کی مداخلت سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس سے حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ دھوپ کی شدت سے بہت آدمی بیمار ہو جاتے تھے۔ اب سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ چاروں طرف دالانوں کے سامنے پتلے پتلے آہنی ستون کھڑے کئے جائیں اور ان پر ۸۰ میٹر لمبا شامیانہ نصب کر دیا جائے۔ یہ شامیانہ دن میں تان دیا جائے گا اور رات کو اٹھا دیا جائے گا تاکہ ہوا بند نہ ہو۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم سے کم ۲۰ ہزار آدمی بیک وقت سایہ میں بیٹھ سکینگے!

(۴) حرم کے صحن میں سنگ ریزوں کا فرش ہے۔ اس سے حرم میں گرمی زیادہ رہتی ہے اور پوری طرح صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ سنگ ریزے اٹھا دیئے جائیں اور تمام فرش پر سیمنٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ سیمنٹ بچھانے کی مشین آ گئی ہے۔

انتظامی اصلاحات بھی بہت ہیں۔ صرف بعض کا ذکر کرتا ہوں:

(۱) اب تک کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے حاجیوں کو روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ناجائز قرار دیا گیا۔ تمام حاجی ایک پیسہ بھی ادا کئے بغیر بیت اللہ میں داخل ہونگے۔

(۲) موجودہ اغوات کی (خواجہ سرا جو حرم کعبہ کی خدمت پر مامور ہیں) تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کر دی جائے گی۔

(۳) حرم میں نماز کے لئے ۱۰ امام کافی ہیں۔ باقی موقوف کر دیئے جائیں گے۔

(۴) علماء سے فتوی طلب کیا جائے گا کہ امامت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) حرم میں صفائی کا انتظام ناکافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فراشوں کی تنخواہ بہت کم ہے۔ ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) کمبر[illegible] کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کی جائے گی۔

(۷) حرم میں کل ۴۰ دروازے ہیں۔ ۴ دروازے، اطراف کے مکان والوں کے ہیں۔ ان لوگوں کو تنبیہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دروازوں پر دربان مقرر کریں تاکہ یہ دروازے عام گزرگاہ نہ بن جائیں کیونکہ حرم بیت اللہ، عبادت کا مقام ہے نہ کہ شارع عام۔ باقی ۳۶ دروازوں میں ہر ایک کے واسطے دو دو دربان مقرر کئے جائیں گے تاکہ انتظام قائم رکھیں۔

(۸) شرعاً مسجد میں سونا جائز نہیں، الا ان پردیسیوں کے جو کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ لیکن مکہ میں ہر آنے والا یہی عذر پیش کر سکتا ہے۔ لہذا حرم میں سونا قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ صرف اعتکاف کرنے والے اس سے مستثنی ہیں۔

(۹) حرم کی نگرانی کے لئے ۸ مفتش مقرر کئے گئے۔ یہ لوگ حرم کے جملہ انتظامات کی نگرانی کرینگے۔

(۱۰) ایک مجلس "مجلس ادارۃ الحرم" کے نام سے قائم ہوگی۔ وہی حرم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔

چاہ زمزم

چاہ زمزم کی موجودہ صورت یہ ہے کہ کھلا ہوا ہے۔ ڈول سے پانی نکالا جاتا ہے۔ پانی نکالنے والوں اور پینے والوں کی دھوون اسی میں گرتی رہتی ہے۔ پھر سب حاجیوں کو حسب مرضی پانی بھی نہیں ملتا۔ عام طور پر انھیں پانی کے لئے اجرت دینا پڑتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کے سدباب کے لئے سلطان نے طے کیا کہ کنواں اوپر سے ڈھک دیا جائے۔ زمزم کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ اس کا کل عمق ۴۲ میٹر ہے۔ ۳۲ میٹر میں پانی ہے، باقی دس میٹر اس کی دیوار ہے۔ ہندسی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اگر پانی نکالنے کا معقول انتظام کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ پانی کنواں دے سکتا ہے، حتی کہ پورا شہر اس سے سیراب ہو سکتا ہے۔ لہذا طے پایا کہ پانی نکالنے کی جدید ترین مشین نصب کی جائے۔ حرم کے چاروں طرف نل پھیلا دیئے جائیں اور ان میں پانی جاری کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاجی بغیر کسی زحمت کے جس وقت چاہیں گے زمزم کا پانی پی سکیں گے۔

جدید کنوئیں

مکہ، منی، عرفات، بحرہ وغیرہ میں جدید قسم کے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ وادی نعمان، شہداء، اور منی میں کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن صرف ان کنووں سے پانی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ بڑے بڑے حوضوں کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ طے کیا گیا ہے کہ برسات اور پہاڑی سیلاب کا پانی محفوظ کر دینے کے لئے حوض بھی بنائے جائیں۔

نہر زبیدہ

چونکہ نہر زبیدہ مکہ معظمہ میں میٹھے پانی کا تنہا منبع ہے۔ لہذا اس کی حفاظت و ترقی کے لئے سلطان نے خاص توجہ کی ہے۔ یہ نہر جابجا سے کھلی ہوئی ہے حتی کہ بعض مقامات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ میٹر تک کھلی ہے۔ اس کا بند کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ باشندے پیاس سے مر جائیں گے۔ مگر اس کے کھلے رہنے سے یہ شدید نقصان ہے کہ لوگ اسمیں میلے کپڑے دھوتے اور نہاتے ہیں۔ ان کی نگرانی ناممکن ہے۔ لہذا طے پایا کہ عرفات میں ایک بہت بڑا تالاب بنایا جائے۔ نہر کا تمام پانی جدید ترین صحی اصول پر اس میں صاف کیا جائے، اور صاف ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ اس تدبیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکہ کے باشندوں اور حاجیوں کو آدھی بیماریوں سے نجات مل جائے گی جو سراسر اسی نہر کا پانی پینے سے پیدا ہوا کرتی تھیں۔

سایہ کا انتظام

طے پایا کہ منی، عرفات، مزدلفہ، مکہ، اور جدہ کے مابین حاجیوں کے واسطے بڑے بڑے ایوان تعمیر کئے جائیں تاکہ وہ انکے نیچے دھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔ ہر موسم حج میں دیکھا جاتا ہے کہ سیکڑوں حاجی دھوپ کی تپش سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس نئے انتظام سے یہ مصیبت بڑی حد تک دور ہو جائے گی۔

سلطان کی ایک تقریر

گزشتہ ہفتے سلطان نے اپنی حکومت کے تمام عہدہ داروں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"آپ جانتے ہیں سب سے افضل عمل، کلمۂ حق کا اعلان ہے۔ سب سے بدترین عمل، حق کا اخفا ہے۔ ہماری مجلسیں ہمیشہ کلمۂ حق کے اظہار حکام، و رعایا کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہونی چاہئیں۔

"ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ترقی کرنا چاہتے ہیں لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں ہمارے خیالات، ہمارے معتقدات، ہماری آرزوئیں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح کی پیروی کے تابع ہونی چاہئیں۔ دنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہوگا، اسے کریں گے، جو مخالف ہوگا، اس سے باز رہیں گے۔

"حکومت کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ یہ حقائق بیان کریں لیکن صرف قول و بیان کافی نہیں ہے۔ عمل بھی کریں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم؟" عربی شاعر کہتا ہے:

احرارِ اسلام

اوائل عہدِ اموی کی اسلامی ذہنیت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

سودہ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اُس کے پُرجوش خطبوں اور رجزیہ شعروں نے شامیوں پر عرصۂ کارزار تنگ کر دیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکستیں دی تھیں۔

جب امیر معاویہؓ تخت سلطنت پر متمکن ہو گئے، تو ایک دن یہ اپنے قبیلہ کی شکایت لے کر دربار میں پہنچی۔ جو گفتگو اِس میں اور امیر معاویہ میں ہوئی، تاریخ اسلام کے اوراق نے محفوظ کر لی ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ کی وایرانی شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تخت خلافت کو روشناس کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روحِ حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربار شاہی میں آتی تھی، اور بغیر کسی جھجک کے سخت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کر دیتی تھی!

امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اُٹھے "کیا تم ہی وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سنا رہی تھیں؟"

شمر کفعل ابیک یا ابن عمارة　　یوم الطعان وملتقی الاقران

اے فرزند عمارہ! نبرد آزمائی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے سے کارنامے کر دکھا!

وانصر علیاً والحسین ورهطه　　واقصد لهند وابنها بهوان

علی کی، حسین کی، اور اُنکے خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اُس کے بیٹے کو خوار کر دے۔

ان الامام اخو النبی محمد　　علم الهدیٰ ومنارة الایمان!

امام (یعنی حضرت علی) محمد صلعم کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشان اور ایمان کا منارہ ہیں!

فقه الحتوف وسر امام لوائه　　قدما بابیض صارم وسنان!

اُسے خطروں سے بچا۔ اُس کے جھنڈے کے آگے شمشیر آبدار اور نیزہ لے کر پیشقدمی کر!

"ہاں قسم خدا کی"، سودہ نے فوراً جواب دیا "میرا جیسا آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہے نہ جھوٹ بول کر معذرت کر سکتا ہے۔ وہ میں ہی تھی"

"تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟" امیر معاویہ نے سوال کیا۔

"علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے" سودہ کا جواب تھا!

"لیکن علیؓ نے تمھیں کیا بدلہ دیا؟" امیر نے پھر سوال کیا۔

"پچھلی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟" سودہ نے جواب دیا۔

"ہیہات!" امیر معاویہ نے کہا "تمھارے بھائی کا معاملہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمھارے بھائی اور تمھاری قوم سے پہنچی ہے"

"سچ ہے" سودہ نے جرأت سے کہا "میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا جا سکے۔ واللہ وہ ویسا تھا جیسا خنساء نے اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہا ہے:

وان صخراً لتأتم الهداة به　　کأنه علم فی رأسه نار

صخر وہ ہے جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں۔ گویا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہو!

"سچ ہے۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا"، امیر نے تصدیق کی: "اچھا، کہو میرے پاس کیوں آئیں؟"

"تم اب آدمیوں کے سردار اور اُن کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو" سودہ نے کہا "خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمھاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام آتے رہتے ہیں، جو تمھاری شوکت پر گھمنڈ کرتے، اور تمھاری قوت پر جبّاری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں اس طرح کاٹ رہے ہیں، جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہے، یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمھارا والی بسر بن ارطاۃ تمھاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلنا ناممکن ہے (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے اظہار بیزاری) اگر اطاعت واجب ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے معزول کر دو اور ہمارے شکریہ کے مستحق بنو، ورنہ پھر ہم تمھیں دکھا دینگے"

"تو مجھے دھمکاتی ہے!" امیر نے کہا "میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تجھے سرکش اونٹ پر بٹھا کر بسر بن ارطاۃ کے پاس بھیجدوں تاکہ جو سزا چاہے، دے دے"

سودہ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اُٹھایا اور یہ شعر پڑھے:

صلی الاله علی جسم تضمنه　　قبر فاصبح فیه العدل مدفونا!

خدا کی رحمت اُس جسم پر، جسے قبر نے چھپا لیا ہے، اور عدل اُس میں مدفون پڑا ہے۔

قد حالف الحق لا یبغی به بدلا　　فصار بالحق والایمان مقرونا

وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کا نام حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جڑ گیا ہے!

"یہ کون ہے؟" امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

"علی بن ابی طالب علیہ السلام" سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

"اُسنے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظر میں ایسا بن گیا؟" امیر نے پوچھا۔

"اُنھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا" سودہ نے کہا "میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اُسوقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نماز چھوڑ دی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "خدایا! تو مجھ پر اور میرے عمال پر گواہ ہے۔ میں نے اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا"، اس کے بعد اپنی جیب سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا:

"بسم الله الرحمن الرحیم۔ قد جاءتکم بینة من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءهم، ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیة الله خیر لکم ان کنتم مؤمنین، وما انا علیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحتفظ بما فی یدیک من عملنا حتی یقدم علیک من یقبضه منک، والسلام"

(تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آ چکی ہے۔ لہذا ناپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں فتنہ برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہمارا کام ہو اُسکو محفوظ رکھ۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تجھ سے وہ سب وصول کر لے۔ یعنی اُس حاکم کو معزول کر دیا۔)

"میں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ واللہ اُس پر اُنھوں نے نہ تو کوئی مُہر لگائی، نہ اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے حرف حرف پڑھ لیا"

"ابن ابی طالب نے تمھیں حکام پر جری بنا دیا ہے" امیر معاویہ نے کہا "بہت دیر میں یہ جرأت تم سے دُور ہو گی"

پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کر دیا جائے اور اُس سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔

"یہ حکم میرے لئے خاص ہے یا میری پوری قوم کے لئے"؟ سودہ نے سوال کیا۔

"تجھے دوسروں سے کیا سروکار؟" امیر معاویہ نے کہا۔

"تو واللہ یہ کمینگی اور بدکاری ہے" سودہ نے کہا "اگر عدل عام نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی"

مجبوراً امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اُس کے پورے قبیلے کی بات فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الفرید و بلاغات النساء)

حیرت انگیز رعایت
پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محصولڈاک اور پیکنگ بھی معاف
آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے
شہور عالم بی ایم جی ٹائم پیس
ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ
نوٹ۔ ایک یا دو گھڑیوں کے خریداروں کیلئے کوئی رعایت نہیں ہو
امریکن واچ ہوس

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے۔

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ بریٹین

The Dunlop guide
to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے سٹیشنوں کے بک سٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۳ء میں شایع ہوئی تھی جب رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

قیمت ۸؍ (منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سب سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

۱۹۲۷
جلد ۱
نمبر ۲۰
قیمت
۵ ـ آنہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۰ — کلکتہ : جمعہ ۸ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 4, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیے موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی .
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی . اور عربی، کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی، اور اپنی دوستوں کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۵۰ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۲۳۵	اردو حروف کی حق مین	۴۲۸
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۵۵٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۳	نستعلیق ہون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	ساڑھے روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے ہی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں آنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

اُس نے مذهبي انبساط ' بہادرانه جوش ' اور متوسط طبقے کي بلند خيالي ' خود بيں تخمينۂ و شمار کے آب سرد ميں غرق کردي - اسنے ذاتي جوهر کو مول تول اور لين دين کي ايک جنس بنا ديا - اور تمام بيش قيمت آزاديوں کو پس پشت ڈالکر " آزاد تجارت " کی صرف ايک نامعقول آزادي قائم کر دي !

الغرض اُسنے کمزوروں کے اُس قديم خود غرضانه استعمال کي جگه جسپر مذهب و سياست کي دلفريبيوں کا نقاب پڑا هوا تها ' ايک نيا برهنه ' وحشيانه ' بے شرم ' اور کهرا خود غرضانه استعمال ايجاد کر ديا -

سرمايه دار طبقے نے اُن تمام پيشوں کي خوبياں مليامیٹ کرديں جو پہلے عزت کي نظر سے ديکهے جاتے تهے - اُسنے ڈاکٹر ' وکيل ' پروهت ' شاعر ' فلسفي ' غرضکه سب کو محض ايک اجرتي مزدور بنا کے چهوڑ ديا !

سرمايه دار طبقه نے خانداني رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بهي نکال پهينکے ' اور اُنکي جگه ايک خالص مالي لين دين کا رشتہ قائم کر ديا !

سرمايه دار طبقه نے بتا ديا که وحشيانه اظہار طاقت ' جسے قرون وسطى کے رجعت پسند اِس قدر سراهتے تهے ' کامل سہُولت کے ساتهه انکے عهد ميں کس درجه کاميابي حاصل کر سکتا هے -

يه طبقه ' سب سے پہلا طبقه تها جسنے ثابت کر دکهايا که انسان کي سرگرمي کيا کچهه کر سکتي هے - اسنے مصري اهرام ' رومن نہروں ' اور گوتهک خانقاهوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پيدا کئے ' اور قديم هجرتوں اور مذهبي جهادوں سے بالکل مختلف قسم کي مهميں جاري کيں -

تمام سابق صنعتي طبقوں کے وجود کي اولين شرط يه تهي که پيداوار کے اگلے طريقے برقرار رهيں - ليکن سرمايه دار طبقه کي زندگي ناممکن هے جب تک که آلات پيداوار ' طريق پيداوار ' اور تمام اجتماعي رشتوں ميں برابر انقلاب نه هوتا رهے - چنانچه طريق پيداوار کا مسلسل انقلاب ' اجتماعي نظام کي پيهم برهمي ' دائمي بے چيني ' اور کبهي نه ختم هونے والي بے اطميناني ' يهي وه چيزيں هيں جو سرمايه دار عهد کو تمام ديگر زمانوں سے امتياز ديتي هيں -

تمام جچے تلے اور مضبوط معاشرتي رشتے مع اپنے هم آهنگ مقرر و محترم عقائد و خيالات کے فنا کردیے گئے هيں اور ان کي جگه جو رشتے اور خيالات رائج کئے گيے هيں قبل اس کے که جمکيں ' پرانے هوچکے هيں - جو کچهه بهي ٹهوس اور مقبول تها ' مٹ چکا هے - جو کچهه بهي مقدس تها ' ناپاک کرديا گيا هے - اور اب انجام کار انسان مجبور هوگيا هے که اپنے حالات زندگي اور حقيقي معاشرتي تعلقات ' کهلي آنکهوں سے ديکهے .

تمام کرۂ ارضي کے سرمايه داروں کو اپني پيداوار کے ليے ايک برابر بڑهتے رهنے والے بازار کي ضرورت ' ديوانه کيے هوئے هے - انهيں هر جگه اپنا آشيانه بنانا ' هر مقام پر ڈيره ڈالنا ' چپه چپه سے ناتا جوڑنا ضروري هے -

سرمايه دار طبقه نے عالمگير بازار غصب کرکے تمام ممالک کي در آمد و بر آمد قومي اور ملکي قيود سے آزاد کردي هے - رجعت پسندوں کي اميدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نيچے سے اُس کي بنياديں نکال کر پهينک دي هيں - قديم اور مروج صنعتيں برباد کي جا چکي هيں ' اور جو باقي هيں برابر برباد کي جارهي هيں - ان کي جگه نئي صنعتيں رائج کي جارهي هيں که جن کا رواج تمام مهذب اقوام کے ليے ايک نهايت هي اهم اور قابل غور مسئله هے ' کيونکه اِن صنعتوں کي حالت يه هے که صرف يه اپنے هي ملک کي خام پيداوار استعمال ميں نهيں لاتيں ' بلکه دور دراز علاقوں کي بهي خام پيداوار چاهتي هيں ' نيز انکي کثرت کي وجه سے اُن کي کهپت صرف انکے هي علاقے ميں نهيں بلکه دنيا کے گوشه گوشه ميں هوني چاهيے -

پراني ضروريات کي جگه جو ملکي پيداوار سے رفع هوجاتي تهيں نئي ضروريات پيدا هوگئي هيں جو اپنے رفع هونے کے ليے دور دراز ممالک کی پيداوار کا بهي مطالبه کرتي هيں -

يه حال صرف مادي پيداوار هي کا نهيں ' بلکه ذهني پيداوار کا بهي هے - ايک قوم کي دماغی پيداوار ' تمام قوموں کي عام ملکيت بن گئي هے - محدود تخيل اور بے تعلقي روز بروز ناممکن هوتي جاتي هے ' اور قومي و مقامي ادبيات سے ايک عالمگير ارضي علم ادب پيدا هو رها هے -

سرمايه دار طبقه ' آلات پيداوار کي تيز ترقي اور مواصلات کي مسلسل آسانيوں کے ذريعه وحشي سے وحشي اقوام کو بهي تہذيب کي طرف کهينچ رها هے - سامان تجارت کي ارزاني هي وه بهاري توپ هے جس کے زور سے نهايت سرکش قوموں کو بهي اطاعت پر مجبور کرديا گيا هے - تمام اقوام کو موت کي دهمکي دي جارهي هے که سرمايه دارانه طريق پيداوار اختيار کرليں ' اور نام نهاد تہذيب قبول کرکے مهذب بن جائيں -

سرمايه دار طبقه نے ديهات کو شہر کا تابع بنا ديا هے - بکثرت نئے شہر پيدا کردیے هيں - ديهات کے مقابله ميں قصبات کي آبادي ميں حيرت انگيز اضافه هوگيا هے - اور اس طرح دنيا کي بهت بڑي آبادي کو ديهاتي زندگي کي سادگيوں سے محروم کرديا هے -

اُس نے جس طرح ديهات کو شہر کا محتاج بنايا هے ' ٹهيک اُسي طرح وحشي اور نيم وحشي ممالک کو مهذب ممالک کا دست نگر بهي بنا ديا هے - کاشتکار قوموں کو سرمايه داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا ديا هے -

سرمايه دار طبقه ذرائع پيدار ' ملکيت ' اور آبادي کي وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا هے - اُس نے آبادي گنجان کردي هے - ذرائع پيداوار ميں مرکزيت پيدا کردي هے - اور ملکيت کو سميٹ کر صرف چند هاتهوں کے اندر محدود کرديا هے -

اِس صورت حال کا لازمي نتيجه ' سياسي مرکزيت تهي جو سرمايه دار طبقه کے هاتهوں وجود ميں آچکي هے ' آزاد اور نيم آزاد اقوام جن کے مصالح ' قوانين ' حکومت ' اور رسم و رواج جدا جدا تهے ' کهينچ تان کے ايک قوم بنا دي گئي هيں ' ايسي قوم جس کي حکومت ' ضابطۂ قانون ' اجتماعي مصالح ' اور رسم و رواج ' سب ايک هيں -

سرمايه دار طبقه نے اپنے صد ساله جماعتي عهد حکومت ميں ايسي عظيم الشان بار آور قوتيں پيدا کردي هيں جنهيں تمام پچهلي نسليں بهي پيدا نه کرسکي تهيں - اُسنے قدرت کي طاقتوں پر قبضه کيا ' علم آلات اور کيميا کا صنعت و زراعت ميں استعمال کيا ' دخاني جهاز ' ريلوے ' اور تار برقي کے سلسلے جاري کيے ' زراعت کے ليے تمام براعظموں کي صفائي کي ' درياؤں کي نهر بندي کي ' اور زمين کے تمام خزانے اُلٹ ڈالے - بهلا کسي

" کمیونیزم " اور اُسکے مقاصد

جرمني کے کمیونسٹ مرکز اشاعت نے حال میں ایک نیا سلسلۂ مطبوعات " کمیونیزم " کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کیا ھے جسکي دو جلدیں اِس وقت تک شائع ھوچکي ھیں - پہلي جلد میں زیادہ تر مشہور کمیونسٹ رھنما ' کارل مارکس کے منتخب مضامین ھیں ' اور ابتدا میں اُسکي مفصل سوانح حیات بھي شامل کردي ھے -

روس کے آخري انقلاب کے بعد سے کمیونیزم دنیا کي ایک زندہ اور عامل حقیقت ھو گئي ھے ' اور ھر ملک کیلیے ضروري ھو گیا ھے کہ نہ صرف سیاسي حیثیت سے ' بلکہ علمي حیثیت سے بھي اسکے اصول و مبادیات کا مطالعہ کرے ' اور نقد و بصیرت کے ساتھہ صحیح راے قائم کرے - جہانتک ھمیں معلوم ھے ' اِس وقت تک اردو میں کوئي کتاب ایسي شائع نہیں ھوئي ھے جس میں صحت کے ساتھہ اس انقلاب انگیز سیاسي و اجتماعي مذھب کي حقیقت واضح کي گئي ھو - یہ نیا مجموعہ دیکھکر ھمیں خیال ھوا کہ کارل مارکس کے بعض مختصر مقالات اس غرض کیلیے نہایت مفید اور جامع ھیں - ھم ان مقالات میں سے ایک مقالہ الھلال میں شائع کرنے کے لیے منتخب کرتے ھیں - اس کے مطالعہ سے نہ صرف اس مذھب کے اصول و عقائد بلکہ اسکے ظہور و اشاعت کي ابتدائي تاریخ بھي واضح ھوجائیگي -

یہ واضح رھے کہ اس مقالہ اور اسي طرح کے دیگر مقالات کے تراجم سے مقصود صرف یہ ھے کہ وقت کي ضروري معلومات اردو خواں طبقہ کے لیے مہیا ھوجائے - یہ مقصود نہیں ھے کہ یہ خیالات اس حیثیت سے پیش کیے جائیں کہ وہ یک قلم مقبول اور پسندیدہ خیالات ھیں - ھمارے خیال میں " کمیونیزم " موجودہ تمدن کي سرمایہ دارانہ بے اعتدالي کا قدرتي رد فعل ھے ' اور جس طرح موجودہ تمدن کي سرمایہ داري افراط کے ایک انتہائي نقطہ تک پہنچ چکي ھے ' اُسي طرح کمیونیزم بھي تفریط کے دوسرے نقطہ کا ظہور ھے - حق و صواب کي راہ افراط و تفریط کي راہ نہیں ھوسکتي ' وہ ھمیشہ درمیان کي راہ ھوتي ھے !

---

(۱)

(سرمایہ دار اور مزدور)

آجتک کي تمام سوسائٹیوں کي تاریخ ' جماعتي کشمکش کي ایک مسلسل تاریخ ھے -

آزاد اور غلام ' شریف اور رذیل ' آقا اور خدمتگار ' تجارتي مکھیے اور بنجارے ' مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم ' ھمیشہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رھے ' اور ایک ایسي مسلسل جنگ میں مشغول رھے جو کبھي علانیہ تھي اور کبھي خفیہ ' مگر جسکا خاتمہ ھمیشہ یا تو سوسائٹي کي ایک انقلابي کایا پلٹ کي صورت میں ھوا ' یا تمام حریف جماعتوں کي عام بربادي کي شکل میں !

قدیم ترین تاریخي عہد میں بھي تقریباً ھر جگہ سوسائٹي مختلف درجوں اور گروھوں میں بٹي ھوئي اور ایک مکمل معاشرتي نظام میں سمٹي ھوئي نظر آتي ھے - قدیم روم میں ھم شریفوں ' نوابوں ' گنواروں ' اور غلاموں کي تقسیم پاتے ھیں - قرون وسطی میں جاگیردار ' اسامي ' تجارتي مکھیے ' شاگرد پیشہ ' اور خدمتگار دکھائي دیتے ھیں - صرف یہي نہیں بلکہ اِنمیں سے ھر جماعت بھي کئي کئي جماعتوں میں منقسم ملتي ھے -

موجودہ سرمایہ دار سوسائٹي نے ' جسکي تعمیر جاگیردار سوسائٹي کے کھنڈروں پر ھوئي ھے ' جماعتي جھگڑے اور رقابتیں موقوف نہیں کیں ' بلکہ پہلے سے زیادہ نئے نئے فرقے ' ظلم کے نئے نئے طریقے ' اور لڑائي کے نئے نئے ڈھنگ نکال لیے ھیں -

البتہ ھمارے موجودہ سرمایہ دار عہد نے یہ امتیاز ضرور حاصل کیا ھے کہ اُس نے جماعتي اختلاف محدود کردیے ھیں ' اور تمام سوسائٹي سمیت کے دو بڑي حریف جماعتوں : " سرمایہ دار " اور " مزدور " میں تقسیم کردي ھے -

قرون وسطی کے کاشت کاروں سے دیہاتي نمائندوں کي ابتدا ھوئي ' اور اِنھیں اسامیوں نے سرمایہ دار طبقہ کي بھي آب و گل مہیا کي -

امریکہ کي دریافت اور زمین کے گرد دورے نے اٹھتے ھوئے سرمایہ دار طبقے کے سامنے عمل کا ایک نیا میدان کھول دیا - ایسٹ انڈین اور چیني بازاروں ' امریکہ کے استعمار ' مستعمرانہ تجارت ' نیز ذرائع تبادلہ اور ذرائع پیداوار کي وسعت نے تجارت ' جہاز راني ' اور صنعت و حرفت میں ایک نئي روح پھونک دي ' اور انحطاط پذیر جاگیر دار سوسائٹي کے انقلابي عناصر کو تیزي سے اُبھار دیا -

صنعت و حرفت کا سابق جاگیردارانہ نظام وہ بڑھتي ھوئي ضرورتیں پوري نہیں کرسکتا تھا جو نئے بازاروں کے ساتھہ پیدا ھوگئي تھیں - نتیجہ یہ ھوا کہ دست کاري کے نظام نے اُسکي جگہ لے لي ' تجارتي مکھیے معزول ھوگئے ' متوسط صنعتي طبقہ اُنکا قائم مقام بن گیا - مختلف سندي مکھیوں کے مابین محنت کي تقسیم ' عام کارخانوں میں محنت کي تقسیم کے آگے معدوم ھوگئي -

سرمایہ دار طبقہ نے جہاں بھي طاقت حاصل کي ' تمام جاگیر دارانہ ' بزرگانہ ' مذھبي ' اور معنوي رشتے توڑ پھوڑ ڈالے - اُسنے بڑي بے رحمي سے وہ تمام بوقلموں بندھن توڑ کے رکھدیے جو انسان کو اُسکے " فطري سرداروں " سے باندھتے چلے آتے تھے اور اُس ایک رشتہ کے سوا کوئي رشتہ باھمي روابط کا باقي نہ چھوڑا جسے برھنہ خود غرضي اور کھري نقد ادائیگي کا رشتہ کہتے ھیں -

ادنی اور متوسط طبقہ ' چھوٹے دوکاندار ' سوداگر ' زراعت پیشہ ' زمیندار ' دستکار ' سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں - کچھہ تو اس وجہ سے کہ اُنکا معمولی سرمایہ موجودہ صنائع کیلیے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہوجاتا ہے ' اور کچھہ اس وجہ سے کہ اُنکے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاهر ہوکر بے قدر کر دیا ہے - اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں هي سے نہیں بلکہ آبادي کے هر حصہ سے مرکب ہے -

(۲)

مزدوري پیشہ طبقہ مختلف تدریجي مرحلوں سے گزر کر اِس درجہ تک پہنچا ہے - سرمایہ دار کے برخلاف اُسکي جد و جہد اُسکي پیدائش کے وقت هي سے شروع ہوگئي ہے -

سب سے پہلے یہ جد وجہد ایک فرد واحد مزدور کي جد و جہد کي حیثیت سے شروع ہوئي ' پھر کسي ایک کارخانہ کے مزدوروں کي جد وجہد بني ' پھر کسي خاص نواح کے تمام هم پیشہ مزدوروں کي جد و جہد کي صورت میں تبدیل ہوگئي ' جسکا مقصد سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا -

اِس منزل میں مزدور ' سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے - بیروني مال برباد کر ڈالتے تھے ' مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے ' کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے ' اور کوشش کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپني وہ حیثیت پھر قائم کردیں جو قرون وسطی میں ضائع ہوچکي تھي - لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے ' اِس منزل میں ' مزدور ایک غیر متحد بھیڑ کي شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلي ہوئي تھي ' اور جسکے اندر باهمي مقابلہ کے جذبہ نے پھوٹ ڈال دي تھي -

اِس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلیے متحد ہوئے ' تو یہ اُنکے اپنے اتحاد کا نہیں ' بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا - وہ اپنے سیاسي مقاصد کے حصول کیلیے مجبور هو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئي حرکت پیدا کردے -

اِس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے ' بلکہ ان کي جنگ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتي تھي ' یعني مطلق العنان شاهي سے ' زمینداروں سے ' غیر صنعتي اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے -

اس طرح مزدوروں کي یہ پوري تاریخي تحریک ' سرمایہ دار طبقہ هي کے هاتھوں میں رهي ہے ' اور تمام کامیابیاں جو آجتک حاصل ہوئي هیں ' سرمایہ داروں هي کي کامیابیاں هیں -

صنعت کي ترقي کے ساتھہ ساتھہ مزدوري پیشہ طبقہ کي کمیت میں صرف افراد هي کا اضافہ نہیں ہوا ' بلکہ بڑي بڑي جماعتیں بھي اس میں شامل ہوتي گئیں اور ابتک هو رهي هیں -

اس کي طاقت روز بروز بڑہ رهي ہے اور وہ اپني طاقت کي افزوني برابر محسوس کر رہا ہے -

جوں جوں مشینري ' صنعت کے امتیازات مٹاتي جاتي ہے اور اُجرت هر جگہ کم سے کم کرتي جاتي ہے ' اسي قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگي میں بھي یکسانیت پیدا هو رهي ہے -

سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کي روح جس قدر ترقي کرتي جاتي ہے اور تجارتي مشکلات جسقدر بڑھتي جاتي هیں ' اسي قدر مزدوروں کي اجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے - مشینري کي مسلسل اور تیز ترقي مزدوروں کي روزي کو برابر غیر محفوظ بنا رهي ہے ' اور انفرادي مزدور اور انفرادي سرمایہ دار کا شخصي تصادم ' جماعتي تصادم کي صورت اختیار کرتا جاتا ہے - ایک طرف مزدور ' سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہورہے هیں - دوسري طرف سرمایہ دار شرح اجرت برقرار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتھا بندي کر رہے هیں - انھوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کي صورت میں منظم کرلیا ہے ' تاکہ اچانک تصادم کے لیے پہلے سے طیار رهیں - کہیں کہیں یہ باهمي لڑائي بغاوت کي صورت میں بھي پھوٹ چکي ہے -

کبھي کبھي مزدوروں کو فتح حاصل ہوجاتي ہے ' مگر محض تھوڑي مدت کے لیے - اس سے همیں گھبرانا نہیں چاهیے - کیونکہ ان کي جد و جہد کا اصلي ثمرہ فوري کامیابي نہیں بلکہ اُن کے بڑھتے ہوئے اتحاد میں ہے - اِس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو موجودہ صنعت کي ایجاد هیں ' بہت مدد مل رهي ہے - مختلف ممالک کے مزدور باهم دگر مل رہے هیں ' اور اِس طرح وہ کام انجام پا رہا ہے جس کي ازحد ضرورت تھي - وہ اتحاد جس کے حصول میں قرون وسطی کے شہریوں کو اپني خراب سڑکوں کي وجہ سے صدیاں لگ جاتیں ' موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہوگیا ہے -

مزدوروں کي جماعتي اور سیاسي تنظیم خود اُن کے باهمي مقابلہ کي وجہ سے همیشہ رک رک جایا کي ہے ' لیکن هر مرتبہ زیادہ قوت ' زیادہ استقلال ' اور زیادہ استحکام کے ساتھہ اُبھري ہے - سرمایہ داروں کي باهمي پھوٹ سے اُسے کافي فائدہ پہنچا ہے ' اور وہ هر موقعہ پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانوني اعتراف پر مجبور ہوگئے هیں -

قدیم سوسائٹي میں جماعتوں کا باهمي تصادم ' مختلف طریقوں سے مزدوري پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے - خود سرمایہ دار بھي مجبوراً اسکي ترقي کا باعث ہوئے هیں - وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے هیں - ایک طرف خانداني اِمارت ہے ' دوسري طرف خود سرمایہ داروں کي وہ جماعتیں هیں جنکے مفاد صنعتي ترقي کے منافي هیں - تیسري طرف بیروني ممالک کے سرمایہ دار هیں جو هر وقت ٹوٹ پڑنے کیلیے طیار هیں - غرضکہ سرمایہ داروں کو هر طرف لڑنا اور هر ایک سے نبرد آزمائي کرني پڑتي ہے - ظاهر ہے ' وہ تن تنہا اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ' اور مجبور ہوتے هیں کہ مزدوروں سے اعانت کي اپیل کریں - اِس طرح وہ خود هي مزدوروں کو سیاسي اکھاڑہ میں کھینچ لاتے هیں ' اور اُن کیلیے اجتماعي تعلیم کے عناصر مہیا کردیتے هیں - وہ خود هي مزدوروں کے هاتھہ میں وہ ہتھیار دیدیتے هیں جو خود اُن کے خلاف استعمال کیے جائینگے !

صرف یہي نہیں بلکہ صنعت کي ترقي نے حکمراں طبقہ کے تمام حصوں کو بھي عجلت اور گھبراهٹ کے ساتھہ مزدوري پیشہ طبقہ کي طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے ' یا کم از کم انکي زندگي خطرہ میں ڈالدي ہے - یہي وجہ ہے کہ یہ حکمراں جماعت مزدوري پیشہ طبقہ کیلیے ترقي کے بے شمار پرزے مہیا کر رهي ہے

بچھلی نسل کو یہ وہم بھی گزرا تھا کہ اجتماعی محنت کی گود میں ایسی بار آور قوتیں پڑی سو رہی ہیں ؟

گزشتہ بیان میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کی بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے ' اگرچہ جاگیرداری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے ' مگر خود جاگیر اُنسے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکی بلکہ اُلٹے اُنکے گرداب میں پڑکر تباہ ہوگئی ' کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپنی ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گئے ' تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹی پیدا کرتے اور تبادلہ کرتے تھے ' یعنی کاشتکاری و دستکاری کا جاگیر دارانہ نظام ' ترقی یافتہ قوتوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے - وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسکے حق میں روک اور بوجھل بیڑیاں بن گئے ' جن کا توڑ ڈالنا ضروری تھا - چنانچہ اُنکی جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کی اقتصادی و سیاسی حکومت نے لے لی -

لیکن اب تاریخ نے اپنا اعادہ پھر شروع کیا ہے ' جو کچھہ جاگیر داروں پر گزرا ہے ' وہی اب سرمایہ داروں کو درپیش ہے -

سرمایہ دارانہ حالات ' پیداوار ' تبادلہ ' سرمایہ دارانہ املاکی رشتے ' غرضکہ پوری موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی جسنے ایسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے ہیں ' سخت مصائب میں مبتلا ہے - اسکی مثال اُس جادوگر کی سی ہے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ہے مگر انپر قابو نہیں رکھہ سکتا -

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کی تاریخ ' جدید بار آور قوتوں کی موجودہ حالات کے خلاف ' ایک بغاوت کی عام تاریخ رہی ہے - اس سلسلہ میں اُن تجارتی مشکلات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا جو وقتاً فوقتاً پوری سرمایہ دار سوسائٹی کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا کرتی ہیں -

لیکن باوجود اِن ہولناک خطروں کے ایک عام اجتماعی وبا پھیلی ہوئی ہے جسکا نام " زائد پیداوار " ہے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک حماقت معلوم ہوتی -

اِس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی اپنے تئیں اچانک ایک عارضی وحشیانہ حالت میں مبتلا پاتی ہے - قحط اور بربادی کی ایک عالمگیر جنگ برپا ہوجاتی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و تجارت اور زندگی کے تمام ذرائع تباہ ہو جائینگے - کیوں ؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ہوگئی ہے ' ذرائع زندگی بہت زیادہ ہوگئے ہیں ' صنعت بہت زیادہ ہوگئی ہے ' تجارت بہت زیادہ ہوگئی ہے !

اِن خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے ہیں ؟ اِس طرح کہ ایک طرف تو بہت سی بار آور قوتیں بجبر برباد کر ڈالتے ہیں ' دوسری طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے ہیں - اِسکے معنی یہ ہیں کہ وہ اور بھی زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلیے راستہ ہموار کر رہے ہیں اور ساتھہ ساتھہ وہ ذرائع بھی مٹاتے جاتے ہیں جنسے یہ مشکلات رفع کی جاسکتی تھیں -

غرضکہ وہ ہتیار جنسے سرمایہ داروں نے جاگیرداری پر فتح حاصل کی تھی ' اب خود انہیں پر اُلٹ پڑے ہیں -

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ مہلک ہتیار ہی نہیں گڑھے ہیں ' بلکہ وہ لوگ بھی پیدا کردیے ہیں جو یہ ہتیار استعمال کرینگے - وہ کون ہیں ؟ موجودہ مزدور !

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقی کی ہے ' اِسی تناسب سے مزدوروں نے بھی ترقی کی ہے - اِس طبقہ کی زندگی اُسی وقت تک ہے جبتک اُسے کام ملتا رہے ' اور کام اُسی وقت تک ملتا ہے جبتک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رہے - یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ ڈالنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں ' تجارت کی دوسری چیزوں کی طرح ایک جنس ہوگئے ہیں اور مقابلہ کے ہیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ اُتار سے ہمیشہ مصیبت جھیلتے رہتے ہیں -

مزدور کا کام ' کلوں کے کثرت استعمال اور محنت کی تقسیم کے باعث اپنی انفرادی شخصیت سے محروم ہوگیا ہے اور اب مزدور کیلیے اپنے اندر کوئی خاص کشش نہیں رکھتا - مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ہے ' جس سے نہایت اُسلی کام کی خواہش کی جاتی ہے - جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب اُسکی قیمت گھٹ کر بس اِتنی ہی رہ گئی ہے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپنی قوت لایموت کا سامان کرسکتا ہے -

اب ایک مصنوعی برتن اور مزدور ' دونوں ہم درجہ چیزیں ہوگئی ہیں جنکی قیمت اُنکی لاگت کے حساب سے ہوتی ہے - یہی سبب ہے کہ جوں جوں محنت سستی ہوتی جاتی ہے ' مزدوری بھی گھٹ رہی ہے - پھر تماشہ یہ ہے کہ جسقدر کام کی تقسیم اور کلوں کا استعمال بڑھتا جاتا ہے ' اِسی قدر کام کا بوجھہ بھی بڑھ رہا ہے ' یا تو کام کے گھنٹے بڑھا دیے جاتے ہیں ' یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لیا جاتا ہے ' یا مشین کی رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ہے ' (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت نے نیک آقا کی چھوٹی سی دکان کو صنعتی سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کی صورت میں بدل دیا ہے - مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں میں بھرے ہوئے ہیں جن کی تنظیم سپاہیوں کی طرح کی جاتی ہے ' اور جو سپاہیوں ہی کی طرح چھوٹے بڑے افسروں کی ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے ہیں - وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ہوتے ہیں ' بلکہ انہیں شب و روز ہر سرمایہ دار صناع کی بھی غلامی کرنی پڑتی ہے -

جسقدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتی جاتی ہے کہ خود غرضی اور منفعت شخصی اس کا مقصد ہے ' اُسی قدر وہ حقیر ' نفرت انگیز ' اور تکلیف دہ ہوتی جاتی ہے !

دستی مشقت میں قوت اور چستی کی ضرورت جتنی کم ہوتی جاتی ہے ' یعنی موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے ' اُسی قدر مردانہ محنت کی جگہ زنانہ محنت کو دی جارہی ہے - مزدوری پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا - مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پرزے ہوگئے ہیں جن کی قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے -

جوں ہی مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوری ملتی ہے ' فوراً دوسری سرمایہ دار جماعتیں اُس پر ٹوٹ پڑتی ہیں : مکان دار ' دوکان دار ' ساہوکار ' غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسوٹنے کو آ موجود ہوتے ہیں -

عظمت کا باب اِسي وقت سے شروع هوتا هے - اِسي سفر میں اُس کي دماغي قابلیت ' محققانه روح ' اور عزم و همت کي قوت ظاهر هوتي هے - اِسي سفر میں اُسے فارسي اور ترکي زبانیں بهي سیکهني پڑتي هیں - فارسي زبان سے سیاح کو بہت مدد ملي ' خصوصاً هندوستان میں ٹهیک اُسي طرح جس طرح اُس کے پیشرو ' مارکو پولو کو تاتاري زبان سے مدد ملي تهي !

غرضکه ابن بطوطه اپنے مشرقي سفر پر روانه هوگیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کرکے عراق پہنچا راستے کے جمله حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پهر دجله و فرات کو عبور کرکے عراق عجم میں داخل هوا ' اور شیراز و اصفہان وغیرہ کی سیر کي - لیکن وہ آگے نہیں بڑها بلکه لوٹ کر پهر دجله و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کردیا - اُس وقت بغداد کی حالت نہایت زبوں تهي - تاتاریوں کی تخریب کے بعد ' عباسي دار الخلافه ویران هوگیا تها ' ابن بطوطه یہاں بہت متأثر نظر آتا هے اور ایک سچے مسلمان کي طرح رنج و غم کا اظہار کرتا هے -

بغداد سے سیاح ' موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اِس سر زمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کي یہاں پر اُس کي سیاحت اچانک منقطع هوجاتی هے - نہیں معلوم کیوں ' وہ پهر بغداد اور بغداد سے مکه پہنچ جاتا هے - وہ هم سے صرف اِس قدر کہتا هے که دوسري مرتبه مکه معظمه اِس حال میں پہنچا که سخت بیمار تها - چنانچه مکمل ایک سال جوار بیت الله میں مقیم رهتا هے - اِس طویل اقامت کے بعد پهر اُس میں نیا جوش پیدا هوتا هے اور پہلے سے بهي زیادہ طویل سفر پر روانه هوجاتا هے -

چنانچه وہ یمن پہنچتا هے - پهر سومال جاتا هے - پهر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کی سیر کرتا هوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا هے - بحرین میں موتی نکالنے والوں سے ملتا هے - مگر ٹهرتا نہیں اور صحراء طے کرکے دوبارہ مکه معظمه میں وارد هوتا هے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر سے اُس کي ملاقات هوتي هے

حج کے بعد پهر سفر شروع کرتا هے اور اِس مرتبه بحر احمر عبور کرکے سوڈان ' بلاد زنج ' صعید مصر کی سیاحت کرتا هوا قاهرہ پہنچتا هے - لیکن قیام نہیں کرتا بلکه شام چلا جاتا هے اور ساحل لاذقیه سے جہاز پر بیٹهه کے سنه ۷۳۳ ھ (سنه ۱۳۳۳ ع) میں ساحل اناطولیه پر قدم رکهتا هے -

(اناطولیه)

اُس وقت اناطولیه میں سلجوقی امراء و سلاطین کا دور دورہ تها - لیکن آل عثمان کا عروج حاصل هورها تها آهسته آهسته سلجوقي امراء اُس کے سامنے هتهیار رکهتے جاتے تهے - سلطنت عثمانیه کے بانی اول عثمان نے بوزنطینی شہنشاهی میں بهي دور تک هاته پهیلا دیے تهے - اُس وقت عثماني ریاست کا پایۂ تخت بروسه تها ابن بطوطه کے زمانے میں سلطان اورخان بن عثمان کی حکومت [illegible]

اورخان کے علاوہ سلجوقی امراء میں سب سے زیادہ [illegible] اُزبک خاں شاہ شمال تها - یه شہنشاہ قسطنطنیه کا داماد [illegible] ابن بطوطه یه ملک دیکهه کر بہت متعجب هوا - کیونکه [illegible] اِسلام کو غلبه حاصل هوچکا تها مگر نو مسلموں کے عادات [illegible] عجیب طرح کے تهے - اِبن بطوطه نے پورے ملک کي سیاحت کي هے اور بڑی تفصیل سے جمله حالات بیان کیے هیں - یه عجیب بات هے که هر ملک میں وہ قصر شاهي تک رسائي حاصل کرلیا کرتا تها - یہاں کے بهي تمام اُمراء و سلاطین سے اُسنے ملاقاتیں کیں

(قسطنطنیه)

اناطولیه سے وہ قسطنطنیه کو چلا - خوش قسمتي سے اُس زمانے میں سلطان محمد اُزبک خاں کی ملکه " خاتون بیلون " بهي اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیه کي ملاقات کو جا رهي تهي - اِبن بطوطه اِسي شاهي قافله میں داخل هوگیا اور سنه ۷۳۳ ھ - سنه ۱۳۳۳ ع میں نہایت تزک و احتشام سے بیزنطیني پایۂ تخت میں داخل هوا -

سیاح خود اپني زبان سے یه واقعه اِس طرح بیان کرتا هے :

" هم زوال کے وقت قسطنطنیۂ عظمی میں داخل هوئے - پورے شہر میں ناقوس اِس زور سے بج رهے تهے که در و دیوار تک گونج اٹهے تهے - هم قصر شاهي کے پہلے پهاٹک پر پہنچے - وهاں سو سنتري اپنے سپه سالار کے ساتهه کهڑے تهے اور آپس میں کهه رهے تهے " سراکنو ' سراکنو " جس کے معنے هیں " مسلمان " (یوناني زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام هے - شاید اِبن بطوطه نے یہي لفظ سنا هوگا)

پهر وہ شہنشاہ سے اپني ملاقات کا حال لکهتا هے :

" چوتهے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل هندي میرے پاس بهیجا - وہ مجهے قصر شاهي میں لے گیا - هم چار پهاٹکوں سے گزرے - هر پهاٹک میں مسلح سپاهي موجود تهے - پانچویں پهاٹک پر غلام مجهے چهوڑ کر چلا گیا - پهر چار رومي نو جوانوں کو لے کر لوٹا - اُنهوں نے میري تلاشي لي که کوئي چهري تو چهپي هوئي نہیں هے - افسر نے بتایا که یہاں کا دستور ایسا هي هے - جو شخص بهي بادشاہ سے ملنا چاهتا هے ' اُس کي تلاشي ضرور لي جاتي هے - پهر پهاٹک کهولا گیا - میں اندر داخل هوا - چار آدمیوں نے مجهے گهیر لیا - دو مجهے آگے سے پکڑے تهے ' دو پیچهے تهے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اُس کی دیواریں بہت آراسته تهیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کي تصویریں بني تهیں - بیچ میں فوارہ تها - دونوں جانب سپاهي صف بسته کهڑے تهے اور بالکل خاموش تهے - وسط میں تین اور آدمي کهڑے تهے - اِنهوں نے مجهے میرے محافظوں سے لے لیا اور اُسي طرح پکڑ کر لے چلے - انمیں ایک یہودي تها - یہودي نے مجهه سے عربي میں کہا " ڈرو نہیں ' میں ترجمان هوں " پهر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپني ملکه کے تخت شاهی پر جلوہ افروز تها - داهني طرف چهه آدمي کهڑے تهے بائیں طرف چار آدمي تهے - سب هتیار بند تهے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجهه سے کہا گیا که تهوڑي دیر بیٹهه کر حواس درست کرلو - پهر میں تخت شاهي کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹهنے کا اشارہ کیا - مگر میں بیٹها نہیں - بادشاہ نے مجهه سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کی بابت پوچها - مقدس چٹان ' مولد مسیح ' بیت لحم ' شہر خلیل ' کا حال دریافت کیا - پهر دمشق ' مصر ' عراق ' اور رومي ممالک کے حالات پوچهے - میں نے هر سوال کا جواب دیا - یہودي ترجمه کرتا جاتا تها - شاید شہنشاہ کو میري گفتگو پسند آئي - چنانچه اُس نے اپنے لڑکوں سے کہا اِس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رکهو - پهر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراسته گهوڑا اور چهتر بهي عنایت کیا ' جو شاهي امان کي علامت هے "

اِس شہنشاہ کا نام اِبن بطوطه نے تکفور اور اُس کے باپ کا نام جرجیس لکها هے - ممکن هے یه اُن کے مسیحي نام هوں - ورنه

جس طرح پچھلے زمانہ میں شرفاء کا ایک حصہ سرمایہ داروں میں آ ملا تھا، اسي طرح اب سرمایہ داروں کا ایک حصہ مزدوروں میں آ رہا ہے، خصوصاً وہ مفکر حصہ جسے اِس تاریخي تحریک کا نظري علم حاصل ہوگیا ہے -

تمام جماعتیں جو في الحال سرمایہ دار طبقہ سے بر سر جنگ ہیں، انمیں صرف مزدوري پیشہ جماعت ہي ایک حقیقي انقلابي جماعت ہے - باقي تمام دوسري جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے سوتي اور گلتي چلي جاتي ہیں - اور یہ کچھہ عجیب نہیں' کیونکہ مزدوري پیشہ طبقہ ہي صنعت و حرفت کي خاص اور براہ راست پیداوار ہے -

رہا ادنی اور متوسط طبقہ، چھوٹے چھوٹے دستکار، معمولي دکاندار، زراعت پیشہ زمیندار، تو یہ سب سرمایہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپني حیثیت برقرار رکھیں - یہ جماعتیں انقلابي نہیں بلکہ قدامت پسند ہیں - قدامت پسند ہي نہیں بلکہ رجعت پسند بھي ہیں - وہ تاریخ کا چکر لوٹا کر الٹا چلانے کي کوشش کر رہي ہیں - اگر وہ کبھي انقلابي ہو بھي گئیں، تو صرف اس خوف سے ہونگي کہ مبادا مزدوري پیشہ طبقہ میں جبراً دھکیل نہ دي جائیں -

گزشتہ سوسائٹي کے معاشرتي حالات اب مزدوروں کے معاشرتي حالات میں مدغم ہو چکے ہیں - مزدوري پیشہ طبقہ بغیر کسي ملکیت کے ہے، اسکے اپنے بیوي بچوں سے رشتے سرمایہ دارانہ خانداني رشتوں سے بالکل مختلف ہیں - موجودہ صنعتي محنت اور سرمایہ داري نے انگلینڈ، فرانس، امریکہ، اور جرمني میں مزدوروں کے تمام قومي اخلاق خراب کر ڈالے ہیں - مزدوروں کے حق میں قانون، اخلاق، مذہب، تتلیاں ہیں جنکے پیچھے بیٹھکر سرمایہ دار انہیں شکار کیا کرتے ہیں -

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر ہمیشہ یہي کوشش کي ہے کہ اپني حیثیت مضبوط کرنے کیلیے تمام سوسائٹي کو اپنے ہي طریق عمل کا پابند کردیں - مزدوروں کو بھي اسي اصول پر عمل کرنا چاہئے - وہ سوسائٹي کي بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہیں کر سکتے جبتک کہ سب تمام پرانے دستوروں کو منسوخ نہ کردیں - خود مزدوروں کے پاس کوئي ایسي چیز نہیں جسکي انہیں حفاظت کرني ضروري ہو - انہیں شخصي ملکیت کي تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کردني چاہئیں -

تمام پچھلي تاریخي تحریکیں یا تو آبادي کي اقلیت کي تحریکیں تھیں یا انکے مفاد کیلیے تھیں - لیکن مزدوروں کي تحریک بالکل دوسري ہي نوعیت کي ہے - وہ عظیم الشان اکثریت کي ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اکثریت کے مفاد کیلیے ہے -

مزدوري پیشہ طبقہ موجودہ سوسائٹي کي سب سے نچلي پرت ہے - وہ اس وقت تک نہیں اٹھہ سکتا ہے، جبتک کہ اوپر کے وہ تمام پرت جنسے حاکمانہ سوسائٹي مرکب ہے، پرزے پرزے کر کے اڑا نہ دیے جائیں -

اگرچہ مزدوروں کا قیام قومي بنیادوں پر نہیں ہے، لیکن سرمایہ داروں کے برخلاف انکي جد و جہد ضرور قومي ہے - ہر ملک کے مزدوروں کو قدرتي طور پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایہ داروں سے نپٹ لینا چاہئے

ابن بطوط کی سیاحت

(ایشیائي تاریخ میں اُس کا مرتبہ)

(عبد اللہ عنان ایک مصري اہل قلم کے قلم سے)

عین اُس زمانے میں جبکہ مارکو پولو نے اپني ایشیائي سیاحت ختم کي، طنجہ (مراکش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا ہوا (۷۰۳ ھ - سنہ ۱۳۰۴ ع) اِس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا - بعد میں دنیا نے اُسے ابن بطوطہ کے نام سے جانا - آٹھویں صدي ہجري کي چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اس کي بھي ہے -

ابن بطوطہ کي طفولیت اور ابتدائي تعلیم و تربیت سے ہم ناواقف ہیں - لیکن اُس کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دیني علوم میں پوري طرح مہارت حاصل کرلي تھي - ہم اُن اسباب سے بھي ناواقف ہیں جنھوں نے اِس طویل سیاحت پر آمادہ کیا - زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ۲۲ سال کي عمر میں اُسے حج اور بیت اللہ کي زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اِسي ارادے سے وہ وطن سے نکلا - معلوم ہوتا ہے اِس سفر کے لیے اُس کي مادي طیاري کافي نہ تھي - تاہم وہ جرأت کرکے چل پڑا اور مغرب اقصی کے بڑے بڑے شہر: تلمسان، الجزائر، بجایہ، قسطنطنیہ سے گزرتا ہوا تیونس پہنچا - اِس وقت سیاح کا آغاز شباب تھا - غریب الوطني کے مصائب سے ناآشنا تھا - خود بیان کرتا ہے کہ جب تیونس میں اُسے کسي نے اجنبیت کي وجہ سے سلام نہ کیا " تو اُس کا دل بے اختیار ہوگیا - آنسو جاري ہوگئے - اور سخت رنج و الم محسوس ہوا ! "

حاجیوں کے قافلہ کے ساتھہ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندریہ پہنچا - یہ اُس کے سفر کا دسواں مہینہ تھا - اسکندریہ، اُسے بہت پسند آیا اور اُس نے گوارا نہ کیا کہ سرسري طور پر دیکھہ کر آگے بڑھ جائے - چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور ایک محقق سیاح کي طرح شہر اور اُس کے آثار کي تحقیقات شروع کردي - یہاں سے فارغ ہوکر قاہرہ پہنچا پایۂ تخت کي عمارتیں، مسجدیں، ہرام دیکھے - پھر پورے ملک کي ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کي - اِسي قدر نہیں بلکہ وہ مصر کے علماء، امراء، حتی کہ بادشاہ تک سے ملا - یہ زمانہ ملک ناصر بن قلاوون کا تھا -

مصر سے صحراء سینا کي راہ فلسطین پہنچا اور وہاں کے اسلامي اور مسیحي مقامات مقدسہ کي سیر کي - پھر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شہر اور آثار دیکھے - شام سے صحراء کو عبور کرکے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف ہوا -

ہم کہہ چکے ہیں کہ اُس نے حج کي نیت سے سفر شروع کیا تھا - مگر اُس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں ہوا - معلوم ہوتا ہے اِسي زمانے میں اُسے مشرقي دنیا کي سیاحت کا خیال پیدا ہوا - چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا اب اُسے صحراء عرب سے گزرنا تھا - یہ مرحلہ بہت ہي سخت تھا - اب تک اُسے کوئي ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تھا - تاہم وہ بے خوف و خطر روانہ ہوجاتا ہے - در حقیقت ابن بطوطہ کي سیاحت اور

هوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !

سائنٹفک امریکن کي آخري اشاعت نے امریکه کے ایک نئے فضائي تجربه کي روداد شایع کي هے - معمولي اتفاقات کس طرح علمي تجارب کے نئے نئے دروازے کهول دیتے هیں ؟ یه واقعه اس حقیقت کي ایک تازه مثال هے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحري تنگ نائے پر بجلي کے تاروں کا سلسله قائم هے - یه تار معمولي کهمبوں پر نصب هیں - جس طرح کے کهمبے هر جگه تار کا سلسله قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے هیں - پچهلے دنوں بجلي کے کارخانه کے بعض افسروں نے اراده کیا که اگر تار کا تمام سلسله رنگ دیا جاے تو حفاظت اور پائداري کے لیے بهتر هوگا - لیکن مشکل یه پیش آئي که موجوده نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر هو ؟ تار کا بڑا حصه تنگ نائے کے اوپر سے گزرا هے ' اور نهایت بلندي پر واقع هے - کوئي کشتي ' کوئي جهاز ' کوئي سواري ' اس غرض کے لیے کام نهیں دے سکتي تهي - بالآخر انهوں نے غور کرنا شروع کیا که خاص اس غرض کے لیے کوئي نیا ذریعه پیدا کیا جا سکتا هے یا نهیں ؟ تهوڑي سي کاوش کے بعد وه ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعه پیدا کرنے میں کامیاب هوگئے - نوعیت کے اعتبار سے یه نهایت سهل اور ساده قسم کي چیز هے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائي تجربه کا دروازه کهول رهي هے - اس تجربه سے ثابت هوگیا که اگر ضرورت پیش آجاے ' تو ایسي فضاي سواري استعمال کي جا سکتي هے جو تار کے معمولي سلسلوں پر ایک نقطه سے دوسرے نقطه تک بغیر کسي خطرے کے سوار کو پهنچا دے !

تصویر میں یه سواري تار پر چلتي هوئي نظر آرهي هے - دوسري تصویر میں وه ابتدائي نقطه دکهلایا گیا هے جهاں سے روانگي شروع هوئي هے ' اور پهلي میں درمیاني حالت دکهلائي هے - یه ایک پتلا سا تخته هے جس میں هاتهه سے چلانے کي چرخي لگي هے ' اور چهوٹے چهوٹے پهیوں سے تار پر دوڑ رها هے - سائنٹفک امریکن کا نامه نگار کهتا هے " دو آدمي اس آله پر سوار هوے اور بغیر کسي حادثه کے تار پر سفر کرتے هوے چلے گئے " اس اتفاقي تجربے سے ثابت هوگیا که تار پر معلق چلنے والي ٹرینوں کي تجویز پوري طرح کامیاب هو سکتي هے - نیز اگر ضرورت پیش آجاے ' تو دنیا کي بڑي بڑي بحري ابنائیں معلق سواریوں کے ذریعه به آساني زمین سے ملا دي جا سکتي هیں -

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام اندرونیکوس ثالث تھا اور اُسکا باپ اندرونیکو ثاني تھا -

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپني سابق عظمت سے بہت کچھہ محروم ہوچکا تھا - سو برس پہلے صلیبي مجاهدین نے آ کے فتح کیا اور بہت کچھہ برباد کرکے چلے گئے - تاهم اب بھي وہ عروس البلاد تھا - ابن بطوطہ نے پوري تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے - ایک جگہ کہتا ہے :

" یہ شہر بہت هي عظیم الشان ہے - دو حصوں میں منقسم ہے - وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن ہے - (یعني قرن الذهب) اِس دریا کا نام " ابسمي " ہے - شہر کے ایک حصے کا نام " اصطنبول " ہے اور دریا کے مشرقي کنارے پر آباد ہے - اِسي میں قصر شاهي اور امراء کے محل هیں - یہ حصہ بہت آباد ہے - بازار پر رونق هیں - سڑکیں کشادہ اور پختہ هیں - شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پھیلتا چلا گیا ہے - اُس کي چوٹي پر ایک چھوٹا سا قلعہ اور شاهي محل ہے - ایک دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے اور سمندر کي طرف سے آ کے مسخر کرنا نا ممکن ہے - اِسي حصے کے وسط میں کلیسا ایا صوفیا ہے - شہر کے دوسرے حصے کا نام " غلطہ " ہے - وہ دریا کے مغربي کنارے پر ہے - اِس حصے میں فرنگي نصاری رهتے هیں - چنانچہ جنیوا ' وینس ' روم ' فرانس ... کے باشندے موجود هیں "

عرب سیاح نے بڑي تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور خانقاهوں کا حال لکھا ہے - خاص شاهي اذن سے اُس نے ترجمان کے ساتھہ اِن تمام مقامات کي سیر کي تھي -

قسطنطنیہ میں چند هفتے مقیم رها - یوناني تمدن کا اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا - پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کرکے ترکستان کي طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا - اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر سلطان محمد ازبک کے زیر نگیں تھا - یہاں سے بخارا پہنچا - شہر تاتاري حملہ سے برباد ہو چکا تھا - عرب سیاح نے حضرت امام بخاري جامع حدیث کي قبر کي زیارت کي - پھر بلوچستان ہوتا ہوا هندوستان میں داخل ہوا ' اور سنہ ۷۳۴ ھ میں پنجاب پہنچ گیا -

ابن بطوطہ کا سفر هندوستان بہت طویل تھا - اُس نے اس بر اعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا - حتی کہ سیلون تک پہنچا - هندوستان کے مسلمان بادشاهوں سے ملاقاتیں کیں - سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل ہوگیا تھا - یہاں وہ کئي سال رها اور منصب قضاۃ پر مامور ہوگیا - نیز کئي سیاسي سفارتوں پر بھي گیا ' اور بادشاہ کي بہت سي خدمات بجا لایا -

هندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے هیں - هندوں کے رسم و رواج ' عبادات ' عادات پر بحث کي ہے - هندوستان میں ایک مرتبہ اُسے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا - اُس کے کاغذات بھي لے گئے تھے - سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف ہے - کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کي یاد داشتیں بھي تھیں -

هندوستان سے وہ جاوا اور سماٹرا گیا - پھر شمال کي طرف روانہ ہوا - وہ هم سے کہتا ہے کہ وہ سفر چین کا تھا - مگر تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیني هندوستان اور جنوبي چین سے آگے نہیں بڑھا - شمال میں اُس کا سفر بہت هي محدود تھا - چین سے پھر جاوہ کے طرف لوٹا - جاوہ سے هندوستان آیا - پھر فارس ' عراق ' شام ' مصر ہوتا ہوا تیونس پہنچا - تیونس سے جہاز پر بیٹھا ' اور سنہ ۷۵۳ ھ میں فاس پہنچ گیا - یعني کامل ۲۵ - سال سفر کے بعد وطن واپس ہوا !

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما - اندلس کي سیاحت پر روانہ ہوگیا - اُس وقت یہ اسلامي سلطنت سمٹ کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور ہوگئي تھي - سلطان ابو الحجاج یوسف بن الولید النصري کا زمانہ تھا - ابن بطوطہ نے وہاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں ' قدیم آثار دیکھے ' پھر مراکش واپس آ گیا -

مگر یہ واپسي بھي عارضي تھي - تھوڑے هي عرصہ بعد صحراء اعظم کي راہ سے سوڈان کے سفر پر روانہ ہوگیا - لیکن یہ اُس کا آخري سفر تھا - سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے مانع ہوا اور اپني مصاحبت پر اصرار کیا - یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ ھ کا ہے - ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کي - ۲۲ برس کي عمر میں سیاحت شروع کي اور ۵۵ - برس کي عمر میں ختم کي -

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباري بن گیا - سلطان اُس کے حالات سفر سن کر بہت مسرور ہوتا تھا - بعض لوگ ابن بطوطہ کي صداقت میں اُسي طرح شبہ کرتے تھے ' جس طرح اِس کے پیشرو مارکو پولو کو اُس کے هم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا - ابن بطوطہ کو ابناء زمانہ کي اِس بے قدري پر بہت افسوس تھا - ایک جگہ وہ نہایت رنجیدہ ہوکر لکھتا ہے " خدا جانتا ہے میرے بیانات صحیح هیں - خدا کي گواهي میرے لیے کافي ہے "

علامۂ ابن خلدون نے جب اپني تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کي ' تو ابن بطوطہ اور اُس کي سیاحت کا قصہ تازہ تھا - وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے هیں :

" سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ نام مراکش میں آیا - یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا - عراق ' یمن هندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا - شاہ هند کے پایۂ تخت دهلي میں بھي گیا تھا ' اور سلطان محمد شاہ کا مقرب ہوگیا تھا ' حتی کہ عہدۂ قضا پر بھي مامور ہوگیا - سفر سے واپسي کے بعد اُسنے سلطان ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا - وہ اپنے عجیب عجیب مشاهدے بیان کیا کرتا تھا - حتی کہ بہت سے لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے لگے تھے - ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اِس بارے میں گفتگو کي اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کي تکذیب کر رهے هیں - وزیر نے مجھے جواب دیا " تمھیں اُن سلطنتوں کے حالات کا انکار نہیں کرنا چاهیے جن سے ناواقف ہو "

اِبن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئي حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے - آخر الذکر نے بر اعظم ایشیا کا صرف وسطي حصہ دیکھا تھا - لیکن اِبن بطوطہ کي سیاحت بہت طویل تھي - ایشیا کے علاوہ افریقہ کے بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور اندلس کي بھي اُس نے سیر کي تھي - پھر اُس کے مشاهدات بہت زیادہ محققانہ تھے - اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کي تاریخ اور جغرافیہ میں بہت زیادہ اهمیت رکھتا ہے - اُس کا اِسلوب بیان بھي زیادہ شگفتہ ' مکمل ' اور علمي ہے -

صلیب اور خون

(بیوریا میں ایک پر اسرار عورت!)

یورپ کی عقل پرستی اور مشرق کی توہم پرستی کا غلغلہ صدیوں سے بلند ہے - مشرقی ممالک میں عام طور پر یہ خیال پیدا کردیا گیا ہے کہ ہر طرح کی توہم پرستی اور غیر معقول خوش اعتقادی صرف مشرقی اقوام ہی میں پائی جاتی ہے - باشندگان یورپ کے عقل و دماغ ان تمام امراض سے محفوظ ہیں! لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ کے یورپ میں بھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں ' جنکی مذہبی توہم پرستیاں کسی طرح بھی مشرقی اقوام کی خوش اعتقادیوں سے کم نہیں ہیں!

یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کی لڑکی تھریسا نیومین نامی کی نسبت ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک مسیحی معجزہ کے اعلان کے لیے بھیجی گئی ہے - دور دور سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کی زیارت سے اور اس کا دامن چھو لینے سے ہر طرح کی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے!

یہ " مسیحی معجزہ " کیا ہے ؟

بائیں جانب تھریسا ہے - دھنی جانب ایک راھبہ ہے جو اسے گرجا لے جا رہی ہے!

تھریسا بے ہوشی کی حالت میں

بیان کیا جاتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہ لڑکی بے ہوش ہو جایا کرتی ہے - اور بے ہوشی کی حالت میں اسکے تمام جسم پر صلیب کے سے نشان پڑجاتے ہیں - نیز پیر کے تلوؤں سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے - جب ہوش میں واپس آتی ہے ' تو صلیبی نشان معدوم ہو جاتے ہیں ' اور خون کا بہنا بھی بند ہو جاتا ہے - اخبارات کا بیان ہے کہ نہ صرف علاقہ کے پادریوں نے بلکہ سرکاری افسروں نے بھی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کا معائنہ کیا ہے ' اور سب متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ صلیب کے نشان جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں - عجب نہیں یہ لڑکی ہسٹریا یعنی اختناق الرحم کی کسی غیر معروف قسم میں مبتلا ہو -

بالشویک روس کی عدالت

جو ۲۶ جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھہ رهي هے !

ابهي تهوڑا عرصه هوا ' خبر آئي تهي که حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسي کے جرم پر گرفتار کیا هے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کي سزا دي گئي - یه مرقع اُسي مقدمه سے تعلق رکهتا هے - اور گریفک لندن کے نامه نگار نے موسکو سے بهیجا هے -

روسي تبلیغ و اشاعت

حال میں روسیوں نے ایک قومي میله کي تقریب پر ایک نهایت دلچسپ مجسمه " سرمایه داري " کا طیار کیا تها جو ایک موٹر کار پر نصب تها اور تمام قصبوں اور قریوں میں اسکي نمایش کي گئي تهي - یه مجسمه کره کا ایک ڈهانچا هے ' جسکے اوپر ایک انسان بیٹها هوا هے - کره سے مقصود تمام دنیا هے ' اور انسان سے مقصود " سرمایه داري " کي طاقت هے - گویا سرمایه داري نے تمام کرهٔ ارضي اپنے قبضه میں کر رکها هے !

" سرمایه داري " کي همه گیري و عالم انگني کي مجسم تمثیل !

لاسلکی عکاسی

یه دو تصویریں " لا سلکي عکاسي " کے تجارب کا آخري تجربه پیش کرتي هیں - " لا سلکي عکاسي " سے مقصود وه نیا انکشاف هے جس کے ذریعه دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضور کے تصویر لیلي جا سکتي هے - امریکه میں اس کا تجربه نهایت تیزي سے ترقي کر رها هے - ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابي کے ساتهه لي گئیں - تصویر نمبر ۱ ایک عورت کي تصویر هے جو تصویر لینے کے مقام سے کئي میل کے فاصله پر تهي - تصویر نمبر ۲ بهي ایک ایسي هي تصویر هے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیاده کامیابي هوي هے - یه تجربه جب پوري طرح کامیاب هو جایگا ' تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعه دنیا کے هر حصه کي صدائیں سن لي جا سکتي هیں ' اُسي طرح هر منظر اور وجود کي تصویر بهي به آساني کهینچ لي جائیگي !

(۱)

(۲)

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اُس نے قیدخانہ طائف سے اپنے عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

"آج بچوں کی تصویریں پہنچیں۔ میں نے تمہارے خطوں کے جواب بھیجدیے تھے۔ معلوم ہوتا ہے نہیں ملے۔ کیونکہ تم نے اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سمرنا سے مجھے استانبول لے گئے۔ وہاں قصر یلدز میں مجھ کو اور محمود پاشا اور نوری پاشا کو علحدہ علحدہ حجروں میں قید کردیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے سلطان عبد العزیز نے خودکشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان مراد اور اُن کی والدہ کے اشارے سے محمود پاشا اور نوری پاشا نے انھیں قتل کرایا ہے۔ اور یہ کہ خود میں، خیر اللہ آفندی، اور رشدی پاشا بھی اس قاتلانہ سازش میں شریک تھے۔ پھر کہا گیا کہ مصطفے پہلوان، حاجی محمد مصطفے جزائری، سلطان عبد العزیز کے تینوں خادم اصلی قاتل ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ تینوں شخص، عبد العزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بفرض محال عبد العزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے یا رشدی پاشا کے خلاف شبہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت اُن کی والدہ اور تین سو بیویاں اور کنیزیں محل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آجتک انھوں نے کبھی اشارۃً کنایۃً بھی نہیں کہا کہ سلطان قتل کئے گئے ہیں۔

محمود نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام ججوں کو مجبوراً تسلیم کرلینا پڑا کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبد الحمید "خطرناک" لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر کمربستہ تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دے دیں۔ عدالت کے بعض ایماندار ارکان نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے اُن کی ایمانداری کی بھی پوری قدر دانی کی اور ہماری طرح وہ بھی قیدخانے بھیجدیے گئے!

سلطان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مصاحب ہر تیسرے دن میرے پاس سلطانی پیغام لے کر آتے تھے اور جھوٹی تسلیاں دے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہونچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہے۔ میری جلاوطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجبور ہوگئے ہیں۔ لیکن پوری ہمدردی سے مجھے اجازت دی ہے کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں!" نیز مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہوں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دئے، مگر افسوس ہے کہ وہ تم لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔

مجھے یقین تھا کہ زودٹس یا عکا کو جلاوطن ہو رہا ہوں۔ میرے خادم عارف کو افسروں نے جہاز کے ایک کمرے میں قید کردیا۔ میرے پاس پہننے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتی کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اُس کے پاس میرے رات کے پہننے کا کُرتا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے اُتار کر اپنے ہاتھ سے دھوئے اور اُس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دنیا سے مجھے نفرت ہوگئی ہے اور چاہتا ہوں جلد اپنے پروردگار کے سامنے پہنچ جاؤں!

ہم تمام رفقاء بمعیت جہاز "عز الدین" پر سوار کردیے گئے۔ کچھ نہیں معلوم تھا کہاں جا رہے ہیں؟ محمود پاشا کو ایک نہایت غلیظ کمرے میں رکھا گیا۔ نوری پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمروں میں اُتارے گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھا دیے گئے۔

ہم جدہ پہنچے۔ بحر احمر کی گرمی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہونچا۔ ہمارے کمرے پاخانوں کے قریب تھے۔ بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ نوری پاشا تو جہاز ہی میں پاگل ہوگئے تھے۔ ابتک اُن کا دماغ درست نہیں ہوا۔

جدہ پہنچتے ہی ہم سمجھ گئے کہ طائف میں قید ہونا ہے۔ مگر ہم باہم کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور بولنے کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے از حد ذلت کا برتاؤ کیا گیا۔ کشاں کشاں مکہ معظمہ پہنچے۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمروں میں قید کردیے گئے۔ ہم خاص مسجد کعبہ میں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہمیں زیارت کی اجازت نہیں دی گئی!

ہم طائف پہنچے اور قلعہ کے قیدخانہ میں علحدہ علحدہ کوٹھریوں کے اندر قید کردیے گئے۔ ہر کمرے کے سامنے ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے رہتے ہیں۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اُٹھ گئی ہے کیونکہ پاسبانوں نے دیکھا، اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف مکہ کو پہونچا کہ یہ لوگ (یعنی ہم جلاوطن ہیں۔ اندیشہ ہے بھاگ جائیں گے۔ پوری سختی سے نگرانی ہونی چاہیے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمروں کے روشن دانوں کو بھی بند کرادیا اور ہمارے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دی گئی ہیں۔ کیونکہ بیماری نے ہمیں اس قابل ہی نہیں رکھا کہ یہ بوجھ برداشت کرسکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہوگئی ہے۔ یہ ہمارے خطوط تم تک پہنچایا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تمھیں ملے، اسی کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور اُنکے خطوط، منزل مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں اور ان کی ملاقات کی تمنا رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہے، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ بجز اس کے کہ سلطنت اور امت کی اصلاح و ترقی چاہی ہے۔ اگر یہی جرم ہے، تو افسوس اُس ملک پر جہاں اصلاح و ترقی جرم سمجھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم و الم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت اُن سے بہتر ہے۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاوز کرچکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہے؟ تمھیں یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ہی سے میرا عزم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کرلوں۔ سفر آخرت کی طیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوتا ہے خدا نے یہ اُسی کا سامان کردیا ہے!

مدت سے تمنا تھی کہ ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کردوں مگر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اب الحمد للہ پوری مہلت مل گئی اور میں نے "قد سمع اللہ" تک قرآن مجید از سر نو حفظ کرلیا ہے۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز یاد خداوندی میں مصروف رہتا ہوں۔ آیت "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ و من یؤمن باللہ یھد قلبہ" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب پر متوکل ہوگیا ہوں۔ اپنے تئیں اُس کے حوالے کردیا ہے۔ تم بھی یہی کرو۔ اُس پر توکل کرو اور اُس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی رنج ہے، تو وہ تمھاری اور بچوں کی جدائی کا ہے۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے ہم سب کو پھر جمع کردے۔ میرے مصنوعی دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں اُن کی مرمت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں نے تم سے جو طلب کی تھی ابھی تک نہیں پہنچی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، اور وہ زرد رنگ کی فرانسیسی کتاب بھیجدو جسے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سمرنا میں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو روانگی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کررہی ہو۔ علی حیدر، وسیمہ، صابرہ کو بہت بہت پیار کرو۔ دریہ خانم کو اور تمام ملازموں کو سلام۔

سمرنا میں دو صندوق، ساحلی کمپنی کے منیجر کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ ان میں میرے تمغے اور اعزازی سندیں ہیں۔ تاکید کردی تھی کہ تمھیں دے دے۔ معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا؟ اگر صندوق ابتک اسی خائن کے پاس ہیں، تو مجھے لکھو تاکہ اُسے یاد دہانی کردوں"

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی ' عمرانی ' اور اقتصادی لحاظ سے هندوستان کی موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۱)

(هندوستان کا رقبه)

ملک	رقبه ایکڑ کے حساب سے
هندوستان	۱،۱۶،۲۹،۱۹،۰۰۰
برطانوي هندوستان	۶۲،۰۷،۲۵،۰۰۰
یورپ	۲،۴۰،۰۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۷،۷۱،۵۲،۰۰۰
ولایات متحدهٔ امریکا	۱،۹۰،۳۲،۶۹،۰۰۰
استریلیا	۱،۹۰،۳۶،۶۴،۰۰۰
کینڈا	۲،۳۹،۷۰،۸۲،۰۰۰
جرمنی	۱۳،۳۵،۹۴،۰۰۰
فرانس	۱۳،۰۸،۵۴،۰۰۰
چین	۲،۵۰،۴۷،۲۸،۰۰۰
جاپان	۱۶،۶۸،۷۲،۰۰۰

هندوستان ' جرمن شهنشاهي سے ۷ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' جاپاني سلطنت سے ۱۱ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' جزائر برطالیا سے ۱۵ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' بر اعظم یورپ کے برابر هے - باستثناء روس -
هندوستان میں ۷،۰۰،۰۰۰ دیهات هیں -
هندوستان میں ۶۷۷ دیسي ریاستیں هیں -

برطانوي هندوستان ' ۱۴ صوبوں پر منقسم هے - هر صوبه ' ضلعوں پر منقسم هے - هر ضلع ' تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم هے - هر تعلقه ' تهانوں پر منقسم هے - هر ضلع کا اوسط رقبه ۴،۵۰۰ مربع میل هے -

هندوستان کي دس میں نو حصه آبادي دیهاتوں میں رهتي هے -

هندوستان میں ۷ لاکهه دیهات هیں - اس کے معنے یه هے که اگر کوئي آدمي هر قریه میں صرف ایک دن ٹهرے ' تو پورے هندوستان کے دورے کے لیے ۱،۹۲۷ سال درکار هونگے -

هندوستان میں ایک لاکهه سے زیاده آبادي رکهنے والے ۳۱ شهر هیں -

(هندوستان کي آبادي)

کل دنیا	۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰
کل هندوستان	۳۱،۹۳،۶۱،۰۰۰
برطاني هندوستان	۲۴،۷۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۴،۲۹،۱۹،۷۰۰
جاپان	۶،۶۰،۸۱،۹۵۴
جرمني	۵،۱۸،۷۰،۷۲۲
فرانس	۳،۹۲،۰۹،۵۱۸
اٹلي	۴،۲۱،۱۵،۶۰۶
سوویٹ روس	۱۳،۲۰،۰۰،۴۱۳
چین	۴۳،۶۰،۹۴،۹۵۳
ولایات متحدهٔ امریکه	۱۱،۲۷،۸۶،۰۰۰

هندوستان کي آبادي ' دنیا کي مجموعي آبادي کا پانچواں حصه هے -

هندوستان کي آبادي ولایات متحده کي آبادي سے ۳ گني زیاده هے -

هندوستان کي آبادي فرانس کي آبادي سے ۸ گنا زیاده هے -

صرف مدراس اور میسور کي آبادي ' جاپان کے برابر هے -

صرف بمبئي کي آبادي ' اسپین اور پرتگال کي مجموعي آبادي سے زیاده هے -

هندوستان میں هر مربع میل کي اوسط آبادي ۱۷۷ هے -

اگر هر منٹ میں ۲۵ آدمي پر نظر ڈالي جائے ' تو پورے هندوستان کي آبادي دیکهنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانه درکار هوگا !

(دنیا کي آبادي رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کي آبادي : ۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰)

سفید فام	۹۳،۶۰،۰۰،۰۰۰
زرد فام	۵۱،۷۴،۸۸،۰۰۰
سیاه فام	۲۴،۳۰۶۰،۰۰۰

(سفید فام)

هندوستانی	۳۴،۵۰،۰۰،۰۰۰
ٹیوٹانک	۴۶،۶۷،۰۰،۰۰۰
سلاوي	۱۷،۶۰،۰۰،۰۰۰
لاطیني	۱۷،۲۰،۵۰،۰۰۰
یوناني	۹۵،۰۰،۰۰۰
باسکس	۴،۰۰،۰۰۰
افغان	۷۵،۰۰،۰۰۰
ایراني	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
عرب اور بربر	۲،۴۰،۰۰،۰۰۰
یهودي	۲،۵۰،۰۰،۰۰۰
قبطي	۸،۵۰،۰۰۰
دیگر اقوام	۹۰،۰۰،۰۰۰

(زرد فام)

چیني	۳۲،۳۰،۰۰،۰۰۰
جاپاني	۵،۶۵،۰۰،۰۰۰
کوریں	۱،۷۰،۰۰،۰۰۰
ترک	۱،۲۰،۰۰،۰۰۰
امریکن دیسي ' اهل ملایا ' اور فلیپائن	۴،۰۰،۰۰،۰۰۰
منگولي	۳۰،۰۰،۰۰۰
کرغیز وغیره	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
ماؤئر	۹۵،۰۰،۰۰۰
فنس	۳۵،۰۰،۰۰۰
اسکیمو اور سائبیرین	۱۰،۰۵،۰۰۰
سیامي	۸۵،۰۰،۰۰۰
برمي	۷۸،۹۰،۰۰۰
تبتي	۶۵،۰۰،۰۰۰

گیا ہوں۔ اخبارات کو یہ خبر شایع کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ تعجب یہ ہو کہ ترکی کے اخبار "طان" تک کو گمراہی میں ڈال دیا گیا اور اُسنے بذریعہ تار آستانہ کے اخبارون سے دریافت کیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ مشہور کی گئی تھی کہ میں مجنون ہوگیا ہوں۔ معلوم نہیں اس کذب و دروغ سے حکومت کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہو؟

طائف - ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ

(۷)

اپنے مرشد سلیمان آفندی کے نام

"..... قسمت میں یہی تھا کہ ہم اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سے جیتے جی دور اور اپنی آزادی سے محروم ہوجائیں۔ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اُس کا تصور بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ صرف ذات الٰہی باقی رہے گی۔ کوئی مخلوق بھی دائمی زندگی نہیں پائے گی۔ سب کے لئے زوال ضروری ہو:

لا یغرن امرأ عیشہ ۔ کل حی صائر للزوال!

یہ چند روزہ زندگی، ایک کھیل ہو۔ بلکہ ایک پل ہو جس پر سے انسان گزر جاتا ہو۔ زندگی کی حرص و طمع، لاحاصل ہو۔ ان مصائب پر اللہ تعالیٰ بندوں کا ثواب زیادہ کردیتا ہو۔ ہمارے لئے انبیاء و اولیاء کا اسوۂ حسنہ موجود ہو۔ ان میں اکثر قیدخانوں ہی میں مرے۔ امام ابو حنیفہ اور امام موسیٰ کاظم کی مثال ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہو۔

میری حالت اسوقت یہ ہو کہ ہر لمحہ یہ مقولہ زبان پر رہتا ہو۔ "کن فی الدنیا کانک غریب" (دنیا میں اس طرح رہو گویا پردیسی ہو) زندگی کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوں۔ عمر ۶۰ سے زیادہ ہوگئی ہو۔ اب مجھے ہر لحظۂ حیات غنیمت سمجھنا چاہئے اور آخرت کی طیاری کرنی چاہئے۔ میرے پاس بعض کتابیں موجود ہیں۔ اُن میں آپ کا مجموعہ رسائل بھی ہو۔ اس کتاب سے مجھے عبادت الٰہی میں بہت مدد ملتی ہو لیکن انسان تنہا اپنی رائے سے ہر قسم کی ریاضت نہیں کرسکتا، لہٰذا اے شیخ جلیل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اُس راستہ کی طرف رہنمائی کیجئے جو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہو۔ میں یہاں دور سے بھی آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ کیونکہ معنوی علاقہ، جسمانی اتصال کا محتاج نہیں۔ آپ مجھے تحریر کے ذریعہ ہدایت دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خود تشریف لائیے اور زبانی رہنمائی کیجئے۔ میں بے صبری سے آپکے تحریری یا زبانی جواب کا منتظر رہوں گا۔"

قیدخانۂ طائف - ۱۹ شوال ۱۳۳۵ھ

(۸)

نفیسہ خانم کے نام

"گزشتہ ماہ ایک خط "سعید بک" کے فرضی دستخط سے بھیج چکا ہوں۔ اس کے ایک ہفتہ بعد، دو پھوڑے نکل آئے۔ ایک پیٹھ میں، دوسرا پہلو میں۔ یہاں صرف ایک ڈاکٹر ہو اور وہ بھی نومشق ہو۔ دوستوں کو میری بیماری سے سخت تشویش ہوئی۔ اُنھوں نے میری لاعلمی میں والی مکہ کو تجربہ کار طبیب بھیجنے کے لئے لکھا۔ مگر والی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں صاحب فراش تھا اور قصر سلطانی سے برابر احکام آرہے تھے کہ مجھے اور میرے رفقاء کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ہمارا خاص کھانا موقوف کردیا اور ہمارے نوکر بھی علیٰحدہ کردئے گئے۔ میں بستر مرگ پر پڑا تھا کہ ایک افسر نے آکر حکم پہونچایا "تمھیں بھی وہی کھانا ملے گا جو دوسرے تمام قیدیوں کو دیا جاتا ہو۔ لہٰذا بازار سے کوئی چیز نہ خرید سکوگے۔ تمہارے خاص برتن بھی لے لئے گئے۔ قیدخانہ کے برتنوں میں کھاؤ، اور کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھونا پڑینگے!" پھر اُسنے ہم سے کاغذ، قلم، دوات وغیرہ لکھنے پڑھنے کا تمام سامان بھی لے لیا اور چلا گیا۔

الحمدللہ میں نے تمھارے تمام خطوط پہلے ہی سے جلا دئے تھے، ورنہ انھیں ایک اور بہانہ ستانے کا مل جاتا۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور دو برس کی عمر کا بچہ قلعہ کے قریب ایک مکان میں تھے۔ اُنھیں بھی نکال دیا گیا۔ اسوقت یہ لوگ مکہ میں مقیم ہیں۔

اس سختی سے حکومت کی غرض یہ ہو کہ ہم جلد سے جلد مرجائیں کیونکہ ہم لوگ اچھے کھانوں کے عادی ہیں۔ قیدیوں کا کھانا کھاکر ضرور ہلاک ہوجائیں گے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ہمیں ہر ممکن تکلیف بھی دی جارہی ہو کیونکہ حکومت کو شبہ ہو کہ یہ لوگ قیدیوں کا کھانا کھانے پر بھی زیادہ دن زندہ رہیں گے۔ جب سے میرے رفقاء نے یہ حکم سنا ہو، نہایت پریشان ہیں اور شب و روز اللہ تعالیٰ سے دعائیں کررہے ہیں۔

اس مہلک بیماری میں مجھے آرام کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ مگر میرے خادم کو بھی لے گئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ طبیب کی آمد و رفت بھی روک دی۔ اس سے بھی بڑھ کر افسر کی گستاخانہ گفتگو نے مجھے اذیت دی۔ میری بیماری بہت زیادہ ہوگئی۔ موت کا قطعی یقین تھا۔ دنیا سے سفر پر مجھے از حد خوشی تھی۔ لیکن افسوس، موت قسمت میں نہ تھی۔ زندگی کا معاملہ، صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہو۔ میری طلب پر بھی موت نہ آئی۔ میرے رفقاء نے ایک مرہم خود بناکر پھوڑوں پر لگا دیا تھا۔ وہ اُس سے پھوٹ گئے۔ ۱۵ دن میں زخم بھر گئے۔ اب میں پھر زندہ ہوگیا ہوں۔

افسر نے میرے خادم کو جدہ بھیجدیا تھا تاکہ آستانہ پہونچا دیا جائے مگر قصر شاہی سے حکم آیا کہ اُسے وطن آنے نہ دیا جائے، بلکہ قید کردیا جائے۔ چنانچہ وہ غریب بھی قید ہو۔ اس حادثہ سے مجھے بہت رنج پہونچا۔ میں خوش تھا کہ مسکین کو اب مصیبت سے نجات ملی مگر میری خوشی، صرف چند روزہ تھی۔ اب مجھے اپنی مصیبت کے ساتھ اُس کی مصیبت پر بھی غم کھانا ہو۔

روپیہ، کپڑے، ماکولات، کوئی چیز بھی نہ بھیجنا کیونکہ مجھے کچھ بھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچے بھی، تو بے کار ہو۔ روپیہ اس لئے بیکار ہو کہ ہم کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کپڑے اس لئے بیکار ہیں کہ کپڑے دھلوانے کی ہمیں اجازت نہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے دھو کر پہنتا ہیں۔ اس حالت میں پُرانے اور نئے کپڑے یکساں ہیں۔ لہٰذا کوئی چیز بھی نہ بھیجو۔

ہمارے لئے جو کھانا مقرر ہوا ہو وہ صرف شوربا ہو۔ ایک ظرف میں ۸ آدمیوں کے لئے شوربا آتا ہو اور ہرگز کافی نہیں ہوتا۔ شام کو مولی کے پتوں کا شوربا ہوتا ہو۔ ہم لوگ یہ کھانا بالکل کھا نہیں سکتے۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت ناتوان ہوگئے ہیں۔ ہر لحظہ موت کا انتظار ہو۔ دیکھنا چاہئے ہم میں کون پہلے قبر میں جاتا ہو۔"

بچوں کو پیار۔ سب کو سلام

۸ رجادی الاخر ۱۳۳۵ھ

(۹)

نفیسہ خانم اور فرزند عزیز علی حیدر کے نام

"یہ غالباً میرا آخری خط ہو۔ کیونکہ ہمارا کھانا بند ہوچکا ہو اور سخت تکلیفیں دی جارہی ہیں، جیسا کہ پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔

اب وہ ہمیں زہر دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ دے بھی چکے ہیں لیکن میرے خادم عارف (جو اب میرے ہی ساتھ قید ہی) کی وفاداری اور بیداری کی وجہ سے ابتک اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ ایک دن عارف نے ایک افسر کے ذریعہ دودھ خریدا۔ افسر نے اُس میں زہر ملا دیا تھا۔ عارف پہچان گیا اور دودھ پھینک دیا۔ ۱۴ دن بعد عارف نے گوشت خرید کر میرے لئے پکایا۔ مگر اُسکے ہٹتے ہی اُس میں زہر ڈال دیا گیا۔ چند دن بعد ہمارے پانی کی صراحی میں زہر ملا دیا گیا۔ ہمارے محافظ بکر آفندی چرکسی نے اعتراف کرلیا ہو کہ قصر شاہی سے روز تاکیدی حکم آرہے ہیں کہ ہمیں فوراً مار ڈالا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا والی مکہ نے تحمید بک چرکسی کو مکہ معظمہ سے خاص اسی غرض سے یہاں بھیجدیا ہو اور وہ قتل کی طیاریوں میں لگا ہوا ہو۔ ظاہر ہو ہم ان تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ موت یقینی ہو۔ شاید اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی تمھیں میری موت کی خبر پہنچے۔ لیکن تم رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھے امید ہو یہ موت، میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ میں اپنے وطن اور امت کی راہ میں مر رہا ہوں۔ میری وصیت یہ ہو کہ حکومت کوشش کرے گی تمھیں آستانہ لے جائے اور تمھارا وظیفہ مقرر کرے۔ مگر تم اسے منظور نہ کرنا۔ اپنے گھر ہی میں رہنا۔ میری بہن صدیقہ خانم کو اپنے ساتھ رکھنا اور ترکہ میں سے اُنھیں بھی حصہ دینا۔ میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا۔

۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ

آخری خط

شہادت سے ایک دن پہلے لکھا گیا

علی وصفی آفندی کے نام

میں تمھیں پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں۔ اپنی سوانح عمری کا ایک جزو ختم کرکے تمھیں بھیج چکا ہوں۔ پڑھنے کے بعد سمرنا بھیجدینا۔ اب زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ کیونکہ یہ لوگ زہر دینے میں ناکامیاب رہے۔ اب کوئی دوسری تدبیر کرینگے۔ میں ہر لمحہ خداوند تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں مرجاؤں تو فقراء پر سو پونڈ خیرات کردینا جو تمھارے پاس امانت ہیں۔ اگر اس سے زیادہ خرچ کرنا تو سمرنا سے روپیہ طلب کرلینا۔ فوراً آجائے گا۔ میرے مرشد شیخ سلیمان کی دست بوسی کرو اور میرے حق میں دعا کی درخواست کرو۔ درویش صلاح الدین پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ اُس کی طبیعت کا حال معلوم ہو۔ بلاضرورت مجھے نہ لکھنا۔ آئندہ شاید میں بھی کچھ لکھ نہیں سکوں گا۔ کیونکہ حالت بہت خطرناک ہوگئی ہو۔ والسلام

---

(۲)

"رمضان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ تمھارے اور بچوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہے۔ تم نے ضرور روپیہ اور کھانے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی ازحد ضرورت ہے۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ پونڈ بھیجے تھے، اور جو رقم قسطنطنیہ سے آئی تھی، اب اسمیں سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذمہ خود لے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہے۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میں اور محمود پاشا اُن کی کفالت کر رہے ہیں۔ انھیں کپڑے بھی بنانے ہیں ہمیں قیدخانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر ہمیں روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے رفقا میں فوج کے بعض بڑے بڑے افسر بھی ہیں انھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہے۔ بیچارے خود اپنے ہاتھ سے سی رہے ہیں۔ اُن کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ اُن کی ضروریات زندگی کا حتی الوسع خیال رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہے۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ہم ہی انکی خبر لیں۔ لہٰذا فوراً ۵۰ پچاس پونڈ حکومت کے توسط سے بھیجدو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا برتن اور گھڑی بیچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار۔"

مدحت

قلعہ طائف کا قیدخانہ

۲۵ر اگست ۱۹۱۶ء

(۳)

"... پرسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف مکہ (عبدالمطلب) حسب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ منگل کی رات کو وہ اپنے گھر میں مطمئن سو رہے تھے کہ اچانک آدھی رات کو تین فوجوں نے آکر اُن کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ۷ توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قیدخانے میں قیدی بنے چلے آرہے ہیں۔

کہا جاتا ہے شریف کا جرم یہ ہے کہ اُسنے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے ہمیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لے لیا۔ وہی مصیبت اُس پر ڈال دی جسمیں ہم پھنسے ہیں۔ اسمیں ہر عاقل کے لئے عبرت ہے۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہے۔ سو برس کا بوڑھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہے۔ یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا ہمیں سمرنا میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی۔"

مدحت

(۴)

"گزشتہ رمضان سے تمھاری اور بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمھیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت ہی سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمتگار ہم کو علٰحدہ کر دئے گئے ہیں۔ حال ہی میں آستانے سے عمر بک نام ایک شخص خاص اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو پوری کردے۔ اس شخص کی عمر زیادہ ہے، مگر عقل کم ہے۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تلا ہوا ہے، کیونکہ شاید اُسے یہی حکم ملا ہے یا مزید مقبولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ بھوکا رکھنے سے ہم جلد نہیں مرینگے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائیگی۔ لہٰذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہے جس سے میری، محمود پاشا کی اور خیر اللہ آفندی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہے "تم اپنے وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمھارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرو تاکہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اسنے نوری پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا "تم نوکروں کی قید اُسی وقت ختم ہوگی جب یہ لوگ مریں گے۔ نوری پاشا تو مجنون ہیں۔ کئی دفعہ کمرے کی کھڑکی سے پھاندنا بھی چاہا۔ تم اُن کی اس میں مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور کھڑکی کی سلاخ ریت ڈالو۔ تاکہ نوری پاشا پھاند کر ہلاک ہو جائیں۔"

غرضکہ اسنے تمام نوکروں کو بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ نوکروں نے اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اسپر انھیں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سُن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں زہر دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک طرف دنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہے، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے اس طرح دین اور دنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائینگے!

ہم ۔۔۔ برس سے یہاں ہیں مگر آج تک قلعہ کا پھاٹک تک دیکھ نہ سکے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اجنبی باورچی تھا۔ ڈرا دھمکا کر اُسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمیں جلد اس دنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے ستانے اور اس طرح قفس میں بند رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ قصر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہے۔ یورپ بھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہے۔ اخبارات کے صفحوں پر آ چکی ہے۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کر سلطان اور اُنکے مصاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ احکم الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کرے۔ اگر تمھیں کوئی منصف مزاج ملے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سُنا دینا۔

قید خانۂ طائف ۵ محرم [illegible]

(۵)

والیٔ حجاز عثمان پاشا کے نام

"آپنے رسالدار تحمید بک کے نام جو خط لکھا ہے اُس میں شکایت کی ہے کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قونصل کو دی ہے۔ حالانکہ میں نے قونصل مذکور کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی وہم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک مخفی رہتیں طائف اور مکہ میں بچہ بچہ اُن سے واقف ہے۔ اگر انگریزی قونصل کو علم ہوا ہے تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن آپنے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہے۔ ۔۔۔ آپ کو یقین ہے کہ اسمیں میرا ہاتھ ضرور ہے۔ لہٰذا میں مجبور ۔۔۔ ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

عمر پاشا علی الاعلان کہتے رہے ہیں کہ اُنکے آنے کی غرض ہم قیدیوں کو زہر دے کر قتل کرنا ہے۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کھلے بندھوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہاڑے مار ڈالیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو اُنھیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اِجناب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ عجیب نہیں ہے۔ انگریزی قونصلوں کا کام ہی یہ ہے کہ خبریں معلوم کر کے اپنی حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ باہر ہمارا کوئی ایسا معتمد علیہ موجود نہیں جسپر ہم اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انگریزی قونصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ اِدہر اُدہر جا سکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیا بازار سے خرید لیں اور اُسوقت بھی مسلح افسروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تمھارے ضمیر نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ ہمیں ملامت کرو۔ تمھارے خیال میں اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی اولاد، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دئے گئے ہیں، اور ایک قفس میں جانوروں کی طرح محبوس ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کی صحت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہے جسے دنیا کا کوئی قانون، کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہ نئی تہمت تراشنے سے مقصود یہ ہے کہ ہماری عزیزوں سے خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرے کو مارنا کہاں کا انصاف ہے؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ سمرنا میں میں نے فرانسیسی قونصل سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمھاری جہالت کی دلیل ہے۔ میں صوبۂ سمرنا جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھے قید کر کے لے چلے۔ میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ و بکا اپنے کانوں سے سُنتا تھا، مگر انھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اُسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تمھارے ضمیر سے چاہتا ہوں۔

اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ میں دو مرتبہ وزیراعظم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا ہے تم ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اور اب تم ہماری زبانیں بند کر دوگے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افسروں اور سپاہیوں کی ہمپر حکومت ہے۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمھارے دل میں آئے شوق سے کرو۔ ہمیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہے۔ تم ہمیں "مجرم" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہو سکتے لیکن میں تمھیں وہ گفتگو یاد دلاتا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسانیت، مروت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجودہ برتاؤ اِن صفات کے مطابق ہے؟

قیدخانہ طائف، ۸ صفر [illegible]

(۶)

نفیسہ خانم کے نام

"... پچھلے دنوں مشہور کر دیا گیا کہ میں ہندستان یا یورپ بھاگ

سراسر بنگال اور کرناٹک کے عالیشان خزانوں کی لوٹ سے شروع ہوتی جنگ پلاسی سے پہلے ہمارے ملک (انگلستان) کی صنعت نہایت پست تھی

(ڈیگبی)

تین کروڑ انسانوں کو لوٹ کر کلکتہ میں عظیم الشان دولت بہت جلد جمع کرلی گئی تھی ... قدیم زمانوں میں معمولی مظالم پر ہندوستانی اپنے حاکموں کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت لینے والی زمتی یہ حکومت سنگ دل سے سنگ دل وحشی اور مستبد حکومتوں کی طرح ظالم اور سخت تھی۔ مزید براں تمام تمدنی طاقتور ہتیاروں سے مسلح تھی۔

(لارڈ کلائیو پر میکالے کا مضمون)

یہ مالا مال خزانے، کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی، انگریزوں نے ہتیا کر لندن اُسی طرح بھیجدی، جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیجدیئے تھے، ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے؟ کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ لیکن وہ ضرور کروڑوں اشرفیاں ہونگی۔ اتنی دولت اُسوقت کی مجموعی یورپین دولت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ (بروک آدم)

جب میں ۱۷۵۰ء میں انگلستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ملک بھر میں بارہ بینک بھی موجود نہ تھے۔ بنگال کی چاندی نے انگلستان پہنچکر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی رفتار بھی بہت تیز کر دی (برک)

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہو ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے مہیا ہوئی ہو ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہو نہ کسی زمانہ میں۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی یادداشت ۱۸۱۲ء)

سرسری اندازہ کے ساتھ، بڑی آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہو کہ جنگ پلاسی اور جنگ واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ جاچکا تھا۔ (ہیمرونیگیٹ)

ہندوستان، انیسویں صدی میں انگلستان کو کم سے کم ایک ارب ... کرور روپیہ دے چکا ہو۔ ہمارے ہم وطنوں (انگریزوں) کا ۳۰ کرور روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہو۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت ہمارے لئے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔ ہندوستان میں ہمارے حوصلہ مند نوجوانوں اور بے شمار نفیروں کو روٹی مل رہی ہو۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا قبضہ بہت زیادہ طاقتور، باعزت، اور با اثر بنا رہا ہو۔ تمام اعلیٰ خیالات، مسیحی حکمرانی اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کر کے، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہئے انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو طیار ہیں مگر یہ سونے کی چڑیا کسی حال میں بھی اپنے ہاتھ سے اڑنے نہیں دیں گے!

(ہیمرونیگٹ ۱۸۸۰ء)

ہندوستان نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہو کرۂ زمین پر ہمیں ویسا ہی عظیم الشان جزیرہ بنا دیا ہو جیسا جاپان کو اُس کے جزائر نے ہم اتنی بڑی سلطنت ہو گئے ہیں جتنی دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس احسان پر ہمیں ہندوستان کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیے۔

(سر جارج برڈوڈ)

ہندوستان کا ہمیشہ خون چوستے رہنا چاہئے۔

(لارڈ سالسبری ۱۸۷۵ء)

میں پوری متانت سے اعلان کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے مظالم سے مالابار کی مخلوق فنا ہوگئی اور ملک برباد کر ڈالا گیا۔ موجودہ گورنمنٹ نے ملک اور اُس کے باشندوں کو مفلس اور ذلیل کر ڈالا ہو۔

(فرانسس براؤن: سیلکٹ کمیٹی رپورٹ ۱۸۳۲ء)

ہندوستان کا نظارہ، دماغ پر افلاس اور افسردگی کا اثر قائم کر دیتا ہو۔ ملک سے زیادہ اُس کے عام باشندے اُداس ہیں۔ وہ کمزور اور خستہ نظر آتے ہیں۔ اُنکے کپڑے میلے کچیلے پھٹے پرانے ہیں۔ وہ سب غریب معلوم ہوتے ہیں اور محض ایک ٹکڑا روٹی پانے کیلئے جان توڑ محنت کرتے ہیں، وہ لاغر اور مرجھائے ہوئے ہیں۔

(سر فریڈرک ٹریوس ۱۸۹۰ء)

برطانوی ہند کی دیہاتی آبادی کی حالت کیا ہو؟ اب وہ اُس مطمئن اور خوش و خرم قوم کی نمائندگی نہیں کرتی جس کا حال ہم قدیم تاریخوں میں پڑھتے ہیں۔ شکستہ روح، پست دماغ، خستہ حال غریب رعیت کی ایک ہی آرزو رہ گئی ہو کہ آئندہ فصل پکنے تک وہ بھوکوں نہ مرجائے۔ (دی تھری پریسیڈینسیز آف انڈیا)

آج ہندوستان کی عام آبادی اس قدر قلاش ہو رہی ہو کہ اس کے پاس بمشکل قوت لایموت باقی ہو۔ عیش و عشرت تو در کنار، ہندوستانی بمشکل اپنے بال بچوں کی شکم پری کرسکتا ہو"

(لارڈ لارنس ۱۸۶۴ء)

برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا گلا گھونٹنا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبر قرار دیا جاتا ہو۔ حالانکہ یہ برطانوی قساوت کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہو کہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح چنگی اور محصول لگا کر ہندوستان کی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ (مسٹر شور)

---

۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر والی ہندوستانی عورتیں بہترین سوت کاتتی ہیں۔ روپیہ بھر وزن کی روئی سے [illegible] سے بھی زیادہ لمبا سوت تیار کرسکتی ہیں۔

[illegible]

وہ انگریزی حکومت ہی تھی جس نے ہندوستانی صنعت کو ہلاک کر دیا۔ انگلستان نے خود ہندوستان کے بازاروں سے ہندوستانی کپڑا اپنے دخل کر دیا۔ اُسنے اس ملک میں اپنا سوت بھیجنا شروع کیا، یہاں تک کہ دیسی سوت غائب ہوگیا۔ یہ ملک چرخہ کا مرکز تھا، بدیشی سوت کا دست نگر ہوگیا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۶ء تک ہندوستان میں انگریزی سوت کی درآمد ایک سے شروع ہوکر ۵۲۰۰ گنا ہوگئی! (کارل مارکس: برٹش رول ان انڈیا)

ہمارا تعلق ہندوستان سے بہت گہرا ہو۔ دنیا میں یہ ملک سب سے بڑا بازار ہو۔ ہم وہاں بحیثیت تاجر کے گئے ہیں۔ باوجود موجودہ زمانہ کی تمام نعافلیوں کے ہماری ہندوستانی حکومت ایک مادی بنیاد پر قائم ہو جسے ان لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہو کہ ہم تمہاری صنعت کو برباد کریں، تم ہمارا مال خریدو۔ اگر ہم ہندوستان چھوڑ دیں تو اس سے نہ صرف ہندوستانیوں ہی کو نقصان پہنچے گا بلکہ لنکا شائر کے ایک کرور ۲۰ لاکھ آدمی بھوکوں مرجائیں گے اور ہماری تمام صنعتی زندگی ختم ہو جائے گی۔ تمام باتوں کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواب ہو اور وہ یہ کہ "کچھ ہی ہو ہماری قوم کو زندہ رہنا ہو"! بغیر ہندوستان کی تجارت اور دستکاری پر قبضہ رکھے یہ قوم اس تنگ جزیرہ میں کسی طرح بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ (مسٹر وہائٹ ۱۸۴۲ء)

موافق موسم میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد ۱۰،۰۰،۰۰،۴۰۰ من غلہ ہندوستان میں بچ رہا تھا۔ (قحط کے کمیشن کی رپورٹ ۱۸۸۰ء)

۱۷۵۶ء میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار، آباد اور زرعی ملک تھا۔ (بنگال کی تحقیقات ۱۸۳۲ء)

گورنمنٹ نے کسانوں پر اتنا زیادہ لگان لگا دیا ہو کہ اُنکے اور اُنکے بال بچوں کی سال بھر کی خوراک بھی اکثر نہیں بچتی۔

(سر ڈبلو۔ ہنٹر ۱۸۷۸ء)

جنگل کٹ جانے کی وجہ سے ہندوستان کے باشندوں پر دو نئی مصیبتیں اور بڑھ گئیں۔ ایندھن کا نقصان اور بارش کی کمی۔

(بیرون ہن بورڈ)

انگریزی سلطنت کے آغاز ہی میں ہندوستان کے جنگل تیزی سے برباد کر ڈالے گئے۔ (پروڈکشن ان انڈیا)

جنگل، قومی دولت کا ایک بہت اہم سرچشمہ ہیں جنگل، اوس پیدا کرتے ہیں اور موسم کا اُتار چڑھاؤ روک کر اعتدال قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں گرمی اور بارش بہت ہوتی ہو جنگل کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ (")

اکبر کے عہد میں نہروں کا ایک ایسا بڑا سلسلہ قائم کیا گیا تھا جیسا پہلے کبھی نہ تھا۔ (کیپر صفحہ ۲۵۳)

فیروز شاہ نے اپنے عہد میں دریاؤں پر تیس بند قائم کئے تھے، پانی محفوظ رکھنے کے لئے ۴۰ عظیم الشان حوض بنائے تھے اور ایک اتنی بڑی نہر کھدوائی تھی جو اپنے وقت میں سب سے بڑی نہر تھی۔

(" ")

دہلی کی نہر، جسے شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، نہایت ہی وسیع اور مضبوط تھی۔ (ڈوڈ)

پورے جنوبی ہندوستان میں گنجام سے راس کماری تک ایسے عظیم الشان اور غیر معمولی تالابوں کے نشان اب تک موجود ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (فرانسس براؤن)

ہندوستان کے نام نہاد "وحشی" پرانے حکمران رعایا کی منفعت کے کاموں پر اتنی دولت خرچ کرتے تھے جس سے اُس زمانہ میں پوری یورپین جنگی قوت قائم ہوسکتی تھی۔ (تھری پریسیڈنسیز آف انڈیا)

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مُصنفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مُدبّروں کی شہادت

"بنگال اپنی پیداوار اور ہر چیز کی فراوانی میں، دنیا کے ہر شہر سے مقابلہ کرسکتا تھا۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز تھا کہ انسانی ضروریات اور عیش و عشرت کا جملہ سامان آسانی مہیا کرتا تھا۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کے مویشی، بارہ ماسی پھل، بکثرت غلہ، ہر قسم کا کپڑا خصوصًا نفیس ریشم اس قدر زیادہ موجود تھا کہ دنیا کے کسی علاقہ میں بھی نہ ہوگا۔ ۱۸۰۳ء" (الفنسٹن جلد ۲)

"باشندے عام طور پر نہایت تہذیب اور آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی طرف سے بالکل مطمئن تھے، کیونکہ بادشاہ اپنی رعایا کو نہ تو جھوٹے الزاموں پر ماخوذ کرتا تھا، نہ اُس کی مال و دولت اور شاندار زندگی پر حسد کرکے اُسے اُس سے محروم کرتا تھا۔"

(پاٹر ولڈویل ۱۶۲۳ء)

"بادشاہ کے ذاتی کمرے اور شاہی دربار اپنی چمک دمک میں نگار خانۂ چین ہو رہے تھے۔ محل کی ہر ہر چیز اُس سلیقہ اور ہنرمندی کی زندہ شہادت تھی جو اُسمیں صرف کی گئی تھی۔ عظیم تخت شاہی، جو "کوہ نور" ہیرے کے ساتھ کئی صدی پہلے ایران سے لایا گیا تھا، ٹھوس سونے کا تھا، اور وہ عظیم الشان طاؤسوں پر قائم تھا، جن کی پھیلی ہوئی دُمیں بیش بہا جواہرات سے مرصع تھیں... اس طرح شہنشاہی عظمت قلعہ دہلی کے اس کتبہ کو صحیح ثابت کر رہی تھی کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است!

(قدیم و جدید شرقی مستفا ایل گینی)

"تمام زمانوں میں سونا خصوصًا چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پُر منفعت تجارت تھی۔ روئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضروریات اور کمالیات میں بیرونی ممالک سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا یہ ملک تھا۔ مناسب آب و ہوا، زرخیز سرزمین، اور خود باشندوں کی ذہانت نے سب کچھ مہیا کر دیا تھا جس کی اُنھیں ضرورت تھی۔" (ڈاکٹر رابرٹسن)

"بنگال اپنے لامتناہی خزانوں سے اپنے آقاؤں کو دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے" (کلایو کے خطوط ۱۷۶۵ء)

"نواب شائستہ خاں کے عہد (۱۶۹۴ - ۱۶۸۰) میں ایک روپیہ میں ۸ سیر چاول فروخت ہوتے تھے۔" (جے ٹیلر)

"شہر ڈھاکہ میں ۵۲ بازار اور ۵۳ سڑکیں تھیں" (")

"شہر مرشد آباد اس قدر وسیع اور دولتمند ہے جس قدر خود شہر لندن۔ فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں لوگوں کی ذاتی جائدادیں آخر الذکر سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کی آبادی کئی لاکھ ہوگی۔ اور اگر وہ یورپین باشندوں کو فنا کرنے کا ارادہ کریں تو صرف لاٹھیوں اور پتھروں سے کرسکتے ہیں"

(پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے کلایو کی شہادت ۱۷۶۶ء)

"بنگال کی سلطنت، چھ سو میل لانبی، تین سو میل چوڑی اور دنیا کی ایک نہایت ہی وسیع اور زرخیز میدانی سرزمین کی مالک ہے، جہاز رانی کی صلاحیت رکھنے والے متعدد دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے، اپنے دامنوں میں ڈیڑھ کرور جفاکش انسانی آبادی رکھتی ہے، یہی نہیں بلکہ اس سے دوگنی آبادی کے لئے پیداوار کی قابلیت رکھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے خاص اپنے ہاتھوں سے اسے دنیا بھر سے زیادہ زراعت کے لائق بنا دیا ہے۔" (ڈاو ۱۷۶۸ء)

"سراج الدولہ کی وفات کے بعد بنگال کے سیاح تصدیق کرینگے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار، آباد، اور زرخیز سلطنت تھی۔ تجار اور امراء دولت و ثروت اور عیش و آرام میں غرق تھے۔ دستکار اور صناع، اطمینان اور زراعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔" (۱۷۶۸ء ")

"پبلک کو ہر طرح پریشان کرکے ملک ویران کر دیا گیا تھا۔ چھ سال کے قلیل زمانہ میں دولتمند قلمرو کے نصف بڑے بڑے شہروں کو بالکل اُجاڑ دیا گیا تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین تباہ کر ڈالی گئی تھی اور ۵۰ لاکھ بے ضرر اور محنتی انسانوں کو جلا وطن یا برباد کر دیا گیا تھا"

(ایسٹ انڈین کمپنی کے عہد میں بنگال ۱۸۱۳ء)

"جتنی رقمیں بھی دہلی پہلے بھیجی گئی ہوں، وہ سب کی سب بنگال کی وسیع تجارت کے منافع سے وصول ہو جاتی تھیں۔ بنگال کی تجارت پورے ہندوستان کی دولت کا مرکز تھی... اس صورت حال سے موجودہ زمانے کے حالات کس قدر مختلف ہیں؟ جب سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی نظامت تمھارے (انگریزوں) ہاتھ میں آئی ہے، یہ صوبے اپنی خوشحال آبادیوں اور دستکاریوں کی قدیم اہمیت سے کس قدر محروم ہوگئے ہیں؟" (دیوآف بنگال)

"ہندوستان کبھی مغلوب نہ ہوتا اگر خود اُس کے فرزندوں کی مدد نہ ہوتی" (سر جان میکولم)

"ہندوستان ایک ایسی فوج سے فتح ہوا ہے جسمیں تین حصے خود ہندوستانی سپاہی تھے اور صرف ایک حصہ انگریز تھے۔

....

جبکہ ہم یہاں ہندوستان میں ایک اتنی بڑی آبادی کے فتح کرنے میں مصروف تھے، جو پورے یورپ کی آبادی کے برابر تھی، تو اُس وقت انگلستان میں انگریزوں کو اس مقصد کے لئے نہ تو ٹیکس دینا پڑا، نہ قرضہ لینا پڑا، نہ کسی الجھن کا سامنا ہوا، اور نہ ہی کوئی جنگی بھرتی کی ضرورت پڑی۔

....

جو کچھ میں نے کہا اُس کا مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح، صحیح معنی میں ہرگز فتح نہیں ہے، کیونکہ یہ انگلینڈ کی حکومت، فوج، اور روپیہ سے عمل میں نہیں آئی۔ انگلینڈ نے صحیح معنی میں ہندوستان کو فتح ہی نہیں کیا... (ایکسپینشن آف انگلینڈ۔ پروفیسر سیلی)

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اُس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی سعی نہ بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے، تو اُسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اُسپر فاتحانہ حکمرانی نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعًا برباد ہو جائیں گے" (")

"جنگ پلاسی کے بعد ہی بنگال کی لوٹ، انگلستان پہنچنے لگی اور اس کا اثر فورًا نمودار ہوا۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ انگلستان میں جس صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی کو تمام پچھلے زمانوں سے ممتاز کر دیا اُس کی بنیاد اسی جنگ کے بعد یعنی ۱۷۶۰ء میں پڑی تھی۔

(مسٹر بروک آدم)

اکثر موجودہ یورپین قوموں کی خوشحالی، قدیم تہذیب کی نمائندہ مشرقی قوموں کی لوٹ پر قائم ہوئی ہے۔ انگلستان کی صنعتی برتری

احرارِ اسلام

عہدِ اموی کی اسلامی ذہنیت

اروی بنت الحارث ابن عبدالمطلب

ایک موسم حج میں ضعیف العمر اروی بنت الحارث بن عبدالمطلب امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربار خلافت میں حاضر ہوئی۔

"میرے بھتیجے! تو کیسا ہے؟" اروی نے کہا "تو نے خدا کی نعمت سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیرالمؤمنین علی علیہ السلام) کے حق کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیرالمؤمنین کا لقب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ اسلام میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے آبا و اسلاف نے۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا۔ اسپر خدا نے تمھاری قسمتیں بگاڑ دیں۔ تمھیں ذلیل و خوار کیا۔ حق، حق داروں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ فیروزمندی بہت شاق تھی۔ اس دین میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حصہ سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفور و مرحوم تھے، خدا کے حضور میں معزز و پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندان فرعون نے کیا تھا کہ اُن کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بندھ نہ سکا۔ ہم پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا جنت ہے۔ تمھاری انتہا دوزخ ہے!"

"گمراہ بڑھیا!" عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھے بے اختیار پکار اُٹھے "اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نیچی کر۔"

"تو کون ہے؟ تیری ماں مرے!" اروی نے خفگی سے کہا۔

"عمرو بن العاص" لوگوں نے جواب دیا۔

اروی نے کہا "تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہے! اپنے عیب چھپے رہنے دے۔ اپنی خیریت منا۔ واللہ تو قریش میں نہ تو خالص حسب نسب رکھتا ہے نہ اچھی اصلیت کا مالک ہے۔"

"بیوقوف بڑھیا!" مروان بن الحکم نے کہا "تیری بینائی بھی تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت معتبر نہیں۔"

"صاحبزادے تم بھی بولے!" اروی نے کہا "واللہ حکم سے زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہے۔"

پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں:

"واللہ ان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرأت دلائی ہے، حالانکہ تیری ماں اُحد کی لڑائی میں حمزہ کے قتل کے بعد کہتی تھی۔

نحن جزینا کم بیوم بدر — والحرب یوم الحرب ذات سعر

ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن آگ کی طرح شعلے رکھتی ہے۔

ماکان عن عتبۃ لی من صبر — ابی وعمی واخی وصہری

عتبہ (ہندہ کا باپ تھا) پر مجھے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا باپ، چچا، بھائی، خسر، انھیں میں قبول نہیں سکتی تھی (یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)

شفیت وحشی غلیل صدری — شفیت نفسی وقضیت نذری

اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری کردی۔

فشکر وحشی علیَّ عمری — حتی تغیب اعظمی فی قبری

وحشی کا شکریہ عمر بھر مجھ پر واجب ہے، یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔

تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

یابنت رقاع عظیم الکفر — خزیت فی بدر وغیر بدر

اے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بدر میں اور ہر دن میں تجھے رسوائی ملے۔

صبحک اللہ قبیل الفجر — بالہاشمیین الطوال الزہر

خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز قد، خوبصورت ہاشمیوں کی غارت گری نازل کرے۔

بکل قطاع حسام یفری — حمزۃ لیثی وعلی صقری

تیغ براں سے تجھے کاٹے۔ حمزہؓ، میرا شیر ہو اور علیؓ میرا باز ہو۔

ہتک وحشی حجاب الستر — مالبغایا بعدہا من فخر

وحشی نے بے آبروئی کر ڈالی۔ اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا۔

"تمھارا برا ہو!" امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مروان بن الحکم سے کہا "تمھیں نے اس خاتون کو مجھ پر خفا کر دیا اور یہ باتیں سنوائیں"

پھر اروی سے مخاطب ہوئے:

"پھوپھی! اپنی ضرورت بیان کرو۔ عورتوں کی یہ بکواس بند کرو"

"مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار، پورے ۶ ہزار دینار دو" اروی نے مطالبہ کیا۔

"پہلے دو ہزار کس لئے؟" امیر نے سوال کیا۔

"میں حارث بن عبدالمطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں کنواں خریدوں گی" اروی نے جواب دیا۔

"تم نے بہت خوب سوچا" امیر نے کہا "اور دوسرے دو ہزار؟"

"خاندان عبدالمطلب کے نوجوانوں کی شادی کردوں گی۔"

"بہت خوب! اور تیسرے دو ہزار؟"

"مدینہ کی گرانی اور زیارت بیت اللہ کے خرچ کے لئے۔"

"بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمھاری خاطر ہمیشہ منظور ہے" امیر نے خوشامد سے کہا۔

تھوڑی دیر چپ رہ کر امیر نے پھر سوال کیا:

"بھلا اگر علی موجود ہوتے تو یہ رقم ہرگز منظور نہ کرتے۔"

"سچ ہے" اروی نے فوراً جواب دیا "علیؓ امانت ادا کرتا تھا خدا کے حکموں پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت ضائع کر دی۔ خدا کے مال میں خیانت کی۔ خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا۔ خدا نے اپنی کتاب میں حقداروں کے حق مقرر کر کے بیان کر دئے ہیں۔ مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے ہمیں اپنے حق لے لینے کے لئے برابر بلایا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دئے ہیں۔ مگر افسوس تمھاری لڑائی نے اُنھیں پورا انتظام قائم کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ میں نے تیرا مال نہیں مانگا کہ احسان جتاتا ہے۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے [illegible] اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا [illegible] ہو!"

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شعر انکی زبان پر تھا:

الایا عین ویحک اسعدینا — الا وابکی امیرالمؤمنینا

ہاں اے آنکھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ دے۔ ہاں امیرالمؤمنین پر خوب آنسو بہا!

رزینا خیر من رکب المطایا — وفارسہا ومن رکب السفینا

ہم نے اُس سب سے اچھے کو کھو دیا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں پر سوار ہوئے۔

ومن لبس النعال اواحتذاہا — ومن قرأ المثانی والمئینا

اور جنھوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنھوں نے قرآن پڑھا۔

اذا استقبلت وجہ ابی حسین — رأیت البدر راع الناظرینا

حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدر کامل کا دیکھنا ہے جو سب دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ولا واللہ لا انسی علیا — وحسن صلاتہ فی الراکعینا

نہیں، واللہ، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ رکوع کرنے والوں میں اُس کی اچھی نماز بھول سکتی ہوں۔

أفی الشہر الحرام فجعتمونا — بخیر الناس طرا اجمعینا

تم نے ماہ حرام میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں مصیبت میں ڈال دیا!

معاویہ نے اُنھیں ۶ ہزار دینار دیدئے اور کہا:

"پھوپھی! اسے جس طرح چاہو خرچ کرو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے اپنے بھتیجے کو لکھنا۔ وہ ہر طرح تمھاری مدد کریگا۔"

ہندوستان کے موجودہ حکمرانوں (انگریزوں) نے پُرانے ہندوستانی بادشاہوں کی رعایا پروری کی خوب نقل اُتاری ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی نہریں کھودتے ہیں مگر اپنی تنگ نظری کی وجہ سے مستقبل کو دیکھنے کے بجائے اپنی فوری منفعت پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر اس نقالی میں وہ اپنے پیش رَو۔ تاتاری حکمرانوں کی فیاضی کی تقلید نہیں کرتے۔ (〃)

انگریزوں نے ہندوستان کے لئے ارزاں ذرائع نقل وحرکت اور آب پاشی کی ضرورت تو محسوس کی۔ مگر یہ محسوس نہ کیا کہ ہندوستان میں تیز ذرائع نقل وحرکت سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں غلہ فراہم کیا جائے۔ اُنھوں نے وسیع ریلیں جاری کردیں مگر وہ جہاز رانی کے لائق دریا بنانے کی ہمت نہ کرسکے۔ کیونکہ ایسے دریا، ریلوے کے مدمقابل ہوجاتے اور وہ منفع کم کردیتے جو ریلوں سے حاصل ہوتا ہے اور جس سے انگریز فائدہ اُٹھاتے ہیں، قدرت نے ہندوستان کو بڑے بڑے دریا عطا کئے ہیں جو قدیم زمانہ میں تجارت کے راستے تھے۔ اور ان دریاؤں سے نکلی ہوئی نہریں باشندوں کے لئے نہایت ہی مفید ہوسکتی تھیں۔ وہ سستے طرق مواصلات اور نقل وحرکت کا کام بھی دے سکتی تھیں اور پیداوار کو ترقی دیکر فصلوں کی محافظ اور قحطوں کی سد راہ بن سکتی تھیں مگر انگریزوں نے سخت جغرافی غلطی کی۔ چونکہ خود اُنکے اپنے ملک میں نہروں کی بہت کم ضرورت تھی اس لئے اُنھوں نے ہندوستان میں بھی نہریں طیار کرنے میں غفلت کی۔ (سر آرتھر کاٹن: بلو بک)

اگر بنگال میں آب پاشی کا کافی انتظام ہو تو وہ تنہا پورے ہندوستان کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ (ڈاکٹر ڈبلی کی شہادت زرعی کمیشن کے سامنے)

چارے کا سوال پورے ہندوستان کے لئے حد درجہ اہمیت حاصل کرتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے چارا جس قدر کم ہوگا مویشی اُسی قدر کمزور ہونگے اسمیں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر حالات میں فوری خوشگوار تبدیلی نہ ہوئی تو بنگال اور آسام کی زراعت کو نہایت سخت نقصان پہنچیگا (سر چارلس الیٹ)

دنیا کا کون ملک بغیر اپنے مویشیوں کے سرسبز ہوسکتا ہے؟ ہم فخر کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے محافظ ہیں۔ مگر ہم نے ہندوستانی مویشیوں کی بقا کے لئے کیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے شرم کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترقی کے بجائے ہم نے مویشی فنا کرنے میں مدد دی ہے! میں بغیر قوم کے مویشیوں کا تصور کرسکتا ہوں مگر بغیر مویشیوں کے قوم کا تصور نہیں کرسکتا۔ (سر ولیم ویڈربرن)

ہر منٹ میں ہندوستان سے ایک گلہ باہر جاتی ہے۔ (بلو بک ۱۸۸۸ء)

۱۸۸۸ء میں تمام بیرونی دُنیا سے انگلستان کو ۰،۷۰۶،۷۰۰،۱۹ من گیہوں گیا۔ برخلاف اس کے صرف ہندوستان سے ۱۱،۷۲،۳۰،۰۰۰ من گیہوں گیا۔ (رائل اگریکلچر سوسائٹی ۱۸۸۸ء)

ہر منٹ میں غلہ کی حسب ذیل مقدار ہندوستان سے باہر جاتی ہے:

چاول:	ہر منٹ میں	۱۱۸ من
گیہوں:	〃 〃	۶۵ 〃
دال مٹر:	〃 〃	۵۵ 〃
دال ارہر:	ہر منٹ میں	۵۰ من
موم پھلی:	〃 〃	۵۵ 〃

(سرکاری اعداد وشمار کی چوتھی اشاعت)

سیالکوٹ وغیرہ علاقوں میں دل ہلا ڈالنے والی بے شمار موتوں کی وجہ میرے خیال میں صرف یہ ہے کہ افسوسناک قزاقی کے ساتھ غریبوں کی خوراک چھین کر باہر بھیجدی جاتی ہے۔ اس ملک کی کسان آبادی دائمی قحط کا شکار رہتی ہے۔
(ایچ، ڈبلو، بیلو سینیٹری کمشنر پنجاب کا خط ۱۸۹۱ء)

خراب غذا سے صرف اموات کی زیادتی ہی نہیں ہوگئی ہے بلکہ زندہ نسل کی جسمانی قوت بھی تباہ ہوگئی ہے۔ (〃 〃)

کلکتہ میں فی روپیہ اناج کا نرخ

زمانہ	چاول	گیہوں	سرسوں کا تیل
۱۸۳۸ء	۲ من ۳۰ سیر	۲ من ۲۰ سیر	۱۲ سیر
۱۸۴۷ء	۲ من ۱۰ سیر	۲ من ۱۰ سیر	۱۰ سیر
۱۸۵۵ء	۱ من ۳۰ سیر	۱ من ۱۵ سیر	۸½ سیر
۱۸۶۲ء	۱ من ۵ سیر	۱ من ۵ سیر	۷ سیر
۱۸۷۵ء	۳۰ سیر	۳۲ سیر	۶ سیر
۱۸۸۵ء	۱۵ سیر	۱۳ سیر	۵ سیر
۱۸۹۰ء	۱۲ سیر	۱۱ سیر	۴½ سیر

(ایسٹ انڈین کمپنی کا غیر مطبوعہ ریکارڈ۔ برٹش میوزیم میں)

ہندوستان میں بیماریوں کی کثرت کی اصلی وجہ خراب غذا ہے کم غذا نے ہندوستانیوں کا جسم کمزور کرکے بیماری کے لئے مستعد کردیا ہے (لفٹنٹ میکارین: اگریکلچر کمیشن)

ہندوستان کی ایک تہائی آبادی کو ناکافی کھانا ملتا ہے۔ ۴ کروڑ آدمی تو صرف ایک ہی وقت کھانا پکاتے ہیں۔ دس کروڑ دیہاتیوں کو کسی قسم کی طبی مدد نہیں پہونچتی۔ (〃)

گزشتہ ۵۰ سال میں ۲۶ بڑے بڑے قحط پڑے جن میں ۲ کروڑ سے بھی زیادہ آدمی بھوک سے مرگئے۔ (〃)

دنیا کے تمام دوسرے ملکوں کے مقابلہ ہندوستان میں قحط کیوں زیادہ پڑتے ہیں؟ اس کی وجہ بارش یا اوس کی کمی نہیں۔ کیونکہ خراب سے خراب موسم میں بھی بکثرت بارش ہوتی اور زراعت کو بڑھاتی ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان روز بروز غریب ہوتا جارہا ہے۔ (ڈبلو، الیس لیلی: انڈیا اینڈ اٹس پرابلم)

نصف ایکڑ زمین پر گزارہ کرنے کے لئے کروڑہا ہندوستانی کسان جدوجہد کررہے ہیں۔ اُن کی ساری زندگی ہمیشہ قحط سے دست بدست لڑائی میں گزرتی اور اکثر شکست پر ختم ہوتی ہے۔ اُن کی کوشش اس لئے نہیں ہے کہ غریبانہ زندگی بسر کرسکیں۔ یہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ وہ بیچارے محض زندہ رہنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ چند علاقوں کے علاوہ تمام ہندوستان، دائمی قحط کی بلا میں مبتلا رہتا ہے۔ (مسٹر جیکسن)

ہندوستان میں شرح اموات بحساب فی منٹ

ہر منٹ میں	۲۳	جوان
〃 〃	۴	بچے
〃 〃	۲	دق میں
〃 〃	۰	ملیریا میں

بنگال میں روزانہ تعداد اموات

۲۰۰	جوان	ملیریا سے
۸۱۹	بچے	〃 〃
۲۰۰	مائیں	〃 〃

(سرکاری اعداد وشمار کی چھٹی اشاعت)

صحت خریدی جاسکتی ہے، تعلیم خریدی جاسکتی ہے، طبی امداد خریدی جاسکتی ہے لیکن ہندوستانیوں کے پاس خریدنے کی قوت کہاں ہے؟ یہاں تو ہر ہندوستانی کی آمدنی صرف ایک آنہ ہے۔
(ڈاکٹر مین لی پیج)

شرح آمدنی

آمریکہ	(فی کس)	۱۴ روپیہ ۹ آنہ۔
فرانس	〃	۷ روپیہ ۴ آنہ
انگلینڈ	〃	۶ 〃 ۹ 〃
جاپان	〃	۴ 〃 ۱۱ 〃
ہندوستان	〃	ایک آنہ ۶ پائی

(بین الاقوامی اشاعت ۱۹۳۸ء)

اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اُسی طرح چھوڑنا پڑا، جس طرح رومن نے انگلستان چھوڑا تھا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ جائینگے جس میں نہ تعلیم ہوگی، نہ حفظان صحت کا سامان ہوگا، اور نہ ہی دولت ہوگی۔ (سر ڈی، ہملٹن)

"لڑاؤ اور حکومت کرو" کا رومن مقولہ، ہماری ہندوستانی حکومت کا اصل اصول ہونا چاہیے۔ عام اس سے کہ وہ سیاست، تمدن، یا فوج کسی سے بھی متعلق ہو۔
(ایک انگریز افسر کا بیان رسالہ "ایشیاٹک جنرل ۱۸۲۱ء")

تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصب دور ہوجائے گا۔ حالانکہ اسی تعصب کی بدولت ہم اب تک ملک پر قابض ہیں۔ اسی کے ذریعہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑاتے ہیں۔ تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ اُنکے دماغ روشن اور وسیع ہوجائیں گے اور وہ اپنی عظیم قوت کا احساس کرلیں گے۔
(سر ایل، اسمتھ ۱۸۳۱ء)

میرے پاس اس خیال کی ہر وجہ موجود ہے کہ سندر سومناتھ کو پھاٹک ہندوستان واپس لانے سے تمام ہندو ہم سے مطمئن اور خوش ہوگئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کی وجہ سے مسلمان بھی ناراض نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس حقیقت سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرسکتا کہ یہ قوم (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ بنابریں ہمارے لئے بہترین پالیسی یہ ہوگی کہ ہندوؤں کو خوش رکھیں۔
(لارڈ المبنرو ۱۸۴۳ء)

حیرت انگیز رعایت
پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف
آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے
نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے۔
منیجر

مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

حال میں سر آرتھر کیتھ نے برطانی اکاڈمی کی صدارت کرتے ہوئے نظریۂ نشو و ارتقا پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی، جس نے از سر نو اس بحث پر موافقانہ و مخالفانہ خیالات کو جنبش دیدی۔ اسوقت تک تقریباً تیس چالیس علمار فن اس کی موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کر چکے ہیں، اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے۔

برطانی اکاڈمی کے سالانہ اجلاس اور سر آرتھر کی تقریر کا مختصر تذکرہ اردو اخبارات میں آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں سر آرتھر کی تقریر کے بعض اہم حصے اور انکے مخالفین کے ضروری مباحث الہلال کے صفحات پر درج کردیں۔ بہ حیثیت مجموعی یہ موافق و مخالف خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا جس کے مطالعہ سے بہ یک نظر معلوم ہوجائیگا کہ بحالات موجودہ ڈاروِن کا نظریہ کس منزل میں ہے اور موافق و مخالف دلائل کا وزن کیا ہے۔

ہم پہلے سر آرتھر کی تقریر کا ضروری خلاصہ درج کردیتے ہیں۔ پھر مخالف مباحث کا خلاصہ درج کرینگے:-

سر آرتھر کا خطبہ

"۵۵ برس ہوئے کہ نشو و انسانی کی تاریخ، عالم وجود میں آئی۔ آج میرا موضوع بحث بھی یہی ہے۔ اس بحث کے لئے اس شہر لیڈس سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ ڈاروِن نے توراۃ کے حامیوں پر اپنا پہلا گولہ یہیں پھینکا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ڈاروِن کا یہ گولہ کیسا خوفناک تھا اور کس طرح اس فاتح نے تمام مخالفوں سے ہتیار رکھوالئے۔ تقریباً ۶۹ برس ہوتے ہیں کہ اسی شہر میں اپنے عہد کے مشہور ترین عالم سر رچرڈ اوین نے ایک طولانی خطبہ دیا تھا اور انسان کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ توراۃ نے انسان کی عمر جتنی قرار دی ہے، وہ اُس سے کہیں زیادہ پرانا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فیلسوف نے اس نظریہ کا مضحکہ بھی اڑایا تھا کہ انسان ادنیٰ مخلوقات سے ترقی کرکے اپنے موجودہ درجے تک پہنچا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان اور بندر میں بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اتنا فرق کہ دونوں میں کوئی مشترک علاقہ موجود نہیں، دونوں، دو بالکل علیحدہ علیحدہ جنس ہیں۔

اوین اور ہکسلے

سر رچرڈ اپنے زمانے میں اس اکاڈمی کا صدر تھا۔ اُس کے سامعین میں ایک علامۂ عصر ٹامس ہنری ہکسلے، سر رچرڈ کا خوفناک حریف بھی تھا۔ ہکسلے اسوقت جوان تھا۔ اُسے سر رچرڈ سے اسقدر مخاصمت تھی کہ وہ اسی تقریر میں مباحثہ پیش آجانے کی اُمید کرتا تھا مگر اتفاق سے یہ معرکہ پیش نہیں آیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد ہماری انجمن کا سالانہ جلسہ آکسفورڈ میں ہوا۔ یہاں سر رچرڈ نے پھر نظریۂ نشو و ارتقا کا مضحکہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انسان دوسرے حیوانات سے بالکل علیحدہ مخلوق ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قدیم ترین عہد میں انگلستان کی سرزمین پر ایک ایسی مخلوق آباد تھی جو انسان اور بندر کے بیچ میں تھی۔ اور یہ کہ انسان کے دماغ میں بعض خصوصیتیں ایسی موجود ہیں جو انتھروپوئیڈ (وہ بندر جو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہے) کے دماغ میں پائی نہیں جاتیں۔

ہکسلے نے اسپر اعتراض کیا اور وہ تاریخی مباحثہ پیش آیا جس نے علمی فتوحات کے لئے میدان صاف کردیا۔ یہ معرکہ دراصل علم اور دین کے درمیان واقع ہوا تھا۔ تمام حامیان توراۃ، جن کی قیادت آکسفورڈ کا لارڈ بشپ کررہا تھا، سر رچرڈ کی پشت پناہی پر تھے۔ ہکسلے تنہا تھا لیکن دنیا نے تسلیم کرلیا کہ فتح ہکسلے ہی کو حاصل ہوئی!

اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸۶۳ء میں ہکسلے نے اپنی مشہور کتاب "کائنات میں انسان کی مرکزیت پر دلائل" شایع کی۔ یہ کتاب پہلے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ انسان، چھاتی رکھنے والے حیوانات ہی کا فرد ہے، اور اُس سے قریب تر مخلوق وہ بندر ہے جس کا نام "انتھروپوئیڈ" ہے۔

اصل انسان

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اُس عہد کی عقل انسانی یہ نظریہ (نظریۂ نشو) قبول کرنے کے لئے مستعد نہ تھی۔ مدتوں سے یہ اعتقاد راسخ تھا کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے۔ لیکن آج حالت بدل چکی ہے۔ اسوقت جو لوگ ڈاروِن کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اس کے لئے مستعد ہیں کہ جب یہ نظریہ قطعی دلائل کے ساتھ سامنے آجائے تو تعصب سے انکار نہیں کرینگے۔

نظریۂ نشو و انسانی، انیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز پیدائش ہے۔ چارلس ڈاروِن کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُسی کے غیر معمولی دماغ نے یہ نظریہ ظاہر کیا۔ جس وقت سر رچرڈ اپنا مذکورۂ بالا خطبہ لیڈس میں سنا رہے تھے، ڈاروِن اپنی کتاب "اصل انواع" تصنیف کررہا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں یہ کتاب ظاہر ہوئی۔ مگر اُس کا ظہور کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اُس نے اچانک ایک عظیم فکری انقلاب پیدا کردیا۔ ڈاروِن نے قدیم افکار و معتقدات سے یہ بغاوت بیٹھے بیٹھے نہیں کردی تھی۔ کامل ۲۷ برس اُس کے لئے طیاری کی تھی۔ اُس کی یہ کتاب درحقیقت اعلان جنگ تھا۔ اُس کا دوسرا خوفناک حملہ، ایک دوسری کتاب کی صورت میں ہوا۔ اس کا نام "حیوانات پر ماحول کی تاثیر" تھا۔ یہ کتاب ابتک علم الحیات کے حقائق کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے لیکن ابھی فیصلہ باقی تھا۔ دشمن ہنوز میدان میں اڑا ہوا تھا۔ ڈاروِن نے ۱۸۷۱ء میں اپنی تیسری کتاب "تسلسل انسان" شایع کی۔ یہ گویا فیصلہ کن حملہ تھا۔ دشمن سراسیمہ ہوکر بھاگا اور آجتک پھر کبھی مقابلہ میں نہ آسکا!

اُسوقت سے ڈاروِن کے قدم ایسے گڑے کہ پھر کبھی اُکھڑ نہ سکے۔ آج ۵۶ برس گزر چکے ہیں۔ بہت سے نئے حقائق ظاہر ہوچکے ہیں مگر ڈاروِن اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح قائم ہے۔ یہ تمام حقائق اُس کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں لیکن نظریہ بحیثیت مجموعی ثابت و راسخ ہے۔ اور ہمیشہ یوں ہی سربلند رہے گا۔

حفریات

میں نے کہا یہ نظریہ ہمیشہ یوں ہی سربلند رہیگا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاروِن کے بعد علماء نے اُس کا نظریہ چھوڑ نہیں دیا بلکہ کسوٹی پر رکھکر برابر جانچتے رہے۔ اُنھوں نے قدیم انسان کے آثار کی تلاش شروع کی۔ زمین کھود کر وہ اوزار اور ظروف نکالے جنھیں انسان اپنے اولین عہد میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی اُس عہد میں جس کا نام اصطلاح میں عہد پلیسٹوسینی ہے (یہی وہ زمانہ ہے جس میں سطح زمین کا تیسرا طبقہ بنا تھا) یہ عہد اب سے دو لاکھ برس یا ۶ لاکھ برس پہلے تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ علمار کی تحقیقات، عہد پلیسٹوسینی تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی اُس زمانے تک جبکہ زمین کا دوسرا چھلکا بنا ہے۔

ڈاروِن کی وفات سے دس برس بعد ڈاکٹر ادجین ڈیبوا کو اولین انسان کی ہڈیاں ملیں۔ اُس نے اس کا نام "پتھکانتھروپس" یعنی بندر انسان رکھا۔ نیز اُسی زمانے میں ڈاکٹر ریڈ موئر نے مشرقی انگلیا میں زمین کے دوسرے طبقے میں حجری ظروف اور اوزار پائے۔ ان تمام حفریات و آثار سے نشو و انسانی پر ڈاروِن کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تسلسل انسان

بندر سے مشابہ مخلوق سے انسان کا ظاہر ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لیکن یہ نشو و ارتقار اُس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر منضبط تھا جتنا خود ڈاروِن سمجھتا تھا۔ پہلے علماء خیال کرتے تھے کہ ارتقار، کامل طور پر ہوا ہے یعنی جسم انسانی کے ہر عضو نے یکساں طور پر تدریجی ترقی کی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ارتقار، نہایت غیر منتظم طور پر مختلف موثرات کے تحت واقع ہوا ہے۔ قدیم انسان میں ارتقار کی یہ بے نظمی موجودہ انسان سے کہیں زیادہ واضح تھی۔ دقیق مباحث سے اب ثابت ہوچکا ہے کہ ہر عضو نے تدریجی ترقی نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کھوپڑی، دماغ، جبڑا، دانت، جلد، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ اعضار میں سے ہر عضو بتدریج بندر کی شکل سے ترقی کرکے انسان کی عضویت بنتا گیا، بلکہ یہ ہوا کہ بعض اعضار ترقی کرتے تھے، بعض ترقی نہیں کرتے تھے، بعض بالکل غائب ہوجاتے تھے۔ ذیل کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی:

ڈاروِن کی وفات سے ۳۰ برس بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں مسٹر چارلس ڈوسن کو انگلستان کے ایک مقام پلٹڈون (یعنی ڈاروِن کی قیامگاہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر) ایک پتھرائی ہوئی کھوپڑی اور جبڑا ملا۔ سر آرتھر اسمتھ ووڈوارڈ نے دونوں کی جانچ کی اور فیصلہ کیا کہ یہ دونوں عضو ایک ہی جسم کے ہیں اور یہ مخلوق اب سے ۵ یا ۶ لاکھ برس پہلے زمین پر موجود تھا۔ ان آثار میں کھوپڑی، موٹی دیواروں کی تھی اور موجودہ انسان کی کھوپڑی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نیچے کا جبڑا، بندر کے جبڑے کی طرح تھا۔ بعض علمار کے لئے یہ اختلاف، سخت حیرت کا موجب ہوا اور اُن سے اس کے سوا کچھ کہتے بن نہ پڑا کہ یہ دونوں چیزیں، دو مختلف جسموں کی ہیں حالانکہ اگر وہ علم تشریح کے ماہر ہوتے، تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے۔ انہیں معلوم ہوجاتا کہ جسم کے بعض اعضا جلد ترقی کرتے ہیں اور بعض بہت پیچھے رہجاتے ہیں۔ ارتقار کی یہ بے ضابطگی بندر نما انسان میں زیادہ واضح پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی ران کی ہڈی بالکل آدمی کی سی ہوتی ہے مگر کھوپڑی، بندر سے مشابہ ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا انکشاف

مطبوعات الہــلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواھر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت - کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں مشہور آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد اڑھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادات اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

أئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا ھے - اسکے علاوہ أئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہــلال بك ایــجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھیں اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں.

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے بازخوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وہ رساله ھے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھي -

الہــلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تھا ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تھا ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تھا - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تھے - اور اسکا هر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تھا - پھر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تھیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تھا ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البــلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انھیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقع دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ھے اس لئے صرف اُنھیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چہارم ۱۰ روپیه " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البــلاغ" (جب دوسري مرتبه الہــلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ھے -

منیجر "البــلاغ پریس"

۱۹۲۷

جلد ۲۱

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ انه

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

لاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين — القرآن الحكيم

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۱ | کلکتہ : جمعہ ۱۵ ـ جمادی الاولی ۱۳٤٦ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای . پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئلہ هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۹۸ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲٤۰	اردو حروف کی حق مین	٤۳۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۵۹۵	حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون	۱۵۰
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۳		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت فی پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط وکتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط وکتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط وکتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط وکتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(ہندو)

ہندو عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

ہندو بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں کی مجموعی تعداد : ۳۳۳۸۹۸۴۸

مسلمان بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۴۷۱۲۵۹۳

(صوبوں میں بیوائیں)

صوبہ	تعداد
مدراس	۴۰۴۶۸۱۲
بمبئی	۱۶۸۱۸۴۹
بنگال	۴۴۴۴۰۵۰
یو٬ پی	۳۷۴۹۵۳۳
پنجاب	۱۲۳۷۷۰۵
برما	۷۴۱۷۴۹
بہار اوڑیسہ	۳۲۱۱۳۱۰
صوبۂ متوسط	۱۱۵۵۸۹۴
آسام	۵۷۴۳۰۱
کل برطانی ہند	۲۱۰۳۰۵۰۰

ہندوستان میں اپاہجوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۱ ع) میں

صوبہ	دیوانے مرد	دیوانے عورتیں	بہرے گونگے مرد	بہرے گونگے عورتیں	اندھے مرد	اندھے عورتیں	کوڑھی مرد	کوڑھی عورتیں
مدراس	۵۰۳۵	۳۵۰۴	۱۱۹۴۷	۹۳۳۷	۱۸۲۳۰	۱۸۲۶۷	۱۱۶۰۹	۳۹۸۹
بمبئی	۵۸۰۲	۳۲۵۸	۶۵۰۲	۴۲۳۰	۱۶۹۹۹	۱۸۰۸۹	۵۵۳۵	۲۴۲۸
بنگال	۱۱۱۰۲	۷۷۹۱	۱۸۹۳۹	۱۲۳۲۵	۱۸۷۰۲	۱۴۷۶۶	۱۱۴۴۸	۴۰۰۳
یو٬ پی	۴۸۳۷	۲۳۳۸	۱۴۳۱۱	۸۳۶۷	۵۰۷۷۹	۵۴۲۹۳	۱۰۱۰۶	۲۱۹۰
پنجاب	۴۱۱۱	۱۸۵۹	۱۱۷۹۳	۹۵۲۱	۲۹۱۶۶	۲۴۴۹	۱۱۸۸	۴۳۹
برما	۶۲۸۵	۵۲۸۸	۹۴۴۷	۵۴۳۰	۱۱۳۲۵	۱۳۱۹۸	۹۵۸۹	۳۱۷۶
بہار اوڑیسہ	۲۳۳۴	۱۲۰۳	۱۱۴۲۳	۷۲۲۴	۱۳۸۵۲	۱۴۳۱۴	۷۸۴۲	۲۷۵۴
سی٬ پی	۲۰۸۵	۱۲۱۸	۷۶۰۵	۵۲۰۲	۱۵۰۱۴	۲۲۴۸۲	۴۴۵۰	۲۷۶۶
آسام	۲۱۸۷	۱۵۶۵	۳۱۱۵	۲۲۵۵	۲۷۴۷	۳۴۵۹	۳۲۰۸	۱۱۰۲
کل برطانی ہندوستان میں	۴۴۹۷۳	۲۸۲۳۴	۹۳۶۴۳	۶۱۷۸۳	۱۸۰۹۵۹	۱۸۶۱۷۶	۹۲۱۸۰	۲۳۹۴۲

(بیواؤں کی تعداد عمر کے اعتبار سے)

عمر	تعداد
۵ برس کی	۱۵۱۳۹
۵ برس سے ۱۰ برس تک کی	۱۰۲۲۹۳
۱۰ " ۱۵ "	۲۷۹۱۲۴
۱۵ " ۲۰ "	۵۱۷۸۹۸
۲۰ " ۲۵ "	۹۶۶۶۱۷
۲۵ " ۳۰ "	۱۵۱۶۰۴۷
۳۰ " ۳۵ "	۲۳۵۴۱۲۲
۳۵ " ۴۰ "	۲۲۳۲۵۴۹

(دنیا کے مختلف ملکوں میں شرح اموات ہر ہزار انسانوں میں)

	آبادی	سنہ ۱۹۲۱ میں	سنہ ۱۹۲۵ میں
امریکا	۱۰۰۰۰۰۰۰۰	۱۲٫۹	[illegible]
انگلینڈ	۴۵۴۰۰۰۰۰	۱۴٫۶	۱۲٫۷
فرانس	۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۳٫۷	۱۱٫۵
جرمنی	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۹٫۴	۱۳٫۲
جاپان	۶۱۰۸۱۹۵۴	۱۹٫۲	۱۴٫۵
ہندوستان	۳۱۹۳۴۱۰۰۰	۲۴٫۲	۳۰٫۲
ناروے	۲۶۰۰۰۰۰	۱۳٫۴	۱۱٫۸
نیوزیلینڈ	۱۲۰۰۰۰۰	۹٫۵	۹٫۴
سویڈن	۶۰۰۰۰۰۰	۱۳٫۸	۱۱٫۷

(شرح پیدائش سنہ ۱۹۲۱ع میں)

امریکا	۱۹٫۵
انگلینڈ	۲۲٫۴
فرانس	۱۸٫۵
جرمنی	۲۳٫۵
جاپان	۲۴
ہندوستان	۳۱٫۸۳
نیوزیلینڈ	۲۱٫۹۴

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اوسط عمر سنہ ۱۹۲۵ع)

(سال)

انگلینڈ اور ویلس	۵۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکا	۵۵٫۵
نیوزیلینڈ	۶۰٫۰
فرانس	۴۸٫۵
جرمنی	۴۷٫۴
اٹلی	۴۷٫۰
جاپان	۴۴٫۳
ہندوستان	۲۳٫۷

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بچوں کی شرح اموات فی ہزار)

انگلینڈ اور ویلس	۵۷
فرانس	۸۵
بلجیم	۱۰۷
جرمنی	۱۰۸
اسپین	۱۴۵
اٹلی	۱۶۱
جاپان	۱۶۶
ہندوستان	۱۹۴
نیوزیلینڈ	۴۵

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ، عمراني ، اور اقتصادي لحاظ سے هندوستان کي موجوده حیثیت کیا ہے ؟

(۲)

(برطاني شهنشاهي کي قومیں)

(مجموعي آبادي ۴۴۹۲۲۳۰۰۰)

هندوستاني	۲۴۴۳۰۳۰۰۰
عرب	۵۷۵۳۰۰۰
افغان	۱۵۵۰۰۰۰
پارسي	۱۰۰۰۰۰
یهودي	۱۰۸۴۰۰۰
دوسري قومیں	۳۱۵۰۰۰۰

(یوروپین)

برطاني ، فرانسیسي ، کنیڈي ، بوئر ، وغیره	۶۴۲۷۶۰۰۰

(سیاه فام)

نیگرو	۴۶۱۶۶۰۰۰
هندوستاني	۶۱۵۰۰۰۰۰
پاپوئس	۹۶۷۰۰۰
آسٹریلیا کے دیسي	۶۰۰۰۰

(زرد فام)

ملایو وغیره	۹۵۵۶۰۰۰
برمي	۷۸۹۰۰۰۰
ترک	۶۱۰۰۰
چیني	۲۳۰۸۰۰۰
تبتي	۳۰۰۰۰۰
مولز	۵۳۰۰۰
دیسي امریکن	۱۵۶۰۰۰

(دنیا کي آبادي هر مربع میل کے حساب کے)

انگلینڈ	۳۷۵
جرمني	۳۱۰
جاپان	۲۵۵
فرانس	۱۸۹
هندوستان	۱۷۷
چین	۱۰۵
روس	۶۴
ولایات متحدۂ امریکا	۳۱

(هندوستان کي آبادي مذهب کے اعتبار سے)

	سنه ۱۹۰۱ میں	سنه ۱۹۱۱ میں	سنه ۱۹۲۱ میں
برهمن	۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۶۲۶۰۶۲۰
آریا سماج	۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۶۷۵۷۸
برهمو	۴۰۵۰	۵۵۰۴	۶۳۸۸
سکهه	۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۶۶	۳۲۳۸۸۰۳
جین	۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۶
بودهه	۹۴۷۶۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۶۸ -
پارسي	۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۶	۱۰۱۷۷۸
مسلمان	۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۶۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳
عیسائي	۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۶۴
یهودي	۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸
دوسرے مذاهب	۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۳۶۲۲۹	۹۷۹۲۶۱۵

(هندوستان کي آبادي جنس کے اعتبار سے)

	مرد	عورت
کل هندوستاني صوبوں کي آبادي	۱۶۳۹۹۵۵۰۴	۱۵۴۹۴۶۹۲۶
مدراس	۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۴۸۲۳۶
بمبئي	۱۰۱۷۶۹۶۹	۹۱۷۷۲۵۰
بنگال	۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۴۳۱۴
یوپي	۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲
پنجاب	۱۱۳۰۶۲۶۵	۹۳۷۸۷۵۹
برما	۶۷۵۶۹۶۹	۶۴۵۵۲۲۳
بہار اوڑیسہ	۱۶۷۶۳۸۶۶	۱۷۲۲۳۸۳۲۳
صوبۂ متوسط	۶۹۵۱۳۹۹	۶۹۶۱۳۶۱
آسام	۳۹۶۱۱۰۹	۳۶۴۵۱۲۱
صوبہ سرحدي	۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴

(هندوستان کي آبادي زبانوں کے اعتبار سے)

هندوستاني	۹۶۷۱۴۳۶۹
بنگالي	۴۹۲۹۴۰۰۹
تیلگو	۲۳۶۰۱۴۹۲
مرهٹي	۱۸۷۹۷۸۳۱
تامل	۱۸۷۷۹۵۷۷
پنجابي	۱۶۶۲۳۵۹۶
راجستاني	۱۲۶۸۰۵۶۲
کناري	۱۰۳۷۴۲۰۴
اوڑیا	۱۰۱۴۳۱۶۵
گجراتي	۹۵۵۱۹۹۲
برمي	۸۴۲۳۲۵۶

هندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولي جاتی هیں ۰ ۲۳ - زبانیں دس لاکهه آدمیوں سے زیاده کے استعمال میں هیں -

(هندوستان میں بیوائیں سنه ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۵۴۹۴۶۹۲۶

بیواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۶۸۳۴۸۳۸

هو سکتي جبتک که مبلغ مشرقي زبانوں خصوصاً عربي ميں مهارت حاصل نه کريں - چنانچه سنه ۱۳۱۱ع ميں پوپ اکلمنٹس پنجم کي زير صدارت وائنا ميں کانفرنس منعقد هوئي ' اور اُس نے فيصله کيا که فرانس ' انگلستان ' اٹلي ' اور اسپين کے علمي مرکزوں ميں ' عربي ' عبراني ' اور سرياني ' زبانوں کي باضابطه تعليم جاري کي جائے -

(فرانس کا مدرسۂ طب)

اِس سے پہلے مونپليه (فرانس) ميں ايک طبي مدرسه سنه ۱۲۲۰ع ميں قائم هوچکا تها - اُس ميں تعليم کا تمام دار و مدار اندلسي علماء پر تها - عربي زبان کي باقاعده تعليم هوتي تهي تاکه طبي و عقلي علوم کي تحصيل کامل طور پر هو سکے - سنه ۱۳۶۱ع ميں وسطی يورپ کي پهلي يونيورسٹي کراکو (پولينڈ) ميں قائم هوئي - اِس کے چارسال بعد وائنا کي يونيورسٹي وجود ميں آئي -

(اسلامي فلسفه اور مسيحي کليسا)

اِس کے بعد جب يورپ ميں تعليم گاهوں کي کثرت هوگئي تو سامي زبانوں ' خصوصاً عربي کي تعليم بهت عام هوگئي - مگر اب پادريوں کي جماعت عربي سے خوف کهانے لگي تهي - ابن رشد ' ابن سينا ' رازي ' ابن زهر ' وغيره حکماء اسلام کي تصانيف ' اُن کے خيال ميں کفر و الحاد کا منبع تهيں - اِس ليے وه طالب علموں کو بڑي سختي سے اِن تصانيف کے درس و مطالعه سے روکتے تهے -

(اٹلي ميں عربي زبان کي مقبوليت)

ليکن پادريوں کي يه مخالفت زياده کار آمد نهيں هوئي - عربي زبان اور کتابوں کا شوق برابر ترقي هي کرتا گيا - چنانچه اُسي زمانے ميں اٹلي کے بعض امراء ' عربي زبان کے اِس قدر دلداده هوگئے تهے نه اُسے اپني تحرير و تقرير کي زبان قرار ديدينا چاهتے تهے - اُن کے محلوں ميں عربي زبان کے سوا کوئي دوسري زبان سني نهيں جاتي تهي - اُن کے درباروں ميں عرب علماء کا هجوم رهتا تها -

(شاه سسلي اور شريف ادريسي)

اِن امراء ميں روجر دوم شاه سسلي بهت زياده مشهور هے - يهي وه پادشاه هے جسے شريف ادريسي نے چاندي کا کره نذر کيا تها - اِس ميں زمين کے پهاڑ ' سمندر ' اور اقليميں صاف صاف دکهائي گئي تهيں - نيز اِسي کے نام پر ادريسي نے اپني مشهور کتاب " نزهة المشتاق في اختراق الآفاق " تصنيف کي تهي - ادريسي نے اِس پادشاه کي بهت تعريف لکهي هے ' اور اُسے روم کے بادشاه سے زياده عادل اور نيک بتايا هے -

صفدي نے " الوافي بالوفيات " ميں لکها هے که " پادشاه نے ادريسي کو طلب کرکے کها تها - ميں زمين کے چشم ديد حالات معلوم کرنا چاهتا هوں نه که صرف کتابوں ميں لکهے هوئے حالات - چنانچه ادريسي کے مشوره سے بادشاه نے عقلمند آدمي دنيا کے مختلف ممالک کے

سلوسٹر دي ساسي
جس نے جديد مشرقيات کي بنياد رکھي

ايڈين کاترميير
جسنے مقدمه ابن خلدون شائع کيا

مشاهدے کے ليے بهيجے - هر ايک کے ساتهه ايک مصور بهي کرديا تها ' تا که هر جگه کي تصويريں اور نقشے طيار کرتے جائيں - يه تمام معلومات ' تصويريں ' اور نقشے ' ادريسي کے پاس جمع هوتے رهے ' يهاں تک که بادشاه کي آرزو پوري هوگئي " نيز صفدي نے لکها هے که بادشاه ' ادريسي کي ازحد تعظيم و تکريم کرتا تها - حتي که اُسے اجازت دے رکهي تهي که وه اپني سواري هي پر دربار تک چلا آيا کرے اور خود پادشاه کے ساتهه تخت پر بيٹهے !

(سب سے پهلا مطبوعه قرآن)

اِسي طرح اٹلي کے دوسرے امراء و سلاطين کو بهي عربي زبان سے بهت محبت تهي - فرڈريک دوم (جو چهٹي صليبي کا سپه سالار تها) عربي ميں پوري طرح ماهر تها - اِسي قدر نهيں بلکه مطبع کي ايجاد کے بعد هي اٹلي کے کئي علم دوست امرائي خاندانوں نے مشرقي اور عربي کتابوں کي طباعت بهي شروع کردي - بحر اڈرياٹک پر پهلا مطبع شهر وانو ميں قائم هوا (سنه ۱۹۲۴) يه مطبع خاندان منديسيس نے قائم کيا تها - اِس ميں قران مجيد اور عربي زبان کي متعدد طبي و علمي کتابيں چهاپي گئي تهيں -

(عربي کتابوں کے ترجمے)

اٹلي کي تقريباً تمام بڑي بڑي تعليم گاهوں ميں اُس وقت عرب اساتذه درس ديتے تهے - واقعه يه هے که يورپ ميں سب سے پہلے اٹلي هي نے عربي زبان کي قدر کي ' اور اُس سے فائده اُٹهايا - لاطيني زبان ميں بهت سي عربي کتابوں کے ترجمے کيے گئے - بقراط اور ارسطو وغيره کے عربي ترجمے اور شرحين ترجمه هوئيں - گررڈو کريمونا نامي ايک اٹالين نے ستر سے زياده علمي کتابيں عربي سے لاطيني ميں منتقل کي تهيں - اصل عربي کتابيں اب مفقود هيں - مگر يه ترجمے موجود هيں -

(پادريوں کا مدرسه)

سنه ۱۵۸۴ع ميں پوپ گيوريگوري سيزدهم نے روم ميں پادريوں کے ليے ايک مدرسه قائم کيا - اِس مدرسه نے عربي زبان کي بهت خدمت کي - اِس کے تعليم يافته لوگوں ميں جبل لبنان کے تين نوجوان ' جبرائيل صيهوني ' ابراهيم حلاقاني ' سمعان سمعاني بهي تهے - اُنهوں نے بهت سي عربي کتابيں ' لاطيني ميں ترجمه کيں -

(اسپين اور پرتگال)

يه عجيب بات هے که اسپين اور پرتگال نے عربي زبان سے بهت کم دلچسپي لي - حالانکه اسپين ميں کامل آٹهه سو برس تک عربي تمدن قائم رهچکا تها - عربي عهد ميں اندلس کي سرکاري اور ملکي زبان عربي تهي - خود اسپيني امراء بهي عربي سيکهنے اور بولنے کو باعث فخر سمجهتے تهے - مگر پهر بهي اسپينيوں کو کوئي خاص شغف عربي سے نهيں هوا - مسيحي اسپين ميں پهلا عربي مدرسه طليطله ميں قائم هوا - يه گيارهويں صدي مسيحي کے

مستشرقين اور استشراق

(عربوں اور اهل یورپ کے علائق)

عربوں کا اهل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع هوتا هے ' جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومي مقبوضات پر فاتحانه اقدام کیا تها - اسپین اور پرتگال کي فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پہنچا دیا - پهر جب دوسري ' تیسري ' اور چوتهي صدي هجري میں بنو امیه نے اپني خلافت اندلس میں قائم کرلي ' تو یورپ سے تعلقات اور بهي زیاده هوگیے - تیسري صدي میں جزیرۂ سسلي کي فتح اور جنوبي اٹلي میں عربي اثر نے یه تعلقات اور زیاده وسیع کر دیے -

اِس کے بعد صلیبي جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نہایت سخت هوگیا - اهل یورپ مشرق کا تمدن ' اخلاق ' اور علوم دیکهه کر دنگ هوگئے - مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتهه ' تمدني ' علمي ' اخلاقي فوائد بهي بے شمار حاصل کیے - بہت سے صلیبي مجاهدین نے عربي زبان کي باقاعده تحصیل کي - اُن کے متعدد امراء اور سپه سالار عربي زبان اور عربي تمدن کے دل سے حامي هوگئے -

(یورپ پر عربوں کا علمي اثر)

یورپ میں عربي زبان اور تمدن کي مقبولیت کا آغاز اِس سے پہلے هوچکا تها - یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامي اسپین میں آتے تهے اور مسلمان اساتذه سے تعلیم حاصل کرتے تهے - خود پوپ سلوسٹر دوم ' جو سنه ۹۹۹ ع میں پاپائیت کے منصب پر پہنچا ' عربوں کا شاگرد تها - اِس نے قرطبه اور اشبیلیه میں مسلمان علماء سے ریاضي ' هیئت ' اور جغرافیه کي تعلیم حاصل کي تهي - اِسي طرح شاه لیون اور استوریا نے بهي قرطبه میں علم طب حاصل کیا تها -

والٹیر کا بیان هے که قدیم زمانے میں تمام یورپین بادشاه ' عرب اور اُن کے شاگرد یہودي اطباء اپنے درباروں میں رکهتے تهے - اور اسپین اور اُس کے پڑوسي ممالک کے بکثرت مسیحي باشندے بهي عربي زبان کي تحصیل کرتے تهے ' تاکه عربي سلطنت میں ملازمت حاصل کر سکیں یا عربي ممالک میں تجارت کریں -

(مسیحي تبلیغ اور عربي زبان)

چودهویں صدي کے اوائل میں عربي زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمي پیدا هوگئي - روم کے پوپ نے قرون وسطی میں رهبانیت کا ایک نیا نظام جاري کیا تاکه ایشیا ' افریقا ' اسپین اور سسلي کے غیر مسیحي باشندوں میں مسیحیت کي تبلیغ کي جائے - لیکن تجربے سے معلوم هوگیا که اِس مقصد میں کامیابي نہیں

(برطاني هندوستان میں شرح پیدائش و موت سنه ۱۹۲۴ ع)

صوبه	آبادي	تناسب پیدائش	مجموعي تعداد پیدائش	تناسب اموات	بچوں کا تناسب اموات	مجموعي تعداد اموات	بخار سے	هیضه سے	چیچک سے	تنفس کي بیماریوں سے
مدراس	۴۱۰۰۲۶۰۶	۳۴٫۶۹	۱۴،۳۰،۸۵۸	۲۴٫۶۵	۱۷۹٫۰۲	۱۰،۰۶،۰۴۳	۳،۲۴،۲۵۶	۵۱،۹۷۱	۱۸،۸۱۰	۶۴،۷۸۲
بمبئي	۱۹۱۵۵۶۱۴	۳۵٫۶۶	۶،۷۹،۳۴۱	۲۷٫۶۳	۱۹۰٫۳۶	۵،۲۹،۵۷۶	۲،۱۴،۵۶۳	۸،۲۳۶	۱۱،۱۵۲	۲۸،۹۲۶
بنگال	۴۶۵۲۲۲۹۳	۲۹٫۵	۱۳،۷۰،۱۱۴	۲۵٫۹	۱۸۳٫۹	۱۲،۰۳،۲۴۱	۹،۱۲،۴۰۳	۴۸،۵۱۴	۵،۵۶۷	۲۶،۶۴۹
یو ' پي	۴۵۳۷۵۷۸۷	۳۴٫۷۲	۱۵،۷۳،۸۱۰	۲۸٫۲۹	۱۹۱٫۶۰	۱۲،۸۳،۸۷۲	۹،۴۷،۸۰۷	۶۷،۰۰۰	۲،۷۲۴	۲۷،۴۱۲
پنجاب	۲۰۵۱۷۶۰۶	۴۰٫۱	۸،۲۱،۶۸۵	۴۳٫۴۳	۲۱۲٫۴۹	۸،۹۱،۰۲۶	۴،۵۲،۱۸۷	۳،۳۵۱	۴،۰۴۰	۵۴،۴۸۸
برما	۱۰۸۲۲۶۱۸	۲۷٫۴۰	۲،۹۳،۵۸۵	۲۱٫۵۱	۱۹۷٫۵۲	۲،۳۳،۱۶۴	۷۵،۲۸۸	۸،۰۸۳	۲،۵۰۱	۱۱،۰۹۸
بہار اڑیسه	۳۴۰۰۲۱۹۸	۳۵٫۷	۱۲،۱۴،۱۴۶	۲۹٫۱	۱۵۸٫۲۰	۹،۸۹،۷۶۳	۱،۱۰،۶۳۵	۷۷،۴۸۰	۶،۹۳۲	۶،۹۰۶
سي ' پي	۱۳۹۱۲۷۶۰	۴۴٫۱۸	۳،۱۴،۶۶۸	۳۲٫۵۹	۲۳۴٫۵۰	۴،۵۳،۳۶۲	۲،۴۰،۹۴۴	۹،۷۰۴	۹۷۸	۳۷،۱۳۶
آسام	۶۸۵۲۲۴۲	۳۱٫۰۴	۲،۱۲،۷۵۵	۲۷٫۳۰	۱۸۴٫۳۲	۱،۸۷،۱۲۷	۱،۱۳،۱۹۸	۱۹،۱۸۲	۱،۶۴۷	۶،۷۰۸
کل برطاني هند	۲۴۱۴۶۹۰۲۶	۳۱٫۴۴	۸۳،۱۷،۴۰۳	۲۸٫۴۹	۱۸۸٫۳۳	۶۸،۷۹،۲۸۶	۴۰،۰۷،۶۶۲	۲،۹۳،۷۰۷	۵۵،۳۸۰	۳،۲۳،۹۳۶

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمیونسٹ)

تمام پچھلي سوسائٹيوں کي تعمير ' جيسا که بيان هوا ' ظالم اور مظلوم جماعتوں کي باهمي دشمني کي بنيادوں پر هوئي تهي - لیکن کسي جماعت پر ظلم جاري رکهنے کيليے کم سے کم يه ضروري هے که اُسے اُن حالات کي ضمانت ديدي جائے ' جو اُسکا غلامانه وجود برقرار رکهه سکيں - قديم سوسائٹي ميں يه بات حاصل تهي ' چنانچه لگاني اسامیوں نے جاگيرداري کے عهد هي ميں نيابي مجالس کي ممبري کا حق حاصل کر ليا تها - ليکن موجوده سرمايه دار عهد ميں مزدوروں کا معامله اس سے بالکل مختلف هے - وه صنعت کي ترقي کے ساتهه ساتهه بڑهنے اور اونچا هونے کي جگه اپنے معاشرتي حالات کے بهنور ميں اور بهي زياده غرق هوتے چلے جاتے هيں - حتی که شبینه تک کو محتاج هوگئے هيں - انکي محتاجي کهيں ختم نهيں هوتي ' بلکه آبادي اور دولت کي ترقي سے بهي زياده تيزي کے ساتهه بڑه رهي هے !

پس يه بات صاف هے که اب سرمايه دار نه تو سوسائٹي کے اندر اپني حکمراں حيثيت برقرار رکهنے کي اهليت رکهتے هيں ' اور نه اپنے جماعتي معاشرتي نظام کو بطور ايک برتر قانون کے اسپر عائد کرسکتے هيں - اب وه حکومت کرنے کے قابل هي نه رهے - وه اپنے غلاموں کو انکے غلامانه وجود کي بهي ضمانت نهيں دے سکتے اب سوسائٹي هرگز سرمايه دار طبقه کے ماتحت نهيں ره سکتي - کيونکه اسکا وجود سوسائٹي کيليے مفيد نهيں رها -

سرمايه دار طبقه اور سرمايه دار حکومت کي بنياد اُجرتي محنت پر هے ' اور اُجرتي محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باهمي مقابله پر هے - صنعت کي ترقي ' جسکا خود ساخته اور نا قابل مقابله ايجنٹ سرمايه دار هے ' مزدوروں کي باهمي پهوٹ کو ايک انقلابي اتحاد سے بدل رهي هے ' اور وه انجمنوں کي صورت ميں ظهور پذير هو رها هے -

لهذا موجوده صنعت کي ترقي کے ساتهه ساتهه سرمايه دار طبقه کي وه بنياد بهي کٹ کٹ کر اسکے پيروں کے نيچے سے نکل رهي هے جسپر اسکي پيداوار اور تصرف کا نظام قائم هے - وه اسکي پيداوار هي هے جو اب سب سے زياده اسکي دشمني پر تل گئي هے اور اسکي لاش کيليے قبر کهود رهي هے - سرمايه داروں کا زوال اور مزدوروں کي فتح دو برابر درجه کي اٹل چيزيں هوگئي هيں -

(٤)

جب جب معاشرتي حالات ميں کوئي تاريخي تبديلي هوئي هے ' تو تمام املاکي رشتوں ميں بهي مسلسل تاريخي تبديلياں رونما هوئي هيں - مثلاً انقلاب فرانس نے سرمايه دارانه ملکيت کي حمايت ميں جاگير دارانه ملکيت منسوخ کردي تهي -

کميونزم کی امتيازي خصوصيت عام ملکيت کي منسوخي نهيں هے ' بلکه صرف سرمايه دارانه ملکيت کي منسوخي هے - موجوده سرمايه دارانه ملکيت ايک انتهائي اور کامل ظهور هے پيداوار اور اسکے استعمال کے اُس نظام کا ' جو سراسر جماعتي نزاع اور باهمي تخريب پر مبني هے -

کميونسٹ اپنے نظريه کو صرف ايک جمله ميں بيان کرسکتے هيں - " سرمايه دارانه نهج کي ملکيت کي منسوخي "

هم کميونسٹوں کو ملامت کي جاتي هے که هم شخصي ملکيت منسوخ کرديني چاهتے هيں جو محنت سے حاصل کي گئي هے ' اور جسکے متعلق دعوی کيا جاتا هے که شخصي آزادي ' جماعتي جد جهد ' اور قومي خود مختاري کي بنياد هے -

" بڑي دشواري سے حاصل کي هوئي ' خود کمائي هوئي ' خود جمع کي هوئي ملکيت ! " کيا اِس قول سے تمهارا مقصود چهوٹے چهوٹے سوداگروں اور کسانوں کي ملکيت هے جو سرمايه دارانه ملکيت کا هيولی پيش کرتي هے ؟ همیں اسکے منسوخ کرنے کي کوئي ضرورت نهيں - صنعت کي ترقي نے خود هي اُسے منسوخ کرديا هے اور برابر کر رهي هے -

يا تمهارا مقصود موجوده سرمايه دارانه ملکيت هے ؟

کيا اجرتي محنت ' يعني مزدور کي محنت خود مزدور کيليے کوئي ملکيت پيدا کرتي هے ؟ هرگز نهيں - وه تو صرف " سرمايه " پيدا کرتي هے - يعني " ملکيت " پيدا کرتي هے جو اجرتي محنت سے فائده اٹهاتي هے ' اور صرف اسي حالت ميں بڑه سکتي هے جبکه اجرتي محنت کي نئي نکاس برابر هوتي رهے - ملکيت اپني موجوده شکل ميں سرمايه اور اجرتي محنت کي باهمي نزاع پر قائم هے - آؤ هم اِس نزاع کے دونوں پهلوؤں کي جانچ کرليں !

سرمايه داري في نفسه کوئي شخصي پيداوار نهيں هے ' بلکه سرتاسر اجتماعي حيثيت رکهتي هے - کيونکه سوسائٹي کے بے شمار ارکان کے متحده عمل سے وجود ميں آتي هے -

اسي طرح سرمايه بهي شخصي نهيں هے ' بلکه ايک اجتماعي طاقت کا نام هے -

لهذا جب سرمايه ' عام ملکيت کي صورت ميں بدل ديا جاتا هے ' يعني سوسائٹي کے تمام ارکان کي ملک بنا ديا جاتا هے ' تو يه کهنا صحيح نهيں که شخصي ملکيت عام ملکيت بنا دي گئي - کيونکه يهاں شخصي ملکيت کا وجود هي نهيں تها - البته جو چيز بدلي جاتي هے ' وه ملکيت کي صرف معاشرتي حيثيت هے - يعني ملکيت سوسائٹي ميں اپني انفرادي طاقت کهو ديتي هے -

اب هم اجرتي محنت کا مسئله ليتے هيں :

اجرتي محنت کي اوسط شرح کم سے کم هے - يعني مزدور کو اتني رقم ملتي هے ' جس سے وه بمشکل اپني زندگي قائم رکهه سکتا هے - پس اس طرح مزدور اپني محنت سے جتني اجرت حاصل کرتا هے ' وه اتني کم هوتي هے ' جس سے اسکي نهايت ساده زندگي کي ضمانت هو سکتي هے - هم کسي طرح بهي محنت کي پيداوار کا يه شخصي استعمال منسوخ کرنا نهيں چاهتے - ايسا استعمال جو انساني زندگي کے بقاء اور دوام نسل کيليے نا گزير هے - البته هم اِس استعمال کي وه افسوسناک حيثيت ضرور مٹا ديني چاهتے هيں جسکي وجه سے مزدور صرف سرمايه بڑهانے کيليے زنده رهتے هيں ' اور صرف اتنے عرصه تک زنده رهتے هيں ' جبتک حکمران طبقه کے مفاد کو انکي ضرورت رهتي هے -

سرمايه دارانه سوسائٹي ميں همیشه ماضي ' حال پر حکومت کرتا هے - ليکن کميونسٹ سوسائٹي ميں حال ' ماضي پر حکمراں هوتا هے - سرمايه دارانه سوسائٹي ميں سرمايه ' آزاد اور مستقل

اوائل کا واقعہ ہے - پھر سنہ ۱۲۵۴ ع میں اشبیلیہ میں ایک عربی لاطینی تعلیم گاہ بھی جاری ہوگئی ' مگر کوئی خاص ترقی نہ ہوسکی -

(عربی کتابیں یورپ نے کب سے جمع کرنا شروع کیں ؟)

پندرھویں صدی یا چودھویں صدی سے یوروپین قوموں نے عربی کتابیں مشرقی ملکوں سے خریدنا شروع کیں - لوئیس نہم شاہ فرانس نے سب سے پہلے عربی کتب خانے قائم کرنے کی رسم جاری کی - یہ خیال اُسے اِس طرح پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں بعض یوروپین نے دیکھا تھا کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس بڑے بڑے کتب خانے ہیں ' جن میں بیٹھکر وہ بہ اوقات فرصت کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں - لوئیس نہم نے یہ سنا تو اُس نے خود بھی اپنے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا - یہ واقعہ تیرھویں صدی کا ہے - اِس کے بعد لوئیس چہاردھم نے ایک آسٹرین عالم کو مشرقی ممالک میں خاص اِس غرض سے بھیجا کہ اُس کے لیے کتابیں خریدے -

دوزی
جسنے قاموس کا تکملہ مرتب کیا

اِس طرح انیسویں صدی کے وسط ہی میں یورپ میں عربی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا - کم سے کم دو لاکھ پچاس ہزار قلمی کتابیں کتب خانوں میں داخل ہوگئی تھیں -

(یورپ میں عربی کتب خانے)

یورپ اور امریکا میں عربی کے بڑے بڑے کتب خانے بہت سے شہروں میں موجود ہیں - ذیل میں صرف چند کے نام ذکر کیے جاتے ہیں :

لینن گراڈ ' برلن ' پیرس ' لندن ' لیپزیک ' مونیخ ' وائنا ' لیڈن ' آکسفورڈ ' ایڈنبرا ' ڈبلن ' کیمبرج ' نیویارک ' شیکاگو ' کلیفورنیا وغیرہ -

ہر کتب خانے میں مرتب و منضبط فہرستیں موجود ہیں - ہر کتاب پر مفصل تقریظ لکھی گئی ہے - بعض فہرستیں عام ہیں اور اُن سے ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کون کتاب کس کس کتب خانے میں موجود ہے ؟ یہ کتب خانے برابر ترقی کر رہے ہیں - نادر سے نادر کتابیں غیر معمولی جد و جہد اور صرف کثیر سے جمع کی جاتی ہیں -

(عربی کی باقاعدہ تدریس)

یورپ کو دینی تعصبات سے جب نجات ملی اور اُس کی جگہ ملک گیری کی ہوس نے لیلی ' تو عربوں اور دوسری مشرقی قوموں کے علوم و آداب سے واقفیت پیدا کرنے کی عام طور پر ضرورت محسوس ہونے لگی - چنانچہ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں علم المشرقیات نے ایک منظم علم کی صورت اختیار کرلی ' اور اُسکی باضابطہ تعلیم و تدریس ہونے لگی -

سب سے پہلے سنہ ۱۷۵۳ ع میں آسٹریا نے مشرقی زبانوں کا ایک مدرسہ قائم کیا - اِس میں حکومت کے سفراء اور ملک کے تاجروں کو تعلیم دی جاتی تھی - سنہ ۱۷۹۵ع میں فرانس نے اِسی مقصد سے ایک تعلیم گاہ جاری کی - سنہ ۱۸۸۷ع میں جرمنی نے اِس کی تقلید کی - اس کے بعد روس ' انگلستان ' اور اٹلی نے بھی ادھر توجہ کی - لیکن یہ واقعہ ہے کہ سولھویں صدی سے یورپ کی ہر یونیورسٹی میں ' خصوصاً انگلستان ' جرمنی ' اور ہالینڈ کی درس گاہوں میں عربی زبان داخل نصاب ہوچکی تھی -

ہرٹویک ڈیرنبرگ
جسنے پچاس کتابیں عربی ادب و تاریخ کی شائع کیں

(ائمۂ مستشرقین)

یورپ کو مشرقی زبانوں سے جو شغف رہا ہے ' اُس کا ایک نمایاں ثبوت اُن مستشرقین کا وجود ہے ' جنھوں نے اپنی پوری زندگی اِن علوم کے لیے وقف کردی ہے - بہت سے مستشرق متعدد مشرقی زبانوں کے عالم تھے - مثلاً جرمن لوڈلف مشرق و مغرب کی ۲۵ زبانوں کا عالم تھا - سلوسٹر دی ساسی فرنچ مستشرق بیس زبانوں میں ماہر تھا - یہی حال سرٹنزر لینڈ کے ولی برسمی اور جرمن محدق ہرمل کا تھا - ڈچ عالم ڈوزلی سات زبانوں میں اِس طرح انشا پردازی کرتا تھا ' گویا اُس کی مادری زبانیں ہیں - یہی حال ہنگرین پروفیسر ویمبری کا تھا - وہ ہنگرین ' ترکی ' عبرانی ' اور لاطینی زبانوں کا مستند عالم تھا -

یورپ نے صرف عربی کے مدارس قائم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکہ مشرقی زبانوں کی بحث و تحقیق کے لیے علمی انجمنیں بھی قائم کیں - سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۸ع میں ہالینڈ نے بٹاویا (جاوا) میں اِس قسم کی انجمن قائم کی تھی - پھر سنہ ۱۷۸۴ع میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں قائم ہوئی - سنہ ۱۸۰۵ میں ایک ایسی ہی انجمن بمبئی میں بنالی گئی -

پیرس کی انجمن سب سے زیادہ اہم ہے - یہ سنہ ۱۸۲۲ ع میں قائم ہوئی - اِس کے بانیوں میں یورپ کا مشہور ترین مستشرق اور عربی زبان کا فاضل ' سلوسٹر دی ساسی تھا - اسی سے جرمن ' ڈچ ' سواڈش ' اور اٹالین مستشرقین نے استفادہ کیا - درحقیقت انیسویں صدی میں عربی زبان کا یورپ میں سب سے بڑا علم بردار یہی شخص تھا اِس نے عربی کی تحصیل علماء یورپ کے لیے نہایت آسان کردی -

جی - براؤن
مشہور انگریز مستشرق

یورپ میں ایک مشرقي درویش

علماء و اطباء کي حیراني

طاهر بے جو زمین میں زندہ مدفون هوجاتا هے !

قارئین الهلال کو یاد هوگا که گزشته سال ریوٹر ایجنسي نے پیرس سے یه خبر شائع کي تهي که " طاهر بے نامي ایک مشرقي درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپي پیدا کردي هے- بڑے بڑے ڈاکٹروں کي ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعه کیا هے ' اور ان کے بے لاگ هونے کي شهادت دي هے "

آج کل یه شخص انگلستان میں هے - گریفک کے مقاله نگار نے ایک مبسوط مقاله لکهه کر اس کي شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا هے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کي تصویریں بهي شائع کي هیں - مقاله نگار لکهتا هے :

" پیرس میں گزشته دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکهنے میں آئي هے - یه میانه قد آدمي جسکے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور ڈاڑهي سیاہ هے ' یورپي مغربي نفاست کے ساتهه ملبوس رهتا هے - اس کے مطمئن چهرے سے ظاهر هوتا هے که اس جوان نے بهت دنوں سے اپنے دل کي صفائي کا راز جان لیا هے - یه پر اسرار شخص مشهور درویش طاهر بے هے " جس نے گذشته ڈهائي سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا هے -

طاهر بے

یه سنه ۱۸۹۷ع میں طنجه میں پیدا هوا - اسکي پیدائش کے وقت هي اسکي ماں کا انتقال هوگیا تها - اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکهدیا گیا ' اور اس طرح ابتدا هي سے فقیري کي آب و هوا میں نشوونما پائي - سنه ۱۹۰۵ میں قسطنطنیه آیا اور ترکي لڑکوں کي طرح معمولي تعلیم حاصل کي - اسکے بعد اس نے علم طب پڑهکر طبیب کي سند حاصل کرلي -

اسکي زندگي خاموش مطالعه اور غور و فکر میں گزري هے ' اور جبتک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا ' لوگوں کو اُس کے کمالات کي کوئي خبر نہیں هوئي - سنه ۱۹۱۹ع میں اس نے ایک جمعیت قائم کي جسکا مقصد یه تها که دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے -

یورپ ' جنوبي امریکه ' اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شهروں میں طاهر بے نے صرف ڈاکٹروں هي کو نہیں بلکه عامة الناس کو بهي عجیب عجیب اعمال دکهلائے هیں جنکي کوئي علمي توجیه ابتک نہیں کي جا سکي -

پہلے پهل جولائي سنه ۱۹۲۵ میں یه پیرس میں وارد هوا - وہ چند ماہ اٹلي میں بهي گزار چکا تها - روم ' نیپلس ' پیلرمو ' فلورنس ' اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماهرین کو دکهلائے تهے - کئي هفتوں تک اطالوي اخبارات اس کے کار ناموں سے لبریز رهے - روم میں ارکان حکومت اور سفارتي عمله کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاهرے کیے - خود مسولیني نے بهي چند بار چیگي محل میں اس کا استقبال کیا تها - شاہ وکٹر ایمینوئل نے بهي اپنے حضور میں بلایا - شاہ جارج پنجم نے بهي جو اُن دنوں پیلرمو میں مقیم تهے ' اس کے اعمال دیکهنے کي خواهش ظاهر کي -

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسه میں اسکے کمالات کا مشاهدہ کیا تها جهاں پیرس کے مشهور اخبارات کے نمایندے بهي بلائے گئے تهے - یه واقعه هے که فرانسیسي علماء اس کے اعمال دیکهکر حیرت زدہ هوگئے اور متفقه طور پر یه رائے قائم کي که " اسکے اعمال شعبدہ بازي سے پاک هیں " لنڈن کے ایک بڑے تهیٹر میں بهي جهاں کي ایک کرسي بهي خالي نہیں رهي تهي ' اسکے کمالات دیکهے گئے - چونکه تقریباً تیس آدمي بیهوش هوگئے تهے ' اسلیے اسکا عام مظاهرہ بند کردیا گیا ؟

خود طاهر بے کا بیان یه هے که " میرے کام میں کوئي شعبدہ نہیں هے - میں اپنے اسرار ظاهر کر دینے کے لیے راضي هوں ' مگر میرا دعوی هے که سواے خاص خاص فقراء کے اور کوئي شخص یه کمالات حاصل نہیں کر سکتا "

وہ کهتا هے " فقیروں کي روحاني قوت بهت مضبوط هوا کرتي هے - اُنکي تعلیم تین مهینے کي عمر هي سے شروع هوجاتي هے "

شخصیت رکھتا ہے - لیکن زندہ انسان محکوم ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت سے محروم رہتے ہیں -

سرمایہ دار اِس صورت حال کی منسوخی کو انفرادی شخصیت اور آزادی کی منسوخی بتاتے ہیں ' بلاشبہ اِس سے انکی مراد سرمایہ دارانہ شخصیت ' سرمایہ دارانہ خود مختاری ' اور سرمایہ دارانہ آزادی کی منسوخی ہے !

موجودہ سرمایہ دارانہ حالات پیداوار کے ماتحت آزادی کے معنی " آزاد تجارت " اور " آزاد خرید و فروخت " کے ہیں -

لیکن اگر خود تجارت ہی مٹ جائے ' تو آزاد تجارت کہاں باقی رہتی ہے ؟ ہمارے سرمایہ دار جس طرح دوسری آزادیوں کے متعلق بے معنی ڈینگ مارا کرتے ہیں ' اسی طرح آزاد تجارت کے متعلق بھی انکی ڈینگ بالکل بے معنی ہے - بلا شبہ جب مقید تجارت کے ساتھہ یا قرون وسطی کے مقید شہریوں کے ساتھہ اُسکا موازانہ کیا جاتا ہے ' تو اسکے کچھہ معنی ہوتے ہیں ' لیکن جب سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور خود سرمایہ داروں کے ساتھہ اسکا مقابلہ کیا جاتا ہے ' تو وہ ایک بالکل بے معنی چیز رہ جاتی ہے -

تم خوف زدہ ہو رہے ہو کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کردینگے - مگر یہ تو سوچو ' تمہاری موجودہ سوسائٹی میں ۹/۱۰ حصہ آبادی کی ملکیت پہلے ہی سے منسوخ ہوچکی ہے ' اور اب سوسائٹی کی بقاء کے لیے نا گریز ہے کہ یہ باقی ایک حصہ کی ملکیت بھی جلد سے جلد ختم ہوجائے - تم ہمیں ملکیت کے اُس طرز کی منسوخی پر ملامت کرتے ہو ' جس کے وجود کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت بلا کسی ملکیت کے باقی رہے ؟

سچ یہ ہے کہ تم ہمیں اس لیے ملامت کررہے ہو کہ ہم تمہاری سرمایہ دارانہ ملکیت منسوخ کردینی چاہتے ہیں - بے شک ہمارا یہی ارادہ ہے !

جس لمحہ سے محنت کی تبدیلی ' سرمایہ ' نقد روپیہ ' اور لگان کی صورت میں نہ ہوسکے ' جس لمحہ سے محنت ایک ایسی اجتماعی طاقت کی صورت میں بدلی نہ جا سکے جو اجارہ داری کے لائق ہو ' جس لمحہ سے شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ ملکیت میں تبدیل کیا جانا نا ممکن ہوجائے ؛ اُسی لمحہ سے تمہیں واویلا کرنے کا حق ہے کہ کمیونسٹ " فرد " کو مٹا دینا چاہتے ہیں - لیکن اگر ایسا نہیں ہے ' تو پھر تم گویا اعتراف کرتے ہو کہ " فرد " سے تمہاری مراد صرف " سرمایہ دار " ہے - یعنی صاحب جائداد - حالانکہ اس قسم کے فرد کو بلا شک مٹا دینا چاہئے !

کمیونزم کسی کو بھی اس کی اجتماعی پیداوار میں تصرف کی طاقت سے محروم نہیں کرتا - البتہ وہ سب کو اُس طاقت سے ضرور محروم کردینا چاہتا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کی محنت پر قابو حاصل کرتے ہیں -

کمیونزم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شخصی ملکیت کی منسوخی کے ساتھہ ہی ہر قسم کی جد و جہد بھی موقوف ہوجائیگی ' اور سوسائٹی پر ایک عام اُداسی اور کاہلی چھا جائیگی -

لیکن اگر حقیقت حال ایسی ہوتی تو سرمایہ دار سوسائٹی سستی کی وجہ سے ابتک کبھی کی برباد ہوچکی ہوتی - کیونکہ جو لوگ اس کے لیے محنت کرتے ہیں ' وہ کچھہ بھی نہیں پاتے ' اور جو لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں ' وہ کچھہ بھی محنت نہیں کرتے -

دراصل تمام اعتراضات کا لب لباب یہ ہے کہ جب سرمایہ باقی نہ رہے گا تو اجرتی محنت بھی موقوف ہو جائیگی ' اور اس طرح سرمایہ داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائگا -

جو اعتراض کمیونسٹ طریق پیداوار اور اس کے طریق تصرف پر کیے گئے ہیں ' وہی اس کی دماغی پیداوار اور اس کے استعمال پر بھی کیے گئے ہیں - سرمایہ دار کے نزدیک جس طرح اس کے فرقہ کی ملکیت کا معدوم ہو جانا ' خود پیداوار کی معدومی ہے ' اُسی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کی بربادی پوری تہذیب کی بربادی ہے !

وہ تمدن جس کے زوال پر سرمایہ دار یہ کچھہ ماتم کر رہے ہیں ' کیا ہے ؟ وہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے حق میں ایک ایسا تمدن ہے ' جو بے جان مشین کی طرح محنت کرنے کی طرف لے جاتا ہے !

تمہیں اُس وقت تک ہم سے بحث کرنے کا حق نہیں ہے جبتک تم اپنی سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی کے خلاف اپنے خود ساختہ سرمایہ دارانہ اصول کی بنا پر اعتراض کرتے ہو - کیونکہ تمہارے یہ اصول بھی محض سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور سرمایہ دارانہ ملکیت ہی کے انڈے بچے ہیں - عدل کیا ہے ؟ صرف تمہاری جماعت کی خواہش کا نام ہے جسے قانون بنا دیا گیا ہے ' اور جسے تمہاری جماعتی زندگی کے مادی حالات نے گڑھلیا ہے -

گزشتہ حکمراں طبقوں کی طرح تم بھی اِس خود غرضانہ خیال خام میں پڑے ہوے ہو کہ اپنے معاشرتی اصولوں کو فطرت و عقل کے اٹل قوانین کی صورت میں قائم کردو - تم اپنے معاملہ میں کوئی نکتہ چینی سننے کو طیار نہیں - تم جو کچھہ قدیم ملکیت کے بارے میں سمجھتے ہو ' اس کے تسلیم کرنے کی جرأت سرمایہ دارانہ ملکیت کے معاملہ میں نہیں کر سکتے -

" خاندان کی منسوخی ! " زیادہ سے زیادہ جمہوریت پسند بھی کمیونسٹوں کی اِس عجیب تجویز سے چراغ پا ہو جاتے ہیں -

لیکن یہ تو غور کرو کہ موجودہ خاندان ' یعنی سرمایہ دارانہ خاندان کی بنیاد کس چیز پر ہے ؟ سرمایہ پر اور شخصی ملکیت پر - کیا یہ صحیح نہیں کہ اپنی پوری ترقی یافتہ شکل میں بھی خاندان کا وجود صرف سرمایہ داروں ہی کے لیے ہے ؟ اور کیا یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنی ترقی و تکمیل کے لیے اُسے مزدوروں کی خاندانی زندگی کی عام بربادی کی ضرورت ہے ؟

تم ہمیں ملامت کرتے ہو کہ ہم اولاد کا خود غرضانہ استعمال روکنا چاہتے ہیں - ہم اس جرم کا اقبال کرتے ہیں !

تم کہتے ہو کہ ہم خانگی تعلیم کی جگہ معاشرتی تعلیم عام کرکے نہایت ہی پاک خاندانی رشتے بھی برباد کر ڈالنا چاہتے ہیں - لیکن کیا تم خود اِس الزام سے بری ہو ؟ کیا تمہاری تعلیم کو بھی تمہاری سوسائٹی نے مقید نہیں کر رکھا ہے ؟ کیا موجودہ تعلیمی نظام میں سوسائٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ مداخلت نہیں کر رہی ہے ؟ کیا اسکولوں اور کالجوں کے احاطوں میں تعلیم مقید نہیں ہو چکی ہے ؟ تعلیم میں سوسائٹی کی مداخلت کچھہ کمیونسٹوں ہی کی ایجاد نہیں ہے - وہ تو پہلے سے ہی موجود ہے - کمیونسٹ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اِس مداخلت کی نوعیت بدل دیں ' اور تعلیم کو حکمراں طبقہ کے اثر سے آزاد کردیں -

حجة ابراهيمی

آیۂ کریمہ " الم تر الي الذي حاج ابراهيم " كي تفسير

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

(از مولانا ابو الکلام)

الهلال نمبر (۱۵) میں جناب مولوی عبد الحق صاحب کا جو استفسار آیۂ مندرجۂ عنوان کی نسبت شائع ہوا تھا ' اُس کا جواب حسب ذیل ہے :

(۱) قرآن حکیم کے مطالعۂ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ' وہ اُس تک پیش آتی رہینگی ' جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہوجائینگے - یہ موقعہ تفصیل و اطناب کا نہیں ہے - مختصراً یوں سمجھیے کہ صدر اول کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہوگئی ہیں - ایک " قرآنی " ہے - دوسری " غیر قرآنی " قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے ؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو - اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائب تصرفات میں سے ہے - مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہوچکے ہیں کہ انہیں عجیب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے -

" قرآنی " طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعۂ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا - قرآن سے باہر کے اثرات کو اُس میں دخل نہ تھا - عربی لغۃ کے صاف اور معروف معانی ' عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات ' صدر اول کا بے لاگ ذوق و فہم ' اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صناعی اُسلوب بیان ' اس طریقہ کی خصوصیات تھیں - سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا -

" غیر قرآنی " طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ مفسرین قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوے - یہ علوم وضعیہ کی اشاعت ' ایرانی ' رومی ' اور ہندی تمدن کے اقتباس ' اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا - مفسرین کے ہر گروہ نے قرآن کے مطالب اُسی شکل و نوعیت میں دیکھے ' جیسی شکل و نوعیت کی فکری حالت اُن کے اندر پیدا ہوگئی تھی - رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ قرآن کے الفاظ ' تراکیب ' اسلوب بیان ' دلائل و براہین ' مواعظ و حکم ! سب نے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کرلی - قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطریۃ اور فطریۃ کی سادگی پر تھی - علوم و فنون کی تمام تر بنیاد وضعیۃ اور وضعیۃ کے تعمق اور کاوش پر ہے - نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیۃ کا انہماک بڑھتا گیا ' فطریۃ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی - یہانتک کہ وہ زمانہ آ گیا ' جب لوگوں کے دماغ اسدرجہ وضعیۃ اور وضعی طریق بحث کے عادی ہوگئے ' کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اُس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے - ذہن کی کاوش پسندی جو علوم وضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے ' آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی - یہ صورت حال صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی ' بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام صحف سماوی کو پیش آچکی ہے ' اور منجملہ اُن اسباب کے ہے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تحریف کا باعث ہوتے رہے ہیں - یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (صلعم) نے اسے " تعمق " اور " تنطع " سے تعبیر کیا ' اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد موقوفات میں وارد ہے - یہ موقعہ تشریح کا نہیں - اگر آپ دقت نظر سے کام لینگے تو ان چند جملوں کے اندر اصول تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائیگی - یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں ' بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپکی رہنمائی کر سکتی ہے - ذہن انسانی " وضعیۃ " میں جس قدر کاوش پسند ہوتا گیا ہے ' اُتنا ہی " فطریۃ " سے دور ہوتا گیا ہے -

بہر حال یہ دوسرا " غیر قرانی " طریقہ اُن تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدر اول کے بعد پیدا ہوے - متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے - کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے ' کوئی بہت زیادہ دور تک - امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں - ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نا دانستہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کرلیا - قاضی ابن رشد کی کشف الادلہ اور فصل المقال اور شیخ الرئیس کی بعض مختصر تفسیریں امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پہلے لکھی گئی ہیں - اُن کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ ' فلاسفۂ اسلام اور معتزلہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں ' لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے - بہتر قسم کی نہیں - ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار -

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی ' متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کیلیے سلف کا طریقہ سود مند نہیں ہے - یہ بات ضرب المثل کی طرح اُن کی زبانوں پر جاری ہوگئی تھی کہ "سلف کا طریقہ ایمان کیلیے بہتر ہے مگر استدلال کیلیے مفید نہیں " حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے ' تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سود مند ہوگا ' وہ استدلال و برہان کیلیے کیوں غیر مفید ہو؟ جہانتک نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے ' واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھکر کمزور اور نا مراد طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا - وہ " استدلال " کو فنون وضعیہ کے " منطقی استدلال " سے باہر نہیں دیکھ سکے ' اور وجدان و طبیعت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کرلیں - آپنے اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ " امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سود مند نہیں " لیکن میں کہتا ہوں اس تقید کی کیا ضرورت ہے ؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں بھی سود مند نہ تھا - کیا یہ طریقہ اُس زمانہ میں سود مند تھا جب امام صاحب نے تفسیر لکھی ہے ؟ اس کا حال خود اُنہی

اسکا دعوی ہے کہ انہیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ہوتا ' یہ اپنے آپ پر کامل سکتہ کي سي حالت طاري کردے سکتے هیں - سانس روک لیتے هیں - زندہ دفن کر دیے جاسکتے هیں - اپني زندگي اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے هیں ' اور نیک و بد ارواح کو بلا سکتے هیں "

" زندگي کا ابدي معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کي عمیق غار میں اترتے هیں - جس طرح غواص سمندر کي تہ تک پہنچ جاتا ہے - ان کي جسماني موت ' غفلت اور نسیان کي نیند کو ایک ایسي حد تک پہونچا دیتي ہے ' جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کي تفریق شروع هوجاتي ہے ' اور جہاں روح جسم سے الگ هونا چاهتي ہے "

طاهر بے اپنے ابتدائي اعمال کي نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفون کرا دیتا ہے جس میں تماشائیوں کي خواهش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا وقفہ هوتا ہے - اس پر ایک سکتہ کي سي حالت طاري هو جاتي ہے - اس کے کان ' ناک ' اور منہ روئي سے بند کردیے جاتے هیں - اس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اسے بالو سے بھر دیا جاتا ہے ' اور تابوت زمین کے اندر دفن کردیا جاتا ہے - جب وقت پورا هوجاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے ' اور چند سکنڈ کے بعد طاهر بے کا سکتہ ختم هوجاتا ہے - تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں هوسکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیالا هو جاتا ہے - طاهر بے کے بیان کے مطابق رنگ کي یہ تبدیلي اس لیے واقع هوتي ہے کہ جتني دیر تک وہ تابوت کے اندر رهتا ہے ' دوران خون بند هوجاتا ہے - اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کي حالت طاري نہ کروں تو هوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں - بہت دن گزرے ' دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھي مروج تھا - ساحروں نے مجرموں کي سزا کے لیے یہ چیز ایجاد کي تھي - کیونکہ زندگي کي قدر و منزلت جو دیني طور پر ضروري سمجھي گئي تھي ' کسي انسان کیلیے سزائے موت جائز نہیں رکھتي تھي - مجرم صرف عارضي طور پر دفن کرکے پھر باهر نکال دیے جاتے تھے - تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسي سزا متواتر دي جائے اور مجموعي سزا کا وقفہ ایک سال هوجائے ' تو مجرم کي عمر طبیعي دو سال گھٹ جاتي تھي ' کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کي حالت میں جسم کے رگ اور پٹھے تھک جاتے تھے ' اور ان کي قوت کم هوجاتي تھي -

طاهر بے تابوت سے نکالا گیا ہے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رها ہے

لیکن انہیں ساحروں کا یہ مقولہ بھي ہے کہ اگر یہ ذرا چھوٹي چھوٹي خوراکوں میں دیجائے تو بہت سے امراض کیلیے مفید هوتي ہے -

ایک مزید انکشاف طاهر بے کے تجربوں کیلیے باقي ہے - وہ یہ کہ جسم جب مٹي کے اندر مدفون هوجاتا ہے تو دماغ کي نشوونما تیزي سے بڑھنا شروع هو جاتي ہے - یہ خیال پیش نظر رکھکر وہ اب مصر جانے والا ہے - وهاں وہ بڑے بڑے وقفوں کیلیے مدفون رهیگا جنکا مجموعي وقفہ تین سال تک کا هوگا - وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آهستہ آهستہ متغیر هو جائیگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقي کر جائے گا !

طاهر کي عمر تیس سال کي ہے مگر علمي تجربوں کیلیے وہ اپني زندگي کے پورے تین سال وقف کردیگا - وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس اور نکل گئے ' تو اس تجربہ کا موقعہ باقي نہیں رهیگا - جواني گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسماني سکون و جمود کي حالت برداشت نہیں کر سکتا -

طاهر بے کے اعمال موجودہ انساني فہم و ادراک سے بالاتر هیں - وہ ایک ایسي راہ کا سالک ہے جسکا مغربي دماغ ادراک نہیں کر سکتا - وہ اپنے چہرے ' گردن ' بازو ' اور پیروں کو لوهے کي سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے - جب اسکے سینے سے خنجر باهر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزي سے خون کي دھار بہنے لگتي ہے - اور جب تماشائي یقین کر چکتے هیں کہ واقعي خون هي ہے ' تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ہے - وہ اپني نبض کي رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے - وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوهے کي نوکدار کیلیں جڑي هوئي هوتي هیں ' لیٹ جاتا ہے ' اور ایک سو پچھتر پاونڈ کا پتھر اسکے پیٹ پر رکھکر لوهے کے بھاري هتوڑے سے چور چور کردیا جاتا ہے - پھر وہ اٹھا کر کھڑا کردیا جاتا ہے ' اور ایک سکنڈ کے اندر اپني اصلي حالت میں واپس آ جاتا ہے !

کیا پتھر کا ٹکڑے ٹکڑے هو جانا کوئي نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے ؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمي عمل سے مسحور کردیے جاتے هیں ' اور انہیں وهي نظر آتا ہے جو عامل چاهتا ہے !

گذشتہ سال لندن تھیئٹر کے منیجر مسٹر شوبرٹ طاهر بے سے ملنے پیرس گئے تھے تا کہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں - لیکن اسکے سینے سے خون بہتا دیکھکر انہیں غش آگیا - وہ بہ مشکل اس لایق هوئے کہ واپس آکر اسکے مدفون کر دینے کا عمل دیکھ سکیں - انہیں یقین هوگیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے "

اگر یورپ کے علماء ' مشرق کے قدیم نفسیاتي علوم سے واقف هوتے ' اور انہیں معلوم هوتا کہ حبس نفس کي مشق علم وظائف اعضا (فزیالوجي) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتي ہے ' تو وہ طاهر بے کے ان اعمال پر متعجب نہ هوتے - اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوهاب شعراني نے قاهرہ میں خود اپني آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے ' اگرچہ وہ انکي صحیح تعلیل نہ کر سکے -

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کا قتل

مدحت پاشا کے رفیق محبس شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی نے (جو خود بھی قیدخانۂ طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا کے ہولناک قتل کا حال اس طرح لکھا ہے:

"مدحت پاشا اور اُن کے رفقا، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کر دیا جائے، مگر بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر یہ سبب بھی تھا کہ موصوف کو ڈاکٹر کی مہارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمود پاشا نے والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاعلمی میں تحریر کیا کہ کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اُس کے مصارف وہ خود ادا کرینگے۔ مگر والی نے اِن کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا "اب یورپ میں سیاسی مدبروں کو علانیہ قتل نہیں کیا جاتا۔ جلادوں کے بجائے یہ کام ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ مجرم کی ناک پر کلوروفارم رکھ دیتے ہیں۔ جب سو جاتا ہے تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہے!" لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سُنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری پلٹن کا کمانڈر بکر آفندی چرکسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ مگر اچانک واپس آ گیا اور سیدھا مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ ڈاکٹر اور ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک واپسی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا "طائف کی فوج مرتب کرنے اور قریہ کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں، کیونکہ کئی سال سے اُنھوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا"

بکر آفندی کی واپسی کے چھٹے دن قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبد اللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ حسب عادت اُن کے ساتھ پہرا تھا۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آفندی نماز کو جا نہیں سکا۔ کیونکہ اُس کے آقا کی طبیعت ناساز تھی۔

نماز کے بعد بکر آفندی کمانڈر نے تمام خادموں کو روک لیا قلعہ میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیجکر عارف آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اُسنے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کمانڈر نے پھر آدمی بھیجا کہ عارف کو فوراً لے آؤ۔ اِس مرتبہ مدحت پاشا نے قاصد سے کہا کہ کمانڈر سے کہو وہ خود قلعہ میں آئے اور عارف سے جو کچھ کہنا ہو کہہ جائے۔

کمانڈر فوراً آیا اور خیر اللہ آفندی کے کمرہ میں گیا۔ اُسنے خیر اللہ آفندی سے کہا:

"دار الخلافہ سے حکم آیا ہے کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علحدہ کر دئے جائیں۔ اب اُنھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازار سے بھی خریدنے کی ممانعت ہے۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی"

اِس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمود پاشا غصہ ور آدمی تھے۔ اُنھوں نے کمانڈر کو بہت سخت سُست کہا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کر دئے گئے۔ کمانڈر نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہا ہے مگر گیا نہیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر ظالموں نے نہ اُن کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ بڑھاپے ہی پر ترس کھایا۔ اُنھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اِس وفادار خادم کے عوض ایک جنگلی سپاہی اُن کی تیمارداری کے لئے مقرر کر دیا۔ لیکن مدحت پاشا کے رفقاء مصیبت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی اُنھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بک اُن کے ساتھ سوتے تھے!

مدحت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ اِن حالات نے اُن کے حوصلے کمزور نہیں کئے۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ وظائف کا ورد رکھتے تھے۔ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشفاء، اُن کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

وہ کہا کرتے تھے "جو کچھ یہ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم لوگ اور ہمارا مقدر سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گندگیوں سے دھو چکے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل ہمارے لئے دنیا و آخرت میں عزت و سعادت کا ذریعہ ہے!" وہ حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ظاہر کرتے تھے۔

ایک دن کمانڈر بکر آفندی نے کہا وہ "مارچ کو مکہ معظمہ جائے گا تاکہ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچا آئے۔" وہ مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ اُن کی زبان سے کچھ سُنے اور چغلی کھا کر ظالموں میں مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا "میری تقریر سنو۔ حرف بحرف والی حجاز سے کہہ دینا:

"کہنا عبد الحمید نے تمھیں بڑا منصب بخشا ہے۔ مدحت پاشا کی خدمات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہے دیکھ رہے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیرخواہوں کی خدمات پر انعام دیا کرتا ہے۔ مدحت پاشا کو معلوم ہے کہ سلطان اُس کے قتل پر تلا ہوا ہے۔ تمھیں اِس کام پر مقرر کیا ہے۔ اِسوقت تمھاری جتنی خاطر مدارات ہے، صرف اِسی مطلب سے ہے۔ اِس کے بعد تمھارا جو حال ہوگا، وہ دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہو۔ سرورِی آفندی نے یہیں نذر دی تھی۔ اِسپر سلطان نے خوش ہو کر اُسے "قاضی عسکر" کا عہدہ دیا مگر اب سروری آفندی کی حالت کیا ہے؟ اِسوقت وہ گمنامی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے! جودت پاشا ہمارے گرانے میں سلطان کا دست و بازو تھا۔ مگر آج اُس کی حالت کیا ہے؟ اِسوقت وہ خود اپنے گھر میں قید ہے اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے! اِن معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اِس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ تم مسلمان ہو۔ قرآن پڑھے ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیماً" (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اُس کے لئے بہت بڑا عذاب طیار ہے!)

اِس کے بعد مدحت پاشا نے اِس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:

"دیکھو حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر لعنت کرتی رہے گی۔ خدا اُنھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سے میری تقریر حرف بحرف کہہ دینا"

اِسپر بکر آفندی نے کہا:

"جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں مگر میدان جنگ کے سوا آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا!"

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ اُسنے مدحت پاشا سے کہا "سلطان کا حکم آیا ہے کہ نوکر قیدیوں کے پاس واپس کر دئے جائیں۔ اُنھیں ہر طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز نے سلام کے بعد معذرت کی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں"

اِس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہو گئی۔ تقریباً شفا حاصل ہو گئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک سپاہی سے دودھ منگایا۔ ایک افسر نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہو گیا۔ ... جلدی مستعدی سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اِس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ یہ شخص کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اِس قدر مہربان ہو گیا؟ سید بک، مدحت پاشا کے کھانے کی روز جانچ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پتیلی کھولی تو دودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک چمچہ لیکر اُنھوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہو گیا۔ دوسرے قیدیوں کو چکھایا، سب نے یہی محسوس کیا۔ جنھوں نے ایک دو قطرے بھی نگل لئے تھے وہ بیہوش ہو گئے اور کئی ہفتے بیمار پڑے رہے۔

سے پوچھہ لینا چاهیے - اُن سے بہتر اُن کي نا رسائيوں کيليے کوئي شاهد نہيں هو سکتا - تفسير اور اساس التقديس وغيرہ اُنکے ابتدائي اور درمياني عہد کي کوہ کندنيوں ميں سے هيں - آخري عہد کي مصنفات ميں سے ايک رسالہ مباحث ذات و صفات ميں هے - اس کے ديباچہ ميں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے هيں :

" لقد تأملت الطرق الکلاميه و المناهج الفلسفيه ' فما رأيتها تشفي عليلاً ' و لا تروي غليلاً ' و رأيت اقرب الطرق ' طريقة القرآن - اقرأ في الاثبات : الرحمن على العرش استوى ' و اقرأ في النفي : ليس کمثله شيء - و من جرب مثل تجربتي ' عرف مثل معرفتي " يعني ميں نے علم کلام اور فلسفه کے تمام طريقوں پر غور کيا ' ليکن معلوم هوا کہ مشکلات راہ کيليے کچهہ سودمند نہيں هيں - سب سے بہتر طريقه قرآن هي کا طريقه هے !

فن المحبت ما ادق بيانه
متحير فيه امام الرازي !

امام صاحب کا يه اعتراف بعينه وهي اعتراف هے جو موجودہ اور قديم عہد کے تمام حکماء کي زبانوں پر بهي طاري هوچکا هے - يه مذهبي مباحث کي راہ سے اِس کوچه ميں آئے تهے' اسليے الاهييات کي اصطلاحوں ميں اعتراف عجز کر رهے هيں - ليکن لامارک ' هيگل ' اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کي جستجو ميں نکلے تهے ' اسليے وہ اِن مصطلحات کي جگه دوسري طرح کے الفاظ استعمال کرتے هيں ' ليکن اعتراف عجز کي ايک هي طرح کي روح دونوں کے اندر بول رهي هے - لامارک کے اس قول ميں کہ " همارا سارا علم اس سے زيادہ نہيں هے کہ جهل کا اقرار کريں " يا اسپنسر کے اس اعتراف ميں کہ " اصليت اور حقيقت کے اِن تمام سوالوں کے جواب ميں هم اِسکے سوا کچهہ نہيں کہہ سکتے کہ هم کچهہ نہيں جانتے " اور اِمام رازي کے اس اعتراف ميں کيا فرق هے کہ :

نهايـــة إقدام العقـــول عقال
و اکثر سعي العالميـــن ضـــلال
و لم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوى أن جمعنا فيه قيل و قالوا !

بہر حال جب تک قرآن حکيم کي تفسير خالص قرآني طريقه پر نہيں کي جائيگي ' مشکلات راہ حل نہيں هوسکتيں -

(۲) ايک اهم اور بنيادي کام اِس باب ميں يه هے کہ قرآن حکيم کے الفاظ ' تراکيب ' اور اُسلوب بيان کو تمام وضعي اور خارجي عوارض سے پاک کرکے اُنکي اصلي صورت و نوعيت ميں نماياں کر ديا جاے - جونهي يه اصليت نماياں هوگئي ' تمام اشکال خود بخود دور هو جائينگے -

قرآن حکيم عربي زبان ميں نازل هوا - اُسکے الفاظ عربي زبان کے الفاظ تهے - وہ اُنهي معاني کيليے استعمال کيے گيے تهے ' جن معاني کيليے عربي لغت ميں مستعمل تهے - قرآن نے خود جابجا اپنے عربي زبان ميں هونے ' نہايت کهلے اور دلنشين هونے ' اور مطالب کے سہل اور زود فہم هونے کا ذکر کيا هے - مثلاً سورۂ مريم ميں کہا کہ " فانما يسرناہ بلسانک لتبشر به المتقين " هم نے قرآن تمهاري زبان ميں سہل کرديا تا کہ متقي طبيعتوں کيليے اس ميں هدايت کي بشارت هو - ظاهر هے کہ قرآن کا يه عظيم اور ابتدائي وصف باقي نہيں رهتا ' اگر ايک لمحه کيليے بهي يه فرض کر ليا جاے کہ اسکے الفاظ اُن عام اور معروف معاني کے علاوہ کوئي دوسرا مفہوم بهي رکهتے تهے جو عرب جاهليت کي لغت ميں نہيں سمجهے جاتے تهے - صدر اول ميں چونکه مسلمانوں کا ذوق خارجي اثرات سے متاثر نہيں هوا تها ' اسليے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوي معاني ميں قائم رهے - بلاشبه اُس عہد ميں بهي هر انسان جو قرآن کا علم رکهتا تها ' الفاظ قرآني کے مجازات سے واقف تها - ليکن يه زبان اور بول چال کے روزمرے هي صاف اور سادہ مجازات تهے ' جو دنيا کي هر زبان ميں هوتے هيں ' اور جنکے معلوم کرنے کيليے کبهي کسي اهل زبان کو کسي فلسفيانه فن بلاغت و بيان کي ضرورت نہيں هوتي - حضرت عبد الله ابن عباس اور ابن کعب جب " بل يداہ مبسوطتان " اور " اليه يصعد الکلم الطيب " پڑهتے تهے ' تو بغير اسکے کہ فلسفيانه دقيقه سنجيوں سے آشنا هوں اور يد و علو کے نفي و اثبات کي بحثوں ميں اُلجهيں ' اسکا وہ سيدها سادها مطلب سمجهه ليتے تهے جو هر غير متکلف عربي داں سمجهه ليگا -

ليکن آگے چلکر جب علوم دخيله کي (يعني اُن علوم و فنون کي جو باهر سے عربي زبان ميں منتقل هوے) اشاعت هوئي ' اور وضعي علوم کي اصطلاحات اور نظري مباحث کي منطقي تعريفات و حدود کا لوگوں ميں مذاق پيدا هوگيا ' تو ايک بڑي جماعت اُن لوگوں کي پيدا هوگئي جنهوں نے قرآن کو اهسته اهسته منطقي و فلسفي جامه پہنانا شروع کر ديا ' اور بہ تدريج اسکے الفاظ عربي لغت سے هٹ کر منطقي تعريفات و حدود کي نوعيت اختيار کرنے لگے - يہانتک کہ کچهہ عرصے کے بعد اُن الفاظ کيليے وهي معاني سمجهے جانے لگے ' جو علوم وضعيه ميں انکے ليے قرار پا چکے تهے -

(۳) يه تبديلي الفاظ اور مطالب ' دونوں ميں هوئي - مطالب ميں بنيادي چيز قرآن کا اُسلوب بيان و استدلال هے - ايک عظيم اور اصولي غلطي متاخرين سے يه هوئي کہ وہ قرآن کے فطري اور وجداني اُسلوب بيان کي اهميت معلوم نه کرسکے - يوناني فلسفه کے اشتغال نے اُن ميں منطقي استدلال کا ذوق پيدا کرديا تها - انهوں نے کوشش کي کہ جہاں کہيں قرآن حکيم ميں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئي بيان هے ' اُسے کهينچ تان کر منطقي استدلال کي شکل ديديں -

حالانکه انبياء کرام کے علوم کي راہ وضعي و منطقي طريق استدلال کي راہ سے بالکل مختلف هے - انبياء کرام کا خطاب علوم سے نہيں بلکہ قلوب سے هوتا هے - وہ علماء کے ليے بحث و نظر کا سامان پيدا کرنے نہيں آتے - بلکہ عامة الناس کے ليے هدايت و سعادت کي راهيں کهول دينے کے ليے آتے هيں - اُن کا مقصود يه نہيں هوتا کہ اشياء کي حقيقت کا سراغ لگائيں - وہ اس ليے آتے هيں کہ اعمال اور ان کے نتائج کي حقيقت دنيا پر واضح کرديں - پس وہ اپني تعليم و هدايت ميں کوئي ايسا طريقه اختيار نہيں کرتے ' جسے کسي طرح کي بهي مشابهت منطقي طريق بحث و استدلال سے هو - اُن کا طريقه سيدها سادها فطري طريقه هوتا هے ' جسکے ليے نه تو انسان کے بنائے هوئے علوم و فنون کي تحصيل ضروري هوتي هے ' نه پيچيدہ اور دقيق مقدمات ترتيب دينے پڑتے هيں ' اور نه کسي طرح کي ذهني کاوش اور نظري سلوک کي قيد هوتي هے - هر انسان اپنے وجدان کي قدرتي استعداد اور طبيعت بشري کے فطري طلب و داعيه سے اُسے سنتے هي قبول کر لے سکتا هے ' اور ايک فلسفي و حکيم سے ليکر ايک باديه نشين دهقان تک ' هر درجه ' هر طبقه ' اور هر زمانے کا انسان يکساں طور پر اُس سے يقين و ايمان حاصل کر ليتا هے !

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عید آستانہ۔ ترکی طبی کانفرنس۔ ٹرکی اور ایران

غازی مصطفےٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلق فرقہ سی یا جمہوری جماعت کی مؤتمر ہے۔ مؤتمر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کامل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ، کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر دئے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے ابتک ٹرکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ "انجمن طیارات" کو دے دیا تھا۔ اُسی نے چھاپا ہے اور وہی ٹرکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن، اُتنا حصہ اخبارات کو تقسیم کرے گی۔ ایک جرمنی کمپنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجنے اور مختلف زبانوں میں اُس کا ترجمہ شایع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ ابتک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے جو عنقریب بازار میں آجائے گا۔

"عید آستانہ"

آپکے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سنا ہوگا۔ حالانکہ یہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۶ اکتوبر کو بڑی دہوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے۔ جنگ عمومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ٹرکی سے التوا جنگ کا معاہدہ طے کیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دیے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایۂ تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے "پیرا" پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسفورس میں داخل ہو کر لنگر انداز ہوگئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کردیں۔ پھر ان کی بری فوجیں اُتریں اور شہر کی وہ حالت کردی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے قید کیے گئے۔ بہت سے جلا وطن کیے گئے کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہوگئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیا کی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر قانع ہوگئی۔ مگر یہ اُن کی غلطی تھی ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کو چُپ سنانے میں دیکھو تو اُس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ غصہ ہو گیا ہے۔ قہر و جلال کی قوتیں اُس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہوگئے۔ مگر اُن کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و ہمت سے ہوا۔ اتحادیوں کا پہرہ چوکی بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب ابتک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۴ سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مدانیہ کا ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہمنے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو ابتک سلطان کو قید کیے پڑے تھے، اچانک اُن کے جھنڈے، سربلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے جس وقت ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند مینار پر اُڑایا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اُسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہمنے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی سڑکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی مستحق نہیں سمجھتی تھیں، خوف و دہشت سے اپنا اسباب باندھ کر اور بھاگتی نظر آئیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف مظفر و منصور ترکی فوجیں آرہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلامی دی!

"عید آستانہ" اسی واقعہ کی یادگار ہے جو ۶ اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبی کانفرنس

انگورہ میں ترکی طبی کانفرنس منعقد ہوئی عصمت پاشا نے اُس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی۔ یاتنی بک کی روداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اس وقت ۲ لاکھ ترک اسمیں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اسعفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔

رشاد رضا بک اور موسی کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف قسطنطنیہ میں اس بیماری سے ۹۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ٹرکی میں سالانہ ۳۲،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۲۰ آدمی اسی بیماری میں مرتے ہیں۔

ٹرکی اور ایران

ادہر کچھ مدت سے ٹرکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہوگئی ہے، جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فرج خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دُور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"سرکش کرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم اُنھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ترکی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے۔"

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑ لے گئے تھے، اب رہا ہوگئے ہیں اور اپنی سرحد میں واپس آگئے ہیں۔

شمالی افریقہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسیسی استعمار کے بعد

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۴ مارچ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۴،۱۵،۰۰۰ کیلومیٹر مربع میل ہے، اور آبادی ۴،۲۳۰،۰۰۰ ہے۔ اسمیں ۴،۰۱۶،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۰۰۰،۰۸،۰ ایسے یہودی ہیں۔ ۶۹ ہزار فرانسیسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اُس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسیسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اُبتک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ صرف فاسفیٹ

مدحت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے محمد آغا کو بلاکر انجان بن کے کہا:

"دودھ والے نے ہمیں ہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کتا پیا کرتا ہو۔ لیکن جیسے ہی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اُس کا حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہو زہر، تانبے کے کسائے سے پیدا ہوگیا ہو تم ابھی جاکر کمانڈار کو خبر کردو۔ ایسا نہ ہو اُنھیں کوئی نقصان پہنچ جائے"

محمد آغا نے واپس آکر کہا کمانڈار ابھی دودھ والے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اُسے مارینگے۔ قید کرینگے۔ پوری تحقیقات کریں گے۔ قیدیوں نے یہ سنا تو مسکرانے لگے۔ کیونکہ سن چکے تھے کہ کمانڈار اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا۔ "ان لوگوں نے دودھ تو کھالیا ہوگا؟ کیا مرگئے؟ کیا زہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہو؟"

مدحت پاشا کے بعض رفقاء نے مسموم دودھ کمانڈار کے پاس بھیجا کہ اس کی کیمیاوی تحلیل کی جائے لیکن اُسنے ہنسکر دودھ واپس کردیا۔ اور کہا۔ "یہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود نہیں!"

اس واقعہ کے بعد باورچی خانہ اچھی طرح بند کردیا جاتا تھا کھانے پینے کے برتنوں پر علامتیں لگادی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد ایک دن عارف آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے علامتیں ہٹی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوگیا کہ زہر ملادیا گیا ہو۔ بعد میں مُش آغا اور نوری آفندی نے اقرار کیا کہ اُنھوں نے زہر ملایا تھا!

اسی اثنا میں محمود پاشا، دست دستے میں مبتلا ہوگئے۔ پتہ چلا قہوہ میں کوئی زہریلا مادہ ملا ہوا ہو۔ اُنھوں نے قہوہ پینا چھوڑدیا اور اچھے ہوگئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اسمیں بھی زہر ملادیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، مصر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص اسمٰعیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ ایک مدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تنہا اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ ۲۱ رابیع ۱۳۰۱ھ کو رسالدار محمد لطفی دو رجمنٹ فوج اور توپ خانہ لیکر مکّہ معظمہ سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے سپاہی داخل کردئیے۔

محمد لطفی نے آتے ہی مدحت پاشا کے خادم عارف آغا کو طلب کیا کہا: میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم مدحت پاشا کو کھلا دو تو تمھیں ایک ہزار پونڈ انعام دیا جائیگا۔ ایک دوسرا شخص، محمود پاشا کو مارنے کے لئے تیار ہوگیا ہو۔ اُسے ۶۰۰ پونڈ انعام دیا جائے گا۔

عارف آغا وفادار نوکر تھا۔ اُسنے بظاہر زہر لے لیا اور وعدہ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کرڈالے گا۔ مگر قلعہ میں واپس آکر مدحت پاشا اور محمود پاشا کو پورا قصہ سنادیا۔ اُنھوں نے باقی رفقاء کو مطلع کیا۔ سب نہایت پریشانی میں پڑگئے۔

محمد لطفی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہوچکے تھے۔ اسی آمد کے ایک ہفتہ بعد اُسنے ارتکاب جرم کی پھر کوشش کی۔ پورے قلعے میں فوج لاکر بھردی اور محاصرہ کرلیا۔ مگر کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ مدحت پاشا کے خادم عارف آغا نے بڑی ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور راز فاش کردیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ صوبہ دار ابراہیم نے عارف آغا کو کئی دوسرے افسروں کی موجودگی میں بلاکر کہا:

"ہم آج رات مدحت پاشا کا خاتمہ کردینا چاہتے ہیں۔ ایک ہفتہ ہوا تم زہر لے گئے اور کام کا وعدہ کیا، مگر ابتک کچھ بھی نہیں کیا۔ لہٰذا اب یہ کرو کہ تم مدحت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کرکے سوگئے تو ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا"

یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نماز عشاء کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جانے کے لئے رخصت ہورہے تھے کہ عارف آغا نے آکر کہا:

"آپ لوگ جُدا نہ ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!"

تمام رفقاء گھبراگئے اور اُنھوں نے طے کرلیا کہ مدحت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عارف آغا کی گفتگو سن لی تھی۔ اُس نے محمد لطفی کو خبر پہونچائی۔ محمد لطفی نے فوراً عارف آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مُش آغا ایک افسر نے آکر کہا "میرالائی محمد لطفی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یکجا ہونا ممنوع ہو۔ فوراً اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیے"

مدحت پاشا اور محمود پاشا نے جواب دیا "ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم تلوار کے زور سے ہمیں نکال دو!"

پھر فوراً بکر آفندی کمانڈار نے آکر کہا "عارف، ایک شریر آدمی ہو۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہو جسے پورے سمندر کا پانی بھی نہیں دھو سکتا"

مدحت پاشا نے پوچھا "ہمارے گرد یہ تمام تیاریاں کیسی ہیں؟"

بکر آفندی نے جواب دیا "ہمیں ابتک کوئی خاص حکم نہیں ملا۔ لیکن ہم ہر حکم کی اطاعت ضرور کرینگے"

پھر اُسنے قسم کھائی کہ اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں بالکل جھوٹی ہیں۔ اور قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جرم کی رات

۲۹ ربیع ۱۳۰۱ھ کو رات کے پچھلے پہر میں مدحت پاشا اور محمود پاشا قتل کرڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہو:

اس رات میرالائی محمد لطفی اور بکر آفندی کمانڈار، قلعہ کے پھاٹک میں رہے۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کردی گئی سپاہیوں کو کافی مقدار میں کارتوس تقسیم کردئیے گئے۔ آدھی رات کے بعد محمود پاشا کے خادم حاجی شکری کو جگاکر بٹھادیے گئے۔ پھر ہر قیدی کے کمرے کے سامنے دو دو مسلح سپاہی کھڑے کردئیے گئے۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آغا پہلے ہی سے قید کردیا گیا تھا۔ مگر موصوف تنہا نہ تھے۔ ناجی پاشا کے لڑکے علی بک ان کے ساتھ سورہے تھے۔

اچانک مدحت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بک اُٹھائے گئے۔ اور مدحت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ اُنھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈرایا اور نصیحت کی۔ اُنھوں نے کہا "دیکھو، سپاہی کا کام وطن کی حفاظت ہو۔ دوسرا کا ارتکاب جرم؟" لیکن اُن کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہوگئے!

اسی طرح قاتلوں نے محمود پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جاگ پڑے اور تکیہ اُٹھاکر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے تو ایک افسر نے اُن کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے "امان امان!" اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر اللہ آفندی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا "ڈرئیے نہیں۔ آپکے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہو" مگر وہ اس قدر مرعوب ہوگئے تھے کہ بیہوش ہوکر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں رہے۔

محمود پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاٹھیوں سے اُن کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اُٹھالے گئے۔ رات ہی کو علی بک بروسہ لی کی دکان توڑ کر کفن کے لئے کپڑا نکالا گیا اور فوج کے امام یونس آفندی کو شہیدوں کے نہلانے کا حکم دیا گیا۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ اسپر دونوں کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کردیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگادیئے گئے۔ ایک پر لکھا تھا۔ "مدحت پاشا ۲۶ رابیع کو فوت ہوئے"۔ دوسرے پر تھا "محمود پاشا ۱۸ رابیع کو فوت ہوئے"

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

مدحت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نماز کے بعد سر جھکائے دیر تک بیٹھے رہے ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

"میں موت کے بارے میں غور کررہا ہوں جس کی تکلیف ۵ منٹ سے بھی کم میں ختم ہوجاتی ہو۔ سوچتا ہوں کون سی موت سب سے کم تکلیف دہ ہوتی ہو: گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت یا بیماری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہو۔ دیکھو میں بیمار ہوا، موت سے قریب ہوکر پھر تندرست ہوگیا۔ ہماری وجہ سے کئی ہم وطن قید ہیں۔ شاید ہماری موت اُن کی رہائی کا سبب ہوگی"

وفات سے پہلے مدحت پاشا نے خیر اللہ آفندی کو ۲۰ پونڈ دئیے اور کہا "یہ میرے کفن دفن کے لئے ہیں"۔ مگر خیر اللہ آفندی کو اس خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے اُنھوں نے یہ رقم حکومت کے حوالے کردی۔

مدحت پاشا اور محمود پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مرگئے لیکن دنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہوگئی۔

سلطان عبد الحمید ان دونوں شہیدان وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک اُن کی موت کا اُسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اُسنے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور اُنھوں نے پوری تحقیقات کی مگر سلطان کو برابر یہی شک رہا کہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہو کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ مدحت پاشا کا سر کاٹ کے اُس کے پاس بھیجدیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کرکے روانہ کردیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں نہر سویز پڑتی تھی اور وہاں کا چنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہو، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی "خاص جلالۃ السلطان کے ہاتھی دانت کی مصنوعات"!

مدحت پاشا اور محمود پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر احمد راتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں اُن پرسے پتھر اُکھڑوا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کردیں۔

یہ عجیب بات ہو کہ اس واقعۂ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز، مرض فالج میں مبتلا ہوگیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دنیا ہی میں اُس کے لئے ظلم کا انتقام تھا!

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہو۔ وہ طریقہ یہ ہو کہ کیمیادی انفعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہو۔ خون کی جانچ سے ثابت ہوچکا ہو کہ کیمیادی تفاعل کے لحاظ سے انسان اور بندر نما انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہو۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امراض قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور دونوں خون اپنی کیمیادی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اپنی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادر میں جس طرح انسان کا بچہ نشوونما پاتا ہو، ٹھیک اُسی طرح اِس بندر کا بچہ بھی نشوونما حاصل کرتا ہو۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضا بھی موجود ہیں اور نظریہ نشوو ارتقا کی سب سے بڑی دلیل ہو۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پوستی ہو، بالکل اُسی طرح اور ویسے ہی جذبات کے ساتھ اِس قسم کا بندر بھی اپنے بچے کو پالتا ہو۔

یہ تمام حقائق، اُن کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اِس بندر نما انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہو۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اِس مشابہت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہو؟

دماغ انسانی کا نشوو

بندر کے دماغ میں کوئی جزو ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزا اور اُن کی ترکیب موجود ہو، بعینہٖ وہی گوریلا کے دماغوں میں بھی موجود ہو۔ انسان کا دماغ بندر نما انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کمیت کا ہو۔ انسان کا دماغ کمیت میں زیادہ ہوتا ہو۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہو۔ انسان کے دماغ کے کمیت اور معین اجزا میں اُس کی تقسیم ہی نے انسان کو شعور و ادراک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہو۔

ڈارون نے انسان اور بندر نما انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کمیت میں ہو نہ کہ نوعیت میں۔ ڈارون کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اِس رائے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجنین، وغیرہ علوم کے مباحث سے ثابت ہوگیا ہو کہ انسان کے دماغ نے بندر نما انسان کے دماغ سے ترقی کی ہو، اور اِس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اُس میں اضافہ نہیں ہوا ہو۔

پیچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہوچکی ہیں درحقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پیچیدہ مشکلات ہیں جنھیں ہم حل نہیں کرسکے ہیں۔

ہم اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریلا کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کرسکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تعلیل کرسکیں گے اور بتاسکیں گے کیوں ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہو اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہو کہ عہد میوسینی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہو۔ شروع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اُس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا ظہور ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنھوں نے اِس دماغ کے لئے ترقی کی راہ باز کی؟ سردست اِن سوالوں کا ہمارے پاس شافی جواب موجود نہیں۔

افسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلین کا شوہر!

ذیل میں اُس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد تماشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہو، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اِس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

(۱) "کامیڈی" اور "ٹریجیڈی" کی دو قدیم قسمیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہو جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کردینے کی کوشش کی جاتی ہو۔ یعنے وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ملا جلا مجموعہ ہوتا ہو، کہ اُسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اِس اشتراک سے مقصود یہ نہیں ہو کہ سلسلۂ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شکسپیر نے ہملٹ جیسی غمناکی میں ایک منظر ہملٹ اور قبر کھودنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہو، بلکہ مقصود یہ ہو کہ نفس واقعہ اور اُس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اُسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہو، اور مندرجہ ذیل ڈراما اِسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہو۔

(۲) سب سے زیادہ قابل غور یورپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمائش ہو جو اِس ڈرامے میں ہمارے سامنے آجاتی ہو۔ یہ واقعہ ہو کہ ایلین اور اُسکے شوہر کی قصصی سیرت یورپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوّے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہو۔ حیات زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی روح فنا ہوچکی ہو۔ محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہو جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جارہی ہو، بہت ممکن ہو کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا منتہائے عروج، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہو!

(۱)

میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسوں گا، کیونکہ قصہ کا نام ہی مضحک تھا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آیا تھا اور نکتہ چینیوں کی نظریں ابتک اِس پر نہیں پڑی تھیں جو ایکٹر اِس میں حصہ لینے والے تھے، سب فن ظرافت میں مشہور تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہو کہ پہلے ہی سے لُطف اُٹھانے لگتی ہو میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کردیا تھا۔

ہنستے ہوئے تھیٹر پہنچے۔ پردہ اُٹھتا تھا کہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہوگئی۔ اپنے اندر میں نے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اُسے بیان نہیں کرسکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہو کہ وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متأثر کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی تبسم پر بھی مجبور کرتی تھی۔ بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقہوں پر! افسردگی میں مسکرانا! رنج میں کھلکھلا کر ہنسنا!

کیوں؟ اِس لئے کہ ایکٹر تمھارے سامنے انسان کی ایسی خلقت پیش کر رہا ہو جن کا ظاہر ہنسانے والا ہو، ہنسنا چاہو یا نہ چاہو، باطن رولانے والا ہو، رونا چاہو یا نہ چاہو۔

(۲)

پردہ اُٹھتے ہی ایک ادھیڑ عورت تمھارے سامنے موجود ہو۔ ادھیڑ سے بھی زیادہ بوڑھی معلوم ہوتی ہو۔ اُس کا لباس اُس کے سن و سال اور مرتبہ کے مناسب ہو۔ اُسکی گفتگو سنتے ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہو۔ اور یہ کہ اُس مبہم طبقہ سے تعلق رکھتی ہو جو متوسط طبقہ تو نہیں ہو مگر اُس سے اُتر کر رہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہو۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی ایلین موجود ہو۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہو۔ ماں بیٹی زمانہ کے جور سے تنگ آکر پیرس میں پناہ ڈھونڈھتی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوتی ہو۔ وہ خود بھی اپنے ہنر میں بدقسمت ہو مگر قصباتی دوشیزہ پر فریفتہ ہوجاتا ہو۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہو۔ پھر یکبارگی اِس رشک ماہ کا اُستاد، مُربّی، اور عاشق بنجاتا ہو۔

لڑکی، رقص و سرود میں کامل ہوجاتی ہو۔ پیرس کی ایک تھیٹر کمپنی اُس کی خدمات قبول کرلیتی ہو۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آنے والی ہو۔ ماں اُسے بڑے ہی تأثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہو۔ لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہو اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہو۔ چنانچہ اُسنے دعوت کا اہتمام کیا ہو۔ میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہیں جو دولتمندوں کے لئے معمولی مگر غریبوں کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن بھتیجی خادمہ کو سُناتی ہو۔ اُس کا لہجہ بالکل ویسا ہی

کی ایک کان ملی ہو۔ البتہ خیال کیا جاتا ہو کہ ملک میں سیسے، زنگ، تانبے کی بھی کانیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔

مراکش کی تجارت

۱۹۱۳ء سے ابتک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہو کہ مراکش میں برآمد پر درآمد کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا:

سنہ	ملین فرنک کے حساب سے زیادتی
۱۹۱۳ء	۱۴۲
۱۹۲۲	۵۱۴
۱۹۲۳	۵۰۸
۱۹۲۴	۳۰۳
۱۹۲۵	۶۲۲
۱۹۲۶	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرانس کا حصہ بہت بڑا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا۔

سنہ	مجموعی تجارت	فرانس کا حصہ
۱۹۱۳ء	۲۲۲	۱۵۲
۱۹۲۱	۱۲۱۹	۷۵۳
۱۹۲۵	۱۷۵۴	۹۵۳
۱۹۲۶	۲۲۰۴	۱۴۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہو۔ ۱۹۱۳ء میں مراکش کی کل برآمد ۴۰ ملین فرنک تھی۔ ۱۹۲۶ء میں ۷۱۲ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہو۔ کیونکہ برآمد میں فاسفوٹ بھی داخل ہو جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔ اس کی قیمت ۱۹۲۶ء میں ۱۰،۱۲۵،۰۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ اسی طرح دوسری کانوں کی آمدنی جو فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں، ۶ ملین فرنک تھی۔

اسوقت تک مراکش کی ۶ لاکھ ہکٹار قابل کاشت زمین، ۴۶۱ ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہو۔ یہ لوگ اپنی پیداوار فرانس بھیجتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایہ سے پہلے مراکش پر ۲۴۱ ملین قرضہ تھا لیکن ۱۹۱۳ء میں ایک نیا قرضہ اُس کے سر منڈھ دیا۔ اب اُس کی تعداد ۸۴۴ ملین فرنک ہوگئی ہو۔ حکومتِ مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک مد ہوتی ہو۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت کی آمدنی ۴۰،۴۳۲،۴۳۲،۲۶۷،۲۶ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۳،۶۹،۰۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ ۱۹۲۶ء میں آمدنی ۲،۷۷،۱۵،۱۶۹،۴۰ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۷،۸،۴۴،۰۰،۰۰۰۔

ریلوے

اسوقت مراکش میں ۱۲۵۵ کیلومیٹر ریلوے لائن بچھی ہوئی ہو۔ لائن دو قسم کی ہو: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی نقل و حرکت کے لئے ہو اور حسب ذیل مقامات کو متصل کرتی ہو:

خط	درازی
دار بیضا سے مراکش تک	۲۴۴ کیلومیٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱ "
قنطرہ سے وزان تک	۱۵۸ "

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریف کے زمانے میں فرانس نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر مسافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم۔

بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

طنجہ۔ فاس لائن۔ یہ ایک فرانسیسی اسپینی کمپنی کی ملکیت ہو۔ اس کی درازی ۳۰۶ کیلومیٹر ہو۔

قنیطرہ۔ رباط لائن۔ یہ دار بیضا اور مراکش ہوتی ہوئی طنجہ۔ فاس ریلوے سے ملجاتی ہو۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔

مراکش میں فرانس کے جنگی مصارف

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ فرانس کو اب تک مراکش کے محکوم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	ملین فرنک
۱۹۰۷ سے ۱۹۱۱ء	۱۲۶
۱۹۱۲ سے ۱۹۱۶	۵۹۸
۱۹۱۷ سے ۱۹۱۹	۱۴۱۰
۱۹۲۰	۳۹۰۸
۱۹۲۱	۴۷۰۲
۱۹۲۲	۴۳۶۱
۱۹۲۳	۳۹۲۵
۱۹۲۴	۲۲۳۸
۱۹۲۵	۹۰۴۲
۱۹۲۶	۱۲۰۵۶

صحرا میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کانفرنس ہر سال منعقد ہوا کرتی ہو۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس نے متعدد نئی تجاویز منظور کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تجویز یہ ہو کہ صحرا میں ریلوے لائن تعمیر کرکے شمالی افریقہ وسطی افریقہ سے ملادی جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہوگیا تو افریقہ کی عمرانی اور تجارتی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحرا کا تمام غیر آباد حصہ آباد حصہ ہو جائے گا، اور تقرت سے مراکش تک ایک نیا اندرونی خط بن جائیگا

مذاکرہ علمیہ

نظریۂ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریۂ ارتقاء کے محقق کی راہ میں ابتک متعدد مشکلات حائل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہو کہ طبقات الارضی تاثیرات کے تحت ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں گم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری ہو۔

حفریات کی مدد سے ہم نے عہد پلیوسینی (یعنی وہ عہد جس میں زمین کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی تحقیق کرلی ہو۔ مگر خود اس عہد کی تحقیق پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہو۔ بلاشبہ ہمیں پلیوسینی طبقات میں پتھرائے ہوئے دانت ملے ہیں ممکن ہو یہ بندر نما انسان، یا انسان نما بندر کے دانت ہوں۔ لیکن اس مخلوق کی تعیین کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہو۔

عہد پلیوسینی کم سے کم ڈھائی لاکھ برس دراز تھا۔ اس سے پہلے کا زمانہ، عہد میوسینی کہلاتا ہو اور کم سے کم چھ سات لاکھ سال دراز تھا۔ اسی عہد میں بندر نما انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر پلگرم کو (جو ہندوستان کے شعبۂ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں) ایسے پتھرائے ہوئے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بندر نما انسانوں کی بارہ قسمیں موجود تھیں اور عہد میوسینی کے اواسط و اواخر میں ہمالیہ کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ پھر آج ہم بندر نما انسانوں کی کم از کم تین ایسی قسموں سے بھی واقف ہیں جو اسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن افسوس ہو اُن کے جسم کے صرف وہی اجزاء مل سکے ہیں جو زیادہ پائدار تھے یعنی دانت اور جبڑے۔ اُن دانتوں کو اگر قدیم انسان کے دانتوں کے سامنے رکھکر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کا انکار نہ کرسکیگا کہ عہد میوسینی کے بندر نما انسان کے دانت موجودہ انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہو کہ عہد میوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی تحقیقات کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے ارضی طبقات میں صرف بندر نما انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اسوقت جتنے بھی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہو کہ موجودہ انسان نے ایک ایسے بندر سے ظہور کیا ہو جو بندر نما انسان قسم کا تھا۔ یہ قسم شمپانزی قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی نسل انتھروپوئیڈ سے عہد میوسینی میں جدا ہوئی ہو۔ بنابریں انسان کی عمر دس لاکھ برس کی ہو۔

انسان کے تسلسل پر دلائل

طبقات الارضی مباحث سے ابتک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ انسان کی اصل، بندر نما انسان ہو۔ پھر کیا وجہ ہو کہ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندر نما انسان قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہو کہ انسان اور بندر میں مختلف حیثیتوں سے بہت فرق ہو۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے اوائل میں پروفیسر نیٹلن نے ہر جنس حیوانی کا تعلق اُس کے افراد سے معلوم کرنے کے

شدید حقارت میں تبدیل ہو جاتی ہو۔ فاسق عاشق اس شوہر کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو جس کی رگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہو، اور جو اس بات پر راضی ہو جاتا ہو کہ اس کی بیوی، اُس میں اور بیوی کے آشنا میں مشترک رہو!

عاشق رخصت ہوتا ہو۔ الین مسکراتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آتی ہو۔ گفتگو جاری ہوتی ہو۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے یکایک اچانک کہدیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" وہ ششدر رہ جاتی ہو۔ خوف سے کانپنے لگتی ہو مگر وہ سنجیدگی سے کہتا ہو "کوئی حرج نہیں۔ مجھے یہ صورت منظور ہو!" بیوی بے حد حقارت سے بے غیرت شوہر کو دیکھتی ہو۔ اُس کا دل سخت مجروح ہوا ہو۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا، اور اس لئے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر اب دیکھتی ہو کہ شوہر کو اُس کی ذرا بھی قدر نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کو ٹرہ کرکٹ سے زیادہ نہیں پاتی!

اس بے غیرتی پر شوہر کو سخت سست کہنے لگتی ہو۔ اس شریف شوہر کا جام صبر بھی لبریز ہو جاتا ہو۔ جذبات بہت دبائے، اب بے قابو ہوا جاتا ہو۔ یہ دیکھو، آتش فشاں پھٹا۔ غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کرلی۔ محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ غیرت ہولناک درجہ تک پہنچ گئی۔ اب وہ رُک نہیں سکتا۔ خائن بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلاتا ہو "میری دیوسی دیکھی گی!" عورت لرزہ براندام ہو۔ بید کی طرح تھرتھراتی ہو۔ مگر دل کی گہرائی میں مسرت و سعادت محسوس کر رہی ہو۔ اب اُسنے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی نہیں۔ ابتک آتش عشق میں جل رہا ہو۔ غیرت سے انتقام پر تلا ہوا ہو۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہو۔ معافی کا ارادہ کرتی ہو۔ توبہ کے لئے آمادہ ہو رہی ہو۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اس پر ٹوٹ پڑنے کو ہو۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہو، رُک کر کھوکھلی آواز میں کہتا ہو "موٹر آتی ہوگی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جانا!" پھر فوراً بھاگ کر گھر سے نکل جاتا ہو۔ عورت رونا دھونا واویلا کرنا شروع کر دیتی ہو!

(۸)

بے غیرت شوہر نے کہا تھا "موٹر آتی ہوگی۔ اُس پر چلی جانا" مگر اب موٹر کہاں؟ الین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر کی دیوسی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہو، حالانکہ اس نفرت و حقارت کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کونسی نفرت؟ الین کی نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں رہی تھی، جو اب کسی شوہر کی محبوبہ نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے فسق و ہوس کی پیش کش تھی!

الین اپنے شوہر اور اپنے آشنائے فسق، دونوں سے محروم ہوگئی۔ یہ اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

تاریخ و عبر

آزادی کی راہ میں

تاریخ قرطاجنہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

فینیقیا کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بجلیون کے عہد میں شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ قرطاجنہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیا کی کمزوری کے بعد قرطاجنہ نے عروج حاصل کیا اور بتدریج بحر ابیض کی تجارت کا مالک بن بیٹھا۔ اُس کا جنگی بیڑہ، روم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ سسلی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آگئے تھے۔ اسپین، سسلی، سرڈانیا، کارسیکا مفتوح یا زیر اثر تھے۔ تجارت نے بہت وسعت اختیار کرلی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالا مال ہو رہی تھی۔ لیکن روم کو اُس سے سخت حسد تھا اور برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ ۲۶۴ - ۲۴۱ ق م میں ہوئی۔ روم نے اسے شروع کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ روم نے سسلی میں شہر مسنی پر قبضہ کرلیا۔ یہ شہر قرطاجنہ کے تابع تھا۔ قرطاجنہ کے بحری اسطول نے روم کو سخت نقصان پہونچایا۔ یہ دیکھ کر روم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور بحری جنگ شروع ہوگئی۔ لیکن جزائر ایجیت کے قریب قرطاجنہ والوں کو شکست ہوئی اور پورا سسلی، روم کے قبضہ میں آگیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجنہ کی تنخواہ دار فوج نے سرکشی شروع کی اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ لیکن اُسی زمانے میں ایک عظیم آدمی ہملکار ظاہر ہوا، تمام فتنوں کا سر کچل ڈالا، اور اسپین میں ایک عظیم الشان فوج، روم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب روم سرڈینیا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہو۔ کیونکہ اسی میں ہنیبال نے ظہور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہو۔ ہنیبال نے بچپن ہی میں اپنے باپ سے قسم کھائی تھی کہ عمر بھر روم کا دشمن رہے گا۔ اُس کی قسم سچی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، روم سے جنگ میں گزار دی۔

رومانیوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی لئے انھوں نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاریاں کی تھیں۔ لیکن ہنیبال، کوہ پیرینیز کو عبور کرکے فرانس پہونچا اور فرانس سے الپس کے برفانی پہاڑ کو عبور کرکے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھمکا۔ روم والے سخت متعجب ہوئے۔ انھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی فوج حملہ آور ہوگی۔

ہنیبال نے روم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازمین کا معرکہ، جو ۲۱۷ ق م میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد "کان" میں روم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج کٹ گئی۔ ہنیبال، اٹلی میں ۱۵ برس تک جنگ کرتا رہا۔ روم کے بالکل قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کرسکا۔

مسلسل جنگوں نے خود ہنیبال کو بھی بہت کمزور کردیا تھا۔ اس نے قرطاجنہ، کمک کے لئے لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہزدربال ایک فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر دریائے متورس پر رومانیوں نے اُسے روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہوگئی۔

اس اثنا میں رومانیوں نے ہنیبال کو چھوڑ کر خود قرطاجنہ پر چڑھائی کردی۔ قرطاجنہ والوں نے ہنیبال کو مدد کے لئے بلایا وہ فوراً چلا۔ مگر ۲۰۲ ق م میں قرطاجنہ کے قریب ہی اُسے رومی سپہ سالار شپیون نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجنہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی درخواست کرے۔ روم نے صلح کی شرطیں یہ پیش کیں کہ قرطاجنہ اپنا پورا جنگی بیڑہ اور بحر احمر میں اپنے تمام جزیرے اور اسپین میں تمام مقبوضات، روم کے حوالے کردے۔ نیز کبھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجنہ، یہ ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا۔ لیکن ہنیبال نے انکار کردیا۔ وہ ملک بدر ہوگیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو روم کے خلاف جا کر کھڑا کردیا۔ اُن کی فوجوں میں لڑا بھی۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اُسنے ۱۸۳ ق م میں زہر کھا کر خودکشی کرلی۔

تیسری جنگ

(۱۴۹ - ۱۴۶ ق م)

یہ قرطاجنہ اور روم کی آخری لڑائی تھی۔ مگر تاریخ میں اول درجہ کی لڑائی سمجھی جاتی ہو، کیونکہ اس میں مغلوبوں نے ہمت و شجاعت کے ایسے جوہر دکھلائے جو آجتک تمام محبان آزادی کے لئے نمونہ بنے ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظلم و حرص کی آخری حد تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ روم کے ایک شریف کاتو نے قرطاجنہ میں سیاحت کی اور دیکھ کر جل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجنہ بہت خوشحال اور آباد ہو۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی کر رہی ہو۔ وہ روم واپس آیا اور رومانی مجلس شیوخ کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔

"دیوتاؤں کا ہم پر بڑا فضل و مہر ہو کہ ہمیں ایسی سرسبز اور دولتمند سرزمینوں کا مالک بنایا ہو۔ ہمارے ملک کا موقعہ ہمیں مجبور کرتا ہو کہ

ہو جیسا دادی کا اپنی پوتی کے مقابلہ میں ہوتا ہو۔ گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اُس میں سنجیدگی سے معروف ہیں گر ہم سننے والے ہنسی سے لوٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا اُستاد آتا ہو۔ بہت خوش ہو۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہو۔ وہ تأثر سے بے اختیار رونے لگتا ہو۔ ایسا رونا جو تماشائیوں کو ہنسانے والا ہو۔ ماں کو اُس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہو۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُتار کر دکھاتا ہو اور وہ نغمے سُناتا ہو جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی غیر مطمئن بھی ہو۔ کیونکہ تھیٹروں کی آب ہوا ناپسند کرتی ہو اور دل سے چاہتی ہو کہ لڑکی کسی اور کام میں لگتی۔ اُستاد موسیقی بھی خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہو۔ کیونکہ ڈرتا ہو، مبادا الین دولتمند مداحوں کے دام میں پھنس کر اُن کی ہو رہے۔

(۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خوف محسوس کرتی ہو۔ ساتھ ہی اُس کی اخفار راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہو۔ دونوں گو مگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹھکھیلیاں کرتی، ہنستی کھیلتی، جوش میں بھری دوڑتی آتی ہو۔ ماں کو پیار کرتی ہو۔ عاشق کے سامنے آتی ہو اور شکریہ ادا کرتی ہو۔

لیکن اِن کی قسمت میں عورت کا لطف تنہا اُٹھانا نہ تھا۔ تھیٹر کا مینجر ایک دولتمند رئیس کے ساتھ آ موجود ہوتا ہو۔ دونوں لڑکی کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک بڑے چائے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہو کہ ... کی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس و پیش کرتی ہو اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلاف مروت خیال کرتی ہو۔ آنے والے ایسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ انکار کرتا ہو۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی ضد کرتی ہو۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہو۔ آنے والے جلد موٹر بھیجنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔

عاشق معشوق کمرے میں تنہا ہیں۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہو جو ہنساتا بھی ہو اور رنج بھی دیتا ہو۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہو مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے پھٹے پُرانے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دلی رنج محسوس کرتا ہو۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہو۔ تمام جا بجا سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک تمام ملتا ہو تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ الین بھی اپنی آرائش میں معروف ہو۔ تھیٹر کے مینجر نے رقص کا لباس عاریۃً دیدیا ہو۔ اُسی کو پہنتی ہو اور حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہو۔ مگر اُس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود نہیں۔ وہ جھنجھلاتی ہو لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کر کے مصنوعی تبسم دکھاتی ہو اور تسلی دیتی ہو۔ عاشق وعدہ کرتا ہو کہ آیندہ دونی محنت کرے گا اور اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد مہیا کر دے گا۔

موٹر آ گئی۔ ماں کو دیکھو کیسی خوش ہو؟ بیٹی کے حسن پر قربان ہوئی جاتی ہو۔ لو، اُس کے پیچھے چلی جاتی ہو۔ لٹکے ہوئے دامن اُٹھائے ہو کہ لڑکی کا لباس سیڑھی کے غبار سے میلا نہ ہو جائے گر سن خادمہ شوق خدمت میں موم بتی لئے آگے آگے چل رہی ہو۔ عاشق کو دیکھو، چہرہ اُترا ہوا ہو مگر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل رو رہا ہو مگر لبوں پر مصنوعی تبسم نمایاں ہو!

(۴)

دوسرے وقفہ کے بعد انقلاب حال شروع ہو جاتا ہو۔ تمھاری آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جنھیں بہ مشکل پہچان سکتے ہو۔ دولت و حشمت نے اُنکے اطوار اور انداز بدل دئے ہیں۔ اب غربت کی سیکنی کہیں نظر نہیں آتی۔ الین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہو۔ ہر جگہ مقبول ہو۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لپٹ گئی ہو۔ شب و روز من برس رہا ہو، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھیا اور پیر عورت نہیں ہو جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اُس کے چہرہ پر شباب کی رونق لوٹ آئی ہو۔ نئے فیشن میں ملبوس ہو۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہو۔ آواز میں بھی بڑا تغیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہو۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں ہیں۔ اب پھرتیلی اور چست و چالاک ہو۔ اُستاد موسیقی بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، پژمردہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال رئیس ہو، بھاری بھر کم، سنجیدہ، باوقار۔ سب بڑھ کر یہ کہ اب اپنی محبوبہ الین کا شوہر ہو۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادمہ بھی بالکل بدل گئی ہو۔ ایک نئے نوکر کا بھی اضافہ ہوا ہو۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن میلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ سمندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرما میں الین کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہو۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھیٹر کے مینجر اور اُس کے مالدار ساتھی کو چند اور دوستوں کے ہمراہ الین کے گھر بار بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھتے ہیں کھیلتے ہیں، مذاق کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ الین کا شوہر مطمئن اور خوش ہو۔ اپنے دوست سے شکر گزاری کے لہجہ میں کہتا ہو "خدا کی مشیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں عنقریب ایک موسیقی آمیز قصہ لکھنے والا ہوں جو ضرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار کے بھی ہو گیا ہو جسمیں موسیقی پر نقد کیا کروں گا"

گفتگو جاری تھی کہ الین کے دوست آ گئے۔ اُستاد موسیقی اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ الین اپنے دولت مند قدر دان کے ساتھ تنہا کمرہ میں ہو۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ الین اور اُس کے دوست میں گفتگو ہو رہی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہو۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ یہی خیانت ہو!

اسوقت ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہو کہ الین کا آشنا اُس کے غبی شوہر سے تنگ آ گیا ہو۔ اس لئے تنگ ہو کہ اپنی آشنا سے دل کھول کر متمتع ہونا چاہتا ہو۔ مگر یہ غبی شوہر بیچ میں سدّ راہ ہو جاتا ہو! یہ شوہر واقعی غبی ہو، یا غباوت ظاہر کرتا ہو؟ یہ مصنوعی غباوت اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اُٹھائے؟ مالدار فاسق کا یہی خیال ہو۔ مگر الین اسے ماننے سے انکار کرتی ہو۔

(۵)

دونوں تخلیہ میں ہنسی مذاق کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آ گئے! حضرت آ گئے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ احباب رخصت ہوئے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ شوہر کی اُداسی نمایاں ہو۔ بیوی وجہ پوچھتی ہو وہ پس و پیش کرتا ہو۔ پھر بتاتا ہو کہ لوگ اُسے "الین کا شوہر کہتے ہیں"۔ اُس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اُسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں ملاتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ لہذا اُسے کچھ شک ہو۔ بیوی اپنے تمام چلتر اور حسن کی دلفریبیاں کام میں لاتی ہو۔ شوہر کے شکوک دُور کرنا چاہتی ہو۔

اب دیکھو، شوہر تنہا ہو۔ بیوی کا بٹوا کھول رہا ہو۔ اُسمیں ایک بڑی رقم موجود ہو۔ اُس کا شبہ اور زیادہ ہو جاتا ہو، وہ سوچتا ہو کل الین جوئے میں بہت روپیہ ہار گئی لیکن اسے خبر تک نہ دی! شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہو۔ دیکھو اُسنے میز کا خانہ کھولا۔ قیمتی جواہرات کا کنٹھا ہاتھ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر تک نہ کیا! شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہو!

لیکن الین چالاک ہو۔ شوہر احمق ہو۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہو۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دفع کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادمہ سے بھی زیادہ غبی ہو۔ یہ دونوں سب کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے وقفہ کے بعد ہم الین کے شوہر کو اپنے دوست سے گفتگو میں معروف پاتے ہیں۔ اب اُسے کامل یقین ہو گیا ہو۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

اُسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ الین اور اُس کے احباب نے تفریح کے لئے جانا چاہا۔ شوہر نے عذر کیا اور کسی بہانہ سے گھر ہی میں رہ گیا۔ اُن کی روانگی کے بعد خود بھی تعاقب میں پوشیدہ چلا۔ اُسنے احباب کے ساتھ الین اور اُس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔ دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بدنصیب شوہر سخت اُداس ہو۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہو دوست سے کہتا ہو "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابل برداشت ہو۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ مگر شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن واپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آ گئے۔ الین اور اُس کا آشنا بھی ہمراہ ہو۔ سب اپنے اپنے مشاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کٹا جاتا ہو، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہو۔ ہنسی خوشی سب کی سنتا ہو۔ سب اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رخصت کا وقت آ گیا۔ سب اس قرار داد کے ساتھ جانے لگے کہ ہوٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہونگے۔ لیکن الین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لمحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرہ میں صرف تین شخص رہ گئے: میاں، بیوی، اور اُس کا آشنا۔ اس وقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہو جو شوہر سے گہری ہمدردی، بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہو۔

غضبناک مایوس شوہر کو دیکھو! وہ اپنا اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہو۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بردبار رہنا چاہتا ہو۔

دیکھو، بیوی اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقیب رُو در رُو بیٹھے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہو۔ بغیر کسی تمہید کے ظاہر کر دیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" عاشق مبہوت ہو کر رہ جاتا ہو۔ حواس بجا کر کے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہو "تو کیا ارادہ ہو؟" اُسے یقین تھا، جواب میں "مبارزت!" سنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہو کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت حال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہو۔ حیرت فوراً

اشتہار کے لئے

ہم بحری تجارتی قوم ہیں اور وہ تمام ممالک جہاں ہم تجارت کرتے ہیں ہمارے زیر اثر رہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دور افق میں ایک ملک قرطاجنہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسنے ہر طرف تجارت پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہر جگہ ہماری راہ روک رہا ہے۔ لہذا دیوتاؤں کی مشیت کامل طور پر پوری کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کر ڈالیں۔ ہم نے عملاً دو مرتبہ اُس پر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے آرہا ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت مالدار، باحوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرطاجنہ کو بالکل پامال کر دیا جائے!"

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی اور کسی جائز سبب کی جستجو شروع کر دی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرطاجنہ کو جنگ کرنا پڑی۔ روم نے یہ جنگ خلاف معاہدہ قرار دی اور قرطاجنہ پر حملہ کر دیا۔ شکست کے بعد قرطاجنہ نے اپنے معززین کے تین سو لڑکے، تمام جہاز، اور تمام ہتھیار، روم کے حوالے کر دئیے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر روم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُسنے دیکھا اب قرطاجنہ بالکل بے بس ہو گیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کر دیا جائے اور باشندے سمندر سے ۱۰ میل دور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کے رہیں۔

یہ شرط قرطاجنہ والوں نے منظور نہیں کی اور از سر نو جنگ پر تل گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور تیاریاں کرنے لگے۔ ایک مقرر نے بازار میں کھڑے ہو کر تقریر کی:

"دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہے اور ہمیں سرخرو، سربلند اور مالامال رکھا۔ لیکن روم کے ذلیل النفس اور سنگدل کمینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کر لی تھیں، جنھیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کر سکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مر جائینگے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کرینگے!"

قرطاجنہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتھیار موجود نہ تھے۔ باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شور و غل بلند ہوا۔ انھوں نے خیال کیا دشمن گھس آیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے نوجوان، ہتھیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہو گئے اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانوں میں جتنا لوہا بھی مل سکتا تھا جمع کر لیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً تمام لوہا پگھلا کر تلواریں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ دیں تاکہ کمانوں کے لئے کام آئیں۔ لاچار اور بوڑھے عبادت خانوں میں بتوں کے سامنے گر پڑے اور فتح و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتھیار لے کر قرطاجنہ کے باشندے میدان میں نکلے اور رومیوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن سخت جدّ و جہد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شکست کھائی اور واپس ہو کر شہر کے دروازے بند کر لئے۔ روم والوں نے اب خود شہر پر حملہ شروع کیا اور ایک خونی معرکے کے بعد اندر گھس پڑے۔ مگر شہر اب بھی مفتوح نہیں ہوا کیونکہ باشندے ہر سڑک پر مورچے لگائے کھڑے تھے۔ جب روم والوں نے یہ مورچے بھی چھین لئے تو اب گھروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے روم والوں کو خون بہانا پڑا

لیکن قرطاجنہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہو گئے۔ مغلوب ہی نہیں، سب کے سب قتل کر ڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے مگر وہ قید ہو گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد روم والوں نے قرطاجنہ میں آگ لگا دی کامل سترہ دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارویں دن، شہر نہ تھا۔ راکھ کے انبار پڑے تھے اور ہوا میں اُڑ رہی تھی۔

قرطاجنہ کی یہ شکست، تاریخ میں ابتک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسنے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

زرقاء بنت عدی دربار خلافت میں

ایک دن امیر معاویہؓ نے اپنے دربار میں زرقاء بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف تھی، اور فوج کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

"زرقاء کی تقریر کسے یاد ہے؟" امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

"ہم سب کو یاد ہے" درباریوں نے جواب دیا۔

"اُس کے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟" امیر نے پوچھا۔

"اُسے قتل کر ڈالئے" سب نے کہا۔

"بدترین مشورہ ہے" امیر نے کہا "کیا میرے جیسے شخص کے لئے روا ہے کہ حاکم ہو چکنے کے بعد لوگ کہیں اُسنے ایک عورت قتل کر ڈالی؟"

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کوفہ کو لکھ بھیجے۔ زرقاء کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔

چنانچہ زرقاء دربار میں حاضر ہو گئی۔

"اہلاً و مرحباً!" امیر نے زرقاء کو دیکھ کر کہا "خوب آئیں! خالہ کیسا مزاج ہے؟"

"اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا" زرقاء نے جواب دیا۔

"جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟"

"میں دلوں کا حال کیونکر جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی ہے جو غیب کا علم رکھتا ہے"

"میں نے تمھیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ صفین میں سُرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پکار پکار کر بہادروں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"اے امیر المومنین! سر مر گیا۔ دُم کٹ چکی۔ زمانہ بدل گیا آنکھ والوں کے لئے عبرتیں ہیں۔ آج کے بعد کل ہے۔ دن کے بعد رات ہے" زرقاء نے جواب دیا۔

"سچ ہے" امیر نے کہا "مگر تمھیں اپنی صفین والی تقریر یاد ہے؟"

"نہیں"

"لیکن مجھے یاد ہے" امیر نے کہا "واللہ میں نے سنا تم کہہ رہی تھیں:

"اے لوگو! تم ایک ایسے فتنے میں پڑ گئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں اور صراط مستقیم سے تمھیں ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک اندھا گونگا فتنہ ہے جس میں نہ کوئی کسی کی سنتا ہے نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ اے لوگو! چراغ، سورج کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ ستارہ، چاند کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا، خچر، اصیل گھوڑے پر سبقت نہیں کر سکتا۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ جو ہدایت کا طالب ہے، ہم سے ہدایت لے، جو یقین چاہتا ہے ہم سے یقین لے۔ حق گم ہو چکا تھا، مگر اب مل گیا ہے۔ پس اے مہاجرین و انصار ثابت قدم رہو۔ شگاف بھر گئے ہیں، ٹوٹا، جڑ گیا ہے۔ کلمۂ عدل قائم ہو چکا ہے۔ حق، باطل پر غالب ہے۔ کوئی جلد بازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیونکر؟ خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ عورتوں کا رنگ، مہندی ہے، مردوں کا رنگ، خون ہے، صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محمود ہوتا ہے۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طرف بڑھو! سینے تان کر بڑھو! پیچھے قدم نہ ہٹے! آج کے بعد کوئی دن نہیں!"

"اے زرقاء!" امیر نے تقریر ختم کر کے کہا "تم ہر خون میں علی کی شریک بن چکی ہو"

"اللہ امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے" زرقاء نے کہا۔

"تو کیا یہ بات تمھیں پسند آئی؟" معاویہ نے سوال کیا۔

"ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تصدیق کر دے"

"واللہ علی کی موت کے بعد تمھاری اُس سے یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے" امیر معاویہ نے کہا "اپنی حاجت بیان کرو"

"میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کروں گی" زرقاء نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں دیدی۔ زرقاء کو پہلے ہی سال اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔

(بلاغات النساء، وعقد الفرید وغیرہ)

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی آثار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہی

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجائب، و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواھر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے، جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ڈھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ڈھائي روپیه، مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد، ذریعه معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي، اسلامي، سه ماھي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو، عربي، فارسي، انگریزي، اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے- اسکے علاوہ ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانه، نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را

تازہ خواهي داشتن گر داغهاے سینه ما

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تھي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تھا، لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي، مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تھا، اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تھا- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب، مذهب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامه کے هوتے تھے- اور اسکا هر باب، اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تھا- پھر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تھیں- اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تھا، جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي، مذهبي، سیاسي، اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں- اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں- پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا، هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنہیں دوبارہ چھپوا لیا جاے-

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں، چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنہیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس بہ ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چهارم ۱۰ روپیه " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے- قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

١٩٢٧

جلد ١

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ انہ

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الكريم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۲ — کلکتہ : جمعہ ۲۲ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 18. November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۶۵۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۲	اردو حروف کی حق مین	۴۴۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۶۳۰	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۷۸	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آیندہ اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شايع هوتا هے

قيمت سالانه مع محصول	-	باره روپيه
هندوستان سے باهر کيليے	-	سوله روپيه
قيمت شش ماهي	- - -	سات روپيه
قيمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منيجر الهلال " کے نام سے کي جاے ليکن جو خطوط مضامين سے تعلق رکهتے هوں انکے لفافه پر " ايڈيٹر " کا نام هونا چاهيے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنايت خط و کتابت ميں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهيے

(۴) خط و کتابت ميں نمبر خريداري لکهيے جسکي اطلاع اينو وصول قيمت کي رسيد ميں ديدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاريخ اشاعت سے ايک هفته کے اندر اطلاع ديں - ورنه بصورت تاخير بغير قيمت کے روانه نهيں کيا جائيگا -

(۶) اگر آپ دو تين ماه کيلئے ايک جگه سے دوسري جگه جا رهے هيں تو اپنا پته تبديل نه کرايے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع ديکر انتظام کر ليجيے - اگر اس سے زياده عرصه تک کے لئے تبديل مقام پيش آجاے تو ايک هفته پيشتر اطلاع ديکر پته تبديل کراليں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهديں -

(۸) ايسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق صرف دفتري مراسله (مثلاً رسيد زر و اطلاع اجراء اخبار وغيره) سے نهيں هے ٹکٹ ضرور بهيجيے ورنه دفتر پر غير معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑيگا -

متعلق کہا تھا " اُس وقت دنیا میں کوئي دو شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے - ہم ایک ایسي پاک محبت کے مزے لوٹ رہے تھے ' جیسي خواب میں بھي کسي انسان نے نہ دیکھي ہوگي ... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے - بارہا ہم دن دن بھر مخلوق کي نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے ! "

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اِس دوشیزہ کي یاد محو کردي اور اُسے اپني ایک ہم وطن لڑکي سے عشق ہوگیا - نپولین شروع ہي سے مستبد تھا - اُس نے اپني محبوبہ کو سختي سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسي کو بھي مسکرا کر نہ دیکھے - لڑکي کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہوگئي ' اور اُس کے پنجے سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا - اور نپولین مرتے مرتے بچا !

(ادھیڑ عورت سے عشق)

اِس واقعہ سے کچھہ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیڑ عورت " میڈیم پرمون " سے محبت ہوگئي ' اور اس قدر بڑھي کہ ایک لمحہ بھي اُس کي جدائي گوارا نہ تھي - ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادي کرلینے کي درخواست کي - عورت نے اِس خواهش پر زور سے قہقہہ لگایا " تم بیوقوف ہوگئے ہو ! مضحکہ بننا چاہتے ہو ! بھلا لوگ کیا کہینگے ؟ بیوي ہونے کے بجائے میں تمھاري ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں ! " نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزري اور قطع تعلق کر لیا -

(نپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا ہے - اُس کي عادت تھي کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا ' اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتي تھي ' تو بے اعتنائي سے بالکل چھوڑ دیتا تھا - چنانچہ " میڈیم دلسکا " پولینڈ کي ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافي ثبوت ہے - نپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاہا - مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا - نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کي بہت کوشش کي ' مگر وہ برابر بیزار رہي - آخر ایک دن غضبناک ہوکر چلایا " تو دیکھہ لیگي - میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں ! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑیگا ! دیکھہ ' یہ میرے ہاتھہ میں گھڑي ہے ' جس طرح میں یہ گھڑي چور چور کیے ڈالتا ہوں ' اُسي طرح پولینڈ کا ملک بھي پاش پاش کرکے پھینک دونگا ! " اُس نے یہ کہا اور گھڑي زور سے دیوار پر ماردي - اِس حرکت کا عورت پر اِتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہوکر نپولین کے قدموں پر گر پڑي -

لیکن چند دنوں کے بعد ہي نپولین نے اُسے اُکتا کر چھوڑ دیا !

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھي اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائي مارسیلز کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے ' اتفاق سے ریشم کے ایک سوداگر " فرانسوا کلاري " کے خاندان سے اُن کا تعارف ہوگیا - اِس تاجر کي دو لڑکیاں تھیں - بڑي کا نام " جولیا " تھا - چھوٹي کا " ڈیزیرا " - نپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائي نے ڈیزیرا کو - تھوڑے دن بعد نپولین اپني محبوبہ سے سیر ہوگیا ' اور بھائي کي محبوبہ پر قبضہ جمانا چاہا - چنانچہ ایک موقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے ' نپولین نے تحکمانہ انداز میں کہا " جوزف ! تم اور تمھاري محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں - لیکن مجھہ میں اور میري محبوبہ میں استقلال ہے - بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمھارا نقص جولیا پورا کردے ' اور میں ڈیزیرا کي کمي پوري کردوں " یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کرکے اُس نے اپنے بھائي کي محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسي کو بھي مخالفت کي جرات نہ ہوئي !

لیکن تھوڑے ہي زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کي راہیں اُس کے سامنے کھلي ہوئي ہیں - لہذا ڈیزیرا کو یک قلم چھوڑ دیا ' اور اُس کي منتوں اور آنسوؤں کا ذرا بھي خیال نہ کیا -

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کي طبیعت کچھہ ایسي بیچین واقع ہوئي تھي کہ ایک ہي حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا - سابق محبت سے دست بردار ہونے کے تھوڑے ہي دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہوگیا - واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ - میں جب نپولین بام عزت کي ابتدائي سیڑھیوں پر تھا ' اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا ' اور اپنے باپ کي تلوار واپس مانگي - یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار وائکونٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسي انقلاب کے زمانے میں پھانسي دیدي گئي تھي - نپولین بچہ کي جرات و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کي درخواست منظور کرلي - دوسرے دن اُس کي ماں شکریہ ادا کرنے آئي - یہي جوزیفائن تھي - نپولین پہلي ہي نظر میں اس پر عاشق ہوگیا -

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوٹے سے مکان پر گیا - جوزیفائن واقعي بہت خوبصورت تھي ' ساتھہ ہي عقلمند بھي تھي - اُس نے محسوس کرلیا کہ نپولین اُس کي چشم و ابرو کا شکار ہوگیا ہے - چونکہ اسراف کي وجہ سے سابق شوہر کي تمام دولت خرچ کرکے مقروض ہوچکي تھي ' اِس لیے اس نے بھي اس نئي دعوت عشق کا بڑي سرگرمي سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کردیے - چند ماہ کي آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ - میں جنرل بونا پارٹ اور جوزیفائن کي شادي ہوگئي - دلہن کي عمر دولہا سے سات سال زیادہ تھي ' مگر نکاحنامہ میں اُس کي عمر ۲۹ - برس لکھي گئي اور نپولین کي ۲۶ برس !

شادي کے دو دن بعد نپولین کو اٹلي کے حملہ پر جانا پڑا - سخت مصروفیت تھي ' مگر جوزیفائن کي یاد ہر وقت تازہ رہتي تھي - ہر منزل پر سے خط کے ساتھہ قاصد بھیجتا ' اور اپني حالت سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا - پہلے خط میں لکھا تھا " جب جب اپنے دل پر ہاتھہ رکھتا ہوں ' تم اُس میں موجود ملتي ہو جس سے مجھے بڑي تسکین ہوتي ہے - اِس دنیا میں اگر کوئي غم ہے تو صرف تمھاري فرقت کا "

جوزیفائن کي تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتي تھي - جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا ' تصویر نکال کر سامنے رکھہ لیتا تھا - جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھہ لیتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ہاتھہ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا - اِسے اُس نے فال بد سمجھا - قریب تھا کہ جوزیفائن کي طرف سے

نپولین اور اسکي اخلاقي زندگي

(انساني عظمت ، اور اخلاقي نامرادیي)

میدان جنگ اور حجلۂ هوس !

انسان ذهن و جسم کي کتني هي عظمتیں حاصل کرلے ' لیکن روح اور اخلاق کي ادنی سے ادنی پاکیزگي بھي حاصل نہیں کرسکتا ' اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحاني هدایت کي روشني سے محروم ہے !

انسان کے لیے یہ سہل ہے کہ تمام دنیا فتح کرلے - سکندر نے دنیا کي تمام سلطنتیں تہہ و بالا کرڈالي تھیں - انسان کے لیے یہ بھي دشوار نہیں کہ ذهن و فکر کي ایسي بلندیوں تک پہنچ جائے جہاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے هوں - ارسطو ' اقلیدس ' سولن ' اور سنیکا جیسے فاتحین علم کي فتح مندیاں لا زوال هوچکي هیں ' اور دنیا منطق ' ریاضي ' قانون ' اور فلسفۂ اخلاق میں آج تک ان کي پس رو ہے - انسان کي اولو العزمي ان بلندیوں پر بھي نہیں رکتي - کچھہ مشکل نہیں اگر وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑے ' سمندر کي موجوں کي هنسي اڑالے ' پہاڑوں کي صفیں چیر ڈالے - لیکن هاں ' یہ مشکل ہے ' بہت هي مشکل ہے ' کہ وہ اخلاق اور روحاني پاکیزگي کي راہ میں اپني کسي ایک خواهش نفس کا بھي مقابلہ کرسکے - اس کي ساري اولو العزمي ' اور کوہ همتي جو دنیا کي ساري رکاوٹوں کا تن تنہا مقابلہ کرسکتي ہے ' هوائے نفس کي ایک ادنی سي رکاوٹ بھي اپني راہ سے هٹا دینے پر قادر نہیں هوتي - سکندر تمام دنیا کي تسخیر کي محنت سے نہیں تھکا ' لیکن بابل کي ایک عورت جب اس کے سامنے آئي ' تو اپني خواهش نفس کے اضطراب سے بے بس هوکر گرگیا - سنیکا نے تمام نوع انساني کو اخلاق اور اخلاقي سعادت کي دعوت دي ' لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کي منکوحہ عورت سے باز نہ رکھہ سکا - ارسطو کے دامن علم کے دھبے بھي دنیا گن چکي ہے ' اور یونان کي ایک قدیم ضرب المثل همیں بتلاتي ہے " بڑا انسان بنو - اگر نیک انسان نہیں بن سکتے " !

في الحقیقت انساني زندگي کي یہي اخلاقي اور عملي نامرادي ہے ' جو الہامي هدایت کي کسي بالاتر قوت کي ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور کردیتي ہے - انسان اپنے ذهن و جسم کي قوتوں سے سب کچھہ کرلے سکتا ہے ' لیکن تکلف اور بناوٹ سے بھي اپنے آپ کو نیک نہیں بنا سکتا - اگر انساني زندگي کي سعادت کیلیے اُس عملي صداقت کي کچھہ بھي ضرورت ہے جسے نیکي کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ' تو ناگزیر ہے کہ علم انساني سطح سے کوئي بلند تر ذریعہ ارشاد و هدایت کا هو - مذهب اور الہام اسي ذریعہ هدایت کا نام ہے -

(نپولین اعظم)

اٹھارھویں صدي میں نپولین بونا پارٹ کا ظہور بھي انساني اولوالعزمي کا ایک عظیم ظہور تھا - شاید هي یورپ کے کسي انسان کي نسبت دنیا نے اسقدر کہا اور سنا هو ' جسقدر اِس غیر معمولي انسان کي عجیب و غریب دماغي قوتوں کي نسبت کہہ سن چکي ہے - تاهم انساني عظمت کي اخلاقي نامرادي کا یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے کہ یہي نپولین جب میدان جنگ سے باهر اپنے گھر کي محفوظ زندگي میں دیکھا جاتا ہے ' تو اِس میں اتني قدرت بھي نظر نہیں آتي کہ نہایت ادنی درجے کي اخلاقي کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکھے !

حال میں جرمني کے ایک اهل قلم گیرٹروڈ اریٹز Gertrude Aretez نے ایک کتاب " نپولین اور اُسکي دوست عورتیں " لکھي ہے ' اور اُس میں مستند تاریخي ذرائع سے وہ تمام شہادتیں جمع کردي هیں جو نپولین کي عاشقانہ بوالہوسیوں سے تعلق رکھتي هیں - اِس کتاب کا انگریزي ترجمہ بھي شائع هوگیا ہے ' اور دو تین هفتہ سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث ہے - هم اُس کي بعض تاریخي داستانیں قارئین الہلال کي عبرت و بصیرت کیلیے درج کرتے هیں -

(سولہ برس کي عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نپولین کي طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ " محبت کاهل آدمي کا دل بہلاوا ہے " ممکن ہے ' نپولین نے یہ اُس وقت کہا هو ' جب وہ پاک دامن تھا - لیکن بعد میں — اگر مخالف مورخین کي روایت تسلیم کرلي جائے تو — اُس نے اِس قول کي بنا پر حسن و هوس کي زندگي سے اجتناب نہیں کیا ' وہ همیشہ کسي نہ کسي حسینہ سے وابستہ رها -

آغاز شباب میں نپولین مارسیلز اور پیرس کي سڑکوں پر پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھرا کرتا تھا - نہ تو اُس کي هیئت سے کبھي کو دولتمندي کا شبہ هوسکتا تھا ' نہ اُس میں ظاهري حسن و جمال هي کچھہ ایسا غیر معمولي تھا کہ کسي کو اپني طرف متوجہ کرلے - تاهم یہ واقعہ ہے کہ اُس زمانہ میں بھي بکثرت عورتیں اُس پر عاشق هوگئي تھیں - کیونکہ في الواقع اُس میں کوئي ایسي نامعلوم کشش موجود تھي ' جو دلوں کو لبھا لیتي تھي - ممکن ہے ' اُس کا شرمگیں انداز اور اُسکے پر غرور چہرہ کي عجیب اداسي اُس کے دیکھنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کردیتي هو -

کہا جاتا ہے کہ نپولین سولہ برس کي عمر میں جب والنسا میں رهتا تھا ' تو وهاں کي بہت سي حسین عورتیں اُس پر فریفتہ هو گئي تھیں - مگر خود اُسے بجز ایک کے کسي سے دلچسپي نہیں هوئي - اس دوشیزہ کا نام " کارولین کولمبیا " تھا - وہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت تھي - ایک مرتبہ خود نپولین نے اِس لڑکي کے

حجة ابراهیمی

آیهٔ کریمه " الم تر الی الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب، بیان اور طرق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقه

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیهم السلام) حکماء کے وضعي طریق استدلال کي جگه فطري طریق تلقین کیوں اختیار کرتے هیں ؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کرونگا ' کیونکه اول تو یه تحریر تشریح کي متحمل نہیں ' ثانیاً آیهٔ زیر بحث میں بهي اسي حقیقت کي طرف اشاره کیا گیا هے اور اسکي تشریح آگے آئیگي - البته ترتیب بیان کیلیے مختصر لفظوں میں یوں سمجهیے که :

اولاً ' انبیاء کرام کي تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں هوتا ' ایمان و یقین هوتا هے - ایمان و یقین کیلیے وضعي علوم کا طریق استدلال کسي حال میں بهي سود مند نہیں - انبیاء کرام کے تمام احکام کا دارومدار ما وراء محسوسات حقائق پر هے جسے قرآن حکیم نے عالم " غیب " سے تعبیر کیا هے - عالم " غیب " کے معاملات خلاف عقل نہیں هیں مگر ما وراء عقل ضرور هیں ' اسلیے انکا عام نظري استدلال کے ذریعه نہیں بلکه صرف وجداني شهادت کے ذریعه حاصل هوسکتا هے - وه وجداني شهادت جو فطرة انساني میں ودیعت کردي گئي هے اور جسکا اذعان قدرتي طور پر هر انسان کے اندر موجود هے - پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یه هوتا هے که وه انسان کے وجدان سے خطاب کرتے هیں ' نه که مجرد ذهن و ادراک سے -

---

بیوي کے پاس لیجائے - لیکن جب ڈاکٹر ملکه کے پاس پہنچا ' تو اسے ایک کانے عهده دار سے تعشق کرتے پایا - ملکه نے نپولین کا پیغام سن کر کہا " میں نے اسکي محبت کبهي اپنے دل میں محسوس نہیں کي - اگرچه میں یه همیشه یاد رکهنے پر مجبور هوں که وه میرے لڑکے کا باپ هے "

مذکورهٔ بالا عورتوں کے علاوه اور بهي بہت سي عورتوں سے نپولین کو محبت هوئی یا انهوں نے اس سے محبت کي - انمیں سب سے اهم اور قابل ذکر تین عورتیں هیں - میڈیم پولین ' میڈیم ڈي اسٹایل ' اور مسنز اول - هم انکے واقعات بالاختصار بیان کرینگے -

---

ثانیاً ' ایک اصل عظیم اس باب میں یه هے که انبیاء کرام کا طریق تعلیم " مقدمات " کا طریقه نہیں هوتا - " براه راست " تلقین کا طریقه هوتا هے -

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجهنا چاهیے که کسی بات کے ثابت کرنے اور منوا دینے کے طریقے دو هیں ۔ ایک طریقه یه هے که پہلے مخاطب سے چند ایسی باتیں منوالي جائیں جو گو اصل مدعا نہیں هیں ' لیکن ان کے تسلیم کرلینے کے بعد مدعا کا تسلیم کرلینا ضروري هوجائیگا - یه طریقه " مقدمات " کا طریقه هے - دوسرا طریقه یه هے که جو بات مخاطب کے دل میں اتارني هو ' وه ایسی شکل و نوعیت میں بیان کردي جائے ' که بغیر کسی دوسري بات کے سہارے کے ' خود بخود دل نشین هوجائے - اس بات کے سمجهنے ' مان لینے ' اور شک و انکار سے محفوظ هوجانے کیلیے کسي دوسري بات کے سوچنے سمجهنے کی ضرورت هي نه هو - یه طریقه " براه راست " تلقین کا هے - کیونکه اس طریقه میں اثبات مدعا کیلیے جو کچهه کہا جاتا هے ' مقدمات کا محتاج نہیں هوتا - پہلا طریقه علوم وضعیه اور نظار کا هے - دوسرا طریقه طریق فطری اور انبیاء کرام کا هے -

انبیاء کرام اگر اپني تعلیم میں مقدمات کا طریقه اختیار کرتے ' تو ظاهر هے که ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں هوسکتا تها - کیونکه بجز چند افراد کے جنهوں نے علوم وضعیه کے طریقه پر مقدمات کے بحث و نظر کي استعداد پیدا کرلي هو ' عامة الناس نه تو ان کي تعلیم سمجهه سکتے ' نه ایمان کے لیے مکلف هوسکتے - انبیاء کے لیے ضروري هوتا که وه ایمان کي براه راست دعوت دینے کي جگه پہلے مدرسوں میں وضعي علوم کي تعلیم دیتے پهرتے ' پهر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کي شکلیں بناتے ' پهر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمه پر لڑتے جهگڑتے - پهر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجهه جاتا ' تو اسے بے بس کرکے اقرار کرا لیتے - یه طریقه حکماء کي بحث و نظر کا هے - " دعوت " کا نہیں هے - اور انبیاء کرام " داعي " هوتے هیں - " مناظر " اور " نظار " نہیں هوتے !

ثالثاً ' مقدمات کا طریقه جیسا کچهه بهي هو ' یقین نہیں پیدا کرسکتا ' عجز پیدا کردیتا هے ' اور دونوں میں فرق هے - انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاهتے هیں - بحث میں عاجز کرکے چپ کرا دینا نہیں چاهتے - مقدمات کا طریقه پیچ در پیچ اور چند در چند نظري مسلمات پر مبني هوتا هے - اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں هے ' تو بہت جلد لاجواب هوکر چپ هوجائیگا - یه " چپ هوجانا " نه که " مطمئن هوجانا " طریق مقدمات میں مناظر کي فتح سمجهي جاتي هے - لیکن انبیاء کرام زبان نہیں ' دل جیتنا چاهتے هیں ' اور زبان کے بے بس هوجانے سے دل میں یقین نہیں پیدا هوجاتا - تم ایک تیز زبان آدمي سے گفتگو میں بازي نہیں لیجا سکتے ' اس لیے هار مان لیتے هو ' مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا هو جائیگا ؟

رابعاً ' مقدمات کے طریقه کا تمام تر دار و مدار وضعي علوم کے نظري مسلمات پر هوتا هے ' اور یه مسلمات نه تو هر حال میں حقیقي هیں ' نه هر زمانے کي علمي استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کرسکتي هے - بہت ممکن هے که کل تک جو بات مسلم طور پر مانی جاتي تهي ' آج اتني کمزور هوجائے که لوگ اس کي

بالکل نا امید ہو جاتا - مگر اُس نے فوراً خط لکھا " کاش تمہارے پر ہوتے ' اور تم اُڑ کر میرے پاس آجاتیں ! "

لیکن جوزیفائن اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھی - نپولین کی اُسے ذرا بھی پروا نہ تھی - اب اُسے پایۂ تخت میں بڑی عزت حاصل ہوگئی تھی - اچھے اچھے لوگ اُس کی خوشامد میں لگے تھے - چند ہفتہ کے اندر نپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرلیں اور اطمینان پاکر جوزیفائن کو بلا لینا چاہا - لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی - آخر نپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ - اِس مرتبہ اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا - اُس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں - نپولین کو اس جھوٹی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی - اُس نے فوراً خط لکھا " جوزیفائن ! میں نے سخت غلطی کی - کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں ؟ میں نے نا حق شک کیا - حالانکہ تم بیمار تھیں - سچ ہے ' محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے ... کاش ایک ہی دن کیلیے میں تمہارے پہلو میں ہوتا ! "

نیز اپنے بھائی کو لکھا " جوزیفائن کی علالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں - کاش میں اُسے لکھہ سکتا - اُس کی محبت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی ہے - میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا - خدا نخواستہ اگر وہ مرگئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا ! "

لیکن چند ہی دن بعد نپولین کو معلوم ہوگیا کہ جوزیفائن نے دھوکا دیا تھا - وہ بالکل اچھی ہے ' اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے - اب اُسکے غصہ کی کوئی حد نہ تھی - اُسنے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا ' اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہوجائے - جوزیفائن بادل ناخواستہ روانہ ہوگئی - میلان میں نپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا - مگر چند ہی دن بعد اُسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا - کیونکہ فوج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی - خطرہ دور کرکے اُسنے پھر اُسے طلب کیا - خط میں لکھا تھا " جدائی کے وقت تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا - میری عقل جاتی رہی تھی - اب یہاں میرے پاس آجاؤ ' تاکہ مرنے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں " مورخ میسن کا بیان ہے کہ نپولین ' جوزیفائن کے سامنے اِس طرح کھڑا ہوتا تھا ' گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کھڑا ہے !

(نپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آگئی - یہاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا - کم عمر اور خوبصورت تھا - حتی کہ کہا جاتا ہے ' نپولین کی فوج میں اُس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا - جوزیفائن دیکھتے ہی فریفتہ ہوگئی - یا تو فوج میں رہنے سے بیزار تھی ' یا اب فوج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی - دونوں میں شناسائی ہوئی ' تعلقات بڑھے ' اور اِتنے بڑھے ' کہ خود نپولین نے محسوس کر لیا - وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا - البتہ اِتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بھیجدیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے - اپنے شوہر کی اِس کارروائی سے جوزیفائن کو سخت صدمہ ہوا - مگر مجبور تھی - کچھہ کر نہیں سکتی تھی - وہ اپنی پھربھی کو ایک خط میں لکھتی ہے " زندگی سے اُکتاگئی ہوں - موت کی تمنائیں کر رہی ہوں ! "

جنگ اِٹلی سے فارغ ہوکر دونوں میاں بیوی بڑی شان و شوکت سے پیرس لوٹے - لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نپولین کو پھر جوزیفائن سے علحدہ ہونا پڑا - وہ مصر کی مہم پر روانہ ہوگیا' اور بیوی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہوتے ہی مصر چلی آئیگی - مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچا تھا کہ اِس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بھلا دیا' اور جلسے شروع کر دیے - نپولین اب فرانس میں اِس قدر ہر دلعزیز ہوگیا تھا کہ اُسکی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا - مگر خود اُسے کچھہ پروا نہ تھی - بہت جلد نپولین کو تمام روداد معلوم ہوگئی - کہا جاتا ہے کہ اِسی زمانہ میں اُسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا -

جوزیفائن سمجھتی تھی کہ نپولین شاید کبھی واپس نہ آئیگا ' یا بہت مدت کے بعد آئیگا - اِسی لیے بالکل بیباک ہوگئی تھی - مگر ایکاایک اُسے خبر ملی کہ اُسکا شوہر مصر سے آگیا ہے ' اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے - بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی - ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا - دوسری طرف سخت مقروض بھی ہوگئی تھی - حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی ؟ مگر تھی چالاک - فوراً پیرس سے استقبال کیلیے روانہ ہوگئی - نپولین کو بھی اُسکی روانگی کی خبر مل گئی تھی - اُسنے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا ' اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے - جوزیفائن اپنی تدبیر میں ناکام ہوکر سرعت سے لوٹی ' اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہوگئی - مورخ میسن کا بیان ہے " جوزیفائن محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی - مگر نپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی - پھر اُسنے اپنے گھٹنوں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا ' مگر اِس پر بھی سپہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی - اِس حالت میں پورا دن گزر گیا ' مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا - اب جوزیفائن بالکل تھک گئی - نا اُمید ہوکر واپس جانے والی تھی کہ اُسکی ایک سہیلی اُسکے دونوں بچوں اوجین اور ہورٹانس کو لے آئی - اُنھوں نے رکوع کرکے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلیے رو رو کر سفارشیں کرنا شروع کیا - معصوم بچوں کی آواز سنکر نپولین کا دل نرم پڑگیا اور دروازہ کھول دیا - پھر جوزیفائن کو اُٹھایا ' آنسو پونچھے ' معاف کیا ' اور اُسکا بیس لاکھہ فرنک قرضہ بھی ادا کردیا "

(جوزیفائن کو طلاق)

اِسکے بعد جوزیفائن نپولین کے ساتھہ رہی - جب وہ تخت نشین ہوا ' تو اُسنے ملکۂ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھہ زندگی بسر کرتی رہی - یہانتک کہ نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی - اِس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھہ ملکر اُسے جوزیفائن کی طلاق پر مجبور کر دیا - چنانچہ طلاق دیدی گئی ' اور نپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کرلی -

مشہور ہے کہ آسٹرین بیوی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی - بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوگا - نپولین نے جزیرۂ سینٹ ہیلانا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اُسکا دل شیشہ میں رکھکر اُسکی

فانما یسرناہ بلسانک لعلهم یتذکرون (۴۴ : ۵۸) هو الذي ینزل علی عبدہ آیات بینات لیخرجکم من الظلمات الی النور (۵۷ : ۹) قرانا عربیا غیر ذي عوج (۳۹ : ۲۸) فانما یسرناہ بلسانک لتبشر به المتقین (۱۹ : ۹۷) وانه لتنزیل رب العالمین ـ نزل به روح الامین ـ علی قلبک لتکون من المنذرین ـ بلسان عربي مبین ! (۲۶ : ۱۹۱) انه لقول فصل وما هو بالهزل (۸۶ : ۱۴) یعني قرآن صاف اور واضح عربي زبان میں نازل هوا هے - اُسکی تعلیم بالکل کهلي هوئي اور اسکا طریق بیان تمام تر سهل اور دل میں اُتر جانے والا هے - سچائي اس میں کهول دي گئي هے - حقیقت کے لیے اُس میں کوئي نقاب نہیں - اُس کا بیان یکقلم سیدها سادها هے - کسي طرح کي تیڑهه اور پیچیدگي اُس میں راہ نہیں پا سکتي - اُسکے سمجهنے بوجهنے کیلیے صرف اس بات کي ضرورت هے کہ دل لگنے والا اور کان سننے والا هو - اُسے صرف سن لینا هي اُسے پا لینا هے ' اور اُسے دیکهه لینے سے انکار نہ کرنا ' اسکي شیفتگي اور عشق کا اقرار هے !

علاوہ بریں قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے هیں - وہ کہتا هے میں " موعظة " هوں ' " ذي الذکر " هوں ' " تبیاناً لکل شي " هوں ' " تذکرہ " هوں ' " هدي و رحمه " هوں ؛ اور یہ ظاهر هے کہ جو بات وعظ هو ' تذکیر هو ' نصیحت هو ' هدایت هو ' روح و دل کے روگوں کي شفا هو ' وہ منطقي شکلوں کا اُلجهاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں کا کارخانہ نہیں هو سکتي !

(۷) ضرورت هے کہ مختصراً اس معاملہ کي توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بهي دیدي جائیں :

متکلمین نے جو طریقہ الٰهیات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تها ' اُس میں سب سے زیادہ اُن کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تها - یعنے عالم قدیم (مصطلحۂ فلسفہ) نہیں هے - پیدا شدہ هے - حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوي استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجها جاتا تها - بچپنے میں هم نے یہ شکل رٹي تهي : " العالم متغیر ' و کل متغیر حادث ـ فالعالم حادث " (عالم متغیر هے ' اور هر چیز جو متغیر هے ' حادث هے - پس عالم حادث هے) چونکہ متکلمین کے دماغ میں اثبات مدعا کي یهي شکلیں بسي هوئي تهیں ' اسلیے اُنهوں نے قرآن کے استدلالات کو بهی کهینچ تان کر یهي جامہ پہنا دینا چاها - قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراهیم (علی نبینا و علیه الصلوة والسلام) کي ایک " حجة " کا ذکر کیا هے ' اُسي طرح سورۂ انعام میں ایک دوسري " حجة " کا بهي ذکر کیا هے : وتلک حجتنا اتیناها ابراهیم علی قومه ' نرفع درجات من نشاء ' ان ربک حکیم علیم (۶ : ۸۳) یہ " حجة " کیا تهي ؟ یہ " حجة " وہ تهي جس میں حضرت ابراهیم کے مشاهدۂ " ملکوت السماوات و الارض " کے واردات کا ذکر هے : فلما جن علیه اللیل ' رای کوکبا ' قال هذا ربي ' فلما افل ' قال لا احب الافلین ! (۶ : ۷۶) یعني حضرت ابراهیم نے ستارہ ' چاند ' اور سورج دیکها ' اور جب اُن میں سے هر کوکب ڈوب گیا ' تو فرمایا " اني لا احب الافلین " چونکہ اس معاملہ کو قرآن نے " حجة " کے لفظ سے تعبیر کیا تها ' اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم هوگا ' متکلمین نے " حجة " مستعملۂ قرآن کو وهي حجة قرار دے لیا تها جو اُن کي مصطلحۂ منطق " حجة " تهي ' اسلیے انهوں نے اس آیت کي تفسیر کرتے هوے اپنے منطقي استدلال کي شکل یہاں بهي چپکا دي - مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراهیم نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا هے - یعني اُن کي حجة بهي یهي تهي کہ " العالم متغیر و کل متغیر حادث " انهوں نے کواکب کے صانع عالم نہ هونے پر اس بات سے استدلال کیا هے کہ اُن میں حرکت هے - حرکت تغیر کو کہتے هیں ' اور جس میں تغیر هو وہ محدث هے ' اور جو محدث هے ' وہ قدیم نہیں ' اور جو قدیم نہیں ' وہ صانع عالم نہیں هو سکتا ! اس تفسیر پر همارے متکلمین کو اس درجہ وثوق بلکہ فخر هے کہ حضرت امام رازي تغیر سے استدلال حدوث کو " طریق ابراهیمي " قرار دیتے هیں ' اور فرماتے هیں " پہلا حکیم ربانی جس نے اس حکمت سے مخلوق کو آشنا کیا ' وہ حضرت ابراهیم خلیل هیں " !

ابهی اِس سے قطع نظر کیجئے کہ اِس استدلال کي کمزوریوں کا کیا حال هے ' اور اسکا صغری اور کبری هي کونسا قطعي اور مسلم هے کہ نتیجہ قطعي الثبوت هو - اِس پر بهي بحث نہ کیجئے کہ اِس طرح کا استدلال انبیاء کرام کي طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجہ نا آشنائي اور حقیقت فراموشي هے - صرف اِس بات پر غور کیجئے کہ لغت و عربیت کے لحاظ سے اِس تفسیر کا کیا حال هے ؟ آیت کریمہ میں کوکب ' چاند ' اور سورج کا ذکر هے ' اور تینوں کیلیے " افل " کا لفظ آیا هے ـ متکلمین کي یہ تفسیر " افول " کے معني حرکت و تغیر قرار دیتي هے ' اور جب تک یہ معني قرار نہ دیے جائیں ' اُن کے گڑهے هوے استدلال کي دیوار کهڑي نہیں هو سکتي ' لیکن جزم و قطع کے ساتهہ کہا جاسکتا هے کہ عربي لغت میں کسي ایسے " افول " کا وجود هي نہیں جو حرکت و تغیر کے معني میں بولا جاتا هو - جو " افول " عربي زبان میں مستعمل هے ' اُسکے معني تو کسي چیز کے چهپ جانے اور غائب هو جانے کے هیں ـ قد أفلت الشمس تأفل و تأفل افولا - اي غابت و احتجبت ـ اس کے سوا کوئي معني اس لفظ کے مفهوم میں داخل نہیں ـ آیت کا صاف مطلب یہ هے کہ جب چاند ڈوب گیا ' سورج غروب هوگیا ' تو حضرت ابراهیم نے کہا " اني لا احب الافلین " میں چهپ جانے والوں کو دوست نہیں رکهتا - یہاں حرکت و تغیر کي مصیبت کہاں سے آگئي ؟

پهر قیامت پر قیامت یہ هے کہ " حرکت " سے بهي انکا مقصود حرکت لغوي نہیں هے - بلکہ حرکت مصطلحۂ فلسفہ هے - یعنے وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسري حالت میں انتقال کو کہتے هیں ' خواہ مکان میں هو یا زمان میں ' اور کم میں هو یا کیفیت میں - مثلاً درخت کا نمو بهي حرکت هے ' اور یہ حرکت في الکم هے ' اور کسي رنگ کا تغیر بهي حرکت هے ' اور یہ حرکت في الکیف هے - ظاهر هے کہ اگر " افول " کے مفهوم میں کسي نہ طرح کهینچ تان کر حرکت کي دلالة پیدا بهی کرلي جائے ' تو لغت اور قرآن پر یہ کیسا صریح اتهام هوگا کہ حرکت کا یہ فلسفیانہ مفهوم اُن کے سر تهوپا جائے ؟

علاوہ بریں متکلمین اپنے ذوق تفلسف میں یہ حقیقت بهي بهول گئے کہ حضرت ابراهیم علیه السلام کا خطاب جن لوگوں سے تها ' وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجهتے تے کہ اُنکے لیے اِس مزعومہ استدلال کي ضرورت هوتي - اُن لوگوں کا اعتقاد اجرام سماویہ خصوصاً چاند سورج کي نسبت وهي تها ' جو دنیا کي تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کي نسبت رهچکا هے اور اب تک هے - یعنے یہ ایسي روحاني اور ملکوتي هستیاں هیں جنهیں دنیا کي تدبیر و

هندسي ارزائیں - ایمان کي بنیاد ایسي متغیر اور متلون بنیاد پر نہیں هوسکتي - وہ تو هر فرد ' هر جماعت ' هر طبقه ' اور هر زمانه کے لیے ایک یکساں حقیقت ھے - یه محل تفصیل کا نہیں ' ورنه مثالوں سے یه بات بالکل واضح هو جاتي - همارے حکماء اور متکلمین نے حدوث عالم اور اثبات صانع کے کتنے هي استدلال ترتیب دیے تھے ' جن کی بنیاد اُس وقت کے مذاهب فلسفه کے نظري مسلمات پر رکھي گئي تھي ' لیکن آج هم کسي پڑھے لکھے آدمي کے سامنے اُنھیں دھرانے کي جرأت نہیں کرسکتے !

(۵) صرف یہي نہیں که قرآن کا یه طریقه نہیں ھے ' بلکه اُس نے واضح طور پر اس طریقه کي مذمت کي ھے ' اور اسے بھي اُنھي طریقوں میں سے قرار دیا ھے جو اُس کے نزدیک " جدل " کے طریقے هیں ' اور جو طریق " دعوت " و " هدایت " کے ساتھه جمع نہیں هو سکتے - یه طریقه جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ھے - مگر اذعان و یقین کیلیے که طریق دعوت و هدایت کا مقصد وحید ھے ' کچھه مفید نہیں - بلاشبه اس طریق کا عامل ایک علمي قسم کا جھگڑالو آدمي بن جاتا ھے ' لیکن مرشد اور هادي نہیں بن سکتا - اس کي طبیعت کبھي اِس طرف نہیں جاتي که سچائي اور حق معلوم کرے - وہ اس کا عادي هوجاتا ھے که اپنے بنائے هوے قاعدوں ' گڑھے هوے مقدموں ' اور منوائي هوي اصطلاحوں سے کسي نه کسي طرح مخاطب کو لاجواب کردے - رفته رفته خود اُسکا قلب بھي حقیقت سے نا آشنا اور اُسي قسم کي باتوں پر قانع هو جاتا ھے جسے انگریزي میں " ٹکنیکل " قسم کي باتیں کہتے هیں (لفظ صناعی اسکا پورا مفہوم ادا کرنے کیلیے کافي نہیں ' الا یه که اختیار کرلیا جاے) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کي جستجو اور یقین کي راہ میں اُس سے نزاع کر رہا ھے ' صرف ایک لفظ کي غلطي ' یا کسي اصطلاحي قاعدہ کي نا آشنائي ' یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے الجھاؤ سے شرمندہ کردے [illegible] تو وہ اپني بڑي سے بڑي فتح منطقي سمجھتا ھے [illegible] مخاطب هار [illegible] زندہ [illegible] بھي یه نہیں سوچتا که اِس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائي کا فیصله کیونکر هوگیا ؟ یه زیادہ سے زیادہ مناظرہ کي جیت ھے - لیکن حقیقت کا فیصله تو نہیں ھے ؟ اگر وہ اِس مصنوعي [illegible] کي مدهوشي سے افاقه پالے ' اور خود اپنے دل کي گہرائیوں کا حساب لے ' تو اُسے معلوم هو جائے که جس بات کے منوانے کیلیے وہ ایک عالم کو چپ کراتا پھرتا ھے ' خود اُسي کے دل کو اُسپر قرار نہیں ھے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم هوتا ھے که یه ' اور اِس طرح کے تمام طریقے ' نه صرف حصول مقصد کیلیے سود مند نہیں هیں ' بلکه هدایت و یقین کي راهوں سے دور کر دینے والے هیں - قرآن ان تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنے لڑنے جھگڑنے کي راہ قرار دیتا ھے - اُس نے جا بجا اِس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیکات نقل کي هیں - پھر بتلایا ھے که یه حق و هدایت کي راہ نہیں ھے ' خصومت اور جھگڑنے کي روش ھے - سورۂ یاسین میں منکرین کا یه استفہام تشکیکي نقل کرنے کے بعد که " و یقولون متی هذ الوعد ان کنتم صادقین ؟ " فرمایا " ما ینظرون الا صیحة واحدة ' تاخذهم و هم یخصمون ! " " خصومت " کا لفظ یہاں اِسي حقیقت کي طرف اِشارہ ھے - سورۂ زخرف میں منکرین کا یه انداز سخن نقل کیا ھے که " ولما ضرب اِبن مریم مثلاً ' اذا قومک منه یصدون - و قالوا : الھتنا خیر أم هو ؟ " اِسکے بعد کہا " ما ضربوا لك الا جدلا ' بل هم قوم خصمون ! " یعنے منکروں کي یه فکري حالت که وہ بات کي حقیقت پر غور کرنے کي جگه فرضي اور تخمیني صورتیں پیدا کرکے کج بحثي کرني چاهتے هیں ' راستي و حق پرستي کا طریقه نہیں ھے - " جدل " کا ڈھنگ ھے -

چنانچه یہي وجه ھے که قرآن حکیم نے دعوت الي الحق کا طریقه واضح کرتے هوے کہا : ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة ' وجادلهم بالتی هی احسن (١٦ : ١٢٦) اس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ھے : حکمت - موعظۂ حسنه - اور جدل - لیکن جدل کو " بالتي هي احسن " کے ساتھه مقید کر دیا ھے - یعنے ایسا جدل جو اچھے طریقه پر کیا جاے - اِس سے معلوم هوا که قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کي طرح محمود و مطلوب نہیں ھے ' اِلا یه که " بالتی هی احسن " هو -

جس آیت کي نسبت آپنے اِستفسار کیا ھے ' دراصل وہ اِسي حقیقت کا ایک بہترین نمونه پیش کرتي ھے - وہ واضح کرتي ھے که انبیاء کا طریق دعوت و هدایت کا ھے - جدل کا نہیں ھے - اور تشریح اسکي آگے آئیگي -

(٦) لیکن افسوس ھے که متکلمین منطقي ذوق طریق قرآني کي اهمیت و حقیقت معلوم نه کرسکا - اُنہوں نے قرآن کو بھي وهي منطقي جامه پہنا دینا چاها ' جو خود انہوں نے علم و نظر کے هر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکه یه طریقه قرآن کیلیے ایک مصنوعي طریقه تھا ' اسلیے قدم قدم پر طرح طرح کي مشکلات پیش آئیں - [illegible] ساتھه نہیں دیتي تھي ' قرآني اُسلوب بیان قطعاً مخالف تھا - سیاق و سباق کا مقصد کچھه اور هي کہتا تھا - سب سے بڑھکر یه که قرآن کا علم نظر [illegible] اُس طریق کے ساتھه چل نہیں سکتا تھا - تاهم وہ اِنہي [illegible] برابر بڑھتے هي گئے [illegible] کارخانۂ استدلال [illegible] قرآن کي مشکلات حل نہیں هوئیں [illegible] قرآن کي [illegible] پیدا کي هوئي [illegible] اُس کے اُسلوب ' اور اُس کے [illegible] ایک دوسري طرح کي شکل دیدي جائیگي ' [illegible] مشکلات کا ایک معما هي بن جائیگی !

یاد رکھنا چاهیے که قرآن کے ساتھه هم دو هي طرح کا سلوک کرسکتے هیں - یا تو اس کي سچائي تسلیم کریں - یا انکار کردیں - اگر هم اس کي سچائي تسلیم کرتے هیں تو ضروري ھے که وہ تمام اوصاف بھي تسلیم کرلیں جو اُس نے اپني نسبت بار بار بیان کیے هیں - ان اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادي وصف یه ھے که وہ هر اعتبار سے سہل ھے - کسي اعتبار سے بھي مشکل نہیں - پس قرآن سب کچھه هوسکتا ھے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں هوسکتا - کوئي تفسیر ' کوئي تاویل ' کوئي ایسي بات جس سے اُس کي کوئي ایک سورت ' کوئي ایک رکوع ' کوئي ایک آیت ' بلکه اُس کا کوئي ایک لفظ بھي مشکل اور مقدمات طلب بن جائے ' قرآن کے لیے سچي تفسیر اور سچي بات نہیں هو سکتي - یقیناً وہ سچي نہیں هوسکتي - اس لیے کہ قرآن جیسے سہل هونا چاهیے ' بار بار کہتا ھے : ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (٥٤ : ١٧)

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

" لیکن تم کمیونسٹ ' سرمایہ دار عورتوں کی عمومیت بھی رواج دوگے "

ایک ھی طرح کے سر میں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رھے ھیں !

چونکہ سرمایہ دار اپنی بیوی کو بھی پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا ھے ' اس لیے جب کبھی سنتا ھے کہ آلات پیداوار عام ملکیت ھوجانے والے ھیں ' تو قدرتی طور پر خیال کرتا ھے کہ عورتوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصود تو صرف اس قدر ھے کہ عورت پیداوار کا محض ایک آلہ نہ سمجھی جائے - وہ عورتوں کی موجودہ حیثیت بدل دینی چاھتے ھیں -

ھمارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ کوئی چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کی وہ اس باطل دعوی میں نمائش کر رھے ھیں - کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کی کیا ضرورت ھے جب کہ ان کی یہ صورت حال تقریباً ھمیشہ موجود رھی ھے اور آج بھی موجود ھے !

ھمارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رھے ھیں ؟ اپنے مزدوروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ ھوکر نیز باضابطہ عصمت فروشی پر بھی قانع نہ ھوکر ' وہ اب آپس میں ایک دوسرے کی بیویوں سے علانیہ تعلقات پیدا کر رھے ھیں ' اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹی کی بہترین معاشرتی دلچسپی ھیں !

خود سرمایہ دارانہ شادی بھی در حقیقت عورتوں کی عمومیت ھی ھے - کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا ھے کہ وہ عورتوں کی موجودہ ریاکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دینی چاھتے ھیں - ظاھر ھے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کی منسوخی کے ساتھہ اُس کا نتیجہ یعنی عورتوں کی عمومیت بھی معدوم ھو جائیگی ' اور اُس وقت عام عصمت فروشی کا بازار بھی گرم نہیں ھو سکیگا -

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ھے کہ وہ وطنی و قومی روح فنا کردینی چاھتے ھیں -

مزدوروں کی نہ تو کوئی قوم ھے نہ وطن - پس جو چیز اُنہیں ملی ھی نہیں ' چھینی بھی نہیں جاسکتی !

مزدوروں کو پہلے سیاسی طاقت حاصل کرنی چاھیے پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کردینا چاھیے - یہ کام بذات خود ایک قومی کام ھے ' اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھہ نہ سمجھیں -

جوں جوں سرمایہ دار ترقی کرتے جاتے ھیں ' آزاد تجارت پھیلتی جاتی ھے ' عالمگیر بازار کھلتے جاتے ھیں ' صنعتی پیداوار میں اضافہ ھوتا جاتا ھے ' قومی اختلافات بھی کم ھوتے جاتے ھیں ' اور حالات زندگی میں ھمرنگی و یکسانیت بڑھتی جاتی ھے -

مزدوروں کی فتحمندی ان اختلافات کو اور زیادہ کم کردیگی ' کیونکہ ان کی تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اولین شرط ھے -

افراد کے باھمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ھوتی جائیگی ' اسی قدر قوموں کا باھمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ھوتا جائیگا -

جوں جوں فرقہ بندیاں معدوم ھوتی جائینگی ' قوموں کی باھمی دشمنی بھی مٹتی جائیگی -

رھے باقی الزام جو کمیونزم پر مذھبی ' فلسفی ' اور نظری نقطۂ نظر سے لگائے گئے ھیں ' تو وہ اس قدر پوچ ھیں کہ کسی سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں -

کیا اِس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسی گہری بصیرت کی ضرورت ھے کہ مادی حالات زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھہ انسان کے خیالات ' نظریے ' تصورات ' حتی کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ھے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ھے کہ دماغی پیداوار ' مادی پیداوار کے ساتھہ ھمیشہ بدل جاتی ھے ؟ ھر عہد کے حکمراں خیالات ھمیشہ وھی رھے ھیں ' جو اس کے حکمراں طبقہ کے تھے -

جب لوگ اُن خیالات پر بحث کرتے ھیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کردیا کرتے ھیں ' تو یہ حقیقت صاف ظاھر ھو جاتی ھے کہ پرانی سوسائٹی کے اندر ھی نئی سوسائٹی کے عناصر کی تکوین پوشیدہ تھی ' اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھہ ھی قدیم اجتماعی رشتے بھی پراگندہ ھوجاتے ھیں -

جب قدیم دنیا اپنے زوال کی آخری گھڑیوں سے گزر رھی تھی ' تو قدیم مذاھب بھی ایڑیاں رگڑ رھے تھے - یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاھر ھوکر انہیں نگل لیا - اسی طرح جب اٹھارھویں صدی میں مسیحی خیالات کی جگہ عقلیت نے لے لی ' تو جاگیردار سوسائٹی نے اُس وقت کے انقلابی سرمایہ داروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑی - پھر مذھبی آزادی اور وجدانی آزادی کے خیالات نے علم کی عملداری اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاھر کردیا -

تصرف میں دخل ہے ' اور اسلیے اِنکي پرستش ضروري ہے - پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ھي نہ تھے ' تو اُنکے محدث و مخارق ھونے کے دلائل پر حضرت ابراھیم کیوں زور دیتے ' اور کیوں قرآن اسے " تلک حجة ایتنا ھا ابراھیم علی قومه " سے تعبیر کرتا ؟ اُنکے علم میں تو کوئي ایسي بات آئي تھي ' جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ھونے کا بطلان ثابت ھوتا ' کیونکہ اُنکے ھم وطنوں کي اصلي گمراھي یہي تھي -

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں ' ورنہ یہي ایک تفسیر اِس حقیقت کي توضیح کیلیے کافي تھي کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈالدیے ھیں' اور اُنکي ذھنیت معارف قرآنیہ کي روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے - في الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اھم ترین دلائل قرآنیہ کے ہے ' لیکن متکلمین نے ایک دور از کار اور تقریباً بے معني منطقي استدلال کا جامہ پہنا کر اُس کي ساري دلاویزي اور خوبي غارت کردي ہے' جو کسي طرح بھي اُس پر راست نہیں آتا - لطف یہ ہے کہ یہ استدلال حضرت ابراھیم کي طرف اِس جوش و سرگرمي کے ساتھہ منسوب کیا جاتا ہے ' گویا اُنکے لیے ابراھیم خلیل کي جگہ اِمام الحرمین یا اِمام رازي بن جانا کوئي بڑي ھي فضیلت کي بات ہے !

میں نے یہاں ارسطو کي جگہ اِمام الحرمین اور اِمام رازي اسلیے کہا کہ جو بات حضرت ابراھیم کي طرف منسوب کي گئي ہے ' وہ اِتنا وزن بھی نہیں رکھتي ' جسقدر عامۂ حکماء کي عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے - شیخ الاسلام اِبن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ " متکلمین نے طریق قرآني اسلیے ترک کیا ' تاکہ فلاسفۂ و عقلیین کے ساتھہ چل سکیں ' مگر افسوس کہ یہ بھي نہ کرسکے - اِنکي خام خالیوں سے تو پھر حکماء کي باتیں غنیمت ھیں "

یا مثلاً ' قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کرتے ھوے " احد " اور " واحد " کا لفظ استعمال کیا ہے - " احد " اور " واحد " کے معني اُس زبان میں جسمیں قرآن نازل ھوا ہے ' اسکے سوا کچھہ نہیں ھیں کہ یہ صفت ' تعدد کي نفي کرتي ہے - یعني وہ ایک ہے' اکیلا ہے ' اسکا کوئي شریک نہیں - کوئي عرب یا عربي داں انسان " احد " کا لفظ سنکر اس سے زائد کسي مفہوم کا تخیل ھي نہیں کر سکتا ' لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معاني اور التزامات پیدا کر لیے ' اور بلا تکلف اُنہی معاني میں استعمال کرنے لگے - مثلاً وہ کہتے ھیں ' خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے - احد وہ ہے جو منقسم نہ ھو سکے ' پس معلوم ھوا کہ وہ جسم نہیں ہے ' کیونکہ اجسام قابل اِنقسام ھیں - ھمیں بھي اِسکا شوق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کي جاے ' لیکن یہ قطعي ہے کہ قرآن نے عربي کا لفظ " احد " اس مصطلحۂ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے ' اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کي دقیقہ سنجیوں سے اسے کوئي تعلق ہے -

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " مثل " ہے - " مثول " کے اصلي معني کسي چیز کے نصب ھونے کے تھے - مصور صورت بنا دیتا ہے ' اس لیے اُسے ممثل کہنے لگے - مثل الشي - اي انتصب و تصور - سورۂ مریم میں ہے " فتمثل لها بشراً سويا " یعني آدمي کي شکل میں نمایاں ھوا - پھر اسی نسبت سے اِسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھي ھونے لگا - فلاں چیز فلاں چیز کے مثل ہے - یعني اُس جیسي ہے - تاج محل کے مثل کوئي عمارت نہیں - یعني اُس جیسي کوئي عمارت نہیں - قرآن نے بھي جا بجا مثل کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے -

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ھوگئیں ' تو " تمثیل " کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھہ ھونے لگا - مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقي اطلاق پیدا کرکے اُسے مماثلة في الجوھر' مماثلة فی الکیفیة ' مماثلة فی الکمیة ' مماثلة في القدر و المساحة ؛ وغیرہ میں لے گئے ' اور اسکے بعد " مثل " مستعملۂ قرآن سے بھي وھي استدلال کرنے لگے - مثلاً " لیس کمثله شي " میں " مثل " کو وھي " مثل " مصطلحہ قرار دیتے ھیں ' اور اسپر اپني تمام فلسفہ آرائیوں کي عمارت اُستوار کرتے ھیں - وہ کہتے ھیں - تمام اجسام متماثل ھیں ' اور جسم وہ ہے جو جواھر فرد سے مرکب ھو' یا جسکي طرف اِشارہ کیا جاسکے ' اور جسکي مقدار ھو' پس جب خدا نے فرمایا " لیس کمثله شی " تو اِس سے اُن تمام جسمي (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کي نفي ھوگئي جو جواھر میں یا اعراض میں ھو سکتي ھیں - فلو کان جسماً لکان له مثل ' و اذا لم یکن جسماً ' لزم نفي ملزومات الجسم - یقیناً خدا کے مثل کوئي شے نہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ " لیس کمثله شي " میں قرآن نے عربي کا جو لفظ استعمال کیا ہے ' اور اسکا جو مطلب دو سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے' وہ کیا تھا ؟ کیا وہ بھي مثلیت مصطلحۂ فلسفہ تھي ؟ حاشا و کلا - عربي میں مثل کا لفظ ٹھیک اُنہي سیدھے سادے معنوں میں بولا جاتا ہے ' جن معنوں میں ھم آجکل اردو میں بولا کرتے ھیں - مثلاً ایک شخص کہتا ہے " تاج محل آگرہ کے مثل کوئي عمارت موجود نہیں " تو اِس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ھوتا کہ وہ مماثلة في الجوھر یا مماثلة فی الکمیة ' یا مماثلة فی الکیفیة ' یا مماثلة فی القدر و المساحة ' یا مماثلة فی اي معني اصطلاحي فلسفي کي نفي کر رھا ہے - بلکہ یہ مطلب ھوتا ہے کہ ایسي خوشنمائي رکھنے والي کوئي دوسري عمارت موجود نہیں - قرآن نے بھي ٹھیک ٹھیک اِسي سادہ اور لغوي معني میں " مثل " کا لفظ استعمال کیا ہے - یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیاں یہاں کہاں سے آگئیں ؟

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " خلد " اور " خلود " ہے جسکے معني لغت اور زبان میں طول عہد کے ھیں ' اور اِسي نسبت سے وہ ھمیشگي کے معنوں میں بھي بولا جاتا ہے - لیکن یہ ھمیشگي ایسي ھي ھوتي ہے جیسے بول چال میں ھم کہتے ھیں " یہ آدمي ھمیشہ کلکتہ ھي میں رھیگا " اس سے یہ مقصود نہیں ھوتا کہ وہ ابد تک رھیگا اور مستقبل میں کوئي وقت ایسا نہیں آئیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہو' بلکہ یہ مطلب ھوتا ہے کہ وہ یہیں ٹھہرا ھوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹھہریگا - قرآن نے بھي جا بجا اسي معني میں یہ لفظ استعمال کیا ہے ' لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ھوگئیں ' تو " خلود " کے معني ایسي ھمیشگي کے ھوگئے جسکی کوئي نہایت نہ ھو -

یا مثلاً ' عربي میں لفظ " قدیم " کے وھي معني ھیں ' جو اردو میں " پرانے " کے ھیں " یہ مکان بہت قدیم ہے " یعني بہت مدت سے ہے - لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں " قدم " و " حدوث " کي خاص مصطلحات اختیار کیں' اور اسلیے " قدیم " کی بھی ایک خاص منطقي تعریف بن گئي - اب کتاب و سنة کا مستعملہ " قدیم " بھي اسي معني میں لیا جانے لگا !

مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات

پیرس کے مصور رسالہ نے ایک سلسلۂ مقالات بلاد اسلامیہ کي جدید نسواني تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا ھے - مقالہ نگار حال میں قسطنطنیہ اور قاھرہ کے سفر سے واپس آیا ھے - وہ لکھتا ھے :

" سنہ ۱۹۲۷ کي جو فکري لہر قاھرہ اور قسطنطنیہ کي عورتوں کے دماغوں میں دوڑ رھي ھے ' آسے میں لفظوں میں منتقل کردینا چاھتا ھوں "

مقالہ نگار کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

(۱) ترک اور مصري عورتوں میں نئے خیالات کي نشو و نما اگرچہ گذشتہ صدي کے اواخر سے شروع ھوگئي تھي ' مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھسکي - سنہ ۱۹۰۰ تک قسطنطنیہ اور قاھرہ میں نئي قسم کي خواتین کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فرانسیسی زبان سے واقف ھیں ' مغربي روش کا لباس مشرقي اصلاحات کے ساتھ پسند کرتي ھیں ' ترکي میں اھل قلم خواتین کي بھي ایک محدود تعداد پیدا ھوگئي ھے "

(۲) [illegible] موجودہ صدي کے [illegible] سے صورت حال [illegible] [illegible] سے زیادہ [illegible] ترک اور مصري خواتین کا یورپ [illegible] آزادانہ سفر و قیام ' اور ترک نقاب - چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ سے لیکر سنہ ۱۹۰۸ تک ترکي اور مصر کي پچاس سے زیادہ خواتین یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں دیکھي گئیں - ان میں بڑي تعداد اُن کم عمر خواتین کي تھي جو تعلیم کي غرض سے یورپ آئي تھیں - ان متعلمات میں مصر کے خاندان خدیوي کي بھي بعض خواتین تھیں -

جدید مصري خاتون
بیگم زغلول اپنے معمولي لباس میں

مصري خواتین کا نقاب جو اب رخصت ھو رھا ھے !

(۳) سنہ ۱۹۰۸ع میں جب ترکي میں ' انقلاب دستوري ھوا ' تو حالات نے یکایک ایک دوسري ھي صورت اختیار کرلي ' اور ترکي کے خواتین کي معاشرتي زندگي میں انقلاب عظیم ھوگیا - اُس وقت تک دار الخلافہ میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تھے ' اور جتنے بھي تھے ' زیادہ تر امریکن مشنیري جماعتوں کے قائم کیے ھوئے تھے - لیکن اب یکایک زنانہ کلبوں کي تعداد میں عظیم اضافہ ھوگیا - سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقي نے زنانہ کلب قائم کیے - پھر عام تحریک شروع ھوگئي ' اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم ھوگئے ' جن کے ارکان کي تعداد سیکڑوں سے بھي متجاوز تھي - اُسي وقت سے ترک خواتین نے ملک کي سیاسي و معاشرتي تحریکات میں بھي علانیہ حصہ لینا شروع کردیا - ایک کثیر تعداد مقرروں اور ادیبوں کي بھي پیدا ھوگئي جن میں ایک کافي تعداد ترکي زبان کے اچھے خطیبوں اور اھل قلم کي تھي - چہرہ کا نقاب بھي تمام تعلیم یافتہ خواتین نے تقریباً ترک کردیا - البتہ باھر نکلنے کے لیے ایک خاص طرح کا جسم پوش لباس پہن لیا جاتا تھا جس سے نہ صرف تمام جسم اور لباس کي آرائش چھپ جاتي تھي ' بلکہ سر کے بال بھي پوشیدہ رھتے تھے - صرف نصف پیشاني سے لیکر ٹھڈي تک چہرہ کھلا رھتا تھا -

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذھبي ' اخلاقي ' فلسفي ' سیاسي ' اور قانوني خیالات تاریخي ترقي کے دوران میں تبدیل ھوتے رھے ھیں ' مگر ان تبدیلیوں کے با وجود بھي مذھب ' اخلاق ' فلسفہ ' سیاست ' اور قانون کي حقیقت کبھي نہیں بدلي ' بلکہ یہ چیزیں بدستور باقي رھیں - مزید براں کچھہ اٹل سچائیاں بھي ھیں ' جو تمام اجتماعي نظاموں میں ھمیشہ قائم رھي ھیں اور اُن میں کبھي تبدیلي نہیں ھوئي - لیکن کمیونزم یہ تمام سچائیاں نئي بنیادوں پر قائم کرنے کي جگہ اُنھیں سرے سے مٹا دینا چاھتا ھے ' اور یہ ایک ایسي بات ھے جو تمام تاریخي ترقیوں کے بالکل مخالف ھے -

لیکن ھم کہتے ھیں کہ تمام پچھلي سوسائٹیوں کي تاریخ ' جماعتي نزاع کي تاریخ ھے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتي نزاع نے کوئي شکل بھي اختیار کي ھو ' لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ھے کہ ھر زمانہ میں سوسائٹي کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رھا ھے لہذا کچھہ عجب نہیں ' اگر اِن تمام زمانوں کا اجتماعي ضمیر ھمیشہ تقریباً ایک ھي قسم کے خیالات کا پابند رھا ھو - ظاھر ھے کہ اِس اجتماعي ضمیر کي تبدیلي اسي وقت ممکن ھے ' جب جماعتي نزاع پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمیونیزم کیا ھے ؟ ملکیت کا انقلاب اور اسکے روایتي رشتوں کا ایک براہ راست طبعي انفجار ! لہذا کچھہ عجیب نہیں ' اگر وہ اپنے دوران ترقي میں تمام روایتي نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرلے اور ایک نیا نظام قائم کر دے !

لیکن ھمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کي پروا نہیں کرني چاھئے - اپنے کام میں دبستور منہمک رھنا چاھئے -

ھم ابھي بیان کر چکے ھیں کہ مزدوري پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ھے کہ وہ حکمراں طبقہ کي حیثیت حاصل کرلے - یعني حقیقي جمہوریت کو کامل فتح حاصل ھو جائے -

مزدور ' سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ھاتھوں میں جمع کر دینے کیلیے اپني سیاسي طاقت استعمال کرینگے ' یعني پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ھاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وھي حکمراں طبقہ ھونگے ' اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بار آور طاقتوں کي مجموعي مقدار بڑھا دیں -

یہ مقصد ظاھر ھے کہ پورا نہیں ھوسکتا ' جبتک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں - یہ حملے اُن ذرائع سے کیے جائینگے جو گو ابھي اقتصادي حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ھوتے ھیں ' مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروري ھوجائینگے - اِس سے مقصود وھي ذرائع ھیں ' جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتي طور پر مختلف ھونگے - تاھم ترقي یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ھے :

(۱) زمین کي ملکیت کي منسوخي اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بھاري اور برابر بڑھنے والا اِنکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کي منسوخي -

(۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے اِملاک کي ضبطي -

(۵) حکومت کے ھاتھوں میں قرض کي مرکزیت ' اور یہ اِس طرح کہ ایک قومي بنک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ھو ' اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داري کا حق حاصل ھو -

(۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کي حکومت کے ھاتھوں میں مرکزیت -

(۷) قومي کارخانوں اور آلات پیداوار کي توسیع ' اور بنجر زمینوں کي ایک عام اجتماعي خاکہ کے مطابق اصلاح -

(۸) سب کو محنت کیلیے مجبور کرنا ' اور صنعتي فوجوں کي تنظیم ' خصوصاً زراعت کیلیے -

(۹) زرعي اور صنعتي محنت کي آمیزش ' تا کہ شہر اور دیہات کي باھمي تفریق مٹ جائے -

(۱۰) تمام بچوں کیلیے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقي میں جماعتي اِمتیازات معدوم ھو جائینگے ' اور تمام پیداوار قوم کي بڑي اکثریت کے ھاتھوں میں سمٹ آئیگي ' تو عام اجتماعي طاقت اپني سیاسي حیثیت کھو دیگي - سیاسي طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ھے تا کہ دوسري جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں ' اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برباد کر ڈالیں ' تو اِن حالات کے ساتھہ قدرتي طور پر وہ موجودہ جماعتي نزاعات اور خود جماعتوں کو بھي برباد کر ڈالینگے ' بلکہ ساتھہ ساتھہ خود اپني جماعتي حکمراني کي حیثیت بھي مٹا دینگے -

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے مدبّروں کی شہادت

(۲)

ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی

ہندوستان نے پارچہ بافی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تصور ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ اُن کے بعض کپڑے تو ایسی حیرت انگیز نفاست سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کمال دراصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، نفاست پسندی، اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برنس ۱۸۳۲ء میں)

ہندوستان کے جنگلی درختوں میں پھلوں کی جگہ اون (سن) پیدا ہوتی ہے جو اپنی نفاست اور خوبصورتی میں بھیڑ کے اون کو بھی مات کرتی ہے۔ ہندوستانی اسی سے اون کے کپڑے بناتے ہیں۔
(ہیروڈوٹس ۴۵۰ قبل مسیح)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان اور بابل کے مابین ۳۰۰۰ قبل مسیح میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ۲۰۰۰ قبل مسیح کی مصری ممیا کی ہوئی لاشیں نفیس ہندوستانی ململ میں لپٹی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں۔ روم میں ہندوستانی پارچہ جات کی بہت بڑی کھپت تھی۔ یہ واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ "الیڈر پلینی" نے شکایت کی ہے کہ روم کی بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہے۔ ڈھاکہ کی ململ یونان میں "گنجی ٹیکا" کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر ٹریری)

ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی قومیت کے ابتدائی برسوں (یعنی قبل مسیح ۲۰۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔
(دیکھیر صفحہ ۳۰۶)

نیتی مسیح سے ۲۰۰۰ سال پہلے مصر اور عرب کی درآمد کے تذکرہ میں بنگال کی ململ کا ذکر کرتا ہے۔ (جیمس ٹیلر)

افریقہ سے لیکر شنگھائی تک، ہر بندرگاہ میں ہندوستان کا بنا ہوا ہر طرح کا کپڑا بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔ (مارکو پولو ۱۲۹۸ء)

۱۷۰۰ء کے بدنام قانون کی رُو سے انگلستان میں ۲۹ ستمبر ۱۷۰۱ء سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا آئیگا وہ یا تو ضبط کر لیا جائے گا، یا واپس کر دیا جائے گا۔"
(سر جارج برڈوڈ)

"مسیحی" انگلینڈ میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھینٹ استعمال کرے۔ ۱۷۶۶ء میں گلڈہال میں ایک انگریز خاتون کو دو ہزار پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اس کا رومال ہندوستانی کپڑے کا تھا۔ (پروفیسر لیکی)

سترہویں صدی کے آخر میں نفیس اور عمدہ ہندوستانی چھینٹ اور ململ بہت بڑی مقدار میں انگلینڈ بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مقامی اونی ریشمی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے ۱۷۰۰ء اور ۱۷۲۱ء میں پارلیمنٹ نے ایسے قانون پاس کئے جن کی رُو سے انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال قطعاً ممنوع قرار پاگیا۔ (پروفیسر لیکی)

نفیس کپڑا بننے، رنگوں کے ملانے، دھات پر نقش و نگار بنانے، جواہرات گڑھنے، عطر کے طیار کرنے، اور جملہ قسم کی دقیق و لطیف صنعتوں میں ہندوستانیوں کا کمال قدیم زمانہ سے شہرۂ آفاق ہے۔
(پروفیسر ویبر)

۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۰ء تک کا زمانہ انگلستان کی پارچہ بافی کا سنہرا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ عین اُس وقت جبکہ انگریزی کپڑے کی برآمد خانی جہازوں کی طلسمی تیز رفتاری اور میکانیکی ایجادات کی محیر العقول تاثیر کے ماتحت روز افزوں ترقی کر رہی تھی، ہندوستانی کپڑے پر ۷۵ فیصدی چنگی لگا دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کا نفیس کپڑا اس زبردست چنگی کی وجہ سے انگلستان جانا موقوف ہو گیا اور بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہو گیا۔ (پروفیسر تیبر)

۱۸۱۳ء تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا انگلستان کے بازاروں میں معقول نفع کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰ اور ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۷۰ اور ۸۰ فیصدی چنگی لگا دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ چنگی نہ لگائی جاتی اور ممانعت کے قانون نافذ نہ کئے جاتے، تو "پیسلی" اور "مانچسٹر" کے تمام کارخانے شروع ہی میں بند ہو جاتے اور باوجود مشینوں کی قوت سے مسلح ہونے کے ہرگز نہ چل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی لاش پر کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس زیادتی کا ترکی بترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری چنگی لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو فنا ہونے سے بچا لیتا۔ مگر انصاف کا یہ حق ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے رحم بدیشیوں کے زیر پر تھا۔ انگریزی مصنوعات بغیر چنگی ادا کئے جبراً اس ملک میں رائج کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی حربے استعمال کر کے اپنے اُس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (ہسٹری آف انڈیا از مل")

۱۸۲۳ء میں مسٹر تھامسن نامی ایک شخص نے صرف، گھنٹے کے اندر ڈھاکہ میں ۲۱، تھان ململ کے خریدے۔ (ڈاکٹر ٹیلر)

اسوقت انگلستان میں ایک شخص موجود ہے جسنے نواب کے زمانہ میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰ تھان ململ کے خریدے تھے جنھیں خود کاریگر لائے تھے۔ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گماشتوں کا ظلم و جور بے روک ٹوک تھا۔ لیکن سراج الدولہ کے عہد سے شروع ہوا۔ خود مذکورہ بالا شخص کا عینی مشاہدہ ہے کہ جنگل بارٹی کے سات سو نوربافوں نے اپنا پیشہ اور گھر بار محض انہی ظلموں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا حالانکہ اسوقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔
(بولٹس کے خیالات صفحہ ۹۵-۱۹۱)

نوربافان جب کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کر دیتے تھے تو کمپنی کے ایجنٹ اُن کا سامان نیلام کر کے قیمت ضبط کر لیتے۔ عین ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے محض اس لئے کاٹ ڈالے گئے کہ وہ مہین تاگا نہ بنا سکیں! (ولیم بولٹس)

جب کمپنی کا گماشتہ کسی صنعتی شہر میں پہنچتا تو اپنے لئے آباد جگہ میں کوئی گھر منتخب کر لیتا۔ گماشتہ کا گھر "کچہری" کہلاتا تھا۔ یہاں وہ اپنے ہرکاروں کے ذریعہ سے بیکاروں اور دلالوں کو نوربافوں کے جمع کرنے کا حکم دیتا۔ پھر اُنھیں کچھ پیشگی دیکر عہدنامہ پر دستخط کراتا جس کی رُو سے اُنھیں معین وقت میں خاص قیمت پر مال مہیا کرنا پڑتا۔ عہدنامہ پر دستخط کے لئے غریب بیگار کی رضامندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی

سنہ ۱۹۲۱ میں قسطنطنیہ کی مسلمان عورتوں کا مظاہرہ

سب سے زیادہ اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ مسلمان خواتین نے سرکاری دفاتر میں کام کرنا شروع کردیا جس کی کوئی سابق مثال موجود نہ تھی - ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں ہی عورتیں نظر آنے لگیں - دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بھی پیدا ہوگئیں - اس صورت حال نے مشرقی ممالک میں بھی اس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کردیا ' جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکہ ہی کی مضطرب آبادیوں میں محدود تھا -

(۴) ترکی کی اس تبدیلی نے قاہرہ پر بھی اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتھہ نشو و نما پا رہی تھی - سنہ ۱۹۰۱ - میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی ' اور پردہ کے خلاف اپنی مشہور کتابیں شائع کی تھیں ' تو اس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسی نکل سکتی تھیں جو بغیر نقاب کے گھر سے باہر نکلنا گوارا کرتیں ' لیکن اب ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی پیدا ہوگئی ' جو بغیر کسی جھجھک کے کھلے منہ باہر نکلنے لگی تھیں ' اور انہوں نے پوری طرح مغربی لباس اختیار کرلیا تھا - سنہ ۱۹۱۲ - میں جب میں قاہرہ گیا تھا ' تو مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوا تھا کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کرچکی ہیں ' اور بجز خال خال گھرانوں کے قدیم مصری زندگی کا نظارہ کہیں دکھائی نہیں دیتا - بعض گھرانوں کی خواتین سڑکوں پر بالکل کھلے ڈلے نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں ' لیکن اپنے گھر میں انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ ایک یوروپین خاتون کی طرح مہمانوں کی پذیرائی کریں ' اور ان کی صحبتوں میں اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ساتھہ شریک ہوں -

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات ہوے ہیں ' شاید ان میں کوئی چیز بھی اس درجہ موثر اور قابل غور نہیں ہے ' جسقدر مشرقی عورت کی کامل مغربیت ہے - اب ہمیں وہ تمام پر اسرار اور قصہ نما تذکرے بھلا دینے چاہئیں ' جو کسی زمانے میں مشرقی عورتوں اور مشرقی حرمسراؤں کی داستانوں میں ہماری تعجب آمیز دلچسپی کا ذریعہ ہوا کرتے تھے ' اور ہر مغربی سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تھا ' سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو الف لیلہ کی شاہراہوں میں سرگرداں پائیگا - اب مشرق کی سواری چیزوں کی طرح مشرق کی عورت بھی تقریباً نابود ہوگئی ہے وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کا سراغ ڈھونڈھنے کیلیے مورخوں کو کتابوں کے صفحوں الٹنے پڑینگے - جب میں قسطنطنیہ اور قاہرہ ہی میں نہیں ' بلکہ دمشق اور بیروت میں بھی "مشرقی عورت" بغیر ڈھونڈھے نہیں ملی تو میں گذشتہ سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کی کہ کسی ایسے امیر گھرانے کا سراغ لگاؤں جہاں مجھے کامل مشرقی زندگی نظر آے - کچھہ عرصہ کے بعد ایک دوست نے رہنمائی کی ' اور میں ایک گھرانے میں مدعو کیا گیا - یہ گھرانا بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گھرانا تھا - اسکے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں " قدامت پرستی " کیلیے بدنام ہیں - یہ مخالفانہ شہرت سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی ' میں نے خیال کیا تھا کہ بیسویں صدی میں کم از کم ایک مرتبہ " الف لیلہ " کے عالم میں واپس جا سکونگا - لیکن آپ میری مایوسی کا اندازہ کر سکتے ہیں ' جو اس وقت مجھپر طاری ہوئی ' جب میں نے اس " قدامت پرست " گھرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسی ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا ' اور صاحب مکان نے یہ کہکر اپنی دوازدہ سالہ لڑکی کی تقریب کی کہ " یہ میڈ موزیل ...... ہیں ! "

یہ بیروت کا قدامت پرست گھرانا ہے ! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کی ساری قدامت پرستی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس کی مسن عورتیں مغربی لباس نہیں پہنتیں ' اگرچہ اپنی لڑکیوں کے لیے اسی کو پسند کرتی ہیں !

مقالہ نگار نے آخر میں افسوس کیا ہے کہ مشرق نے مغرب کی تقلید کے شوق میں اسکی بالکل پروا نہ کی کہ مغربی معاشرت کی بے اعتدالیوں سے اپنی نگہداشت کرے - وہ کہتا ہے " بلا شبہ مشرقی عورت کو مغرب سے بہت کچھہ حاصل کرنا تھا ' لیکن ساتھہ ہی اپنی قدیم زندگی کی بہت سی قیمتی چیزیں محفوظ بھی رکھنی تھیں جن کے نقدان پر آج مغرب افسوس کر رہا ہے "

دمشق میں خواتین کے ایک خیراتی بازار کا افتتاح

(ب) ہندوستانی ہمارے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فخر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص مقصد سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگریز ہوجائیں گے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح رومیوں کی ماتحت قومیں رومن ہوگئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہوجائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدّت دراز تک بے خطر برقرار رہ سکے گا

(ھ) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہوسکتی ہے، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔

(سرکاری مراسلہ ۱۸۵۳ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کرلیا گیا۔

(ہنٹر)

دماغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، دماغ پر قبضہ کرلو۔ قوم پر بھی حکومت کرسکوگے۔ (لواسٹ ڈو میسنین)

بغیر دماغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہے۔ پوری ایک فوج کی یلغار بآسانی روکی جاسکتی ہے، لیکن دماغی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا!

(میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور زیرکی پر شبہ نہیں کرسکتا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ مغربی طریق تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کرلیا ہے اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی مشتعل قوت بالکل افسردہ ہوکر رہ گئی ہے!

(ر،ر)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہے وہ صنعت وحرفت کی طرف راغب کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھاتی ہے۔

(سر ای، سی، بوک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہے، وہاں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے، لیکن کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہے! (ڈبلیو۔ ایس۔ بلنٹ)

شروع میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستورالعمل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز علمی تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، اور علمی تعلیم تقریباً مفقود رہی۔ (سیڈلر کمیشن)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدیدہ کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر ۱ سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار رہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ منیجر

برید شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند روداد

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

کامل ایک ہفتہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا جمہوری مؤتمر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے رہے خطبہ بہت ہی طویل ہے۔ تلخیص کے سوا چارہ نہیں۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں التوار جنگ

موصوف نے بیان کیا:

۱۹ر مئی سنہ ۱۹۱۹ء میں وہ بحر اسوَد کے ساحل سمسون پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرکی کی داخلی حالت ازحد ابتر ہوچکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس قعر مذلت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التوار جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدۂ التوار کی کسی شرط کی بھی پابند نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ٹرکی کی بہت سی سرزمینوں پر قابض ہوگئی تھیں۔ پھر انہی اتحادیوں کے اشارے سے ۱۵ر مئی سنہ ۱۹۱۹ء میں یونانی فوجیں سمرنا پر قابض ہوگئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ٹرکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تھریس سے دست بردار ہوجائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کردی جائے۔ کردستان کو خودمختاری دیدے۔ علاوہ بونتوس کو آزاد کردے اور اُس میں بھی ایک خودمختار حکومت بنجائے، جس کا پایۂ تخت، طرابزون ہو۔

"انجمن محبان انگریز"

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ "انجمن محبان انگریز" سب سے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی ابتری، آخری حد سے بھی تجاوز کرچکی تھی، لیکن وہ بدستور سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ٹرکی اب خود کچھ نہیں کرسکتا، لہٰذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے لوگوں کے پیش نظر تھے:

"انگلستان کی سرپرستی قبول کرلی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کرلی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متعدد حکومتیں قائم کردی جائیں"

غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا:

"میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نیز انگورہ اور دیار بکر کی فوجوں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ وطن مقدس، کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے اس حالت پر میں موت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان سے مقابلہ کی طیاری شروع کردی۔ جون اور جولائی (سنہ ۱۹۱۹ء) کے مہینوں میں اناطولیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنسیں منعقد کیں۔ لیکن میری سرگرمیاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہوئے۔ علی کمال بک وزیر داخلیہ نے مجھے طلب کرکے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ر جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں اُن تمام خطروں سے آگاہ کردیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اُنھیں پیش آنے والے تھے۔ لیکن اُنھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اخلاص و رفاقت کی قسمیں کھائیں۔

تب میں اپنے فوجی منصب سے مستعفی ہوگیا تاکہ آزادی سے جدوجہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہوگئی۔ میں نے اُن سے صاف کہدیا کہ "تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اکابر مستقل مزاج، اور چُست سردار کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے نازک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا"

قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیواس کانفرنس سے اُٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی علاقوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے یہیں صاف طور پر یہ بات طے پاگئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقعہ پر ایک فرانسیسی افسر نے سیواس میں آکر کہا کہ فرانس عنقریب اس وطنی تحریک کا سر کچل ڈالیگا! میں نے اُسے جواب دیا "سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کرسکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر ہماری تحریک کچلنا چاہتی ہے تو اُسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے طیار ہوجانا چاہئے"

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ٹرکی کو چلا جانا چاہئے۔ کپتان رؤف بک، جنرل، اُفتی پاشا، خالدہ ادیب خانم زوجۂ عدنان بک، اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ زبردست یہ مسئلہ نبٹ کر دیا جائے۔ میری درخواست منظور کرلی گئی۔

گماشتے جو شرطیں بھی چاہتے، زبردستی منوا لیتے تھے۔ اگر کاریگر کمپنی کا روپیہ قبول کرنے سے انکار کرتا تھا تو اُسے کوڑے لگا کر اُس کے لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (ولیم بولٹس)

کاریگروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا اُن سے ایسے معاہدے لئے جاتے تھے جو اُن کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ اُن کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں تھی، اور اُنہیں اپنے ذاتی مفاد اور ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کیا جاتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ کاریگروں کو بھاری بھاری جرمانے کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے.... نوربافوں کو ہولناک اور عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں.... جبر و تشدد کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کاریگروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔ (۱۷۹۳ء اور ۱۸۰۰ء کی کمرشیل بورڈ کی ڈائری)

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کاریگروں پر ایسے ایسے ظلم توڑے گئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کمپنی کے گویا غلام بنا دئے گئے تھے۔ جرمانے، قید، جبری معاہدے، اور بید کی مار نے نوربافوں کی نسل معدوم کر دی! (بولٹس صفحہ ۷۲)

صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (ڈھاکہ) کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں اس کی آبادی ۲ لاکھ تھی، مگر اب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی ہو جیسا کہ ۱۸۳۸ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہو... جتنی تیزی سے آبادی گھٹی ہو، اُس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہو! (جیمس ٹیلر)

مسٹر رد کل ہرسٹ کا سوال:

"انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہو۔ بنابریں ہندوستانی صنعت و حرفت کی قربانی کر دی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟"

مسٹر مارٹن کا جواب:

"میں ہرگز ہندوستان کو از سرِ نو زندہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی نوربافوں کی ترقی سے انگلستان برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسگو اور مینچسٹر کی طرح مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ ہو"

مسٹر رد کل ہرسٹ:

آپ سے جو سوال کیا گیا ہو اُس کا تعلق اُس نفیس سُوت سے ہو جو مشین میں طیار نہیں ہو سکتا۔ بس سوال یہ ہو کہ کیا اس نفیس سُوت کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اُٹھا دی جائے؟"

مسٹر مارٹن:

"اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقا ہندوستان سے ناانصافی ہی پر موقوف ہو تو میرا جواب یہ ہو کہ انگلستان کو انصاف سے کام لینا چاہئے۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ انگریزوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہو کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اُس ملک کے باشندوں کو تباہ کر ڈالیں جسے اُنھوں نے فتح کیا ہو"

مسٹر رد کل ہرسٹ:

۱۸۳۳ء میں جب کمپنی نے ہندوستان کو تاج کے حوالے کیا تو اُس سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا اسوقت بحالی کا سوال درپیش نہیں سا ہو جو واقع ہو چکی ہو۔ نیز ہمارے پاس شہادت موجود ہو کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زرعی ملک ہو۔ اور وہ جماعتیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول ہو گئی ہیں"

مسٹر مارٹن:

"میں اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہو۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہو اُسی طرح صنعتی ملک بھی ہو۔ اُس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب ہی ہیں اور کوئی قوم بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہو۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنا دینا، اُس کے لئے سخت ناانصافی اور ظلم ہو"

(۱۸۳۰ء کی پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو جو کپڑا بھیجا گیا اُس کی تفصیل یہ ہو:

سنہ	ہندوستان سے	انگلستان کو
۱۸۱۴ء	۱۲۶۶۶۰۸ تھان	۸۱۸۲۰۸ گز
۱۸۲۱ء	۵۳۴۴۹۵ ״	۱۰۱۳۸۷۲۶ ״
۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴ ״	۴۲۸۸۲۲۰۷۷ ״
۱۸۳۵ء	۳۰۶۰۸۶ ״	۵۱۷۷۷۲۷۷ ״

(مسٹر لارپنٹ)

ہندوستان کا سُوت

ہندوستان میں انگریزی سُوت سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں آیا اس کے بعد اُس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

۱۸۲۴ء	میں	۱۲۰۰۰۰ گز
۱۸۲۵ء	״	۸۰۰۰۰۰ ״
۱۸۳۰ء	״	۴۰۵۰۰۰۰ ״

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات ضمیمہ)

ڈاکٹر ٹیلر نے ۱۸۳۶ء میں لکھا ہو کہ "ڈھاکہ میں جیسا سُوت کتتا ہو اور ململ طیار ہوتی ہو اُس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور صنعت کسی طرح بھی نہیں کر سکتی" (براؤن)

ضلع (ڈھاکہ) میں قدیم زمانہ سے ہر گھر کا مشغلہ سوت طیار کرنا تھا۔ لیکن اب ارزاں انگریزی سُوت کی وجہ سے یہ کام بالکل موقوف ہو گیا ہو۔ اس طرح کاتنے اور بُننے کی صنعت، جس سے مدتوں لاکھوں محنتی مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۶۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔ (״)

سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں انگریزی سُوت ہندوستان آیا۔ ۱۸۲۷ء میں اُس کی مقدار ۳۸۰۷۹۴ من تک پہنچ گئی بسنہ ۱۸۳۱ء میں ۱۰۸۲۸۱ من ہو گئی۔ اور ۱۸۳۸ء کے بعد سے تو اُس نے ہندوستانی سُوت کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اُس کی جگہ لے لی۔ (جیمس ٹیلر)

تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا ہوں، تو مجھے کارلائل کا پُر از حسرت مقولہ یاد آ جاتا ہو "علم کی صلاحیت رکھنے والے انسان کا جاہل رہنا میرے نزدیک ایک اندوہناک مصیبت ہو۔" (ڈاکٹر سی ہال)

یہ بالکل یقینی ہو کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے یورپ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (لائے الیٹ ٹملر)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہو جاتی ہو تو یقین کر لینا چاہئے کہ حکمران طاقت سب سے پہلا کام یہی کریگی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر ڈالے گی یا سختی کے ساتھ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی۔ تاکہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہو کہ علم اور غلامی پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔ (لالے سمیڈی)

۱۷۹۳ء میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ڈائرکٹر نے کہا تھا "ہم نے امریکہ محض اپنی حماقت سے اس لئے کھو دیا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ایجوکیشن کمیٹی ۱۷۹۳ء)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں مشنری بھیجنے کی تجویز ایک نہایت ہی ناعاقبت اندیشانہ، اور مسرفانہ تجویز ہو۔ یہ تجویز نہایت ہی مہلک، مہمل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور متعصبانہ ہو۔ یہ ہر طرح کے تدبر اور صحیح سیاست کے خلاف ہو۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور دوام کو خطرہ میں ڈالنے والی ہو۔

(ہندوستان میں کیری کی آمد پر ایسٹ انڈین کمپنی کے ڈائرکٹروں کا رزولیوشن ۱۷۹۳ء)

۱۷۹۳ء میں کمپنی کے ڈائرکٹر کہتے ہیں "تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم اُنھیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کر دگے۔ تم نے اُن کا ملک لوٹ لیا ہو۔ تم نے اُنکے ہموطنوں کو برباد اور ذلیل کر دیا ہو۔ تم نے اُنکے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہو۔ لہٰذا تمھاری سلامتی اسی میں ہو کہ تم اُنھیں اسی طرح فریب خوردہ خود فراموش، اور جاہل رہنے دو!

(سر تھامس ٹریٹن ۱۲ مارچ ۱۸۱۳ء)

ہمیں صرف اُسی حد تک ہندوستانیوں کو تعلیم و تربیت دینی چاہئے جس حد تک ہم اُن سے اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ اُٹھا سکیں۔ (کلکتہ جرنل ۱۸۱۹ء)

ہمیں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت طیار کرنی چاہئے جو رنگ اور خون میں ہندوستانی ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستان میں ہندوستانی مدبروں، سپہ سالاروں، اور مقننوں کی ضرورت نہیں ہو، بلکہ ہمیں محنتی کسان مطلوب ہیں! (تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اندرونی تعلیمی مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) انگریزی تعلیم کی روح ہمارے تمدن کے لئے مفید ہوگی

کئے۔ ٹرکی میں جو اعلان شایع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوتا تھا "آزادی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو!"

اسی زمانے میں عسکی شہر اور افیون قرہ حصار سے ہم اتحادی فوجیں نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ ریلوے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ر اپریل ۱۹۲۱ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا "میں نے اُنھیں ترزا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر اُنھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دوز پر خفیہ آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہوسکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟"

اس کے بعد کاظم قارابکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

"یہ مجلس وطنی کے سیواس سے انگورہ آنے پر معترض تھے۔ پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے اُن کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی"

اس کے بعد غازی نے وہ رُوداد یں پڑھیں جو مشہور خائن سعید مُلا، انگریز راہب فرد کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نور الدین بک قسطنطنیہ کا پولیس کمشنر انگریز جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ اُنھوں نے کہا:

"اُس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامزم، پان تورانیزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جملہ ترکی قوموں کا ایک علم کے نیچے جمع ہوجانا ناممکن ہے۔ اسی طرح تورانی تحریک یا اسلامی تحریک پر بھروسہ کرنا ایک وہم اور جنون تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصود، وہ زندگی ہے جو سب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام متمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کرسکے"

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ آخر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہیے۔ اُس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اُسے معذور اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

"مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریعی اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ قید سے آزاد ہوگا اُس وقت اُس کی وہ حیثیت ہوجائے گی جو مجلس وطنی طے کرے گی"

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش آئے اور میں اُس کا صدر منتخب کیا گیا۔ عین اُسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری ضد پر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنا دیا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتوے شایع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں تقسیم کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی۔ خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بولو، ادا بازار، مشرقی انگورہ، توقاد، یوزغاد اور سیوہ رک، الیغین، قونیہ، غرضکہ تمام علاقوں میں مسلح بغاوت برپا ہوگئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں جیش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے۔ چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا گیا اور محاکم استقلال مرتب کر دیے گئے

ساتھ ہی یونانی سیلاب کے روکنے کے لئے ترزا میں اور فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے اطنہ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوششیں جلد بار آور ہوئیں۔ اطنہ، طرطوس، اور مرسین میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کرلیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمینیں خالی کردینی پڑیں۔

ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پورے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں ماسکو سے ہمارے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔

جون ۱۹۲۰ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اُس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی فواد پاشا کی زیر قیادت عسکی شہر اور افیون قرہ حصار کے خط پر از سر نو مورچے قائم ہوگئے۔

دونئی مشکلیں

اسی اثنا میں دو نئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک مشکل "سبز فوج" کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور ادہم چرکسی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کریں۔ مگر ہم ان دونوں مشکلوں پر بھی غالب آگئے۔

ارمنی فتنہ

اُسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے ارمن قوم نے سر اُٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔ اب ہمیں اس نئی مصیبت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گوشمالی کی اور قارص پر قبضہ کرلیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدۂ کومری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکی سرحدیں وہی ہوگئیں جو ۱۸۷۸ء میں تھیں اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہوگیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کرلیا بشرطیکہ باطوم اُس کے حوالہ کردیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیتہً مطمئن ہوگئے۔

قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ ادہم چرکسی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اُس کی پروا نہیں کی تو وہ یونان سے مل گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئی۔ ہم نے فوراً علی فواد پاشا کو میدان جنگ سے واپس کرکے ماسکو کی سفارت پر بھیجدیا اور عصمت پاشا اور رأفت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

عین اسی زمانہ میں داماد فرید پاشا پھر معزول ہوگئے اور توفیق پاشا صالح پاشا کے ساتھ بر سر حکومت آئے۔ اُنھوں نے اناطولیہ مفاہمت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اُس وقت پہونچا جب عصمت پاشا این آونی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد یونانیوں نے علی ادہم چرکسی کی اعانت سے کوتاہیہ پر حملہ کردیا اور ہماری فوجوں کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صورت صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رأفت پاشا بروقت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچے تھے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اُس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دول اتحاد سے کہدیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کو کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ٹرکی میں تنہا وہی حکومت موجود ہے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل دو تجویزوں سے مطلع کردیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سلطان کا قیام، آستانہ میں رہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہے گا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں منظور نہیں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کردیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ گیدوکلو بنیا میں رأفت پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رأفت پاشا کو واپس بلالیا اور عصمت پاشا پورے میدان کے سپہ سالار مقرر ہوگئے۔

جعفر طیار اور رأفت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریس میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

"اُنھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اُس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سراسر ذمہ دار وہی ہیں۔ تاریخ اُنھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہوگئے!"

اس کے بعد مقرر نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا:

"رأفت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوزی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور خود (یعنی رأفت پاشا) جنگی اسٹاف کے صدر مقرر کئے جائیں"

میں نے اُنھیں حسب ذیل جواب دیا:

"آپ جنگی اسٹاف کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اسٹاف کی صدارت کے معنی یہ ہیں کہ عملی طور پر پورے میدان جنگ کی سپہ سالاری۔ لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہے"

اس کے بعد رأفت پاشا گوشہ نشین ہوگئے اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

کامل فتح

تین مہینے سکون کے بعد ۱۰ر جولائی ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بروسہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ دن سخت معرکہ جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دریائے سقاریا کے اس پار آکر رکیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی واپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کرلیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اُسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کرلی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کردیئے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور سقاریا کا وہ معرکہ پیش آیا، جسنے فی الحقیقت یونانیوں کی کمر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھے "مارشل" کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی "غازی" کا لقب بخشا۔ اس فتحمندی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہم سے معاہدہ کرلیا۔ ترکی کی کامل خود مختاری تسلیم کرلی اور اُن تمام علاقوں سے دست بردار ہوگیا جو جنوبی اناطولیہ میں اُس کے قبضہ میں تھے۔

اُنہی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین سلطنتیں اُن کی ہمت افزائی کررہی تھیں۔ ۲۵ ہزار فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سر کچل ڈالا۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رؤف بک اور قرہ واصف بک تھے۔ رأفت پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا جو ازمنہ پیک

حکومت آستانہ اور سیواس کانفرنس

حکومت آستانہ، سیواس کانفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کربستہ ہوگئی۔ اس مقصد کے لئے اُسنے صوبۂ معمورۃ العزیز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اُسے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کردے۔ نیز ایک اجنبی افسر اُس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب بک کو یقین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہے اور حکومت پر قابض ہوکے قومی تحریک کا خاتمہ کردے سکتا ہے۔ لیکن ہم قومی کارکن پُورے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بروقت ضروری تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کردیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کردیا کہ کردستان میں اجنبی افسروں کی موجودگی قطعًا ممنوع ہے۔ الا یہ کہ اُن کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اسمیں انتہائی تنظیم وتکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ خائن وزارت کو توڑ دیں اور ایک ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی موید ہو۔

فرید پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ اُنھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرایا دھمکایا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی منقطع ہوگیا۔

سیواس کانفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی تاکہ قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کرسکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام عہدہ داروں کو حکم دے دیا کہ پُوری مستعدی سے انتخابات کی طیاریاں شروع کردیں۔ نیز سیواس کانفرنس کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کربستہ ہوگئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہوجائے جسپر قوم کو اعتماد ہو۔

اس جدوجہد میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اندرونی اختلافات، سوءِ ظن، رشک وحسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی دشمنوں کی علانیہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور کیا۔ ضروری تھا کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سر کچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار برقیوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ اسی دوران میں علی فواد پاشا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ میں نے مداخلت کی اور پُرامن طریقہ پر تصفیہ ہوگیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزیفون اور سامسون سے ہٹ گئیں۔

اب حکومت آستانہ کو یقین ہوگیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا مٹانا ناممکن ہے۔ اُس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہے، وہ اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے، لہذا اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے، نرم تدبیروں سے اُس کا خاتمہ کردے۔ چنانچہ مرحوم عبدالکریم پاشا کو مجھسے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ ستمبر کی درمیانی رات کو ہم دونوں تاربرقی کے آلہ پر گھنٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اب داماد فرید پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کردیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہوگئے۔

اُسی زمانے میں طرابزون کے بعض لوگ ایک وفد مرتب کرکے بطور خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر اُنھیں روک دیا گیا اور طرابزون کے صوبہ دار کو قید کردیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیجدیئے۔ مگر اسمیں اُسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کرلی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کردیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ اُن پُرجوش ناعاقبت اندیش وطن پرستوں کی ناک میں بھی نکیل ڈال دی جو قسطنطنیہ پر حملہ کردینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلادی حتی کہ دول اتحاد کے اہل الحل والعقد کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متأثر کردیا۔

علی رضا کی وزارت

ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کردی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فرید پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی نرمی سے گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ۵ شرطیں پیش کیں:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اُس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی قسمت کا کوئی فیصلہ اُس وقت تک نہ کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اُس کی کامل اور آزاد نگرانی قائم نہ ہوجائے۔

(۳) صلح کانفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہے۔

(۴) جدید وزارت، پُوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کردے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار برطرف کردئیے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ اُن کی جگہ وطن پرور آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت وشنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہمارے طرفدار ہیں۔ جمال پاشا مرسینی کو وزارت میں اسی لئے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا مرسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دھوکا نہیں کھاسکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی۔ اس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پُورے اناطولیہ پر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سمرنا میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کرسکے۔ ان کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کرلیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اُسی زمانے میں امریکن جنرل ہاربرڈ اناطولیہ میں سیاحت کررہا تھا۔ اُسنے مجھسے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا:

"اگر تمام قربانیوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کرسکی تو کیا کروگے؟"

میں نے جواب دیا:

"اگر قوم تمام قربانیاں کرے گی تو ضرور وہ کامیاب ہوجائیگی۔ لیکن اگر اسپر بھی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ قوم مرگئی!"

اس کے بعد غازی نے رأفت پاشا کی مذمت کی۔ کہا:

"میں نے اُنھیں حکم دیا کہ صوبۂ قونیہ کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لیں۔ مگر اُنھوں نے مجھسے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے اُنھیں توتو کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنا چاہا، مگر اُنھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخواست کردیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!"

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی۔ صالح پاشا کو مجھسے گفتگو کرنے کے لئے آماسیا بھیجا۔ مگر عین اُسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کردی۔ یہ شورش انجمن محبان انگریز کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں انجمن کا روح رواں ایک انگریز راہب "فرو" نام تھا۔ سیواس کی طرح ادابازار، بروسہ میں بھی شورش نے ظہور کیا۔ مگر ہم نے بروقت سب کا خاتمہ کردیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد عزت پاشا، جمال پاشا مرسینی، احمد عبوق پاشا اسکے خلاف تھے۔ صالح پاشا کی مجھسے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ، اطنہ، سمرنا اور آدرنہ کو ترکی قومی وطن تسلیم کرلیا۔ اُس کی تقسیم وتجزی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت وخلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کرلیا۔ نیز یہ طے پاگیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات پُوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی منوالیا کہ فرانسیسیوں سے جنگ کی جائے جنھوں نے انگریزوں کے بعد اطنہ پر قبضہ کرلیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامنظور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہوگئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم یونانی میدان جنگ سے قریب رہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اُسے جبراً بند کردیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوگیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کردیا اور فوراً انگورہ چلے آنے پر زور دیا۔ مگر اُنھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہوگئے۔

اُسی زمانے میں جمال پاشا مرسینی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہوجائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفدار آدمی مقرر کردیں۔ مگر اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ پھر اُنھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہوکر چاہا کہ ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے سے ہٹ جائے۔ مگر اُن کی یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبر انگورہ پہنچے تو میں نے اُنھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اُسے اناطولیہ میں طلب کرسکوں مگر اُسوقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کرسکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شائع

عالمِ مطبوعات و صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا سوانگ

نام نہاد "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں

حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربر آوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جینوا گیا تھا۔ واپسی کے بعد اسنے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شایع کیے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے جور و ابتداء سے فریاد کر رہی ہیں۔ مظلوم قوموں کو یہاں ذبح کیا جاتا ہے اور اُن کی کھال کھینچکر قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لعنت کرتی، روتی پیٹتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔

"یہ انجمن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل ڈالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش اُنکے خمیر میں داخل ہو چکی ہے۔ انجمن کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بغاوت پر طیار ہو گئی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں انھوں نے اپنے غصے اور نفرت کا علانیہ مظاہرہ کر دیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھونیا، استھونیا وغیرہ نے ہلکر بڑی لے دے کی۔ اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔ "دول عظمیٰ نے امن و امان کی کشتی، جان بوجھکر غرق کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بےچینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں، خفیہ معاہدے طیار کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد سے قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بغاوت کا عَلم ہالینڈ بلند کیا۔ اسنے مطالبہ کیا کہ ۱۹۲۶ء والا جینوا کا پروٹوکول زندہ کیا جائے جس کی رُو سے جبری تحکیم ہتیاروں کی تقلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں سے حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سویڈن نے تائید کی اور اُس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اسوقت بعینہ وہی مسلک، دول عظمیٰ نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ ہولناک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھونیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی مدد دیں گی تاکہ وہ اپنی مدافعت پوری طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجیہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یورپ نے اپنے جنگی سامان پر ۲,۹۰۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ خرچ کیے ہیں۔ یہ بعینہ اتنی ہی رقم ہے جتنی ۱۹۱۳ء میں اُسنے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا۔ یورپ کی اسوقت مجموعی جنگی قوت، ۳,۰۰۰,۱۴۰,۰۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی ۱۹۱۳ء میں یورپ کے پاس جتنی فوج تھی، اُس سے اسوقت تھوڑی ہی کم ہے۔

حالانکہ معلوم ہے جنگ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی، اُن کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور اُن کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔

"خود مجلس اقوام کے صدر سینور ازیک ونگز کو اعتراف کرنا پڑا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدود کرنے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کر سکیں گی!"

غرضکہ اب "مجلس اقوام" کی حقیقت کھل گئی ہے اور یورپ میں بھی کوئی اُسپر اعتماد نہیں رکھتا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویکلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اسنے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اسپر از حد مصر ہے، اس قدر مصر کہ اسے "نظریہ" نہیں کہتا۔ ایک مسلّم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ رُوح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جب ایسی صورت پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ روح، جسم میں حلول کر گئی ہو۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی تحقیقات کے [illegible] ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار روحیں پھرتی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ اُنھیں دیکھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ روحیں بھی جاہل ہوتی ہیں۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہیں نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہیں۔ یہی جہالت اُنھیں ایک تاریک عالم میں لیجاتی ہے اور وہ اسمیں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی روحیں بھٹک کر اس دنیا میں واپس آجاتی ہیں اور بعض جسموں میں داخل ہو کر اُنھیں مجنون بنا دیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک مقناطیسی سیال مادہ نکلتا رہتا ہے یہی مادہ روحوں کو جسم کی طرف کھینچتا ہے۔ بعض جسموں سے اس مادہ کا خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی بیک وقت کئی کئی روحیں حلول کر جاتی ہیں اور وہ حد درجہ جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آگے چلکر ڈاکٹر نے روحوں سے اپنی کئی گفتگوئیں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات کے دن اُسنے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتا دیتیں کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے!"

رُوح نے یُوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمھاری دُنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں لیکن میں اُن سے نہیں ملتی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ایک شخص مجھے پکار رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فنا میں شاہ ایڈورڈ کے نام سے مشہور تھا اور اُس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اُس کی ماں، محض دو روحیں ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اُسوقت تک ٹھہرے ہیں جبتک ہم پر اس عالم اور وجود و فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!"

حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بڑی حیوانات اپنی طبیعی موت سے کم مرتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سردی، گرمی، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے اُن کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حال میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹمن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ علماء نے ابتک حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریے قائم کئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد و قامت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہویل مچھلی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

کچھوا	۳۰۰	برس
طوطا	۳۰۰	″
کوّا	۳۰۰	″
بط	۳۰۰	″
ہاتھی	۲۰۰	″
شکرا	۱۶۲	″
گدھ	۱۱۴	″
شترمرغ	۶۰	″
بوم	۶۰	″
بگلا	۶۰	″
اونٹ، گھوڑا، گدھا،	۵۰	″
ریچھ، گرگدن، دریائی گھوڑا	۵۰	″
مگرمچھ اور مینڈک،	۴۰	″
جنگلی سور،	۳۰	″
شیر، چیتا، دریائی گائے،	۲۵	″
گوریلا	۲۰	″
ہرن	۱۹	″
کتا اور بھیڑیا،	۱۵	″
لومڑی	۱۰	″
چوہا	۳	″

اور فتح بے ناامید تھی۔ حالانکہ ایسی کافی طاقت تھی ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کا جولائی ابھی آیا بھی نہ تھا کہ ترکی فوج ایک فیصلہ کن معرکے کے لئے کمربستہ ہوگئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اُسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کر دئیے گئے ایک حصہ نورالدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ اچانک ۲۶ اگست کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کر ڈالا! تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظفر و منصور فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیشقدمی شروع کی۔ دول اتحادیہ ہماری مقاومت پر اُٹھیں۔ ہم نے کہا اگر یونان، تھریس اور اڈرنہ سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آستانہ بھی آزاد ہو گیا!

دو عملی کا خاتمہ

پھر لوزان کانفرنس منعقد ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر پھر ایک ضرب لگانا چاہی۔ اُنھوں نے صلح کانفرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دو عملی کا خاتمہ کر دوں۔ چنانچہ میں نے مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہے۔ آل عثمان نے یہ سیادت غصب کر لی تھی۔ لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ مجھے یقین ہے یہاں جتنے آدمی جمع ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہرحال عنقریب روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی"

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطنی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو بدحواس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ٹرکی سے بھاگ گیا۔

اس طرح وحیدالدین، منصب خلافت سے ہٹا دیا گیا اور اُس کی جگہ عبدالمجید آفندی کا انتخاب ۱۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر لوزان میں صلح کانفرنس شروع ہوئی۔

اس اثنا میں میں نے تمام اناطولیہ کا دورہ شروع کیا۔ عام باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر واضح کرنا شروع کئے۔

"شاہ پسندوں کی تحریک"

عین اُسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہے جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرتا ہے لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اوہام ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اُس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری فیاضی سے صدیوں بہا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بقا و حیات کی فکر کرے اور اوہام سے باز آ جائے۔ یہی مختلف دعاوی تھیں منصب خلافت کی منسوخی کا سبب بنیں"

موجودہ دور حکمرانی

اس کے بعد مقرر نے موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی: ۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہے کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہے۔ لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا ہوگا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شرعی اُمور کی وزارت، دینی مدارس کی بندش خانقاہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹوپی کی موقوفی، یہ تمام باتیں داخل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم قول سے پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا لوزان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو مخالفین نے اُن پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہٰذا میں نے از سر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو رؤف بک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رافت پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی فواد پاشا بھی موجود تھے۔ رؤف بک نے مجھ سے کہا:

"میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں اُنہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ درجے ہیں جن تک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دئیے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!"

رافت پاشا نے اُن کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہم شاہی فرمانروا کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!" علی فواد پاشا نے کہا "میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے"

میں نے اِن لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا ابھی تک یہ مسئلہ معرض بحث میں نہیں آیا ہے۔ لہٰذا یہ گفتگو قبل از وقت ہے لیکن جب وہ وقت آیا تو بلا کسی مشکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبدالمجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شایع کریں اور اپنے خائن پیشرو کے اعمال کی مذمت کریں مگر اُنھوں نے اس سے قطعی انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط اِن لفظوں میں کرنے پر اصرار کیا "خلیفہ رسول اللہ عبدالمجید بن عبدالعزیز خان" اُسی زمانہ میں رافت پاشا نے خلیفہ عبدالمجید کو ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا۔ اُنھوں نے اُسے قبول کر لیا تو رافت پاشا نے اسے "لطف الٰہی" قرار دیا!"

سابق خلیفہ عبدالمجید کی فرانسیسی شادی

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبدالمجید آفندی عنقریب پیرس کی ایک حسین دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں اس عورت کا نام "جولیٹ لیبان" ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی لڑکی ہے جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہے۔ عبدالمجید کی عمر آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے۔ بڑھاپا آگیا ہے۔ مگر دوشیزہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہے۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب اِن میں سے صرف چار اُن کی شرعی بیویاں تھیں۔ اِن چار میں سے دو مر چکی ہیں۔ ایک نے پیرس میں خودکشی کرلی۔ دوسری اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مر گئی۔

سلطان عبدالمجید اس وقت جنیوا کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے مصاحبوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ اُن کا سالانہ وظیفہ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہے، صرف اٹھارہ ہزار پونڈ ہے۔ لیکن اُن کی جائداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی جلاوطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

پیرس کی دوشیزہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"میں نے اور سلطان نے پوری کوشش کی کہ ہماری منگنی مخفی رہے لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے ہم دونوں نہایت پُرمسرت زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دلی تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہے کہ گرمی "رویرا" کے ساحلوں پر گذار کے پیرس میں ساتھ رہیں گے"

"تمھیں معلوم ہے کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟" نامہ نگار نے سوال کیا۔

"ہاں میں جانتی ہوں" نازنین نے جواب دیا "لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شوہر کے پُرانے حالات نہیں کریدتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہے!"

تھوڑے وقفہ کے بعد اُسنے اِتنا اور اضافہ کیا:

"جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟"

عبدالمجید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طیاری کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اُس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہے۔

عظیم الشان توأم ستارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ پلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ توأم ہے۔ یعنی جڑواں ہے۔ ۲ ستارے ایک ساتھ ہیں۔ ملتہب گیس سے مرکب ہیں۔ اس گیس کی حرارت پگھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہے۔ ایک ستارہ بڑا ہے۔ دوسرا چھوٹا ہے۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہے۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہے اور دائرہ ۱،۰۰۰،۰۰۰،۲۰۰،۱۷ میل طویل ہے۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ رفتار کی سرعت ہر منٹ میں ۱۲۸،۵۳ ۱،۱ میل ہے۔

مطبوعات جامعہ

تاریخ فلسفۂ اسلام۔ ... جے۔ دی بوئر کی تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) استاذ فلسفہ و تعلیم و ناظم اُردو اکادمی جامعہ ملیہ قیمت (عـ) **برہان**۔ تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی۔ خواجہ صاحب کا سلسلۂ تفسیر "الفرقان فی معارف القرآن" کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہو۔ مصنف کی دیگر تفاسیر بھی ہم سے مل سکتی ہیں۔ ہدیہ مجلد عـ (ایک روپیہ) **مبادی معاشیات**۔ ایڈون کینن کی مشہور و معروف تصنیف کا سلیس اُردو میں ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی شیخ الجامعہ (عـ)

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ سلسلہ جو صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے اُردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے تالیف فرمایا ہو۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور زبان بہت سلیس اور عام فہم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور محکمۂ تعلیم صوبہ متوسط برار نے اسکو اپنے مدارس کے لئے پسند کیا ہو:۔

(۱) حصہ اول سیرۃ الرسول عـ (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ عـ
(۳) حصہ سوم خلافت بنی اُمیہ عـ (۴) حصہ چہارم خلافت عباسیہ عـ
(۵) حصہ پنجم خلافت عباسیہ جلد دوم عـ

دیوان غالب اُردو (طبع ثانی) مطبوعہ برلن جرمنی۔ ہندوستان کے مایہ ناز شاعر و ادیب مرزا غالب کے کلام کا مجموعہ بڑی لطافت و نفاست کے ساتھ طبع کرایا ہو۔ پاکٹ سائز۔ ملائم جلد۔ سنہرے نقش و نگار، طلائی اوراق اور غالب کی لاثانی عکسی رنگین تصویر جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ ہو دیوان مکمل ہو جس میں مرزا مرحوم کا خود نوشتہ مقدمہ غزلیات۔ قصائد اور رباعیات ہیں۔ آخر میں بیاض کے لئے حاشیہ دار سادہ اوراق شامل ہیں۔ جلد کا رنگ سرخ۔ نیلا یا سبز قیمت صرف چار روپے (للعہ)

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(٣)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	آبادی سنہ ١٩٢١ء	آبادی سنہ ١٩١١ء	آبادی سنہ ١٩٠١ء	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: پیدائش	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: موت
کلکتہ	٩٠٧٨٥١	٨٩٦٠٦٧	٨٤٧٧٩٦	١٨/٩	٣٢/٧
بمبئی	١١٧٥٩١٣	٩٧٩٣٤٥	٧٧٦٠٠٦	١٧/٠	٢٧/٠
مدراس	٥٢٦٩١١	٥١٨٦٦٠	٥٠٩٣٤٦	٤٣/٦	٤٧/٣
ہوڑہ	١٩٥٣٠١	١٧٩٣٨٩	١٥٧٥٩٤	٢٤/٦	٢٣/٨
ڈھاکہ	١١٩٤٥٠	١٠٨٥٥١	٧٩٧٣٢	٣٢/٦	٢٧/٢
پٹنہ	١١٩٩٧٦	١٣٦١٥٣	١٣٤٧٨٣	٢١/٥	١٣/٧
بنارس	١٩٥٣٧٣	٢٠٨١٢١	٢٠٩٣٣١	٥٠/١٥	٣٦/١٥
الہ آباد	١٤٥٩٠٥	١٥٩٧٠١	١٧٢٦٣٢	٤٢/٠١	٢٧/٤٧
آگرہ	١٨٢٧٥٠	١٨٢٦١٩	١٨٨٠٢٢	٩٠/٤٧	٣٩/٠٤
کانپور	١٩٥٠٨٥	١٥٧٠٤٠	١٩٧١٤٠	٣٦/٢١	٤٣/٧
لکھنؤ	٢٤٧١٢٧	٢٦٠٦٢١	٢٦٤٠٤٩	٤٦/١٢	٣٦/٧٥
دہلی	٢٤٦٩٨٧	٢٢٥٤٧١	٢٠٨٥٧٥	٤٦/٢٣	٢٩/٣٧
لاہور	٢٥٧٢٩٥	٢١٠٢٧١	٢٠٢٩٠٤	٤٣/٢٧	٣٧/٨٤
کراچی	٢٠٦١٩١	١٥٩٢٧٠	١١٦٦٦٨	٤٦/٦٠	٢٦/٩٤
بڑودہ	٩١٨٨٠	٩٩٣٧٦	١٠٣٧٩٠	٣٨/١	٣٤/٠١
جے پور	١٢٠١٩٦	١٣٦١٩٩	١٦٠٥٠٧	٢٢/٩٧	٣٢/٩٠
ناگپور	١١٢٤٥٣	١٠٦٤٤٢	١٢٧٧٣٤	٩٠/٠٣	٤٧/٣٦
رنگون	٣٤٥٥٠٥	٢٩٣٣١٦	٢٣٤٨٨١	١٨/٧٦	٣٥/٨١

برطانی ہندوستان میں محنتی آبادی کی بربادی (١٩٢١ء)

عمر ٢٠ — ٤٠

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
مدراس	٦٦٧٩٠	٧٩٨٦٤	١٤٦٦٥٤
بمبئی	١٤١٣٧٣	٤٢٤٤٣	١٨٣٨١٦
بنگال	١٣٩٣٤٧	١٢٣٣٣٠	٢٦٢٢٨٦
یوپی	١٠٧٢٢٢	١٠٧٠٢٣	٢١٤٢٤٥
پنجاب	٧٢٣٣٢	٧٢١٢٥	١٤٥٠٨٧
برما	٢٢٤٩٧	٢٢٤٥٦	٤٢٧٥٣
بہار	٨٣٣٤٩	٨٥٥٢٧	١٧٤٨٧٦
سی پی	٢٨٣٦٤	٢٩٧٧٣	٥٨٣٢٧
آسام	٢٩٤٣٧	٢٣١٥٢	٤٣٣٩٩
کل برطانی ہند	٦٠٠٨٩٣	٦٠٦٦٢٨	١٢٠٧٥٢١

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی

(سنہ ١٩٢٦ء میں)

ملک	آمدنی	
امریکہ	٣٣٢٨	روپیہ
برطانیہ	١٤٥٦	״
فرانس	١٢٩٢	״
اٹلی	٥٤٠	״
جاپان	١١٨٠	״
ہندوستان	٣٠	״

فی کس روزانہ آمدنی

ملک	آمدنی
امریکہ	لعہ/
برطانیہ	للعہ/ ار
فرانس	ہے/ ۹ر
اٹلی	عہ/ ۹ر
جاپان	ہے/ ۲ر
ہندوستان	ار

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ آنہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اٹلی	امریکہ	ہندوستان
سنہ ١٣-١٩١٢ء	٥٢-٨-٠	٢٨-٣-٠	٢٢-٠-٠	١٨-٠-٠	٢١-٠-٠	٢-١٢-٠
سنہ ٢١-١٩٢٠ء	٣٢٠-٨-٠	١٣١-٠-٠	؟	٨٣-٠-٠	١٣٥-٠-٠	٤-٨-٠
سنہ ٢٣-١٩٢٢ء	٢٩١-٤-٠	١٥٩-٠-٠	؟	١٠٩-٠-٠	٨٤-٠-٠	٥-٦-٠
سنہ ٢٥-١٩٢٤ء	٢٣٠-٦-٠	٢٢٥-٠-٠	٦٣-٠-٠	١٢٠-٠-٠	٨١-٠-٠	٥-١٠-٠

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

ہندوستان		جزائر برطانیہ
مجموعی آبادی	٣١٩٣٦١٠٠٠	مجموعی آبادی ٤٧٣٠٧٠٠٠
زراعت پیشہ	٧١/٨	١١/٦
صنعت پیشہ	١١/٣	٥١/٢
تجارت پیشہ	٧/٣	١٣/٣
آزاد پیشہ	٢/٦	٥/٦
نجی کی نوکریاں	١/٥	١٢/٨
دوسرے پیشے	٥/٥	...
کان کن	١/١٧	٦/٥

دنیا کی مزدوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	مزدوری
امریکہ	١٠٥٧١٦٠٠٠	٤٧٦٧٧٠٠٠
برطانیہ	٤٧٣٠٧٠٠٠	٢٥٧٣٣٠٠٠
فرانس	٣٩٢٠٩٠٠٠	٢٠٩٣١٠٠٠
جرمنی	٥٩٨٥٨٠٠٠	٣٠٢٣٢٠٠٠
اٹلی	٣٨٨٣٦٠٠٠	١٨٧١٨٠٠٠
ہندوستان	٣١٩٣٦١٠٠٠	٩٨٨٩٤٠٠٠
کینیڈا	٨٧٨٨٠٠٠	٣٢٢١٠٠٠
آسٹریلیا	٥٥١٠٠٠٠	٢٣٩٧٠٠٠
جنوبی افریقہ	١٤٢٢٠٠٠	٤٧٤٠٠
نیوزی لینڈ	١٢٨٤٠٠٠	٥١٥٠٠٠

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹن

The Dunlop Guide To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲/)

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

١٩٢٧

نمبر ٢٣

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ انہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الكريم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۳ — کلکته : جمعه ۲۹ - جمادی الاولی ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 25, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کرلین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .
الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١٧٤٢ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۰	اردو حروف کی حق مین	٤٥٢
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	٦٨٠	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۹۰	نستعلیق هون	١٦٠

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .
الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں بھیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

عکا کے یہاں قیام کرے - رستم نے لکھا ہے کہ احمد پاشا نے اپنی دوستی کا حق اِس طرح ادا کیا کہ مصری امیر کو زہر دے کر مار ڈالا !

(نپولین تک رسائی)

رستم نے اب اپنے سامنے ایک نئی مصیبت دیکھی - مجبوراً مصر بھاگ گیا - مصر میں ایک دوست نے اُسے مشہور خاندان بکری کے سجادہ نشین شیخ السادات کی خدمت میں پیش کر دیا - شیخ اُسے دیکھہ کر بہت خوش ہوا اور اپنے غلاموں کا افسر بنا دیا -

شام کے حملے سے واپسی پر نپولین کے استقبال کیلیے مصر کے تمام اُمراء شہر کے باہر کھڑے تھے - سید بکری بھی موجود تھے - وہ نپولین کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی لے گئے تھے - گھوڑے کی لگام ' رستم کے ہاتھہ میں تھی - نپولین نے گھوڑا شکریہ کے ساتھہ قبول کر لیا - چند دن بعد دو غلاموں کی فرمائش کی - سید بکری نے دو غلام حاضر کر دیے - انھی غلاموں میں ایک رستم تھا - نپولین نے اپنی خدمت میں لیتے وقت رستم کو ایک مرصع تلوار اور طلائی دستے کے دو طپنچے عطا کیے -

(فرانس میں داخلہ)

فرانس کی واپسی میں رستم بھی نپولین کے ساتھہ تھا - راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا - البتہ ایک دن نپولین کے ساتھیوں نے سنانے کیلیے کہدیا کہ " جنرل تمھیں اِس لیے ساتھہ لیے جاتا ہے ' تاکہ پیرس کے جلسے میں تمھاری بھینٹ چڑھائے " سادہ لوح غلام ڈر گیا ' اور واویلا مچانا شروع کر دیا - نپولین نے سنا تو بہت ہنسا - اور وہ تمام رقم اُسے بخش دی ' جو دوران سفر میں اپنے ساتھیوں سے جوئے میں جیتی تھی !

نپولین نے رستم کو مارسیلز میں چھوڑ دیا - ہر طرف لوگوں کی نظریں اُس پر پڑتی تھیں - عورتیں تو اسپر ٹوٹ پڑیں - اسکے عجیب مشرقی اطوار اور چرکسی چشم و ابرو آنکے لیے نئی قسم کی چیز تھی - چند دن بعد نپولین کا اسباب لیکر وہ پیرس روانہ ہوا - راستے میں ڈاکو مل گئے ' اور تمام اسباب لوٹ لیا - رستم کی مرصع تلوار اور چھہ ہزار فرنک کی تھیلی بھی چھین لی -

جوزیفائن ' نپولین کی بیوی ' رستم کو دیکھہ کر بہت خوش ہوئی اور اپنی خدمت میں قبول کر لیا - بعد میں لوگوں نے اِس پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں - کہا گیا کہ جوزیفائن غلام پر عاشق ہے - اِسی قدر نہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ نپولین رستم کو محض اِسی نیت سے لایا تھا ' تاکہ جوزیفائن کیلیے دلچسپی کا سامان مہیا کر دے ' اور خود اُس کی نگرانی اور رشک سے آزاد ہو جائے -

(رستم اور پیرس)

کچھہ ہی سبب ہو ' لیکن پیرس میں رستم کے ظہور نے نپولین کی عظمت میں غیر معمولی اضافہ کردیا تھا - رستم اپنے بیش قیمت لباس میں " قنصل " (نپولین) کے ساتھہ ساتھہ پھرا کرتا تھا اور پیرس کی مخلوق اُسے دیکھہ کر متحیر رہجاتی تھی !

قنصل مقرر ہونے کے بعد نپولین اُس محل میں اٹھہ گیا ' جو حکومت نے اُسے دیا تھا - رات کو اُس کے خاص کمرے کی نگہبانی رستم ہی کے ذمے تھی - وہ رات بھر دروازے پر پڑا رہتا تھا ' اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتا تھا -

ایک دن جوزیفائن کو معلوم ہوا کہ نپولین کے ساتھہ ایک عورت موجود ہے - وہ غصے میں بھری ہوئی اٹھی اور کمرے میں گھس پڑنا چاہا - مگر رستم دروازے پر سو رہا تھا - اُس کے خراٹے اِتنے بلند اور خوفناک تھے کہ جوزیفائن ڈر گئی - شمع ہاتھہ سے گر پڑی ' اور بدحواس الٹے پاؤں بھاگی !

دن کے وقت رستم کے فرائض یہ تھے کہ صبح اپنے آقا کو حجامت میں مدد دیتا تھا - نپولین نہایت تنگ مزاج تھا - بار بار چلا اٹھتا تھا " گدھے ! آئینہ سیدھا کر - خوش قسمتی سے تیرا آقا مصری نہیں ہے ورنہ گردن اڑا دیتا ! " حجامت کے بعد اپنے آقا کو نہلاتا تھا - پھر اُس کے ساتھہ دفتر جاتا تھا اور ایک لمحہ کیلیے بھی جدا نہیں ہوتا تھا -

شیخ خلیل بکری نقیب السادات مصر
جس کے ذریعہ نپولین کو رستم ملا

کلیپر کہتا ہے :

" نپولین نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی - لیکن وہ اپنی فیاضی سے دوسروں کی محبت خرید لیا کرتا تھا - ہمیشہ جوئے میں اپنی تمام جیت ' رستم کو دیدیا کرتا - ایک مرتبہ پانچ دن کے اندر تین ہزار فرنک رستم کو مل گئے - اِسی تقرب کی وجہ سے تمام خادم رستم پر حسد کرنے لگے تھے - صرف خادم ہی نہیں ' بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی جلتے تھے - اُن کا خیال تھا - رستم کی یہ تمام قدردانی صرف اِس لیے ہے کہ وہ اُس کے دشمنوں کو خفیہ قتل کر ڈالتا ہے -

رستم نپولین کے ساتھہ سایہ کی طرح لگا رہتا تھا - حتی کہ فوج کی قواعد کے وقت بھی آقا کے گھوڑے کے پہلو میں اُس کا عربی گھوڑا نمایاں نظر آتا تھا - گھوڑے پر چیتے کی کھال کا زین ہوتا تھا - زین پر سونے کا کام تھا - خود رستم کا لباس ' ریشم کا کارچوبی ہوتا - دور دور تک اُس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی - وہ اِس قدر شاندار ہوتا تھا کہ رستم ' عرب بادشاہ معلوم ہوتا تھا ' اور نپولین اُس کا فرنگی سپہ سالار - تھیٹر میں بھی وہ نپولین کے پہلو میں بیٹھتا تھا - تمام نظریں غلام کی شان و شوکت کے تماشہ میں محو ہوجاتی تھیں ! "

جب کبھی وہ راستے میں تنہا ہوتا ' مخلوق ہجوم کرکے ساتھہ ہوجاتی - مسرت کے نعرے بلند ہونے لگتے - اپنے فاتح آقا کی طرح یہ غلام بھی اپنی عظمت و غرور میں مدہوش رہتا تھا - وہ بالکل پروا نہ کرتا کہ لوگ اُس کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہیں ' یا تضحیک کر رہے ہیں !

مطبوعات جدیدہ

رستم بن رضا

(نپولین کا چرکسي غلام اور معتمد)

الہلال کے گذشته نمبر میں هم نے ایک جرمن اهل قلم کي جدید کتاب کا ذکر کیا تها جس میں اُس نے نپولین کے بعض غیر مشہور گوشه هاے حیات پر روشني ڈالنے کي کوشش کي هے - ابهي اس کتاب کي بہت سي دلچسپ اور عبرت انگیز داستانیں باقي هیں ' لیکن هم چاهتے هیں ' مجلس کے تبدیل ذائقه کیلیے اُسکے ایک دوسرے حصه پر قاریین الہلال کو توجه دلائیں - یه حصه بهي تاریخي دلچسپي کے لحاظ سے پچهلي داستانوں سے کمتر نہیں هے - اِس میں نپولین کي درباري زندگي کي ایک عجیب و غریب تاریخي شخصیت سے اُنکي تقریب هوگي - یه شخصیت دس برس تک نپولین کے تمام عجائبات زندگي کي طرح یورپ کي ایک عجیب و غریب هستي کا درجه رکهتي تهي - حالانکه اُسکي ابتدائي زندگي اس طرح شروع هوي تهي که وہ مصر کا ایک چرکسي غلام تها !

یورپ کے تمام مورخین نے اس کا قلم رستم بن رضا لکها هے - فرانس کے قیام کے بعد اُس نے فرانسیسي زبان میں اسقدر قابلیت حاصل کرلي تهي که آخري عمر میں اپني یاد داشت حیات قلمبند کي - اس یاد داشت میں اُس نے خود اپنے قلم سے اپنے ابتدائي حالات لکہے هیں - جرمن مصنف همیں بتلاتا هے که یه کتاب اسکے پیش نظر هے -

(مہیب آقا اور عجیب غلام !)

گزشته صدي کے اوائل میں روے زمین پر ایک طوفاني آندهي آئي - اُس نے بادشاهوں کے تخت اُلٹ دیے ، تاجداروں کے تاج گرا دیے - یه ایک مہیب جبار تها جس کے سامنے تمام یورپ سربسجود هوگیا تها - اِس مہیب آقا کے ساتهه همیشه ایک عجیب و غریب غلام بهي دیکها جاتا تها - مہیب آقا نپولین تها ' اور عجیب الهیئت غلام رستم تها !

رستم بن رضا کوفان سنه ۱۷۸۲ع میں تفلیس (قوقاز) میں پیدا هوا - اُس کا بچپن کوہ قاف کے مرغزاروں میں بسر هوا تها لیکن زمانے کے انقلابات نے اُس کے دل و دماغ پر اُس سرزمین کے حسن و جمال طبیعت کا کوئي اثر باقي نہیں چهوڑا - وہ نه تو شاعر هوا ' نه مصور - اُس کي قسمت میں ایک عجیب انسان کا عجیب غلام بننا تها !

نپولین کے سکریٹری مینول نے اپنے روز نامچے میں لکها هے :

" رستم کا باپ طبیب تها - بعض مورخین نے اُسے تاجر بهي بتایا هے - اُس کے چار اولاد تهي - انمیں ایک رستم تها - سنه ۱۷۹۵ - تک وہ اپنے والدین کے ساتهه رها "

خود رستم نے اپني یاد داشتوں میں لکها هے که وہ اپني ماں سے از حد محبت رکهتا تها - یہي محبت اُس کي تمام مصائب کا سبب هوئي - باپ نے اُسے گهر سے نکال دیا اور وہ آوارہ گردوں کي طرح گاؤں گاؤں پهرنے لگا - اتفاق سے اُسي زمانے میں وهاں کے اُمراء میں خانه جنگي شروع هوگئي - رستم اس جنگ میں قید هوگیا ' اور بہت دنوں تک ایک قلعه میں بند رها - پهر وهاں سے بهاگا تا که اپني ماں کي کفالت کرے - اب وہ اپنے شوهر سے علحدہ هوگئي تهي اور چهوٹے چهوٹے بچے ساتهه لے کر کسي طرف چلي گئي تهي -

رستم بن رضا

بہت تلاش کے بعد رستم نے ماں کا پته لگالیا اور اُس کے ساتهه رهنے لگا - کچهه عرصه کے بعد اُس نے ارادہ کیا که کسي شہر میں جاکر آباد هو جاے اور اپنے خاندان کي پرورش کا انتظام کرے - وہ سب کو ساتهه لے کر چل دیا ' مگر راستے میں بردہ فروش قزاقوں نے گهیر لیا ' اور پورا قافله گرفتار هوگیا - بردہ فروشوں سے ایک مالدار عورت نے رستم کو خرید لیا اور اپنا لڑکا بنا کر گهر میں رکها - لیکن اُس کے شوهر کو گهر میں اِس خوبصورت نوجوان کي موجودگي ناگوار هوئي - اُس نے مصر کے ایک امیر کے هاتهه بیچ ڈالا -

مصري امیر رستم کو مصر لایا - پهر اپنے ساتهه مکۂ معظمه لے گیا - حج کے بعد دونوں شام کے راستے واپس هوئے - مگر ابهي راہ هي میں تهے که معلوم هوا ' نپولین نے مصر پر قبضه کرلیا هے - امیر نے فیصله کیا که مصر نه جائے اور اپنے دوست احمد پاشا جزار والي

اُس نے کہا " تمھارا فرض ہے کہ اِس نازک وقت میں اپنے مہربان آقا کا ساتھہ نہ چھوڑو " نپولین کو امید نہیں تھي کہ رستم لوٹیگا - مگر دوسرے دن دیکھا تو وہ موجود تھا - اُس نے اپنے بلا اجازت چلے جانے پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا اور نپولین کا دل اُسکي طرف سے صاف ہوگیا -

اِسي اثنا میں نپولین نے اپني ناکامیوں سے مضطرب ہوکر زہر کھا لیا ' مگر ڈاکٹروں نے اُسکي جان بچالي - ایک دن اُس نے رستم سے پستول طلب کیا - رستم نے مارشل برتیہ سے مشورہ کیا - مارشل نے کہا جو جي میں آئے کرو - میں کوئي مشورہ نہیں دونگا - لیکن بعض دوستوں نے کہا - اگر شہنشاہ خود کشي کرلیگا تو دنیا تمھیں کو الزام دے گي - کہا جائیگا ' تم نے دشمنوں سے رشوت لیکر پستول نپولین کے حوالہ کر دیا - تاکہ وہ خود کشي کرلے -

اِس واقعہ کو رستم نے حیلہ بنایا ' اور نپولین سے ہمیشہ کے لیے علحدہ ہوگیا - جلا وطن ہوتے وقت شہنشاہ نے اپنے غلام کي بابت سوال کیا - اور جب اُس کي بے وفائي کا حال سنا تو قدرتي طور پر بہت رنجیدہ ہوا -

رستم کي بے وفائي اِسي پر ختم نہیں ہوگئي ' بلکہ وہ دو مرتبہ انگلستان بھي گیا - وہاں نپولین کے دشمنوں کے سامنے اپنا شاھي خلعت پہنکر جایا کرتا تھا - انگریزوں کے ھاتھہ اُس نے اپنے آقا کي بہت سي یادگاریں بھي بیچ ڈالیں - اِنھي میں سونے کا ایک ٹکڑہ بھي تھا - اِس پر لکھا تھا " نپولین کي یادگار اپنے وفادار غلام رستم کے لیے "

۷ - دسمبر سنہ ۱۸۴۵ع کو اُس کا انتقال ہوا - اُس کي قبر ابتک پیرس میں موجود ہے ' اور اُس پر یہ عبارت کندہ ہے :
" یہاں شہنشاہ نپولین کا غلام رستم رضا سو رہا ہے "

اُس کي زندگي ھي میں اُس کے دونوں لڑکے مر چکے تھے - صرف بیوہ اور ایک لڑکي باقي رھي - لڑکي کي شادي ایک فرانسیسي تاجر سے ہوگئي تھي -

حجة ابراهيمی

آیۂ کریمہ " الم تر الي الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اُسلوب بیان اور طریق اِستدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۳)

افسوس ہے کہ محل اِس کا متحمل نہیں کہ مثالوں کے بیان میں اطناب سے کام لیا جائے - ورنہ آپ دیکھتے کہ تفسیر قرآن کا کوئي گوشہ بھي ایسا نہیں ہے جو اس غیر قرآني طریق تفسیر سے متاثر نہ ہو چکا ہو ' اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پڑ گئے ہوں - اگر آپ صرف امام راغب اصفہاني کي مفردات ھي اُٹھا کر دیکھہ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا توشۂ عام ہے ' تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب و دلائل کي صورت بدل دي گئي ہے ' بلکہ اُسکے تمام الفاظ کے لیے بھي ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دیدیا گیا ہے ' اور وہ چیز جسے اپنے " عربي مبین " ہونے پر ناز تھا ' اب ایک مشکل ترین عجمي چیستاں بنکے رہگئي ہے !

(آیۂ زیر تدبر)

اب جب کہ یہ تمہیدي مطالب ایک حد تک واضح ہوگئے ھیں ' آیۂ زیر تدبر کي تفسیر نہایت سہل ہے - چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ہو جائینگي - البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کي مختصراً تشریح اب بھي ضروري ہے :

(۱) اِس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام اور اُن کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ہے - سب سے پہلي اور بنیادي غلطي جس کي وجہ سے تمام مشکلیں پیدا ہوگئي ھیں ' یہ ہے کہ مکالمہ کي نوعیت ھي غلط سمجھہ لي گئي ہے - آیت میں " حاج " کا لفظ آیا ہے : الم تر الي الذي حاج ابراھیم في ربہ - یعني کیا تمھیں اُس آدمي کا حال معلوم نہیں جس نے ابراھیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کي تھي ؟ چونکہ مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقي طریق مناظرہ و حجت بسا ہوا تھا ' اور انبیاء کرام کے حجج و براھین فطریہ کو بھي وھي جامہ پہنانا چاھتے تھے ' اس لیے انھوں نے اس مکالمہ کو " مناظرہ " مصطلحۂ منطق قرار دیدیا ' اور پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و اداب اُس پر

(رستمي فيشن)

پيرس كي نازنينوں کے ليے رستم ايک متحرک فتنه بن گيا تها - وہ اُن کی نظر میں مشرقي حسن و جمال کا ایک پر اسرار پیکر تھا - یہاں تک کہ اُس کے لباس كي بهي نقل اتاري جانے لگي - پیرس کا سب سے ازیادہ مقبول فیشن " رستمي فيشن " هوگيا - خود جوزيفائن اِس لباس پر فخر کرتي تهي - فرانس سے نکل کر یہ فیشن جرمني پهنچا ' اور لويزا ملكۂ پروشيا تک نے اختيار کر ليا - عورتوں كي طرح مرد بهي اس كي تقليد کرنے لگے تھے - یہ بيماري ايسي عام هوئي کہ خود نپولين بهي مبتلا هوگيا - اُس نے بھی رستم کا سا لباس اپنے لیے بنوایا تھا اور بڑے بڑے جلسوں میں پہن کر جاتا تھا !

اُس عہد کے ماهر مصوروں نے رستم كي تصويريں آتاریں - اخبارات و رسائل نے خاص اهتمام سے شائع کیں - پورے یورپ میں اُس کي شهرت عام هوگئي -

جب نپولين كي تاج پوشي قريب آئي ' تو اُس نے درباري درزي كو حكم ديا کہ رستم کے لیے بیش قیمت خلعت طیار کرے - یہ خلعت اس قدر گرانقدر تھا کہ صرف کوٹ پر سات هزار تین سو فرانک خرچ هوے تھے - جوتے كي قيمت ايک سو بيس فرانک تهي - یہ رقم اُس زمانے میں ایک شاهي لباس هي پر خرچ هو سكتي تهي !

تاج پوشي کے جلوس میں رستم اپنے خاص لباس میں ملبوس شهنشاہ کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا - وہ خود بهي اپنے گهوڑے پر ایک شهنشاہ معلوم هوتا تها - هر طرف اُس کے اعزاز میں تالیوں کا شور بلند تھا !

(منتهاء عروج)

رستم نے اپني زندگي کے بہترین ایام شهنشاہ نپولين کے زیر سایہ بسر کیے - دربار میں اُسے اتنا عروج حاصل تھا کہ خاص و عام سب حسد کرتے تھے - نپولين جب کوئي شہر فتح کرتا تھا تو شاهي گاڑي میں مالک کے پیچھے رستم هی بیٹھتا تھا - نا واقف اُسے سلطنت کا رکن اعظم خیال کرتے تھے - بہت سے لوگ اس كي خوشامديں کرتے ' تا کہ اس کے ذریعہ نپولين كي خوشنودي حاصل کرلیں !

جب نپولين پیرس میں هوتا تو رستم کو دو گھنٹے تفریح كي اجازت ملتي - وہ اپنے اُن دوستوں سے ملنے جایا کرتا جن کے یہاں خوبصورت عورتیں هوتیں - لیکن میدان جنگ میں اُسے ایک لمحہ كي بهی فرصت نہیں ملتي تهي - کیونکہ اُس کے فرائض هر لمحہ اُسے شهنشاہ کے ساتھہ رهنے پر مجبور کرتے تھے - وهي اس کے لیے کھانے کا بهي انتظام کرتا تھا -

نپولين کے کھانے کا کوئي وقت مقرر نہ تھا - بسا اوقات وہ کھائے بغیر هي سو جاتا - ایک مرتبہ ایسا هوا کہ نپولين آدهي رات کو اپنے بستر پر گیا اور کھانا طلب نہ کیا - رستم نے خیال کیا ' اب وہ کھانا نہیں کھائیگا - اس نے بهني هوئي مرغي خوشي خوشي کھانا شروع کردي - لیکن ابهي آدهي مرغي بهي کھانے نہیں پایا تھا کہ نپولين نے کھانا مانگا - رستم بہت گھبرایا ' مگر اب کر هي کیا سکتا تھا ؟ وهي بچي هوئي مرغي لیکر حاضر هوگیا - نپولين دیر تک مرغي دیکھتا رها - پھر غلام پر غضبناک نظریں ڈالیں اور کہا " میں نہیں جانتا تھا کہ بعض مرغیوں کا صرف ایک هي بازو اور ایک هي ٹانگ هوتي هے - مجھے کبھي اِس بات کا وهم بھي نہیں گزرا تھا کہ دوسروں کا جھوٹا کھانا پڑیگا ! "

رستم ڈر گیا - رنگ فق هوگیا - کانپتي هوئي آواز میں کہنے لگا " مہربان آقا ! میں بہت بھوکا تھا - پہلے ارادہ صرف ران کھانے کا تھا - مگر افسوس - بازو بهي میں نے کھا لیا ! " نپولين چپ هوگیا ' اور مرغي کھالي ' صبح اُس نے ایک سپہ سالار کو بعض احکام دینے کیلیے طلب کیا - رستم بهي سامنے کھڑا تھا - نپولين نے سپہ سالار سے کہا " تم نے کچھہ سنا ؟ کل رات میں نے آقائے رستم کا پس ماندہ کھایا تھا ! ملعون ! ادھر آ - میں تیرے کان ملونگا - خبردار ' پھر کبھي ایسي حرکت نہ کرنا ! " یہ کہکر نپولين زور سے هنس پڑا -

(شادي)

رستم ' اپنے آقا کو روز پیرس كي عورتوں سے اپنے عشقیہ معرکوں كي داستانیں سنایا کرتا تھا - نپولين کو ان واقعات سے بڑي دلچسپي هوتي تهي اور وہ غلام كي همت افزائي کیا کرتا تھا - آخر رستم کا یہ شوق رنگ لایا - اور وہ ایک عورت پر عاشق هوگیا - اُس نے شهنشاہ سے شادي كي درخواست كي - نپولين نے پوچھا " وہ کچھہ مالدار بهي هے ؟ " رستم نے جواب دیا " جب تک حضور کے قدموں سے لگا هوں ' مجھے مال کی کیوں فکر هو ؟ " نپولين کو یہ جواب پسند آیا اور شادي كي اجازت دیدي -

یکم فروری سنہ ۱۸۰۶ع میں الکزنڈرائن دووبل سے رستم كي شادي هوئي - خود شهنشاہ جلسہ میں شریک هوا ' اور تمام خرچ اپني جیب خاص سے ادا کیا - شادي کے ایک برس بعد لڑکا پیدا هوا - رستم نے اُس کا نام ایشیل رکھا - نپولين کو یہ بچہ بہت پیارا تھا - اکثر بلا کر اُس سے کھیلا کرتا تھا - جب وہ لوٹتا تھا ' تو اُس كي دونوں مٹھیوں میں اشرفیاں هوتي تهیں !

نپولين کو رستم اِس قدر عزیز تھا کہ سفر اٹلي کے موقعہ پر جب وہ بیمار هوگیا تو نپولين نے چلتے وقت اُس سے کہا " رنج نہ کرنا - میں جلد واپس آونگا - میري بيوي تمهاري خبر لیگي - "

خود رستم نے اپني یاد داشت میں لکھا هے کہ شهنشاہ اُس پر بے حد مہربان تھا - شروع میں نپولين نے اُس کی کوئي تنخواہ مقرر نہیں كي تهي - ایک دن اتفاق سے یاد آگیا تو فوراً ۱۲۰۰ فرانک مقرر کر دیے - تھوڑي هي مدت بعد یہ رقم دوگنی کردي گئي - یعني ۲۴۰۰ فرانک ملنے لگے - نیز ۲۴۰۰ فرانک شکار میں بادشاہ كي بندوق اٹھانے کیلیے ' اور ۹۰۰ فرانک دائمي انعام کے طور پر بھي ملتے تھے - اسکے علاوہ کھیل میں جسقدر روپیہ نپولين جیتتا تھا ' سب اسے دیدیتا تھا - عیدوں اور جشنوں کے موقعہ پر بهي بہت کچھہ دیتا تھا - چنانچہ ۲۰۰۰ فرانک سنہ ۱۸۰۸ع میں دیے - ۳۰۰۰ سنہ ۱۸۱۰ میں دیے - ۴۰۰۰ سنہ ۱۸۱۱ع میں دیے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۳ع میں دیے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۴ع میں دیے - پھر معزولي سے پہلے ایک مرتبہ یکمشت ۵۰۰۰۰ فرانک عطا کیے !

(رستم کا خاتمہ)

لیکن افسوس هے کہ مصیبت کے وقت رستم بے وفا ثابت هوا - آقا کے تمام احسانات بھول کر اُس سے رخ پھیر لیا !

۶ - اپریل سنہ ۱۸۱۴ میں نپولين کو تخت سے دست بردار هونا پڑا تھا - وہ جب جزیرۂ البا كي طرف روانہ هونے لگا ' تو رستم ' بلا اجازت اپني بيوي سے مشورہ کرنے چلا گیا - بيوي شریف تهي -

مجيب کے فرائض هيں - جو مدعي هو' اسے دليل پيش کرني چاهيے - جو منکر هو' اسے توڑ کرنا چاهيے - چونکه مقصود اس تمام کارخانه سے اسکات خصم هے - يعني مخاطب کو چپ کرا دينا ' اس ليے تمام اصول و آداب اسي محور کے گرد حرکت کرتے هيں - امام رازي نے جب اسے مناظره قرار ديا ' تو ضروري هوا که پوري بات اُسي سانچے ميں ڈهال کر دکها دي جائے - بات اُس سانچے ميں ڈهلتي نهيں - بس ساري مشکليں اسي سے پيدا هوگئي هيں -

آپ خود اپنے استفسار ميں لکهتے هيں :

" يه در اصل حضرت ابراهيم عليه السلام اور نمرود کا مناظره هے ' جس ميں نمرود کي حيثيت خدائي کے مدعي کي هے اور حضرت ابراهيم اُس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هيں "

يه جو آپ نے " در اصل مناظره هے " کهديا' بس يهي تمام فساد کي جڑ هے - " مناظره هے ' تو حضرت ابراهيم کي حيثيت ايک مناظر کي هے - اگر وه مناظر هيں ' تو چاهئے که اُن قواعد کلام سے سرمو تجاوز نه کريں جو فن مناظره کے ساخته پرداخته هيں - يا مثلاً رشيديه ميں درج هيں - اور چاهيے که بد بخت نمرود بهي اُنهي مقدمات اور مباديات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقاوت هو' جو هم شرح مواقف وغيره ميں پڑه چکے هيں ! "

امام رازي اور متکلمين کے اصول تفسير يهي هيں ' اور آپ بهي اُنهي کے قدم بقدم چلنا چاهتے هيں - سوال يه هے که حضرت ابراهيم " مناظر " مصطلحۂ قوم کيوں هوں ؟ اور اگر وه مناظر هوں ' تو کيوں اُن تمام گڑهے هوئے قاعدوں کے پابند هوں جو علوم وضيعه کي تدوين کے بعد هم نے اپنے اوپر لازم کر رکهے هيں ؟ کونسي عقل کي قطعيت اور وحي کي تنزيل موجود هے که حضرت ابراهيم کو بهي اُن قواعد کلام کي پابندي کرني چاهيے جو مناظره رشيديه ميں هم رٹ چکے هيں' يا جنهيں بحر العلوم نے اپنے حواشي ميں لکها هے ؟ " مناظر کے ليے يه جائز نهيں " اور " مستدل کے ليے يه ضروري هے " سوال يه هے که کيوں جائز نهيں ؟ کيوں ضروري هے ؟ اور کيوں ان اصول موضوعه اور قواعد مصنوعه " ما انزل الله بها من سلطان " کے انبياؤ رسل پابند هوں ؟ کيوں ان کے ليے جائز نه هو که سرمو ان سے تجاوز کريں ؟ کيا مصيبت هے که قرآن عربي زبان ميں اُترتا هے - تمام فصحاء قريش اُس کي فصاحت کے آگے سربسجود هو جاتے هيں ' ليکن چار سو برس کے بعد همارے مفسرين بحث کرتے هيں که سيبويه اور کسائي کے بنائے هوئے قواعد کے مطابق وه ٹهيک هے يا نهيں ؟ چار هزار برس پہلے ايک داعي الى الحق فطرت الهي اور وجدان انساني کے مطابق رشد و هدايت کا دروازه کهولتا هے ' اور ايک منکر حق کو شک و انکار کي جگه يقين و ايمان کي راه دکهلاديتا هے' ليکن پانچويں صدي هجري ميں امام رازي آکر بحث کرتے هيں که منطقي طريق مناظره کے مطابق يه مکالمه صحيح هے يا نهيں ؟ اور پهر چودهويں صدي ميں آپ آتے هيں اور کهتے هيں که مشکلات حل نهيں هوتيں - مشکلات حل هوں تو کيسے هوں جب صديوں سے مشکلات هي کو بلاوا دے دے کر سميٹا گيا هے ' اور اصليت کي سادگي وضعيت اور صناعت کي کج انديشيوں اور پيچيدگيوں کے اندر گم هوگئي هے ؟

(۳) ايک دوسري بنيادي غلطي جو يهاں اُلجهاؤ پيدا کر رهي هے ' حضرت ابراهيم کے مخاطب کي اعتقادي حيثيت هے - مفسرين سے ايک سخت تسامح قرآن حکيم کے اُن مقامات کي تفسير ميں هوا هے ' جهاں بابل کے اس پادشاه کا (جسے نمرود کهتے هيں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچهه بهي اُس کا نام هو) ذکر کيا گيا هے - قرآن حکيم نے اُن کا ذکر ايسے لفظوں ميں کيا هے ' جن سے معلوم هوتا هے که وه اُس خدا کے اقرار سے منکر تهے جسکي دعوت حضرت ابراهيم اور حضرت موسى عليهما السلام نے اُنکے سامنے پيش کي تهي ' اور خود اپني خداوندي اور خداوندي کي طاقتوں کا دعوى رکهتے تهے - چونکه مفسرين کے پيش نظر صحيح تاريخي معلومات نه تهيں ' اسليے وه صحت کے ساتهه اس انکار اور ادعا کي نوعيت متعين نه کرسکے - يه خيال پيدا هوگيا که يه دونوں پادشاه اپني خدائي کے اس معني ميں مدعي تهے که وهي صانع کائنات هيں - چنانچه دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات ميں فريق ثاني کي يهي اعتقادي حيثيت قرار دي گئي هے اور اسيلیے حضرت ابراهيم اور حضرت موسى (عليهما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسي پہلو سے ديکهے جاتے هيں - چونکه يه بات حقيقت حال کے خلاف هے' اسليے اس کي وجه سے طرح طرح کے نئے اُلجهاؤ پيدا هوگئے هيں - واقعه يه هے که نه صرف دنيا کي تاريخي معلومات کي بنا پر' بلکه خود قرآن حکيم کي تصريحات کي بنا پر کها جاسکتا هے که دنيا ميں آج تک کسي انسان نے بهي اس معني ميں خدا هونے کا دعوى نهيں کيا هے که وهي صانع کائنات هے - ايسا دعوى کرنا ' بلکه ايسے ادعا کا تخيل کرنا فطرت انساني کے اسدرجه خلاف هے که کوئي انساني هستي اسکي جرأت هي نهيں کرسکتي -

تحرير اندازه سے زياده بڑهتي چلي جاتي هے ' اسليے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نهيں کيے جا سکتے - حقيقت حال سمجهنے کيليے حسب ذيل اشارات کافي هونگے :

اولاً ' نوع انساني نے خدا کي صفات کے تصور ميں جو ٹهوکريں کهائي هيں ' من جمله اُن کے ايک عالمگير گمراهي شاهيت و الوهيت کا تشابه هے - يعني شاهيت کے اختيارات نے بهي ما فوق الفطرت اختيارات کي حيثيت اختيار کرلي تهي - جب کبهي کوئي انسان اپني غير معمولي جسماني قوتوں سے مخالفوں کو زير کرکے پادشاه بن جاتا ' لوگ خيال کرتے ' وه ديوتاؤں کا انساني مظهر هے ' بلکه خود بهي ديوتا هے - پهر جب شاهيت نے نسل و خاندان کے سلسله کي صورت اختيار کرلي' تو کسي انسان کا شاهي نسل سے هونا ' اس کے ديوتائي رشتوں کي دليل سمجها جانے لگا - رفته رفته اس خيال نے پوري طرح ايک عام عقيده کي نوعيت پيدا کرلي که پادشاه انسان نهيں هے - انسانيت سے بلند تر هستي هے - اُسکي طاقت بهي الهي طاقت ' اور اُسکا حکم بهي حکم خداوندي هے -

قرآن حکيم نے بابل اور مصر کے جن دو پادشاهوں کا حال بيان کيا هے ' اُنکي اور اُن کے قوم کي گمراهي يهي تهي - وه اپني قوم ميں ايک ديوتا کي طرح مانے جاتے تهے - اس ليے نهيں که ان دو انسانوں نے خصوصيت سے اسکا دعوى کيا تها ' بلکه اس ليے که وه پادشاه تهے ' اور پادشاه کيليے ايسا هي اعتقاد پيدا هو گيا تها -

ثانياً ' اس سے يه بات بهي واضح هوگئي که مفسرين کا يه سمجهنا که فرعون اور نمرود نامي دو انسان خدائي کے مدعي تهے ' صحيح نهيں هے - جس طرح کي خدائي کے يه مدعي تهے ' اُس طرح کي خدائي کا اعتقاد اُس عهد کے بے شمار پادشاهوں اور پادشاهي کے سلسلوں کيليے وه چکا هے - هندوستان ميں بهي پادشاه کے ليے ايسا هي اعتقاد موجود تها - حتى که اُن کا سلسلۂ نسب چاند سورج سے ملا ديا گيا تها - تاتاريوں کي ابتدائي تاريخ بهي

منطبق کرنے ' اور جب منطبق نہ ہوسکے تو لا یعنی اور دور از کار توجیہیں کرنے لگے - حضرت امام رازي رحمة الله عليه اس آیت کي تفسیر میں سب سے پہلي بات جو کہتے ہیں ' یہي ہے کہ " و القصة الاولى مناظرة ابراهيم صلى الله عليه وسلم مع ملك زمانه " (جلد ۲ : ۳۱۷) جونہي اُنھوں نے اس معاملہ کو " مناظرہ " کے لفظ سے تعبیر کیا ' حقیقت سے الگ ہوگئے ' اور پہلا قدم ہي اُلٹا پڑگیا - اب جس قدر آگے بڑھتے جاتے ہیں ' حقیقت سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں ' اور یکے بعد دیگرے اُلجھاؤ پر اُلجھاؤ پڑتے جاتے ہیں - اُنھوں نے اپني عادت کے مطابق " المسئلة الاولى " اور " المسئلة الثانية " اور " الاشكال الاول " اور " الاشكال الثاني " کا سلسلہ یہاں بھي پوري قوت اور وضاحت کے ساتھ جاري رکھا ہے ' لیکن جب جواب کا موقعہ آیا ہے ' تو پانچ پانچ اور چھہ چھہ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافي جواب بھي نہیں دے سکتے ' اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتیاب میں غرق کردیتا ہے ' رخصت ہو جاتے ہیں !

امام رازي کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے ' سب نے اس مکالمہ پر اسي حیثیت سے نظر ڈالي - البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے ہیں ' اس سے مستثنی ہیں - وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہوچکے تھے ' اس لیے ان موشگافیوں میں نہیں پڑے - بلکہ صاف صاف کہدیا " وهذا التنزيل على هذا المعنى احسن مما ذكره كثير من المنطقيين " (حاشیہ فتح البیان جلد ۲ : ۱۵۶) یعني یہ مطلب اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت سے منطقیوں نے قرار دیا ہے - لیکن افسوس ہے کہ منطقیوں کے طریقہ سے الگ رہکر بھي وہ پوري طرح اُن کي لغزشوں سے محفوظ نہ رہسکے - یعني اس اُلجھاؤ سے وہ بھي نہ نکل سکے جو حضرت ابراہیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسري دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑگیا تھا -

یہ بات معلوم کرنے کیلیے کہ متاخرین کي پیدا کي ہوئي مشکلات سے متقدمین کس طرح محفوظ تھے ' امام ابن جریر طبري کي تفسیر پر نظر ڈالیے جو محدثین کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے ہیں - انھوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ " مناظرہ " استعمال ہي نہیں کیا ہے - وہ " حاج ابراهيم في ربه " کا ترجمہ " الذي خاصم ابراهيم في ربه " کرتے ہیں ' جو في الحقیقت اس محل کیلیے خود قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے ' اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کرکے خاموش ہو جاتے ہیں -

یہ واضح رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوي اطلاق سے اختلاف نہیں ہے ' بلکہ اصطلاحي اور وضعي اطلاق سے اختلاف ہے - وضعي علوم کي اصطلاح میں " مناظرہ " ایک خاص فن ہے جسمیں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گیے ہیں ' اور اس کا مقصود اِسکات خصم ہے - یعني جھگڑنے والے کو چپ کرا دینا - نہ یہ کہ اسکے شکوک دور کردینا - نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا ' بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسي طالب حق کا بھي طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیے - کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کي راہ نہیں ہے - " جدل " اور " خصومت " کي راہ ہے - اب غور کیجیے - یہ کیسي مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھہراتا ہے - اسي کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمود و مطلوب قرار دیتے ہیں ' اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اسي شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاہتے ہیں ' اور پھر ذہن کي اس کجي اور فکر کے اِس مرض کو علم و معرفت کي ایک ایسي عظمت سمجھتے ہیں ' جیسے ابراہیم خلیل علیه الصلوة و السلام کے منہ سے نکلوا دینا ' انکي بزرگي کي بڑي ہي دلیل اور اُنکے مرتبۂ نبوت و خلت کي بڑي ہي خوبروئی ہے !

اس سے بھي بڑھکر اعجب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے ' وہ یہي ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت ' " ہدایت " کا طریقہ ہوتا ہے - " جدل " و " خصومت " کا نہیں ہوتا - چنانچہ حضرت خلیل نے با وجود اسکے کہ ایک الد الخصام کج بحثي کرنے لگا تھا ' سر رشتۂ ہدایت ہاتھہ سے نہ چھوڑا ' اور مجادلانہ نزاع کي جگہ طریق ہدایت نے اُسے اعتراف حق پر مجبور کر دیا - لیکن متکلمین ہیں کہ عین اسي مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے ہیں ' اور بڑي کوہ کندنیوں اور کاہ براوردنیوں کے بعد ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے - بالکل اس سے اُلٹي ہے - یعني طریق ' طریق جدل اور مناظرہ ہے - نہ کہ ارشاد الی الحق اور ہدایت الی المقصود !

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑہ جایئے - معلوم ہوتا ہے ' حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کي ایک اچھي خاصي مجلس مناظرہ ہے - ایک طرف نمرود بیٹھا ہے ' اور ایک پختہ کار فلسفي کي طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رٹ چکا ہے - دوسري طرف حضرت ابراہیم ہیں ' اور امام رازي اور قاضی عضد کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے ہیں - نمرود ایک سوال کرتا ہے - یہ اُس کا جواب دیتے ہیں - وہ اِن کے جواب کا توڑ کرتا ہے ' اور نئے مقدموں میں اُلجھانا چاہتا ہے - یہ ایک شاطر مناظر کي طرح فوراً پینترا بدلتے ہیں ' اور اُنہي مقدمات کے داؤ سے اُسے گرا دینا چاہتے ہیں - وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے - یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے ہیں - سبحان اللہ ! حضرت ابراہیم علیه السلام کي دعوت نبوت نہ ہوئي - میر زاہد اور سیالکوٹي کا مباحثہ ہوگیا ! حاشا و کلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آتے ہیں ' یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطبت رکھتے ہوں - اگر ایک لمحہ کے لیے بھي یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جاے تو ساتھہ ہي یہ بھي تسلیم کر لینا پڑیگا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑي بڑائي یہ تھي کہ وہ منطقي اور متکلم ہوں - لیکن اگر یہی معیار نبوت ہے تو دنیا کا سب سے بڑا نبي ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا ' نہ کہ ابراہیم خلیل اور محمد بن عبد اللہ علیهما الصلوة و السلام ' جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھي ثابت نہیں !

(۲) اب غور کیجیے - اس مکالمہ کو " مناظرہ " قرار دیکر کس طرح انھوں نے اپنے آپکو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے ؟ اگر یہ " مناظرہ " ہے ' اور حضرت ابراہیم کي بڑي فضیلت یہي ہے کہ مناظرین کي طرح مخاطب کو سخن پروري میں ہرا دیں ' تو ضروري ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں ' اُنھیں کسي نہ کسي طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جاے - مصیبت یہ ہے وہ منطبق نہیں ہوتے - کیونکہ سرے سے یہ مناظرہ مصطلحۂ قوم تھا ہي نہیں - نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئي تشفي بخش حل نظر نہیں آتا - فن مناظرۂ وضعیہ کے لحاظ سے پہلي چیز فریقین کي حیثیت کا تعین ہے - یعنے اُن میں سے کون مدعي ہے کون منکر - کون مثبت ہے ' کون منفي - پھر مستدل کے واجبات ہیں ' اور

علم الاثار مصر کا جدید ذخیره

فراعنۂ مصر کے عظیم هیکل

ریمسیس ثانی اور اسکی لڑکی کا مجسمه ' جسکے محل میں حضرت موسی علیه السلام پیدا هوے تھے !

گذشته دس سال کے اندر علم الاثار مصر میں جدید انکشافات کا جو اضافه هوا هے ' وه نهایت قیمتی هے ' اور علماء آثار کا خیال هے ' اس سے مصری اثریات میں تحقیق و نظر کا ایک نیا دور شروع هو جایگا هے - وادی الملوک اور الاقصر کے دو مقبروں کا حال نهایت تفصیل کے ساتھه دنیا کے علم میں آچکا هے ' لیکن ان مقبروں کے علاوه اور بھی بے شمار نئی نئی چیزیں هیں جو تاریخ مصر کے بعض اهم زمانوں سے تعلق رکھتی هیں ' اور اسلیے علماء آثار اُن کے درس و مطالعه میں مشغول هیں -

آج هم قارئین الهلال کی دلچسپی کے لیے ان میں سے بعض اهم آثار کا مرقع شائع کرتے هیں -

سب سے پہلے آپ کی نظر دو چھوٹی چھوٹی تصویروں پر پڑیگی ' جن میں سے ایک پر منقش تصویریں هیں - دوسری میں ایک شکسته مجسمه نظر آ رها هے - پہلی تصویر ابیڈس مندر کی ایک دیوار کا مرقع هے جس میں فرعون " ستی " اول اپنے معبود کے سامنے کھڑا هے ' اور اُسے نذر پیش کر رها هے - مرقع میں فرعون کی صورت اور وضع اتنی نزاکت اور خوبی کے ساتھه کنده کی گئی هے که مصر کے تمام حجری مرقعوں میں صرف چند تصویریں هی اس کا مقابله کرسکتی هیں - اس مرقع میں همارے سامنے چار هزار برس پہلے کا ایک انسان اپنی اصلی صورت و وضع میں کھڑا هے !

دوسرا مرقع مصری دیوتا " ممنن " کا بت هے - اس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا که هر روز طلوع آفتاب کے وقت اس میں سے الهی نغموں کے ترانے بلند هوتے تھے - اب یه بالکل ٹوٹی پھوٹی حالت میں برامد هوا هے - لیکن علم کی خوش قسمتی سے اس کے کتبے محفوظ هیں ' اور پوری طرح پڑھے جا سکتے هیں -

ان کے بعد آپ دو بڑی تصویریں اوپر تلے دیکھه رهے هیں - پہلی تصویر ابیڈیس مندر کی ایک دیوار پر کنده هے - اس میں مصریوں کے دو دیوتا دکھائے گئے هیں - هورس اور اوسائرس - هورس هر طرح کی اچھائیوں کا معبود تھا - اوسائرس سورج دیوتا تھا - مصری یقین کرتے تھے که سورج دیوتا کی بہن اور لڑکی " آئی سس " نے اپنے مقدس آنسوؤں کے چند قطرے ملا کر همیشه کیلیے دریاے نیل کو شیریں اور مقدس بنا دیا هے !

دوسرا مرقع ایک عظیم مجسمه کا نهایت قیمتی ٹکڑا هے جو الاقصر سے بر آمد هوا هے - نقوش کے پڑھنے سے معلوم هوتا هے که یه دراصل فرعون ریمسس دوم کا مجسمه تھا - تصویر میں صرف کمر سے لیکر پانؤں تک کا حصه نمایاں هے - پاوں کے پیچھے ایک عورت کا چھوٹا سا مجسمه هے جو کھڑی هے - یه ریمسس کی لڑکی هے - ریمسس دوم وهی فرعون هے ' جس کے محل میں حضرت موسی علیه السلام کی پیدایش هوئی تھی - خیال کیا جاتا هے که یهی لڑکی محل شاهی کی وه عورت هے ' جس نے دریا سے حضرت موسی کو نکالا تھا !

اسکي شہادت ديتي ہے - بنو اسرائيل نے جب فلسطين اور شام پر قبضہ کيا تو جو قوميں وہاں آباد تھيں ' اُن کا بھي اپنے پادشاہوں کي نسبت ايسا ھي خيال تھا - خود قرآن اور تورات نے حضرت موسى عليہ السلام کي مصري زندگي کے جو واقعات بيان کيے ھيں ' اُن کا تعلق بھي ايک پادشاہ سے نہيں ہے - دو پادشاہوں سے ہے جو يکے بعد ديگرے تخت نشين ھوئے تھے - ايک فرعون وہ ہے جس کے محل ميں حضرت موسى پيدا ھوئے - دوسرا وہ ہے جو اُن کا تعاقب کرتا ھوا خليج سوئز ميں غرق ھوا - اگر فرعون کے ادعاء الوھيت سے مقصود يہ ھوتا کہ وہ کسي ايک انسان کا شخصي ادعا تھا ' تو ظاھر ہے ' بغير کسي امتياز کے دونوں کي نسبت ايک ھي طرح کي ادعائي ذھنيت قرآن کيوں ظاھر کرتا ؟ دراصل قرآن نے اسي ليے اُن کے ناموں کي جگہ اُن کا عام لقب " فرعون " استعمال کيا - کيوں کہ کسي ايک پادشاہ کا تمرد و طغيان دکھلانا مقصود نہيں تھا - تمام فراعنہ کا طغيان دکھلانا مقصود تھا -

بھر حال قرآن حکيم نے اِن دونوں پادشاہوں کا ذکر اس ليے کيا ہے کہ انساني گمراھي کي ايک خاص حالت کا نمونہ دکھلا دے - اس نوع کي گمراھي کے ليے يہ کامل قسم کے نمونے تھے - اس ليے انھي کو بطور مثال کے چن ليا گيا -

باقي رھے فرعونوں کے وہ متکبرانہ اور مدعيانہ اقوال جو قرآن حکيم نے نقل کيے ھيں ' تو اُن ميں ايک جملہ بھي ايسا نہيں ہے جس کا مطلب يہ ھو کہ وہ اپنے آپ کو خدا بمعني صانع کائنات سمجھتے تھے - چونکہ مفسرين نے يہي مطلب ٹھہرا ليا تھا ' اس ليے ان کي نظر آيات کے صاف صاف مطلب کے طرف نہيں گئي - دوسري راھوں ميں پہنچ گئے - ليکن يہ محل تفصيل کا نہيں ہے -

ثالثاً ' آيت زير تدبر ميں جس پادشاہ کا ذکر کيا گيا ہے ' اُس کي شخصيت بھي صحيح طور پر متعين نہيں کي گئي - عام طور پر مشہور ہے کہ وہ نمرود تھا - ليکن بابل اور نينوا کے آثار قديمہ سے جس قدر معلومات فراھم ھوچکي ھيں ' اُن سے اس خيال کي تصديق نہيں ھوتي - " نمرود " سے مقصود وہ پادشاہ ہے ' جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمراني کي تھي - اس خاندان کا سب سے زيادہ مشہور شخص " اُور " پنجم تھا جس کے سوانح حيات کي منقش اينٹيں جرمن وفد کي کوششوں سے سنہ ۱۹۰۴ع ميں برامد ھوئي ھيں - اِن اينٹوں کي عبارت سے جو خط مسماري ميں کندہ ھيں ' معلوم ھوتا ہے کہ نمرود اور اُسکے خاندان کا زمانہ دو ھزار سات سو برس قبل مسيح تھا - اگر تورات کے سنين تسليم کرليے جائيں ' تو حضرت ابراھيم عليہ السلام کا زمانہ دو ھزار تين سو برس قبل مسيح کا زمانہ ہے - ظاھر ہے کہ اِس حساب سے حضرت ابراھيم کا ظہور نمرود سے کئي سو برس بعد ھوا ہے - اُن کے زمانہ ميں نہ صرف نمرود کي ' بلکہ اُس کے خاندان کي بھي حکومت باقي نہيں رھي تھي -

خاندان نمرود کے دو سو برس بعد بابل ميں ايک نيا سلسلۂ شاھي قائم ھوا جسے " ايلامي " خاندان سے تعبير کيا جاتا ہے - اس خاندان کا ايک پادشاہ دو ھزار تين سو برس قبل مسيح بابل ميں حکمراں تھا جس کا نام " کادرلا اومر " تھا - غالباً يہي پادشاہ حضرت ابراھيم کا معاصر تھا ' اور اسي سے اُن کا يہ مکالمہ ھوا ہے - بابل کے آثار ميں اس پادشاہ کي تصويريں اور بعض فرامين کي اينٹيں بھي ملي ھيں - اِن کتبوں سے معلوم ھوتا ہے کہ وہ نہايت خود سر اور جبار تھا - اُس کي نسبت يقين کيا جاتا تھا کہ آسماني ديوتاؤں کا قہر و جبروت اُس کے اندر مجسم ھوگيا ہے -

يہ اوصاف ٹھيک ٹھيک اُس متکبرانہ انداز سخن کے مطابق ھيں ' جو اس مکالمہ سے ظاھر ھوتا ہے -

ايسا معلوم ھوتا ہے کہ جس طرح عربوں ميں شاھان روم ' قيصر ' شاھان ايران کسرى ' اور شاھان مصر فرعون کہے جاتے تھے ' اسي طرح بابل کے پادشاھوں کے ليے " نمرود " کا لفظ بطور لقب کے مشہور ھوگيا تھا - يہ تلقب بے اصل بھي نہ تھا ' کيونکہ جس طرح روم ميں سيزر اور ايران ميں خسرو پادشاھوں کا نام رھچکا تھا ' اُسي طرح بابل کے پہلے فرمانروا کا نام نمرود تھا - پس ابتدا ميں جب لوگوں نے يہ کہا ھوگا کہ مکالمہ نمرود سے ھوا ' تو اُن کا مقصد يہ ھوگا کہ بابل کے ايک پادشاہ سے ھوا - يہ مطلب نہ ھوگا کہ نمرود نامي انسان سے ھوا تھا -

رابعاً ' يوناني مورخوں کے بيانات اور علم الآثار کي تحقيقات سے معلوم ھوتا ہے کہ اھل بابل کواکب پرست تھے - اسي کواکب پرستي نے اُنھيں علم ھئيت کے علمي مباديات سے آشنا کيا تھا - اُن کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماويہ کائنات کي ايسي ملکوتي ھستياں ھيں ' جنھيں تدبير و تصرف عالم کي تمام قوتيں حاصل ھيں - دنيا ميں جو کچھہ ھوتا ہے ' اُنھي کے عمل و تصرف سے ھوتا ہے - اِن ميں سات ستارے بڑے ديوتا ھيں ' اور سورج ان سب ميں بڑا ہے - آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنيا ميں پھيلے ھوئے ھيں ' يہ ھندوستان اور بابل ھي کي کواکب پرستي کا بقايا ھيں - اپنے پادشاھوں کي نسبت اُن کا بھي يہي اعتقاد تھا ' جو اُس عہد کي تمام قوموں کا رھچکا ہے - يعني وہ سورج ديوتا کے زندہ مظہر سمجھے جاتے تھے - ان کي تقديس بھي اُسي طرح کي جاتي تھي ' جيسي تمام ديوتاؤں کي کي جاتي تھي -

(۳) مکالمہ کے آخر ميں ہے : " فبھت الذي کفر " يعني جب حضرت ابراھيم نے دوسري دليل پيش کي تو مجادل کچھہ نہ کہہ سکا - ھکا بکا ھوکر رھگيا - مفسرين نے اس مکالمہ کو منطقي مناظرہ بنا ديا تھا - مناظرہ اور جدل کا ما حصل يہ ہے کہ مخاطب کو لا جواب کر ديا جاے - اس ليے انھوں نے " فبھت الذي کفر " کا مطلب يہ قرار ديا کہ حضرت ابراھيم کي دوسري دليل کے جواب ميں وہ کوئي بات نہ بنا سکا - اس ليے مبھوت ھو کر رھگيا - اس ميں کوئي شبہ نہيں کہ حضرت ابراھيم کي بات کا وہ کوئي جواب نہيں دے سکا تھا - اور شوخ چشمي اور کج بحثي کي جگہ اُس پر حيرانگي کي حالت طاري ھوگئي تھي ' ليکن يہ حيراني محض اس بات کا نتيجہ نہ تھي کہ وہ سخن پروري ميں لا جواب ھوگيا تھا - کيونکہ ابھي تفصيل کے ساتھہ آپ سن چکے ھيں کہ انبياء کرام کي مخاطبت بات ميں لا جواب کر دينے کے ليے نہيں ھوتي - يقين و ايمان کے ليے ھوتي ہے - پس اُس کے مبھوت ھو جانے کا سبب يہ تھا کہ حضرت ابراھيم کي دوسري بات اُس کے دل ميں اُتر گئي - پہلي بات پر تو اُس نے مجادلانہ کج بحثي کرکے جواب ديديا تھا - کيونکہ اپنے جہل و ضلالت کي وجہ سے اُسکي حقيقت سمجھہ نہ سکا تھا - ليکن دوسري بات اُسکي فکري اور اعتقادي استعداد کے مطابق کچھہ ايسي دل کو لگتي ھوئي تھي ' کہ سنتے ھي متاثر ھوگيا ' اور تير نشانہ پر لگ گيا - نتيجہ يہ نکلا کہ مبھوت ھو کر رھگيا - يعني وہ سچائي جسے اپني کور چشمي کي وجہ سے ابتک نہيں ديکھہ سکا تھا ' اب يکايک اُس کے سامنے چمک اُٹھي ' اور با وجود کمال تمرد اور ضلالت کے اُس ميں جھٹلانے اور شوخ چشمي سے کج بحثي کرنے کي جرأت باقي نہ رھي !

علم اور مسیحی کلیسا

کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات

برمنگهم کے بشپ کا کفر اور زندقه !

تهوڑا عرصه گزرا هے ' لندن سے ریوٹر ایجنسي نے یه خبر تمام دنیا میں مشهور کردي تهي که برمنگهم کے لارڈ بشپ نے ویست منسٹر میں تقریر کرتے هوئے ایسے خیالات کا اظهار کیا هے ' جس نے یورپ کے تمام کلیسائي حلقوں میں هلچل ڈالدي هے - اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعتراف کرلیا هے که پیدایش کائنات کا قدیم مسیحي اعتقاد (یعنے تورات کي کتاب پیدایش کا بیان) قابل ترمیم هے ' اور اب وقت آگیا هے که هم علمي تحقیقات کي مخالفت کرنے یا غلط مذهبي تاویلوں کے ذریعه تطبیق دینے کي ناکام کوششوں سے باز آجائیں - یعني تسلیم کرلیں که تورات کي کتاب پیدایش کا بیان ایک کهاني سے زیاده نهیں هے !

اس کے بعد ایک دوسرے واقعه کي خبر مشتهر هوئي - یهي بشپ جب سینٹ پال چرچ میں وعظ کررها تها تو اچانک ایک واقعه نے تمام مجلس میں اضطراب پهیلا دیا - ایک طرف سے تیز صدا اٹهي "یه بدعت و زندقه کا معلم هے " لوگوں نے جب اُس طرف نظر اٹهائي ' تو معلوم هوا ' پادري کینن ویبسٹر غیظ و غضب کي شدت سے بے قابو هوکر کهڑا هوگیا هے ' اور واعظ کے کفر و زندقه کا اعلان کر رها هے - اس پر غضب طریقه سے مجلس کو اپني طرف متوجه کرکے اُس نے بشپ پر لعن و طعن کي بوچهاڑ شروع کردي ' اور پهر یه کهکر که " ایسے زندیق کا وعظ سننا جائز نهیں " اپني جماعت کے ساتهه گرجے سے رخصت هوگیا !

پادري کینن ویبسٹر بشپ کے زندقه کا اعلان کرکے سینٹ پال سے واپس جا رها هے !

اب انگلستان کے اخبارات و رسائل میں اس معامله کي تمام تفصیلات آگئي هیں - در اصل یه معامله بهي اُسي سلسلۂ بحث کي ایک کڑي هے جو سر آرتهر کیتهه کي تقریر (مندرجۂ الهلال) سے تمام یورپ اور امریکه میں چهڑ گیا هے - بشپ اف برمنگهم کا نام ڈاکٹر بارنس هے - اُس نے اسي تقریر کا حواله دیکر اپنے خیالات ظاهر کیے تهے - معامله کا اهم اور دلچسپ پهلو یه هے که یه اعتراف برطاني کلیسا کے ایک بهت بڑے ذمه دار شخص کي زبان سے هوا هے - اُس نے بڑي دلیري کے ساتهه وه خیال علانیه ظاهر کردیا ' جو آج هزاروں لاکهوں عیسائیوں کے دلوں پر ثبت هے !

یقیناً قارئین الهلال خواهشمند هونگے که بشپ کي تقریر سے واقفیت حاصل کریں - هم اختصار کے ساتهه اُس کا خلاصه درج کردیتے هیں -

بشپ نے تقریر کرتے هوئے کها :

" اِس عهد کے انسانوں سے میں کیا کهوں ؟ کیا یه کهوں که قدیم عقیده هي پر اُستوار رهو ؟ هرگز نهیں - میں اُن سے جو کچهه کهه سکتا هوں ' وه اِس کے سوا کچهه نهیں هے که حق کي تلاش کرو - خوش هو ' کیونکه تم ایک ایسي صدي کي مخلوق هو ' جو اپني علمي ترقیوں کي وجه سے تاریخ کي سب سے زیاده عظیم الشان صدي هے - میں اُن سے کهتا هوں ' جدید انکشافات کا خیر مقدم بجا لاؤ - علماء عصر کي تعظیم کرو - لیکن ساتهه هي یه بهي یاد رکهو که اِس تمام علمي ترقي کے پیچهے هم برابر ایک کثیف پرده پڑا دیکهتے هیں - یه پرده ' زندگي کے تمام بنیادي مسائل کو اپنے اندر چهپائے هوئے هے ' اور هماري نظروں کو اُن کي حقیقت معلوم کرنے سے روک رها هے - تم پر فرض هے که اِن مسائل سے قریب تر هو - تمهارا قلب ایمان سے لبریز هو جائے - تمهاري رهبر ' عقل هو ' نه که خوش اعتقادي - اگر تم ایسا کروگے ' تو تمهارا ایمان اُن دونوں جماعتوں سے مختلف هوگا جن میں سے ایک نے مغرورانه انکار کي اور دوسري نے جاهلانه خوش اعتقادي کي غلطي کي هے ! "

" سر آرتهر کیتهه کے خطبه کے بارے میں همیں کیا کرنا چاهیے ؟ مذهب نشوء و ارتقاء کے مقابله میں همارا مسلک کیا هونا چاهیے ؟ کیا هم حقیقت کو جدل کے موٹے پردوں میں چهپا دیں ؟ میں تم سے آج یه کهنا چاهتا هوں که تم اِس روشن زمانے کي مخلوق هو کر حقائق سے تجاهل نهیں برت سکتے ! "

" کیا همارے لیے یه جائز هے که لوگوں کي عقلوں میں شک پیدا کردیں ' حالانکه یهاں شک کا کوئي موقعه هي نهیں ؟ کیا یه مناسب هے که مسیحي عقائد کي تاریخ محض اس لیے بدل دي جائے که ڈارون کا مذهب نیا نهیں هے ' پرانا مذهب هے ؟ یا یه مناسب هے که جدید حقائق تسلیم کرتے هوے حقیقت کا صاف صاف اعتراف کرلیں ' اور تسلیم کرلیں که مسیحي عقائد کي بعض تقلیدي آراء قابل تبدیل هیں ؟ "

" میرے خیال میں آخري تجویز بهتر اور مناسب هے - آؤ ' هم بے خوف و خطر حقائق کا ویسا هي خیر مقدم کریں ' جیسا که وه علمي حلقوں میں اپنا خیر مقدم دیکهه رهے هیں - تمام اهل علم متفق هیں که انسان نے بندر کي ایک قسم سے ترقي کي هے ممکن هے ' انسان کي یه ترقي دس لاکهه برس پهلے شروع هوئي هو - تمام حیواني اصلوں نے مختلف سمتوں میں ترقي کي هے ' لیکن انسان کي حقیقي ترقي اُس کے دماغ اور فکري مرکزوں میں واقع هوئي هے - اسي لیے وه اپنے هم جنس حیوانوں پر بازي لیگیا - بندر کي دوسري قسموں نے اور قسم کي ترقي کي - چنانچه

بريد فرنگ

يورپ كا ايك نيا نقشه

تجارت كي حفاظت اور آزادي كا حصار

مطالب كے بيان و تفهيم كا ايك موثر ذريعه

بحث طلب مطالب پر تقرير كرتے هوئے مقرر اور مدرس عموماً شمار و اعداد كي جدولوں يا تناسب كے رنگوں اور نقشوں سے كام ليا كرتے تهے - پهر ميجك لينٹرن استعمال كيا جانے لگا - ايسے مطالب جن كے فهم ميں تصاوير كا معائنه مدد ديتا تها ' فانوس كي تصويروں كے ذريعه ذهن نشين كيے جاتے تهے - حال ميں سينما كي ايجاد نے بهي ايك زياده موثر اور اصليت نما ذريعه بهم پهنچا ديا هے - امريكه ميں بحث و تقرير كے بے شمار كام ' سينما كا اُسي طرح استعمال كرتے هيں ' جس طرح عام طور پر ميجك لنٹرن استعمال كيا جاتا هے -

ليكن جو طريقه حال ميں سر آرتهر كلاير ماريسن نے مجلس اقوام كے سامنے تقرير كرتے هوئے تمثيل مطالب كے ليے اختيار كيا تها ' وه ان تمام طريقوں سے جدا گانه قسم كا هے ' اور چونكه نهايت آسان اور ساده قسم كا هے ' اس ليے نهايت درجه پسند كيا گيا هے - اُن كي تقرير كا موضوع يه تها كه تجارت كي آزادي اور بندش كے لحاظ سے اِس وقت يورپ كي مختلف قوموں كا حال كيا هے ؟ اور كس طرح يهي چيز آينده ايك بين الاقوامي جنگ كا دروازه كهول دينے والي هے ؟ اس حقيقت كي وضاحت كے ليے انهوں نے يورپ كا ايك نقشه اس طرح كا طيار كرايا ' كه سرحد كے خطوط كي جگه حصار كي ديواريں كهڑي كر دي گئيں ' اور تمام يورپ ٹيڑهي سيدهي چار ديواريوں كا مجموعه بن گيا - نقشه كے بننے كے بعد جب اُس پر نظر ڈالي گئي ' تو معلوم هوا ' جو حقيقت ايك بهت بڑي كتاب لكهكر بهي واضح نهيں كي جاسكتي تهي ' اب وه صرف اس نقشه پر ايك نگاه ڈال لينے سے سامنے آجاتي هے - جنيوا كے پچهلے اجلاس كے موقعه پر يه نقشه حاضرين كے معائنه كے ليے ايك نماياں موقعه پر ركهديا گيا تها -

اِس نقشه كا عكس آپكے سامنے هے - اگر يورپ كا نقشه آپكے كمرے ميں آويزاں هے ' تو پہلے اُس پر ايك نظر ڈال ليجيے - پهر اِسے ديكهيے - يه ٹهيك وهي نقشه هے - فرق صرف اسقدر هے كه اُس ميں حدود كي وضاحت كيليے لكيريں كهينچ دي گئي هيں - اِس ميں لكيروں كي جگه ديواريں كهڑي هيں - يه ديواريں كيا هيں ؟ تجارت كي حفاظت كي ديواريں هيں جنهوں نے هر قوم كو دوسري قوم كا دائمي رقيب بنا ديا هے - فوجي اور ملكي حفاظت كے اعتبار سے بهي ديكها جاے ' تو يهي ديواريں متقابل دشمنوں اور حريفوں كو ايك دوسرے كے كچل ڈالنے سے روك رهي هيں - يه ديواريں كب تك قائم رهينگي ؟ سر آرتهر كهتے هيں " انهيں توڑ دو " ليكن اگر انسان اِسكے ليے آماده نه هوا ' تو عجب نهيں ' قدرت كي خانه بر اندازياں خود هي انهيں توڑ كر تمام يورپ كو ايك كهلي زمين كي شكل ميں منقلب كر ديں !

خريداران الهلال

توجه فرمائيں

جن جن حضرات سے چهه ماه كي قيمت وصول هوئي تهي ' اُن كا حساب الهلال نمبر (۲۴) پر ختم هو جايگا - يعني آئينده نمبر سے بعد كے نمبر پر - اگر وه آئينده بهي الهلال كا مطالعه جاري ركهنا چاهتے هيں ' تو دفتر نهايت شكر گزار هوگا اگر وي - پي كي درخواست كي جگه وه بذريعه مني آرڈر قيمت روانه كر ديں - وي - پي كي رقم وصول هونے ميں بهت تاخير هوتي هے ' اور اسليے پرچه كے مسلسل اجراء ميں خلل واقع هوجاتا هے - اگر وه ايك هفته كے اندر قيمت بذريعه مني آرڈر بهيج ديں تو رجسٹر ميں نمبر ۲۴ كے بعد سے اُنكي جديد خريداري كا اندراج هو جائے ' اور پرچه كي ترسيل بغير كسي انقطاع كے جاري رهے -

يه كهنا ضروري نهيں كه نئي شش ماهي جلد سے الهلال كا نيا دور حيات شروع هوگا ' اور وه اس حالت سے بالكل مختلف هوگا ' جس حالت ميں اس وقت تك نكلتا رها هے -

منيجر

تاریخ و عبر

تاریخ جنگ صلیبی کا ایک صفحہ

عربوں کے آتش بار اسلحہ

لوئی نہم کے مورخ کا چشم دید بیان

صلیبی جنگوں میں سب سے بڑی جنگ ساتویں جنگ تھی۔ یہ معلوم ہو کہ ان جنگوں میں مصر پیش پیش تھا، بلکہ اُسی پر پورا بار تھا۔ لہذا صلیبی مجاہدوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے خود مصر پر حملہ کردینا چاہئے۔ چنانچہ لوئی نہم شاہ فرانس کی زیر قیادت ایک عظیم فوج یورپ سے روانہ ہوئی اور ساحل "دمیاطہ" پر اُتار دی گئی جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہو۔

اس جنگ کی ایک مستند تاریخ انوِل کی یادداشتوں میں ملتی ہو۔ یہ شخص لوئی نہم کا مصاحب اور اُس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دمیاط کی جنگ میں یہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا۔ اُس کے بیانات چشم دید ہیں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے لوئی دہم کا بھی مصاحب تھا۔ اُسنے بیوہ ملکہ کے حکم سے یہ کتاب لکھی تھی جیسا کہ دیباچہ میں ظاہر کیا ہو۔

یہ کتاب اُس عہد کی تاریخ کے لئے ایک نہایت قیمتی دستاویز ہو۔ تاریخ کی خوش قسمتی سے یہ ضائع نہیں ہوئی، اور شاہی کتبخانہ میں محفوظ رہی۔

انوِل کے بیان میں سب سے اہم واقعہ، مصری فوجوں کی جنگی استعداد اور آتشی مادوں کی صلیبیوں پر بارش ہو۔ ان آتشی مادوں کو مورخ "یونانی آگ" سے تعبیر کرتا ہو۔ اس تعبیر کی بنیاد یہ ہو کہ یہ آگ فی الحقیقت یونانیوں ہی کی ایجاد ہو۔ قسطنطنیہ کی بیزنطینی سلطنت سب سے پہلے اس سے واقف ہوئی، اور صدیوں تک بطور ایک راز کے محفوظ رکھا۔ یہی وہ بے پناہ اسلحہ تھا جس کے ذریعہ اُسنے ۶۷۳ء (۵۳ھ) میں عربوں کو شکست دی تھی جنھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

بیزنطینیوں کو اس آتشی مادے کا پتہ قسطنطین چہارم کے عہد میں لگا یعنی ساتویں صدی عیسوی میں، اور تقریباً ... برس تک تنہا وہی استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گیارھویں صدی کے اواخر میں عربوں نے کسی ذریعہ سے اس کی حقیقت معلوم کرلی اور اپنی جنگوں میں استعمال کرنے لگے۔ جس طرح اس آگ نے بیزنطینیوں کے مقابلہ میں عربوں کو نقصان پہنچایا تھا، اُسی طرح عربوں کے مقابلہ میں صلیبیوں کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ عربوں نے اس اسلحہ کو قدیم یونانی طریقہ سے زیادہ مکمل اور دُور رس بنا دیا تھا۔

۱۲۴۹ء (۶۴۷ھ) میں صلیبی، دمیاط کی سرزمین پر اُترے

یہ زمانہ، ملک صالح بن کامل کی حکومت کا تھا۔ بادشاہ اُسوقت بیمار تھا۔ لوئی نہم نے اُسے سخت تہدید آمیز خط لکھا، اور مسیحی قوموں کے نام پر مطالبہ کیا کہ مصر اُس کے حوالہ کر دیے۔ مصری بادشاہ نے قاضی بہاء الدین زہیر سے جواب لکھوایا۔ یہ تاریخی جواب تاریخ کے صفحات میں اب تک محفوظ ہو!

ملک صالح کی بیماری کی وجہ سے دمیاط کی مدافعت نہیں کیجا سکی اور صلیبیوں نے اُسپر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر مقام منصورہ میں جمع ہوا، اور بادشاہ کی وفات کے بعد ہی حملہ شروع کر دیا۔ اس حملہ میں سب سے زیادہ خوفناک حربہ وہی "یونانی آگ" تھی، جس کی ہولناکی کا حال ہم اس مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہی:

"ایک رات جبکہ ہم اپنے برجوں کی حفاظت میں سرگرم تھے، مسلمان میدان جنگ میں ایک ایسا آلہ لائے، جسے اب تک اُنھوں نے استعمال نہیں کیا تھا۔ پھر اس آلہ کے ذریعہ یونانی آگ برسانا شروع کر دیا۔ آقائے نامدار والٹر دو کیرتی نے، جو میرے قریب ہی کھڑے تھے، یہ دیکھ کر کہا:

"بھائیو! اسوقت ہم ایک ایسے خطرے کے سامنے ہیں، جیسا ہمیں کبھی پیش نہیں آیا۔ اگر مسلمانوں نے ہمارے برجوں میں آگ لگا دی تو بڑی ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر ہم یہاں ٹھہرے رہیں گے تو جل کر خاک سیاہ ہو جائیں گے۔ اگر ہٹ جائیں گے تو قلعے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، اور ابد الآباد تک ہماری ذلت و رسوائی ہو جائے گی۔ لہذا اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اپنے چہروں کے بل گر پڑیں، اور اُس سے عزت و سلامتی کی دعائیں کریں۔ صرف وہی ہمیں بچا سکتا ہو"

چنانچہ [illegible] اس دانشمندانہ رائے پر عمل [illegible] ہم پر آگ کی پہلی بارش ہوئی، دو برجوں کے سامنے [illegible] تو ہم نے خداوند کے حضور سجدہ کیا اور [illegible] کرنے لگے۔ [illegible] کھڑے تھے، اور بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

یونانی آگ کی کیفیت [illegible] سیدھی نکلتی ہو۔ جیسے نیزے کی طرح [illegible] اُس کے پیچھے ہوتی ہو۔ اُس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح خوفناک ہوتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہو جیسے کوئی ہوائی درندہ ہوا میں اُڑتا چلا آتا ہو۔ روشنی اتنی تیز ہوتی ہو کہ رات کی تاریکی میں [illegible] نکل آتا ہو۔ مسلمانوں نے ہم پر

یہ آگ اُس رات تین مرتبہ بڑے بڑے آلوں سے پھینکی اور چار مرتبہ چھوٹے آلوں سے۔

ہمارا مقدس بادشاہ جب سنتا کہ یونانی آگ آرہی ہو تو اپنے فرش سے اُترکر زمین پر کھڑا ہو جاتا اور ہمارے نجات دہندہ خداوند مسیح کی طرف ہاتھ اُٹھا کر چلاتا "اے آقا! معبود عظیم! اپنے خادموں کو بچا لے!" مجھے یقین ہو کہ بادشاہ کی دعاؤں سے ہمیں بہت فائدہ پہونچا۔ جب جب آگ آکر گرتی تھی، یہ مقدس بادشاہ فوراً آدمی بھیجکر معلوم کرتا تھا کہ آگ نے کیا کیا اور ہماری حالت کیا ہو؟

ایک رات ایسا ہوا کہ آگ اُس برج کے قریب آکر گری جس کی حفاظت ایک افسر دی کورتنی نامی کے ذمہ تھی۔ فوراً ایک سوار دوڑ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا "اگر آپ فوراً مدد پر نہیں آئیں گے تو ہم سب جل کر راکھ ہو جائینگے۔ کیونکہ مسلمانوں نے بہت بڑی تعداد میں آگ پھینکنا شروع کر دی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ہوا میں آگ کا دریا ہم پر اُمڈا چلا آتا ہو!"

میں دوڑ کر گیا۔ واقعی سوار کا بیان بالکل درست تھا۔ ہم نے فوراً آگ بجھادی۔ لیکن ابھی ہم فارغ ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے پھر بڑی شدت سے آتش باری شروع کر دی۔

بادشاہ کے بھائی، دن کے وقت برجوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ برجوں پر چڑھ گئے تاکہ مسلمانوں پر تیر برسائیں۔ بادشاہ نے یہی طے کیا تھا کہ رات کو برجوں کی حفاظت ہم لوگ کریں اور دن کو شاہ سسلی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شاہ سسلی پہرے پر تھا۔ اچانک مسلمانوں نے اپنی منجنیقوں سے بہت سخت حملہ کر دیا اور تمام برج تقریباً توڑ ڈالے۔ اُنھوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ دن دوپہر کو یونانی آگ کے آلے بھی نصب کر دیئے۔ حالانکہ اب سے پہلے ہمیشہ رات ہی کو اُن سے کام لیتے تھے۔ اب آگ برسنے لگی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پل کے قریب بھی منجنیقیں لگا دیں۔ پل، مزدور بنا رہے تھے۔ اب یہ حالت ہوگئی کہ کوئی آدمی نہ پل کے قریب جا سکتا تھا، نہ برجوں کے قریب پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف بہت بڑے بڑے پتھر برس رہے تھے۔ دوسری طرف آگ کا طوفان برپا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برج جل گئے۔ شاہ سسلی غصہ سے کانپنے لگا۔ آگ بجھانے کے لئے وہ خود آگ کے اندر کودنا چاہتا تھا مگر اُسے پکڑ لیا گیا!

بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو تمام سرداروں کو درخواست کی کہ تھوڑی تھوڑی لکڑی اپنے جہازوں سے منگا دیں تاکہ ایک نیا برج طیار کیا جائے، اور نہر کو عبور کیا جا سکے۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ برج اُسوقت چلایا جائے جب شاہ سسلی کی باری ہو، تاکہ پہلی شکست کا غم اُس سے دُور ہو جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا، اور برج اُس مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں دوسرے برج جل گئے تھے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اپنی ۱۶ منجنیقیں نصب کر دیں اور ایک وقت سب کے دہانے کھول دیے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ ہمارے آدمی خوف زدہ ہو گئے ہیں تو فوراً یونانی آگ برسانا شروع کر دی، اور نیا برج بھی جل کر راکھ ہو گیا!!

اسی طرح یہ مورخ بڑی تفصیل کو دوسرے تمام معرکوں [illegible] بھی [illegible] یونانی آگ [illegible] ذکر کرتا رہتا ہو کہ اس [illegible] مطابق ایک مرتبہ یہ آگ بڑے مسیحی لشکر پر پھیل گئی تھی [illegible] بادشاہ کا خیمہ بھی جلا ڈالا تھا!

مشرق میں بیزنطینیوں کے بعد سب سے پہلے مصر اور شام [illegible] مسلمانوں نے یہ آگ استعمال کی۔ پھر دوسری اسلامی [illegible] نے بھی اسے معلوم کر لیا۔ چنانچہ طولس اور مراکش [illegible]

بتدریج شمپانزي ' گوریلا ' اورانگ ' اور اوتان کي قسموں نے ظہور کیا - یہ تمام بندر انسان کے قریبی عم زاد ھیں - علماء اِس ترقي کي جزئیات میں کتنا ھي مختلف ھوں ' لیکن کوئي در مستند عالـم بھي اِس معاملہ میں اختلاف نہیں رکھتے کہ انسان نے بندر ھي سے ترقي کي ھے - اور یہ ' کہ یہ ترقي ایک مسلم و ثابت حقیقت ھے - ڈاروین کا مذھب پچاس برس سے موجود ھے اور پوري طرح صحیح ثابت ھو چکا ھے ... "

" علم الحیات کے مباحث سے ثابت ھو چکا ھے کہ شر اور برائي کا میلان انسان کي طبیعت میں فطري ھے ' اور یہ اُس نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پایا ھے - یہ بالکل یقیني ھے کہ انسان ' ایک حیوان ھي ھو ' اور اپنے اعضاء اور روح میں بتدریج ترقي کرکے خالص حیوانیت سے اِس درجہ تک پہنچ گیا ھو - وہ کوئي دیوتا نہ تھا ' جو طہارت و تقوي کے لباس میں ملبوس ' آسمان سے زمین پر اتر پڑا ھو - انسان کي روحي ترقي ھي نے اُسے باقي تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا ھے "

" ھمیں ھمیشہ حق کي جستجو میں لگے رھنا چاھیے - جب کبھي کسي حقیقت پر سے پردہ اٹھے ' تو قدیم سے قدیم تقلیدي خیال کے بھي ترک کر دینے میں ھمارے اندر کوئي پس و پیش نہیں ھونا چاھیے ' اور نہ اس تبدیلي پر کسي طرح کا رنج محسوس کرنا چاھیے "

جب کبھي کوئي حقیقت ظاھر ھوتي ھے ' تو ایک خاص قسم کے لوگ چلا اٹھتے ھیں : " ایمان خطرے میں پڑ گیا ھے ! "

" لیکن میرا تاریخي مطالعہ مجھے بتاتا ھے کہ ایمان صرف اُس وقت خطرے میں ھوتا ھے ' جب عقل قید کر دي جاتي ھے ' اور دماغ پر مہر لگا دي جاتي ھے - بعض لوگ کہتے ھیں " ھمیں مسیحي حقائق کو اُسي طرح محفوظ رکھنا چاھیے ' جس طرح ھمارے عقائد چلے آتے ھیں " لیکن میں من گھڑت حقائق کے وجود سے اپني لا علمي کا صریح اعلان کرتا ھوں - بعض لوگ کہتے ھیں " جدید خیالات کفر و الحاد ھیں " لیکن میں کہتا ھوں " آج کا کفر ممکن ھے ' کل کا ایک راسخ دیني عقیدہ بن جائے ! "

" تمام وہ مسیحي جو تقلیدي بندشوں سے آزاد ھیں ' [illegible] میں یہ مذھب نشو و ارتقاء اور حقیقي مسیحي تعلیم میں [illegible] نزاع نہیں ھے - کیونکہ خدا اپني قدرت تدریجي ترقي میں بھي اُسي طرح ظاھر کر سکتا ھے ' جس طرح فوري [illegible] میں "

یہ پہلا موقعہ نہیں ھے کہ اِس موضوع پر اِس [illegible] سے اظہار [illegible] ھے - [illegible] خیالات [illegible] اُس زمانے میں امریکہ کے پروفیسر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

" [illegible] مذھب [illegible] [illegible] ممنوع [illegible] ھے ' [illegible] مذھب ھے - [illegible] کي مخالفت [illegible] جماعت [illegible] علم کي اشاعت روکے - میں [illegible] مسیحي ھونے [illegible]

سے ھر ایسي تحریک کو انتہائي رنج و غم سے دیکھتا ھوں ' جو مسیحي دین کو معقول بنیادوں پر استوار کرنے سے روکتي ھے "

" بے شمار دلائل سے ثابت ھو چکا ھے ' اور متمدن دنیا میں ھر مستند عالم اِس کا اعتراف کر رھا ھے ' کہ انسان نے ایک ایسي مخلوق سے ترقي کي جو بندر سے مشابہ تھي ' انگلستان میں ھر روشن خیال مسیحي کا اعتقاد یہي ھے - یہاں کے تمام مشاھیر لاھوتي علماء بھي اِسي راے کو خیال صحیح سمجھتے ھیں - یہ اعتراف مسیحیت کو اور بھي زیادہ مستحکم کر دے گا - کیونکہ یہ اُس روحاني اساس کو جو ھم مسیح سے اخذ کرتے ھیں ' اس درجہ معقول بنا دیتا ھے کہ کوئي بھي اُس سے انکار نہیں کر سکتا "

" ھم کتنا ھي انکار و مغالطہ کام میں لائیں ' مگر مسیح کي تعلیمات سے جو عہد جدید میں موجود ھیں ' ھرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ عہد قدیم کي کتاب پیدائش حرف بحرف صحیح ھے - لوگ یہ بھول گئے کہ کتاب مقدس روحي حقائق کا خزانہ ھے ' نہ کہ تعلیم و تدریس کي کوئي علمي کتاب ھے - لوگ یہ مسیحي عقیدہ بھي بالکل بھول گئے کہ " روح القدس برابر لوگوں کي عقلیں وسیع کرتي رھیگي تا کہ وہ حق تک پہنچ سکیں " یہ لوگ حق کے جاننے سے ڈرتے ھیں ' کیونکہ سمجھتے ھیں ' حق کے اعتراف سے مسیحي عقیدہ کمزور ھو جائے گا - مگر یہ اُن کي غلطي ھے - علم کي اِس مقاومت کا نتیجہ اِس کے سوا اور کچھہ نہیں ھو سکتا کہ ھزار ھا طالب علم ' مسیحیت کے دائرے سے یہ یقین کرتے ھوے نکل جائیں کہ مسیحیت کي بنیاد سراسر جہل و خرافات پر ھے ! "

کمیونزم یا اشتراکیت

کمونیزم کے مداحوں کے بعض اقوال

اشتراکیت کا مطمح نظر ' خیر مشترک ھے (نارمن انجل)

اشتراکیت کي سب سے بہتر مجمل تعریف یہ ھے کہ وہ سوسائٹي کے مادي اقتصادي قوی کو منظم کر کے انساني قوی کے [illegible] ([illegible])

اشتراکیت کي [illegible] کچھہ نہیں ھے کہ انساني [illegible] ایک نیا عالمگیر [illegible] ([illegible])

اشتراکیت [illegible] کي عملي صورت ھے - ([illegible])

عملي اشتراکیت [illegible] ھے - یعني عالمگیر انساني تعاون [illegible] (رابرٹ)

اشتراکیت [illegible] ھے جس [illegible] دنیا کي [illegible] نہیں [illegible]

اشتراکیت [illegible] پر منظم کر دیگي ' کہ ھر آدمي مخصوص [illegible] سے پوري نوع انساني کي خدمت کر رھا ھے [illegible]

اشتراکیت کا [illegible] نظام جمہوري کے ساتھہ زمین اور سرمایہ کو [illegible] (برٹرنڈ رسل)

	درآمد
مجموعی درآمد:	″

تفصیل

ریلوے کا سامان	۱۸۹۱۰۶۰۰۰
ظروف	۶۵۲۹۳۰۰۰
سوت	۷۱۳۴۲۷۰۰۰
ریشم	۳۳۵۴۰۰۰
خام ریشم	۱۵۷۸۸۰۰۰
شکر	۲۷۵۰۲۸۰۰۰
غلہ اور آٹا	۵۴۳۲۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، رنگ اور سمیات وغیرہ	۶۲۰۸۸۰۰۰
روغن، سبزی اور مویشی	۹۳۵۱۱۰۰۰
کاغذ	۳۰۳۴۷۰۰۰
شیشہ اور مٹی کا سامان	۵۱۲۷۰۰۰
صابن	۱۳۲۴۸۰۰۰
تمباکو	۲۲۶۱۸۰۰۰
دیاسلائی	۲۲۶۱۸۰۰۰
شراب	۳۵۴۸۷۰۰۰

مجموعی برآمد: برآمد ۲۹۹۱۹۱۹۰۰۰ روپیہ

تفصیل

روئی	۷۱۰۹۹۱۰۰۰
جوٹ	۶۳۱۲۴۰۰۰
سوت	۱۳۱۵۹۳۰۰۰
اون خام	۴۴۱۴۳۰۰۰
غلہ اور آٹا	۵۳۰۰۰۰۰۰
چائے	۲۲۰۳۰۰۰۰۰
خام چمڑا	۵۷۰۶۰۰۰۰
مدبوغ چمڑا	۵۰۵۷۱۰۰۰
بیج	۲۷۳۵۳۸۰۰۰
لیس	۱۰۲۶۵۲۰۰۰
روغن، سبزی وغیرہ	۳۱۹۰۱۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، سمیات اور دوائیں	۳۵۱۳۰۰۰
ابرک وغیرہ	۵۸۶۴۰۰۰۰

دُنیا کے بڑے بڑے تجارتی ملکوں کی تجارت کا تناسب

سنہ ۱۹۲۲ء میں

(بحساب ملین پونڈ۔ ایک ملین، دس لاکھ کا ہوتا ہے)

ملک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰/۳	۱۵/۶	~~۱۱۱/۹~~ ۷۵/۹
کوبا	۷۳/۱	۴۰/۷	۱۱۳/۸
برازیل	۶۸/۶	۴۸/۶	۱۱۷/۲
ڈنمارک	۵۸/۷	۱۷/۱	~~۱۲۹/۸~~ ۷۵/۸
سویڈن	۶۸/۰	۶۸/۷	۱۳۶/۷
آسٹریا	۴۳/۶	۶۶/۳	۱۰۹/۹
زیکوسلاویا	۹۱/۶	۶۴/۷	۱۵۶/۳
اسپین	۵۰/۸	۱۰۶/۲	۱۵۷
سوئٹزرلینڈ	۷۶/۲	۸۲/۸	۱۵۹
میکسیکو	۹۷/۰	۴۷/۹	۱۴۴/۹
ڈچ ایسٹ انڈیز	۹۹/۳	۶۵/۸	۱۶۴/۱
آسٹریلیا	۱۲۷/۸	۱۰۳/۱	۲۳۰/۹
روس	۸/۶	۲۹/۳	۳۷/۹
بلجیم	۱۰۵/۰	۱۵۷/۲	۲۶۲/۲
ارجنٹائن	۱۲۴/۷	۱۳۹/۴	۲۶۴/۱
اٹلی	۱۰۳/۸	۱۷۰/۶	۲۷۴/۴
ہالینڈ	۱۰۵/۴	۱۶۹/۲	۲۸۱/۶
چین	۱۲۲/۸	۱۷۷/۲	۳۰۰/۰
کینیڈا	۱۹۸/۲	۱۷۰/۸	۳۶۹/۰
جاپان	۱۷۹/۵	۲۰۷/۳	۳۸۶/۸
جرمنی	۱۹۴/۳	۳۰۳/۵	۴۹۷/۸
فرانس	۳۷۷/۹	۴۷۳/۵	~~۸۱۵/۴~~ ۸۵۱/۴
ولایات متحدہ امریکہ	۸۶۶/۰	۸۲۸/۰	۱۶۹۴/۰
برطانیہ	۸۲۳/۲	۱۰۰۳/۱	۱۸۲۶/۳
ہندوستان	۱۸۰/۹	۱۵۷/۴	۳۳۸/۳

چاول

دنیا میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۲ء)

ملک	رقبہ بحساب ایکڑ
ہندوستان	۸۰۷۸۷۰۰۰
بلغاریہ	۱۰۰۰۰
مصر	۲۳۱۰۰۰
فارموسا	۱۳۱۰۰۰۰
اٹلی	۳۴۰۰۰۰
انڈو چائنا	۱۱۷۸۲۰۰۰
جاپان	۷۶۹۹۰۰۰
اسپین	۱۱۶۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۸۹۲۰۰۰

برطانی ہندوستان میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۴ء)

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
بنگال	۲۰۸۶۸۷۰۰	۴۹۰۸۰۰۰
مدراس	۱۰۸۷۰۲۴۰	۴۹۰۸۰۰۰
بمبئی	۳۰۶۲۵۷۷	۱۳۹۶۰۰۰
یوپی	۷۱۰۵۴۱۷	۲۲۷۵۰۰۰
پنجاب	۷۷۹۶۲۷	۲۲۷۰۰۰
بہار اوڑیسہ	۱۴۵۴۲۰۰۰	۶۰۲۳۰۰۰
برما	۱۲۱۱۲۲۹۶	۵۰۶۷۰۰۰
سی پی اور برار	۵۱۷۱۳۰۸	۱۱۷۴۰۰۰
آسام	۴۶۸۳۳۱۷	۱۵۰۷۰۰۰

ہندوستان میں چاول کے کارخانے

برما	۳۱۹	کارخانے
مدراس	۱۳۰	″
بنگال	۶۲	″

چاول کی برآمد

ہندوستان سے سالانہ تقریباً ۲ کرور من چاول باہر چلا جاتا ہے۔

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۴)

برطانی ہندوستان کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴و۲۵ء میں

مد	مجموعی آمدنی	مجموعی خرچ
چنگی	۴۵۷۵۳۱۵۱۶	۷۷۱۲۲۹۰
انکم ٹیکس	۱۶۰۱۴۸۲۵۳	۶۰۳۷۵۳۱
نمک	۷۳۹۰۴۸۶۰	۱۲۰۲۰۷۲۰
افیون	۳۷۹۷۶۱۷۷	۲۳۵۵۷۱۲۷
لگان	۳۷۸۰۷۴۸	۱۱۲۶۶۹۵
شراب	۴۱۹۹۲۳۹	۲۲۸۲۰۶
سٹیمپ	۲۶۸۹۶۸۹	۱۱۹۷۸۷
جنگل	۱۹۱۴۶۹۸	۳۱۱۶۱۶۶
رجسٹریشن	۱۶۴۳۹۲	۲۹۰۵۳
ہندوستانی ریاستوں کا خراج	۸۲۴۴۳۸۴	......
ریلوے	۳۶۹۲۶۸۷۱۰	۳۰۴۴۵۳۰۱۵
آب پاشی	۱۰۹۱۹۲۵	۲۱۴۳۷۵۱
ڈاک اور تار	۱۱۳۵۰۸۷	۳۷۷۲۱۸۰
سود	۳۳۱۰۰۲۶۵	۱۸۶۸۲۲۸۵۷
شہری انتظام	۷۳۹۷۵۳۳	۱۰۱۲۵۹۱۰۳
ٹکسال اور شرح مبادلہ	۳۹۹۳۲۸۹۴	۷۱۴۱۰۷۹
رفاہ عام	۱۳۲۱۲۶۳	۱۷۷۷۲۸۷۵
متفرقات	۴۵۸۹۶۷۱	۴۳۵۳۱۸۶۱
فوج	۴۰۳۱۱۶۵۹	۵۹۶۶۵۱۸۷۷
صوبوں کا خراج	۸۷۴۴۶۸۱۳	......
میزان کل	۱۳۷۵۴۶۸۱۱۹	۱۳۱۸۴۹۲۴۳۱

صوبوں کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴و۲۵ء میں

صوبہ	آمدنی	خرچ
مدراس	۱۲۷۹۰۳۱۵۸	۱۳۰۸۵۰۴۷۲
بمبئی	۱۴۹۹۱۷۶۷۱	۱۴۷۲۵۶۷۹۱
بنگال	۱۰۳۴۲۳۷۱۰	۹۷۶۰۱۷۳۸
یوپی	۹۹۹۵۳۱۱۵	۱۰۳۲۴۹۰۷۸
پنجاب	۹۷۷۷۱۸۴۰	۷۹۷۳۴۷۹
برما	۹۸۵۷۶۲۳۹	۹۸۶۷۳۵۵۵
بہار و اڑیسہ	۵۳۶۵۳۳۶۷	۵۱۳۱۲۳۹۲
سی پی	۵۲۵۳۴۲۱۰	۴۸۲۵۵۵۴
آسام	۲۳۰۴۸۶۶۱	۲۰۰۲۸۷۵۳

ہندوستانی صوبوں کی شراب اور منشی اشیار میں سرکاری آمدنی، سنہ ۱۹۲۵ء میں

صوبہ	شراب کی دکانیں	دیگر منشی اشیار کی دکانیں	آمدنی شراب	آمدنی منشیات
صوبہ سرحدی	۷۴	۱۸۲	۲۳۷۵۳۵	۳۰۰۶۴۳
مدراس	۱۹۸۷۸	۱۰۲۸	۴۴۵۸۳۰۹۱	۴۱۰۹۸۷۶
بمبئی	۶۲۱۰	۱۶۰۹	۳۵۰۶۵۷۵۴	۵۹۸۰۴۶۰
بنگال	۳۵۵۸	۲۳۸۹	۱۳۳۴۵۶۲۲	۸۰۵۷۲۳۷
یوپی	۴۳۳۹	۲۹۴۶	۷۵۲۷۵۲۹	۵۹۳۶۲۳۴
پنجاب	۱۵۲۵	۱۱۷۸	۷۴۷۸۸۳۹	۴۴۵۴۳۱۲
برما	۱۲۵۶	۱۲۳	۷۶۹۹۸۶۸	۳۶۸۱۷۳۹
بہار و اڑیسہ	۷۹۳۹	۲۳۰۷	۱۱۷۳۶۴۳۵	۵۸۵۹۲۶۰
سی پی اور برار	۲۲۵۴	۲۰۱۹	۱۰۵۵۸۶۰۷	۴۳۸۱۳۷۱
آسام	۳۰۸	۵۵۵	۱۸۹۸۱۵۴	۴۷۲۴۹۰۱
دہلی	۲۲	۱۹	۱۳۵۰۳۰	۲۵۲۵۰۸
کورگ	۸۱	۱۰	۲۷۲۸۹۱	۱۶۴۲۴

برطانی ہندوستان میں نمک کی سرکاری آمدنی

صوبہ	سنہ ۲۱و۲۲	سنہ ۲۲و۲۳	سنہ ۲۳و۲۴	سنہ ۲۴و۲۵
شمالی ہندوستان	۱۸۴۷۶۵۷۲	۱۳۹۴۸۸۲	۳۱۸۰۶۸۹۹	۱۰۷۰۵۳۶۸
بلوچستان	۱۸۵	۱۲۰	۳۱۰	۳۶۲
مدراس	۱۳۹۰۱۷۶۴	۱۵۱۷۵۹۷۵	۲۱۳۶۲۹۹۶	۱۸۹۹۱۷۲۷
بمبئی	۱۲۱۳۵۵۹۶	۱۲۲۲۰۷۴۲	۲۲۶۷۹۷۰۷	۱۷۳۳۳۹۰۲
بنگال	۱۵۵۷۷۵۶۹	۱۸۴۱۰۸۹۲	۱۸۱۶۱۵۲۳	۲۳۵۹۰۸۹۷
برما	۳۲۴۵۷۳۲	۳۰۴۳۰۱۳	۶۱۳۹۱۸۷	۳۲۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۲۹	۴۸۸	۲۷۸	۴۵۰
آسام	...	...	...	۱۱۵۴
میزان	۶۳۴۳۷۸۴۸	۶۸۲۴۶۱۱۲	۱۰۰۱۵۰۸۷۰	۷۳۹۰۴۸۶۰

ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۲۴ و ۲۵ء میں

مرکزی حکومت

اندرونی قرضہ: ۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵ - روپیہ

انگلستان سے لیا گیا: ۳۴۱۰۴۰۴۳۰ - پاؤنڈ

میزان کل: ۸۲۵۱۶۱۴۶۲۴ - روپیہ

صوبوں پر

۱۲۱۹۳۵۵۲۱۰ - روپیہ

ہندوستان کی تجارت سنہ ۱۹۲۲ء میں

درآمد

مجموعی درآمد: ۲۶۶۲۴۶۳۰۰۰ روپیہ

تفصیل

لوہا اور آہنی مصنوعات	× ۲۱۱۳۳۸۰۰۰
دوسری دھاتیں اور انکی "	۵۳۷۵۰۰۰۰
کوئلہ	۲۲۲۴۷۰۰۰
مشین اور بجلی کے آلات	۲۴۴۹۱۱۰۰

سخت تکلیف پہنچے گی، جن کا ذکر مخالفانہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک صرف تین ہی آوازیں مخالفت میں بلند ہوئی ہیں: ایک اندرون ملک سے، دو باہر سے۔ اندرون ملک میں محمود پاشا جو رؤف بے کی آواز ہے، بیرون ملک سے خالدہ ادیب خانم نے اعتراض کیا ہے اور اخبار لندن ٹائمس نے شکایت کی ہے جو گویا برطانیہ کی آواز ہے۔

محمود پاشا کی نسبت غازی نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ انھوں نے ۱۹۱۹ء میں اخبار "باسفورس" کے نمائندے سے کہا "ٹرکی اپنی سرحدوں میں ایسی تبدیلی کر دینے پر راضی ہے، جس سے آرمنی خوش ہو جائیں"

محمود پاشا نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "میں نے ۴ مارچ ۱۹۱۹ء کو اخبار "استقلال" کے نمائندہ سے بیان کیا تھا کہ ترکی قوم اپنی سرزمین کا ایک بالشت بھی چھوڑنے کے لئے طیار نہیں ہے"

محمود پاشا کے جواب میں "خلق فرقہ سی" کے سکرٹری نے اعلان کیا ہے کہ عنقریب وہ تمام دستاویزیں شایع کر دی جائیں گی، جو غازی کے خطبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُسوقت محمود پاشا کو معلوم ہوگا کہ غازی نے اپنے خطبہ میں اُن کی کس قدر رعایت کی ہے۔ ساتھ ہی ترکی اخبارات نے محمود پاشا کا اصلی بیان بھی شایع کر دیا ہے، جو بعینہ وہی ہے جس کا حوالہ غازی نے اپنے خطبہ میں دیا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ غازی کا وہ برقی پیغام بھی نقل کیا گیا ہے جو اُنھوں نے ۷ر نومبر ۱۹۱۹ء کو محمود پاشا کو بھیجا تھا۔ اسمیں لکھا ہے "آپ کی تصریح سے مشرقی صوبوں کے باشندے سخت ناراض ہیں۔ ترکی قوم ہرگز ارمنوں کو اپنی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی، بلکہ اس کے برعکس اپنے خون سے اسکی حفاظت کرے گی!"

خالدہ ادیب خانم نے اخبار ٹائمس میں اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے غازی کے رد میں لکھا ہے "میں ہرگز امریکن حمایہ کی موید نہیں تھی جیسا کہ غازی نے بیان کیا ہے۔ البتہ میں انجمن ولسن کی ایک رکن ضرور تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ٹرکی کے لئے امریکہ سے مالی اور اقتصادی امداد حاصل کی جائے۔ خود غازی اس انجمن سے اور اس کے مقاصد سے واقف تھے۔ اُنھوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا"۔

لیکن خالدہ ادیب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ در اصل اُنھوں نے غازی کا پورا خطبہ پڑھنے سے پہلے ہی جواب لکھ مارا۔ خطبہ میں وہ تمام خطوط بھی غازی نے نقل کئے تھے جو موصوفہ نے بکر سامی بک اور خود غازی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکن حکمرداری کو ٹرکی کے لئے ضروری خیال کرتی تھیں۔

برطانیہ بھی غازی کی صاف گوئی سے شاکی ہے۔ لندن ٹائمز شکایت سے پہلے اعتراف پر مجبور ہوا کہ "یہ خطبہ، غازی کی عظمت میں چار چاند لگا دیگا، کیونکہ اُنھوں نے اپنی ذرا بھی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے، ٹرکی میں جو کچھ ہوا ہے محض اُنہی کی ہمت و تدبر سے ہوا ہے!" لیکن ساتھ ہی ان لفظوں میں شکایت بھی کرتا ہے:

"غازی نے اپنے خطبہ میں بار بار برطانیہ کا ذکر کیا ہے۔ ٹرکی کے ساتھ جو طرز عمل یورپ نے اختیار کیا تھا، وہ اُس کی ذمہ داری تمام اتحادیوں پر نہیں ڈالتے، بلکہ سراسر الزام برطانیہ ہی کو دیتے ہیں۔ گویا دوسرے اتحادیوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ ترکی دماغ میں اب تک برطانیہ کے خلاف زہریلے افکار موجود ہیں!"

ان تین اعتراضوں کے علاوہ کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیونکہ غازی نے جو کچھ کہا، مدلل کہا ہے۔ تمام ملک میں اُن کے خطبے کے بعد ایک نیا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہر طرف سے اُن کے پاس پیغام آ رہے ہیں کہ ترکی قوم، قیامت تک اپنی جمہوریت برقرار رکھے گی۔

جمہوری ترکی کا مسلک

غازی کے خطبہ کے بعد، خلق فرقہ سی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مسلک کا اعلان عام کر دے۔ چنانچہ وزیر اعظم عصمت پاشا اور انجمن کے صدر دوم نے ٹرکی کا آئندہ مسلک، مفصل طور پر شایع کر دیا ہے۔ ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

"خلق فرقہ سی" کیا ہے؟

عصمت پاشا نے اپنا بیان، خلق فرقہ سی کی حقیقت کی تشریح سے شروع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ انجمن جمہوری ہے۔ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ یقین کرتی ہے کہ قوم کی کامیابی کا راز، اُس کی اقتصادی حالت کی درستگی میں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اُس کا پورا مسلک، اسی اصل پر مبنی ہے اور اُس کے جملہ قوانین میں اسی کی رعایت کی جاتی ہے"

داخلی امن

"ملک میں امن و امان برقرار رکھنا ہمارا اولین فرض ہے تاکہ قوم کا ہر فرد اپنی سعی و ہمت کا ثمرہ بلا کسی اندیشہ کے حاصل کر سکے"

عدالتی مسلک

"مدنی قوانین کا اجرا اور ان قوانین کی جمہوری روح کی تعمیم، اُس کا عدالتی مسلک ہے۔ وہ چاہتی ہے جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ آسان طریقہ پر عدل و انصاف ہر انسان کے دسترس میں آ جائے"

خارجی مسلک

"ترکی جمہوریت کی عزت کی حفاظت، ترکی قوم کے حقوق کی حمایت، وہ حقوق جو قوم نے طویل جہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تمام قوموں کے ساتھ مساوات کے دائرے میں دوستانہ تعلقات، اُس کا خارجی مسلک ہے"

تعلیمی مسلک

"ہمارا تعلیمی مسلک یہ ہے کہ تعلیم قومی ہو اور مذہب اس سے الگ رکھا جائے۔ نظام تعلیم ایک ہو۔ نئی نسلوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ہماری مدنی و اجتماعی برتری قائم ہو اور اقتصادی زندگی مستحکم ہو جائے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ قوم ابتدائی مفت تعلیم سے پوری طرح مستفید ہو۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کو شبینہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔ ترکی جامعہ کو مزید تقویت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم گاہیں جاری کی جائیں۔ ہم فنون جمیلہ کے بھی پرجوش حامی ہیں۔ ترکی زبان کی ترقی و تہذیب کا ہمیں از حد اہتمام ہے۔ ترکی حروف کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ اور ہم اس پر بھی غور کر رہے ہیں"

مردم شماری

ٹرکی کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ مرحوم حکومت عثمانیہ نے اس کی کوشش کی تھی، مگر تنگ نظر علماء نے اس کی سخت مخالفت کی، اور اسے دین کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ البانیہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت شروع ہو گئی۔ مجبوراً حکومت کو اس "خلاف شرع" فعل سے باز رہنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ملک کی صحیح آبادی معلوم نہ تھی۔ خود ترکی حکومت بھی اپنی آبادی کی قوت سے ناواقف تھی۔ اور اس وجہ سے بے شمار سیاسی، اقتصادی، اور جنگی مضرتیں ملک کو نیچا کرتی تھیں۔

اب ترکی جمہوریت نے یہ اہم مسئلہ قطعی طور پر حل کر دیا۔ چنانچہ ۲۸ر اکتوبر کی تاریخ مردم شماری کے لئے مقرر کی گئی۔ حکم تھا، کوئی شخص بھی اپنے گھر سے نہ نکلے، یہاں تک کہ توپ داغی جائے۔ اس حکم پر اجنبی باشندوں نے یہ اعتراض کیا کہ دن بھر وہ اپنے کام معطل نہیں رکھ سکتے۔ مگر حکومت نے کوئی اعتراض نہیں سنا اور مردم شماری پوری ہو گئی۔

ان سطور کی تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ٹرکی کی موجودہ آبادی اکرور ۴۰ لاکھ ہے۔ قسطنطنیہ کی آبادی ۸ لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔

میں ایک صحافی کی طرح نقل روایت کا فرض انجام دیتا ہوں نقد و بحث میرا کام نہیں ہے۔ میں نے غازی کے خطبہ کا خلاصہ اور "خلق فرقہ سی" کا مسلک پیش کر دیا۔ البتہ مجھے یہ لکھنے میں تأمل نہیں کہ جماعت خلق کی موجودہ اجتماعی ذہنیت سے اکثر مسلمانان عالم کو اتفاق نہیں ہوگا۔ وہ اپنی جدید اجتماعی زندگی کے عناصر میں مذہب کو کوئی نمایاں جگہ نہیں دینی چاہتے۔ خود ترکوں کی اکثریت اسوقت تک اس پر متفق نہیں ہے۔ بیرونی دنیا کی عام اسلامی رائے تو یقیناً مخالف ہوگی۔ میں اپنے حدود صحافت سے ایک دو قدم آگے بڑھ کر، آئندہ تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

عالم مطبوعات و صحائف

روسی راہب راسپوٹین کا قتل

پرنس یوسوپوف کا اعتراف

قارئین الہلال روس کے پُراسرار راہب راسپوٹین کے نام اور حالات سے اچھی طرح واقف ہیں: الہلال نمبر (۹) میں اس کی پوری سرگزشت ان کی نظروں سے گزر چکی ہے۔ جو حیرت انگیز اقتدار اور تسلط اسے زار اور ملکۂ روس پر حاصل ہو گیا تھا اُسکی کوئی دوسری نظیر بیسویں صدی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ اُن کا مذہبی رہنما تھا۔ پھر روحانی معلم اور مرشد کی طرح مانا جانے لگا، پھر مشیر اور وزیر سب کچھ بن گیا۔ زار اور زارینہ بیجان آلہ کی طرح اس کی انگلیوں میں تھے۔ جس طرح چاہتا تھا، اُنھیں استعمال کرتا تھا۔ ملک میں تھوڑی بہت سیاسی اصلاحات جو ڈوما (روسی پارلیمنٹ) کی شکل میں جاری ہو گئی تھیں، اسی کے اشارے سے غارت ہوئیں، روشن خیال اور اصلاح پسند امرا کو اُسی نے قتل اور جلا وطن کرایا، زار کے بہترین دوست اور مدۃ العمر کے وفادار خادم اسی کے حکم سے سائبیریا بھیجے گئے۔ پھر جب عالمگیر جنگ عالم شروع ہوئی۔ تو جرمن نے بے شمار روپیہ خرچ کر کے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ جرمن جاسوس تھا، لیکن روس کے تمام اسرار جنگ اسی کے قبضہ میں تھے۔ ایک طرف یہ زار کو یقین دلاتا کہ میری روحانی برکتوں اور دعاؤں سے جرمن فوجیں اور روس کے تمام حریت پسند ہلاک ہو جائینگے۔ دوسری طرف جرمن دفتر جنگ کو فوجی نقل و حرکت کی بروقت خبریں بھیجدیتا تاکہ تمام روسی فوج کا خاتمہ کر دیں!

زار پر یہ حیرت انگیز اقتدار اُسے کیسے حاصل ہوا تھا؟ ملکہ کے ذریعہ۔ ملکہ کیوں اُس کے احکام سے سر مُو تجاوز نہیں کر سکتی تھی؟ خود راسپوٹین کی لڑکی صوفیا نے اپنی دہشت انگیز یادداشتیں شائع کر کے دُنیا کو بتلایا ہے کہ "اُس میں اور ملکہ میں ناجائز تعلق تھا۔ راسپوٹین سے اُسے عقیدت ہی نہیں تھی، بلکہ ہوس پرستی کا عشق بھی تھا"

صوفیا کے علاوہ ایک اور شخص بھی یورپ میں موجود ہے، جو روس کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور اس روسی راہب کی تمام سرگزشت حیات سے واقف ہے۔ یہ پرنس یوسوپوف ہے۔ اسی

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی کے تاریخی خطبہ کا بقیہ حصہ۔ مسئلۂ خلافت۔ خطبہ کا عام اثر۔ جمہوری ترکی کا آئندہ مسلک۔ ترکی کی نئی مردم شماری۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے تاریخی اور ہفت روزہ خطبہ کا بڑا حصہ گذشتہ چٹھی میں بھیج چکا ہوں۔ اب خطبہ کے صرف دو ضروری حصے باقی ہیں۔ "مسئلہ خلافت" اور "خاتمۂ کلام"۔

مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں غازی نے جو کچھ بیان کیا، وہ اُن کی تقریر کا نہایت اہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ موجودہ ترکی حکومت کے سب سے بڑے آدمی نے صاف صاف لفظوں میں بیان کردیا کہ کون کون لوگ موقوفی خلافت کے مخالف تھے اور کون موافق تھے۔ پہلے خیال کیا گیا تھا کہ مخالفین موقوفی میں سب سے زیادہ نامور شخصیت رؤف بے کی تھی۔ اب خود غازی کی زبان سے بھی اسکی تصدیق ہوگئی۔

مسئلہ خلافت کے بعد اُنھوں نے اُن رقوم کے مداخل و مصارف کی تفصیلاً بیان کیں جو وطنی تحریک کے شروع ہونے کے بعد سے لیکر اُن کے رئیس جمہوریت منتخب ہونے تک اُن کے اور آنکے ساتھیوں کے تصرف میں آئی تھیں۔ ممکن ہے، آپکے قارئین خیال کریں کہ ایک عظیم الشان رئیس جمہوریت کے لئے یہ بہت ہی ناموزوں بات تھی کہ کسی سکریٹری اور خزانچی کی طرح ایک ایک پیسہ کا حساب پیش کرے لیکن یہاں ترکی رائے عامہ نے اسے دوسرے ہی نقطۂ خیال سے دیکھا ہے۔ تمام اخبارات نے بالاتفاق اسے خطبہ کا ایک وقیع اور موثر حصہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس طرز عمل کے ذریعہ غازی مصطفےٰ کمال نے ہمیں یہ سبق سکھلایا ہے کہ قوم کا رہنما قوم کا امین ہے، اور ہر حال میں اُس کا فرض ہے کہ قومی امانت کا حساب، پیسہ پیسہ اور پائی پائی، قوم کے سامنے پیش کردے۔ اس بات سے کہ قوم نے اپنے رہنما کو اپنی حکومت کا بڑا سے بڑا منصب پیش کردیا ہے، امین قوم ہونے کی ذمہ داریاں معدوم نہیں ہوجاتیں، بلکہ اور زیادہ بڑھجاتی ہیں!

خاتمۂ کلام میں انھوں نے ایک اور حقیقت بھی آشکارا کردی انھوں نے کہا کہ ان کی رہنمائی اور ریاست کے زمانے میں قوم نے اُنھیں جسقدر بھی مکانات اور اراضی دی ہیں، یا جس قدر جائداد اُنھوں نے اپنے جیب خاص سے خریدی ہے، وہ سب کی سب اُنھوں نے "قومی جماعت" کے نام منتقل کردی ہے، اور اب اُنکے پاس قوم کی خدمت اور محبت کے سوا، کوئی جائداد اور ملکیت باقی نہیں!

خلافت کی موقوفی

مسئلہ خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

"لوزان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ابھی عصمت پاشا انگورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ رؤف بک وزارت سے مستعفی ہوگئے تاکہ عصمت پاشا کو مبارکباد دینے سے بچ جائیں۔ استعفا دینے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے بلکہ خلیفہ کا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کرنے لگے، حالانکہ ملک میں عام رجحان، جمہوریت کی طرف پیدا ہوچکا تھا۔ رؤف بک کی جگہ فتحی بک وزیر اعظم ہوئے اور طویل مباحثہ کے بعد طے پایا کہ پایۂ تخت، انگورہ ہی رہے۔ مگر مخالف جماعت مُصر تھی کہ آستانہ واپس جانا چاہیے۔

لہذا اب ضروری ہوگیا کہ اس تمام جھگڑے کا ایک مرتبہ فیصلہ ہی کردیا جائے۔ چنانچہ میں نے ۲۰ر اکتوبر کو اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ اعلان جمہوریت کے لئے تمام تدابیر مکمل ہوگئی ہیں۔ دوسرے دن جمہوریت کا اعلان ہوگیا، اور آدھی رات کو تمام ملک میں خبر مشتہر کردی گئی۔ عصمت پاشا پہلی جمہوری وزارت کے صدر مقرر ہوئے، اور فتحی بک مجلس وطنی کے رئیس قرار پائے۔

پوری ترکی قوم نے اعلان جمہوریت، انتہائی مسرت کے ساتھ سُنا۔ مگر مخالف جماعت سخت برہم ہوئی، اور اخبارات میں اپنی دعایتہ وسیع پیمانہ پر شروع کردی۔ اس جماعت کے سرگردہ، رؤف بک، رفعت پاشا، ڈاکٹر عدنان بک، کاظم قرہ بکر پاشا، اور علی فواد پاشا تھے۔ یہ لوگ شب و روز مخالف کوششوں میں سرگرم تھے۔ یہ مشہور کرتے تھے کہ خلافت وہ رفیع مقام ہے، جس کا تمام جہان کے مسلمان احترام کرتے ہیں۔ وہ ترکی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے، لہذا اُسکے اقتدار میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہیے، نیز انھوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ ترکستان میں انور پاشا، خلیفہ ہی کے نام پر جنگ کررہے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ ملک میں پھر شاہی دستوری حکومت کی طرف لَوٹا دیا جائے۔

ذاتی طور پر رؤف بک کی رائے یہ تھی کہ اقتدار قوم ہی کے ہاتھ میں رہے مگر حکومت کے سر پر آل عثمان کا کوئی فرد ضرور رہنا چاہیے لطف یہ ہے کہ باوجود اس خیال کے وہ ہماری جماعت کے ایک رکن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ یقیناً اُن کی نیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہم میں رہکر ہم میں پھوٹ ڈال سکیں۔

اب یہ واضح ہوگیا تھا کہ آستانہ میں خلافت کا باقی رہنا مشکلات کا موجب ہوگا، لہذا میں سمجھ گیا اور یقین کرلیا کہ منصب خلافت کی منسوخی کا وقت آگیا ہے۔ پھر میں نے عصمت پاشا، فوزی پاشا، اور کاظم پاشا سے مشورہ کیا۔ یہی رائے قرار پائی کہ منصب خلافت منسوخ کردیا جائے۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو مجلس وطنی میں حسب ذیل تجویز پیش ہوئی:

(۱) منصب خلافت منسوخ کیا جائے اور خاندان عثمانی کو ترکی سے باہر قیام کرنے کا حکم دیا جائے۔

(۲) امور شرعیہ اور اوقاف کی وزارتیں توڑ دی جائیں۔

(۳) ملک بھر میں تعلیم کا ایک ہی نظام جاری کیا جائے۔

یہ تجویز، مباحثہ کے بعد منظور ہوگئی۔ لیکن اُسی وقت مجھ سے درخواست کی گئی کہ منصب خلافت میں اپنے لئے قبول کرلوں مگر میں نے ان لفظوں میں انکار کردیا:

"دوستو! جو لوگ مسلمانوں کو خلیفہ اور خلافت کے نام سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے عام طور پر، اور ترکی قوم کے خاص طور پر سخت دشمن ہیں۔ اب خلافت کا کوئی عملی اور حقیقی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ ان اوہام پر یقین، سراسر غفلت و ضلالت ہے!"

اس طرح مخالف جماعت کو پوری شکست نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ کئی علاقوں میں شورشیں بھی برپا کرادیں۔ مگر ہم نے سب کا سدباب کردیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اُن پر تمام دروازے بند ہوچکے ہیں، تو پھر میرے قتل کی سازش شروع کردی یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان سازشوں میں بھی یکے بعد دیگرے ناکام ہوئے۔

خاتمۂ سخن

غازی نے اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی:

"نوجوان ترکی! تیرا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ترکی استقلال کی حفاظت کر اور ابد الآباد تک جمہوریت برقرار رکھ!"

یہ کہتے ہوئے غازی کی آواز غمناک ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر اُنھوں نے کہا:

"یہی میری زندگی کا اصل الاصول ہے۔ یہی میرے مستقبل کا نصب العین ہے۔ اے نوجوان قوم! یہی تیرا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہوسکتے ہیں جو مستقبل میں اس خزانہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں تاکہ تجھے اُس سے محروم کردیں۔ اگر ایسی صورت کبھی پیش آئے اور تو اپنی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت پر مجبور ہوجائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی پس و پیش نہ کرنا۔ ممکن ہے، حالات ازحد نازک ہوں، ممکن ہے دشمن دنیا کی بے نظیر فتحمندی حاصل کرچکا ہو، ممکن ہے تیرے تمام قلعے دشمن کے ہاتھوں میں جاچکے ہوں، ممکن ہے تیری تمام فوجیں پراگندہ ہوچکی ہوں، ممکن ہے تیری تمام زمین چھن گئی ہوں، بلکہ میں کہتا ہوں، ممکن ہے اس سے بھی زیادہ کوئی بڑی مصیبت تیرے سامنے آکھڑی ہو۔ لیکن ان تمام مصائب پر بھی تیرا فرض یہی ہوگا کہ ترکی استقلال اور ترکی جمہوریت کی حفاظت میں لگاتار جان دیتی رہے۔ تجھے جس قوت کی ضرورت ہے، وہ کہیں باہر نہیں ہے، خود تیرے خون میں موجود ہے۔ وہ خون جو تیرے حضرات آباء کی رگوں میں دَوڑ رہا ہے!"

اس کے بعد غازی نے اُس تمام روپیہ کا حساب پیش کیا جو اُنکے ہاتھ میں شروع سے ابتک آیا ہے۔ پھر اس عبارت پر تقریر ختم کردی:

"اس رقم کے علاوہ میرے پاس وہ مکان ہے جو انگورہ کے باشندوں نے مجھے ہدیۃً دیا تھا۔ نیز بروسہ، طرابزون، ارضروم، آنالکیہ، قونیہ، اور سمرنا میں بھی ایک ایک مکان وہاں کے باشندوں نے مجھے دیا ہے۔ نیز وہ زمین بھی ہے جو میں نے انگورہ کے مضافات میں خریدی ہے مگر یہ تمام جائداد، میری نہیں ہے۔ میں اسے "خلق فرقہ سی" (جمہوری پارٹی) کو دے چکا ہوں!"

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے خطبہ کا اثر

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطبہ سے اُن تمام لوگوں کو

برطانی شہنشاہیت کا تنزل

ایک برطانی مدبر ڈیلی ٹیلی گراف کے ہفتہ وار رسالہ میں لکھتا ہے:

"قوموں کے اُٹھنے اور گرنے کے اسباب زمانے کے ظروف وحالات کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی موجود نہیں جو بام ترقی تک پہنچکر پھر گر نہ پڑی ہو۔

اسوقت برطانی قوم ترقی کے سب سے بلند درجہ پر پہنچگئی ہے لیکن واقعہ ہے کہ اس عالم ترقی میں ہی تنزل اور کمزوری کے آثار بھی پیدا ہوگئے ہیں، اور اگر افراد کے قوانین حیات کی طرح جماعتوں کے قوانین حیات بھی قطعی اور اٹل ہیں، تو وہ وقت دُور نہیں جب دنیا کو تاریخ عالم کی ایک عدیم النظیر قومی عظمت کے زوال کا تماشائی بننا پڑے گا!

فی الحال برطانیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ، آبادی کے مسئلہ میں پنہاں ہے۔ برطانی شہنشاہی، مجموعی دُنیا کی ایک چوتھائی پر پھیلی ہوئی ہے اور آبادی بھی دنیا کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی ہے۔ آخری مردم شماری ظاہر کرتی ہے کہ برطانی شہنشاہیت میں ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۴۰۰ سے بھی زیادہ آدمی آباد ہیں۔ لیکن اس حجم غفیر میں خود خالص انگریزی قوم کی تعداد ۰۰۰،۰۰۰،۶۰ سے زیادہ نہیں۔ یعنی پوری شہنشاہی، صرف اتنی آبادی کی قوت پر قائم ہے، جو جرمنی کی آبادی سے کچھ ہی زیادہ ہے!

خود انگریزی قوم ایک تنگ سرزمین، یعنی جزائر برطانیہ میں محصور ہے۔ حالانکہ اُس کی شہنشاہی کی باقی تمام آبادیاں، دُور دراز وسیع سرزمینوں میں منتشر ہیں۔ اس صورت حال نے برطانی مدبروں کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ آبادی کی مناسب تقسیم اور ہجرت کے عملی نظام پر غور کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں آبادی اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ نہ کہیں زیادہ ازدحام ہو، نہ کہیں زمین خالی پڑی رہے۔ بظاہر یہ کام زیادہ مشکل نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن درحقیقت بہت مشکل ہے۔ عام طور پر مبصرین کا خیال ہے کہ برطانی مدبروں کو اسمیں کامیابی نہ ہوگی، اور یہی ناکامی اُن کی شہنشاہی تہ و بالا کر ڈالے گی!

یہ کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب حسب ذیل ہے:

برطانی جزائر، جو خالص انگریزی قوم سے لبریز ہو چکے ہیں یکقلم صنعتی ملک ہیں، زراعت کا حصہ بہت ہی کم ہے، حالانکہ برطانی شہنشاہی کے باقی ممالک یکقلم زراعتی ملک ہیں۔ آخری اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جزائر برطانیہ کی تمام دیہاتی آبادی، شہروں میں اُمنڈ آئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف دیہات خالی ہوگئے ہیں، دوسری طرف نسل کی افزائش بھی رُک گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جلد وہ زمانہ آجانے والا ہے، جب برطانی دیہات اسباب رزق سے بڑی حد تک محروم ہوجائیں گے، اور باشندوں کے لئے وہاں کی واپسی میں کوئی ترغیب باقی نہیں رہے گی۔

پھر جنگ کے بعد شہروں میں صنعت وحرفت کی ترقی پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ترقی عارضی ہے، اور مستقبل قریب میں اپنی طبیعی حالت پر آجانے والی ہے۔ لہذا شہری آبادی کے لئے بھی اسباب معیشت، محدود ہوجائینگے اور جزائر برطانیہ کے دیہات اور شہر دونوں کی طاقت سے باہر ہوجائے گا کہ اتنی بڑی آبادی کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جنگ کے بعد سے اسوقت تک برطانیہ میں بے روزگاروں کی تعداد ۱۰ لاکھ سے کم نہیں ہوسکی۔ صنعت وحرفت کی ترقی پر جب یہ حالت ہے، تو اُس وقت کیا حالت ہوگی جب جنگ کے پیدا کئے ہوئے حالات دُور ہو جائیں گے اور صنعتی ترقی رُک جائے گی؟

انگریز جو دوسرے ممالک کی ملک گیری میں سب سے زیادہ چست و چالاک ثابت ہوئے ہیں، خود اپنے ملک سے منفعت حاصل کرنے میں عاجز رہے ہیں۔ اسوقت بھی جزائر برطانیہ میں وسیع علاقے خالی پڑے ہیں کیونکہ وہ زراعتی علاقے ہیں، مگر زراعت پیشہ آبادی ہجرت کر کے شہروں میں پہنچ گئی ہے اور صنعت پیشہ بن گئی ہے۔

صرف جزائر برطانیہ ہی میں نہیں بلکہ آسٹریلیا کا بھی یہی حال ہے۔ آبادی شہروں میں جمع ہوگئی ہے۔ چنانچہ صرف دو شہروں، یعنی ملبورن اور سڈنی میں اتنی آبادی ہے، جو پورے ملک کی آدھی آبادی کے برابر ہے حالانکہ معلوم ہے، آسٹریلیا میں قابل زراعت زمین کا رقبہ، روس کو چھوڑ کر باقی تمام یورپ کے رقبہ سے بھی زیادہ ہے۔

پس یہ سوال نہایت اہم ہے کہ برطانیہ اتنے آدمی کہاں سے لائے کہ جو ان وسیع اُفتادہ زمینوں کو آباد کریں؟ اس سوال کا جواب برطانیہ کے پاس سردست کوئی نہیں ہے!

یہ سوال انگریزوں کو بہت پریشان کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ اُن کی شہنشاہی، سب سے پہلے برطانی ہونی چاہئے۔ یعنی اُس میں برطانی عنصر سب سے زیادہ نمایاں اور غالب رہنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ورنہ وہ تاریخ کی دوسری شہنشاہیوں کی طرح درہم برہم ہوجائے گی۔

آخری برٹش امپیریل کانفرنس میں آسٹریلیا کے وزیراعظم نے تقریر کرتے ہوئے اس ناقابل حل سوال کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور کہا تھا "میرے خیال میں کوئی شخص بھی برطانی شہنشاہیت کے مستقبل کو اُمید افزا نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارے سامنے ایسی مشکلات درپیش ہیں، جن کا حل مستقبل پر کسی طرح بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ان مشکلات میں سب سے زیادہ پیچیدہ مشکل، آبادی کی تقسیم اور اُفتادہ زمینوں کی زراعت ہے!"

یہاں پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جزائر برطانیہ میں پیدائش کی شرح بہت گھٹ گئی ہے۔ نسل روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ برطانی شہنشاہی میں اصلی عنصر کی یہ روز افزوں کمی، نہایت خطرناک اور بدترین نتائج پیدا کرنے والی ثابت ہوگی۔ برطانیہ کی موجودہ صنعتی ترقی کے ساتھ اگر نسل کی افزونی بھی ہوتی رہتی تو حالت اتنی خطرناک نہ ہوتی۔

انگریز اس صورت حال میں اپنے آپ کو یہ کہکر تسلی دے رہے ہیں کہ "اگر شرح پیدائش کم ہوگئی ہے، تو شرح اموات بھی گھٹ گئی ہے۔ لہذا ہماری نسل کا عام توازن قائم ہے۔ یہ بہتر ہے کہ ہماری قوم کم تعداد میں ہو، مگر توانا و تندرست ہو"

اُن کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن مغالطہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ کسی قوم کی عظمت، صرف تندرستی پر قائم نہیں رہ سکتی۔ قوم کو تندرستی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھی ہونا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کم تعداد تندرست افراد کسی طرح بھی ایک وسیع سلطنت برقرار نہیں رکھ سکتے۔

یہ حقیقت اب قریب قریب تسلیم کر لی گئی ہے کہ برطانی سلطنت سخت خطرے میں مبتلا ہے، اور اُس کی سلامتی زیادہ تر اسی بات پر موقوف ہے کہ خود جزائر برطانیہ کی آبادی میں اضافہ ہوجائے، اور زائد افراد سلطنت کے دوسرے حصوں میں مناسب طور پر تقسیم کر دئے جائیں۔ آبادی کی افزونی، سلطنت کی بنیاد ہے، اور اُس کی تقسیم، تعمیر کا حکم رکھتی ہے۔ موجودہ صورت حال کا اقتضاء یہ ہے کہ بیک وقت دونوں کام کئے جائیں مگر ظاہری حالات بتا رہے ہیں کہ برطانی مدبر اس کی قدرت نہیں رکھتے۔

اب یہ امر بہت محتمل معلوم ہوتا ہے کہ برطانی شہنشاہیت کا توازن عنقریب متزلزل ہوجانے والا ہے۔ کیونکہ ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ محیط اٹلانٹک کی طرح محیط پیسفک بھی صنعت وحرفت کا مرکز بنجائے گی۔ اُس وقت قومیں مجبور ہوں گی کہ صنعتی مرکز سے قریب تر ہونے کے لئے محیط پیسفک کے ساحلوں اور ملکوں میں ہجرت کر جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خام پیداوار حاصل کرسکیں اور بڑے بڑے بازاروں میں اپنی صنعت آسانی سے پہونچا سکیں۔

بلکہ یہ واقعہ اس وقت بھی پیش آرہا ہے۔ اجنبی عناصر تیزی سے برطانی شہنشاہی کے مختلف ملکوں میں داخل ہو رہے ہیں، اور اصلی باشندوں کو مغلوب کرتے چلے جاتے ہیں اگر فوراً تدارک نہ کیا گیا تو اُن کے قدم مضبوط ہوجائیں گے اور برطانیہ کو یہ ملک اُن کے لئے خالی کر دینے پڑیں گے۔

بعض انگریز مدبر اپنی موجودہ عظمت کے نشہ میں اس قدر مخمور ہیں کہ یہ حقیقت تسلیم کرنے پر بھی اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "برطانی تجارت روز بروز زیادہ وسیع ہوتی جاتی ہے، اور دُنیا کی کوئی تجارت بھی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ حالانکہ یہ سراسر غفلت و غرور ہے۔ یہ لوگ، دوسری قوموں کی تجارت کی ترقی پر نظر نہیں ڈالتے خصوصاً امریکہ کی تجارت نہیں دیکھتے جو دُنیا کے تمام بازاروں پر چھا گئی ہے، اور قریب ہے کہ برطانی تجارت کو مغلوب کر ڈالے۔

ان حالات کی روشنی میں گمان غالب ہے کہ برطانی شہنشاہی، خود بخود تہ و بالا ہوجائے گی۔ اس کا توازن، متزلزل ہو چکا ہے۔ قوی امکان ہے کہ اگر کوئی خارجی خطرہ نہ بھی پیش آیا، جب بھی برطانیہ کا اندرونی اختلال اور شہنشاہیت کا عدم توازن ہی اُسے برباد کر ڈالے گا، ٹھیک اُسی طرح، جس طرح تاریخ کی بہت سی دوسری عظیم سلطنتیں برباد ہوگئی ہیں"

جاپان میں اخبارات کی حیرت انگیز ترقی

امریکن رسالہ "ایشیا" میں ایک جاپانی اخبار نویس نے ذیل کا مضمون شایع کیا ہے۔ ہندوستان کی عبرت کے لئے ہم اسے شایع کرتے ہیں۔ اخبار نویس لکھتا ہے:

"میرے لئے یہ نہایت مشکل تھا کہ اپنے امریکن دوستوں کو اس واقعہ کا یقین دلاؤں کہ ہمارے ملک میں بھی ترقی یافتہ اخبار موجود ہیں اور بعض اُن میں روزانہ ۲۰ لاکھ کی تعداد میں چھپتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ مجھے یہ بھی کہنا تھا کہ بعض جاپانی اخبارات امریکن اخبارات پر کئی اعتبار سے فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے جاپانی اخباروں میں صرف سنجیدہ اور مہذب مضامین ہی شایع ہوتے ہیں۔ علمی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی، ادبی ... مباحث کے سوا اُن میں کبھی مجرمانہ قصے اور طلاق کی خبریں شایع نہیں ہوتیں۔ حالانکہ امریکہ اور یورپ کے اخباروں کی رواج و مقبولیت، زیادہ تر انہی مخرب اخلاق خبروں اور قصوں پر مبنی ہے۔ میرے دوست یہ سنکر نہایت متعجب ہوتے تھے کہ ایک جاپانی اخبار کی سالانہ آمدنی، ۰۰۰۰،۲۷۵ روپیہ ہے۔ اور اس کا دسواں حصہ خالص بچت ہے!

میرے دوستوں کا تعجب اس لئے تھا کہ جاپان کا رقبہ، امریکہ کی صرف ایک ریاست، کلیفورنیا سے زیادہ نہیں ہے۔ آبادی بھی ساڑھے ۶ کروڑ سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی آبادی تقریباً بارہ کروڑ ہے۔ وہ کہتے تھے، ایک ایسے چھوٹے سے ملک میں اخباروں کی اتنی عظیم ترقی کیونکر ممکن ہے؟ لیکن واقعہ ایسا ہی ہے۔ اسوقت جاپان میں ۱۱۲۷ روزانہ اخبار ہیں اور ۲۰۵۰ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار و رسائل موجود ہیں۔ ان کی روزانہ اشاعت کی تعداد، ایک کروڑ ہے۔ یعنی ہر چھ باشندوں کے لئے اخبار کا ایک نسخہ شائع ہوتا ہے!

اس ترقی کا اصلی راز یہ ہے کہ جاپان میں تعلیم عام ہوگئی ہے۔ اعلا

نے سب سے پہلے اس راہب کی کارستانیوں سے دنیا کو واقف کیا تھا۔ اسی نے ملکۂ روس کے وہ تمام خطوط شائع کئے، جن سے راسپوٹین سے اُس کی حیرت انگیز عقیدت و عبودیت پر روشنی پڑتی تھی۔

لیکن پرنس یوسوپوف نے اس وقت تک دُنیا کو اس راز سے واقف نہیں کیا تھا کہ راسپوٹین کا خاتمہ کیونکر ہوا؟ اُسنے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ "وہ قتل کر دیا گیا" کچھ دنوں کے بعد جب صوفیا کی یادداشت شائع ہوئی، تو اس سے بھی صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ "راسپوٹین قتل کر دیا گیا، اور اُس کی لڑکی (صوفیا) کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگی" عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ راسپوٹین بھی انقلاب روس کے قتل عام میں قتل ہوا ہے۔

لیکن اب اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی پرنس یوسوپوف نے اپنی کتاب کا ایک تتمہ اخبارات میں شائع کرایا ہے۔ اسمیں وہ اعتراف کرتا ہے کہ "راسپوٹین کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا!"

پرنس لکھتا ہے:

"میں نے اور میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس شیطان کے اقتدار سے روس کو نجات دلائیں، مگر ہر کوشش ناکام رہی۔ ملکۂ روس کچھ اس طرح اُس کے جال میں پھنس گئی تھی کہ کوئی بات اُس کے خلاف سُننا گوارا نہیں کرتی تھی، اور زار اپنی ملکہ کا غلام تھا۔ مجبور ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شیطان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس کے سوا خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تھی، جب تک اُس سے بظاہر دوستی پیدا کرکے دام میں نہ لایا جائے۔ اس لئے میں نے کئی ماہ باہمی تعلقات بڑھانے میں صرف کر ڈالے۔ یہاں تک کہ اُسے پوری طرح مجھ پر بھروسہ ہو گیا، اور ایک دن میں نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء کو میرے محل میں آکر ضیافت میں شریک ہوگا"

اس کے بعد پرنس، قتل کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

"گیارہ بجے رات کو ڈنر کی (یعنی نصف شب کے کھانے کی) تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں۔ دعوت کی میز پر بہت بڑی بڑی قابیں رکھی گئیں۔ ان میں مختلف قسم کے گوشت، جو راسپوٹین کو خاص طور پر مرغوب تھے طیار کرا کے رکھے گئے تھے۔ اور روغنی ٹکیاں اور نفیس کیک بھی موجود تھے۔ نیز قسم قسم کی شرابیں اور نظر فریب جام مہیا کئے گئے تھے..."

"میں نے الماری سے ایک صندوق نکالا۔ اس میں کئی قسم کے قاتل زہر مخفی تھے۔ پھر میں نے میز پر سے ایک قاب اُٹھائی۔ اسمیں کیک تھے۔ ڈاکٹر لازوورٹ نے ربڑ کے دستانے پہن لئے پھر ایک خاص زہر "سیانڈ پوٹاس" لے کر کیکوں پر چھڑک دیا۔ پھر بعض دوسرے قسم کے زہر بھی شراب میں ملا دئیے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زہر اتنی زیادہ مقدار میں ڈال دیا گیا ہے کہ شراب کا ایک گھونٹ کئی آدمیوں کے قتل کے لئے کافی ہے۔ اس ڈاکٹر کی خدمات میں نے خاص اسی غرض سے حاصل کرلی تھیں"

"جب راسپوٹین آیا تو میں اسے کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ اُسنے اپنی پسند کا گوشت سیر ہو کر کھایا۔ پھر میں نے روغنی روٹی کی پلیٹ آگے بڑھائی جس میں زہر نہ تھا۔ نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن یہ واقعہ ہے کہ بلا قصد مجھ سے ایسا ہی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے زہریلے کیک سامنے کئے۔ اُسنے پہلی قاب سے روغنی ٹکیا لے لی، لیکن زہر آلود کیک سے انکار کر دیا۔ اس انکار نے مجھ پر سخت رعب طاری کر دیا۔ میں ڈرا، شاید یہ شخص ولی اللہ ہے، اور زہر سے واقف ہو گیا ہے۔ میں نگاہیں خوف سے نیچی کئے تھا، اور دل دھڑک رہا تھا۔ اچانک اُس کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور یہ کہہ کر اُسنے ایک کیک اُٹھا لیا "تمھاری خاطر سے!" اور بلا تأمل منہ میں رکھ لیا۔ پھر دوسرا لیا اور کھا لیا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ ایک سکتہ کا سا عالم مجھ پر طاری تھا۔ مجھے یقین تھا، اب فوراً زہر کا اثر اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا، کہ وہ پوری طرح تندرست ہے۔ کوئی اثر بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجھ سے ہنس ہنسکر باتیں کر رہا ہے!"

"پھر اُسنے مسموم شراب جام میں انڈیلی۔ میں فرط اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے یقین تھا کہ وہ فوراً مر جائے گا۔ مگر وہ بڑے اطمینان سے مزہ لے لے کر پیتا رہا۔ کئی جام خالی کر دئے۔ پھر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ برابر باتیں کئے جاتا تھا۔ اب رات کے تین بج چکے تھے۔ مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!"

"ٹہلتے ٹہلتے اُسنے یہ کہہ کر مجھے مبہوت کر دیا "باقی رات، جلسۂ رقص میں گزارنی چاہئے!" اب میں جیب سے پستول نکال چکا تھا کیونکہ جب زہر کی اتنی بڑی مقدار کارگر نہ ہوئی، تو بجز پستول کی گولی کے اور کونسا ذریعۂ قتل کام دے سکتا تھا۔ اُس کے جلسۂ رقص کے جواب میں میں بے اختیار چیخ اُٹھا "خبیث بھوت! کیا یہ بہتر ہوگا کہ جلسۂ رقص کی جگہ تو صلیب دیکھے اور نماز پڑھ لے، کیونکہ ایک لحظہ بعد تو مُردہ پڑا ہوگا!"

اُس کی آنکھوں میں ایک ہولناک چمک پیدا ہوئی۔ پھر فوراً ہی ایک قسم کا خشوع و خضوع طاری ہو گیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آیا۔ اپنی چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں نے آہستہ سے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے سے سامنے کر دیا"

"پستول دیکھ کر راسپوٹین بھاگا نہیں۔ نہ مقابلہ کی کوشش کی۔ اُسنے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹا لیں اور صلیب پر جما دیں جو اُس کے گلے میں پڑی تھی۔ وہ اب بھی بالکل خاموش تھا۔ میں نے پستول کی لبلبی دبائی اور گولی اُس کے سینے پر لگی۔ اُسنے بڑے زور سے چیخ ماری اور چت گر پڑا۔ میں نے دوڑ کر زخم کا معائنہ کیا۔ گولی دل چیر کر نکل گئی تھی۔ یہ بالکل یقینی تھا۔ راسپوٹین مر گیا!"

"میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے قریب کھڑا صلیب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ قریب تھا، میں بیہوش ہو کر گر پڑتا۔ راسپوٹین، بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا! بڑے زور سے چلایا۔ تمام مکان اُس کی چیخ سے گونج اُٹھا۔ پھر اُسنے اپنی فولاد سے بھی زیادہ مضبوط انگلیوں سے میرا بازو پکڑ لیا۔ مجھے یقین تھا، میری ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اب اُسنے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں اپنی دہشت و خوف کے بیان سے قطعاً قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا "یہ بھوت مجھے اب مار ڈالے گا۔ مگر فوراً میرے جسم میں بھی ایک عظیم قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے زور لگا کے اپنے آپ کو چھڑایا اور بھاگنے لگا"

"راسپوٹین بھی میرے تعاقب میں دوڑا۔ وہ برابر چلائے جاتا تھا اور قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ میں زینے پر جا کر رُکا۔ اُسوقت اُس کی صورت بالکل بھوت کی سی ہو گئی تھی۔ تمام لباس خون سے رنگین تھا، اور سینہ سے خون کا فوارہ بہ رہا تھا!"

"وہ زینہ کے سامنے پہنچکر رُکا۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ کر صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں تاریکی تھی۔ میرے نوکروں نے مسلسل تین گولیاں اُس پر چلائیں۔ اب وہ لڑکھڑایا، اور برف کے ایک ڈھیر کے سامنے پہنچکر گر پڑا"

"اب واقعی راسپوٹین، روس کا مہیب بھوت، مر چکا تھا!"

زہر آلود غذا کے عدم تأثر کی نسبت پرنس نے جو کچھ لکھا ہے، یہ راسپوٹین کا کوئی اعجاز نہ تھا۔ بلکہ خود پرنس کی ایک ایسی غلطی تھی جس کا ذہنی اضطراب کی وجہ سے اُسے احساس نہیں ہوا۔ اس طرح کی صورت حال میں ایسی غلطی اکثر ہو جایا کرتی ہے۔ دراصل خوف و دہشت اور اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اُسوقت پرنس کی ذہنی حالت مختل ہو چکی تھی۔ اُسنے یکے بعد دیگرے جسقدر قاب اُٹھا کر پیش کئے، اُن میں سے کوئی قاب بھی زہر آلود نہ تھا۔ ذہنی پریشانی کی وجہ سے اُسنے جسے زہر آلود سمجھ کر اُٹھایا، وہ زہر آلود نہ تھا، اور جنھیں غیر زہر آلود سمجھ کر چھوڑ دیا، وہی زہر آلود تھے۔ اس طرح کی غلطی ذہنی اضطراب کی حالت میں ہر انسان سے ہو جایا کرتی ہے

فلسطین میں آثار قدیمہ

(ہتیاروں کا قدیم سانچہ)

اخبار السیاسہ راوی ہے کہ جرمن محقق ڈاکٹر رسلین کو بلاطہ (فلسطین) کے کھنڈروں میں مٹی کا ایک سانچہ ملا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے، یہ سانچہ ہتیار ڈھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پتھر کی تپائیاں

اب سے پہلے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ شہر نابلس میں پتھر کی قدیم تپائیاں پائی گئی ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا یہ کسی قدیم تماشہ گاہ کا بقایا ہیں۔ لیکن اب علماء آثار قدیمہ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ دیوی ارتمیس کے مندر کے آثار ہیں۔ یہ مندر، رومن شہنشاہ سپٹیم سویر نے تعمیر کیا تھا۔ (السیاسہ)

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود بے بہا تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ نسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سرنو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور ریش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزا سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور جوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ گو بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوی میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بنظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ اسکے چند اقسام کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۳ء مع جنتری تیار ہے مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

رنگ دیکھ لو — **دو روپے تولہ سونا** — گھس کر آزما لو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ دانہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپیہ کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چوڑیوں کے مع مبلغ سات روپئے (عمہ)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۲۶ لاہور

برص سفید داغ ۱۲ یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں ایکیس خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت مع خرچ ... روپیہ تین

دفتر معالج برص نمبر ۵ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۱۳ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (عہ) طلبہ سے دو روپیہ (عمہ) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (صہ)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں

جن کے استعمال سے صدہا علی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ ماہوار کے عملی کے لئے کئی عادی کی گولیاں کافی ہوسکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر اینڈ سنز موگا ضلع فیروز پور پنجاب

اشتہار

کے لئے

وشمار سے ثابت ہوتا ہو کہ ابتدائی مدارس کے طالب علموں میں سے ۹۱ فیصدی طالب العلم ثانوی مدارس میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ جاپان میں اس وقت ابتدائی ثانوی، اور اعلیٰ تعلیم گاہوں کی تعداد ۴۴ ہزار ہو۔ ان میں طلبہ کی سالانہ تعداد ایک کرور ۵۰ لاکھ سے زیادہ رہتی ہو۔

پھر جاپانیوں کو مطالعہ کا بھی از حد شوق ہو۔ میرے علم میں کوئی قوم اس بارے میں اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ۱۹۲۵ء کے اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہو کہ جاپان میں مختلف علوم و فنون پر ۸۲، ۱۰ کتابیں شایع ہوئیں۔ علاوہ بریں انگلستان، فرانس، امریکہ، جرمنی اور چین سے ۵۰ لاکھ روپیہ کی کتابیں آئیں، اور فروخت ہوگئیں۔ جاپان کے تمام اخبار نویس جانتے ہیں کہ اخباروں میں سب سے زیادہ اعلان کتابوں ہی کے شایع ہوتے ہیں، اور اُنہی سے زیادہ اُجرت حاصل ہوتی ہو۔

ٹوکیو اور اوساکا کے دس اخباروں کی روزانہ مجموعی اشاعت ۵۰ لاکھ ہو۔ ان میں سب سے بڑے اخبار دو ہیں: "اوساکا مانیچی" اور "ٹوکیو نیچی نیچی" دونوں "اوساکا مانیچی" کمپنی کی ملکیت ہیں۔ اول الذکر کی روزانہ اشاعت ۱۲ لاکھ ہو اور آخر الذکر کی ۸ لاکھ۔ انکے بعد "اوساکا اساہی" کمپنی کے دو اخبار ہیں: "اوساکا اساہی" اور "ٹوکیو اساہی" دونوں کی مجموعی اشاعت ۲۰ لاکھ ہو۔ میرے خیال میں دُنیا بھر میں کوئی اخبار بھی "اوساکا مانیچی" کے برابر اشاعت نہیں رکھتا۔ ہاں صرف لندن کا "ڈیلی میل"، اور پیرس کے "جرنل" اور "پتی پاریزان" اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان چار اخباروں کے علاوہ ۶ اور اخبار ایسے ہیں جن کی روزانہ اشاعت ۵ لاکھ سے ۱ لاکھ تک ہو!

جاپان میں کئی انگریزی اخبار بھی نکلتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اخبار "اوساکا مانیچی" کمپنی کی ملکیت ہو، اور ۸ بڑے صفحوں میں نکلتا ہو۔

جاپان کی صحافتی ترقی کے سلسلے میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہو کہ اخباروں میں باہم سخت رقابت ہو۔ بلکہ کہنا چاہئے ایک پُرامن جنگ جاری ہو۔ اس رقابت سے باشندوں کو بہت نفع حاصل ہوتا ہو۔ ذیل میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:

۱۹۲۵ء میں اخبار "مانیچی" نے اپنا بحری طیارہ جزائر جاپان کے گرد دورہ لگانے کے لئے روانہ کیا۔ اس کا جواب اخبار "اوساکا اساہی" نے یہ دیا کہ فوراً ایک دوسرا طیارہ خرید کر ٹوکیو سے پیرس تک کے سفر پر روانہ کردیا!

اس کے بعد اول الذکر اخبار نے یہ جدت کی کہ ۵ ہوائی جہاز اس غرض سے خریدے کہ اپنے ٹوکیو اور اوساکا کے مرکزی دفتروں کے مابین اتصال پیدا کرے، اور جلد سے جلد کتابیں، اخبارات، نقشے، تصویریں، ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں پہنچ جائیں۔ اسپر اخبار "اوساکا اساہی" نے بھی فوراً کئی جہاز خرید لئے اور اوساکا ٹوکیو اور سنڈائی ٹوکیو کے مابین حکومت کے لئے مفت ہوائی ڈاک کا سلسلہ جاری کردیا!

اس رقابت نے اب یہ صورت اختیار کرلی ہو کہ تمام بڑے بڑے اخبار ہر روز کئی کئی ضمیمے شایع کرتے رہتے ہیں اور اپنے خریداروں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً اخبار "مانیچی" روزانہ ۱۳ ضمیمے شایع کرتا ہو۔ یہ ضمیمے عموماً قصبوں اور دیہاتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ مگر اہتمام کیا جاتا ہو کہ ہر علاقے کے ضمیمے میں ہی خبریں ہوں، جو وہاں کے باشندوں کے لئے ضروری ہیں۔

اس رقابت کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہو کہ اخبار، خبریں جمع کرنے میں زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ "اوساکا مانیچی" کمپنی نے ۱۹۲۳ء کے جاپانی زلزلے کی خبریں حاصل کرنے پر ۴۴ ہزار پونڈ خرچ کئے تھے۔ اسی طرح ۱۹۲۶ء میں جب مشہور ہوا کہ شہنشاہ جاپان، حالت نزع میں ہو، تو اخباروں کی رقابت آخری حد تک پہنچ گئی۔ دونوں اخباری کمپنیوں نے شاہی محل کے قریب ہی دو مکان کرایہ پر لے لئے، اور اپنے اپنے دفتر کھول دئے۔ ان دونوں میں ہر وقت خبریں لانے والوں اور کام کرنے والوں کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ دو فوجی بارکیں معلوم ہوتی تھیں۔ ہر کمپنی کی کوشش تھی کہ شہنشاہ کے متعلق سب سے پہلے وہی خبریں معلوم کرکے شایع کرے!

جاپان کے اخباروں کا ایک امتیاز یہ بھی ہو کہ وہ خبریں جمع کرنے میں صرف، ریل، تار، اور ہوائی جہازوں ہی پر بھروسہ نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر چیز ٹوٹ سکتی ہو، بلکہ قدیم طریق خبر رسانی، یعنی پیغامبر کبوتروں کی ڈاک کا بھی انتظام کر رکھا ہو۔ بڑے بڑے نامہ نگاروں کے ساتھ ہمیشہ کبوتر جاتے ہیں، تاکہ اگر کبھی ریل، یا تار، یا ہوائی جہاز بے کار ہوجائے، تو ان کبوتروں کے ذریعہ خبریں وقت پر پہنچا دی جائیں"

ہنسی

ایک علمی اور نفسیاتی بحث

تازہ ڈاک کے ایک علمی رسالہ میں ہنسی کی حقیقت پر دلچسپ بحث کی ہو:

"ہنسی کیا ہو؟

موجودہ علم کی روشنی میں ہنسی، ایک عصبی تشنجی حالت ہو جو انسان کے مختلف اعضاء پر طاری ہوتی ہو۔ یہ حالت اس طرح شروع ہوتی ہو کہ پہلے آنکھیں کسی قدر بند ہوتی ہیں، پھر منہ کے بعض عضلات اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور بعض نیچے لٹک جاتے ہیں۔ پھر وہ کھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ دانت ظاہر ہوجاتے ہیں۔ پھر نبض اور تنفس پر اثر پڑتا ہو۔ اُن میں بھاری پن پیدا ہوجاتا ہو۔ ساتھ ہی آواز بھی پیدا ہوتی ہو، اور یہی آواز اپنے آخری درجہ میں قہقہہ کہلاتی ہو۔ پھر تشنجی حالت، جسم کے دوسرے اعضاء تک پہنچتی ہو۔ انسان بے خود ہوکر ہاتھ پاؤں ہلانے لگتا ہو، یا اپنے زانوؤں پر ہاتھ مارتا ہو۔ کبھی آدمی تالیاں بھی بجانے لگتا ہو۔ مگر یہ تمام حرکات، ہنسی کے اصلی اجزاء نہیں ہیں۔ اگرچہ اکثر حالتوں میں طاری ہوتے ہیں۔

پس ہنسی جسم انسانی کا ایک اندرونی عمل ہو۔ لیکن اگر انسان اپنی قوت ارادہ مضبوط کرلے، اور ہنسی روکنا چاہے، تو بڑی حد تک روک بھی سکتا ہو۔

ہنسی، عموماً مسرت انگیز موثرات کا نتیجہ ہوتی ہو۔ ٹھیک گریہ کی طرح جو رنج والم سے پیدا ہوتا ہو۔ یا چہرہ اور جسم کی بعض عضلی حرکات کی طرح جو غصہ یا خوف سے واقع ہوتی ہیں۔

کبھی ہنسی، اندرونی عوامل کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ صناعی طور پر پیدا کردی جاتی ہو۔ مثلاً ہم گدگدا کر آدمی کو ہنسا دیتے ہیں۔ جسم میں گدگدی کا اثر اس امر کی علامت ہو کہ جسم، زندہ اور حساس ہو۔ لیکن کبھی جسم پر ایسے عوارض بھی طاری ہوجاتے ہیں کہ گدگدی کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

غیر حقیقی ہنسی کی ایک قسم وہ بھی ہو جو محض محاکات سے ظاہر ہوتی ہو۔ ہم لوگوں کو ہنستے دیکھتے ہیں، اور خود بھی ہنسنے لگتے ہیں، حالانکہ ہمیں اُن کی ہنسی کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ محاکاتی ہنسی انسان کی اجتماعی طبیعت کی ایک علامت ہو۔ اس میں وراثت کو بھی دخل ہو۔

علمی تحقیقات سے ثابت ہوا ہو کہ ہنسی صرف انسان ہی کا خاصہ نہیں ہو، جیسا کہ قدماء خیال کرتے تھے، بلکہ بہت سے حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔ اپنی ابتدائی حیوانی حالت میں بھی انسان ہنسا کرتا تھا۔ اُس وقت اس میں کلام کی قوت نہ تھی، اس لئے ہنسکر اپنی خوشی ظاہر کرتا تھا۔ ہنسی درحقیقت چہرہ، آنکھوں اور کانوں کی طرف سے احساس مسرت میں شرکت کی ایک دعوت ہو!

ٹھیک انسان کی طرح بہت سے بندر بھی ہنستے یا مسکراتے ہیں۔ وہ خاص حالات میں اپنا منہ اور دانت کھول دیتے ہیں، اور ایسی آوازیں نکالتے ہیں، جو بالکل انسان کی ہنسی سے مشابہ ہوتی ہیں۔

پروفیسر جارج بولانگیر موجودہ زمانہ کا ماہر علم الحیوانات ہو۔ اُسکا بیان ہو کہ لندن کے زندہ عجائب خانے میں اُسنے متعدد شمپانزی بندروں کو ہنستے ہوئے دیکھا ہو۔ یہ ہنسی بالکل آدمی کی ہنسی کی طرح ہوتی ہو۔ بندر پروفیسر موصوف سے جان پہچان رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں بھی اُسے دیکھ کر ہنسنے یا مسکرانے لگتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ پروفیسر مذکور کا بیان ہو کہ اُسنے بہت سے بندروں کی بغل میں اسی طرح گدگدایا، جس طرح آدمی آدمی کو گدگداتا ہو۔ اُنپر کا وہی اثر ہوا، جو آدمی پر ہوتا ہو۔ یعنے وہ ہنسنے لگے اور بعض تو ہنستے ہنستے لوٹ گئے!

بعض علماء کا خیال ہو کہ کتے بھی ہنستے ہیں۔ لیکن کتوں کی ہنسی میں آواز نہیں ہوتی۔ صرف منہ کھلتا ہو اور دانت نکل آتے ہیں۔

مدبرین انگلستان کے بعض اقوال

ہندوستان کی نسبت

اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اسلام کو مغلوب کردیا جائے۔

(لارڈ ڈلہوزی ۱۸۴۸ء)

"لڑاؤ اور حکومت کرو" قدیم رومن مقولہ ہو اور یہی ہندوستان میں ہمارا بھی اصول ہونا چاہئے۔ ... مجھے یقین ہو کہ ہماری ہندوستانی سلطنت بالکل محفوظ ہوجائے گی اگر ہم اسی اصول پر ایک ہندوستانی فوج مرتب کریں۔ اسی مقصد کے لئے میں مختلف فرقوں اور زبانوں کی پھوٹ سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ ممکن ہو میں اس باب میں اپنا نقطۂ نظر پوری قوت سے بیان نہ کرتا اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ ڈیوک آف ولنگٹن اس خیال میں مجھ سے بالکل متفق ہیں۔

(لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی ۱۸۵۹ء)

ہماری بہترین حکمت عملی یہ ہوگی کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ہمیشہ دست بگریباں رکھیں!

(ویسٹ منسٹر ریویو ۱۸۵۸ء)

ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے مذہبی اور فرقہ دارانہ اختلافات پوری قوت سے برقرار رکھیں اور کبھی باہم اتحاد قائم نہ ہونے دیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہماری حکومت کا حکمت کا اصل الاصول ہونا چاہئے۔ (کرنل جان کوک ۱۸۵۹ء)

ہندوستانی مسلمانوں کا مفاد، ہندو جذبات پر قربان کردیا گیا۔

(ہنٹر ۱۸۶۸ء)

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — في العبدات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازه معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ايـــجنسى

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کي وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین
اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہنچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس بترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

١٩٢٧

الہلال

نمبر ٢٤ جلد ١

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین القرآن الحکیم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۴ — کلکتہ : جمعہ ٦ . جمادی الثانی ١٣٤٦ ھجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 2, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی . طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای . پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الہلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین . آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین. لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١٨٤٠ مراسلات وصول ھوی ھین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	٢٥٠	اردو حروف کی حق مین	٥٠٢
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	٧٢٠	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢٩٠	نستعلیق ھون	١٦٨

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی. اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی. آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	-	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	-	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	-	سات روپیه
قیمت في پرچه	-	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

اب غریب فوریس کے لیے بجز اطاعت کے کوئی چارہ کار نہ تھا ۔ وہ ۱۸ - دسمبر سنہ ۱۷۹۸ - کو اسکندریہ پہنچا اور فرانسیسی جہاز " شاسور " نامی پر سوار ہوگیا - اِس جہاز کا کپتان لارنس تھا -

لیکن فوریس یہ دیکھکر نہایت متعجب تھا کہ اُس کا جہاز سیدھا راستہ اختیار کرنے کی جگہ کچھہ عجیب پیچ و خم کے ساتھہ جا رہا ہے - اُس نے کپتان سے پوچھا ' تو اُس نے کہا " انگریزی بیڑہ ہر طرف منڈلا رہا ہے - اُس سے بچ کر چلنا ضروری ہے "

کپتان دراصل سکھایا پڑھایا ہوا تھا - اُس سے کہدیا گیا تھا کہ جہاز انگریزوں کے ھاتھہ قصداً گرفتار کرا دیا جائے - چنانچہ ایسا ہی ہوا - چند دنوں کے بعد فوریس انگریزی بیڑہ میں قید تھا - انگریزی جنگی جہاز " لیون " نے فرانسیسی جہاز دیکھہ لیا تھا اور گرفتار کر لیا تھا !

(۵)

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اِس حادثہ سے غریب فوریس کو کس درجہ صدمہ ہوا ؟ ایک طرف اپنی رفیق حیات کی جدائی کا صدمہ مارے ڈالتا تھا - دوسری طرف اپنی سرکاری مہم کی ناکامی کا داغ تھا - وہ انگریزی جہاز " لیون " کے ایک کمرے میں مقید تھا ' اور رہ رہکر کپتان لارنس کو کوس رہا تھا - اگر اس نے سمندر میں غلط راستہ اختیار نہ کیا ہوتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا - بڑی مصیبت یہ تھی کہ اب ایک بڑی مدت تک کے لیے وہ آزادی سے محروم ہوگیا تھا - کیونکہ وہ جنگی قیدی تھا - اسلیے اس کی رہائی صرف دو ہی صورتوں میں ہوسکتی تھی - یا تو دونوں حکومتوں میں صلح ہوجائے ' یا باھمدگر جنگی قیدیوں کا مبادلہ کیا جائے - لیکن یہ دونوں صورتیں قریب الوقوع نہ تھیں !

فوریس اپنے غم انگیز خیالات میں مصروف تھا - یکایک اُس کی کوٹھری کا دروازہ کھلا ' اور ایک انگریز داخل ہوا - یہ اُس عہد کا مشہور انگریز جاسوس جان بارنت تھا ' جسے نپولین نلسن سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا -

فوریس نے اُس کی صورت دیکھتے ہی خیال کیا کہ غالباً یہ اِس مہم اور اس کے مقاصد کے نسبت سؤالات کریگا - جو سرکاری مراسلت لیکر فوریس فرانس جا رہا تھا ' وہ گرفتاری کے وقت ہی اُس سے لیلی گئی تھی - سب سے زیادہ صدمہ اُسے اسی مراسلت کے دشمنوں کے ھاتھہ پڑجانے کا تھا - وہ اپنے دل میں کہنے لگا " نہیں معلوم اس مراسلت میں کیسے کیسے اہم راز ہونگے جو افسوس کہ دشمنوں کے علم میں آگئے - بہر حال خواہ کچھہ ہی کیوں نہ ہو ' میں اِن کم بختوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دونگا "

لیکن شدت حیرت سے وہ مبہوت ہوگیا ' جب اُس نے دیکھا کہ جان بارنت نے وہی مراسلت جیب سے نکالی ' اور فوریس کو دیتے ہوئے کہا :

" میرے دوست ! یہ تمہارا سر بہ مہر لفافہ موجود ہے - دیکھہ لو ! ہم نے کھولنے کی بالکل کوشش نہیں کی - اِس کی تمام مہریں اپنی اصلی حالت میں قائم ہیں - ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی کہ اِس کے مضامین سے واقف ہوں - یہ مراسلت تمھیں واپس دیدی جاتی ہے - لے لیلو - شاہی حکم کی رو سے اب تم آزاد ہو - تمھیں عنقریب مصر کے ساحل پر پہنچا کر رخصت کردیا جائیگا "

یہ بات صورت حال کے اِس درجہ خلاف تھی ' کہ کئی لمحہ تک فوریس باور نہ کرسکا - آخر اُس نے کہا :

" کیا آپ کا واقعی یہی مطلب ہے کہ یہ مراسلت میں لیلوں ' اور مجھے مصر کے ساحل پر اُتار دیا جایگا ؟ "

" یقیناً " انگریز جاسوس نے مسکراتے ہوئے کہا " اس لیے کہ میرے دوست ! جب تم قاہرہ واپس جاؤگے ' تو دیکھہ لوگے کہ تمہاری بیوی بونا پارٹ کی آغوش میں ہے ! "

(٦)

اصل واقعہ یہ ہے کہ نپولین اور میڈم فوریس کے تعلقات کی پوری سرگزشت انگریزی جاسوس نے معلوم کرلی تھی - اسکندریہ اور دمیاط میں اُن کے آدمی موجود تھے ' اور الفی بک مملوک کی اعانت سے تمام مصر کی خبریں معلوم کرتے رہتے تھے - جب جان بارنت کو معلوم ہوا کہ نپولین نے فوریس کو اس لیے روانہ کردیا ہے تاکہ مصر سے دور ہوجائے اور وہ خود اُس کی بیوی کے ساتھہ بے غل وغش عیش کرے ' تو اُس نے انگریزی بیڑہ کے افسروں کو اِس کی اطلاع دیدی - جب فرانسیسی جہاز کی گرفتاری کے بعد فوریس کا نام معلوم ہوا تو فوراً پہچان لیا گیا کہ میڈم فوریس کا شوہر یہی ہے - وہ اُسے گرفتار رکھنا نہیں چاہتے تھے - کیونکہ اِس طرح وہ نپولین کے دلی مقصد کی تکمیل کر دیتے - اُنھوں نے فیصلہ کرلیا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو ' اُسے مصر واپس کر دیا جائے ' تاکہ نپولین کے سر پر مسلط ہو جائے - انگریزوں کو یقین تھا کہ فوریس جوش انتقام میں اپنے رقیب کو قتل کر ڈالیگا ' اور اِس طرح اِس بلا سے انھیں نجات مل جائیگی -

(۷)

اُدھر مصر میں یہ ہوا کہ فوریس کے روانہ ہوتے ہی اُس کی بیوی نپولین کے قبضہ میں آگئی اور شب و روز ساتھہ رہنے لگی - نپولین کا اب اُس سے تعلق بالکل علانیہ تھا - چند دن بعد تمام فوج میں یہ خبر پھیل گئی ' اور سپاہی میڈم کو " ہماری مشرق کی ملکہ " کہکر پکارنے لگے !

لیکن ابھی چند ھفتے بھی اِس حالت پر نہیں گزرے تھے کہ اچانک فوریس قاھرہ پہنچ گیا - انگریزی جہاز نے نہ صرف اُسے مصر پہنچا دیا ' بلکہ اسکندریہ میں ایک انگریزی جاسوس نے تمام ضروری معلومات بھی بہم پہنچا دیں - اُسے معلوم ہوگیا کہ نپولین نے قاھرہ میں ایک خاص مکان اُسکی بیوی کیلیے مخصوص کر دیا ہے ' اور وہ بڑے امیرانہ ٹھاٹھہ سے وہیں رہتی ہے -

وہ سیدھا اُس مکان کی طرف چلا - واقعی اُسکی بیوی قیمتی لباس میں ملبوس موجود تھی - شوہر کو اِس طرح اچانک دیکھہ کر ڈرگئی ' اور صاف صاف نپولین کے تعلقات کا اقرار کرلیا - اب فوریس کیلیے غیظ و غضب ضبط کرنا ناممکن تھا - اُس نے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا - یہانتک کہ مارتے مارتے تھک گیا - اور عورت بے دم ہو کر گر پڑی -

اِسکے بعد کیا واقعات پیش آئے ؟ اُنکی تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچ سکیں - لیکن دو باتوں کا نپولین کے وقائع نگاروں نے ذکر کیا ہے - ایک یہ کہ فوریس نے طلاق کی درخواست پیش کرکے اپنی بیوی سے علحدگی کرلی تھی - دوسری یہ کہ فوریس مصر سے فرانس واپس آ کر عرصہ تک زندہ رہا تھا -

جان بارنت کا خیال تھا کہ فوریس نپولین کو قتل کر ڈالیگا ' لیکن نپولین ایسی ہستی نہ تھی جو اُس آسانی سے قتل کر ڈالی جاتی - ابھی اُسے زندہ رہنا تھا اور تمام یورپ کو منقلب کر دینا تھا !

نپولین اور اسکي اخلاقي زندگي

(انساني عظمت اور اخلاقي نامرادي)

میدان جنگ اور حجلۂ عرس !

(میدم پولین سے محبت)

اِس عورت سے نپولین کو مصر میں عشق هوا تها -

گیرٹرڈ اریٹز Gertrüde Aretez جسکي جدید الشیوع کتاب کا ذکر ان صفحات پر هو چکا هے ' میدم پولین کي نسبت لکهتا هے :

اس معامله کی تفصیل یه هے که ۹ - مئي ۱۷۹۸ ع کو نپولین مصر کي فتح کیلیے روانه هوا - وه اپنے دو دشمنوں سے بہت زیاده خائف تها ' اور انکي آنکهه بچا کر نکل جانا چاهتا تها - یعني انگریزي امیر البحر نلسن ' اور انگریزي جاسوس جان بارنسڈ -

اِس سفر میں نپولین نے چند خاص عورتوں کے سوا عورتوں کي رفاقت ممنوع قرار دیدي تهي - جن عورتوں کو چلنے اجازت دي گئي تهي ' ان میں خود اسکي داشتۂ میدم وردیا بهي تهي جسے وه اٹلي سے اپنے ساتهه لے لایا تها -

(۲)

اِس فوج میں لیو فوریس نامي ایک فوجي افسر تها - اسنے حال هي میں شادي کي تهي - اسکا دل اپني بیوي کي جدائي پر کسي طرح راضي نہیں هوتا تها - مگر مشکل یه تهي که عورتوں کو ساتهه لیجانے کي ممانعت تهي - آخر اسنے یه ترکیب نکالي که بیوي کو سپاهي کي وردي پہنا کر اپنے ساتهه لے لیا تا که دونوں بے روک ٹوک ساتهه رہ سکیں !

اس وقت کے اکثر مورخین کا بیان هے که ماہ اگست میں نپولین نے قاهره کے باهر ایک جلسه کیا تها ' جس میں اسکا پورا جنگي اسٹاف اور تمام عورتیں شامل تهیں - اِسي جلسه کے موقعه پر نپولین نے میدان میں اپني فوج کا ایک دسته گهوڑوں پر سوار دیکها - سپاهیوں میں ایک شخص غایت درجه خوش آواز ' خوبصورت ' اور دلربا تها - نپولین نے جنرل برتیه کو حکم دیا که اِس شخص کا پته لگا لے - اسي دن شام کو جنرل نے یه عجیب خبر سنائي که " وہ سپاهي مرد نہیں هے - عورت هے - اور بائیسویں رساله کے ایک افسر کي بیوي هے "

دوسرے دن نپولین نے جنرل کو ایک دعوت منعقد کرنے کا حکم دیا - اِس میں بڑے بڑے جنرل ' افسر ' اور انکي عورتیں مدعو کي گئي تهیں - خصوصاً میدم فوریس بهي خصوصیت کے ساتهه بلائي گئي تهي !

(۳)

چنانچه دعوت کا جلسه منعقد هوا - میدم بغیر اپنے شوهر کے بلائي گئي تهي - اس کے شوهر نے شروع میں تو جانے سے منع کیا - لیکن پهر ڈرا ' اور اجازت دیدي - چنانچه تمام مہمان جمع هوگئے - حسب معمول نپولین بر آمد هوا - سب تعظیماً کهڑے هوگئے - وه لوگوں سے هنستا بولتا جنرل تک پہنچا ' جسکے پاس میدم فوریس اور متعدد ممتاز سپه سالار کهڑے تهے - جنرل قائد اعظم کا خیر مقدم بجا لایا ' تشریف آوري پر شکریه ادا کیا ' اور ایک پیالي چاے نوش کرلینے کي درخواست کی - درخواست منظور هوئي ' اور نپولین بیٹهه گیا - میدم بالکل اسکے مقابل کهڑي تهي -

میدم فوریس نے دیکها ' سپه سالار اسے پر معني نظروں سے دیکهه رها هے - وہ بہت کم عمر تهي - شرما گئي - نپولین اسکي حالت کا بغور مطالعه کرتا رها - مگر بالکل خاموش رها - چاے جلدي سے پي ' اور بغیر ایک لفظ کہے جلسه سے اٹهه گیا -

مہمانوں نے رات کا کهانا کهایا ' اور کافي پینے لگے - میدم فوریس جس میز پر تهي ' اس کے ایک طرف جنرل ڈیو بوي بیٹها تها - دوسري طرف جنرل جونو - آخر الذکر نے کافي کي بهري هوئي پیالي جان بوجهه کر اس طرح میدم فوریس پر گرا دي ' که سب نے اسے اتفاقي حادثه سمجها - لوگ لپکے اور خاتون کا لباس صاف کرنے لگے - جنرل جونو نے اپني غفلت پر بڑي فصاحت سے ندامت کا اظہار کیا - فوراً کافي کا دهبه پاني سے دهلوایا گیا جس سے میدم کا لباس اور زیاده بهیگ گیا - اِس پر جنرل نے کہا " آپ کپڑا خشک کرنے کے لیے مکان کي بالائي منزل پر چلي جائیے " میدم چلي گئي - وهاں نپولین منتظر بیٹها تها !

(٤)

دعوت کے تیسرے دن میدم کے شوهر فوریس کو حکم ملا که جنرل برتیه سے ملاقات کرے - جنرل نے بڑي بشاشت سے افسر کا خیر مقدم کیا ' اور کہا " دوست ! تم بڑے هي خوش نصیب هو - کیونکه فرانس جا رهے هو - سپه سالار تمهیں ایک خفیه مہم پر پیرس بهیج رها هے - ایک گهنٹه کے اندر روانه هو جاؤ - یه لو ' اسکندریه کے سپه سالار کے نام حکم هے که تمهارے سفر کیلیے هر طرح کي سہولتیں بہم پہنچا دے "

فوریس بد حواس هوگیا - حیران تها ' کیا جواب دے ؟ آخر کار افسردگي سے جنرل کا شکریه ادا کیا اور کہا " اگر مجهے فوراً هي روانه هو جانا هے تو میں اپني بیوي کو بهي ساتهه لے جاؤنگا "

جنرل نے غصه سے کہا " بیوي ! کیا تم یه سمجهتے هو که ایک ایسے نازک کام میں اپنے ساتهه اپني بیوي کو لیجا سکتے هو ؟ خصوصاً جب که راسته میں انگریزي بیڑہ موجود هے اور تمهیں قید کر لے سکتا هے ؟ "

چراغ پا هوجاتے هيں - ليكن انهيں معلوم نهيں ' انبياء كرام كا طريق دعوت تو يه هے كه اگر نو سو ننانوے باتيں كهكر چهوڑ دينى پڑيں؛ اور هزارويں بات سے مخاطب كے اندر فهم و بصيرت پيدا هو سكے ' تو انهيں ايسا كرنے ميں بهي كبهي تامل نه هوگا - وه ايک كے بعد ايک ' سينكڑوں باتيں چهوڑتے چلے جائينگے - يهانتک كه مخاطب كے دل كا دروازه كهل جاے اور حقيقت اور سچائي كي جهلک ديكهه لے !

(طبيب اور داعي)

افسوس' قرآن كهاں ليجانا چاهتا تها ' اور دنيا نے اسے سر پر ركهكر كدهر كا رخ كيا ! همارے مفسرين متكلمين ارسطو كي منطق اور يونانيوں كي دانش فروشيوں ميں ايسے گم هوگئے كه انهيں دوسري راهوں كي خبر هي نه رهي - حالانكه دنيا ميں صرف مناظر اور منطقي هي نهيں هوتے - طبيب اور معالج بهي هوتے هيں - طبيب كا فرض كيا هوتا هے ؟ كيا يه هوتا هے كه مريض سے اس كي جهالت اور نا داني كي ايک ايک بات پر لڑے اور مناظره كرے ؟ نهيں ' هزار بار نهيں - اگر طبيب ' طبيب صادق هے ' تو اس كي ساري قابليت صرف اسي ايک نقطه ميں مركوز رهيگي كه كسي طرح مريض كو شفا حاصل هوجاے ' اور كسي طرح موت كي جگه زندگي كا دروازه اس پر كهل جاے - بسا اوقات ايسا هوگا كه وه مريض كے ليے ايک غذا تجويز كريگا - اصول طب كے لحاظ سے غذا بهترين غذا هوگي - ليكن طبيب بهتر نسخه اور بهتر غذا تجويز كر سكتا هے ' بهتر معده خلق نهيں كردے سكتا - بهت ممكن هے ' مريض كا معده اتنا قوي نه هو' كه اس درجه كي مقوي غذا كا متحمل هوسكے - جونهي طبيب كو معلوم هوگا كه ميري تجويز كي هوئي غذا اسے پچ نهيں سكتي ' وه فوراً اسے ترک كر ديگا ' اور دوسري غذا تجويز كر ديگا - اگر دوسري غذا بهي مريض هضم نه كرسكا ' تو عجب نهيں تيسري غذا تجويز كردے - بلكه هوسكتا هے ' چوتهي اور پانچويں تک نوبت پهنچے - جب تک مريض غذا هضم نه هو سكنے كي شكايت كرتا رهيگا ' طبيب غذا بدلتا رهيگا - وه كبهي يه نهيں كريگا كه ايک هي غذا تجويز كركے اس پر اڑ جاے ' اور خواه بدبخت مريض هضم كرسكے يا نه كرسكے ؟ يه رهي لقمے اسكے حلق ميں ٹهونستا رهے - اگر ايسا كريگا ' تو يقيناً وه طبيب نه هوگا ' نوع انساني كا سب سے زياده جاهل فرد اور سب سے بڑا قاتل هوگا !

انبياء كرام كے اعمال دعوت كے ليے اگر انسانوں كے كسي عمل سے مشابهت پيدا كي جا سكتي هے ' تو وه حكماء كي حكمت اور مناظرين كا مناظره نهيں هے - اطباء كا معالجه هے - طبيب جسم كا علاج كرنا چاهتا هے - انبياء روح و دل كے روگ دور كرنا چاهتے هيں - ان كا سلوک بهي اپنے مريضوں كے ساتهه هميشه ويسا هي هوتا هے - جيسا ايک طبيب كا هونا چاهيے - وه مريض سے مناظره كرنا نهيں چاهتے - اسے تندرست كرنا چاهتے هيں - وه بسا اوقات علم و يقين كي ايک دماغي غذا مريض كے سامنے ركهتے هيں - غذا هر طرح مفيد اور بهتر سے بهتر هوتي هے - ليكن انهيں معلوم هوجاتا هے كه جهل و ضلالت نے مريض كي فكري حالت اس درجه خراب كردي هے ' كه يه غذا اس كا دماغ هضم نهيں كرسكتا - يعنے اس كي سمجهه كي كجي اور دل كي گمراهي ساتهه نهيں ديتي - جونهي انهيں اس حالت كا احساس هوتا هے' ايک طبيب حاذق كي طرح فوراً غذا بدل ديتے هيں ' اور كوئي دوسري غذا جو اس كا معدهٔ فكر هضم كرسكے' سامنے ركهديتے هيں - انهيں اس بات كي بالكل پروا نهيں هوتي كه پهلي غذا كيوں بدلني پڑي ؟ اس ليے كه مقصود كسي خاص غذا كا كهلادينا نهيں هے ' بلكه ايسي غذا كا كهلانا هے جو مريض ٹهيک طور پر هضم كر سكے - هضم كي استعداد كے لحاظ سے هر مريض كي حالت يكساں نهيں هوتي - ايک مريض كے ليے دودهه سے زياده زود هضم غذا كوئي نه هوگي - ليكن يهي دودهه دوسرے مريض كے ليے ناقابل هضم هوگا - جو حال جسم كے ليے معده كا هے - وهي حال دماغ كے ليے فكر كا هے - ذهن و فكر كا ايک بيمار ايسا هوگا جو ايک خاص طرح كي دانائي قبول كرلے سكتا هے ' ليكن ايک دوسرے بيمار دل كے ليے وهي بات ناقابل فهم و تاثر هوگي - انبياء كرام علم و يقين كي بهتر سے بهتر دانائي ركهتے هيں ' ليكن دماغ و فكر پيدا نهيں كردے سكتے - دودهه كے بهتر غذا هونے پر كون حرف لا سكتا هے ؟ ليكن اس كا كيا علاج كه بد نصيب مريض نے اپنا معده كهو ديا هے ' [illegible] دودهه جيسي سهل اور زود هضم غذا بهي هضم نهيں كرسكتا ؟

يهي معني هيں اس آيت كريمه كے : انك لا تهدى من احببت ، و لكن الله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ! (۲۸ : ۵۶) حالانكه انبياء كرام كے هادي هونے پر خود قرآن بار بار شهادت دے چكا هے كه : و انك لتهدى الى صراط مستقيم ! (۴۲ : ۵۲) تو مطلب يهي هے كه پهلي قسم كي آيات ميں استعداد اور قابليت خلق كرنے كي نفي هے ' اور دوسري ميں استعداد ركهنے والوں پر سچائي كي راه كهولديني كا اثبات هے -

(بابل كا طبيب حق)

كئي هزار برس گزرے ' اس بيمارستان هستي ميں ايک طبيب حق ابراهيم خليل بهي تهے - ان كا سابقه بابل كے ايک مريض سے پڑا - يه پادشاهي كے گهمنڈ كا روگي ' اور جهل و طغيان كي بيماريوں سے بد حال تها - انهوں نے اس كے سامنے علم و بصيرت كي ايک غذا ركهي: " ربى الذي يحيى و يميت " ميرا تو اس پروردگار پر ايمان هے جس كے قبضهٔ و تصرف ميں هماري موت و حيات هے - يه بهتر سے بهتر غذا تهي جو شک اور انكار كے كسي مريض كے ليے هوسكتي هے - ليكن مريض اپنے معده كي صلاحيت بالكل كهو چكا تها - وه اتني هلكي اور ساده غذا بهي هضم نه كرسكا - جهل و طغيان كے هيجان ميں بول اٹها " انا احي و اميت " اگر تمهارے پروردگار كي يهي صفت هے تو يه بات تو مجهے بهي حاصل هے - لاكهوں انسانوں كي جان ميرے قبضهٔ اختيار ميں هے - جسے چاهوں هلاک كر ڈالوں - جسے چاهوں ' زندگي بخش دوں - يه جواب سن كر حضرت ابراهيم كو معلوم هوگيا كه غذا گو بهتر تهي ' ليكن مريض كے معدے ميں اتني بهي صلاحيت نهيں كه اسے هضم كر سكے - انهوں نے فوراً پهلي قاب هٹالي ' اور ايک دوسري غذا پيش كردي : " فان الله ياتي بالشمس من المشرق ' فأت بها من المغرب !" اچها ' اگر ايسا هي هے ' تو ديكهو ' يه سورج همارے سروں پر چمک رها هے - يه هر روز پورب سے نكلتا هے اور پچهم كي طرف ڈوب جاتا هے - تم اسے ايک مرتبه پچهم سے نكال دكهاؤ ! يه غذا ٹهيک اسكے معده كي استعداد كے مطابق تهي - حلق سے اتري ' اور هضم هوگئي : " فبهت الذي كفر " اب اس ميں كج بحثي كا دم خم نه رها - دم بخود هوكر رهگيا !

خدا را غور كيجيے - بات كتني صاف اور دلاويز تهي ' اور مفسرين نے اسے كس طرح مشكلوں اور پيچيدگيوں كا گوركهه دهندا بنا ديا هے ؟ اگر حضرت ابراهيم كا طريق بيان مجادلانه هوتا - هدايت كا نه هوتا - تو وه اپني پهلي بات هي پر مخاصم سے الجهه پڑتے '

حجة ابراهیمی

ایۂ کریمہ " الم تر الي الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقه

(از مولانا ابو الکلام)

(٤)

(ایۂ زیر تدبر کي تفسیر)

اب آیت زیر تدبر پر غور کیجیے :

الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه أن اتاه الله الملك ، اذ قال ابراهیم : ربی الذی یحیی و یمیت ـ قال : انا احی و امیت ـ قال ابراهیم : فان الله یاتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب ! فبهت الذی کفر ، و الله لا یهدی القوم الظالمین ! (٢ : ٢٦٠)

اے پیغمبر ! کیا تمھیں اس شخص کا حال نہیں معلوم جس نے محض اس وجہ سے کہ خدا نے اُسے پادشاهت دے رکھي تھي ' جہل و غرور میں سرشار ہوکر ابراهیم سے اُس کے پروردگار کے بارے میں حجت کي ؟ جب ابراهیم نے کہا : میرا پروردگار وہ ھے جو زندہ کرتا ھے اور مارتا ھے - تو اُس نے کہا ' یہ تو میں بھي کر سکتا ھوں - میں جسے چاھوں ' ماردوں - جسے چاھوں زندگي بخش دوں -

اِس پر ابراهیم نے کہا : اچھا ' اگر ایسا ھي ھے تو خدا همیشه سورج کو مشرق سے نکالتا ھے - تم مغرب سے نکال دکھاؤ ! یہ سنکر وہ ھکا بکا رہگیا - اور الله کا قانون یہ ھے کہ ظلم کرنے والوں پر هدایت کي راہ کبھي نہیں کھلتي !

(۱) سب سے بڑا الجھاؤ جو اس آیت کي تفسیر میں پڑگیا ھے ' وہ حضرت ابراهیم کا انداز سخن ھے - جب مخاطب نے ایک ایسي بات کے جواب میں جو اثبات مدعا کیلیے قطعي ' اور نہایت درجہ واضح تھي ' جہل و غرور سے ایک نہایت لغو بات کہدي ' تو حضرت ابراهیم نے نہ تو اپني بات کي مزید تشریح کي ' نہ مخاطب کو اُس کے جہل و نا فہمي پر متنبہ کیا ' بلکہ فوراً پہلي بات چھوڑ کر ایک دوسري بات کہدي - " فان الله یاتي بالشمس - الخ " مفسرین نے طرح طرح کي توجیہیں کي هیں ' مگر سر رشتۂ تفسیر میں کچھہ ایسی گرہ پڑگئي ھے کہ کوئي ناخن تاویل بھي اُسے نہیں کھول سکتا - بڑي تحقیق کي بات جو حضرت امام رازي نے ڈھونڈھہ نکالي ھے ' یہ ھے کہ یہ دو مختلف دلیلیں نہیں تھیں - ایک ھي دلیل کي مختلف مثالیں تھیں - لیکن اول تو دونوں دلیلوں میں ربط و مناسبت پیدا کرنے کے لیے سبب و واسطه اور حرکت افلاک کي بحثیں پیدا کي گئي هیں ' اور وہ اس قدر دور ازکار اور بے معني هیں کہ اُنھیں تسلیم کرلینا قرآن کو قرآن کي جگه کوئي دوسري چیز بنا دینا ھے - ثانیاً ' خود امام صاحب چار سطر پہلے معترض کي زباني همیں سنا چکے هیں کہ رجوع خواہ دلیل سے کیا جائے خواہ مثال سے ' لیکن مستدل کے لیے ضروري ھے کہ معارض کے جواب کي غلطي ظاهر کردے ' ورنہ اُس کا عجز ثابت ھوجایگا - پس اگر دلیل کو مثال بنانے کي یہ ساري مصیبت گوارا بھي کرلي جائے ' جب بھي بات بنتي نہیں - اعتراض جوں کا توں باقي رهجاتا ھے -

اصل یہ ھے کہ یہ ساري مصیبت اسي لیے پیش آئي ھے کہ اس مکالمہ کو منطقي " مناظرہ " قرار دیدیا گیا ھے - مناظرہ کا مقصود انکشاف حق نہیں ھوتا - اِسکات خصم ھوتا ھے - اس لیے مناظر کا فرض ھوتا ھے کہ ایک بات پیش کرکے اُس پر اس طرح جم جائے ' کہ خواہ زمین و آسمان اپني جگہ سے ٹل جائیں ' لیکن وہ اپني جگہ سے نہ ھلے - اگر مخاطب کي سمجھہ ساتھہ نہیں دیتي ' تو ھزار مرتبہ نہ دے - اُس کي بلا سے - وہ اُس کا جہل ثابت کردیگا ' اور مخاطب کا جہل ثابت کرکے اُسے ذلیل اور لا جواب بنا دینا ھي اُس کي بڑي سے بڑي جیت ھے - باقي رھي یہ بات کہ جو بات مخاطب کے ذھن نشین کرني تھي ' وہ اُس کے دل میں اُتر سکي یا نہیں ؟ تو مناظر کو نہ تو اِس کي پروا ھوتي ھے ' نہ فن مناظرہ کا یہ مقصود ھے - مناظر صرف یہ چاھتا ھے کہ مخاطب کو میدان سخن میں ھرا دے - یہ مقصود جس طرح بھي حاصل ھوجائے ' اُس کي جیت ھے - همارے متکلمین کي نظر میں چونکہ انبیاء کرام کي بھي سب سے بڑي فضیلت یہي تھي کہ وہ مناظر اور منطقي ھوں ' اس لیے اِسي اعتبار سے اس مکالمہ پر بھي نظر ڈالتے هیں ' اور قدرتي طور پر چاھتے هیں کہ ایک شاطر مناظر کي طرح حضرت ابراهیم بھي اپني بات پر اڑ جاتے ' اور خواہ اُن کا مخاطب سمجھہ سکتا یا نہ سمجھہ سکتا ' یہ اُسي پر لڑتے جھگڑتے رهتے - اگر اُس نے جہل و غرور سے ایک لغو بات کہدي تھي ' تو چاهیے تھا کہ یہ اُس کي لغویت اور جہالت پر ایک لمبي چوڑي تقریر فرماتے - پھر اگر وہ اُس کے جواب میں بھي کوئي بکواس کر دیتا - تو یہ اُس کے جواب الجواب میں آستنیں چڑھا لیتے - یہاں تک نہ صرف اپني دلیل کي شرح و توضیح اور رد و جواب ھي میں تمام کردیتے !

لیکن همارے مفسرین بھول گئے - اُنھیں یاد نہیں رھا کہ ابراهیم خلیل ' داعي حق تھے - مناظر و مجادل نہ تھے - اور اِسي ایک بنیادي فرق نے اُنکي راہ مناظرہ و مجادلہ کي ساري راهوں سے الگ کردي تھي - اُنکا کام یہ نہ تھا کہ کسي خاص دلیل پر اڑ جائیں ' یا مخاطب کے اِظہار جہل و عجز کا کوئي موقعہ هاتھہ سے نہ دیں - اُن کا کام یہ تھا کہ برگشتہ دلوں کو سچائي کي راہ دکھلا دیں - وہ دلیلوں کے تحفظ کیلیے بلکہ حق اور ایمان کي حفاظت کیلیے لڑتے تھے - اِس مکالمہ میں تو حضرت ابراهیم نے صرف اِتنا ھي کیا کہ ایک بات چھوڑ کر دوسري بات کہدي ' اور اِسي پر همارے مفسرین

ہدایت یہی ہے کہ جن لوگوں نے ظلم و طغیان کی راہ اختیار کرلی ہے ' اُن پر ہدایت و سعادت کی راہ نہیں کھلتی !

(منطقی شبہات)

(۴) ہمارے مفسرین کو صرف اسی کی فکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو منطقی اور مناظر ثابت کر دکھالیں ' بلکہ وہ نمرود کے لیے بھی بہت متفکر ہیں - اُن کی کوشش یہ ہے کہ اُس کی کوئی بات بھی فلسفیانہ دقیقہ سنجی سے خالی نہ جائے - چنانچہ اُس کے اس قول کی توجیہ میں کہ " انا احی و امیت " حضرت امام رازی نے بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں ' اور بالاخر اِسے واسطہ اور سبب کے جھگڑوں میں لے گئے ہیں - لیکن اب آپ سمجھہ گئے ہونگے کہ یہ تمام کاوشیں قطعاً دور از کار اور بے معنی ہیں - قرآن حکیم اس جاہل متمرد کا جہل و غرور دکھلا رہا ہے - ہمارے متکلمین کی طرح اُسے فیلسوف ثابت کرنا نہیں چاہتا - یہ تمام توجیہیں بھی کہ اُس نے ایک واجب القتل قیدی کو چھوڑ دیا تھا اور ایک کو قتل کردیا تھا ' قطعاً غیر ضروری اور مکالمہ کی حقیقت سے دور لیجانے والی ہیں - " انا احی و امیت " کا صاف مطلب وہی ہے جو ایک مغرور اور بر خود غلط بادشاہ کا ہمیشہ ایسے متکبرانہ دعووں سے ہوا کرتا ہے -

(۵) اب آپ نے سمجھہ لیا ہوگا کہ جس قدر شبہات پیدا ہوئے تھے ' فی الحقیقت اُن میں سے کسی شبہ کی بھی یہاں گنجایش نہیں - بڑے شبہات امام صاحب کے اور آپ کے پیدا کیے ہوئے یہ تھے کہ نمرود اگر مدعی تھا تو دلیل اُسے پیش کرنی تھی ' نہ کہ حضرت خلیل کو ' اور جب حضرت خلیل نے ایک دلیل پیش کردی تو اُس سے رجوع کیوں کیا ؟ لیکن یہ تمام شبہات غیر متعلق ہوجاتے ہیں جب واضح ہوجاتا ہے کہ نہ تو یہ مناظرہ مصطلحۂ فن تھا ' نہ مخاصم کی حیثیت مدعی کی تھی ' اور نہ انبیاء کرام مناظرانہ طریقہ سے رد و کد کرتے ہیں - باقی رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلی بات کے جواب میں ایک جاہلانہ دعوی کردیا تھا ' تو دوسری بات کے جواب میں بھی کوئی نہ کوئی بات کہدے سکتا تھا ' تو اس شبہ کی بھی اب کوئی گنجایش نہیں رہی - یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ " فبہت الذی کفر " کے معنی مناظرہ میں لا جواب ہوجانے کے سمجھے گئے تھے - لیکن جب واضح ہوگیا کہ " بہت " سے یہاں مقصود بات بنانے میں لا جواب ہوجانا نہیں ہے ' بلکہ ایک سچی بات سے متاثر ہوکر ھکا بکا رہجانا ہے ' تو ظاہر ہے ' یہ شبہ کیوں وارد ہو ؟ جب ایک حقیقت جس کے جھٹلانے اور نہ دیکھنے کی وہ کوشش کر رہا تھا ' اس کے سامنے بے نقاب ہوگئی ' تو اُس میں کج بحثی کا دم خم باقی نہ رہا - لاچار اور دم بخود ہوکر رہگیا -

---

جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور ' موافقین و مخالفین ' اور نقد و تبصرہ

تقریباً تین ماہ گزرے ' مطبوعات جدیدہ کے سلسلہ میں ایک کتاب کا ذکر ان صفحات پر کیا گیا تھا ' جس میں سر کونن ڈائیل کے بعض مضامین یورپ کے جدید مذہب روحی کی تائید میں شائع ہوئے تھے - اس تحریر کے آخر میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھہ نظر ڈالینگے -

اس تحریر کی اشاعت کے بعد ' قارئین الہلال میں سے متعدد حضرات نے اس موضوع سے اپنی غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی ' اور بار بار اصرار کیا کہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھہ بحث کی جاے - آج ہم چاہتے ہیں ' ایک سلسلۂ مقالات اس موضوع پر شروع کریں - اس سلسلہ میں حسب ذیل امور یکے بعد دیگرے بحث و بیان میں آئینگے :

(۱) جدید مذہب روحی کے ظہور و اشاعت کی مختصر تاریخ
(۲) موافق اور مخالف علماء کے آراء
(۳) بعض مشہور اور علمی نوعیت کے تجارب اور عملیات
(۴) موافقین و مخالفین کی رائیوں کا موازنہ اور تبصرہ

(ظہور و اشاعت کی تاریخ)

سنہ ۱۸۵۶ - میں نیو یارک امریکہ کے ایک گاؤں ہیڈس ویل نامی میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا - جان فاکس نامی ایک شخص کا خاندان ہر روز اپنے گھر میں ایک خاص قسم کی کھٹ کھٹ سنا کرتا تھا - ایک دن مسز فاکس نے جرأت کرکے اس آواز کو مخاطب کیا :

" کیا تم کوئی روح ہو ؟ "

پھر اُس سے طے کیا کہ جواب میں اثبات کی علامت ایک خاص طرح کا کھٹکا ہے ' اور نفی کی علامت ایک خاص طرح کا - چنانچہ سوال و جواب ہوتے رہے ' اور عورت کو معلوم ہوگیا کہ آواز واقعی ایک روح کی ہے جو اِسی گھر میں رہتی ہے - پڑوسیوں نے ایک آدمی اِس مکان میں قتل کرکے دفن کردیا تھا اور اُس کا مال لوٹ لیا تھا - یہ اُسی کی روح ہے -

عورت نے فوراً پولیس کو خبر پہنچائی - حکام نے آکر اُسی طریقے پر روح کا بیان اپنے کانوں سے سنا - پھر وہ مقام کھودا گیا جہاں روح نے لاش مدفون بتائی تھی - لاش مل گئی ' اور بالاخر قاتلوں کا پتہ بھی چل گیا !

وہ کہتے ' میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو - نتیجہ یہ نکلتا کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بحث چھڑ جاتی ' اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقعہ ہی نہیں آتا - لیکن اُن کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی - اُنھوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی - جونہی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھہ سکا ہے ' تو بغیر کسی تامل کے اُسے چھوڑدیا - ایک دوسری بات پیش کردی - یہ بات اس کی فکری استعداد کے ٹھیک مطابق تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا - اگر حضرت ابراهیم کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑتیں ' جب بھی انہیں اس میں تامل نہ ہوتا !

(مکالمہ کی تفسیر)

(۳) میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی ' کیونکہ بغیر اسکے اُس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی - اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھہ لیجیے

" أن اتاہ اللہ الملک " کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے - حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا - یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہکر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کردی - جس انسان نے حضرت ابراهیم سے اُن کے رب کے بارے میں کج بحثی کی تھی ' قرآن واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تھا ؟ کونسی چیز تھی جس نے اُسکے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کردیا کہ پروردگار عالم کا نام سنکر بھی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعووں سے باز نہیں آیا ؟ " أن اتاہ اللہ الملک " ! - یہ سب کچھہ اسلیے تھا کہ وہ پادشاہ تھا - یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اور حکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا ' جس نے اُسے اس درجہ مغرور اور برخود غلط بنا دیا تھا - اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ " ان اتاہ اللہ الملک " پس معلوم ہوا ' یہ پادشاہت کا گھمنڈ تھا ' اور پادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہوجایا کرتی ہے -

" حاج ابراهیم فی ربہ " سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراهیم نے جب اُس پادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی ' اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرایا ' تو وہ حضرت ابراهیم سے کج بحثی کرنے لگا - یعنی اُس خدا کے بارے میں کج بحثی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بھروسہ پر وہ تن تنہا ایک جابر و قاہر پادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے ' اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے ! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا ' اس لیے اُس نے کہا : وہ تمہارا خدا کون ہے اور کہاں ہے جس کی مدد کے بھروسے پر میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہو ' اور مجھہ جیسے طاقتور پادشاہ کو بے باکانہ سر زنش کرنے کی جرأت کرتے ہو ؟ حضرت ابراهیم نے اس کے جواب میں کہا : " ربی ' الذی یحیی و یمیت " - تمہارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے - میرا ایمان تو اُس پروردگار عالم پر ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے -

حضرت ابراهیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا - اُنھوں نے ایک ایسی سیدھی سادی بات کہدی تھی ' جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اذعان موجود ہے - بشرطیکہ اُس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کردی ہو - ہر انسان وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے ' جس کا اختیار صرف اُسی ذات کے ہاتھہ میں ہے جو اِس تمام کارخانۂ ہستی کی خالق ہے - اُس کے سوا کوئی نہیں جو زندگی کا بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کر دینے والا ہو - بات بالکل صاف اور واضح تھی - لیکن بابل کا متکبر پادشاہ جو اپنی پادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا ' حضرت ابراهیم کو زک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اُٹھا " انا احی و امیت " واہ ' یہ تمہارے خدا کی کونسی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے - یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے - ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضۂ و تصرف میں ہے - میں پادشاہ ہوں - جسے چاہوں قتل کر ڈالوں ' جسے چاہوں بخشدوں -

بلا شبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا - حضرت ابراهیم نے کیا بات کہی تھی ' اور اس مغرور نے اُس کا مطلب کیا سمجھا - لیکن چونکہ حضرت ابراهیم کا طریق مخاطبت " ہدایت " کا طریقہ تھا - " جدل " کا نہ تھا ' اسلیے اُسکی جاہلانہ بات پر بالکل متوجہ نہ ہوے - وہ سمجھہ گئے - غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی ' لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کر سکا - اسے دوسری غذا دینی چاہیے - چنانچہ انھوں نے فوراً دوسری بات فرما دی " فان اللہ یاتی بالشمس الخ " یہ بات سنکر اس متمرد کی ساری کج بحثی ختم ہوگئی ' اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی - موت اور حیات والی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کیلیے نہایت واضح بات تھی ' لیکن اس مغرور و جاہل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی ' کہ کج بحثی کی ایک راہ نکال ہی لی - لیکن یہ دوسری بات اُس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ اوقع فی النفس تھی ' کہ حقیقت کی طرف سے آنکھہ بند کر لینے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا - سورج سر پر چمک رہا تھا - اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا ' اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کیلیے ڈھل رہا تھا - صدیوں سے ' ہزاروں برس سے ' ہمیشہ سے ' ایساہی ہوتا چلا آیا ہے - کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُسکی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو - پھر کیا دنیا کا کوئی حکمران ' دنیا کا کوئی شہنشاہ ' دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کیلیے اُس کا رخ بدل دے ؟ ایک دن کے لیے نہیں ' ایک گھنٹہ کیلیے ' ایک دقیقہ کیلیے ' اُسکی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے ؟ یہ حقیقت تھی جو اُس جاہل و مغرور کے سامنے نمایاں ہوگئی - اگرچہ اُس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کیلیے طیار نہیں تھا ' لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد شوخ چشمی سے کج بحثی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا : " فبہت الذی کفر " - اور چونکہ باوجود حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا ' اسلیے فرمایا " و اللہ لا یہدی القوم الظالمین " خدا کا قانون

پهر جب یهي عالم رائل سوسائٹي کا صدر منتخب هوا ' تو اُس نے اپني صدارتي تقریر میں اِس مذهب کي طرف اشارہ کرتے هوے کہا :

" میں نے مسلسل ۳۵ - سال اِس مذهب کي تحقیق کي هے - بہت سي نئي معلومات بهي حاصل کي هیں - میں عنقریب ایک نئي کتاب شایع کرنے والا هوں "

اِس مذهب کے ابتدائي ماننے والوں میں ایک جلیل القدر نام الفرڈ رسل ویلس کا بهي هے - یهي وہ مشهور عالم هے جس نے ٹهیک اُسي زمانه میں مذهب نشؤ و ارتقاء کا اکتشاف کیا تها ' جبکه ڈارون کو اُس کا سراغ ملا تها - اِس نے اِس مذهب کے بارے میں دو مستند کتابیں " دور جدید کے معجزات " اور " مذهب روحي کي مدافعت " کے نام سے شایع کیں - اول الذکر کتاب میں لکهتا هے :

" میں سراسر ملحد تها - اپنے مادي مذهب کے سوا کسي بات پر بهي یقین نهیں رکهتا تها - میں تصور بهي نهیں کر سکتا تها که اِس عالم میں مادہ اور اس کي قوت کے سوا کوئي روحاني زندگي بهي موجود هے - لیکن میں نے بے شمار تجربوں اور مشاهدوں کے بعد اپنے آپ کو مجبور پایا که اِس جدید مذهب کي تصدیق کروں - ...... یه اُس وقت کي بات هے جب میں روح کے وجود کا قائل نه تها - بہت مدت کے بعد مجهے مان لینا پڑا که یه امور واقعي روح هي کے ذریعه واقع هوتے هیں ' کیونکه اُن کي کوئي دوسري تعلیل ممکن هي نهیں هے "

مشاهیر علماء میں ایک اٹالین عالم لومبروزو Lombroso هے - یه علم الجرائیم کا باني هے - پہلے یه اِس مذهب کا سخت مخالف تها اور اس کے ماننے والوں کو مجنون قرار دیتا تها - لیکن تحقیقات اور ذاتي تجربه کے بعد اُس کا پر جوش حامي بن گیا - اُس نے مشهور فرنچ عالم فلکیات فلا مریون Camille Flammarean اور فرنچ اکاڈیمي کے پروفیسر چارلس ریشیے کے ساتهه ملکر اِس مذهب کا طویل مطالعه کیا اور اپني تحقیقات کے نتائج ایک کتاب کي صورت میں شائع کیے - اس کتاب کے مقدمه میں وہ لکهتا هے :

" اپني خاص علمي تربیت اور نفسي میلان کي بنا پر میں مذهب روحي کا سب سے بڑا دشمن تها - مجهے یه بات بالکل بدیهي معلوم هوتي تهي که هر قوت مادہ هي کا ایک خاصه هے ' اور هر فکر ' دماغ هي کا ایک فعل هے - اس کے سوا میں کچهه تصور هي نهیں کر سکتا تها - میں اِس مذهب کے ماننے والوں کا مضحکه اڑایا کرتا تها - لیکن حق و حقیقت پر میري فریفتگي بالاخر میرے میلان نفس پر غالب آگئي - مسلسل تجربوں اور مشاهدوں کے بعد اب مجهے اس پر پورا یقین هے "

اِن کے بعد پروفیسر هاڈسن ' پروفیسر میرس (کیمبرج) سٹنٹون موزس (آکسفورڈ) سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' مسٹر گلاڈسٹون ' مسٹر بالفور وغیرہ انگریز علماء اور مدبروں نے بهي اِس کي تحقیقات کي ' اور اعتراف پر مجبور هو گئے -

اِسي طرح فرانسیسي علماء میں قابل ذکر چارلس ریشیے کیمیل فلا مریون ' ڈاکٹر مکسویل ' پییر گانیه ' پیر دورو ' پاراتوک وغیرہ هیں - جرمني اور امریکا کے بہت سے اقطاب علم بهي اِس کے معتقد هو چکے هیں - اُن کے نام اور مباحث آیندہ اپنے محل میں آئینگے -

مشهور فرانسیسي عالم فلسفه ' جان وینو نے سنه ۱۸۹۵ع میں کہا تها :

" یه فرض نهیں کیا جاسکتا که یه تمام علماء فریب اور تدلیس کے ذریعه ' اوهام و خرافات کي برباد شدہ حکمراني پهر قائم کر دیني چاهتے هیں - اِس خیال کي بهي گنجائش نهیں که یه لوگ بالکل سادہ لوح هیں ' اور اپني حماقت کي وجه سے اِن امور پر یقین لے آئے هیں ' کیونکه علمي تجارب میں ان اکابر علم کي دقت نظر معلوم و مسلم هے "

علم نفسیات کا مشهور ماهر پیر جانی اپني کتاب میں جو اِسي موضوع پر هے ' لکهتا هے :

" مذهب روحي ' هر اعتبار سے دقیق مطالعه اور اصولي بحث کا مستحق هے - اِس میں شک اور تضحیک کي بالکل گنجائش نهیں هے - همیشه فریب ' فریب ' پکارتے رهنا بهي صحیح نهیں هے - کیونکه یه تحریک جس نے یورپ میں اپنے بے شمار مراکز قائم کرلیے هیں اور عقلاء و علماء کا ایک جم غفیر اُس کا علم بردار بن گیا هے ' سراسر دهوکا اور فریب نهیں هوسکتي - ضرورت هے که منکرین ایمانداري کے ساتهه اُس کا مطالعه کریں "

پروفیسر چارلس ریشیے (رکن فرانسیسي اکاڈیمي اور مدرس طبي یونیورسٹي) اپنے ایک مقاله میں جو اُسکے مقالات کے مجموعه مطبوعۂ سنه ۱۸۹۳ میں شایع هوا هے ' لکهتا هے :

" یه ناممکن هے که انگلستان ' امریکا ' فرانس ' جرمني ' اٹلي کے یه تمام علماء و فلاسفه فریب خوردہ هوں - منکرین ' روحي مذهب پر جتنے بهي اعتراض کرتے هیں ' سب کے سب اِن علماء کے پیش نظر تهے - فریب سے بچنے کے لیے بهي یه پوري احتیاط برتتے تهے - میں هرگز تسلیم نهیں کرسکتا که یه تمام عقلاء سراسر وهم و مکر کا شکار هوگئے هوں "

مشهور فرانسیسي عالم گبریل دولاں اپني کتاب میں جو محاضرات ارواح پر لکهي هے ' لکهتا هے :

" جب رابرٹ هیر ' موابس ' اور اڈمون کے درجه کے لوگ امریکا میں ' اور کروکس ' ویلس ' لواج ' انگلستان میں ' اکزاکوف ' بٹرولوف ' روس میں ' فیشنر ' زولنر ' جرمني میں ' کسي بات کي صحت پر زور دیں ' تو هم یه تسلیم کرلینے پر مجبور هو جائینگے که یه بات ضرور کوئي علمي حقیقت هے ' اور هر لحاظ سے بحث و نظر کي مستحق هے - مذهب روحي کا بهي یهي حال هے - یه علماء اُس کے معتقد هیں - لهذا اُسے سرا سر خرافات قرار دینا ' عقلمندي سے بعید هے "

یه عجیب بات هے که اِس مذهب کے تقریباً تمام ماننے والے مشاهیر علماء ' شروع شروع میں اِس کے سخت مخالف تهے ' اور اِس کي تحقیق پر محض اِس لیے مستعد هوئے تهے که روحانیات کا فریب طلسم توڑ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کو نجات دلائیں ' مگر تحقیقات کے بعد اُن کي رائے بدل گئي ' اور خود معترف و مصدق هوگئے ۔

روح کا ابتدائي ظہور
جیسا کہ استحضار ارواح کے معتقدین کا خیال ہے

اِس واقعہ کے بعد روح کي بے قراري دور ہوگئي' لیکن مسٹر جان فا کس کي دونوں لڑکیوں کے پاس وہ برابر آتي جاتي رہي - یہاں تک کہ یہ لڑکیاں اُس سے از حد مانوس ہوگئیں - پھر اُس کے ساتھہ کئي دوسري روحیں بھي آنے لگیں' اور بات چیت کا طریقہ بھي زیادہ صاف اور معین ہوگیا - صورت یہ ہوئي کہ ایک بہن حروف ابجد ایک ایک کرکے پڑھتي جاتي تھي' اور ہر حرف پر روح ایک یا دو مرتبہ کھٹکھٹا دیتي تھي - اِس طرح تمام حروف کي علامتیں طے پا گئیں' اور گفتگو آساني سے سمجھي جانے لگي -

ایک دن روح نے آکر دونوں بہنوں سے درخواست کي کہ وہ ایک اعلان عام کے ذریعہ نیویارک کے کسي بڑے ایوان میں لوگوں کو جمع کریں اور روح کے وجود و بقا کا ثبوت پیش کر دیں - مگر بہنوں نے اِس سے انکار کیا - وہ ڈرتي تھیں' لوگ اُنھیں جادوگر خیال کرینگے - لیکن روح نے اصرار کیا " میں انسانوں کو یقین دلانا چاھتي ھوں کہ روح کبھي فنا نہیں ہوتي - محض اِسي غرض سے میں نے تم سے تعلقات قائم کرنے کي یہ سخت تکلیف برداشت کي ہے - اب اگر تم میری درخواست منظور نہیں کروگي' تو تم سے قطع تعلق کر لونگي " بہنوں نے اب بھي انکار کیا - اِس پر روح نے اپني آمد و رفت موقوف کردي !

دونوں بہنیں روح کي ناراضگي سے نہایت غمگیں ہوئیں - کیونکہ وہ اُس سے حد درجہ مانوس ہوچکي تھیں - مجبوراً اُنھیں روح کا کہنا ماننا پڑا' مگر اِس شرط پر کہ پہلے وہ تھوڑے آدمیوں کے روبرو یہ بات پیش کرینگي - پھر بتدریج عام مجمعوں کے سامنے ظاہر ہونگي - روح نے یہ شرط منظور کرلي' اور دونوں بہنوں نے نجي مکانوں میں خاص خاص علماء کے سامنے یہ حیرت انگیز امور ظاہر کرنا شروع کردیے - پھر بتدریج جرأت پا کر عام اجتماعوں میں بھی تقریریں کیں - لوگوں نے یہ تمام امور دیکھے' اور ہر طرح کي احتیاطیں کي گئیں' مگر کسي فریب کا پتہ نہ لگا سکے - تھوڑي ھي مدت میں یہ خبریں تمام ملک میں مشہور ہوگئیں' اور ہر جگہ اُن کا چرچا ہونے لگا -

سب سے پہلے مسٹر اڈمونڈس امریکن مجلس خواص کے صدر کو اِس معاملہ کي تحقیقات کا خیال پیدا ہوا - اُس نے علمي طور پر ہر پہلو سے جانچ کی - لیکن بالآخر اُس کي صحت پر ایمان لے آیا' اور اپني تحقیقات کے نتائج اخبارات میں شائع کردیے - اس تحریر کے شایع ہوتے ھي تمام امریکہ میں ھلچل پڑگئي - اخبارات نے بري طرح اُس پر لے دے شروع کردي - بالآخر وہ مجبور ہوا کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہوجائے اور آزادي کے ساتھہ اُس حقیقت کي مزید تحقیق و تجربہ میں مشغول ہوجائے - چنانچہ اُس کي سعی و ہمت سے اِس نئے مذہب کو بہت شہرت حاصل ہوگئي -

اُس کے بعد پروفیسر مابس' جو امریکن اکاڈیمي میں علم کیمیا کے ماہر تھے' اِس جانب متوجہ ہوئے - اُنھوں نے بھي اس کي تصدیق کي' اور اپنے نتائج بحث پوري جرأت سے شایع کردیے -

اِن کے بعد پروفیسر روبرٹ هیر اِس میدان میں آئے - طویل بحث و نظر کے بعد یہ بھي اس کے قائل ہوگئے - اور ایک نفیس کتاب " نفسي ظواہر پر مباحث " کے نام سے شایع کي -

اِن تحریروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام بحث شروع ہوگئي - امریکا میں کوئي عالم بھي ایسا نہ تھا جس نے موافقت یا مخالفت میں کچھہ نہ کچھہ نہ لکھا ہو -

امریکا سے یہ مذہب انگلستان پہنچا - یہاں سب سے پہلے مشہور کیمیاوي ولیم کروکس نے اُس پر نظر ڈالي - بعض انگریز وسیطوں کے ذریعہ خود بھي تجربے کیے بالآخر اس کي صداقت کا معترف ہوگیا' اور ایک کتاب بھي اسکي تائید میں لکھکر شایع کي - اِس کتاب کا نام بھي " نفسي ظواہر پر مباحث " تھا - اِس میں وہ ایک مقام پر لکھتا ہے :

" چونکہ میں اِن واقعات کي پوري طرح تحقیق کر چکا ھوں' اِس لیے یہ میري سخت اخلاقي بزدلي ہوگي اگر اپني شہادت محض اِس خوف سے مخفي رکھوں' کہ لوگ اُس کا مضحکہ اڑائیں گے - یہ وہ لوگ ھیں جو اِس بارے میں کوئي علم نہیں رکھتے - اُن کے پاس کوئي یقین اور برہان نہیں ہے - لیکن میں نے اِس معاملے کي پوري طرح تحقیق کرلي ہے' اور اُس کي حقانیت پر پختہ یقین رکھتا ھوں "

روح کا تمثل اور تشکل
جیسا کہ اِس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

حجاز اور سمرقند !

به بين تفاوت ره از كجاست تا بكجا ؟

پچهلي ڈاک کے انگریزي رسائل کے بعض مصور مضامین نہایت دلچسپ ھیں - ممکن ھے ' بعض نگاھوں کیلیے عبرت انگیز بھي ھوں !

ایک مصور رسالہ نے دو تصویریں بالمقابل شائع کي ھیں ' اور اُن کے لیے یہ سرخي تجویز کي ھے : " حجاز سے سمرقند تک ! "

ایک طرف سلطان عبدالعزیز ابن سعود کي تصویر ھے - اُس کے نیچے حکومت حجاز کے نئے احکام درج کیے ھیں جن میں احکام شرع کے اتباع و عمل پر زور دیا گیا ھے ' اور وہ تمام باتیں قانوناً لائق تعزیر قرار دي ھیں جو اخلاق و آداب شرع کے خلاف ھوں - حتی کہ باشندگان حجاز کے لیے ڈاڑھي منڈانا بھي حکماً روک دیا ھے -

دوسري طرف ترکستان کے مشہور تاریخي شہر سمرقند کے ایک اجتماع کا مرقع ھے - یہ اجتماع مردوں کا نہ تھا - خانہ نشین عورتوں کا تھا ' اور ایک جلوس کي صورت میں اس لیے " بازار سراے " میں جمع ھوا تھا ' تاکہ " آیندہ کے لیے نقاب اور برقع کے استعمال سے عورتیں انکار کردیں !

به بين تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؟

اِس واقعہ کي اطلاع خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ دنیا میں مشتہر ھوچکي ھے ' لیکن اب تفصیلات بھي یورپ کے اخبارات میں آگئي ھیں -

قارئین الہلال کي دلچسپي کیلیے دونوں تصویریں نقل کردي جاتي ھیں - پہلي تصویر میں دراز قد صورت سلطان ابن سعود کي ھے - دوسرے مرقع میں سمرقند کي خواتین کا ھجوم نمایاں ھے ' جو ایک جلوس کي صورت میں بازاروں سے گزر رھا ھے -

میڈونا کیلیے ھندوستاني نمونہ

" سنیتا اور " انور "

انگلستان کا امریکن نژاد سنگ تراش جیکب ایسٹین Jacob Epstein کچھہ عرصہ سے " میڈونا " کا ایک نیا مجسمہ طیار کرنے میں مشغول تھا جسکي شہرت نے نہ صرف براعظم یورپ کي بلکہ امریکہ کے ماھرین فن کي بھی توجہ اور دلچسپي حاصل کرلي تھي -

رفتہ رفتہ یہ شہرت یہاں تک بڑھي کہ ابھي صناع اپنے کام سے فارغ بھي نہیں ھوا تھا کہ امریکہ کے قدر شناسان فن نے مجسمہ اپني سرزمین کے لیے حاصل کرلیا - اب مسٹر جیکب مجسمہ لیکر نیو یارک جا رھے ھیں ' تاکہ وھاں پہلي مرتبہ اس کي نمایش کریں - تازہ ڈاک کے اخبارات و رسائل میں کوئي پرچہ ایسا نہیں ھے جس نے اس معاملہ سے اپني دلچسپي ظاھر نہ کي ھو -

معاملہ کا نہایت دلچسپ پہلو یہ ھے کہ صناع نے " میڈونا " اور اسکے بچے کیلیے ایک ھندوستاني خاتون اور اس کے دہ سالہ بچے کا چہرہ بطور نمونہ کے استعمال کیا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ اس یوناني دیوي اور مسیحیت کي " مقدس کنواري " کا یہ پہلا مجسمہ ھے ' جسکے خال و خط میں ھندوستاني چشم و ابرو کا عنصر آمیز کیا گیا ھے - یہ آمیزش فن کے لحاظ سے کہاں تک قابل تحسین ھے ؟ اِس پر انگلستان اور امریکہ کے ماھرین فن نے ایک طول طویل سلسلۂ نزاع جاري کردیا ھے - اُمید کي جاتي ھے کہ نیو یارک کي نمایش کے بعد یہ نزاع اور زیادہ وسعت اور اھمیت پیدا کریگي !

فرانس کی نئی اثری دریافت

عہد حجری کی عجیب و غریب اشیاء

حال میں فرانس کی ایک جدید اثری دریافت نے علماء آثار کی غیر معمولی توجہ حاصل کرلی ہے -

فرانس کے وسطی حصہ میں ایک غیر معروف قریہ گلوزل Glozel نامی واقع ہے - یہاں ایک کاشتکار اپنی زمین کا ایک حصہ کسی ضرورت سے کھدوا رہا تھا - یکایک اس طرح کی علامتیں نمایاں ہوئیں ' جیسے یہاں کبھی پتھر کی دیواریں رہ چکی ہوں - زیادہ کھودنے سے ایک ایسی راہ پیدا ہوگئی ' جو کسی مصنوعی غار کے دہانے سے مشابہ تھی !

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حکام نے موقعہ پر پہنچکر تحقیقـــات کی - کھدائی کا کام جاری رکھا گیا ' اور غار میں اتر کر اس کی اندرونی ساخت اور حالت کا پتہ لگایا گیا - مختصر یہ کہ معلوم ہوگیا ' یہ حصہ کسی قدیم زمانہ کی انسانی یادگاروں کا ذخیرہ ہے جسے انقلابات زمانہ نے زیر زمین دفن کردیا - یہاں نہ صرف پتھر کی دیواروں کے آثار ملے ' بلکہ تاریخی اشیاء کا ایک عجیب و غریب مجموعہ بھی برآمد ہوا - یہ پتھر کی بنی ہوئی بےشمار چیزیں ہیں جن میں سے کچھہ تو اوزار ہیں جن کی نوعیت اچھی طرح سمجھہ میں آجاتی ہے ' لیکن بڑی تعداد اس قسم کی چیزوں کی ہے ' جن کی وضع و شکل سے ان کی اصلیت کا پتہ لگانا دشوار ہے - بعض مدور ہیں - بعض مربع ہیں - بعض پر اس طرح کے نقوش ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ' شاید ان کے ذریعہ کسی عجیب الہئیت انسان یا حیوان کے سر کا نقشہ دکھلانا مقصود تھا - بعض پتھر کے ٹکڑے ایسے ہیں جنہیں کسی خاص وضع و ہئیت کی شکل نہیں دی گئی ہے ' مگر ان پر مختلف قسم کے خطوط کندہ ہیں -

یہ تمام چیزیں بعض محققین علم الآثار کے سامنے پیش ہوئیں اور انہوں نے علمی نظر سے ان کا مطالعہ شروع کردیا -

علماء آثار میں سے ایک گروہ کی رائے میں یہ چیزیں قبل از تاریخ عہد کی ہیں - یعنی دس سے تیرہ ہزار برس پیشتر تک کی پرانی ہیں - وہ اسے نیولیتھک (Neolithic) عہد کا بقایا قرار دیتے ہیں - یعنی ابتدائی انسان کے حجری عہد کا ' جب کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے صرف پتھر ہی استعمال کرنا جانتا تھا -

لیکن ایک دوسرا گروہ انہیں اس قدر اہمیت نہیں دیتا - وہ کہتا ہے ' یہ زیادہ سے زیادہ سولہ سترہ سو برس کی پرانی چیزیں ہیں جب سر زمین گال پر رومیوں کا قبضہ ہوا تھا - وہ اپنی اس رائے کے ثبوت میں دو چیزوں سے استدلال کرتا ہے - پتھر کی بنی ہوئی عجیب الہئیت صورتوں سے - اور پتھروں کے حروف و نقوش سے - اٹلی اور ایشائے کوچک سے بکثرت رومی عہد کی ایسی ہی عجیب الہئیت صورتیں نکل چکی ہیں ' اور ان کی نسبت طے پاچکا ہے کہ یہ رومی ساحروں کے آلات سحر تھے - وہ ان صورتوں کے ذریعہ اپنے سحری عملیات انجام دیا کرتے تھے - حروف جو ان پتھروں پر کندہ ہیں ' فینیقی خط کے ہیں ' اور ظاہر ہے کہ یہ خطوط صرف رومیوں ہی کے ذریعہ فرانس پہنچ سکتے تھے - ان اشیاء میں مچھلی کے شکار کی ایک بنسی بھی نکلی ہے جو ہرن کی ہـــڈی کی بنی ہوئی ہے - اس سے بھی دوسرے گروہ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے -
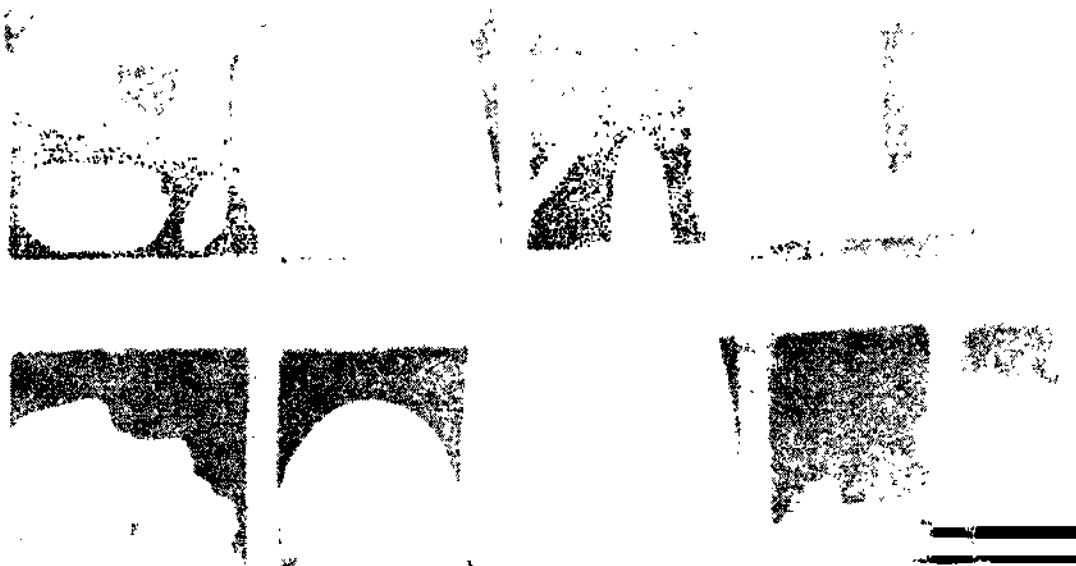
گلوزل کے آثار کا ایک حصہ ' جسمیں منقش پتھر دکھائے گئے ہیں -

لیکن پہلے گروہ کا استدلال پتھر کے ان بے شمار آلات سے ہے ' جن کی نوعیت ان کے حجری عہد سے تعلق رکھنے کا پوری طرح یقین دلاتی ہے -

حال میں ایک مشہور اور مستند اثری محقق ڈاکٹر کیمیلے جولیاں نے ان آثار کی نسبت اپنی تحقیقات کا خلاصہ شائع کیا ہے - یہ تحقیقات ایک حد تک دونوں جماعتوں کے لیے تشفی بخش ہوسکتی ہے - ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں - اس لیے کہ دونوں کا استدلال برآمد شدہ اشیاء ہی پر مبنی ہے - پہلا گروہ حجری آلات و اسلحہ کی نوعیت اور قدامت سے استدلال کرتا ہے - دوسرا ان مورتیوں اور نقوش سے جو بلا شبہ رومی ساحروں کے آلات سحر ہیں - لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ قدیم زمانے کے کسی حادثہ نے یہ دونوں قسم کی چیزیں اس محل میں یک جا کردی ہوں ؟ حجری آلات و اسلحہ عہد حجری ہی کا بقایا ہوں ' اور مورتیاں اور نقوش رومی عہد کی ہوں ؟

بہر حال ہمارے لیے فنون لطیفہ کي اس سنجیدہ نزاع میں تو کوئي دلچسپي نہیں ہے' البتہ یہ سوال یقیناً دلچسپي سے خالي نہیں کہ " مقدس کنواري " کے اس نئے مجسمہ کے لیے جس ہندوستاني خاتون کا چہرہ بطور نمونہ کے استعمال کیا گیا ہے' وہ کون ہے ؟ رسالہ اسفیر ایک مرقع شائع کرتے ہوئے ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ ایک ہندو خاتون مقیم انگلستان ہے جس کا نام سنیتا Sunita ہے' اور اُس کے دہ سالہ لڑکے کا نام " انور " ہے - اگر اسفیر نے ناموں کے نقل کرنے میں کوئي غلطي نہیں کی ہے تو " سنیتا " کے ساتھہ " انور " کا نام بجائے خود ایک دلچسپ واقعہ ہے' اور یقیناً قارئین الہلال کے لیے یہ کوئي ناپسندیگي کي بات نہ ہوگي ' اگر وہ ان دونوں صورتوں کا نظارہ کر سکیں - ہم اسفیر کا مرقع بجنسہ نقل کر دیتے ہیں - یہ اُس موقعہ کي تصویر ہے جب صناع امریکہ کے لیے روانہ ہو رہا ہے' اور اسفیر کے لفظوں میں " ہندوستاني لیڈي اور اُس کا لڑکا انور " اس کے ساتھہ کھڑے ہیں -

---

دوسرا طوفان نوح

اور

کشتي جس کا نام " بیٹ داؤن " ہے !

موجودہ زمانہ میں یہ بات کس درجہ عجیب سمجھي جائیگي کہ انسانوں کي ایک جماعت کرۂ ارضي کي تمام خشکیوں سے الگ ہوکر دریا میں آباد ہوجانا چاہتي ہے - کیونکہ " قدیم طوفان نوح کي طرح ایک دوسرا طوفان تمام دنیا کي بربادي کے لیے عنقریب ظہور میں آنے والا ہے ! "

بات کتني ہي عجیب سمجھي جائے ' لیکن واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں ایک جماعت ایسي موجود ہے ' اور وہ نہایت خوف و اضطراب کے ساتھہ اس دوسرے عالمگیر طوفان کا انتظار کر رہي ہے !

یہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے - اس نے اپنا یہ ہولناک اعتقاد عہد عتیق کي بعض پیشین گوئیوں سے اخذ کیا ہے - انگلستان میں اس فرقہ کي کافي تعداد موجود ہے - اس فرقہ کے سردار نے حال میں ایک نئي کشتي بھي طیار کرائي ہے جس کا نام " ہاؤس اف ڈیوڈ " یعنی " بیٹ داؤن " ہے - یہ کشتي آجکل دریاے ٹیمس میں موجود ہے - یہ فرقہ یقین کرتا ہے کہ آنے والے طوفان میں محفوظ رہنے کے لیے نئي دنیا کے ترقي یافتہ جہاز اس قدر مفید ثابت نہیں ہونگے ' جسقدر قدیم وضع کي یہ کشتي مفید ہوگي - کیونکہ یہ " اُن تفصیلات کے ٹھیک ٹھیک مطابق طیار کي گئي ہے ' جو حضرت نوح علیہ السلام کي کشتي کي نسبت عہد عتیق میں موجود ہیں "

جو مرقع آپ کے سامنے ہے ' اس میں آپ اس محتاط اور دور اندیش فرقہ کے سردار اور اسکے رفقاء کو مشغول اہتمام دیکھہ رہے ہیں !

جیکب اپسٹیین ' سنیتا ' اور انور

ایک اسرائیلي فرقہ کا رہنما جو ایک عالمگیر طوفان کے ظہور کا انتظار کر رہا ہے !

دنیا میں روئی کی پیداوار بحساب ہنڈرویٹ

مجموعی پیداوار: ۶۶۶۰۰۰۰۰ ہنڈرویٹ

تفصیل

ملک	۱۹۱۳ء میں		۱۹۲۲ء میں	
ہندوستان	۲۱۴۰۰۰۰۰	ہنڈرویٹ	۱۵۶۰۰۰۰۰	ہنڈرویٹ
برازیل	۱۲۰۰۰۰۰	"	۲۹۰۰۰۰۰	"
مصر	۶۸۰۰۰۰۰	"	۳۲۰۰۰۰۰	"
ولایات متحدہ امریکہ	۹۱۴۰۰۰۰۰	"	۴۱۶۰۰۰۰۰	"
دوسرے ممالک	۴۶۰۰۰۰۰	"	۲۱۰۰۰۰۰	"
میکسیکو	۹۰۰۰۰۰	"	۱۵۰۰۰۰۰	"

برطانی ہندوستان میں روئی کی پیداوار ۱۹۲۶ء میں

صوبہ	ایکڑ	ہر ایکڑ میں پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۲۶۲۷۸۹۰	۷۸
بمبئی	۴۸۸۸۹۹۱	۱۰۲
بنگال	۵۵۰۰۰	۱۵۵
سی پی اور برار	۴۹۳۲۸۷۷	۸۶
یوپی	۶۳۸۶۹۸	۱۷۰
پنجاب	۱۷۴۹۳۲۸	۱۳۸
آسام	۳۹۲۹۹	۱۵۳
برما	۳۰۰۷۹۰	۹۰

ہندوستان میں روئی کے کارخانے

	روئی دھنے اور دبانے والے کارخانے	کاتنے اور بننے والے کارخانے
بمبئی	۵۲۱	۱۸۴
سی پی اور برار	۴۲۶	۱۳
یوپی	۱۵۶	۱۸
مدراس	۱۴۹	۲۶
بنگال	۰۰۰	۱۲
پنجاب	۱۲۰	۰۰۰
سنٹرل انڈیا	۱۰۷	۰۰۰
حیدرآباد	۱۴۷	۰۰۰
بڑودہ	۸۳	۰۰۰

ہندوستان میں روئی کی درآمد برآمد

درآمد

سوت	۹۶۶۳۱۰۰۰	روپیہ
سوتی کپڑے	۷۲۶۶۲۰۰۰۰	"

برآمد

خام روئی	۹۱۴۷۰۳۰۰۰	روپیہ
سوت	۳۷۰۱۱۰۰۰	"
سوتی کپڑے	۷۵۷۳۶۰۰۰	"

دنیا کی ۱/۴ روئی صرف ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔

افسانہ

خط استوا کے افریقی قبائل

ملک نم نم

ایک افسانہ نما تاریخی سرگذشت

اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کے زمانے میں مصری فوجیں، فتح کرتی ہوئی خط استوا تک پہنچگئی تھیں یہ سرزمین ایسی تھی کہ مصریوں سے پہلے وہاں کوئی متمدن انسان بھی نہیں پہونچا تھا۔ صرف بعض بَرْدہ فروش کبھی کبھی اُس کی سرحدوں تک پہنچ جاتے اور غلامی کے لئے آدمی پکڑ لاتے۔

اس سرزمین کی تمام قومیں اُس وقت (اور اب بھی) زحد وحشی تھیں۔ فاتح فوجوں کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا! ایک طرف موسم اور آب ہوا برداشت سے باہر تھی۔ شب و روز پانی برستا رہتا تھا۔ ہر طرف کیچڑ اور دلدلیں تھیں۔ دوسری طرف بَرّی و بحری درندے حملے کرتے تھے۔ مچھروں کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ایسے قاتل مچھر شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوتے ہوں جیسے کہ اُس دلدلی زمین میں تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر خود وہاں کے باشندوں کا خطرناک وجود تھا۔ وہ کسی نظام جنگ سے واقف نہ تھے منظم فوجیں، با قاعدہ لڑائیوں کی عادی تھیں۔ مگر وہاں کے باشندے بے قاعدہ لڑائی میں ماہر تھے۔ تیر انداز ایسے تھے کہ بندوقوں اور توپوں سے مسلح فوجوں کو بھگا دیتے تھے۔ اگر قیدی اُن کے ہاتھ پڑ جاتے تھے، تو اُن سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ ایسا وحشیانہ سلوک جس کا متمدن دُنیا تصور بھی نہیں کر سکتی!

(۲)

کامل ۱۰ ماہ کی ہولناک جدوجہد اور خونریز جنگوں کے بعد مصری فوجیں خط استوا کے ایک بیڑ علاقے میں پہنچیں۔ اُنھوں نے باشندوں کو اپنے مقابلے کے لئے مستعد پایا۔ فوجوں نے فوراً کانٹے جمع کرکے مورچے بنائے اور رات بسر کرنا چاہی۔ مگر آدھی رات کو وحشی باشندوں نے حملہ کر دیا، تمام مورچے جلا دئے، اور پوری تین پلٹنیں کاٹ کر ڈال دیں۔ بقیۃ السیف قید کر لئے گئے۔

تمام قیدی راستے ہی میں مر گئے تھے۔ صرف تیس آدمی نیم جان حالت میں اُنکے لشکرگاہ تک پہنچ سکے۔ اِن میں سے دو شخصوں کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(۳)

ایک قیدی، مصری تھا۔ اُس کا نام "شعبان عددی" تھا۔ دوسرا سوڈانی تھا۔ اُس کا نام "بخت کوکو" تھا۔ اِن دونوں میں ایسی محبت اور دوستی تھی کہ اس کی نظیریں دنیا میں کم ملیں گی۔ دوستی اس طرح شروع ہوئی کہ ایک مرتبہ بخت کوکو خرطوم میں تھا اور دریائے نیل میں نہا رہا تھا۔ اچانک دریا کی موجوں نے اُسے کھینچ لیا اور غرق ہونے لگا۔ فوج کے بہت سے آدمی موقع پر موجود تھے مگر کسی کو مدد کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن شعبان عددی فوراً کود پڑا، اور اپنی جان خطرے میں ڈالکر ڈوبتے ہوئے سوڈانی کو بچا لیا۔ اس خدمت کے صلے میں بخت کوکو نے قسم کھائی کہ عمر بھر اُس کا دوست رہے گا۔ اور ہمیشہ اُسی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ بخت کوکو کا کوئی عزیز یا قریب مصر میں موجود نہ تھا۔ وہ دراصل ایک غلام تھا اور حکومت نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اُس کا خاندان خط استوا ہی کے ایک علاقے میں موجود تھا۔ مگر وہ وہاں واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد پھر کبھی کسی نے اِن دونوں دوستوں کو جُدا ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی ساتھ ہی سوتے تھے۔ اتفاق سے وہ دونوں ساتھ ہی قید بھی

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۵)

گیہوں

دنیا کے مختلف ملکوں میں گیہوں کی پیداوار ایکڑ کے حساب سے سنہ ۱۹۲۳ء میں

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۳۰۳۰۴۰۰۰
ارجنٹائن	۱۷۷۸۵۰۰۰
کینڈا	۲۲۰۴۹۰۰۰
مصر	۱۴۱۵۰۰۰
فرانس	۱۳۶۱۴۰۰۰
اٹلی	۱۱۲۷۹۰۰۰
جرمنی	۳۶۲۲۰۰۰
جاپان	۱۱۴۹۰۰۰
رومانیہ	۷۸۳۵۰۰۰
برطانیہ	۱۵۹۹۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۴۴۸۶۰۰۰
الجزائر	۳۴۹۱۰۰۰

ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار سنہ ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
مدراس	۳۷۹۲	۰۰۰۰۰
بمبئی	۴۸۷۱۶۲	۳۷۸۰۰۰
بنگال	۱۲۹۰۸	۲۵۰۰۰
یوپی	۲۹۱۹۱۲۲	۲۴۱۹۰۰۰
پنجاب	۴۷۲۸۱۵۴	۵۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۹۰۶۲۴	۴۷۳۰۰۰
سی، پی	۳۶۴۶۰	۱۰۹۸۰۰۰
صوبۂ سرحد	۳۱۹۱۲۵	۱۹۵۰۰۰

دنیا میں جوار کی پیداوار

ملک	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
ہندوستان	۷۸۵۰۰۰۰	۲۲۰۷۱۰۰
الجزائر	۲۴۰۰۰	....
ارجنٹائن	۹۱۵۲۰۰	۳۶۱۰۰۰۰
آسٹریلیا	۱۴۷۰۰	....

ملک	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
بلغاریہ	۱۴۶۴۰۰۰	۹۹۱۰۰۰
کینڈا	۲۹۵۰۰۰	....
فرانس	۸۴۵۰۰۰	۳۴۱۰۰۰
اٹلی	۳۸۰۵۰۰۰	۲۰۶۹۰۰۰
ہنگری	۲۴۷۸۰۰۰	.....
پولینڈ	۱۹۰۰۰۰	.....
رومانیہ	۸۹۴۵۰۰۰	۲۳۱۸۰۰۰
اسپین	۱۱۶۲۰۰۰	۶۷۶۰۰۰
سوئٹزرلینڈ	۴۰۰۰	....
ٹیونس	۴۱۰۰۰	....
ولایات متحدۂ امریکہ	۱۰۴۹۶۸۰۰۰	۷۱۸۵۹۰۰۰
جاوا	۴۷۸۴۰۰۰	۲۹۲۰۰۰۰
مصر	۱۹۳۰۰۰۰	۱۹۵۸۰۰۰
جنوبی افریقہ	۳۳۵۰۰۰۰	۹۴۱۰۰۰

ہندوستان میں جوار کی پیداوار سنہ ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	ایکڑ	پیداوار	ہر ایکڑ میں بحساب پونڈ
مدراس	۱۰۳۸۵۱۶	۴۵۰۰۰	۶۳۶
بمبئی	۲۰۷۹۳۷	۷۶۰۰۰	....
بنگال	۸۱۹۰۰	۲۷۰۰۰	۸۲۰
یوپی	۱۴۳۸۲۲۴	۸۸۶۰۰۰	۱۱۰۰
پنجاب	۱۰۵۰۲۸۴	۴۰۲۰۰۰	۹۶۲
بہار اوڑیسہ	۱۷۷۹۸۰۰	۵۳۹۰۰۰	۸۲۰
سی، پی اور برار	۱۵۴۶۹۷	.....	...
برما	۸۸۴۱۲	۴۸۰۰۰	۷۰۰
صوبۂ سرحد	۴۲۸۴۲۴	۱۶۰۰۰	۱۱۱۰

ہندوستان میں شکر کی پیداوار سنہ ۱۹۲۳ء

صوبہ	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن	ہر ایکڑ کی پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۱۱۱۴۹۰	۲۲۲۳۰۰	۶۴۲۰
بمبئی	۷۳۰۴۹	۲۴۸۱۰۰	۶۹۵۰
بنگال	۲۰۷۹۰۰	۲۴۵۷۰۰	۲۰۰۴
یوپی	۱۵۴۳۹۰۲	۱۲۲۰۳۰۰	۳۶۰۰
پنجاب	۴۸۳۱۹۱	۳۱۳۰۰۰	۲۱۹۱
بہار اوڑیسہ	۳۰۷۳۰۰	۲۹۰۷۰۰	۲۴۶۰

ہندوستان میں شکر کی درآمد برآمد

	برآمد		درآمد	
	مقدار	قیمت	مقدار	قیمت
سنہ [illegible]	۵ ٹن	۱۶۱۳۰۰۰ روپیہ	۵۱۰۰۸۶ ٹن	۱۵۳۱۹۸۰۰۰ روپیہ
سنہ [illegible]	۲۱۳۳ ″	۵۲۴۷۰۰۰ ″	۷۲۹۰۰۸ ″	۲۰۹۰۲۴۰۰۰ ″

ہندوستان میں چائے کی درآمد برآمد

	برآمد		درآمد	
	مقدار بحساب پونڈ	قیمت بحساب روپیہ	مقدار	قیمت
سنہ [illegible]	۳۵۹۱۰۹۲۲۲	۱۷۹۷۴۹۰۰۰	۹۳۳۶۰۱۵	۶۰۸۳۰۰۰
سنہ [illegible]	۳۴۰۱۰۹۹۲۵	۳۳۳۹۲۴۰۰۰	۷۸۸۵۰۹	۶۴۸۳۰۰۰

دنیا میں روئی کی پیداوار سنہ ۱۹۲۳ء میں بحساب ایکڑ

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۲۲۰۹۴۰۰۰
برازیل	۱۵۷۳۰۰۰
مصر	۱۸۵۵۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۴۱۲۴۲۰۰۰

ہوئے، اور ایک ہی رسی میں باندھ گئے۔ وحشی فاتح جب انھیں اپنے لشکر میں لئے جارہے تھے، تو بخیت کوکو نے اپنے دوست شعبان عدوی سے کہا "میں ان قبیلوں کی زبان اور عادات سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ قیدیوں کو سخت تکلیف دینے کے بعد زندہ جلا دیتے ہیں۔ اگر تم منظور کرو تو ان سے میں درخواست کروں کہ ہم دونوں کو ساتھ ہی جلائیں۔ لیکن میں کوشش کروں گا، کسی تدبیر سے انھیں دہوکہ دیدوں" مصری از حد خائف تھا۔ تقریباً مجنون ہوچکا تھا اُسنے اپنے دوست کی تائید کی۔

(۴)

وحشی فاتحوں نے اپنے لشکر میں پہنچکر جشن شروع کیا۔ تقریب کا آغاز اس سے ہوا کہ دو قیدی افسروں کو برہنہ کرکے ایک درخت کے تنہ سے باندھ دیا گیا اور نوجوانوں نے اُن پر تیر اندازی شروع کی۔ برتیر پر مظلوم قیدیوں کی فریاد بلند ہوتی تھی، اور وحشی فاتحوں کے پُر مسرت نعرے ہوا میں گونج اُٹھتے تھے۔ ایک قیدی تو فوراً مرگیا مگر دوسرا ۵ دن تک زندہ رہا۔ روز صبح سے شام تک اُس کے زندہ جسم پر تیر اندازی کی مشق کی جاتی تھی!

اس تماشہ کے بعد جتنے قیدی خوف و دہشت سے [illegible] چکے تھے زندہ جلا دئے گئے۔ پھر ان دونوں دوستوں [illegible] شعبان عدوی اور بخیت کوکو کی باری آئی۔ بخیت نے قبیلے کے سردار [illegible] کی زبان میں کہا "ہم دونوں ترک نہیں ہیں جیسا کہ تمہارا خیال ہے ہم ملک کرکوٹو کے رہنے والے ہیں۔ ترکوں نے پکڑے گئے تھے اور زبردستی تم سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مگر ہم نے کوئی ہتیار نہیں چلایا اور قید ہوگئے تاکہ تمہارے ساتھ ملکر ترکوں سے لڑیں۔ [illegible] نہیں تو ہمارے قبیلے بھی تمہاری مدد [illegible]"

بڑی حجت و تکرار کے بعد سردار نے دونوں قیدیوں کو زندہ رکھنا منظور کرلیا۔ زیادہ تر اس خیال سے کہ ان سے بطور ترجمان کے کام لیا جائے گا۔

(۵)

اس کے بعد دونوں [illegible] ان کی وحشیانہ رسموں میں شریک ہونے لگے [illegible] شعبان عدوی [illegible] تھا بخیت کوکو [illegible] غنیمت سمجھا۔ درخت [illegible] گیا۔ درخت پر ملبلیں اور [illegible] اتفاق سے بخیت کوکو [illegible] اُٹھائی تو اپنے دوست کو [illegible] درخت پر چڑھ گیا، اور اپنے تیر خنجر [illegible] شعبان نیچے گرا بخیت بھی [illegible] دوست کی لاش پر نوحہ کرنے لگا!

بخیت کوکو ابھی نوحہ و فغاں کرہی رہا تھا کہ شعبان نے آنکھ کھول دی۔ وہ مرا نہیں تھا۔ صرف بے ہوش ہوگیا تھا۔ بخیت بہت خوش ہوا اور بتایا کہ "میں نے قبیلے کے سردار کو راضی کرلیا ہے کہ ہم دونوں، وحشیوں کو بندوق چلانا سکھادیں۔ جب ہتیار ہمارے ہاتھ آجائیں گے تو میں تمھیں لے کر ملک نم نم کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ وہ یہاں سے صرف ۲۰ دن کے فاصلے پر ہے۔ مجھے راستہ اچھی طرح معلوم ہے"

"میں نم نم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے!" شعبان نے خوف زدہ ہوکر کہا۔

"دوست! یہ تم سے کس نے کہدیا؟" بخیت کوکو نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ نم نم میں صرف دو قبیلے، آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر طرح کا آدمی نہیں۔ صرف بیمار آدمیوں کا گوشت کھالیتے ہیں۔ اُن میں کسی ایک قبیلے میں جب کوئی بیمار ہوجاتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا، تو اُسے دوسرے قبیلے میں بھیجدیتے ہیں تاکہ اُسے بھون کر کھالیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو دفن کرنا یا جلانا، انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں!"

(۶)

یہ سنکر شعبان بھاگنے پر راضی ہوگیا۔ کچھ مدت بعد لوٹ کی بندوقیں اور کارتوس [illegible] گئے۔ ایک رات جبکہ وحشی ناچ گانے میں مصروف تھے، دونوں دوستوں نے بندوقیں اُٹھائیں، کارتوس کی پیٹیاں کمر میں باندھیں، اور اندھیرے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

رات بھر چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہونچے جہاں ہر طرف دلدلیں تھیں۔ [illegible] ایک دن [illegible] گیا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے اور بھوک سے بے حال ہورہے تھے۔ جوں ہی [illegible] پر پہنچکر [illegible] سستانے بیٹھے بخیت کوکو چلایا [illegible] درخت پر چڑھ جاؤ [illegible] گیا۔ مگر بخیت [illegible] درخت پر چڑھ گیا اور خود بھی اوپر پہنچ گیا۔ فوراً ہی انھوں نے دیکھ کر ایک عظیم الشان [illegible] آتے تھے اُسنے قریب [illegible] ایک درخت [illegible] دیا۔ دونوں دوستوں [illegible] بندوقیں [illegible] فیر کیا اور [illegible] خوش خوش اترکر اور اُس کا گوشت بھون [illegible] لگے۔

[illegible]

میں سفر [illegible]

[illegible]

کیونکہ [illegible] انصاف پسند [illegible]

میں داخل [illegible]

ہتیار [illegible]

[illegible]

لاش [illegible] قریب کے درخت سے [illegible] خیال کیا کوئی مسافر تھا۔ [illegible] اور گٹھڑی سر سے نیچے رکھ کر [illegible] ہوگا، مگر کسی درندے اُسے مارڈالا۔ پھر انھوں نے گٹھڑی کھولی تو اُس میں ریشمی اور کلابتوں کے کپڑے رکھے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے "بادشاہ کے لئے یہ اچھا تحفہ ہے۔ گدہا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ اس ملک میں گدہا ناپید ہے"

اب اُنھوں نے چاہا یہ مال غنیمت لے کر آگے بڑہیں، مگر فوراً ہی پاس کی جھاڑی سے ایک شیر مہیب آواز سے چلاتا باہر نکلا۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ فوراً بندوق چلائی اور شیر کو مار ڈالا۔

(۷)

شاہ نم نم کا پائے تخت سامنے تھا۔ بندوق کی آواز وحشی باشندوں کے لئے بالکل نئی تھی۔ بہت سے آدمی گانوں سے نکل آئے اور آواز کی طرف دوڑے۔ خود بادشاہ، سب سے آگے تھا۔ بخیت کوکو نے بادشاہ کو دیکھا تو شاہانہ آداب و کورنش بجالایا، اور اپنا اپنے دوست کا پورا قصہ کہہ سنایا۔ پھر اُسنے کہا:

"میرا یہ دوست، اپنے وقت کا رستم ہے۔ خود اعلیٰ حضرت ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ اسنے کس آسانی سے شیر مار ڈالا، اور اس عجیب مخلوق (یعنی گدھے) کو اپنی سواری بننے پر مجبور کردیا!"

بادشاہ بہت متحیر ہوا۔ گدھے کی صورت دیکھ کر اُس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پھر بخیت کوکو نے بادشاہ سے کہا "گدہا اصل میں میرے اس دوست کے بھائی کی سواری ہے۔ وہ اسپر سوار ہوکر تمام دنیا میں [illegible] کرتا رہا۔ وہ اپنے اس گم شدہ بھائی کو تلاش کررہا تھا [illegible] لوگوں نے تیر کرلیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ کپڑے بھی لایا تھا۔ مگر افسوس کہ درندے نے اُسے سوتے میں [illegible] اب میرا دوست اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ کپڑے [illegible] جس سے اُسنے چشم زدن میں شیر کو مار ڈالا۔ [illegible]

بادشاہ از حد مسرور ہوا اور ہدیئے قبول کرلئے۔ [illegible] نے بادشاہ کی اجازت سے شعبان کو حکم [illegible] گدھے پر [illegible] بادشاہ کے [illegible] دوڑائے۔ شعبان گدھے پر [illegible] مگر سواری [illegible] سے گدھا چلانے لگا۔ [illegible] وحشی [illegible] سے اور خود بادشاہ پر سخت دہشت طاری [illegible] بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ بخیت کوکو نے دوڑ کر [illegible] روکا، اور عرض کیا "یہ حیوان سفر میں [illegible] گیا ہے اور چند دن آرام کرنے کے بعد ٹھیک ہوجائے گا"

بادشاہ نے اپنے کاہن سے مشورہ کیا۔ [illegible] مخلوق [illegible] میں انسان ہے [illegible] دیا گیا ہے"

تب [illegible] کی آنکھوں میں غصہ ظاہر ہوا۔ بخیت [illegible]

[illegible]

[illegible] بادشاہ کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شاہ [illegible]

[illegible]

[illegible] جب بچے [illegible] ہوجاتے ہیں تو [illegible] لیتی ہیں۔ تعدد ازدواج کی عادت عام ہے [illegible] محل میں [illegible] بیویاں تھیں۔ باشندے بہت مطمئن [illegible] ہیں۔ غذا وافر ہے۔ ہر گھر میں شہد با فراط موجود ہے۔

(۸)

چندماہ قیام کے بعد دونوں دوست بادشاہ کی اجازت [illegible] روانہ ہوئے۔ وہاں سے مصر پہنچے۔ شعبان عدوی نے اپنی [illegible] کی لڑکی سے شادی کرلی اور اپنے دوست بخیت کوکو سے اپنی [illegible] بیاہ دی۔

ملہ کرکوریا قور قرہ، خط استوا پر بحر غزال کے ممالک کا ایک جزو ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں کے باشندے بہت سرخ سفید ہوتے ہیں۔ اُن کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔

بریدِ شرق

مکتوبِ حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم حجاز کے قلم سے)

لجنۃ التفتیش مدینہ منورہ میں

قارئین الہلال لجنۃ التفتیش کے نام اور مقاصد سے واقف ہوچکے ہیں کہ مکہ معظمہ اور جدہ کے انتظامات و اصلاحات سے فارغ ہوکر اب یہ مجلس گزشتہ ہفتہ مدینہ منورہ گئی ہو۔ شیخ حافظ وہبہ اس کے صدر ہیں مجلس نے مدینہ طیبہ میں پہنچتے ہی علماء و فضلاء اور شہر کے سربرآوردہ آدمیوں کو جمع کیا اور صدر مجلس نے اُن کے روبرو حسبِ ذیل تقریر کی:

"میں تمھیں جلالۃ الملک کا سلام پہونچاتا ہوں۔ سلطان تمھارے لئے اور تمھارے پاک شہر کے لئے اپنے دل میں بہترین آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سلطان نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا ہو کر رعایا کے حالات اور حکومت کے معاملات کی تفتیش کریں۔ جتنی اچھائیاں ہمیں نظر آئیں گی، برقرار رکھیں گے جتنی بُرائیاں دکھائی دیں گی، دُور کردیں گے۔ تم جانتے ہو آدمی اپنی انفرادی حالت میں کمزور ہو، لیکن جماعت کے ساتھ طاقتور ہو۔ پس ہم چاہتے ہیں تم اس مجلس میں شریک ہو۔ اس کی مدد کرو۔ اس کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو۔ اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کرو ہم ہر معقول بات سننے اور کرنے کے لئے طیار ہیں۔ ہم ہر ظالم کو گرادینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ تم ہرگز کسی کا خوف اپنے دل میں نہ رکھو۔ بڑے سے بڑے حاکم نے بھی اگر زیادتی کی ہو، تو صاف صاف کہدو۔ ہم فوراً اس کا تدارک کریں گے۔ ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مقدس شہر کو ترقی ہو اور اس کے باشندوں کو خوش حالی حاصل ہو۔ اس پیغام کے بعد سلطان کی ذمہ داری دُور ہوگئی ہو۔ اگر تم اب بھی خاموش ہوگے اور اپنی شکایتیں پیش نہیں کروگے تو اس کی ذمہ داری سراسر تمھارے ہی سر ہوگی۔ پھر حکومت کو ملامت نہ کرنا، خود اپنی بزدلی اور غفلت پہ ماتم کرنا۔"

اس کے بعد مجلس نے حکومت کے تمام شعبوں اور دفتروں کی جانچ کی۔ پھر اپنی تحقیقات قلم بند کرکے خفیہ طور پر سلطان کو بھیجدی۔ سلطان نے فوراً مدینہ منورہ کے حاکم اور سپہ سالار کو طلب فرمایا اور انھیں معزول کرکے اپنے تیسرے بیٹے شاہزادہ محمد کو حاکم اعلیٰ، شیخ عبد العزیز ابراہیم کو اُن کا نائب، اور شیخ یاسین رواف کو مساعد مقرر کردیا۔ نئے حاکم نے آتے ہی باشندوں کو جمع کیا اور سلطان کا حسبِ ذیل فرمان سُنایا:

"اے اہلِ مدینہ! تم اور تمھارے حاکم باہم نیکی اور تقویٰ میں مددگار بنجائیں۔ ہواؤ ہوس اور گمراہیوں سے پرہیز کریں۔ باہم اتحاد رکھیں شقاق سے بچیں۔ قیل قال چھوڑدیں۔ خدا ہماری اور تمھاری ہدایت کرے، اور سب کو نیکی کی توفیق بخشے۔"

پھر سلطان کا وصیت نامہ پڑھا گیا جو اُنھوں نے حاکم مدینہ کے نام کے لئے لکھا ہو۔ وہ حسبِ ذیل ہو،

"امن و امان قائم کرنے میں پُوری کوشش کرنا۔ تمام لوگوں سے یکساں بُرتاؤ کرنا، کیونکہ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہو، نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ ہاں، اگر کوئی امتیاز ہو تو وہ صرف تقویٰ کا امتیاز ہو۔ میرا مطالبہ یہ ہو کہ تمام رعایا تجھ سے خوش رہے۔ شہری باشندے بھی خوش رہیں، بدوی باشندے بھی خوش رہیں۔ کوئی معاملہ بھی اپنی رائے سے انجام نہ دینا ہمیشہ شرعی حاکم سے مشورہ کرو۔ کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت زیادہ ہو اور مخلوق کی رضامندی بھی اسی ذریعہ حاصل ہوسکتی ہو۔ اپنے بارے میں لوگوں کا خیال بدل دو۔ تمھیں سب سخت گیر کہتے ہیں۔ نرم دل بنجاؤ۔ میری سب سے بڑی وصیت یہ ہو کہ شعائرِ دین قائم کرو، اوامر الٰہی جاری کرو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم ہوجاؤ۔ شریعت کے نفاذ میں لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرو۔ اپنے ماتحت عُہدہ داروں کی نیکی میں مدد کرو۔ اگر اُن کی کوئی قابلِ اعتراض بات نظر آئے تو عوام و خواص میں اُن کی مذمت شروع نہ کردو، بلکہ اُنھیں اپنے پاس بُلاکر نصیحت کرو۔ اگر اس پر بھی اُن کی اصلاح نہ ہو تو مجھے یا میرے نائبِ عام کو اطلاع دو۔ عُہدہ داروں کو اپنا جاسوس نہ بنانا۔ سب کو دل سے اپنا دوست بنائے رکھو!"

سلطان کا سفرِ نجد

سلطان اپنے نجدی پائے تخت ریاض کو روانہ ہوگئے ہیں۔ سفر سے پہلے حرم میں نماز پڑھی اور طواف الوداع کیا۔ یہ سفر نجد میں بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے ہو۔

عسیر کے لئے طبی وفد

عسیر کا علاقہ جس وقت سے سلطان ابن سعود کے زیر حکومت آیا ہو، سلطان اصلاح و ترقی کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ اس علاقہ میں اسوقت تک نہ کوئی باقاعدہ معالج تھا۔ نہ شفاخانہ۔ اب سلطان کے حکم سے ایک طبی وفد بھیجا جارہا ہو تاکہ وہاں ایک شفاخانہ قائم کرے ڈاکٹر خیری تجبے اس وفد کے رئیس ہیں جو مکہ معظمہ کے محکمۂ حفظانِ صحت کے مہتمم تھے۔

عدل و امان

اس ہفتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اگرچہ حجاز میں اب کوئی غرابت نہیں رکھتا لیکن بیرونی دنیا کے لئے وہ ضرور قابلِ ذکر ہو۔ واقعہ یہ ہو کہ مکہ معظمہ کا ایک صراف جدہ سے آرہا تھا۔ گھر پہنچکر اُسنے دیکھا کہ پندرہ ہزار روپیہ کی تھیلیاں اسباب سے غائب ہیں! وہ سخت پریشان ہوا دوستوں نے مشورہ دیا کہ پولیس کو خبر کرے۔ مگر اُسنے انکار کردیا۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں تھا، یہ رقم کہاں ضایع ہوگئی؟ اچانک اُس کے بعد

عالمِ مطبوعات و صحائف

کیا چاند تک پہنچنا ممکن ہو؟

امریکہ سے یورپ تک دو گھنٹے میں!

امریکہ اور یورپ میں اب تک مشہور فضائی سیاح لنڈبرگ کا چرچا ہورہا ہو۔ یہی وہ شخص ہو جو نیویارک سے پیرس تک بغیر کہیں رُکنے کے اُڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

لیکن اب یورپ اور امریکہ کے ہوائی سفر کے ماہرین، اس کامیابی پر متعجب نہیں ہیں۔ اُن کا خیال ہو، بہت جلد یہ بات ممکن ہوجائیگی کہ امریکہ سے یورپ تک کی مسافت صرف دو گھنٹے میں طے کرلی جائے!

اسوقت جرمنی میں تین شخص ایسے موجود ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کرچکے ہیں۔ یہ سب کے سب علوم کے بھی استاد ہیں اور اُن تدابیر پر علمی طریقے سے غور کرچکے ہیں جن کے ذریعہ ہوائی جہاز کا چاند تک پہنچ جانا ممکن ہو۔

حال میں پروفیسر اکس ویلیر نے (جو ان تین میں سے ایک ہو) ایک بیان بعض علمی رسائل میں شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان اب اپنی ایجادات کے زور سے مسافت کی دُوری پر غالب آگیا ہو۔ مثلاً سَو میل کی مسافت پہلے ۴ دن میں طے کیجاتی تھی۔ بائسکل نے اسے ایک دن کی مسافت کردیا۔ ریل نے اسے ایک گھنٹہ کا سفر بنادیا۔ اور اب ہوائی جہاز کے لئے یہ صرف چند منٹوں کی بات ہو۔ پھر اگر توپ کے گولے کی رفتار پر نظر ڈالی جائے، تو وہ سَو میل کی مسافت ۳ منٹ میں طے کرلیتا ہو"

"بلاشبہ موجودہ ہوائی جہاز توپ کے گولے کی سی رفتار نہیں پیدا کرسکے ہیں۔ کیونکہ جہاز جوں جوں فضا میں بلند ہوتا جاتا ہو، ہوا لطیف ہوتی جاتی ہو، اور جہاز کی قوت میں کمی آتی جاتی ہو۔ لیکن اس سے ہماری کوششوں میں فرق نہیں آسکتا۔ ہمیں اپنی سعی برابر جاری رکھنی چاہئے۔ ہم ضرور کوئی ایسا طریقہ پیدا کرلیں گے کہ توپ کے گولے کی طرح ہوائی جہاز بھی فضا میں بغیر کسی رُکاوٹ کے بلند ہوسکے"

"بعض لوگوں کا خیال ہو کہ اگر ہوائی جہازوں میں ایسے محرک (موٹر) لگادیئے جائیں جو بلندی پر جاکے ہوا میں کثافت پیدا کرسکیں تو یہ مشکل حل ہوجائے گی لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہو۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ میل تک جہاز پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد محرک بے کار ہوجائے گا"

"یہ مشکل صرف اس طرح حل کی جاسکتی ہو کہ محرک، خود جہاز میں نہیں بلکہ اُس کے باہر ہو۔ یعنی ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جو جہاز کو بلندی پر اسی طرح پہنچادیں، جس طرح توپ اپنا گولہ اُڑادیتی ہو۔ اس صورت میں ہوا کی لطافت کا اُسپر کوئی اثر نہیں پڑے گا"

ایک اور پروفیسر برتویل کا خیال ہو۔

"اگر ہوائی جہاز، ۱۵ میل کی بلندی پر پہنچ سکے۔ اور اُس کا محرک ۵۰ ٹن وزن کا ہو، اور خود جہاز کا وزن ۱/۲ ۹ ٹن سے زیادہ نہ ہو تو وہ برلن سے نیویارک کا فاصلہ ۲۰ گھنٹے میں طے کرسکتا ہو۔ لیکن اگر جرمن پروفیسر کے نظریہ کے مطابق یہ جہاز، توپ کے گولے کی طرح، درجہ ۸۰ کے زاویہ پر، ہَوا میں پھینکا جائے، تو وہ اسکے

کئی چشمدید گواہوں کے بیانات بھی حذف کردیئے ہیں جن کا بیان ہو کہ سیکڑوں دیہات جلا دیئے گئے اور ان میں بوڑھے مرد اور پردہ نشین عورتیں بھی جلکر راکھ ہوگئیں۔

غدر کے تاثرات جنوبی ہند اور بنگال تک نہیں پھیلے لیکن پنجاب سے لے کر شمال مغربی سرحد تک غدر کی یاد ابتک تازہ ہو۔ اس علاقہ کے ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا ہو۔ اس لئے اس کی یاد ان دونو قوموں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کرتی رہتی ہو۔ جب کبھی کہیں ذرا سا فساد ہوتا ہو تو ہندوستان کے انگریز باشندے چلا اُٹھتے ہیں "مارشل لا نافذ کیا جائے" کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہو اگر غدر کے افسانے انگریزی تواریخ میں ایسے خوفناک طریقہ سے درج نہ کئے جاتے تو انگریزوں کے دلوں میں اس قسم کا ہیجان ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ جب کبھی انگریز یہ جھوٹے قصے پڑھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف ایک عالمگیر نفرت پیدا ہوجاتی ہو۔ اور خواہ مخواہ کوئی بہانہ پیدا کرکے انتقام لینے پر تل جاتے ہیں میں ذیل میں تین ایسے واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے عہد غدر کے بعد خیالات کا اندازہ لگ سکتا ہو:

تین واقعات

کوکوں کی بغاوت

(۱) "۱۳ جنوری ۱۸۷۲ء کو تقریباً ایک سو انتہا پسند سکھوں نے (جنھیں پنجابی زبان میں کوکہ بھی کہتے ہیں) مالیر کوٹلہ کے شہر پر دھاوا مار دیا۔ فریقین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونو طرف سے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سکھوں کی طرف سے ۶۸ آدمی (جن میں ۲۲ مجروح بھی تھے) بھاگ کر ریاست پٹیالہ میں پناہ گزیں ہوگئے لیکن دوسرے ہی دن انھوں نے انگریزوں کے سامنے ہتیار ڈال دیئے اور اُنھیں شیرپور کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔ کوون نے جو لدھیانہ کا ڈپٹی کمشنر تھا، ان قیدیوں کو کوٹلہ میں بلوایا (جہاں وہ خود ۱۲ تاریخ کو پہنچ گیا تھا) اسنے اپنے کمشنر کو اسی وقت اطلاع بھیجی کہ اب امن و امان ہوگیا ہو اور کل صبح قیدیوں کو توپ کے ذریعے اُڑا دیا جائے گا۔ ۱۷ جنوری کو کمشنر نے کوون کو حکم دیا کہ قیدی فی الحال شیرپور کے قلعہ ہی میں رکھے جائیں، لیکن کوون نے تعمیل حکم سے گریز کیا اور اسی روز بغیر کسی تحقیقات کے ۴۹ قیدی توپ سے اُڑا دیئے گئے۔ شام کے ۷ بجے کمشنر کا ایک اور حکم ملا۔ اسوقت ۶ قیدی توپ کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔ کمشنر نے لکھا تھا کہ تمام قیدی بلا تاخیر اس کے پاس بھیجدیئے جائیں تاکہ وہ انکے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن کوون نے اس حکم کی بھی مطلق پروا نہ کی۔ اور اس گروہ کو بھی توپ سے اُڑا دیا۔ جب گورنمنٹ نے اس کی نافرمانی کے متعلق بازپرس کی۔ تو اسنے جواب دیا "جب مجھے کمشنر کا حکم ملا تھا تو میں نے سوچا، اگر اسوقت ان ۶ آدمیوں کو (جو توپوں سے بندھے ہوئے ہیں) قتل نہ کیا گیا تو حاضرین پر بُرا اثر پڑیگا۔ اور اس تاخیر سے ہماری کمزوری ثابت ہوگی۔ اس لئے میں نے انہیں قتل کرادیا" ایک قیدی اپنے محافظوں سے بھاگ نکلا تھا اُسنے آتے ہی کوون پر حملہ کرکے اس کی داڑھی پکڑلی۔ لیکن ہندوستانی افسروں نے اسے تلواروں سے ڈھیر کردیا۔ فارستھ (کمشنر) نے کوون کو کئی دفعہ حکم دیا تھا کہ قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے مگر اسنے نافرمانی کی۔ علاوہ ازیں کمشنر نے گورنمنٹ کو تار بھی دیدیا تھا کہ میں موقع پر موجود ہوں۔ اور میں ان قیدیوں کے مقدمات کا بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کرسکتا ہوں۔ مجھے اسوقت کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہو اس سے جوش زیادہ پھیل جائے۔ لیکن جب ڈپٹی کمشنر نے اسے اطلاع دی کہ اسنے بہت سے قیدی قتل کرا دیئے ہیں۔ تو کمشنر نے اس کا جواب یوں دیا۔

"میرے پیارے کوون۔ جو کچھ آپنے کیا ہو۔ بہت اچھا کیا ہو۔ میں نے آپ کا طرزِ عمل نہایت پسند کیا۔ میں بھی آپکی تقلید کروں گا"۔ چنانچہ جب بقیہ قیدی اس کے پاس بھیجے گئے تو اُسنے بھی انہیں سزائے موت دے دی۔ جب گورنمنٹ آف انڈیا کو ان واقعات کا علم ہوا تو اسنے ایک بڑا لمبا چوڑا حکم لکھا۔ اور کوون کے فعل کی سخت مذمت کی۔ اور اسے وحشیانہ حرکت سے منسوب کیا۔ بالآخر کوون برخاست کیا گیا۔ کمشنر کو بھی سخت ملامت کی گئی اور اسے ایک دوسرے صوبے میں اسی عہدے پر تبدیل کردیا گیا۔ جب لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہوئے تو فارستھ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔ وائسرائے نے اسے کاشغر ایک سیاسی وفد کا سرکردہ بناکر بھیجدیا جہاں اسے سیاسی خدمات کے عوض سر کا خطاب دیا گیا۔

اُسوقت تمام انگریز افسروں اور اخباروں نے کوون اور فارستھ سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا وحشتناک واقعہ نہیں دیکھا ہو۔ میری رائے میں گورنمنٹ نے ان دو افسروں کو برائے نام سزا دی۔ حالانکہ وہ سنگین سزا کے مستحق تھے"

میں نے یہ تمام واقعہ حرف بحرف کاٹن کی کتاب "یاد ایام" (Indian & Home memories) سے اخذ کیا ہو۔ کیونکہ میں اس سے بہتر اس واقعہ کی تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا!

فارستھ اپنی سوانح عمری میں اسی واقعہ کی متعلق یوں لکھتا ہو:

"چونکہ میں کمشنر تھا اس لئے مجھے قتل کرنے کے کلی اختیار تھے لیکن کوون کو اس قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے اسے لدھیانہ سے لکھ دیا تھا کہ وہ ان باغیوں کے مقدمہ کی سماعت کرے لیکن جب تک میں اس کے پاس نہ پہنچ جاؤں، وہ کسی صورت میں ان قیدیوں کو سزا نہ دے۔ لیکن اسنے میرے اختیارات چھین کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر میرے حکم کے قتل کرادیا۔ ناچار اسکے فعل کی ذمہ داری مجھے اپنے سر لینی پڑی۔ اور اس سے متفق الرائے ہونا پڑا۔ کیونکہ میں اُسے غلطی کے نتائج سے بچانا چاہتا تھا۔ جب اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ تو میں نے اس کی ہر طرح سے امداد کی اور اسکے واسطے ہندوستان میں ہی ایک نہایت عمدہ ملازمت مہیا کردی"

جنگ افغانستان

(۲) دوسرا واقعہ افغانستان کی دوسری جنگ سے تعلق رکھتا ہو میں اسوقت اس جنگ کے واقعات دُہرانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ بڑی لمبی چوڑی داستان ہو۔ جب افغانستان اور برطانیہ کی آپس میں صلح ہوگئی۔ تو کیوگنری کو برطانیہ کی طرف سے بطور سفیر کابل میں متعین کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کیوگنری مع اسٹاف کے خود پٹھانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ جرنیل رابرٹس نے کابل پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بہادری دکھاکر اکتوبر ۱۸۷۹ء میں فتح کرلیا۔ بعدازاں انتقامانہ کارروائیاں شروع ہوگئیں۔ کیونکہ پٹھانوں نے ہمارے سفیر کو قتل کرکے ہمارے جھنڈے کی بڑی توہین کی تھی۔ کاٹن اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ میں لکھتا ہو کہ مارشل لا (جنگی قانون) فوراً نافذ کیا گیا۔ لوگوں کو گروہ در گروہ پھانسی دی جاتی تھی۔ امیر یعقوب خاں کو جلاوطن کرکے ہندوستان بھیجا گیا۔ گرد و نواح کے علاقے سامانِ خورد و نوش کی خاطر تباہ کئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کا جلانا تو ایک روزمرہ کی کارروائی تھی!

سر چارلس میگگریگر جو لارڈ رابرٹس کا چیف آف اسٹاف تھا اپنی سوانح عمری کے صفحہ ۱۲۶ میں مندرجہ ذیل فقرات لکھتا ہو۔

"جب تک مجھے افغان قیدیوں کے جُرم کا یقین نہ ہوجائے تب تک میں انہیں بے فائدہ سزا نہیں دوں گا۔ دفتر امور خارجہ کی رائے ہو کہ ایسی سزائیں دی جائیں جو عبرتناک اور جارحانہ ہوں لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہر ایک مقدمہ میں پوری تفتیش کرنی چاہئے۔ میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے بُرے نتائج نکلتے ہیں"۔

یہی جرنیل اپنے روزنامچہ میں ۲۲ اکتوبر کا یہ واقعہ لکھتا ہو۔

"میں نے آج ۵ آدمیوں کی زندگی بچائی ہو۔ یعنی اگر میں ان کے مقدمات میں پوری طرح غور و خوض نہ کرتا۔ تو انہیں یقیناً پھانسی دی جاتی۔ ان ملزموں میں سے ایک کا نام ابوبکر تھا۔ جو سوداگر تھا۔ اسکے خلاف مقدمہ صریحاً بناوٹی تھا۔ کیونکہ اس کے جانی دشمن نے اسکے خلاف جھوٹی شہادت دی تھی"۔

ہارڈ ہنین جو اخبار پانیر الہ آباد کا اس جنگ میں نامہ نگار تھا ایک جگہ کابل کا نقشہ یوں کھینچتا ہو۔

"کابل شہر خموشاں بنا ہوا ہو۔ وہ بازار اور کوچے جہاں ہر وقت خونریزی اور فساد کا بازار گرم رہتا تھا اب قبرستان کی مانند چپ چاپ ہیں۔ شہر کے باشندوں نے پہلے پہل ہماری نرمی سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے انتقام لینا شروع کیا ہو، اُنھیں ہماری وحشیانہ طاقت کا پوری طرح احساس ہوگیا ہو"۔

جب ہماری فوجوں کی ظالمانہ حرکات کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو عوام الناس نے بڑا شور مچایا۔ افغانستان میں ابتک ہمارے وحشیانہ افعال کی یاد تازہ ہو۔ یہی وجہ ہو کہ وہ ہمارا قدیمی دشمن چلا آتا ہو۔

خریدارانِ الہلال توجہ فرمائیں

جن جن حضرات سے ۶ ماہ کی قیمت وصول ہوئی تھی، اُن کا حساب الہلال نمبر (۲۴) پر ختم ہوجائے گا۔ یعنی آیندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آیندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو دفتر نہایت شکرگذار ہوگا اگر وی۔ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ منی آرڈر قیمت روانہ کردیں۔ وی۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہو، اور اس لئے پرچہ کے مسلسل اجراء میں خلل واقع ہوجاتا ہو۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں تو رجسٹر میں نمبر ۲۴ کے بعد سے اُن کی جدید خریداری کا اندراج ہوجائے، اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلد سے الہلال کا نیا دورِ حیات شروع ہوگا، اور وہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوگا، جس حالت میں اسوقت تک نکلتا رہا ہو۔ (مینجر)

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ ترمیم

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے، ظاہر ہے۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو [illegible] اندازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی اور علاج ہے۔ بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو [illegible] جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی [illegible] کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب ناظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا [illegible] تماشا دیکھئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی بچی ہمدردی کے اظہار کا [illegible] موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے اور آزمائیے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ [illegible] چند اقسام کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۴۴ صفحہ کی مفصل جنتری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ۔ منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی۔

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

بعد وہ تین ہزار میٹر کی بلندی پر پہنچ جائیگا۔ اُس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۴۰۰ میٹر ہو جائے گی۔ ۲۵ سکنڈ کے بعد وہ ۲۰ ہزار میٹر بلندی پر ہوگا اور اس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۸۰۰ میٹر زیادہ ہوتی جائے گی۔ پھر ۴۵ سکنڈ کے بعد ۵۰ ہزار میٹر کی افقی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ اور اُسکی افقی سرعت، ہر سکنڈ میں دو ہزار میٹر ہو جائے گی۔ اس صورت میں یہ جہاز برلن سے نیویارک صرف ½ ۱ گھنٹے میں پہنچ جائے گا!"

ایک دوسرے جرمن پروفیسر اوبرتھ کا خیال ہے:

"دس پندرہ برس کی مدت میں ایسے ہوائی جہاز بنجائیں گے جو ہر سکنڈ میں ۸۰۰۰ میٹر مسافت طے کریں گے۔ اس وقت یہ ممکن ہوگا کہ انسان چاند اور دوسرے کواکب تک پہنچ سکے"

لیکن بہت سے علماء یہ نظریہ تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کے دو بڑے اعتراض ہیں جن کا اب تک کوئی شافی جواب نہیں ملا ہے۔ ایک یہ کہ جو جہاز اس قوت سے توپ کے گولے کی طرح فضا میں پھینکا جائیگا، وہ ایک معین حد پر پہنچکر خود مشتعل ہو جائے گا یعنی جل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی تدبیر ایسی کر لی جائے کہ جہاز مشتعل نہ ہو، جب بھی اُس کے اُترنے کی صورت کیا ہوگی؟ یقیناً وہ اُسی تیزی سے نیچے گرے گا، جس تیزی سے اوپر پھینکا گیا ہوگا!

جرمن ہوا باز یہ اعتراض تسلیم کرتے ہیں، مگر نہایت اُمید رکھتے ہیں کہ ہم جلد ان مشکلات پر غالب آجائیں گے۔

صناعی آنکھ جو تاریکی میں دیکھتی ہے!

Noctovision

جب آفتاب کا نور کسی منشور شیشے میں سے ہو کر گزرتا ہے تو ہر رنگ کا ظاہر ہوتا ہے۔ سب رنگ علحدہ علحدہ اوپر نیچے صفوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں۔ سُرخ رنگ سب سے نیچے ہوتا ہے، اُس کے اوپر نارنجی، پھر زرد، پھر سبز، پھر اودا، پھر نیلا، پھر بنفشی یعنی بنفشی سب سے اوپر ہوتا ہے۔ سُرخ سب سے نیچے۔ قوس قزح [illegible] دیتے ہیں۔

لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ آفتاب کا نور صرف ان سات رنگوں ہی میں تحلیل نہیں ہوتا، بلکہ اور بھی بہت سے رنگ [illegible] ہو گئے ہیں، رنگ غیر مسلح آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ان میں سے بعض رنگ سُرخ رنگ کے نیچے ہوتے ہیں، بعض بنفشی کے اوپر۔ سُرخ شعاعوں کے نیچے جو شعاعیں ہیں، [illegible] آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں لیکن جلد پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں تاریک شعاعیں کہلاتی ہیں۔ آفتاب کی جو قوت ہم تک پہنچتی ہے، اسکے اجزاء میں غالب حصہ انہی تاریک شعاعوں کا ہوتا ہے۔

بنفشی شعاعوں کے اوپر جو شعاعیں ہیں، اُنکی موجیں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بھی دکھائی نہیں دیتیں۔ البتہ فوٹوگراف کی تختی پر ان کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کا نام ہے "شعاع ماوراء بنفشی" یا "شعاع کیمیاوی"۔

انسان کی آنکھ آفتاب کی اُنھی شعاعوں سے متاثر ہوتی ہے جو سُرخ اور بنفشی رنگوں کے درمیان ہیں۔ جب یہ تمام شعاعیں یا ان میں سے کوئی ایک شعاع کسی جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ متاثر ہوتی ہے، اور دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کی شعاع جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ اُس سے متاثر نہیں ہوتی، اس لئے وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔

لیکن اب انسان کی یہ مجبوری دُور ہو جائے گی۔ کیونکہ انگلستان میں جان بیرڈ نامی ایک عالم نے ایک ایسی کہربائی آنکھ ایجاد کر لی ہے، جو تاریکی میں بھی بخوبی ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ یہ صناعی آنکھ اس درجہ حدید البصر ہے کہ تاریک شعاعیں، یعنی وہ شعاعیں جو سُرخ رنگ کے نیچے ہیں۔ اُسے متاثر کر دیتی ہیں۔ اس آنکھ کے فعل کا نام Noctovision (یعنی رات میں دیکھنا) تجویز کیا گیا ہے۔

قارئین الہلال شاید واقف ہونگے کہ یہ موجد وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں ایک نہایت مفید ایجاد کے سلسلہ میں مشہور ہو چکا ہے۔ اُسنے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے دُور کی چیزیں بھی ویسی ہی دکھائی دیتی ہیں، جس طرح قریب کی چیزیں انسان دیکھ لیتا ہے۔

لیکن یہ جدید ایجاد پہلی ایجاد سے زیادہ حیرت انگیز اور مفید ہے۔ یہ آلہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں سرخ رنگ کے نیچے کی شعاعیں جمع ہو جاتی ہیں اور اُسی طرح نمایاں ہوتی ہیں جس طرح چراغ سے روشنی نکلتی ہے [illegible] آنکھ [illegible] منعکس [illegible] صورتیں ظاہر ہوتی ہیں!

برطانی حکومت نے سرکاری طور پر [illegible]

زلزلے سے پہلے اُسکا اعلان

[illegible]

حال میں علماء طبقات الارض [illegible] عنقریب ایک ایسا طریقہ ایجاد [illegible]

چنانچہ انگریزی کے مشہور علمی رسالہ "نیچر" میں ایک مقالہ نگار لکھتا ہے:

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے سے پہلے زمین کی سطح میں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کجی بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زلزلے پر پہنچکر ختم ہو جاتی ہے۔ کجی آنکھ سے بھی مشاہدہ کی جا سکتی ہے، کیونکہ زمین کی ہموار سطح، نمایاں طور پر خم ہو جایا کرتی ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ثابت ہو جائے، تو بآسانی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جا سکتا ہے جو زمین کی خفیف سے خفیف کجی بھی محسوس کر لے اور ایک گھنٹی کے ذریعہ خطرہ کا اعلان ہو جائے"!

گزشتہ ماہ [illegible] میں علم مساحت ارض کے ماہرین کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اسمیں جاپان کا ایک مشہور ماہر طبقات الارض ڈاکٹر اماموراؔ بھی شریک تھا۔ "نیچر" کے مقالہ نگار نے اُس سے ملاقات کی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔ جاپانی ڈاکٹر نے اس کی تائید کی اور بتلایا کہ ۷ مارچ ۱۹۲۷ء میں ٹانگو کے مہیب زلزلے سے ڈھائی گھنٹے پہلے زمین کی سطح میٹو اور سوناکاٹا نامی دو مقاموں میں بلند اور خمیدہ ہو گئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے بھی زیادہ دیکھی گئی تھی۔

نیز ڈاکٹر نے بیان کیا کہ اُس نے ۱۴۹۳ء سے ۱۹۲۷ء تک کے ۵ ہولناک جاپانی زلزلوں کی تفصیلات جمع کر لی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زلزلے سے پہلے زمین کی سطح بلند اور خمیدہ ہو گئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے دو میٹر تک نمایاں تھی۔ بعض حالتوں میں یہ حالت زلزلے سے ۵ گھنٹے پیشتر پیدا ہو گئی تھی۔ بعض حالتوں میں ایک دو گھنٹے پیشتر۔

ایک دوسرے جاپانی پروفیسر اچیمورو نے ایک آلہ ایجاد کر لیا ہے جس کا نام "کلینوگراف" ہے۔ یہ وہی آلہ ہے جس کا ذکر "نیچر" کے مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس آلہ سے سطح زمین کی ہر بلندی اور کجی معلوم ہو جاتی ہے۔

صناعی آفتاب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی تحصیل کے لئے یورپ بھیجیں [illegible] یقیناً [illegible] تھی کہ اس تحریک کا [illegible] سفر سے پہلے ارکان حکومت نے اس بات میں مشورہ کیا، اور بالاتفاق طے پایا کہ ایک کافی تعداد طلبہ کی اس غرض سے منتخب کرنی چاہیے۔ چنانچہ مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ، اور جدہ سے ایک جماعت اطفال شام بھیجی جا رہی ہے، تاکہ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کر کے اس قابل ہو جائے کہ یورپ کی مشہور درس گاہوں میں داخل ہو سکے۔ اُمید ہے، اب یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقى ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه ـــ فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ایـــجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلى طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البـلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جائے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه　　الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه　　" " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت فی پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البـلاغ پریس"

١٩٢٧

الهلال

جلد ١

نمبر ٢٥

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ - آنہ

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الکریم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۵ — کلکتہ : جمعہ ۱۳ . جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۲۰۷۱ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۵	اردو حروف کی حق مین	۵۳۵
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۸۰۲	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۳۲۰	نستعلیق ہون	۱۹۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

بحکومت ہی

لا متناہی اور سراسر مجہول عالم پر سرسری نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے "

سر اولیور لاج اپنی کتاب " روح انسانی کی ابدیت " میں لکھتا ہے :

" بہت سے عجیب و غریب حوادث کی صحت ثابت ہو چکی ہے - یہ حوادث ہر قوم اور ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں - ممکن ہے ان کا بڑا حصہ اوہام و خواطر پر محمول کرکے رد کر دیا جائے - مگر اُن سب کا رد کر دینا ناممکن ہے - موجودہ علمی ترقی کی روشنی میں کوئی دعوی نہیں کر سکتا کہ انسانی روح کے تمام اعمال و خواص سے ہم واقف ہو چکے ہیں ' یا انسانی روح کا علم ہم نے اِس درجہ منضبط اور آسان کر دیا ہے کہ ہرکس و ناکس اُسے سمجھہ لے - لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ ایسا ہی یقین رکھتے ہیں - وہ ہر روز بغیر کسی اظہار حیرت کے علم الحیات ' کیمیا ' اور علم الآلات کے زیادہ سے زیادہ محیر العقول اکتشافات پر ایمان لاتے رہتے ہیں ' اور کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو گئے اور اب کوئی نیا اکتشاف قبول نہیں کرینگے - لیکن مذہب روحی کا نام آتے ہی ان میں انکار اور تعدی کا جوش پیدا ہو جاتا ہے - وہ بغیر کسی تامل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ہیں - یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ہے - یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کی کتنی زیادہ استعداد رکھتے ہیں ؟ لیکن یاد رہے ' اُن کا یہ دعوی ' سراسر اساس علم کے خلاف ہے - وہ صرف اُسی حال میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براہین سے بلا کسی بحث کے اعراض کر لیا جائے "

پروفیسر سڈگوک صدر " انجمن مباحث نفسیہ " اپنے سنہ ۱۸۸۲ کے خطبۂ صدارت میں کہتا ہے :

" اب یہ سخت فضیحت کی بات ہوگی کہ اِن روحی حوادث کی صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کی تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے ہیں - یہ شرم کی بات ہے کہ مذہب روحی کے خلاف علمی دنیا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رہے ... اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میزوں کا اعتقاد ' عملی تہذیب کے نقص و فقدان کا کافی ثبوت ہے - لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاہدات کی بنا پر اِن امور کی تصدیق کر دی ' تو منکروں نے اپنا انکار جاری رکھنے کیلیے نئے وجوہ کی تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا - اِنہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء ' علماء نہیں ہیں ' بلکہ دجال ہیں - یا صرف علم کی بعض شاخوں میں دخل رکھتے ہیں - لہذا اُن کی شہادت معتبر نہیں - پھر جب اسکے بعد ایسا ہوا کہ ایسے لوگوں نے شہادت دی ' جن کی فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ہے ' تو اِن لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر دیا ' اور اِسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دیا ! "

اِس مجمل بیان سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مذہب روحی نے اِس قلیل مدت میں کتنی ترقی حاصل کر لی ہے - پروفیسر رسل ویلس اپنی کتاب " عصر جدید کے معجزات " میں کہتے ہیں کہ اِس مذہب کے معتقد صرف یورپ میں اِس وقت دو کرور سے بھی زیادہ آدمی ہیں !

آخری مملوک سلطان مصر

ساڑھے چار سو برس پہلے ایک مغربی سیاح مشرق میں

ایک سیاح کی چشم دید شہادت اور اہم تاریخی فوائد

یورپ میں چھاپہ خانے کی صنعت کا رواج چودھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا ہے - چودھویں صدی سے لیکر سترھویں صدی کے وسط تک مطبوعات کی رفتار بہت سست رہی - تاہم اِس ابتدائی زمانے میں بھی ایک کافی تعداد ایسی کتابوں کی شائع ہوتی رہی ہے ' جو علمی اور تاریخی حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھی اپنی قدر و قیمت رکھتی ہیں -

جنیوا کی ایک علمی انجمن کچھہ عرصہ سے اس قسم کی قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رہی ہے - اس سلسلہ میں کئی نادر اور قیمتی چیزیں گوشۂ گمنامی سے نکل چکی ہیں - ازانجملہ مشرقی ممالک کے سفر نامے ہیں جو چودھویں اور پندرھویں صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے ' اور جن میں مشرقی ممالک کے امراؤ سلاطین اور وہاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ایسی چشم دید تفصیلات موجود ہیں ' جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں - آج ہم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہیں -

یہ سفرنامہ کئی اعتبار سے مخصوص تاریخی اہمیت رکھتا ہے - سنہ ۱۵۱۱ ع میں وینس کی جمہوری حکومت نے (جو اُس وقت یورپ کی ایک طاقتور حکومت تھی) ایک سفارتی وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اُس عہد کا مشہور مدبر ترمینکو تریویزان تھا - یہ سفارت مصر پہنچی ' سلطان مصر کے دربار میں باریاب ہوئی ' اور ایک کافی عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئی - سفارت کا سکریٹری وینس کا ایک امیر جاکو باگانی نامی تھا - اِس شخص نے واپسی کے بعد اپنے سفر کی یادداشتیں سفرنامہ کی صورت میں مرتب کر لیں ' اور وہ تمام قلمی تصاویر بھی شامل کر دیں جو سلاطین و امراء مصر کی اُس نے طیار کی تھیں - سفر نامہ کچھہ عرصہ تک وینس کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ رہا - پھر سنہ ۱۵۳۵ ع میں سفارت کے سفر سے تقریباً بائیس برس بعد ' حکومت نے اُسے سرکاری مطبع میں چھپوا کر شائع کر دیا - اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھہ وہ تمام تصاویر بھی چھاپی گئی تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں -

(سفرنامہ کی اہمیت)

یہ سفرنامہ فی الحقیقت ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے - یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کی ایک اسلامی حکومت کے اُن چشم دید حالات کا ذخیرہ ہے جن کا علم کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا - مورخ اور سیاح میں یہی فرق ہے ' اور اسی لیے مورخ کی کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفرنامہ کا بیان قیمتی ہوتا ہے - مورخ کی نظر جزئیات پر نہیں جاتی - وہ صرف علمی ترتیب بیان کے ساتھہ بڑے بڑے واقعات جمع کر دیتا ہے - لیکن سیاح زیر سیاحت شہر کے ایک ایک کوچہ کی سیر کرتا ہے ' اور ایک ایک جزئی معاملہ میں دلچسپی لیتا ہے - وہ بسا اوقات بہت سی ایسی جزئیات بیان کر دیتا ہے ' جن سے

جدید مذهب روحی

تاریخ ظهور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرہ

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچی ' تو علماء میں سخت بیچینی پیدا ہوگئی - وہ ڈرے کہ صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اوهام کی جس سلطنت کا انہوں نے خاتمہ کردیا تھا ' وہ اب پھر نئے ہتیاروں سے مسلح هوکر علم کے مقابلے میں آرهی ہے - لہذا انہوں نے چاها ' قدم جمنے سے پہلے هی اس کا خاتمہ کردیں - چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی کہ اِس مذہب کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے - انجمن نے درخواست منظور کرلی ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کردی - اِس مجلس میں رسل ویلس ' ولیم کروکس ' ٹنڈل ' لارڈ ایوبری ' اور ھکسلے جیسے ائمۂ علم و حکمت بھی شامل تھے - مسلسل اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتی رهی - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں اُنکی روداد شایع کی - یہ روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ هوچکی ہے - اِس کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکہ مخفی آلات کے ذریعہ فریب دہانے کا احتمال باقی نہ رہے - نیز اُن وسیطوں سے بھی کام نہیں لیا جو پیشہ ور وسیط سمجھے جاتے هیں - خود ارکان هی میں سے ایک شخص وسیط بنایا گیا تھا - یہ شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے - اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے - مال و دولت کی بھی اسے کوئی طمع نہیں - کیونکہ خود مالدار ہے - ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھی برتلیں ' جو ہمارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروری تھیں - بار بار تجربے اور مشاهدے کیے - اِس روداد میں ہم نے صرف اُنھیں مشاهدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع هوئے ' اور جن کی صحت پر همیں کامل یقین ہے "

" مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یہ سب کے سب اِس مذہب کے سخت مخالف تھے ' اور کامل یقین رکھتے تھے کہ یہ عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجہ هیں یا وهم کا ' اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا هو جانے کی وجہ سے اِس طرح کی حرکات ظہور میں آجاتی هیں - یہ حد سے زیادہ منکر اُس وقت تک قائل نہ هوئے ' جبتک کہ بکثرت مشاهدات انہوں نے اِس طرح نہ دیکھہ لیے ' کہ کسی قسم کا شک و شبہ وارد نہیں هوسکتا تھا - بالاخر اُنھیں تسلیم کرلینا پڑا کہ جو کچھہ انہوں نے بار بار دیکھا ہے ' وہ حقیقت ہے ' اور اُس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں ... "

اِسی قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم هوئی - اِس کا نام " انجمن مباحث نفسیہ " رکھا گیا - اِس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب روحی کو رسمی علم سے قریب تر کیا جائے اور علمی اصول پر اُسے اس طرح مرتب کردیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے - اِس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاهیر علماء و فلاسفہ داخل هیں - اِس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شایع کرچکی ہے -

نمونہ کے طور پر اِس انجمن کے بعض ارکان کی چند تحریروں کا ترجمہ دیا جاتا ہے - اِس سے معلوم هوگا کہ اُن کا طریق بحث کیا ہے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے ' لکھتا ہے :

" سنہ ۱۸۷۳ع میں جبکہ مذہب مادی ہمارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاوی هوچکا تھا ' کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد هوئی ' اور طے کیا گیا کہ مذہب روحی ' جس پر اِس قدر بحث و نزاع جاری ہے ' ہماری توجہ و تدقیق کا مستحق ہے - میری رائے تھی کہ اِس مذہب کی بحث میں نہ تو اساطیر اولین کی ورق گردانی مفید هوسکتی ہے ' نہ معتقدین کی روایات کی تحقیق ' اور نہ منکرین کی تضعیف و انکار هی کارآمد ہے - اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی صورت ہے کہ هم خود تجربے کریں ' اور اپنی آنکھوں کے مشاهدات پر بھروسہ رکھیں - اگر عالم روحانی واقعی کوئی اصلیت رکھتا ہے ' تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اُس کا ثبوت بھی تجربۂ و مشاهدہ پر مبنی هونا چاهیے - چنانچہ اِسی اصول پر ہماری اِس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری کردیا "

اِس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرکے کہتا ہے :

" میں اِس عقیدے کو کیوں صحیح نہیں سمجھتا ؟ یہ سوال ہے جو ہر علمی بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمی کے سامنے هونا چاهیے - مذہب روحی کی بحث میں اِس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے - مجھے اعتراف کرنا چاهیے کہ میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں هیں ' بلکہ مرجح یا غیر مرجح هیں ' کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر هیں - اُن میں کوئی بھی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے مشاهدات کی تردید کردوں - خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دیکھتا هوں ' یہ تمام مشاهدات ' دوسرے یقینی مشاهدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکھتے - علمی دلائل و براهین کا دائرہ کتنا هی وسیع اور یقینی هو ' مگر پھر بھی تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وہ ناموس قدرت کے

Le Grand Caire ' جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے -

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یہ ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم اُن واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ہیں -

سنہ ۱۵۰۵ - ع میں کئی سال کی بادشاہ گردی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصوہ غوری تخت نشین ہوا - اس بادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے ' کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہوگئے -

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے ' اُس زمانے میں مصر ' ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا - سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے - وہاں سے وینس ' جنیوا ' اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے ملکوں کیلیے حاصل کرلیتے تھے - خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے - یہ سوئز سے لیکر کالی کٹ اور چٹاگاؤں تک سفر کرتے رہتے - سنہ ۱۵۰۳ع میں ایسا ہوا کہ واسکو دی گاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا - مصری جہازوں سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی - یہ جہاز ہندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رہے تھے - پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا ' آدمی گرفتار کرلیے ' اور جہاز ڈبو دیے -

یہ خبر جب سلطان غوری کو پہنچی تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا - اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یوروپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے - لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ " اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان بادشاہ کے حصے میں آئی ہے ' اُس نے اس کار روائی میں جلدی نہیں کی ' اور خیال کیا کہ پہلے اصلاح حال کی کوشش کرلی جاے " چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلی ' فرانس ' اور جنیوا ' جائے ' اور ان ملکوں کی حکومتوں کو حکومت کی ان زیادتیوں پر توجہ دلائے - یہ مصری سفیر بیت المقدس مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا - سفیر پہلے وینس گیا - وینس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے جو بادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں - پھر جمہوریت کے ممبر جمع ہوئے ' اور سفیر کے پیام پر غور کیا - سفیر کا پیام یہ تھا: " اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نہ کی اور مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا ' تو سلطان مصر نے فیصلہ کرلیا ہے کہ بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیگا ' اور تمام یوروپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیگا " حکومت جمہوریہ نے مصر کی شکایت کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا ' لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا ' اس لیے سفیر کو پوپ جولیس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا ' اور اپنے سفرا بھی ساتھ کردیے - پوپ نے سفیر سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے ' تو بہت خائف ہوا - وہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نہ تھا - اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانہ کی - اسکے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آگیا -

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آگئے ' جنکی وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اٹھا ' اور اصلاح حال کی وہ تمام کوششیں ضائع گئیں ' جو مصری سفارت کے ذریعہ انجام پائی تھیں - اِن حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں ' جنھیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے :

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی - یہ جہاز کالی کٹ سے سوئز واپس جارہے تھے -

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ جزیرۂ رودس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا - اُنھوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے -

اِسی اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آگیا - مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی - سلطان مصر کو معلوم ہوا کہ کمال پاشا فوجی سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ہے - اس نے اپنے تیس جہاز گیلی پولی کی طرف روانہ کر دیے ' تاکہ اِس ذخیرہ پر قبضہ کرلیں - اتفاق سے رودس کے بحری نائٹوں کے ایک بیڑہ سے اُنکا مقابلہ ہوگیا - مقابلہ میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی ' اور کئی جہاز بالکل تباہ ہوگئے -

چوتھے حادثہ کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی ' لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا - عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبہ حالات میں دیکھا اور گرفتار کرلیا - گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی ' اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا - یہ شاہ اسماعیل صفوی کا خط تھا ' جو ٹامس کونٹرین قنصل وینس متعینۂ شام کے نام لکھا گیا تھا - حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیجوا دیا - جب سلطان نے یہ خط پڑھا ' تو اسے معلوم ہوگیا کہ حکومت ایران ' یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے ' اور وینیس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلۂ مراسلت جاری ہے -

ان تمام واقعات نے سلطان کو یوروپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کردیا ' کہ اُس نے حکم دیا - بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیا جائے ' تمام یوروپین قنصل اور تاجر گرفتار کرلیے جائیں ' اور آئندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نہ رکھے - اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی

تاریخي مسائل کي عظیم کلیات طیار کرلي جاسکتي هیں - هندوستان کے عہد تغلق کي متعدد تاریخیں خود اُسي عہد میں یا اس کے بعد لکہي گئي هیں ' لیکن ابن بطوطه کي زباني همیں جیسي چلتي پھرتي تصویر اُس عہد کی نظر آجاتي ہے ' وہ برني اور فرشته کے صفحات پر نظر نہیں آسکتي !

(سفرنامه کا عہد)

اِس کے علاوہ اُس عہد کي مخصوص اهمیت نے بھي اس سفر نامه کي قدر و قیمت بڑھا دي ہے - یه وہ وقت تها ' جب في الحقیقت دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پہلي کروٹ بدل رهي تهي - مشرق کا دور اقبال رو به تنزل تها ' اور یورپ کا عہد عروج طلوع هو رها تها - اسپین میں اسلامي عہد تمدن کا آخري نقش قدم بھي مٹ چکا تها ' اور غرناطه میں مسلمانوں کا قتل عام هو رها تها - یورپ اور مشرق بعید کي راہ تجارت بھي ایک نئے انقلاب کي طیاریاں کر رهي تهي ' اور پرتگالیوں کے بیڑے هندوستان کي بحري راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانه هو رہے تهے - ٹهیک ٹهیک یهي زمانه تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الاثر زمانه ہے ' جب واسکو ڈي کاما نے ایک عرب معلم کے ذریعه راس امید عبور کرکے سواحل مالابار کا رخ کیا تها ' اور اس ایک واقعه نے تمام دنیا کي سیاسي اور اقتصادي عظمت کي تاریخ پلٹ دي تهي !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوري
(آخري مملوک سلطان مصر)

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اِس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے هیں - مختصر لفظوں میں اُن کي توضیح همارے لیے بھي ضروري ہے - کیونکه اس سے وقت کے بعض اهم تاریخي حالات پر روشني پڑیگي -

لیکن قبل اسکے که مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجه هوں ' اُس عہد کے اُن سیاسي و تجارتي تعلقات کي مختصر تاریخ بیان کر دینا ضروري ہے جو یورپ اور مصر میں قائم تهے -

صلیبي لڑائیوں کا سلسله تیرهویں صدي مسیحي تک جاري رها - یورپ کا آخري صلیبي حمله وہ تها ' جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تها - اس کا خاتمه منصورہ کي لڑائي پر هوا جس میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کر لیا - اسکے بعد سلطان بیبرس ' سلطان منصور قلاؤن ' اور ملک اشرف خلیل ' یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا هوے ' اور پے در پے جنگوں کے بعد سنه ۱۲۹۰ میں تمام بلاد شام سے صلیبي خارج کر دیے گئے - آخري جائے پناہ جو انکے هاتهه باقي رهگئي تهي ' عکا کا ساحلي شہر تها - اسي کو انهوں نے اپني مشرقي تجارت کا برزخي محل قرار دیا تها - لیکن یه بھي سنه مذکور میں انکے هاتهه سے نکل گیا - اسکے بعد کچهه عرصه تک تخت مصر اپنے اندروني مناقشات میں مشغول رها - لیکن سنه ۱۳۴۰ - میں جب ملک الناصر کي حکومت استوار هوئي ' تو اُس نے محسوس کیا که یورپ کے صلیبي ولولے اس وقت تک فرو نہیں هو گئے هیں - وہ رهکر اس طرح کے واقعات ظہور میں آتے رهتے هیں جن سے اُنکي معاندانه سرگرمیوں کا پته چلتا ہے - چنانچه اس نے حکم دیا که شام اور مصر سے تمام یوروپین تاجر اور یوروپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں - اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علائق منقطع هو گئے -

یهي وہ صورت حال ہے جس نے یورپ کے دو مختلف تجارتي حلقوں میں یه خیال پیدا کر دیا تها که قدیم عرب جغرافیه نویسوں اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحري راسته ڈهونڈہ نکالیں اور مصر کے محتاج نه رهیں - چنانچه کولمبس نے بحر اطلانطک میں غرب رویه جا کر ' مشرق کي جہت سے هندوستان پہنچنا چاها ' اور پرتگالي بیڑوں نے افریقه کے گرد طواف کرتے هوے بحر هند کا نقطۂ اتصال دریافت کرنا چاها - کولمبس هندوستان کي جگه امریکه پہنچ گیا - لیکن بر تام دیاز نے سنه ۱۴۸۶ - میں راس امید کا سراغ پا لیا - پهر سنه ۱۴۹۷ - میں واسکو ڈي کاما اسے عبور کر کے مالا بار پہنچ گیا !

بهر حال تقریباً نصف صدي تک مصر اور یورپ کے علائق (بلکه کہنا چاهیے مشرق اور یورپ کے علائق کیونکه تمام مشرق اور یورپ کے تجارتي علائق مصر هي کے ذریعه تهے) منقطع رہے - یه صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تهي - اُسکے تمام بازار بے رونق هو گئے - بڑي بڑي منڈیاں بند هو گئیں - یورپ اُس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسي طرح محتاج تها - جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج ہے - بے شمار روز مرہ کي ضرورتوں کي مصنوعات تهیں ' جو مشرق هي سے جاتي تهیں اور یورپ کے هر امیر و غریب گهر میں برتي جاتي تهیں - اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتي قحط کي مصیبت پیدا هو گئي - یه صورت حال دیکهکر یورپ کي تمام بڑي بڑي حکومتیں مجبور هوئیں که کسي نه کسي طرح

مصر کا بند دروازہ پهر کهلوایا جائے - ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کي جمہوریت تهي - یه اُس وقت یورپ کي بحري تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تهي - حکومت وینس نے پے در پے سفارتیں بهجوائیں - عثماني اور صفوي حکومتوں کو درمیان ڈالا ' قیمتي تحائف سے لبریز جہاز پر جہاز بهیجے ' پوپ کي طرف سے بهي پیام امن و صلح بهجوایا گیا - یورپ کي تجارت کے کهل جانے میں مصر و شام کے وطني تاجروں کا بهي عظیم الشان نفع تها ' اسلیے اُنهوں نے بهي کوششیں کیں - غرضکه ایک مدت کي سعي اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتي اور دوستانه تعلقات پهر از سر نو قائم هو گئے -

یهي زمانه ہے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتي مرکز بن گیا تها - هندوستان اور یورپ کي تجارتي کڑي یہیں آکر ملتي تهي - اُس کے باشندوں کي خوشحالي اور تاجروں کي شاهانه دولت کے افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کي طرح سنائے جاتے تهے - یورپ میں عام طور پر قاهرہ کا نام " قاهرہ عظیم " تها - یعني

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے - لیکن اسکے بعد کیا ہوا ؟ اس کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی - قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی مال و متاع کے فوائد کا اس درجہ خیال رکھتا تھا ' کہ جب کبھی یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی ' تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کی دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا ' اس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلیے جو آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیوں کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے ' کیا کارروائی کی ؟

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابو البقاء صالح بن شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو در اصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا ' اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقریزی نے تصریح کی ہے ' اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتلاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان
فلا یغر بطیب العیش انسان
أصابها العین فی الاسلام فارتزأت
حتی خلت منه أقطار و بلدان
علی دیار من الاسلام خالیة
قد اقفرت و لها بالکفر عمران
حیث المساجد قد صارت کنائس ما
فیهن الا نواقیس و صلبان
بالامس کانوا ملوکا فی منازلهم
والیوم فی بلاد الکفر عبدان
فلو تراهم حیاری لا دلیل لهم
علیهم فی ثیاب الذل ألوان
لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

یدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام لوموں کا پیام الغیاث تھا :

یا راکبین عتاق الخیل ضامرة
کأنها فی مجال السبق عقبان
و حاملین سیوف الهند مرهفة
کأنها فی ظلام النقع نیران
و راتعین وراء البحر فی دعة
لهم باوطانهم عز و سلطان
أعندکم نبأ من اهل اندلس ؟
فقد سری بحدیث القوم رکبان
کم یستغیث بنا المستضعفون و هم
قتلی و أسری فما یهتز انسان
ما ذا التقاطع فی الاسلام بینکم
و انتم یا عباد الله اخوان
الا نفوس أبیات لها همم ؟
أما علی الخیر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب اُن مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابو البقاء کے " خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے ' ہندی تلواروں کی چمک دمک سے اُنکے ہاتھ شعلہ بار رہتے تھے ' اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے تھے " ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہانتک مصری حکومت کا تعلق ہے ' اس سفر نامہ سے بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں ' جو اس وقت تک تاریکی میں تھیں - بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے - سفر نامہ کا مصنف اُن حالات کی تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے ' لکھتا ہے :

" یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موروں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا ' اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سر زمین صرف مسیحیوں ہی کیلیے مخصوص ہوگئی تھی - یہ حالت دیکھکر مراکش ' ٹیونس ' اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے ' تاکہ اسپین کے مقابلہ میں اُنکی مدد کی جاے ' اور اُنھیں اس قابل کر دیا جاے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلیے حاصل کر لیں - جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے اُن کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی - پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلیے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلیے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے ' اور یورپ کے تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دے - لیکن پھر جب اس کارروائی کے نتائج پر نظر ڈالی ' تو اُس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے خلاف ہوگا - اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی - شاہ فرڈنی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کو خبر ملگئی کہ اُمراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر اُبھارنا چاہتے ہیں - انھوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے - اس سفیر کا نام کونٹ پیٹر دینکر تھا - یہ اسکندریہ پہنچا ' اور فلپ دی پیورٹنز کے یہاں اُترا جو اُس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا - قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی ' اور درخواست کی کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانۂ راھداری مرحمت ہو "

" سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی ' تو اُس نے امراؤ علماء سے مشورہ کیا - علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کر چکے تھے ' اسلیے قدرتی طور پر اسپین کے خلاف اُنکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے - انھوں نے بالاتفاق یہ راے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں - اسے واپس کر دیا جاے - سلطان نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا ' اور سفیر کیلیے پروانۂ راھداری نہیں بھیجا -

حکم دیدیا تھا ' لیکن سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ " انھوں نے خزائن بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جانیں بچا لیں "

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کردیا - واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ھندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کرلیا تھا' لیکن ابھی اس راہ سے ھندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی ' اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا - جونہی مصر کا دروازہ بند ہوا ' یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اُس پر بند ہوگیا ہے - ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہوگئیں ' اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہوگیا -

یہ حالت دیکھکر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں - وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی روئداد اس سفر نامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی - قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی - سفر نامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے ' اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے - فرانسیسی سفارت شویلیر کونت انڈری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی -

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی ' اور بے شمار مقامات میں ٹھہرتی ہوئی ' ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی -

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفر نامہ اُس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملؤ ہے - ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں - ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کرینگے -

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اُسے مصوری میں کافی دخل تھا - اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ہے جو اُس نے سفر نامہ کے ساتھہ شامل کی ہیں - ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھہ شائع کرتے ہیں - پہلی تصویر سلطان قانصوہ غوری کی ہے - دوسری اس کے وزراء کی ہے - مصنف لکھتا ہے " میں نے سلطان سے اُس کی اور اُس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کرلی تھی "

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہئیت نظر آرہی ہے ' یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھی - سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا - یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا ' ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا ' کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا - ھندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھہ معلوم کی جائیگی کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ھندوستانی ساخت کا ہوتا تھا !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوری جسکی تصویر آپکے سامنے ہے ' دراصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے - سنہ ۹۲۲- ہجری مطابق ۱۵۱۶- ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا ' تو تخت مصر پر یہی سلطان متمکن تھا - یہ " مرج دابق " کے معرکہ میں پوری شجاعت اور پامردی کے ساتھہ لڑا ' لیکن بالاخر شکست کھائی ' اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گرکر مارا گیا - اسکے بعد ملک اشرف طومان بائی نے کچھہ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی ' لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی ' اور ہمیشہ کیلیے چرکسی مملوکوں کا سلسلۂ حکومت ختم ہوگیا -

سلطان غوری سنہ ۹۰۶- ہجری مطابق ۱۵۰۱- ع میں تخت نشین ہوا تھا - اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمراں رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے ' اور اسے " حزم راے اور دقت نظر" میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے - مصر کے عام مورخین بھی اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں -

(سقوط غرناطۂ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ہے ' جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی ' اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں خاموش ہیں -

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱- ع میں ہوا ہے - یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہوکر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈنینڈ کے حوالہ کردیا - اسکے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رہے ' جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں - غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۂ انکویزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹ - میں صادر کیا تھا ' اور کارڈنیل فرانسسکو زی مینس اور فرڈینینڈ ڈی ٹالاویرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا - یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وہی زمانہ ہے ' جب مصر میں سلطان محمد بن قائتبائی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہوگئی ہے ' اور کئی سال کی طوائف الملوکی کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصوہ غوری کو تخت نشین کیا ہے -

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھچکے تھے - ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ ' فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ہوگیا ' تو اُس نے دو سال کیلیے عارضی صلح کرلی ' اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ انہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جاے - مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھہ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی - لیکن دو سال کی مدت گزر گئی ' اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی - دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے - جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے ' جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلیے کیے گئے تھے ' اور انکا قتل عام شروع ہوگیا ' تو یہ حالت دیکھکر مراکش اور تیونس کے سلاطین مضطرب ہوگئے - انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس وفود بھیجے ' اور انہیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی - ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و امراء سے مرکب تھی ' قاہرہ بھیجی گئی تھی - یہ سلطان قانصوہ غوری ہی کا زمانہ تھا - تاریخ کے صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ سفارت قاہرہ پہنچی ' اور

بریڈ زنگ

روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قارئین الہلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کی سوویت حکومت نے آخری انقلاب روس کی دسویں سالگرہ منائی تھی، اور اس تقریب کو " کمیونیزم کی دہ سالہ جوبلی " سے تعبیر کیا تھا - اس تقریب میں شرکت کیلیے بعض ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی، لیکن اُن میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا - وقت کی کمی، حالات کی ناموافقت، اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پروانۂ راہداری دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد ہی نہیں کیا -

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آ گئی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا - نہ صرف تمام روسی صوبوں سے، بلکہ دنیا کے دور دراز حصوں سے بھی نمایندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی - وسط ایشیا کی تمام حکومتوں اور قوموں کے وکلاء موجود تھے - قفقاز اور ارمینیا نے علاوہ اسمیں حصہ لیا تھا - ایران سے بھی ایک وفد گیا تھا - چین اور جاپان کے بھی نمایندے موجود تھے -

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئی دن تک متصل جاری رہے - سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا - اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی، اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسکے گذرنے میں لگ گیا تھا - جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوے تھے، انہوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی - جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا، اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم ہوا تھا !

اس موقعہ پر یہ بات یاد رہے کہ موسکو کی آبادی عرض کی جگہ زیادہ تر طول ہی میں واقع ہوئی ہے - وہ دنیا کے اُن شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لنبے واقع ہوئے ہیں -

جلوس کے بعد سوویت کی بین الاقوامی مرکزی

لیکن ساتھہ ھي صاف لفظوں میں انکار بھي نہیں کیا - جب کبھي قنصل کي جانب سے عرضداشت پہنچي ' اسي نہ کسي طرح ٹالدیا گیا " ۔

" لیکن کچھہ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ھے - یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات نے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب برآري کا پیدا کردیا ھے ' اُسے ضائع کردیا جائے - چنانچہ اُس نے اسپینی سفیر کے لیے پروانۂ راهداري بھیجوا دیا - وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۹ - جنوري سنہ ۱۵۰۲ع - کو قاہرہ پہنچا - قاہرہ میں سرکاري ترجمان اُس کے استقبال کے لیے موجود تھا - حسب معمول شاهي مہمانسرائے میں اُتارا گیا - اور ایک ہفتہ کے بعد دربار شاهي میں پیش ہوا "

" اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقي فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا ' وہ اُس کي سیاسي مہارت اور شاہانہ حکمت عملي کا بہترین نمونہ ھے - وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا ' جو قدرتي طور پر مسلمانان اسپین سے همدردي رکھتے تھے اور اُن کي حمایت و اعانت کے دل سے خواهشمند تھے - دوسري طرف اس کے لیے بھي طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے ' خواہ مخواہ جنگ و خونریزي کے خطرات میں مبتلا ہو ' اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے - پس اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ' جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھي شکایت کا موقعہ نہیں ملا - دوسري طرف یورپ سے بھي اچھے تعلقات قائم ہوگئے - اُس نے اسپینی سفیر کو پہلي مرتبہ بر سر دربار بلوایا - اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے - جب اُس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا ' تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اُس کا سلام قبول کرنے سے انکار کردیا ' اور کہا ' میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھہ ظالمانہ سلوک کیا ھے اور جس کي حکومت میں اِس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ھے - لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کي ' اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوري بشاشت و مرحمت کے ساتھہ قبول کرلیا ' بلکہ اُس کے جواب میں اپني جانب سے بھي دوستانہ تعلقات کا پوري طرح یقین دلایا - اس کے بعد سفیر اور سلطان میں اور بھي کئي پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں - بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہوگیا - یعنے سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاهدہ کرلیا ' اور کچھہ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھي از سر نو معاهدات کي تجدید ہوگئي - مراکش کا وفد کئي سال تک قاہرہ میں پڑا رہا - آخر مایوس ہوکر واپس چلا گیا "

اس بیان پر کسي اظہار رائے اور بحث کي ضرورت نہیں ھے - جو معاهدہ اسپین اور سلطان غوري میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا ' اور سفارت نے جو تحریر سرکاري طور پر سلطان کے سامنے پیش کي تھي ' اس کا اصلي نسخہ اِس وقت تک اسپین کے شاهي کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ھے -

مذاکرۂ علمیہ

قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ مسلم ھے کہ قدیم قومیں بہت سي ایسي صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ہو چکي ھیں - حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں اُن پر نہایت دلچسپ بحث کي ھے - وہ لکھتا ھے :

بعض قدیم مصري قبروں میں قرمزي رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ھے - علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا ؟ بیان کیا جاتا ھے کہ پندرھویں صدي میں چینیوں کو اِس صنعت کا طریقہ معلوم تھا - خوش قسمتي سے اب سر ہربرٹ جیکسن نے اِسے معلوم کرلیا ھے ' اور لندن کي رائل سوسائٹي کے سامنے پیش کرکے اُس کي تصدیق بھي حاصل کرلي ھے -

یوناني اب سے دو ہزار برس پہلے بھیڑ کي اون سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے - یونان کي بربادي کے بعد یہ صنعت مفقود ہوگئي - یہاں تک کہ انیسویں صدي کے علماء اس کا کچھہ پتہ نہ لگا سکے - یہ روغن " لانولین " کے نام سے مشہور ھے -

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے ' جو دیوار پر لگاتے ھي فوراً خشک ہوجاتا تھا - صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ع میں ایک انگریز رنگساز نے از سر نو معلوم کرلیا -

روم کے صناع ایک ایسا شیشہ بھي بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا - سنہ ۱۹۱۲ ع میں فلورنس کے ایک باشندے نے اِس شیشے کا ذکر کیا ھے - وہ لکھتا ھے " شہنشاہ تیبرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا - مگر اب یہ راز گم ہوچکا ھے - اگر یہ ھمیں معلوم ہوجائے ' تو شیشہ کي قیمت ' چاندي سونے سے بھي زیادہ ہو جائیگي "

لیکن عین اُسي زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھہ رہا تھا ' ایران میں یہ صنعت موجود تھي - چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ ع میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھہ جام بھیجے تھے - یہ جام کسي طرح بھي ٹوٹ نہیں سکتے تھے !

یہ راز صنعت بالاخر گم ہوگیا - یہانتک کہ کئي صدي کے بعد اب پچھلے سال ایک آسٹرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کرلیا ھے - اِس شیشے کا خاصہ یہ ھے کہ شیشے کي طرح شفاف ہوتا ھے ' مگر لچک اِتني زیادہ ہوتي ھے کہ ایک پورا قاب انگلي پر رکھہ کر تہہ کرلے سکتے ھیں ! قاب تہہ کرلینے کے بعد گیند کي طرح گول ہوجاتا ھے - یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جاے تو ٹوٹتا نہیں ' بلکہ اس طرح اچھلتا ھے ' جیسے ربڑ کا گیند اچھلتا ھے -

خیال کیا جاتا ھے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگي - اس سے موٹریں بنائي جائینگي ' اور اُنکے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائیگا -

اسي طرح قدیم زمانے میں تانبے کے اُسترے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے اُستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے - مدتوں کے بعد اب معلوم ہوا ھے کہ امریکا کے ایک قیدي نے یہ صنعت زندہ کرلي ھے - اُسے قید سے رہا کر دیا گیا ھے تاکہ اِسے مکمل کرلے -

سنه ۱۹۰۸ع میں جب دستوري انقلاب هوا ' تو تمام قسطنطنیه میں ایک مسلمان عورت بهي ایسي نهیں تهي جسے قسطنطنیه کي سڑکوں پر بغیر یشمک (هلکے نقاب) کے نکلنے کي جرأت هو - لیکن پانچ سال کے اندر هي اندر یه حالت هوگئي که في صدي پچهتر نوجوان لڑکیاں ایسي تهیں جنهوں نے یشمک کي جگه ایک ایسا بالائي لباس اختیار کرلیا تها جو اُن کے چهرہ کے کناروں کو ڈهانپ لیتا تها ' اور درمیاني حصه بالکل کهلا رهتا تها - چند سالوں تک یه وضع نهایت مقبول رهي - بڑے بڑے باشاؤں کے گهرانے میں بهي اسي وضع کا لباس ڈرائینگ روم کي ملاقاتوں کے لیے پہنا جاتا تها - لیکن سنه ۱۹۱۴ع میں جب عالمگیر جنگ شروع هوئي ' تو بہت سي نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اُکتا چکي تهیں - ایک بڑي تعداد ایسي لڑکیوں کي موجود تهي جس نے اسے ترک کردیا تها - وہ اپنے سروں کو ایک خاص طریقه سے اچهي طرح ڈهانپ لیتیں ' لیکن چہرہ ٹهڈي کے پاس پوشیدہ نهیں کیا جاتا - وہ پوري طرح کهلا رهتا تها "

" جهاں تک عام لباس کا تعلق هے ' ترکي کي شهري عورتیں ' خصوصاً دارالحکومت کي عورتیں ایک عرصه سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کرچکي تهیں - لیکن سنه ۱۹۰۸ع تک ایسي عورتیں زیادہ نه تهیں ' جنهوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا هو - عموماً اس طرح کا لباس پہنا جاتا تها ' جو یورپین لباس هونے پر بهي بعض مشرقي قسم کي خصوصیات رکهتا تها - سنه ۱۹۰۸ع کے انقلاب کے بعد یه خصوصیات رخصت هونے لگیں - یهاں تک که سنه ۱۹۱۴ع میں دار الحکومت کے تمام گهرانوں میں نئي نسل کي لڑکیوں نے کامل فرانسیسي لباس اختیار کرلیا - ترکي زبان میں بهي لباس اور فیشن کے ترکي رسائل اُسي طرح نکلنے لگے ' جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے هیں - دارالحکومت سے باهر بهي تمام بڑے بڑے شهروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج هوگیا - گذشته سال مجهے ایک دوست نے جو عرصه سے سمرنا میں مقیم هے ' بتلایا تها که سمرنا کے ترک گهرانوں میں پیرس کے تازہ ترین زنانه فیشن سے ویسي هي دلچسپي لي جاتي تهي ' جیسي دلچسپي یورپ کے کسي شهر میں لي جاسکتي هے - فرق صرف اتنا تها که پیرس کا جو فیشن ایک هفته کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یهاں پہنچ جاتا تها ' اُسے سمرنا تک پہنچتے پہنچتے کئي هفتے لگ جاتے تهے ! "

سنه ۱۹۱۳ - میں ترک خواتین کي ایک انجمن کا اجلاس

" تاهم یه ساري تبدیلیاں گهر کي چار دیواري کے اندر هي هوتي رهیں - یه ممکن نه تها که کوئي ترک عورت گهر سے باهر بهي اُسي لباس میں نکل سکے ' جس لباس کے اندر وہ گهر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتي تهي - باهر نکلنے کیلیے ایک خاص وضع کا بہت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تها ' جسے کمر کے پاس پیٹي سے کس لیا جاتا تها ' اور وہ همارے ملک کے پادریوں کے گاؤن کي سي هیئت پیدا کرلیتا تها - فرغل پہن لینے کے بعد نه صرف جسم هي کامل طور پر چهپ جاتا تها ' بلکه لباس کي تمام آرائش بهي پوشیدہ هو جاتي تهي - امیر هو یا غریب ' جوان هو یا بڑهي ' تعلیم یافته هو یا غیر تعلیم یافته ' لیکن گهر سے باهر هر ترک عورت ایک هي طرح کے لباس میں نظر آئیگي - سنه ۱۹۱۲ - میں جب نوجوان

غازي مصطفے کمال پاشا اور اُنکي سابق بیوي لطیفه هانم

مجلس کا اجلاس شروع هوا - ممکن نه تها که کوئي عمارت اتنے بڑے اجتماع کي گنجایش رکھتي - اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد هوا - اجتماع کئي ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا تھا ' اور هر ٹکڑے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمه رکھا گیا تھا - لینین کا ایک بہت بڑا مجسمه میدان کے دروازه پر بھي نصب کیا گیا تھا ' جو روس کے ایک بہت بڑے صناع نے سنه ۱۹۲۴ میں بنایا تھا - یه ایک بہت بڑے قطر کا کرۂ ارضي هے ' اور اُس کے قطبي حصه پر لینین کھڑا هے - مجسمه کي یه صورت اس رمز کي طرف اشاره کرتي هے که کمیونزم کي دعوت تمام کرۂ ارضي کي سرمایه پرستي پر غالب آگئي هے !

هم نے صفحات الہلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا هے - پہلا مرقع اُس موقعه کا هے جب سوویت کے اعلیٰ حکام جلوس میں شریک هونے کي طیاري کر رهے هیں - بائیں جانب سیاه استر خاني ٹوپي اوڑھے هوئے صدر سوویت کھڑا هے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا هے - اس کے ساتھ جدید کمیونسٹ فوج کي وردي پہنے هوئے ' سوویت ارکان حکومت هیں -

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصه هے - اِس میں زیاده تر یورپ اور انگلستان کے نمایندے هیں - اگر آپ بائیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سکلت والا کا چہره صاف دکھائي دے رها هے -

---

ترکی کی نسوانی تحریکات

الہلال نمبر (۲۳) میں عنوان مندرجۂ صدر سے هم ایک فرانسیسي اهل قلم کے مقالات کا خلاصه درج کر چکے هیں - اب اس سلسلۂ مقالات کي تیسري قسط بھي شائع هوگئي هے - اِس میں زیاده تر ترکي کي موجوده نسواني تحریکات اور اُنکے مقاصد پر نظر ڈالي هے -

بلاد اسلامیه کے جدید معاشرتي تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع هوتے رهتے هیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کي معتدل اور حقیقي نوعیت پیش کرنے سے قاصر رهتے هیں - عموماً ایسا هوتا هے که مضمون نگار کوئي خاص

جدید ترکي خواتین
سنه ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک !

نقطۂ خیال رکھتا هے ' اور اسي کے مطابق صورت حال کا نقشه کھینچنا چاهتا هے - مثلاً جب کبھي موجوده عهد کا کوئي یوروپین سیاح ترکي اور مصر کي سیر کریگا ' اور وهاں کي جدید معاشرتي تحریکات پر نظر ڈالیگا ' تو چونکه پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطۂ خیال قائم کر چکا هے ' اسلیے تغیر و اصلاح کي هر حرکت کو اُسي روشني میں دیکھیگا ' اور مجموعي حیثیت سے ایک ایسي تصویر طیار کر دیگا ' گویا ترکي اور مصر کي جدید جماعتوں نے بہ یک دفعه اراده کرلیا هے که مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار هو جائیں !

دوسري طرف بعض مسلمان اهل قلم هیں ' جو هندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کي رعایت کرني چاهتے هیں - اسلیے پسند نہیں کرتے که نئي تحریکات کي حد سے بڑھي هوئي آزادانه صورت اُنکے سامنے عریاں هو - وه همیشه ان تحریکات کے متعلق ایسي مبهم اور گول مول باتیں کهه جاتے هیں ' جن سے صورت حال مشتبه هوجاتي هے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے هیں که ترکي اور مصر کي جدید تحریکات کي نسبت جو کچھه کہا جاتا هے ' صداقت سے یک قلم خالي هے -

جدید ترکي نسبت کئي سال سے ایسا هي هو رها هے - ایک طرف وه بیانات هیں جو دنیا کو یقین دلانا چاهتے هیں که جدید ترکي اپنے اپکو مسلمان کہنے کے لیے بھي طیار نہیں - دوسري طرف وه خوش عقیده مسلمان هیں جو اردو اخبارون کے مضامین پڑھکر خیال کرنے لگتے هیں که ترکي کے نئي معاشرتي انقلاب کي نسبت جو کچھه کہا جاتا هے ' محض یوروپین نامه نگاروں کا سیاسي پروپگنڈا هے - حقیقت سے اسے کوئي لگاؤ نہیں -

اس فرانسیسي مقاله نگار نے یه خصوصیت قابل ذکر هے که اِس نے اپنے تاثرات کو کافي حد تک اس طرح کي بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا هے ' اور کوشش کي هے که بلاد اسلامیه کي موجوده انقلابي ذهنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھه مطالعه کیا جاے -

هم اس مقاله کا مختصر خلاصه یہاں درج کرتے هیں ' تاکه مسلمانان هند جدید ترکی کے فکري تغیرات صحت کے ساتھه معلوم کرسکیں -

مقاله نگار لکھتا هے :

"گذشته دس سال کے اندر ترکي کي معاشرتي زندگي میں جو انقلاب رونما هوا هے اُس کا اندازه کرنے کے لیے همیں نوجوان ترک عورت کي نئي تاریخ حیات پر نظر ڈالني چاهئے -

تاریخ و عبر

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رخ

(۲)

تین واقعات میں سے تیسرا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیانوالہ باغ کا قتل عام ہے۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے حاکموں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اسوقت تک فراموش نہیں کرسکے ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈائر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہے) فساد قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کردئیے تھے۔ اور عیسائی لڑکیوں کی قیامگاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلیانوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ اُن کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈائر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تقریر کررہا تھا۔ ڈائر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ قریبا ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کارتوس ختم ہو گئے تو یہ قتل عام خود بخود بند ہو گیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ڈائر نے مارشل لا کی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو جو شہادت دی تھی، اس سے اُسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا۔ کیونکہ وہ خود مانتا ہے کہ عبرتناک سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا تھا!

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس شام کو کوئی شخص جلیانوالہ باغ کے مردوں اور زخمیوں کے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا، اور نہ ہی فوجی حکام نے ان کی طرف توجہ کی۔ میں اسوقت تمام خوفناک واقعات از سر نو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ انگریز ڈائر کے فعل کے خلاف اظہار نفرین کرتے، انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ اُس کی تعریف بھی انگریزوں نے ہندوستانیوں سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کردی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبرا گئی لیکن اسے بھی مصلحۃً ڈائر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس وحشتناک واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھکر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کردی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اسنے ایسی عظیم طاقت حاصل کرلی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جرنیل ڈائر کے واسطے ۳۰ ہزار پونڈ جمع کرکے بھیجدیا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کردیا تھا۔ مجھے یقین ہے ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے۔ جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈائر کی تائید کرکے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سوچیں گے۔ ہم فوراً ایک معمولی بات پر مشتعل ہو جایا کرینگے جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندے (ڈائر) نے امرتسر میں مشتعل ہوکر قتل عام کردیا!

غدر کی انگریزی تاریخیں

میں حیران ہوں، میری قوم نے اسوقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے یکطرفہ افسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہے؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر زہر اُگلا ہے کہ کوئی انگریز پڑھکر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے انگریز مورخوں نے بعض جرنیلوں کی شجاعت و ہمت کی اس قدر تعریف کی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فاتحوں کی بھی اس قدر تعریفیں نہیں کی گئی ہوں گی۔ میں بچپن میں نکلسن کا نہایت مداح تھا۔ میں نے اس کی سوانح حیات جو ٹراٹر نے لکھی ہے کئی دفعہ پڑھی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسمیں اصلی نکلسن کا خاکہ نظر نہیں آسکتا۔ اس کی موہوم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپا دی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت دکھائی جاتی۔ اسمیں شک نہیں، نکلسن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے زمرہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہے، سر جارج فارسٹ نکلسن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ ایک تندخو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اُسنے لارنس کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان افسانوں کو جو نکلسن کے متعلق مشہور تھے، بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیولاک اور ہڈسن کے کارہائے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرأت و سنجیدگی کے ساتھ درج کردی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہے:

"بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ گئے"

فارسٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب ڈھانپ لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لدھیانہ کی پلٹن کبھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسنے فیروزپور کی پلٹن کو اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالف بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس پلٹن کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا"

مجھے یقین ہے کہ مورخین کی آئندہ نسل اس شخص کو بے شمار وحشیانہ مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرأت نہ کریگی!

برطانی راست بیانی!

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں مشہور کر رکھی تھیں کہ جرمنی کے سپاہیوں کو انکے افسر مار مار کے میدان میں بھیجتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈرپوک تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات نے جھوٹی ثابت کردی۔ جرمنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ انکے دشمن بھی عش عش کرگئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کی تضحیک کی جائے، اور انکے خلاف نفرت کا جوش پیدا کردیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریزوں نے اس قدر جھوٹے افسانے تاریخوں میں درج کرڈالے۔ کہ انھوں نے اصلی واقعات پوشیدہ کردیئے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غدر کے مورخ بھی کبھی کبھی کسی ہندوستانی کی تھوڑی سی تعریف کردیتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تقریباً سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر ہیو روز نے (جسنے رانی مرحومہ کو شکست دی تھی) ایک دفعہ کہا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر تھی" رانی کے جرنیل بھی اسنے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انگریز بھی تحسین کئے بغیر نہ رہ سکے۔

انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ اسنے لڑائی کے میدان میں اپنی جان دے دی۔ ہندوستانی اسے بجا طور پر ہندوستان کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ ایک دن

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا ' اور غریب خاندانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور ٹیلی فون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں ' تو اُس وقت بھی اُنہیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی تھی ' کہ یورپین عورتوں کی طرح اپنے آرائشی لباس میں باہر نکلیں - دولت مند گھرانوں کی بے شمار عورتیں ہیں ' جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتی ہیں ' اور اپنی بالوں کی آرایش اور لباس کی دیکھہ بھال کیلیے بیش قرار تنخواہوں پر فرانسیسی خادمائیں رکھتی ہیں ' تاہم وہ بھی جب گھر سے باہر نکلتی ہیں ' تو اپنا حسین اور فیشنیبل فرانسیسی لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتی ہیں - یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں ہوتا ' جب تک کہ وہ گھر کی چاردیواری کے اندر واپس نہ آ جائیں "

اسکے بعد مقالہ نگار نے اُن تغیرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ کے بعد جدید قومی تحریک کے ساتھہ ساتھہ ظہور پذیر ہوئے ' اور جو اب نہایت تیزی کے ساتھہ عام ہو رہے ہیں :

" اِن تغیرات میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی معاشرتی ذہنیت ہے - یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اُنہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت بڑی مسافت طے کرلی ہے - سنہ ۱۹۱۴ع کی نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی عورتوں سے بالکل مختلف قسم کی ذہنیت رکھتی تھی ' تاہم اُس میں موجودہ عہد کی وہ بے خوف روح نہیں پائی جاتی تھی جو قدامت کے دائرۂ اثر سے پوری طرح آزاد ہو چکی ہے - اُس میں ایک ایسا محسوس تذبذب اور اضطراب باقی تھا ' جس کے اندر روح قدامت کی ایک دھندلی سی تصویر نظر آجاتی تھی - لیکن سنہ ۱۹۲۷ع کی ترقی یافتہ ترک عورت کامل معنوں میں آزاد خیال ہے - اُس کا تذبذب مٹ چکا ہے - اُس میں اضطراب فکر کی جگہ عزم اور فیصلہ پیدا ہوگیا ہے - وہ وقت کی روح سے لبریز ہے ' اور صرف مستقبل ہی کی طرف نگاہ رکھتی ہے - بلا شبہ یہ صورت حال اس وقت تک صرف اونچے طبقہ ہی میں محدود ہے - متوسط طبقہ کی عورتیں عموماً پچھلی حالت ہی میں باقی ہیں - لیکن اگر ترکی کی موجودہ حکمران جماعت کو فوری زوال پیش نہ آگیا ' تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل جائیگی "

" اب نو جوان عورتیں وہ پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی ہیں " جو باہر نکلنے کیلیے اُنکی لازمی پوشش تھی - اسکی جگہ ایک ایسا لباس وضع کرلیا گیا ہے جو گھر اور گھر سے باہر ' دونوں حالتوں میں کام دیسکتا ہے - گزشتہ سال انگورہ میں یہ دیکھکر مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور مجلس (پارلیمنٹ) کی گیلریوں میں بیٹھی نظر آتی تھیں - بعد کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے ' اور اعلی طبقہ کی کوئی ترک عورت ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل استعمال کرتی ہو "

جنگ سے پہلے ایک زمانہ اسکول کی ترک لڑکیاں

خالدہ ادیب خانم

عہد حاضر کی مشہور اہل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

"کیا ٹیگور وفادار ہے؟"

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگور کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اسکی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر پوچھا "آیا وہ وفادار بھی ہے؟" اگر اسینٹ سینٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ آسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی سیرت کے متعلق یہ رائے رہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ قبیح فعل امرتسر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کوچہ کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رینگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کوچہ کے بعض باشندوں نے ایک میم پر حملہ کیا تھا۔ شہروں پر ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کرنا بھی اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر لورپول یا مانچسٹر میں فساد ہو جائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مفسدوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کرینگے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کر سکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بم کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں روا رکھے جا سکتے ہیں۔ جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

فحیطے نے ایک کتاب "غدر کی کہانی" میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

"ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اسنے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کر دیئے جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہمیں اپنے اندرونی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے"

بعض واقف کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یادداشتیں کچھ عرصے کے بعد معدوم ہو جائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے افسانے درج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی انھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ نسلوں کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا ہمیں چاہیئے کہ ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں دکھائیں اور اپنی طرز تحریر یکسر تبدیل کر دیں۔

ساورکار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کر دی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اسمیں غلط واقعات درج کئے گئے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اٹھا کر دیکھیے ان میں ہمارے خلاف کس قدر زہر اُگلا جاتا ہے۔

خاتمۂ سخن

ہمیں بلیک ہول والا حادثہ بالکل بھول جانا چاہیئے جس طرح کہ ہم ستر موپلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مر جانے کے واقعہ فوراً بھول چکے ہیں۔ ہمیں کانپور کے مظالم پر بھی شور مچانا نہیں چاہیئے۔ جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگذاریاں فراموش کر چکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانی کی زیادتیاں ہر دم یاد رکھیں!

سر چارلس ایچین نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسنے اس بُت کا بھی جو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر استادہ ہے، ذکر کیا ہے اس بُت پر یہ حروف کندہ ہیں "کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کرو گے۔ یا قلم کے زور سے"؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دو رستے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرے یا تلوار کے زور سے محکوم رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ آجکل قلم کے زور سے حکومت کی جا رہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برہنہ رہتی ہے۔ اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غصہ کی آگ دہکتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بُت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رومیش دت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خوفناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہیئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبا کو نیل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑھائے جاتے۔ تو پھر انہیں کانپور کے کنوئیں کا افسانہ کیوں سُنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اسوقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کر دینے کے لئے تیار ہے۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً تیار ہو جائے۔

(مترجمہ چودہری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد)

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا ازسرنو انتخاب۔ سازشیوں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ترکی تیزرانیہ۔

غازی کا ازسرنو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا ازسرنو افتتاح ہو گیا غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے عصمت پاشا بدستور وزیر اعظم رہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہے۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کر کے، صدر مجلس کے سامنے حسب ذیل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط سیادت کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا"

خلق فرقہ سی نے جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں، اس منصب کے لئے منتخب کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئیے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے اُنھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ اُنھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی۔

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اُس خطرے کی مقاومت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اُس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کر دوں گا!"

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو اُنکے ہر جملہ پر تالیوں کا ایک شور بلند ہو جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلطنتوں کے سفیر بھی تالیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری فضیلت استقامت، اور معصومیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں اُن تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کر دی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کر دوں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوششیں پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوشش رہے گی کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ بڑی خدمتیں انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور تمدن کی پر قائم ہوئی ہے، اور جسنے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کر دی ہے، قوم کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے بالکل

ہمیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوگئی تھیں؟ جھانسی میں کئی انگریز اور عورتیں قتل کردی گئی تھیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہو کہ رانی نے یہ خونریزی پسند نہ کی ہوگی۔ جب جھانسی فتح ہوگیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ پھانسی دی گئی۔

شہزادہ فیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہو کہ بڑا بہادر اور جرار آدمی تھا۔ اسنے دہلی میں ہمارے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے آدمی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہسواری اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک فسانہ بن گیا ہو۔ بعض شعرا نے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے تذکرے کئے ہیں۔ کہا جاتا ہو کہ وہ ۱۸۶۳ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۸۶۶ء میں وہ عرب میں آخری دفعہ دیکھا گیا۔[له] کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ کی کتابوں میں درج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند سمجھی جائیں گی۔ وہ داستان کس قدر دل ہلا دینے والی ہونگی!

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ غدر ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر برپا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت تھی۔ اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا اور غیر محارب جماعتوں کو بھی بلا تمیز قتل کر ڈالنا کسقدر انسانیت سوز حرکات تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہوکر برسر پیکار ہوجاتا۔ گو یہ وبا زیادہ تر آگرہ کے صوبہ ہی میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے اسمیں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہمیں ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہو کہ انہی لوگوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہو حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہوگئے تھے۔

فارسٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہو:

"۱۰۔ دن کے اندر اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی مانند غائب ہوگیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کردیا تھا۔ اور عوام الناس نے اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا تھا۔ لیکن کمال کی بات یہ ہو کہ پھر بھی کوئی ظلم برپا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بسا اوقات نقصان پہنچا تھا۔"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میرٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے عزتی گوارا نہیں کرسکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے ایما سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دور دور پھیل گیا اور ۲۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اسوقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہوگئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہوگیا تھا۔ جھانسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زیر و زبر کردئے۔ جھانسی اور کانپور کے ہولناک واقعات تو بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

اسمیں کچھ شک نہیں، کہ فریقین کے پاس ایسی غلط افواہیں پہنچائی جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہوجاتا تھا۔ مثلاً باغیوں کو یقین دلایا گیا تھا، کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی پر آمادہ ہو، اور ان کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کررہی ہو۔ اسی طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے فرضی قصے سنائے جاتے تھے جس سے ہمارا جام صبر لبریز ہوجاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے۔ اسوقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات میں بھی ہوا۔ وہاں ایک میم پر حملہ کئے جانے سے تمام انگریز بھڑک اٹھے اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے تھے جو قابل غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے اہل و عیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ نقصان پہونچا ہو، انکے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہو کہ سب سے زیادہ شور و واویلا وہ لوگ مچا رہے ہیں جو بڑے آرام سے غدر کے حلقۂ اثر سے دور اپنے اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات کے علاقے سے بہت دور تھی۔ بایں ہمہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف بڑا زہر اگل رہی ہو مجھے ڈر ہو کہ انکے معاندانہ خیالات امن قائم کرنے میں سد راہ ہونگے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھتی ہو اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہو۔ لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنی ہو تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں دیکر ان پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہو کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کردیں تو بہت سے انگریز اسے بنظر تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریز اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔ بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں کے مظالم سے بچایا ہو"

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر لگی رہتی تھی لیکن تعجب کی بات ہو کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو صحت افزا پہاڑی مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے مقیم تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔ علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا پادریوں کی جماعت نے کبھی چیخ و پکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہوا چاہئے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر متعین تھے جہاں کسی قسم کی بروقت امداد کا بہم پہونچنا تقریباً ناممکن تھا حقیقت یہ ہو کہ مقدم الذکر لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پہاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل علحدہ ہو۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یگانگت یا ہمدردی نہیں ہو۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ایسی ہی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس طرح انکے بھائی بند انگلستان میں بسر کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے واقعات بھی ولایت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں لیکن اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو اپنے آپ پر کلی اعتماد ہوتا ہو وہ اپنی برادری سے علحدہ رہتے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں ہندوستانیوں سے معاشرتی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں

جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہو، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا احمق آدمی یا دغاباز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں سے راہ و رسم پیدا کریں تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہوسکیں۔

ایک ناقابل فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہو کہ عورتیں وحشتناک افعال سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رقیق جذبات قتل و خونریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اوڈوائر بنام سنکرن نائر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

"سوال:- تمھیں اپنے خاوند کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کوچہ کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھ سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاوند بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اسوقت شام ہوگئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاوند کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاوند کی لاش اٹھا کر گھر تک پہونچا دے لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاوند کی لاش کے پاس جاگتے گذار دی۔ کیونکہ کتے بڑی تعداد میں ادھر ادھر منڈلا رہے تھے۔ اور مجھے ہر وقت انھیں چھڑی سے بھگاتے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سکھ زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اس کی زخمی ٹانگ سیدھی کردی۔ وہاں ایک بارہ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیختا رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اسواسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سندر داس چارپائی لے کر آیا پھر میں اپنے خاوند کی لاش گھر لے گئی"

امرتسر کے حوادث سے پتہ لگتا ہو۔ کہ غدر کے تاثرات دو نسلوں تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہو کہ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کررہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہوجاتا ہو کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں کسی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہو، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں "آیا وہ وفادار اور نمک حلال بھی ہو"؟ ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں۔ اگر وہ ایک نہایت لائق مدبر یا مشہور سیاست داں ہو۔

[له] دوران سفر شہزادہ فیروز کابل کے راستے قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں جب علماء اور اہل کمال کے دوران قسطنطنیہ گیا تو وہاں امیری کی ملاقات ہوئی تھی۔ سلطان نے خرچ بھی دیا۔ وہ علم و ہنر سے آراستہ تھا (الہلال)

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (۱۹۲۵ء)

	مدراس	بمبئی	بنگال	یوپی	پنجاب	سی پی	بہار واڑیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر لڑکے	۱۶۰۷۱۵۵	۶۴۲۰۰۸	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۰۹۲	۳۵۸۲۵۸	۲۴۶۲۵۶	۷۹۷۴۹۰۰	۱۸۴۱۴۱	۱۴۷۵۱۹
لڑکیاں	۲۰۱۴۸۱	۱۱۵۵۱۸	۳۵۴۳۹۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۲	۱۹۱۱۹	۹۹۹۸۱	۱۱۹۲۸	۲۸۵۷۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر لڑکے	۱۵۰۸۲۹	۱۶۷۲۰۰	۲۵۲۹۰۴	۱۱۰۱۱۳	۲۲۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۴۸۱۰	۳۰۴۷۱	۱۵۱۲۹۹
لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۹۷	۱۵۶۱۶	۲۰۹۷۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۰۴۷	۴۷۱۷	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں ۲۵-۱۹۲۴ء میں

	کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجنیری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلوں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	تعلیم یافتہ آبادی کی [illegible]
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۲	۱۴	۲	۲۹۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۷۵۵۹۹	....
مردانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۲۷۰	۲۹۹۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	......
زنانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۹	۲۴۹۷۷	....
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	...	۴۳۳۱۱	۶٫۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	...	۱	...	۲۱۳	۲۶۵	...	۱۲۸۹۲	۷٫۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۹	...	۱	۵	...	۹۰۶	۱۵۷۸	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹٫۵
یوپی	۸	۴۵۱	...	...	۱	۲	۱	...	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۹۸۵	۱۸۷۹۴	۶٫۴
بہار واڑیسہ	۲	۴۵۲	۱	...	۱	۲	...	...	...	...	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۴۵۷	۵٫۲
پنجاب	۱۱	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	...	...	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴٫۸
سی پی	۵	۵۰	۱	...	...	۱	۱	...	...	...	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۴۲۹۵	۴٫۲
آسام	۳	۱۲۰	۱	...	...	...	...	...	...	...	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵٫۵
برما	...	۵۴۵	...	...	...	...	...	...	...	...	۱۴۳	...	۱۴۳۳	۴۱۹۸	۲۳٫۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی ۲۵-۱۹۲۴ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دیگر ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۱۷۱۳۵۵۴۸	۴۴۰۹۷۴۴	۱۲۲۴۴۹۱	۸۴۲۲۹۹۱	۸۸۲۳۱۱۸	۳۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۸۴۴۷۱۹۵	۱۲۳۸۰۰۴۳	۳۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۹۹	۴۲۵۷۸۵۴	۳۳۹۸۵۷۹۳
بنگال	۱۲۳۸۲۹۹۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۳۶۳۶۱۲۹	۵۷۷۸۰۵۸	۳۵۶۳۵۹۳۹
یوپی	۱۷۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۴	۴۲۱۴۳۸۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۹
پنجاب	۱۸۴۳۳۹۴	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۹۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۳	۳۱۲۱۵۹۲	۲۳۴۰۵۲۹۹
برما	۹۸۳۸۰۱۱	۱۵۱۱۵۳۲	۹۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۹۷۳۵۸۸	۱۳۵۵۱۰۵۳
سی پی	۵۰۰۹۱۱۳	۱۴۹۸۰۵۹	۹۷۳۰۳۹	۱۱۰۸۸۳۹	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار واڑیسہ	۴۹۹۱۵۴۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۶۰	۲۹۸۸۲۷۸	۲۲۲۱۴۳۷	۱۲۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۳۶۲۳۳۹	۴۴۴۹۶۲	۴۱۲۸۷	۹۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۳	۱۸۰۵۷۴۳۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۹۸۹۳۱۸۲	۴۴۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ - انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبد العزیز صاحب انصاری - ایم - اے، ایل، ایل - بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب لایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے - عنوان حسب ذیل ہے: "۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط - (۱) مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو - (۲) مضمون اسی مارچ ۱۹۲۸ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہئے - (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں - مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں: مولوی عبد الحق صاحب بی - اے، ناظم انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن - مولانا عبد الماجد صاحب، بی، اے، مدیر سچ، لکھنؤ - ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم - اے - پی - ایچ - ڈی (برلن)، شیخ الجامعہ - مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلباء اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

"ناظم انجمن اتحاد"

مطابق ہو۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو، ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی ہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم کو ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"عزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اُس کی نظیر مشکل سے کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج پر جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"عزیزان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کروں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحۂ عمل کی بنیادی اصل یہ ہے کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جارہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کردیا ہے کہ وہ ترکی قوم کے ڈکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈکٹیٹر شپ کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہے۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں ہوگی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کرچکا ہوں جو یونان میں پناہ گزین چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ترکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑادیں۔ پھر سابق خلیفہ عبدالمجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیں۔

لیکن اُن کی سازش، بروقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا مگر اُس کے رفقا قید ہوگئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سنادیا۔ عنقریب اس کا اجرا ہونے والا ہے۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دولت (سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کوئلہ	۱۵۷۳۰۵۲۷	"	۵۵۵۷۴۳۴۴	"
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۲۲۷۵۳۰۰۰	"
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	"
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	"
تانبا	۵۷۴۴	"	۱۲۳۰۰۰	"
کالسا	۲۰۹۱	"	۱۱۵۰۰۰	"
لوہا	۴۲۳۴۷۰	"	۵۹۸۰۰۰	"
سیسا	۱۱۹۴۸	"	۳۶۳۶۰۰۰	"
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	"	۱۵۷۵۵۰۰۰	"
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	"
یاقوت و زمرد	۲۵۴۰۰۰	"	۷۸۸۰۰۰	"
شورہ	۲۷۳۰۰۰	"	۵۴۰۷۰۰۰	"
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	"
ٹین	۶۳۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	"

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار سنہ ۱۹۲۳ء میں: ۵۴۲۶۲۲۶ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرانسوال	۲۸۴۰۹۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۳۲
کینیڈا	۳۹۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار سنہ ۱۹۲۲ء میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۲۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۲۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۹۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۴۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۴۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی
انگلینڈ	۹۳٫۴	۹۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵٫۵	۹۳
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۶
فلپائن	۷۰٫۵	۶۱
فرانس	۹۶٫۵	۹۴

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہوگئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۳۶۰۰۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہے۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہوچکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدۂ لوزان قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے اپنے سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرلینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے ازسرنو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہے۔ چنانچہ اُس نے مسٹر گرو کو اپنا سفیر بناکر انگورہ بھیجا ہے۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہے اور مختار بک کو سفیر مقرر کرکے واشنگٹن روانہ کررہا ہے۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۳۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

اسپر ہمنے اس دوست سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ انہوں آخری سوال یہ کیا: "اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سر کچل ڈالے گی تو پھر کیا ہوگا؟" ہم نے فوراً جواب دیا "تم چلے جاؤ گے تو ہم تمھاری جگہ کھڑے ہوجائینگے!"

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہوگیا۔ اُسے یقین آگیا کہ ہم اپنے ارادے میں سچے ہیں۔ تب اُسنے ہمیں بتایا کہ تمھاری یہ تجویز نئی نہیں ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہے، اور سعد باشا سے گفتگو جاری ہے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمشنر کو خبر پہنچ گئی ہے کہ سعد باشا کے گھر خفیہ جلسے ہورہے ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو آگاہ کردیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمشنر کے سامنے علانیہ اپنے مطالبات پیش کردیں۔ یہ ۱۱ر نومبر کا دن تھا، اور التوائے جنگ کا معاہدہ اسی دن منعقد ہوا تھا، لہذا یہی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں بھی تھا۔

ہائی کمشنر نے اس دن ملاقات سے انکار کردیا اور ۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد باشا، علی شعراوی باشا، اور عبدالعزیز فہمی بک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمشنر کو مطلق خبر نہ تھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اُسنے خیال کیا تھا یہ چاپلوس اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکسارانہ تحفہ پیش کرینگے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی کامل خود مختاری کا دعوی لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمشنر بہت چیں بجبیں ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کردیا کہ اپنی حکومت سے گفت و شنید کرکے جواب دوں گا۔

مصری وفد کی تشکیل

چند دن بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمشنر وہ حیثیت معلوم کرنا چاہتا ہے جسنے انھیں اس مطالبہ کا حق بخشا ہے۔ جواب دیا گیا کہ سعد باشا، مجلس تشریع کے سکرٹیری ہیں، اور اُن کے باقی دونوں رفیق اس مجلس کے رکن ہیں۔ تینوں قوم کے منتخب نمائندہ ہیں، اور انھیں ملک کی طرف سے بولنے کا پورا استحقاق ہے۔

لیکن سعد باشا نے مناسب سمجھا کہ اس حیثیت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا صریح حق حاصل کرلیں چنانچہ سات آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شایع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جد وجہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس دعوت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہوگئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روکنے لگے۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد باشا نے وزیر اعظم حسین رشدی باشا کے سامنے صدائے احتجاج بلند کی: وزیر اعظم نے ۲۵ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت داخلیہ کے انگریز مشیر نے یہ کارروائی کی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ بے امنی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔

لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ وفد بالآخر بن ہی گیا۔

قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد باشا نے وفد کے نام سے از سر نو مطالبہ کیا کہ اُسے سفر یورپ کی اجازت دیجائے۔ اسپر ہائی کمشنر نے یکم دسمبر کو لکھا کہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تحریری تجاویز پر غور کرنے کے لئے طیار ہے، بشرطیکہ یہ تجویزیں اُس مسلک کے خلاف نہ ہوں جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متعین کرچکی ہے!

۳ر دسمبر کو سعد باشا نے جواب دیا۔

"اس کا نہ مجھے اختیار ہے، نہ وفد کے کسی رکن کو، کہ ایسے معاملات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ ہم اُس کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے۔"

سعد باشا کا ایک خطبہ

اس جواب پر ہائی کمشنر نے خاموشی اختیار کرلی اور وفد نے اپنی جد و جہد شروع کردی۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے حمد باسل باشا کے مکان میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا:

"خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ یہ جذبہ مصر کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ جب جب حالات مساعد ہوئے اس جذبے نے ظہور کیا، اور جب جب ظلم و قہر نے تسلط پالیا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر وہ کبھی مرا نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہے، کیونکہ ترکی سیادت، ختم ہوچکی ہے۔ پس انگریزی سیادت کا بھی اب خاتمہ ہوجانا چاہئے۔ یہی وقت ہے جس میں لارڈ سالسبری کی یہ آرزو پوری ہوسکتی ہے کہ "ہم اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتے کہ مصر سے عزت کے ساتھ واپس چلے آئیں"!

"یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سراسر نا منصفانہ تھا، حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی، برطانیہ نے صرف اپنی رائے سے کردی۔ مصر سے استمزاج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو و باطل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے رو برو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہوگئے ہیں اُن کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہے۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی ماتحتی میں نہیں ہیں۔ ہمیں اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ صلح کانفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرلے۔ اسکے بعد ہم عملاً اپنے حق آزادی سے متمتع ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے، جو تمام مصریوں کی دلی آرزوئیں اپنے اندر رکھتا ہے، میں نے اور میرے رفقاء نے "مصری وفد" مرتب کیا ہے تاکہ مصر کی خود مختاری کا دنیا سے اعتراف کرائیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے!"

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صاف صاف بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ سعد باشا نے انگریزی رعب کا باطل طلسم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد باشا کی ایک اور تقریر

۷ر فروری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے ایک اور یادگار تقریر کی۔ مسٹر برونیٹ نے جدید فوجداری قوانین پر ایک خطبہ سنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول باشا کھڑے ہوگئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا:

"برطانیہ نے مصر پر حمایت اپنی رائے اور ارادے سے قائم کردی ہے مصر سے کبھو رائے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت سر تا سر باطل ہے اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہوگئی ہے، اس لئے اُس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ نا ممکن ہے کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت حال گوارا کی جاسکے۔"

سعد باشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کردیا، اور ہر طرف سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ۸ر مارچ ۱۹۱۹ء کو انگریزی سپہ سالار نے (کیونکہ اب تک مارشل لا ملک میں جاری تھا) سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو طلب کرکے تنبیہ کی کہ "تم انگریزی حمایت کو اپنی گفتگو کا موضوع نہ بناؤ۔ ورنہ سخت جنگی سزا دی جائے گی!" سعد باشا نے جواب دینا چاہا، مگر متکبر سپہ سالار نے فوراً یہ کہہ کر اُن کا منہ بند کردیا "بس خاموش"! سعد باشا چلے آئے اور اس نا مہذب برتاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔

سعد باشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دوسرے دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد باشا، حمد باسل باشا، اور اسمٰعیل صدقی باشا کو گرفتار کرکے مالٹا بھیجدیا۔

اس واقعہ نے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کردیا۔ ہر طرف شورشیں برپا ہوگئیں۔ بہت سے فدائیوں نے اپنی جانیں تک قربان کرڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کرسکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے وفد کے باقی ارکان کو دھمکانا شروع کیا۔ ۱۶۔ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور انھیں کہا گیا کہ اس تمام شورش کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

ہمنے جواب دیا کہ اس بے چینی کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار پر ہے کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہے، اور سعد باشا اور اُنکے رفقاء کو جلا وطن کردیا گیا ہے۔

قوم کی پہلی فتح

ملک بھر میں سخت ہیجان تھا۔ عین اسوقت لارڈ ایلنبی مصر پہنچے، اور اُنھوں نے یقین کرلیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہے۔ اُسے کسی طرح دبایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ۷ر اپریل کو ظلم و قہر کی قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندوں کو آزاد کردیا گیا اور مصریوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح مبین پر قوم کی مسرت بے حساب تھی۔ لیکن وہ اسپر قانع نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ ۱۱۔ اپریل کو مصری وفد، صلح کانفرنس کے سامنے مصر کا دعوی پیش کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب ہم مالٹا پہنچے، تو سعد باشا اور اُن کے رفقاء ہمارے ساتھ ہوگئے۔ سعد باشا نے سب سے پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی:

"ہماری جلا وطنی تو ختم ہوگئی۔ مگر اُس کی خوشی نے ہمیں اُس ذمہ داری سے غافل نہیں کیا ہے جو اب ہم پر قوم کی جانب سے عائد ہوگئی ہے!"

اتحادیوں کے اخلاقی دعووں کی حقیقت

ہم پیرس پہنچے تو معلوم ہوا، دول اتحادی کے مدبر، صلح کانفرنس کے دروازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایوان تک ہماری پکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی قدر نہیں بلکہ اخبارات کے صفحات بھی ہم پر بند کردئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری فریاد شایع کرنے پر طیار نہ تھا۔ اُسوقت ہمنے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں۔ ان الفاظ سے دول متحدہ کی غرض صرف یہ ہے کہ دنیا کو دھوکہ دیا جائے چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پس پشت ڈال دئے گئے اور ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہوگیا!

ہماری مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، بلکہ "پیغمبر صلح و انسانیت" مسٹر ولسن صدر جمہوریت امریکہ نے مصر پر انگریزی حمایت تسلیم کرکے ہماری مصیبت میں ایک نیا اضافہ کردیا۔ اسپر بھی ہم نا امید نہیں ہوئے۔ برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہماری کوششوں سے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ اُسنے ملنر کمیشن کا کھلونا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیجدیا تھا۔ لیکن اب ہم سیاست میں طفل مکتب نہ تھے کہ اس دلچسپ کھلونے سے کھیلنے لگتے۔ ملنر کمیشن نے مصر میں آکر وہ منظر دیکھا، جس کی اُسے

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے تازہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ سے واپسی ہے، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دَور کا افتتاح ہے۔

قارئین الہلال واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انگلستان کی دعوت آئی، پھر صدر جمہوریت فرانس شاہ اٹلی، اور شاہ بلجیم کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں پوپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہے کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اُس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی روک، برطانیہ ہے۔ پھر وہ مختلف دُول یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حاکمانہ امتیازات رکھتی ہیں۔ شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ ان ممالک میں جا کر مصر کے موافق عام رائے پر اثر ڈالیں۔

پادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبدالخالق ثروت پاشا بھی تھے۔ ثروت پاشا نے جس تدبر و لیاقت سے یورپ کے مدبروں سے گفت و شنید کی، اس کا اعتراف خود یورپین اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت پاشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انگلستان میں تھی۔ انگلستان کی فطرت یہ ہے کہ طاقت کے سوا کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہے، تو کسی طرح بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مصر تقریباً ۴۵ برس سے اُس کے چنگل میں ہے، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہے، انگلستان کو مصر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہتیاروں کی قوت سے زیادہ مؤثر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہے۔ مصری قوم پُوری طرح بیدار ہو گئی ہے اور انگلستان کی غلامی سے قطعی طور پر انکار کر رہی ہے۔

مسٹر میکڈانلڈ کی، مزدور حکومت کے زمانے میں خود سعد زغلول پاشا انگلستان گئے تھے کہ معاملات مصر کے متعلق کوئی منصفانہ تصفیہ ہو جائے مگر اُنھیں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اُسوقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں عظیم تبدیلی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ان جدید حالات میں ثروت پاشا ناکام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صورت مفاہمت کی نکل آئے گی۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیشین گوئی کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن حالات امید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے برطانیہ اور مصر، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ مسٹر بالڈوین نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہے:

"ہز اکسلینسی ثروت پاشا کی انگلستان میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آئندہ تعلقات پر بحث کی ہے۔ امید ہے اس گفت و شنید نے ہمیں اُس صحیح بنیاد تک پہونچا دیا ہوگا جس پر مصر اور انگلستان کی دوستی کی ایسی مستحکم عمارت کھڑی ہو سکتی ہے جس سے ایک طرف برطانی سلطنت کے اساسی مصالح بھی محفوظ رہیں، اور دوسری طرف، مصر کو اپنی آزادی اور خود مختاری سے متمتع ہونے اور قوموں کے مجمع میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے"

دوسرا بیان خود مصر کا ہے۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہے:

"ہمارے وزیر اعظم نے اپنی لندن میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر خارجہ سے طویل طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عمدہ اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں مصر اور سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محالفہ (حلفیہ عہدنامہ) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انگلستان کے علائق بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محالفہ اس شرط سے ہوگا کہ ہماری پارلیمنٹ بھی اسے منظور کر لے"

"میں نہایت مسرت سے اُس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص سے کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیں تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ اُن کے درمیان دوستی کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اُس سے مرتبط ہو جائیں، اور باہمی اعتماد سے فائدہ اُٹھائیں"

ان دونوں بیانوں کی روشنی میں امید بندھتی ہے کہ جلد برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا، جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور نہر سویز کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پا سکا، تو یقیناً یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت تازیانۂ عبرت ہوگی۔ کیونکہ ایک مٹھی بھر مشرقی قوم، جس کی آبادی سوا کروڑ سے بھی کم ہو، اپنی سچی وطنیت اور صادق استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبار سے اپنی آزادی تسلیم کرا سکتی ہے۔ مگر ہندوستان، جو ایک پورے براعظم کا درجہ رکھتا ہے، اور ۳۲ کروڑ انسانوں کا وطن ہے، بدستور برطانیہ کی شرمناک غلامی پر قانع رہتا ہے!

ہندوستان کو دھوکا دینے کے لئے ایک شاہی کمیشن انگلستان سے آ رہا ہے۔ ایک ایسا ہی کمیشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ "ملنر کمیشن" کے نام سے مشہور ہے۔ مصریوں نے اس مضحکہ انگیز کمیشن کا مقاطعہ کیا۔ یہی دانشمندانہ مقاطعہ، اُن کی سیاسی زندگی کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اب ایک ایسا ہی موقعہ ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھا چاہئے وہ اس آزمائش سے کیونکر عہدہ برا ہوتا ہے؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک غرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ دُول یورپ کو اُن حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جائے، جو اُنھیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہے کہ "ہماری کوشش کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت عنقریب ایک کانفرنس میں دُول یورپ کو مدعو کرنے والی ہے تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے"

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مصطفےٰ نحاس پاشا اُس کے بالاتفاق صدر قرار پائے۔ مصطفےٰ پاشا جماعت وفد کے بھی صدر ہیں یعنی مرحوم سعد پاشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کئے گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گئے۔ یعنی جماعت وفد میں بھی اور قومی پارلیمنٹ میں بھی۔

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفےٰ نحاس پاشا مصری رہنما کی زبانی

۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی تاریخ ہے جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہے۔ اس سال بھی یہ عید منائی گئی۔ مرحوم سعد پاشا زغلول کے جانشین مصطفےٰ نحاس پاشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطبہ دیا۔ مصری ڈاک میں یہ ہم تک پہونچا ہے۔ اسمیں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہے:

سیاسی بیداری کا آغاز

"مصر پر ایسے سخت دَور گزر چکے ہیں، جب پرستاران طاقت کو یقین ہو گیا تھا کہ اُن کا جبر و تشدد، قومیت کا شرارہ بجھا دے سکتا ہے اور دلوں پر نا اُمیدی کی موت طاری کر دے سکتا ہے۔ حالانکہ اس کائنات میں کوئی قوت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزوئیں مٹا نہیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہے۔ ایسا قوت کی یہ کوششیں کسی زمانے میں بھی بار آور نہیں ہوئیں۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الٰہی کے خلاف ہیں، مشیتِ الٰہی کے برعکس ہیں، خدا کی ٹھہرائی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح مشہد میں دیکھ لی۔ ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اتنا ہی زیادہ راسخ ہوتا جاتا تھا۔

جنگ عمومی کا جب صُور پھونکا گیا، تو مصر، دول اتحاد کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ اُس پر سخت قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اُس پر پُورا قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا۔ جنگ میں مصر نے جان و مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحادیوں کا پلہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحادی، حق لینے کے عادی تھے، حق دینے کا اُنھیں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے مصر کی آواز سننے سے انکار کر دیا!

اُنھوں نے صرف انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اُس کی ہر ممکن تذلیل کی گئی۔ اُس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو فاتحانہ جنگ میں خون آلود ہو چکے تھے۔

اُسوقت ہم چند دوستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حرکت شروع کیونکر ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی، جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول پاشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفتیں جمع تھیں، جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اُسوقت مجلس تشریع (لیجسلیٹو اسمبلی) کے سکریٹری بھی تھے۔

ہمنے اس مجلس کے ایک رُکن سے درخواست کی کہ وہ سعد پاشا سے اُن کے کسی معتبر دوست کے ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس رُکن نے ہمیں اطلاع دی کہ سعد پاشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہے

اسلام اور سزائے قتل

ایک ناتمام بحث کی تکمیل

(از مولانا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ الہلال کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک ناتمام بحث مکمل کر دینی چاہئے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جو کو مستفسر کو مختصراً لکھ کر بھیج دیا گیا تھا لیکن الہلال میں ناتمام رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سُنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اپنا افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑے جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اسمیں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح کی سزا کے مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

فقہ اسلامی کے تعزیری قوانین

قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور مقدمہ کے صاف کر دینی ضروری ہیں:

(۱) جب کبھی تعزیر و سیاست کے کسی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہے، اس طرح کی تعبیر بیان اختیار کی جاتی ہے کہ "اسلام کا قانون یہ ہے اور یہ شریعت اسلامی کا حکم ہے"، تو قدرتی طور پر اُن تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروں کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اُسی طرح تعزیر و سیاست کے بھی یہ احکام دیئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم سُنتا ہے کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے" تو وہ خیال کرتا ہے، اسلام نے اپنے پیروں کو حکم دیدیا ہے کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات مُنہ سے نکالے جس سے اُنکے خیال میں توہین ہوتی ہو، تو فوراً چاقو نکالیں اور اُس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں!

حالانکہ اسلام کی نسبت ایسی مجنونانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اُس کے خلاف سخت سے سخت اتہام ہے۔ نعوذ باللہ اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اُسنے اپنے پیروں کو قتل انسانی کا عام پروانہ دیدیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں۔ وہ قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہے۔ اُس کی کتاب اپنے معجزانہ انداز بلاغت میں اعلان کرتی ہے کہ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا قتل، فرد کا قتل نہیں ہے، نوع کا قتل ہے:

من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض، فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاھا، فکانما احیا الناس جمیعا، ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات، ثم ان کثیرا منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون! (۵ : ۳۵)

جس کسی نے کسی انسان کو بغیر ان دو حالتوں کے کہ قصاص لینا ہو یا قتل و خونریزی اور ظلم و فساد روکنا ہو، قتل کر ڈالا، تو وہ صرف ایک جان ہی کا قاتل نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کا قاتل ہے۔ اور اسی طرح جس کسی نے ایک انسان کو ہلاکت سے بچا لیا، تو اُسنے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہے۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بغیر کسی جذبۂ اعتذار کے کہا جا سکتا ہے کہ ترغیب دی ہے، لیکن وہ صورتیں وہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے بلکہ دُنیا کے عالمگیر اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے ناگزیر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارا نہیں کی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچایا جائے:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب! (۲ : ۱۷۹)

ایسا قتل جو قاتلوں سے انسانوں کو بچانے کے لئے ہو، اگرچہ بظاہر خون بہانا ہے لیکن فی الحقیقت اسی میں انسانی زندگی کی حفاظت پوشیدہ ہے!

قرآن بتلاتا ہے کہ یہ ناگزیر صورتیں تین ہیں: جنگ، قصاص، اور ایسے جرائم کا انسداد جن کا انسداد بغیر انتہائی سزا کے ممکن نہ ہو۔ ان تین کے سوا کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اُس بنائی ہوئی مخلوق کا خون بہانا برداشت نہیں کر سکتا جس کا نام انسان ہے۔ جو شخص اس سے زیادہ قتل انسانی کا جواز اُس کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ یا تو اسلام سے قطعاً بے خبر ہے، یا اسلام پر تہمت لگانے میں اُسے عار نہیں!

بہرحال تعزیری احکام و قوانین کی یہ تعبیر اُن لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اسلامی قانون ہونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام سے کس درجہ مختلف ہے؟ بلاشبہ تعزیر و سیاست کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے یعنے مسلمان قانون سازوں نے وقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں اُن وقتوں کے احوال و ظروف کے مطابق اُن کا اجراء و نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانون اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور انھیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجمالی مبادیات ہی سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن اُن کے "اسلامی قانون" ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہے، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کئی حیثیتوں سے واضح ہے:

اولاً، تعزیر و سیاست کے تفصیلی قوانین کا بڑا حصہ براہ راست شریعت کا ٹھہرایا ہوا نہیں ہے، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہے۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ نپولین کے فرانسیسی مجموعۂ قوانین یا تعزیرات ہند کی طرح اُسنے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بنا کر نافذ کر دیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا، تو دُنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہو سکتا تھا۔ پس اُسنے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر لی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجمالی مبادیات وضع کر دئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمعیت بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے اور مفاسد کے روک تھام اور مصالح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جا سکیں۔ اسلامی حکومت کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظروف میں ہوئی تھی۔ اس لئے تعزیر و سیاست کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔

پھر جوں جوں دائرۂ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تعزیر و سیاست کی نئی نئی ضرورتیں پیش آتی گئیں، مقننین اسلام تفصیلی قوانین کا استنباط بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تعزیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدوّن ہو گیا۔ پس اگرچہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے براہ راست احکام نہیں ہیں، اور اسلام کے براہ راست احکام میں اور قانون سازوں کے استنباط کئے ہوئے احکام میں جو بنیادی فرق ہے، اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کی طرف دونوں کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ پہلے قسم کے احکام اس کے براہ راست ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین مقننین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بسا اوقات اُن میں اور اسلامی اصول و مبادیات میں بیشمار کڑیاں نظر و تفریع، اور قیاس و استخراج کی واقع ہو گئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ یہ قوانین تعزیر و سیاست کے قوانین تھے، اور تعزیر و سیاست کے قوانین سلطنت کے لئے ہوتے ہیں، عام افراد امت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنے نماز روزہ کے احکام کی طرح ان کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نماز روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں، اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ انھیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام تعزیر و سیاست کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

ہرگز توقع نہ تھی۔ اُسنے دیکھا کہ پُوری قوم متحد و متفق ہو، اور یک زبان "مقاطعہ" کا اعلان کر رہی ہو!

ملنر کمیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پچکارا۔ مگر قوم کا صرف یہی ایک جواب تھا کہ "وفد سے باتیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سُنیں گے" کمیشن مایوس ہو کر لوٹا اور وفد کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دینی پڑی ابتدائی گفتگو کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیاں ہی کافی سمجھتا ہو۔ اُس کے نقطۂ نظر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہو۔ حالانکہ خود لارڈ ملنر نے اپنی روداد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کی موجودہ حرکت، ایک حقیقی ملّی حرکت ہو، اور یہ کہ وفد مصری، پُورے ملک کا صحیح نمائندہ ہو۔ مگر برطانی حکومت نے اسپر کوئی توجہ نہ کی۔

قوم کی دوسری فتح

جد و جہد جاری رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب برطانیہ نے دیکھا کہ نیا قدم اُٹھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، چنانچہ نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ "مصر اور برطانیہ کے مابین حمایت ایک ناپسندیدہ علاقہ ہو!" یہ قوم کی دوسری فتح مبین تھی!

نااتفاقی نے حالت بدلدی

اس اعلان کے بعد برطانیہ اُس منزل میں اُتر آیا تھا جہاں مفاہمت کی اُمید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی پاشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اُس وقت سعد پاشا یورپ سے لوٹ آئے تاکہ اپنے مفید مشوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر افسوس اس نازک گھڑی میں نااتفاقی کے شیطان نے ہمارے اندر سر اُٹھایا! قوم میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم آگے بڑھا تھا، اُتنے ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مصر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کر لئے گئے۔ ظلم و قہر کا از سر نو دور دورہ شروع ہو گیا۔

ایک اور برطانی وفد

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری وفد گفت و شنید کے لئے لندن گیا تھا، اُسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا وفد مصر آیا تاکہ اصلی حالات کی تحقیقات کرے۔ اس وفد نے آتے ہی حقیقت معلوم کر لی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اُس سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس وفد نے واپس جا کر اپنی روداد شائع کر دی۔ اسمیں لکھا تھا کہ مسئلۂ مصر کا ایک ہی حل ہو۔ اور وہ یہ ہو کہ مصر کی کامل خود مختاری تسلیم کر لی جائے۔ اس وفد نے مصر کو بہت نفع پہونچایا، کیونکہ انگلستان کی عام رائے حقیقت حال سے واقف ہو گئی تھی۔

عالم مطبوعات و صحائف

مشتری کے متعلق تازہ معلومات

مُشتری، نظام شمسی میں سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ چمکنے والا ستارہ ہو۔ وہ آفتاب سے ۴۸۳۰۰۰۰۰۰ میل دور ہو۔

ایک امریکن ہیئت داں نے حال میں ایک رسالہ لکھ کر مشتری کے متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہو، مُشتری کی اہمیت صرف اسی لحاظ سے نہیں ہو کہ وہ سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ روشن ستارہ ہو؛ بلکہ اُس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہو کہ وہ اجرام سماوی کے متعلق سدیمی نظریہ کا سب سے زیادہ واضح ثبوت پیش کرتا ہو۔

مشتری کا فلک ۰۰۰، ۷۱، ۲۷ میل کے دائرے میں ہو۔ وہ اپنے محور کے گرد ہر ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں گردش کرتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ اُس کی رفتار غایت درجہ تیز ہو۔ اپنے خط استوا پر اُس کی حرکت ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہو۔ مشتری کے مادّہ کی کثافت زمین کے مادّے کی کثافت کے مقابلے میں ربع کا درجہ رکھتی ہو۔ لیکن اُس کی قوت جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشتری میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ ہوگا۔

مشتری کے اقمار

مشتری کے چاند، نو ہیں۔ ان اقمار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہو۔ کیونکہ:

(۱) اُس کے ۴ چاند، اجرام فلکی میں سب سے پہلے انسان نے معلوم کئے۔ گلیلو نے اپنی کم زور دوربین سے یہ چاند دیکھے تھے۔

(۲) ان چاندوں کے گرہن کے اختلافات نے پروفیسر رومر کو موقع دیا کہ ۱۶۷۵ء میں نور کی سرعت دریافت کرے۔

(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشتری کے مادّہ اور اُس کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی

۱۸۹۲ء میں پروفیسر برنارڈ نے مقام لیک کے رصد خانہ سے مشتری کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔ باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی ترقی کے بعد دریافت ہوئے ہیں۔

دُمدار ستارے

مشتری کے قریب ۳۰ سے زیادہ دُمدار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان ستاروں کے فلک، مشتری کے فلک سے تقریباً متصل ہیں۔ خیال کیا جاتا ہو، کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشتری کے قریب حرکت کرتے تھے، بتدریج اُسنے اُنھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ہو کہ بالآخر بالکل جذب کر جائے، اگرچہ یہ ستارے ابتک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔

مشتری کے خطوط

دُوربین سے مشتری کو دیکھنے سے اُس کے قرص پر کچھ خطوط یا مختلف رنگوں کے مساوی مسافت کے رتبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اور چند ہفتے، چند مہینے، اور کبھی کبھی چند سال باقی رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب تک کوئی تعلیل نہیں کی جا سکی۔ علما کا خیال ہو کہ آفتاب کو اس بار میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابند نہیں ہو۔ یہ بھی عجیب بات ہو کہ مشتری کا قرص، مرکز کے بُعد سے سیاہ ہونا شروع ہوتا ہو۔ یعنی اپنے قطبین پر مشتری کا رنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دھندلا بلکہ تاریک ہو۔

مشتری کی حرکت

مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کی سطح، در اصل ایک کثیف ابر ہو۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ابر آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہو۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہو کہ اُس کا پُورا جسم ایک ساتھ اپنے محور پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اُس کے بعض اجزا بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سست رفتار ہیں!

مشتری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دُوری پر ہو، بہت ہی عظیم ہو۔ علما کا خیال ہو کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود مشتری ہی سے پیدا ہوتی ہو۔

انسان کا مستقبل

سر فلپ گبز، انگلستان کا مشہور عالم اہل قلم ہو۔ پچھلے دنوں اُسنے مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان، قدرت کی خفتہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ گیا ہو۔ اب اُس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کر کے مسخر کر لے، یا خود مغلوب ہو کر برباد ہو جائے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ انسان، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق العنان حاکم بنجائے گا۔ اسی غرض سے بعض علما نے تجویز پیش کی ہو کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التوائے جنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اسوقت کی تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لا سکے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو مختل کر ڈالے گی۔ وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بنجائے گی۔"

"لیکن یقین نہیں کہ دُنیا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب رُکنے سے بھی رُکتا نظر نہیں آتا۔ ہزاروں برس کی قید کے بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہو۔ اور برابر بے قید ہی رہنا چاہتا ہو"

"اب انسان کی کوشش یہ ہو کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھی چھین لے جسپر ابتک نظر اُٹھانے کی اُسنے اجازت نہیں دی تھی۔ اب انسان چاہتا ہو کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بنجائے۔ اُسے شرم آتی ہو کہ خود اُس کی تکوین و تخلیق اور اُسکے نفس کی تکییف کا معاملہ، قدرت کے ہاتھ میں ہو، چنانچہ اب وہ چاہتا ہو کہ اپنی پسند کے مطابق اپنی نسل پیدا کرے، اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنائے"

"انسان نے اب معلوم کر لیا ہو کہ جسم اور اخلاق کی تکوین کا معاملہ سراسر اُن غدد یا گلٹیوں سے وابستہ ہو، جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں اگر مادہ کے جسم سے وہ خاص گلٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اُسے مادہ بنا دیا ہو، اور اُن کی جگہ وہ گلٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ ذی روح نر ہوا کرتا ہو، تو فوراً جنسیت بدلجائے گی یعنی مادہ، نر بنجائے گی اسی طرح نر کو مادہ بنایا جا سکتا ہو۔ اب معلوم ہو چکا ہو کہ سر کی ایک گلٹی سے جو مادّہ خارج ہوتا ہو، اُس کی کمی بیشی سے انسان لانبا اور پست قد ہو جاتا ہو۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گلٹی کے عمل میں ترمیم کر دی جائے، تو حسب مرضی قد دراز اور پست ہو جا سکتا ہو۔ اب قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو کہ تمام چوروں کے جسم میں بعض خاص قسم کی گلٹیاں ہوتی ہیں۔ اُنھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی حال

اتنی ہی بلندی پر ہوگی، جتنی بلندی پر ہمیشہ سے چلی آتی ہو!

حقوق سے محروم ہو گئی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقاد کی آزادی کا اعلان کیا۔ اُس نے مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس کا اُس وقت تک دنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ ۵۰ برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی مملکت تھی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیرؤں کی تھی، لیکن اُس میں حکمران قوم کے دوش بدوش ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد تھے، اور سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب و اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کر سکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اُس نے فتح مکہ کے بعد عرب کی قدیم بت پرستی کے اقتدار سے تو انکار کر دیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب عملاً اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت اُسی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان رہتے سہتے ہیں۔ بحیثیت شہری ہونے کے اُنھیں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں اُنھیں "ذمّی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے اُن کی حفاظت جان و مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمّہ لیا تھا۔ اصل اِس بارے میں وہ طرز عمل ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اُن پر عامل رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے، وہ آج تک تاریخ و فقہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے اُنھیں سے ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی رُو سے غیر مسلم باشندوں کے جن حقوق کا بطور عہد و میثاق کے ذمّہ لیا گیا تھا، وہ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہیں:

(۱) اُنھیں پُوری مذہبی آزادی ملے گی۔ اُن کی مذہبی عبادت گاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ وہ ناقوس بجانے سے نہیں روکے جائینگے۔ وہ اپنے تہواروں میں اپنے جلوس نکال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اُسی طرح قائم رکھے جائیں گے، جس طرح پیشتر سے موجود ہیں۔ "لا یغیر ما کانوا علیہ"۔

(۲) اُنھیں اُنکے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "لا یفتنوا عن دینھم")

(۳) ان کی جان، مال اور ہر طرح کی جائداد محفوظ رہے گی۔ اُنہیں اُس میں تصرف کے تمام حقوق حاصل ہونگے۔ اگر اُن کا کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی طرف سے لڑیں گے۔

(۴) اُن کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) اُنھیں اُن کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح ہوگی، اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار، اور معیشت میں کسی طرح کی روک عائد نہیں کی جائے گی۔ اُنکے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہ اُن تمام ٹیکسوں سے معاف رکھے جائینگے جو مسلمانوں کے لئے قرار دئے گئے ہیں، ان سے عشر بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ فوجی خدمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہ اُن معاہدات کا خلاصہ ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً نجران کا معاہدہ جو سنہ ہجری میں ہوا تھا، اور جس کے پورے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے متمدن ممالک فتح ہوئے، اور مجوسیوں اور عیسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے ماتحت آگئیں، تو ان مجمل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پُوری صراحت کے ساتھ تسلیم کر لی گئیں، جو آزاد باشندوں کی شہری کے لئے اُس عہد میں ہو سکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمان خلفاء جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اُس کا اندازہ صرف اِس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات وصیت دیکھ لئے جائیں جو مرتے وقت اُن کی زبان پر طاری ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے اُن کا ذمّہ لیا ہے" ذمیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اعتراف کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔

آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جا رہا ہے کہ اُس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اِس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلانا چاہتا ہے، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش اِن معترضوں کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام ہے جس نے اپنے عروج سلطنت کے زمانے میں، جب دنیا انسانی جان و مال کے مساویانہ حقوق کا تحمل بھی نہیں کر سکتی تھی، اِس قانون کا اعلان کیا تھا کہ "من کان لہ ذمتنا، فدمہ کدمنا، ودیتہ کدیتنا" (سلہ) ایک غیر مسلم ذمّی کا خون بھی ویسا ہی محترم ہے جیسا ہمارا خون، اور اُس کا خون بہا بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم و جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لے کر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمیوں کا قتل اِس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بڑھ کر اسلامی تعلیم کے کون پیکر ہو سکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنھوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کر دیا تھا۔

بہرحال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اُس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ اُسکے عہد میں۔ ایک یورپین مورخ (سیدیو) نے اِن لفظوں میں اِس کا اعتراف کیا ہے "اسلام نے ذمیوں کو بجز ایک حق کے اور تمام حقوق دیئے ہوئے تھے۔ یعنے وہ بادشاہ نہیں ہو سکتے تھے"۔

اِن تمام حقوق کے معاوضہ میں اسلامی حکومت اُن سے کیا چاہتی تھی؟ اِس پہلو سے بھی معاملہ پر غور کر لینا چاہیے۔ اسلامی حکومت قدرتی طور پر اُن سے اِس سلوک کی توقع رکھتی تھی:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تصور کرینگے، اور اِس کے خلاف کسی بغاوت یا سازش میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رواداری کا برتاؤ کریں گے جس طرح وہ اُن کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کرینگے جس سے حکومت کی توہین و تذلیل ہو یا حکومت کے مذہب کی توہین و تذلیل ہو۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص اِن توقعات کو بے اعتدالانہ قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی مسیحی کی دنیا میں جب اسلام نے اِن حقوق کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساوی حقوق دیکر اُن سے اِس طرز عمل کی متوقع رہتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دنیا میں کون قوم اور مذہب ہے جو اپنی تاریخ کے صفحات میں اِس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دکھلا سکتا ہے؟

مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اور یہ ذمّی اور اُن کا ذمّہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکنے لگیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہو جائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اِس طرف گئی کہ اِس پر بھی اُنھیں قتل نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہیے جس سے اِس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سدباب ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ اور فقہاء شافعیہ و حنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ گذشتہ ۶ صدیوں میں جسقدر بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، اُن کا عمل فقہ حنفی ہی پر تھا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت مغلیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت عثمانیہ۔ اِس لئے تاریخ میں کئی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان مصطفیٰ خاں چہارم کے زمانہ میں ایک ارمنی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُس نے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسم گرامی لیکر سب و شتم کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور اُنھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اِس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا "کیا اِس سے زیادہ سخت سزا نہیں دی جا سکتی تھی؟" شیخ الاسلام نے کہا "شرعاً میں یہی سزا تجویز کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دیجئے" سلطان خاموش ہو گیا!

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اِس طرف گئی کہ ایسی صورت میں قتل کرنا چاہیے۔ امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی سے ایسا ہی منقول ہے۔ اُن کی نظر اِس طرف گئی تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیئے ہیں [illegible] ملک ہونے کے اعتبار سے اُن میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اِس طرز عمل کے بدلے وہ صرف [illegible] مذہب کا لحاظ رکھا گیا ہے، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں۔ اور کوئی بات علانیہ ایسی نہ کریں جس سے توہین و تذلیل مقصود ہو۔ لیکن اگر اِس پر ذمیوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو اسلام کا اتنا لحاظ رکھنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ اُسکے پیغمبر کو خود مسلمانوں کے منہ پر صریح گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے [illegible]

خلاصۂ بحث

یہاں تک جسقدر بیان کیا گیا ہے، اُس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ

(۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا [illegible] براہ راست منصوص قانون نہیں ہے، بلکہ تعزیر و سیاست کا ایک فروعی حکم

سلہ حافظ زیلعی نے ہدایہ کی تخریج میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اور ایک فیصلہ نقل کیا ہے جو اُنھوں نے اپنے زمانہ خلافت میں صادر کیا تھا، اور مسلمان قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا۔

صرف اُسی حالت میں قابلِ عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکامِ قضاء پر (جسے آج کل کے اُردو اخباروں کی زبان میں "عدالتی کارروائی" کہنا چاہیئے) اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اُس عہد میں دُنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظمِ سیاست یہ ہے کہ "جرم" اور "تعزیر" ایک ایسی چیز ہے جس کی تشخیص اور حکم ہر حال میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عدالت کے سوا کوئی نہیں جسے کسی انسان کو "مجرم" قرار دینے اور "سزا" دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقصود محض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہے۔ بلکہ سماعت، شہادت، اور تحقیق و حکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکمِ عدالت کو کارروائی کرنی چاہیئے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہے، تو خلیفۂ وقت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مجرم کو سزا دیدے۔ اگر خلیفۂ وقت کے ذاتی علم و مشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم آگیا ہو، تو اُس کی حیثیت محض ایک مدّعی یا گواہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اُسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اُسکے دعوے یا گواہی کی نسبت رائے قائم کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس اصل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علٰحدہ کردیئے گئے ہیں۔ یعنی جو قوت "سزا" کے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہو، اُسے "مجرم" قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اور اس ایک بنیادی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی ناانصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر دی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم اصلاح ہے لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی مسیحی میں جبکہ دنیا کے سب سے بڑے متمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص بہ حیثیت مجسٹریٹ کے ملزم پر الزام بھی عائد کرتا تھا اور بہ حیثیت جج کے اُسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناصب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو وقت کے حاکموں، گورنروں درخود بادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بلا رُو و رعایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ویسا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک عام باشندۂ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے!

اسلام نے تعزیر و سیاست کے باب میں عدالت کے نظام کو جس قدر اہمیت دی ہے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کرلیا جا سکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ کوئی آقا اپنے نوکر اور غلام کو بھی بطور خود سزا نہیں دے سکتا، اگرچہ قصور کتنا ہی بڑا اور سزا کتنی ہی ہلکی ہو۔ اُسے چاہیئے کہ باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرے!

ظاہر ہے کہ تعزیر و سیاست کے بارے میں جس قانون کا یہ حال ہو، کیونکر [illegible] ہے کہ وہ عدالتی اور آئینی نظم کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا [illegible] جائز رکھ سکتا ہو، خصوصاً قتل کی سزا جو انتہائی سزا ہے؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہوتی، اور بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے وہی قوانینِ سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں اور آٹھویں صدی مسیحی میں دمشق اور بغداد کی عدالتوں میں نافذ تھے، اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک ذمّی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر ڈالتا تو یقیناً وہ اُسی طرح قتلِ عمد کا مجرم قرار دیا جاتا، جس طرح دُنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اُسنے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہے۔

غرضکہ تعزیر و سیاست کے قوانین کا "اسلامی قانون" ہونا، نوعیت نہیں رکھتا، جو نوعیت اسلام کے شرعی واجبات و فرائض کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تعبیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کردیتی ہے، اس لئے چاہیئے کہ تعبیر و بیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تعبیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ اُنھیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ فقہاء اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس بارے میں کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن کیا بحالتِ موجودہ اُن کا ذکر موزوں اور برمحل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواقع پر اُن کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ ہی میں کیوں نہ ہو؟ مجھے بغیر کسی تامل کے اس کا جواب نفی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دیا، اُنھوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب کبھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں ہی کا باعث ہوگی۔ صلاحِ کار اور مصلحتِ وقت کے مطابق نہ ہوگی۔ خود اسلام کے شرعی آدابِ حکم و افتا کے بھی یہ خلاف ہے کہ غیر عملی اور غیر وقوعی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو ائمۂ سلف کی نسبت جابجا منقول ہے کہ بعض دقیقہ سنجانِ فقہ کی ایسی کاوشیں ناپسند کرتے تھے جن میں غیر وقوعی صورتیں پیدا کر کے بحثیں کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقعہ پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک اسی قانون پر کیا موقوف ہے؟ سیکڑوں قوانین دوسرے وقتوں اور حالتوں کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اُن کا بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظمِ شرع یہ ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی وقت کا اصلی حکم ہوگا۔ اُسکے خلاف جو کچھ ہے، وہ وقت کا حکم نہیں ہے۔ پس جب ایک بات موجود حالت سے شرعاً تعلق ہی نہیں رکھتی، تو اُس کا ذکر کرنا اور اُسے بنائے کار قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تعزیری قوانین غیر مسلموں سے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورتِ حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ ایک اسلامی حکومت ہو، جس نے غیر مسلموں کی حفاظتِ جان و مال کا ذمّہ لیا ہو، اور ذمّیوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، اُن میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب سرے سے وہ صورتِ حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمّہ ہے۔ اور نہ ذمّی ہیں۔ پس فی الحقیقت اُن قوانین کا موجودہ حالت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دینی چاہیئے اور کس میں نہیں دینی چاہیئے؟ یہ بات تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمّہ لیا تھا، اور اُنھیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کر دیئے تھے۔ چونکہ حکومت نے ذمّہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین و عدالت کے ذریعہ اُنکے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم و تعدّی پر اُتر آئیں تو اُنھیں سزا دے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے، اور نہ غیر مسلموں کا ذمّہ باقی رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام قوانین یک قلم غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمّہ ہی باقی نہ رہا جس پر تعزیر و سیاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور نہ حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزائیں نافذ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں ان قوانین کا ذکر کرنا، اور انھیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہکر پکارنا کس قدر بے معنی بات ہے؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی صورت غیروں کی نظروں میں مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور اُس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑ گئے ہیں۔

اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن لفظوں میں سوال کیا گیا ہے، اُس کا جواب بغیر کسی تامل کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون ہے اور نہ کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہے۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

"کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے، اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے"؟

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں، اور تفصیل اسکی اوپر گزر چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہے، اور وہ بلاشبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں موجود ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذمّی (غیر مسلم باشندہ) اپنے مذہب کے مجنونانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض و عداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر و تذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کرلے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سبّ و شتم کرنے لگے۔ یعنے گالیاں بکنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبانی کرنے لگے جو صریح سبّ و شتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟ فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ ایسا طرزِ عمل کے بعد اُس کا ذمّہ و عہد باقی نہیں رہا۔ یعنے اسلامی حکومت نے اُسے جس باہمی سلوک کے معاہدہ پر ہر طرح کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی دی تھی، اور اُس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہوئی تھی، وہ خود اُسی کی طرف سے شکست ہو گیا، اس لئے اُسے قتل کرنا چاہیئے۔ دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی وجہ سے عہد و ذمّہ شکست نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی البتہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا سدّباب ہو جائے۔ پہلی رائے حضرت امام مالکؒ، امام احمدؒ، اور امام شافعیؒ کی (کتاب الاُم میں) ہے۔ دوسری رائے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ہے اور حنبلیہ و شافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔

جو فقہاء اس طرف گئے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہیئے، اُنھوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر اُسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اُسکی وضاحت اُس وقت تک نہیں ہو سکے گی، جب وقت تک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً "ذمّہ" اور "ذمّی" سے مقصود کیا ہے؟ مختصر لفظوں میں اس کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہب و اعتقاد کا اختلاف انسانی قتل و خونریزی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو۔ جس مذہب کے پیرو طاقت و حکومت حاصل کرلیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اُس عہد کی سب سے بڑی متمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن اُس کا بھی یہ حال تھا کہ جب وقت تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے امن نہ تھا۔ جب مسیحی مذہب قبول کرلیا، تو تمام غیر مسیحی رعایا زندگی اور معیشت کے

ہو جسمیں خود فقہاء کی رائیوں میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے اُسے تجویز کیا ہو۔ دوسری کو اس سے اختلاف ہو۔ پس یہ فقہاء کا بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو۔

(۲) جو جماعت اس رائے کی طرف گئی کہ قتل کرنا چاہئے اُسنے جن حالات میں یہ بات تجویز کی تھی، اُنھیں پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مذہبی تعصب کا کوئی مجنونانہ حکم تھا۔ یا اس سے مقصود یہ تھا کہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خدا کے بندوں کا خون بہایا جائے۔

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ٹھیک نہیں ہو کہ اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے "توہین" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ "توہین" کا لفظ بہت زیادہ عام ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے ایک شخص کے خیال میں توہین نکلتی ہو۔ دوسرے کے خیال میں نہ نکلتی ہو۔ اسی لئے فقہاء نے اسے "سب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہو۔ "سب" کے معنی صریح گالی دینے کے ہیں، یا ایسے الفاظ کہنے کے ہیں جو بمنزلہ دشنام ہوں۔

(۴) پھر جو کچھ بھی ہو، یہ قطعی ہو کہ اس قسم کے قوانین اور اُن کی بحثوں کو موجودہ حالت سے کوئی دُور کی مناسبت بھی نہیں، جیسا کہ مقدمات میں گزر چکا۔

(۵) باقی رہی وہ صورتِ حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی، تو اُس کا حال یہ ہو کہ موجودہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہو۔ لیکن بسا اوقات اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہو۔ ہندوستان میں سب سے پہلے بعض بدزبان مسیحی مشنریوں نے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی مہذب اور سنجیدہ نکتہ چینی نہیں کہی جا سکتی۔ اُنکے بعد آریا سماج کے نئے مشنری آئے۔ اُن میں سے بھی بہتوں نے مذہبی تحقیق اور سنجیدہ نکتہ چینی کی جگہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کیا۔ "رنگیلا رسول" نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک اخلاقی موت تھی۔ یقیناً حکومت اور قانونِ وقت کا فرض ہو کہ اس قسم کی دلآزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے، اور جائز نکتہ چینی اور مذہبی دلآزاری میں امتیاز کرے، لیکن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنی طبیعت کا یہ انداز کیوں بنالیں، کہ جہاں کسی ٹٹ پونجیے نے ایک چار ورقی رسالہ چھاپ کر شائع کر دیا، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام مسلمان شور و واویلا مچانا شروع کر دیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی، اور "تحفظ ناموسِ رسول" کا سوال پیدا ہو گیا۔ نعوذ باللہ، اگر چند جاہل اور کور چشم انسانوں کے بکواس کر دینے سے "ناموس رسول" کی حفاظت کا سوال پیش آ سکے۔ یا اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہو۔ ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خودداری کو اس درجہ خلاف ہو کہ میں سمجھ نہیں سکتا، کیونکر ایک مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہو؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی چھاپ دئے جائیں جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعیٔ اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ جس طرح ہمیشہ بُری زبان اور بُرے اخلاق کے لوگ موجود رہے ہیں، اب بھی موجود ہیں۔ اگر اُن کی تحریروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہو جسمیں کوئی سنجیدہ اعتراض کیا گیا ہو، تو چاہئے کہ اُس کا جواب دیدیا جائے۔ باقی جس قدر بدزبانی ہو، وہ بحکم "کالائے بد بریش خاوند" اُنہی کے لئے چھوڑ دینی چاہئے۔

اعلان-۱

قارئین الہلال کے لئے

(۱) پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نمبر ۲۴ پر الہلال کی پہلی ششماہی جلد ختم ہو جاوے گی۔ لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اگرچہ مہینوں کے حساب سے یہ اعلان غلط نہ تھا، لیکن نمبروں کی تعداد کے لحاظ سے اسمیں مزید وسعت کی گنجایش ہو۔ اگر سال کی دو تعطیلیں وضع کر دی جائیں (جیسا کہ ہمیشہ دفتر الہلال کا قاعدہ تھا) تو اس صورت میں بھی سال بھر کے ۵۰ نمبر ہونے چاہئیں۔ نہ کہ ۴۸۔ بہرحال دفتر نے ارادہ کر لیا کہ پہلی جلد کا اختتام نمبر ۲۴ پر نہیں بلکہ ۲۵ پر کیا جائے، اور اس طرح خریداران الہلال کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ نمبر بھی پچھلی ششماہی جلد کے سلسلہ میں بھیجا جا رہا ہو۔ جن حضرات نے نئی جلد کے لئے وی۔ پی کی درخواست کی ہو، اُن کا نیا حساب اس نمبر سے نہیں بلکہ آئندہ نمبر سے شروع ہوگا۔

(۲) لیکن الہلال کی نئی ششماہی جلد کے آغاز کے لئے یہ صورت موزوں نہیں معلوم ہوئی کہ دسمبر کی ایک درمیانی تاریخ سے اس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس طرح مہینوں کا حساب ہمیشہ بے ترتیب رہتا، اور بجائے سال کی ابتدا یا سال کے وسط کے، ایک درمیانی تاریخ سے جلد شروع ہوا کرتی۔ پس یہی مناسب معلوم ہوا کہ آئندہ جلد کی ابتدا جنوری سے کی جائے۔ جنوری سے جون تک، اور پھر جولائی سے دسمبر تک، ہمیشہ ششماہی اختتام و آغاز ہوتا رہے گا، اور حساب میں کسی طرح کی بے ترتیبی باقی نہیں رہے گی۔

دسمبر میں ۵ جمعہ واقع ہوئے ہیں۔ آخری جمعہ تعطیل کا تھا۔ اس لئے اگر یہ وقفہ اختیار نہیں کیا جاتا تو دو نمبر اور نکلتے۔ اب یہ دو نمبر نہیں نکلیں گے۔ جنوری کے پہلے جمعہ سے جو ۶ کو واقع ہوگا، نئی ششماہی جلد کا سلسلہ شروع ہوگا۔

(۳) اس وقفہ کے اندر مطبع کو مزید انتظامات کی تکمیل کا بھی موقعہ مل جائے گا جو پیش نظر ہیں، اور جن کی وجہ سے نئی ششماہی سے الہلال کے ترتیب مضامین اور حسن طباعت میں متعدد نئی تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ ادھر چند نمبروں سے الہلال کی طباعت خصوصاً تصاویر کی تعداد و طباعت میں جو ترقی ہوئی ہو، اُمید ہو کہ قارئین الہلال نے محسوس کر لی ہوگی۔ یہ اب مطبع الہلال کا ذاتی انتظام ہو جس کی وجہ سے بلاک بہ لحاظ قسم و نوعیت کے بھی بہتر بننے لگے ہیں، اور اُنکی چھپائی بھی خاص طریق طباعت اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور خوشنما ہو گئی ہو۔ اُمید ہو کہ عنقریب بقیہ انتظامات کی تکمیل ان تمام چیزوں میں مزید رونق و اہتمام پیدا کر دیگی۔ "مینجر الہلال"

اعلان-۲

(۱) مجھے ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہو کہ الہلال کی اشاعت کے وقت صورتِ حال کا جو اندازہ کیا تھا، وہ کئی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ مجبوری صحت کی طرف سے پیش آئی۔ میں نے جب جب ارادہ کیا کہ الہلال کے کافی وقت نکالوں، صحت کی فوری ناموافقت دامنگیر ہوئی، اور قدم اُٹھا کر پھر رک جانا پڑا۔

(۲) میں اُن دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں جو زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں الہلال کی ورق گردانی کرتے تھے، تاہم اُنھوں نے رشتۂ انتظار ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور برابر مطالعہ جاری رکھا۔ اگر میرے خاص مضامین کی قلت نہ رہی ہوتی تو بہ حیثیت مجموعی الہلال کے مضامین کی کثرت اور تنوع کا جو انداز یکساں طور پر برابر قائم رہا ہو، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقعہ پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔

(۳) بہرحال اُن دوستوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جونہی پچھلی بیماری سے مجھے تھوڑی بہت مہلت ملی، میں نے الہلال کے لئے لکھنا شروع کر دیا، اور اب اُمید ہو کہ توفیق الٰہی سے یہ سلسلہ مزید ترقی و توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا۔ افسوس ہو کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی تھیں جو نہ لکھی جا سکیں۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جو کچھ ماضی میں نہ ہو سکا، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اُٹھائی جائے!

(۴) مجھے چند الفاظ الہلال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال کی قیمت بارہ روپیہ سالانہ اور سات روپیہ ششماہی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں البلاغ نکلا، تو اُس کی قیمت بھی یہی تھی۔ یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی۔ لیکن دونوں حالتوں میں جو عظیم فرق ہو چکا ہو، وہ شاید بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دوں۔

۱۹۱۴ء میں (یعنی جنگ سے پہلے) چھپائی کے تمام مصارف، موجودہ مصارف کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھے۔ جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دوگنی سہ گنی ہو گئی ہیں سامان طباعت کی بھی ہو گئی ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال جس مشین پر چھپتا تھا، اُس کی قیمت ۶ ہزار روپیہ تھی۔ اب بارہ ہزار ہو۔ ۱۹۱۴ء میں الہلال کے لئے جو کاغذ استعمال کیا جاتا تھا، اُسکی قیمت تین روپیہ فی ریم تھی۔ اب اُسی کاغذ کی سات روپیہ ہو۔ روشنائی جو اُس وقت لگائی جاتی تھی، ڈیڑھ روپیہ فی پونڈ سے زیادہ کی نہ تھی۔ اب وہی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہو۔ اُس وقت سینئر کمپوزیٹروں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ روپیہ ماہوار تھی۔ اب اس تنخواہ میں کوئی جونیئر بھی نہیں مل سکتا۔ تصویروں کے بلاک اُس وقت ۴ر اسکوائر انچ میں بنتے تھے اب اُنہی کی اُجرت آٹھ آنہ سے بھی زیادہ ہو۔ لیتھو کی چھپائی میں کتابت کی اُجرت اُس وقت ۴۔ ۵ روپیہ جزء سے زیادہ نہ تھی۔ اب دس روپیہ کی اُجرت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہو۔

ایسی حالت میں بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ الہلال کی جو قیمت ۱۹۱۴ء میں قرار دی گئی تھی، وہ ۱۹۲۷ء میں کیونکر موزوں ہو سکتی ہو؟ بجا نہ تھا اگر اب بارہ روپیہ کی جگہ ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ سابق قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی وسیع اشاعت رکھنے پر بھی جو اسوقت کسی اُردو رسالہ کی نہ ہوگی، اب تک اُس کے مصارف اور آمدنی کی میزان مساوی نہ ہو سکی!

یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۴ء میں اس کی ضخامت عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی۔ اور اب کم از کم ۲۴ ہے۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہوں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ۵ر فی پرچہ قیمت دیکر الہلال کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک کر رہے ہیں، تو اُمید ہو کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے!

ابوالکلام

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسله میں هم نے اماميين كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پایه عربي تصانيف كے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد' ذریعه معاش' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضا مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي' اسلامي' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو' عربي' فارسي' انگریزي' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازه معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات' لطائف افسانه' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهیں اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها' اس لئے اس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها - اس کے هر نمبر میں مختلف ابواب' مذهب' سیاست' ادبیات' علوم و فنون' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وه پہلا هفته وار رساله تها' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي' مذهبي' سیاسي' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - ان کي مقبولیت و قدر کا اندازه اس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدللّٰه یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے کي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه	الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه	" " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الہلال اس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت فی پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدگی ہونیکی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتی ہیں

تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide
To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی ... رانچی میں نظر بند تھے - موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی ... رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے ... کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ ... مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے ...

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے قریب تر دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.